تفسیر، حدیث، فقہ، تصوّف اور اسرارِ شریعت کا حسین مجموعہ

ایک عظیم انسائیکلوپیڈیا

جلد اوّل

اِحیاءُ عُلومُ الدّین

جدید اور با محاورہ سلیس ترجمہ

مَذاقُ العارِفین

مُصنّف

حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد الغزالیؒ

جدید ترجمہ: مولانا ندیم الواجدی فاضل دیوبند

دار الاشاعت

اردو بازار، کراچی ۱ فون ۲۶۳۱۸۶۱

باہتمام: خلیل اشرف عثمانی

طباعت: شکیل پرنٹنگ پریس

ناشر: دار الاشاعت کراچی نمبر ۱

ضخامت: صفحات

بسم اللہ

میں نعیم الاحمدی ولد مولانا داؤد حسین ساکن دیوبند ضلع سہارنپور یو پی بھارت نے احیاء علوم الدین اصل تصنیف عربی میں ہے جو حضرت امام غزالیؒ ہیں کا ترجمہ اردو میں جدید اضافوں کے ساتھ اردو زبان میں چھ جلدوں میں شائع کیا ہے۔ میں اس کے کاپی رائٹ پاکستان کے لئے خلیل اشرف عثمانی مالک دار الاشاعت اردو بازار کراچی کو بخوشی دے دیتا ہوں کہ وہ اسے کمپیوٹر کتابت سے آراستہ کرکے جدید اور معیاری انداز سے شائع کریں گے

[illegible] خلیل اشرف صاحب کے پاس ہوں گے۔ وہ اور پاکستان میں کاپی رائٹ [illegible] اپنے نام رجسٹرڈ کراسکتے ہیں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

نعیم الاحمدی

مترجم احیاء العلوم و مالک دار الکتاب دیوبند

یو پی انڈیا

ملنے کے پتے

بیت القرآن اردو بازار کراچی نمبر ۱

ادارۃ القرآن گارڈن ایسٹ بیلہ کراچی نمبر ۵

ادارۃ المعارف کورنگی کراچی نمبر ۱۴

مکتبہ دار العلوم دار العلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴

ادارۂ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی۔ لاہور

بیت العلوم ۲۶ نابھہ روڈ انارکلی لاہور

کشمیر بکڈپو: چنیوٹ بازار فیصل آباد

مکتبہ سید احمد شہید: اردو بازار لاہور

مکتبہ رحمانیہ: ۱۸۔ اردو بازار لاہور

کتب خانہ رشیدیہ: راجہ بازار راولپنڈی

یونیورسٹی بک ایجنسی: خیبر بازار پشاور

مکتبہ امدادیہ: ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان

عرض ناشر

نحمدہٗ و نصلّی علٰی رسولہ الکریم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امام غزالی علیہ الرحمتہ کی مشہور زمانہ اور زندۂ جاوید کتاب احیاء العلوم عربی کسی تعارف کی محتاج نہیں جو اسرار شریعت و طریقت' اخلاق و تصوّف' فلسفہ و مذہب' حکمت و موعظت' اصلاح ظاہر و باطن اور تزکیۂ نفس کے موضوع پر بے مثل و بے نظیر کتاب ہے جس کی اثر انگیزی کا یہ عالم ہے کہ اس میں جو بات کہی گئی ہے وہ قاری کے دل میں اترتی چلی جاتی ہے اور ہر مرض کے اسباب کی تحقیق کے ساتھ اس کا علاج نہایت نکتہ سنجی اور دقت نظر سے پیش کیا گیا ہے' حکمت و فلسفہ اور تصوّف و اخلاق کے مشکل سے مشکل مسائل کو لطائف اور دلچسپ بنا کر ایسے مؤثر اور عام فہم انداز میں پیش کیا ہے کہ ان بسائل کو پانی کر دیا ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کتاب اپنے موضوع اور خصوصیات کے لحاظ سے بے نظیر کتاب ہے اور اس کو ہر زمانہ اور ہر طبقہ میں ہمیشہ ایک عظیم تصنیف تسلیم کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی اصل خصوصیات تو اہل ذوق ہی سمجھ اور جان سکتے ہیں اس لئے اس باب میں ہمارا کچھ لکھنا چھوٹا منہ بڑی بات ہو گی۔ اس لئے ہم اس کتاب کے متعلق چند مشاہیر علماء و حکماء کی آراء و اقوال پیش کرتے ہیں۔

- زین الدین عراقی کا قول ہے کہ امام غزالیؒ کی احیاء العلوم اسلام کی اعلیٰ ترین تصانیف میں سے ہے۔
- عبد الغفار فارسی جو امام صاحب کے ہم عصر اور امام الحرمین کے شاگرد تھے ان کا بیان ہے کہ احیاء العلوم کے مثل کوئی کتاب اس سے پہلے نہیں لکھی گئی۔
- امام نوویؒ شارح صحیح مسلم لکھتے ہیں کہ احیاء العلوم قرآن مجید کے لگ بھگ ہے۔ (١)
- شیخ ابو محمد کازرونی کا دعویٰ تھا کہ اگر دنیا کے تمام علوم مٹا دیئے جائیں تو احیاء العلوم سے میں دوبارہ سب کو زندہ کر دوں گا۔
- شیخ عبداللہ عید روس کو جو بڑے صوفی گزرے ہیں احیاء العلوم قریب قریب پوری حفظ تھی۔
- شیخ علی نے پچیس مرتبہ احیاء العلوم کو اوّل سے آخر تک پڑھا اور ہر دفعہ فقراء و طلباء کی عام دعوت تھی۔
- شیخ محی الدین اکبرؒ کو زمانہ جانتا ہے وہ احیاء العلوم کو کعبہ کے سامنے بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے۔ (٢)

ایک طرف تو ائمہ اسلام اس کو الہامات ربانی سمجھے اور دوسری طرف ہنری لوئس تاریخ فلسفہ میں (٣) اس کی نسبت لکھتا ہے کہ ڈیکارٹ (جو یورپ میں اخلاق کے فلسفۂ جدید کا بانی خیال کیا جاتا ہے) کے زمانہ میں اگر احیاء العلوم کا ترجمہ فرنچ زبان میں ہو چکا ہوتا تو ہر شخص یہی کہتا کہ ڈیکارٹ نے احیاء العلوم کو چرا لیا ہے۔

---

(١) یہ تمام اقوال و آراء الغزالی مولانا شبلی نعمانی سے نقل کی گئی ہیں (٢) شرح احیاء العلوم صفحہ ٢٨۔ (٣) تاریخ فلسفہ از جارج ہنری لوئیس جلد دوم

ان مشاہیر کے علاوہ دور حاضر تک علماء اس کتاب کی تعریف میں رطب اللسان ہیں اور اسی سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور اپنے طلباء کو اس کتاب کے مطالعہ کا مشورہ دیتے ہیں۔ مشہور اکابرین کی تصانیف میں جا بجا اس معرکۃ الآراء کتاب کے حوالے ملتے ہیں۔ امام غزالیؒ کا نام ہو یا اس کتاب کا حوالہ اس کے بعد مزید کسی سند کی ضرورت نہیں رہتی۔ پہلے اس کتاب سے صرف عربی سے واقف حضرات ہی استفادہ کرسکتے تھے۔ لیکن اب اردو ترجمہ کے شائع ہو جانے سے اردو خواں حضرات اور اردو زبان پر بھی مترجم کا احسان ہے۔ اس موجودہ ترجمہ سے پہلے "مولانا محمد احسن نانوتویؒ" نے اس کتاب کا اردو ترجمہ کر دیا تھا اور اس پر عنوانات کی تزئین احقر کے والد ماجد جناب محمد رضی عثمانی صاحب مرحوم نے کی تھی۔ یہ نسخہ پہلے بھی دارالاشاعت سے مسلسل شائع ہوتا رہا ہے اور الحمد للہ بہت مقبول ہوا تھا۔ لیکن یہ ترجمہ چونکہ کافی زمانہ قبل ہوا تھا نئے قارئین کے لئے زبان مشکل ہونے کی وجہ سے اس سے استفادہ مشکل ہو رہا تھا اس لیے ضرورت تھی کہ کوئی اہل علم اب اس کتاب کا جدید اردو میں پھر سے ترجمہ کر دے تاکہ یہ کتاب دوبارہ عوام کے لیے بھی استفادے کے قابل ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ "فاضل دارالعلوم دیو بند جناب مولانا ندیم الواجدی صاحب" نے یہ کام کر دیا جو دیوبند سے متعدد اقساط میں شائع ہوا۔ احقر اور کارکنان ادارہ مترجم مولانا ندیم الواجدی صاحب کے ممنون ہیں کہ انہوں نے پاکستان میں اس کتاب کے ترجمہ اور اشاعت کے جملہ حقوق عطا فرمائے جس کے نتیجے میں یہ پہلی مرتبہ کتابی شکل میں آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس اشاعت میں جو جدید کام کرائے گئے ان خصوصیات کی وجہ سے کتاب کی افادیت میں بیش بہا اضافہ ہوا ہے۔

اس ایڈیشن کی خصوصیات

۱) بامحاورہ ترجمہ جو بہت احتیاط کے ساتھ کیا گیا۔ اور جا بجا معنی کی وضاحت کی غرض سے عبارت کے جملوں میں تقدیم و تاخیر کی گئی۔

۲) اصل عربی عبارت میں کہیں کہیں بہت جامع جملوں کی وجہ سے اردو میں بات اختصار سے واضح ممکن نہ ہونے کی وجہ سے اصل عبارت میں دو چار الفاظ کے اضافے سے معانی کی تسہیل کی گئی۔

۳) فقہی احکام میں جابجا حاشیہ میں احناف کی مستند فقہی کتب سے احناف کا صحیح اور مفتی بہ مسلک نقل کیا گیا

۴) قرآن کریم کی آیات کا ترجمہ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ترجمہ سے نقل کیا گیا۔

۵) جا بجا عربی اشعار کا ترجمہ بھی کر دیا گیا۔

۶) جدید کمپیوٹر کتابت کرائی گئی اور تصحیح کی خاص کوشش کی گئی ہے۔

۷) پوری کتاب میں عنوانات اور ذیلی عنوانات آسان اردو میں قائم کئے گئے جس سے کتاب کا استفادہ آسان ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس جدید ایڈیشن کو قبول عام عطا فرمائے آمین اور مصنفؒ، مترجم، ناشر اور قاری کے لئے ذخیرۂ آخرت ثابت ہو۔

والسّلام

خلیل اشرف عثمانی

فہرست مضامین

جلد اول

عرض مترجم

"احیاء علوم الدین" ایک عظیم کتاب کی حیثیت سے علماء اور صوفیاء کے حلقوں میں یکساں طور پر مقبول رہی ہے اسلامی لائبریری اپنی بے پناہ وسعت کے باوجود اس کتاب کی نظیر پیش نہیں کر سکتی۔ آج جب میں اس عظیم کتاب کے اردو میں ترجمہ کی پہلی قسط پیش کر رہا ہوں تو میرے دل میں جذبات کا ایک سمندر موجزن ہے' اس میں جذبات شکر بھی ہیں اور جذبات فخر بھی۔

جہاں تک کتاب اور صاحب کتاب کے تعارف کا تعلق ہے ان کا مختصر اور تفصیلی تعارف زیب کتاب ہے مختصر تعارف برادر عزیز مولانا جاوید اختر فیضی کے ابتدائیے میں اور تفصیلی تعارف ایک مستقل مضمون کی صورت میں' یہ مضمون علامہ عبد القادر العیدروس باعلوی کی عربی کتاب "تعریف الاحیاء بفضل الاحیاء" سے اخذ و تلخیص کر کے شائع کیا جا رہا ہے' اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو گا کہ اسے احیاء علوم الدین کے ناشرین نے کتاب کے حواشی کی صورت میں شائع کیا ہے احیاء العلوم کے تعارف کے سلسلے میں اسے ماخذ کی حیثیت حاصل ہے کتاب میں احیاء العلوم کے متعلق علماء کی آراء بھی نقل کی گئی ہیں اور بعض اعتراضات کا جواب بھی دیا گیا ہے آخر میں امام غزالیؒ کے مختصر حالات بھی اختصار کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں۔

عرض مترجم میں اب صرف اپنے ترجمے کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے' اس کا فیصلہ تو خود باشعور قارئین کریں گے کہ مترجم نے مصنّف کے ساتھ انصاف کیا ہے یا نہیں؟ یہاں صرف ان امور کی وضاحت مقصود ہے جن کی اس ترجمہ میں رعایت کی گئی ہے۔

(۱) کتاب عربی زبان میں ہے' ہم نے عربی سے اردو میں لفظ بہ لفظ ترجمہ کی ضرورت نہیں سمجھی اور نہ ایسا کرنا مناسب تھا' یہ ایک با محاورہ ترجمہ ہے جس میں مصنف کے مضامین پوری دیانت اور امانت کے ساتھ اردو میں منتقل کرنے کی کوشش کی گئی ہے' بہت سی جگہوں پر محض معنی کی وضاحت کی غرض سے عبارت میں جملوں کی تقدیم و تاخیر بھی کی گئی ہے لیکن اس طرح کہ مصنف کا مقصد فوت نہ ہونے پائے۔

(۲) مصنّف کا اسلوب بیان پُر شوکت ہے' وہ عبارت میں ایجاز اور تطویل پر یکساں قدرت رکھتے ہیں' کتاب کے اکثر مضامین اتنے تفصیلی ہیں کہ خود اپنی تشریح کرتے ہیں' لیکن کہیں کہیں عبارت کے ایجاز نے ان مضامین کو معمولی پڑھے لکھے لوگوں کے لیے کچھ مشکل بنا دیا ہے اس صورت میں محض ترجمہ پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ کہیں عبارت میں دو چار الفاظ کے اضافے سے معانی کی تسہیل کر دی گئی ہے۔ اور کہیں حواشی کے ذریعہ اس ضرورت کی تکمیل کی گئی ہے' بعض مضامین کی تسہیل میں علامہ سیّد مرتضیٰ زُبیدیؒ کی کتاب "اتحاف السادات المتقین لشرح احیاء علوم الدین" سے بھی مدد لی گئی ہے۔

(۳) امام غزالیؒ شافعی المسلک تھے' اس لیے ان ابواب میں جہاں فقہی احکام بیان ہوئے ہیں انہوں نے شافعی مذہب کی رعایت کی ہے' ہمارے ملک میں عام طور پر حنفی مذہب کو رواج ہے اس لیے ضرورت تھی کہ ان مسائل میں احناف کے مذہب کی تفصیل بھی بیان کر دی جائے' چنانچہ احناف کی مستند فقہی کتب کی مدد سے یہ ضرورت بھی پوری کی گئی ہے اور ایسے تمام مواقع پر حواشی میں احناف کا صحیح اور مفتیٰ بہ مسلک نقل کر دیا گیا۔

(۴) کتاب میں بے شمار قرآنی آیات بطور دلیل پیش کی گئی ہیں' ہم نے ایسی آیات کے حوالے ذکر کر دیئے ہیں اور ہر آیات کے سامنے اس کا اردو میں ترجمہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ترجمۂ کلام پاک سے نقل کر دیا ہے۔

(۵) قرآنی آیات کی طرح ہزاروں احادیث بھی شامل کتاب ہیں' یہ احادیث مختلف کتابوں سے اخذ کی گئیں ہیں' ان کی تخریج کا مسئلہ بڑا اہم تھا' اللہ تعالیٰ حافظ زین الدین عراقیؒ کو جزائے خیر دے' انہوں نے "المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار فی تخریج مافی الاحیاء من الاخبار" لکھ کر اہل علم کو بڑی دشواریوں سے بچا لیا ہے' احیاء العلوم کے متعلق بعض وہ حلقے جو تصوف اور باطنی علوم کا ذوق نہیں رکھتے بڑے شد و مد سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ کتاب موضوع اور ضعیف روایات کا پلندہ ہے' حافظ عراقی نے اس لحاظ سے خود مصنف پر بھی احسان کیا ہے کہ اس کی ذکر کردہ تمام روایات کی تخریج کر دی ہے' ظاہر ہے کہ تمام تخریجات صرف اہل علم کے لیے مفید ہیں اس لیے ہم نے حدیث کے نیچے بریکٹ میں اس کتاب کا نام لکھ دیا

ہے جس سے وہ حدیث ماخوذ ہے' حدیث کی فنّی حیثیت' یا روای کے نام کی وضاحت ضروری نہیں سمجھی گئی' البتہ ہم نے محض حدیث کے ترجمے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ حدیث کے اصل الفاظ بھی نقل کیے ہیں۔

(۶) مصنفؒ نے موقع بہ موقع مضمون کی مناسبت سے اشعار بھی تحریر فرمائے ہیں' عربی شعرو ادب کا ذوق رکھنے والے حضرات کی خاطر ہم نے اردو ترجمہ کے ساتھ ساتھ عربی اشعار بھی درج کیے ہیں۔

(۷) عنوانات کے اضافے اور بعض جگہ لفظی تبدیلیوں کے لیے مترجم گنہگار ہے' مگر ایسا اس لیے کیا گیا تاکہ ترجمہ عصری اسلوب نگارش سے ہم آہنگ ہو جائے' پہلے زمانے میں کتابیں لکھنے کا وہ طریقہ نہیں تھا جو آج کے دور میں مروّج ہے' بعض کتابوں میں ابواب اور فصول کی تفریق کی بات ہی چھوڑیئے پیراگراف بھی نہیں بدلتے تھے' اس دور کے قارئین شاید ان مسلسل تحریروں کے متحمل ہوں' لیکن آج کے قارئین اس اسلوب کے عادی نہیں ہیں' امام غزالیؒ کی کتاب ابواب و فصول کی تفریق کے لحاظ سے گو متقدمین کی بے شمار کتابوں سے ممتاز ہے لیکن ذیلی سرخیوں اور پیراگراف کے معاملے میں وہ بھی اپنے دور کے مزاج کا ساتھ دیتی ہے' ہم نے مختلف موضوعات کی کتابوں (مثلاً "کتاب العلم کتاب' الطہارۃ وغیرہ) کی ترتیب برقرار رکھی ہے' پھر ذیلی ابواب بھی جوں کے توں باقی رہنے دیئے ہیں' لیکن فصول کے بجائے ہر باب کو مختلف بحثوں میں تبدیل کر دیا ہے' اور ہر بحث میں مضامین کی مناسبت سے ذیلی عنوانات بھی قائم کر دیئے ہیں تاکہ قارئین سہولت کے ساتھ کتاب کا مطالعہ کر سکیں۔

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ کتاب کا مکمل نام "احیاء علوم الدین" ہے جسے ہم نے از راہ اختصار "احیاء العلوم" لکھا ہے' یہ کتاب اپنے مختصر نام سے زیادہ مشہور ہے۔

اس تفصیل کے بعد یہ اعتراف بھی ضروری ہے کہ صحت کے پورے اہتمام کے باوجود غلطیوں کا امکان موجود ہے' کوشش یہی کی گئی ہے کہ کتاب کے مضامین کی منتقلی پوری دیانت داری کے ساتھ ہو' نادانستہ طور پر جو غلطیاں مترجم سے سرزد ہو گئی ہوں' اللہ تعالیٰ انھیں معاف فرمائے تاکہ قیامت کے روز مصنفؒ کی روح کے سامنے شرمندگی نہ ہو۔

وہو الموفق المعین۔

ندیم الواجدی (فاضل دیوبند)

کتاب اور صاحبِ کتاب

(اس مضمون کا ابتدائی حصہ علامہ عبدالقادر العیدروس باعلویؒ کی کتاب "تعریف الاحیاء بفضائل الاحیاء" سے اخذ کیا گیا ہے)۔

احیاء العلوم کے فضائل : احیاء العلوم کے فضائل و مناقب اتنے زیادہ ہیں کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا' حقیقت بھی یہی ہے کہ احیاء العلوم کے مصنف نے اپنی کتاب میں وہ حقائق و معارف پیش کیے ہیں جن سے پہلے لوگ واقف نہیں تھے' اس کا ہر لفظ گوہر آبدار ہے' ہر مضمون معنی کا سمندر' اس وقت سے آج تک اہل علم و فضل اس سمندر میں شناوری کرتے ہیں اور اپنی ہمت کے بقدر موتی سمیٹ کر لے جاتے ہیں۔

شیخ عبداللہ ابن اسعد یافعیؒ فرماتے ہیں کہ علامہ اسماعیل حضرمی یمنی سے امام غزالیؒ کی تصانیف کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا محمد ابن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم سید الانبیاء ہیں' محمد بن ادریس شافعیؒ سید الائمہ ہیں اور محمد ابن غزالیؒ سید المصنفین ہیں' یافعیؒ نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ مشہور فقیہہ امام ابوالحسن علی حرزہم احیاء العلوم پر شدید نکتہ چینی کیا کرتے تھے' با اثر اور صاحب حیثیت عالم تھے' ایک دن احیاء العلوم کے تمام نسخے جمع کرنے کا حکم دیا' ارادہ یہ تھا کہ جتنے نسخے مل جائیں گے انھیں جمعہ کے دن جامع مسجد کے صحن میں آگ دے دی جائے گی' لیکن جمعہ کی شب میں انھوں نے عجیب و غریب خواب دیکھا' انھوں نے دیکھا کہ وہ جامع مسجد میں ہیں وہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی موجود ہیں' امام غزالیؒ آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہوئے ہیں جب ابن حرزہم پر ان کی نگاہ پڑی تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ میرا مخالف ہے اگر میری کتاب ایسی ہی ہے جیسا کہ یہ شخص سمجھتا ہے تو میں اللہ کی بارگاہ میں توبہ و استغفار کروں گا' اور اگر میں نے اس میں وہ سب کچھ لکھا ہے جو مجھے آپ کی برکت اور اتباعِ سنت کے طفیل میں حاصل ہوا ہے تو اس شخص سے میرا حق مجھے دلایئے' امام غزالیؒ کا یہ دعویٰ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "احیاء العلوم" ہاتھ میں لی اور شروع سے آخر تک ایک ایک صفحہ دیکھا' پھر فرمایا بخدا یہ تو بہت عمدہ چیز ہے' پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کتاب اٹھائی پوری کتاب پر ایک نظر ڈالی اور عرض کیا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو پیغمبر بنا کر بھیجا' یہ تو بڑی عمدہ کتاب ہے' آخر میں حضرت عمر فاروقؓ نے کتاب لی' اس پر ایک نظر ڈالی اور کچھ تعریفی جملے کہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ فقیہ علی بن حرزہم کی پشت ننگی کی جائے اور اس پر وہ حد جاری کی جائے جو مفتری پر جاری کی جاتی ہے' آپ کے حکم کی تعمیل کی گئی اور کوڑے لگائے گئے' جب پانچ کوڑے لگ چکے تو حضرت ابوبکرؓ نے سفارش کی اور عرض کیا : یا رسول اللہ ! شاید انہوں نے اس کتاب کو آپ کی سنت کی خلاف سمجھا ہو۔ امام غزالیؒ نے حضرت ابوبکر کی سفارش منظور کرلی' جب ابن حرزہم بیدار ہوئے تو کوڑے کے نشانات ان کے جسم پر تھے انہوں نے اپنے ساتھیوں کو بلا کر یہ نشانات دکھلائے' پورا واقعہ بیان کیا اور غزالی کی مخالفت سے توبہ کی لیکن ایک مدت تک کوڑوں کی تکلیف باقی رہی' رات دن کی آہ وزاری کے بعد ایک رات خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں آپ نے ان کے جسم پر ہاتھ پھیرا جس سے وہ تکلیف دور ہو گئی' اس دن سے احیاء العلوم کا مطالعہ شروع کر دیا' پھر اس فن میں اس قدر انہماک ہوا کہ علمِ ظاہر کے ساتھ ساتھ علمِ باطن میں بھی آپ کو زبردست شہرت حاصل ہوئی' یافعیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ واقعہ ایک مسلسل سند کے ساتھ پہنچا ہے' اس سند کی آخری کڑی شیخ المشائخ ابوالحسن شاذلیؒ ہیں' شیخ موصوف ابن حرزہم کے معاصر تھے' وہ فرماتے تھے کہ جب ابن حرزہم کا انتقال ہوا اور انہیں غسل دیا جانے لگا تو کوڑوں کے نشانات موجود تھے۔

حافظ ابن عساکر بھی امام غزالیؒ کے معاصرین میں سے ہیں ان دونوں حضرات کی ملاقات بھی ثابت ہے' فرماتے ہیں کہ مجھے شیخ ابوالفتح شاویؒ کے ایک جواب کی تفصیل مشہور فقیہ صوفی سعید بن علی بن ابی ہریرہ اسفرائنیؒ کے ذریعہ معلوم ہوئی' شیخ شاویؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن مسجد حرام میں داخل ہوا' مجھ پر عجیب سی کیفیت طاری تھی' بیٹھنے اور کھڑے ہونے کی سکت ہی باقی نہیں رہی تھی' اسی حالت میں کعبہ کی طرف منہ کر کے دائیں کروٹ سے لیٹ گیا' میں اس وقت باوضو تھا اگرچہ میری پوری کوشش یہ تھی کہ کسی طرح نیند نہ آئے لیکن میں اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکا اور غنودگی سی چھا گئی میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں' آپ نے خوبصورت عمامہ باندھ رکھا ہے اور بہترین لباس زیب تن کئے ہوئے ہیں' چاروں ائمہ کرام شافعیؒ مالکؒ ابوحنیفہؒ اور احمد رحمہم اللہ بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہیں' اور اپنے مذاہب بیان کر رہے ہیں آپ ہر امام کا مذہب سنتے ہیں اور اس کی تصدیق فرما دیتے ہیں' اسی دوران ایک بدعتی شخص باریابی چاہتا ہے لیکن اسے دھتکار دیا جاتا ہے' پھر میں آگے بڑھتا ہوں اور عرض کرتا ہوں یا رسول اللہ! میرا اور تمام اہل سنت کا عقیدہ تو یہ کتاب احیاء العلوم ہے اگر آپ کی اجازت ہو تو میں اس کتاب کا کچھ حصہ پڑھ کر سناؤں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اجازت مرحمت فرماتے ہیں' میں "احیاء العلوم" کے باب "قواعد العقائد" کی ابتدائی سطریں پڑھتا ہوں "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کتاب العقائد میں چار فصلیں ہیں' پہلی فصل اہل سنت کے عقیدہ کی تشریح میں" جب میں اس عبارت پر پہنچتا ہوں "انه تعالٰی بعث النبی الامی القرشی محمداً صلی الله علیه وسلم الی کافة العرب العجم والجن والانس" تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر خوشی کے آثار دیکھتا ہوں' آپ مجمع کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے ہیں: غزالی کہاں ہیں؟ غزالیؒ کھڑے ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں: یا رسول اللہ! میں یہاں ہوں' پھر وہ آگے بڑھتے ہیں اور سلام عرض کرتے ہیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سلام کا جواب دیتے ہیں اور اپنا دست مبارک غزالی کی طرف بڑھاتے ہیں' غزالیؒ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بوسہ

دیتے ہیں' اپنی آنکھوں سے لگاتے ہیں اور اپنے سر پر رکھتے ہیں' میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انتہائی مسرت کے عالم میں صرف اسی وقت دیکھا جب غزالیؒ کی احیاء العلوم پڑھی جارہی تھی' اس واقعہ کے بعد میں بیدار ہو گیا' خواب کے اثرات ابھی تک باقی تھے' میری آنکھوں سے آنسو رواں تھے' میرے خیال سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاہب اربعہ کی تصدیق کرنا اور غزالیؒ کے بیان کردہ عقائد پر اظہار مسرت فرمانا اللہ تعالیٰ کا ایک زبردست انعام ہے' خداوند کریم! ہمیں سنّتِ نبوی پر قائم رکھ اور شریعتِ نبوی پر موت دے۔

احیاءُ العلوم اکابر علماء کی نظر میں: بے شمار علماء اور صوفیاء نے "احیاء العلوم" کی تعریف کی ہے' یہاں ان سب علماء کے خیالات کا احاطہ ممکن نہیں ہے' کچھ خیالات بطور نمونہ پیش کئے جارہے ہیں' حافظ ابوالفضل عراقیؒ جنھوں نے احیاء العلوم کی احادیث کی تخریج بھی کی ہے' اپنی کتاب "المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار ما فی الاحیاء من الاخبار" میں فرماتے ہیں کہ حرام اور حلال کے باب میں جتنی بھی کتابیں لکھی گئی ہیں' احیاء العلوم' ان سب میں اہم اور ممتاز ہے' اس میں ظاہری احکام کے ساتھ ساتھ ایسے اسرار و معارف بھی بیان کئے گئے ہیں جن کا عقل ادراک نہیں کرسکتی' مسائل اور ان کی جزئیات تک بیان کردی گئی ہیں' کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا' علم باطن اور علم ظاہر کا اتنا حسین امتزاج کم ہی دیکھنے میں آیا ہے' عبارت ایسی جیسے موتی پرو دیئے گئے ہوں' عبدالغافر فارسیؒ فرماتے ہیں کہ "احیاء العلوم" امام غزالیؒ کی ان مشہور تصانیف میں سے ہیں جن کی نظیر نہیں ملتی' امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ احیاء قرآن کریم سے مشابہ ہے' شیخ ابو محمد الکازرونیؒ فرماتے ہیں کہ اگر تمام علوم صفحۂ ہستی سے مٹ جائیں تو احیاء العلوم سے دوبارہ زندہ کئے جاسکتے ہیں' ایک مالکی عالم ارشاد فرماتے ہیں کہ لوگ امام غزالیؒ کے خوشہ چیں ہیں۔ تاج العارفین' قطبُ الاولیاء' شیخ عبداللہ العیدروسؒ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ احیاءُ العلوم کے حافظ تھے' چنانچہ فرماتے ہیں کہ سالہا سال تک احیاءُ العلوم کا اس طرح مطالعہ کیا ہے کہ ایک ایک لفظ پڑھتا' اس کو دوہراتا اور اس پر غور و فکر کرتا' اس طولِ عمل سے مجھ پر ہر روز نت نئے انکشافات ہوتے' اور اسرار و معارف قلب پر وارد ہوتے ہیں جو شاید ہی کسی کے قلب پر وارد ہوئے ہوں' یا کبھی وارد ہوں اس تعریف کے بعد انھوں نے لوگوں کو احیاءُ العلوم کے مطالعہ کی اور اس پر عمل کرنے کی دعوت دی' چنانچہ فرماتے ہیں: میرے بھائیو! کتاب و سنت کی اتباع کرو' میری مراد اس شریعت کی اتباع ہے جس کی تشریح امام غزالیؒ کی کتابوں میں کی گئی ہے خاص طور پر احیاءُ العلوم میں تذکیرِ موت' فقر' زہد' توبہ' اور ریاضتِ نفس کے ابواب کا مطالعہ کرو' ایک اور موقع پر شیخ العیدروس نے فرمایا: اول و آخر' ظاہر و باطن اور فکر و اعتقاد ہر اعتبار سے کتاب و سنت کو لازم پکڑ لو' اور کتاب و سنت کی تشریح حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کی کتاب "احیاءُ العلوم" ہے' ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: کتاب و سنت کی اتباع کے علاوہ ہمارے سامنے کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے اور کتاب و سنت کی مکمل تشریح "احیاءُ العلوم" میں ہے جو سید المصنفین۔ بقیۃ المجتہدین حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کی مایہ ناز تصنیف ہے' ایک موقع پر یہ الفاظ کہے: "احیاء العلوم" کو لازم پکڑو' یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی توجہات اور عنایات کا مرکز ہے۔ جو شخص احیاء العلوم کا مطالعہ کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے وہ اللہ' اللہ کے رسول' ملائکہ اور اولیاء کی محبت کا مستحق ہوجاتا ہے۔ غزالیؒ نے شریعت و طریقت اور حقیقت کے درمیانی فاصلوں کو ختم کردیا ہے' ایک جگہ فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ مُردوں کو دوبارہ زندہ کردے تو وہ لوگوں کو صرف احیاء العلوم کی وصیت کریں گے' فرمایا: غزالیؒ کی کتابوں کی تاثیر پوری طرح واضح ہے' آزمودہ ہے' تمام عارفین کی متفقہ رائے یہ ہے کہ امام غزالیؒ کی کتابوں سے شغف اور ان کے مطالعہ کے التزام سے زیادہ نفع بخش اور خدا سے قریب کرنے والی چیز کوئی دوسری نہیں ہے' امام غزالیؒ کی کتابیں کتاب و سنت کا لبّ لباب ہیں' معقول و منقول کا حاصل ہیں میں علی الاعلان یہ بات کہتا ہوں کہ جو شخص احیاء علوم الدین کا مطالعہ کرے وہ ہدایت یافتہ لوگوں کے زمرے میں شامل ہے' فرمایا: جو شخص اللہ و رسول کے' علمائے ظاہر اور علمائے باطن کے راستے پر چلنا چاہتا ہے اسے امام غزالیؒ کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے' خاص طور پر "احیاء علوم الدین" کا مطالعہ اس کے لیے بے حد ضروری ہے' احیاء العلوم علم کا ناپیدا

کنار سمندر ہے' غزالیؒ کی کتابوں سے استفادہ کرنے والا شخص شریعت' طریقت اور حقیقت کے چشموں سے سیراب ہو رہا ہے' غزالیؒ کی کتابیں کتاب و سنت کا دل ہیں' معقول و منقول کا حسین امتزاج ہیں' جس دن صور اسرافیل پھونکا جائے گا' اور حشر برپا ہو گا اس وقت بھی ان کی کتابیں نفع پہنچائیں گی' فرمایا: "احیاء العلوم" میں دین کے اسرار و رموز ہیں "بدایۃ الھدایۃ" میں تقویٰ ہے' "الاربعین" میں صراط مستقیم کی وضاحت ہے "منہاج العابدین" میں اللہ کی طرف رہنمائی کی گئی ہے "الخلاصۃ فی الفقہ" میں نور ہے۔ (شیخ عبداللہ العیدروسؒ کے یہ تمام افکار و خیالات ان کے پوتے علامہ عبدالقادر باعلویؒ صاحب مضمون نے اپنے دادا کی کتابوں سے اخذ کیے ہیں) شیخ عبداللہ العیدروسؒ کی کتابیں غزالیؒ اور ان کی کتابوں کی تعریف سے بھری پڑی ہیں' میرے والد عارف باللہ شیخ ابن عبداللہ العیدروس فرمایا کرتے تھے' اگر مجھے زمانے نے مہلت دی تو میں غزالیؒ کے بارے میں شیخ عبداللہ العیدروسؒ کے تمام خیالات یکجا کروں گا۔ اور اس رسالے کا نام "الجوہر التالی من کلام الشیخ عبداللہ فی الغزالی" رکھوں گا' لیکن زمانے نے انھیں مہلت نہ دی' اللہ تعالیٰ مجھے اس کام کی توفیق عطا فرمائے: دادا محترم فرمایا کرتے تھے اللہ تعالیٰ اس شخص کی مغفرت فرمائے جو غزالیؒ سے متعلق میرے افکار و خیالات یکجا کردے' اگر مجھ سے یہ کام تکمیل پاسکا تو بلاشبہ میں اپنے دادا کی اس دعا کا مستحق قرار پاؤں گا' اور اپنے والد کی تمنا پوری کرنے کی سعادت حاصل کروں گا' میرے دادا کو "احیاء العلوم" سے اس قدر شغف تھا کہ اس کے متعدد نسخے تیار کیے تھے' اپنے بھائی شیخ علیؒ کو "احیاء العلوم" کی قرأت پر مامور فرمایا تھا' چنانچہ انھوں نے دادا کے سامنے کم از کم پچیس بار اس کی قرأت کی' ہر مرتبہ ختم کے موقعہ پر فقراء اور طالبان علم دین کے لیے ضیافت کا خاص اہتمام ہوتا تھا' پھر شیخ علیؒ نے اپنے صاحبزادے عبدالرحمٰن کو اس کام پر مامور فرمایا' انھوں نے بھی اپنے والد کی زندگی میں پچیس مرتبہ اس کی قرأت مکمل کی' عبدالرحمٰن کے صاحبزادے شیخ ابوبکر العیدروسؒ نے تو یہ نذر مان رکھی تھی کہ وہ ہر روز "احیاء العلوم" کا تھوڑا بہت مطالعہ ضرور کیا کریں گے انھیں "احیاء العلوم" کے مختلف نسخے جمع کرنے کا شوق بھی تھا چنانچہ ان کے پاس تقریباً دس نسخے جمع ہو گئے تھے' میرے والد کو بھی اس کی قرأت اور مطالعہ کا بڑا اہتمام تھا' ہر مرتبہ ختم پر وہ بھی عام ضیافت کا اہتمام کیا کرتے تھے۔

مشہور بزرگ علی بن ابن ابی بکر ابن الشیخ عبدالرحمٰن سقاف فرماتے ہیں کہ اگر کوئی کافر احیاء العلوم کی ورق گردانی کرے تو مسلمان ہو جائے' اس میں وہ چیز پنہاں ہے جو دلوں کو اس طرح کھینچتی ہے جس طرح مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے' میرے خیال میں یہ رائے بالکل صحیح ہے میں اپنے دل کی قساوت کے باوجود جب احیاء العلوم کا مطالعہ کرتا ہوں تو دل میں دنیا سے بے تعلقی کی خواہش ابھرتی ہے' لیکن جب کتاب بند کر دیتا ہوں تو وہی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جو پہلے تھی' ایسا صرف احیاء العلوم کے مطالعہ سے ہوتا ہے حالانکہ وعظ و نصیحت کی اور بھی بے شمار کتابیں ہیں' ان میں سے کسی بھی کتاب کے مطالعہ سے یہ کیفیت رونما نہیں ہوتی۔ یہ سب دراصل مصنف کی حسن نیت اور جذبہ اخلاص کا نتیجہ ہے' کافر سے یہاں مراد وہ شخص ہے جو اپنے نفس کے عیوب سے واقف نہ ہو اور اس کی آنکھوں پر غفلت کا پردہ پڑا ہوا ہو' ایسا شخص اگر "احیاء العلوم" کا مطالعہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کا سینہ کھول دیتا ہے' اس کا دل ایمان کے نور سے بھر دیتا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی نیک سیرت انسان نصیحت کرتا ہے تو سننے والا اس کی نصیحت سنتا ہے اور اس پر عمل بھی کرتا ہے' یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کا ذکر قرآن کریم کی اس آیت میں لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ان کی زبانیں پر تاثیر ہوتی ہے' ان کے دل میں ایمان کا نور ہوتا ہے' وہ قرآن کریم کی تلاوت کریں' حدیث نبوی بیان کریں یا وعظ و نصیحت کریں' ان کی ہر بات دل پر اثر کرتی ہے' ایسے لوگ مختصر کلام کرتے ہیں' مگر اس کا نفع بہت ہوتا ہے چنانچہ مذہب مالکی میں "کتاب الخلاف" اور مذہب شافعی اور "التنبیہ" عربی زبان میں "المجمل" اور علم کلام میں "الارشاد" وغیرہ کتابیں اگرچہ مختصر ہیں لیکن جامع اور مفید ترین ہیں' جب کہ ان موضوعات پر لکھی گئی دوسری کتابیں اپنی ضخامت کے باوجود جامع نہیں کہی جاسکتیں' اس لیے کہ علم کا نفع ایمان و عمل کی کثرت اور تقویٰ کی زیادتی پر موقوف ہے' ذہانت اور فصاحت و بلاغت سے اس کا کوئی تعلق نہیں' امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ علم کثرت روایت کا نام نہیں ہے۔ یہ ایک نور ہے جس سے اللہ تعالیٰ دل کے نہاں خانوں کو روشن

کرتا ہے۔

احیاء العلوم پر اعتراضات کا جائزہ : "احیاء العلوم" اپنے دور میں ایک متنازعہ فیہ کتاب کی حیثیت سے سامنے آئی' یہ وہ دور تھا جب ظاہری علوم کا چرچا زیادہ تھا لوگوں نے خالص دینی اور شرعی علوم کو بھی اپنی منطقی موشگافیوں سے ناقابل فہم بنا دیا تھا۔ امام غزالیؒ نے اپنی کتاب میں اس رجحان پر سخت تنقید کی ہے' اپنے دور کے ان فقیہوں کو' ان متکلمین اور واعظین کو خوب آڑے ہاتھوں لیا ہے جو محض جاہ و منصب کے حصول کے لیے علم حاصل کرتے ہیں' علم باطن یا علمِ طریقِ آخرت جو حقیقی علم ہے اس طرح نظرانداز کر دیا گیا تھا گویا اس کا وجود ہی نہ ہو "احیاءُ العلوم" لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچی تو ان تمام فقہاء اور متکلمین نے اس کی چوٹ محسوس کی' اور اعتراضات کا ایک طویل سلسلہ شروع کر دیا' ان اعتراضات کا جواب خود امام غزالیؒ نے دیا' اور "کتاب الاملاء فی اشکالات الاحیاء" کے نام سے ایک کتاب تصنیف فرمائی' اس کتاب کی ابتدائی سطور میں ارشاد فرمایا "احیاءُ العلوم" پر لوگ اعتراضات کرتے ہیں اس کے مطالعہ سے منع کرتے ہیں' اور محض خواہش نفس کی اتباع کرتے ہوئے یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ اس کتاب کو ہاتھ نہ لگایا جائے' اس کے مؤلف کو یہ لوگ ضَال' مُضِل کہتے ہیں' جو لوگ یہ کتاب پڑھتے ہیں ان پر گمراہی کے فتوے داغے جاتے ہیں' حالانکہ انھیں یہ معلوم نہیں کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں سب لکھا جارہا ہے' وہ عنقریب اپنا انجام دیکھ لیں گے اس کے بعد امام غزالیؒ نے دنیا اور اہل دنیا کی مذمت کی ہے اور بتلایا ہے کہ ایسے ہی لوگوں کی وجہ سے علم فنا ہو گیا ہے' امام غزالیؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ معترضین جو اعتراضات کرتے ہیں ان کا منبع حسد' جہل اور دین کی کمی ہے' ایک جگہ فرمایا کہ یہ چار چیزیں ایسی ہیں جو حق نگری سے مانع ہیں' جہل' ہٹ دھرمی' دنیا کی محبت اور دعوی کرنے کی عادت' جہل سے انھیں حماقت ورثے میں ملی ہے' ہٹ دھرمی سے دین کی غفلت' دنیا کی محبت سے طولِ غفلت اور دعوی کرنے کی عادت سے کبر' خود پسندی اور ریاکاری جیسی عادتیں پیدا ہوتی ہیں اس کے بعد امام غزالیؒ نے تمام اعتراضات کا الگ الگ جائزہ لیا ہے' مثال کے طور پر ایک اعتراض یہ کیا گیا تھا کہ آپ نے توحید کی چار قسمیں قرار دی ہیں حالانکہ توحید ایک ایسا لفظ ہے جس میں تقسیم کا تصور ہی نہیں ہو سکتا' اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ احیاء العلوم پر کس طرح کے اعتراضات کئے گئے' یہ وہ اعتراضات تھے جن کا تعلق کتاب کے موضوع یا نفسِ مضمون سے ہے۔

ایک بڑا اعتراض احیاءُ العلوم پر یہ کیا جاتا ہے کہ اس میں اکثر و بیشتر روایات موضوع یا ضعیف ہیں اس کا جواب حافظ عراقیؒ نے دیا ہے' ان کا کہنا ہے کہ غزالیؒ کی ذکر کردہ بیشتر روایات موضوع نہیں ہیں اور جو روایات موضوع قرار دی جا سکتی ہیں وہ بہت ہی کم ہیں اور وہ بھی دوسروں سے نقل کی گئی ہیں۔ اس طرح کی تمام روایت لفظ "رُوِیَ" سے ذکر کی گئی ہیں' تاکہ غزالیؒ بری الذمہ قرار پائیں' رہی یہ بات کہ اکثر احادیث ضعیف ہیں تو یہ ایک لغو اعتراض ہے' یہ بات طے ہو جانے کے بعد کہ فضائل میں ضعیف احادیث سے استدلال کرنا صحیح ہے اس اعتراض کی کوئی اہمیت ہی باقی نہیں رہ جاتی' اور پھر یہ الزام صرف غزالیؒ ہی پر عائد نہیں ہوتا بلکہ انھوں نے بھی ائمہ و حفاظ حدیث کی تقلید کی ہے جن کی کتابیں ضعیف روایت سے بھری ہوئی ہیں' حالانکہ وہاں ضعیف کی نشاندہی بھی ہوتی ہے' اور یہ وہ کتابیں ہیں جن میں فضائل کے بجائے مسائل مذکور ہیں (حافظ عراقیؒ نے احیاء العلوم کی روایات کی تخریج کی ہے' ہر روایت کی مختصر سند اور اس کی فنی حیثیت بھی بیان کی ہے' یہ تخریجات "المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار" کے نام سے شائع ہو چکی ہے' "احیاء العلوم" کے مصری ایڈیشن کے حواشی پر یہ پوری کتاب موجود ہے۔

امام غزالی کے مختصر حالات زندگی : آپ کا مکمل نام محمد بن محمد غزالیؒ ہے' کنیت ابو حامد اور لقب "حجة الاسلام" زین الدین الطوسی ہے' آپ فقیہ بھی تھے' صوفی بھی' فقہاً شافعی تھے' اور عقیدۃً اشعری' آپ کے علم و فضل کی شہرت مشرق و مغرب تک ہر جگہ پھیلی ہوئی ہے' اللہ نے آپ کو حسنِ تحریر سے نوازا' آپ کی تحریر میں فصاحت بھی ہے' سہولت بیان بھی' اور

حُسنِ اشارات بھی‘ غزالیؒ کو مختلف علوم و فنون پر پوری دسترس حاصل تھی‘ علمی رسوخ میں وہ اپنے معاصرین پر ممتاز تھے‘ اللہ نے انھیں شرافتِ نفس‘ حُسنِ کردار‘ استقامت‘ زہد‘ سادگی اور تواضع جیسی صفات عطا فرمائی تھیں۔

امام غزالیؒ ۴۵۰ھ میں طوس میں پیدا ہوئے اور ابتدائی تحصیلِ علم سرزمین طوس پر کی‘ طوس میں آپ کے استاذ احمد رازکانی تھے جن سے آپ نے فقہ پڑھی‘ پھر نیشاپور تشریف لے گئے اور امام الحرمین ابو المعالی جُوینیؒ کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے‘ دورانِ تعلیم انتہائی محنت کی‘ اور بہت کم مدت میں فنون متداولہ کی تعلیم سے فراغت حاصل کرلی‘ وہ بہت ہی کم عمر میں اپنے زمانے کے ممتاز علماء میں شمار ہونے لگے‘ تعلیم سے فراغت کے بعد درس و تدریس میں مشغول ہوگئے‘ امام الحرمین آپ کی ذاتِ گرامی کو اپنے لیے وجہِ افتخار سمجھتے تھے‘ اسی زمانے میں وہ ابو علی فارمدیؒ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے‘ نیشاپور میں کچھ ماہ و سال گذارنے کے بعد عسکر تشریف لے گئے‘ وہاں وزیر نظام الملک نے بڑی پذیرائی کی‘ سر آنکھوں پر بٹھایا‘ نظام الملکؒ کا دربار اس زمانے میں اربابِ علم و فضل کی آماجگاہ بنا ہوا تھا‘ امام غزالیؒ اس دربار میں تشریف لائے تو بڑے بڑے اہل علم سے مناظرے ہوئے‘ ان کے علم و فضل اور حسنِ بیان کی وہ شہرت ہوئی کہ نظام الملک نے بغداد کے مدرسہ نظامیہ میں علوم **دینیہ** کی تدریس کی دعوت دی‘ غزالیؒ نے یہ دعوت منظور کرلی اور بغداد تشریف لے گئے‘ مدرسہ نظامیہ میں بھی آپ ہاتھوں ہاتھ لیے گئے اور وہاں بھی آپ کے رسوخ فی العلم کا چرچا ہوا‘ خراسان کی امارت کے بعد عراق کے امارت بھی آپ کے حصے میں آئی‘ بغداد کے وزراء‘ امراء اور دار الخلافہ کے ذمہ داران سب ہی آپ کی بے حد تعظیم کرتے تھے‘ لیکن ایک دن اچانک مکہ **معظمہ** کی راہ لی‘ اپنی تمام تدریسی مصروفیات ترک کردیں‘ حج سے فراغت کے بعد شام تشریف لے گئے‘ ایک عرصے تک دمشق کی جامع مسجد میں لوگوں کو اپنے علوم سے فیض یاب کرتے رہے‘ جب وہاں سے بھی دل بھر گیا تو بیت المقدس روانہ ہوگئے‘ وہاں کے مقامات مقدسہ کی زیارت کی واپسی میں کچھ دن اسکندریہ رہے اور پھر اپنے وطن واپس آگئے‘ طوس میں رہ کر آپ نے اپنا بیشتر وقت تصنیف و تالیف میں صرف کیا‘ اکثر کتابیں یہیں لکھیں جن میں کیمیائے سعادۃ‘ جواہر القرآن‘ معیار العلم‘ میزان العمل‘ القسطاس المستقیم‘ معارج القدس‘ اور منہاج العابدین وغیرہ کتابیں قابل ذکر ہیں‘ طوس میں آپ نے ایک خانقاہ اور ایک مدرسہ بھی قائم کیا‘ خانقاہ میں دور دراز سے لوگ آتے اور اکتسابِ فیض کرتے‘ آپ اپنی نگرانی میں انھیں مختلف وظائف کی تعلیم دیتے‘ حلقۂ درس میں بھی طلباء کا ہجوم رہتا‘ آپ زیادہ تر تفسیر‘ حدیث‘ اور تصوف کی کتابیں پڑھاتے‘ ۱۴ جمادی الاخریٰ بروز دوشنبہ ۵۰۵ھ میں وفات پائی۔

وفات کے بعد بہت سے واقعات ظہور میں آئے جن سے امام غزالیؒ کے اخروی درجات کی بلندی کا پتہ چلتا ہے‘ شیخ عفیف الدین عبد اللہ بن اسعد یافعیؒ امام غزالیؒ کے معاصر شہاب الدین احمد الیمنی الزبیدیؒ کے حوالے سے یہ واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ایک روز میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک میری نگاہ آسمان کی طرف اٹھی‘ آسمان کے دروازے کھلے ہوئے تھے اور ملائکہ کی ایک جماعت سبز خلعت اور نفیس سواری لیے اتر رہی تھی۔ وہ سب ایک قبر کے پاس آکر ٹھہرے۔ صاحب قبر کو قبر میں سے نکالا‘ اسے جنت کا لباس پہنایا اور سواری پر بٹھلا کر آسمان کی طرف لے گئے۔ میں نے ان سے پوچھا یہ کون صاحب تھے۔ انہوں نے جواب دیا یہ امام غزالیؒ تھے جن کا اس قدر اعزاز و اکرام ہوا۔ یہ واقعہ آپ کی وفات کے فوراً بعد پیش آیا۔ اس طرح شیخ ابو الحسن شاذلیؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ آپؐ کے ساتھ حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ علیہما السلام بھی تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزالیؒ کی طرف اشارہ کرکے دونوں جلیل القدر پیغمبروں سے پوچھا: کیا تمہاری امت میں کوئی ایسا عالم ہے؟ دونوں پیغمبروں نے نفی میں جواب دیا۔ شیخ شاذلیؒ تو یہاں تک فرمایا کرتے تھے کہ غزالیؒ کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو۔ ایک حدیث میں ہے۔

ان اللّٰہ تعالٰی یحدث لھذہ الامۃ من یجدد لھا دینہ علی رأس کل مائۃ سنۃ

اللہ تعالیٰ اس اُمت کے لیے ہر صدی میں ایک ایسا شخص پیدا کرے گا جو اس کے دین کی تجدید کرے۔

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے مشہور محدث اور فقیہہ حافظ ابن عساکر فرماتے ہیں کہ پہلی صدی کے مجدد عمر ابن عبدالعزیزؒ ہیں۔ دوسری صدی کے امام شافعیؒ، تیسری صدی کے امام ابوالحسن اشعریؒ، چوتھی صدی کے ابوبکر باقلانیؒ اور پانچویں صدی کے ابو حامد غزالیؒ ہیں۔

امام غزالیؒ کے مناقب : امام یافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کے مناقب کتاب الارشاد میں لکھے ہیں۔ بہت سے اولیاء نے آپ کی ولایت کی شہادت دی ہے۔ شیخ ابن عربی فرماتے ہیں کہ میں نے امام غزالی کو طواف کرتے ہوئے دیکھا، وہ ایک گدڑی پہنے ہوئے تھے۔ مجھے سخت حیرت ہوئی۔ میں نے ان سے پوچھا کیا آپ کے پاس اس لباس کے علاوہ کوئی دوسرا لباس نہیں ہے۔ حالانکہ آپ اپنے وقت کے امام ہیں، پیشوا ہیں، لوگ آپ کی اتباع کرتے ہیں، آپ سے استفادہ کرتے ہیں اور معرفت خداوندی کا علم سیکھتے ہیں؟ آپ نے اس کے جواب میں چند اشعار پڑھے جن میں دنیاوی زندگی کے عارضی ہونے کا ذکر تھا، بعض مشائخ نے خواب میں دیکھا کہ غزالیؒ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے کسی حاسد کا شکوہ کررہے ہیں، جس شخص کی آپ نے شکایت کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جسم پر کوڑے لگوائے۔ صبح کو دیکھا تو اس شخص کے جسم پر کوڑوں کے نشانات موجود تھے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ غزالیؒ کی بعض کتابوں پر اعتراضات کئے جاتے ہیں حالانکہ لوگوں نے ان کتابوں میں اپنی طرف سے کچھ قابل اعتراض باتوں کا اضافہ کردیا ہے۔ ابن سبکیؒ فرماتے ہیں کہ غزالی کو وہی لوگ برا کہتے ہیں جو زندیق ہیں یا حاسد ہیں۔ شیخ عارف ابوالعباس المرسیؒ امام غزالیؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ صدیقیت کے عظیم مرتبہ پر فائز تھے۔ شیخ جمال اسنویؒ نے "مہمات" میں امام غزالیؒ کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے۔ "وہ اپنے زمانے کے قطب ہیں، ان کا وجود ہر ذی وجود کے لیے باعث برکت ہے، ان سے صرف وہی لوگ حسد رکھتے ہیں جو زندیق و ملحد ہیں۔ غزالیؒ جس طرح اپنے کمال علم میں منفرد ہیں اسی طرح ان کی تصانیف بھی اپنی نظیر نہیں رکھتیں۔ خصوصاً "احیاء العلوم جس کے مطالعہ سے اہل علم کبھی سیر نہیں ہوتے بلکہ ان کی پیاس بڑھتی ہی رہتی ہے۔"

ملا کاتب چلپی نے کشف الظنون میں لکھا ہے کہ "احیاء العلوم" جب مغرب میں پہنچی تو وہاں کے بعض علماء نے اسے ناپسند کیا اور اعتراضات لکھے بلکہ بعض لوگوں نے رد علی الاحیاء بھی لکھا۔ ان میں سے کسی عالم نے امام غزالیؒ کو خواب میں دیکھا وہ اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کی طرف سے جو کچھ بدگمانی دل میں تھی اس سے توبہ کرلی۔

علامہ زبیدیؒ اپنی کتاب "اتحاف السادات المتقین لشرح اسرار احیاء علوم الدین" میں تاریخ بغداد کے حوالے سے ابو ابراہیم فتح بن علی البذریؒ کے یہ الفاظ نقل کرتے ہیں: "غزالیؒ جیسا فصیح و بلیغ، ذکی و ذہین شخص میری نظر سے نہیں گذرا۔ جب فخر الملکؒ وزیر ہوا اور اس نے علامہ غزالیؒ کے کمال علم کی شہرت سنی تو فوراً" مدرسہ نظامیہ میں تدریس کی درخواست کی۔ اس سے علم میں آپ کے امتیاز کا اظہار ہوتا ہے۔ نیشاپور چھوڑنے کے بعد امام غزالیؒ نے علم حدیث کی تدریس میں زیادہ وقت لگایا۔ بہت سے لوگ امام غزالیؒ پر فلسفہ کا الزام لگاتے ہیں۔ اگرچہ یہ کسی حد تک صحیح ہے لیکن آخر وقت میں انہوں نے تمام علوم ترک کردیئے تھے اور صرف خدمت حدیث کو اپنا مشغلہ بنالیا تھا۔ ملا علی قاری بیان کرتے ہیں کہ امام غزالیؒ کی وفات ہوئی تو بخاری ان کے سینے پر رکھی ہوئی تھی۔ ابن عربیؒ کہتے ہیں کہ لوگوں کا یہ گمان صحیح نہیں ہے کہ وہ محض فلسفی تھے ان کی کتابیں خود اس غلط نظریئے کی تردید کرتی ہیں۔ شاہ عبدالحق دہلوی اپنی کتاب "مرج البحرین" میں لکھتے ہیں کہ امام غزالیؒ اوائل عمر میں فقہائے متکلمین کے طریقے پر تھے لیکن آخر عمر میں پکے صوفی بن گئے تھے۔ اس گروہ میں اعلیٰ ترین مقام حاصل کیا۔ بعض ارباب کشف نے صحبت معنوی کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے غزالیؒ کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا۔

ذلک رجل وصل الی المقصود

یہ وہ شخص ہے جو مقصود تک پہنچ گیا ہے۔

تلامذہ : امام غزالیؒ کے تلامذہ کی تعداد بہت ہے۔ خود امام صاحب نے اپنے ایک خط میں یہ تعداد ایک ہزار بیان فرمائی ہے۔ ان میں سے بعض تلامذہ نے بڑا نام پایا۔ ان کے کچھ ممتاز شاگردوں کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ قاضی ابو نصر احمد بن عبداللہ، ابو الفتح احمد ابن علی، ابو منصور محمد ابن اسماعیل، ابو سعید محمد ابن اسعد، ابو حامد محمد ابن عبدالملک، ابو سعید محمد بن علی کردی، ابو سعید محمد ابن یحیٰ نیشاپوری، ابو طاہر امام ابراہیم، ابو الحسن علی ابن مطہر دینوری، ابو الحسن علی بن مسلم جمال الاسلام وغیرہ۔ ان میں سے ہر شخص آسمان علم کا آفتاب و ماہتاب تھا۔

تصنیفات : امام غزالیؒ کی تصانیف بھی بے شمار ہیں۔ اگرچہ انہوں نے ۵۴/۵۵ برس کی عمر پائی۔ تقریباً" بیس برس کی عمر کے بعد تصنیف و تالیف کا آغاز کیا۔ اس دوران بہت سے ماہ و سال سیاحت میں گذرے۔ درس و تدریس کا مشغلہ بھی جاری رہا۔ طالبان حق اور سالکان طریقت کی تربیت میں بھی مشغول رہے۔ ان تمام مصروفیات کے باوجود اتنی بہت سی تصانیف یادگار چھوڑنا حیرت انگیز ہے۔ مسلمان مؤرخین نے امام غزالیؒ کی لکھی ہوئی کتابوں کی تعداد ۹۹ بیان کی ہے اور مغربی مؤرخین نے ۷۸

علامہ نوویؒ نے "بستان" میں کسی معتبر شخص کے حوالے سے لکھا ہے کہ میں نے امام غزالیؒ کی تصنیفات کا ان کی عمر سے موازنہ کیا تو روزانہ لکھنے کا اوسط چار کراسہ پایا۔ ایک کراسہ میں چار صفحے ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ روزانہ کم سے کم ۱۶ صفحات لکھا کرتے تھے۔ ذیل میں ہم ان کی کتابوں کی اجمالی فہرست پیش کر رہے ہیں۔

نمبر	نام	نمبر	نام
۱	احیاء العلوم	۲	املاء علی مشکل الاحیاء
۳	اربعین	۴	الاسماء الحسنیٰ
۵	الاقتصاد فی الاعتقاد	۶	اسرار معاملات الدین
۷	اسرار الانوار الالٰہیتہ بالآیات المتلوۃ	۸	اخلاق الابرار والنجاۃ من الاشرار
۹	اسرار اتباع السنۃ	۱۰	اسرار الحروف والکلمات
۱۱	ایہا الولد	۱۲	بدایۃ الھدایۃ
۱۳	البسیط فی الفقہ	۱۴	بیان القولین للامام الشافعیؒ
۱۵	بیان فضائح الاباحۃ	۱۶	بدائع الصنع
۱۷	تنبیہہ الغافلین	۱۸	تلبیس ابلیس
۱۹	تہافتہ الفلاسفہ	۲۰	تعلیقتہ فی فروع المذہب
۲۱	تحصین الماخذ	۲۲	تحصین الادلۃ
۲۳	تفرقۃ بین الاسلام والزندقۃ	۲۴	جواہر القرآن
۲۵	حجۃ الوداع	۲۶	حقیقۃ الروح
۲۷	خلاصۃ الرسائل الی علم المسائل فی المذہب	۲۸	اختصار المختصر للمزنی
۲۹	الرسالۃ القدسیہ	۳۰	الستر المصون
۳۱	شرح دائرۃ علی بن ابی طالب	۳۲	شفاء العلیل فی مسئلۃ التعلیل
۳۳	عقیدۃ المصباح	۳۴	عجائب صنع اللہ
۳۵	عنقود المختصر	۳۶	غایۃ الغور فی مسائل الدور فی مسئلۃ الطلاق
۳۷	غور الدور	۳۸	فتاویٰ مشتملۃ علی مائۃ و تسعین مسئلۃ

۳۹	الفکرۃ والعبرۃ	۴۰	فواتح السور
۴۱	الفرق بین الصالح وغیر الصالح	۴۲	القانون الکلی
۴۳	قانون الرسول	۴۴	القربۃ الی اللہ
۴۵	القسطاس المستقیم	۴۶	قواعد العقائد
۴۷	القول الجمیل فی الرد علی من غیر الانجیل	۴۸	کیمیاء السعادۃ
۴۹	مختصر کیمیاء السعادۃ	۵۰	کشف العلوم الآخرۃ
۵۱	کنز العدۃ	۵۲	اللباب المنتحل فی علوم الجدل
۵۳	المستصفی فی اصول الفقہ	۵۴	منخول
۵۵	ماخذ فی الخلافیات بین الحنفیۃ والشافعیۃ	۵۶	المبادی والغایات
۵۷	المجالس الغزالیۃ	۵۸	مقاصد الفلاسفۃ
۵۹	المنقذ من الضلال	۶۰	معیار النظر
۶۱	معیار العلم	۶۲	محک النظر
۶۳	مشکوٰۃ الانوار	۶۴	مستظہری فی الرد علی الباطنیۃ
۶۵	میزان العمل	۶۶	مواہم الباطنیۃ
۶۷	المنہج الاعلیٰ	۶۸	معراج السالکین
۶۹	المکنون فی الاصول	۷۰	مسلم السلاطین
۷۱	مفصل الخلاف فی اصول القیاس	۷۲	منہاج العابدین
۷۳	المعارف العقلیۃ	۷۴	نصحۃ الملوک
۷۵	الوجیز	۷۶	الوسیط
۷۷	یاقوت التاویل فی التفسیر ۴۰ جلدیں		

امام غزالیؒ نے زیادہ تر تصوف، کلام، فلسفہ، فقہ اور اصولِ فقہ پر کتابیں تصنیف فرمائیں۔ بعض کتابیں ایسی شائع ہو گئی ہیں جو حقیقت میں امام غزالیؒ کی نہیں ہیں۔ جو فہرست ابھی ہم نے درج کی ہے اس میں المنخول ایسی ہی کتاب ہے جس کے بارے میں اہل علم کہتے ہیں کہ یہ ان کی تصنیف نہیں ہے۔ اسی طرح یاقوت التاویل کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ اس کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہے۔

احیاء العلوم : یوں تو امام غزالیؒ کی متعدد کتابیں بڑی شہرت کی حامل ہیں۔ فقہ میں آپ کی کتابیں عرب ممالک میں بڑے اہتمام کے ساتھ شائع کی جاتی ہیں۔ ان میں سب سے اہم کتاب "الوجیز" سمجھی جاتی ہے۔ جس کی امام فخرالدین رازی سمیت متعدد اہل علم نے شروحات لکھیں۔ ان کی تعداد ستر بیان کی جاتی ہے۔ "ابوالملقن" نے "الوجیز" کی احادیث کی تخریج کی۔ یہ تخریجات سات ضخیم جلدوں میں ہیں۔ حافظ ابن حجر، بدر بن جماعۃ، بدر زرکشی، سیوطی وغیرہ اکابر علم نے "الوجیز" کے خلاصے کئے۔ اسی طرح دوسری کتابوں پر بھی بیش قیمت کام ہوا لیکن ان کی سب سے زیادہ مشہور اور مقبول عام کتاب "احیاء العلوم" ہے۔ اس کتاب کا موضوع اخلاق اور فلسفہ اخلاق ہے۔ مکمل اسلامی تعلیمات کا نچوڑ اس کتاب میں ملتا ہے۔ اس کتاب کے متعدد خلاصے کئے گئے اور کئی شرحیں بھی لکھی گئیں۔ مختصر کے سلسلے میں شمس الدین محمد بن علی عجلونیؒ، احمد بن محمد، محمد بن سعید یمنی، شیخ ابو زکریا یحییٰ،

ابو العباس احمد ابن موسیٰ، حافظ جلال الدین سیوطی کے نام اہم ہیں۔ سب سے بہترین خلاصہ "واعظ المؤمنین" ہے۔ مخلص محمد جمال الدین دمشقی ہیں۔ یہ خلاصہ مصر سے شائع ہوا ہے۔ سب سے بہترین مکمل اور ضخیم ترین شرح علامہ مرتضیٰ زبیدی کی ہے۔

احیاء العلوم کے متعلق حافظ الاثیر نے لکھا ہے کہ یہ کتاب سفر کی حالت میں لکھی گئی ہے۔ احادیث و روایات ابو طالب مکی کی "قوت القلوب" سے ماخوذ ہیں بلکہ بعض لوگوں نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ احیاء العلوم قوت القلوب کا چربہ ہے لیکن یہ الزام صحیح نہیں ہے۔ یہ تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ دوران تصنیف امام غزالیؒ کے پیش نظر "قوت القلوب" رہی ہو لیکن اس کے علاوہ بھی انہوں نے دوسری کتابوں سے مدد لی ہے۔ مقدمہ میں امام غزالیؒ نے یہ بات واضح کردی ہے کہ اگرچہ اس موضوع پر کام ہوچکا ہے لیکن احیاء العلوم حسب ذیل پانچ خصوصیات کے لحاظ سے جداگانہ نوعیت کی حامل ہے۔

۱ قدیم تصنیفات میں جو اجمال تھا وہ احیاء العلوم میں نہیں ہے۔
۲ منتشر مضامین یکجا کردیئے گئے ہیں۔
۳ جن مضامین میں غیر ضروری طوالت اختیار کی گئی ہے وہاں اختصار سے کام لیا گیا ہے۔
۴ مکرر مضامین حذف کردیئے گئے ہیں۔
۵ بہت سے ایسے مضامین کا اضافہ کیا گیا ہے جن کا قدیم کتابوں میں وجود بھی نہیں تھا۔

احیاء العلوم کے مترجم ... ایک مختصر تعارف

مولانا ندیم الواجدی کا شمار ہندوستان کے نامور لکھنے والوں میں ہوتا ہے۔ آپ ۲۳ جولائی ۱۹۵۴ء کو دیوبند میں پیدا ہوئے۔ دیوبند ایک صدی سے علم و دین کے مرکز کی حیثیت سے ساری دنیا میں مشہور ہے۔ اس سرزمین کے افق سے آسمان علم کے درخشندہ و تابندہ ماہتاب ابھرے اور انہوں نے ساری دنیا کو اپنی کرنوں سے اجالا بخشا۔ مولانا ندیم الواجدی دیوبند کے ایک ایسے خاندان کے چشم و چراغ ہیں جہاں علم کی شمع عرصے سے روشن ہے۔ آپ کے دادا مولانا محمد احمد حسن صاحب اور والد ماجد مولانا واجد حسین صاحب دارالعلوم دیوبند کے ممتاز عالم ہیں اور مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں حدیث و تفسیر کی تدریس میں مشغول ہیں۔ ندیم صاحب نے ابتدائی تعلیم دیوبند میں حاصل کی اور بعد میں اپنے والد اور دادا کے ہمراہ جلال آباد چلے گئے۔ وہاں کلام پاک حفظ کیا۔ ابتدائی فارسی پڑھی اور اپنے والد اور دادا سے عربی کی مروجہ ابتدائی کتب پڑھیں۔ اسی دوران انہیں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے جانشین حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب مدظلہ العالی سے بھی استفادے کا موقع ملا۔

موصوف کو مطالعہ کا شروع ہی سے شوق رہا ہے۔ لکھنے سے دلچسپی بھی جنون کی حد تک تھی۔ ۱۹۶۷ء میں آپ نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور متوسط درجات کی تعلیم سے اس عظیم ادارے میں اپنی تعلیم کا از سرنو آغاز کیا۔ ندیم الواجدی صاحب دارالعلوم میں ایک ذی صلاحیت قابل اور ہونہار طالب علم کی حیثیت سے ابھرے اور دیکھتے دیکھتے ہی دارالعلوم کی علمی زندگی پر چھاگئے۔ لکھنے کا ذوق پہلے سے تھا۔ مادر علمی دارالعلوم دیوبند کی فضاؤں نے اس ذوق کو جلا بخشی اور عربی، اردو زبان میں اس قدر مضامین اور مقالات لکھے کہ دور طالب علمی میں شاید ہی کسی نے اتنے مضامین لکھے ہوں۔ ہندوستان کے معیاری اخبارات و رسائل میں تقریباً چار سو مضامین اور مقالات شائع ہوئے ہیں۔ ۱۹۷۴ء میں دارالعلوم دیوبند میں دورہ حدیث کا امتحان دیا اور اس میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ دارالعلوم میں یہ نمایاں ترین کامیابی سمجھی جاتی ہے۔

فراغت کے بعد عربی زبان و ادب کی تعلیم کے لیے تکمیل ادب کے شعبے میں داخلہ لیا اور شیخ الادب حضرت مولانا وحید الزماں

صاحب کیرانوی کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔ استاذ محترم کو ندیم صاحب کی صلاحیتوں پر بھرپور اعتماد تھا۔ یہی وجہ ہے کہ دو ماہ بعد انہیں "النادی الادبی" کا معتمد مقرر کر دیا گیا۔ "النادی الادبی" دارالعلوم دیوبند کے طلباء کی نمائندہ انجمن ہے۔ ندیم صاحب کے دور اعتماد میں النادی نے زبردست ترقی کی۔ اسی دوران موصوف نے دارالعلوم دیوبند میں ایک دیواری رسالہ "شعور" جاری کیا۔ شعور کے مضامین دارالعلوم کی علمی فضاؤں میں انقلابی آواز کی حیثیت سے متعارف ہوئے۔

دور طالب علمی ہی میں آپ کو عربی زبان پر بے پناہ عبور حاصل ہو گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ موصوف کو بارہا عرب مہمانوں کے مختلف وفود کے سامنے دارالعلوم کی نمائندگی کرنے کا موقع ملا۔ عربی بولنے کا انداز اور لب و لہجہ ایسا ہے کہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ کوئی عجمی بول رہا ہے۔

دارالعلوم سے فراغت کے بعد آپ ایک سال حیدر آباد کے ایک عربی مدرسہ میں صدر مدرس کی حیثیت سے مقیم رہے۔ اسی دوران دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ نے فیصلہ کیا کہ انہیں دفتر اجلاس صد سالہ کے شعبۂ تصنیف کے لیے مدعو کیا جائے۔ چنانچہ ۱۹۷۸ء میں آپ نے شعبۂ تصنیف کے نگران کی حیثیت سے تصنیفی و تالیفی ذمہ داری کا آغاز کیا اور بہت کم عرصہ میں عربی اور اردو زبان میں متعدد رسائل و کتابیں تیار کیں۔ ۱۹۷۸ء میں آپ نے عربک ٹیچنگ سنٹر کی بنیاد ڈالی اور عربی زبان کے ایک مراسلاتی کورس کا آغاز کیا۔ کورس کی کتابیں بھی خود ترتیب دیں۔ اس سلسلے میں اب تک سات کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ اس سلسلے کی معاون کتابیں بھی تیار کی گئی ہیں۔ یہ کورس متعدد مدارس میں داخل نصاب ہے اور جو لوگ سنٹر سے براہ راست اس کورس کے ذریعے عربی زبان سیکھ رہے ہیں ان کی تعداد بھی سولہ سو سے متجاوز ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے اجلاس صد سالہ کے موقع پر اور پندرہویں صدی ہجری کے آغاز پر ندیم صاحب نے اہل علم کو ایک گرانقدر علمی تحفہ سے نوازا۔ یہ تحفہ احیاء العلوم کے جدید اردو ترجمہ کی صورت میں ہے۔ اس ترجمہ کی اب تک چھ قسطیں شائع ہو چکی ہیں۔ یہ چھ قسطیں تقریباً "ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہیں۔ ہر دو ماہ میں ایک قسط چھپ رہی ہے۔ موصوف کا ارادہ ہے کہ وہ مختلف دینی علمی اصلاحی، فکری اور سوانحی موضوعات پر کم قیمت اور کم ضخامت رکھنے والی کتابیں لکھیں جو سیریز کے طور پر شائع ہوں۔ اس سلسلے میں انہوں نے تفصیلی پروگرام بنالیا ہے۔ کسی مناسب وقت پر اسے عملی شکل دی جائے گی۔

جاوید اختر فیضی

پیش لفظ

سب سے پہلے میں اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتا ہوں اگرچہ اس کی عظمت اور جلال کے سامنے تعریف کرنے والوں کی تعریفیں ہیچ ہیں۔ پھر میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام پر درود و سلام بھیجتا ہوں اور دینی علوم کو زندہ کرنے کے لیے کتاب لکھنے کے اپنے ارادے میں اللہ تعالیٰ سے بہتری کی درخواست کرتا ہوں اور ساتھ ہی اے ملامت میں مبالغہ کرنے والے ملامت گر اور اے غافل منکرین کے گروہ میں زیادہ سرزنش اور انکار کرنے والے میں تیری حیرت بھی دور کرنا چاہتا ہوں۔ اس لیے کہ اب اللہ تعالیٰ نے میری زبان سے خاموشی کی گرہ کھول دی ہے اور مجھے وہ بات کہنے کی توفیق عطا فرمائی ہے جس پر تو قائم ہے۔ یعنی تو حق صریح سے اعراض کرتا ہے۔ باطل کی مدد اور جہل کی تعریف و تحسین کرتا ہے اور اس شخص پر آوازیں کستا ہے جو اس توقع سے دنیا والوں کے رسم و رواج سے ہٹ کر عمل کی طرف راغب ہو رہا ہے کہ تزکیۂ نفس اور اصلاحِ قلب حاصل ہو جسے اللہ تعالیٰ نے عبادت قرار دیا ہے اور تمام عمر ضائع جانے کی تلافی سے مایوس ہو کر اپنے بعض گناہوں کی تلافی کرے اور ان لوگوں کے گروہ سے منحرف ہو جن کے بارے میں صاحبِ شریعت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَالِمٌ لَمْ يَنْفَعْهُ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ بِعِلْمِهِ۔ (طبرانی، بیہقی)

قیامت کے روز سب لوگوں سے زیادہ عذاب اس عالم کو ہو گا جس کو اللہ پاک نے اس کے علم سے نفع نہ پہنچایا ہو۔

اور مجھے یقین ہے کہ اس انکار پر تیرے اصرار کی واحد وجہ وہ مرض ہے جو اکثر لوگوں میں پھیل گیا ہے یعنی انہیں آخرت کی اہمیت کا احساس نہیں ہے اور وہ یہ جانتے ہیں کہ معاملہ خوفناک ہے۔ دنیا پشت پھیر رہی ہے اور آخرت سامنے ہے۔ موت قریب ہے اور سفر طویل ہے۔ زادِ راہ کم ہے، راستہ پُرخطر اور دشوار گزار ہے۔ آخرت کے راستے پر چلنا بغیر رہنما کے مشکل ہے۔ اس راستے کے رہنما علماء ہیں جنہیں انبیائے کرام کا وارث کہا جاتا ہے۔ دنیا ایسے لوگوں سے خالی ہو چکی ہے۔ محض رسمی علماء رہ گئے ہیں ان میں سے بھی اکثر پر شیطان غالب ہے۔ نفس کی سرکشی نے انہیں گمراہ کر رکھا ہے۔ ان میں سے ہر ایک اپنے نقد فائدے کی تلاش میں مصروف نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے علماء اچھی بات کو بری اور بری کو اچھی سمجھتے ہیں۔ صحیح علمِ دین باقی نہ رہا۔ ہدایت کے سُوتے خشک ہو گئے۔ ان علماء نے لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات ڈال دی کہ اب علم یا تو حکومت کا وہ قانون اور فتویٰ ہے جس کی مدد سے حکام جھگڑے چکاتے ہیں یا وہ مناظرانہ بحثیں ہیں جو محض اپنی بڑائی اور عظمت کے اظہار کے لیے اور مخالفین پر غالب رہنے کے لیے کی جاتی ہیں یا وہ چکنی چپڑی باتیں ہیں جن کے ذریعہ واعظین عوام کو بہلاتے اور پھسلاتے رہتے ہیں اس لیے کہ یہی تین علوم ایسے ہیں جن سے دنیا کمائی جا سکتی ہے۔ جہاں تک اس طریق آخرت کے علم کا تعلق ہے جس پر پچھلے لوگ چلا کرتے تھے وہ علم اب ختم ہو چکا ہے حالانکہ اس علم کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فقہ، حکمت، علم، روشنی اور ہدایت جیسے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے۔

کیونکہ یہ صورتِ حال دین میں رخنۂ عظیم سے کم نہیں ہے اس لیے میں نے اس کتاب کی ضرورت محسوس کی تاکہ اس کتاب کے ذریعہ دینی علوم زندگی پائیں۔ وہ راہ روشن ہو جس پر ہمارے بزرگ چلے تھے اور انبیائے علیہم السلام اور اکابر سلف رحمہم اللہ کے علوم سامنے آئیں۔

یہ کتاب چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ پہلی جلد میں عبادات پر، دوسری جلد میں معاملات اور آداب پر، تیسری جلد میں ہلکات (وہ امور جو انسان کو تباہ کرتے ہیں) پر اور چوتھی جلد میں منجیات (وہ امور جن سے انسان کو نجات حاصل ہوتی ہے) پر گفتگو کی گئی ہے۔

سب سے پہلے علم کے ابواب ہیں۔ علم سے متعلق مباحث اسلئے مقدم کئے گئے ہیں تاکہ وہ علم واضح ہوجائے جسے اللہ تعالیٰ نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی عبادت قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے۔

طلب العلم فریضة علی کلّ مسلم (ابن ماجہ' احمد' بیہقی)

علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

اور علم نافع، علم مضر سے علیحدہ ہوجائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد گرامی ہے۔

نعوذ باللّٰہ من علم لا ینفع (ابن ماجہ)

ہم اس علم سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں جس سے نفع نہ ہو۔

ہم علم کے ابواب میں یہ بھی ثابت کریں گے کہ اب لوگ صحیح راستے سے ہٹ چکے ہیں۔ چمکتے ہوئے سراب سے دھوکا کھارہے ہیں اور اصل علوم کو چھوڑ کر لایعنی علوم میں مصروف نظر آرہے ہیں۔

آیئے اب اس کتاب کی چاروں جلدوں کے مختلف ابواب کا جائزہ لیں۔ اس کتاب کی پہلی جلد حسب ذیل دس ابواب پر مشتمل ہے۔ (۱) علم (۲) عقائد کے اصول (۳) طہارات کے احکام واسرار (۴) نماز کے اسرار واحکام (۵) زکوٰۃ کے اسرار واحکام (۶) روزے کے احکام واسرار (۷) حج کے اسرار واحکام (۸) تلاوت قرآن کے آداب (۹) دعائیں اور اذکار (۱۰) مختلف اوقات کے اوراد و وظائف۔

دوسری جلد میں حسب ذیل دس ابواب ہیں : (۱) کھانے پینے کے آداب (۲) نکاح کے آداب (۳) روزی کمانے کے احکام (۴) حلال اور حرام (۵) معاشرت کے احکام (۶) گوشہ نشینی (۷) سفر کے آداب (۸) وجد وسماع (۹) امربالمعروف اور نہی عن المنکر (۱۰) آداب اور اخلاقِ نبوت۔

تیسری جلد میں دس ابواب ہیں : (۱) عجائب قلب کا بیان (۲) ریاضت نفس (۳) شہوت شکم اور شہوت فرج کی آفتیں (۴) زبان کی آفتیں (۵) غصے' کینے اور حسد کی آفتیں (۶) دنیا کی مذمت (۷) مال اور بخل کی مذمت (۸) حبّ جاہ اور ریا کی مذمت (۹) تکبر اور خودپسندی کی مذمت (۱۰) دھوکا کھانے کی مذمت۔

چوتھی جلد بھی حسب ذیل دس ابواب پر مشتمل ہے : (۱) توبہ (۲) صبر اور شکر (۳) خوف اور رجاء (۴) فقر اور ترک دنیا (۵) وحدانیت باری تعالیٰ اور توکّل (۶) محبت' شوق' انس اور رضا (۷) نیت' صدق اور اخلاص (۸) مراقبۂ نفس اور محاسبۂ ذات (۹) فکر (۱۰) تذکیرِ موت۔

عبادات کے ابواب میں ہم عبادات سے متعلق وہ اسرار و رموز اور حکمتیں بیان کریں گے جن کی عمل کے دوران ضرورت پیش آتی ہے بلکہ حق بات تو یہ ہے کہ جو شخص ان اسرار و رموز سے واقف نہ ہو اسے آخرت کے علماء میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔ یہ وہ مباحث ہوں گے جو فقہ کی کتابوں میں نہیں ملتے۔

معاملات سے متعلق ابواب میں ہم ان معاملات کے اسرار و رموز ذکر کریں گے جو مخلوق خدا میں جاری وساری ہیں۔ یہ وہ باتیں ہوں گی جن کی ہر دیندار شخص کو ضرورت پیش آتی ہے۔

مہلکات سے متعلق ابواب میں ہم ان تمام بری عادتوں کا تذکرہ کریں گے جنہیں دور کرنے اور جن سے نفس کو پاک کرنے کا حکم قرآن پاک میں آیا ہے۔ ہم ان تمام عادتوں کی حقیقت بیان کریں گے اور وہ اسباب ذکر کریں گے جن سے یہ عادتیں پیدا ہوتی ہیں۔ بری عادتوں پر مرتب ہونے والی آفات' ان عادتوں کی علامات اور علاج کے وہ طریقے لکھیں گے جن سے یہ عادتیں دور ہوسکیں گی۔ اپنے ہر دعوے کے لیے قرآن پاک' حدیث شریف اور آثار صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے استدلال کریں گے۔

منجیات سے متعلق ابواب میں ہم وہ تمام اچھی اور پسندیدہ عادتیں ذکر کریں گے جو مقربین اور صدّیقین کی عادتیں ہیں اور

جنہیں اختیار کر کے بندہ اپنے رب سے قریب ہو سکتا ہے۔ ہم ان میں سے ہر عادت کی حقیقت واضح کریں گے۔ اس کی حدود بیان کریں گے اور ان اسباب کا ذکر کریں گے جن سے وہ عادات پیدا ہوتی ہیں۔ ہر عادت کے نتائج' اس کی علامات اور فضائل بیان کریں گے۔ ہر بحث کے لیے شرعی اور عقلی دلائل پیش کریں گے۔

مذکورہ بالا سطور سے ہم نے جن موضوعات کا ذکر کیا ہے ان میں سے بعض موضوعات پر لوگوں نے کتابیں لکھی ہیں لیکن ہماری یہ کتاب احیاء العلوم ان حضرات کی تصانیف سے مندرجہ ذیل پانچ امور میں مختلف ہے۔

١ جو حقائق انہوں نے مبہم یا مجمل بیان کیے تھے۔ ہم نے انہیں واضح اور مفصّل لکھ دیا ہے۔
٢ جن مباحث کو انہوں نے متفرق جگہوں پر لکھا تھا انہیں ہم نے ایک جگہ مرتّب کر دیا ہے۔
٣ جن مباحث میں بلاوجہ طوالت اختیار کی گئی تھی انہیں ہم نے مختصر عبارت میں بیان کیا ہے۔
٤ جو مباحث ان کی کتابوں میں مکرّر ہیں ہم نے انہیں صرف ایک جگہ ذکر کیا ہے۔
٥ بعض مباحث میں ایسے امور کی تحقیق کی گئی ہے جن کا سمجھنا مشکل تھا اس لیے پچھلی کتابوں میں ان امور کو ہاتھ نہ لگایا گیا۔ ہر چند کہ سب ایک ہی راہ کے مسافر تھے لیکن یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں کہ ان میں سے ہر ایک وہ باتیں جان لے جن سے دوسرے ناواقف رہ جائیں یا واقف ہو جائیں' مگر کتابوں میں لکھنا بھول جائیں یا کتابوں میں لکھنا بھی نہ بھولیں بلکہ کسی عذر کے باعث نہ لکھ سکیں۔ بہرحال یہ اس کتاب کی خصوصیات کا مختصر تعارف ہے۔

جہاں تک کتاب کو چار جلدوں میں تقسیم کرنے کا سوال ہے اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ دو وجوہ سے ایسا کیا گیا ہے۔

(١) پہلا اور حقیقی سبب یہ ہے کہ تحقیق اور تفہیم کے باب میں یہ ترتیب فطری ہے کیونکہ جس علم سے آخرت کی طرف رہنمائی ہو وہ دو قسموں پر مشتمل ہے۔ (١) علمِ معاملہ (٢) علمِ مکاشفہ۔ علمِ معاملہ سے وہ علم مراد ہے جس کے ذریعہ معلوم کی وضاحت طلب کی جائے اور علمِ مکاشفہ سے وہ علم مراد ہے جس میں معلوم کی وضاحت کے ساتھ ساتھ عمل بھی مطلوب ہو۔

اس کتاب میں صرف علمِ معاملہ مقصود ہے۔ علمِ مکاشفہ نہیں کیونکہ علمِ مکاشفہ کو کتابوں میں لکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ مانا کہ طالبانِ حق اور صدیقین کی منزل علمِ مکاشفہ ہی ہے مگر انبیاء علیہم السلام نے بندگانِ خدا کے ساتھ صرف علمِ معاملہ ہی میں گفتگو کی ہے اور اسی کی طرف رہنمائی کی ہے۔ علمِ مکاشفہ میں اگر کچھ گفتگو کبھی کی ہے تو محض اشاروں میں اور ایجاز و اختصار کے ساتھ۔ اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کو معلوم تھا کہ لوگ علمِ مکاشفہ کا ادراک نہیں کر سکتے اور نہ اس کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ علماء کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں اس لیے انہیں بھی انبیاء کی اتباع سے انحراف کی اجازت نہیں ہے۔

پھر علم کی بھی دو قسمیں ہیں۔

(١) علمِ ظاہر' یعنی ظاہری اعضاء کے اعمال کا علم۔
(٢) علمِ باطن' یعنی دلوں کے اعمال کا علم۔

اعضاء کے اعمال چاہے وہ بطور عبادت ہوں یا بطور عادت اور دل پر عالمِ ملکوت سے وارد ہونے والے اعمال کا علم وہ اچھے ہیں یا برے خلاصہ یہ ہے کہ اس علم کی تقسیم ضروری ہے۔ ایک علمِ ظاہر اور دوسرا علمِ باطن۔

علمِ ظاہر کی بھی دو قسمیں ہیں۔ (١) عبادت (٢) معاملات۔ علمِ باطن بھی جس کا تعلق دل کے احوال اور نفس کی عادتوں سے ہے دو قسموں پر مشتمل ہے۔ (١) اچھی عادتیں (٢) بری عادتیں۔ اس طرح چار قسمیں ہوئیں۔ علمِ معاملہ میں کوئی بات ان قسموں سے باہر نہیں ہوتی۔

(٢) دوسرا سبب یہ ہے کہ میں نے طالب علموں میں اس فقہ کی سچی طلب دیکھی جو ان لوگوں کے لیے ذریعۂ فخر ہو سکتا ہے یا جس

سے جاہ و منزلت کے لیے ان کی خواہش کو تقویت مل سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں رکھتے۔ وہ فقہ بھی چار حصوں پر مشتمل ہے کیونکہ محبوب اور پسندیدہ چیز کے طرز پر بیان کردہ چیز بھی پسندیدہ اور محبوب ہوتی ہے اس لیے میں نے بھی اس کتاب کی ترتیب فقہ کی کتابوں کی ترتیب کے مطابق رکھی تاکہ اس طرف قلوب کا میلان ہو۔ چنانچہ بعض لوگوں کی اگر یہ خواہش ہوئی کہ امراء علم طب کی طرف متوجہ ہوں تو انہوں نے اپنی کتاب ستاروں کی تقویم کی طرح جدولوں میں لکھی اور اس کا نام "صحت کی تقویم" رکھا کیونکہ امراء علم النجوم سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ اسی طرز پر لکھی گئی دوسری کتابوں کے مطالعہ کا شوق بھی ان میں پیدا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ ایسا حیلہ کرنا جس سے دل اس علم کی طرف مائل ہو جس میں دائمی زندگی کا فائدہ مضمر ہے اس حیلے کے مقابلے میں زیادہ ضروری ہے جس سے طبّی علم کی طرف میلان ہو اس لیے کہ طبّ صرف جسم کی سلامتی کے لیے مفید ہے۔ علمِ طب جس سے جسموں کا علاج ہوتا ہے علمِ آخرت کا مقابلہ کیسے کرسکتا ہے جس سے دلوں اور روحوں کا علاج ہوتا ہے اور انہیں دائمی زندگی نصیب ہوتی ہے جبکہ جسم فنا ہوجاتے ہیں۔ اب ہم اللہ تعالیٰ سے توفیق، رہنمائی اور ہدایت کی درخواست کرتے ہیں کہ وہ کریم ہے اور بندہ نواز ہے۔

پہلا باب

علم، طلب علم اور تعلیم کے فضائل

علم کے فضائل

علم قرآن کی نظر میں : قرآن پاک میں علم کے فضائل ان آیات میں وارد ہیں۔

۱ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُو الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ۔ (پ ۳، ر ۱۰، آیت ۱۸)

اور گواہی دی اللہ نے اس کی بجز اس کے کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں اور فرشتوں نے بھی اور اہلِ علم نے بھی اور معبود بھی وہ اس شان کے ہیں کہ اعتدال کے ساتھ انتظام رکھنے والے ہیں۔

ملاحظہ کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے شہادت کی ابتداء اولاً "اپنی ذات سے فرمائی' پھر فرشتوں کا ذکر فرمایا اور تیسرے نمبر پر اہلِ علم کا ذکر کیا' اہلِ علم کی فضیلت' عظمت اور شرف پر یہ بڑی دلیل ہے۔

۲ يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ۔ (پ ۲۸، ر ۲، آیت ۱۱)

اللہ تعالیٰ (اس حکم کی اطاعت سے) تم میں ایمان والوں کے اور (ایمان والوں میں) ان لوگوں کے جن جو علم (دین) عطا ہوا ہے (اخروی) درجے بلند کرے گا۔

حضرت ابن عباسؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ دوسرے مؤمنین کے مقابلے میں اہلِ علم کے سات سو درجات زیادہ ہوں گے اور دو درجوں کی درمیانی مسافت پانچ سو برس کی مسافت کے برابر ہوگی۔

۳ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ (پ ۲۳، ر ۱۵، آیت ۹)

آپ کہیئے کیا علم والے اور جہل والے (کہیں) برابر ہوتے ہیں۔

۴ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (پ ۲۲، ر ۱۶، آیت ۲۸)

(اور) خدا سے وہی بندے ڈرتے ہیں جو (اس کی عظمت کا) علم رکھتے ہیں۔

۵ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ۔ (پ ۱۳، ر ۱۲، آیت ۴۳)

آپ فرما دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان میری نبوت پر اللہ تعالیٰ اور وہ شخص جس کے پاس کتاب (آسمانی) کا علم ہے کافی گواہ ہیں۔

۶ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ (پ ۱۹، ر ۱۸، آیت ۴۰)

جس کے پاس کتاب کا علم تھا اس نے کہا میں اس (تخت) کو تیرے سامنے لا سکتا ہوں۔

اس آیت میں اس بات کی تنبیہہ کی گئی ہے کہ تخت لے کر آنے کی قدرت اس میں علم کی وجہ سے پیدا ہوئی۔

۷ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا (پ ۲۰، ر ۱۰، آیت ۸۰)

اور جن لوگوں کو (دین کی) فہم عطا ہوئی تھی کہنے لگے ارے تمہارا ناس ہو اللہ تعالیٰ کے گھر کا ثواب ہزار

درجہ بہتر ہے جو ایسے شخص کو ملتا ہے کہ ایمان لائے اور نیک عمل کرے۔
اس آیت میں بیان فرمایا کہ آخرت کی ہولناکی اندازہ صرف اہل علم ہی کر سکتے ہیں۔

۸ - وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ ۔ (پ ۲۰، ر ۱۹، آیت ۴۳)
اور ہم ان (قرآنی) مثالوں کو لوگوں کے (سمجھانے) کے لیے پیش کرتے ہیں اور ان مثالوں کو بس علم والے ہی لوگ سمجھتے ہیں۔

۹ - وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ ۔
(پ ۵، ر ۸، آیت ۸۳)
اور اگر یہ لوگ رسول کے اور جو ان میں ایسے امور کو سمجھتے ہیں ان کے حوالے پر رکھتے ہیں تو اس کو وہ حضرات تو پہچان ہی لیتے جو ان میں اس کی تحقیق کر لیا کرتے۔
اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے معاملات کے باب میں حکم کو علماء کے استنباط اور اجتہاد کی طرف راجع فرمایا اور احکام خداوندی کے استنباط و استخراج میں انہیں انبیاء کے ساتھ ذکر کیا۔

۱۰ - يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْآتِكُمْ وَرِيشًا وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ ۔ (پ ۸، ر ۱۰، آیت ۲۶)
اے اولاد آدم کی ہم نے تمہارے لیے لباس پیدا کیا جو کہ تمہاری پردہ داریوں کو بھی چھپاتا ہے اور موجب زینت بھی ہے اور تقویٰ کا لباس یہ اس سے بڑھ کر ہے۔
اس آیت کی تفسیر میں بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ لباس سے مراد علم ہے اور ریش سے مراد یقین ہے اور لباسِ تقویٰ سے مراد حیا ہے۔

۱۱ - وَلَقَدْ جِئْنَاهُمْ بِكِتَابٍ فَصَّلْنَاهُ عَلَىٰ عِلْمٍ ۔ (پ ۸، ر ۱۴، آیت ۵۲)
اور ہم نے ان لوگوں کے پاس ایک ایسی کتاب پہنچادی ہے جس کو ہم نے اپنے علمِ کامل سے بہت ہی واضح کر کے بیان کردیا ہے۔

۱۲ - فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ (پ ۸، ر ۸، آیت ۷)
پھر ہم چونکہ پوری خبر رکھتے ہیں ان کے روبرو بیان کردیں گے۔

۱۳ قُلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ ۔ (پ ۲۱، ر ۱، آیت ۴۹)
بلکہ یہ کتاب خود بہت سی واضح دلیلیں ہیں ان لوگوں کے ذہن میں جن کو علم عطا ہوا ہے۔

۱۴ - خَلَقَ الْإِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۔ (پ ۲۷، ر ۱۱، آیت ۳-۴)
اس نے انسان کو پیدا کیا پھر اس کو خوش بیانی سکھلائی۔
اللہ نے علم کا ذکر اس جگہ فرمایا جہاں وہ بندوں پر اپنے احسانات کا ذکر کر رہا ہے۔

علم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں۔

(۱) مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ وَيُلْهِمْهُ رُشْدَهُ (بخاری و مسلم)
اللہ جس کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ دیتا ہے اور اس کو ہدایت دیتا ہے۔

(۲) العلماء ورثة الانبياء (ابوداؤد، ترمذی)

علماء انبیاء کے وارث ہیں۔

اس حدیث میں علماء کو وارث قرار دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ نبوت سب سے بڑا منصب ہے۔ اس منصب کی وراثت سے بڑھ کر کوئی اور شرف کیا ہو سکتا ہے۔

(۳) یَستغفِرِ لِلعَالِمِ مافی السموات والارض (ابوداؤد' ترمذی)

زمین و آسمان کی تمام چیزیں عالم کے لیے دعائے مغفرت کرتی ہیں۔

اس سے بڑھ کر اور کون سا مرتبہ ہوگا کہ جس پر فائز ہونے والے کے لیے آسمان و زمین کے فرشتے دعاء و استغفار میں مشغول رہتے ہیں۔ وہ تو اپنے آپ میں مشغول ہے اور فرشتے اس کے لیے دعا کرنے میں مصروف ہیں۔

(۴) الحکمة تزید الشریف شرفا و ترفع المملوک حتیٰ یدرک مدارک الملوک (ابو نعیم' ابن عبدالبر' اذدی)

حکمت شریف کی عظمت بڑھاتی ہے اور مملوک کو اتنا بلند کرتی ہے کہ اسے بادشاہوں کی جگہ بٹھا دیتی ہے۔

اس حدیث میں آپ نے علم کا دنیاوی ثمر بیان فرمایا ہے۔ ظاہر ہے کہ آخرت دنیا کی بہ نسبت زیادہ بہتر اور زیادہ پائیدار ہے۔

(۵) خصلتان لایکونان فی منافق حسن سمت و فقه فی الدین۔ (ترمذی)

دو خصلتیں منافق میں نہیں پائی جاتیں۔ ایک حسن سمت اور دوسری دین کی سمجھ۔

موجودہ دور کے بعض فقہاء کا نفاق دیکھ کر آپ حدیث کی صداقت میں شبہ نہ کریں۔ اس لیے کہ حدیث میں فقہ سے مراد وہ علم نہیں ہے جو متعارف ہے۔ فقہ کے حقیقی معنی ہم آئندہ کہیں ذکر کریں گے۔ کم سے کم درجہ تفقہ کا یہ ہے کہ فقیہ یہ یقین رکھتا ہو کہ آخرت دنیا سے بہتر ہے۔ یہ یقین جب فقیہ کے ذہن میں راسخ ہو جاتا ہے تو وہ نفاق اور ریا و نمود کی آلائش سے پاک ہو جاتا ہے۔

(۶) افضل الناس المؤمن العالم الذی ان احتیج الیه نفع' و ان استغنی عنه اغنی نفسه (بیہقی)

لوگوں میں سب سے بہتر وہ صاحبِ ایمان عالم ہے کہ جس کے پاس لوگ اپنی ضرورت لے کر جائیں تو وہ انہیں نفع پہنچائے اور اس سے بے نیازی اختیار کریں تو وہ ان سے بے نیاز رہے۔

(۷) الایمان عریان' ولباسه التقویٰ و زینته الحیاء' و ثمرته العلم (حاکم)

ایمان ننگا ہے اس کا لباس تقویٰ ہے۔ اس کی زینت حیاء ہے اور اس کا ثمر علم ہے۔

(۸) اقرب الناس من درجة النبوة اهل العلم والجهاد' اما اهل العلم فدلّوا الناس علی ماجاء ت به الرسل و امّا اهل الجهاد فجاهدوا باسیافهم علی ماجاء ت به الرسل (ابو نعیم)

نبوت سے قریب تر اہلِ علم اور مجاہدین ہیں۔ اہلِ علم اس لیے کہ انہوں نے لوگوں کو وہ باتیں بتلائیں جو انبیاء لے کر آئے اور مجاہدین اس لیے کہ انہوں نے انبیاء کی لائی ہوئی شریعت کی خاطر اپنی تلواروں سے جہاد کیا۔

(۹) لموت قبیلة ایسر من موت عالم (بخاری و مسلم)

ایک عالم کی موت کے مقابلہ میں ایک قبیلے کا مرجانا زیادہ آسان ہے۔

(۱۰) الناس معادن کمعادن الذهب والفضة فخیارهم فی الجاهلیة خیارهم فی الاسلام اذا فقهوا (بخاری و مسلم)

لوگ سونے چاندی کی کانوں کی طرح ہیں۔ ان میں سے جو لوگ دور جاہلیت میں بہتر تھے وہ اسلام میں بھی بہتر ہیں بشرطیکہ دین کی سمجھ پیدا کریں۔

(۱۱) یوزن یوم القیامۃ مداد العلماء بدم الشہداء (ابن عبدالبر)

قیامت کے روز علماء کی روشنائی شہیدوں کے خون سے تولی جائے گی۔

(۱۲) من حفظ علی امتی اربعین حدیثا من السنۃ حتی یودیھا الیھم کنت لہ شفیعا و شہیدا یوم القیامۃ (حوالہ سابق)

جو شخص میری امت تک میری چالیس حدیث یاد کرکے پہنچائے میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کرنے والا اور اس کا گواہ ہوں گا۔

(۱۳) من حمل من امتی اربعین حدیثا لقی اللہ عزّ و جلّ یوم القیامۃ عالماً فقیھاً (ابن عبدالبر)

جو شخص میری امت میں سے چالیس حدیثیں یاد کرلے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سے وہ عالم اور فقیہ بن کر ملے گا۔

(۱۴) من تفقہ فی دین اللہ عزوجل کفاہ اللہ تعالیٰ ما اھمہ ورزقہ من حیث لا یحتسب (ابن عبدالبر)

(۱۵) اوحی اللہ عزوجل الی ابراھیم علیہ السلام یا ابراھیم انی علیم احب کل علیم (ابن عبدالبر)

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی اے ابراہیم میں علیم ہوں اور علم والے کو محبوب رکھتا ہوں۔

(۱۶) العالم امین اللہ سبحانہ فی الارض (ابن عبدالبر)

عالم زمین پر اللہ تعالیٰ کا امین ہے۔

(۱۷) صنفان من امتی اذا صلحوا صلح الناس و اذا فسدوا فسد الناس الامراء و الفقہاء (ابن عبدالبر، ابونعیم)

میری امّت کے دو گروہ ایسے ہیں کہ اگر وہ درست ہوں تو سب لوگ درست ہوجائیں اور وہ بگڑ جائیں تو سب لوگ بگڑ جائیں۔ ایک امراء و حکام کا گروہ اور دوسرا فقہاء کا۔

(۱۸) اذا اتی علیّ یوم لا ازداد فیہ علما یقربنی الی اللہ عزّ و جلّ فلا بورک لی فی طلوع شمس ذلک الیوم (طبرانی، ابونعیم، ابن عبدالبر)

اگر مجھ پر کوئی ایسا دن آئے کہ مجھ میں ایسی علم کی زیادتی نہ ہو جو مجھے اللہ سے قریب کرے تو مجھے اس دن کے طلوع آفتاب میں برکت نصیب نہ ہو۔

(۱۹) فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادنی رجل من اصحابی (ترمذی)

عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت کسی ادنیٰ درجے کے صحابی پر۔

ملاحظہ کیجئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں علم کو مرتبۂ نبوت کے ساتھ کس طرح ذکر کیا ہے اور اس عمل کا درجہ کس قدر گھٹایا ہے جو علم سے خالی ہو۔ یوں تو عابد بھی کم سے کم ان عبادات کے مسائل کا علم رکھتا ہی ہے جن میں وہ مشغول ہے ورنہ اس کی عبادت کس طرح صحیح ہوگی مگر یہاں محض اتنا علم مراد نہیں ہے۔

(۲۰) فضل العالم علی العابد کفضل القمر لیلۃ البدر علی سائر الکواکب (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن حبان)

عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی چودھویں رات کے چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر۔

(۲۱) یشفع یوم القیامۃ ثلثۃ الانبیاء ثم العلماء ثم الشھداء (ابن ماجہ)

قیامت کے دن تین آدمیوں کی شفاعت قبول ہوگی۔ انبیاء کی، پھر علماء کی پھر شہیدوں کی۔

اس حدیث سے علم کی فضیلت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ علماء کو انبیاء کے بعد شہداء سے پہلے ذکر کیا گیا ہے حالانکہ شہادت کے فضائل میں بے شمار آیات اور احادیث موجود ہیں۔

(۲۲) ما عبداللہ بشئی افضل من فقہ فی الدین والفقیہ الوحد اشد علی الشیطان من الف عابد ولکل شئی عماد و عماد ھذا الدین الفقہ (طبرانی فی الاوسط، ترمذی، ابن ماجہ)

اللہ کی عبادت کسی چیز سے اتنی اچھی نہیں ہوتی جتنی تفقہ فی الدین سے، ایک فقیہ شیطان پر ایک ہزار عبادت گزاروں کے مقابلے میں زیادہ بھاری رہتا ہے۔ ہر چیز کا ایک ستون ہوتا ہے۔ اس دین کا ستون فقہ ہے۔

(۲۳) خیر دینکم ایسرہ وخیر العبادۃ الفقہ (ابن عبدالبر، طبرانی)

تمہارے دین میں سب سے بہتر وہ ہے جو سب سے زیادہ آسان ہو اور بہترین عبادت فقہ ہے۔

(۲۴) فضل المومن العالم علی المومن العابد بسبعین درجۃ (ابن عدی)

مومن عالم کی فضیلت مومن عابد پر ستر گنا زیادہ ہے۔

(۲۵) انکم اصبحتم فی زمان کثیر فقہاءہ، قلیل خطباءہ، وقلیل سائلوہ کثیر معطوہ العمل فیہ خیر من العلم، وسیاتی علی الناس زمان قلیل فقہاءہ کثیر خطباءہ قلیل معطوہ کثیر سائلوہ، العلم فیہ خیر من العمل (طبرانی)

تم ایسے زمانے میں ہو کہ اس میں فقہاء زیادہ ہیں مقررین کم ہیں۔ مانگنے والے کم ہیں دینے والے بہت ہیں۔ اس میں عمل علم سے افضل ہے۔ لوگوں پر وہ دور بھی آئے گا جب فقہاء کم ہوں گے۔ مقررین زیادہ ہوں گے۔ دینے والے کم ہوں گے، مانگنے والے زیادہ ہوں گے، اس وقت علم عمل سے افضل ہوگا۔

(۲۶) بین العالم والعابد مائۃ درجۃ بین کل درجتین حضر الجواد المضمر سبعین سنۃ (اصفہانی فی الترغیب والترہیب، دیلمی فی مسند الفردوس)

عالم اور عابد کے درمیان سو درجوں کا فرق ہے اور دو درجوں کے درمیان اتنی مسافت ہے جتنی ایک تیز رفتار گھوڑا ستر برس میں طے کرے۔

(۲۷) قیل یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ای الاعمال افضل فقال العلم باللہ عز وجل، فقیل ای العلم ترید؟ قال صلی اللہ علیہ وسلم العلم باللہ سبحانہ، فقیل لہ نسال عن العمل و تجیب عن العلم، فقال صلی اللہ علیہ وسلم ان قلیل العمل ینفع مع العلم باللہ وان کثیر العمل لا ینفع مع الجھل باللہ (ابن عبدالبر)

صحابہ نے عرض کیا: رسول اللہ کون سا عمل افضل ہے۔ آپؐ نے فرمایا خدائے پاک کا علم، صحابہ نے

عرض کیا آپ کون سا علم مراد لے رہے ہیں۔ فرمایا خدائے پاک کا علم۔ صحابہ نے عرض کیا ہم عمل کے متعلق دریافت کررہے ہیں اور آپ علم کے متعلق جواب دے رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ خدا کے علم کے ساتھ تھوڑا عمل بھی نفع دیتا ہے اور جہل کے ساتھ زیادہ عمل بھی فائدہ نہیں دیتا۔

(۴۸) یبعث اللہ سبحانہ العباد یوم القیامۃ ثم یبعث العماء ثم یقول یا معشر العماء انی لم اضع علمی فیکم الا لعلمی بکم ولم اضع علمی فیکم لا عذبکم اذھبو فقد غفرت لکم (طبرانی)

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بندوں کو اٹھائے گا، پھر علماء کو اٹھا کر کہے گا اے گروہ علماء ! میں نے تمہارے اندر اپنا علم رکھا تھا تو تم کو جان کر رکھا تھا۔ میں نے تمہارے اندر اس لیے علم نہیں رکھا تھا کہ تمہیں عذاب دوں، جاؤ میں نے تمہیں بخش دیا۔

علم، آثار صحابہ و تابعین کی روشنی میں : حضرت علیؓ نے کمیل سے ارشاد فرمایا : اے کمیل ! علم مال سے بہتر ہے۔ علم تیری حفاظت کرتا ہے اور تو مال کی، علم حاکم ہے اور مال محکوم ہے۔ مال خرچ کرنے سے گھٹتا ہے اور علم خرچ کرنے سے زیادہ ہوتا ہے۔ ایک اور موقع پر حضرت علیؓ نے فرمایا : دن بھر روزہ رکھنے والے اور رات بھر جاگ کر عبادت کرنے والے مجاہد سے عالم افضل ہے۔ عالم جب وفات پاتا ہے تو اسلام میں ایسا خلاء پیدا ہو جاتا ہے جسے اس کا جانشین ہی پُر کرسکتا ہے۔ علم کی فضیلت میں حضرت علیؓ کے یہ تین اشعار بھی مشہور ہیں۔

ما الفخر الا لاھل العلم انھم — علی الھدی لمن استھدی ادلاء
و قدر کل امرئ ما کان یحسنہ — والجاھلون لاھل العلم اعداء
ففز بعلم تعش حیا تما ابداً — الناس موتی و اھل العلم احیاء

(ترجمہ : فخر کا حق صرف علماء کو حاصل ہے کہ وہ خود بھی ہدایت پر ہیں اور طالبان ہدایت کے رہنما بھی ہیں۔ انسان کی قدر اچھائی سے ہے۔ یوں جاہل اہل علم کے دشمن ہوتے ہی ہیں۔ ایسا علم حاصل کر جس سے تو ہمیشہ ہمیش زندہ رہ سکے۔ لوگ مرجائیں گے صرف اہل علم زندہ رہیں گے۔)

ابو الاسود فرماتے ہیں کہ علم سے زیادہ کوئی چیز عزت والی نہیں ہے۔ بادشاہ لوگوں پر حکومت کرتے ہیں اور علماء بادشاہوں پر، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ اختیار دیا تھا کہ وہ علم، مال اور سلطنت میں سے جو چیز چاہیں اپنے لیے پسند کرلیں۔ انہوں نے علم کو ترجیح دی، مال اور سلطنت انہیں علم کے ساتھ عطا ہوگئی۔

حضرت ابن مبارکؒ سے کسی نے پوچھا کون لوگ صحیح معنوں میں انسان ہیں؟ انہوں نے جواب دیا، علماء ! اس نے پھر پوچھا بادشاہ کون ہیں؟ فرمایا : زاہد ! سائل نے پھر دریافت کیا : کمینے کون لوگ ہیں؟ انہوں نے فرمایا وہ لوگ جو اپنا دین بیچ کر کھاتے ہیں۔ اس گفتگو میں قابل غور بات یہ ہے کہ عبداللہ ابن مبارکؒ نے صرف علماء کو انسان قرار دیا کیونکہ جو چیز انسان کو جانوروں سے ممتاز کرتی ہے وہ علم ہے۔ انسان اسی وقت تک انسان کہلانے کا مستحق ہے جب وہ چیز اس میں موجود ہو۔ جس سے اس کا امتیاز قائم ہے۔ انسان کا امتیاز نہ تو جسمانی طاقت کی وجہ سے ہے اس لیے کہ اونٹ اس سے زیادہ طاقتور ہے۔ نہ یہ امتیاز جسامت کے لحاظ سے ہے۔ اس لیے کہ ہاتھی انسان کے مقابلے میں زیادہ جسیم ہے۔ شجاعت اور بہادری بھی وجہ امتیاز نہیں بن سکتی۔ اس لیے کہ درندے اس سے کہیں زیادہ بہادر اور شجاع ہوتے ہیں۔ خوش خوراکی بھی انسان کے لیے شرف کی علامت نہیں

اس لیے کہ بیل اس سے زیادہ کھاتے ہیں۔ قوت جماع بھی وجہ شرف نہیں اس لیے کہ ننھی منی چڑیاں انسان سے زیادہ جماع کرلیتی ہیں۔ اس کا شرف صرف علم ہے اور اسی علم کے لیے وہ پیدا ہوا ہے۔

بعض دانشوروں کا قول ہے کہ ہمیں کوئی یہ بتلادے کہ جس کو علم نہ ملا اسے کیا ملا اور جسے علم مل گیا اسے کیا نہیں ملا؟ فتح موصلیؒ نے ایک مرتبہ اپنے مصاحبین سے دریافت کیا : اگر مریض کو تین دن کھانا' پانی اور دوائیں نہ دی جائیں تو وہ مر نہ جائے گا؟ لوگوں نے کہا یقیناً" مرجائے گا ! فرمایا یہی حال دل کا ہے۔ فتح موصلیؒ نے بالکل صحیح کہا ہے اس لیے کہ دل کی غذا علم اور حکمت ہے جس طرح بدن کی زندگی غذا سے ہے اس طرح دل کی زندگی علم و حکمت سے ہے۔ جس شخص کو علم میسّر نہیں اس کا دل بیمار ہے اور موت اس کا مقدر بن چکی ہے مگر اس شخص کو اپنی دل کی بیماری اور موت کی خبر نہیں ہوتی کیونکہ دنیا کی محبت اور اس کے کاروبار میں انہماک کی وجہ سے اس کی قوت احساس جاتی رہی ہے۔ جس طرح خوف اور نشے کے غلبے کی وجہ سے زخم کے درد کا احساس نہیں ہوتا۔ اگرچہ حقیقت میں درد موجود ہوتا ہے۔ جب موت اس کے دنیاوی رشتے ختم کردیتی ہے تب اسے احساس ہوتا ہے کہ اس کا دل مرچکا ہے اس وقت افسوس کرتا ہے مگر وہ افسوس اسے کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ جس طرح کہ خوف زدہ کا خوف یا مدہوش کا نشہ دور ہوجاتا ہے تو وہ اس زخم کی تکلیف کا احساس کرتا ہے جو نشے یا خوف کی حالت میں لگا ہو۔ ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ اس دن سے جب حقیقت حال سامنے آئے گی۔ اس وقت لوگ خواب غفلت میں ہیں جب مریں گے تو نیند ٹوٹے گی۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اگر علماء کے قلموں کی سیاہی اور شہیدوں کا خون تولا جائے تو سیاہی کا وزن زیادہ رہے گا۔ حضرت ابن مسعودؓ نے ارشاد فرمایا لوگو ! اس سے پہلے کہ علم اٹھ جائے اسے حاصل کرلو' علم اٹھنا یہ ہے کہ اس کے روایت کرنے والے باقی نہ رہیں۔ خدا کی قسم جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہوئے وہ قیامت کے روز جب علماء کے فضائل اور بلندئ درجات کا مشاہدہ کریں گے تو ان کی خواہش ہوگی کہ کاش ! وہ بھی عالم ہوتے اور جان لو کہ عالم ماں کے پیٹ سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ علم سیکھنے سے آتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رات میں تھوڑی دیر علم کا تذکرہ کرنا میرے نزدیک تمام رات کی عبادت سے بہتر ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت امام احمد ابن حنبلؒ سے بھی تقریباً" اسی مضمون کی روایت منقول ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً (پ ۲' ر ۹' آیت ۲۰۱)

اے ہمارے پروردگار ! ہم کو دنیا میں بھی بہتری عنایت کیجئے اور آخرت میں بھی بہتری دیجئے۔

اس آیت کے متعلق حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ دنیا کے "حسنہ" سے مراد علم اور عبادت اور آخرت کے "حسنہ" سے مراد جنت ہے۔ بعض دانشوروں سے پوچھا گیا وہ کون سی چیز ہے جسے ذخیرہ کیا جاسکتا ہے۔ جواب دیا وہ چیز ذخیرہ کرنی چاہیے جو اس وقت بھی تیرے ساتھ رہے جب تیری کشتی سمندر کی نذر ہوجائے یعنی علم ہی ایسی چیز ہے جسے ذخیرہ کیا جاسکتا ہے یہ اس وقت بھی ساتھ رہتا ہے جب کشتی ہلاک ہو ساتھ چھوڑنے لگے۔ بعض حکماء سے منقول ہے کہ جو شخص حکمت کو اپنی لگام بناتا ہے لوگ اسے اپنا امام بنالیتے ہیں۔ جو شخص علم و حکمت میں معروف رہتا ہے لوگ اسے عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

امام شافعیؒ کی رائے میں علم کی اہمیت یہ ہے کہ جس شخص کی طرف اس کا انتساب ہو خواہ کسی معمولی چیز ہی میں کیوں نہ ہو اس پر خوش ہو اور کسی بھی چیز میں اپنی ذات سے علم کی نفی پر رنجیدہ ہو۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں۔

اے لوگو ! علم کے لیے کمربستہ ہوجاؤ۔ اللہ تعالیٰ کے پاس ایک ردائے محبت ہے جو شخص علم کی طلب رکھتا ہے اللہ تعالیٰ وہ چادر اسے اوڑھا دیتا ہے۔ چنانچہ وہ شخص اگر کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے اپنی رضا جوئی کرالیتا ہے۔ بار بار ارتکاب گناہ پر بھی اللہ اس کے ساتھ یہی معاملہ کرتا ہے۔ محض اس لیے تاکہ اس سے وہ چادر نہ چھینی پڑے جو اسے عطا کی گئی ہے۔ احنفؒ فرماتے ہیں : ایسا لگتا ہے کہ علماء مالک بن جائیں گے۔ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا جو عزت علم کی بنیاد پر نہ ہو اس کا انجام ذلت ہوتا ہے۔ سالم ابن ابی جعدؒ کہتے ہیں کہ میں غلام تھا۔ میرے آقا نے تین سو درہم کے عوض مجھے آزاد کردیا تھا۔ آزادی

حاصل ہو جانے کے بعد میں اس گومگو میں رہا کہ کون سا فن سیکھوں۔ آخر علم کو بطور پیشہ اختیار کیا۔ ایک سال بھی نہ گذرا تھا کہ حاکم شہر مجھ سے ملاقات کی خواہش لے کر آیا اور میں نے اسے واپس کر دیا۔ زبیر ابن ابی بکرؓ کہتے ہیں کہ میں عراق میں تھا میرے والد نے مجھے لکھا بیٹا علم حاصل کرو۔ اس لیے کہ مفلسی میں یہ تیرا مال ہوگا اور تونگری میں زینت۔ حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو علماء کی ہم نشینی اور قربت کی نصیحت اس لیے کی تھی کہ اللہ تعالیٰ نورِ حکمت سے دلوں کو اس طرح زندہ کرتا ہے جس طرح زمین کو بارش سے سرسبز و شاداب بنادیتا ہے۔ بعض اہل نظر کا قول ہے کہ عالم مرتا ہے تو اس کے لیے مچھلیاں پانی میں اور پرندے ہوا میں روتے ہیں۔ گو ظاہر میں اس کا وجود نظر نہیں آتا لیکن اس کا ذکر باقی رہتا ہے۔ زہریؒ فرماتے ہیں علم نر ہے اور اسے وہی لوگ پسند کرتے ہیں جو مرد ہیں۔

طلب علم کی فضیلت

طالب علم، قرآن کی نظر میں

۱ - فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ۔ (پ ۱۱، ر ۴، آیت ۱۲۲)

سو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت (جہاد) میں جایا کرے تاکہ (یہ) باقی ماندہ لوگ دین کی سمجھ حاصل کر سکیں۔

۲ - فَسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔ (پ ۱۷، ر ۱، آیت ۷)

سو (اے منکرو) اگر تم کو یہ بات معلوم نہ ہو تو اہل کتاب سے دریافت کرلو۔

طلب علم، احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

۱ - من سلک طریقا یطلب فیه علما سلک اللہ به الی الجنة (مسلم)

جو شخص طلب علم کے لیے سفر کرے اللہ اسے جنت کی راہ پر گامزن کرتا ہے۔

۲ - ان الملائکة لتضع اجنحتها لطالب العلم رضا بما یصنع (احمد، ابن حبان، حاکم)

فرشتے طالب علم کے کام (طلب علم) سے خوش ہو کر اپنے پر بچھاتے ہیں۔

۳ - لا تغدوا فتتعلم بابا من العلم خیر من ان تصلی مائة رکعة (ابن عبدالبر، ابن ماجہ)

تو جا کر علم کا کوئی باب سیکھے تو یہ سو رکعت نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔

۴ - باب من العلم یتعلمه الرجل خیر له من الدنیا وما فیها (ابن حبان، ابن عبدالبر، طبرانی)

آدمی کے لیے علم کا کوئی باب سیکھنا اس کے حق میں دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

۵ - اطلبوا العلم ولو بالصین۔ (ابن عدی، بیہقی)

علم حاصل کرو، اگرچہ چین میں ہو (یعنی اگرچہ بہت دور رہو)۔

۶ - طلب العلم فريضة على كل مسلم (ابن ماجه)
علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔

۷ - العلم خزائن مفاتيحها السوال الا فاسئلوا فانه يوجر فيه اربعة السائل والعالم والمستمع والمحب (ابو نعیم)
علم خزانہ ہے اس کی کنجیاں سوال ہے۔ علم کے متعلق پوچھتے رہا کرو اس لیے کہ ایک سوال کرنے سے چار آدمیوں کو ثواب ملتا ہے۔ سائل کو' عالم کو' سننے والے کو اور جو ان سے محبت رکھتا ہو۔

۸ - لا ينبغي للجاهل ان يسكت على جهله ولا للعالم ان يسكت على علمه
(طبرانی' ابن مردویہ' ابن سنی' ابو نعیم)
جاہل کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اپنے جہل کے باوجود خاموش رہے اور نہ عالم کے لیے مناسب ہے کہ وہ علم کے باوجود چپ رہے۔

۹ - حضور مجلس عالم افضل من صلوٰة الف ركعة و عيادة الف مريض و شهود الف جنازة فقيل يا رسول الله ! ومن قراءة القرآن؟ قال وهل ينفع القرآن الا بالعلم؟ (موضوعات لابن الجوزی)
ایک عالم کی مجلس میں حاضری ہزار رکعت نماز پڑھنے سے' ہزار مریضوں کی عیادت کرنے سے اور ہزار جنازوں میں شرکت کرنے سے بہتر ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا قرآن پاک کی تلاوت سے بھی افضل ہے۔ آپ نے فرمایا کیا قرآن بغیر علم کے مفید ہے۔

۱۰ - من جاءه الموت و هو يطلب العلم ليحيي به الاسلام فبينه و بين الانبياء في الجنة درجة واحدة (داری' ابن سنی)
جس شخص کو اس حالت میں موت آجائے کہ وہ اسلام کو زندہ رکھنے کے لیے علم حاصل کر رہا ہو تو جنت میں اس کے اور انبیاء کے درمیان صرف ایک درجے کا فرق ہوگا۔

طلب علم...... صحابہ و تابعین کی نظر میں

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب میں طالب علم تھا تو ذلیل تھا اب لوگ میرے پاس علم سیکھنے کے لیے آنے لگے تو میں عزت والا ہو گیا' ابن ابی لیلیٰ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ابن عباسؓ جیسا کوئی شخص نہیں دیکھا صورت دیکھئے تو وہ حسین، گفتگو سنئے تو وہ فصاحت و بلاغت سے پُر' فتویٰ دیں تو معلوم ہو کہ ان کے پاس سب سے زیادہ علم ہے۔
عبداللہ ابن مبارکؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے اس شخص پر حیرت ہوتی ہے جو علم حاصل نہ کرے' آخر اس کا نفس اسے نیک کام کی طرف کس طرح بلاتا ہے؟ بعض دانشور کہتے ہیں کہ ہمیں دو شخصوں پر زیادہ افسوس ہوتا ہے ایک اس شخص پر جو علم حاصل کرتا ہے مگر اس کی اہمیت سے واقف نہیں' دوسرا وہ شخص جو علم کی اہمیت سے واقف ہے مگر علم حاصل نہیں کرتا۔ حضرت ابو الدرداءؓ فرماتے ہیں کہ تمام رات کی عبادت سے بہتر یہ ہے کہ میں ایک مسئلہ سیکھ لوں۔ انہی کا قول ہے کہ بھلائی میں صرف طالب علم اور عالم شریک ہیں باقی لوگ ذلیل و خوار ہیں کہ انھیں خیر میسّر نہیں آپ ہی کی ایک نصیحت یہ ہے کہ عالم' طالب علم یا سامع میں سے کوئی منصب اختیار کر لو ان کے علاوہ کچھ نہ بنو ورنہ تباہ ہو جاؤ گے' عطاءؒ کا ارشاد ہے کہ علم کی ایک مجلس لہو و لعب کی ستر مجلسوں کا کفارہ ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہزار شب بیدار' روزہ دار' عبادت گذاروں' کی موت اتنی افسوسناک نہیں ہوتی

جتنی ایک ایسے عالم کی موت جو حلال و حرام کے الٰہی احکام کا ماہر ہو۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ علم حاصل کرنا نفل نمازوں سے افضل ہے' ابن عبدالحکم فرماتے ہیں کہ میں امام مالک کی مجلس درس میں شریک تھا کہ ظہر کا وقت ہوا میں نے نماز کے لیے کتاب بند کی تو امام مالک نے فرمایا کہ اے لڑکے جس کام کے لیے تو اٹھا ہے وہ اس سے زیادہ بہتر نہیں ہے جس میں مشغول ہے بشرطیکہ نیت درست ہو۔ حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں جس شخص کی رائے یہ ہو کہ علم جہاد سے افضل نہیں ہے وہ صائب الرائے اور صاحب عقل نہیں ہو سکتا۔

تعلیم کی فضیلت

تعلیم ... قرآن کی نظر میں

۱۔ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ (پ ۱۱' ر ۴' آیت ۱۲۲)

اور تاکہ یہ لوگ اپنی قوم کو جب کہ وہ ان کے پاس واپس آئیں ڈراویں تاکہ وہ (ان سے دین کی باتیں سن کر برے کاموں سے) احتیاط رکھیں۔

اس آیت میں انذار سے مراد تعلیم ہے۔

۲۔ وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ

(پ ۴' ر ۱۰' آیت ۱۸۷)

اور جب کہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے یہ عہد لیا کہ اس کتاب کو عام لوگوں کے روبرو ظاہر کر دینا اور اس کو پوشیدہ مت کرنا۔

اس آیت سے تعلیم کا وجوب ثابت ہو رہا ہے۔

۳۔ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ۔ (پ ۲' ر ۱' آیت ۱۴۶)

اور بعضے ان میں سے امر واقعی کا باوجودیکہ خوب جانتے ہیں (مگر) اخفاء کرتے ہیں۔

اس میں کتمان علم (علم چھپانے) کی حرمت بیان کی گئی ہے۔ جس طرح مندرجہ ذیل آیت میں شہادت کے کتمان پر وعید فرمائی گئی۔

وَمَن يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ (پ ۳' ر ۷' آیت ۲۸۳)

اور جو شخص اس کا اخفاء کرے گا اس کا دل گنہگار ہو گا۔

۴۔ وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّن دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا (پ ۲۴' ر ۱۹' آیت ۳۳)

اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو (لوگوں کو) اللہ کی طرف بلائے اور خود بھی نیک عمل کرے۔

۵۔ ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (پ ۱۴' ر ۲۲' آیت ۱۲۵)

آپ اپنے رب کی طرف علم کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ بلائیے۔

۶۔ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (پ ۱' ر ۱۵' آیت ۱۲۹)

اور ان کو (آسمانی) کتاب اور حکمت کی تعلیم دیا کریں۔

تعلیم۔ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

۱۔ ما آتی اللہ عالما علما الا اخذ علیہ من المیثاق ما اخذ علی النبیین (ابو نعیم)
اللہ تعالیٰ نے کسی عالم کو علم عطا کیا ہے تو اس سے وہ عہد بھی لے لیا ہے جو اس نے انبیاء کرام سے لیا تھا۔

۲۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما بعث معاذا رضی اللہ عنہ الی الیمن لان یھدی اللہ بک رجلا واحدا خیر لک من الدنیا و مافیھا (بخاری و مسلم واحمد)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ رضی اللہ کو یمن بھیجا تو ان سے ارشاد فرمایا کہ تیرے ذریعہ کسی ایک آدمی کو اللہ ہدایت دیدے تو وہ تیرے لیے دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

من تعلم بابا من العلم لیعلم الناس اعطی ثواب سبعین صدیقا
(دیلمی مسند الفردوس)

جو شخص لوگوں کو سکھلانے کے لیے علم حاصل کرے تو اس کو ستر صدیقوں کا ثواب عطا کیا جائے گا۔

۳۔ اذا کان یوم القیامۃ یقول اللہ سبحانہ للعابدین والمجاھدین ادخلوا الجنۃ فیقول العلماء بفضل علمنا تعبدوا و جاھدوا فیقول اللہ عز وجل انتم عندی کبعض ملائکتی اشفعوا تشفعوا فیشفعون ثم یدخلون الجنۃ (ابو العباس ذہبی)
قیامت کے دن اللہ تعالیٰ عابدین اور مجاہدین سے کہیں گے جنت میں داخل ہو جاؤ۔ علماء عرض کریں گے کہ اے اللہ! انھوں نے علم کے طفیل عبادت کی اور جہاد کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تم تو میرے نزدیک ملائکہ کی طرح ہو شفاعت کرو تمہاری سفارش قبول کی جائے گی پھر وہ سفارش کریں گے اور جنت میں چلے جائیں گے۔

یہ اعزاز و اکرام اس علم کی وجہ سے ہو گا جو تعلیم کے ذریعہ دوسروں تک پہونچے، اس علم کی وجہ سے نہیں جو اسی شخص کے ساتھ رہے کسی دوسرے کو اس سے کوئی فائدہ نہ ہو۔

۵۔ ان اللہ عز وجل لا ینتزع العلم انتزاعا من الناس بعد ان یوتیھم ایاہ ولکن یذھب بذھاب العلماء فکلما ذھب عالم ذھب بما معہ من العلم حتی اذا لم یبق الا رؤساء جھالا ان سئلوا افتوا بغیر علم فیضلون ویضلون (بخاری و مسلم)
اللہ تعالیٰ قوموں کو علم دے کر چھین نہیں لیتا بلکہ وہ علماء کے مرنے سے ختم ہو جاتا ہے چنانچہ جب بھی کوئی عالم مرتا ہے اس کا علم اس کے ساتھ چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ جاہل سرداروں کے علاوہ کوئی باقی نہیں اگر ان سے کوئی پوچھتا ہے تو وہ بغیر واقفیت کے فتویٰ دیدیتے ہیں خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔

۶۔ من علم علما فکتمہ الجمہ اللہ بلجام من نار (ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم)
جو شخص علم حاصل کرے اور پھر اسے چھپائے تو اللہ تعالیٰ اسے آگ کی لگام پہنائے گا۔

۷۔ نعم العطیۃ و نعم الھدیۃ کلمۃ حکمۃ تسمعھا فتطوی علیھا ثم تحملھا الی اخ لک مسلم تعلمہ ایاہ تعدل عبادۃ سنۃ (طبرانی)
بہترین عطیہ اور بہترین ہدیہ وہ کلمہ حکمت ہے جسے تو سنے اور یاد کرے اور پھر اسے اپنے مسلمان بھائی کے

پاس سکھلانے کے لیے لے جائے تو تیرا یہ عمل ایک برس کی عبادت کے برابر ہو گا۔

۸۔ الدنیا ملعونة ملعون ما فیها الا ذکر اللّٰہ سبحانه وما والاہ او معلما او متعلما۔

دنیا ملعون ہے' اور جو کچھ دنیا میں ہے وہ بھی ملعون ہے مگر اللہ کا ذکر ملعون نہیں اور نہ وہ شخص ملعون ہے جو ذکر اللہ کے قریب ہے چاہے معلم ہو کر یا متعلم ہو کر۔

۹۔ ان اللّٰہ سبحانه وملائکته واھل سمواته وارضه حتی النملة فی جحرھا وحتی الحوت فی البحر لیصلون علی معلم الناس الخیر (ترمذی)

اللہ تعالیٰ' فرشتے' تمام آسمانوں اور زمین والے یہاں تک چیونٹیاں اپنے سوراخوں میں' اور مچھلیاں پانی میں اس شخص پر رحمت بھیجتے ہیں جو لوگوں کو خیر کی بات سکھلاتا ہے۔

۱۰۔ ما افاد المسلم اخاہ فائدة افضل من حدیث حسن بلغه فبلغه (ابن عبدالبر' ابونعیم)

مسلمان اپنے بھائی کو اس بہترین بات سے بڑھ کر کوئی فائدہ نہیں پہونچا سکتا جو اس تک پہونچی ہو اور وہ اسے دوسرے تک پہنچادے۔

۱۱۔ کلمة من الخیر یسمعها المومن فیعلمها ویعمل بها خیر له من عبادة سنة (ابن المبارک۔ کتاب الزہد والرقائق)

وہ کلمہ خیر جو مومن سنتا ہے اسے دوسروں کو سکھلاتا ہے' اس پر عمل کرتا ہے اس کے لیے سال بھر کی عبادت سے بہتر ہے۔

۱۲۔ عن عبداللّٰہ بن عمر قال اخرج رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ذات یوم فرای مجلسین احدھما یدعون اللّٰہ عزوجل ویرغبون الیه' والثانی یعلمون الناس فقال اما ھؤلاء فیسالون اللّٰہ تعالٰی فان شاء اعطاھم' وان شاء منعھم واما ھولاء فیعلمون الناس' وانما بعثت معلما' ثم عدل الیھم وجلس معھم (ابن ماجہ)

عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو دو مجلسیں دیکھیں ایک مجلس میں لوگ اللہ سے دعائیں مانگ رہے تھے اور اس کی طرف متوجہ تھے دوسری مجلس میں لوگ پڑھا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ لوگ تو دعائیں کر رہے ہیں' اگر وہ چاہے ان کو دے اور چاہے تو نہ دے' اور یہ لوگ تعلیم دے رہے ہیں' اور مجھ کو بھی اللہ نے معلم بنا کر بھیجا ہے' اور پھر ان کی طرف پلٹے اور ان کے ساتھ بیٹھ گئے۔

۱۳۔ مثل ما بعثنی اللّٰہ عزوجل من الھدی والعلم کمثل الغیث الکثیر اصاب ارضا فکانت منها بقعة قبلت الماء' فانبتت الکلاء والعشب الکثیر' وکانت منها بقعة امسکت الماء فنفع اللّٰہ عزوجل بها الناس فشربوا منها وسقوا وزرعوا وکانت منها طائفة قیعان لا تمسک ماء ولا تنبت کلاء (بخاری ومسلم)

اللہ نے مجھے ہدایت وعلم دے کر بھیجا ہے اس کی مثال اس بہت سی بارش کی ہے جو کسی زمین پر برسے' اس زمین کا ایک ٹکڑا پانی جذب کرلے اور بہت سا گھاس پھونس اگائے' اس کا دوسرا ٹکڑا پانی روک لے اور اس کے ذریعہ اللہ لوگوں کو نفع پہونچائے کہ وہ اس سے پئیں پلائیں اور کھیتوں کو سیراب کریں' اور ایک ٹکڑا

ایسا ہو کہ نہ وہ پانی جمع کرے اور نہ گھانس اگائے۔

اس حدیث میں پہلی مثال ان لوگوں کی ہے جو اپنے علم سے نفع حاصل کریں' دوسری مثال ان لوگوں کی ہے جو اپنے علم سے خود بھی نفع حاصل کریں اور دوسروں کو بھی نفع پہونچائیں' تیسری مثال ان لوگوں کی ہے جو دونوں باتوں سے محروم ہوں۔

۱۴۔ اذا مات ابن آدم انقطع عمله الا من ثلاث: علم ینتفع به' و صدقة جاریة و ولد صالح یدعو له بالخیر (مسلم)

جب ابن آدم مرجاتا ہے تو اس کے عمل کا رشتہ منقطع ہو جاتا ہے مگر تین چیزوں سے منقطع نہیں ہوتا ایک اس علم سے جس سے اوروں کو فائدہ ہو' ایک صدقہ جاریہ سے' ایک صالح اولاد سے جو اس کے لیے خیر کی دعا کرے۔

۱۵۔ الدال علی الخیر کفاعله (ترمذی' مسلم' ابوداؤد)

خیر کی طرف رہنمائی کرنے والا ایسا ہے جیسا خیر پر عمل کرنے والا۔

۱۶۔ لا حسد الا فی اثنین' رجل آتاه الله عز و جل حکمة فهو یقضی بها و یعلمها الناس و رجل آتاه الله مالا فسلطه علی هلکته فی الخیر (بخاری و مسلم).

حسد (غبطہ) صرف دو ہی شخصوں پر ہونا چاہیے ایک اس شخص پر جسے اللہ نے حکمت عطا کی ہو اس کے بموجب وہ عمل کرتا ہو اور لوگوں کو سکھلاتا ہو' دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے مال عطا کیا ہو پھر اسے راہ خیر میں لٹانے پر مسلط کر دیا ہو۔

۱۷۔ علی خلفائی رحمة الله' قیل و من خلفاءک قال الذین یحیون سنتی و یعلمونها عباد الله (ابن عبد البر' ابن السنی' ابو نعیم)

میرے خلفاء پر اللہ کی رحمت ہو' عرض کیا گیا: یا رسول اللہ آپ کے خلفاء کون ہیں؟ فرمایا وہ لوگ جو میری سنت کو زندہ کرتے ہیں اور اسے اللہ کے بندوں کو سکھلاتے ہیں۔

تعلیم ــــــ صحابہ و تابعین کے اقوال کی روشنی میں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص کوئی حدیث بیان کرے اور اس پر عمل کرے تو اسے ان لوگوں کے برابر ثواب ملے گا جو وہی عمل کریں گے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص لوگوں کو خیر کی بات بتلاتا ہے دنیا کی تمام چیزیں یہاں تک کہ سمندر کی مچھلیاں بھی اس کے لیے مغفرت کی دعائے کرتی ہیں۔ بعض علماء کا قول ہے کہ عالم اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان واسطے کی حیثیت رکھتا ہے دیکھنا چاہیے کہ وہ کس طرح یہ ذمہ داری نبھاتا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت سفیان ثوریؒ ایک مرتبہ عسقلان تشریف لے گئے اور کچھ روز وہاں مقیم رہے ان سے کسی نے کچھ نہ پوچھا۔ ایک دن آپ نے فرمایا' میرے لیے کرایہ کی سواری لے کر آؤ تاکہ میں اس شہر سے نکل جاؤں کیونکہ مجھے ایسا لگتا ہے کہ یہ شہر علم کا مدفن بنے گا۔ ایسا انھوں نے اس لیے کیا کہ وہ تعلیم کی اہمیت جانتے تھے ان کی خواہش تھی کہ شجر علم پھلتا پھولتا رہے۔

اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت عطاءؒ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت سعید بن المسیب کی خدمت میں حاضر ہوا' وہ رو رہے تھے میں نے رونے کی وجہ دریافت کی فرمانے لگے کہ مجھ سے کوئی کچھ نہیں پوچھتا اس لیے روتا ہوں۔

بعض اہل نظر فرماتے ہیں کہ علماء روشنی کی مینارے ہیں' ہر عالم سے اس کے عہد کے لوگ روشنی حاصل کرتے ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اگر علماء نہ ہوتے تو لوگ جانوروں کی زندگی گذارتے' یعنی علماء لوگوں کو تعلیم کی ذریعہ بہیمیت سے انسانیت کی طرف لاتے ہیں۔ عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ علم کی ایک قیمت ہے' لوگوں نے پوچھا وہ قیمت کیا ہے؟ فرمایا: علم کی قیمت یہ ہے کہ اسے کسی ایسے شخص کو سکھلائے جو اس کی حفاظت کر سکے۔

یحییٰ ابن معاذؒ فرماتے ہیں کہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علماء ماں باپ سے بھی زیادہ شفیق و مہربان ہیں لوگوں نے پوچھا وہ کیسے؟ فرمایا کہ ماں باپ تو لوگوں کو دنیا کی آگ سے بچاتے ہیں' اور علماء آخرت کی آگ سے بچاتے ہیں بعض حضرات کا قول ہے کہ علم کا پہلا درجہ خاموشی ہے' پھر سننا' پھر یاد کرنا' پھر عمل کرنا' پھر لوگوں میں اس کی اشاعت کرنا' بعض دانشور فرماتے ہیں کہ اپنا علم ایسے شخص کو سکھلاؤ جو نہ جانتا ہو' اور کسی ایسے شخص سے سیکھو کہ جو بات تمہیں معلوم نہ ہو وہ اسے معلوم ہو' اگر ایسا کرو گے تو جو نہ جانتے ہو گے وہ جان جاؤ گے اور جو جانتے ہو گے وہ یاد رہے گا۔

حضرت معاذ ابن جبلؓ فرماتے ہیں کہ علم اس لیے حاصل کرو اس کا حاصل کرنا خوف الٰہی ہے' اس کی طلب عبادت ہے' اس کا درس دینا تسبیح ہے اور علمی گفتگو کرنا جہاد ہے' جو شخص نہ جانتا ہو اسے پڑھانا خیرات ہے' جو علم کا اہل ہو اسے علم کی دولت سے نوازنا تقرب الٰہی کا ذریعہ ہے' یہی علم تنہائیوں کا ساتھی' سفر کا رفیق' دین کا راہنما' تنگ دستی و خوشحالی میں چراغ راہ' دوستوں کا مشیر' اجنبی لوگوں میں قربت پیدا کرنے والا' دشمنوں کے حق میں تیغ براں' راہ جنت کا روشن مینار ہے۔ اسی علم کی بدولت اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کو عظمت عطا کرتا ہے انھیں قائد رہنما اور سردار بناتا ہے' لوگ ان کی اتباع کرتے ہیں ان کے نقش قدم پر چلتے ہیں ان کے عمل کو دلیل بناتے ہیں' فرشتے ان کی دوستی اور رفاقت کی خواہش کرتے ہیں' اپنے بازو ان کے جسموں سے مس کرتے ہیں' بحروبر کی تمام مخلوق یہاں تک کہ سمندر کی مچھلیاں اور کیڑے' خشکی کے درندے اور چوپائے' آسمان کے چاند سورج اور ستارے سب ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں' اس لیے کہ علم دل کی زندگی ہے' علم نور ہے' اس سے تاریکیاں دور ہو جاتی ہیں' علم سے بدن کو قوت ملتی ہے' ضعف دور ہوتا ہے' علم کی بدولت انسان نیک لوگوں کے بلند درجات حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے' علمی امور میں غور فکر کرنا روزہ رکھنے کے برابر ہے' علم کی تدریس میں مشغول رہنا شب بیداری کے برابر ہے' علم ہی سے اللہ کی اطاعت' عبادت اور تسبیح و تحمید کا حق ادا ہوتا ہے' اسی سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے صلہ رحمی کی توفیق ہوتی ہے' حلال و حرام میں تمیز کا شعور پیدا ہوتا ہے۔ علم امام ہے عمل اس کے تابع ہے۔ خوش قسمت لوگوں کے دل ہی علم کی آماجگاہ بن سکتے ہیں' بد قسمت لوگ اس سے محروم رہتے ہیں' ہم اللہ سے حسن توفیق کے خواہاں ہیں۔

فضیلت علم کے عقلی دلائل

فضیلت کا مفہوم: پچھلے صفحات میں علم' طلب علم' اور تعلیم کی فضیلت پر گفتگو کی گئی ہے' ہمارے خیال میں جب تک فضیلت کا مفہوم واضح نہ ہو اس وقت تک علم کی فضیلت کا جاننا ناممکن ہے' مثلاً کوئی شخص حکمت سے واقف نہ ہو اور یہ جاننا چاہتا ہو کہ زید حکیم ہے یا نہیں؟ تو ایسے شخص کے متعلق یہی کہا جائے گا کہ وہ گم کردہ راہ ہے۔

جاننا چاہیے کہ فضیلت فضل سے مشتق (ماخوذ) ہے جس کے معنی ہیں زیادتی' چنانچہ دو چیزیں کسی ایک صفت میں شریک ہوں ایک میں وہ صفت کم اور دوسری میں زیادہ ہو تو کہا جائے گا کہ یہ دوسری سے زیادہ اور افضل ہے لیکن یہ زیادتی کسی ایسی چیز میں ہونی چاہیئے جو اس کی صفت کمال ہو' مثال کے طور پر گھوڑے کو گدھے سے افضل کہا جاتا ہے یہ اس لیے کہ گھوڑا بار برداری میں تو گدھے کا شریک ہے لیکن تیز دوڑنے میں گدھا اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا اب اگر کسی گدھے کو بہت سا زیور پہنا دیں اور یہ کہیں

گدھا گھوڑے سے افضل ہے تو یہ ایک غیر معقول بات ہوگی' اس لیے کہ یہ فضیلت محض ظاہری ہے باطن کی نہیں اسے گدھے کی صفت کمال بھی نہیں کہا جاسکتا کیونکہ جانوروں کی باطنی صفات و خصوصیات اہم ہوتی ہیں نہ کہ ظاہری جسم۔

اس اصول کی روشنی میں اگر علم کا مقابلہ دوسرے اوصاف سے کیا جائے تو اس کی فضیلت نمایاں نظر آتی ہے جس طرح دوسرے حیوانات کی مقابلے میں گھوڑے کی بڑائی نمایاں ہے بلکہ جو تیز رفتاری گھوڑے میں ہے وہ مطلق فضیلت نہیں محض اضافی ہے جبکہ علم کو بالذات اور مطلق فضیلت حاصل ہے اس لیے کہ علم اللہ تعالیٰ کی صفت کمال ہے' ملائکہ اور انبیاء کا شرف بھی علم سے ہے۔

شئی مطلوب کی قسمیں

وہ چیزیں جنھیں انسان پسند کرتا ہے' یا ان کے حاصل کرنے کی خواہش رکھتا ہے' عموماً تین طرح کی ہوتی ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ وہ غیر کے لیے مطلوب ہوں' خود ان کی کوئی اہمیت نہ ہو مثلاً روپیہ یا اشرفی وغیرہ' یہ چیزیں محض جمادات ہیں ان سے ذاتی فوائد کچھ بھی نہیں بلکہ ان کے ذریعہ دوسری ضروریات پوری کی جاتی ہیں۔ فرض کیجئے اللہ تعالیٰ لوگوں کی ضروریات ان کے ذریعہ پوری نہ کرتا تو اشرفیوں اور کنکریوں کا حال یکساں ہوتا۔

(۲) دوم یہ کہ وہ بالذات مطلوب ہوں اس کی مثال آخرت کی سعادت اور دیدار الٰہی کی لذات ہے۔

(۳) سوم یہ کہ وہ بالذات بھی مطلوب ہوں اور غیر کے لیے بھی مطلوب ہوں' بدن کی سلامتی اور صحت اس کی مثال ہے پاؤں کی سلامتی اس لیے بھی مطلوب ہے کہ جسم کو تکلیف نہ ہو اور اس لیے بھی مطلوب ہے کہ چل کر اپنی دوسری ضروریات پوری کی جائیں۔ اگر غور کیا جائے تو علم بھی اسی تیسری قسم سے تعلق رکھتا ہے یہ خود بھی لذیذ ہے کہ بالذات مطلوب قرار پائے اور سعادت اخروی اور قرب الٰہی کا ذریعہ بھی ہے کہ للغیر مطلوب ہو اس کے بغیر اللہ کی قربت نصیب نہیں ہوتی انسان کے لیے سب سے بڑی سعادت آخرت کی سعادت ہے اور سب سے زیادہ افضل وہ چیز ہے جو اخروی سعادت کا ذریعہ ہو' ظاہر ہے کہ آخرت کی سعادت علم و عمل کے بغیر ممکن ہی نہیں' بلکہ علم کے بغیر عمل بھی معتبر نہیں' اس سے معلوم ہوا کہ دنیا و آخرت کی سعادت کا سرچشمہ علم ہے' اسی سے علم کی فضیلت بھی ثابت ہوتی ہے۔

کسی چیز کی فضیلت اس کے نتیجے سے بھی ثابت ہوتی ہے اور یہ بات پہلے معلوم ہو چکی ہے کہ علم کا نتیجہ یہ ہے کہ آدمی اللہ کے قریب ہو' ملاء اعلیٰ سے قریب ہو اور مقرب فرشتوں کے زمرہ میں اس کا شمار ہو۔ یہ وہ نتائج ہیں جن کا تعلق آخرت سے ہے' دنیا میں اس کا ثمرہ یہ ہے کہ اہل علم کو عزت و وقار حاصل ہوتا ہے' سلاطین پر حکومت ہوتی ہے لوگوں کی طبیعتوں میں ان کے احترام کا جذبہ راسخ ہو جاتا ہے' چنانچہ عجمی ترک اور عرب کے معمولی لوگ فطرتاً اپنے بڑوں کی عزت کرنے پر مجبور ہیں' کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کا علم اور ان کا تجربہ زیادہ ہے آپ جانوروں ہی کو دیکھ لیجئے وہ بھی فطرتاً انسان کی تعظیم کرتے ہیں' کیونکہ انھیں اس کا احساس ہے کہ انسان کا درجہ ان سے بلند ہے۔

مختلف علوم کی فضیلت

اب تک مطلق علم کی فضیلت کا بیان تھا' لیکن کیونکہ علوم مختلف ہیں (جیسا کہ ہم عنقریب بیان کریں گے) اس لیے ان کے فضائل میں بھی فرق ہے' گذشتہ سطور میں جو کچھ عرض کیا گیا اس سے تعلّم (طلب علم) اور تعلیم کی فضیلت بھی ثابت ہو جاتی ہے جب یہ بات واضح ہو گئی کہ علم سب سے افضل ہے تو اس کا سیکھنا افضل چیز کا حاصل کرنا ہو گا' اس کا سکھانا افضل امر کی تعلیم ہو گی۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مخلوق کے تمام مقاصد دین اور دنیا میں منحصر ہیں اور دین کا نظم دنیا کے نظم کے بغیر ممکن نہیں اس لیے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے' جو شخص دنیا کو آخرت کا ذریعہ اور عارضی ٹھکانہ سمجھے اس کے لیے دنیا واقعی اللہ تک پہونچنے کا

ذریعہ ہوسکتی ہے' برخلاف اس شخص کے جو اس دنیا کو اپنا وطن اور مستقل ٹھکانا سمجھے یہ بات بھی واضح ہے کہ دنیا کا نظام قائم کرنا بھی بندوں کے اعمال کا ایک حصہ ہے۔

کاروبارِ زندگی اور اس کی قسمیں

انسان کے وہ اعمال یا پیشے جن کا تعلق دنیاوی زندگی سے ہے تین قسموں میں منحصر ہے۔ پہلی قسم کا تعلق بنیادی پیشوں سے ہے' کل چار پیشے ہیں جو بنیادی حیثیت رکھتے ہیں ان کے بغیر دنیاوی انتظام ممکن ہی نہیں ہے۔

(۱) زراعت۔ جس پر کھانا موقوف ہے۔ (۲) پارچہ بافی۔ ستر پوشی کے لیے۔ (۳) تعمیر۔ رہائش کے لیے (۴) سیاست! آپس میں مل جل کر رہنے کے لیے' معاشی اور اجتماعی امور میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کے لیے۔

دوسری قسم کا تعلق ان اعمال سے ہے جو مذکورہ چاروں بنیادی پیشوں کے لیے معاون کی حیثیت رکھتے ہیں' مثلاً آہن گری (لوہار کا پیشہ) زراعت سے خاص طور پر متعلق ہے' دوسری صنعتوں کے آلات بھی اسی سے بنتے ہیں' روئی دھنتا اور کاتنا پارچہ بافی کے لیے ناگزیر ہیں ان کے بغیر سوت کا مہینا ہونا ممکن نہیں۔

تیسری قسم سے وہ اعمال و افعال تعلق رکھتے ہیں جو بنیادی اعمال کی تکمیل کرتے ہیں یا انھیں سنوارتے نکھارتے ہیں' مثلاً پیسنا اور پکانا زراعت کے لیے' دھونا اور سینا لباس کے لیے وغیرہ وغیرہ۔

انسانی جسم کے اعضاء سے مشابہت

دنیاوی زندگی سے تعلق رکھنے والے یہ افعال انسانی جسم کے اعضاء سے کافی مشابہت رکھتے ہیں جس طرح انسانی جسم کے وجود کے لیے اس کے اعضاء ضروری ہیں اسی طرح دنیا کے قیام کے لیے یہ اعمال ضروری ہیں' دنیاوی اعمال کی طرح انسانی جسم کے اجزاء بھی تین طرح کے ہیں' ایک بنیادی اعضاء ہیں جیسے دل جگر اور دماغ وغیرہ' دوسرے وہ اعضاء ہیں جو بنیادی اعضاء کے تابع اور معاون ہیں جیسے معدہ' رگیں' شریانیں پٹھے اور نسیں وغیرہ۔ تیسرے وہ اعضاء ہیں جن سے اعضاء کی تکمیل ہوتی ہے یا زینت ملتی ہے جیسے ناخن' انگلیاں' بھویں اور بال وغیرہ۔

دنیاوی اعمال میں افضلیت کا مسئلہ

ان صنعتوں اور پیشوں میں سے اعلیٰ اور افضل بنیادی پیشے ہیں' ان میں بھی سیاست سب سے افضل ہے کیونکہ انسانوں کے باہمی تعلق' اور اجتماعی زندگی کا دارو مدار سیاست پر ہے' اسی لیے یہ ضروری ہے کہ جو لوگ اس خدمت سے وابستہ ہوں ان میں دوسری خدمات سے وابستہ لوگوں کی بہ نسبت زیادہ کمال ہونا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ سیاست کار دوسرے پیشہ وروں سے خدمت لیتے ہیں اور انھیں اپنا تابع سمجھتے ہیں۔

بندگان خدا کی اصلاح اور دنیا و آخرت میں ان کی صحیح رہنمائی کے لیے سیاست کے چار مراتب ہیں:۔

پہلی سیاست جو سب سے اعلیٰ و افضل ہے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی سیاست ہے' ان کا حکم عام و خاص پر ظاہر و باطن ہر طرح نافذ العمل ہوتا ہے۔ دوسری سیاست خلفاء' حکام اور بادشاہوں کی ہے جن کا حکم عام اور خاص سب پر ہے مگر صرف ظاہر پر' باطن پر نہیں۔ تیسری سیاست ان علماء کی ہے جو اللہ اور اس کے دین کا علم رکھتے ہیں' ان کا حکم صرف خاص لوگوں کے باطن پر ہے عام لوگوں کا فہم اس درجہ کا نہیں ہوتا کہ وہ ان سے استفادہ کرسکیں' اور نہ علماء کو عوام کے ظاہر پر تصرف کرنے کا اختیار حاصل ہوتا

ہے' چوتھی سیاست واعظوں کی ہے' ان کا حکم صرف عوام کے باطن پر ہوتا ہے' ان چاروں سیاستوں میں نبوّت کے بعد اشرف و اعلیٰ علم کی تعلیم' لوگوں کو مہلک عادتوں اور بری خصلتوں سے بچانا' انھیں اچھے اخلاق اور اخروی سعادت کی راہ دکھاتا ہے' اور تعلیم کی غرض وغایت بھی یہی ہے۔

تعلیم کی افضلیت کا ایک اور سبب

تعلیم کو ہم نے اور افعال و اعمال کی بہ نسبت افضل بتلایا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی پیشے کا شرف تین چیزوں سے جانا جاتا ہے' یا تو اس قوت سے جس سے اس کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ مثلاً عقلی علوم لغوی علوم سے افضل ہیں' اس لیے کہ حکمت عقل سے معلوم ہوتی ہے اور لغت کان کے ذریعہ سننے سے' یہ ظاہر ہے کہ قوت عاقلہ قوت سامعہ سے افضل ہے' اس لیے وہ چیز بھی افضل ہوگی جو عقل سے معلوم ہو' دوسری چیز جس سے کسی صفت یا پیشے کی افضلیت سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کا فائدہ عام ہو' مثلاً کھیتی کی افادیت زرگری کے مقابلے میں' کھیتی سے نہ صرف انسان بلکہ جانور بھی فائدہ اٹھاتے ہیں' زرگری کے برخلاف کہ اس کے فوائد حیوانوں کو تو کیا تمام انسانوں کو بھی حاصل نہیں ہیں' تیسری چیز جس سے کسی پیشے کے شرف کا پتہ چلتا ہے وہ "محل" ہے یعنی وہ چیز جس میں اس پیشہ ور کا عمل ہو' مثلاً زرگری دباغت کے پیشے سے افضل ہے' کیونکہ سنار (زرگر) تو سونے پر عمل کرتا ہے اور چمڑا پکانے والا چمڑے پر عمل کرتا ہے۔

ان تینوں اصولوں کی روشنی میں آپ "تعلیم" کا جائزہ لیں تو شرف اور افضلیت کے یہ تینوں اسباب اس میں موجود پائیں گے' اس لیے کہ دینی علوم (جنھیں راہ آخرت کے ادراک کا ذریعہ بھی کہا جاسکتا ہے) کا سمجھنا فہم و بصیرت کی گہرائی پر موقوف ہے۔ یہاں اس امر کی وضاحت ضروری نہیں کہ عقل تمام انسانی صفات کے مقابل میں ارفع و اعلیٰ ہے' جیسا کہ کتاب العلم کے آخری باب میں ہم یہ حقیقت بیان کریں گے۔ چنانچہ عقل ہی سے انسان اللہ کی دی ہوئی امانت کا بار اٹھاتا ہے' اور اسی کے ذریعہ قرب الٰہی کے حصول میں کامیاب ہوتا ہے' تعلیم کے فائدے کی عمومیت بھی ظاہر ہے بلاشبہ تعلیم کا بڑا فائدہ آخرت کی سعادت ہے تعلیم کے محل کے افضل ہونے میں بھی شبہ نہیں' کیونکہ علم انسان کے دل میں تصرف کرتا ہے ظاہر ہے کہ زمین پر موجود تمام مخلوق میں سب سے افضل انسان ہے' اور انسان کے اعضاء میں سب سے اعلیٰ عضو اس کا دل ہے۔ معلم دل کی تطہیر و اصلاح اور تہذیب نفس میں مشغول رہتا ہے اور اس کی اللہ تک رہنمائی کرتا ہے۔

خلاصہ یہ نکلا کہ علم سکھلانا اللہ کی عبادت بھی ہے اور اس کی خلافت بھی' اور یہ خلافت زیادہ ارفع و اعلیٰ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عالم کے دل کو اپنی خاص صفت علم سے نوازا ہے' گویا عالم کا دل اللہ تعالیٰ کے بہترین خزانوں کا محافظ ہے نہ صرف یہ بلکہ اسے ان خزانوں میں سے ان لوگوں پر خرچ کرنے کی اجازت بھی ہے جو ضرورت مند ہیں۔

غور فرمائیں اس سے بڑھ کر اور کون سا منصب ہو سکتا ہے کہ آدمی قرب الٰہی اور جنت الفردوس کی طرف مخلوق کی رہنمائی کے لیے اس کے اور خدا تعالیٰ کے درمیان واسطہ ہو۔

دوسرا باب

پسندیدہ اور ناپسندیدہ علوم اور ان کے احکام

فرضِ عین علم

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔ علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے' ایک اور موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ علم حاصل کرو خواہ چین میں ہو' معلوم ہوا کہ علم ایسا بھی ہے جو ہر مسلمان کے لیے فرضِ عین کی حیثیت رکھتا ہے' لیکن اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ فرضِ عین علم کون سا ہے' یہ اختلاف اتنا زیادہ ہے کہ بیس سے زائد فریق اس میں اپنی الگ الگ رائے رکھتے ہیں' ہم سب کی تفصیل بیان نہیں کریں گے' اختلاف کا ماحصل صرف اتنا ہے کہ ہر فریق نے صرف اسی علم کو واجب قرار دیا ہے جس سے وہ وابستہ ہے' مثلاً متکلمین علم الکلام کو واجب قرار دیتے ہیں' کیونکہ باری تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی ذات و صفات کا علم اسی سے ہوتا ہے' فقہاء کے نزدیک علمِ فقہ واجب ہے کیونکہ اس علم کے ذریعہ حلال و حرام کا پتہ چلتا ہے اور جائز و ناجائز معاملات کا علم ہوتا ہے۔ علمِ فقہ سے ان کے نزدیک وہ مسائل و احکام مراد ہیں جن کی ہر ایک کو ضرورت پیش آتی ہے نہ کہ وہ معاملات جو شاذ نادر پیش آتے ہیں' مفسرین اور محدثین کے خیال میں وہ علم کتابُ اللہ اور سنتِ رسولُ اللہ کا علم ہے' کیونکہ باقی تمام علوم انہی دو کے پرتو ہیں' صوفیاء کی رائے میں علمِ تصوف وجوب کا درجہ رکھتا ہے' پھر صوفیاء میں بھی کئی گروہ ہیں' بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ علم مراد ہے جس سے انسان اپنی حالت اور خدا کے یہاں اپنے مقام کا ادراک کرسکے' بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس علم کا تعلق اخلاص سے ہے۔ نیز نفس کی فتنہ انگیزیوں سے واقفیت' شیطانی وسوسوں اور فرشتوں کے الہام میں امتیاز کرنا بھی اسی علم کا حصہ ہے' کچھ دوسرے لوگ اسے باطنی علم قرار دیتے ہیں' ان کے خیال میں یہ چند ایسے مخصوص لوگوں پر واجب ہے جو اس کے اہل ہیں۔ ان حضرات نے لفظ (ہر مسلمان) کے عموم کو بدل ڈالا اور اپنے لیے خاص کرلیا۔ ابو طالب مکیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ علم ہے جس کا ذکر اس حدیث میں ہے:۔

بنی الاسلام علی خمس شہادۃ ان لا الہ الا اللہ الخ (بخاری و مسلم)

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے اول اس کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں (تا آخر)۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ واجب یہی پانچ چیزیں ہیں' چنانچہ وہ علم بھی واجب ہونا چاہئے جس سے ان کے عمل کی کیفیت کا علم ہو۔

حقیقت کیا ہے ؟

اب ہم وہ بات بیان کرنا چاہتے ہیں جس پر طالبان حق کو یقین کرنا چاہیے' اور جسے کسی شک کے بغیر قبول کرلینا چاہیے۔ وہ علم جسے فرضِ عین کہا جاسکتا ہے ہم پیش لفظ کی ایک عبارت میں اس کی طرف اشارہ کرچکے ہیں چنانچہ ہم نے لکھا ہے کہ علم کی دو قسمیں ہیں۔ علمِ معاملہ' علمِ مکاشفہ' حدیث میں جس علم کو ہر مسلمان کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے وہ علمِ معاملہ ہے۔

وہ معاملات جن کا ایک عاقل بالغ شخص مکلف اور پابند قرار دیا گیا ہے تین ہیں (۱) اعتقاد (۲) عمل (۳) ترک عمل۔ چنانچہ کوئی عاقل آدمی احتلام کی بناء پر یا عمر کی راہ سے دن کو چاشت کے وقت بالغ ہوا' اسے چاہیے کہ وہ سب سے پہلے شہادت کے دونوں کلمے یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ سیکھے اور ان کے معنی سمجھے' اس کے لیے ان دونوں کلموں کا سیکھنا اور ان کے معنی سمجھنا واجب ہے' نہ کہ بحث و تکرار کرنا یا دلائل لکھ کر ان کا یقین کرنا لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ ان کلموں کی تصدیق اس طرح کرے کہ

کسی قسم کا شک یا تردد باقی نہ رہے' اتنی بات بعض اوقات بحث و تمحیص اور دلائل کے بغیر بھی محض سننے سے حاصل ہو جاتی ہے' بحث و تمحیص اور دلائل کی جستجو اس لیے ضروری نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے اجڈ باشندوں سے محض تصدیق و اقرار ہی کو کافی سمجھا ہے' دلائل کی ضرورت محسوس نہیں کی ہے' بہرحال اگر آدمی اس وقت اتنا جان لے تو یہ کافی ہو گا' اس وقت جو علم اس کے لیے فرضِ عین تھا وہ کلموں کا سیکھنا اور ان کے معنی سمجھنا تھا اور کوئی چیز اس پر فرض نہیں تھی' چنانچہ اگر وہ ان دونوں کلموں کی تصدیق کے بعد مر جائے تو بلاشبہ خدا تعالیٰ کا اطاعت گذار بندہ کہلائے گا اسے نافرمان کہنا صحیح نہ ہو گا۔

کلمۂ شہادت کی تصدیق کے بعد جو چیزیں اس پر واجب ہوں گی وہ مختلف حالات میں مختلف ہوں گی' پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر شخص پر یکساں طور پر واجب ہوں' بلکہ بعض لوگ ان سے مستثنیٰ بھی ہو سکتے ہیں ایسا اعتقاد' عمل اور ترک عمل تینوں میں ممکن ہے۔

فعل کی مثال یہ ہے کہ بالفرض وہ شخص چاشت کے وقت سے ظہر تک زندہ رہے' تو ظہر کا وقت شروع ہو جانے کی بنا پر ایک نیا واجب اس پر یہ ہو گا کہ وہ طہارت اور نماز کے مسائل سیکھے' پھر اگر وہ شخص بلوغ کے وقت تندرست ہو اور یہ خیال ہو کہ اگر اس نے طہارت اور نماز کے مسائل زوال کے بعد سیکھنا شروع کئے تو عین وقت تک سب کچھ سیکھ کر عمل نہ کر سکے گا بلکہ سیکھنے میں مشغول رہا تو نماز کا وقت گذر جائے گا تو ایسے شخص کے لیے کہا جا سکتا ہے کہ وہ وقت سے پہلے ہی طہارت و نماز کے مسائل سیکھ لے' یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ علم جو عمل کے لیے شرط ہے عمل کے واجب ہونے کے بعد واجب ہو گا اس لیے قبل از وقت سیکھنا ضروری نہیں ہے' یہی حال باقی نمازوں کا ہے پھر اگر وہ شخص رمضان تک زندہ رہا تو روزے کے مسائل کا علم حاصل کرنا ایک نیا واجب ہو گا' یعنی یہ جاننا کہ روزہ کا وقت صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک ہے روزے میں نیت ضروری ہے' روزہ دار کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مذکورہ وقت میں کھانے پینے اور جماع کرنے سے باز رہے' یہ عمل (روزہ) عید کا چاند دیکھنے' یا دو گواہوں کی گواہی دینے تک باقی رہتا ہے اس کے بعد اگر وہ شخص صاحب نصاب ہو جائے' یا بلوغ کے وقت ہی اس کے پاس اتنا مال تھا جس میں زکوٰۃ واجب ہو سکتی ہے' تو اس کے لیے یہ معلوم کرنا ضروری ہو گا کہ زکوٰۃ کی واجب مقدار کیا ہے' مگر یہ اسلام لانے کے وقت ضروری نہیں ہو گا' بلکہ بحالت اسلام مال پر ایک سال گذر جانے کے بعد ضروری ہو گا۔ فرض کیجئے اس کے پاس صرف اونٹ ہیں' دوسرے جانور نہیں ہیں' تو اسے اونٹ کی زکوٰۃ کے مسائل معلوم کرنے ہوں گے' اسی طرح مال کی دوسری قسموں میں یہ مفروضہ قائم کر لیجئے' اب اگر حج کے مہینے شروع ہوتے ہیں تو اس کے لیے ضروری نہیں کہ وہ فوراً حج کے مسائل سیکھنا شروع کر دے کیونکہ حج عمر میں ایک مرتبہ فرض ہوتا ہے اور کسی وقت بھی ادا کیا جا سکتا ہے' تو اس کا علم بھی فوری طور پر واجب نہیں ہوتا' لیکن علمائے اسلام کو اسے یہ بتلانا چاہیے کہ حج عمر میں ایک مرتبہ اس شخص پر فرض ہے جسے زادِ راہ اور سواری میسّر ہو' یہ بتلانا اس لیے ضروری ہے تاکہ وہ احتیاط کے طور پر حج کرنے میں جلدی کرے۔ حج کے صرف ارکان اور واجبات کا علم ضروری ہو گا نفلی اعمال کا نہیں' اس لیے کہ جو چیز نفل ہے اس کا سیکھنا بھی نفل ہے اسے فرضِ عین نہیں کہا جا سکتا۔ رہی یہ بات کہ حج فرض ہونے کے بعد اسی وقت اسے آگاہ نہ کرنا حرام ہے۔ یہ مسئلہ فقہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس پوری تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ ان افعال کا علم حاصل کرنا جو فرضِ عین ہیں بیک وقت ضروری نہیں ہے' بلکہ اس میں تدریج کی گنجائش ہے۔

اب ترکِ فعل کی تفصیل سنئے' فعل کی طرح ترک فعل کا معلوم کرنا بھی حالات پر موقوف ہے اور ہر آدمی کا حال دوسرے سے مختلف ہوتا ہے' مثلاً گونگے پر واجب نہیں کہ وہ حرام گفتگو کا علم حاصل کرے' نہ اندھے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ناجائز نظر کے مسائل سیکھے' اسی طرح جنگل کے باشندوں کے لیے ان مکانات کا جاننا ضروری نہیں ہے جہاں بیٹھنا حرام ہے' خلاصہ یہ کہ اگر معلوم ہو کہ اسے ان چیزوں کی ضرورت نہیں پڑے گی تو ان کا سیکھنا اس پر واجب نہیں ہے' بلکہ جن امور میں وہ مبتلا ہو ان کی برائی سے آگاہ کر دینا ضروری ہے' مثلاً اسلام لانے کے وقت وہ ریشم کے کپڑے پہنے ہوئے ہے یا غصب کی زمین پر بیٹھا ہوا ہے' یا غیر محرم

کی طرف دیکھ رہا ہے تو اسے بتلا دینا چاہیے کہ یہ امور جائز نہیں ہیں' یا وہ شخص اس وقت کسی امر حرام کا مرتکب نہیں ہے' لیکن خیال ہے کہ وہ کسی بھی وقت ناجائز فعل کا مرتکب ہو سکتا ہے تو اسے آگاہ کر دینا بھی واجب ہے' مثلاً اس شہر میں جہاں وہ رہتا ہے شراب پینے اور سؤر کا گوشت کھانے کا رواج ہے تو اسے بتلا دینا چاہیے کہ یہ دونوں فعل حرام ہیں' ان کا ترک کرنا واجب ہے۔

جہاں تک اعتقادیات کا تعلق ہے ان کا علم بھی پیش آنے والے حالات اور خیالات پر موقوف ہے' مثال کے طور پر اس کے دل میں کلمۂ شہادت کے معانی میں شک پیدا ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ علم حاصل کرے جس سے وہ شک دور ہو' لیکن اگر کسی قسم کا شک واقع نہ ہو اور یہ اعتقاد کرنے سے پہلے مرجائے کہ اللہ کا کلام قدیم ہے' وہ قابل رویت ہے' وہ حادث نہیں ہے تو اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ اس کی موت اسلام پر ہوئی ہے۔

یہ شکوک و شبہات جو مزید چیزوں کے اعتقاد کا سبب بنتے ہیں کبھی محض طبیعت کا رد عمل ہوتے ہیں اور کبھی شہر کے لوگوں سے بات چیت کرنے سے پیدا ہوتے ہیں اگر وہ شخص کسی ایسے شہر میں رہتا ہو جہاں کے لوگ مبتدعانہ خیالات پر زیادہ گفتگو کرتے ہوں تو اسے ابتدائے اسلام ہی میں حق سکھلا کر بدعت سے محفوظ کر دینا چاہیے تاکہ اس کے دل میں باطل کو جگہ نہ ملے۔ اگر ایسا ہوا تو اس کے قلب کی تطہیر میں دشواری پیش آسکتی ہے' ایسے ہی اگر کوئی نومسلم تاجر ہو اور ایسے شہر میں مقیم ہو جہاں سودی کاروبار ہوتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ سود کی حرمت کے متعلق علم حاصل کرے۔

اب تک جو گفتگو کی گئی ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ عمل واجب کی کیفیت کا جاننا فرضِ عین ہے جو شخص واجب عمل اور وجوب کے وقت سے واقف ہو جائے اس کے متعلق کہا جائے گا کہ اس نے فرضِ عین کا علم حاصل کر لیا ہے' حضرات صوفیائے کرام کا فرمانا بھی صحیح ہے کہ فرضِ عین سے وہ علم مراد ہے جو شیطانی وسوسوں اور ملکوتی الہام میں امتیاز نہ کرسکے' لیکن یہ اسی شخص کے حق میں ہے جو اس کے درپے ہو۔

کیونکہ عموماً انسان شر' ریا اور حسد کے عوامل اور دواعی سے خالی نہیں ہوتا اس لیے ضروری ہے کہ وہ تیسری جلد (مہلکات) سے وہ باتیں معلوم کرے جن کی اسے ضرورت ہے۔ ان باتوں کا جاننا کیسے واجب نہ ہو گا؟ اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

ثلاث مهلكات' شح مطاع' هوى متبع واعجاب المرء بنفسه (مسند بزار' طبرانی' بیہقی)

تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں وہ بخل جس کی اطاعت کی جائے' وہ خواہش جس کی اتباع کی جائے اور خود پسندی۔

اس طرح کی مذموم و ناپسندیدہ عادتوں سے بہت کم لوگ بچے رہتے ہیں' کبر' عجب اور اس طرح کی دوسری صفات جن کا تذکرہ ہم کریں گے انہی تین مہلکات کی تابع ہیں' ان کا دور کرنا اور اپنے دل کو ان سے پاک کرنا فرضِ عین ہے اور اس وقت تک ان گندی صفات سے قلب کی تطہیر ممکن نہیں جب تک ان بری خصلتوں کی تعریف' ان کی علامات' اسباب اور ازالے کے طریقے معلوم نہ ہوں' اس لیے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی برائی میں نادانستہ طور پر مبتلا ہو جاتا ہے' برائی کا علاج یہ ہے کہ پہلے ہر سبب اور اس کے مخالف میں باہمی موازنہ کیا جائے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب برائیوں کے ساتھ ساتھ ان کے اسباب و عوامل کا علم بھی ہو' معلوم ہوا مہلک عادتوں اور ان کے اسباب کا جاننا بھی فرضِ عین ہے۔ جلد سوم میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے' وہ سب فرضِ عین ہے' لوگ لایعنی امور میں مشغول ہونے کی وجہ سے اسے چھوڑے بیٹھے ہیں۔

اگر نو مسلم شخص کسی اور مذہب سے منحرف ہو کر مشرّف باسلام ہوا ہو تو اسے جلد سے جلد جنّت' دوزخ' بعث بعد الموت اور قیامت جیسے عقائد کی تعلیم بھی دینی چاہیے تاکہ وہ ان پر ایمان لائے' اور ان کی تصدیق کرے' یہ عقائد بھی گویا کلمہ شہادت کے

معنی کی تکمیل کرتے ہیں اس لیے کہ جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لاچکا ہے تو اس حقیقت پر بھی ایمان لائے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں تک پہنچائی ہے' یعنی یہ بات کہ جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے اس کے لیے جنّت ہے اور جو ان دونوں کی نافرمانی کرے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

فرضِ عین علم میں اس تدریجی عمل کی تفصیل سامنے آچکی ہے' اس سے واضح ہو گیا ہے کہ حق بات یہی ہے' نیز یہ بات بھی محقق ہو چکی ہے کہ ہر شخص کو دن رات کے کسی بھی حصے میں عبادت یا معاملات کے سلسلے میں کوئی نئی بات پیش آسکتی ہے' اس صورت میں اس کے لیے پیش آمدہ واقع کے بارے میں علماء سے استفسار و استصواب کرنا ضروری ہے اسی طرح اس امر کے سیکھنے میں بھی جلدی کرنی چاہئے جو ابھی پیش نہیں آیا' لیکن مستقبل قریب میں پیش آسکتا ہے۔

وہ علم جو فرضِ کفایہ ہے

سب سے پہلے یہ وضاحت ضروری ہے کہ جب تک علومِ و فنون کی قسمیں بیان نہ کی جائیں اس وقت تک فرض اور غیرِ فرض میں امتیاز نہیں کیا جا سکتا' وہ علوم جن کی فرضیّت یا عدم فرضیّت کی بحث پیش نظر ہے دو طرح کے ہیں شرعی اور غیرِ شرعی۔ شرعی علوم سے ہم وہ علوم مراد لیتے ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ ہم تک پہونچے' عقل' تجربے یا سماعت کا ان میں کوئی دخل نہیں ہے' علمِ الحساب' علمِ طب' علمِ اللغت شرعی علوم نہیں ہیں کیونکہ ان میں سے پہلے کا تعلق عقل سے' دوسرے کا تجربے اور تیسرے کا سماع سے ہے۔

غیرِ شرعی علوم

غیرِ شرعی علوم کی بھی تین قسمیں ہیں (۱) پسندیدہ علوم (۲) ناپسندیدہ علوم (۳) مباح۔ پسندیدہ علوم وہ ہیں جن سے دنیاوی زندگی کی مصالح وابستہ ہیں جیسے علمِ طب اور علمِ حساب ان میں سے بھی بعض علوم فرضِ کفایہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور بعض صرف اچھے ہیں فرض نہیں ہیں' فرضِ کفایہ وہ علوم ہیں جو دنیاوی نظم کے لیے ناگزیر ہیں' جیسے طب تندرستی اور صحت کی سلامتی کے لیے ضروری ہے' یا حساب کہ خرید و فروخت کے معاملات' وصیتوں کی تکمیل اور مال وراثت کی تقسیم وغیرہ میں لازمی ہے۔ یہ علوم ایسے ہیں کہ اگر شہر میں ان کا کوئی جاننے والا نہ ہو تو تمام اہل شہر کو پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا تاہم ان میں سے اگر ایک شخص بھی ان علوم کو حاصل کرلے تو باقی لوگوں کے ذمے سے یہ فرض ساقط ہو جاتا ہے۔

یہاں اس پر تعجب نہ کرنا چاہیے کہ صرف طبّ اور حساب کو فرضِ کفایہ قرار دیا گیا ہے اس لیے کہ ہم نے جو اصول بیان کئے ہیں اس کی روشنی میں بنیادی پیشے جیسے پارچہ بافی' زراعت' اور سیاست بھی فرضِ کفایہ کی حیثیت رکھتے ہیں بلکہ سینا پرونا اور پچھنے لگانا بھی فرضِ کفایہ ہیں' کہ اگر شہر بھر میں کوئی فاسد خون نکالنے والا نہ ہو تو جانوں کی ہلاکت کا خوف رہتا ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ جس نے بیماری دی ہے اس نے دوا بھی اتاری ہے اور علاج کا طریقہ بھی بتلایا ہے پھر کیوں نہ ہم ان سے فائدہ اٹھائیں؟ بلاوجہ اپنے آپ کو ہلاکت کی نذر کرنا جائز نہیں ہے اس لیے پچھنے لگانے کا علم بھی فرضِ کفایہ ہے۔ یہاں یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ طبّ اور حساب کا صرف وہ حصہ فرضِ کفایہ کی حیثیت رکھتا ہے جس سے انسانی ضرورتیں پوری ہو جاتی ہیں طبّ اور حساب کی باریکیوں کا علم محض پسندیدہ ہے فرضِ کفایہ نہیں ہے۔

غیرِ شرعی علوم میں ناپسندیدہ علوم یہ ہیں:۔ (۱) جادوگری (۲) شعبدہ بازی (۳) وہ علم جس سے دھوکا ہو وغیرہ۔

مباح علوم یہ ہیں:۔ (۱) شعر و شاعری اگر وہ اخلاق سوز نہ ہو' (۲) تاریخ یا دیگر تاریخی علوم ـــــ ان صورتوں کی روشنی میں دوسرے ناپسندیدہ یا مباح علوم و فنون کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔

شرعی علوم : شرعی علوم جن کا بیان کرنا مقصود ہے سب کے سب پسندیدہ ہیں لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ غلطی سے کسی غیر شرعی علم کو شرعی سمجھ لیا جاتا ہے اس لیے فی الحال ہم شرعی علوم کی بھی دو قسمیں کرتے ہیں' پسندیدہ اور ناپسندیدہ۔

پسندیدہ علوم شرعیہ میں بھی کچھ علوم بنیادی حیثیت کے حامل ہیں' کچھ فروعی ہیں' کچھ ایسے ہیں' جنھیں شرعی علوم کا مقدمہ قرار دے لیجئے اور کچھ ان کا تکملہ یا تتمہ کہے جاسکتے ہیں۔۔۔ کل چار طرح کے علوم ہوئے۔۔۔ بنیادی علوم شرعیہ بھی چار ہیں (۱) کتابُ اللہ (۲) سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۳) اجماعِ اُمت (۴) آثارِ صحابہ۔ ان چاروں میں سے پہلے دو کا بنیادی ہونا کسی وضاحت کا محتاج نہیں ہے' جہاں تک اجماعِ اُمت کا سوال ہے وہ اس لیے بنیادی ہے کہ اس سے سنّت پر دلالت ہوتی ہے مگر اس کا درجہ تیسرا ہے' آثارِ صحابہ کا علم بھی بنیادی ہے کیونکہ اس سے بھی سنّت کا علم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وہ لوگ ہیں جنھوں نے نزولِ وحی کا مشاہدہ کیا ہے اور حالات کے قرائن سے وہ باتیں معلوم کی ہیں جو دوسروں کو معلوم نہیں' کیا عجب ہے کہ اگر وہ باتیں ضبط تحریر میں لائی جائیں تو عبارت ان کا احاطہ نہ کرسکے' اسی لیے علماء نے صحابہ کی اقتداء اور ان کے اقوال و افعال سے استدلال کو اُمّت کے حق میں مفید سمجھا ہے تاہم یہ اقتداء مخصوص حالات میں خاص شرط کے ساتھ ہوگی یہاں اس شرط کی تفصیل بیان کرنا ہماری گفتگو کے دائرے میں نہیں آتا۔

فروعی علوم شرعیہ ایسے علوم ہیں جو مذکورہ بالا چاروں بنیادی علوم سے سمجھ آتے ہیں' ایسا نہیں کہ یہ علوم اصل علوم کے مقتضائے الفاظ سے سمجھ آتے ہوں بلکہ ان معانی سے سمجھ آتے ہیں جن کا عقل ادراک کرتی ہے اس سے فہم کا دائرہ وسیع تر ہوتا ہے' چنانچہ بولے ہوئے لفظ کی بنیاد پر وہ باتیں بھی سمجھ لی جاتی ہیں جن کے لیے وہ لفظ استعمال نہ کیا گیا ہو مثال کے طور پر ایک حدیث میں ہے:۔

لا يقضي القاضي وهو غضبان (بخاری و مسلم)

قاضی کے غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ دے۔

اس حکم سے یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ جس وقت قاضی پیشاب کا دباؤ محسوس کر رہا ہو یا درد و تکلیف میں مبتلا ہو اس وقت بھی فیصلہ نہ سنائے۔ یہ فروعی علوم جن کا ہم ذکر کر رہے ہیں دو طرح کے ہیں' ان میں سے ایک کا تعلق دنیاوی مصالح سے ہے' اس علم کی تدوین فقہی کتابوں میں ہوئی' اور فقہاء اس علم کے ذمہ دار ہیں' وہ دنیا کے علماء ہیں' دوسرے کا تعلق آخرت کی بہتری سے ہے' اس علم میں قلب کے احوال اور اس کی اچھی یا بری عادتوں سے بحث کی جاتی ہے خدا کی مرضیات و نامرضیات بھی اسی علم کے دائرے میں آتی ہیں۔ اس کتاب (احیاء علومِ الدین) کی آخری دو جلدوں میں اسی علم کی تفصیل ہے جو کیفیت' عبادات یا معاملات میں دل سے اعضاء پر منتقل ہوتی ہے اس کا جاننا بھی اسی علم میں داخل ہے وہ اس کتاب کی پہلی دو جلدوں میں مذکور ہے۔

شرعی علوم کی تیسری قسم میں وہ علوم شامل ہیں جنھیں علوم شرعیہ کا مقدمہ یا آلہ کہا جاسکتا ہے جیسے علمِ لغت اور علمِ نحو وغیرہ۔ یہ دونوں علم قرآن پاک اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے آلے ہیں حالانکہ لغت اور نحو بذات خود شرعی علوم نہیں' لیکن ان کا سیکھنا ضروری ہے کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت عربی زبان میں نازل ہوئی اور ہر شریعت کا حال اس کی زبان سے ظاہر ہوتا ہے' اس لیے عربی زبان کا سیکھنا شرعی علوم کی تحصیل کے لیے آلہ یا ذریعہ قرار پائے گا' علوم آلیہ میں کتابت بھی ہے مگر فی الحقیقت یہ علم ضروری نہیں ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی تھے' اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ جتنی باتیں سنی جاتی ہیں ان کا یاد کرلینا ممکن ہے تو لکھنے کی کوئی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ لیکن کیونکہ عموماً لوگ اس درجہ ذہین اور ذکی نہیں ہوتے اس عذر کی بناء پر علم کتابت کا حاصل کرنا بھی ضروری ٹھہرا۔

شرعی علوم کی تیسری قسم تکمیلی علوم ہیں' ان میں سے کچھ علوم کا تعلق قرآنِ کریم سے ہے' اور کچھ کا حدیثِ رسولؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے' قرآنِ کریم کے تکمیلی علوم میں بعض کا تعلق محض قرآنی الفاظ سے ہے جیسے قرأت اور حروف کے مخارج کا علم' بعض

تعلق معنی سے ہے جیسے علمِ تفسیر' تفسیری علوم بھی نقل پر موقوف ہیں' محض زبان دانی کافی نہیں ہے۔ بعض کا تعلق قرآنی احکام سے ہی جیسے ناسخ و منسوخ' عام و خاص' نص اور ظاہر کا علم' اس علم کو اصولِ فقہ کہتے ہیں' اس میں قرآنی آیات کے ساتھ ساتھ احادیث سے بھی بحث ہوتی ہے' حدیث کے تکمیلی علوم میں علمِ اسماءُ الرّجال اور اصولِ حدیث وغیرہ شامل ہیں اوّلُ الذکر میں راویوں کے نام و نسب' حالات و صفات سے بحث کی جاتی ہے' رواۃ کی صداقت و دیانت کا حال بھی معلوم کیا جاتا ہے تاکہ ضعیف حدیثوں کو قوی حدیثوں سے الگ کیا جائے' رواۃ کی عمریں بھی دیکھی جاتی ہیں تاکہ مرسل مسند سے علیحدہ ہوجائے۔ جس علم سے حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مختلف کیفیتیں معلوم ہوتی ہیں اسے علمِ اصولِ حدیث کہتے ہیں۔

علوم شرعیہ کی ان چاروں قسموں میں جو علوم مذکور ہوئے' وہ سب پسندیدہ ہیں' بلکہ فرض کفایہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

فقیہہ علمائے دنیا ہیں

یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ ہم نے فقہ کو علمِ دنیا اور فقہاء کو علمائے دنیا کہا ہے' حالانکہ فقہ بھی شرعی علم ہے' اس اعتبار سے فقہ کو علمِ دین اور فقہاء کو علمائے دین کہا جانا چاہیے۔ اس اعتراض کا جواب ذرا تفصیل طلب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا' پھر ان کی اولاد کو چھنی ہوئی مٹی اور اُچھلتے ہوئے پانی (منی) سے باپ کی صلب سے ماں کے رحم میں منتقل کیا' رحمِ مادر سے دنیا میں بھیجا' دنیا سے قبر میں' قبر سے میدانِ حشر میں' اور پھر جنّت میں یا دوزخ میں اسے ڈالا جائے گا۔ گویا یہ انسان کا نقطۂ آغاز' اس کی انتہا اور درمیانی منازل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو آخرت کے لیے زادِ راہ بنایا ہے' تاکہ انسان وہ تمام چیزیں توشہ کرلے جنھیں توشہ کیا جاسکتا ہے' چنانچہ اگر انسان صحیح طور پر دنیا کی زندگی پوری کرے تو تمام جھگڑے اور قضیئے ختم ہوجائیں' اور فقہاء کی ضرورت باقی نہ رہے۔ مگر انسان خود کی متعیّن کردہ حدود سے تجاوز کرتا ہے' اسی لیے جھگڑے پیدا ہوتے ہیں' اور جھگڑوں قضیوں کو نمٹانے کے لیے ایک سلطان (حاکم) کی ضرورت پیش آتی ہے' تاکہ وہ لوگوں کو قابو میں رکھے' حاکم کو اس عمل میں ایک قانون کی ضرورت ہوتی ہے' اسی قانون کو فقہ کہتے ہیں۔ چنانچہ فقیہ قانونِ سیاست کا ماہر ہوتا ہے' اور ان طریقوں سے واقف ہوتا ہے جن سے وہ مخلوق کے جھگڑے ختم کرسکے۔ غرض یہ ہے کہ فقیہ سلطان کو وہ راہ دکھاتا ہے جس پر چل کر وہ مخلوق کو قابو میں رکھ سکے' اور انھیں پریشان نہ ہونے دے تاکہ ان کی راستی اور استقامت سے ان کے دنیاوی اُمور بخوبی تکمیل پاتے رہیں۔

ہاں اس میں بھی شبہ نہیں کہ فقہ کا تعلق دین سے بھی ہے' لیکن براہ راست دین سے تعلق نہیں ہے' بلکہ دنیا کے واسطے سے ہے' اس لیے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ دنیا کے بغیر دین کی تکمیل نہیں ہوتی۔ دنیا اور دین دونوں جڑواں ہیں' البتہ دین اصل ہے' بادشاہ یا حاکم نگہبان ہیں' چنانچہ جس عمارت کی جڑ یا بنیاد نہ ہو وہ منہدم ہوجاتی ہے' اور جس گھر کا کوئی نگہبان نہ ہو' اس کے ضائع ہونے کا خطرہ رہتا ہے' یہی نگہبان نظم چلاتا ہے' نظم چلانے اور جھگڑوں کے فیصل کرنے میں جس قانون کی ضرورت پڑتی ہے اسے فقہ کہتے ہیں۔ ہم پہلے بتلاچکے ہیں کہ علمِ سیاست کا شمار دینی علوم میں نہیں ہوتا' بلکہ یہ ان علوم میں داخل ہے جن سے دین کی تکمیل میں مدد ملتی ہے' اس طرح یہ بھی بتلایا جاچکا ہے کہ بنیادی پیشوں میں سیاست کا درجہ چوتھا ہے' اس لیے فقہ کو بھی براہ راست دینی علوم میں شمار نہیں کرسکتے' کیونکہ فقہ سیاست کا معاون علم ہے' ہمارے اس بیان پر اس مثال کی روشنی میں غور کیجئے کہ حج ایسے کسی آدمی کی راہ نمائی کے بغیر مکمل نہیں ہوتا جو راہ میں عرب بدوؤں سے بچاسکے' لیکن کیا اس رہنمائی اور حفاظت کو حج کہا جائے گا' ہرگز نہیں! حج اور چیز ہے' حج کی راہ میں چلنا اور چیز ہے' راستہ اپنی حفاظت کرنا' حفاظت کے طریقوں' تدبیروں اور قوانین کی معرفت بالکل الگ چیز ہے۔

ہم نے جو یہ کہا کہ فنِ فقہ سیاست اور حفاظت کے طریقوں اور تدبیروں کا علم ہے' تو اس پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جو سند کے ساتھ مروی ہے۔

لا یفتی الناس الا ثلاثۃ امیر او مامور او متکلف (ابن ماجہ)

فتویٰ نہیں دیتے لوگوں کو مگر تین شخص امیر یا مامور' یا متکلف۔

اس حدیث میں امیر سے مراد امام ہے کیونکہ پہلے امام ہی مفتی ہوا کرتے تھے۔ مامور سے مراد نائب امام ہے' اور متکلف وہ ہے جو نہ امام ہو اور نہ اس کا نائب ہو' بلکہ اس عہدہ پر بلا ضرورت اور از خود فائز ہوا ہو' حالانکہ صحابہ کا دستور یہ تھا کہ وہ فتویٰ دینے سے بہت بچتے تھے' یہاں تک کہ ہر صحابی کسی دوسرے صحابی پر ٹال دیا کرتا تھا۔ البتہ اگر کوئی علم قرآن' یا طریق آخرت کے متعلق کچھ پوچھتا تھا تو بتلانے سے گریز نہ فرماتے۔ بعض روایات میں متکلف کی جگہ "مرائی" کا لفظ بھی ہے' جس کے معنی ہیں ریا کار اس لیے کہ وہ شخص جو اس کام کے لیے متعین نہیں کیا گیا منصب افتاء اختیار کرتا ہے تو یہی کیا جائے گا کہ اس کا ارادہ طلب مال اور طلب جاہ کے علاوہ اور کچھ نہیں معلوم ہوتا۔

دوسرے اعتراض کا جواب : اب اگر آپ یہ کہیں کہ یہ تقریر جروح (زخموں) حدود اور قصاص کے احکامات اور مالی تاوان کے مسائل میں تسلیم کی جاسکتی ہے کیونکہ واقعی یہ سب احکام مسائل دنیا سے تعلق رکھتے ہیں مگر جن امور پر آپ کی کتاب کی دو جلدوں میں بحث کی گئی ہے۔ یعنی عبادات (نماز' روزہ وغیرہ) اور معاملات وہ سب خالص دینی امور ہیں اور فقیہ ان امور میں بھی فتویٰ دیتا ہے۔ پھر اسے کیسے دنیا کا عالم کہا جاسکتا ہے؟

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اخروی اعمال میں سے فقیہ جن اعمال میں فتویٰ دیتا ہے وہ زیادہ سے زیادہ تین ہو سکتے ہیں۔ ایک اسلام' دوسرے نماز روزہ وغیرہ اور تیسرے حلال حرام۔ لیکن ان تینوں میں بھی فقیہ کی منتہائے نظر دنیا کی حدود ہیں۔ اس کی نظر دنیا کی حدود سے آخرت کی طرف تجاوز نہیں کرتی اور جب ان تینوں میں فقیہ کا یہ حال ہو تو دوسرے امور کے بارے میں کیا کہا جاسکتا ہے۔ وہ تو کھلے طور پر دنیاوی امور ہیں۔

مثال کے طور پر اگر فقیہ اسلام کے باب میں کچھ کہے گا تو زیادہ سے زیادہ یہ کہے گا کہ اس کا اسلام درست ہوا اور اس کا اسلام درست نہیں ہوا یا یہ کہ مسلمان ہونے کی شرائط یہ ہیں' لیکن اس میں بھی وہ صرف زبان پر حکم لگائے گا دل اس کے اختیار سے باہر ہے۔ اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب سیف و سلطنت کو دل کی حکومت سے برطرف رکھا ہے۔ چنانچہ ایک صحابی نے اس شخص کو قتل کر دیا تھا جو زبان سے کلمۂ اسلام ادا کر چکا تھا مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند نہیں فرمایا۔ صحابی نے یہ عذر پیش کیا کہ اس نے تلوار کے خوف سے کلمہ پڑھا تھا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

ھلا شققت عن قلبہ (مسلم شریف)

کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا۔

یہ حقیقت ہے کہ فقیہ تلواروں کے سائے میں اسلام کی صحت کا حکم لگاتا ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ تلوار سے اس کی نیت واضح نہیں ہوئی اور نہ اس کے دل سے پردہ جہالت دور ہوا۔ اگرچہ تلوار اس شخص کی گردن پر آویزاں ہے اور ہاتھ اس کے مال تک پہنچا ہی چاہتا ہے مگر وہ صرف ایک کلمہ کہہ کر اپنی جان اور مال بچالے جاتا ہے۔ محض اس کلمہ کی بدولت جب تک اس کی زندگی ہے کوئی اس کی جان یا مال کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ فاذا قالوھا فقد عصموا منی دماءھم و اموالھم (بخاری و مسلم)

مجھے لوگوں سے قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہہ دیں۔ اگر وہ یہ کلمہ پڑھ لیں تو ان کی جانیں اور اموال مجھ سے محفوظ ہیں۔

اس حدیث میں آپ نے یہ بتلادیا ہے کہ کلمہ کا اثر صرف جان اور مال میں ہوگا لیکن آخرت میں زبانی اقوال مفید نہیں ہوں گے بلکہ وہاں دلوں کی روشنی اور اخلاص کام آئے گا اور جو چیزیں آخرت میں مفید ہوں گی وہ فنِ فقہ سے متعلق نہیں ہیں۔ اگر فقیہ یہ چیزیں بیان کرے تو ایسے ہے جیسے علم کلام اور طبّ بیان کرنے لگے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص نماز اس کی تمام شرائط کے ساتھ ادا کرے مگر تکبیر اولیٰ کے علاوہ شروع سے آخر تک پوری نماز میں غافل رہے اور کاروباری معاملات میں غور و فکر کرتا رہے تو فقیہ یہی کہے گا کہ اس کی نماز ادا ہوگئی حالانکہ آخرت میں اس نماز سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ جس طرح اسلام کے متعلق صرف زبانی کلمہ پڑھ دینے سے آخرت میں کچھ حاصل نہیں ہوگا مگر فقیہ وہاں بھی نماز کی صحت کا حکم لگاتا ہے کیونکہ مصلی نے جو کچھ کیا ہے اس سے صیغۂ امر کی تعمیل ہوجاتی ہے اور وہ قتل یا تعزیری جرمانوں سے محفوظ رہتا ہے۔ فقیہ خشوع و خضوع اور حضورِ دل کے درپے نہیں ہوتا حالانکہ وہ یہ جانتا ہے کہ خشوع و خضوع اور استحضارِ قلب سے ظاہری عمل آخرت میں مفید ہوتا ہے۔ اگر وہ اس طرح کے مسائل پر گفتگو بھی کرے گا تو اس کا تعلق فقہ سے نہیں ہوگا۔

زکوٰۃ کے باب میں بھی فقیہ کی نظر اس پہلو پر ہوتی ہے جس سے حاکم کا مطالبہ اس کے ذمہ باقی نہ رہے۔ یعنی ایسا کوئی پہلو کہ اگر زکوٰۃ دینے والا زکوٰۃ دینے سے انکار کردے اور بادشاہ زبردستی گرفتار کرلے تو اس پر یہ حکم ہو کہ وہ زکوٰۃ سے بری الذمہ ہے۔

روایت ہے کہ قاضی ابو یوسفؒ سال کے آخر میں اپنا مال اپنی بیوی کو دے دیا کرتے تھے اور اس کا مال اپنے نام ہبہ کرالیتے تھے کہ زکوٰۃ ساقط ہوجائے۔ یہ بات کسی نے امام ابو حنیفہؒ سے نقل کی۔ آپ نے فرمایا کہ ایسا کرنا فقہی طور پر تو صحیح ہے۔ یہ صرف دنیاوی حیلہ ہے مگر آخرت میں اس کا ضرر اور گناہوں کے ضرر سے بڑھ کر ہے اور اسی طرح کا علم مضر کہلاتا ہے۔

حلال اور حرام کے باب میں یہ تسلیم ہے کہ حرام سے بچنا دین کی بات ہے دنیا کی نہیں لیکن ورع (حرام سے بچنا) کے چار درجے ہیں۔ پہلے درجہ میں وہ ورع ہے جو گواہوں کی عدالت کے لیے شرط کے طور پر مطلوب ہے اگر یہ نہ ہو تو وہ شخص گواہ، قاضی یا حاکم نہیں بنایا جاسکتا۔ اس طرح کا ورع تو صرف یہ ہے کہ آدمی ظاہر کے حرام سے بچا رہے۔ دوسرے درجہ میں صالحین کا ورع ہے، یعنی ان چیزوں سے بچنا جن میں حلال و حرام دونوں کا احتمال موجود ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

دع مایریبک الی مالا یریبک (ترمذی)

اس چیز کو ترک کردو جو تمہیں شک میں ڈالے اس چیز کے بدلے جو تمہیں شک میں نہ ڈالے۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آدمی مشتبہ اور مشکوک چیز چھوڑدے اور وہ چیز اختیار کرے جس میں کوئی شک نہ ہو۔ ایک موقع پر آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

الاثم حوّاز القلوب (بیہقی)

گناہ دلوں میں کھٹکنے والا ہوتا ہے۔

تیسرے درجے میں متقین کا ورع ہے، یہ لوگ بسا اوقات حلال چیز بھی اس لیے چھوڑ دیتے ہیں کہ اس سے حرام تک پہنچنے کا خوف رہتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

لا یکون الرجل من المتقین حتی یدع مالا بأس بہ مخافۃ مما بہ بأس

(ترمذی، ابن ماجہ، حاکم)

آدمی متقی نہیں ہوتا جب تک کہ وہ چیز نہ چھوڑدے جس میں مضائقہ نہیں اس چیز کے خوف سے جس میں مضائقہ ہے۔

متقین کے ورع کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص لوگوں کے حالات محض اس خوف سے بیان نہ کرے کہ کہیں غیبت نہ ہوجائے یا

مرغوب چیزیں اس لیے نہ کھائے کہ ان کے کھانے سے اتنا زیادہ سرور نہ ہو جائے جس سے ممنوعہ چیزوں کے کھانے کی نوبت آسکتی ہے۔ چوتھے درجے میں صدیقین کا ورع ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز سے منھ پھیر لے۔ اس ڈر سے کہ کہیں کوئی لمحہ زندگی کا ایسا نہ گزر جائے جس میں خداوند تعالیٰ کی قربت زیادہ نہ ہو۔ اگرچہ اسے اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ اس میں حرام کے ارتکاب کی نوبت نہیں آئے گی۔ ورع کے ان چاروں مراتب ہیں۔ فقیہ کی نظر میں صرف گواہوں اور قاضیوں کے ورع پر ہے یا ان امور پر ہے جن سے ان کی عدالت متاثر اور مجروح ہوتی ہے۔ اس طرح کے ورع کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ اس نے کوئی ایسا فعل نہ کیا ہو جس پر آخرت میں گرفت ہو سکتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت وابصہؓ سے فرمایا۔

استفت قلبک وان افتوک وان افتوک (مسند احمد)

اپنے دل سے فتویٰ لو اگرچہ وہ تمہیں فتویٰ دیں اگرچہ وہ تمہیں فتویٰ دیں اگرچہ وہ تمہیں فتویٰ دیں۔

اس پوری گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ فقیہ کی نظر اس دنیا پر رہتی ہے جس میں راہ آخرت کی فلاح و کامیابی ہے۔ اگر وہ کبھی دل کے حالات یا آخرت کے معاملات سے متعلق کچھ کہتا بھی ہے تو محض کسی اور وجہ سے جیسا کہ کبھی فقہ کی کتابوں میں طب، حساب یا کلام کی مباحث آجائیں یا نحو اور شاعری میں حکیمانہ مباحث مل جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سفیان ثوریؒ جو ظاہری علوم کے امام ہیں فرمایا کرتے تھے کہ اس علم (علم فقہ) کا حصول زادِ آخرت نہیں ہے۔ موصوف کی یہ رائے حقیقت پر مبنی ہے اس لیے کہ تمام علماء کی ایک ہی رائے ہے کہ علم کی فضیلت تو یہ ہے کہ اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ اس شخص کی حماقت میں کیا شبہ ہے جو اس علم کو جس میں ظہار، لعان، بیع سلم، اجارہ اور بیع صرف کے مسائل بھی ہیں۔ یہ سمجھ کر سیکھے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی قربت نصیب ہوگی۔ طاعات کے باب میں عمل دل اور اعضاء دونوں سے ہوتا ہے چنانچہ شرف اسی عمل کو حاصل ہے۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ آپ نے طب اور فقہ کو برابر کیسے قرار دیدیا، یہ تسلیم کہ طب ذریعۂ صحت ہونے کی بناء پر دنیا سے بھی متعلق ہے اس پر دین کی درستی کا بھی مدار ہے مگر مسلمانوں کا اجماع اس پر ہے کہ یہ دونوں علم برابر نہیں ہو سکتے؟ اس کے جواب میں ہم یہ عرض کریں گے کہ ان میں برابری ضروری نہیں ہے بلکہ دونوں میں کچھ فرق ہے۔ فقہ حسب ذیل تین وجوہات کی بناء پر طب سے افضل ہے۔

(۱) پہلی وجہ تو یہ ہے کہ فقہ علمِ شرعی ہے، یعنی نبوت سے ماخوذ ہے جبکہ طب شرعی علم نہیں ہے۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ راہِ آخرت کے مسافروں میں سے کوئی اللہ کا بندہ ایسا نہیں ہے جسے فقہ کی ضرورت نہ ہو، اس کی ضرورت بیمار اور صحت مند دونوں کو رہتی ہے جبکہ طب کی ضرورت صرف بیماروں کو ہوتی ہے۔ صحت مندوں کے مقابلے میں بیمار کم ہی ہوتے ہیں۔

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ علمِ فقہ علمِ آخرت (باطن کے علم) سے وابستگی رکھتا ہے کیونکہ فقہ کا مقصد یہ ہے کہ اعضاء کے اعمال کی نگرانی کی جائے اور اعضاء کے اعمال کا مدار دل کی صفات و عادات پر ہے۔ اچھے اعمال اچھی عادات سے جنم لیتے ہیں اور برے اعمال بری عادات سے۔ ثابت ہوا کہ اعضاء اور دل میں گہرا رشتہ ہے۔ جہاں تک صحت اور مرض کا تعلق ہے ان کا مطمحِ نظر، مزاج اور خلطوں (خون، بلغم، سودا، صفرا) کی صفات ہیں جن کا تعلق بدن سے ہے نہ کہ دل سے۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ اگر فقہ کا موازنہ طب سے کیا جائے تو فقہ افضل ہے اور علمِ طریقِ آخرت سے کیا جائے تو ثانی الذکر افضل ہے۔

علمِ طریقِ آخرت کی تفصیل

واضح ہو کہ علمِ طریقِ آخرت کی دو قسمیں ہیں۔ علمِ مکاشفہ اور علمِ معاملہ۔

علمِ مکاشفہ : اس علم کا نام علمِ باطن بھی ہے۔ یہ علم دوسرے علوم کی غایت اور منتہا ہے۔ بعض عارفین نے لکھا ہے کہ ہمیں اس شخص کے سوءِ خاتمہ کا اندیشہ ہے جو اس علم سے بہرہ ور نہیں ہوا یا اس کا کوئی حصہ اسے نہیں ملا۔ اس علم کا کم سے کم حصہ یہ ہے کہ اس کی صداقت و حقانیت کا اعتراف کیا جائے اور یہ تسلیم کیا جائے کہ جو لوگ اس کے اہل ہیں انہیں یہ علم حاصل ہے۔ ایک اور صاحبِ علم کا قول ہے کہ مبتدع اور متکبر کو یہ علم حاصل نہ ہوگا چاہے اسے دوسرے تمام علوم میں ید طولیٰ حاصل ہو جائے۔ سب سے ہلکا عذاب اس شخص کے لیے یہی ہے کہ اسے اس علم میں کچھ نہیں ملتا حالانکہ یہ علم صدیقین اور مقربین کا علم ہے۔ شعر ہے۔

وارض لمن غاب عنک غیبۃ　　　فذاک ذنب عقابہ فیہ

(ترجمہ) اس سے خوش رہ جو تیرے پاس سے غائب رہا اس لیے کہ یہ غائب رہنا گناہ ہے اور عذاب بھی اسی میں ہے۔ علمِ مکاشفہ ایک نور کا نام ہے۔ جب دل برائیوں سے پاک و صاف ہوتا ہے تو یہ نور ظاہر ہوتا ہے اس نور سے آدمی پر ایسی بہت سی باتیں منکشف ہوتی ہیں جن کا وہ پہلے نام سنا کرتا تھا یا ان کے کچھ مجمل اور غیر واضح معنی وضع کر لیا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ اسے خدائے پاک کی ذات، اس کی دائمی صفاتِ کمال، اس کے افعال، دنیا اور آخرت کی وجۂ تخلیق، آخرت کو دنیا پر موقوف کرنے کی حکمت، نبوّت اور نبی کے معنی، وحی، ملائکہ اور شیاطین کی حقیقت، انسان سے شیطانی قوتوں کی دشمنی کی کیفیت، انبیاء کے سامنے فرشتوں کی آمد اور نزولِ وحی کی کیفیت، آسمانوں اور زمین کے ملکوت کی حالت، دل اور اس میں فرشتوں اور شیطانوں کی جنگ کی کیفیت فرشتے کے الہام و القاء اور شیطان کے وسوسوں کا فرق، آخرت، جنت، دوزخ، عذابِ قبر، پل صراط، میزان حساب اور دوسرے بے شمار امور کی صحیح معرفت اسی نور سے حاصل ہوتی ہے۔ اسی نور کی روشنی میں وہ ان دو آیات کے معنی سمجھتا ہے۔

(۱) اِقْرَأْ كِتَابَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا (پ ۱۵، ر ۲، آیت ۱۴)

اپنا نامۂ اعمال (خود) پڑھ لے، آج تو خود اپنا آپ ہی محاسب کافی ہے۔

(۲) وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (پ ۲۱، ر ۳، آیت ۴۴)

اور اصل زندگی عالم آخرت ہے، اگر ان کو اس کا علم ہوتا تو ایسا نہ کرتے۔

خدائے پاک کی لقاء اور اس کی ذات کریم کو دیکھنے کے معنی، اس کی قربت، اس کے پڑوس میں رہنے، ملاء اعلیٰ اور ملائکہ کی قربت کا شرف حاصل ہونے کا مفہوم بھی اسی نور سے منکشف ہوگا۔ جنّت میں رہنے والوں کے درجات میں اس قدر فرق ہوگا کہ وہ ایک دوسرے کو اس طرح دیکھیں گے جیسے ہم آسمان میں چمکتے ستارے دیکھتے ہیں۔ اس فرق کے معنی کیا ہیں؟ اس سوال کا جواب بھی اسی نور کی روشنی میں ملے گا اور ان جیسے لاتعداد مسائل ایسے ہیں جن کی لوگ تصدیق کرتے ہیں ان پر ایمان لاتے ہیں لیکن ان کی حقیقت کے بیان میں اختلافِ رائے رکھتے ہیں۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ سب مثالیں ہیں۔ اللہ نے اپنے نیک بندوں کے لیے جو چیزیں تیار کی ہیں وہ ایسی ہیں کہ نہ انہیں کسی آنکھ نے دیکھا ہے، نہ کانوں نے سنا ہے اور نہ کسی کے دل میں ان کا تصور ہی پیدا ہوا ہے۔ یہ صرف نام ہیں یا اوصاف جو مخلوق کو سمجھانے کے لیے بیان کیے گئے ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ان میں سے بعض چیزیں تو مثالیں ہیں اور بعض چیزیں حقیقت میں بھی وہی ہیں جو اپنے ناموں سے سمجھ آتی ہیں۔ بعض علماء کے خیال میں خدا کی معرفت کا منتہا یہ ہے کہ آدمی اس کی معرفت سے اپنے آپ کو عاجز سمجھے۔ بعض حضرات اللہ تعالیٰ کی معرفت کے متعلق کچھ بڑھا چڑھا کر حقائق پیش کرتے ہیں۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کی انتہا وہ ہے جس کا عام لوگ اعتقاد رکھیں۔ یعنی یہ اعتقاد کہ اللہ موجود ہے، جاننے والا، قدرت والا، سننے والا، دیکھنے والا اور کلام کرنے والا ہے۔ بس یہی اعتقاد خدا کی معرفت ہے۔ علمِ مکاشفہ سے ہم وہی علم مراد لے رہے ہیں جس کی مدد سے یہ امور منکشف ہو جائیں اور حق واضح ہو جائے۔ اتنا واضح ہو جائے گویا

آنکھوں سے مشاہدہ کیا جارہا ہو' شک و شبہ کی کوئی گنجائش ہی باقی نہ رہے۔ انسان کے جوہر میں ایسا ہونا ممکن ہے لیکن یہ اسی وقت ہے جب کہ اس کے آئینۂ خانۂ دل پر دنیاوی آلائشوں کے زنگ کی تہیں نہ جمی ہوئی ہوں۔

علم طریق آخرت سے ہم یہی مراد لیتے ہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ آئینۂ دل سے ان آلائشوں کا زنگ اس طرح صیقل کیا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات' صفات اور افعال کی معرفت کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ دل کا آئینہ اسی وقت صاف شفاف ہو سکتا ہے جب انسان شہوتوں سے باز رہے اور ہر معاملے میں انبیاء علیہم السلام کی اتباع کرے۔ اس تدبیر سے جس قدر اس کا دل روشن اور صاف ہو تا جائے گا اسی اعتبار سے امر حق اس پر واضح ہو تا رہے گا اور حقائق روشن ہوتے رہیں گے مگر اس عمل کے لیے بھی ریاضت اور تعلیم ضروری ہے۔ اس ریاضت کی تفصیل ہم کسی اور موقع پر بیان کریں گے۔ یہ وہ علم ہے جو کتابوں میں نہیں لکھا جاتا۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ اس علم کا کچھ حصہ عطا کر دیتا ہے وہ اس کا ذکر دوسروں سے نہیں کرتا البتہ ان سے ضرور کر دیتا ہے جو اس کے اہل ہوں۔ وہ اس کے شریک راز ہوتے ہیں۔ یہ وہی علم باطن ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کی مراد ہے۔

ان من العلم كهيئة المكنون لا يعلمه الا اهل المعرفة بالله تعالىٰ' فاذا نطقوا به لم يجهله الا اهل الاغترار بالله تعالىٰ' فلا تحقروا عالماً آتاه الله تعالىٰ علماً منه فان الله عز و جل لم يحقره اذا آتاه اياه (ابو عبدالرحمٰن سلمیؒ فی الاربعین)

بعض علوم ہیئت مکنون کی طرح ہیں۔ جنہیں صرف وہ لوگ جانتے ہیں جو اللہ کی معرفت رکھتے ہیں' جب وہ ان علوم کا اظہار کرتے ہیں تو صرف وہی لوگ نہیں سمجھ پاتے جو اللہ تعالیٰ کی نسبت مغالطے میں مبتلا ہیں۔ جس عالم کو اللہ تعالیٰ نے اس کا علم دیا ہو اس کو حقیر مت سمجھو' اس لیے کہ اللہ نے بھی اس کو حقیر نہیں سمجھا کیونکہ اس کو وہ علم عطا فرمایا ہے۔

علم معاملہ : علم معاملہ دل کے احوال اور کیفیات کا علم ہے۔ ان احوال و کیفیات میں کچھ پسندیدہ ہوتے ہیں جیسے صبر' شکر' خوف' رجاء' رضاء' زہد' تقویٰ' توکل' سخاوت' اللہ تعالیٰ کے احسانات کی معرفت' حسن معاملہ' خدائے تعالیٰ کے بارے میں حسن ظن' خوش خلقی' حسن معاشرت' صدق' اخلاص وغیرہ۔ ان احوال و کیفیات کے حقائق و اوصاف' اسباب و علامات' نتائج و ثمرات کا جاننا اور ان کیفیات میں سے جو کیفیت کمزور پڑ گئی اسے تقویت دینے' یا جو ختم ہو گئی ہو اسے واپس لانے کے طریقوں کا جاننا بھی علم آخرت ہے۔ دل کی بعض کیفیات و احوال ناپسندیدہ ہوتے ہیں جیسے مفلسی کا خوف' تقدیر سے ناراضگی' کینہ پروری' حسد' نفاق' حب جاہ' دنیا میں عیش کرنے کے لیے زیادہ طویل زندگی کی خواہش' تکبر' ریاکاری' غصہ' شیخی' دشمنی' بغض' لالچ' بخل' حرص' امراء کی تعظیم' فقراء کی توہین' فخر' مفاخرت' حق بات سے انکار' لایعنی چیزوں میں اشتغال' زیادہ بولنے کی خواہش' لوگوں کا قطع کلام کرنا' دنیا کے لیے زیب و زینت اختیار کرنا' دین میں سستی کرنا' اپنے نفس کو بڑا سمجھنا' اپنی برائیوں سے قطع نظر کر کے لوگوں کی عیب جوئی کرنا' دل کا فکر' آخرت اور خوف الٰہی سے خالی ہونا' ذرا سی رسوائی پر شدید انتقام لینا' حق کے لیے انتقام میں کمزوری دکھانا' باطن کی دشمنی کے لیے ظاہر کے دوست بنانا' جو کچھ اللہ نے عطا کیا ہے اس کے چھننے کے سلسلے میں عذاب خداوندی سے غافل ہونا' اپنی اطاعت پر بھروسہ کرنا' مکر' فریب' خیانت' زیادہ جینے کی توقع' شقاوت قلبی' سخت کلامی' دنیا کی زندگی سے خوشی' اس کی جدائی سے ملال' مخلوق سے محبت' ان کی جدائی سے وحشت' ظلم' عجلت پسندی' شرم و حیا کی کمی' رحم کا فقدان اور اسی طرح کی دوسری عادتیں۔ یہ سب دل کی صفات ہیں۔ باقی سب برائیاں' منکرات اور فواحش انہی سے جنم لیتے ہیں۔ ان کیفیات و صفات کے حقائق' اسباب' نتائج اور طریقہ ہائے علاج کا معلوم کرنا بھی علم آخرت ہے اور یہ علمائے آخرت کے مطابق فرض عین ہے جو شخص اس علم سے روگردانی کرے گا۔ قیامت میں بادشاہ حقیقی کے قہر سے ہلاک ہوگا۔ جس طرح ظاہری اعمال سے روگردانی کرنے والے لوگ

فقہائے دنیا کے فتووں کے مطابق بادشاہانِ دنیا کی تلوار سے ہلاک ہوتے ہیں۔

فقہائے دنیا اور علمائے آخرت : اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ فرضِ عین علوم میں فقہائے دنیا کی نظر دنیا کی بہتری پر ہوتی ہے اور علمائے آخرت کی نظر آخرت کی بہتری پر۔ چنانچہ اگر کسی فقیہ سے توکل یا اخلاص کے متعلق پوچھا جائے یا سوال کیا جائے کہ ریا سے بچنے کی کیا صورت ہے؟ تو وہ اس سوال کے جواب میں خاموشی اختیار کرے گا حالانکہ یہ جاننا اس پر بھی فرضِ عین ہے۔ اگر اس کا علم حاصل نہ کرے گا تو آخرت میں ہلاک ہوگا لیکن اگر اس فقیہ سے لعان' ظہار' گھڑدوڑ' تیراندازی وغیرہ کے مسائل دریافت کئے جائیں تو ایسی ایسی باریکیاں پیدا کرے گا کہ صدیوں تک ان میں سے کسی کی ضرورت پیش نہ آئے اور اگر پیش بھی آئے تو دنیا ان کے جاننے والوں سے خالی نہ ہو' فقیہ بلاوجہ ان فروعی مسائل میں رات دن الجھا ہوا ہے اور مشقت اٹھا رہا ہے اور جو علم اس کے لیے ضروری ہے اس سے غافل ہے۔ اگر کوئی بطور اعتراض کچھ کہتا بھی ہے تو اس کا جواب ہوتا ہے کہ میں اس علم میں اس لیے مشغول ہوں کہ یہ علمِ دین ہے اور فرضِ کفایہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ خود بھی اس کے دھوکے میں آکر فقہ سیکھتا ہے اور دوسروں کو بھی دھوکا دیتا ہے۔

ہر عقلمند شخص سمجھتا ہے کہ اگر اس کی نیت یہی ہوتی کہ فرضِ کفایہ سیکھ کر حقِ امر ادا کر رہا ہے تو اسے فرضِ عین کو فرضِ کفایہ پر ترجیح دینی چاہیے تھی بلکہ فرضِ کفایہ صرف فقہ ہی نہیں ہے اور علوم بھی ہیں مثلاً بعض شہر ایسے ہیں جہاں ذمّی کفار طبیب ہیں جو فقہی احکام اطباء سے متعلق ہیں ان میں کفار کی شہادت قبول نہیں کی جاتی مگر وہ اس کے باوجود طب نہیں سیکھتا بلکہ کوشش کرتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ اختلافی اور نزاعی مسائل سیکھے۔ حالانکہ شہر اس طرح کے فتوے لکھنے والوں سے بھرے پڑے ہیں۔ آخر اس کا کیا سبب ہے کہ جس فرضِ کفایہ علم کے جاننے والے کثرت سے ہیں اس پر سب ٹوٹے پڑ رہے ہیں اور جس فرضِ کفایہ علم کے جاننے والے کم اور بہت کم ہیں اس کی طرف کسی کی توجہ نہیں ہے؟ ہمارے خیال سے تو صرف ایک ہی سبب ہے کہ طب پڑھنے کے بعد اوقاف اور وصایا کی تولیت' یتیموں کے مال کی نگرانی' عہدۂ قضا' سرکاری اثر و رسوخ' ہمسروں پر برتری اور دشمنوں پر غلبہ حاصل نہیں ہوتا۔ افسوس صد افسوس ! علمائے سوء کی غلطیوں سے دین مٹ گیا' ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ایسی غلطیوں سے بچائے جس میں اس کی خفگی اور شیطان کی ہنسی ہو۔

علمائے ظاہر کا اعتراف : علمائے ظاہر میں سے جو لوگ اہل ورع تھے وہ علمائے باطن اور اربابِ قلوب کی فضیلتوں کا اعتراف کیا کرتے تھے۔ روایت ہے کہ حضرت امام شافعیؒ شیبان چرواہے کے سامنے اس طرح بیٹھتے تھے جس طرح اپنے استاذ کے سامنے کوئی طفلِ مکتب بیٹھتا ہے اور ان سے پوچھتے کہ فلاں فلاں معاملے میں ہم کیا کریں؟ لوگ امام شافعیؒ سے کہتے کہ آپ جیسا شخص اس جنگلی سے پوچھتا ہے ! آپ فرماتے کہ جو کچھ تم نے نہیں سیکھا وہ اس نے سیکھا ہے۔ امام احمد ابن حنبلؒ اور یحییٰ ابن معینؒ حضرت معروف کرخیؒ کے پاس آیا جایا کرتے تھے اور پوچھا کرتے تھے کہ ہم کیا کریں' کیسے کریں؟ حالانکہ علمِ ظاہر میں ان کا دونوں سے کوئی مقابلہ نہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہؓ نے عرض کیا۔

كيف نفعل اذ جاءنا امر لم نجده في كتاب ولا سنة فقال صلى الله عليه وسلم سلوا الصالحين' واجعلوه شورى بينهم (طبرانی)

یا رسول اللہ ! اگر کوئی ایسا معاملہ پیش آئے جس کا حل کتاب و سنت میں نہ ہو تو ہم کیا کریں؟ آپؐ نے فرمایا : صالحین سے معلوم کرو اور اس معاملہ کو ان کے مشورہ پر موقوف کردو۔

اسی لیے کہا گیا ہے کہ علمائے ظاہر زمین اور ملک کی زینت ہیں اور علمائے باطن آسمان اور ملکوت کی۔ حضرت جنید بغدادیؒ

فرماتے ہیں کہ مجھ سے ایک روز میرے مرشد حضرت سریؒ نے پوچھا کہ میرے پاس سے اٹھ کر تم کس کی مجلس میں بیٹھتے ہو؟ میں نے عرض کیا ! محاسبیؒ کی مجلس میں۔ فرمایا، بہت خوب ! ان کا علم اور ادب حاصل کرنا، علمِ کلام اور متکلمین کا جو ردوہ کرتے ہیں اسے مت سیکھنا۔ جب میں واپس جانے لگا، فرمایا ! اللہ تجھے صاحب حدیث صوفی بنائے۔ صوفی صاحب حدیث نہ بنائے۔ اس دعا میں اس حقیقت کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ جو شخص علم حاصل کرکے صوفی بنتا ہے وہ فلاح پاتا ہے اور جو علم سے پہلے صوفی بنتا ہے اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالتا ہے۔

علمِ کلام اور فلسفہ کو علوم کی اقسام میں ذکر نہ کرنے کی حکمت : اب اگر یہ کہا جائے کہ آپ نے علوم کی قسموں میں کلام اور فلسفہ کا ذکر نہیں کیا اور نہ یہ بتلایا کہ وہ اچھے علوم میں شامل ہیں یا برے علوم میں، اس کی کیا وجہ ہے؟ اس سلسلے میں عرض ہے کہ علمِ کلام میں جتنے بھی مفید دلائل ہیں وہ سب قرآن و حدیث میں موجود ہیں۔ جن دلائل کا مأخذ قرآن و حدیث نہیں ہے وہ یا تو مبتدعانہ اور فاسد خیالات ہیں یا مختلف فرقوں کی نزاعی بحثیں ہیں۔ یہ سب لایعنی اور لغو باتیں ایسی ہیں جن کا قرنِ اول یا دورِ صحابہ میں کوئی وجود نہیں تھا۔ اگرچہ اس دور میں اس طرح کے مسائل کی طرف توجہ دینا بھی بدعت سمجھا جاتا تھا لیکن اب وقت کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ یہ حکم بھی بدل گیا ہے۔ اس طرح کی بدعتیں بکثرت پھیل گئی ہیں جو قرآن و سنت کے تقاضوں سے میل نہیں کھاتیں اور ایسے لوگ پیدا ہوگئے ہیں جو ان بدعات کی اشاعت میں پیش پیش ہیں۔ اس لیے اب اس طرح کے علوم سیکھنے کی نہ صرف یہ کہ اجازت ہے بلکہ ان کا سیکھنا فرضِ کفایہ بھی ہے۔ مگر اتنا ہی سیکھنا ضروری جس سے کسی ایسے بدعتی کا مقابلہ کیا جاسکے جو اپنی بدعات کی طرف مائل کرنے کی کوشش میں مصروف ہو اس کی متعینہ حدود شرائط کی تفصیل ہم کتاب العلم کے تیسرے باب میں بیان کریں گے۔

جہاں تک فلسفہ کا تعلق ہے وہ مستقل کوئی علم نہیں ہے اس کی چار شاخیں ہیں۔ ایک حساب اور اقلیدس۔ ان کے بارے میں ہم بیان کرچکے ہیں کہ یہ دونوں علم جائز ہیں تاہم ان لوگوں کو جن کے بہکنے کا خوف ہو، ان علوم کی تحصیل سے روکا جائے گا۔ ہم نے دیکھا ہے کہ بہت سے لوگ ان فنون میں مہارت حاصل کرلینے کے بعد بدعت کی طرف مائل ہوجاتے ہیں۔ ضعیفُ الاعتقاد لوگوں کو ان سے دور رکھنا ضروری ہے جیسے چھوٹے بچوں کو گر کر ڈوبنے کے خوف سے نہر کے کنارے پر کھڑا نہیں ہونے دیا جاتا یا نو مسلم کو اس خیال سے کفّار کے ساتھ میل جول رکھنے سے روکا جاتا ہے کہ کہیں ان کی صحبت اثر نہ کرجائے۔ جو لوگ پختہ عقیدہ رکھتے ہوں ان کے لیے کوئی حرج نہیں ہے۔ فلسفہ کی دوسری شاخ منطق ہے۔ منطق میں دلیل اور حد کی تعریف اور شرائط سے بحث کی جاتی ہے۔ یہ دونوں چیزیں بھی علمِ کلام میں مل جاتی ہیں۔ الٰہیات فلسفہ کی تیسری شاخ ہے۔ الٰہیات کا موضوع خدائے پاک کی ذات و صفات ہیں۔ یہ بھی علمِ کلام ہی کا حصہ ہیں۔ فلاسفہ نے اس سلسلہ میں کوئی نیا علم ایجاد نہیں کیا بلکہ ان کے خیالات متکلمین کے خیالات سے جداگانہ ہیں۔ ان میں سے بعض خیالات کفر ہیں۔ بعض بدعتیں ۔ جس طرح اعتزال ایک الگ علم نہیں بلکہ متکلمین ہی میں سے کچھ لوگوں نے اپنے باطل مذاہب الگ کرلیے ہیں۔ اسی پر فلاسفہ کو قیاس کرلیجئے۔ فلسفہ کی چوتھی شاخ طبیعیات ہے۔ طبیعیات کے بعض مباحث تو شریعت اور دینِ حق سے ٹکراتے ہیں۔ اس لیے ان پر علم کا اطلاق ہی صحیح نہیں ہے بلکہ انہیں جہل کہنا زیادہ بہتر ہے۔ بعض مباحث میں اجسام کی صفات و خواص اور ان کے تغیرات موضوع بنتے ہیں۔ یہ مباحث طب سے مشابہت رکھتے ہیں ! فرق یہ ہے کہ طبیب کی نظر انسانی بدن کی صحت یا مرض پر ہوتی ہے اور طبیعیات والوں کی نظر انسانی جسم کے تغیّر و حرکت پر۔ مگر طب کو طبیعیات پر فضیلت حاصل ہے۔ اس لیے کہ طب کی ضرورت ہے اور طبیعیات کی ضرورت نہیں ہے۔

علمِ کلام کی حیثیت : اس پوری گفتگو کا خلاصہ یہ نکلا کہ علمِ کلام ان علوم میں سے ہے جن کا سیکھنا فرضِ کفایہ ہے۔ تاکہ عوام

کے قلوب مبتدعانہ عقائد خیالات سے محفوظ رہیں۔ علمِ کلام بدعتوں کے پیدا ہونے کی وجہ سے واجب ہوا۔ جس طرح حج کے راستے میں بدوؤں کے مظالم اور رہزنی کے واقعات کی بناء پر کسی رہنما کی رہنمائی ضروری ہوئی۔ عرب بدو اگر اپنی ان حرکتوں سے باز آجائیں تو یہ ضرورت ختم ہوجاتی ہے۔ اسی طرح اگر بدعتی بھی اپنی یاوہ گوئی ترک کردیں تو پھر علمِ کلام کی بھی صرف اسی قدر ضرورت رہے جتنی دورِ صحابہ میں تھی۔ جو لوگ علمِ کلام کی تعلیم و تعلم میں مشغول ہوں انہیں اس علم کی حدود ضرور جان لینی چاہئیں۔ متکلم کا درجہ دین میں ایسا ہے جیسے حج کے راستے میں محافظ کی حیثیت' چنانچہ اگر محافظ صرف حاجیوں کی حفاظت کرے اور کچھ نہ کرے تو اسے حاجی نہیں کہا جائے گا بلکہ حاجی صرف اسے کہیں گے جو حج کے اعمال ادا کرے۔ اسی طرح اگر متکلم بھی محض مبتدعین کے ساتھ مناظروں میں مشغول رہے گا اور طریقِ آخرت طے نہ کرے گا یا اپنے دل کی اصلاح میں مشغول نہ ہوگا تو اسے دین کے عالموں میں شمار نہیں کیا جائے گا۔ اس کے پاس صرف اس عقیدے کے سوا جس میں سب لوگ شریک ہیں اور کیا ہے۔ محض عقیدہ تو کافی نہیں ہے۔ اس کا تعلق تو اعمالِ ظاہری' دل اور زبان تینوں سے ہے۔ تاہم متکلم اس لحاظ سے عوام سے ممتاز ہے کہ وہ اہلِ بدعت کے خلاف مقابلہ آراء ہے' عوام کا محافظ ہے لیکن خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کی معرفت یا ان امور کا علم جن کا ذکر ہم نے علمِ مکاشفہ میں کیا ہے علمِ کلام سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ کیا عجب ہے کہ یہ علم ان کے لیے حجاب اور رکاوٹ ہو۔ ان امور کا ادراک مجاہدہ سے ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کا مقدمہ قرار دیا ہے۔ ارشاد فرمایا۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ (پ ۲۱' ر ۲' آیت ۶۹)

اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستے ضرور دکھائیں گے اور بے شک اللہ خلوص والوں کے ساتھ ہے۔

صحابہ کی فضیلت کا معیار: ہم نے متکلم کی تعریف یہ کی ہے کہ جس طرح محافظ حاجیوں کا مال و متاع عرب بدوؤں کی دستبرد سے محفوظ رکھتا ہے اسی طرح متکلم بدعتیوں کے فاسد اور الجھے ہوئے خیال سے عوام کے عقیدوں کی حفاظت کرتا ہے اور فقہ کی یہ تعریف بیان کی ہے کہ وہ اس قانون کا محافظ ہوتا ہے جس کے ذریعہ حاکمِ وقت مخلوق پر کنٹرول کرسکے۔ ہم نے لکھا ہے کہ علمِ دین کی بہ نسبت یہ دونوں علوم کچھ زیادہ اعلیٰ و ارفع نہیں ہیں۔ یقیناً یہ کہا جاسکتا ہے کہ جتنے بھی علماء مشہور و معروف ہیں وہ متکلم ہیں یا فقیہ ہیں۔ آپ ان کا درجہ کیسے گھٹا سکتے ہیں؟ ہمارے پاس اس کا مدلل جواب ہے لیکن پہلے ایک تمہید سن لیجئے۔

اصل بات یہ ہے کہ حق کے لیے لوگ معیار نہیں ہیں۔ یعنی یہ بات معیار نہیں بن سکتی کیونکہ فلاں شخص اس درجے کا ہے تو وہ علم بھی اسی درجہ کا ہوگا جسے وہ اختیار کئے ہوئے ہے۔ پہلے ہمیں حق کو سمجھنا چاہیے۔ اس کے بعد اس معیار پر لوگوں کو پرکھنا چاہیے بشرطیکہ ہم راہِ حق پر چلنا پسند کرتے ہوں اور اگر محض تقلید ہمارا شیوہ ہے تو سب سے پہلے صحابہ کرام کے حالات اور ان کے مراتب کی بلندی پر نظر رکھنی ضروری ہے۔ جتنے بھی اہلِ علم آپ کی رائے میں بلند درجات پر فائز ہیں ان سب کی متفقہ رائے یہ ہے کہ صحابہ کرام کا درجہ سب سے بڑا ہے۔ نہ ان کی راہ کا کوئی مسافر ہوسکتا ہے اور نہ ان کی گرد کو پہنچ سکتا ہے۔ ان کی یہ فضیلت علمِ کلام اور علمِ فقہ سے نہیں تھی بلکہ علمِ آخرت سے تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کو دوسرے تمام صحابہ پر فضیلت محض اس لیے حاصل نہیں تھی کہ وہ زیادہ روزے رکھتے تھے' بکثرت نماز پڑھتے تھے یا روایات زیادہ بیان کیا کرتے تھے' نہ اس لیے تھی کہ وہ فنِ فتویٰ اور علمِ کلام میں ماہر تھے بلکہ یہ فضیلت ان علوم کی وجہ سے تھی جو ان کے سینے میں پوشیدہ تھے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی شہادت دی۔ (ترمذی میں ابوبکر بن عبداللہ المزنی کی روایت)

ہمیں چاہیے کہ ہم اسی راز کی تلاش و جستجو کریں جو جوہرِ نفیس' یا دُرِّ مکنون ہے اور جس کی فضیلت پر بعض اسباب کی بناء پر اکثر

لوگ متفق نظر آتے ہیں۔ اس کی بات جانے دیں۔ اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد ہزاروں صحابہ چھوڑے جو عالم باللہ تھے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف و توصیف فرمائی۔ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو فنِ کلام میں ماہر ہو۔ دس بارہ صحابہ کرام کے علاوہ کسی بھی صحابیؓ نے اپنے آپ کو مفتی نہیں بنایا۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ بھی کبار صحابہ میں سے تھے۔ جب ان سے کوئی فتویٰ معلوم کرتا تو یہ فرماتے کہ فلاں والی یا حاکم کے پاس جاؤ جس نے لوگوں کے معاملات اپنے ذمے لے رکھے ہیں اور اپنے اس سوال کو بھی اسی کی گردن میں ڈال دو۔ حضرت ابن عمرؓ کے اس قول میں یہ اشارہ ہے کہ احکام و مسائل میں فتویٰ دینا حکومت و سلطنت کے تابع ہے۔ جب حضرت عمرؓ کا انتقال ہوا تو حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے فرمایا : آج علم کے دس حصوں میں سے نو حصے رخصت ہوگئے۔ لوگوں نے عرض کیا ! آپ یہ بات کیسے کہہ سکتے ہیں۔ ابھی تو بڑے بڑے صحابہ حیات ہیں۔ ابن مسعودؓ نے فرمایا۔ میری مراد علمُ الفتویٰ یا علمُ الاحکام نہیں بلکہ علمِ باری تعالیٰ ہے۔ بھلا بتایئے ! کیا ابن مسعودؓ کی مراد علمِ کلام سے تھی؟ ہرگز نہیں ! پھر تم لوگوں کو کیا ہوگیا کہ اس علم کے حاصل کرنے کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ جس کے نو حصے حضرت عمرؓ کے ساتھ رخصت ہوگئے تھے۔ پھر یہ بھی تو دیکھئے کہ حضرت عمرؓ وہ تھے جنہوں نے دین میں بحث و مباحثہ کی راہ مسدود کردی تھی۔ چنانچہ جب ضبیع نے آپ سے ایسی دو قرآنی آیتوں کے بارے میں سوال کیا جو ایک دوسرے کے مخالف تھیں تو آپؓ نے اس کے کوڑے لگوائے۔ اس سے ملنا ترک کردیا اور لوگوں کو بھی ملنے سے منع کردیا۔

کیا شہرت فضیلت کا معیار ہے ؟ : آپ کا یہ کہنا بھی محل نظر ہے کہ مشہور علماء فقہاء اور متکلمین کی بڑی تعداد ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ جس چیز سے اللہ تعالیٰ کے یہاں فضیلت حاصل ہوتی ہے وہ الگ چیز ہے اور جس چیز سے دنیا کے لوگوں میں شہرت ہوتی ہے وہ اور چیز ہے۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ کی شہرت تو خلافت کی وجہ سے تھی اور فضیلت اس علم کی وجہ سے جو ان کے دل میں محفوظ تھا۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کی شہرت کا سبب سیاست تھی اور فضیلت اس علم کی وجہ سے تھی جس کے دس میں سے نو حصے آپ کے ساتھ ہی دنیا سے رخصت ہوگئے تھے اور اپنی رعایا پر شفقت اور ان کے ساتھ عدل و انصاف میں تقربِ الٰہی حاصل کرنے کی نیت کی وجہ سے تھی۔ یہ ایک مخفی امر تھا ورنہ آپ کے ظاہری اعمال ایسے تھے کہ وہ لوگ بھی یہ عمل کرسکتے تھے جو طالب دنیا ہوں۔ غرض یہ ہے کہ شہرت ایسے امر میں ہوتی ہے جو مہلک ہو اور فضیلت ایسے امر میں ہوتی ہے جو لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو۔ اس کا تعلق بس دل سے ہے۔

فقہاء اور متکلمین حکام اور قضاۃ کی طرح ہیں۔ ان میں بھی کئی طرح کے لوگ ہیں۔ بعض لوگ اپنے علم اور فتاویٰ سے اللہ کا تقرب تلاش کرتے ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی حفاظت کرنا چاہتے ہیں۔ نام و نمود اور شہرت ان کی منزل نہیں ہے۔ ایسے لوگوں سے اللہ تعالیٰ راضی ہیں اور انہیں اس لیے آخرت کی فضیلت حاصل ہے کہ انہوں نے اپنے علم اور فتووں میں اللہ تعالیٰ کی قربت تلاش کی ہے اور اپنے علم کے بموجب عمل کیا ہے۔ علم صرف علم ہی نہیں ہے بلکہ عمل بھی ہے۔ جس طرح فقہاء اور اہلِ کلام اپنے علم سے خدا تعالیٰ کا تقرب حاصل کرسکتے ہیں اسی طرح اطباء بھی یہ تقرب حاصل کرسکتے ہیں۔ اگر وہ اپنے علم سے اللہ کے لیے کام کریں۔ اسی طرح اگر بادشاہ اپنی مخلوق کے معاملات صرف اللہ کے لیے دیکھے تو اسے بھی وہی اجر حاصل ہوسکتا ہے۔ اس لیے نہیں کہ وہ علمِ دین کا ذمہ دار ہے بلکہ اس لیے کہ اس نے وہ کام اپنے ذمہ لیے ہیں۔ جن میں وہ خدا تعالیٰ کی قربت کی نیت رکھتا ہے۔

تقربِ الٰہی کے ذرائع : جن ذرائع سے اللہ کی قربت مل سکتی ہے وہ تین ہیں (۱) ایک صرف علم۔ اس علم کو علمِ مکاشفہ کہا جاتا ہے۔ (۲) صرف عمل۔ جیسے بادشاہوں کا عدل کرنا اور لوگوں کا نظم و نسق قائم رکھنا۔ (۳) علم اور عمل۔ یہ طریق

آخرت کا علم ہے۔ اس علم کا حامل عالم بھی ہوتا ہے اور عامل بھی۔ اب خود فیصلہ کرلو کہ قیامت کے روز خدا تعالیٰ کے عالموں میں شامل ہونا چاہتے ہو یا عمل کرنے والوں میں' یا دونوں جماعتوں میں۔ آخر الذکر ذریعۂ تقرب محض شہرت حاصل کرنے کی خواہش کے مقابلے میں زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ شعر ہے۔

خذ ما تراہ ودع شیئاً سمعت بہ   فی طلعۃ الشمس ما یغنیک عن زحل

ترجمہ : جو تم دیکھو اسے اختیار کرو' جو سنو اسے چھوڑ دو' سورج کے سامنے زحل کی کیا ضرورت ہے۔

اکابر فقہاء کا ذکر : ہم یہاں پچھلے اکابر فقہاء کے وہ حالات بیان کریں گے جنہیں پڑھنے کے بعد آپ یہ محسوس کریں کہ جو لوگ اپنے آپ کو ان کا مقلد و متبع قرار دیتے ہیں وہ ان پر ظلم کرتے ہیں اور قیامت میں وہی ان کے بڑے دشمن ہوں گے۔ اس لیے کہ فقہائے کرام نے اپنے علوم سے حق کی رضا جوئی کے علاوہ اور کوئی مقصد حاصل نہیں کیا۔ ان حالات زندگی میں علمائے آخرت کی علامات پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ جہاں ہم علمائے آخرت کی علامتوں کا تذکرہ کریں گے وہاں ان بزرگوں کا ذکرِ خیر بھی ہوگا۔ اس لیے کہ یہ علماء محض فقہ کے عالم نہ تھے بلکہ دلوں کے علم میں بھی مشغول تھے۔ تاہم انہوں نے علمِ باطن میں تدریس یا تصنیف کی مشغولیت اختیار نہیں کی۔ جس طرح صحابہ نے فقہ کی تدریس یا تصنیف کا مشغلہ نہیں اپنایا حالانکہ تمام صحابہؓ علمِ فتویٰ کے ماہر اور ممتاز فقیہ تھے جو وجوہات ان کی یا ان کی مشغولیتوں میں رکاوٹ بنیں ان کے ذکر کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔

اب ہم فقہائے اسلام کے حالات بیان کرتے ہیں۔ اس سے یہ بات واضح ہوجائے گی کہ ہم نے گزشتہ صفحات میں جو کچھ لکھا ہے وہ ان سلف صالحین کے متعلق نہیں ہے بلکہ ہم نے صرف ان لوگوں پر تنقید کی ہے جو اکابر فقہاء کی اتباع کا دم بھرتے ہیں اور ان کے مذاہب کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں حالانکہ عملاً میں وہ ان کے مخالف ہیں۔

وہ فقہاء جو فنِ فقہ میں ممتاز اور قائدانہ حیثیت رکھتے ہیں اور جن کے متبعین کی تعداد زیادہ ہے۔ پانچ ہیں : امام شافعی' امام مالک' امام احمد ابن حنبل' امام ابوحنیفہ' سفیان ثوری۔ ان میں سے ہر ایک عابد و زاہد تھا۔ علومِ آخرت کا ماہر' مخلوق کی دنیاوی مصلحتوں کا رمز شناس اور اپنے علوم سے حق کی رضا کا طالب تھا۔ یہ پانچ خصوصیات ہیں جو پچھلے فقہائے کرام میں موجود تھیں۔ ان میں سے موجودہ دور کے فقیہوں میں صرف ایک خصوصیت پائی جاتی ہے۔ یعنی فقہی فروعات کا بہترین علم' باقی چار خصوصیات کیونکہ صرف علومِ آخرت سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس لیے ان کی ضرورت ہی نہیں سمجھی جاتی۔ یہ ایک خصوصیت دنیا سے متعلق ہے۔ آخرت سے بھی اس کا تعلق ہوسکتا ہے بشرطیکہ اس سے آخرت کی فلاح کا ارادہ کیا جائے۔ مگر یہ لوگ دنیا کی طرف زیادہ میلان رکھتے ہیں۔ محض اس ایک خصوصیت کے سبب وہ اکابر فقہاء کے ساتھ اپنی مشابہت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ بھلا لوہار ملائکہ کے مشابہ کیسے ہوسکتے ہیں۔ اب ہم ان آئمہ کرام کے وہ حالات بیان کرتے ہیں جن سے ان چاروں خصوصیتوں کا علم ہو جہاں تک فقہ میں مہارت کا تعلق ہے وہ تو ظاہر ہی ہے۔

حضرت امام شافعیؒ : حضرت امام شافعیؒ کے عابد ہونے پر یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ آپ رات کے تین حصے کیا کرتے تھے' ایک حصہ علم کے لیے' دوسرا حصہ نماز کے لیے' تیسرا حصہ سونے کے لیے۔ ربیعؒ کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ رمضان المبارک میں ساٹھ بار قرآن پاک ختم کیا کرتے تھے' اور ہر بار نماز ہی میں ختم کیا کرتے تھے۔ بویطی جو امام شافعیؒ کے تلامذہ میں سے ہیں ہر روز ایک قرآن پاک ختم کیا کرتے تھے۔ حسن کرابیسی کہتے ہیں کہ میں نے بہت سی راتیں امام شافعیؒ کے ساتھ گذاری ہیں' آپ کا دستور تھا کہ رات کی نماز میں پچاس آیتوں سے زیادہ نہ پڑھتے' کبھی سو آیتیں بھی پڑھ لیتے تھے' جب کسی آیتِ رحمت پر گذرتے تو اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے' اور تمام مسلمانوں کے لیے اس کی دعا کرتے' اور جب آیتِ عذاب کی تلاوت کرتے تو اپنے لیے اور تمام

مسلمانوں کے لیے اس عذاب سے نجات کی دعا فرماتے" گویا ان میں خوف اور رجاء دونوں موجود تھے۔ اس روایت سے یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ انھیں قرآنی اسرار و حکم پر کس قدر عبور تھا' اس لیے تو صرف پچاس آیتوں کی تلاوت کا معمول تھا۔ امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں سولہ برس سے شکم سیر نہیں ہوا' اس لیے کہ پیٹ بھر کھانے سے جسم بھاری ہو جاتا ہے' قلب میں سختی پیدا ہو جاتی ہے' عقل کمزور ہو جاتی ہے' نیند زیادہ آتی ہے' عبادت میں کمی واقع ہوتی ہے' ملاحظہ کیجئے! اس حکیمانہ ارشاد میں شکم سیری کے نقصانات کس طرح بیان کئے ہیں۔ پھر اس مجاہدہ کی داد دیجئے کہ عبادت کی خاطر پیٹ بھر کھانا نہیں کھایا۔ ظاہر ہے کہ عبادت کی اصل تقلیل طعام ہے۔

آپ یہ بھی ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کبھی سچی یا جھوٹی قسم نہیں کھائی' خیال فرمایئے کہ امام شافعیؒ کس قدر خدا تعالیٰ کی تعظیم کرتے تھے' اور جلال خداوندی کا انھیں کس قدر علم تھا۔۔۔۔۔ آپؒ سے کسی نے کوئی مسئلہ پوچھا۔ آپ خاموش رہے۔ سائل نے عرض کیا : آپ پر خدا کی رحمت ہو آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ فرمایا! جب تک مجھے یہ معلوم نہ ہو کہ خاموش رہنے میں میری بہتری ہے یا جواب دینے میں' اس وقت تک جواب نہیں دوں گا۔ غور کیجئے کہ آپ اپنی زبان کی کس درجہ حفاظت فرماتے تھے حالانکہ فقہاء کے تمام اعضاء میں زبان ہی ایسی چیز ہے جو سب سے زیادہ بے قابو رہتی ہے۔ اسی روایت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ کا خاموش رہنا یا بولنا فضیلت اور ثواب حاصل کرنے کی غرض سے تھا۔

احمد ابن یحییٰ ابن وزیر کہتے ہیں کہ ایک روز امام شافعیؒ قندیلوں کے بازار سے گذرے' ہم آپ کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے' ہم نے دیکھا کہ ایک شخص کسی عالم سے الجھ رہا ہے' آپ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اپنے کانوں کو فحش باتیں سننے سے پاک رکھو' جس طرح زبان کو فحش بکنے سے پاک رکھتے ہو۔ اس لیے کہ سننے والا کہنے والے کا شریک ہے۔ کم عقل آدمی اپنے دماغ میں جو بد ترین بات دیکھتا ہے اسے تمہارے دماغ میں اتارنے کی کوشش کرتا ہے' اگر اس کی بات اسی کی طرف لوٹا دی جائے یعنی اس کی بات پر کان نہ دھرے جائیں تو سننے والے کی خوش قسمتی میں کوئی شبہ نہیں' جس طرح بولنے والے کی بدبختی میں کوئی شبہ نہیں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایک دانشور نے دوسرے دانشور کو خط لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے علم عطا کیا ہے تو اپنے علم کو گناہوں کی تاریکی سے سیاہ مت کر' ورنہ جس روز اہل علم اپنے علم کی روشنی میں آگے بڑھیں گے' تو تاریکیوں کا حصہ بن جائے گا۔

امام شافعیؒ کا زہد ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ میرے دل میں دنیا کی محبت بھی ہے اور اس کے خالق کی بھی وہ جھوٹا ہے۔ حمیدیؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ یمن تشریف لے گئے وہاں سے دس ہزار درہم لے کر مکہ مکرمہ تشریف لائے' شہر سے باہر ایک گاؤں میں آپ کے لیے خیمہ نصب کر دیا گیا' لوگ آپ سے ملاقات کے لیے آتے رہے۔ آپ نے جب تک وہ سب درہم لوگوں میں تقسیم نہیں کر دیئے اس وقت تک اسی خیمہ میں تشریف فرما رہے۔ ایک روز آپ حمام سے باہر آئے تو مالک حمام کو بہت سے مال سے نواز دیا۔ ایک دفعہ آپ کے ہاتھ سے کوڑا زمین پر گر پڑا' کسی شخص نے اٹھا کر آپ کو دے دیا' اس کے بدلے میں آپ نے اسے پچاس اشرفیاں عنایت فرمائیں۔ آپ کی سخاوت' دریا دلی اور فیاضی بہت مشہور ہے' زہد کی اصل سخاوت ہے جو شخص کسی چیز سے محبت رکھتا ہے اسے خود جدا نہیں کرتا۔ صرف وہی انسان مال و متاع دوسروں کو دے سکتا ہے جس کی نگاہوں میں دنیا کی کوئی وقعت نہ ہو' زہد کے یہی معنی ہیں۔

آپ کے زہد' خوفِ خدا' اور آخرت کے ساتھ اشتغال پر یہ واقعات بھی دلالت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت سفیان بن عینیہؒ نے رقّتِ قلب کے بارے میں کوئی روایت بیان کی' اسے سن کر آپ بے ہوش ہو گئے۔ لوگ سفیانؒ سے کہنے لگے: شاید وفات پا گئے۔ سفیان نے کہا اگر وفات پا گئے تو ان کی یہ موت حد درجہ قابل رشک ہے۔ عبداللہ بن محمد بلویؒ کہتے ہیں' میں اور عمر بن بنانہ عابدوں اور زاہدوں کا ذکر کر رہے تھے عمر نے مجھ سے کہا کہ میں نے محمد ابن ادریس شافعیؒ سے زیادہ فصیح اور متقی کسی دوسرے شخص کو نہیں دیکھا' پھر انھوں نے یہ واقعہ بیان کیا کہ امام شافعیؒ' میں اور حارث بن لبید صفا کی طرف گئے' حارث صالح بن مری کا

شاگرد تھا۔ خوش آواز بھی تھا' اس نے قرآن پاک کی تلاوت شروع کی اور جب یہ آیت پڑھی:۔

هَذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُونَ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُونَ ۔ (پ۲۹' ر۲۱' آیت ۳۶)

یہ وہ دن ہو گا جس میں وہ لوگ نہ بول سکیں گے اور نہ ان کو (عذر کی) اجازت ہو گی' اس لیے عذر بھی نہ کر سکیں گے۔

تو میں نے امام شافعیؒ کی طرف دیکھا' ان کے چہرے کا رنگ بدل گیا' جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے' زور سے تڑپے اور بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو یہ الفاظ کہہ رہے تھے: اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں' جھوٹوں کے ٹھکانے سے' غافلوں کے انکار و اعراض سے' اے اللہ! تیرے ہی لیے عارفوں کے قلوب اور شوق ملاقات رکھنے والوں کی گردنیں جھکتی ہیں' اے اللہ! مجھے اپنے جود و سخا کی دولت نصیب فرما' مجھے اپنی ردائے کرم سے ڈھانپ لے' اپنی عظمت کے طفیل میں میرے گناہوں سے در گذر فرما۔

عبداللہ کہتے ہیں کہ میں ایک روز نہر کے کنارے نماز کے لیے وضو کر رہا تھا کہ ایک صاحب میرے قریب سے گذرے اور فرمانے لگے: بیٹے! وضو اچھی طرح کرنا۔ دنیا و آخرت میں خدا بھی تمہارے ساتھ اچھی طرح پیش آئے گا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا کہ ایک بزرگ ہیں جن کے پیچھے بہت سے لوگ ہیں۔ میں بھی جلدی جلدی وضو سے فارغ ہوا اور ان کے پیچھے ہو لیا۔ میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا : کیا تمہیں کچھ کام ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! میں چاہتا ہوں کہ اللہ نے جو علم آپ کو عطا کیا ہے اس میں سے مجھے بھی کچھ سکھلا دیجئے۔ فرمایا' جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے' نجات پاتا ہے' جو شخص اپنے دین کا خوف رکھتا ہے وہ تباہی سے بچا رہتا ہے' جو شخص دنیا سے محبت نہیں رکھتا قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کا اجر و ثواب دیکھ کر اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ اس کے بعد فرمایا : بس یا کچھ اور بتلاؤں؟ میں نے کہا' ضرور' فرمایا: جس شخص میں تین عادتیں ہوں اس کا ایمان کامل ہے ایک یہ لوگوں کو اچھی باتیں سکھلائے اور خود بھی عمل کرے' دوسرے یہ کہ لوگوں کو برائی سے باز رہنے کی تلقین کرے اور خود بھی باز رہے' تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو حدود مقرر فرما دیں ہیں ان کی حفاظت کرے' ان حدود سے تجاوز نہ کرے۔ پھر فرمایا: اور کچھ بتلاؤں' میں نے کہا' ضرور! فرمایا: دنیا سے بے رغبتی اختیار کر' آخرت کی طرف متوجہ رہ اور تمام باتوں میں اللہ تعالیٰ کو سچا جان۔ اگر تو نے ایسا کیا تو تیرا حشر نجات پانے والوں کی ساتھ ہو گا۔ یہ کہہ کر آپ تشریف لے گئے۔ میں نے لوگوں سے پوچھا یہ کون صاحب تھے؟ لوگوں نے کہا یہ امام شافعیؒ تھے!...... ان واقعات میں امام شافعیؒ کا زہد اور تقویٰ پوری طرح نمایاں ہے۔

یہ زہد اور خوف خدا علم الٰہی کی معرفت کے بغیر پیدا نہیں ہوتا۔ قرآن پاک میں ہے:۔

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۔ (پ۲۲' ر۱۶' آیت ۲۸)

اللہ سے اس کے بندوں میں سے صرف علماء ڈرتے ہیں۔

امام شافعیؒ نے یہ خوف اور زہد بیع سلم اور اجارہ وغیرہ کے احکام و مسائل سے حاصل نہیں کیا تھا بلکہ آخرت کے علوم سے حاصل کیا تھا۔ یہ علوم قرآن و حدیث سے ماخوذ ہیں کیوں کہ اوّلین اور آخرین کی تمام حکمتیں قرآن و حدیث میں موجود ہیں۔

یہ بات کہ وہ علوم آخرت کے اسرار سے واقف تھے' ان حکیمانہ اقوال و ارشادات سے واضح ہے جو ان سے منقول ہیں' کسی نے آپ سے دریافت کیا: ریا کیا ہے؟ آپ نے بلا تأمل جواب دیا: ریا ایک فتنہ ہے جسے نفسانی خواہشات نے علماء کے دلوں کے قریب لا کھڑا کیا ہے۔ انھوں نے اس فتنے کی طرف اس خیال سے دیکھا کہ دل برائی کی طرف مائل ہے تو ان کے اعمال برباد ہو گئے۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: اگر تمہیں اپنے عمل میں عُجب کا اندیشہ ہو تو یہ سوچو کہ تم اس عمل سے کس کی رضا کے طالب ہو' کس طرح کا اجر چاہتے ہو' کس عذاب سے خائف ہو' کس نجات کی تمنا کرتے ہو' کون سی مصیبت کو یاد کرتے ہو؟ جب تم ان میں سے کسی ایک میں بھی غور و فکر کرو گے تو وہ عمل تمہاری نظروں میں حقیر ہو جائے گا اور تم عُجب کے فتنے سے محفوظ ہو جاؤ گے۔ غور کیجئے کہ آپ نے کس حسین پیرائے میں ریا کی حقیقت بیان فرمائی' اور عُجب کا علاج بتلایا۔ واقعی یہ دونوں دل کے بڑے فتنوں میں سے ہیں۔

یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے اپنے نفس کی حفاظت نہ کی اس کے علم نے اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔ فرمایا : علم کے اسرار و معارف وہی شخص سمجھتا ہے جو عمل کے ذریعہ اس کی حفاظت کرتا ہے۔ فرمایا : ہر آدمی کے دوست بھی ہیں اور دشمن بھی۔ اس صورت میں ان لوگوں کی صحبت اختیار کرو جو اللہ تعالیٰ کے مطیع اور فرمانبردار ہیں۔ روایت ہے کہ عبدالقاہر ابن عبدالعزیز ایک نیک سیرت اور صاحب تقویٰ بزرگ تھے۔ وہ امام صاحبؒ سے تقویٰ وغیرہ کے مسائل معلوم کیا کرتے تھے اور امام صاحب ان کے پاس ان کی بزرگی کی وجہ سے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ایک روز انہوں نے امام شافعیؒ سے دریافت کیا۔ صبر، امتحان اور تمکین میں سے کون سی چیز افضل ہے؟ فرمایا ! تمکین انبیاء کا درجہ ہے اور یہ آزمائش کے بعد ہوتا ہے۔ آزمائش کے بعد صبر اور اس کے بعد تمکین۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو امتحان میں مبتلا کیا پھر وقار عنایت فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پہلے امتحان لیا پھر وقار اور مرتبے سے نوازا۔ اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کو پہلے آزمائش میں مبتلا کیا۔ پھر حکومت عطا کی، تمکین سب سے بلند درجہ ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے۔

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ ۔ (پ ۱۳، ر ۱، آیت ۵۶)

اور ہم نے یوسف کو زمین میں بااختیار بنا دیا۔

حضرت ایوب علیہ السلام کو بھی بڑی آزمائش کے بعد تمکین عطا کی۔

وَآتَيْنَاهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُم مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا وَذِكْرَىٰ لِلْعَابِدِينَ ۔

(پ ۱۷، ر ۶، آیت ۸۴)

اور ہم نے ان کو ان کا کنبہ عطا فرمایا اور ان کے ساتھ ان کے برابر اور بھی اپنی رحمتِ خاصہ کے سبب سے اور عبادت کرنے والوں کے لیے یادگار رہنے کے سبب سے۔

امام شافعیؒ کے اس جواب سے پتہ چلتا ہے کہ انہیں قرآنی اسرار و حکم پر زبردست عبور تھا اور جو لوگ انبیاء اور اولیاء اللہ کے راستے کے مسافر ہیں۔ ان کے مقامات سے انہیں پوری واقفیت حاصل تھی۔ یہ سب باتیں آخرت کے علوم سے تعلق رکھتی ہیں۔ کسی نے آپ سے سوال کیا۔ آدمی عالم کب ہوتا ہے؟ فرمایا ! اس وقت جب وہ اس علم میں محقق ہو جائے جو وہ جانتا ہے اور پھر دوسرے علوم کے لیے کوشاں ہو اور جو بات وہ نہیں جانتا اس میں غور و فکر کرتا ہو۔ چنانچہ حکیم جالینوس سے کسی نے پوچھا تھا کہ تم ایک مرض کے لیے بہت سی مرکب دوائیں تجویز کرتے ہو اس کی کیا وجہ ہے؟ اس نے جواب دیا : اصل دوا تو ایک ہی ہے دوسری دوائیں اس لیے لکھی جاتی ہیں تاکہ اس کی تیزی کم ہو جائے۔ اس لیے کہ بعض مفرد دوائیں زہر قاتل ہیں۔ یہ اور اس طرح کی بہت سی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ امام شافعی علوم آخرت میں بہت زیادہ درک رکھتے تھے۔

جہاں تک فقہ سے آپ کی دلچسپی اور فقہی مباحثوں میں آپ کی مشغولیت کا تعلق ہے تو وہ بھی محض اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ لوگ میرے علم سے مستفید ہوں مگر اس کی نسبت میری طرف نہ ہو۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ اس علم کو ناموری اور شہرت کا ذریعہ قرار دینا نہیں چاہتے تھے بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی نیت رکھتے تھے ایک اور موقعہ پر یہ فرمایا کہ میں نے کبھی کسی سے مناظرہ کرتے ہوئے یہ خواہش نہیں کی کہ فریق مخالف غلطی کرے۔ ارشاد فرمایا : کہ جب میں کسی سے گفتگو یا بحث کرتا ہوں تو مجھے اس کی پروا نہیں ہوتی کہ حق میری زبان سے نکلتا ہے یا اس کی زبان سے۔ فرمایا ! جب میں کسی کے سامنے دلائل کے ساتھ حق بات واضح کرتا ہوں اور وہ قبول کر لیتا ہے تو میں اس کا احترام کرتا ہوں اس کی محبت و عقیدت میرے دل میں پیدا ہو جاتی ہے اور جو شخص اتمام حجت کے بعد بھی حق بات تسلیم نہیں کرتا وہ میری نظروں سے گر جاتا ہے۔ میں اس سے ملنا ترک کر دیتا ہوں۔

اس تفصیل سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آج کل کے لوگ آپ کا اتباع پانچ چیزوں میں سے صرف ایک میں کرتے ہیں اور

اس میں بھی مکمل اتباع نہیں کرتے۔

امام شافعیؒ کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں۔ ابو ثورؒ فرماتے ہیں کہ نہ میں نے اور نہ کسی دوسرے نے امام شافعیؒ جیسا شخص دیکھا۔ امام احمد ابن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ میں نے چالیس برس سے ایسی کوئی نماز نہیں پڑھی جس کے بعد امام شافعیؒ کے لیے دعا نہ مانگی ہو۔ پہلے داعی (دعا کرنے والے) اور مدعو (جس کے لیے دعا کی گئی) کے مراتب کی بلندی پر غور کیجئے اور پھر موجودہ دور کے علماء پر اس واقعہ کا انطباق کیجئے کہ ان دلوں میں آپس میں کتنا بغض و عناد ہے۔ اس طرح آپ کو معلوم ہوگا جو لوگ سلف کی پیروی کا دعویٰ کرتے ہیں وہ اس دعوے میں کتنے جھوٹے ہیں۔ پھر اسی واقعہ کی طرف لوٹیے۔ امام احمد کی اس کثرت سے دعا سے متاثر ہو کر ان کے صاحبزادے نے پوچھا ابا جان! یہ شافعی کون صاحب تھے جن کیلئے آپ اتنی دعائیں مانگتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا، بیٹے شافعیؒ دنیا کیلئے آفتاب کی طرح تھے اور لوگوں کیلئے صحت کی طرح، بتاؤ ان اوصاف میں ان کا کوئی ثانی ہے؟ امام احمدؒ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص قلم دوات ہاتھ میں لے' وہ شافعیؒ کا احسان مند ہے۔ یحییٰ ابن سعید پنبہ فروش کہتے ہیں کہ میں نے چالیس برس کی نمازوں میں شافعیؒ کے لیے دعائیں مانگی ہیں۔ اس لیے کہ اللہ نے انہیں علم عطا کیا اور اس میں انہیں حق کے راستہ پر چلنے کی توفیق دی۔

امام صاحب کے حالات' فضائل اور مناقب بہت زیادہ ہیں۔ ہم اس مختصر ذکر پر اکتفا کرتے ہیں جو روایات اس سلسلے میں بیان کی گئی ہیں ان میں سے بیشتر نصر ابن ابراہیم مقدسیؒ کی کتاب سے ماخوذ ہیں جو انہوں نے امام شافعیؒ کے مناقب میں تصنیف کی ہے۔

حضرت امام مالکؒ : حضرت امام مالکؒ میں بھی یہ پانچوں صفات موجود تھیں۔ چنانچہ ان سے کسی نے پوچھا : اے مالک ! طلبِ علم کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا ! طلبِ علم سے بہتر کیا مشغلہ ہو سکتا ہے۔ تم یہ دیکھا کرو کہ کون شخص صبح سے شام تک طلبِ علم میں مشغول ہے۔ اگر ایسا کوئی شخص مل جائے تو اس کا ساتھ نہ چھوڑو۔ امام مالکؒ علم دین کی بے حد تعظیم و توقیر فرمایا کرتے تھے۔ جب کوئی حدیث بیان کرنے کا ارادہ فرماتے تو پہلے وضو کرتے۔ مجلسِ درس کے صدر مقام پر تشریف رکھتے' داڑھی کے بالوں میں کنگھی کرتے' خوشبو لگاتے' پروقار طریقے پر بیٹھتے۔ پھر حدیث بیان فرماتے۔ لوگوں نے اس اہتمامِ حدیث سے متعلق استفسار کیا تو فرمایا کہ میں حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کرتا ہوں۔ آپ کا قول ہے کہ علم ایک نور ہے۔ اللہ جسے چاہتا ہے یہ نور عطا کرتا ہے۔ کثرتِ روایات سے یہ نور حاصل نہیں ہوتا۔ علم کی یہ تعظیم و توقیر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ امام مالکؒ کو اللہ تعالیٰ کے جلال کی پوری معرفت حاصل تھی۔

علم سے آپ کا مقصد بھی یہی تھا کہ اللہ کی رضامندی حاصل ہو۔ چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ دین کے باب میں جھگڑے کرنا بیکار چیز ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں آپ کے پاس حاضر ہوا۔ اس وقت آپ سے اڑتالیس (۴۸) مسائل دریافت کئے گئے۔ آپ نے بتیس (۳۲) کے جواب میں فرمایا : میں نہیں جانتا۔ جس کا مقصدِ علم اللہ کی رضا کے علاوہ بھی کچھ اور ہوتا ہے وہ کبھی اپنی لاعلمی کا اس طرح اعتراف نہیں کر سکتا۔ اسی لیے امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے۔ علماء میں امام مالکؒ نجم ثاقب (روشن ستارہ) کی طرح ہیں۔ مجھ پر ان سے زیادہ کسی کا احسان نہیں ہے۔ روایت ہے کہ ابو جعفر منصور نے آپ کو منع کر دیا تھا کہ مکرہ (جس سے زبردستی طلاق لی گئی ہو/ مترجم) کی طلاق کے بارے میں حدیث بیان مت کرنا۔ پھر ایک شخص سے یہ کہہ دیا کہ مالکؒ سے مکرہ کی طلاق کے متعلق سوال کر۔ جب اس شخص نے سوال کیا تو آپ نے سب لوگوں کے سامنے کہہ دیا کہ جس شخص سے زبردستی طلاق لی گئی ہو وہ طلاق واقع نہیں ہوتی۔(۱)

دنیا سے بے رغبتی کا حال اس طرح کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر المومنین مہدی نے آپ سے پوچھا آپ کے پاس گھر ہے؟ فرمایا نہیں ! لیکن میں تم سے ایک روایت بیان کرتا ہوں۔ میں نے ربیعہ ابن ابی عبدالرحمان کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ آدمی کا نسب ہی اس کا گھر ہے۔ ہارون رشید نے بھی آپ سے گھر کے بارے میں معلوم کیا۔ آپ نے نفی میں جواب دیا۔ ہارون رشید نے

---

(۱) (احناف کے یہاں مکرہ کی طلاق ہو جاتی ہے/ مترجم)

تین ہزار دینار آپ کی خدمت میں پیش کئے اور عرض کیا : ایک مکان خرید لیجئے۔ آپ نے دینار لے لیے لیکن خرچ نہیں کیے۔
جب ہارون رشید نے مدینہ منورہ سے واپسی کا ارادہ کیا تو امام صاحب سے عرض کیا کہ آپ ہمارے ساتھ چلیں۔ میں چاہتا ہوں کہ لوگوں کو مؤطا کی ترغیب دوں۔ جس طرح حضرت عثمانؓ نے لوگوں کو قرآن پاک کی ترغیب دی تھی۔ آپ نے جواب دیا کہ لوگوں کو مؤطا کی ترغیب دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام اِدھر اُدھر شہروں میں جا بسے ہیں اور وہ روایات بیان کرتے ہیں۔ اس لیے حدیث کا علم ہر جگہ پہنچ گیا ہے اور اس اختلاف میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اختلاف امتی رحمة (بیہقی تعلیقا)

میری اُمّت کا اختلاف رحمت ہے۔

جہاں تک تمہارے ساتھ چلنے کا معاملہ ہے تو یہ بھی ممکن نہیں ہے۔ اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

المدينة خير لهم لو كانوا يعلمون (بخاری و مسلم)

اگر لوگ سمجھیں تو مدینہ منورہ ان کے لیے (سب شہروں سے) بہتر ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے۔

المدينة تنفي خبثها كما ينفي الكير خبث الحديد

مدینہ منورہ اپنا میل اس طرح دور کر دیتا ہے جس طرح بھٹی لوہے کا میل دور کر دیتی ہے۔

پھر فرمایا کہ یہ تمہارے دینار ہیں چاہے لے لو اور چاہے چھوڑ جاؤ۔ مطلب یہ ہے کہ تم نے مجھے دینار دے کر احسان کیا ہے۔ اب اس احسان کے بدلے میں مجھے مدینہ منورہ سے دور کرنا چاہتے ہو تو مجھے یہ منظور نہیں ہے۔ یہ تھا آپ کا زہد۔ روایت ہے کہ جب آپ کے تلامذہ دوسرے شہروں میں پہنچ گئے اور ان کی طرف سے آپ کی خدمت میں مال آنے لگا تو آپ وہ تمام مال خیر کے کاموں میں خرچ فرما دیا کرتے تھے۔ اس سخاوت اور فیاضی سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کو دنیا سے محبّت نہ تھی۔ زہد کے معنی یہ نہیں ہیں کہ آدمی کے پاس مال نہ ہو بلکہ مال کی طرف سے دل بے نیاز ہو' یہی زہد ہے۔ آپ کی سخاوت کا مزید حال امام شافعیؒ کی اس روایت میں دیکھیے : فرماتے ہیں کہ میں نے امام مالکؒ کے دروازے پر ایک جگہ خراسان کے گھوڑے اور مصر کے خچر دیکھے۔ تمام گھوڑے اور خچر شاندار تھے۔ میں نے امام صاحبؒ کی خدمت میں عرض کیا' کتنے اچھے ہیں یہ ! فرمایا کہ اے ابو عبداللہ یہ سب میری طرف سے ہدیہ میں قبول کرو۔ میں نے کہا آپ ان میں سے ایک سواری کے لیے ضرور رکھ لیجئے ! فرمایا : مجھے اللہ سے شرم آتی ہے کہ جس زمین میں اس کا پیغمبر محو خواب ہو۔ میں اس مقدس زمین کو اپنی سواری کے کھروں سے پامال کروں۔ اس واقعہ سے نہ صرف سخاوت کا پتہ چلتا ہے کہ تمام گھوڑے اور خچر بیک وقت دے ڈالے بلکہ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ مدینہ منورہ کا کس قدر احترام کیا کرتے تھے۔

امام مالکؒ خود اپنا ایک واقعہ نقل فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ہارون رشید کے پاس گیا ! رشید نے مجھ سے کہا آپ ہمارے پاس تشریف لایا کیجئے تاکہ ہمارے لڑکے آپ سے مؤطا سنیں۔ میں نے کہا : خدا امیر کو عزت دے۔ یہ علم تم ہی لوگوں سے چلا ہے۔ اگر تم اس کی عزّت کرو گے تو اور لوگ بھی عزّت کریں گے اور تم اس کی تذلیل کرو گے تو دوسرے بھی ایسا ہی کریں گے۔ علم کے پاس جایا کرتے ہیں۔ علم لوگوں کے پاس نہیں آتا۔ رشید نے کہا آپ کی رائے صحیح ہے اور لڑکوں کو حکم دیا کہ مسجد میں جاؤ اور سب لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر مؤطا سنو۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ : ابو حنیفہؒ کوئی بھی عابد و زاہد اور عارف باللہ تھے۔ وہ خدا سے ڈرنے والے اور اس کی رضا کے خواہاں

تھے۔ آپ کی عبادت اس روایت سے معلوم ہوتی ہے جو ابن مبارکؒ سے منقول ہے کہ آپ صاحب مروت انسان تھے۔ نماز بکثرت پڑھا کرتے تھے۔ حمّاد ابن ابی سلیمانؒ بیان کرتے ہیں کہ آپ تمام رات عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ تمام رات عبادت کرنے کا واقعہ بھی نصیحت آمیز ہے۔ پہلے آپ نصف شب عبادت کیا کرتے تھے۔ ایک دن راستہ میں کسی نے اشارہ کرکے دوسرے کو بتلایا کہ یہ وہ بزرگ ہیں جو تمام رات عبادت کرتے ہیں اس روز کے بعد آپ نے تمام رات عبادت کرنے کا معمول بنالیا۔ فرمایا کرتے تھے مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم آتی ہے کہ میں اس کی جتنی عبادت نہ کروں لوگ اتنی بیان کریں۔

دنیا سے بے تعلقی کا عالم یہ تھا کہ سرکاری عہدوں کی پیش کش تک ٹھکرادی۔ چنانچہ ربیع ابن عاصم کہتے ہیں کہ مجھے یزید ابن عمر ابن ہبیرہ نے امام ابو حنیفہؒ کو بلانے کے لیے بھیجا۔ جب امام ابو حنیفہؒ تشریف لے آئے تو اس نے اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ آپ بیت المال کے نگراں بن جائیں مگر آپ نے انکار کردیا۔ اس کی پاداش میں یزید ابن عمرو نے ان کے بیس کوڑے لگوائے۔ حکم ابن ہشام ثقفی کہتے ہیں کہ مجھے شام میں امام صاحب کے متعلق بتلایا گیا کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ امانت دار تھے۔ بادشاہ وقت نے لاکھ چاہا کہ انہیں اپنے خزانے کی کنجیاں سپرد کردے۔ انکار کی صورت میں سزا بھی دی لیکن آپ نے آخرت کے عذاب کے مقابلے میں دنیاوی عذاب کو ترجیح دی۔ ابن مبارکؒ کے سامنے امام صاحب کا ذکر ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ تم ایسے شخص کا کیا ذکر کرتے ہو کہ جس پر تمام دنیا پیش کی گئی مگر اس نے پیش کش ٹھکرادی۔ اس سلسلے میں ایک واقعہ محمد ابن شجاع آپ ہی کے کسی شاگرد سے نقل کرتے ہیں کہ کسی نے یہ اطلاع دی کہ امیر المومنین ابو جعفر منصور نے آپ کو دس ہزار درہم دینے کے لیے کہا ہے۔ آپ نے اس پر کسی خوشی کا اظہار نہیں کیا۔ جب وہ دن آیا جس دن مال آنے کی توقع تھی۔ آپ نے صبح کی نماز پڑھی اور منہ لپیٹ کر بیٹھ گئے۔ کسی سے کوئی گفتگو نہیں کی۔ جب حسن ابن قحطبہ کا قاصد مال لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تب بھی آپ خاموش رہے۔ کسی شاگرد نے قاصد سے یہ کہہ دیا کہ یہ ہم سے بھی کبھی ایک آدھ بات کرلیتے ہیں یعنی کم سخنی ان کی عادت ہے۔ تم یہ مال اس مکان کے ایک گوشے میں رکھ دو۔ ایک مدّت کے بعد امام صاحبؒ نے اپنے تمام مال و متاع کے لیے وصیت لکھی اور اپنے لڑکے سے فرمایا کہ جب میں مرجاؤں اور مجھ کو دفن کردو تو یہ تھیلی حسن بن قحطبہ کے پاس لے کر جانا اور کہنا کہ یہ تمہاری وہ امانت ہے جو تم نے ابو حنیفہؒ کے سپرد کی تھی۔ آپ کے صاحبزادے نے وصیت کی تعمیل کی۔ حسن بن قحطبہ نے کہا : ابو حنیفہؒ پر اللہ کی رحمت ہو واقعی وہ اپنے دین کی حفاظت کیا کرتے تھے۔ روایت ہے کہ ان سے عہدۂ قضاء پر فائز ہونے کی درخواست کی گئی۔ فرمایا اس عہدہ کا اہل نہیں ہوں ! لوگوں نے پوچھا آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں؟ فرمایا : اگر میں سچا ہوں تب تو واقعی میں اس کے لائق نہیں اور اگر جھوٹا ہوں تو جھوٹا شخص عہدۂ قضا کا اہل کیسے ہوسکتا ہے؟

علم طریق آخرت میں آپ کی مہارت، خدا تعالیٰ کی معرفت وغیرہ کا حال اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو حنیفہؒ خدا تعالیٰ سے بہت ڈرتے تھے۔ دنیا سے بے رغبتی ان کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی چنانچہ ابن جریجؒ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ مجھے خبر ملی ہے کہ کوفہ کے نعمان ابن ثابتؒ خدا سے بہت ڈرتے ہیں۔ شریک نخعیؒ کہتے ہیں کہ امام صاحبؒ اکثر خاموش رہتے۔ ہمہ وقت کسی فکر میں ڈوبے رہتے، یہ سب واقعات بتلاتے ہیں کہ وہ علم باطن میں مشغول رہتے تھے کیونکہ جس کو خاموشی اور زہد ملا اس کو علم کامل عطا ہوا۔

حضرت امام احمد حنبلؒ اور سفیان ثوریؒ : حضرت امام احمد ابن حنبلؒ کے متبعین کی تعداد ان تینوں ائمہ کے مقابلے میں کم ہے اور سفیان ثوریؒ کے متبعین ان سے بھی کم ہیں لیکن یہ دونوں امام ورع اور تقویٰ میں بہت زیادہ مشہور ہیں۔ یہ ساری کتاب ان دونوں کے افعال اور اقوال سے بھری پڑی ہے۔ اس لیے ہم ان کے حالات بیان کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔
اب آپ ان تینوں کے حالات بغور پڑھیں اور سوچیں کہ یہ حالات علم فقہ کی فروعات، سلم، اجارہ، ظہار، ایلاء اور لعان کے

جاننے سے پیدا ہوئے یا کسی دوسرے علم سے جو فقہ سے اعلیٰ و اشرف ہے؟ یہ بھی دیکھیں کہ جو لوگ ان حضرات کی اتباع کا دعویٰ کرتے ہیں وہ سچے ہیں یا جھوٹے۔

تیسرا باب

وہ علوم جنھیں لوگ اچھا سمجھتے ہیں

علم کے حسن و قبح کا معیار: اس باب کی ابتداء میں ہم یہ بتلائیں گے کہ بعض علوم برے کیوں ہوتے ہیں۔ اس پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ علم کے معنی تو یہ ہیں کہ کسی چیز کو جیسی وہ ہے اس طرح جاننا۔ علم اللہ تعالیٰ کی صفت بھی ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کوئی چیز علم ہو کر بھی مذموم قبیح ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کوئی بھی علم اس وجہ سے برا نہیں ہوتا کہ وہ علم ہے بلکہ ان تین وجوہات کی بناء پر بندوں کے حق میں اسے برا کہہ دیا جاتا ہے۔

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ وہ علم، صاحب علم کے حق یا کسی دوسرے کے حق میں مضر ہو۔ جیسے علم سحر اور طلسمات کی مذمت کی جاتی ہے۔ حالانکہ علم سحر حق ہے۔ خود قرآن سے اس کی شہادت ملتی ہے کہ اسے لوگ میاں بیوی میں جدائی کرانے کا ذریعہ بناتے ہیں۔ صحیحین میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی نے جادو کر دیا تھا جس کی وجہ سے آپ بیمار ہو گئے۔ جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو اس کی اطلاع دی اور وہ جادو ایک کنوئیں کے اندر پتھر کے نیچے سے نکالا گیا۔

جادو ایک علم ہے جو جواہر کے خواص اور ستاروں کے طلوع و غروب کے حسابی امور کے جاننے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس طرح کہ ان جواہر سے اس شخص کا پتلا بناتے ہیں جس پر جادو کرنا مقصود ہے۔ پھر ایک خاص ستارہ نکلنے کا انتظار کرتے ہیں۔ جب وہ ستارہ طلوع ہو جاتا ہے تو اس پتلے پر چند خلاف شرع، فحش کفریہ کلمات پڑھتے ہیں اور انکے ذریعے شیطانوں کی مدد چاہتے ہیں۔ ان سب تدابیر کی بناء پر اللہ تعالیٰ کے حکم پر مسحور شخص میں عجیب و غریب حالات رونما ہوتے ہیں۔ ان تدابیر کی معرفت اگر برائے معرفت ہو تو کوئی حرج نہیں مگر کیونکہ اس علم سے مخلوق کو ضرر پہنچانے کے علاوہ کوئی دوسرا مقصد نہیں ہوتا اس لیے اسے برا علم کہا جاتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی ظالم کسی بزرگ کو قتل کرنے کے درپے ہو، وہ بزرگ قتل کے خوف سے کہیں جا چھپے ہوں۔ اگر ظالم وہ جگہ معلوم کرنا چاہے جہاں وہ بزرگ چھپے ہوئے ہیں تو بتلانا جائز نہیں بلکہ جھوٹ بولنا واجب ہے۔ حالانکہ اگر کوئی شخص اس جگہ کی نشاندہی کر دے تو یہ ایک طرح سے حقیقت حال کا اظہار ہے لیکن اس کے باوجود بتلانا جائز نہیں کیونکہ اس سے اللہ کے ایک بندہ کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ علم صاحب علم کے حق میں زیادہ نقصان دہ ہو۔ مثلاً علم نجوم بذات خود کوئی برا علم نہیں کیونکہ اس علم کے دو شعبے ہیں۔ ایک حساب اور دوسرا احکام۔ جہاں تک حسابی علم نجوم کا تعلق ہے قرآن پاک نے صراحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے کہ چاند اور سورج کی گردش حساب کے مطابق ہے۔

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ۔ (پ ۲۷، ر ۱۱، آیت ۵)

سورج اور چاند حساب کے ساتھ چلتے ہیں۔

ایک اور جگہ پر ارشاد فرمایا۔

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ۔ (پ ۲۳، ر ۲، آیت ۳۹)

اور چاند کے لیے سڑکیں مقرر کیں یہاں تک کہ ایسا رہ جاتا ہے جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی۔

احکام سے متعلق علم نجوم کا ماحصل یہ ہے کہ علامات و اسباب کی بنیاد پر آنے والے واقعات کی پیش گوئی کی جائے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی ڈاکٹر نبض دیکھ کر یہ بتلادے کہ فلاں مرض عنقریب پیدا ہوگا۔ مگر شریعت نے اس طرح کے علم کو برا قرار دیا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اذا ذکر القدر فامسکوا و اذا ذکرت النجوم فامسکوا و اذا ذکرا صحابی فامسکوا (طبرانی)

جب تقدیر کا ذکر ہو خاموش رہو' جب ستاروں کا ذکر ہو خاموش رہو' جب میرے صحابہ کا ذکر ہو خاموش رہو۔

نیز ارشاد فرمایا:

اخاف علی امتی بعدی ثلاثا حیف الائمۃ و الایمان بالنجوم' والتکذیب بالقدر (ابن عبدالبر)

میں اپنے بعد اُمت پر تین باتوں سے ڈرتا ہوں' ائمہ کے ظلم سے' ستاروں پر ایمان سے اور تقدیر کے انکار سے۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ علم نجوم بس اتنا سیکھو کہ تمہیں خشکی یا سمندر میں راہ مل جائے اس سے زیادہ مت سیکھو۔

علمِ نجوم کا مسئلہ: علم نجوم کی ممانعت کی تین وجوہات ہیں۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اس سے لوگوں کے عقائد متاثر ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب یہ سنتے ہیں کہ ستاروں کی چال کے بعد فلاں فلاں واقعات پیش آئیں گے تو ان کے دلوں میں یہ بات گھر کرلیتی ہے کہ ستارے ہی مؤثر حقیقی ہیں' یہی معبود ہیں اور یہی دنیا کے منتظم ہیں کیونکہ یہ لطیف جواہر آسمان کی بلندیوں پر واقع ہیں' اس لیے دلوں میں ان کی عظمت بھی ہوتی ہے' ایسا لگتا ہے کہ خیرو شر ان ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ ان اعتقادات کی وجہ سے دل اللہ کی یاد سے خالی ہو جاتا ہے' ضعیفُ الاعتقاد شخص کی نظر وسائل پر رہتی ہے لیکن ماہر اور پختہ کار عالم جانتا ہے کہ یہ چاند سورج اور ستارے سب حکم خداوندی کے تابع ہیں۔ ضعیفُ الاعتقاد شخص کی مثال اس ننھی چیونٹی کی سی ہے جو کاغذ پر موجود ہو اور قلم سے کاغذ پر سیاہی پھیلتے ہوئے دیکھ رہی ہو' وہ یہ سمجھتی ہے کہ لکھنا قلم کا فعل ہے' اس کی نظر قلم سے انگلیوں تک' انگلیوں سے ہاتھ تک ہاتھ سے ارادہ تک' ارادہ سے لکھنے والے کی قدرت تک' پھر ہاتھ کے بنانے والے تک نہیں پہنچتی۔ عام لوگوں کی نظر بھی اکثر قریبی اور سطحی ذرائع پر مرکوز رہتی ہے' ان ذرائع سے وہ مسبب الاسباب تک بمشکل پہنچ پاتے ہیں۔

علمِ نجوم کی ممانعت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ نجوم کے احکام یا حوادث سے متعلق اس کی پیشین گوئیاں محض اندازوں پر مبنی ہوتی ہیں۔ ہر شخص کے حق میں ان کا علم نہ یقینی ہوتا ہے اور نہ ظنی' اس لیے علم نجوم کے ذریعہ کوئی حکم لگانا جہل پر حکم لگانے کے برابر ہے۔ اس صورت میں علمِ نجوم کی برائی اس لیے کی جاتی ہے کہ وہ محض جہل ہے۔ اس لیے نہیں کی جاتی کہ وہ علم ہے۔ جہاں تک حضرت ادریس علیہ السلام کے واقعہ کا تعلق ہے تو وہ پیغمبر کا معجزہ ہے اب یہ علم ختم ہو چکا ہے' اگر نجومی کی کوئی بات کبھی سچ بھی ہو جاتی ہے تو محض اتفاقی حادثہ ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ نجومی مسبب کے کسی ایک سبب سے واقف ہو جاتا ہے۔ حالانکہ مسبب کا وقوع اس کے بعد بہت سی دوسری شرطوں پر موقوف ہوتا ہے' جن سے واقف ہونا انسان کے دائرہ اختیار میں نہیں ہے اگر اتفاقاً اللہ تعالیٰ باقی شرطوں کو بھی مقدر فرمادے تو نجومی کا دعویٰ صحیح ہو جاتا ہے' اور وہ شرطیں پوری نہیں ہوتیں تو دعویٰ غلط رہتا ہے مثلاً کوئی شخص پہاڑوں کے اوپر سے بادل اٹھتے ہوئے دیکھ کر محض اندازے سے یہ کہہ دے کہ آج بارش ہوگی۔ حالانکہ

آسمان کے ابر آلود ہونے کی صورت میں یہ بھی ممکن ہے کہ بارش ہو جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ بارش نہ ہو' دھوپ نکل آئے' معلوم ہوا کہ محض بادلوں کا ہونا ہی بارش کے لیے کافی نہیں ہے بارش کے دوسرے اسباب بھی ہو سکتے ہیں۔ اس طرح اگر کوئی ملاح ہواؤں کا رخ دیکھ کر یہ دعوئی کرے کہ کشتی صحیح سلامت گذر جائے گی اگرچہ وہ ہواؤں کا عادی ہے اور ان کا رخ پہچانتا ہے۔ لیکن ہواؤں کے کچھ اور مخفی اسباب بھی ہیں جن سے وہ واقف نہیں ہوتا' اس لیے کبھی تو اس کا کہنا ٹھیک ہو جاتا ہے' اور کبھی یہ اندازہ غلط ثابت ہوتا ہے۔

علم نجوم کی مخالفت کی تیسری وجہ یہ ہے کہ اس علم سے کوئی فائدہ نہیں ہے یہ ایک غیر ضروری علم ہے عمر جیسی قیمتی چیز کو ایک بے فائدہ کام میں ضائع کرنا کہاں کی دانائی ہے؟ اس سے بڑھ کر اور کیا نقصان ہو سکتا ہے چنانچہ ایک اور روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے شخص کے قریب سے گذرے جس کے چاروں طرف لوگ جمع تھے' آپ نے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ بہت بڑا عالم ہے۔ آپ نے فرمایا! کس چیز کا؟ عرض کیا: شعر کا' اور عرب کے نسبوں کا۔ آپ نے فرمایا: یہ علم ہے جس سے کوئی فائدہ نہیں' جہل ہے جس سے کوئی نقصان نہیں۔ (ابن عبدالبر)

ایک حدیث میں ہے:

انما العلم آية محكمة او سنة قائمة او فريضة عادلة (ابوداؤد' ابن ماجہ)

علم صرف تین ہیں۔ آیت محکمہ کا علم' جاری سنت کا علم۔ یا سہام (مال وراثت کی تقسیم) کا علم۔

ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوا کہ علم نجوم اور اس جیسے دوسرے علوم میں مشغول ہونا اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالنا ہے۔ اور ایسے کاموں میں اپنا وقت ضائع کرنا ہے جن سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ جو کچھ تقدیر میں ہے وہ ہوتا ہے۔ اس سے بچنا ناممکن ہے۔ علم نجوم کا طب اور علم تعبیر سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا اس لیے کہ طب سے انسانی ضرورت وابستہ ہے' دوسرے یہ کہ اس کے اکثر دلائل اطباء کو معلوم ہو جاتے ہیں اسی طرح تعبیر کا علم ہے۔ مانا کہ وہ قیاسی علم ہے' لیکن اسے نبوت کے حصوں میں چھیالیسواں حصہ قرار دیا گیا ہے اس میں کسی طرح کا خطرہ یا اندیشہ بھی نہیں ہے۔

علم نجوم کے مسئلے پر یہ ایک ضمنی گفتگو تھی۔ بات بعض علوم کے مذموم ہونے کی چل رہی تھی۔ آیئے پھر اسی بحث کی طرف لوٹتے ہیں۔ بعض علوم کے ناپسندیدہ اور مذموم ہونے کی تیسری وجہ یہ ہے کہ انسان کبھی ایسے امور میں غور و فکر کرتا ہے جن کا وہ تحمل نہیں کر سکتا' یا وہ اس کے حق میں مضر ہوتے ہیں۔ مثلاً واضح اور ظاہر علوم کی تحصیل سے پہلے خفیہ اور دقیق علوم کا سیکھنا۔ مثلاً بعض فلاسفہ اور متکلمین نے اسرار الٰہی سے آگاہ ہونے کی کوشش کی۔ حالانکہ وہ اس کے اہل نہیں تھے' ان میں سے بعض اسرار وہ ہیں جن کا ادراک صرف انبیاء اور اولیاء کر سکتے ہیں۔ اس لیے اس طرح کے علوم میں اگر لوگ مشغول نظر آئیں تو انھیں روکنا ضروری ہے اور انھیں ان حدود کا پابند بنانا ضروری ہے جو شریعت میں وارد ہوئے ہیں۔ جسے توفیق ہوگی وہ ان سے بہت کچھ حاصل کر سکے گا۔ ایسا دیکھا گیا ہے کہ ان علوم میں مشغول ہونے سے پہلے ایک شخص اچھا خاصا تھا لیکن جب اس نے ان علوم میں غور و فکر کرنا شروع کیا تو اسے سخت نقصان پہنچا۔ یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ بعض علوم کچھ لوگوں کے حق میں مفید ہونے کے بجائے مضر ہوتے ہیں جیسے پرندوں کا گوشت' یا لذیذ مٹھائیاں' دودھ پینے والے بچوں کے لیے مضر ہوتی ہیں اس لیے بعض لوگ اگر کچھ باتوں سے ناواقف رہ جائیں تو کوئی جرم نہیں ہے بلکہ کبھی کبھی تو یہ ناواقفیت ضروری بھی ہوتی ہے۔

ایک پُر لطف واقعہ : چنانچہ ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ کسی شخص نے ایک حکیم سے اپنی بیوی کے بانجھ ہونے کی شکایات کی۔ حکیم صاحب نے اس عورت کی نبض دیکھی اور کہا: اب علاج کرانے سے کوئی فائدہ نہیں ہے' اس لیے کہ نبض سے پتہ چلتا ہے کہ تم چالیس دن کے اندر اندر مر جاؤ گی۔ عورت گھبرا گئی' اس کی زندگی تلخ ہو گئی۔ اس نے اپنا روپیہ پیسہ سب تقسیم کر دیا' وصیتیں لکھ دیں' کھانا پینا سب چھوڑ بیٹھی' چالیس روز گذر گئے' لیکن وہ عورت نہیں مری' اس کا شوہر حکیم کے پاس آیا' اور

صورت حال بیان کی، حکیم نے کہا میں جانتا تھا کہ وہ مرے گی نہیں۔ اب تم اس سے صحبت کرو، بچہ پیدا ہوگا۔ اس نے حیرت سے کہا: وہ کیسے؟ حکیم نے کہا: میں نے دیکھا کہ وہ عورت موٹی ہے، چربی اس کے رحم کے منہ پر جم گئی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ یہ موت کے خوف کے بغیر دبلی نہیں ہوگی۔ اس لیے میں نے اسے خوف زدہ کردیا تھا اب وہ چربی گھل گئی ہے اور بچہ پیدا ہونے کی راہ میں جو رکاوٹ تھی وہ دور ہو گئی ہے۔ اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بعض علوم سے واقف ہونا بھی خطرناک ہے۔ اس واقعہ کی روشنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک ملاحظہ کیجئے:۔

نعوذ باللہ من علم لا ینفع (ابن عبدالبر)

ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اس علم سے جو نفع نہ دے۔

اوپر جو واقعہ بیان کیا گیا ہے اس پر غور کیجئے، جن علوم کی شریعت نے مذمت کی ہے ان کی تحقیق میں وقت ضائع نہیں کیجئے۔ صحابہ کی پیروی لازم سمجھئے، اتباع سنت پر اکتفا کیجئے۔ اس لیے کہ سلامتی اتباع میں ہے "اشیاء کی بحث و تحقیق میں پڑنا خطرہ کا باعث ہو سکتا ہے۔ اپنی رائے، عقل اور دلائل کی بنیاد پر یہ مت سمجھو کہ ہم اگر اشیاء کی تحقیق کر رہے ہیں تو اس میں کیا نقصان ہے۔ یہ نقصان تو بعد میں معلوم ہوگا، بہت سے امور ایسے ہیں جن سے واقفیت تمہارے لیے نقصان دہ ہے اگر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے معاف نہ کیا تو وہی تمہاری تباہی کے لیے کافی ہوں گے۔ نیز یہ بات بھی یاد رکھئے کہ جس طرح حکیم حاذق علاج کے اسرار اور طریقوں سے واقف ہوتا ہے، اور ناواقف اس علاج کو دشوار تصور کرتا ہے، اسی طرح انبیاء علیہم السلام دلوں کے معالج ہیں وہ آخرت کے اسرار و رموز سے واقف ہیں، انھوں نے جو کچھ فرما دیا ہے، اس سے تجاوز نہ کرنا چاہیے ورنہ ہلاکت و بربادی نصیب ہوگی۔

ایک پہلو پر اور غور کیجئے۔ کسی شخص کی انگلی میں کوئی تکلیف ہو تو اس کا خیال یہ ہوتا ہے کہ انگلی پر دوا ملنے سے شاید تکلیف دور ہو جائے گی لیکن حکیم انگلی پر لیپ کرنے کے بجائے ہتھیلی کی پشت پر لیپ کراتا ہے کیونکہ اسے جسم میں رگوں اور پٹھوں کے پھیلنے اور شروع ہونے کی کیفیت اور مقامات کا علم ہے۔ یہی حال راہِ آخرت کا ہے، شریعت کی بیان کردہ سنن اور مستحبات کی باریکیوں کا ہے ان سے صرف انبیاء و اولیاء واقف ہوتے ہیں۔

شریعت کی متعین کردہ عبارتوں میں وہ اسرار و حکم ہیں کہ عقل ان کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ جیسا کہ پتھروں میں بعض عجیب و غریب خصوصیات پائی جاتی ہیں، ان میں بہت سی خصوصیات ایسی ہیں جن کا علم اہلِ فن کو بھی نہیں ہو پاتا۔ مثلاً وہ لوگ یہ نہیں جانتے کہ مقناطیس لوہے کو اپنی طرف کیوں کھینچتا ہے۔ یہ دواؤں اور پتھروں کے خواص کی بات ہے۔ شریعت کے بیان کردہ عقائد اور عبادات میں ان سے کہیں زیادہ خواص ہیں جن سے دلوں کی تطہیر ہوتی ہے، ان کی اصلاح ہوتی ہے۔ خدائے تعالیٰ کا قرب نصیب ہوتا ہے۔ جس طرح دواؤں کے تمام فوائد کا احاطہ کرنے سے عقل عاجز ہے، اسی طرح جو باتیں آخرت کی زندگی کے لیے مفید ہیں ان کا احاطہ بھی ممکن نہیں ہے۔ ورنہ معلوم فوائد کا تجربہ ہی ممکن ہے۔ ہاں یہ تجربہ اس صورت میں ممکن تھا کہ کچھ مردے دنیا میں آکر یہ بتلاتے کہ فلاں فلاں چیزیں اللہ کے قرب کے لیے مفید ہیں، اور فلاں فلاں عمل سے اللہ کا قرب حاصل نہیں ہوتا۔ اسی طرح عقائد کا حال بیان کردیتے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس طرح کے کسی تجربے کی امید نہیں کی جا سکتی۔ بس اب عقل کا ایک ہی فائدہ رہ جاتا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر ایمان لائے، اور جو کچھ ان سے منقول ہے اسے سچ سمجھے، اس کے بعد عقل کو ایک طرف رکھ دینا چاہیئے۔ اب صرف اتباع ضروری ہوگی کیونکہ انسان کی سلامتی اتباع ہی پر موقوف ہے۔

اس گفتگو سے یہ نتیجہ نکلا کہ تمام علوم اس قابل نہیں ہوتے کہ انھیں حاصل کیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

انّ من العلم جهلاً وانّ من القول عیّا (ابوداؤد)
بعض علم جہل ہوتے ہیں' اور بعض باتیں (سمجھنے سے) عاجز کردینے والی ہوتی ہیں۔
نیز ارشاد فرمایا:
قلیل من التوفیق خیر من کثیر من العلم۔
(مسند الفردوس)
تھوڑی توفیق بہت سے علم سے بہتر ہوتی ہے۔
حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ درخت بہت سے ہیں مگر سب بار آور نہیں' پھل بہت سے ہیں مگر سب لذیذ نہیں۔ اسی طرح کہا جاسکتا ہے کہ علوم بہت سے ہیں مگر سب مفید نہیں۔

محرّف اور مسخ شدہ علمی الفاظ

گذشتہ صفحات میں ہم نے کہیں یہ بیان کیا ہے کہ بعض برے علوم شرعی علوم کے دھوکے میں اچھے سمجھ لیے جاتے ہیں۔ ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ شرعی علوم کے الفاظ میں تحریف کرلی گئی ہے' اور غلط مقاصد کے لیے ان کے معنی بدل دیئے گئے ہیں۔ قرن اوّل کے صالحین اور بزرگان دین کے یہاں ان الفاظ کا جو مفہوم تھا اب وہ مراد نہیں لیا جاتا۔ اس طرح کے محرّف اور مسخ شدہ الفاظ پانچ ہیں: فقہ' علم توحید' تذکیر اور حکمت۔۔۔ یہ پانچوں الفاظ بہترین ہیں۔ جو لوگ ان سے متصف تھے وہ دین کے اساطین میں شمار کیے جاتے ہیں لیکن اب یہ الفاظ غلط معنوں میں مستعمل ہیں۔ اب جو لوگ ان الفاظ کے ساتھ متصف ہیں' باوجودیکہ وہ قابل مذمّت ہیں لیکن مصیبت یہ ہے کہ ان کی مذمّت پر طبیعت بھی آمادہ نہیں ہوتی' کیونکہ اس سے پہلے اچھے لوگوں پر ان الفاظ کا اطلاق ہوتا تھا۔ آیئے! اب ہر لفظ کا الگ الگ جائزہ لیں۔

فقہ : فقہ کے معنی میں بظاہر کوئی تبدیلی یا تحریف نہیں ہوئی' لیکن اس میں تخصیص ضرور کی گئی ہے۔ اب فقہ کے معنی یہ ہیں کہ فتووں کی عجیب و غریب جزئیات کا علم حاصل کیا جائے' ان کے پیچیدہ دلائل معلوم کیے جائیں' اس طرح کے مسائل میں خوب بحث کی جائے' اور جو اقوال ان فتووں سے متعلق علماء کے موجود ہیں انھیں حفظ کیا جائے۔ اگر کسی کو ان سب چیزوں پر عبور ہوجائے تو وہ بڑا فقیہ کہلاتا ہے۔ قرن اوّل میں فقہ کے معنی یہ تھے کہ راہ آخرت کا علم حاصل کیا جائے۔ نفس کے فتنوں اور اعمال کی خرابیوں کے اسباب معلوم کیے جائیں' دنیا کی حقارت اور آخرت کی عظمت پوری طرح معلوم ہو۔ دل میں خوف خدا غالب ہو۔ اس کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ۔ (پ ۱۱' ر ۴' آیت ۱۲۲)
تاکہ (یہ) باقی ماندہ لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں اور تاکہ یہ لوگ اپنی اس (قوم) کو جب کہ وہ ان کے پاس آئیں ڈرائیں۔

آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہ کا مقصد خدا سے ڈرانا ہے۔ نہ کے طلاق' عتاق' لعان' سلم اور اجارہ وغیرہ کے مسائل اور ان مسائل کی جزئیات! ان مسائل سے بھلا انذار (ڈرانے) کا مقصد کیسے حاصل ہوسکتا ہے بلکہ حق بات یہ ہے کہ جو لوگ ہمیشہ کے لیے اس کے ہو رہتے ہیں ان کے دل سخت ہوجاتے ہیں' خوف خدا ان کے دلوں سے نکل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ بھی ارشاد فرماتے ہیں:۔

لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا۔ (پ ۹' ر ۱۲' آیت ۱۷۹)

جن کے دل ایسے ہیں جن سے وہ نہیں سمجھتے۔

اس آیت میں فقہ سے مراد ایمان کا فہم ہے' نہ کہ فتاویٰ اور ان کی جزئیات کا فہم۔

ہمارے خیال سے فقہ اور فہم ایک ہی معنی کے لیے دو لفظ ہیں پہلے بھی اور آج بھی یہ دونوں لفظ ان معنوں میں مستعمل ہیں جو ہم نے ابھی بیان کیے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِي صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ۔

(پ ۲۸' ر ۵' آیت ۱۳)

بے شک تم لوگوں کا خوف ان (منافقین) کے دلوں میں اللہ سے بھی زیادہ ہے' اور یہ اس لیے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھتے نہیں ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کم ڈرنے اور معبود حقیقی کی بہ نسبت لوگوں سے زیادہ مرعوب ہونے کا سبب یہ بتلایا ہے کہ ان میں "فقہ" نہیں ہے۔ اب غور کیجئے کہ یہاں فقہ کا مطلب فتاویٰ کی جزئیات یاد نہ رکھنا ہے' یا ان چیزوں کا یاد نہ رکھنا ہے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ اسی طرح ایک روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے بارے میں جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے یہ فرمایا:

علماء حکماء فقهاء (ابو نعیم)

یہ لوگ عالم ہیں' دانا ہیں' فقیہ ہیں۔

اس حدیث میں آپ نے صحابہ کے لیے "فقیہ" کا لفظ استعمال کیا جو فروعی مسائل سے واقف نہ تھے۔ سعد ابن ابراہیم زہریؒ سے کسی نے پوچھا کہ مدینہ منورہ کے باشندوں میں سے کون زیادہ فقیہ ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ شخص جو اللہ سے زیادہ ڈرتا ہو۔ گویا زہری نے فقہ کا نتیجہ بیان کیا کہ وہ خوف خدا ہے۔ اور خوف خدا علم باطن کا ثمرہ ہے نہ کہ فتاویٰ کے فروعی مسائل کا۔ اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا:

الا انبئکم بالفقیه کل الفقیه؟ قالوا بلیٰ' من لم یقنط الناس من رحمة اللہ ولم یؤمنهم من مکر اللہ ولم یؤیسهم من روح اللہ ولم یدع القرآن رغبة عنه الی ما سواه (ابن عبد البر)

ترجمہ: کیا تمہیں یہ نہ بتلاؤں کہ مکمل فقیہ کون ہے؟ سب نے عرض کیا! کیوں نہیں! فرمایا' مکمل فقیہ وہ ہے جو لوگوں کو خدا کی رحمت سے ناامید نہ کرے۔ اس کے عذاب سے انہیں بے خوف نہ کرے۔ اس کے فیض سے انہیں مایوس نہ کرے اور کسی چیز کی خواہش میں قرآن نہ چھوڑے۔

حضرت انس بن مالک نے ایک مجلس میں یہ حدیث بیان فرمائی۔

لان اقعد مع قوم یذکرون اللہ تعالیٰ من غدوة الی طلوع الشمس احب الی من ان اعتق اربع رقاب (ابو داؤد)

میرا ایسے لوگوں کے ساتھ بیٹھنا جو صبح سے طلوع آفتاب تک اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں' میرے نزدیک چار غلام آزاد کرنے سے زیادہ اچھا ہے۔

پھر یزید رقاشی اور زیاد نمیری سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ پہلے ذکر کی مجلسیں ایسی نہ تھیں' جیسی تمہاری یہ مجلسیں ہیں کہ تم میں سے ایک شخص قصے بیان کرتا ہے' وعظ و نصیحت کرتا ہے' خطبے دیتا ہے اور احادیث بیان کرتا ہے' ہم لوگ تو ایک جگہ بیٹھ کر ایمان کا ذکر کرتے' قرآن پاک میں تدبر کرتے' اور دین سمجھتے' اور اللہ کی نعمتیں شمار کرتے۔ اس روایت میں حضرت انسؓ نے ایمان کے

ذکر، تدبر فی القرآن، فہم دین، اور اللہ تعالی کی نعمتوں کے تذکرہ کو فقہ قرار دیا ہے۔ ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں:۔

لا یفقہ العبد کل الفقہ حتی یمقت الناس فی ذات اللہ وحتی یری القرآن وجوھا کثیرۃ (ابن عبدالبر)

بندہ اس وقت تک مکمل فقیہ نہیں ہوتا جب تک کہ اللہ کی ذات کے لیے لوگوں کو ناراض نہ کردے اور قرآن میں بہت سی وجوہات کا اعتقاد نہ کرے۔

یہ روایت ابوالدرداء سے موقوفاً بھی ثابت ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ پھر وہ اپنے نفس کی طرف متوجہ ہو اور سب سے زیادہ اس سے ناخوش رہے۔ فرقد سنجیؒ نے حسن بصریؒ سے کوئی سوال کیا، آپ نے اس کا جواب دیا۔ انھوں نے کہا فقہاء کی رائے آپ کی رائے کے خلاف ہے۔ حسن بصریؒ نے فرمایا: اے فرقد! تو نے کہیں فقیہ دیکھا بھی ہے۔ فقیہ تو وہ ہے جو دنیا سے نفرت کرنے والا ہو، آخرت سے محبت کرنے والا ہو، دین کی سمجھ رکھنے والا ہو، وہ پابندی سے اپنے رب کی عبادت کرتا ہو، پرہیز گار ہو، مسلمانوں سے اعراض نہ کرتا ہو، ان کے مال و دولت کا حریص نہ ہو، ان کا خیر خواہ ہو۔ حضرت حسنؒ نے فقیہ کی متعدد خصوصیات بیان فرمائیں مگر یہ نہیں فرمایا کہ وہ فتاوی کی جزئیات کا حافظ بھی ہو۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ فقہ فتاوی کو شامل نہ تھا۔ بلکہ یہ کہتے ہیں کہ فتاوی پر فقہ کا اطلاق بطریق عموم یا بطریق تبعیت تھا۔ اکثر سلف صالحین فقہ کو علم آخرت ہی کے لیے استعمال کرتے تھے۔ اب اس میں فتاوی کی تخصیص کردی گئی ہے۔ جس سے لوگ دھوکا کھا رہے ہیں۔ اور وہ فقہی احکام کی تحصیل میں منہمک ہیں۔ علم آخرت سے اور علم باطن سے گریزاں ہے اور اس لیے یہ بہانہ تراشا جا رہا ہے کہ علم باطن نہایت دقیق، اور پیچیدہ ہے اس پر عمل کرنا مشکل ہے، محض علم باطن کی بناء پر عہدوں کا ملنا اور مال و متاع کا حاصل ہونا بھی دشوار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیطان نے لوگوں میں فقہ ظاہری کی عظمت بٹھادی ہے۔

علم : دوسرا لفظ علم ہے کہ پہلے اس لفظ کا اطلاق خدا تعالی کی ذات، اس کی آیت، اور مخلوق میں اس کے افعال کی معرفت پر ہوتا تھا۔ چنانچہ جب حضرت عمرؓ کی وفات ہوئی تو حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے فرمایا تھا:

مات تسعۃ اعشار العلم

کہ علم کے دس حصوں میں سے نو حصے رخصت ہوگئے۔

اس میں ابن مسعودؓ نے علم کو معرفہ استعمال کیا، پھر خود ہی لوگوں کے استفسار پر بتلا بھی دیا کہ علم سے میری مراد اللہ سبحانہ و تعالی کا علم ہے۔ لوگوں نے اس لفظ میں بھی تخصیص کی ہے۔ یہ مشہور کردیا گیا ہے کہ جو شخص فریق مخالف سے فقہی مسائل میں خوب مناظرے کرے، اور رات دن اسی میں لگا رہے حقیقت میں عالم وہی ہے۔ دستار فضیلت اسی کے سر پر ہے۔ جو شخص مناظرہ میں مہارت نہ رکھتا ہو، یا مہارت کے باوجود پہلو تہی کرتا ہو اسے کمزور سمجھا جاتا ہے اور اہل علم میں شمار نہیں کیا جاتا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن حدیث میں علم یا علماء کے جو فضائل بیان کیے گئے ہیں وہ صرف ان علماء پر منطبق ہوتے ہیں جو اللہ تعالی کی ذات و صفات، افعال اور احکام کا علم رکھتے ہوں۔ اب عالم اس شخص کو کہا جانے لگا جو شرعی علم نہ جانتا ہو، محض نزاعی مسائل میں الجھنے کے فن سے واقف ہو۔ اسی فن کی بنیاد پر اسے یگانہ روزگار عالم سمجھا جاتا ہے۔ یہی چیز بہت سے طالبعلموں کے حق میں مہلک اور تباہ کن ثابت ہوئی۔

توحید : تیسرا لفظ توحید ہے۔ موحد یا اہل توحید کی اب یہ تعریف کی جاتی ہے کہ وہ بحث و مباحثہ اور مناظرہ کے فن سے واقف ہوں، فریق مخالف کو خاموش کرسکیں، ہر مسئلے میں ہزار سوالات اور اعتراضات پیدا کرنے پر قدرت رکھتے ہوں۔ بعض فرقوں نے جو اس طرح کے امور میں مشغول ہیں اپنا نام اہل عدل و توحید رکھ لیا ہے، متکلمین کو بھی علمائے توحید کہا جانے لگا ہے، حالانکہ اس فن

کی جو بنیادی چیزیں ہیں قرن اول میں ان کا وجود بھی نہ تھا بلکہ اس دور کے لوگ اس شخص پر ناراضگی کا اظہار کرتے تھے جو مناظرانہ کج بحثی کرتا ہو۔ البتہ وہ واضح قرآنی دلائل جنھیں ذہن آسانی سے قبول کرلیتا ہے اس دور کے لوگوں کو معلوم تھے' قرآن ہی ان کے یہاں علم تھا' توحید کا اطلاق ان کے یہاں ایک دوسرے علم پر ہوتا تھا' اکثر متکلمین اس علم سے واقف ہی نہیں ہیں۔ اور اگر واقف بھی ہیں تو اس پر عمل نہیں کرتے۔ توحید کا حقیقی مفہوم انسان کا یہ عقیدہ ہے کہ جو کچھ ہے' یا جو کچھ ہوگا وہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔ اور یہ اعتقاد ایسا ہو کہ اس کے سامنے اسباب و ذرائع کی کوئی اہمیت نہ رہے۔ توحید ایک عظیم مرتبہ ہے' جس کا ایک ثمرہ توکل ہے۔ اس کی وضاحت ہم توکل کے باب میں کریں گے۔ توحید کا ایک ثمرہ یہ ہے کہ بندہ خلق کی شکایت نہ کرے' نہ ان پر غصہ کرے' خدائے تعالیٰ کے حکم پر راضی رہے' اور اپنے سب کام اسی کے سپرد کردے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیقؓ بیمار ہوئے تو لوگوں نے عرض کیا: ہم آپ کے لیے حکیم بلا لائیں' آپ نے ارشاد فرمایا: مجھے تو حکیم نے بیمار کیا ہے' ایک روایت میں یہ واقعہ اس طرح ہے کہ جب آپ بیمار ہوئے' تو لوگوں نے عرض کیا کہ حکیم نے آپ کے مرض کے بارے میں کیا کہا ہے فرمایا: طبیب نے کہا ہے:۔

اِنَّ رَبَّکَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ۔ (پ ۱۲' ر ۹' آیت ۱۰۷)

آپ کا رب جو کچھ چاہے اس کو پورے طور سے کر سکتا ہے۔

توکل و توحید کے ابواب میں ان ثمرات کے مزید دلائل بیان کیے جائیں گے۔ انشاء اللہ۔

توحید دراصل ایک جوہر نفیس ہے' جس کے دو چھلکے ہیں۔ ایک اس سے متصل' اور دوسرا اس سے دور۔ موجودہ دور کے علماء نے توحید کا اطلاق دور کے چھلکے پر کیا ہے۔ اس چھلکے کے کچھ حصہ کو بھی توحید کے فن میں شامل کرلیتے ہیں جو مغز سے قریب ہے۔ مغزیا گری کو انھوں نے ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ توحید کو اگر ایک مغز قرار دے دیا جائے تو اس کا پہلا چھلکا یہ ہے کہ زبان سے لا الٰہ الا اللہ کہا جائے۔ یہ توحید وہ ہے جو نصاریٰ کے عقیدۂ تثلیث کے خلاف ہے' مگر اس طرح کی توحید کا اعتقاد تو منافق بھی کرلیتے ہیں۔ توحید کا دوسرا چھلکا یہ ہے کہ جو کچھ زبان سے کہا جائے دل میں اس کے خلاف کوئی عقیدہ موجود نہ ہو' بلکہ جو کچھ کہا جائے اس کی تصدیق دل میں ہو۔ یہ عوام کی توحید ہے' متکلمین' اہل بدعت سے اسی توحید کی حفاظت کرتے ہیں توحید کا مغز (جو ہر یا لبِّ لباب) یہ ہے کہ بندہ تمام امور کا منبع اور سرچشمہ ذات الٰہی کو قرار دے۔ درمیان کے واسطوں کی کوئی اہمیت نہ ہو۔ صرف اسی ذاتِ واحد کو اپنی عبادت کا مرکز ٹھہرائے۔ اس توحید سے وہ لوگ نکل جاتے ہیں جو خواہش نفس کی اتباع کرتے ہیں اس لیے کہ اپنی خواہشات کی اتباع کرنے والوں کا معبود خود ان کی خواہشیں ہوتی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔

اَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ (پ ۱۹' ر ۲' آیت ۴۳)

اے پیغمبر! آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

ابغض الٰہ عبد فی الارض عند اللہ تعالیٰ ہو الھوی (طبرانی)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین معبود جس کی زمین پر پرستش کی جائے' خواہش نفس ہے۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ بت پرست بتوں کی عبادت نہیں کرتا' بلکہ اپنی خواہشِ نفس کی پرستش کرتا ہے۔ اس لیے کہ اس کا نفس اپنے آباؤ و اجداد کے دین کی طرف مائل ہے۔ وہ اسی رجحان کی اتباع کرتا ہے اور نفس کا ان چیزوں کی اتباع کرنا جن کی طرف اس کا میلان ہے خواہشِ نفس کی اتباع کہلاتا ہے۔ اس توحید کا ایک ثمرہ یہ بھی ہے کہ مخلوق پر غصہ' یا ان کی طرف التفات بھی باقی نہیں رہتا۔ اس لیے کہ جو شخص تمام امور کے سلسلے میں یہ اعتقاد رکھے گا کہ ان سب کی انتہا اور ابتداء اس ذاتِ واحد سے ہوتی ہے تو وہ دوسروں پر کس طرح غصے کا اظہار کر سکتا ہے۔

یہ ہے توحید کا وہ تصوّر جو قرنِ اوّل میں رائج تھا۔ یہ صدّیقین کا مرتبہ تھا' جسے آج کل کے علماء نے مسخ کر دیا اور مغز چھوڑ کر محض چھلکے کو کافی سمجھنے لگے' بلکہ اس پر فخر بھی کرنے لگے۔ حالانکہ یہ فخر محض ظاہری لفظ پر ہو سکتا ہے۔ ورنہ لفظ تو حقیقی مفہوم سے بہت دور ہے اور وہی حقیقی مفہوم قابل تعریف بھی ہے۔ اس کی مثال تو اس شخص کی سی ہے جو صبح سویرے اٹھے اور قبلہ رو ہو کر یہ کہے:

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا (پ ۷' ر ۱۵' آیت ۸۰)

میں اپنا رخ اس کی طرح کرتا ہوں جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا۔

ایسا شخص اپنی صبح کا آغاز اللہ تعالیٰ سے جھوٹ بول کر کرتا ہے۔ اس لیے کہ اگر وہ اپنے چہرہ سے ظاہری چہرہ مراد لے رہا ہے تو واقعی اس کے چہرہ کا رخ قبلہ کی طرف ہے' لیکن اس ذات پاک کی طرف نہیں جس نے زمین و آسمان پیدا کئے۔ اور جو کعبہ کی طرف متوجہ ہے۔ کعبہ کی طرف اس کا رخ ہونے سے وہ اس کی طرف بھی متوجہ ہو گا۔ اور اگر اس شخص کی مراد چہرۂ دل ہے' اس کا یہ دعویٰ بھی جھوٹ پر مبنی ہو گا' کیونکہ اس کا دل تو دنیاوی اغراض میں گرفتار ہے اور طلب جاہ و مال کے ذرائع تلاش کرنے میں مصروف ہے' اس کا دل کیسے فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی طرف متوجہ ہو سکتا ہے۔

مذکورہ آیت دراصل توحید کا اصل تصوّر واضح کرتی ہے۔ حقیقت میں موحّد وہی ہے جو واحد حقیقی کے علاوہ کسی اور کی طرف نہ دیکھے' اپنے دل کی توجہ کا مرکز اس ذات واحد کے علاوہ کسی اور کو نہ بنائے۔ یہ توحید اس ارشاد باری کی تعمیل ہے۔

قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ۔ (پ ۷' ر ۱۷' آیت ۹۱)

آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے' پھر ان کو ان کے مشغلہ میں بے ہودگی کے ساتھ لگے رہنے دیجئے۔

یہاں قول سے مراد زبان کا قول نہیں ہے۔ زبان محض ترجمان ہے۔ یہ سچ بھی بول سکتی ہے اور جھوٹ بھی' اللہ تعالیٰ کے یہاں تو دل کی اہمیت ہے' دل ہی توحید کا منبع اور سرچشمہ ہے۔

ذکر: چوتھا لفظ ذکر ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ (پ ۲۷' ر ۲' آیت ۵۵)

اور سمجھاتے رہیے کیونکہ سمجھانا (ایمان لانے والوں) کو بھی نفع دے گا۔

ذکر کی مجلسوں کی تعریف کے سلسلے میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

اذا مررتم بریاض الجنة فارتعوا قیل وما ریاض الجنة قال مجالس الذکر۔ (ترمذی)

جب تم جنت کے باغوں سے گذرو تو چر لیا کرو عرض کیا گیا' جنت کے باغ کون سے ہیں فرمایا: ذکر کی مجلسیں۔

ایک حدیث میں ہے:

ان للہ تعالٰی ملائکة سیاحین فی الھواء سوی ملائکة الخلق اذا راوا مجالس الذکر ینادی بعضھم بعضا الا ھلموا الی بغیتکم۔ فیاتونھم ویحفون بھم ویستمعون' الا فاذکروا اللہ واذکروا بانفسکم (بخاری و مسلم)

اللہ تعالیٰ کے کچھ گھومنے والے فرشتے ہیں مخلوق کے فرشتوں کے علاوہ۔ جب وہ ذکر کی مجلسیں دیکھتے ہیں تو

ایک دوسرے کو آواز دیتے ہیں' آؤ یہاں تمہارا مقصود ہے۔ تب وہ ان مجلس والوں کے پاس آتے ہیں۔ ان کو گھیر لیتے ہیں اور ان کا ذکر سنتے ہیں۔ اللہ کا ذکر کیا کرو اور اپنے نفس کو سمجھایا کرو۔

اس ذکر و تذکیر کا اطلاق آج کل ان واعظانہ تقریروں پر ہوتا ہے جو عام طور پر واعظ حضرات کرتے رہتے ہیں اور جن میں قصّے' اشعار اور شطحیات اور طامات کی بھرمار ہوتی ہے۔ حالانکہ قصّے بدعت ہیں' اور اکابر سلف نے قصّہ گو کے پاس بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں' اور ابوبکرؓ و عمرؓ کے دور خلافت میں قصّوں کا وجود نہ تھا۔ یہاں تک فتنہ پیدا ہوا' اور قصّہ گو نکل کھڑے ہوئے۔ ابن عمرؓ کی ایک اور روایت یہ ہے کہ ایک روز وہ مسجد سے باہر نکل گئے اور فرمایا کہ مجھے قصّہ گو نے مسجد سے نکالا ہے' اگر قصّہ گو نہ ہوتا تو میں مسجد سے نہ نکلتا۔ ضمرہؒ کہتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوریؒ سے پوچھا: کیا ہم قصّہ گو کی طرف منہ کرکے بیٹھ سکتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ بدعتیوں کی طرف سے رخ پھیر کر بیٹھا کرو۔ ابن عونؒ کہتے ہیں کہ میں ابن سیرینؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آج یہ کوئی اچھی بات نہ ہوئی کہ امیر نے قصّہ گویوں کو قصّے بیان کرنے سے روک دیا۔ ابن سیرین نے فرمایا کہ امیر کو ایک بہترین کام کی توفیق ملی۔ اعمشؒ ایک روز بصرہ کی جامع مسجد میں تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ ایک شخص بیان کررہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ ہم سے اعمش نے روایت کی۔ اتنا سنتے ہی اعمش حلقۂ وعظ میں جاگھسے اور اپنی بغل کے بال اکھاڑنے لگے۔ واعظ نے کہا: بڑے میاں! تمہیں مجمع کے سامنے بال اکھاڑتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ اعمش نے کہا میں کیوں شرم کروں۔ میں تو سنّت ادا کررہا ہوں۔ تو جھوٹا ہے کہ اعمش کی طرف روایت منسوب کررہا ہے۔ میں اعمش ہوں اور میں نے تجھ سے کوئی روایت بیان نہیں کی ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں میں سب سے زیادہ دروغ گو قصّے کہنے والے اور بھیک مانگنے والے ہوتے ہیں۔ حضرت علیؓ نے بصرہ کی جامع مسجد سے ایک قصّہ گو واعظ کو باہر نکال دیا تھا لیکن جب حسن بصریؒ کا وعظ سنا تو انہیں باہر نہیں نکالا۔ اس لیے کہ وہ علمِ آخرت کے بارے میں گفتگو کرتے تھے' موت کو یاد دلاتے تھے' نفس کے عیوب اور عمل کے فتنوں سے آگاہ کرتے تھے اور یہ بتلاتے تھے کہ شیطانی وساوس کیا ہیں اور ان سے بچنے کی کیا تدبیریں ہیں۔ خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر فرماتے تھے اور ان نعمتوں کا مقابلے میں بندوں کی شکر گزاری اور منت کشی کی کوتاہی بیان کرتے تھے۔ وہ یہ بھی بیان فرماتے تھے کہ دنیا حقیر چیز ہے۔ ناپائیدار ہے' بے وفا ہے' اس کے مقابلے میں آخرت کے خطرات سے بھی آگاہ فرمایا کرتے تھے۔

__شرعی تذکیر__ : شرعی تذکیر وہ ہے جس کی حدیث میں بھی ترغیب دی گئی ہے۔ ابوذر فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجلسِ علم میں حاضر ہونا ہزار رکعت پڑھنے' ہزار بیماروں کی عیادت کرنے اور ہزار جنازوں میں شرکت کرنے سے افضل ہے۔ کسی نے پوچھا! یا رسول اللہ! قرآنِ پاک کی تلاوت سے بھی افضل ہے؟ فرمایا کہ قرآن کی تلاوت بھی علم ہی سے مفید ہے۔(۱) عطا کا قول ہے کہ ایک مجلس ذکر' لہو و لعب کی ستر مجلسوں کا کفارہ ہے۔ یہ ملمع ساز واعظین اس طرح کی احادیث اپنے قلوب کے تزکیہ کے لیے بطور دلیل استعمال کررہے ہیں۔ انہوں نے اپنی خرافات کا نام تذکیر رکھ لیا ہے۔ ذکر کے پسندیدہ طریقے چھوڑ دیئے ہیں اور ان قصّوں کو اپنے روز و شب کا مشغلہ بنالیا ہے۔ جن میں اختلافات بھی ہیں اور کمی بیشی کا عمل بھی جاری ہے۔ یہ قصّے ان قصّوں سے بالکل الگ ہیں جو قرآن کریم میں وارد ہیں۔ ان میں وہ قصّے بھی ہیں جو مفید ہیں اور وہ بھی ہیں جو سچے ہونے کے باوجود اپنے سننے والوں کے لیے مضر ہیں۔ جو شخص قصّہ گوئی کا فن اختیار کرتا ہے وہ سچ اور جھوٹ' مفید اور مضر میں خلط ملط کردیتا ہے۔ اسی لیے اس طریق تذکیر سے منع کیا گیا ہے۔ چنانچہ امام احمد حنبلؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں کو سچے حالات بیان کرنے والوں کی بڑی ضرورت ہے۔ اس تفصیل کی روشنی میں قصّہ گوئی کے سلسلے میں یہ اصول سامنے آتا ہے کہ اگر قصّے انبیاء علیہم السلام

---

(۱) یہ حدیث پہلے باب میں گذر چکی ہے۔

کی دینی زندگی سے متعلق ہوں اور قصّہ گو سچا ہو تو ایسے قصّوں کے سننے میں بظاہر کوئی برائی نہیں ہے۔ البتہ ایسے شخص کو چاہیے کہ وہ جھوٹ سے احتراز کرے اور وہ واقعات بھی بیان نہ کرے جو اگرچہ سچے ہوں لیکن ان میں صاحب واقعہ کی لغزشوں اور کوتاہیوں کا تذکرہ ہو۔ ان کے ایسے واقعات بھی ذکر نہ کرنے چاہئیں جنہیں عوام نہ سمجھ سکیں۔ اسی طرح وہ لغزش بھی ذکر نہ کرے جس کے کفارہ کے طور پر صاحب واقعہ نے ان گنت نیکیاں کی ہوں۔ اس لیے کہ عوام محض غلطی کو اپنے لیے دلیل بنالیتے ہیں اور اسے اپنے گناہوں کے عذر کے بطور پیش کرتے ہیں کہ فلاں شیخ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے۔ اگر میں نے یہ گناہ کرلیا تو کیا ہوا، مجھ سے زیادہ بزرگ اور افضل شخص نے اس کا ارتکاب کیا ہے اور یہی جرات پھر اس کو اللہ تعالیٰ کے تئیں جری بنادیتی ہے۔ چنانچہ اگر قصّہ گو اپنے قصّوں میں ان امور کو لحاظ رکھے تو پھر قصّہ گوئی میں کوئی قباحت نہیں ہے لیکن اس کے باوجود بھی وہی قصّے اچھے کہے جائیں گے جو قرآن و حدیث میں مذکور ہیں۔

من گھڑت قصے اور پُر تکلف سجع: بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اطاعات کے سلسلے میں رغبت دلانے کے لیے قصّے، کہانیاں گھڑ لیتے ہیں اور اپنے اس عمل کو صحیح خیال کرتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہوتی ہے کہ ہمارا مقصد مخلوق کو راہِ حق کی طرف بلانا ہے۔ یہ ایک شیطانی وسوسہ ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے کلام میں اتنا کچھ موجود ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے جھوٹ کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی اور نہ دین میں کوئی نئی بات وضع کرنے کی گنجائش ہی رہتی ہے۔ واعظین حضرات اپنی جھوٹی سچی باتیں، پُر تکلف اور مسجع مقفیٰ عبارت میں بیان کرتے ہیں حالانکہ سجع کے تکلف کو مکروہ سمجھا گیا ہے اور اسے تصنع قرار دیا گیا ہے چنانچہ سعد بن ابی وقاص کے بارے میں روایت ہے کہ ان کے صاحبزادے عمرو کسی کام کے لیے ان کے پاس حاضر ہوئے اور اپنے مقصد کا اظہار مقفیٰ مسجع عبارت میں کیا۔ سعد نے کہا تیری یہی حرکت تو ہے جس سے مجھے نفرت ہوتی ہے۔ میں اس وقت تک تیری ضرورت پوری نہیں کروں گا جب تک تو توبہ نہ کرلے۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ ابن رواحہ کے تین مسجع کلمے سن کر ارشاد فرمایا۔

ایاک والسجع یاابن رواحة (ابن سنی، ابو نعیم، احمد)

اے ابن رواحہ! اپنے آپ کو سجع سے دور رکھو۔

اس سے معلوم ہوا کہ دو کلموں سے زیادہ کی سجع تکلف شمار کی جاتی تھی اور اس سے منع کیا جاتا تھا۔ اسی طرح کی ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے جنین کے خوں بہا کے سلسلے میں یہ الفاظ کہے۔

کیف ندی من لا شرب ولا اکل، ولا صاح ولا استھل، ومثل ذلک یطل

ہم اس بچے کی دیت کیسے دیں جس نے نہ پیا، نہ کھایا، نہ چیخا، نہ چلایا، اس جیسا تو معافی کے قابل ہے۔

یہ الفاظ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اسجع کسجع الاعراب (مسلم)

عربوں کی طرح سجع کرو۔

اشعار کا حال: یہ حال تو قصّوں، کہانیوں کا ہے۔ اب آیئے! اشعار کے متعلق گفتگو کرتے ہیں۔ آج کل واعظین کے یہاں اشعار کی بھی کثرت ہے۔ شعر اور شاعروں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

۱۔ وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ۔ (پ ۱۹، ر ۱۵، آیت ۲۲۵-۲۲۶)

اور شاعروں کی راہ تو بے راہ لوگ چلا کرتے ہیں، کیا تم کو معلوم نہیں کہ وہ (خیالی مضامین کے) ہر میدان میں حیران پھرا کرتے ہیں۔

۲ - وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ - (پ ۲۳' ر ۴' آیت ۶۹)

اور ہم نے آپ کو شاعری کا علم نہیں دیا اور نہ وہ آپ کے شایانِ شان تھا۔

جس طرح کے اشعار ہمارے واعظین کی تقریروں میں ملتے ہیں۔ ان میں سے بیشتر عشق کی کیفیت' معشوق کے حسن و جمال کی تعریف اور وصال و فراق کے قصّوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ مجلسِ وعظ میں سیدھے سادھے عوام اور کم پڑھے لکھے لوگوں کا مجمع ہوتا ہے۔ ان کے باطن میں شہوت کے جذبات موجزن رہتے ہیں۔ ان کے دلوں میں خوبصورت چہروں کا تخیل رہتا ہے۔ وہ جب اس طرح کے بے ہودہ اشعار سنتے ہیں تو ان میں شہوت کی آگ بھڑک اٹھتی ہے وہ ان اشعار پر جھومتے ہیں' وجد کرتے ہیں اور داد دیتے ہیں۔ انجام ان سب اشعار کا خرابی ہوتا ہے۔ اس لیے صرف وہی اشعار استعمال کرنے کی اجازت ہے جن میں نصیحت و حکمت ہو اور انہیں بطور دلیل یا مانوس کرنے کی غرض سے استعمال کیا جارہا ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

ان من الشعر لحکمة (بخاری)

بعض اشعار حکمت سے پُر ہوتے ہیں۔

تاہم اگر مجلس وعظ میں صرف مخصوص لوگ ہوں اور ان کے دل اللہ تعالیٰ کی محبت سے سرشار ہوں تو ایسے لوگوں کے حق میں وہ شعر نقصان دہ نہیں ہوتے جو بظاہر مخلوق کے متعلق معلوم ہوتے ہیں کیونکہ سننے والا سنتا ہے وہ معنیٰ پہچان لیتا ہے جو اس کے دل میں موجود ہوں۔ اس کی تفصیل باب السماع میں بیان کی جائے گی۔

بعض بزرگوں کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ عام مجلسوں میں وعظ کرنے سے گریز فرماتے تھے۔ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ دس بارہ آدمیوں میں تقریر کرتے' اگر زیادہ لوگ ہوتے تو خاموش رہتے۔ ان کی مجلسِ وعظ میں کبھی بیس سے زیادہ افراد شریک نہیں ہوئے۔ ایک مرتبہ سالم کے مکان کے دروازے پر کچھ لوگ جمع ہوئے۔ ان میں سے کسی نے کہا یہ سب آپ کے دوست احباب ہیں کچھ بیان فرمایئے۔ انہوں نے کہا یہ میرے دوست احباب نہیں' یہ تو مجلس کے لوگ ہیں۔ میرے دوست احباب تو مخصوص لوگ ہیں۔

<u>شطحیات</u> : شطحیات وہ چیزیں ہیں جنہیں بعض صوفیوں نے گھڑلیا ہے۔ اس طرح کی شطحیات دو طرح کی ہیں۔ کچھ شطحیات وہ ہیں جو عشق الٰہی اور وصالِ الٰہی کے متعلق ان صوفیوں سے منقول ہیں۔ اس سلسلے میں اتنے بلند و بانگ دعوے کیے گئے ہیں کہ ظاہری اعمال بیکار نظر آتے ہیں۔ بعض لوگ تو وحدت کا دعویٰ کر بیٹھے۔ کہتے ہیں کہ حجاب اٹھ گیا' مشاہدۂ حق ہو گیا' خطاب حضوری حاصل ہوا۔ تم یہ کہتے ہو اور ہمیں یہ حکم ہوا وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح کے دعووں کے سلسلے میں وہ حسین ابن منصور حلاج اور حضرت بایزید بسطامیؒ کی تقلید کرتے ہیں۔ ابو منصور نے اسی طرح کے چند دعوے کیے تھے اور انا الحق کہا تھا جس کی وجہ سے انہیں سولی دے دی گئی تھی۔ حضرت بسطامیؒ کے بارے میں روایت ہے کہ انہوں نے سبحانی (پاک ہے میری ذات) کہا تھا۔ یہ وہ پہلو ہے جس سے اُمّت کو شدید نقصان پہنچا ہے یہاں تک کہ بعض کسان بھی اپنی کھیتی باڑی چھوڑ کر اس طرح کے دعوے کرنے لگے۔ ان دعووں میں بظاہر کشش ہوتی ہے اور پھر یہ بات ہے کہ اس طرح کے دعوے کرنے کے بعد نہ عمل کی ضرورت ہے نہ مقامات اور احوال طے کرنے کی اور نہ تزکیۂ نفس و اصلاحِ قلب کی۔ اس میں اتنی کشش ہے کہ کم فہم لوگ اس طرح کے مہمل' لغو اور باطل دعوے کرنے لگتے ہیں۔ اگر اعتراض کیا جاتا ہے تو وہ یہ کہہ کر پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں کہ یہ اعتراض علم اور مناظرہ کی وجہ سے سامنے آیا' علم ایک حجاب ہے اور مناظرہ نفس کا عمل ہے جبکہ ہمیں یہ مرتبہ مکاشفہ کے ذریعہ حاصل ہوا ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اس طرح کی باتیں عوام میں جڑ پکڑنے لگی ہیں اور یہ اتنی مضر اور خطرناک ہیں کہ اگر کوئی شخص اس طرح کی بات کہے تو دس افراد کی زندگی کے لیے اس ایک شخص کو مار ڈالنا ہی بہتر ہے۔

حضرت بایزید بسطامی سے جو قول نقل کیا گیا ہے اوّل تو اس کی صحت میں کلام ہے لیکن اگر تسلیم بھی کرلیا جائے تو یہ ممکن ہے کہ انہوں نے وہ الفاظ خدا ہی کی شان میں اس کے کسی ارشاد کی تائید میں کہے ہوں گے۔ مثلاً "دل دل میں وہ یہ آیت تلاوت فرمارہے تھے اور پھر زور زور سے "سبحانی سبحانی" کہنے لگے۔

اِنَّنِیۡ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدۡنِیۡ۔ (پ۱۶ ر۱۰ آیت ۱۴)

میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں تم میری ہی عبادت کیا کرو۔

اس سننے والے کو یہ نہ سمجھنا چاہیے تھا کہ وہ اپنا حال بیان کررہے ہیں بلکہ وہ جملہ بھی اس آیت کی طرح بطور حکایت تھا۔

شطحیات کی دوسری قسم میں وہ مبہم الفاظ شامل ہیں جن کے ظواہر تو اچھے ہوتے ہیں لیکن ان کے معانی خطرناک اور غیر مفید ہوتے ہیں۔ ان میں بھی بعض الفاظ ایسے ہوتے ہیں جن کے معنی خود کہنے والا بھی نہیں سمجھتا بلکہ محض دماغی خلل یا پریشان خیالی کے باعث ان کی ادائیگی ہوتی ہے۔ ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ جو کلام وہ سنتا ہے اس کے معنی پر متوجہ ہی نہیں ہوتا بلکہ بغیر سمجھے سنا ہوا دہرانا شروع کردیتا ہے۔ ایسا عموماً ہوتا ہے۔ بعض الفاظ ایسے ہوتے ہیں جنہیں وہ خود تو سمجھتا ہے لیکن کسی دوسرے کو نہیں سمجھا سکتا اور نہ ایسی عبارت وضع کرسکتا ہے جس سے اس کا مافی الضمیر واضح ہو اس لیے کہ وہ شخص ماہر علم نہیں ہے اور نہ معانی کو الفاظ کے ذریعہ ظاہر کرنے کے فن سے واقف ہے۔ اس طرح کے کلام سے فائدہ کے بجائے دل و دماغ پریشان ہوتے ہیں۔ ذہن الجھتے ہیں۔ یا وہ معنی سمجھ لیے جاتے ہیں جو مقصود نہ ہوں۔ اس صورت میں ہر شخص اسے اپنی طبیعت کے رجحان کے مطابق سمجھتا ہے۔ حالانکہ ارشاد نبوی ہے۔

ماحدث احدکم قوما بحدیث لا یفہمونہ الا کان فتنۃ علیہم (ابن السنی، ابو نعیم)

جو شخص تم میں سے کسی قوم کے سامنے ایسی حدیث بیان کرتا ہے جسے وہ نہ سمجھتے ہوں تو یہ حدیث ان کے لیے فتنہ کا باعث ہوتی ہے۔

کلموا الناس بما یعرفون ودعوا ما ینکرون اتریدون ان یکذب اللّٰہ ورسولہ (بخاری)

لوگوں سے وہ باتیں کرو جو وہ جانتے ہوں جو وہ نہ جانتے ہوں ایسی باتیں مت کرو کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی جائے۔

یہ حکم ایسے کلام کے متعلق ہے جسے متکلم سمجھتا ہو لیکن سامع کی عقل اس کی فہم سے قاصر ہو۔ اس سے اندازہ کرلیجئے کہ وہ کلام کیسے جائز ہوسکتا ہے جسے سننے والا تو کیا بولنے والا بھی نہیں سمجھتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حکمت کی باتیں ایسے لوگوں کے سامنے بیان کرو جو ان باتوں کے اہل نہ ہوں۔ اگر ایسا کروگے تو حکمت پر یہ تمہارا ظلم ہوگا اور جو حکمت کے اہل ہوں انہیں ضرور سناؤ ورنہ ان پر ظلم ہوگا۔ اپنا حال نرم دل حکیم کی طرح کرلو کہ وہ وہاں لگاتا ہے جہاں مرض دیکھتا ہے۔ ایک روایت میں یہ حقیقت اس طرح بیان کی گئی ہے کہ جو شخص نااہلوں کے سامنے حکمت کی باتیں کرے وہ جاہل ہے اور جو اہل لوگوں کو نہ بتلائے وہ ظالم ہے، حکمت کا ایک حق ہے اور کچھ لوگ اس کے مستحق ہیں۔ ہر حق دار کو اس کا حق دینا چاہیے۔

<u>طامات کی بحث</u> : طامات میں وہ امور بھی داخل ہیں جن کا ذکر شطحیات کے بیان میں آیا ہے۔ لیکن ایک چیز ایسی ہے جس کا تعلق صرف طامات سے ہے۔ وہ یہ ہے کہ شریعت کے الفاظ کے ظاہری معانی کو ایسے باطنی مفاہیم سے بدلنا جن کا کوئی فائدہ سمجھ نہ آتا ہو۔ مثلاً فرقہ باطنیہ سے وابستہ لوگ قرآن مجید میں تاویلات کرتے ہیں قرآن مجید میں اس طرح کی تاویلات جائز نہیں ہے۔ کیونکہ جب الفاظ کے ظاہری معنی کس شرعی دلیل یا عقلی ضرورت کے بغیر ترک کردیئے جائیں گے تو الفاظ پر لوگوں کا اعتماد باقی

نہیں رہے گا۔ اور کلام اللہ اور کلام رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی منفعت ختم ہو جائے گی نتیجہ یہ ہو گا کہ الفاظ کے اصل مفہوم سے اعتماد اٹھ جائے گا' اور باطنی معنی تضاد کا شکار ہو جائیں گے کیونکہ ہر شخص کا باطن ایک نہیں ہے' اور نہ خیالات ایک ہیں۔ ہر شخص الفاظ کو اپنے معنی پہنائے گا۔ یہ بھی ایک بڑی بدعت ہے جس کا ضرر بھی بہت زیادہ ہے۔

اہل طامات کا واحد مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ الفاظ کو عجیب و غریب معنی پہنائیں اس لیے کہ نئی اور عجیب و غریب چیز کی طرف عام طور پر دل مائل ہو جاتے ہیں' اور اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اہل باطن نے اپنے اس طریق کار سے شریعت کو تباہ و برباد کر ڈالا قرآن پاک کے ظاہری الفاظ میں تاویلات کر کے انھیں اپنے خیالات سے ہم آہنگ کر لیا۔ ان کے عقائد کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب "المستظہری" میں بیان کی ہے۔ یہ کتاب اس فرقے کے رد میں تصنیف کی گئی ہے۔

اہل طامات نے قرآن پاک میں جو غلط تاویلات کی ہیں اس کی ایک مثال یہ آیت ہے:۔

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۔ (پ ۳۰' ر ۴' آیت ۱۷)

تم فرعون کے پاس جاؤ اس نے بڑی شرارت اختیار کی ہے۔

ان لوگوں کا کہنا ہے کہ اس آیت میں دل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ فرعون سے مراد دل ہے۔ کیونکہ وہی سرکش بھی ہوتا ہے۔

وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ۔

اور اپنی لاٹھی ڈال دے۔

کے معنی یہ بیان کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے علاوہ ہر اس چیز سے قطع نظر کرلو جس پر اعتماد اور بھروسہ ہو۔ ایک اور مثال یہ حدیث ہے:۔

تسحروا فان فی السحور برکۃ (بخاری و مسلم)

سحری کھاؤ کہ سحری کھانے میں برکت ہے۔

اس حدیث میں وہ یہ کہتے ہیں کہ "تسحروا" سے مراد سحری کھانا نہیں ہے' بلکہ سحر کے وقت دعا استغفار کرنا ہے۔ یہ اور اس طرح کی دوسری تاویلات ہیں جو قرآن پاک کے ظاہری معنی اور اس تفسیر سے قطعاً مختلف ہیں جو حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور دوسرے علماء سے منقول ہے۔ ان میں سے بعض تاویلات کا باطل ہونا تو کسی دلیل کا محتاج ہی نہیں ہے۔ مثلاً یہی تاویل کہ مذکورہ بالا آیت میں فرعون سے مراد دل ہے کہ کس قدر مضحکہ خیز ہے' اس لیے کہ فرعون ایک شخص تھا جس کے بارے میں ہمیں بہ تواتر یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے اسلام کی دعوت دی تھی۔ فرعون کا وجود ایسا ہی تھا جیسے ابولہب' یا ابوجہل کافروں کا وجود۔ یہ لوگ انسان کی جنس سے تھے نہ کہ ملائکہ یا شیطان کی جنس سے کہ ان کا وجود غیر محسوس ہوتا ہے' اسی طرح سحر سے استغفار مراد لینا بھی صحیح نہیں ہے اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بوقت سحر کھانا تناول فرماتے تھے۔ ارشاد فرماتے تھے:۔

ھلموا الی الغداء المبارک (ابوداؤد' نسائی)

مبارک کھانے کی طرف آؤ۔

اسی طرح کی تاویلات متواتر اخبار' یا حسی دلائل سے باطل ہو جاتی ہیں۔ بعض تاویلات ظنِ غالب سے معلوم ہوتی ہیں۔ ان کا تعلق غیر حسی امور سے ہوتا ہے۔ بہر حال یہ سب تاویلات حرام ہیں ان سے گمراہی پھیلتی ہے' لوگوں کا دین خراب ہوتا ہے۔ یہ تاویلات نہ صحابہ کرام سے منقول ہیں' اور نہ تابعین سے' نہ حضرت حسن بصریؒ سے حالانکہ وہ بھی اسلام کے مبلغ اور داعی تھے' اور لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنے میں دلچسپی لیتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

من فسر القرآن برأيه فليتبوأ مقعده من النار۔ (ترمذی)

جو شخص قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کرے اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔

اس حدیث سے ایسی ہی تاویلات کرنے والے لوگ مراد ہیں۔ تفسیر بالرائے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک کی تفسیر اپنی کسی رائے کے اثبات یا تحقیق کی غرض سے کی جائے اور اس کے لیے قرآنی شواہد بھی پیش کیے جائیں۔ چاہے وہ شواہد عقل و نقل اور لغت کے اعتبار سے اس کی رائے کے مطابق نہ ہوں۔ اس حدیث کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر میں استنباط اور تدبّر نہ ہو۔ ایسی بے شمار آیات ہیں جن کے معانی میں صحابہ کرام کا اختلاف ہے۔ اور اس اختلاف میں ایک دو نہیں بلکہ چھ' سات تک اقوال منقول ہیں۔ بعض اقوال اتنے مختلف ہیں کہ انھیں تطبیق نہیں دی جا سکتی' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تمام مختلف تفسیریں صحابہ کرام کے فکر' استنباط اور اجتہاد کا نتیجہ ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا بھی ہمارے اس دعویٰ کی تائید کرتی ہے۔

اللهم فقهه في الدين وعلمه التاويل (بخاری)

اے اللہ اسے دین میں فقیہ کر' اور اسے معنی بیان کرنا سکھلا دے۔

اہل طامات اگر اپنی تاویلات کو حق سمجھتے ہیں اور یہ جانتے کہ باوجود کہ ان کے بیان کردہ معنی قرآنی الفاظ و عبارات سے ہم آہنگ نہیں ہیں وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارا مقصد ان تاویلات کے ذریعہ لوگوں کو حق کی طرف بلانا ہے تو وہ ان لوگوں کی طرح ہیں جو کسی ایسے امر کے سلسلے میں جس کا شریعت میں ذکر نہ ہو کوئی حدیث وضع کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیتے ہیں ان کا یہ عمل کھلی گمراہی ہے۔ ایسے ہی لوگ اس حدیث میں مراد ہیں:۔

من كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار (بخاری و مسلم)

جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔

بلکہ ہمارے خیال میں قرآن و حدیث کے الفاظ میں اس طرح کی تاویلات موضوع روایات سے بھی زیادہ خطرناک ہیں۔ اس لیے کہ ان سے تو قرآن و حدیث کے الفاظ سے اعتماد ہی اٹھ جاتا ہے۔

اس پوری تفصیل سے آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ شیطان نے لوگوں کی توجہ کا مرکز اچھے علوم کے بجائے برے علوم کو بنا دیا ہے۔ اور یہ سب کچھ علماء سوء کی وجہ سے ہوا ہے۔ انھوں نے علوم کے ناموں میں تحریف کی اور ان کو مسخ کیا۔ اگر آپ محض لفظ کی شہرت کی بناء پر کسی ایسے علم کو حاصل کرنا چاہیں گے جو اس نام کے ساتھ قرن اول میں معروف تھا تو یہ ممکن نہ ہو گا۔

<u>حکمت</u> : پانچواں لفظ حکمت ہے۔ آج کل حکیم کا لفظ طبیب' شاعر اور نجومی کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے بلکہ جو شخص سڑکوں پر بیٹھ کر فالیں نکالتا ہے اسے بھی حکیم کہہ دیا جاتا ہے۔ حالانکہ قرآن پاک میں حکمت کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:۔

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا۔

(پ ۳' ر ۵' آیت ۲۲۹)

دین کا فہم جس کو چاہے دے دیتے ہیں اور جس کو دین کا فہم مل جائے اس کو بڑے خیر کی چیز مل گئی۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمت کی تعریف میں یہ کلمات ارشاد فرمائے:۔

كلمة من الحكمة يتعلمها الرجل خير له من الدنيا وما فيها۔

اگر آدمی حکمت کا ایک لفظ سیکھے تو اس کے حق میں یہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

غور فرمایئے پہلے حکمت کا کیا مفہوم تھا؟ اور اب کیا ہے؟ اور یہ حکمت ہی پر کیا موقوف ہے' نہ جانے کتنے الفاظ میں یہ تلبیس کی گئی ہے' کہنا صرف یہ ہے کہ علماء سوء کے فریب میں نہ آؤ۔ دین میں ان کے ذریعہ جو خرابیاں پیدا ہوتی رہیں شیطان سے بھی نہیں ہوتیں بلکہ شیطان بھی لوگوں کو بد دین کرنے کے لیے علماء سوء کا سہارا لیتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے:

لما سئل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن شر الخلق أبی' وقال اللّٰھم اغفر' حتّٰی کرروا علیہ' فقال ھم علماء السوء (داری' مسند بزار)

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بد ترین مخلوق کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے بتلانے سے انکار فرمایا' اور کہا اے اللہ مغفرت کر' یہاں تک کہ پوچھنے والوں نے کئی مرتبہ پوچھا تو آپ نے فرمایا: وہ علماء سوء ہیں۔

خلاصۂ کلام: گزشتہ صفحات میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے اچھے اور برے علوم کا فرق واضح ہو چکا ہے' یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ برے علوم اچھے علوم سے ملتبس کیوں ہو جاتے ہیں۔ اب پڑھنے والوں کو اختیار ہے۔ وہ نفس کی بھلائی چاہیں سلف کی پیروی کریں اور چاہ فریب میں گر کر ڈوبنا پسند کریں تو آنے والوں کے نقش قدم پر چلیں۔ سلف کے علوم مٹ چکے ہیں۔ اب علم کے نام پر جو کچھ ہو رہا ہے وہ بدعات کی تعریف میں آتا ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی میں کس قدر صداقت ہے:

بدأ الاسلام غریبًا وسیعود غریبًا فطوبی للغرباء فقیل: ومن الغرباء؟ قال: الذین یصلحون ما افسدہ الناس من سنتی والذین یحیون ما اماتوہ من سنتی (ترمذی)

اسلام غریب (تنہا) شروع ہوا ہے اور غریب ہی رہ جائے گا۔ خوشخبری ہو غرباء کے لیے' عرض کیا گیا: غرباء کون ہیں؟ فرمایا: وہ لوگ جو میری ان سنن کی اصلاح کرتے ہیں جنہیں لوگوں نے بگاڑ دیا ہے اور ان سنن کو زندہ کرتے ہیں جنہیں لوگوں نے مٹا ڈالا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے:

الغرباء ناس قلیل صالحون بین ناس کثیر' من یبغضھم فی الخلق أکثر من یحبھم (احمد)

غرباء کم لیکن نیک لوگ ہوں گے بہت سے لوگوں کے درمیان۔ ان سے نفرت کرنے والے ان سے محبت کرنے والوں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہوں گے۔

یہ علوم اس طرح غریب ہو گئے ہیں کہ اگر کوئی ان کا ذکر بھی کرتا ہے' تو لوگ اس کے دشمن ہو جاتے ہیں۔ اس لیے حضرت سفیان ثوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب تم کسی عالم کے دوست زیادہ دیکھو تو یہ سمجھ لو کہ وہ عالم حق و باطل میں خلط ملط کرتا ہے۔ اس لیے کہ اگر وہ حق بات کہنے والا ہوتا تو اس کے دشمن زیادہ ہوتے۔

اچھے علوم میں علم کی پسندیدہ مقدار

جاننا چاہیے کہ پیش نظر موضوع کے لحاظ سے علم کی تین قسمیں ہیں:

پہلے باب میں یہ حدیث گزر چکی ہے۔

۱ - وہ علم جس کا تھوڑا بھی برا ہو اور زیادہ بھی۔
۲ - وہ علم جس کا تھوڑا بھی اچھا ہو اور زیادہ بھی' بلکہ جس قدر زیادہ ہو اسی قدر اچھا ہے۔
۳ - تیسرے یہ کہ اس کا تھوڑا (یعنی بقدر کفایت) تو اچھا ہو لیکن زیادہ قابل تعریف نہ ہو۔
یہ تینوں قسمیں جسم کے حالات کے مشابہ ہیں' جیسے خوبصورتی' یا تندرستی کم ہو یا زیادہ ہر حال میں پسندیدہ ہے۔ یا بد صورتی اور بد مزاجی کم ہو یا زیادہ ہر حال میں ناپسندیدہ ہے۔ بعض حالتیں ایسی ہیں کہ ان میں اعتدال اچھا ہوتا ہے۔ جیسے مال کا دینا تو اچھا ہے مگر اسراف پسندیدہ نہیں ہے۔ حالانکہ اسراف میں بھی مال دیا جاتا ہے' یا شجاعت تو قابل تعریف ہے لیکن تہور مستحسن نہیں ہے' اگرچہ تہور بھی شجاعت ہی کی جنس سے ہے' یہی حال علم کا ہے۔ پہلی قسم کی مثال وہ علم ہے جس میں دین کا فائدہ ہو نہ دنیا کا' یا اس کا نقصان فائدے کے مقابلے میں زیادہ ہو۔ جیسے علم سحر' طلسمات اور علم نجوم وغیرہ۔ ان میں سے بعض علوم تو ایسے ہیں کہ ان کا سرے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ عمر جیسی قیمتی اور انمول شے ان کی تحصیل میں صرف کرنا حماقت کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ بعض علوم سے کوئی دنیاوی ضرورت پوری ہو بھی جاتی ہے لیکن اس کا فائدہ اس کے ضرر کے مقابلے میں کم ہوتا ہے۔ وہ علم جو ازاول تا آخر مفید ہی مفید ہے' وہ خدائے تعالیٰ کی ذات' صفات' افعال' مخلوق کے سلسلے میں اس کی عادات اور دنیا پر آخرت کی ترجیح کی حکمت کا علم ہے۔ کیونکہ یہی علم مطلوب بالذات ہے' یہی اخروی سعادت کا وسیلہ ہے۔ اس میں جس قدر بھی کوشش کی جائے وہ مقدار واجب سے کم ہی ہے۔ یہ وہ دریا ہے جس کی گہرائی کا علم کسی کو بھی نہیں۔ تمام گھومنے والے اس کے کناروں پر ہی پھرتے نظر آتے ہیں۔ ہر شخص اپنی ہمت و وسعت کے بقدر اس کی گہرائی تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے' مگر گہرائیوں کا علم صرف انبیاء' اولیاء اور علم میں رسوخ رکھنے والے علماء کو ہوتا ہے۔ یہ وہی علم ہے جس کی کتابوں میں تدوین نہیں ہوئی۔ اس کے سیکھنے کا ابتدائی طریقہ تو یہی ہے کہ علمائے آخرت کی زندگی کے حالات کا مطالعہ کیا جائے اور آخر میں مجاہدہ' ریاضت تزکیۂ نفس کے ذریعہ اس علم میں رسوخ حاصل کیا جائے۔ اگر اس علم کے لیے اس طرح کوشش کی جائے گی تو جتنا قسمت میں ہوگا مل جائے گا۔ بقدر کوشش ملنا ضروری نہیں ہے۔ تاہم مجاہدہ ناگزیر ہے' مجاہدہ کامیابی اور ہدایت کی کنجی ہے۔

تیسری قسم میں وہ علوم تھے جن کی ایک مخصوص مقدار مستحسن ہے۔ ایسے علوم کا ذکر فرضِ کفایہ کی بحث میں آچکا ہے۔ ان میں سے ہر علم کے تین درجے ہیں۔ ایک بقدرِ ضرورت جسے ادنیٰ درجہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ دوم متوسط' سوم متوسط سے زائد جس کی آخر تک انتہا نہ ہو۔

تحصیل علم کا تفصیلی پروگرام: آدمی کو چاہیے کہ وہ دو چیزوں میں سے ایک چیز اختیار کرلے' یا تو اپنے نفس کی فکر کرے' یا جب اپنے نفس سے فارغ ہو جائے تو دوسرے کا فکر کرے۔ ایسا ہرگز نہ ہو کہ اپنے نفس کی اصلاح کے بغیر دوسرے کی اصلاح میں لگ جائے اگر اپنے نفس کی اصلاح کرنی ہے تو پہلے وہ علم حاصل کرے جو حالات کے مطابق اس پر فرض ہوتا ہے اور جس کا تعلق اعمال ظاہری سے ہے۔ مثلاً نماز' روزہ' اور طہارت وغیرہ لیکن سب سے اہم اور ضروری علم جسے سب لوگوں نے چھوڑ رکھا ہے وہ دل کی صفات کا علم ہے' یعنی یہ معلوم کرنا کہ ان میں سے کون سی صفت اچھی ہے اور کون سی بری' ایسا کوئی انسان نہیں جو بری صفات و عادات سے خالی ہو اور حرص' حسد' ریا' کبر اور عجب وغیرہ جیسی خصلتیں اس میں نہ ہوں۔ یہ سب عادات مہلک ہیں۔ ان کو نظر انداز کرنا اور ظاہری اعمال میں مشغول رہنا ایسا ہی ہے جیسے خارش یا پھوڑوں کے مرض میں صرف جسم کے ظاہری حصوں پر لیپ کرلے' اور اندر کا فاسد مواد نکالنے میں تساہل برتے۔ نام نہاد علماء صرف اعمال ظاہری کو اہم بتلاتے ہیں۔ ان سڑک چھاپ حکیموں کی طرح جو ظاہر بدن پر لیپ تجویز کرتے ہیں علماء آخرت باطن کی صفائی کے طریقے تبلاتے ہیں اس طرح کہ شر کی جڑیں اکھڑ جائیں' شر کی جڑیں دل کے اندر ہوتی ہیں۔ اکثر لوگ صرف ظاہری اعمال کے پابند ہیں' دلوں کی صفائی پر توجہ نہیں

دیتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ظاہری اعمال نسبتاً سہل ہیں، اور دل کے اعمال مشکل ہیں۔ جس طرح کوئی مریض کڑوی کسیلی دوائیں نہ استعمال کرے، محض جسم پر لیپ کراتا رہے، اس سے فائدہ کے بجائے مرض میں اضافہ ہوتا رہتا ہے یہی حال دل کا بھی ہے، دل کے امراض کے لیے محض ظاہری اعمال کافی نہیں ہیں۔ بلکہ باطنی اعمال بھی ضروری ہیں چنانچہ اگر آخرت مقصود ہے، اور ابدی ہلاکت سے بچنا منظور ہے تو باطنی بیماریوں کے علاج کی طرف دھیان دو۔ ہم نے تیسری جلد میں ان بیماریوں کی تفصیل اور علاج کے طریقے بیان کردیئے ہیں، اگر تم نے ہمارے بیان کئے ہوئے طریقوں پر عمل کیا تو وہ مقامات ضرور حاصل ہوں گے جن کا ذکر ہم نے چوتھی جلد میں کیا ہے۔ جب دل برائیوں سے پاک ہوتا ہے تو اچھائیاں خود بخود جگہ بنالیتی ہیں۔ جب زمین سے خود رو گھاس صاف کردی جاتی ہے۔ تب پھل پھول اُگتے ہیں اور بہار آتی ہے۔

جب تک تمہیں اس فرضِ عین سے فراغت نصیب نہ ہوجائے فرضِ کفایہ کی طرف توجہ مت دو، خصوصاً اس وقت جب کہ کوئی دوسرا شخص فرضِ کفایہ علوم سے واقف ہو اور لوگوں کی ضرورت پوری ہورہی ہو اس لیے کہ یہ سراسر حماقت ہے کہ محض دوسرے کی اصلاح کے لیے خود کو ہلاکت کی نذر کردیا جائے اس شخص سے بڑا احمق کون ہوگا جس کے کپڑوں میں سانپ یا بچھو گھس گیا ہو اور وہ اسے ختم کرنے کے بجائے دوسرے کے چہرے سے مکھی اڑانے کے لیے پنکھا تلاش کرتا پھر رہا ہو، اور وہ بھی ایسے شخص کے لیے جو سانپ بچھو کے کاٹ لینے سے اسے محفوظ نہ رکھ سکے، اور نہ اس تکلیف کو دور کرنا اس کے بس میں ہو۔ اس وقت تو اپنی فکر کرنی چاہیے، دوسرے کے لیے بلاوجہ سر کھپانے کی کیا ضرورت ہے ہاں اگر تمہیں تزکیۂ نفس سے فراغت نصیب ہوجائے۔ ظاہر و باطن کے گناہوں سے بچنے کی قدرت حاصل ہوجائے اور ایسا دائمی عادت کے طور پر ہو تو فرضِ کفایہ علوم کی تحصیل میں مشغول ہونے میں کوئی نقصان نہیں ہے۔ لیکن ان میں بھی تدریج اور ترتیب کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ یعنی پہلے قرآن پاک، پھر حدیث شریف، پھر علم تفسیر، اور دیگر علومِ قرآن مثلاً ناسخ منسوخ، مفصول موصول، محکم اور متشابہ وغیرہ۔ اس کے بعد حدیث کے علوم سیکھنے چاہئیں پھر حدیث و قرآن کے فروعی علوم کی طرف توجہ دینی چاہیے۔ جن میں فقہ کو اولیت دینی چاہیے مگر اس میں معتبر مذاہب معلوم کیے جائیں خلافیات نہیں۔ پھر اصول فقہ کو، اسی طرح باقی فرض کفایہ علوم کو اس وقت تک حاصل کرتے رہنا چاہیے جب تک عمر وفا کرے اور وقت اجازت دے مگر اپنی زندگی کے قیمتی لمحات کسی ایک فن میں کمال پیدا کرنے کے لیے صرف مت کرو۔ اس لیے کی علوم بہت ہیں اور عمر مختصر ہے۔ یہ علوم دوسرے مقصود علم کے لیے آلات اور مقدمات ہیں خود مطلوب بالذات نہیں ہیں اور جو چیز خود مطلوب نہیں ہوتی اس میں لگ کر اصل مقصود کو بھلانا بہتر نہیں ہے۔ چنانچہ صرف اسی قدر علم لغات حاصل کرو جس سے عربی زبان کا سمجھنا اور بولنا آسان ہوجائے۔ جو لغات کم رائج ہوں ان میں سے صرف وہ لغات جاننے کی کوشش کرو جو قرآن و حدیث میں استعمال ہوئے ہوں تمہارے لیے علم لغت میں اس سے زیادہ وقت لگانا ضروری نہیں ہے یہی حال علم نجوم کا ہے کہ محض اسی قدر علم حاصل کرو جس کا تعلق قرآن و حدیث سے ہو۔

ہم پہلے بتلا چکے ہیں کہ علم کے تین مراتب ہیں (۱) بقدرِ کفایت (۲) درجۂ اعتدال (۳) درجۂ کمال۔ ہم حدیث، تفسیر، فقہ اور کلام میں ان تینوں مراتب کی حدود بیان کررہے ہیں باقی علوم کے ان میں قیاس کرلیا جائے۔

علم تفسیر میں مقدارِ کفایت یہ ہے کہ ایسی تفسیر پڑھی جائے جو حجم قرآن سے دوگنی ہو جیسے علی واحدی نیشاپوری کی تفسیر جس کا نام وجیز ہے، درجۂ اعتدال یہ ہے کہ وہ تفسیر پڑھی جائے جو قرآنی حجم سے تین گنا زائد ہو مثلاً نیشاپوری کی تفسیر الواسط۔ درجۂ کمال اس سے زائد ہے۔ اس کی نہ ضرورت ہے، اور نہ آخر عمر تک اس سے فراغت ممکن ہے۔

حدیث میں مقدار کفایت یہ ہے کہ بخاری و مسلم کا اصل متن کسی فاضلِ حدیث سے پڑھ لو۔ راویوں کے نام یاد کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس لیے کہ یہ کام تم سے بہت پہلے ہوچکا ہے۔ سب کچھ کتابوں میں موجود ہے تمہارا کام صرف یہ ہے کہ ان کتابوں پر اعتماد کرو۔ بخاری و مسلم کے الفاظ حفظ کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس طرح پڑھو کہ جب بھی کسی مسئلہ کی ضرورت

پیش آئے وہ با آسانی بخاری و مسلم کی کسی حدیث میں تمہیں مل جائے۔ درجۂ اعتدال یہ ہے کہ صحیحین کے ساتھ حدیث کی دوسری کتابیں بھی پڑھو' درجۂ کمال یہ ہے کہ جتنی بھی حدیثیں منقول ہیں وہ سب پڑھو' چاہے وہ ضعیف ہوں یا قوی' صحیح ہوں یا معلل۔ ساتھ ہی اپنے شیخ کی طرق روایت' راویوں کے نام اور حالات وغیرہ کا علم بھی حاصل کرو۔

فقہ میں مقدار کفایت کی بہترین مثال "مختصر المزنی" ہے جس کی تلخیص ہم نے "خلاصۃ المختصر" میں کی ہے۔ درجۂ اعتدال میں وہ کتاب پڑھ لی جائے جو المختصر سے تین گنا زائد ہو۔ یعنی اتنی ضخیم جتنی ہماری کتاب "الوسیط فی المذہب" ہے۔ درجۂ کمال ہماری کتاب البسیط ہے۔ اس کے ساتھ فقہ کی دوسری کتابیں بھی پڑھی جاسکتی ہیں۔

علم کلام کا حاصل صرف اتنا ہی ہے کہ جو عقیدے اہل سنت نے سلف صالحین سے نقل کیے ہیں وہ محفوظ رہیں۔ البتہ سنت کی حفاظت کے لیے علم کلام کی کچھ زیادہ مقدار ضروری ہے۔ اور یہ ضرورت ہماری پیش نظر کتاب کی باب العقائد سے ہوسکتی ہے۔ درجۂ اعتدال یہ ہے کہ کم سے کم دو سو صفحوں پر مشتمل کوئی کتاب ہو' اس کی مثال ہماری کتاب "الاقتصاد فی الاعتقاد" ہے۔

علم کلام کی ضرورت : علم کلام کی ضرورت اس لیے ہے تاکہ اس کے ذریعہ اہل بدعت سے مناظرہ کیا جائے اور عوام کے دلوں سے مبتدعانہ خیالات نکالنے میں مدد ملے۔ یہ مناظرے بھی صرف عوام ہی کی حد تک مفید ہیں' بشرطیکہ ان میں تعصب پیدا نہ ہوا ہو' ورنہ جہاں تک ان مبتدعین کا تعلق ہے جو تھوڑا بہت مناظرہ کرلیتے ہیں انھیں اہل کلام کے مناظروں سے بہت کم فائدہ ہوتا ہے اگر مبتدع کو تقریر میں خاموش بھی کردیا جائے' تب بھی وہ اپنا مذہب نہیں چھوڑے گا' اور اس شکست کے لیے اپنی کم علمی کو الزام دے گا اور یہ ضرور کہے گا کہ اگرچہ مجھے معلوم نہیں مگر فریق ثانی کے اعتراضات کا جواب ضرور ہوگا۔ فریق ثانی محض قوت مناظرہ سے حق کو خلط ملط کررہا ہے۔

عام لوگوں کا حال یہ ہے کہ اگر وہ کسی بدعتی کی تقریر سن کر راہ حق سے منحرف ہوگئے تھے تو کسی صاحب حق کی تقریر سن کر ان کے خیالات پھر بدل جائیں گے۔ بشرطیکہ ان میں تعصب پیدا نہ ہوا ہو' لیکن اگر ان میں بھی تعصب پیدا ہوگیا ہے تو پھر وہ بھی کٹر بدعتیوں کی طرح ہیں ان سے بھی امید منقطع کرلینی چاہیے۔ اس لیے کہ تعصب سے عقائد کو رسوخ حاصل ہوتا ہے۔ مخالفین میں تعصب یا ہٹ دھرمی بھی دراصل علماء سوء کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ یہ لوگ حق کے لیے تعصب میں حد سے تجاوز کرتے ہیں مخالفین کو حقارت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں' اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ بھی مقابلے اور دفاع پر آمادہ ہوجاتے ہیں باطل کی زیادہ سے زیادہ تائید اور حمایت کرنے لگتے ہیں اور جو الزام ان پر لگایا جاتا ہے وہ اس کی تردید کرنے کے بجائے اعتراف کرنے لگتے ہیں اور اسی کو صحیح سمجھتے ہیں اگر حضرات علماء اپنا معاندانہ رویہ ترک کرکے ان لوگوں کو تنہائیوں میں شفقت اور محبت کے ساتھ سمجھاتے تو یہ زیادہ اچھا ہوتا اور کامیابی بھی اسی طریقے سے ملتی لیکن کیونکہ منصب اور عزت عوام کی اتباع کے بغیر حاصل نہیں ہوتی اور عوام کا رجحان ان علماء کی طرف زیادہ ہوتا ہے جو اپنے مذہب میں متعصب ہوں اور جنھیں مخالفین کو گالیاں دینے کا فن خوب آتا ہو۔ تعصب ہی آج کل کے علماء کا شیوہ ہے یہی ان کا ہتھیار بھی ہے' دعوی یہ ہے کہ ہم اپنے دین کی حفاظت کررہے ہیں' مسلمانوں کا دفاع کررہے ہیں' لیکن درحقیقت یہ علماء سوء مخلوق کو تباہ و برباد کررہے ہیں' اور باطل عقائد کو دلوں سے نکال پھینکنے کے بجائے قدم جمانے کا موقع دے رہے ہیں۔

خلافیات کا علم : خلافیات کا یہ علم جو موجودہ دور میں ایجاد ہوا ہے یا وہ کتابیں جو اس فن میں لکھی جارہی ہیں' یا وہ مناظرے جن کا رواج عام ہے پہلے کبھی موجود نہ تھے۔ تم بھی کبھی اس راہ کی خاک مت چھاننا۔ اور ان علوم سے اسی طرح بچنا جس طرح زہر قاتل سے بچتے ہو۔ اس لیے کہ یہ ایک خطرناک مرض ہے۔ جس نے آج کل تمام فقیہوں کو حرص' حسد اور فخرو مباہات جیسی بیماریوں میں مبتلا کردیا ہے ہم عنقریب اس موضوع پر تفصیل سے لکھیں گے۔

جب ہم اس طرح کی باتیں کرتے ہیں تو علماء جو ہمارا موضوع سخن ہیں یہ کہتے ہیں کہ جو شخص جس علم سے واقف نہیں ہوتا اس کا مخالف ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کے کہنے سے تم یہ نہ سمجھ لینا کہ ہم علم خلافیات سے واقف نہیں ہیں۔ ہم نے تو اس فن میں زندگی کے بڑے قیمتی لمحات صرف کئے، تصنیف، تحقیق، اور مناظرہ و بیان میں اوّلین لوگوں پر بھی سبقت حاصل کی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں حق کا راستہ دکھلایا، اور اس فن کے عیوب سے واقفیت بخشی ہم اسے چھوڑ کر اپنے نفس کی فکر میں لگے۔ تمہیں ہماری نصیحت اسی نقطۂ نظر سے قبول کرنی چاہیے کہ ہم تجربہ کار ہیں اور تجربہ کار کی بات صحیح ہوتی ہے۔

یہ کہنا بھی مغالطہ انگیز ہے کہ فتویٰ علم شرعی ہے، اور اس کی علّتیں معلوم کرنے کے لیے خلافیات کا علم ضروری ہے کیونکہ مذہب کی علّتیں خود اصل مذہب میں مذکور ہیں ان سے زیادہ جو کچھ پڑھا پڑھایا جاتا ہے وہ سب مناظرانہ بحثیں ہیں قرن اوّل کے لوگ یعنی صحابہ و تابعین ان بحثوں سے واقف نہ تھے۔ حالانکہ آج کل فقہاء کی بہ نسبت وہ علم فتویٰ سے زیادہ واقف تھے۔ پھر یہ علتیں بھی علم فتویٰ کے لیے ضروری نہیں ہیں بلکہ بعض اوقات فقہی ذوق کے لیے نقصان دہ بھی ہیں۔ اس فن میں وہ لوگ مشغول ہوتے ہیں جن کو شہرت اور جاہ طلب ہوتی ہے۔ بہانہ یہ کرتے ہیں کہ ہم مذہب کی علل تلاش کر رہے ہیں۔ حالانکہ بعض اوقات پوری زندگی گذر جاتی ہے۔ اور علل سے گذر کر اصل مذہب تک پہونچنا نصیب نہیں ہوتا۔ اس لیے تمہیں چاہیے کہ شیاطین الجن سے بھی بچو اور ان شیاطین الانس سے بھی کنارہ کشی اختیار کرو جو لوگوں کو بہکانے اور گمراہ کرنے کے سلسلے میں شیاطین کا بوجھ ہلکا کر رہے ہیں۔

<u>گفتگو کا ماحصل</u> : اس پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ تم یہ تصوّر کرلو خدا کے سامنے حاضر ہو، موت طاری ہو چکی ہے، حساب کتاب کا مرحلہ درپیش ہے، جنّت دوزخ سامنے ہیں، پھر سوچو کہ اس مرحلہ سے گذرنے کے لیے تمہیں کس چیز کی ضرورت ہے؟ عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ وہی چیز سیکھو جس کی تمہیں خدا کے سامنے ضرورت پیش آئے۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے ترک کردو۔

بعض بزرگوں نے کسی عالم کو خواب میں دیکھا، اور ان سے دریافت کیا: ان علوم سے تمہیں کیا نفع ملا جن علوم کے ذریعہ تم مناظرے کرتے تھے اور جھگڑے کھڑے کرتے تھے۔ عالم نے اپنی ہتھیلی پھیلا کر پھونک ماری، اور کہا: وہ سب علوم خاک کی طرح اڑ گئے۔ صرف رات میں پڑھی ہوئی نمازیں کام آئیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ماضل قوم بعد هدىً كانوا عليه الا اوتوا الجدل ثم قرأ : مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ (ترمذی)

نہیں گمراہ ہوئی کوئی قوم اس ہدایت کے بعد جس پر وہ تھی، مگر جھگڑوں کی نذر ہو گئی۔ پھر یہ آیت پڑھی :

ماضربوه لک (آخر تک)

ارشاد باری ہے:

فَأَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ (پ ۳، ر ۹، آیت ۷)

سو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے۔

اس آیت میں اہل زیغ سے مراد کون ہیں؟ حدیث میں اس کا جواب ان الفاظ میں دیا گیا ہے:

هم اهل الجدل الذين عناهم الله تعالى بقوله. وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوْكَ (بخاری و مسلم)

وہ لوگ جھگڑے والے ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے اپنے اس قول میں مراد لیا ہے: ان سے بچ، کہیں تجھے فتنہ میں مبتلا نہ کردیں۔

ایک مشہور حدیث ہے:۔

ابغض الخلق الی اللہ الالد الخصیم (بخاری و مسلم)

بدترین مخلوق اللہ تعالیٰ کے نزدیک جھگڑالو ہیں۔

ایک بزرگ کا قول ہے کہ آخر زمانے میں کچھ لوگ ہوں گے جن پر عمل کا دروازہ بند کر دیا جائے گا اور جدل (جھگڑوں) کا دروازہ کھول دیا جائے گا۔

چوتھا باب

علم خلاف اور اس کی دلکشی کی اسباب و عوامل

اختلافی علوم کی طرف لوگوں کا رجحان : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعد منصب خلافت پر خلفاء راشدین جلوہ افروز ہوئے۔ یہ لوگ عالم باللہ تھے فقہی احکام اور امور فتاویٰ میں مہارت رکھتے تھے' ان لوگوں کو فقیہوں سے مدد لینے کی بہت ہی کم ضرورت پیش آتی تھی۔ کبھی کبھی مشورے کے لیے کسی دوسرے کی ضرورت پڑتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور کے علماء صرف علمِ آخرت کے ہو رہے تھے۔ انھیں کوئی دوسرا مشغلہ نہ تھا فتاویٰ اور مخلوق سے متعلق دنیاوی احکام کو ایک دوسرے پر ٹالتے تھے اور ہمہ وقت اللہ کی طرف متوجہ رہتے تھے۔ جیسا کہ ان کے حالات زندگی سے پتہ چلتا ہے' پھر خلافت ایسے لوگوں کو مل گئی جو اس کے اہل نہ تھے' خلافت کے ساتھ ساتھ وہ رسوخ فی العلم کے بغیر امورِ فتاویٰ کے ذمہ دار قرار پائے' اس طرح انھیں مجبوراً فقہاء کی مدد لینی پڑی اور ہر حال میں ان کی معیت ضروری سمجھی تاکہ جو حکم وہ جاری کریں اس سلسلے میں علماء سے بھی استصواب کر سکیں۔ اس وقت علمائے تابعین میں سے وہ لوگ باقی تھے جو نمونہ سلف تھے' چنانچہ اگر کبھی انھیں حکام کی طرف سے بلایا جاتا تو وہ جانے سے پہلو تہی کرتے' مجبوراً حکام کو بھی سخت روش اختیار کرنی پڑی' انھیں زبردستی سرکاری عہدوں پر بٹھلایا گیا۔ اور قضا و افتاء کی ذمہ داریاں تفویض کی گئیں۔ اس وقت لوگوں نے علماء کی یہ عزت دیکھی کہ امام' حاکم اور والی سب کے سب ان کی طرف متوجہ ہیں۔ تو ان میں بھی عزت اور مرتبہ حاصل کرنے کے لیے تحصیل علم کا جذبہ پیدا ہوا۔ چنانچہ وہ لوگ علم فتاویٰ کی تحصیل میں مشغول ہوگئے' حاکموں کے سامنے حاضری کا شرف حاصل کیا' اور ان سے متعارف ہو کر عہدے اور انعامات لیے۔ بعض علماء محروم بھی رہ گئے' بعض وہ لوگ جو اگرچہ اس مقصد میں کامیاب ہوئے لیکن بن بلائے جانے کی وجہ سے ذلت و رسوائی سے وہ بھی اپنا دامن نہ بچاسکے۔ غرضیکہ وہ فقہاء جو مطلوب تھے طالب بن گئے اور جو کبھی حکام سے دور رہنے کی باعث عزت دار تھے ان کے درباروں میں حاضری کی وجہ سے ذلیل و خوار ہوگئے۔ تاہم ایسے علماء دین بھی ہر دور میں موجود رہے جنھیں اللہ تعالیٰ نے اس ذلت سے محفوظ رہنے کی توفیق عطا فرمائی۔

اس دور میں اکثر و بیشتر لوگ افتاء اور قضاء سے متعلق علوم کی طرف زیادہ متوجہ تھے کیونکہ درحقیقت یہی علوم سرکاری عہدوں کے لیے ناگزیر حیثیت رکھتے تھے۔ پھر کچھ سربراہان مملکت اور امراء حکام پیدا ہوئے جنھیں عقائد کے باب میں علماء کے اختلافات اور دلائل کی تفصیل جاننے کا شوق ہوا۔ جب لوگوں کو یہ معلوم ہوا کہ امراء و حکام علمِ کلام سے متعلق مناظرانہ بحثوں سے دلچسپی رکھتے ہیں تو وہ لوگ علمِ کلام کا مطالعہ کرنے لگے' بے شمار کتابیں لکھی گئیں' مناظرانہ بحثوں کے طریقے ایجاد کیے گئے۔ فریق ثانی پر اعتراضات کرنے کے لیے نئے نئے ڈھنگ وضع کیے گئے اور دعویٰ یہ کیا گیا کہ اس طرح ہم دین الٰہی کا دفاع' سنت رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اور بدعت کی بیخ کنی کرنا چاہتے ہیں۔ پچھلے فقہاء بھی یہی کہا کرتے تھے کہ ہمارا مقصد دین کے احکام کا اچھی طرح جاننا اور مسلمانوں کی فقہی ضروریات کی تکمیل کرنا ہے اور اس میں مخلوق کی بھلائی پیش نظر ہے۔ پھر کچھ امراء اور حکام ایسے آئے جنھوں نے علمِ کلام میں مناظرانہ بحثوں کی ہمت افزائی نہیں کی۔ ان کے خیال میں اس طرح کے مناظروں سے نہ صرف یہ کہ جھگڑے پیدا ہوئے بلکہ ان کی شدت میں اضافہ ہوا۔ کشت و خون اور ملکوں کی تباہی تک نوبت پہنچی۔ لیکن یہ لوگ فقہ میں مناظرانہ بحثوں کا ذوق رکھتے تھے انہیں یہ معلوم کرنے سے دلچسپی تھی کہ امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے مذاہب میں سے کون سا مذہب بہتر ہے علماء نے بھی انکے اس ذوق کی تکمیل میں نمایاں کردار ادا کیا۔ علمِ کلام اور دوسرے علوم و فنون بالائے طاق رکھ دیئے گئے اور فقہی اختلافات کی ترتیب و تدوین کے دور کا آغاز ہوا۔ ان لوگوں نے خاص طور پر فقہ شافعی اور حنفی کے باہمی اختلافات کو اپنا موضوع بنایا۔ امام مالکؒ امام احمدؒ اور سفیان ثوریؒ کے فقہی مذاہب کے اختلافات پر کچھ زیادہ توجہ نہ دی۔ یہ نام نہاد علماء اس غلط فہمی کا شکار رہے کہ ہم شرعی احکام کے اسرار و رموز کی دریافت' مذہبی اختلافات کے اسباب و عوامل کے اثبات اور فتاوی کے اصولوں اور ضوابط کی تشکیل پر مامور ہیں۔ ان لوگوں نے اس طرح کے موضوعات پر کتابیں لکھیں اور اس میں مناظرانہ رنگ کے مباحث درج کئے۔ آج بھی وہی شب و روز ہیں۔ معلوم نہیں آئندہ کے لیے اللہ نے قسمت میں کیا لکھا ہے۔

خلافیات کی طرف ان لوگوں کے رجحان کا واحد سبب یہی تھا جس کا تفصیلی ذکر اس گفتگو میں ہوا۔ فرض کیجئے اگر حکامِ دنیا ان دونوں آئمہ کے بجائے کسی اور امام کے مذہبی اختلافات معلوم کرنے کے درپے ہو جائیں یا کسی اور علم کی طرف ان کی توجہ ہو تو علماء بھی ان کا ساتھ دیں گے اور یہی کہتے رہیں گے کہ جس علم میں ہم مشغول ہیں یہی علمِ دین ہے اور ہم صرف اللہ کی رضا چاہتے ہیں۔

<u>دورِ حاضر کے مناظروں کی نوعیت</u> : مناظر علماء کبھی کبھی یہ مغالطہ دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم لوگ مناظرے تلاشِ حق اور وضاحتِ حق کے لیے کرتے ہیں۔ اس لیے کہ حق مطلوب ہے اور فکر و نظر میں ایک دوسرے کی مدد یا کسی ایک مسئلہ پر بہت سی آراء کی موافقت مفید ہے۔ صحابہ کرام کے مشوروں کی بھی یہی نوعیت تھی۔ مثلاً دادا کے ساتھ بھائیوں کے محروم ہونے کا مسئلہ' شراب خوری کی سزا' امام کی غلطی کرنے پر جرمانہ وغیرہ۔ مسائل میں صحابہ کے مشورے مشہور ہیں۔ شافعیؒ احمدؒ مالکؒ اور ابو یوسفؒ وغیرہ فقہاء کی اختلافی تقریریں بھی اسی نوعیت کی ہیں۔ آج کل مناظروں کو صحابہ کے مشوروں اور ائمہ سلف کی تقریروں سے تشبیہ دینا مغالطہ انگیزی ہے۔ ہم یہ مانتے ہیں کہ حق کی طلب کے لیے ایک دوسرے کی مدد چاہنا دین کی بات ہے مگر اس کی بھی چند شرائط ہیں۔

<u>پہلی شرط</u> : فرضِ کفایہ کا درجہ فرضِ عین کے بعد ہے۔ اگر کوئی شخص ابھی فرضِ عین کی تحصیل میں لگا ہوا ہے اور پیش نظر مناظرہ فرضِ کفایہ ہے تو اسے اس مناظرہ میں مشغول نہ ہونا چاہیے جس شخص پر فرضِ عین ہو اور فرض کفایہ میں معروف ہو جائے اور یہ دعوے کرے کہ میرا مقصد طلبِ حق ہے وہ جھوٹا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص نماز چھوڑ کر کپڑے بننے کی کوشش میں مصروف ہو اور یہ کہے کہ میرا مقصد ان لوگوں کی ستر پوشی کرنا ہے جو ننگے بدن نماز پڑھتے ہیں۔ جو لوگ مناظروں میں مشغول ہیں وہ ان چیزوں کو چھوڑے ہوئے ہیں جو فرضِ عین ہیں۔ پھر یہ بات بھی اہم ہے کہ کوئی شخص فوت شدہ نماز فوراً ادا کرنا چاہے اور کسی شرط کا لحاظ کئے بغیر نیت باندھ لے تو اس نماز سے وہ بجائے مطیع کے نافرمان قرار دیا جائے گا۔ حالانکہ نماز سے بڑھ کر اور کون سا عمل اتنے ثواب کا حامل ہو سکتا ہے۔

<u>دوسری شرط</u> : دوسری شرط یہ ہے کہ مناظر جس مناظرے میں مشغول ہے وہی اہم ترین فرضِ کفایہ ہو۔ اگر اس کے مقابلے میں کوئی زیادہ اہم فرضِ کفایہ ہوگا اور اس کے باوجود مناظرے میں مصروف ہوگا تو یہ کھلی نافرمانی ہوگی۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص مسلمانوں کے ایک گروہ کو دیکھے کہ وہ لوگ پیاس کی شدت سے تڑپ کر جان دے رہے ہیں اور شہر بھر میں کوئی ان کا

پرسان حال نہیں ہے۔ اگر وہ شخص انہیں پانی پلاسکتا ہے تو اس کے لیے یہی اہم ترین فرضِ کفایہ ہے لیکن اگر وہ اس کے باوجود انہیں پانی نہ پلائے اور پچھنے لگانے کا کام شروع کردے اور یہ دعویٰ کرے کہ میں یہ کام اس لیے کررہا ہوں کہ اگر پورے شہر میں کوئی بھی اس کا جاننے والا نہ ہوا تو لوگ ہلاک ہوجائیں گے۔ اس وقت اگر کوئی شخص یہ بھی کہے کہ اس کے جاننے والے تو شہر میں بہت ہیں۔ اب مزید کسی آدمی کی ضرورت نہیں ہے تو وہ جواب دیتا ہے کہ پچھنے لگانے والوں کی کثرت سے اس پیشہ کا فرضِ کفایہ ہونا تو ختم نہیں ہوا۔ ظاہر ہے کہ ایسا شخص غلط فہمی میں مبتلا ہے۔ اسے تو مسلمانوں کو پانی پلانے کا کام کرنا چاہیے۔ یہ زیادہ اہم فرضِ کفایہ ہے۔ یہی حال ان مناظرین کا ہے جو اپنے مناظروں کو فرضِ کفایہ کہہ کر مطمئن ہوجاتے ہیں۔ حالانکہ شہر میں اور بھی فروضِ کفایہ ہیں۔ ان کی ادائیگی کی طرف کسی کی بھی توجہ نہیں ہے۔ مثلاً "فتویٰ ہے اس کے جاننے والے شہر میں بہت لوگ ہیں اور کچھ فروضِ کفایہ شہر میں ایسے ہیں جن کی طرف فقہاء کی توجہ نہیں ہے۔ اس طرح کے فروضِ کفایہ میں طب ہے۔ اکثر شہروں میں مسلمان طبیب نہیں حالانکہ ان امورِ شرعیہ میں جن کا تعلق طب سے ہے مسلمان اطباء کی گواہی ضروری ہوتی ہے یا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ یہ بھی اہم فرضِ کفایہ ہے کہ مناظرہ کرنے والے عام طور پر ایسے مناظروں میں جاتے ہیں جہاں لوگ ریشم کا لباس پہنے ہوئے ہوں یا ریشم کے فرش پر بیٹھے ہوئے ہوں۔ مناظر علماء یہ منظر دیکھتے ہیں لیکن منع نہیں کرتے اور ایسے مسائل میں مناظرہ کرتے ہیں جو کبھی واقع نہ ہوں گے یا کبھی واقع بھی ہوں گے تو شہر میں ان کے بتانے والوں کی کمی نہیں ہوگی۔ اس طرح کے مسائل میں مناظرہ کرکے وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اس فرضِ کفایہ کی ادائیگی سے اللہ کا تقرب چاہتے ہیں حالانکہ وہ اس سے زیادہ اہم فرضِ کفایہ ترک کئے بیٹھے ہیں۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: یارسول اللہ! امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کب چھوڑ دیئے جائیں گے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

اذا ظهرت المداهنة في خياركم والفاحشة في اشراركم وتحول الملك في صغاركم والفقه في اراذلكم (ابن ماجہ)

جب تم میں سے لوگوں میں مداہنت پیدا ہوجائے گی اور بروں میں بے حیائی، حکومت چھوٹوں کی طرف منتقل ہوجائے گی اور فقہ رذیلوں میں چلا جائے گا۔

تیسری شرط: تیسری شرط یہ ہے کہ مناظرہ کرنے والا مجتہد ہو کر اپنی رائے سے فتویٰ دے سکے۔ امام شافعیؒ یا امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کا پابند ہو کر فتویٰ نہ دے۔ اگر اس کو امام ابوحنیفہؒ کا مسلک صحیح نظر آتا ہو تو امام شافعی کی رائے مسترد کردے اور جو صحیح مذہب ہو اسی کے مطابق فتویٰ دے۔ جس طرح کبار صحابہ اور ائمہ کیا کرتے تھے لیکن اس شخص کے مناظروں سے کیا حاصل جو اجتہاد کا اہل نہیں ہے۔ جیسا کہ موجودہ دور کے فقہاء کا حال ہے۔ جب کوئی ان سے مسئلہ معلوم کرتا ہے تو وہ اپنا مذہب بیان کرتے ہیں۔ اگر ان کے امام کے مذہب میں کوئی ضعف بھی ہو تب بھی ان کے لیے اس کے خلاف فتویٰ دینا جائز نہیں ہوتا۔ اس طرح کے لوگ اگر مناظرے کریں تو ان سے بظاہر کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ مذہب انہیں معلوم ہے۔ اس مذہب کے خلاف فتویٰ دینے کا اختیار انہیں حاصل نہیں ہے۔ حتیٰ کہ کہیں کوئی جھول محسوس ہو یا مشکل پیش آئے وہاں بھی انہیں یہی کہنا پڑتا ہے کہ اس مسئلے میں بھی ہمارے امام کی رائے ہوگی یا اس اشکال کا بھی حل ہوگا۔ ہمیں مجتہدانہ بصیرت میسّر نہیں ہے کہ اصل حقیقت کا پتہ لگائیں۔ تاہم اس طرح کے لوگوں کو ایسے مسائل میں بحث کرنے کی اجازت دی جاسکتی ہے جن میں ان کے امام کی رائے ایک سے زائد ہو۔ اس صورت میں یہ ممکن ہے کہ وہ کمزور قول چھوڑ کر قوی روایت اختیار کرلیں۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ اس طرح کے مسائل میں کبھی مناظرے نہیں ہوتے بلکہ وہ مسائل تلاش کئے جاتے ہیں جن میں دو اماموں کا شدید اختلاف ہو۔

چوتھی شرط: چوتھی شرط یہ ہے کہ ایسے امور میں مناظرہ کیا جائے جو پیش آچکے ہوں یا قریب الوقوع ہوں۔ اس لیے کہ صحابہ

کرام بھی ایسے مسائل میں مشورے کیا کرتے تھے جو نئے ہوں یا بار بار ان کی ضرورت پیش آتی ہو۔ جیسے مال وراثت کی تقسیم کے مسائل۔ لیکن آج کل مناظرین کو دیکھئے۔ یہ لوگ ان مسائل پر توجہ بھی نہیں دیتے جن میں ابتلاءِ عام کی وجہ سے امرِ حق جاننے کی ضرورت رہتی ہے بلکہ ایسے مسائل تلاش کرتے ہیں جن میں جھگڑے کی کوئی صورت نکل آئے۔ عام ضرورت کے مسائل یہ کہہ کر نظرانداز کر دیتے ہیں کہ ان کا تعلق حدیث سے ہے فقہ سے نہیں یا یہ مسائل اس قدر مختصر ہیں کہ ان میں بحث و گفتگو کی گنجائش ہی نہیں ہے حالانکہ اصل مقصود یہی ہے کہ گفتگو مختصر ہو تاکہ جلد سے جلد مطلوب تک پہنچنا ممکن ہو۔ کلام کو طویل کرنا مقصد نہیں ہے۔

پانچویں شرط : پانچویں شرط یہ ہے امراء و حکام کی محفلوں یا عوامی اجتماعات میں مناظرہ کرنے کی بجائے نجی مجلسوں میں مناظرہ کرنے کو اچھا سمجھتا ہو، تنہائیوں میں ہمت مجتمع رہتی ہے اور ذہن و فکر خارجی عوامل سے پاک و صاف رہتے ہیں۔ اس صورت میں جلد سے جلد حق کا ادراک ہو سکتا ہے۔ عام اجتماعات میں نام و نمود کی خواہش سر ابھارتی ہے۔ ہر فریق حق و باطل کی پروا کئے بغیر یہ چاہتا ہے کہ میں کامیاب ہوں۔ یہ بات آپ جانتے ہیں کہ آج کل مناظرے کرنے والے عام اجتماعات میں مناظرہ کرنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ یہ مناظرین مدتوں ایک دوسرے کے ساتھ تنہائیوں میں رہتے ہیں لیکن کبھی کوئی بحث نہیں ہوتی بلکہ اگر ایک کچھ پوچھتا ہے تو دوسرا جواب نہیں دیتا لیکن جہاں کوئی امیر یا حاکم موجود ہو یا عام لوگوں کا مجمع ہو تو پھر ہر شخص اپنے آپ کو مقررِ اعظم ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

چھٹی شرط : چھٹی شرط یہ ہے کہ حق کی طلب میں مناظرہ کا حال اس شخص کی حالت سے مشابہ ہو جس کی کوئی چیز گم ہو گئی ہو۔ وہ شخص یہ فرق نہیں کرتا کہ وہ چیز میرے ذریعے مل رہی ہے یا کسی اور کے ذریعے۔ اسی طرح مناظرہ میں ایک فریق دوسرے فریق کو معاون و مددگار سمجھے۔ مخالف یا دشمن تصور نہ کرے۔ اگر فریقِ ثانی واقعی گرفت کرے یا حق بات بتلائے تو اس کا شکرگزار اور ممنون و احسان مند ہونا چاہیے جس طرح ہم اس شخص کا شکریہ ادا کرتے ہیں جو گمشدہ چیز کی نشاندہی کر دیتا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ ہم شکریہ ادا کرنے کے بجائے اس کو برا بھلا کہنا شروع کر دیں۔ صحابہ کے مشوروں کا یہی حال تھا۔ وہ اپنی غلطی کا اعتراف کر لیتے تھے۔ ایک عورت نے حضرت عمرؓ کو خطبہ کے دوران مجمع عام میں ٹوکا اور حق بات بیان کی۔ آپ نے فرمایا : عورت صحیح کہتی ہے مرد غلطی پر تھا۔ ایک شخص نے حضرت علیؓ سے کچھ پوچھا، آپ نے جواب دیا۔ اس شخص نے کہا : امیرالمومنین ! یہ مسئلہ اس طرح نہیں ہے۔ حضرت علی نے فرمایا : تو صحیح کہتا ہے، میں غلط کہہ رہا تھا۔ واقعی ہر علم والے سے بڑھ کر دوسرا علم والا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی ایک غلطی کی تصحیح کی تو ثانی الذکر نے لوگوں سے فرمایا : جب تک ابن مسعودؓ تمہارے درمیان موجود ہیں مجھ سے کچھ مت پوچھو ! حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے کسی نے اس شخص کا انجام دریافت کیا تھا جس نے خدا کی راہ میں جہاد کیا اور مارا گیا۔ آپ نے جواب دیا : وہ شخص جنتی ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اس وقت کوفہ کے امیر تھے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے سائل سے کہا : شاید امیر تمہارا سوال سمجھ نہیں سکے ہیں۔ دوبارہ پوچھو، سائل نے پھر وہی سوال کیا، آپ نے پھر وہی جواب دیا۔ حضرت ابن مسعودؓ نے ارشاد فرمایا۔ میں یہ کہتا ہوں کہ اگر وہ مارا گیا اور حق کو پہنچا تو جنتی ہے۔ ابو موسیٰ نے یہ بات تسلیم کی اور فرمایا : طالبِ حق کو اسی طرح انصاف کرنا چاہیے۔ اگر اسی طرح کا واقعہ ہمارے دور کے کسی فقیہ کے ساتھ پیش آیا ہوتا تو وہ کبھی اپنی غلطی کا اعتراف نہ کرتا بلکہ اپنی رائے کی مخالفت تو جبیں کرتا۔ یہی حال مناظرین کا ہے۔ اگر فریقِ ثانی کی زبان سے صحیح بات ظاہر ہو جائے تو ان کے چہرے سیاہ پڑ جاتے ہیں، جھینپتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح اس کی بات رد ہو جائے کہ اگر کوئی منصف مزاج شخص اسے ناپسند بھی کرتا ہے تو وہ عمر بھر اس کی مذمت کرتے ہیں۔ شرم نہیں آتی۔ ان مناظرین کو کہ اپنے مناظروں کو صحابہ کے مشوروں کے برابر قرار دیتے ہیں۔

ساتویں شرط : ساتویں شرط یہ ہے کہ اگر فریق ثانی ایک دلیل چھوڑ کر دوسری دلیل اختیار کرنا چاہے یا ایک اعتراض سے دوسرے اعتراض کی طرف آنا چاہے تو اس کو روکنا نہیں چاہیے۔ اس لیے کہ سلف کے مناظرے ایسے ہی ہوا کرتے تھے۔ اشکال جوابِ اشکال' الزام اور جوابِ الزام جیسی چیزیں ان کے زمانے میں نہ تھیں۔ اب اگر کوئی فریق مناظرہ میں اپنی پہلی دلیل کو غلط تسلیم کرکے یا غلط تسلیم کئے بغیر دوسری دلیل پیش کرنا چاہے تو اسے روک دیا جاتا ہے۔ اس سے کہہ دیا جاتا ہے کہ جو بات تم اب کہہ رہے ہو وہ تمہاری پہلی تقریر کے مطابق نہیں اس لیے تمہاری یہ بات قبول نہیں کی جائے گی۔ کتنا غلط طریقہ ہے یہ ! حالانکہ حق کی طرف رجوع باطل کے خلاف ہی ہوتا ہے اور حق بات قبول کرنا واجب ہے۔ اس لیے کہ اس کی دوسری دلیل کو پہلی دلیل کے مخالف کہہ کر رد کرنا چاہیے تھا بلکہ قبول کرلینا چاہیے تھا اس دور کی مناظرانہ مجالس کا جائزہ لیجئے۔ ہر فریق اپنے مخالف کو کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔ اس طرح کے تمام اجتماعات جھگڑوں کی نذر ہوجاتے ہیں۔ کوشش کی جاتی ہے کہ مخالف کی زبان سے امر حق ادا نہ ہو چنانچہ اگر کوئی شخص اپنے علم کے مطابق کسی ایک اصل کو علت ٹھہرا کر استدلال کرتا ہے تو دوسرا شخص یہ پوچھتا ہے کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ اصل میں حکم اسی علت کی بناء پر ہوا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میرا فہم تو یہی کہتا ہے اگر تمہیں اس اصل کی کوئی دوسری علت معلوم ہو تو بتلادو۔ میں بھی اس میں غور و فکر کروں گا۔ معترض اپنی بات پر اصرار کرتا ہے۔ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے اس کی حقیقی علت معلوم ہے لیکن ظاہر نہیں کروں گا۔ مجلس مناظرہ کا سارا وقت اسی طرح کے سوالات اور جوابات میں گذر جاتا ہے۔ بے چارے معترض کو یہ معلوم نہیں کہ اس کا کہنا شریعت پر جھوٹ بولنا ہے کہ مجھے حقیقی علت معلوم ہے لیکن میں اس کا اظہار نہیں کروں گا اس لیے کہ اگر حقیقت میں وہ شخص حکم کی علت سے واقف نہیں ہے محض اپنے حریف کو پریشان کرنے کی غرض سے واقفیت کا دعویٰ کررہا ہے۔ اس کے فسق میں کوئی شبہ نہیں۔ وہ جھوٹا ہے گنہگار ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا مستحق ہے اور معترض اپنے دعوے میں سچا ہے۔ تب بھی اس کا فسق ظاہر ہے۔ اس صورت میں وہ ایک شرعی حقیقت چھپارہا ہے حالانکہ ایک مسلمان بھائی اس سے معلوم کررہا ہے تاکہ وہ غور و فکر کرسکے۔ اگر مضبوط دلیل ہو تو قبول کرسکے اور کمزور ہو تو اس کا ضعف ثابت کرکے معترض کو جہل کی تاریکیوں سے علم کے اجالے میں لاسکے۔

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی شخص کو دین کی کوئی بات معلوم ہو اور اس سلسلے میں اس سے کچھ دریافت کیا جائے تو اس کا بتلانا واجب ہے۔ معترض کا یہ کہنا کہ میں اسے بیان کرنا ضروری نہیں سمجھتا محض مناظرانہ طریقہ ہے۔ یہ طریقہ ہم نے ہوا و ہوس کی تسکین کے لیے فریق مخالف پر قابو پانے کے لیے ایجاد کیا ہے ورنہ شرعی طور پر اس کا اظہار ضروری ہے۔ اگر وہ پوچھے جانے کے باوجود بتلانے سے گریز کرے گا تو کاذب ہوگا یا فاسق۔ اس تفصیل کی روشنی میں صحابہ کے مشوروں اور علمائے سلف کے مباحثوں پر نظر ڈالو۔ کہیں اس طرح کی بات سنی گئی ہے یا کبھی کسی نے اپنے مقابل کو ایک دلیل چھوڑ کر دوسری دلیل اختیار کرنے سے منع کیا ہے یا قیاس سے قولِ صحابی سے اور حدیث سے آیت کی طرف رجوع کرنے پر اعتراض کیا ہے؟ ہرگز نہیں ! ان کے مناظروں کا حال تو یہ تھا کہ جو ان کے دلوں میں ہوتا اس کا اظہار کردیتے اور پھر سب مل کر غور و فکر کرتے۔

آٹھویں شرط : آٹھویں شرط یہ ہے کہ مناظرہ ایسے شخص سے کرے جس سے استفادہ کی امید ہو یا وہ علم میں مشغول ہو۔ اب رواج یہ ہے کہ مناظرہ کرنے والے بڑے بڑے علماء سے مناظرہ کرتے ہوئے ڈرتے ہیں کہ امر حق ان کی زبان سے نہ نکل جائے' اور اس طرح ہمارا وقار خاک میں نہ مل جائے۔ ان لوگوں سے مناظرہ کرنے میں انھیں کوئی جھجک نہیں ہوتی جو علم میں ان سے کم ہیں۔

یہ چند شرائط ذکر کی گئیں ہیں۔ ان کے علاوہ بھی کچھ شرطیں ہیں' لیکن ان میں بھی بہت سی باریکیاں ہیں' اس لیے محض ان آٹھ شرائط پر اکتفا کیا جاتا ہے' ان کی روشنی میں آپ یہ بات معلوم کرسکتے ہیں کہ فلاں شخص' اللہ کے لیے مناظرہ کررہا ہے یا کسی اور مقصد کے خاطر۔

مناظرہ کے نقصانات

جاننا چاہیئے کہ ایسے تمام مناظرے جن کے ذریعہ اپنا غلبہ ' فریق مخالف کی شکست ' اپنے شرف و فضل ' خوش بیانی اور فصاحت و بلاغت کا اظہار مقصود ہو ان برائیوں کا سرچشمہ ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ اور شیطان کے نزدیک پسندیدہ ہوں ' مناظرہ سے کبر ' حسد ' خود پسندی ' حرص ' تزکیۂ نفس اور حبّ جاہ جیسی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں ' اس کی مثال شراب کی سی ہے ' جسے آدمی معمولی گناہ سمجھتا ہے لیکن یہی شراب باقی گناہوں کا ذریعہ بن جاتی ہے ' زنا ' سبّ و شتم ' اور چوری وغیرہ کے عادتیں بسا اوقات شراب پینے سے پیدا ہوتی ہیں اس طرح جس شخص کے دل میں دوسرے کو خاموش کرنے ' خود غالب رہنے اور عزّت و جاہ حاصل کرنے کی طلب رہتی ہے تو اس کے دل میں دوسری بری عادتیں جنم لیتی ہیں۔ ہم ان بری عادتوں کی تفصیل قرآن و حدیث کی روشنی میں جلدِ ثالث میں بیان کریں گے۔ یہاں ہم صرف دس عادتیں ذکر کریں گے جو مناظروں سے جنم لیتی ہیں۔

<u>حسد</u> : ان میں سے ایک بری عادت حسد ہے۔ حسد کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :

الحسد یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب (ابوداؤد)

حسد اچھائیوں کو اس طرح کھالیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو چاٹ جاتی ہے۔

مناظرہ جذبۂ حسد سے کبھی خالی نہیں رہتا ' کبھی وہ غالب ہوتا ہے اور کبھی مغلوب ' کبھی اس کی تقریر اور خوش بیانی کی تعریف کی جاتی ہے اور کبھی اس کے حریف کی۔ جب تک دنیا میں کوئی ایسا شخص باقی رہے گا جو علم اور مناظرہ میں رسوخ رکھتا ہو ' اور اس عنوان سے اس کی شہرت بھی ہو ' یا کسی مناظر کی تقریر ' اور بحث کا انداز اس کے مقابلے میں زیادہ اچھا ہو تو وہ حسد ضرور کرے گا اور یہی چاہے گا کہ اللہ کی یہ نعمت اس سے چھن کر مجھے مل جائے ' لوگوں کی توجہ اس کے بجائے میری طرف ہو جائے حسد ایک شعلہ ریز آگ ہے جو اس آگ میں جل رہا ہے بلاشبہ وہ دنیا ہی میں عذاب الیم کا مزہ چکھ رہا ہے قیامت کے عذاب کی ہولناکیاں اس سے کہیں زیادہ ہوں گی ' اس لیے حضرت ابن عباسؓ لوگوں کو یہ نصیحت کیا کرتے تھے کہ علم جہاں سے بھی ملے حاصل کرو ' فقہاء کے وہ اقوال جو ایک دوسرے کے خلاف ہوں قابل توجہ نہیں ہیں ' انھیں تسلیم مت کرو ' یہ لوگ اس طرح ایک دوسرے پر حملہ کرتے ہیں جس طرح ریوڑ کی بکریاں ایک دوسرے کے سینگ مارتی ہیں۔

<u>کبر</u> : دوسری عادت کبر ہے ' اس سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے :

من تکبّر وضعہ اللّٰہ ' ومن تواضع رفعہ اللّٰہ (ابن ماجہ)

جو شخص تکبر کرتا ہے اللہ اسے پستی دیتا ہے اور جو شخص انکساری اختیار کرتا ہے۔ اللہ اسے بلندی عطا کرتا ہے۔

ایک حدیث قدسی کے الفاظ یہ ہیں :۔

العظمۃ ازاری ' والکبریاء ردائی فمن نازعنی واحدا فیہما قصمتہ (ابوداؤد)

عظمت میرا ازار ہے ' کبریائی میری چادر ہے ' جو شخص ان دونوں میں سے کسی میں میرے ساتھ جھگڑا کرے گا میں اس کو توڑ دوں گا۔

مناظرہ کرنے والے کبر سے خالی نہیں رہتے ' ان میں سے ہر ایک یہی چاہتا ہے کہ اپنے حریف کے سامنے ناک نیچی نہ ہو ' وہ اس کی برائیاں تلاش کرتا ہے۔ اور اس طریقہ پر اسے زیر کرنے کی کوشش کرتا ہے ' مجلس میں وہ جگہ حاصل کی جاتی ہے جو اس کی حیثیت سے بلند ہو ' صدر مقام سے قریب ہو ' اس سے قطع نظر کہ وہ صدر مقام بلندی پر ہے یا پستی میں ' اس جگہ کے حصول کے

لیے ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کی جاتی ہے' اور اگر وہاں پہنچنے کی راہیں تنگ ہوں تو کشت و خون تک نوبت پہنچتی ہے' بعض اوقات کم فہم لوگ یا حد درجہ چالاک لوگ فریب سے کام لیتے ہیں اور بلند مقام حاصل کرنے کے لیے اپنی تگ و دو کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ ہم اپنے نفس کے لیے نہیں بلکہ علم کے شرف کی حفاظت کے لیے بلندیٔ مقام کے خواہاں ہیں۔ مؤمن کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل و رسوا کرے' یہ لوگ تواضع کو جس کی اللہ اور اس کے پیغمبروں نے تعریف کی ہے ذلت سے' اور اس کبر کو جس کی اللہ تعالیٰ نے مذمت کی ہے دین کی عزت سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ محض الفاظ کی تبدیلی ہے جس کا مقصد بندگانِ خدا کو گمراہ کرنے کے علاوہ کچھ نہیں' یہ ایسی ہی تبدیلی ہے جیسی آج کل کے لوگوں نے علم و حکمت کے معنی میں کی ہیں۔

کینہ : تیسری عادت کینہ ہے' مناظرہ کرنے والے اس عادت سے بھی بہت کم خالی نظر آتے ہیں' حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:۔

المومن لیس بحقود۔

مومن کینہ پرور نہیں ہوتا۔

کینہ کی مذمت میں بھی بہت کچھ وارد ہے تم نے ایسا کوئی مناظر نہ دیکھا ہو گا جو اس کی تقریر پر خاموش رہنے والے اور اس کے حریف کی تقریر پر گردن ہلانے والے سے کینہ نہ رکھے کبھی تو یہ کینہ دل میں بصورت نفاق پرورش پاتا رہتا ہے اور کبھی کبھی اس کا اظہار بھی ہو جاتا ہے یہ بھی ممکن نہیں کہ مجلس میں تمام سننے والے کسی ایک فریق کو ترجیح دیں اور اسی کی تقریر کو اچھا قرار دیں' بلکہ ایسے لوگ ضرور ہوں گے جو اس کے مقابل کو اچھا سمجھیں گے۔ اور اسی کی طرف متوجہ رہیں گے ان کا یہی عمل نفاق اور عداوت کا سبب بنے گا چنانچہ جہاں کسی نے مناظرہ کرنے والے کی طرف کم توجہ کی عمر بھر کے لیے اس کے دل میں کینے نے جگہ بنالی۔

غیبت : چوتھی عادت غیبت ہے' جسے اللہ تعالیٰ نے مردار کھانے سے تشبیہ دی ہے' مناظرہ کرنے والا ہمیشہ مردار کھانے میں مصروف رہتا ہے کیونکہ وہ اپنے مخالف کی نقالی کرتا ہے' اس کا مضحکہ اڑاتا ہے' اس کے عیوب بیان کرتا ہے' اس سلسلے میں زیادہ سے زیادہ احتیاط وہ یہ کر سکتا ہے کہ اس کی جو بات نقل کرے صحیح صحیح بیان کردے' لیکن اس سے بھی یہ ہو گا کہ وہ ایسی باتیں زیادہ بیان کرے گا جن سے اس کی تحقیر ہو' یا اس کی شکست کا اظہار ہو۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کا ذکر بھی غیبت میں داخل ہے اگر جھوٹ بولے گا تو یہ بہتان ہو گا جس کی برائی غیبت سے بھی زیادہ ہے۔ اسی طرح مناظرہ کرنے والوں سے یہ امید نہیں کی جاسکتی کہ وہ ان لوگوں کو کم فہم' جاہل اور احمق نہ کہیں جو ان کی تقریر سننے کے بجائے ان کے حریف کی تقریر زیادہ توجہ سے سنتے ہیں۔

تزکیۂ نفس : پانچویں عادت تزکیۂ نفس ہے' جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

فَلَا تُزَكُّوا أَنفُسَكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰ ۔ (پ ۲۷' ر ۶' آیت ۳۲)

تو تم اپنے کو مقدس مت سمجھا کرو' تقویٰ والوں کو وہی خوب جانتا ہے۔

کسی صاحبِ بصیرت شخص سے سوال کیا گیا کہ برا سچ کون سا ہے؟ اس نے جواب دیا اپنے نفس کی تعریف کرنا بدترین سچ ہے۔ مناظرہ کرنے والا اپنی قوتِ بیان کی اور مخالفین پر اپنی برتری کی تعریف کیا ہی کرتا ہے۔ بلکہ مناظرہ کے دوران وہ اس طرح کے دعوے کر بیٹھتا ہے کہ بھلا فلاں بات مجھ پر کس طرح مخفی رہ سکتی ہے' یا یہ کہ میں مختلف علوم کا ماہر ہوں' احادیث کا حافظ ہوں' اصول کے باب میں میرا کوئی حریف نہیں ہے اس طرح کے دعوے کبھی تو محض شیخی کے طور پر کہتا ہے اور کبھی اپنی تقریروں کو مقبول بنانے کے لیے ایسا کرتا ہے۔ لاف زنی' شرعاً بھی ممنوع ہے اور عقلاً بھی۔

تجسس اور عیب جوئی : چھٹی بری عادت تجسس یا عیب جوئی ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَلَا تَجَسَّسُوْا (پ۲۶' ر۱۴' آیت ۱۲)
اور سراغ مت لگایا کرو۔

مناظرہ کرنے والا اپنے مقابل کی لغزشیں اور عیوب ڈھونڈتا ہے یہاں تک کہ اگر اس کے شہر میں کوئی مناظرہ کرنے والا آیا ہوا ہو تو ایسے شخص کی تلاش کی جاتی ہے جو اس کے اندرونی حالات بیان کرسکے' اس سے ایک ایک عیب کی تفصیل معلوم کی جاتی ہے' اور یہ تفصیل ضرورت کے وقت اس کو رسوا کرنے کے لیے ذخیرہ کی جاتی ہے۔ حد تو یہ ہے کہ اس کے بچپن کے حالات معلوم کئے جاتے ہیں' اور جسمانی عیوب بھی دریافت کئے جاتے ہیں کہ شاید کوئی لغزش یا گنج جیسا کوئی عیب سامنے آجائے' چنانچہ اگر مناظرہ میں فریق مخالف کا پلڑا بھاری نظر آتا ہے تو وہ مندار لوگ کنایۃً اس عیب کو اظہار کرتے ہیں' لوگ اسے پسند کرتے ہیں' مناظرہ کرنے والا بھی اسے ایک لطیف سبب سمجھ کر اہمیت دیتا ہے' لیکن بعض کم عقل و بے شرم لوگ اس عیب کے صاف صاف اظہار میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے۔ چنانچہ مناظرہ کرنے والے بعض معتبر علماء کے متعلق اس طرح کے واقعات سنے گئے ہیں۔

لوگوں کی تکلیف پر خوشی : ساتویں عادت یہ ہے کہ آدمی لوگوں کی تکلیف پر خوشی محسوس کرے اور ان کی خوشی پر رنجیدہ ہو' حالانکہ وہ شخص جو اپنے لیے وہ چیز پسند نہ کرے جو وہ اپنے مسلمان کے لیے چاہتا ہے' مؤمنین کے اخلاق سے بہت دور ہے۔ ہر وہ شخص جو اپنی عظمت کے اظہار کے لیے حبّ جاہ میں مبتلا ہو' اس چیز سے خوش ہو گا جو اس کے مخالفین کو بری لگے۔ آج کل کے مناظرین میں باہمی عداوت سوتنوں کی باہمی عداوت سے بھی بڑھ کر ہے جس طرح ایک سوتن دوسری کو دیکھ کر کانپ اٹھتی ہے' زرد رو ہو جاتی ہے' اس طرح مناظرہ کرنے والا جب دوسرے مناظرہ کرنے والے کو دیکھتا ہے تو اس کے چہرے کا رنگ بھی بدل جاتا ہے' اس قدر پریشان ہوتا ہے کہ شاید ہی کسی بھوت کو یا جنگلی درندے کو دیکھ کر اتنی پریشانی لاحق ہوتی ہو' کہاں گئی وہ محبت' وہ آپس کا میل جول جو پچھلے علماء کی ملاقاتوں میں نظر آتا تھا' وہ بھائی چارہ' امداد باہمی کا جذبہ' ایک دوسرے کی راحت و غم میں شریک رہنے کی جو روایتیں ان سے منقول ہیں وہ ان میں کہاں ہیں؟ امام شافعیؒ کی اتباع کا دعویٰ کس طرح کرتے ہیں جن کے یہاں علم رشتۂ قربت کے بجائے باہمی عداوت کا ذریعہ بن چکا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ غلبہ کی ہوس بھی اور باہمی انس بھی باقی رہے۔ مناظرہ کی مذمت کے لیے محض یہ بتلا دینا کافی ہے کہ مناظرہ تمہیں مؤمنین کی صفات سے دور کرتا ہے اور منافقین کی عادتیں تمہارے دلوں میں پیدا کردیتا ہے۔

نفاق : آٹھویں عادت نفاق ہے۔ نفاق کی مذمت کے سلسلے میں دلائل لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ ایک واضح برائی ہے۔ مناظرہ کرنے والوں کو بعض اوقات یہ بھی کرنا پڑتا ہے کہ جب ان کے مخالفین ملتے ہیں' یا مخالفین کے دوستوں سے ملاقات ہوتی ہے تو مجبوراً زبان سے دوستی اور شوق ملاقات کا اظہار کرتے ہیں' ان کے مرتبے کا اعتراف کرتے ہیں' حالانکہ کہنے والا' مخاطب اور سننے والے سب جانتے ہیں کہ جو کچھ کہا جارہا ہے اس میں سچائی کا شائبہ تک نہیں ہے' یہ سب جھوٹ ہے' مکر' فریب اور نفاق ہے۔ یہ لوگ ظاہر میں دوست ہیں' لیکن ان کے دلوں میں دشمنی بھری ہوئی ہے' اللہ تعالیٰ ایسی عادت سے پناہ دے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

اذا تعلم الناس العلم' و ترکوا العمل' و تحابوا بالالسن' و تباغضوا بالقلوب' و تقاطعوا فی الارحام' لعنھم اللہ عند ذلک فصمّھم واعمی ابصارھم (طبرانی)

جب لوگ علم حاصل کریں اور عمل کرنا چھوڑ دیں' زبان سے اظہار محبت کریں' اور دلوں میں نفرت رہے قربتیں ختم کرنے لگیں' اس وقت اللہ ان پر لعنت کرتا ہے' انھیں بہرا کردیتا ہے' ان کے آنکھوں سے بینائی چھین لیتا ہے۔

تجربہ سے پتہ چلتا ہے کہ حدیث کا مضمون بالکل صحیح ہے۔

حق سے نفرت، اور اس کے مقابلے میں بڑائی : نویں عادت یہ ہے کہ حق کی مقابلے میں اپنی بات بڑی سمجھی جائے، اس سے نفرت کی جائے، اور حق کے سلسلے میں جھگڑے پسند کئے جائیں۔ مناظرہ کرنے والے کے نزدیک بد ترین بات یہ ہوتی ہے کہ فریق ثانی کی زبان سے حق بات نکل جائے اگر ایسا ہو جائے تو اسے تسلیم نہیں کرتا، بلکہ پوری قوت سے اس کی تردید کرتا ہے اور اس سلسلے میں اپنی تمام قوت صرف کردیتا ہے۔ یہاں تک کہ حق بات کے انکار کی عادت ثانیہ بن جاتی ہے۔ جب بھی کوئی امر حق کان میں پڑتا ہے، طبیعت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اس پر اعتراض کیا جائے۔ قرآن کریم کے دلائل اور شرعی الفاظ و اصطلاحات میں بھی وہ اپنی اس خباثت سے باز نہیں آتا بلکہ اتنا جری ہو جاتا ہے ان پر بھی اعتراضات شروع کر دیتا ہے، حالانکہ جھگڑنا باطل کے مقابلے میں بھی پسند کیا گیا۔ اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حق سے باطل پر جھگڑا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ایک حدیث میں ہے :

من ترک المراء وهو مبطل، بنى الله له بيتا في ربض الجنة، ومن ترک المراء وهو محق بنى الله له بيتا في اعلى الجنة (ترمذی)

جو شخص باطل پر ہو کر جھگڑا ترک کرے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کے کنارے گھر بناتا ہے، اور جو شخص حق پر ہو کر جھگڑا ترک کرے اللہ تعالیٰ اس کے لیے اعلیٰ جنت میں گھر بناتا ہے۔

جہاں تک خدا تعالیٰ کی ذات کے سلسلے میں جھوٹ بولنے اور امر حق کی تردید و تکذیب کا تعلق ہے اس سلسلے میں قرآن کریم کی یہ دو آیتیں بہت کافی ہیں:-

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُ

(پ ۲۱، ر ۳، آیت ۶۸)

اور اس شخص سے زیادہ کون نا انصاف ہو گا جو اللہ پر جھوٹ افتراء کرے، اور جب سچی بات اس کے پاس پہنچے وہ اس کو جھٹلا دے۔

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن كَذَبَ عَلَى اللَّهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ إِذْ جَاءَهُ

(پ ۲۴، ر ۱، آیت ۳۲)

اس شخص سے زیادہ بے انصاف کون ہو جو اللہ پر جھوٹ باندھے اور سچی بات (قرآن) کو جب کہ اس کے پاس (رسول کے ذریعہ سے) پہنچی جھٹلا دے۔

ریا : دسویں عادت ریا کاری ہے، بندگان خدا کو دکھلانے کے لیے اور ان کے قلوب کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے ریا کاری اختیار کی جاتی ہے، ریا کاری ایک ایسا لاعلاج مرض ہے جس کے نتیجے میں آدمی بد ترین گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہے، باب الریاء میں ہم اس کی تفصیل بیان کریں گے۔ منافق کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ دنیا میں شہرت پائے اور لوگ اس کی تعریف میں رطب اللسان ہوں۔

یہ وہ دس بری خصلتیں ہیں جن کا تعلق باطن سے ہے، یہ خصلتیں باقی تمام برائیوں کی جڑ ہیں۔ بعض غیر سنجیدہ لوگوں میں ان کے علاوہ بھی دوسری برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں، مثلاً مناظرہ میں زبانی گفتگو کے بجائے گالی دینے، مار پیٹ کرنے، کپڑے پھاڑنے اور داڑھیاں نوچنے تک نوبت پہنچ جائے یا والدین اور اساتذہ وغیرہ کو کھلے بندوں گالیاں دی جائیں۔ اس قسم کی حرکت کرنے والے لوگ دائرہ انسانیت سے خارج ہیں، البتہ وہ لوگ بھی دس برائیوں سے پاک نہیں ہوتے جو بڑے سمجھے جاتے ہیں، عقلمند سنجیدہ اور

متین تسلیم کئے جاتے ہیں' یہ ممکن ہے کہ بعض مناظرین میں کچھ خصلتیں پائی جائیں' لیکن اس میں بھی یہ شرط ہے کہ ان کے مقابل ان سے بلند مرتبہ ہوں یا کم حیثیت کے حامل ہوں' یا ان کا تعلق کسی دوسرے شہر سے ہو' لیکن اگر فریقین ایک ہی درجہ کے ہوں تو ان میں یہ دس خرابیاں ضرور پائی جاتی ہیں۔

یہ دس خرابیاں اصل ہیں' ان سے کچھ اور برائیوں کو راہ ملتی ہے جن کی تفصیل ہم الگ الگ بیان نہیں کرسکتے' البتہ مختصر طور پر اتنا کہہ سکتے ہیں کہ مذکورہ خصلتوں کے علاوہ مناظرین میں یہ برائیاں بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔ مثلاً ناک بھوں چڑھانا' غصہ کرنا' دشمنی' حرص' جاہ و مال کی طلب' خوش ہونا' اترانا' امراء اور حکام کی تعظیم کرنا' ان کے پاس آنا جانا' ان کے مال حرام میں سے اپنا حصہ لینا' گھوڑوں' سواریوں اور مخصوص لباس سے زیب و زینت اختیار کرنا' لوگوں کو غیر سمجھنا' لایعنی اور لغو بحث میں وقت کھپانا' زیادہ بولنا' دل سے خدا کا خوف ختم ہونا وغیرہ۔ مناظر کا دل اس درجہ غافل ہو جاتا ہے کہ اسے یہی معلوم نہیں ہوتا کہ نماز میں کتنی رکعتیں پڑھی ہیں' کیا پڑھا ہے' کس سے دعا کی ہے خشوع و خضوع تھا کہ نہیں؟ وہ تو زندگی بھر ان علوم میں غرق رہتا ہے جو اس کے لیے مناظرہ میں مددگار ثابت ہوسکیں' اچھے اچھے الفاظ بولنے کی کوشش کرتا ہے' مقفّیٰ و مسجع عبارتیں کرتا ہے اور عجیب و غریب باتیں اپنے ذہن کے خزانے میں جمع کرتا ہے' حالانکہ آخرت میں کچھ بھی کام نہ آئے گا۔ تمام مناظرین یکساں نہیں ہوتے' بلکہ اپنے مزاج اور درجات کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں' بعض وہ مناظرین بھی جو علم و عقل یا تدین کے معاملے میں بڑے سمجھے جاتے ہیں ان برائیوں سے پاک نہیں ہوتے' تاہم ان برائیوں کو ظاہر نہیں ہونے دیتے' بلکہ کسی نہ کسی طرح انھیں چھپا لیتے ہیں۔

ان برائیوں کا تعلق اس شخص سے بھی ہے' جو وعظ و نصیحت میں مشغول ہو' لیکن ہر واعظ یا ناصح سے نہیں بلکہ ان واعظین سے جن کے وعظ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگوں میں مقبول ہوں' عزّت مرتبہ اور دولت حاصل ہو' اگر کوئی شخص فتاویٰ کا علم محض اس لیے حاصل کرے کہ اس کے ذریعے عہدۂ قضاء حاصل ہوسکے گا' اوقاف کی سربراہی نصیب ہوگی یا ہم عصروں پر فوقیت ملے گی' وہ شخص بھی ان برائیوں کا منبع ٹھہرے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان برائیوں کا تعلق ہر اس شخص سے ہوگا جو ثواب آخرت کے علاوہ کسی اور مقصد سے علم حاصل کرے۔ علم حاصل کرنے کے بعد اس کے اثرات مرتب ہوتے ہیں وہ عالم کو زندہ جاوید بھی بنا سکتا ہے' اور دائمی ہلاکت کی طرف اس کی راہنمائی بھی کرسکتا ہے علم نفع نہ دے تو نقصان پہنچائے گا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ قیامت میں شدید ترین عذاب اس عالم کو بھی ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ اس کے علم سے کوئی نفع نہ دے۔ اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ عالم کو نفع نہیں ہوا تو نقصان ہوا۔ نقصان بھی معمولی نہیں بلکہ شدید ترین' یہ نہیں کہ دوسرے گنہگاروں کے برابر سزا مل جاتی' اس لیے کہ علم ایک بڑی دولت ہے'

'علم حاصل کرنے والا بھی معمولی درجہ کا نہیں ہوتا' وہ علم کے ذریعہ دائمی سلطنت کا طالب ہوتا ہے' اب اسے یا سلطنت ملے گی یا ہلاکت نصیب ہوگی' عالم کی مثال اس شخص کی سی ہے جو دنیاوی حکومت کا خواہاں ہو' اگر وہ خواہش میں کامیاب نہ ہو پائے تو کیا معمولی درجے کے لوگوں کی طرح بچا رہے گا۔ ہرگز نہیں! بلکہ زبردست رسوائیوں کا سامنا کرنے پر مجبور ہوگا۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ مناظرہ کی اجازت دی جانی چاہیئے' کیونکہ مناظروں سے علم کی طلب میں اضافہ ہوتا ہے اگر جاہ و منصب کی محبت نہ ہو تو علم کا شوق ہی ختم ہو جائے ان لوگوں کی دلیل صحیح ہے' مگر مفید نہیں ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بچوں کو مکتب میں پڑھنے کی طرف مائل کرنے کے لیے گیند بلے سے کھیلنے کی اجازت دی جاتی ہے' لیکن اس کا نتیجہ یہ نہیں نکلتا کہ کھیل کود کی محبت صحیح ہے' یہی حقیقت ان لوگوں کے استدلال کی ہے' پھر اس سے یہ بھی تو ثابت نہیں ہوتا کہ جو شخص جاہ و منصب کا طالب ہے وہ ناجی بھی ہے' بلکہ وہ ان لوگوں میں سے ہے جن کے متعلق ارشاد نبوی ہے:-

ان اللہ لیوید ھذا الدین باقوام لا خلاق لھم (نسائی)
اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے دین کی تائید کراتا ہے جن کا دین میں کوئی حصہ نہیں۔
ایک اور حدیث میں ہے:
ان اللہ لیوید ھذا الدین بالرجل الفاجر (بخاری و مسلم)
اللہ تعالیٰ اس دین کی تائید فاجر شخص سے بھی کرا دیتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ طالب جاہ عالم خود تو ہلاک ہونے والوں میں ہے لیکن کبھی کبھی اس کی وجہ سے دوسرے لوگوں کو ہدایت مل جاتی ہے' اس طرح کے علماء رئیسوں کی مجلسوں میں بیٹھ کر لوگوں کو ترک دنیا کر طرف بلاتے ہیں' بظاہر یہ لوگ سلف صالحین کا نمونہ ہوتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں دولت کی ہوس غالب ہوتی ہے ان کی مثال اس شمع کی سی ہے جو خود تو آگ میں جلتی ہے' لیکن دوسرے لوگوں کو روشنی عطا کرتی ہے۔ ان علماء کے بجائے اگر خالص دنیادار لوگ (امراء حکام) ترکِ دنیا کی نصیحت کرنے لگیں تو ان کی مثال اس آگ کی ہے جو خود بھی جلتی ہے اور دوسروں کو بھی جلاتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ علماء تین طرح کے ہیں' کچھ وہ ہیں جو خود بھی جلتے ہیں اور دوسروں کو بھی جلاتے ہیں' یہ وہ علماء ہیں جو علی الاعلان دنیا داری میں مصروف ہیں کچھ وہ ہیں جو خود بھی کامیاب کامران ہیں اور دوسروں کو بھی کامیابی و کامرانی کی راہ دکھلاتے ہیں یہ علماء ہیں جو ظاہر و باطن دونوں حالتوں میں خدا کی طرف متوجہ ہیں کچھ وہ ہیں جو خود تو ہلاکت نصیب ہیں لیکن دوسرے لوگ ان کے ذریعہ کامیاب ہو رہے ہیں یہ وہ علماء ہیں جو لوگوں کو آخرت کی طرف بلاتے ہیں بظاہر خود بھی تارکِ دنیا دکھائی دیتے ہیں' لیکن دلوں میں عوامی مقبولیت' عزت و جاہ کی خواہش ہے۔ اب تم غور کرلو کس زمرہ میں شامل ہونا چاہتے ہو' یہ مت سمجھ لینا کہ اللہ تعالیٰ وہ علم و عمل بھی قبول کرلے گا جو خاص اس کے لیے نہ ہو۔ انشاء اللہ ہم باب الریاء میں اور جلد ثالث کے دوسرے ابواب میں تشفی بخش گفتگو کریں گے۔

پانچواں باب

استاذ و شاگرد کے آداب

طالب علم کے آداب : طالب علم کے آداب بے شمار ہیں لیکن وہ سب دس کے ضمن میں آجاتے ہیں۔

پہلا ادب : پہلا ادب یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کو بری عادات اور گندے اوصاف سے پاک و صاف کرے' اس لیے کہ علم دل کی عبادت' باطن کی اصلاح اور تقربِ الٰہی کا نام ہے۔ نماز ظاہری اعضاء کا فریضہ ہے اس فریضہ کی ادائیگی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ظاہری جسم حدث اور نجاست سے پاک نہ ہو' اسی طرح علم بھی ایک عبادت ہے' یہ عبادت بھی اس وقت تک صحیح نہیں ہوتی جب تک باطن برائیوں سے پاک نہ ہو پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

بني الاسلام على النظافة (۱)

دین کی بنیاد صفائی پر رکھی گئی ہے۔

صفائی محض ظاہر کی کافی نہیں ہے بلکہ باطن کی بھی ضروری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ۔ (پ ۱۰' ر ۱۰' آیت ۱۵)

مشرک لوگ (بوجہ عقائد خبیثہ) نرے ناپاک ہیں۔

اس آیت میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ طہارت اور نجاست کا تعلق محض ظاہر جسم سے یا دیکھنے سے نہیں ہے' بلکہ باطن بھی ظاہر یا نجس ہو سکتا ہے' مشرک بعض اوقات ستھرے کپڑے پہنے ہوئے ہوتا ہے' نہایا ہوا ہوتا ہے' مگر اس کا باطن نجاستوں سے آلودہ ہوتا ہے۔

نجاست اس چیز کو کہتے ہیں جس سے بچا جائے' ظاہری نجاستوں کے مقابلے میں باطن کی نجاست سے بچنا زیادہ اہم ہے' اس لیے کہ وہ اس وقت محض نجاست ہیں' لیکن باطن کی نجاستیں ہلاکت پر منتہی ہوتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :

لاتدخل الملائكة بيتا فيه كلب (بخاری و مسلم)

فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا ہو۔

دل انسان کا گھر ہے' اس میں فرشتوں کی آمدورفت رہتی ہے' غضب' شہوت' کینہ' حسد' کبر اور عجب وغیرہ عادات بھونکنے والے کتے ہیں جس دل میں یہ کتے ہوں گے تو فرشتوں کا گذر کیسے ہوگا؟ دل میں علم کا نور صرف فرشتوں کے ذریعہ پہنچتا ہے' چنانچہ قرآن کریم میں ہے :

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ۔ (پ ۲۵' ر ۶' آیت ۵۱)

اور کسی بشر کی (حالت موجودہ میں) یہ شان نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام فرمائے' مگر (تین طریق سے) یا تو الہام سے' یا حجاب کے باہر سے' یا کسی فرشتے کو بھیج دے کہ وہ خدا کے حکم سے جو خدا کو منظور ہوتا ہے پیغام پہونچا دیتا ہے۔

---

(۱) حافظ عراقی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ان الفاظ میں نہیں مل سکی البتہ حضرت عائشہؓ کی ایک روایت میں "تنظفوا فان الاسلام نظیف" یعنی صفائی اختیار کرو اس لیے کہ اسلام صاف ستھرا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم کی روشنی لانے والے فرشتے ہیں' یہ فرشتے جو اس اہم کام کی لیے مقرر ہیں خود بھی پاک و طاہر ہوتے ہیں' اور وہی جگہ دیکھتے ہیں جو پاک ہو' ان ہی دلوں کو اللہ کی رحمت کے خزانوں سے بھرتے ہیں جو پاک و صاف ہوں۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ مذکورہ بالا حدیث میں گھر سے مراد انسان کا دل اور کتّے سے مراد مذموم عادتیں ہیں' اس لیے کہ اس طرح باطنیہ فرقے کے لوگ ہم پر یہ اعتراض کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ جس بات سے تم ہمیں روکتے ہو خود اس پر عمل کرتے ہو۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ حدیث کے ظاہری لفظوں کے معنی میں تبدیلی کئے بغیر باطنی معنی مراد لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ظاہری الفاظ کے معنی بہ نا واقعی غلط چیز ہے' ہم نے پہلے حدیث کے ظاہری الفاظ کے معنی بیان کئے' پھر یہ بتلایا کہ اس حدیث سے اس امر پر تنبیہہ ہوتی ہے کہ انسان کا دل اس کا گھر ہے' بری عادتیں کتوں کی طرح ہیں جس طرح کتوں کی موجودگی میں فرشتے گھروں میں داخل نہیں ہوتے' اسی طرح بری عادتوں کی موجودگی میں بھی فرشتے دلوں میں علم کا نور نہیں پہنچاتے۔ یہ جو کچھ عرض کیا گیا بطور عبرت ہے' اس لیے کہ علماء اور خدا کے نیک بندوں کا طریقہ یہی ہے کہ وہ جو کچھ کسی دوسری چیز سے متعلق سنتے ہیں' اسے اسی حد تک محدود نہیں رکھتے بلکہ خود نصیحت کرتے ہیں' مثلاً اگر کوئی صاحب عقل آدمی کسی دوسرے شخص کو مصائب و تکالیف میں مبتلا دیکھتا ہے تو وہ اس سے عبرت پکڑتا ہے' یہ سوچتا ہے کہ ہم بھی مصیبتوں کا شکار ہو سکتے ہیں' دنیا میں انقلاب آتا ہی رہتا ہے' دوسرے کا حال دیکھ کر اپنا جائزہ لینا اور پھر دنیا کے متعلق سوچنا ہی عبرت ہے اس سے اچھی عبرت اور کیا ہو سکتی ہے۔

اسی اصول کی روشنی میں مخلوق کے بنائے ہوئے گھر کا اللہ کے بنائے ہوئے (گھر) سے موازنہ کیجئے' پھر یہ دیکھئے کہ کتّے اور بری عادتوں میں کیا وجہ اشتراک ہے ظاہر ہے کہ کتّے کو اس کی درندگی اور نجاست کی وجہ سے برا کہا جاتا ہے اور نہ کہ اس کی شکل و صورت کی وجہ سے۔ یہی حال روح کی برائیوں کا ہے یہ بات جان لیجئے کہ جو دل غضب' دنیا کی حرص اور دنیا کے لیے لڑنے جھگڑنے' لوگوں کی عزت آبرو پامال کرنے کے جذبات سے لبریز ہے وہ دل ظاہر میں دل ہے لیکن حقیقت میں کتّا ہے' نورِ عقل باطن کو دیکھتا ہے ظاہر کا لحاظ نہیں رکھتا۔ اس ناپائیدار دنیا میں صورتیں معانی پر غالب ہیں' لیکن آخرت میں معانی غالب رہیں گے' اس لیے کہ ہر شخص کا حشر اس کی معنوی صورت پر ہوگا مثلاً جو شخص لوگوں کی اہانت کرتا ہو وہ اس کتّے کی شکل میں اٹھایا جائے گا جو اپنے شکار پر جھپٹتا ہو۔ لوگوں کی دولت کا حریص ظالم بھیڑیئے کی شکل میں' تکبر کرنے والا چیتے کی شکل میں اور جاہ و منصب کا طالب شیر کی شکل میں اٹھایا جائے گا۔ اس سلسلے میں احادیث موجود ہے اور اہل بصیرت بھی اس حقیقت کے شاہد ہیں۔

جو کچھ عرض کیا گیا اس پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ بہت سے بدترین اخلاق کے حامل طلباء علم حاصل کر رہے ہیں اور بظاہر کامیاب بھی ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ ممکن نہیں کہ برے اخلاق کے حامل طالب علم کو وہ حقیقی علم حاصل ہو جائے جو راہِ آخرت میں نفع پہنچا سکے یا جس سے ابدی سعادت حاصل ہو سکے' اس لیے کہ اس علم کی پہلی منزل ہی یہ جاننا ہے کہ گناہ سم قاتل ہے' اس سے ہلاکت کے علاوہ اور کچھ نہیں ملتا۔ تم نے کسی ایسے شخص کو دیکھا ہے جو زہر کو مہلک جاننے کے باوجود کھالے' اس طرح کے طلباء جو علم حاصل کرتے ہیں وہ محض رسمی علم ہوتا ہے' جو کبھی زبان پر رہتا ہے اور کبھی دل میں بھی اس کا اعادہ و تکرار ہوتا ہے' علمِ حقیقی سے اس کا کوئی تعلق نہیں' حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ علم کثرتِ روایت کا نام نہیں بلکہ یہ ایک نور ہے جو اللہ دلوں میں القاء کر دیتا ہے' بعض اکابر کا قول ہے کہ علم صرف خوفِ الٰہی کا نام ہے' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ

اللہ سے اس کے بندوں میں سے صرف علماء ڈرتے ہیں۔

جن حضرات نے علم کو خوفِ الٰہی سے تعبیر کیا ہے انھوں نے علم کے اصل اور حقیقی نتیجہ کی نشاندہی کی ہے اس جملہ کا بھی کچھ یہی مفہوم ہے۔

تعلمنا العلم لغیر اللہ فابی العلم ان یکون الا للہ۔
ہم نے اللہ کے علاوہ کے لیے علم حاصل کیا مگر علم نے اس سے انکار کر دیا کہ وہ اللہ کے علاوہ کسی کے لیے ہو۔

بعض محققین حضرات اس جملے کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہمیں صرف ظاہری الفاظ و عبارت کا علم آیا اس کی حقیقت ہم پر واضح نہیں ہوئی۔

یہ بھی صحیح ہے کہ بہت سے علمائے محققین اور فقہائے دین فروع و اصول میں تفوق اور مہارت رکھنے کے باوجود مذموم عادتیں رکھتے ہیں، لیکن ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جس علم میں یہ لوگ مشغول ہیں وہ علم ہونے کی حیثیت سے مفید نہیں ہے۔ اس علم کا فائدہ اس صورت میں ہے جب اس کی طلب اللہ تعالیٰ کے لیے ہو، اور حصول کا مقصد اللہ تعالیٰ کا قرب ہو۔ یہ بات ہم اختصار کے ساتھ بیان بھی کر چکے ہیں عنقریب اس کی تفصیل بھی عرض کریں گے۔

دوسرا ادب : دوسرا ادب یہ ہے کہ طالب دنیا کی مصروفیتیں کم کر دے، عزیز و اقارب اور وطن سے دور جا کر رہے وہ اس لیے کہ یہ رشتے، ناتے، یہ مصروفیتیں علم کی راہ میں رکاوٹ ہیں، کوئی بھی شخص اپنے سینے میں دو دل نہیں رکھتا، جب اس کا ذہن و فکر منتشر ہو گا توجہ بٹے گی تو وہ حصول علم میں کوتاہی کرنے پر مجبور ہو گا، اسی لیے کسی نے کہا ہے کہ علم اس وقت تک بھی تھوڑا حصہ نہیں دے گا جب تک اپنے آپ کو پوری طرح اس کے سپرد نہ کر دو گے اور مکمل خود سپردگی کے باوجود بھی تھوڑا بہت علم حاصل ہو گا، اس پر بھی اطمینان نہیں کیا جا سکتا، معلوم نہیں نفع بخش ہو یا نقصان دہ۔ وہ ذہن جو مختلف کاموں میں منتشر رہتا ہے اس نالے کے مشابہ ہے جس کا پانی ادھر ادھر پھیل گیا ہو، کچھ پانی زمین میں جذب ہو جاتا ہے، کچھ ہوا میں اڑ جاتا ہے جو کچھ باقی رہتا ہے اس سے کھیتی سیراب نہیں ہو سکتی۔

تیسرا ادب : تیسرا ادب یہ ہے کہ طالب علم اپنے علم پر مغرور نہ ہو اور استاذ پر حکومت نہ چلائے، بلکہ سب کچھ اسی کی رائے پر چھوڑ دے، جو نصیحت وہ کرے اسے اس طرح قبول کرے جس طرح مریض، مشفق اور حاذق حکیم کی نصیحت سنتا ہے اور قبول کرتا ہے، طالب علم کو یہ بھی چاہیے کہ وہ استاذ کے ساتھ تواضع اور انکساری سے پیش آئے۔ اجر و ثواب کے جذبے سے اس کی خدمت کرے، شعبیؒ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت زید ابن ثابتؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور نماز سے فراغت کے بعد لوگوں نے سواری کے لیے خچر پیش کیا، حضرت ابن عباسؓ تشریف لائے اور خچر کی لگام ہاتھ میں لے کر چلنے لگے، حضرت زید ابن ثابتؓ نے فرمایا : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی ! آپ لگام چھوڑ دیں۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ہمیں یہی حکم ہوا ہے کہ اپنے بڑوں کی اور علماء کی تعظیم کریں۔ زید ابن ثابتؓ نے ابن عباسؓ کے ہاتھ پر بوسہ دیا اور فرمایا کہ ہمیں بھی اہل بیت کے ساتھ اسی طرح معاملہ کرنے کا حکم ہوا ہے۔ (طبرانی۔ حاکم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :

لیس من اخلاق المومن التملق الا فی طلب العلم (ابن عدی)
مومن کی عادت نہیں ہے کہ وہ طلب علم کے علاوہ کسی معاملے میں چاپلوسی کرے۔

علم کے سلسلے میں طلباء کے تکبر کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ وہ صرف معروف و مشہور علماء سے استفادہ کریں، غیر معروف لوگوں کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے میں شرم محسوس کریں، یہ ایک احمقانہ فعل ہے اس لیے کہ علم نجات اور سعادت اخروی کا ذریعہ ہے، اگر کسی شخص کو درندے کا خطرہ ہو اور وہ اس خطرہ سے بعافیت نکلنا چاہتا ہو تو وہ یہ فرق نہیں کرے گا کہ درندہ سے بچنے کی تدبیر بتلانے والا کوئی مشہور آدمی ہے یا گمنام ہے۔ ظاہر ہے کہ دنیاوی درندوں کے مقابلے میں دوزخ کے درندوں سے زیادہ خطرہ

ہو گا۔ پھر ان درندوں سے بچنے کی تدبیریں بتلانے والوں میں فرق کیوں کیا جائے؟ حکمت مومن کا گمشدہ خزانہ ہے' جہاں سے ملے غنیمت سمجھے' اور دل و جان سے حفاظت کرے' جس کے ذریعے حکمت پہنچے اس کا احسان مانے' خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ ایک شعر ہے:۔

العلم حرب للفتی المتعالی　　　کالسیل حرب للمکان العالی

ترجمہ : علم کو مغرور نوجوان سے دشمنی ہے' جیسے سیلاب کو بلندی پر واقع مکان سے عداوت ہے۔

علم بغیر تواضع کے حاصل نہیں ہوتا علم حاصل کرنے کے لیے پوری طرح متوجہ ہونا اور کان لگا کر سننا بھی ضروری ہے۔ قرآن پاک میں ہے :

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَھُوَ شَہِیْدٌ۔

(پ ۲۶' ر ۱۷' آیت ۳۷)

اس میں اس شخص کے لیے بڑی عبرت ہے جس کے پاس (فہیم) دل ہو اور یا وہ متوجہ ہو کر کان لگا دیتا ہو۔

مذکورہ بالا آیت میں صاحب دل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ علم کے فہم کی استعداد رکھتا ہو' پھر سمجھنے کی قدرت ہی کافی نہیں ہے بلکہ حضورِ دل کے ساتھ کان بھی لگائے' تاکہ جو کچھ اس کے کانوں میں پڑے اس کو اچھی طرح سنے' اور انکساری' شکر' خوشی اور منت کشی کے جذبات کے ساتھ قبول کرے' استاذ کو شاگرد کے سامنے نرم زمین کی طرح رہنا چاہیے' نرم زمین پر چاہے جتنی بارش ہو' تمام پانی جذب ہو جاتا ہے اسی طرح طالب علم کو چاہیے کہ جو کچھ استاذ بتلائے قبول کرے' تعلیم کا جو طریقہ وہ تجویز کرے اس پر عمل کرے' اپنی رائے کو ہرگز دخل نہ دے' کیونکہ مرشد اگر غلطی پر بھی ہو گا تو طالب کے حق کے مقابلے میں اس کی غلطی بھی مفید ہوگی' کیونکہ وہ تجربہ کار ہے' اسے ایسے بہت سے نقطوں کا علم ہے جو بظاہر حیرت انگیز ہیں مگر ان کی افادیت میں شبہ نہیں کیا جاسکتا' مثلاً "بہت سے گرم مزاج رکھنے والے مریضوں کو اطباء حضرات گرم دوائیں تجویز کرتے ہیں' حالانکہ یہ بات بہت عجیب محسوس ہوتی ہے لیکن اس سلسلے میں یہ مصلحت پوشیدہ ہے کہ مزید گرم دواؤں سے اس کی حرارت قوی تر ہو جائے تاکہ وہ علاج کا تحمل کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے قصے میں اس حقیقت پر تنبیہہ فرمائی ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے معیت کی خواہش کی تو حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا :

اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا وَکَیْفَ تَصْبِرُ عَلٰی مَالَمْ تُحِطْ بِہٖ خُبْرًا۔ (پ ۱۵' ر ۲۱' آیت ۶۸-۶۷)

آپ سے میرے ساتھ رہ کر (میرے افعال پر) صبر نہ ہو سکے گا اور ایسے امور پر آپ کیسے صبر کریں گے جو آپ کے احاطہ واقفیت سے باہر ہیں۔

پھر اس شرط پر ساتھ رکھنے کا وعدہ کرلیا کہ وہ خاموش رہیں گے' جب تک میں خود کچھ نہ کہوں اس وقت تک کوئی سوال نہیں کریں گے۔ چنانچہ فرمایا :

فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْاَلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰی اُحْدِثَ لَکَ مِنْہُ ذِکْرًا۔

(پ ۱۵' ر ۲۱' آیت ۷۰)

اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو مجھ سے کسی چیز کے متعلق کچھ مت پوچھنا جب تک میں اس کے متعلق خود ہی ذکر نہ کروں۔

مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے صبر نہ ہو سکا وہ بار بار انہیں ٹوکتے رہے' یہی چیز ان دونوں میں جدائی کا باعث قرار پائی۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جو شاگرد استاذ کے سامنے اپنا اختیار یا اپنی رائے برقرار رکھے گا وہ اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہو سکے گا۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ مندرجہ ذیل آیت سے سوال کرنے کی اجازت معلوم ہوتی ہے اور آپ اس سے منع کر رہے ہیں۔

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (پ۱۷ ر۱ آیت ۷)
سو (اے منکر) اگر تم کو یہ بات معلوم نہ ہو اہل کتاب سے دریافت کرلو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ سوال ممنوع نہیں ہے۔ لیکن جن چیزوں کے پوچھنے کی اجازت استاذ دے وہی معلوم کرو اس طرح کے سوالات کرنا مناسب نہیں۔ جو تمہارے ذہنی معیار سے مطابقت نہ رکھتے ہوں' یہی وجہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سوال کرنے سے منع کردیا تھا' وقت سے پہلے ہی پوچھ بیٹھنا بھی مناسب نہیں ہے اس لیے کہ استاذ تمہاری ضروریات سے خوب واقف ہے۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ تمہیں کون سی بات کس وقت بتلانی چاہیے۔ جب تک بتلانے کا وقت نہیں آتا اس وقت تک پوچھنے کا وقت بھی نہیں آتا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ فرماتے ہیں : "عالم کا حق یہ ہے کہ اس سے زیادہ سوالات مت کرو' جواب میں اسے طعنے مت دو' جب وہ تھک جائے تو اصرار نہ کرو' جب وہ اٹھے تو اس کا دامن مت پکڑو' اس کے راز ظاہر مت کرو' اس کی مجلس میں کسی کی غیبت نہ کرو' نہ اس کی لغزش تلاش کرو' اگر وہ لغزش کرے تو اس کا عذر قبول کرو' جب تک وہ اللہ تعالیٰ کے دین کی حفاظت کرتا رہے تم اس کی تعظیم کرو' اس کے آگے مت بیٹھو' اگر وہ کوئی کام بتلائے تو اسے انجام دینے میں سبقت کرو"۔

چوتھا ادب : چوتھا ادب یہ ہے کہ طالب علم تعلیم کے ابتدائی مراحل میں اختلافی باتیں سننے سے پرہیز کرے' خواہ وہ علمِ دنیا حاصل کررہا ہو یا علمِ آخرت۔ اس لیے کہ اختلافی مسائل سننے سے مبتدی طالب علم کا ذہن پریشان ہوجاتا ہے' عقل حیران ہوجاتی ہے اور وہ یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ شاید وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکے گا بلکہ مناسب یہ ہے کہ ابتداءً کوئی ایک اچھا طریقہ اختیار کرلے' اس کے بعد دوسرے مذاہب اور شبہات کا علم حاصل کرے لیکن اگر استاذ خود کسی ایک طریقے کا پابند نہ ہو بلکہ نقل مذاہب اس کی عادت ہو تو ایسے استاذ سے دور رہنا چاہیے' اس لیے کہ اس کے ذریعہ ہدایت کم' گمراہی زیادہ نصیب ہوگی بھلا نابینا کسی نابینا کی رہنمائی کیسے کرسکتا ہے۔ ایسا شخص خود وادیٔ حیرت میں ہے' دوسرے کو اس سے نجات کیسے دلاسکے گا۔ مبتدی طالب علم کو شبہات سے روکنے میں وہی مصلحت ہے جو نومسلم کو کفّار سے ملنے سے منع کرنے میں ہے۔ منتہی طالب علم اس طرح کے اختلافات کا علم حاصل کرسکتا ہے' جس طرح قوی الایمان مسلمان کافروں کے پاس آمد ورفت جاری رکھ سکتا ہے۔ اصل میں ہر کام کے لیے ہر آدمی موزوں نہیں ہوتا۔ چنانچہ کافروں پر حملہ کرنے کے لیے نامردوں اور بزدلوں سے نہیں کہا جاتا بلکہ بہادر لوگوں کو اس کام کے لیے بلایا جاتا ہے۔

یہ بنیادی اصول جن ضعیف الاعتقاد لوگوں نے نظرانداز کیے وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ قوی لوگوں کے جو معاملات منقول ہیں ان میں اتباع جائز ہے' حالانکہ وہ یہ نہیں سمجھے کہ کمزوروں کے فرائض الگ ہیں اور طاقتور لوگوں کے الگ' چنانچہ ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص نے مجھے ابتداء میں دیکھا صدیق ہوگیا اور جس نے انتہاء میں دیکھا وہ زندیق ہوگیا۔ اس لیے کہ آخر میں اعمال کا تعلق باطن سے ہوجاتا ہے' ظاہری اعضاء محض فرائض ادا کرتے ہیں' دیکھنے والے سمجھتے ہیں کہ یہ سب کچھ سستی اور کاہلی کی وجہ سے ہورہا ہے' حالانکہ یہاں تو عین حالت حضوری میں قلب کی نگرانی کی جارہی ہے' ذکر جو افضل ترین عمل ہے مسلسل ہورہا ہے۔ ضعیف آدمی قوی کے ظاہر حال کو دیکھ کر یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ یہ لغزش ہے اور خود بھی وہی عمل کرتا ہے۔ اس کی حالت ایسے شخص کے مشابہ ہے جو ایک مشکیزہ پانی میں تھوڑی سی نجاست ملادے اور یہ عذر کرے کہ سمندر میں اس سے ہزار گناہ زیادہ نجاست ملا دیتے ہیں جبکہ وہ اس مشکیزہ سے کہیں زیادہ بڑا ہے' جب سمندر کے لیے اس کی اجازت ہوسکتی ہے تو مشکیزہ کے لیے بطریق اولیٰ اس کی اجازت ہونی چاہیے۔ اس شخص کو یہ معلوم نہیں کہ سمندر اپنی قوّت اور وسعت کی بناء پر نجاست کو پانی بنالیتا ہے اور پانی کے غلبے سے نجاست بھی اسی کی طرح ہوجاتی ہے' جبکہ مشکیزہ میں نجاست پانی پر غالب آجاتی ہے اور اسے بھی نجس کردیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وہ جائز تھے جو دوسروں کے لیے نہیں تھے۔ مثلاً آپ کی نو بیویاں تھیں (جیسا

کہ بخاری و مسلم میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے ثابت ہوتا ہے) اس لیے کہ آپ میں اتنی قوت تھی کہ عورتوں میں عدل فرماتے تھے، چاہے ان کی تعداد زیادہ کیوں نہ ہو جبکہ دوسرے لوگ دو چار بیویوں میں بھی انصاف نہیں کرسکتے بلکہ ان عورتوں کا ضرر انھیں لاحق ہوگا اور وہ اپنی بیویوں کی رضاجوئی میں خدا کی نافرمانی کرنے پر مجبور ہوں گے۔

پانچواں ادب : پانچواں ادب یہ ہے کہ طالب علم بہترین علوم میں سے کوئی علم دیکھے بغیر نہ چھوڑے۔ اولاً ان کے بنیادی مقاصد اور مبادیات کا علم کافی ہے۔ پھر اگر زندگی وفا کرے تو ان میں کمال بھی پیدا کیا جاسکتا ہے۔ ورنہ جو اہم ہو اس میں وقت لگائے اور کمال حاصل کرے اور باقی علوم میں سے تھوڑا تھوڑا حاصل کرے۔ اس لیے کہ علوم ایک دوسرے سے وابستہ اور ایک دوسرے کے معاون ہوتے ہیں۔ آج کل لوگ یہ عمدہ علوم محض اپنی عداوت کی وجہ سے نہیں سیکھتے اور یہ عداوت بھی جہل پر مبنی ہے۔ جو چیز انسان کو حاصل نہیں ہوپاتی وہ اس کا دشمن بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

وَاِذْلَمْ يَهْتَدُوْابِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآاِفْكٌ قَدِيْمٌ۔ (پ ۲۶، ر ۲، آیت ۱۱)

اور جب ان لوگوں کو قرآن سے ہدایت نصیب نہ ہوئی تو یہ کہیں گے کہ یہ قدیمی جھوٹ ہے۔

کسی شاعر کا شعر ہے۔

و من یک ذافم مر مریض   یجد مرا به الماء الزلالا

ترجمہ : جس کا منہ مرض کی وجہ سے کڑوا ہو اسے آبِ شیریں بھی کڑوا لگتا ہے۔

یہ عمدہ علوم جن کا ذکر کیا جارہا ہے اپنے مرتبے کے مطابق طالب علم خدائے تعالیٰ کی راہ کا سالک بنا دیتے ہیں یا سلوک کی راہ میں اس کی اعانت کرتے ہیں۔ یوں ہر علم کے ذریعہ قربت بھی حاصل کی جاسکتی ہے اور بُعد بھی۔ جو لوگ ان علوم سے واقف ہیں میدان جہاد میں مورچوں کے محافظوں کی طرح ہیں۔ ہر ایک کا ایک مرتبہ ہے۔ آخرت میں اسے اس کے مرتبے کے مطابق اجر ملے گا بشرطیکہ اس نے اپنے علم کے ذریعے رضائے خداوندی کی نیت کی ہو۔

چھٹا ادب : چھٹا ادب یہ ہے کہ فنون علم میں سے کسی فن کو دفعتاً اختیار نہ کرے بلکہ اس میں بھی ترتیب ملحوظ رکھے اس فن کا جو حصہ اہم ہو اس سے ابتداء کرے۔ اس لیے کہ عمر عام طور پر تمام علوم کے لیے کافی نہیں ہوتی۔ اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ ہر علم کا عمدہ حصہ حاصل کرے۔ تھوڑے پر قانع ہوجائے۔ زیادہ کی ہوس نہ کرے اور اس علم سے جس قدر قوت حاصل ہوتی ہے اسے اس علم کی تکمیل میں صرف کردے جو اعلیٰ ترین علم ہے یعنی علمِ آخرت کی دونوں قسمیں معاملہ اور مکاشفہ۔ معاملہ کی انتہا مکاشفہ ہے اور مکاشفہ کی غائت اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے۔ علمِ مکاشفہ سے ہماری مراد وہ اعتقاد نہیں جسے لوگ آباء و اجداد سے سنتے آئے ہوں یا زبانی یاد کرتے آئے ہوں۔ نہ اس سے مراد علم المناظرہ ہے جس کی غایت ہی یہ ہے کہ فریق مخالف کے سامنے وہ عبارت آرائی ہو کہ وہ اعتراض نہ کرسکے۔ علمِ مکاشفہ سے وہ یقین مراد لیتے ہیں جو ایک نور کا ردِّ عمل ہے۔ یہ نور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دلوں میں القاء کرتا ہے جو اپنے باطن کو مجاہدوں اور ریاضتوں کے ذریعہ خباثتوں سے پاک کرلیتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ ایمان کی اس منزل تک پہنچ جاتے ہیں جس کی شہادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کے لیے دی تھی۔

ايمان ابى بكر الذى لو وزن بايمان العالمين لرجح (ابن عدی، بیہقی)

ابوبکر کا ایمان وہ ہے کہ اگر تمام دنیا کے ایمان سے تولا جائے تو ان کا پلڑا بھاری رہے گا۔

حضرت ابوبکرؓ اور دوسرے صحابہ کے ایمان میں افضلیت کے اس فرق کی حقیقت اس طرح سمجھئے کہ عامی اور متکلم کے عقائد یکساں ہوتے ہیں لیکن متکلم کو عامی پر اس لیے فضیلت ہوتی ہے کہ وہ ان عقائد میں بحث کرنے کی اہلیت رکھتا ہے بلکہ ان کی فضیلت عامی پر متکلم کی فضیلت سے مختلف تھی۔ یہ فضیلت انھیں اس راز کی وجہ سے حاصل تھی جو ان کے سینے میں ڈالا گیا تھا۔

ہمیں اس شخص پر حیرت ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح کی باتیں سننے اور انہیں صوفیاء کی یاوہ گوئی کہہ کر حقارت سے کردے۔ یہ ایک غیر معقول بات ہے۔ اسے اس طرح کے امور میں بھی غور و فکر کرنا چاہیے ورنہ ذرا سی غفلت سے راس المال (ایمان) ضائع ہوجاتا ہے۔ تمہیں اس راز کی معرفت حاصل کرنی چاہیے جو فقہاء اور متکلمین کے سرمایہ علم سے خارج ہے اور اس کی معرفت تمہیں اسی وقت حاصل ہوسکتی ہے جب تم اس کی طلب میں تن و من سے مصروف ہوجاؤ۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ تمام علوم میں اشرف ترین علم اور تمام علوم کا مقصودِ حقیقی اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے۔ یہ ایک دریا ہے جس کی گہرائی معلوم نہیں۔ اس سلسلے میں سب سے بڑا درجہ انبیاء کو حاصل ہے پھر اولیاء اللہ کو۔ روایت ہے کہ متقدمین حکماء میں سے دو حکیموں کی تصویر کسی مسجد میں نظر پڑی۔ ہر ایک کے ہاتھ میں کاغذ کا ایک ٹکڑا تھا۔ ایک ورق پر عبارت تھی کہ اگر تم نے تمام کام اچھی طرح انجام دیئے ہیں تو یہ مت سمجھو کہ تم نے واقعی اچھے کام کئے ہیں جب تک اللہ کی معرفت ہو اور یہ نہ معلوم ہو کہ وہ مسبّب الاسباب ہے۔ تمام چیزوں کا خالق ہے اور موجد ہے دوسرے ورق پر یہ الفاظ تھے کہ خدائے تعالیٰ کی معرفت سے پہلے میں پانی پیا کرتا تھا لیکن جب سے اللہ کی معرفت نصیب ہوئی پانی پیئے بغیر ہی سیراب رہتا ہوں۔

<u>ساتواں ادب</u> : ساتواں ادب یہ ہے کہ اس وقت تک کسی فن میں مشغول نہ ہو جب تک اس سے پہلے والے فن کی اچھی طرح تکمیل نہ کرلے۔ اس لیے کہ علوم میں ایک ترتیب ہے۔ ایک علم دوسرے علم کا راستہ ہے۔ توفیق یافتہ وہی شخص ہے جو اس ترتیب کا لحاظ رکھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَلَّذِیْنَ آتَیْنٰهُمُ الْکِتَابَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ (پ ۱، ر ۱۴، آیت ۱۲۱)

جن لوگوں کو ہم نے کتاب (توریت و انجیل) دی بشرطیکہ وہ اس کی تلاوت (اس طرح) کرتے رہے جس طرح کہ تلاوت کا حق ہے۔

آیت کا مطلب یہی ہے کہ جب تک وہ ایک فن (تلاوت) کو علم و عمل کے اعتبار سے مکمل نہیں کرلیتے آگے نہیں بڑھتے۔ طالب علم کو چاہیے کہ جس علم کا ارادہ کرے اس سے آگے کے علم تک ترقی کرنے کی نیت بھی کرلے۔ وہ علم جس میں علماء کا اختلاف ہو یا وہ علم جس میں کسی عالم سے غلطیاں واقع ہوگئی ہوں یا وہ اس علم کے مطابق عمل نہ کرتا ہو تو محض ان وجوہات کی بناء پر کسی علم کو برا نہیں کہنا چاہیے۔ جیسا کہ بعض لوگ معقولات اور فقہیات کا مطالعہ نہیں کرتے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ اگر ان علوم کی کوئی اصل بھی ہوتی تو ان کے ماہر علماء سے واقف ہوتے۔ اپنی کتاب "معیارُ العلم" میں ہم اس شبہ کا جواب لکھ چکے ہیں۔ بعض لوگ طبیب کی غلطیوں کی بناء پر طب کو غلط سمجھنے لگتے ہیں۔ کسی نجومی کی پیش گوئیاں اگر اتفاقاً صحیح ثابت ہوجائیں تو علم نجوم کو صحیح تصوّر کرتے ہیں۔ بعض لوگ نجومی کی پیشین گوئیاں صحیح ثابت نہ ہونے پر اس علم کو لغو قرار دیتے ہیں۔ یہ سب لوگ غلطی پر ہیں۔ ان لوگوں کو یہ چاہیے کہ ہر شئے کی حقیقت سمجھ لیں۔ کوئی بھی شخص کسی علم کی تمام جزئیات کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ اسی لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے تھے کہ حق کو لوگوں سے مت سمجھو بلکہ پہلے حق سمجھ لو۔ حق والوں کو خود جان جاؤ گے۔

<u>آٹھواں ادب</u> : طالب علم کو چاہیے کہ وہ علوم کی افضلیت و شرف کے اسباب معلوم کرے۔ علم کی افضلیت و شرف کے دو حقیقی سبب ہوتے ہیں (۱) نتیجہ یا ثمرہ (۲) دلائل کی پختگی۔ مثلاً علم دین اور علم طب کا جائزہ لیجئے، علم دین کا ثمرہ ابدی زندگی ہے اور علم طب کا ثمرہ دنیاوی زندگی ہے۔ اس اعتبار سے علم دین افضل ہوگا کیونکہ علم دین کا ثمرہ اعلیٰ و افضل ہے۔ علم حساب اور علم نجوم کا موازنہ کیجئے۔ حساب کے دلائل زیادہ مضبوط ہیں۔ اس لیے علم حساب علم نجوم سے افضل ہے۔ اگر علم طب اور علم حساب کا موازنہ کیا جائے تو اوّل الذکر ثمرہ کے اعتبار سے اور ثانی الذکر دلائل کی قوت کے اعتبار سے اعلیٰ و افضل ہے۔ پھر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ دلائل کے مقابلے میں ثمرات کا لحاظ رکھنا زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ اس لیے طب حساب سے افضل

ہے۔ اگرچہ علم طب کی بنیاد اندازوں اور قیاسات پر ہوتی ہے۔ اس تفصیل سے ظاہر ہوا کہ تمام علوم سے افضل اللہ تعالیٰ کا ملائکہ کا' کتابوں اور رسولوں کا علم ہے اور وہ علم ہے جو ان علوم کا ذریعہ ہو۔ اس لیے اب تمہیں صرف اسی علم کی حرص کرنی چاہیے۔ دوسرے علوم کی نہیں۔

نواں ادب : نواں ادب یہ ہے کہ ابتداء میں اپنے باطن کو فضائل سے مزین اور آراستہ کرنا طالب علم کا مقصود ہو اور انجام کے اعتبار سے یہ مقصد ہو کہ اس علم کے ذریعے اسے اللہ تعالیٰ کی قربت' ملائکہ مقربین' اور ملاء اعلیٰ کی ہمسائیگی حاصل ہوگی۔ علم حاصل کرنے کا مقصد طلب جاہ و مال نہ ہو اور نہ یہ ہو کہ پڑھ کر بے وقوف لوگوں سے مناظرہ کروں گا۔ اپنے ہمسروں پر فخر کروں گا۔ جو شخص علم کے ذریعہ تقرب الٰہی چاہتا ہو اسے صرف وہ علم حاصل کرنا چاہیے جو اس کے مقصد سے قریب تر ہو یعنی علم آخرت کا طالب ہو لیکن اس کے لیے مناسب نہیں کہ وہ علم الفتاوی' علم النحو اور علم اللغت جیسے علوم کو حقارت کی نظر سے دیکھے جو کتاب و سنت کے متعلق ہیں یا ان علوم کو برا سمجھے جن کا ذکر ہم نے مقدمات اور متممات میں کیا ہے اور ان کو فرض کفایہ قرار دیا ہے۔ ہم نے علماءِ آخرت کی تعریف میں مبالغہ کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ دیگر علوم برے ہیں۔ جو لوگ ان علوم کے عالم ہیں ان کی مثال ان مجاہدین کی سی ہے جو براہ راست لڑنے کے بجائے مورچوں پر اور گھاٹیوں اور راستوں پر حفاظت کرتے ہیں۔ کچھ لڑنے والے کو پانی پلاتے ہیں' کچھ سواریوں کی حفاظت اور خدمت کرتے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی شخص ثواب سے محروم نہیں بشرطیکہ اس کی نیت اعلائے کلمۃ اللہ ہو' یہ نہ ہو کہ مال غنیمت حاصل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ۔

(پ ۲۸' ر ۲' آیت ۱۱)

اللہ تعالیٰ (اس حکم کی اطاعت سے) تم میں ایمان والوں کے اور (ایمان والوں میں) ان لوگوں کے جن کو علم (دین) عطا ہوا ہے (اخروی) درجے بلند کرے گا۔

هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ۔ (پ ۴' ر ۸' آیت ۱۶۳)

یہ مذکورین درجات میں مختلف ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اہل علوم کی فضیلت اعتباری اور اضافی ہے۔ مثلاً صرّافوں کو بادشاہوں کی بہ نسبت کم رتبہ کہہ دیا جائے تو یہ مطلب نہیں کہ وہ جاروب کشوں کے مقابلے میں بھی کم تر ہیں۔ یہ خیال کرنا صحیح نہیں ہے کہ جو علم اعلیٰ مرتبے کا حامل نہیں وہ کسی بھی درجے میں نہیں بلکہ یوں سمجھنا چاہیے کہ سب سے اعلیٰ مرتبہ انبیاء علیہم السلام کا ہے' پھر ان علماء کا جنہیں علم میں رسوخ حاصل ہو۔ پھر نیک بندوں کا' ان کے مختلف درجات کے مطابق جو ذرّہ برابر بھی بدی یا نیکی کرے گا اس کا بدلہ ملے گا۔ اسی طرح جو شخص بھی علم سے اللہ کی رضا کا ارادہ کرے گا خواہ کوئی بھی علم ہو وہ علم اسے نفع دے گا اور اس کا رتبہ بڑھائے گا۔

دسواں ادب : دسواں ادب یہ ہے کہ اصل مقصود سے علم کا تعلق دریافت کرے۔ جو علم جس قدر اصل مقصود ہو اسے بعید پر اسی قدر ترجیح ملنی چاہیے۔ جو علم اہم ہو اسے اختیار کرنا چاہیے۔ اہم ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ علم تمہیں فکر میں مبتلا کرے۔ ظاہر ہے کہ فکر میں مبتلا کرنے والی چیز دنیا و آخرت میں تمہاری حالت ہے اور کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ دنیا کے مزے اور آخرت کی راحتیں ایک ساتھ مل سکیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں بھی یہ حقیقت ذکر کی گئی ہے اور نور بصیرت سے بھی اس کا پتہ چلتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ زیادہ اہم وہی ہے جس کی بقاء ابدالآباد تک ہے۔ اس صورت میں دنیا ایک منزل ہو گئی۔ جسم سواری اور اعمال مقصود کی طرف چلنے کا عمل اور مقصود حقیقی صرف دیدار الٰہی ہے۔ تمام لذتیں اور راحتیں دیدار الٰہی میں مجتمع ہیں۔ گو اس دنیا میں اس کی قدر بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ زیادہ اہم اسی مقصد کا علم حاصل کرنا ہے۔ یہاں وہ دیدار الٰہی مراد ہے جس کے

طالب انبیاء علیہم السلام تھے نہ کہ وہ دیدار جو عوام میں متعارف ہے۔ علم کی اگر دیدار الٰہی کی طرف نسبت کی جائے تو اس کی تین قسمیں ہوتی ہیں۔ ان تینوں قسموں کو ایک مثال کے ذریعہ سمجھئے۔ کسی غلام سے یہ کہا جائے کہ اگر تو حج کرے گا اور ارکان حج کی ادائیگی صحیح طور پر کرے گا تو آزاد بھی ہوگا اور تجھے حکومت بھی ملے گی اور اگر تو حج کی تیاری کرے گا اور سفر بھی شروع کردے گا مگر کسی رکاوٹ کی وجہ سے تکمیل نہ کرسکے گا تو غلامی کی قید سے نجات ملے گی' آزاد ہوگا۔ مگر سلطنت نہیں ملے گی۔ اب مذکورہ غلام کو تین کام کرنے ہیں (۱) سامانِ سفر' یعنی سفر کا انتظام کرنا' زادِ راہ مہیا کرنا وغیرہ (۲) وطن سے جدا ہو کر منزلِ مقصود کے لیے روانہ ہونا (۳) اعمالِ حج میں مشغول ہونا اور ایک ایک رکن ترتیب سے ادا کرنا۔ ان تینوں حالتوں سے فارغ ہونے' طوافِ وداع کرنے اور احرام کھولنے کے بعد یہ غلام آزادی اور سلطنت دونوں کا مستحق قرار پائے گا۔ صرف یہی نہیں بلکہ اسے دوسری حالتوں میں بھی اجر و ثواب ملے گا۔ سامانِ سفر کی تیاری سے لے کر آخر تک آغازِ سفر سے انتہا تک اور ارکان حج کی ابتداء سے تکمیل تک اس کے لیے بہت سے درجات ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس شخص نے سفر کی تیاری شروع کی ہے اس کا درجہ اس شخص کے مقابلے میں کم ہے جس نے سفر کا آغاز کردیا ہے، سفر کی ابتدا کرنے والے کا درجہ ارکان میں مشغول ہوجانے والے کے مقابلے میں کم ہے۔ جب یہ مثال معلوم ہوچکی تو اب یہ سمجھئے کہ علوم کی بھی تین قسمیں ہیں۔ کچھ وہ علوم ہیں جنہیں زادِ راہ اور سواری وغیرہ کے مشابہ قرار دیا جاسکتا ہے جیسے علمِ طب اور علمِ فقہ یا وہ علوم جن کا تعلق جسم کی دنیاوی مصالح سے ہے۔

کچھ وہ ہیں جو جنگل میں سفر کرنے' گھاٹیوں اور دریاؤں کو عبور کرنے کے مشابہ ہیں۔ ان علوم کا تعلق صفات سے ہے۔ جن سے بدن کی نجاستیں دور ہوتی ہیں۔ ان علوم میں ان دشوار گزار راہوں کا طے کرنا بھی ہے جن سے توفیق یافتہ لوگوں کے علاوہ اگلے پچھلے سب ہی عاجز تھے۔ ان کا علم حاصل کرنا ایسا ہے جیسے راستے کی سمتوں اور منزلوں کا جان لینا اور جس طرح سفر میں محض راستے کی سمتوں اور منزلوں کی واقفیت کافی نہیں بلکہ اس پر چلنا بھی ضروری ہے۔ اسی طرح اخلاق فاضلہ کا صرف علم کافی نہیں ہے جب تک ان پر عمل نہ کیا جائے۔ تیسری قسم حج اور ارکان حج کے مشابہ ہے۔ یعنی خدائے تعالیٰ کی ذات و صفات' ملائکہ کی صفات اور افعال کا علم اور ان امور کا علم جن کا ذکر ہم نے علمِ مکاشفہ کے ضمن میں کیا ہے۔ اصل رہائی اور سعادت اس علم کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ مگر رہائی یعنی سلامتی تو ہر سالکِ طریق کو حاصل ہوتی ہے بشرطیکہ اس کا مقصد سلوکِ حق ہو لیکن سعادت صرف عارفین کو نصیب ہوتی ہے۔ یہی لوگ مقرب ہوتے ہیں۔ انہی پر جوارِ خداوندی میں رحمت و راحت' ریحان اور جنتِ نعیم کا انعام ہوتا ہے جو لوگ کمال کے مرتبے تک نہیں پہنچ سکے انہیں صرف نجات اور سلامتی حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

فَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ وَّجَنَّتُ نَعِيمٍ وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ فَسَلَامٌ لَّكَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ (پ ۲۷' ر ۱۶' آیت ۸۸ تا ۹۱)

پھر جو شخص مقربین میں سے ہوگا اس کے لیے تو راحت ہے اور غذائیں ہیں اور آرام کی جنت ہے اور جو شخص داہنے والوں میں سے ہوگا تو (اس سے کہا جائے گا) کہ تیرے لیے امن و امان ہے کہ تو داہنے والوں میں سے ہے۔

اور وہ لوگ جو مقصد کی طرف متوجہ نہیں ہوئے یا حصولِ مقصد کے لیے کمربستہ نہیں ہوئے یا کمربستہ ہوئے مگر تسلیم و بندگی کے نقطۂ نظر سے نہیں بلکہ کسی دنیاوی غرض کے لیے ہوئے تو وہ لوگ اصحابِ شمال میں شمار ہوں گے۔ ایسے لوگ گمراہ ہوں گے۔ ان کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا۔

فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيمٍ (پ ۲۷' ر ۱۶' آیت ۹۳ تا ۹۴)

تو کھولتے ہوئے پانی سے اس کی دعوت ہوگی اور دوزخ میں داخل ہونا ہوگا۔
جاننا چاہیے کہ علم میں رسوخ رکھنے والے علماء کے یہاں اصحابِ شمال اور اصحابِ یمین کے درجات کا یہ اختلاف اور اصحابِ یمین مقربین میں مراتب کا فرق حق الیقین کا درجہ رکھتا ہے۔ یعنی انہوں نے باطن کی آنکھ سے اس کا مشاہدہ کیا ہے جو ظاہری آنکھوں کے مشاہدے کے مقابلے میں کہیں زیادہ مکمل اور واضح ہے۔ ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جسے کوئی خبر معلوم ہو' وہ اس کو سچ سمجھے۔ پھر آنکھ سے دیکھ لے اور اس کا یقین کرے۔ دوسروں کا حال ایسا ہے کہ وہ اعتقاد اور ایمان کی پختگی کی وجہ سے خبر کی تصدیق کردیتے ہیں مگر انہیں اس کا مشاہدہ نصیب نہیں ہوتا۔
اس تقریر کا حاصل یہ ہے کہ اصل سعادت علم مکاشفہ کے بعد ہے اور علمِ مکاشفہ علمِ معاملہ کے بعد ہے۔ یعنی مکاشفہ راہِ آخرت پر چلنے' صفات کی گھاٹیاں عبور کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ اخلاقِ رذیلہ کو مٹانے کی راہ پر چلنا' علاج کے طریقے اور تدبیریں جاننے کے بعد ہے اور یہ بدن کی سلامتی اور صحت پر موقوف ہے اور بدن کی سلامتی ایک دوسرے کے تعاون سے حاصل ہوتی ہے۔ اسی اجتماعی معاشرت سے روٹی' کپڑا اور مکان حاصل ہوتا ہے۔ اس کا تعلق حاکم بادشاہ سے ہے۔ لوگوں کو منظم رکھنے کے سلسلے میں اس کا قانون فقیہ سے متعلق ہے اور صحت کا تعلق طبیب سے ہے۔ یہ ہے اصل مقصود تک پہنچنے کا تدریجی سفر جن لوگوں نے فقہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ علم صرف دو ہیں۔ علمِ بدن اور علمِ دین۔ انہوں نے مروّج ظاہری علوم مراد لیے ہیں۔ باطنی علوم مراد نہیں لیے۔
اب ہم اس کی وجہ لکھتے ہیں کہ علمِ طب اور فقہ کو بمنزلہ تیاریٔ سفر' زادِ راہ اور سواری کیوں قرار دیا گیا ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ خدا تعالیٰ کی قربت حاصل کرنے والا دل ہے' بدن نہیں اور دل سے ہماری مراد گوشت کا وہ لوتھڑا نہیں جسے ہم آنکھوں سے دیکھتے ہیں بلکہ وہ ایک لطیفہ ہے۔ اللہ کے اسرار میں سے ایک سِرّ ہے جس کا ادراک حواس کے ذریعہ نہیں کیا جاسکتا۔ کبھی اس کو روح کہتے ہیں' کبھی نفس مطمئنہ کہتے ہیں' شرع نے اس کی تعبیر کے لیے دل کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس لیے کہ دل اس راز کی اوّلین سواری ہے۔ اسی کے ذریعہ سے تمام بدن اس کا آلہ اور اس کی سواری بن رہا ہے۔ اس راز کا حال پوری طرح علمِ مکاشفہ کے ذریعے معلوم ہوتا ہے۔ یہ راز ایسا نہیں کہ افشاں کیا جاسکے اور نہ اس کے اظہار کی اجازت ہے۔ صرف اتنا بتلانے کی اجازت ہے کہ وہ ایک نفیس جوہر اور قیمتی گوہر ہے جو محسوس اجسام کی بہ نسبت اعلیٰ و اشرف ہے۔ یہ ایک امرِ الٰہی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي (پ ۱۵' ر ۱۰' آیت ۸۵)

اور یہ لوگ آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے بنی ہے۔

یہاں تو مخلوقات کی نسبت اللہ کی طرف ہوتی ہے۔ امر اور خلق دونوں اللہ ہی کے لیے ہیں لیکن امر خلق کے مقابلے میں اشرف و افضل ہے۔ جوہرِ نفیس جو خدا تعالیٰ کی امانت کا بوجھ سنبھالے ہوئے ہے رتبہ میں آسمان زمینوں اور پہاڑوں پر فوقیت رکھتا ہے کہ انہوں نے اس امانت کا بار اٹھانے سے انکار کردیا ہے اور وہ خوف میں مبتلا ہوگئے۔ روح عالم امر سے ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ قدیم ہے جو شخص روح کے قدیم ہونے کا دعویٰ کرتا ہے وہ جاہل ہے' غلط فہمی کا شکار ہے۔ ہم روح کے قدیم یا حادث ہونے کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتے۔ اس لیے اس بحث کا ہمارے موضوع سے کوئی تعلق نہیں ہے۔
ہم یہ بیان کررہے تھے کہ وہ لطیفہ جسے دل کہتے ہیں تقربِ الٰہی کی سعی کرتا ہے۔ اس لیے کہ امرِ رب سے ہے۔ خدائے تعالیٰ ہی اس کا مصدر ہے۔ وہی اس کا مرجع ہے' بدن اس لطیفہ کی سواری ہے۔ جس پر سوار ہوکر وہ چلتا ہے۔ خدا کی راہ میں لطیفے کے لیے بدن کی حیثیت وہی ہے جو حج کے راستے میں بدن کے لیے اونٹنی کو حاصل ہے یا اس مشک کو حاصل ہے جس میں پانی بھرا رہتا ہے اور

بدن راستے میں اس کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ غرضیکہ وہ عمل جس کا مقصد بدن کی مصلحت ہو وہ سواری کی مصلحتوں میں داخل ہے۔ ظاہر ہے کہ طب سے بھی بدن کی بہتری مقصود ہے۔ بدن کی نگہداشت کے لیے اس کی ضرورت پیش آتی ہے۔ فرض کیجئے اگر دنیا میں انسان اکیلا ہوتا تو کیا تعجب تھا کہ فقہ کی ضرورت نہ پڑتی لیکن کیونکہ اس کی پیدائش ہی اس طرح ہوئی کہ تنہا زندہ نہیں رہ سکتا۔ زندہ رہنے کے لیے جن چیزوں کی ضرورت پیش آتی ہے وہ سب ایک آدمی مہیا نہیں کر سکتا۔ کھانے کے لیے کھیت جوتنا' بونا' پیسنا' پکانا' لباس اور رہائش کے مسائل حل کرنا۔ ان سب کاموں کے لیے آلات بنانا وغیرہ۔ کیا ایک شخص یہ سب کچھ کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اس لیے وہ دوسروں سے ملا' ان سے مدد چاہی۔ جب انسان آپس میں ملے۔ ان کی خواہش ابھریں' شہوتوں کے دواعی نے کھینچا تانی کی۔ آپس میں جھگڑوں تک بات پہنچی۔ ان جھگڑوں سے لوگ برباد ہونے لگے۔ ہلاکت کا سبب یہی نزاع اور باہمی عداوت قرار پائی جسے جسم کے اندر اگر خلطوں میں فساد پیدا ہو جائے تو جسم بھی فاسد ہو جاتا ہے۔ طب سے جسمانی خلطوں کے فساد کا سدّباب کیا جاتا ہے اور سیاست وعدل سے ظاہر کے فساد کا تدارک کیا جاتا ہے۔ خواہشات میں اعتدال پیدا کیا جاتا ہے۔ خلطوں کو اعتدال پر رکھنے کی تدبیروں کا علم طب سے حاصل ہوتا ہے اور معاملات میں لوگوں کے احوال کو معتدل رکھنے کا طریقہ فقہ سے آتا ہے۔ یہ دونوں علم بدن کی حفاظت کے لیے ہیں اور بدن لطیفۂ قلب کی سواری ہے۔ جو شخص صرف علم فقہ اور علم طب میں لگا رہے اپنے نفس پر مجاہدہ نہ کرے وہ اس شخص کی طرح ہے جو صرف اونٹنی کو گھانس' دانا کھلاتا رہے یا مشکیزہ میں پانی بھرتا رہے۔ حج کے راستے میں قدم نہ رکھے۔ جو شخص زندگی بھر ان الفاظ کی باریکیوں میں کھویا رہے جو فقہ کے مباحث اور مناظروں میں ملتے ہیں وہ اس شخص کی طرح ہے جو شخص تمام عمر وسائلِ حج مہیا کرنے میں لگا رہے یا سفر حج کے لیے مشکیزہ کی اصلاح و مرمت میں مصروف رہے۔ علمِ مکاشفہ کے طریقے پر چلنے والے علماء کے مقابلے میں فقہاء کی حالت حج کی راہ میں چلنے والوں کے مقابلے میں حج کی تیاری میں مشغول رہنے والے کی حالت سے مشابہ ہے۔

ہم نے جو کچھ عرض کیا ہے اس میں غور و فکر کرو اور اس شخص کی نصیحت قبول کرو جو تم سے اپنی نصیحت کا معاوضہ طلب نہیں کرتا اور وہ اس نصیحت پر خود بھی عمل پیرا ہے۔ تمہیں یہ چیز محنت شاقّہ کے بغیر حاصل نہیں ہوگی۔ عوام اور خواص سے علیٰحدہ ہونے کے لیے پوری پوری جرأت کا مظاہرہ کرنا پڑے گا۔ ان کی پیروی سے باز رہنا ہوگا۔ طالب علم کے لیے اتنے ہی آداب کافی معلوم ہوتے ہیں۔

استاذ کے آداب : جاننا چاہیے کہ علم کے باب میں آدمی کی چار حالتیں ہیں۔ جیسا کہ مال کے سلسلے میں بھی اس کو چار مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اولاً مال پیدا کرتا ہے۔ اس وقت وہ کمانے والے کہلاتا ہے۔ ثانیاً اپنی کمائی جمع کرتا ہے۔ اس وقت مالدار کہلاتا ہے۔ مالداری کی صورت میں اسے دوسرے سے مانگنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ ثالثاً اس مال کو خود اپنی ذات پر خرچ کرتا ہے۔ اس وقت وہ اپنے مال سے خود نفع اٹھاتا ہے۔ رابعاً اس مال کو وہ دوسروں کو دیتا ہے۔ اس صورت میں سخی کہلاتا ہے۔ یہ چوتھی حالت پچھلی تینوں حالتوں سے اعلیٰ و افضل ہے۔ اسی طرح علم کے بھی چار مراحل ہیں۔ ایک طلب علم کا زمانہ' دوسرا وہ دور جس میں حاصل شدہ علم پر اتنا عبور ہو جائے کہ سوال کی ضرورت ہی باقی نہ رہے۔ تیسرا وہ دور جس میں اپنے علم پر غور و فکر کرے اور فائدہ اٹھائے اور چوتھا وہ دور کہ اپنے علم سے دوسرے لوگوں کو فائدہ پہنچائے۔ یہ حالت سب حالتوں سے افضل ہے اس لیے کہ جو شخص علم حاصل کرے' عمل کرے اور لوگوں کو سکھلائے آسمان و زمین کے ملکوت میں عظیم کہلاتا ہے۔ وہ آفتاب کی مانند ہے جو خود بھی روشن ہے اور دوسروں کو بھی روشنی دیتا ہے یا مشک کی طرح ہے جو خود بھی معطر ہے اور دوسروں کو بھی خوشبو دیتا ہے۔ جو شخص دوسروں کو اپنے علم سے فائدہ پہنچاتا ہے اور خود عمل کرتا ہے اس کا حال سان کے مشابہ ہے۔ جو لوہے کو تیز کر دیتا ہے مگر خود تیز نہیں ہوتا یا سوئی کی طرح ہے کہ خود ننگی رہتی ہے اور دوسروں کے لیے لباس تیار کرتی ہے یا چراغ کی بتّی کی مانند ہے جو دوسروں کو روشنی دیتی ہے لیکن خود آگ میں جلتی ہے۔ کسی شاعر کا شعر ہے۔

ماھو الاذبالۃ وقدت تضئی للناس وھی تحترق

جب انسان تعلیم دینے میں مشغول ہو تو وہ یہ سمجھ لے کہ اس نے ایک اہم ذمہ داری اپنے سر لی ہے۔ اس کے کچھ آداب و قواعد ہیں جنہیں ہم ذیل میں ذکر کرتے ہیں۔

پہلا ادب : پہلا ادب یہ ہے کہ شاگردوں پر شفقت کرے اور ان کو اپنے بیٹوں کے برابر سمجھے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ سے فرمایا کرتے تھے۔

انما انا لکم مثل الوالد لولدہ (ابوداؤد نسائی)

میں تمہارے حق میں ایسا ہوں جیسا باپ اپنے بیٹے کے حق میں۔

مطلب یہ ہے کہ استاذ اپنے شاگردوں کو آخرت کے عذاب سے اس طرح بچائے جس طرح ماں باپ اپنے بچوں کو دنیا کی آگ سے بچاتے ہیں اور آخرت کی آگ سے بچانا دنیا کی آگ سے بچانے سے زیادہ اہم ہے۔ اسی لیے استاذ کا حق ماں باپ کے حق سے بڑھ کر ہے کیونکہ باپ اس کی زندگی اور اس کے فانی وجود کا سبب ہے جبکہ استاذ اس کی اَبدی زندگی کا سبب ہے۔ اگر استاذ نہ ہوتا تو اس چیز کی ہلاکت میں کیا شبہ تھا جو باپ سے حاصل ہوتی تھی۔ استاذ ہی کی بدولت اُخروی زندگی کی سعادت حاصل ہوتی ہے مگر استاذ سے ہماری مراد علومِ آخرت کا سکھلانے والا یا دنیا کے علوم کو آخرت کی نیت سے بتلانے والا ہے۔ نہ کہ وہ شخص جو دنیاوی اغراض کے لیے تعلیم دیتا ہے۔ ایسا استاذ خود تباہی کے راستے پر ہے اور دوسروں کو بھی تباہ کردینا چاہتا ہے۔ ایسی تعلیم سے اللہ تعالیٰ پناہ دے۔

جس طرح ایک شخص کے تمام بیٹے آپس میں پیار و محبت سے رہتے ہیں اور مشکلات میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ اسی طرح ایک استاذ کے شاگردوں میں بھی دوستی اور یگانگت ہونی چاہیے۔ اگر ان کا مقصد حقیقی آخرت کی سعادت ہو۔ تب تو اس یگانگت کا امکان ہے لیکن اگر تعلیم برائے دنیا ہے تو ان میں باہمی محبت کے بجائے حسد اور بغض کی دیواریں حائل ہوتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ علماء اور آخرت کے لوگ خدائے تعالیٰ کی طرف سفر کررہے ہیں۔ دنیاوی زندگی کے ماہ و سال ان کے راستے کی منزلیں ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ چند گھنٹوں کے دنیاوی سفر میں دو شخص ملتے ہیں تو کبھی ملاقات دوستی کے رشتوں میں تبدیل ہوجاتی ہے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ جنّتِ اعلیٰ کا سفر ہو اور اس راستے کے رفقاءِ سفر سے دوستی نہ ہو۔ اُخروی سعادت میں تنگی نہیں کہ ایک حاصل کرلے گا اور دوسرا محروم رہ جائے گا۔ اسی لیے آخرت کے لوگوں میں حسد نہیں ہوتا اور نہ ان میں جھگڑے ہوتے ہیں جبکہ دنیاوی سعادتوں میں تنگی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان سعادتوں کے حصول کے لیے جھگڑے ناگزیر ہیں جو لوگ علوم کے ذریعہ حبِّ جاہ اور طلبِ مال کی خواہش میں مبتلا ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مصداق نہیں ہیں۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ ۔ (پ ۲۶' ر ۱۳' آیت ۱۰)

مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

بلکہ اس آیت کے مضمون میں داخل ہیں۔

اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ (پ ۲۵' ر ۱۲' آیت ۶۷)

جتنے دوست ہیں وہ سب اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر ڈرنے والے۔

دوسرا ادب : دوسرا ادب یہ ہے کہ تعلیم کے سلسلے میں صاحبِ شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرے۔ یعنی علم سکھلانے پر اجرت نہ طلب کرے۔ کسی طرح کے بدلے کی خواہش رکھے نہ شکر اور احسان شناسی کا خواہاں ہو بلکہ اسے خود اپنے شاگردوں کا احسان مند ہونا چاہیے اور یہ تصوّر کرنا چاہیے کہ معلّمی کا یہ منصب مجھے ان ہی لوگوں کے طفیل میں حاصل ہوا ہے۔ انہوں نے

اپنے دلوں کی تہذیب کی اور انہیں میرے حوالے کردیا تاکہ میں ان میں علم کے پودے لگاؤں اور اس طرح خدا کا قرب حاصل کروں جیسے کوئی شخص تمہیں اپنی زمین کھیتی کے لیے مستعار دیدے۔ ظاہر ہے کہ زمین والے کی بہ نسبت تمہارا فائدہ زیادہ ہے۔ لہٰذا جب شاگرد کے مقابلے میں استاذ کو زیادہ فائدہ پہنچتا ہے تو پھر شاگرد پر احسان رکھنے کے کیا معنی ہیں؟ اگر شاگرد نہ ہوتا تو استاذ کو یہ ثواب کہاں سے حاصل ہوتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے بھی ثواب اور بدلہ نہ مانگنا چاہیے۔ قرآن کریم میں ہے۔

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا۔ (پ ۷، ر ۱۶، آیت ۹)

آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس کام پر اجرت طلب نہیں کرتا۔

اس عظیم کام پر اجرت نہ طلب کرنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ مال اور دنیا کی چیزیں بدن کی خادم ہیں اور بدن نفس کی سواری ہے۔ علم مخدوم ہے کیونکہ نفس کی فضیلت علم سے ہے۔ جو شخص علم کے عوض مال کا خواہاں ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی شخص کے جوتے میں نجاست لگ جائے اور وہ اسے صاف کرنے کے لیے اپنے منہ سے رگڑ لے۔ اس صورت میں مخدوم کو خادم کردیا گیا اور خادم کو مخدوم۔ وہ عالم جو علم پر اجرت طلب کرتا ہو قیامت کے دن مجرمین کے ساتھ ہوگا اور اپنے رب کے سامنے شرمندگی کے احساس سے سر جھکائے کھڑا ہوگا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ استاذ کی تمام تر فضیلتوں کا سبب اس کا شاگرد ہے۔ اب ذرا آج کل فقہاء و متکلمین کا جائزہ لیجئے اولاً تو وہ ان علوم کی تحصیل کے لیے مال و دولت خرچ کرتے ہیں پھر سلاطین کی خدمت میں جاگیریں لینے کے لیے حاضری دیتے ہیں۔ رسوائیاں اور ذلتیں برداشت کرتے ہیں۔ اگر یہ لوگ ایسا نہ کریں تو انہیں کوئی نہ پوچھے۔ نہ ان کے پاس کوئی آئے۔ اس پر طرّہ یہ کہ استاذ اپنے شاگرد سے ہر آڑے وقت میں کام آنے کی توقع رکھتا ہے اور یہ خواہش رکھتا ہے کہ مشکلات میں اس کی مدد کرے۔ اس کے دوستوں کا دوست اور دشمنوں کا دشمن ہو۔ اس کی دنیاوی ضرورتیں پوری کرے اور ہر ضرورت کے وقت دست بستہ حاضر رہے۔ اگر شاگرد ان امور میں ذرا سی بھی کوتاہی کرتا ہے تو استاذ صاحب زندگی کے لیے اس کے دشمن بن جاتے ہیں۔ اس طرح کے علماء انتہائی کمینے اور خسیس ہوتے ہیں۔ یہ اپنی قدر و منزلت خود کراتے ہیں۔ پھر اس پر خوش ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے اس دعویٰ پر شرم بھی محسوس نہیں کرتے کہ ہمارا مقصد تعلیم، اشاعتِ علم اور فروغِ دین ہے۔

تیسرا ادب : تیسرا ادب یہ ہے کہ شاگرد کی نصیحت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے۔ مثلاً اگر یہ دیکھے کہ اس کا شاگرد کسی لیاقت اور استعداد کے بغیر ہی منصب اور بلندی اور درجات کا خواہاں ہے یا علمِ ظاہری کی تحصیل سے پہلے علمِ باطن میں مشغول ہونا چاہتا ہے تو اسے منع کردے۔ اسے یہ بھی بتلائے کہ علوم کی طلب تقرّبِ الٰہی کے لیے کرے۔ حکومت اور جاہ و مال کی طلب کے لیے نہیں۔ اس کی جتنی مذمت ممکن ہو کرے تاکہ اس کے ذہن میں علم کے دنیاوی مقاصد کی برائی راسخ ہوجائے۔ فاجر عالم کی اصلاح مشکل سے ہوتی ہے۔ اگر استاذ شاگرد کے رجحان سے یہ پتہ لگالے کہ وہ دنیا کے لیے علم حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے یہ بھی معلوم کرنا چاہیے کہ وہ کون سا علم سیکھنا چاہتا ہے۔ اگر وہ فقہ، کلام، فتاویٰ اور مسائل میں مناظرانہ بحثوں کا علم حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے روک دے اور یہ بتلادے کہ اس علم کا تعلق علومِ آخرت سے نہیں ہے اور نہ ان علوم سے ہے جن کے متعلق کسی بزرگ کا یہ مقولہ مشہور ہے کہ ہم نے علم کو غیر اللہ کے لیے سیکھا۔ مگر علم نے خدا کے علاوہ کسی اور کے لیے ہونے سے انکار کردیا۔ یہ تفسیر و حدیث کا علم ہے۔ آخرت کا علم ہے جس میں علمائے سلف مشغول رہتے تھے۔ اخلاقِ نفس کی معرفت اور نفس کی اصلاح کی تدبیر کا علم بھی ان علوم میں سے ہے جنہیں سیکھنا چاہیے۔ اگر طالب علم ان علوم کو سیکھنے پر راضی ہوجائے لیکن اس کا مقصد آخرت کی بجائے دنیا ہو تو استاذ کو مزاحم ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ اسے سیکھنے دے۔ اس لیے کہ طالب علم وعظ کے لیے اور لوگوں میں مقبول ہونے کی خاطر ان علوم میں کافی استعداد بہم پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ بعض اوقات تحصیل علم کے دوران حقیقت سے واقف ہوجاتا ہے اور کبھی اس کے بعد۔ اس لیے کہ ان میں وہ علوم بھی ہیں جو انسان کے دل میں آخرت کا خوف پیدا کردیں۔ دنیا کو نگاہوں سے گرادیں اور آخرت کی عظمت قائم کردیں۔ اس طالب علم سے یہ توقع رہتی ہے کہ بالآخر وہ راہِ راست پر آجائے گا اور

جن امور کی نصیحت دوسروں کو کرتا ہے خود بھی ان پر عمل کرے گا۔ لوگوں میں مقبول ہونے کی خواہش اور جاہ و منصب کے حصول کے لیے علم کا حاصل کرنا ایسا ہی ہے جیسے شکاری پرندوں کا شکار کرنے کے لیے جال کے چاروں طرف دانہ بکھیر دیتے ہیں۔ یہ دراصل اللہ تعالیٰ کی بڑی حکمتوں میں سے ایک ہے کہ اس نے شہوت پیدا فرمائی تاکہ اس کے ذریعے مخلوق کی نسل کا تسلسل برقرار رہے۔ جاہ و مال کی محبت بھی پیدا کی تاکہ اس کے ذریعہ علوم باقی رہ سکیں مگر ایسا صرف علومِ مذکورہ (تفسیر، حدیث، علمِ آخرت، علم الاخلاق وغیرہ) میں ہو سکتا ہے۔ جہاں تک مسائل و فتاویٰ میں خلافیات کے علم یا کلام میں مناظرانہ بحثوں کے علم کا تعلق ہے انہیں سیکھنے کی اجازت ہرگز نہیں دینی چاہیے۔ اس لیے جب طالب علم ان علوم کی تحصیل میں مشغول ہوتا ہے تو انہی کا ہو رہتا ہے۔ دوسرے علوم سے اعراض کرتا ہے۔ اس کا دل پتھر کا ہو جاتا ہے۔ غفلت پیدا ہو جاتی ہے اور گمراہی بڑھ جاتی ہے۔ مگر وہ لوگ اس عذاب سے محفوظ رہتے ہیں جنہیں اللہ اپنی رحمت سے بچالے یا وہ لوگ ان علوم کے ساتھ ساتھ کوئی حقیقی علمِ دین بھی حاصل کرلیں۔

جو کچھ عرض کیا گیا اس کا تعلق تجربے اور مشاہدے سے ہے۔ اس کے لیے کوئی دلیل نہیں دی جاسکتی۔ دیکھو اور عبرت حاصل کرو۔ ایک مرتبہ حضرت سفیان ثوریؒ کو کسی نے ملول و رنجیدہ دیکھا۔ اس نے ملال کا سبب دریافت کیا۔ فرمایا! ہم لوگ دنیاداری کے لیے تجارت گاہ بن گئے ہیں۔ لوگ ہمارے پاس آتے ہیں۔ علم حاصل کرتے ہیں۔ جب پڑھ لکھ کر واپس جاتے ہیں تو کوئی ان میں سے قاضی بن جاتا ہے، کوئی عامل اور کوئی ناظم مالیات بن جاتا ہے۔

<u>چوتھا ادب</u> : چوتھا ادب جو فن تعلیم کے سلسلے میں بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے کہ شاگرد کو برے اخلاق سے اشارتاً اور پیار سے منع کردے۔ اس میں کبھی کوتاہی نہ ہو لیکن صریح الفاظ میں یا ڈانٹ ڈپٹ کر کبھی کچھ نہ کہے۔ اس لیے کہ صاف لفظوں میں کہنے سے اس کا حجاب دور ہو جاتا ہے۔ استاذ کے خلاف کرنے کی جرات پیدا ہو جاتی ہے بلکہ خواہش ہوتی ہے۔ استاذوں کے استاذ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

لو منع الناس عن فتّ البعر لفتوہ، وقالوا ما نهينا عنه الّا وفيه شئی

(ابن شاہین)

اگر لوگوں کو مینگنیاں توڑنے سے روک دیا جائے تو وہ ضرور توڑیں گے اور کہیں گے، ہمیں منع کیا گیا ہے تو یقیناً اس میں کوئی بات ہے۔

اس حقیقت پر حضرت آدم و حوا علیہما السلام کا قصہ بھی دلالت کرتا ہے کہ انہیں ایک درخت کے پاس جانے سے روک دیا گیا تھا۔ یہ قصہ ہم نے اس لیے ذکر نہیں کیا کہ آپ بھی ایسا ہی کریں بلکہ محض نصیحت حاصل کرنے کے لیے اس کا تذکرہ کیا ہے۔

صاف طور پر منع نہ کرنے میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ جو طالب علم ذہین اور مہذب ہوتے ہیں وہ کنایات سے بھی معنی نکال لیتے ہیں اور مطلب سمجھ جانے پر خوش ہوتے ہیں اور یہ خوشی انہیں عمل کی طرف راغب کرتی ہے تاکہ دوسروں پر اس کی دانائی مخفی نہ رہے۔

<u>پانچواں ادب</u> : پانچواں ادب یہ ہے کہ استاذ اپنے شاگرد کے سامنے زیرِ تعلیم علم سے بلند تر علوم کی مذمت نہ کرے جیسا کہ لغت پڑھانے والوں کو علم فقہ کی برائی کرنے کی عادت ہوتی ہے۔ فقہ کی تعلیم دینے والا علمِ حدیث اور علمِ تفسیر کی برائیاں بیان کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ان علوم کا تعلق محض نقل سے ہے۔ سننے سے ہے، یہ علوم بوڑھیوں کو زیب دیتے ہیں۔ عقل کو ان میں دخل نہیں۔ کلام والا فقہ سے نفرت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ فقہ مستقل علم نہیں ہے بلکہ ایک فرع ہے۔ جس میں عورتوں کے حیض و نفاس کے مسائل بیان کیے جاتے ہیں۔ بھلا فقہ متکلم کی برابری کیسے کر سکتا ہے۔ اساتذہ میں یہ عادتیں اچھی نہیں ہیں۔ ان سے

پرہیز کرنا ضروری ہے بلکہ اگر استاذ صرف ایک علم کی تعلیم پر مامور ہو تو اسے شاگرد کو دوسرے معلوم سیکھنے کے مواقع بھی بہم پہنچانے چاہئیں اور اگر کئی علوم سکھلانے پر مامور ہو تو ان میں ترقی کا لحاظ رکھنا چاہیے تاکہ شاگرد ادنیٰ سے اعلیٰ تک ترقی کر سکے۔

چھٹا ادب : چھٹا ادب یہ ہے کہ بیان کرنے میں شاگرد کی عقل اور فہم کا معیار پیش نظر رکھے۔ ایسی باتیں بیان کرنے سے گریز کرے جنہیں وہ سمجھنے سے قاصر ہو۔ جب طالب علم کوئی بات نہیں سمجھ پاتا تو وہ اپنے ذہن کے افلاس کا ماتم کرتا ہے یا اس کی عقل خبط ہو جاتی ہے۔ اس سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ پر عمل کرنا چاہیے۔ ارشاد ہے۔

نحن معاشر الانبیاء امرنا ان ننزل الناس منازلھم و نکلمھم علی قدر عقولھم

(ابوداؤد بلفظ آخر)

ہم انبیاء کی جماعتیں ہیں، ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم لوگوں کو ان کے مرتبوں پر رکھیں اور ان کی عقلوں کے مطابق ان سے گفتگو کریں۔

فرمانِ نبوی کا تقاضا یہ ہے کہ شاگرد کے سامنے اس وقت تک کوئی بات نہ کہے جب تک یہ یقین نہ ہو کہ شاگرد اسے سمجھ لے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ما احد یحدث قوما بحدیث لا تبلغہ عقولھم الا کان فتنۃ علی بعضھم (ابونعیم)

جب کوئی شخص کسی قوم کے سامنے ایسی بات کہتا ہے جسے ان لوگوں کی عقلیں سمجھنے سے قاصر ہوں تو وہ بات ان میں سے کچھ لوگوں کے لیے فتنہ بن جاتی ہے۔

حضرت علیؓ نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ ان میں بہت سے علوم ہیں بشرطیکہ ان کا کوئی سمجھنے والا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ ان علوم کا اس لیے اظہار نہیں کرتا کہ ان کا کوئی سمجھنے والا نہیں ہے۔ حضرت علیؓ نے بالکل صحیح فرمایا ہے۔ اس لیے کہ عقل مند لوگوں کے قلوب اسرار و معارف کا گنجینہ ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ عالم کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ جو کچھ اسے معلوم ہو وہ ہر شخص سے بتلادے۔ یہ اس صورت میں ہے جبکہ طالب علم سمجھتا ہو لیکن استفادہ کی اہلیت نہ رکھتا ہو اور اگر سمجھتا ہی نہ ہو تو بطریق اولیٰ اس کا ذکر مناسب نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جواہر خنزیر کی گردن میں مت ڈالو۔ حکمت جوہر کے مقابلے میں زیادہ قیمتی ہے۔ یہ نااہل کے کیسے سپرد کی جاسکتی ہے۔ کسی بزرگ کا ارشاد ہے کہ ہر شخص کو اس کی عقل کے معیار پر رکھو اور اس کی فہم کے مطابق گفتگو کرو تاکہ تم اس سے محفوظ رہو اور وہ تم سے نفع اٹھا سکے۔ اگر اس کے معیار سے بلند گفتگو کرو گے تو وہ اس کا متحمل نہیں ہو سکے گا۔ کسی شخص نے ایک عالم سے کوئی بات دریافت کی وہ عالم خاموش رہا۔ سائل نے کہا۔

من کتم علما نافعا جاء یوم القیامۃ ملجما بلجام من نار (ابن ماجہ)

جس نے نفع دینے والا علم چھپایا، قیامت کے روز اس حال میں آئے گا کہ اس میں آگ کی لگام ہوگی۔

عالم نے جواب میں کہا۔ لگام رہنے دو اور یہاں سے چلتے بنو۔ کوئی میرے جواب کا سمجھنے والا آگیا تو خود لگام پہنادے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمْ۔

بے وقوفوں کو اپنا مال مت دو۔

اس آیت کا بھی یہی مفہوم ہے کہ جس شخص کو علم نفع پہنچانے کے بجائے نقصان دے اسے علم سے دور رکھنا ہی بہتر ہے جس طرح مستحق کو نہ دینا زیادتی ہے۔ اسی طرح غیر مستحق کو دینا بھی زیادتی ہے۔

ساتواں ادب : ساتواں ادب یہ ہے کہ جب استاذ کو اپنے کسی شاگرد کی کم عقلی اور ناسمجھی کا علم ہو جائے تو اسے وہ باتیں

بتلائے جو واضح ہو اور اس کے لیے مناسب ہوں مگر یہ ہرگز نہ کہے کہ اس ذیل میں کچھ دقیق باتیں بھی ہیں جو ہم نے تمہیں نہیں بتائیں۔ اگر طالب علم سے یہ بات کہہ دی گئی تو علم میں اس کا شوق کم ہو جائے گا۔ دل اچاٹ ہو جائے گا۔ ذہن پریشان ہو گا اور وہ یہ خیال کرے گا کہ مجھے بتلانے میں بخل سے کام لیا گیا ہے۔ وہ طالب علم کبھی یہ باور نہیں کر سکتا کہ میرا ذہن کمزور ہے۔ میں بہت سی باتیں سمجھنے سے عاجز ہوں۔ اس لیے کہ ہر شخص اپنے آپ کو عقل کل سمجھتا ہے۔ حالانکہ سب سے بڑا احمق وہی ہے جو خود کو سب سے بڑا عقل مند تصور کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی عام شخص اگر صوم و صلوٰۃ کا پابند ہو' سلف سے جو عقیدے منقول ہیں انہیں بلا شبہ و تاویل قبول کرتا ہے اس کا باطن بھی درست ہو لیکن اس کی عقل اس سے زیادہ کی متحمل نہ ہو تو اس شخص کے عقائد میں انتشار پیدا کرنا صحیح نہیں ہے۔ بلکہ اسے اس کے کام میں مشغول رہنے دینا چاہیے۔ اس لیے کہ اگر اس کے سامنے مزید تفصیلات بیان کی جائیں گی تو وہ عوام کی سطح سے نکل جائے گا اور اپنی کم فہمی کے باعث خواص کے زمرے میں شامل نہ ہو سکے گا۔ شیطان اور اس کے درمیان جو حجاب تھا وہ اٹھ جائے گا۔ سرکش شیطان بن کر ابھرے گا۔ خود بھی ہلاک ہو گا اور دوسروں کو بھی ہلاک کرے گا۔ اس لیے کہ عوام کے سامنے پیچیدہ علوم بیان نہ کرنے چاہئیں بلکہ انہیں عبادات میں اخلاق اور معاملات میں ایمانداری کی تلقین کرنی چاہیے۔ قرآن کے حکم کے مطابق جنّت کی رغبت اور دوزخ کے خوف سے ان کے دلوں کو بھر دینا چاہیے۔ ان کے سامنے کسی شبہ کا ذکر کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ شبہ ان کے ذہن میں خلش پیدا کرے گا اور کم فہمی کی وجہ سے یہ خلش دور نہیں ہو سکے گی۔ بلا وجہ ہلاکت میں مبتلا ہوں گے۔

آٹھواں ادب : آٹھواں ادب یہ ہے کہ استاذ اپنے علم کے مطابق عمل کرتا ہو' ایسا نہ ہو کہ کہے کچھ' اور کرے کچھ' اس لیے کہ علم کا ادراک بصیرت سے ہوتا ہے اور عمل کا مشاہدہ ظاہری آنکھ سے کیا جاتا ہے۔ اہل بصیرت کم ہیں' اور آنکھیں رکھنے والے زیادہ ہیں' اگر استاذ کے علم و عمل میں تضاد ہو گا تو اس کے ذریعہ ہدایت نہ ہو سکے گی' جو شخص ایک چیز خود کھا رہا ہو اور دوسروں کو زہر قاتل کہہ کر منع کر رہا ہو تو لوگ اس کا حکم ماننے کے بجائے مضحکہ اڑائیں گے' الزامات دھریں گے' ان کی حرص میں اضافہ ہو گا اور یہ کہیں گے کہ اگر یہ چیز مزہ دار نہ ہوتی تو آپ اسے استعمال کیوں کرتے' استاذ اور شاگرد ایک دوسرے سے اس طرح ہم آہنگ ہیں جس طرح گیلی مٹی نقش سے' یا سایہ لکڑی سے' جس چیز میں خود نقش نہ ہو گا تو وہ مٹی پر کیسے ابھرے گا' لکڑی اگر ٹیڑھی ہو گی تو اس کا سایہ سیدھا کیسے ہو سکے گا' اسی مضمون کو شاعر نے اس طرح ادا کیا ہے۔

لا تنه عن خلق و تاتی به   عار علیک اذا فعلت عظیم

ترجمہ : مخلوق کو کسی ایسے کام سے منع مت کرو جسے تم کرتے ہو' اگر ایسا کرو گے تو یہ تمہارے لیے بڑی ہی شرم کی بات ہو گی۔

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ ۔ (پ ۱' ر ۵' آیت ۴۴)

کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھولتے ہو۔

یہی وجہ ہے کہ جاہل کی بہ نسبت عالم پر گناہوں کا وبال زیادہ ہوتا ہے' اس لیے کہ عالم کے مبتلا ہونے کی وجہ سے بہت سے لوگ اس کی تقلید کرتے ہیں اور مبتلا ہو جاتے ہیں' جو شخص کوئی غلط مثال قائم کرتا ہے' اس پر خود اس کے عمل کا گناہ بھی ہوتا اور ان لوگوں کا بھی جو اس کی تقلید کرتے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے تھے کہ دو شخصوں نے مجھے سخت تکلیف پہنچائی ہے۔ ایک عالم نے جس نے اپنی عزت خاک میں ملا دی اور وہ علی الاعلان گناہوں کا ارتکاب کر رہا ہے۔ دوسرے اس جاہل نے جو زاہد بننے کی کوشش میں مصروف ہے۔ جاہل اپنی جھوٹی بزرگی سے لوگوں کو فریب دیتا ہے اور عالم اپنے گناہوں سے لوگوں کو مغالطہ میں مبتلا کرتا ہے۔

چھٹا باب

علم کی آفتیں، علمائے حق اور علمائے سو

علمائے سو : علم اور علمائے فضائل کے سلسلے میں جو کچھ قرآن و حدیث اور آثار صحابہ و تابعین میں مذکور ہے اس کا کچھ حصہ ہم بیان کر چکے ہیں' اب علمائے سو کے بارے میں ملاحظہ کیجئے' علمائے سو کے سلسلے میں سخت ترین وعیدیں موجود ہیں' جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے روز دوسرے لوگوں کے مقابلے میں سخت ترین عذاب ان نام نہاد علماء ہی کو ہوگا' اس لیے ان علامات سے واقف ہونا ضروری ہے جو علمائے آخرت کو علمائے دنیا سے ممتاز کریں' علمائے دنیا سے ہماری مراد علمائے سو ہیں' یہ وہ لوگ ہیں جو علم کے ذریعہ دنیا کی عیش و عشرت اور جاہ و منزلت چاہتے ہیں' علمائے سو کے سلسلے میں کچھ احادیث حسب ذیل ہیں:۔

(۱) اشد الناس عذابا یوم القیامة عالم لم ینفعه اللہ بعلمه

قیامت میں سخت ترین عذاب اس عالم کو ہوگا جس کو اللہ نے اس کے علم سے کوئی نفع نہ دیا ہو۔

(۲) لا یکون المرء عالما حتی یکون بعلمه عاملا (ابن حبان)

آدمی اس وقت تک عالم نہیں ہوتا جب تک وہ اپنے علم کے مطابق عمل نہ کرے۔

(۳) العلم علمان اعلم علی اللسان فذالک حجة اللہ تعالی علی ابن آدم و علم فی القلب فذالک العلم النافع (خطیب)

علم دو ہیں' ایک وہ علم جو زبان پر ہے یہ تو اولاد آدم پر اللہ تعالیٰ کی محبت ہے دوسرا وہ علم جو دل میں ہے' یہی علم نفع بخش ہے۔

(۴) ویکون فی آخر الزمان عباد جهال و علماء فساق (حاکم)

آخری زمانے میں جاہل عابد اور فاسق علماء ہوں گے۔

(۵) لا تتعلموا العلم لتباهوا به العلماء و لتماروا به السفهاء و لتصرفوا به وجوه الناس الیکم فمن فعل ذلک فهو فی النار (ابن ماجہ)

علم اس مقصد سے مت سیکھو کہ علماء کے ساتھ فخر کرو گے' بے وقوفوں سے بحث کرو گے اور لوگوں کے دل اپنی طرف پھیرنے کی کوشش کرو گے' جو شخص ایسا کرے گا وہ دوزخ میں جائے گا۔

(۶) من کتم علما عنده الجمه اللہ تعالی بلجام من نار (گذر چکی ہے)

جو شخص اپنے علم کو چھپائے گا اللہ تعالیٰ اسے آگ کی لگام دے گا۔

(۷) لانا من غیر الدجال اخوف علیکم من الدجال فقیل: وما ذلک؟ فقال: من الائمة الضالین۔ (احمد)

میں تم پر دجال کی بہ نسبت غیر دجال سے زیادہ خائف ہوں' عرض کیا گیا: وہ کون ہیں؟ فرمایا گمراہ اماموں سے زیادہ ڈرتا ہوں۔

(۷) من ازداد علما ولم یزدد هدی لم یزدد من اللہ الا بعدا (دیلمی)

جو شخص علم میں زیادہ ہو' اور ہدایت میں زیادہ نہ ہو وہ شخص اللہ سے بعد میں زیادہ ہوتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب تک آخر شب کے مسافروں کے لیے راستے صاف کرتے رہو گے اور خود دور راہے

پر حیران و پریشان کھڑے رہو گے۔ یہ ان احادیث سے اور ان مضامین کی دوسری احادیث و روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ علم کا فائدہ بھی عظیم ہے اور نقصان بھی عظیم۔ اگر عالم ہلاک ہو تو اسے دائمی ہلاکت نصیب ہوتی ہے' اور سعید ہو تو سعادت ابدی ملتی ہے اگر سعادت نہیں ملے گی تو سلامتی اور نجات سے بھی محروم رہے گا۔

اس سلسلے میں صحابہ و تابعین سے بھی بہت کچھ منقول ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس امت کے سلسلے میں سب سے زیادہ خوف منافق عالم سے آتا ہے' لوگوں نے عرض کیا' منافق صاحب علم کیسے ہو سکتا ہے؟ فرمایا: زبان سے عالم ہو' دل اور عمل کے اعتبار سے جاہل حضرت حسن بصریؒ نصیحت فرماتے ہیں کہ تو ان لوگوں سے مت ہو جو علم اور ظرافت کو علماء اور حکماء کی طرح رکھتے ہیں' اور عمل میں بے وقوفوں کے برابر ہوتے ہیں' ایک شخص نے حضرت ابو ہریرہؓ سے عرض کیا کہ میں علم حاصل کرنا چاہتا ہوں' مگر یہ ڈر ہے کہ کہیں اس کو ضائع نہ کردوں' آپ نے فرمایا کہ علم کو ضائع کرنے کے لیے تمہارا چھوڑ بیٹھنا ہی کافی ہے' ابراہیم ابن عتبہؒ سے کسی نے دریافت کیا' لوگوں میں سب سے زیادہ ندامت کس شخص کو ہوتی ہے' فرمایا دنیا میں سب سے زیادہ ندامت اس شخص کو ہوتی ہے جو احسان ناشناس پر احسان کرے' اور موت کے وقت اس عالم کو زیادہ ندامت ہوتی ہے جس نے عمل میں کوتاہی کی ہو' خلیل ابن احمد فرماتے ہیں کہ آدمی چار طرح کے ہیں' ایک وہ شخص جو حقیقت میں جانتا ہے' اور یہ بھی جانتا ہے کہ میں جانتا ہوں یہ شخص عالم ہے' اسی کا اتباع کرو' ایک وہ شخص جو جانتا ہے' لیکن یہ نہیں جانتا کہ میں جانتا ہوں' یہ شخص سو رہا ہے اسے جگادو۔ ایک وہ شخص ہے جو نہیں جانتا اور یہ بھی جانتا ہے کہ میں نہیں جانتا۔ یہ شخص ہدایت کا محتاج ہے اس کی رہنمائی کرو۔ ایک وہ شخص جو نہیں جانتا اور یہ بھی نہیں جانتا ہے کہ میں نہیں جانتا' یہ شخص جاہل ہے اس کے قریب مت آو۔ حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ علم عمل کو پکارتا ہے۔ اگر علم نے اس کی آواز پر لبیک کہہ دی تو صحیح ہے ورنہ علم رخصت ہو جاتا ہے' ابن مبارک فرماتے ہیں کہ آدمی جب تک طلب علم میں لگا رہتا ہے' عالم ہوتا ہے اور جہاں یہ خیال گذرا کہ میں عالم ہو گیا اسی لمحہ جاہل ہو جاتا ہے۔ فضیل ابن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ مجھے تین آدمیوں پر رحم آتا ہے' ایک وہ شخص جو اپنی قوم میں عزت دار تھا لیکن اب ذلیل ہو گیا' دوسرا وہ شخص جو مالدار تھا اب غریب ہو گیا۔ تیسرا وہ عالم جو دنیا کے لیے تماشا گاہ بنا ہوا ہو' حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ علماء کا عذاب دل کا مرجانا ہے اور دل کی موت یہ ہے کہ آخرت کے عمل سے دنیا کی طلب ہو' پھر یہ دو شعر پڑھے۔

عجبت لمبتاع الضلالة بالهدى ومن يشتري دنياه بالدين اعجب

واعجب من هذين من باع دينه بدنيا سواه فهو من ذين اعجب

(مجھے حیرت ہوتی ہے اس شخص پر جو گمراہی کے عوض ہدایت بیچ دے' اور جو شخص دین کے بدلے دنیا خرید لے اس پر اس سے بھی زیادہ حیرت ہوتی ہے' اور ان دونوں سے زیادہ اس پر حیرت ہوتی ہے جو دوسرے کی دنیا کے لیے اپنے دین کو فروخت کردے۔)

علمائے سو کی مذمت کے کچھ اور دلائل : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :

ان العالم ليعذب عذابا يطيف به اهل النار استعظاما لشدة عذابه۔

عالم کو اس قدر شدید عذاب دیا جائے گا کہ اس کے عذاب کی شدت کی وجہ سے اہل دوزخ اس کے ارد گرد ہوں گے۔

اس حدیث میں فاجر و فاسق عالم مراد ہے' حضرت اسامہ ابن زیدؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ الفاظ نقل کرتے ہیں:-

يوتى بالعالم يوم القيامة فيلقى فى النار فتندلق اقتابه فيدور بها كما يدور الحمار بالرحى' فيطوف به اهل النار فيقولون: مالك؟ فيقول: كنت آمر بالخير ولا آتيه' وانهى الشر و آتيه (بخاری و مسلم)

قیامت کے روز عالم کو لایا جائے گا' اسے آگ میں ڈال دیا جائے گا اس کی آنتیں نکل پڑیں گی وہ انکے لیے

اس طرح گھومے گا جس طرح گدھا چکی کے ساتھ گھومتا ہے' دوزخ والے اس کے ساتھ گھومیں گے' اور کہیں گے: تجھے عذاب کیوں دیا گیا ہے؟ وہ کہے گا میں بھلائی کا حکم دیتا تھا اور خود عمل نہ کرتا تھا' برائی سے روکتا تھا اور خود برائی میں مبتلا تھا۔

عالم کے عذاب میں اس کے لیے زیادتی ہوتی ہے کہ وہ جان بوجھ کر گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۔ (پ ۵' ر ۱۷' آیت ۱۴۵)

منافقین دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں رہیں گے۔

منافقین کو یہ سزا اس لیے ملے گی کہ انھوں نے علم کے بعد انکار کیا ہے' یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو نصاریٰ سے بدتر قرار دیا ہے' حالانکہ یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کو ثالث ثلثہ (تین میں کا تیسرا) نہیں کہا تھا مگر کیونکہ انھوں نے خدا کا انکار علم اور واقفیت کے بعد کیا تھا اس لیے ان کی مذمت زیادہ کی گئی' اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاءَهُمْ ۔ (پ ۱' ر ۱۷' آیت ۸۹)

وہ اسے جانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَافِرِيْنَ ۔ (پ ۹' ر ۱۱' آیت ۸۹)

پھر جب وہ چیز آ پہونچی جس کو وہ (خوب جانتے) پہچانتے ہیں تو اس کو (صاف) انکار کر بیٹھے' سو خدا کی مار ہو ایسے منکروں پر۔

جاننے کے بعد انکار کرنے پر برے ٹھہرے' اسی طرح بلعام ابن باعورا کے قصے میں ارشاد ہے:۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِىْٓ اٰتَيْنَاهُ اٰيَاتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِيْنَ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۔ (پ ۹' ر ۱۲' آیت ۱۷۵' ۱۷۶)

اور ان لوگوں کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنائیں کہ اس کو ہم نے اپنی آیتیں دیں' پھر وہ ان سے بالکل ہی نکل گیا پھر شیطان اس کے پیچھے لگ گیا سو وہ گمراہوں میں داخل ہو گیا' اور اگر ہم چاہتے تو اس کو ان آیتوں کی بدولت بلند مرتبہ کر دیتے لیکن وہ تو دنیا کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کرنے لگا' سو اس کی حالت کتے کی سی ہو گئی کہ اگر تو اس پر حملہ کرے تب بھی ہانپے یا اس کو چھوڑ دے جب بھی ہانپے۔

یہی حال فاسق فاجر عالم کا ہے' بلعام کو بھی کتاب اللہ ملی تھی' لیکن وہ شہوات میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اس لیے اسے کتے کی ساتھ تشبیہ دی گئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ علمائے سو کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی پتھر نہر کے منھ رکھ دیا جائے کہ نہ وہ خود پانی پی سکے اور نہ پانی کو کھیت تک پہونچنے کا راستہ دے یا ان کی مثال ایسی ہے جیسے باغوں میں پختہ نالوں کے باہر گچ ہے' اور اندر بدبو' یا وہ لوگ قبر کی طرح ہیں اوپر سے قبر خوبصورت معلوم ہوتی ہے اور اندر مردے کی سڑی ہوئی ہڈیاں ہوتی ہیں۔

ان روایات اور آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیادار علماء جاہل لوگوں کے مقابلے میں زیادہ ذلت و خواری کے مستحق ہیں' اور انھیں قیامت کے روز جاہل گنہگاروں کے مقابلے میں زیادہ سخت عذاب دیا جائے گا۔

علمائے آخرت کی پہلی علامت : جو لوگ فلاح یاب ہیں' مقربین خدا ہیں' وہ علمائے آخرت ہیں' ان کی بہت سی علامتیں ہیں۔ ایک علامت تو یہ ہے کہ وہ اپنے علم سے دنیا کی طلب میں مشغول نہ ہوں' عالم ہونے کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ اسے یہ معلوم ہو کہ دنیا بے حیثیت' ناپائیدار اور فانی ہے' اس کے مقابلے میں آخرت عظیم ہے' وہ ایک لافانی دنیا ہے اس میں جتنی بھی نعمتیں ہیں

وہ اپنی لذت میں دنیا کی نعمتوں سے بدرجہا بہتر ہیں' اسے یہ بھی معلوم ہو کہ دنیا اور آخرت ایک دوسرے کی ضد ہیں. جس طرح دو سوتنیں ایک دوسرے کی ضد ہوتی ہیں کہ ایک کو خوش کرو تو دوسری ناراض ہو جاتی ہے' یا جس طرح ترازو کے دو پلڑے جتنا ایک نیچے کی طرف جھکتا ہے دوسرا اتنا ہی اوپر اٹھ جاتا ہے یا جیسے مغرب و مشرق ہیں' جتنا ایک سے قرب ہو اتنا ہی دوسرے سے بعد ہوتا ہے یا دو پیالوں کے طرح ہیں جن میں سے ایک لبریز ہو اور دوسرا خالی' خالی پیالے میں جس قدر بھرتے جاؤ گے بھرا ہوا پیالہ اسی قدر کم ہوتا جائے گا' جو شخص یہ نہیں جانتا کہ دنیا حقیر ہے' ناپائیدار ہے اس کی کوئی بھی راحت ایسی نہیں ہوتی جو تکلیف سے خالی ہو' وہ شخص بے وقوف ہے' جس شخص کے پاس عقل ہی نہ ہو وہ عالم کیسے ہو گا؟ جو شخص آخرت کی برتری اور ابدیت سے واقف نہیں ہے اس کا ایمان معتبر نہیں' کافر عالم کیسے ہو سکتا ہے؟ جو شخص یہ نہیں جانتا کہ دنیا اور آخرت ایک دوسرے کی ضد ہیں انھیں ایک دوسرے کی ساتھ جمع نہیں کیا جا سکتا' ایسا شخص انبیاء کی لائی ہو شریعتوں سے ناواقف ہے بلکہ وہ قرآن پاک کا منکر ہے اس شخص کو بھی علماء کے زمرہ میں شمار نہیں کیا جا سکتا جو شخص ان تمام حقائق سے واقف ہو' لیکن اس کے باوجود وہ آخرت کو دنیا پر ترجیح نہ دیتا ہو' ایسا شخص شیطان کا قیدی ہے' اس کی شہوت نے اسے ہلاک کر دیا ہے' بدبختی اس پر غالب آچکی ہے' یہ بھی اس لائق نہیں کہ اسے عالم قرار دیا جا سکے۔

حضرت داؤد علیہ السلام سے باری تعالیٰ نے ان الفاظ میں خطاب فرمایا ہے: اگر کوئی عالم میری محبت پر اپنی خواہشات کو ترجیح دیتا ہے تو میں اس کے ساتھ ادنیٰ درجے کا معاملہ یہ کرتا ہوں کہ اسے اپنی مناجات سے محروم کر دیتا ہوں' اے داؤد! میرے متعلق کسی ایسے عالم سے کچھ مت پوچھو جسے اس کی دنیا نے مدہوش کر دیا ہو' وہ تجھے میرے راستے سے منحرف کر دے گا' ایسے لوگ میرے بندوں کے حق میں راہ کے لٹیرے ہیں' اے داؤد! جب تو میرا کوئی حقیقی طالب دیکھے تو اس کی خدمت کر' اے داؤد! جو شخص میرے کسی مغرور بندے کو راہ راست پر لے آتا ہے' میں اسے عقلمند اور ہوشیار کے لقب سے نوازتا ہوں' اور جو شخص اس لقب سے نوازا جاتا ہے اسے کبھی عذاب نہیں ہوتا' حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا ہے کہ علماء کی سزا دل کا مرجانا ہے' اور دل کی موت یہ ہے کہ اخروی اعمال کے عوض دنیا طلب کی جائے' یحیٰ ابن معاذ رازیؒ فرماتے ہیں کہ جب علم و حکمت کے عوض میں دنیا طلب کی جاتی ہے تو علم کی شوکت باقی نہیں رہتی۔ مسعود ابن مسیب فرماتے ہیں کہ جب تم کسی عالم کو امراء کے سروں پر سوار دیکھو تو سمجھ لو کہ دین اس کے بس کی بات نہیں' جو جس چیز کا خواہشمند ہوتا ہے اسی میں مشغول رہتا ہے' مالک ابن دینارؒ فرماتے ہیں کہ میں نے پچھلی اُمت کی کتابوں میں خدا تعالیٰ کا یہ ارشاد پڑھا ہے کہ جب کوئی عالم دنیا کی محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے تو میں ادنیٰ درجہ کا سلوک اس کے ساتھ یہ کرتا ہوں کہ اسے اپنی مناجات کی حلاوت و لذت سے محروم کر دیتا ہوں ایک شخص نے اپنے بھائی کو لکھا کہ تجھے علم عطا ہوا ہے' اپنے علم کو گناہوں کے اندھیروں کی نذر مت کر دینا ورنہ جس دن علماء اپنے علم کی روشنی میں چلیں گے تو اپنے گناہوں کی تاریکی میں رہے گا' یحیٰ ابن معاذ رازیؒ علمائے دنیا سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اے علم والو! تمہارے محل قیصر و کسریٰ کے محلوں سے مشابہ ہیں' تمہارے برتن فرعون کے برتنوں جیسے ہیں' تمہارے گناہ جاہلوں کے گناہ سے بدتر ہیں' تم شیطان کی پیروی کرتے ہو پھر بتاؤ کہ شریعت محمدی کہاں ہے؟ شاعر کہتا ہے۔

وراعی الشاۃ یحمی الذئب عنہا فکیف اذا الرعاۃ لہا ذئاب

ترجمہ : چرواہے بھیڑیوں سے بکریوں کی حفاظت کرتے ہیں اور اگر چرواہے خود ہی بھیڑیے بن جائیں تو کیا ہو؟
دوسرا شاعر کہتا ہے۔

یا معشر القراء یا ملح البلد ما یصلح الملح اذا الملح فسد

ترجمہ : اے گروہ علماء' اے شہر کے نمک' اگر نمک خود خراب ہو جائے تو وہ کس چیز سے ٹھیک ہو گا؟

کسی شخص نے ایک عارف سے پوچھا' آپ کے خیال میں کیا وہ شخص خدا کو نہیں پہچانتا جسے گناہوں سے راحت ہوتی ہے؟

عارف نے جواب دیا: یہ تو خیر دور کی بات ہے' میں تو اس شخص کو بھی خدا سے ناواقف سمجھتا ہوں جو دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے۔

یہاں یہ سمجھنا چاہیے کہ محض مال چھوڑ دینے سے کوئی عالم آخرت کے زمرے میں شامل ہو جاتا ہے' اس لیے کہ جاہ و منصب کا ضرر مال کے ضرر سے کہیں زیادہ ہے حضرت بشر فرماتے ہیں کہ روایت حدیث کے لیے "حدثنا" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے' یہ لفظ دنیا کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے' جب تم کسی شخص کو "حدثنا" کہتے ہوئے سنو تو سمجھ لو کہ وہ منصب کی خواہش کا اظہار کر رہا ہے' حضرت بشر نے کتابوں کے دس بستے زیر زمین دفن کر دیئے تھے' اور فرماتے تھے کہ میں حدیث بیان کرنے کی خواہش رکھتا ہوں' لیکن اس وقت تک بیان نہیں کرنا چاہتا جب تک یہ خواہش موجود ہے۔ ان کا یا کسی دوسرے بزرگ کا قول ہے کہ جب تمہیں حدیث بیان کرنے کی خواہش ہو تو خاموش رہو اور جب خواہش نہ ہو تو حدیث بیان کرو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث بیان کرنے سے تعلیم کا منصب حاصل ہوتا ہے اور منصب دنیا کی لذتوں اور حلاوتوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ لذیذ تر ہے۔ ہر شخص اس سلسلے میں اپنی خواہش پر عمل کرے گا' وہ دنیا داروں میں شمار کیا جائے گا اسی لیے حضرت سفیان ثوریؒ نے ارشاد فرمایا ہے کہ حدیث کا فتنہ مال اور اہل و عیال کے فتنوں سے بڑھ کر ہے' اور یہ فتنہ خوف خدا کا باعث کیوں نہ ہو؟ اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَلَوْلَا أَنْ ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا۔ (پ ۱۵' ر ۸' آیت ۷۴)

اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ بنایا ہوتا تو آپ ان کی طرف کچھ کچھ جھکنے کے قریب جا پہونچتے۔

حضرت سہل تستریؒ فرماتے ہیں کہ علم دنیا ہی دنیا ہے آخرت تو علم پر عمل کرنے کا نام ہے' ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: اہل علم کے علاوہ سب مردے ہیں' عمل کرنے والے علماء کے علاوہ سب غافل ہیں' مخلص عمل کرنے والوں کے علاوہ سب غلط فہمی میں مبتلا ہیں اور مخلصین کو یہ خوف ہے کہ ان کا انجام کیا ہوگا' ابو سلیمان درانیؒ فرماتے ہیں کہ جب آدمی طلب حدیث میں مشغول ہو جائے' نکاح کرنے لگے' یا کسب رزق کے لیے سفر اختیار کرے تو سمجھ لو کہ وہ دنیا داری میں لگ گیا ہے' وہ حدیث برائے حدیث حاصل نہیں کرتا' وہ عالی سند حاصل کرنے کے لیے حدیث سنتا ہے' حضرت عیسیٰ السلام فرماتے ہیں کہ جو شخص آخرت کا مسافر ہو اور بار بار دنیا کی طرف دیکھ رہا ہو وہ عالم کیسے ہو سکتا ہے؟ یہی ہم کہتے ہیں کہ جو شخص علم کلام محض امتحان کے لیے پڑھتا ہے عمل کے لیے نہیں اسے عالم کیسے قرار دیا جا سکتا ہے' حسان بن صالح بصریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے بہت سے اکابر اساتذہ سے ملاقات کی ہے' وہ سب فاجر و فاسق عالم سے اللہ کی پناہ مانگتے تھے' حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:۔

قال رسول الله عليه وسلم من طلب علما مما يبتغى به وجه الله تعالى ليصيب به عرضا من الدنيا لم يجد عرف الجنة يوم القيامة (ابوداؤد' ابن ماجہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ان علوم میں سے کوئی علم حاصل کرے جن سے اللہ کی رضا مقصود ہوتی ہے' اور اس کا ارادہ یہ ہو کہ دنیا کا کچھ مال مل جائے ایسا شخص قیامت کے دن جنت کی خوشبو تک نہ سونگھ پائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے علمائے سو کے بارے میں بیان کیا ہے کہ وہ علم کے بدلے دنیا کماتے ہیں جبکہ علمائے آخرت کی صفت یہ بیان کی ہے کہ وہ منکسر المزاج ہوتے ہیں' دنیا سے کوئی رغبت نہیں رکھتے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:۔

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا۔ (پ ۴' ر ۱۰' آیت ۱۸۷)

اور جب اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے یہ عہد لیا کہ اس کتاب کو عام لوگوں پر ظاہر کرو' اور اس کو پوشیدہ مت کرنا' سو ان لوگوں نے اس کو پس پشت ڈال دیا اور اس کے عوض کم حقیقت معاوضہ لیا۔

علمائے آخرت کے متعلق ارشاد فرمایا گیا:۔

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خَاشِعِيْنَ لِلّٰهِ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيَاتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ

(پ ۴' ر ۱۱' آیت ۱۹۹)

اور بالیقین بعض لوگ اہل کتاب میں سے ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالٰی کے ساتھ اعتقاد رکھتے ہیں اور اس کتاب کے ساتھ بھی جو تمہارے پاس بھیجی گئی' اور اس کتاب کے ساتھ جو ان کے پاس بھیجی گئی اس طور پر کہ اللہ تعالٰی سے ڈرتے ہیں' اللہ تعالٰی کی آیات کے مقابلے میں کم حقیقت معاوضہ نہیں لیتے' ایسے لوگوں کو ان کا نیک اجر ان کے پروردگار کے پاس ملے گا۔

بعض اکابر سلف فرماتے ہیں کہ علماء انبیائے کرام کے گروہ میں اٹھائے جائیں گے اور قاضی بادشاہوں کے گروہ میں' ان فقہاء کا حشر بھی قاضیوں کے ساتھ ہوگا جو اپنے علم کے ذریعہ دنیا حاصل کرنا چاہتے ہوں' ابو الدرداءؓ کی ایک روایت ہے:۔

قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم: اوحی اللّٰہ عزو جل الی بعض الانبیاء قل للذین یتفقھون لغیر الدین ویتعلمون لغیر العمل ویطلبون الدنیا بعمل الآخرۃ ویلبسون للناس مسوک الکباش وقلوبھم کقلوب الذئاب' السنتھم احلی من العسل' و قلوبھم امر من الصبر ایای یخادعون' وبی یستھزؤن لا فتحن لھم فتنۃ تذر الحلیم حیرانا۔

(ابن عبد البر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالٰی نے اپنے بعض انبیاء کے پاس وحی بھیجی کہ ان لوگوں سے کہہ دو جو غیر دین کے فقیہ بنتے ہیں اور عمل نہ کرنے کے لیے علم حاصل کرتے ہیں اور دنیا کو آخرت کے عمل کے ذریعہ حاصل کرنا چاہتے ہیں اور وہ اگرچہ بکریوں کی کھال زیب تن کرتے ہیں (لیکن) ان کے دل ایلوے سے زیادہ کڑوے ہوتے ہیں' وہ مجھے دھوکا دیتے ہیں' اور مجھ سے استہزاء کرتے ہیں' میں ان کے لیے ایسا فتنہ برپا کروں گا کہ بردبار بھی پریشان ہو جائے گا۔

دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

علماء ھذہ الامۃ رجلان' رجل آتاہ اللّٰہ علما فبذلہ للناس' ولم یاخذ علیہ طمعا ولم یشتر بہ ثمنا فذلک یصلی علیہ طیر السماء' وحیتان الماء ودواب الارض' والکرام الکاتبون' یقدم علی اللّٰہ عزو جل یوم القیامۃ سیدا شریفا حتی یرافق المرسلین' ورجل آتاہ اللّٰہ علما فی الدنیا فضن بہ علی عباد اللّٰہ و اخذ علیہ طمعا و اشتری بہ ثمنا فذلک یاتی یوم القیامۃ ملجما بلجام من نار ینادی مناد علی رؤوس الخلائق ھذا فلان بن فلان آتاہ اللّٰہ علما فی الدنیا فضن بہ علی عبادہ و اخذ بہ طمعا و اشتری بہ ثمنا فیعذب حتی یفرغ من الحساب (طبرانی)

اس امت میں دو طرح کے عالم ہیں' ایک وہ شخص جسے اللہ نے علم عطا کیا ہو' اس نے اپنے علم کو لوگوں پر خرچ کیا' کوئی لالچ نہیں کیا' اور نہ اس کے عوض مال لیا' اس شخص پر پرندے آسمان میں' پانی کی مچھلیاں زمین

کے جانور اور کراماً کاتبین رحمت کی دعا کرتے ہیں۔ وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے معزز اور بڑا ہو کر حاضر ہو گا' اسے انبیاء کی معیت نصیب ہو گی' دوسرا وہ شخص ہے جسے اللہ نے علم دیا' اس نے لوگوں کو دینے میں کنجوسی کی' لالچ اختیار کیا' اور اس کے عوض مال حاصل کیا' وہ شخص قیامت کے روز اس حال میں آئے گا کہ آگ کی لگام اس کے منہ میں پڑی ہوئی ہو گی' مخلوق کے سامنے ایک آواز دینے والا یہ اعلان کرے گا کہ یہ فلاں ابن فلاں ہے اسے اللہ نے علم دیا تھا' لیکن اس نے بخل کیا اس علم کے ذریعہ مال کی حرص کی' اس کے عوض مال حاصل کیا یہ اس وقت تک عذاب دیا جاتا رہے گا جب تک حساب سے فراغت نہ ہو جائے۔

اس سے بھی سخت روایت ہے کہ ایک شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت کیا کرتا تھا' اس سے فائدہ اٹھا کر اس نے لوگوں میں یہ کہنا شروع کر دیا کہ مجھ سے موسیٰ صفی اللہ نے ایسا کہا' مجھ سے موسیٰ نجی اللہ نے یہ بات بیان فرمائی' مجھ سے کلیم اللہ نے یہ ارشاد فرمایا' لوگ اسے مال و دولت سے نوازنے لگے' یہاں تک کہ اس کے پاس کافی دولت جمع ہو گئی' ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو موجود نہ پایا تو اس کا حال دریافت کیا' مگر اس کا کوئی سراغ نہ مل سکا' ایک روز کوئی شخص آپ کی خدمت میں ایک سور کے گلے میں رسی ڈال کر لایا اور عرض کیا فلاں شخص سے آپ واقف ہیں؟ حضرت موسیٰ نے فرمایا ہاں، اس شخص نے کہا یہی وہ شخص ہے حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! اسے اس کی حالت پر کر دے تاکہ میں اس سے دریافت کر سکوں کہ تجھے اس عذاب میں کیوں مبتلا کیا گیا ہے' وحی آئی' اے موسیٰ' اگر تم ان تمام صفات کے ذریعہ بھی دعا کرو گے جن کے ذریعہ تمام انبیاء و اولیاء دعا کرتے ہیں تو بھی میں دعا قبول نہ کروں گا' تاہم میں اس کے مسخ کا سبب بیان کرتا ہوں' یہ شخص دین کی عوض دنیا طلب کیا کرتا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عالم کا فتنہ یہ ہے کہ بولنا اس کے نزدیک سننے کے مقابلے میں زیادہ اچھا ہو' تقریر میں زینت اور زیادتی ہوتی ہے' لیکن مقرر غلطی سے محفوظ نہیں رہتا جب کہ خاموشی میں سلامتی ہے' علماء میں سے ایک وہ شخص ہے جو اپنے علم کو ذخیرہ کر رکھتا ہے وہ یہ نہیں چاہتا کہ دوسرے بھی اس سے مستفید ہوں' یہ شخص دوزخ کے پہلے طبقے میں ہو گا' ایک وہ ہے جو خود کو علم کا بادشاہ تصور کرتا ہو کہ اگر اس پر کوئی اعتراض کیا جائے' یا اس کے اعزاز و اکرام میں تساہل برتا جائے تو وہ غضب ناک ہو جائے' یہ شخص دوزخ کے دوسرے طبقے میں رہے گا' ایک وہ شخص ہے جو اپنے بہترین علوم کو مالداروں کے لیے وقف کر دیتا ہے اور جو علم کے محتاج ہوتے ہیں' غلط سلط فتویٰ صادر کرتا ہے' حالانکہ اللہ تعالیٰ متکلفین کو پسند نہیں کرتا' یہ شخص دوزخ کے چوتھے طبقے میں رہے گا' ایک وہ شخص ہے جو یہود و نصاریٰ کے اقوال نقل کرتا ہے' تاکہ لوگ اس کی وسعت علمی سے مرعوب ہوں' یہ شخص دوزخ کے پانچویں طبقے میں ہو گا' ایک وہ شخص ہے جو اپنے علم کو اپنی فضیلت اور شہرت و عظمت کا ذریعہ سمجھتا ہے' ایسا شخص دوزخ کے چھٹے طبقے میں ہو گا' ایک وہ شخص ہے جو تکبر اور خود پسندی کو معمولی گناہ سمجھتا ہے' جب وعظ کہتا ہے تو سخت لب و لہجہ استعمال کرتا ہے' جب کوئی نصیحت کرتا ہے تو اسے اپنی توہین سمجھتا ہے' یہ شخص دوزخ کے ساتویں طبقے میں ہو گا' تمہیں چاہیے کہ علم خاموشی سے اختیار کرو تاکہ شیطان پر غالب رہو' کسی عجیب و غریب بات کے علاوہ نہ مسکراؤ' نہ بغیر ضرورت ادھر ادھر جاؤ(۱) ایک حدیث میں ہے:۔

ان العبد لینشر لہ من الثناء ما بین المشرق والمغرب' وما یزن عند اللہ جناح بعوضۃ (۲)

کبھی بندہ کی اس قدر تعریف ہوتی ہے کہ مشرق و مغرب کا درمیانی حصہ تعریف سے بھر جاتا ہے لیکن اللہ کے

---

(۱) یہ طویل روایت ابو نعیم نے حلیہ میں نقل کی ہے' ابن جوزی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

(۲) یہ روایت ان الفاظ میں کہیں نہیں ملی البتہ بخاری و مسلم میں یہ حدیث اس طرح ہے۔ "لیاتی الرجل العظیم السمین یوم القیامۃ ولا یزن عند اللہ جناح بعوضۃ"

نزدیک وہ تمام تعریفیں مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہوتیں۔

حضرت حسن بصریؒ ایک روز اپنی مجلس وعظ سے اٹھ کر جانے لگے تو خراسان کے ایک شخص نے ایک تھیلا پیش کیا' جس میں پانچ ہزار درہم تھے' اور باریک کپڑے کا ایک تھان تھا' اور عرض کیا کہ درہم خرچ کے لیے ہیں اور کپڑا پہننے کے لیے' حسن بصریؒ نے فرمایا' اللہ تمہیں خیریت سے رکھے یہ درہم اور کپڑے اٹھالو اور اپنے ہی پاس رکھو' ہمیں ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہے' پھر فرمایا کہ جو شخص ایسی مجلسوں میں بیٹھتا ہو جیسی مجلسیں یہاں منعقد ہوتی ہیں اور اس طرح کے نذرانے قبول کرلیتا ہو' قیامت کے روز وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے دین سے محروم ہو کر جائے گا۔ حضرت جابرؓ سے موقوفاً اور مرفوعاً روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لا تجلسوا عند کل عالم الا الی عالم یدعوکم من خمس الی خمس من الشک الی الیقین' ومن الریا الی الاخلاص' ومن الرغبة الی الزهد ومن الکبر الی التواضع ومن العداوة الی النصیحة (ابو نعیم)

ہر عالم کے پاس مت بیٹھو۔ صرف ایسے عالم کے پاس بیٹھو جو تمہیں پانچ چیزوں سے ہٹا کر پانچ چیزوں کی طرف بلاتا ہو۔ شک سے یقین کی طرف' ریا سے اخلاص کی طرف' دنیا کی خواہش سے زہد کی طرف' تکبر سے تواضع کی طرف' دشمنی سے خیر خواہی کی طرف۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ قَالَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا يَا لَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ إِنَّهُ لَذُو حَظٍّ عَظِيمٍ وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ لِّمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَلَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الصَّابِرُونَ - (پ ۲۰' ر ۱۱' آیت ۷۹' ۸۰)

پھر وہ اپنی آرائش (اور شان) سے اپنی برادری کے سامنے نکلا جو لوگ دنیا کے طالب تھے کہنے لگے کیا خوب ہوتا کہ ہم کو بھی وہ ساز و سامان ملا ہوتا جیسا قارون کو ملا ہے۔ واقعی بڑا ہی صاحب نصیب ہے اور جن لوگوں کو علم عطا ہوا تھا کہنے لگے ارے تمہارا ناس ہو اللہ کے گھر کا ثواب ہزار درجہ بہتر ہے جو ایسے شخص کو ملتا ہے کہ ایمان لائے اور نیک عمل کرے اور وہ انہی کو دیا جاتا ہے جو صبر کرنے والے ہیں۔

اس آیت میں اہل علم کی صفت یہ فرمائی ہے کہ وہ دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتے ہیں۔

دوسری علامت : علمائے آخرت کی دوسری علامت یہ ہے کہ ان کا فعل انکے قول کے خلاف نہ ہو بلکہ ان کی عادت یہ ہے کہ جب تک کوئی کام خود نہ کریں دوسروں کو اس کے کرنے کا حکم نہ دیں۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ - (پ ۱' ر ۵' آیت ۴۴)

کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھولتے ہو۔

كَبُرَ مَقْتًا عِندَ اللَّهِ أَن تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ - (پ ۲۸' ر ۹' آیت ۳)

خدا کے نزدیک یہ بات بہت ناراضی کی ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام کے قصے میں ارشاد فرمایا۔

وَمَا أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَا أَنْهَاكُمْ عَنْهُ (پ ۱۲' ر ۸' آیت ۸۸)

اور میں یہ نہیں چاہتا کہ تمہارے برخلاف ان کاموں کو کروں جن سے تم کو منع کرتا ہوں۔

اسی سلسلے میں کچھ اور آیات حسب ذیل ہیں۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ۔ (پ ۳ ' ر ۷ ' آیت ۲۸۲)

اور خدا سے ڈرو اور اللہ (کاتم پر احسان ہے کہ) تم کو تعلیم دیتا ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْا (پ ۲ ' ر ۱۴ ' آیت ۲۳۱)

اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا (پ ۷ ' ر ۴ ' آیت ۱۰۸)

اور اللہ سے ڈرو اور سنو۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ارشاد فرمایا کہ اے مریم کے بیٹے تو اپنے نفس کو نصیحت کر۔ اگر وہ تیری نصیحت قبول کرلے تو دوسرے لوگوں کو نصیحت کرو ورنہ مجھ سے شرم کر۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

مررت ليلة اسرى باقوام كان تقرض شفاهم بمقاريض من نار فقلت' من انتم؟ فقالوا كنا نامر بالخير ولا ناتيه وننهى عن الشر وناتيه (ابوداؤد)

جس رات مجھ کو معراج ہوئی۔ اس رات میرا گذر ایسے لوگوں پر ہوا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹ دیئے گئے تھے۔ میں نے پوچھا تم لوگ کون ہو؟ کہنے لگے ہم نیک کام کا حکم دیتے تھے اور خود نیک کام نہیں کرتے تھے۔ ہم برائی سے روکتے تھے اور خود برائی میں مبتلا تھے۔ میری امت کی بربادی فاجر و فاسق عالم اور جاہل عبادت گذار سے ہے۔ بروں میں برے بدترین علماء ہیں اور اچھوں میں اچھے بہترین علماء ہیں۔

اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ نصاریٰ کے قبرستانوں نے خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کی کہ کفار کے مردوں کی بدبو ہمارے لیے بہت زیادہ پریشان کن ہے۔ اللہ نے انہیں وحی بھیجی کہ اس بدبو کے مقابلے میں جو تمہارے اندر ہے علمائے سو کے پیٹ کی بدبو زیادہ پریشان کن ہے۔ فضیل ابن عیاضؒ کہتے ہیں کہ میں نے یہ سنا ہے کہ قیامت کے دن بت پرستوں سے پہلے علمائے سو کا حساب ہوگا۔ ابوالدرداءؓ کہتے ہیں کہ جو شخص نہیں جانتا اس کے لیے ایک ہلاکت اور جو شخص جاننے کے باوجود عمل نہیں کرتا اس کے لیے سات ہلاکتیں ہیں۔ شعبیؒ فرماتے ہیں کہ اہل جنت دوزخ میں جانے والے بعض لوگوں سے پوچھیں گے تمہیں یہ کس گناہ کی سزا ملی۔ ہمیں تو خدا تعالیٰ نے تعلیم و تربیت کے طفیل میں جنت سے نوازا ہے۔ وہ جواب دیں گے کہ ہم دوسروں کو نیک راہ دکھلاتے تھے اور خود اس راہ سے بہت دور تھے۔ حاتم اصمؒ فرماتے ہیں کہ قیامت میں اس عالم سے زیادہ حسرت کسی دوسرے کو نہ ہوگی جس نے لوگوں کو تعلیم دی لیکن خود اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کیا۔ دوسرے لوگ تو اس کے علم کے مطابق جنت میں چلے جائیں گے اور اسے تباہی و بربادی کے سوا کچھ ہاتھ نہ لگے گا۔ مالک ابن دینار سے منقول ہے کہ عالم جب اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتا تو اس کی نصیحت دلوں میں نہیں ٹھہرتی۔ جس طرح قطرہ پتھر کی سطح پر نہیں ٹھہرتا۔ پھر انہوں نے یہ شعر پڑھے۔

یا واعظ الناس قد اصبحت متهما	اذ عبت منهم امورا انت تاتیها
اصبحت تنصحهم بالوعظ مجتهدا	فالموبقات لعمری انت جانیها
تعیب دنیا و ناسا راغبین لها	وانت اکثر منهم رغبة فیها

ترجمہ: اے ناصح تو مجرم ہے اس لیے کہ تو لوگوں میں ان امور کی نکتہ چینی کرتا ہے جو تو خود کرتا ہے' تو انہیں وعظ و نصیحت کرنے میں محنت کرتا ہے لیکن خدا کی قسم تو مہلک امور کا ارتکاب کرتا ہے تو دنیا کو اور ان لوگوں کو برا کہتا ہے جو دنیا کی طرف مائل ہیں حالانکہ ان لوگوں سے زیادہ تو دنیا کی طرف مائل ہے۔

ابراہیم بن ادہمؒ فرماتے ہیں کہ مکہ معظمہ میں میرا گذر ایک پتھر پر ہوا۔ اس پر یہ عبارت کندہ تھی کہ میری دوسری جانب سے

مما اخاف علی امتی زلة عالم و جدال منافق فی القرآن (طبرانی)
میں اپنی امت پر عالم کی لغزش اور قرآن میں منافق کے جھگڑے سے ڈرتا ہوں۔

تیسری علامت: علمائے آخرت کی تیسری علامت یہ ہے کہ وہ ایسے علوم کی تحصیل میں مشغول ہوں جو آخرت میں مفید ثابت ہو سکیں یا جو علوم باری تعالیٰ کی اطاعت کی رغبت پیدا کریں۔ ان علوم سے اجتناب کریں جن کا فائدہ کم ہو یا جن میں خواہ مخواہ کے جھگڑے زیادہ ہوں جو شخص اعمال کے علم کے بجائے خلافیات کے فن میں مشغول ہو اس کی مثال اس شخص کی ہے جو بہت سی پیچیدہ امراض میں مبتلا ہو علاج کے لیے کسی حاذق حکیم کی خدمت میں پہنچے' ملاقات کا وقت تنگ ہو' ان حالات میں وہ اپنی ضرورت کے اظہار کی بجائے دواؤں کی خصوصیات کے بارے میں سوالات کرنے لگے۔ بھلا بتلائیے اس شخص کی حماقت میں شبہ کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے؟ ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

علمنی من غرائب العلم فقال له: ما صنعت فی راس العلم' فقال وما راس العلم؟ قال صلی اللہ علیہ وسلم هل عرفت الرب تعالیٰ؟ قال: نعم: قال فما صنعت فی حقه؟ قال ما شاء اللہ فقال صلی اللہ علیہ وسلم: هل عرفت الموت؟ قال نعم قال: فما اعددت له؟ قال ما شاء اللہ قال صلی اللہ علیہ وسلم: اذهب فاحکم ما هناک ثم تعال نعلمک من غرائب العلم (ابن السنی' ابو نعیم' ابن عبد البر)

مجھے علم کی کچھ عجیب و غریب باتیں سکھلایئے' آپ نے دریافت فرمایا: تم نے اصل علم کے سلسلے میں کیا کیا ہے؟ اس نے کہا: اصل علم کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا تم اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتے ہو؟ اس نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ نے پوچھا: پھر تم نے اس کے حق میں کیا کیا ہے؟ اس نے کہا: تھوڑا بہت کیا ہے۔ آپ نے دریافت فرمایا: کیا تم موت کی معرفت رکھتے ہو؟ اس نے عرض کیا: جی ہاں! آپ نے پوچھا! پھر تم نے موت کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے کہا: تھوڑی بہت تیاری کی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا! جاؤ! پہلے ان امور میں پختہ ہو' تب تمہیں علم کے غرائب بھی بتلائیں گے۔

عجیب و غریب اور غیر مفید امور کا علم حاصل کرنے سے کیا فائدہ؟ ان امور کا علم حاصل کرنا چاہیے جو حاتمؒ نے اپنے استاذ شقیق بلخیؒ سے سیکھے تھے' ایک روز شقیق بلخیؒ نے حاتمؒ سے پوچھا کہ تم نے کتنے دن میرے ساتھ گذارے ہیں؟ حاتمؒ نے کہا تینتیس سال' شقیق نے کہا' اس عرصے میں تم نے مجھ سے کیا سیکھا ہے؟ حاتم نے عرض کیا: اس عرصے میں میں نے آٹھ مسئلے سیکھے ہیں۔ شقیق نے اس پر اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا کہ میں نے اپنی پوری زندگی تمہارے ساتھ ضائع کر دی اور تم نے صرف آٹھ مسئلے حاصل کئے ہیں۔ حاتم نے عرض کیا کہ اس سے زیادہ میں نے کچھ حاصل نہیں کیا' جھوٹ بولنا مجھے پسند نہیں ہے۔ انہوں نے فرمایا اچھا بتلاؤ وہ کون کون سے مسائل ہیں جو تم نے اس عرصے میں مجھ سے سیکھے ہیں۔ حاتم نے ہر مسئلے کی الگ الگ تفصیل بیان کی۔ پہلا یہ ہے کہ میں نے ہر مخلوق پر نظر ڈالی' میں نے دیکھا کہ ہر شخص کا ایک محبوب ہے' وہ قبر تک اپنے محبوب کے ساتھ رہتا ہے لیکن قبر میں پہنچنے کے بعد اسے اپنے محبوب سے جدا ہونا پڑتا ہے۔ اس لیے میں نے نیکیوں کو اپنا محبوب ٹھہرایا تاکہ جب میں قبر میں جاؤں تو میرا محبوب بھی میرے ساتھ رہے۔ دوسرا یہ ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی میں غور و فکر کیا۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِىَ الْمَاْوٰى۔ (پ ۳۰' ر ۴' آیت ۴۰)

اور جو شخص (دنیا میں) اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا ہو گا اور نفس کو حرام خواہش سے روکتا ہو گا سو جنت میں اس کا ٹھکانہ ہو گا۔

میں یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان حق ہے۔ اس لیے میں نے اپنے نفس پر خواہشات سے دور رکھنے کے لیے محنت کی' یہاں تک کہ وہ معبود حقیقی کی اطاعت پر جم گیا۔ تیسرا یہ ہے کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ قدر و قیمت رکھنے والی چیزوں کی دل و جان سے حفاظت کرتے ہیں۔ اس کے بعد میری نظر اس آیت پر پڑی۔

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ۔ (پ ۱۴' ر ۱۹' آیت ۹۶)

اور جو کچھ تمہارے پاس (دنیا میں) ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ دائم رہے گا۔

چنانچہ جو قیمتی چیز میرے ہاتھ لگی اسے اپنے پاس محفوظ رکھنے کے بجائے میں نے اللہ تعالیٰ کے یہاں امانت رکھ دی تاکہ ہمیشہ باقی رہے۔ چوتھا یہ ہے کہ میں نے ہر شخص کو مال' حسب نسب اور عزت کی خواہش میں گرفتار پایا۔ حالانکہ حقیقت میں یہ سب چیزیں ہیچ ہیں۔ پھر میں نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر غور و فکر کیا۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ۔ (پ ۲۶' ر ۱۴' آیت ۱۳)

اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

چنانچہ خدا تعالیٰ کے نزدیک عزت حاصل کرنے کے لیے میں نے تقویٰ اختیار کیا۔ پانچواں یہ ہے کہ میں نے لوگوں کو ایک دوسرے پر بدگمانی کرتے ہوئے دیکھا۔ اس کی واحد وجہ جذبۂ حسد ہے' اس کے بعد میں نے باری تعالیٰ کے اس ارشاد پر غور کیا۔

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (پ ۲۵' ر ۹' آیت ۳۲)

دنیاوی زندگی میں ان کی روزی ہم نے تقسیم کر رکھی ہے۔

چنانچہ میں نے جذبۂ حسد پر لعنت بھیجی اور اس اعتقاد کے ساتھ مخلوق سے کنارہ کشی اختیار کرلی کہ رزق اللہ کی طرف سے مقسوم ہے۔ چھٹا یہ ہے کہ میں نے لوگوں کو آپس میں دست و گریباں دیکھا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے صرف شیطان کو انسان کا دشمن قرار دیا ہے۔

اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا۔ (پ ۲۲' ر ۱۳' آیت ۶)

یہ شیطان بیشک تمہارا دشمن ہے سو تم اس کو دشمن سمجھتے رہو۔

اس بنا پر میں نے صرف شیطان کو اپنا دشمن سمجھا اور یہ کوشش کی کہ اس سے بچتا رہوں' اس کے علاوہ میں نے کسی کی بھی عداوت کو دل میں جگہ نہیں دی۔ ساتواں یہ ہے کہ میں نے دیکھا ہر شخص روٹی کیلئے بھاگ دوڑ میں مصروف ہے اس کے لیے اپنے آپ کو ذلیل و خوار کر رہا ہے' اور حلال و حرام کا امتیاز کھو بیٹھا ہے۔ حالانکہ قرآن پاک میں ہے۔

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا۔ (پ ۱۲' ر ۱' آیت ۶)

اور کوئی جاندار روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ اس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو۔

میں نے خیال کیا کہ میں بھی ان حیوانوں میں سے ایک ہوں جن کے رزق کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے لی ہے۔ چنانچہ تلاش معاش کے بجائے میں ان امور میں مصروف ہوا جو اللہ نے مجھ پر فرض کیے ہیں۔ آٹھواں یہ ہے کہ میں نے دیکھا کہ ہر شخص کسی نہ کسی چیز پر تکیہ کیے بیٹھا ہے۔ کوئی تجارت' کوئی اپنے پیشے پر' کوئی زمین جائیداد پر' کوئی صحت و تندرستی پر جبکہ قرآن پاک میں یہ فرمایا گیا ہے:

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (پ ۲۸' ر ۱۷' آیت ۳)

اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا اللہ اس کیلئے کافی ہے۔

اس لیے میں نے خدا تعالیٰ پر توکل کیا کہ درحقیقت وہی ذات میری لیے بہت کافی ہے' شقیق بلخیؒ نے فرمایا: اے حاتم! اللہ تجھے حسنِ عمل کی توفیق سے نوازے' جو کچھ تو نے اب تک سمجھا ہے وہی درحقیقت چاروں آسمانی کتابوں (قرآن' زبور' انجیل' اور تورات) کی تعلیمات کا خلاصہ ہے۔ جو شخص ان آٹھوں مسئلوں پر عمل کرتا ہے وہ شخص گویا ان چاروں کتابوں پر عمل پیرا ہے۔

جمع کر رکھی ہے کس مد میں ہے؟ کیا یہ اسراف نہیں ہے؟ ملا بھی سمجھ گئے کہ ان کا مقصد وضو سکھانا نہیں ہے بلکہ وہ ان کی فضول خرچی پر تنبیہ کرنا چاہتے ہیں، اپنے اس عمل پر شرمندہ ہو کر گھر میں چلے گئے اور چالیس دن تک لوگوں کے سامنے نہیں آئے۔ جب حاتم بغداد پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے عرض کیا: اے حاتم! تم عجمی نژاد ہو، رک رک کر بات کرتے ہو لیکن جب تم سے کوئی شخص بحث کرتا ہے تو تم اسے زیر کر لیتے ہو اس کی کیا وجہ ہے؟ جواب دیا کہ میں اپنی عادتوں کی وجہ سے فریق ثانی پر غالب آجاتا ہوں، جب وہ کوئی صحیح بات کہتا ہے تو میں خوش ہوتا ہوں اور جب غلطی کرتا ہے تو بے چین ہو جاتا ہوں اور گفتگو کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھتا ہوں تاکہ فریق ثانی کے ساتھ جہالت سے پیش نہ آئے۔ یہ بات جب حضرت امام احمد ابن حنبل تک پہنچی تو انھوں نے فرمایا: سبحان اللہ! حاتم بڑے عقلمند انسان ہیں۔ ہمیں بھی ان کے پاس لے چلو۔ جب لوگ آپ کے پاس آئے امام احمد نے پوچھا: اے ابو عبدالرحمن! سلامتی کا راز کیا ہے؟ فرمایا: اے ابو عبداللہ! جب تم میں چار خصلتیں نہ ہوں گی اس وقت تک دنیا سے سلامت نہ رہو گے۔ ایک یہ کہ لوگ اگر جہالت سے پیش آئیں تو تم درگذر کرو، دوسری یہ کہ اپنے جہل کو قابو میں رکھو، تیسری یہ کہ اپنی چیز لوگوں کو دو اور چوتھی یہ کہ ان کی چیزوں سے مایوس رہو۔ بغداد کے بعد حاتم مدینہ منورہ تشریف لے گئے، اہل مدینہ نے آپ کا خیر مقدم کیا۔ آپ نے لوگوں سے پوچھا: یہ کون سا مدینہ ہے؟ عرض کیا: یہ مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ فرمایا: مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محل کا پتہ بتلاؤ تاکہ وہاں دو رکعت نماز ادا کروں۔ لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کے پاس کوئی محل نہ تھا بلکہ آپ تو ایک بہت معمولی مکان میں رہا کرتے تھے۔ حاتم نے کہا: یہ تو فرعون کا شہر معلوم ہوتا ہے۔ لوگوں نے ان کو گرفتار کر لیا اور سلطان کے پاس لے کر آئے اور واقعہ بیان کیا۔ سلطان نے دریافت کیا کہ تم نے اسے فرعون کا شہر کیسے کہا؟ حاتم نے اپنی اور لوگوں کی گفتگو بیان کر دی اور فرمایا کہ قرآن پاک میں ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ - (پ ۲۱، ر ۱۹، آیت ۲۱)

تم لوگوں کیلئے رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود تھا۔

[illegible] تم لوگوں نے کس کا اتباع کیا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو معمولی گھر میں رہا کرتے تھے، یا فرعون کا جس نے بلند و بالا محلات تعمیر کرائے تھے۔ سلطان کوئی جواب نہ دے سکا اور حاتم کو رہا کر دیا گیا۔ یہ تو صرف ایک جھلک ہے حاتم اصم کی [illegible] میں اکابر سلف کے [illegible] مزید واقعات بیان کریں گے۔ انشاء اللہ العزیز۔ اس سلسلے میں ہم یہ بھی عرض کرتے چلیں کہ امر مباح سے زینت حاصل کرنا حرام نہیں ہے لیکن ایسے اپنی عادت بنا لینے سے [illegible] اور روایات بھی منقول ہیں جنھیں ہم عنقریب بیان کریں گے۔

یحییٰ ابن یزید نوفلی نے حضرت مالک ابن انس کو ایک خط لکھا، جس کے الفاظ یہ تھے: یحییٰ ابن یزید کی طرف سے مالک ابن انس کے نام، حمد و صلاۃ کے بعد! میں نے سنا ہے کہ تم باریک کپڑے پہنتے ہو، پتلی چپاتیاں کھاتے ہو، نرم گدوں پر بیٹھتے ہو، تمہارے دروازے پر دربان مقرر ہے، حالانکہ تم مجلسِ علم میں صدر نشین ہو، دور دراز سے لوگ تمہارے پاس سفر کر کے آتے ہیں اور تمہیں اپنا راہنما اور مقتدی سمجھتے ہیں، تمہارا حکم مانتے ہیں، اس لیے تمہیں خدا کا خوف کرنا چاہیے، تواضع اور انکساری کو لازم پکڑنا چاہیے، میں نے یہ خط تمہیں نصیحت کی غرض سے لکھا ہے، اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا کہ میں نے یہ خط میں کیا لکھا ہے۔

والسلام"

حضرت مالک ابن انسؒ نے اس خط کے جواب میں یہ الفاظ تحریر فرمائے "مالک ابن انسؒ کی طرف سے یحییٰ ابن یزید کے نام! آپ پر اللہ تعالیٰ کی سلامتی ہو' آپ کا خط پہنچا اور نصیحت کے سلسلے میں بہت کارگر ہوا' اللہ تعالیٰ آپ کو تقویٰ عطا کرے اور اس نصیحت کے بدلے جزائے خیر دے' میں بھی اللہ تعالیٰ سے حسن توفیق کا خواہاں ہوں گناہوں سے اجتناب اور اللہ کی اطاعت اس کی مدد اور توفیق کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ آپ نے یہ لکھا ہے کہ میں پتلی چپاتیاں کھاتا ہوں' باریک لباس پہنتا ہوں' نرم فرش پر بیٹھتا ہوں اور دربان رکھتا ہوں۔ حقیقتاً میں ایسا کرتا ہوں اور خدا تعالیٰ سے مغفرت چاہتا ہوں لیکن اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ (پ ۸' ر ۱۱' آیت ۳۲)

آپ فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے کپڑوں کو جن کو اس نے اپنے بندوں کے لیے بنایا ہے اور کھانے پینے کی حلال چیزوں کو کس نے حرام کیا ہے۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ زینت کا ترک کرنا اسے اختیار کرنے سے بہتر ہے' آپ خط و کتابت جاری رکھیں' ہم بھی آپ کو خط لکھتے رہیں گے' والسلام" ...... امام مالک کے الفاظ پر غور کیجئے۔ غلطی کا اعتراف کیا اور یہ بھی بتلادیا کہ زیب و زینت اختیار کرنا' ایک جائز عمل ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی اعتراف کیا کہ اس کا نہ کرنا بہتر ہے۔ امام مالکؒ نے جو کچھ ارشاد فرمایا وہی اصل حقیقت ہے۔ امام مالک جیسی شخصیت ہی اپنے معاملے میں یہ انصاف یا اعتراف کرسکتی ہے اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ امر جائز کی حدود سے بھی واقف تھے تاکہ ممنوع امور سے محفوظ رہ سکیں۔ مگر کسی دوسرے شخص میں یہ حوصلہ کہاں کہ وہ مباح کی حد پر قانع رہے۔ اس لیے مباح سے لذت حاصل کرنے میں بہت سے اندیشے ہیں۔ جسے خوف الٰہی ہوتا ہے وہ اس طرح کے مباح امور سے بچتا ہے۔ علمائے آخرت کا سب سے بڑا وصف ہی خوفِ الٰہی ہے اور خوفِ خدا کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی خطرے کی جگہ سے دور رہے۔

پانچویں علامت : علمائے آخرت کی پانچویں علامت یہ ہے کہ حکام و سلاطین سے دور رہیں' جب تک ان سے دور رہنا ممکن ہو دور رہیں' بلکہ اس وقت بھی ملنے سے احتراز کریں جب وہ خود ان کے پاس آئیں۔ اس لیے کہ دنیا نہایت پر لطف اور سرسبز و شاداب جگہ ہے۔ دنیا کی باگ ڈور حکام کے قبضے میں ہے۔ جو شخص حکام دنیا سے ملتا ہے اسے ان کی کچھ نہ کچھ رضاجوئی اور دلداری کرنی ہوتی ہے۔ خواہ وہ ظالم و جابر ہی کیوں نہ ہوں۔ دیندار لوگوں پر واجب ہے کہ وہ ظالم و جابر حکام سے ہرگز نہ ملیں۔ ان کے ظلم کا اظہار کریں اور ان کے افعال و اعمال کی مذمت کریں۔

جو شخص حکام کے پاس جائے گا وہ یا تو ان کی زینت اور آرائش دیکھ کر یہ محسوس کرے گا کہ اللہ نے اسے حقیر نعمتیں دی ہیں اور حاکم کو اعلیٰ ترین نعمتوں سے نوازا ہے۔ یا وہ ان کی برائیوں پر خاموش رہے گا۔ یہ فعل مداہنت کہلائے گا۔ یا وہ ان کی مرضی کے مطابق ان کے عمل کو صحیح بتلانے کے لیے کچھ کہے گا۔ یہ صریح جھوٹ ہوگا یا اسے اس بات کی خواہش ہوگی کہ اسے بھی ان کی دنیا میں سے کچھ ملے۔ یہ حرام ہے۔ ہم حلال اور حرام کے باب میں بیان کریں گے کہ حکام کے اموال میں سے کون سا مال لینا ناجائز ہے اور کون سا جائز۔ چاہے یہ مال بطور تنخواہ دیا جائے یا بطور انعام۔ حاصل یہ ہے کہ حکام سے ملنا تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

من بدا جفا' ومن اتبع الصيد غفل' ومن اتى السلطان افتتن (ابوداؤد' ترمذی)

جو جنگل میں رہتا ہے تو جفا کرتا ہے۔ جو شکار کے پیچھے پڑتا ہے غفلت کرتا ہے اور جو بادشاہ کے پاس آتا ہے وہ فتنے میں مبتلا ہوتا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے :

سيكون عليكم امراء تعرفون منهم و تنكرون' فمن انكر فقد برئ' ومن

کرہ فقد سلم ولکن من رضی و تابع ابعدہ اللہ تعالیٰ قیل ! افلا نقاتلہم قال صلی اللہ علیہ وسلم : لا ! ما صلوا (مسلم)

عنقریب تم پر کچھ لوگ حاکم ہوں گے جن میں سے کچھ کو تم جانتے ہو گے اور کچھ کو نہیں جانتے ہو گے۔ جو ان سے شناسائی نہ رکھے وہ بری ہے جو انہیں برا سمجھے وہ بچ گیا مگر جو شخص ان سے راضی ہوا اور ان کی اتباع کی اللہ تعالیٰ اسے رحمت سے دور کردے گا۔ عرض کیا گیا : کیا ہم ایسے لوگوں سے جہاد نہ کریں' فرمایا : جب تک وہ نماز پڑھیں ان سے جہاد مت کرو۔

حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ جہنم میں ایک جنگل ہے جس میں وہ عالم رہیں گے جو بادشاہوں کی زیارت اور ملاقات کے لیے جاتے ہیں۔ حضرت حذیفہؓ نے ارشاد فرمایا : اپنے آپ کو فتنے کی جگہوں سے بچاؤ۔ لوگوں نے پوچھا فتنے کی جگہیں کون سی ہیں؟ فرمایا : امیروں کے دروازے۔ جب کوئی امیر کے پاس جاتا ہے تو وہ اس کے جھوٹ کو سچ کہتا ہے اور اس کی تعریف میں وہ سب کچھ بیان کرتا ہے جو اس میں نہیں ہے۔ ایک حدیث میں ہے۔

العلماء امناء الرسل علی عباد اللہ تعالیٰ مالم یخالطو السلاطین' فاذا فعلوا ذلک فقد خانوا الرسل فاحذروھم واعتزلو ھم (عقیلی)

علماء اللہ کے بندوں پر انبیاء کے اس وقت تک امین رہتے ہیں جب تک بادشاہوں کے ساتھ میل جول نہ رکھیں۔ اگر وہ ایسا کریں تو یہ انبیاء کرام کے ساتھ ان کی خیانت ہوگی۔ ان سے بچو اور دور رہو۔

اعمش سے کسی نے کہا آپ نے تو علم کو زندگی عطا کردی ہے۔ اس لیے کہ ان گنت لوگ آپ سے علمی استفادہ کرتے ہیں۔ فرمایا ! ذرا ٹھہرو' اتنی جلدی فیصلہ نہ کرو اس لیے کہ جتنے لوگ علم حاصل کرتے ہیں ان میں سے ایک تہائی علمی رسوخ حاصل کرنے سے پہلے ہی مرجاتے ہیں۔ ایک تہائی سلاطین کے دروازے پر جاپہنچتے ہیں۔ ایسے لوگ بدترین لوگوں میں سے ہیں۔ باقی لوگوں میں سے بہت کم لوگ فلاح یاب ہوتے ہیں۔ اسی لیے حضرت سعید ابن المسیبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب تم کسی عالم کو امراء کے اردگرد گھومتے دیکھو تو اس سے دور رہو۔ وہ چور ہے۔ اوزاعی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی چیز اس عالم سے زیادہ مذموم نہیں جو حاکم کے یہاں حاضری دے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

شرار العلماء الذین یاتون الامراء' وخیار الامراء الذین یاتون العلماء (ابن ماجہ)

بدترین علماء وہ ہیں جو امراء کے پاس جاتے ہیں اور بہترین امراء وہ ہیں جو علماء کے پاس جاتے ہیں۔

مکحول دمشقی کہتے ہیں کہ جو شخص قرآن کی تعلیم حاصل کرے اور پھر محض چاپلوسی اور لالچ کے لیے سلطان کی ہم نشینی اختیار کرے وہ شخص قدموں قدموں دوزخ کی آگ میں جلے گا۔ سحنون کہتے ہیں کہ یہ بات عالم کے حق میں کتنی بری ہے کہ لوگ اس کے پاس آئیں اور وہ مجلس میں موجود نہ ہو۔ لوگ بتلائیں کہ وہ حاکم کے یہاں ہیں۔ یہ فرمایا میں بزرگوں کا یہ قول سنا کرتا تھا کہ جب تم کسی عالم کو دنیا کی محبت میں مبتلا دیکھو تو اس کو اپنے دین میں متہم سمجھو۔ میں نے بزرگوں کے اس قول کا عملی تجربہ کیا ہے۔ ایک دن میں حاکم کے گھر گیا۔ جب اس کی مجلس سے باہر نکلا تو میں نے اپنے نفس کا جائزہ لیا۔ ایسا محسوس ہوا کہ میرا نفس دین سے بہت دور ہوگیا ہے۔ حالانکہ حکام وقت سے جس طرح میں ملتا ہوں تم اس سے بخوبی واقف ہو کہ میں انہیں سخت سست کہتا ہوں۔ اکثر ان کی رضا کے خلاف کرتا ہوں۔ یہ بھی چاہتا ہوں کہ ان کے گھر تک جانے کی نوبت نہ آئے۔ میں ان سے کچھ لیتا بھی نہیں بلکہ ان کے گھر کا پانی پینا بھی مجھے اچھا نہیں لگتا۔ پھر فرمایا کہ ہمارے زمانے کے علماء بنی اسرائیل کے علماء سے بھی بدتر ہیں۔ آج کل کے علماء بادشاہوں کے صرف جائز امور بتلاتے ہیں یا انہیں وہ باتیں سناتے ہیں جو ان کی مرضی کے عین مطابق ہوں۔ وہ انہیں ان کے فرائض سے آگاہ نہیں کرتے۔ اس خوف سے کہیں بادشاہ ان کی آمد پر پابندی عائد نہ کریں یا یہ کہ وہ ناراض نہ ہوجائیں۔ حالانکہ

نے فرمایا' میں نہیں جانتا ! یہاں تک کہ جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے' آپ نے ان سے دریافت کیا' جبرئیل نے کہا ! میں نہیں جانتا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بتلایا کہ بہترین جگہ مساجد اور بدترین جگہ بازار ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ سے اگر کوئی دس مسئلے پوچھتا تو آپ ایک کا جواب دیتے اور نو کے جواب میں خاموش رہتے۔ ابن عباسؓ نو کا جواب دیتے اور ایک کے جواب میں خاموشی اختیار فرماتے۔ فقہائے سلف میں ایسے لوگ بہت تھے جو یہ کہہ دیتے تھے کہ میں نہیں جانتا "میں جانتا ہوں" کہنے والے لوگوں کی تعداد کم تھی۔ سفیان ثوری' مالک ابن انس' احمد ابن حنبل' فضیل ابن عیاض اور بشر ابن حارث وغیرہ حضرات لاادری کہنے والے تھے۔ عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے مسجد میں ایک سو بیس صحابہ کی زیارت کی ہے۔ ان میں سے کسی سے کوئی فتویٰ پوچھا جاتا تو وہ یہی چاہتا کہ کوئی دوسرا بھائی اس سوال سے ہمیں بچالے۔ ایک روایت میں عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ کے یہ الفاظ کہ جب کوئی سوالی ان کے سامنے آتا تو وہ اس کو دوسرے کے پاس بھیج دیتے۔ دوسرا تیسرے کے پاس' یہاں تک کہ وہ سوالی پھر پہلے کے پاس آجاتا۔ روایت میں ہے کہ اصحاب صفہ میں سے کسی کے پاس ایک بھنی ہوئی سری بطور ہدیہ آئی۔ اس وقت اصحاب صفہ نہایت تنگ دستی کی زندگی گذار رہے تھے۔ ان صحابی نے وہ ہدیہ دوسرے کی طرف بڑھادیا۔ دوسرے نے تیسرے کو' بالآخر پہلے ہی کو واپس مل گیا۔ اس تفصیل کی روشنی میں ہمارے زمانے کے علمائے کرام کی حالت کا جائزہ لیجئے اور غور کیجئے کہ حالات کس قدر بدل گئے ہیں۔ پہلے لوگ جس چیز سے بھاگتے تھے اب وہ مطلوب بن گئی ہے اور جو شے پہلے کبھی مطلوب تھی اب اس سے نفرت کی جانے لگی ہے۔

فتویٰ دینے کی ذمہ داری سے بچنے کو مستحسن سمجھا گیا ہے۔ جیسا کہ روایت میں ہے کہ لوگوں کو فتویٰ نہ دیں مگر تین آدمی امیر یا مامور یا متکلف۔ (۱) بعض اکابر فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام چار چیزوں کو ایک دوسرے پر ڈالا کرتے تھے۔ اول امامت' دوم وصیت' سوم امانت' چہارم فتویٰ۔ بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ جس کو کم علم ہوتا وہ فتویٰ دینے کے لیے جلد تیار ہوجاتا اور جو زیادہ پرہیزگار ہوتا وہ کسی دوسرے پر ٹالنے کی کوشش کرتا۔ صحابہ کرام اور تابعین زیادہ پانچ امور میں مشغول رہتے۔ قرآن کریم کی تلاوت کرنا' مساجد کو آباد کرنا' اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا' اچھائی کا حکم دینا' برائی سے منع کرنا۔ اس لیے کہ ان حضرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا تھا۔

كل كلام ابن آدم عليه لا له الا ثلثة امر بمعروف او نهى عن منكر او ذكر الله تعالٰى (ترمذی' ابن ماجہ)

ابن آدم کی تمام باتیں اس کے لیے مضر ہیں مگر تین باتیں اس کے لیے مفید ہیں۔ اچھی بات کا حکم کرنا' بری باتوں سے منع کرنا اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا۔

قرآن پاک میں ہے :

لَا خَيْرَ فِىْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوَاهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ۔ (پ ۵' ر ۱۴' آیت ۱۴)

نہیں ہے کوئی خیر ان کی بہت سی سرگوشیوں میں مگر جو شخص صدقہ کے لیے کہے یا نیک کام کا حکم دے یا لوگوں کے درمیان صلح کرائے۔

کسی عالم نے ایک ایسے شخص کو خواب میں دیکھا جو اجتہاد کیا کرتا تھا اور فتوے دیا کرتا تھا۔ عالم نے ان سے پوچھا تمہیں اپنا اجتہاد اور فتووں سے کوئی فائدہ پہنچا؟ انہوں نے ناک چڑھائی اور منہ پھیر کر کہا : یہ چیزیں کچھ کام نہ آئیں۔ ابن حفص فرماتے

(۱) یہ روایت دوسرے باب میں گذر چکی ہے وہاں امیر اور متکلف کے معنی بھی بیان کیے گئے ہیں۔ مترجم

ہیں کہ آج کل کے علماء ایسے ایسے سوالات کا جواب دیتے ہیں کہ اگر حضرت عمرؓ سے وہ سوالات کئے جاتے تو تمام اہل بدر کو جمع کرلیتے۔ خلاصہ یہ ہے کہ خاموش رہنا ہمیشہ سے اہل علم کا قاعدہ رہا ہے وہ لوگ بغیر ضرورت کے کبھی کچھ نہ فرماتے۔ حدیث شریف میں ہے :

اذا رایتم الرجل قد اوتی صمتا و زھدا فاقتربوا منہ فانہ یلقن الحکمۃ (ابن ماجہ)

جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ اسے خاموشی اور زہد میسر ہے تو اس سے قریب ہو جاؤ اس لیے کہ اسے حکمت کی تعلیم دی جاتی ہے۔

بعض اکابر فرماتے ہیں کہ عالم دو ہیں۔ ایک عوام کا عالم' یہ شخص مفتی کہلاتا ہے۔ مفتی بادشاہوں کے مصاحب ہوتے ہیں۔ ایک خواص کا عالم' یہ شخص توحید اور قلب کے اعمال کا علم رکھتا ہے۔ ایسے لوگ متفرق اور تنہا رہتے ہیں۔ بزرگان سلف میں یہ بات مشہور تھی کہ امام احمد ابن حنبل دجلے کی طرح ہیں۔ ہر شخص اس میں سے اپنی وسعت کے بقدر پانی لے لیتا ہے اور بشر ابن حارث اس میٹھے کنویں کی طرح ہیں جو ڈھکا ہوا ہو۔ ایسے کنویں سے ایک وقت میں صرف ایک شخص ہی مستفید ہو سکتا ہے۔ پہلے زمانے میں بھی کہا جاتا تھا کہ فلاں شخص عالم ہے۔ فلاں متکلم' فلاں شخص کو کلام میں زیادہ دستگاہ ہے اور فلاں شخص علم میں مہارت رکھتا ہے۔ ابو سلیمانؒ فرماتے ہیں کہ معرفت کلام کی بہ نسبت سکوت سے زیادہ قریب تر ہے۔ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ جب علم زیادہ ہوتا ہے تو کلام میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے حضرت ابوالدرداءؓ کو ایک خط لکھا۔ ان دونوں صحابیوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رشتہ اخوت قائم کردیا تھا۔ (۱) خط کا مضمون یہ تھا :

"بھائی ! میں نے سنا ہے کہ تمہیں لوگوں نے مسند طب پر بٹھادیا ہے اور اب تم مریضوں کا علاج کیا کرتے ہو۔ مگر اچھی طرح سوچ سمجھ لو۔ اگر حقیقت میں تم طبیب ہو تب تو کلام کرنا' اس صورت میں تمہارا ہر لفظ مریضوں کے لیے شفاء ہوگا اور اگر تم بہ تکلف طبیب بنے ہو تو خدا سے ڈرو۔ مسلمانوں کی زندگی سے مت کھیلو۔"

اس خط کے بعد حضرت ابوالدرداءؓ سے جب کوئی دوا کے لیے کہتا تو آپ تھوڑی دیر توقف فرماتے پھر دوا تجویز کرتے۔ حضرت انسؓ سے جب کوئی سوال کرتا تو آپ فرماتے ! ہمارے آقا حسنؒ سے دریافت کرو۔ حضرت ابن عباسؓ سائل کو حضرت جابر ابن یزیدؒ کے پاس بھیج دیتے۔ حضرت ابن عمرؓ کہہ دیا کرتے کہ سعید ابن المسیب سے پوچھو۔ روایت ہے کہ ایک صحابیؓ نے حضرت حسن بصریؒ کے سامنے بیس حدیثیں بیان کیں۔ لوگوں نے ان احادیث کی تشریح کے لیے عرض کیا' فرمایا میں صرف روایات کے الفاظ کا علم رکھتا ہوں۔ بعد میں حسن بصریؒ نے ایک ایک حدیث کی الگ الگ تشریح بیان کی۔ لوگوں کو آپ کے حسنِ بیان اور قوتِ حفظ پر بڑی حیرت ہوئی۔ ان صحابیؓ نے مٹھی بھر کنکر لوگوں کی طرف اچھال کر فرمایا کہ تم مجھ سے علمی باتیں معلوم کرتے ہو حالانکہ اتنا بڑا عالم تمہارے یہاں موجود ہے۔

ساتویں علامت : علمائے آخرت کی ساتویں علامت یہ ہے کہ ان میں علم باطن حاصل کرنے کی لگن ہو اور وہ دل کی نگرانی' طریقِ آخرت کی معرفت اور اس پر چلنے کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کریں اور یہ امید رکھیں کہ مجاہدے اور مراقبے سے یہ سب امور منکشف ہو جائیں گے۔ اس لیے کہ مجاہدے سے مشاہدے کو راہ ملتی ہے اور دل کے علوم کی باریکیوں کا علم ہوتا ہے۔ پھر ان سے دل میں حکمت کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ اس باب میں کتابیں اور تعلیم و تعلم کافی نہیں ہے بلکہ اس کے لیے ضرورت ہے کہ آدمی مجاہدہ کرے۔ اپنے قلب کا نگراں رہے۔ اعمال ظاہر اور اعمال باطن کی تکمیل کرے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے خلوت میں حضورِ دل اور صفائے فکر و خیال کے ساتھ بیٹھے۔ اس کے علاوہ ہر چیز سے تعلق منقطع کرلے۔ اس صورت میں اس پر لامحدود حکمت کے در وا ہوں گے۔ یہی چیزیں کلید الہام ہیں۔ منبع کشف ہیں۔ بہت سے کرعمل اور دل کی صفائی و نگرانی میں مشغول ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے

(۱) بخاری میں ابو جحیفہ سے مواخاۃ کی روایت موجود ہے۔

کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو گناہ نہ رکھتا ہو، لیکن جس کی فطرت عقل ہے اور جس کی عادت یقین ہے اسے گناہ نقصان نہیں پہنچاتے۔ اس لیے کہ وہ جب گناہ کرتا ہے توبہ کرلیتا ہے، استغفار کرتا ہے، اور اظہار مذمت کرتا ہے اس لیے اس کے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں، اور نیکیاں باقی رہتی جن سے جنت میں چلا جاتا ہے۔

ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں :

ان اقل مااوتیتم الیقین و عزیمۃ الصبر، ومن اعطی حظہ منھما لم یبال مافاتہ من قیام اللیل وصیام النہار۔

کم سے کم جو چیز تمہیں دی گئی ہے وہ یقین اور صبر کی عزیمت ہے، اور جس کو ان دونوں کا زیادہ حصہ مل گیا اسے اسکی پروا نہیں کہ رات کی نماز میں (تہجد) اور دن کے روزے (نفلی) اسے نہیں ملے۔

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو جو نصیحتیں کی ہیں ان میں یہ نصیحت بھی ہے کہ بیٹا! عمل یقین کے بغیر ممکن نہیں، آدمی اپنے یقین کے بقدر ہی عمل کرتا ہے، اور عامل کا یقین اس وقت تک کم نہیں ہوتا جب تک وہ عمل میں کوتاہی نہیں کرتا۔ یحییٰ ابن معاذؒ فرماتے ہیں کہ توحید کا ایک نور ہے اور شرک کی ایک آگ ہے، شرک کی آگ سے مشرکوں کی جس قدر نیکیاں جلتی ہیں اس سے کہیں زیادہ موحّدین کی برائیاں توحید کے نور سے جل جاتی ہیں۔ نورِ توحید سے مراد یہاں یقین کا نور ہے: قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے چند جگہوں پر موقنین (یقین والوں) کا ذکر سے اس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ یقین خیر اور اخروی سعادت کا ذریعہ ہے۔

یقین کے معنی : یہاں یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ یقین کے کیا معنی ہیں، اور اس کی قوت یا ضعف کا کیا مفہوم ہے؟ یہ سوال بے حد ضروری ہے، اس لیے کہ جب تک یقین کی حقیقت سمجھ میں نہ آئے اس وقت تک اس کا حصول کیسے ممکن ہے؟ یقین ایک مشترک لفظ ہے جسے دو مختلف گروہ مختلف معنی کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ یقین کے معنی اوّل۔ اہل مناظرہ اور اہل کلام کے نزدیک یقین کے معنی ہیں شک نہ ہونا۔ اس لیے کہ نفس جب کسی چیز کی تصدیق کرتا ہے تو اس کی چار حالتیں ہوتی ہیں (۱) ایک یہ کہ تصدیق، اور تکذیب دونوں برابر ہوں۔ اس کا نام شک ہے۔ مثلاً آپ سے اگر کسی معین شخص کے متعلق دریافت کیا جائے کہ اسے عذاب ہوگا یا نہیں، اور اس شخص کی حالت سے آپ واقف نہیں، اس صورت میں آپکا نفس نہ اثبات کی طرف مائل ہوگا اور نہ نفی کی طرف، بلکہ دونوں صورتیں آپ کے خیال میں ممکن ہوں گی۔ اس حاصل کو شک کہتے ہیں۔ (۲) دوسری حالت یہ ہے کہ آپ کا نفس دونوں باتوں میں سے کسی ایک کی طرف رجحان رکھتا ہو۔ لیکن ساتھ ہی دوسری بات بھی ممکن ہو۔ لیکن ظاہر اول کی ترجیح میں کوئی امر مانع نہ ہو۔ مثلاً جس شخص کو آپ نیک بخت اور متقی سمجھتے ہیں اس کے متعلق کوئی آپ سے دریافت کرنے لگے تو آپ کا نفس اس کی نجات کی طرف زیادہ مائل ہوگا۔ اس لیے کہ سعادت کی تمام علامتیں واضح ہیں۔ حالانکہ اس کا بھی امکان ہے کہ اس کے باطن میں کوئی امر ایسا بھی ہو جو اس کے عذاب کا باعث بن سکتا ہو، لیکن یہ محض امکان ہے، آپ اس کو راجح نہیں سمجھتے، اس حالت کا نام ظن ہے۔

(۳) تیسری حالت یہ ہے کہ نفس کسی چیز کی تصدیق کی طرف اس طرح مائل ہو کہ وہ تصدیق نفس پر چھا جائے، اور اس کے خلاف کا تصور بھی نہ ہو۔ اگر خلاف کا تصور بھی ہو تو نفس اسے تسلیم کرنے سے انکار کردے۔ مگر یہ تصدیق حقیقی معرفت کے ساتھ ہے، مطلب یہ ہے کہ اس حالت والا اگر اس امر میں غور و فکر کرے، شکوک و شبہات سنے اور ان پر توجہ دے تو اس کے نفس میں کسی شبہے کی گنجائش نکل سکتی ہے، اس حالت کو اعتقاد قریب الیقین کہتے ہیں۔ جیسا کہ تمام امور شرعیہ میں عوام کا اعتقاد کہ محض سننے سے دلوں میں راسخ ہوجاتا ہے۔ حتی کہ ہر شخص صرف اپنے مذہب کو صحیح اور حق سمجھتا ہے۔ ایسے لوگ اعتقاد رکھتے ہیں کہ صرف

ان کا امام صحیح کہتا ہے۔ اگر کوئی شخص ان کے سامنے ان کے امام کی غلطی بیان بھی کرے تو یہ ماننے سے انکار کر دیتے ہیں۔
(۴) چوتھی حالت کا نام تصدیق اور معرفت حقیقی ہے' یہ تصدیق دلیل سے حاصل ہوتی ہے' اس میں نہ خود شک ہوتا ہے' نہ اس کا امکان ہوتا ہے کہ دوسرا شک میں مبتلا کرے' یہ حالت اہل مناظرہ اور اہل کلام کے یہاں یقین کہلاتی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کسی عقلمند سے یہ کہا جائے کہ دنیا میں ایک چیز ایسی بھی ہے جو قدیم ہے؟ یہ شخص اپنی عقل و فہم کے باوجود فوراً اس کی تصدیق نہیں کر سکتا' اس لیے کہ قدیم محسوس چیز نہیں' وہ نہ آفتاب ماہتاب کی طرح ہے جن کے وجود کی تصدیق آنکھ کے ذریعہ ہوتی ہے۔ کسی چیز کی قدامت اور ازلیت کا جاننا بدیہی یا اولی نہیں ہے کہ بلا تامل فیصلہ کر دیا جائے یہ حقیقت تامل کی محتاج نہیں کہ دو ایک سے زیادہ ہیں' اسی طرح اس جملہ کا جاننا بھی بدیہی ہے کہ حادث کا وجود سبب کے بغیر محال ہے' اس میں بھی تامل کی ضرورت نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ عقل قدیم کے وجود کے بداہتہً تصدیق کرنے میں توقف کرتی ہے۔ پھر اس میں بھی بعض لوگ تو ایسے ہیں جو قدیم کے وجود کا عقیدہ سنتے ہیں' اور اس کی مکمل تصدیق کرتے ہیں۔ ---------- یہ تصدیق اعتقاد کہلاتی ہی۔ عوام کی تصدیق یہی ہے۔ بعض لوگ قدیم کے وجود کی دلیل کے بغیر تصدیق نہیں کرتے۔ مثلاً اس طرح کی دلیل دی جاتی ہے کہ اگر کوئی قدیم موجود نہ ہو تو سب موجودات حادث رہیں گے۔ جب سب حادث ہوں گے تو یا وہ سب بلا سبب حادث ہوں گے' یا ایک بلا سبب حادث ہو گا' اور یہ محال ہے۔ قاعدہ یہ ہیکہ جس بات سے محال لازم آئے وہ خود محال ہے۔ اس دلیل سے عقل قدیم کے وجود کی تصدیق پر مجبور ہے۔ اس لیے کہ موجودات تین قسم کے ہیں۔ یا سب قدیم ہوں۔ یا سب حادث' یا بعض قدیم ہوں اور بعض حادث' اگر سب قدیم ہوں تو مطلب حاصل ہے' اس لیے کہ قدیم کا وجود ثابت ہو گیا' اور اگر سب حادث ہوں تو یہ محال ہے کیونکہ اس سے سبب کے بغیر حادث کا وجود لازم آتا ہے' اس سے بھی قدم کا اثبات ہوتا ہے۔ اس طرح حاصل کیا ہوا علم ان لوگوں کی اصطلاح میں یقین کہلاتا ہے' چاہے یہ علم دلیل کے ذریعہ حاصل ہوا ہو' جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا' یا حس سے' یا عقل سے جیسے سبب کے بغیر حادث کے محال ہونے کا علم' یا متواتر سننے سے جیسے مکہ کے موجود ہونے کا علم' یا تجربے سے جیسے اس کا جاننا کہ جوش دیا ہوا اسقمونیا (دوا کا نام) دست آور ہے' چنانچہ ہر وہ علم جس میں شک نہ ہو اہل مناظرہ کے یہاں یقین کہلاتا ہے۔ اس اصطلاح کے مطابق یقین کو قوی یا ضعیف نہیں کہہ سکتے۔ اس لے کہ شک نہ ہونے میں قوت یا ضعف کا فرق نہیں ہوتا۔

دوسری اصطلاح : فقہاء اور صوفیاء کی ہے۔ اس اصطلاح کے مطابق یقین وہ ہے جس میں شک کا اعتبار نہ کیا جائے بلکہ عقل و خرد پر اس کے غلبے کا اعتبار کیا جائے۔ چنانچہ یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص موت کے سلسلے میں ضعیف الیقین ہے' حالانکہ موت میں اسے کوئی شک نہیں ہے۔ یا یہ کہ فلاں شخص رزق کے سلسلے میں پختہ یقین رکھتا ہے۔ حالانکہ یہ ممکن ہے کہ کسی دن وہ بھوکا ہی رہ جائے۔ گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ جب نفس کسی چیز کی تصدیق کی طرف مائل ہو اور یہ تصدیق دل و دماغ پر اس طرح غالب اور مسلط ہو کہ اختیار و انکار میں اسی کا حکم چلتا ہو' وہی مؤثر ہو' یہی حالت یقین کہلاتا ہے۔ چنانچہ یقین کی پہلی اصطلاح کے مطابق موت کے سلسلے میں سب لوگوں کا یقین برابر ہے۔ یعنی اس میں کسی کو کسی طرح کا شک نہیں مگر دوسری اصطلاح کے مطابق سب کو یقین حاصل نہیں ہے۔ اس لیے کہ بعض لوگ ایسے ہیں جو موت کی طرف سے غافل ہیں گویا ان کو اس کا یقین نہیں ہے۔ بعض لوگوں کے دلوں پر یہ یقین اس طرح غالب ہے کہ دن رات موت کی تیاری میں مصروف رہتے ہیں۔ یہ حالت پختہ یقین والوں کی ہوتی ہے۔ اسی لیے کسی دانشور کا قول ہے کہ جس یقین میں شک نہ ہو اور وہ اس شک کے مشابہ ہو جس میں یقین نہ ہو صرف موت ہے۔ موت کے علاوہ کسی دوسری چیز پر یہ تعریف صادق نہیں آتی۔ اس اصطلاح کے مطابق یقین میں قوت اور ضعف ہو سکتا ہے۔
علمائے آخرت کی ہم نے یہ علامت بیان کی ہے کہ ان کی توجہ یقین کو مضبوط تر بنانے کی طرف زیادہ سے زیادہ ہو۔ اس سے مراد وہ یقین ہے جو یقین کی دونوں اصطلاحوں کے مطابق ہو۔ یعنی یہ کہ پہلے شک دور ہو اور پھر نفس پر یقین کا تسلط ہو جائے' یہ تسلط

اس طرح پر ہو کہ نفس کا ہر تصرف اسی یقین کے دائرے میں ہو۔ اس تفصیل سے آپ یہ بھی جان لیں گے کہ یقین کا تین قسموں پر مبنی ہونے کا کیا مطلب ہے (۱) اس کا قوی اور ضعیف ہونا (۲) زیادہ اور کم ہونا (۳) پوشیدہ اور ظاہر ہونا۔

جہاں تک یقین کی قوت اور ضعف کا سوال ہے' یہ یقین کے دوسرے معنی (فقہاء اور صوفیاء کی اصطلاح) سے تعلق رکھتا ہے۔ قوت اور ضعف کے اعتبار سے یقین کے درجات بے شمار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ موت کی تیاری کے سلسلے میں بھی لوگوں کی حالت ایک دوسرے سے مختلف ہے' تیاری کا یہ اختلاف یقین کے درجات کی نشاندہی کرتا ہے۔ یقین کی پوشیدگی اور ظہور کا بھی انکار نہیں کیا جاسکتا ہے یقین کے پہلے اور دوسرے معنی میں پوشیدگی اور ظہور کا فرق موجود ہے۔ مثلاً مکہ مکرمہ اور فدک کے موجود ہونے کا آپ کو یقین ہے۔ اسی طرح آپ حضرت موسیٰ اور یوشع علیہما السلام کے وجود کا بھی یقین رکھتے ہیں۔ ان دونوں کی تصدیق میں آپ کوئی شک نہیں کرتے' اس لیے دونوں کا ثبوت خبر متواتر سے ملتا ہے۔ مگر مکہ اور فدک کی تصدیق آپ کے دل میں زیادہ روشن' ظاہر اور نمایاں ہے' جب کہ دوسرے امر کی تصدیق کا یہ حال نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مکہ اور فدک کی تصدیق آپ مخبروں کی کثرت کی بنیاد پر کرتے ہیں۔ اسی طرح مناظر بھی اپنے معتقدات میں یہ فرق پاتا ہے۔ مثلاً اس کا ایک نظریہ کئی دلیلوں سے ثابت ہے' اور ایک نظریئے کا اثبات صرف ایک دلیل سے ہو رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ پہلے نظریئے میں اس کا یقین دوسرے نظریئے کے مقابلے میں زیادہ واضح اور نمایاں ہوگا۔ حالانکہ ان دونوں میں سے کسی ایک میں بھی وہ شک نہیں کرتا لیکن یقین کے درجات مختلف ہیں۔ کبھی کبھی متکلم اس فرق کا انکار کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ علم کتابوں سے اور سماع سے حاصل کرتا ہے وہ اپنے دل میں معلومات کے مختلف احوال اور درجات کا جائزہ نہیں لیتا۔ یہ قوت و ضعف اور ظہور و خفاء کی بحث تھی یقین کی کثرو قلت کا تعلق متعلقات یقین سے ہے۔ مثلاً یہ کہا جاتا ہے "فلاں علم میں فلاں سے زیادہ ہے" اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ فلاں شخص کی معلومات فلاں کے مقابلے میں زیادہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عالم کبھی تو تمام امور شرعیہ پر پختہ یقین رکھتا ہے۔ اور کبھی بعض امور شرعیہ پر۔ پہلے کا تعلق اس عالم سے ہے جس کا علم زیادہ ہے اور دوسرے کا تعلق اس علم سے ہے۔ جس کا علم کم ہے۔

یقین کے متعلقات : یہاں یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ یقین کے متعلقات کیا ہیں؟ یقین کا محل کیا ہے؟ اور یقین کن امور میں مطلوب ہوتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ یقین کا محل وہ امور ہیں جو انبیاء علیہم السلام لیکر آئے ہیں۔ یقین ایک مخصوص معرفت کا نام ہے اور اس کا تعلق ان معلومات سے ہے جو شریعتیں لائی ہیں۔ اس اعتبار سے یہ بے شمار معلومات ہیں جو یقین کا محل بن سکتی ہیں عاجز و ناتواں بندے کے لیے ممکن نہیں ہے کہ وہ ان بے شمار معلومات کا احاطہ کرسکے' اس لیے ہم اصل اور بنیادی امور بیان کئے دیتے ہیں۔

ان میں سے ایک توحید ہے' یعنی یہ اعتقاد کرنا کہ تمام مخلوق ایک مسبب الاسباب سے ہیں۔ بندہ کی نظر وسیلوں پر نہ رہے' بلکہ وسائل کو بے اثر سمجھے اور انھیں مسبب الاسباب کا تابع تصور کرے۔ یہ شخص موحد ہوگا کیونکہ اس نے محض تصدیق کی ہے۔ پھر اگر تصدیق کے ساتھ دل میں کوئی شک بھی باقی نہ رہے۔ یہ شخص پہلی اصطلاح کے مطابق صاحب یقین کہلائے گا۔ پھر اگر ایمان کے ساتھ تصدیق اس طرح غالب ہو جائے کہ درمیانی چیزیں اس کے نزدیک بالکل بے اثر ہو کر رہ جائیں' نہ ان پر وہ اظہار ناراضگی کرے' نہ ان سے خوش ہو' اور نہ ان کا ممنون و مشکور ہو' بلکہ انھیں ایسا سمجھے جیسا کہ قلم اور ہاتھ انعام دینے والے کے تابع ہیں' اصل انعام سے ان کا کوئی تعلق نہیں، اس صورت میں وہ دوسری اصطلاح کے مطابق صاحب یقین کہلائے گا۔ یہ یقین افضل و اعلیٰ ہے۔ یہ پہلے یقین کا ثمرہ' اس کا فائدہ اور اس کی روح ہے۔ جب آدمی یہ یقین کرلیتا ہے کہ سورج' چاند' ستارے' جمادات' نباتات' حیوانات اور تمام مخلوق خدا تعالیٰ کے امر کے اس طرح مسخر ہیں جیسے قلم کاتب کے ہاتھ میں مسخر ہے' اور ان سب

کا سرچشمہ صرف قدرت ازلیہ ہے۔ تو اس کے دل پر توکل' رضا و تسلیم کا غلبہ ہو جاتا ہے' اور وہ غصہ' کینہ' حسد اور بد خلق سے پاک وصاف ہو جاتا ہے۔

یقین کا دوسرا محل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ پر اعتماد کرے جو اس نے رزق کے سلسلے میں کیا ہے:

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا۔ (پ ۱۲' ر ۱' آیت ۶)

اور کوئی جاندار روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ اس کی روزی اللہ کے ذمے نہ ہو۔

اس سلسلے میں یہ یقین کرنا ہے کہ اللہ کا رزق مجھے ضرور ملے گا' اور جو کچھ میری قسمت میں ہے وہ مجھے تک پہنچ کر رہے گا۔ جب یہ بات دل پر غالب ہو جائیگی تو وہ شخص حلال ذرائع سے رزق حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ اور جو چیز اسے نہیں ملے گی اس پر افسوس نہیں کرے گا۔ نہ دامنِ حرص دراز کرے گا۔ اس یقین کا ثمرہ بھی بہت عمدہ ہے۔

یقین کا دوسرا محل یہ ہے کہ بندہ کے دل پر اس آیت کریمہ کے معانی کا غلبہ ہو:

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ۔ (پ ۳۰' ر ۲۴' آیت ۷-۸)

سو جو شخص دنیا میں ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ (وہاں) اس کو دیکھ لے گا اور جو ذرّہ برابر بدی کرے گا وہ اسکو دیکھ لے گا۔

یعنی اسے ثواب و عذاب کا یقین ہو' اور یہ سمجھے کہ اطاعت کو ثواب سے ایسا تعلق ہے جیسا کہ روٹی کو پیٹ بھرنے سے تعلق ہے' اور گناہوں سے عذاب کو وہ رشتہ ہے جو زہر کا ہلاک کرنے سے' جس طرح انسان پیٹ بھرنے کے لیے روٹی حاصل کرنے کا حریص ہوتا ہے' تھوڑی بہت جتنی اسے حاصل ہو اس کی حفاظت کرتا ہے اسی طرح بندۂ مؤمن کو طاعات کا حریص ہونا چاہیے اور چھوٹی بڑی جسقدر طاعات ہیں اس میں ان سب کو بجالانے کا جذبہ موجود ہونا چاہیے' جسطرح انسان زہر سے بچتا ہے چاہے وہ تھوڑا ہو یا بہت' اسی طرح بندے کو گناہوں سے بچانا چاہیئے چاہے وہ صغیرہ گناہ ہوں یا کبیرہ۔ جہاں تک یقین کی پہلی اصطلاح کا تعلق ہے۔ اس کے مطابق اس امر کا یقین اکثر اہلِ ایمان کو ہوتا ہے' لیکن دوسری اصطلاح کے مطابق خاص مقربین کو ہوتا ہے۔ اس یقین کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی اپنی حرکات و سکنات' افکار و خیالات کا جائزہ لیتا رہتا ہے۔ تقویٰ اختیار کرنے' اور برائیوں سے بچنے کے لیے پوری کوشش کرتا ہے چنانچہ جس قدر یہ یقین غالب ہوگا۔ اسی قدر گناہوں سے احتراز اور اطاعت کے لیے مستعدی میں اضافہ ہوگا۔

یقین کا چوتھا محل یہ ہے کہ انسان یہ اعتقاد کرے کہ اللہ تعالیٰ میری ہر حالت اور ہر کیفیت سے واقف ہے۔ میرے دل کے وسوسوں اور مخفی افکار و خیالات پر اس کی نظر ہے۔ پہلی اصطلاح کے مطابق اس کا یقین ہر مومن کو ہوتا ہے' لیکن دوسری اصطلاح کے مطابق یہ یقین نادر و نایاب ہے' جب کہ یہی یقین مقصود ہے' صدیقین اس مرتبے کا یقین رکھتے ہیں۔ اس یقین کا ثمرہ یہ ہے کہ انسان تنہائی میں بھی اپنے تمام افعال میں ادب سے رہتا ہے بالکل اس شخص کی طرح جو کسی بڑے بادشاہ کے سامنے مصروف عمل ہو۔ گردن جھکی ہوئی ہے' اور کام میں مشغول ہے۔ وہ ہر ایسی حرکت سے بچنے کی کوشش کرتا ہے جو ادب کے خلاف ہو' چنانچہ جب بندے کو یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ اس کے باطن سے اسی طرح واقف ہے جس طرح لوگ اس کے ظاہر سے واقف ہیں تو اسے ظاہر و باطن کے اعمال میں یکسانیت پیدا کرنی چاہیے بلکہ باطن کی تعمیر' صفائی اور تطہیر و تزئین میں زیادہ مبالغہ کرنا چاہیے جو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی نظر میں ہے۔ یقین کے مقام سے حیا' خوف' انکساری' تواضع' خشوع' خضوع اور کچھ دوسرے اخلاق فاضلہ پیدا ہوتے ہیں۔ اور ان اخلاق سے دوسری طاعتوں کو تحریک ہوتی ہے۔

ان امور میں سے کسی بھی ایک امر میں یقین کی مثال درخت ہے۔ اخلاق فاضلہ اس درخت سے نکلی ہوئی شاخوں کے مشابہ

ہیں' اور اعمال و طاعات جو اخلاق سے جنم لیتی ہیں وہ پھول اور پھل کی طرح ہیں جو شاخوں پر نکلتے ہیں' مختصر یہ کہ یقین ہی ایمان کی بنیاد اور اساس ہے۔

یقین کے محل اور مقامات بیشمار ہیں۔ چوتھی جلد میں انشاء اللہ ان مقامات کی تفصیل بیان کریں گے۔ لفظ یقین کے معنی سمجھانے کے لیے یہاں اسی قدر کافی ہے۔

نویں علامت : علمائے آخرت کی نویں علامت یہ ہے کہ وہ انکساری اور تواضع کے ساتھ زندگی گذاریں' سر جھکائے رہیں' غمگین اور خاموش رہیں' شکل و صورت' لباس' حرکات و سکنات' گفتگو اور خاموشی ہر چیز میں خوف و خشیت کا اثر نمایاں ہو' جب انھیں کوئی دیکھے تو خدا یاد آئے' ظاہر حال ان کی نیک عملی کی دلیل ہو' علمائے آخرت کی انکسار' تواضع اور وقار کا اندازہ ان کے چہرے سے ہوجاتا ہے' بعض اکابر کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندہ کو کوئی لباس اس سے زیادہ حسین نہیں پہنایا جس میں تواضع کے ساتھ وقار بھی ہو۔ یہ لباس انبیاء علیہم السلام کا ہے۔ اور یہی لباس صدیقین اور علمائے آخرت کی علامت ہے۔ زیادہ بولنا' ہمیشہ ہنستے رہنا' بولنے اور حرکت کرنے میں تیزی کرنا شیخی خوروں کی علامتیں ہیں' اور ان لوگوں کی علامتیں ہیں جو خدا کے عذاب عظیم' اور شدّت غضب سے غافل ہوں' یہ ان علمائے دنیا کا طریقہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو بھولے ہوئے ہوں۔ علمائے باللہ کا یہ طریقہ نہیں۔ اس لیے کہ عالم سہیل تستریؒ کے بہ قول تین ہے۔ ایک وہ کہ اللہ تعالیٰ سے اور اس کے امر سے واقف ہے' لیکن اس کے ایام سے واقف نہیں' یہ ان علماء کے گروہ میں شامل ہے جو حلال و حرام کے باب میں فتویٰ دیتے ہیں' لیکن یہ علم خشیّت الٰہی پیدا نہیں کرتا۔ دوسرا وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے واقف ہے لیکن اس کے امر اور ایام سے واقف نہیں۔ یہ شخص عام مؤمنین کے گروہ میں ہے۔ تیسرا وہ عالم ہے جو اللہ تعالیٰ کو بھی جانتا ہے اور اس کے امر و ایام سے بھی واقف ہے۔ یہ شخص صدّیقین کے زمرہ میں ہے۔ خوف اور تواضع کا غلبہ صرف ان ہی لوگوں پر ہوتا ہے۔ ایّام سے ان کی مراد عقوبات کی قسمیں اور اللہ تعالیٰ کی پوشیدہ نعمتیں ہیں' جن سے اللہ تعالیٰ نے گذشتہ اور موجودہ امّتوں کو نوازا ہے۔ جس شخص کا علم ان سب چیزوں کو محیط ہوگا اس کو خدا کا خوف بھی زیادہ ہوگا۔ اور اس کی تواضع اور انکساری بھی نمایاں ہوگی۔

حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ علم حاصل کرو اور علم کے لیے وقار اور حلم سیکھو' جس شخص سے علم سیکھو اس کے لیے تواضع اختیار کرو' جو شخص تم سے علم حاصل کرے اسے تمہارے سامنے تواضع سے پیش آنا چاہیے' جابر علماء مت بنو کہ تمہارا علم جہل کے برابر بھی نہ ہو۔ کسی دانشور کا قول ہے کہ جب اللہ کسی کو علم عطا کرتا ہے تو اسے علم کی ساتھ ساتھ حلم' تواضع' خوش مزاجی اور نرم گفتگو بھی دیتا ہے۔ مفید علم اسی کا نام ہے۔ کسی بزرگ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ علم' زہد' تواضع اور حسن اخلاق جیسی صفات کا حامل بنائے وہ متقیوں کا امام ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

> ان من خیار امتی قوما یضحکون جهرا من سعة رحمة الله' ویبکون سرا من خوف عذابه' ابدانهم فی الارض' و قلوبهم فی السماء' ارواحهم فی الدنیا' وعقولهم فی الآخرة' یتشمون بالسکینة ویتقربون بالوسیلة (حاکم و بیہقی)
>
> میری امت سے بعض اچھے لوگ ایسے ہیں جو بظاہر میری نعمتوں کے وسیع ہونے سے ہنستے ہیں اور بباطن میرے عذاب کے خوف سے روتے ہیں' ان کے جسم زمین پر ہیں اور ان کے دل آسمان پر ہیں' ان کی روحیں دنیا میں ہیں' اور عقلیں آخرت میں' یہ لوگ وقار کے ساتھ چلتے ہیں' اور وسیلہ سے اللہ تعالیٰ کا تقرب چاہتے ہیں (یعنی وہ کام کرتے ہیں جس سے اللہ کا تقرب حاصل ہو)۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ حلم علم کا وزیر' نرمی اس کا باپ' اور تواضع اس کا لباس ہے۔ بشر ابن حارث کہتے ہیں کہ جو شخص علم کے ذریعہ اقتدار کا خواہشمند ہو' اللہ تعالیٰ کی قربت اس کی دشمن ہے اس لیے کہ وہ شخص زمین و آسمان میں مبغوض ہے۔

بنی اسرائیل کی روایات میں ہے کہ ایک حکیم نے حکمت کے فن میں تین سو ساٹھ کتابیں لکھیں' بڑی شہرت پائی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی قوم کے نبی پر وحی بھیجی کہ فلاں شخص سے کہہ دو کہ تو نے اپنی بکواس سے زمین بھردی اور کبھی میری رضا کی نیت نہیں کی میں تیرا کوئی عمل قبول نہیں کرتا۔ جب اس حکیم کو اس وحی کی اطلاع ہوئی تو بڑا نادم ہوا۔ اور اپنی عادت ترک کی' عوام میں اٹھنا بیٹھنا شروع کیا' بازاروں میں پھرا' بنی اسرائیل کے ساتھ کھانے پینے میں شریک ہوا' اور اپنے دل میں انکساری کا جذبہ پیدا کیا۔ تب اللہ نے ان کے نبی پر وحی بھیجی کہ اس سے کہہ دو کہ اب تجھے میری رضامندی کی توفیق حاصل ہوئی ہے۔ اوزاعیؒ بلال ابن اسعد کا یہ مقولہ نقل کرتے ہیں کہ تم میں سے اگر کوئی شحنہ کے سپاہی کو دیکھتا ہے تو اس سے خدا کی پناہ مانگتا ہے' اور ان علمائے دنیا کو دیکھتا ہے جو بری عادتیں رکھتے ہیں' اور منصب و جاہ کے طالب ہیں انھیں برا نہیں سمجھتا۔ حالانکہ اس سپاہی کی بہ نسبت یہ علمائے دنیا زیادہ نفرت اور دشمنی کے مستحق ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی شخص نے یہ سوال کیا :

ای الاعمال افضل؟ قال: اجتباب المحارم' ولا یزال فوک رطبا من ذکر اللہ تعالٰی' قیل! فای الاصحاب خیر؟ قال صلی اللہ علیہ وسلم! صاحب ان ذکرت اللہ اعانک وان نسیتہ ذکرک' قیل: فای الاصحاب شر؟ قال صلی اللہ علیہ وسلم: ان نسیت لم یذکرک' وان ذکرت لم یعنک' قیل: فای الناس اعلم؟ قال اشدھم للہ خشیۃ' قیل: فاخبر نا بخیار نا نجالسھم' قال صلی اللہ علیہ وسلم: الذین اذا راُوا ذکر اللہ' قیل: فای الناس شر؟ قال: اللھم اغفر! قالوا اخبر نا یا رسول اللہ! قال العلماء اذا فسدوا (۱)

کونسا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: حرام چیزوں سے بچنا' اور ہمیشہ خدا کی یاد میں رطبُ اللسان رہنا۔ عرض کیا گیا: کون سے دوست بہتر ہیں؟ فرمایا: وہ دوست اچھے ہیں کہ جب تم اللہ کا ذکر کرو تو وہ تمہاری مدد کریں' اگر تم بھول جاؤ تو وہ تمہیں یاد دلادیں' عرض کیا گیا: کون سے دوست برے ہیں؟ فرمایا: وہ دوست برے ہیں کہ جب تم اللہ کو بھول جاؤ وہ تمہیں یاد نہ دلائیں' اور جب تم اس کا ذکر کرو تو وہ تمہاری مدد نہ کریں۔ عرض کیا گیا: لوگوں میں زیادہ جاننے والا کون ہے؟ فرمایا: اللہ سے زیادہ ڈرنے والا۔ عرض کیا گیا: ہم میں سے ان بہتر لوگوں کی نشاندہی کردیجئے جن کے پاس ہم بیٹھ سکیں' فرمایا! وہ لوگ کہ جب انھیں دیکھا جائے تو خدا یاد آئے' عرض کیا گیا: بدترین لوگ کون ہیں؟ فرمایا: اللہ معاف کرے! عرض کیا گیا! یا رسول اللہ بتلا دیجئے' فرمایا: علماء جب بگڑ جائیں۔

ایک اور حدیث میں آپ کا یہ ارشاد گرامی منقول ہے:۔

ان اکثر الناس امانا یوم القیامۃ اکثرھم فکرا فی الدنیا' واکثر الناس ضحکا فی الآخرۃ اکثرھم بکاءً افی الدنیا' واشد الناس فرحا فی الآخرۃ اطولھم حزنا فی الدنیا (۲)

قیامت کے دن سب سے زیادہ مامون وہ شخص ہو گا' جو دنیا میں سب سے زیادہ فکر مند ہو' آخرت میں سب سے زیادہ وہ ہنسے گا جو دنیا میں سب سے زیادہ روئے گا' اور آخرت میں سب سے زیادہ خوش وہ ہو گا جو دنیا میں مدتوں رنجیدہ رہا ہو۔

---

(۱) یہ روایت احیاء العلوم کے بیان کردہ الفاظ میں نہیں ملی۔ البتہ دوسرے الفاظ میں یہی مضامین طبرانی ابن السنی اور دارمی نے بیان کیے ہیں۔

(۲) اس کی اصل نہیں ملی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے ایک خطبے میں ارشاد فرمایا کہ میں اس بات کا ضامن ہوں' اور اس کی پوری ذمہ داری لیتا ہوں کہ تقویٰ کی موجودگی میں عمل کی کھیتی تباہ و برباد نہیں ہو سکتی' اور نہ ہدایت کی موجودگی میں کسی کام کی جڑ بے آب رہ سکتی ہے۔ جاہل ترین شخص وہ ہے جو خوفِ خدا کی قدر نہ جانے' اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک بد ترین شخص وہ ہے جو علم کو ہر جگہ سے جمع کرے اور اس کے ذریعہ فتنوں کی تاریکیوں میں چھاپا مارے اسی طرح کے ذلیل و خوار لوگوں نے اس کا نام عالم رکھدیا ہے' حالانکہ ایک دن بھی اس نے صحیح عالمانہ زندگی نہیں گذاری' چنانچہ وہ صبح کو اٹھتا ہے' اِدھر اُدھر کی چیزیں اکٹھی کرتا ہے' جن کا کم حصہ مفید اور زیادہ حصہ غیر مفید ہوتا ہے۔ یہاں تک جب وہ سڑے ہوئے پانی سے سیراب ہو جاتا ہے اور بے فائدہ چیزیں اپنے دامن میں سمیٹ لیتا ہے تو لوگوں کا استاذ بن بیٹھتا ہے' تاکہ لوگوں کو ان کے مشتبہ امور سے نجات دلا سکے۔ اگر کوئی نیا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے تو اپنی رائے سے کام لیتا ہے درحقیقت وہ مکڑی کے جالے کی طرح پیچ در پیچ شبہات کی تاریکیوں میں الجھ گیا ہے' وہ نہیں جانتا کہ اس نے غلطی کی ہے یا ٹھیک کہا ہے؟ وہ جہالتوں کی پیٹھ پر سوار راہ علم کی ٹھوکریں کھا رہا ہے۔ جس چیز کو وہ نہیں جانتا اس کے لیے عذر نہیں کرتا تاکہ بچ جائے۔ اور نہ علم کو مضبوط پکڑتا ہے تاکہ فائدہ اٹھا سکے' خونِ ناحق اس کی ہاتھوں روتے ہیں' اس کے فیصلوں سے زنا جائز قرار پاتے ہیں۔ خدا کی قسم اس کو پیش آمدہ سوال کا جواب دینے کی قدرت حاصل نہیں' اور نہ وہ اس ذمّہ داری کا اہل ہے جو اسے تفویض کی گئی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو عذاب کے مستحق ہیں اور جن پر زندگی بھر نوحہ کرنا چاہیے"۔

ایک اور موقعہ پر حضرت علی نے فرمایا کہ تم علم سنو تو خاموش رہو۔ لایعنی اور لغو باتوں میں علم کو خلط ملط نہ کرو۔ ورنہ دل میں اس کی تاثیر نہیں ہوگی۔ بعض بزرگانِ سلف کا قول ہے کہ عالم جب ایک دفعہ ہنستا ہے تو علم کا ایک لقمہ منہ میں سے نکال دیتا ہے۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ اگر استاذ میں حسب ذیل تین باتیں ہوں تو شاگرد پر علم کی نعمتیں تمام ہونگی۔ (۱) صبر (۲) تواضع (۳) خوش اخلاقی' اور شاگرد میں یہ تین باتیں ہوں تو استاذ پر نعمت تمام ہوتی ہے۔ (۱) عقل (۲) ادب (۳) حسنِ فہم۔

حاصل یہ ہے کہ جو اخلاق کلام اللہ میں مذکور ہیں علمائے آخرت میں وہ سب بدرجۂ اتم موجود ہوتے ہیں۔ یہ لوگ قرآن کریم کا علم عمل کے لیے حاصل کرتے ہیں' صرف پڑھنے پڑھانے کے لیے نہیں حاصل کرتے۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم زندگی بھر یہی دیکھتے رہے کہ اصحابِ رسول کو قرآن کریم سے پہلے ایمان عطا ہوا تھا۔ جب کوئی سورت نازل ہوتی تھی تو ہم اس کے حلال و حرام' اور امر و نواہی کا علم حاصل کرتے تھے' اور سورت کا وہ مقام معلوم کرتے تھے جہاں توقف کرنا چاہیے' اب میں ایسے لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ انھیں ایمان سے پہلے قرآن ملتا ہے' چنانچہ وہ سورہ فاتحہ سے آخر قرآن تک پڑھ لیتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں جانتے کہ اس میں کس چیز کا حکم دیا گیا ہے' کس چیز سے منع کیا گیا ہے اور کس جگہ توقف کرنا چاہیے وہ اپنے علم سڑے گلے چھواروں کی طرح بکھیرتے چلے جاتے ہیں۔ (حاکم و بیہقی)۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ایک اور روایت میں یہی مضمون ان الفاظ میں ہے بیان کیا گیا ہے کہ ہم اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم سے پہلے ایمان عطا ہوا تھا' تمہارے بعد کچھ لوگ ایسے آئیں گے جنھیں ایمان سے پہلے قرآن ملے گا۔ وہ قرآن کے الفاظ و حروف کی پابندی کریں گے' لیکن اس کی حدود یعنی اوامر و نواہی کی تکمیل نہیں کریں گے اور یہ کہیں گے کہ ہم نے پڑھا ہے ہم سے زیادہ پڑھنے والا کون ہے' ہم نے علم حاصل کیا ہے ہم سے بڑا عالم کون ہے' ان کا حصہ قرآن میں صرف اسی قدر ہوگا' ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ یہ لوگ امّت کے بد ترین لوگ ہوں گے۔ (ابن ماجہ)

کسی عالم کا قول ہے کہ پانچ صفات علمائے آخرت کی علامت ہیں اور یہ پانچ صفات قرآن کریم کی پانچ آیت سے سمجھ آتی ہیں۔ (۱) خوف (۲) خشوع (۳) تواضع (۴) خوش خلقی (۵) یہ آخری صفت ہی اصل ہے۔ خوف الٰہی اس آیت سے سمجھو۔ قرآن حکیم میں آتا ہے۔

اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا - (پ ۲۲' ر ۱۶' آیت ۲۸)

(اور) خدا سے وہی بندے ڈرتے ہیں جو (اس کی عظمت کا) علم رکھتے ہیں۔

خشوع اس آیت سے :

خَاشِعِينَ لِلّٰهِ لَا يَشْتَرُونَ بِآيَاتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۔ (پ ۴' ر ۱۱' آیت ۱۹۹)

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے اللہ تعالیٰ کی آیت کے مقابلے میں کم قیمت معاوضہ نہیں لیتے۔

تواضع اور انکساری اس آیت سے :

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۔ (پ ۱۹' ر ۱۵' آیت ۲۱۵)

اور ان لوگوں کے ساتھ (تو مشفقانہ) فروتنی کے ساتھ پیش آیئے جو مسلمانوں میں داخل ہو کر آپ کی راہ پر چلیں۔

خوش خلقی اس آیت سے :

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۔ (پ ۴' ر ۸' آیت ۱۵۹)

بعد اس کے خدا ہی کی رحمت کے سبب آپ ان کے ساتھ نرم رہے۔

زہد اور دنیا سے بے رغبتی اس آیت سے :

وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۔ (پ ۲۰' ر ۱۱' آیت ۸۰)

اور جن لوگوں کو دین کی فہم عطا ہوئی تھی وہ کہنے لگے ارے تمہارا ناس ہو اللہ تعالیٰ کے گھر کا ثواب ہزار درجہ بہتر ہے جو ایسے شخص کو ملتا ہے کہ ایمان لائے اور نیک عمل کرے۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی :

فَمَن يُرِدِ اللّٰهُ أَن يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ ۔ (پ ۸' ر ۲' آیت ۱۲۵)

سو جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت دینا چاہتے ہیں اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتے ہیں۔

کسی نے عرض کیا کہ شرح صدر سے کیا مراد ہے؟ فرمایا کہ جب نور دل میں ڈالا جاتا ہے تو سینہ کھل جاتا ہے۔ عرض کیا گیا کہ اس کی کوئی علامت بھی ہے؟ فرمایا: ہاں! دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرنا' پائیدار دنیا کی طرف توجہ کرنا' اور موت سے پہلے موت کی تیاری کرنا اس کی علامت ہے۔

دسویں علامت : علمائے آخرت کی دسویں علامت یہ ہے کہ ان کی گفتگو کا عام موضوع علم و عمل ہو۔ وہ جب بھی ملیں ان امور پر گفتگو کریں جن سے عمل لغو قرار پاتا ہے' دل مضطراب اور پریشان ہوتا ہے' وسوسے اور اندیشے پیدا ہوتے ہیں' اور شر کی قوتوں کو تحریک ملتی ہے۔ کیونکہ دین کی اصل ہی شر سے بچنا ہے' کسی شاعر کے یہ دو شعر اسی حقیقت کے ترجمان ہیں۔

عرفت الشر لا للشر لكن لتوقيه ۔ ومن لا يعرف الشر من الناس يقع فيه ۔

ترجمہ : میں برائی سے واقف ہوا' برائی کے لیے نہیں بلکہ برائی سے بچنے کے لیے' جو لوگ برائی سے واقف نہیں وہ برائی میں پڑ جاتے ہیں۔

اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ جو اعمال فعلی ہیں وہ آسان ہیں' ان میں سب سے آخری درجے کا بلکہ اعلیٰ درجے کا عمل زبان اور دل سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا ہے۔ لیکن ذکر کا حسن اس میں ہے کہ جو امور اعمال کو باطل کرنے والے' اور دل کو پریشان و مضطرب کرنے والے ہیں' انھیں پہچانے' راہِ آخرت میں ان امور کی معرفت ضروری ہے۔ جہاں تک علمائے دنیا کا تعلق ہے وہ حکومت کے معاملات' اور مقدمات کی نادرُالوقوع تعریفات میں مصروف رہتے ہیں' اور مسائل کی ایسی ایسی صورتیں وضع کرتے ہیں جو کبھی واقع نہ ہوں گی۔ اور واقع بھی ہوں گی تو ان کے لیے نہیں بلکہ دوسروں کے لیے۔ ان کے واقع ہونے کی صورت میں بتلانے والوں کی بھی کوئی کمی نہ ہوگی۔ یہ علماء ان امور کو ہاتھ بھی نہیں لگاتے جو انھیں رات دن پیش آتے ہیں' اور جن سے طرح طرح کے وسوسے

اور اندیشے جنم لیتے ہیں کس قدر بدبخت ہے وہ شخص جو غیر ضروری چیز کے بدلے اپنی ضرورت کی چیز فروخت کردے' اور خدا تعالٰی کے مقبول و مقرب ہونے کے مقابلے میں بندوں میں مقبول و مقرب ہونے کو ترجیح دے' محض اس خیال سے کہ دنیا اسے فاضل محقق' اور یگانۂ روزگار عالم تسلیم کرے گی۔ خدا تعالٰی کی طرف سے اس شخص کی سزا یہ ہے کہ نہ وہ دنیا والوں میں مقبول ہو' اور نہ آخرت میں اللہ تعالٰی کے یہاں اسے قبولیت حاصل ہوسکے' بلکہ زندگی میں زمانے کی مصیبتوں کا شکار رہے اور آخرت بھی خالی ہاتھ جائے علمائے آخرت کے نفع' اور مقربین کی فلاح و کامیابی دیکھ دیکھ کر نادم ہو۔ یہ ایک زبردست خسارہ ہے۔

حضرت حسن بصریؒ کے سلسلے میں یہ ایک متفقہ رائے ہے کہ لوگوں سے گفتگو کرنے میں وہ انبیائے کرام کے مشابہ تھے' اور سیرت و کردار میں صحابہ کرام کے مشابہ۔ چنانچہ وہ اپنے مواعظ میں عام طور پر دلوں کے وسوسوں' اعمال کے مفاسد' اور نفس کی شہوتوں کے مخفی امور کے متعلق گفتگو کیا کرتے تھے' کسی نے عرض آپ اپنی تقریروں میں وہ باتیں کرتے ہیں جو ہم دوسرے علماء کی تقریروں میں نہیں سنتے۔ آپ نے یہ طرزِ خطاب کس سے حاصل کیا؟ فرمایا! حذیفہ ابن یمانؓ سے' حذیفہ ابن یمانؓ سے عرض کیا گیا کہ ہم آپ کو وہ باتیں کرتے ہوئے سنتے ہیں جو دوسرے صحابہ نہیں کرتے۔ آپ نے یہ باتیں کہاں سے سیکھی ہیں؟ فرمایا کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر باتیں بتلائیں ہیں۔ چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں:۔

كان الناس يسالونه عن الخير وكنت اساله عن الشر مخافة ان اقع فيه' وعلمت ان الخير لا يسبقني علمه (وقال مرة!) فعلمت ان من لا يعرف الشر لا يعرف الخير' (وفي لفظ آخر) كانوا يقولون! يا رسول الله! لمن عمل كذا كذا؟ يسالونه عن فضائل الاعمال' وكنت اقول: يا رسول الله: ما يفسد كذا وكذا؟ فلما رآني اساله عن آفات الاعمال خصني بهذا العلم۔ (۱)

لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر کا حال دریافت کیا کرتے تھے' اور میں اس خوف سے شر کے متعلق دریافت کیا کرتا تھا کہ کہیں اس میں مبتلا نہ ہو جاؤں اور یہ بات میں نے جان لی تھی کہ خیر مجھے نہ ملے گا۔ (ایک مرتبہ فرمایا) میں نے یہ جان لیا کہ شر سے واقف نہیں وہ خیر سے بھی ناواقف ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ معلوم کرتے تھے کہ جو شخص یہ عمل کرے وہ عمل کرے اس کو کیا اجر ملے گا۔ یعنی وہ لوگ اعمال کے فضائل دریافت کیا کرتے تھے' اور میں یہ پوچھا کرتا تھا: یا رسول اللہ عمل کو کون کون سے امور فاسد کرتے ہیں' جب آپ نے دیکھا کہ میں اعمال کی آفتوں کے متعلق سوالات کرتا ہوں' تو آنحضرت نے مجھے اس علم کے ساتھ مخصوص فرمادیا۔

حضرت حذیفہؓ کو علم المنافقین بھی خاص طور پر عطا ہوا تھا چنانچہ وہ نفاق کے حقیقت' اس کے اسباب' اور فتنوں کی گہرائیوں سے پوری طرح واقف تھے۔ حضرت عمرؓ' حضرت عثمانؓ اور دوسرے اکابر صحابہ کرام ان سے خاص و عام فتنوں کے متعلق دریافت کرتے رہتے تھے' ان سے منافقین کے متعلق بھی دریافت کیا جاتا تھا۔ سوال کرنے پر وہ منافقین کا ذکر نام بنام کرنے کی بجائے ان کی تعداد بتلا دیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ اپنے متعلق ان سے دریافت کیا کہ کیا آپ مجھ میں بھی نفاق پاتے ہیں؟ حذیفہ نے آپ کو نفاق سے بری قرار دیا۔ روایت ہے کہ جب حضرت عمرؓ کسی شخص کی نماز جنازہ پڑھنے کے لیے جاتے تھے تو یہ ضرور دیکھتے کہ حذیفہ جنازہ میں شریک ہیں یا نہیں؟ اگر شریک ہوتے تو نماز پڑھتے' ورنہ واپس آجاتے۔ حضرت حذیفہ کا نام صاحب السرّ (راز دار) رکھ دیا گیا تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ دل کے احوال اور مقامات پر توجہ دینا علمائے آخرت کا بنیادی اصول ہے۔ اس لیے کہ دل ہی تقرب الٰہی کا

(۱) بخاری و مسلم میں یہ روایت اختصار کے ساتھ مذکور ہے۔

وسیلہ ہے لیکن افسوس ! اب یہ فن تقریباً ختم ہوگیا ہے' اگر کوئی عالم اس میں مشغول بھی ہے تو لوگ اسے نا ممکن الحصول سمجھتے ہیں' اور یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ سب کچھ محض واعظوں کا دھوکہ ہے۔ اصل شئے اختلافی مسائل کی باریکیوں پر عبور حاصل کرنا ہے۔ واقعی کسی نے سچ کہا ہے:۔

الطرق شتی و طرق الحق مفردة   والسالکون طریق الحق افراد
لا یعرفون ولا تدری مقاصدھم   فھم علی مھل یمشوق قصاد
والناس فی غفلة عما یرادبھم   فجلھم عن سبیل الحق رقاد

(ترجمہ:۔ راستے بہت ہیں' لیکن حق کا راستہ جداگانہ ہے۔ اس راستے کے چلنے والے بھی منفرد ہیں' نہ ان کو کوئی ان کے مقاصد سے واقف ہے' چنانچہ وہ خراماں خراماں چلے جارہے ہیں۔ اور لوگ اپنے مقصد سے غافل ہیں' اور راہ حق کی طرف سے آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں۔)

درحقیقت لوگ اس امر کی طرف زیادہ رغبت رکھتے ہیں جو سہل ترین ہے' اور ان کے مزاج کے مطابق ہے' حق سے لوگ اعراض کرتے ہیں' اس لیے کہ حق تلخ ہے' اس سے واقف ہونا مشکل ہے' اس کا ادراک دشوار ہے اس کا راستہ دشوار گذار ہے' خاص طور پر دل کے احوال سے واقف ہونا' اور اخلاق فاسدہ سے اس کی تطہیر کرنا نہایت مشکل ہے۔ اس کی تکلیف جانکنی کی تکلیف سے بھی کہیں زیادہ ہے' جو شخص قلب کی تطہیر میں مصروف ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو مستقبل میں شفاء کی توقع پر دوا کی تلخی پر صبر کرتا ہے۔ یا اس شخص کی طرح ہے جو عمر بھر روزے رکھتا ہے اور بھوک پیاس کی سختیاں برداشت کرتا ہے محض اس امید پر کہ مرنے کے بعد اسے راحت نصیب ہوگی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ راہ حق کی رغبت کس طرح ہوسکتی ہے۔ مشہور ہے کہ بصرے میں ایک سو بیس واعظ تھے' جو لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے تھے لیکن علم یقین کے متعلق اور احوال قلب کے بارے میں صرف تین حضرات گفتگو کیا کرتے تھے یعنی سہیل تستری' صبحیی' عبدالرحیم۔ ان واعظین کی مجلسوں میں شرکت کرنے والوں کی تعداد شمار سے باہر تھی' اور ان تینوں اکابر علم و فضل کی مجلسوں کے شرکاء انگلیوں میں گنے جاسکتے تھے۔ اس لیے کہ نفیس چیزوں کے اہل کم ہی لوگ ہوتے ہیں۔ جو چیز عوام کو دی جاتی ہے وہ سہل الحصول اور قریب الفہم ہوتی ہے' اور اس کے خواہشمند بھی زیادہ ہوتے ہیں۔

گیارہویں علامت : علمائے آخرت کی گیارہویں علامت یہ ہے کہ وہ اپنی بصیرت اور صفائی قلب کی بنیاد پر اپنے علوم پر اعتماد کریں۔ محض کتابوں کی بنیاد پر' یا سننے کے بنا پر اپنے علوم کو قابل اعتماد تصوّر نہ کریں تقلید کے لیے صرف صاحب شریعت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' جس بات کا آپ نے حکم دیا اس میں آپ ہی کی تقلید ضروری ہے۔ صحابہ کرام کی تقلید بھی اسی نقطۂ نظر سے کرنی چاہئے کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوگا' آپ کے اقوال و افعال کے قبول و اتباع کے بعد ان کے اسرار بھی سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے اس لیے کہ کسی فعل کی اتباع اس لیے کی جاتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کیا ہے' آپ کا کرنا یقیناً کسی راز کے باعث ہوگا۔ چنانچہ عالم آخرت کو اس راز کی بھی جستجو کرنی چاہیئے' محض افعال و اقوال یاد کرلینا علم نہیں۔ بلکہ ان کی گہرائی کا ادراک بھی ضروری ہے۔ سمجھے بغیر یاد کرلینے والے عالم نہیں کہلاتے بلکہ علم ظرف کہلاتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے زمانے میں یہ فرق ملحوظ تھا۔ چنانچہ علم والا اگر مسائل کا حافظ ہو' اور ان کی حکمتوں سے ناواقف ہو تو اسے عالم نہیں کہیں گے۔ البتہ وہ شخص جس کے دل سے پردہ اٹھ گیا ہو' نور ہدایت سے اس کا دل روشن ہوگیا ہو' وہ خود متبوع اور پیشوا ہے۔ اسے کسی دوسرے کی تقلید کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اسی لیے حضرت ابن عباسؓ نے ارشاد فرمایا ہے:۔

ما من احد الا یؤخذ من علمه و یترک الا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم۔ (طبرانی)

رسول اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کی ساری باتیں مان لی جائیں' بعض باتیں مان لی

جاتی ہیں، اور بعض نہیں مانی جاتیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فقہ حضرت زید ابن ثابتؓ سے حاصل کیا تھا۔ اور قرأت حضرت ابی بن کعبؓ سے، پھر فقہ و قرأت سے اپنے استاذوں سے اختلاف کیا، بعض اکابرِ علم فرماتے ہیں کہ جو کچھ ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچا ہے اس ہم مانتے ہیں، اور جو کچھ صحابہ کرام سے ملا ہے اس میں کچھ پر عمل کرتے ہیں، اور کچھ پر عمل نہیں کرتے، حضراتِ تابعین سے جو کچھ منقول ہے تو وہ بھی ہم جیسے انسان ہیں، صحابہ کرام کو فضیلت اس لیے حاصل ہے کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور قرائن کا بذاتِ خود مشاہدہ کیا ہے، جو باتیں انھیں قرائن کے مشاہدے سے معلوم ہوئیں ان کی طرف دلوں کو میلان ہوا۔ اور اسی سے وہ حق پر قائم رہے، اور قرائن کا یہ مشاہدہ اس نوعیت کا ہے کہ روایت و الفاظ میں اس کا شمار نہیں ہوتا، بلکہ ان پر نورِ نبوّت کا کچھ ایسا فیضان تھا کہ اکثر غلطی سے محفوظ رہیں۔

جب یہ حال ہے کہ دوسرے سے سنی ہوئی بات پر اعتماد کرنا ناپسندیدہ تقلید ہے تو کتابوں پر اور مصاحف پر اعتماد کرنا کہاں پسندیدہ ہو سکتا ہے بلکہ یہ کتابیں تو نئی چیزیں ہیں، صحابہ کرام اور اجلّہ تابعین کے زمانے میں انکا وجود بھی نہ تھا۔ ۱۲۰ھ کے بعد، صحابہ کرام اور سعید ابن المسیب، حسن بصری اور دیگر اکابر تابعین کی وفات کے بعد تالیفات کا آغاز ہوا۔ ابتداءً لوگ تصنیف و تالیف کے متعلق اچھے خیالات نہیں رکھتے تھے، اس خیال سے کہ کہیں لوگ کتابوں پر بھروسہ نہ کر بیٹھیں، اور حفظِ علوم، تلاوتِ قرآن، اور تدبّر فی القرآن ترک نہ کریں۔ وہ لوگ یہ نصیحت کیا کرتے تھے کہ جس طرح ہم لوگوں نے علوم حفظ کئے ہیں تم بھی حفظ کرو۔ اسی لیے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مصحف میں قرآن کریم کی ترتیب و تدوین کی تجویز کی منظوری میں پس و پیش کیا تھا، ان کا ارشاد یہ تھا کہ وہ کام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا ہم کیسے کرلیں، انھیں اس کا بھی اندیشہ تھا کہ کہیں لوگ لکھے ہوئے قرآن پر بھروسہ کرکے اس کی تلاوت نہ چھوڑ دیں، یہ فرمایا کہ قرآن کو ایسا ہی رہنے دو تاکہ لوگ ایک دوسرے سے سیکھنے میں مشغول رہیں لیکن حضرت عمرؓ اور بعض دوسرے صحابہ نے اپنی تجویز پر اصرار کیا اور یہ دلیل دی کہ کہیں لوگ تلاوت میں سستی نہ کریں اور اس کا کوئی حافظ ہی باقی نہ رہے یا الفاظ قرآن میں کوئی نزاع واقع ہو اور کوئی ایسی اصل نہ مل سکے جس سے یہ اختلاف دور کیا جاسکے۔ اس دلیل سے حضرت ابو بکر کو شرح صدر حاصل ہو گا، اور آپ نے قرآن پاک کی جمع و ترتیب کا حکم دیا۔ حضرت امام احمد ابن حنبلؒ امام مالک پر ان کی تصنیف مؤطا کی بناء پر تنقید کیا کرتے تھے، ان کا خیال تھا کہ انھوں نے وہ کام کیا ہے جو صحابہ کرام نے نہیں کیا۔ اسلام میں سب سے پہلی ابن جریجؒ نے کتاب لکھی۔ اس کتاب میں آثار جمع کئے گئے ہیں، اور وہ تفسیری اقوال بیان کئے گئے ہیں جو مجاہد، عطاء اور ابن عباس کے تلامذہ سے منقول ہیں۔ یہ کتاب مکہ مکرمہ میں لکھی گئی۔ اس کے بعد معمر ابن راشد صنعانی کی کتاب سامنے آئی۔ یہ کتاب یمن میں لکھی گئی، اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنن ماثور جمع کی گئیں۔ امام مالک نے مؤطا مدینہ میں تصنیف فرمائی۔ امام مالک کی مؤطا کے بعد جامع تالیف ہوئی۔ اس کے مؤلف سفیان ثوریؒ ہیں۔ چوتھی صدی ہجری میں علم الکلام کے مسائل پر کتابیں لکھی گئیں۔ اس دور میں اختلافی موضوعات پر کثرت سے لکھا گیا، بعد میں لوگوں کو وعظ گوئی، اور قصہ خوانی میں اپنی دلچسپی کا سامان نظر آیا۔ اور اس طرف توجہ دی جانے لگی۔ اس دور میں علم یقین کا اثر کم ہوا۔ بعد میں نوبت یہاں تک پہنچی کہ دلوں کا علم اور نفس کے احوال و صفات کی تحقیق اور شیطانی فریب کاریوں سے واقفیت کا علم عجیب سمجھا جانے لگا۔ عام طور پر لوگوں نے ان علوم کو نظر انداز کیا، صرف چند لوگ ایسے رہ گئے جو صحیح معنی میں ان علوم کے ماہر کہے جاسکتے تھے۔ اب عالم وہ کہلاتا ہے جو مناظرہ کرنے والا ہو، بولنے پر قادر ہو، تقریروں میں قصے خوب بیان کرتا ہو، مقفیٰ اور مسجّع عبارتیں گھڑنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آج کل کے علماء کو عوام سنتے ہیں، اور عوام میں یہ صلاحیّت نہیں ہوتی کہ وہ حقیقی اور غیر حقیقی علم میں فرق کرسکیں۔ نہ انھیں صحابہ کرام کے علوم اور ان کی سیرت و کردار کا علم ہے کہ اسی آئینے میں آج کل کے علماء کا چہرہ دیکھ لیتے، جسے کچھ کہتے سنا اسے عالم کہہ دیا۔ آنے والوں نے بھی اپنے پیش روؤں کی تقلید کی، بالآخر یہ علم مٹ گیا۔ یہاں تک کہ چند مخصوص

علماء کے علاوہ علم اور کلام کا فرق بھی لوگوں میں باقی نہ رہا۔ البتہ اگر ان خواص سے کوئی پوچھتا کہ فلاں علم زیادہ رکھتا ہے یا فلاں؟ وہ بلا تکلف کہہ دیتے کہ فلاں علم زیادہ رکھتا ہے' اور فلاں کلام۔ انھیں علم اور کلام میں فرق کرنے کی صلاحیت عطا ہوتی تھی۔ جب اس دور کا یہ حال تھا تو آج کا حال کیا پوچھتے ہو۔ اب تو کلام کا منکر دیوانہ کہلاتا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ آدمی اپنے نفس کی فکر میں لگے اور خاموش رہے۔

بارہویں علامت : علمائے آخرت کی بارہویں علامت یہ ہے کہ بدعات سے پرہیز کریں۔ اگرچہ عوام نے ان بدعات پر اتفاق کرلیا ہو' صحابہ کے بعد جو بات نئی واقع ہوئی ہو' اس پر عوام کے اجتماع و اتفاق سے غلط فہمی کا شکار نہ ہوں بلکہ صحابہ کرامؓ کے حالات' سیرت و کردار' اعمال و اقوال کا مطالعہ کریں اور یہ دیکھیں کہ عام طور پر وہ کن امور میں مشغول رہتے تھے' آیا درس و تدریس میں' تصنیف و تالیف میں' مناظروں میں قاضی' حاکم' اوقاف کے متولی' یتیموں اور وصیتوں کے اموال کے امین بنے ہیں' سلاطین کی ہم نشینی اختیار کرنے میں' یا خشیتِ الٰہی میں' فکر و تدبر' مجاہدے' ظاہر و باطن کے مراقبے' چھوٹے بڑے گناہوں سے اجتناب' نفس کی خواہشات' اور شیطان کی فریب کاریوں سے واقف ہونے میں مصروف تھے؟------- یہ بات اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ لوگوں میں بڑا عالم اور حق سے قریب تر وہی ہے جو صحابہ کرام سے زیادہ مشابہت رکھتا ہو' اور اکابر سلف کے طریق سے پوری طرح واقف ہو' اس لیے کہ دین ان ہی لوگوں سے حاصل کیا گیا ہے۔ حضرت علیؓ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: ہم میں سے بہتر شخص وہ ہے جو اس دین کا زیادہ تابع ہو۔ یہ جملہ آپ نے اس وقت ارشاد فرمایا جب کسی نے یہ عرض کیا کہ آپ نے فلاں شخص کے خلاف کیا ہے؟ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے لوگوں کے مطابق عمل پیرا ہو تو اپنے زمانے کے لوگوں کی مخالفت کی پرواہ نہ کرو۔ اس لیے کہ لوگوں نے اپنی خواہشِ نفس کے مطابق رائے قائم کرلی ہے اور اب ان کا نفس یہ گوارہ نہیں کرتا کہ یہ اعتراف کرلیں کہ ہماری رائے جنّت سے محرومی کا سبب ہے۔ چنانچہ انھوں نے یہ دعویٰ کیا کہ صرف ہماری رائے ہی جنت کی راہ نما ہے۔ اسی لیے حضرت حسن بصریؒ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ اسلام میں دو نئے شخص پیدا ہوگئے۔ ایک وہ شخص جو فاسد رائے رکھتا ہے۔ اور اس کے باوجود دعویٰ کرتا ہے کہ جنّت میں وہ جائے گا جس کی رائے اس کی رائے کے مطابق ہوگی۔ دوسرا دنیا پرست دولتمند' جو صرف دولت کے لیے ناراض ہوتا ہے' اس کے لیے خوش ہوتا ہے' اور اسی کی جستجو میں سرگرداں رہتا ہے۔ تم ان دونوں سے علیٰحدہ رہو۔ اور انھیں جہنم میں جانے دو۔ یہ دیکھو کہ کوئی شخص ایسا بھی ہے جسے دولتمند بھی اپنی طرف بلاتا ہو' اور بدعتی بھی اپنی بدعات کی طرف اسے مائل کرنا چاہتا ہو۔ لیکن خدا نے اسے ان دونوں سے محفوظ رکھا ہو' وہ سلف صالحین کا مشتاق ہو' ان کے افعال و اعمال کی تحقیق کرتا ہو' اور ان کے اقوال و ارشادات پر عمل کرکے امر عظیم کا خواہشمند ہو' تمہیں بھی اس شخص کی اتباع کرنی چاہیے اور اسی جیسا بن جانا چاہیے۔ حضرت ابن مسعودؓ کی ایک روایت ہے:۔

قال انما هما اثنان' الكلام والهدى' فاحسن الكلام كلام الله تعالىٰ' واحسن الهدى هدى محمد صلى الله عليه وسلم' الا واياكم ومحدثات الامور' فان شر الامور محدثاتها' وان كل محدثة بدعة' وان كل بدعة ضلالة' الا: لا يطولن عليكم الامد' فتقسو قلوبكم' الا كل ما هو آت قريب' الا ان البعيد ماليس بآت (ابن ماجہ)

فرمایا! دو ہی باتیں ہیں' کلام اور سیرت' بہترین کلام اللہ کا کلام ہے' اور بہترین سیرت رسول اللہ کی سیرت ہے۔ خبردار ! نئے امور سے دور رہو۔ بدترین امور نئے امور ہیں' ہرنیا امر بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے' خبردار! اپنی عمر کو زیادہ مت سمجھو کہ تمہارے دل پتھر ہو جائیں۔ خبردار! جو چیز آنے والی ہے قریب ہے' خبردار! جو چیز دور ہے وہ آنے والی نہیں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک خطبے میں ارشاد فرمایا:۔

طوبی لمن شغله عيبه عن عيوب الناس' وانفق من مال اكتسبه من غير معصية' و خالط اهل الفقه والحكم' وجانب اهل الزلل والمعصية' طوبى لمن ذل في نفسه' و حسنت خليقته' و صلحت سريرته' وعزل عن الناس شره' طوبى لمن عمل بعلمه' و انفق الفضل من ماله' وامسك الفضل من قوله' ووسعته السنة ولم يعدها الى بدعة (ابو نعیم)

اس شخص کے لیے خوشخبری ہے جس نے اپنے عیب کو دیکھ کر لوگوں کے عیوب سے پہلو تہی کی۔ اور اپنے مال میں سے خرچ کیا جو اس نے گناہ کے بغیر کمایا تھا۔ وہ اہل فقہ اور اہل حکمت سے ملتا رہا۔ گناہ گاروں سے بچا رہا۔ خوشخبری ہے اس شخص کے لیے جو خود کو ذلیل سمجھے' اس کے اخلاق اچھے ہوں' اس کا باطن خوبصورت ہو' اور وہ لوگوں سے اپنے شر کو دور رکھے' خوشخبری ہے اس شخص کے لیے جس نے اپنے علم پر عمل کیا' اپنے باقی ماندہ مال کو راہ خدا میں خرچ کر ڈالا' بیکار باتوں سے رکا رہا۔ سنت اس پر حاوی رہی' اور اس نے بدعت کی طرف تجاوز نہیں کیا۔

حضرت ابن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے کہ آخری زمانے میں سیرت کا بہترین ہونا کثرت عمل کے مقابلے میں زیادہ اچھا ہوگا۔ اب تم ایسے زمانے میں ہو کہ تم میں بہتر وہ شخص ہے جو خیر کے کاموں میں جلدی کرے' بہت جلد وہ زمانہ آنے والا ہے جب تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہوگا جو ثابت قدم رہے' اور عمل کی بجا آوری میں توقف کرے' اس لیے کہ اس وقت شبہات کی کثرت ہوگی۔ حضرت ابن مسعودؓ نے سچ فرمایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس زمانے میں جو شخص توقف نہیں کرے گا' بلکہ عوام النّاس کے نقش قدم پر چلے گا' اور جن لغویات میں وہ مصروف ہیں ان میں مشغول ہوگا' جس طرح وہ تباہ ہوئے ہیں اسی طرح وہ بھی تباہ و برباد ہوگا۔ حضرت حذیفہ نے اس سے بھی عجیب و غریب بات بیان فرمائی ہے' وہ فرماتے ہیں کہ آج کے دور میں تمہاری نیکی گذشتہ دور کی برائی ہے' اور جس عمل کو آج تم برائی جانتے ہو وہ پچھلے زمانے میں نیکی سمجھی جاتی تھی۔ تم اسی وقت بخیر رہو گے جب تک تم حق کو پہچانتے رہو گے' اور تمہارے عالم امر حق نہ چھپائیں گے۔ واقعۃً آپ نے یہ بات صحیح ارشاد فرمائی۔ اس زمانے کے اکثر نیک کام ایسے ہیں جن کے متعلق دور صحابہ میں ناپسندیدگی کا اظہار کیا جاتا تھا۔ مثلاً آج کل نیکی کے دھوکے میں مساجد کی تزئین کی جاتی ہے' بلند و بالا عمارتیں بنائی جاتی ہیں' اور خوبصورت قالینوں کا فرش بچھایا جاتا ہے۔ حالانکہ مسجد میں بوریوں کا بچھانا بھی بدعت سمجھا جاتا تھا۔ کہتے ہیں کہ مسجدوں میں فرش بچھانا حجّاج ابن یوسف کی ایجاد کردہ بدعت ہے۔ اکابر سلف تو مسجد کی مٹی پر بہت کم فرش بچھایا کرتے تھے' یہی حال اختلافی مسائل اور مناظرانہ مباحث میں اشتغال کا ہے۔ ان مباحث کو دور حاضر کے اعلیٰ ترین علوم میں شمار کیا جاتا ہے اور یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ان میں بڑا اجر و ثواب ہے' حالانکہ سلف کے یہاں یہ مباحث پسندیدہ نہیں تھے۔ قرآن کی تلاوت اور اذان میں نغمہ سرائی کرنا' صفائی میں مبالغہ کرنا' طہارت میں وسوسوں سے کام لینا' کپڑوں کی نجاست میں دور کے احتمالات پر اعتماد کرنا' اور کھانے کی حلت و حرمت میں تساہل برتنا' ایسے ہی امور ہیں جنہیں ہمارے زمانے کے لوگ اچھا سمجھتے ہیں' حالانکہ ان کی برائی میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ ابن مسعودؓ کا یہ ارشاد کس قدر صحیح اور برمحل ہے کہ تم ایسے زمانے میں ہو جس میں خواہشِ نفس علم کے تابع ہے' بہت جلد وہ زمانہ آنے والا ہے جس میں علم نفسانی خواہشات کا اتباع کرے گا۔ امام احمد ابن حنبلؒ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ علم چھوڑ بیٹھے اور عجیب و غریب امور میں مشغول ہوگئے۔ ان میں خیر بہت کم ہے۔ مالک ابن انس فرماتے ہیں کہ ماضی میں لوگ وہ باتیں نہیں پوچھتے تھے جو آج دریافت کی جاتی ہیں' نہ علماء حلال و حرام بیان کرتے تھے بلکہ میں نے دیکھا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ یہ مکروہ ہے' یہ مستحب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ کراہت و استحباب کی باریکیوں پر نظر رکھتے تھے' ان کا حرام امور

سے بچنا تو ظاہر ہی ہے۔ ہشام ابن عروہ فرمایا کرتے تھے کہ آج علماء سے وہ باتیں مت پوچھو جو انھوں نے خود گھڑی ہیں۔ اس لیے کہ ان کے جواب بھی انھوں نے گھڑ رکھے ہیں' ان سے سنّت کے متعلق پوچھو' اس لیے کہ وہ سنّت سے واقف نہیں ہیں۔ ابو سلیمانی درانیؒ فرماتے تھے کہ اگر کسی شخص کے دل میں کوئی امر خیر القا کیا جائے اسے چاہیئے کہ اپنے الہام پر اس وقت تک عمل نہ کرے جب تک کسی حدیث یا اثر سے اس کا اثبات نہ ہو جائے اس وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ اس کے دل کی بات آثار کے مطابق ہوئی۔ یہ نصیحت آپ نے اس لیے فرمائی کہ اب نئے نئے خیالات سامنے آنے لگے ہیں۔ انسان انھیں سنتا ہے' اور دل میں جگہ دیتا ہے' بعض مرتبہ دل کی صفائی میں کمی ہو جاتی ہے جس سے کبھی کبھی باطل خیالات بصورت حق جلوہ گر ہوتے ہیں اس بناء پر ان سے احتیاط رکھنی چاہیے اور جب تک آثار میں ان کا ثبوت نہ مل جائے ان پر عمل نہ کرنا چاہیئے' چنانچہ جب عید کے نماز کے لیے مروان نے عید گاہ میں منبر تعمیر کرایا تو حضرت ابو سعید خدریؓ کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے مروان! یہ کیسی بدعت تم نے شروع کی ہے؟ مروان نے جواب دیا! یہ بدعت نہیں ہے' یہ اس سے بہتر ہے جو تم جانتے ہو' آدمی بہت ہو گئے ہیں' میں نے یہ چاہا کہ سب تک آواز پہنچ جائے۔ ابو سعیدؓ نے فرمایا: خدا کی قسم! جو میں جانتا ہوں تم اس سے بہتر کبھی نہیں کر سکتے۔ خدا کی قسم! میں آج سے تمہارے پیچھے نماز نہیں پڑھوں گا۔ حضرت ابو سعید خدریؓ نے یہ بات اس لیے فرمائی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عید اور استسقاء وغیرہ میں خطبے کے لیے گھوڑے یا لاٹھی کے سہارے کھڑے ہوا کرتے تھے' نہ کہ منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے (۱)

ایک مشہور حدیث میں ہے:۔

من احدث فی دیننا مالیس منه فهو رد (بخاری و مسلم)

جو شخص ہمارے دین میں ایسی کوئی بات ایجاد کرے جو اس میں نہ ہو تو وہ بات رد ہے۔

ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں:۔

من غش امتی فعلیه لعنة الله والملائكة والناس اجمعین' قیل: یا رسول الله! وما غش امتک؟ قال: ان یبتدع بدعة یحمل الناس علیها (دار قطنی)

جو شخص میری امّت کو دھوکا دے اس پر خدا کی' ملائکہ کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! امّت کا دھوکا دینا کیا ہے؟ فرمایا کہ کوئی بدعت ایجاد کرے اور لوگوں کو اس پر اکسائے۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا:۔

ان لله عزو جل ملکا ینادی کل یوم من خالف سنة رسول الله صلی الله علیه وسلم لم تنله شفاعته (اس کی اصل نہیں ملی)

اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے' جو ہر روز یہ اعلان کرتا ہے کہ جو شخص رسول اللہ کی سنّت کے خلاف کرے گا اسے آپ کی شفاعت نصیب نہیں ہوگی۔

بدعت کا ایجاد کرنے والا دوسرے گنہگاروں کے مقابلے میں وہ حیثیت رکھتا ہے' جو معمولی امور میں بادشاہ کی نافرمانی کرنے والوں کے مقابلے میں وہ شخص رکھتا ہے جو بادشاہ کی حکومت ختم کرنے کے لیے کوشاں ہو' بادشاہ اپنی رعایا کی دوسری غلطیاں معاف کر سکتا ہے' لیکن سلطنت ختم کرنے کے لیے اس کی سازش معافی کے قابل نہیں ہو سکتی۔ یہی حال بدعات کا ہے' بعض اکابر سلف کا قول ہے کہ جس معاملے میں سلف نے گفتگو کی ہے اس میں سکوت کرنا ظلم ہے۔ اور جس میں وہ خاموش رہے ہیں ان میں بولنا بھی ظلم ہے۔ ایک عالم کا قول ہے کہ امر حق ایک گراں بار شے ہے جو اس سے تجاوز کرے وہ ظالم ہے' جو اس میں کمی کرے وہ عاجز ہے۔ کفایت اس شخص کے لیے ہے جو اس کے ساتھ ساتھ چلے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

---

(۱) یہ روایت طبرانی میں حضرت براءؓ سے منقول ہے۔

علیکم بالنمط الاوسط الذی یرجع الیه العالی ویرتفع به التالی۔
(ابو عبیدہ فی غریب الحدیث)

راہ اعتدال کو لازم پکڑو' جس کی طرف آگے جانے والا لوٹ آئے اور پیچھے چلنے والا آگے بڑھ جائے۔

قرآن کریم میں ہے:۔

وَذَرِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِبًا وَلَهْوًا (پ ۷' ر ۱۴' آیت ۷)

ان لوگوں کو چھوڑ دو جنھوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنالیا۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:۔

أَفَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ فَرَآهُ حَسَنًا (پ ۲۲' ر ۱۴' آیت ۸)

تو کیا ایسا شخص جس کو اس کا عمل بد اچھا کر کے دکھایا گیا پھر وہ اس کو اچھا سمجھنے لگا۔

وہ سب امور جو صحابہ کرام کے بعد وضع ہوئے اور مقدار ضرورت سے زائد ہیں لہو و لعب میں شمار کیے جاسکتے ہیں۔
ابلیس ملعون کے بارے میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ صحابہ کے زمانے میں اس نے اپنا لشکر بھیجا اور تمام صحابہ میں پھیلا دیا۔ وہ سب اپنے سردار کے پاس تھکے ہارے واپس آئے' اس نے پوچھا: کیا ہوا؟ جواب دیا! ہم نے صحابہ جیسے لوگ نہیں دیکھے' وہ ہمارے بس کے نہیں ہیں' ہمیں انھوں نے تھکا ڈالا۔ ابلیس نے کہا: واقعی تم ان لوگوں پر قدرت نہ پاسکو گے' اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے۔ قرآن پاک کے نزول کا انھوں نے مشاہدہ کیا۔ لیکن عنقریب کچھ لوگ ایسے پیدا ہوں گے جن کے ذریعہ تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکو گے۔ جب تابعین کا دور آیا' ابلیس کے چیلے ادھر ادھر پھیل گئے' لیکن اس مرتبہ بھی ناکام لوٹ گئے۔ اور کہنے لگے ہم نے ان سے زیادہ عجیب لوگ دیکھے ہی نہیں۔ اگر اتفاق سے ہم کسی شخص سے گناہ کرانے میں کامیاب بھی ہو گئے تو اس نے شام کو اپنے رب کے حضور رو کر گڑگڑا کر مغفرت کی دعا کی لی' اور گناہوں کی معافی چاہ لی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیا۔ ابلیس نے کہا: ان لوگوں سے بھی تمہیں کچھ نہ ملے گا اس لیے کہ ان کا ایمان کامل ہے' اور یہ پیغمبروں کی اتباع میں مستعد ہیں۔ مگر ان کے بعد کے لوگوں سے تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ اور تم ان سے خوب کھیل سکو گے' خواہش نفس کی لگام پہنا کر انھیں جدھر چاہو گے کھینچ سکو گے اگر وہ استغفار پڑھیں گے' مغفرت کی دعا کریں گے تو ان کی دعا قبول نہیں کی جائے گی۔ توبہ وہ کریں گے نہیں کہ اللہ انکی برائیوں کو نیکیوں میں بدل دے۔ راوی کہتا ہے کہ پہلی صدی کے بعد لوگ پیدا ہوئے ابلیس نے ان میں بدعتوں کی اشاعت کی' اور انھیں خوبصورت بنا کر پیش کیا انھوں نے بدعتوں کو جائز سمجھا' اور انھیں دین ٹھہرا لیا' نہ استغفار کرتے ہیں اور نہ توبہ۔ دشمن ان پر غالب آچکے ہیں' جدھر چاہتے ہیں ادھر لیے جاتے ہیں' مدافعت کی قوت ختم ہو گئی ہے۔
اب اگر یہ کہا جائے کہ ابلیس نظر نہیں آتا اور نہ وہ کسی سے باتیں کرتا ہے۔ راوی نے اس کی گفتگو کیسے نقل کی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اصحاب قلوب کو ملکوت کے احوال و اسرار کبھی الہام کے ذریعہ معلوم ہوتے ہیں' دل میں اس طرح ان کا القاء ہوتا ہے کہ خبر بھی نہیں ہوتی۔ کبھی رؤیائے صادقہ کے ذریعہ' کبھی بیداری کی حالت میں مثالوں کے دیکھنے سے معانی ظاہر ہو جاتے ہیں جیسے خواب میں ہوتا ہے۔ بیداری کی حالت میں اسرار سے واقف ہو جانا یہ نبوّت کے اعلیٰ ترین درجات میں سے ایک درجہ ہے۔ جیسا کہ سچے خواب کو نبوّت کا چھیالیسواں حصہ قرار دیا گیا ہے۔ خبردار! تم یہ علم پڑھ کر ایسا نہ کرنا کہ جو چیز تمہاری ناقص عقل کی حد سے باہر ہو اس کا انکار کر بیٹھو' اس میں بڑے بڑے ماہر تباہ ہو گئے ہیں' ان کا دعویٰ تھا کہ ہم عقلی علوم میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ صحیح بات یہ ہے جو عقلی علوم ان حقائق کی تردید پر آمادہ کریں ان سے جہالت بہتر ہے۔ جو شخص اولیاء اللہ کے لیے ان امور کا انکار کرتا ہے وہ انبیائے کرام سے بھی ان کی نفی کرے گا' اور اس طرح دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔
بعض عارفین فرماتے ہیں کہ ابدال عوام کی نگاہوں سے دور چلے گئے ہیں' اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ آج کل کے علماء کو دیکھنے کی

تاب نہیں رکھتے۔ اس لیے کہ یہ خدا کی حقیقی معرفت سے محروم ہیں۔ حالانکہ بزعم خود' اور جاہلوں کے خیال کے مطابق عالم ہیں۔ سہیل تستریؒ فرماتے ہیں کہ سب سے بڑی معصیت یہ ہے کہ آدمی جہالت سے ناواقف ہو' عوام پر اعتماد کرے' اور اہل غفلت کا کلام سنے' جو عالم دنیا دار ہو اس کی باتیں نہ سنی چاہئیں بلکہ جو کچھ وہ کہے اس میں اسے متہم سمجھنا چاہیے' اس لیے کہ ہر شخص اپنی محبوب چیز میں مشغول رہتا ہے' اور جو چیز محبوب کے مزاج کے مطابق نہیں ہوتی اس کے خلاف کرتا ہے' اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا (پ ۱۵' ر ۱۶' آیت ۲۸)

اور نہ کہا مان اس شخص کا جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کردیا ہے اور جس نے خواہش نفس کی اتباع کی اس کا کام ہے حد پر نہ رہنا۔

گنہگار عوام ان لوگوں کے مقابلے میں زیادہ اچھے ہیں جو خود کو علماء سمجھتے ہیں' حالانکہ وہ دین کی صحیح راہ سے ناواقف ہیں' اس لیے کہ عامی گنہگار اپنی غلطی اور گناہ کا اقرار و اعتراف کرکے توبہ استغفار کرلیتا ہے۔ اور یہ جاہل جو خود کو عالم سمجھتا ہے اور انہی علوم میں مشغول رہتا ہے جو دنیا کے وسیلے ہوں' راہِ حق سے غافل رہتا ہے' نہ توبہ استغفار کرتا ہے' اور نہ اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتا ہے۔ اور کیوں کہ ان لوگوں کے علاوہ جنھیں خدا محفوظ رکھے عام حالت یہی ہے' اصلاح کی امید منقطع ہو چکی ہے۔ اس لیے کہ متدین محتاط آدمی کے لیے زیادہ محفوظ راستہ یہی ہے کہ ان سے علیحدہ رہے۔ اور گوشۂ تنہائی میں عافیت سمجھے' باب عزت میں ہم تفصیل سے اس کا ذکر کریں گے ------ یوسف ابن اسباط نے حذیفہ مرعشی کو لکھا تھا کہ تم میرے متعلق کیا تصوّر کرتے ہو' اب تو مجھے کوئی ایسا شخص بھی نہیں ملتا جس کے ساتھ بیٹھ کر میں اللہ کا ذکر کرسکوں اور کبھی کوئی شخص ملتا بھی ہے تو وہ ایسا ہے کہ اس کے ساتھ ذکر کرنا گناہ اور معصیت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ذکر کا اہل کوئی نہیں ملتا۔ یہ بات انھوں نے صحیح کہی ہے۔ اس لیے کہ لوگوں سے ملنے جلنے میں یا غیبت کرنی پڑتی ہے یا برائی دیکھنے کے باوجود خاموشی اختیار کرنی پڑتی ہے۔

بہتر یہی ہے کہ انسان علم سیکھنے میں مصروف رہے' یا علم سکھلانے میں۔ اگر استاذ یہ بات سمجھ لے کہ اس کا فلاں شاگرد محض طلبِ دنیا' اور حصولِ شر کے لیے علم حاصل کرنا چاہتا ہے تو معذرت کردے' اس کے باوجود اگر وہ اس کا معین و مددگار ہوگا تو وہ اس شخص کی طرح ہوگا جو رہزنوں کو تلوار بیچ دے' علم بھی تلوار ہے' جس طرح جہاد کے لیے تلوار ضروری ہے اس طرح خیر کے کاموں کے لیے علم ضروری ہے۔ چنانچہ ایسے شخص کے ہاتھوں تلوار فروخت کرنا جائز نہیں جس کے بارے میں قرآن سے یہ معلوم ہو کہ وہ تلوار کے ذریعہ رہزنی کریگا۔

ہم نے علمائے آخرت کی بارہ علامتیں بیان کی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک علامت میں علمائے سلف کے اخلاق کا ذکر ہوا ہے۔ تمہیں دو میں سے ایک ضرور ہونا ہے۔ یا تو ان صفات کے ساتھ متصّف ہو جاؤ' یا اپنی غلطیوں کا اعتراف کرکے ان صفات کو تسلیم کرو۔ خبردار! ان دو کے سوا تیسرا مت ہونا ورنہ تمہارے دل میں دین مشتبہ ہو جائے گا۔ دنیا کے ذریعہ کو دین کہنے لگو گے' جھوٹوں کی سیرت کو علمائے راسخین کی عادت قرار دو گے' اور اپنے جہل کے باعث ہلاک ہونے والوں کی جماعت میں شامل ہو جاؤ گے۔ جن کی نجات کی کوئی امید نہیں ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی شیطان کے فریبوں سے پناہ مانگتے ہیں کہ شیطان کے فریب میں آکر لوگ ہلاک ہو جاتے ہیں' اور اس سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں ان لوگوں میں شامل فرما جنھیں دنیاوی زندگی' اور ابلیس مکّار فریب میں مبتلا نہ کرسکے۔

ساتواں باب

عقل کی حقیقت اور اہمیت

عقل کی فضیلت

جاننا چاہیے کہ عقل کی فضیلت اظہار کی محتاج نہیں ہے۔ یہ ایک واضح حقیقت ہے۔ خاص طور پر اس وقت جب کہ علم کے فضائل سامنے آگئے' یہ بات سب جانتے ہیں کہ عقل علم کا منبع اور اصل ہے' علم کا عقل سے وہی تعلق ہے جو درخت کو پھل سے' سورج کو روشنی سے اور آنکھ کو بینائی سے ہے' جو چیز دنیا و آخرت کی سعادت کا ذریعہ ہو وہ اشرف و اعلیٰ کیسے نہ ہو۔ عقل کی فضیلت و اہمیت سے کون انکار کر سکتا ہے؟ چوپائے تک انسانی عقل کی اہمیت کا اعتراف کرتے ہیں' حالانکہ ان میں تمیز کی قوت بہت کم ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ چوپایہ جو جسامت میں بھی بڑا ہو اور شجاعت و رعب میں بھی زیادہ' وہ بھی انسان کی صورت دیکھ کر دبتا ہے' اور خوف محسوس کرتا ہے اس لیے کہ اسے اتنا احساس ہے کہ انسان مجھ پر غالب ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ تدابیر کا علم رکھتا ہے۔ عقل کی اہمیت کا اندازہ اس حدیث سے بھی ہوتا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:۔

الشیخ فی قومه کالنبی فی امته (ابن حبان' دیلمی)

بوڑھا اپنی قوم میں ایسا ہے جیسا نبی اپنی امت میں۔

بوڑھے کو یہ مرتبہ اس کی دولت' یا جسامت کے لحاظ سے عطا نہیں ہوا۔ بلکہ تجربے کی کثرت کی بنا پر حاصل ہوا۔ تجربہ عقل کا ثمرہ ہے۔ اس لیے آپ دیکھتے ہیں کہ ترک' کرد' عرب کے بدو' اور دوسرے جاہل اپنی جہالت کے باوجود فطرتاً بوڑھوں کی تعظیم کرتے ہیں۔ جب دشمنوں نے آپ کو شہید کرنا چاہا تو ان کی نظر چہرۂ مبارک پر پڑی اور آپ کے چہرہ کا نور ان کی چشم بصیرت کے لیے اکسیر ثابت ہوا۔ خوف سے کانپنے لگے' اگرچہ یہ نور عقل کی طرح آپ کی ذات میں پوشیدہ تھا۔ مختصر یہ کہ عقل کی فضیلت واضح ہے' مگر ہمارا مقصد یہ ہے کہ اس موقع پر ان آیات و احادیث کا ذکر کیا جائے جو عقل کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں۔

قرآن کریم کی نظر میں عقل: آیت ذیل میں اللہ تعالیٰ نے عقل کا نام نور بیان کیا ہے۔ ارشاد ہے:۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ۔ (پ ۱۷' ر ۱۱' آیت ۳۵)

اللہ تعالیٰ نور (ہدایت) دینے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا اس کے نور کی حالت ایسی ہے جیسے ایک طاق ہے۔

اسی طرح وہ علم جو عقل سے حاصل ہوتا ہے' اسے روح' وحی اور حیات سے تعبیر فرمایا:

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا۔ (پ ۲۵' ر ۶' آیت ۵۲)

اور اسی طرح ہم نے آپ کے پاس بھی وحی یعنی اپنا حکم بھیجا۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ (پ ۸' ر ۲' آیت ۱۲۲)

ایسا شخص جو کہ پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ بنا دیا اور ہم نے اس کو ایک ایسا نور دیدیا وہ اس کو لیے ہوئے آدمیوں میں چلتا پھرتا ہے۔

قرآن کریم میں جہاں کہیں نور اور تاریکی کا ذکر ہے' اس سے مراد علم اور جہل ہے' جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے:

يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ۔ (پ ۳' ر ۲' آیت ۲۸۷)

ان کو (کفر) تاریکیوں سے نکال کر نور (اسلام) کی طرف لاتا ہے۔

عقل ..... احادیث کی روشنی :

۱۔ قال صلی اللہ علیہ وسلم: یاایھا الناس! اعقلوا عن ربکم' و تواصوا بالعقل' تعرفوا ما امرتم بہ' وما نھیتم عنہ' واعلموا انہ ینجدکم عند ربکم' واعلموا ان العاقل من اطاع اللہ و ان کان دمیم النظر' حقیر الخطر' دنئ المنزلۃ' رث الھیئۃ' و ان الجاھل من عصی اللہ تعالٰی' و ان کان جمیل المنظر' عظیم الخطر' شریف المنزلۃ' حسن الھیئۃ' فصیحاً نطوقاً' فالقردۃ و الخنازیر اعقل عنداللہ تعالٰی ممن عصاہ' ولا تغترو ابتعظیم اھل الدنیا ایاکم فانھم من الخاسرین (داؤد بن المجر)

فرمایا: اے لوگو! اپنے رب کو پہچانو' اور آپس میں ایک دوسرے کو عقل کی نصیحت کرو' اس سے تم اوامر و نواہی سے واقف ہو جاؤ گے اور یہ بات جان لو کہ عقل تم کو تمہارے رب کے پاس عظمت دیگی' جان لو کہ عاقل وہ ہے جو اللہ کی اطاعت کرے' خواہ وہ بدصورت' کم رتبہ' حقیر' اور بدحال ہی کیوں نہ ہو اور جاہل وہ ہے جو اللہ کا نافرمان ہو' چاہے وہ خوبصورت' بلند مرتبہ' عزّت دار' خوش حال' فصیح' اور زیادہ بولنے ہی والا کیوں نہ ہو' بندر اور سؤر اللہ تعالٰی کے نزدیک نافرمان بندہ سے زیادہ عقلمند ہیں اس سے دھوکا مت کھاؤ کہ اہل دنیا تمہاری تعظیم کرتے ہیں وہ تو نقصان اٹھانے والوں میں سے ہیں۔

۲۔ قال صلی اللہ علیہ وسلم: اول ما خلق اللہ العقل' فقال لہ اقبل فاقبل ثم قال لہ ادبر' فادبر' ثم قال عزوجل! وعزتی و جلالی ما خلقت خلقاً اکرم علی منک' بک آخذ' وبک اعطی' وبک اثیب' وبک اعاقب (طبرانی)

فرمایا: اللہ تعالٰی نے سب سے پہلے عقل پیدا فرمائی' پھر اس سے کہا' سامنے آ' وہ سامنے آئی' پھر فرمایا: پشت پھر' اس نے رخ بدلدیا' پھر فرمایا: اپنی عزّت و جلال کی قسم! میں نے کوئی مخلوق اپنے نزدیک تجھ سے زیادہ شرف والی پیدا نہیں کی۔ میں تجھ ہی سے لوں گا' تجھ سے ہی دونگا' تیری وجہ سے ثواب دوں گا۔ اور تیری ہی وجہ سے عذاب دوں گا۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ عقل اگر عرض ہے تو اجسام سے پہلے کیسے پیدا ہوئی' اور اگر جوہر ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اپنی ذات میں قائم ہو' اور کسی مکان میں نہ ہو' اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ تحقیق علم مکاشفہ سے تعلق رکھتی ہے' علم معاملہ میں اس کا ذکر مناسب نہیں ہے۔

۳۔ عن انس رضی اللہ عنہ قال: اثنی قوم علی رجل عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتّٰی بالغوا' فقال صلی اللہ علیہ وسلم: کیف عقل الرجل؟ فقالوا: نخبرک عن اجتھادہ فی العبادۃ واصناف الخیر' وتسألنا عن علقہ' فقال صلی اللہ علیہ وسلم: ان الاحمق یصیب بجھلہ اکثر من فجور الفاجر' وانما یرتفع العباد غدا فی الدرجات الزلفی من ربھم علی قدر عقولھم (ابن المجر' حکیم ترمذی فی النوادر)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص کی بے حد تعریف کی۔ آپؐ نے فرمایا : اس شخص کی عقل کیسی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا : ہم عبادت اور خیر کے

کاموں میں اس کی محنت کی تبرد ے رہے ہیں اور آپ اس کی عقل کے متعلق دریافت فرماتے ہیں؟ فرمایا ! احمق آدمی اپنی جہالت کے باعث فاجر کے فجور سے کہیں زیادہ غلطی کرلیتا ہے اور کل قیامت میں اللہ تعالیٰ کی قربت کے درجات لوگوں کی عقلوں کے مطابق ہی بلند کئے جائیں گے۔

۴ - عن عمر رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : ما اكتسب رجل مثل فضل عقل يهدى صاحبه الى هدى ويرده عن ردي، وماتم ايمان عبد ولا استقام دينه حتى يكمل عقله (ابن المحبر)

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ! "آدمی کی کمائی میں عقل سے بڑی کوئی چیز نہیں ہے۔ یہ عقل اس کو ہدایت کی راہ دکھلاتی ہے اور ہلاکت سے دور رکھتی ہے۔ بندہ کا ایمان کامل نہیں ہو سکتا اور نہ اس کا دین صحیح ہو سکتا ہے جب تک کہ اس کی عقل کامل نہ ہو۔

۵ - قال صلى الله عليه وسلم ! ان الرجل ليدرك بحسن خلقه درجة الصائم القائم ولا يتم لرجل حسن خلقه حتى يتم عقله فعند ذلك تم ايمانه و اطاع ربه وعصى عدوه ابليس (ابن المحبر، ترمذی)

فرمایا ! آدمی اپنے حسن اخلاق سے روزہ دار، عابد، شب زندہ دار کا درجہ حاصل کرلیتا ہے اور آدمی کا اخلاق اس وقت تک درست نہیں ہوتا جب تک اس کی عقل کامل نہ ہو، عقل کامل ہو تو بندہ کا ایمان بھی کامل ہوتا ہے۔ وہ اپنے رب کی اطاعت کرتا ہے اور اپنے دشمن ابلیس کی نافرمانی کرتا ہے۔

۶ - عن ابى سعيد الخدرى قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : لكل شئى دعامة ودعامة المومنين عقله، فبقدر عقله تكون عبادته، اما سمعتم قول الفجار فى النار "لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِىْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ" (ابن المحبر)

حضرت ابو سعید خدریؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ہر چیز کا ایک ستون ہوتا ہے۔ مؤمن کا ستون اس کی عقل ہے۔ اس کی عبادت اس کے عقل کی بقدر ہوتی ہے۔ کیا تم نے دوزخ میں گنہگاروں کا یہ قول نہیں سنا۔ اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو دوزخیوں میں سے نہ ہوتے۔

۷ - عن عمر رضي الله عنه قال لتميم الدارى ما السودد فيكم؟ قال : العقل ! قال : صدقت سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم كما سألتك، فقال كما قلت ثم قال ! سألت جبرئيل عليه السلام ما السودد؟ فقال : العقل (ابن المحبر)

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے تمیم داریؓ سے پوچھا : سرداری کیا چیز ہے؟ جواب دیا، عقل، فرمایا ! تم نے صحیح کہا ہے، میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو یہی جواب دیا تھا۔ آپ نے یہ فرمایا تھا کہ میں نے جبرئیل سے پوچھا ! سرداری کیا ہے؟ جبرئیل نے کہا : عقل

۸ - عن البراء بن عازب قال : كثرت المسائل يوما على رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال : يا ايها الناس ان لكل شئى مطية ومطية المرء العقل، و احسنكم دلالة ومعرفة بالحجة افضلكم عقلا (ابن المحبر)

براء ابن عازب سے مروی ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے کثرت سے سوال

کیے۔ آپ نے فرمایا' اے لوگو ! ہر شئے کی ایک سواری ہے' انسان کی سواری عقل ہے' تم میں دلیل اور حجت کی معرفت کے لحاظ سے وہ بہتر ہے جو تم میں عقل کے اعتبار سے زیادہ ہو۔

۹ - عن ابی هریرة رضی الله عنه قال : لما رجع رسول الله صلی الله علیه وسلم عن غزوة احد سمع الناس یقولون فلان اشجع من فلان' و فلان ابلی ملم یبل فلان' و نحو هذا' فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم اما هذا فلا علم لکم به' قالوا و کیف ذلک یا رسول الله؟ فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم ! انهم قاتلوا علی قدر ما قسم الله لهم من العقل' و کانت نصرتهم و نیتهم علی قدر عقولهم' فاصیب منهم من اصیب علی منازل شتی' فاذا کان یوم القیامة اقتسموا المنازل علی قدر نیاتهم و قدر عقولهم (ابن المحبر)

ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ احد سے واپس تشریف لائے تو لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ فلاں شخص فلاں شخص سے زیادہ بہادر ہے' فلاں شخص اس وقت تک زیادہ تجربہ کار ہے جب تک فلاں شخص آزمودہ کار نہ ہو وغیرہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بات تم زیادہ نہیں جانتے' عرض کیا ! وہ کیسے یا رسول اللہ' فرمایا ! لوگوں نے جہاد اس قدر کیا جس قدر اللہ نے انہیں عقل عطا فرمائی۔ ان کی جیت اور ان کی نیت ان کی عقلوں کے مطابق ہوئی' ان میں سے جو کوئی پہنچا مختلف مقامات پر پہنچا' جب قیامت کا دن ہو گا تو وہ اپنی نیتوں اور عقلوں کے بقدر مراتب پائیں گے۔

۱۰ - عن البراء ابن عازب انه صلی الله علیه وسلم قال جد الملائکة و اجتهدوا فی طاعة الله سبحانه و تعالی بالعقل' وجد المومنون من بنی آدم علی قدر عقولهم فاعملهم بطاعة الله عز و جل اوفرهم عقلا (بغوی' ابن المحبر)

براء ابن عازب سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ملائکہ نے اطاعتِ خداوندی کے لیے جدوجہد عقل سے کی ہے اور انسانوں میں سے مؤمنین میں اللہ کی اطاعت پر سب سے زیادہ کاربند وہ شخص ہے جو ان میں باعتبار عقل کے زیادہ ہو۔

۱۱ - عن عائشة رضی الله عنها قالت ! قلت یا رسول الله ! بما یتفاضل الناس فی الدنیا؟ قال بالعقل۔ قلت و فی الآخرة قال بالعقل قلت الیس انما یجزون باعمالهم' فقال صلی الله علیه وسلم : یا عائشة و هل عملوا الا بقدر ما اعطاهم عز و جل من العقل' فبقدر ما اعطوا من العقل' کانت اعمالهم و بقدر ما عملوا یجزون (ابن المحبر' حکیم ترمذی)

عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ ! دنیا میں لوگوں کی فضیلت کس چیز سے ہے؟ فرمایا : عقل سے' میں نے عرض اور آخرت میں؟ فرمایا ! عقل سے' میں نے عرض کیا ! کیا انہیں ان کے اعمال کا بدلہ نہیں دیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا ! اے عائشہ ! انہوں نے عمل بھی اتنا ہی کیا ہو گا جتنی انہیں عقل ملی ہو گی۔ چنانچہ عقل کے بقدر ان کے اعمال ہوں گے اور اعمال کے بقدر انہیں جزا دی جائے گی۔

۱۲ - عن ابن عباس رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لکل

شئی آلة وعدة، وان آلة المؤمن العقل، ولکل شئی مطیة ومطیة المرء العقل، ولکل شئی دعامة ودعامة الدین العقل، لکل قوم غایة وغایة العباد العقل، ولکل قوم داع وداعی العابدین العقل، ولکل تاجر بضاعة بضاعة المجتهدین العقل، ولکل اهل بیت قیم وقیم بیوت الصدیقین العقل، ولکل خراب عمارة وعمارة الآخرة العقل، ولکل امرئ عقب ینسب الیه ویذکر به، وعقب الصدقین الذین ینسبون الیه ویذکرون به العقل، ولکل سفر فسطاط، وفسطاط المومنین العقل۔ (ابن المجبر)

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہر چیز کا آلہ اور سامان ہوتا ہے اور مؤمن کا آلہ عقل ہے۔ ہر شئی کی ایک سواری ہوتی ہے۔ مرد کی سواری عقل ہے۔ ہر شئے کا ایک ستون ہوتا ہے۔ دین کا ستون عقل ہے۔ ہر قوم کا ایک مقصد ہوتا ہے۔ بندوں کا مقصد عقل ہے۔ ہر قوم کا ایک داعی ہوتا ہے۔ عبادت گذاروں کا داعی عقل ہے۔ ہر تاجر کے پاس ایک مال ہوتا ہے۔ مجتہدین کا مال عقل ہے۔ گھر کا ایک منتظم ہوتا ہے۔ صدیقین کے گھر کا منتظم عقل ہے۔ ہر ویرانے کی ایک آبادی ہوتی ہے آخرت کی آبادی عقل ہے۔ ہر آدمی کے لیے ایک پیچھے رہنے والا ہوتا ہے جس کی طرف وہ منسوب ہوتا ہے اور جس کے ساتھ اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔ صدیقین کے پیچھے رہنے والی چیز عقل ہے۔ ہر سفر کے لیے ایک بڑا خیمہ ہوتا ہے۔ مؤمنین کا خیمہ عقل ہے۔

۱۳ - قال صلی اللہ علیہ وسلم : ان احب المومنین الی اللہ عزوجل من نصب فی طاعة اللہ عزوجل ونصح بعبادہ وکمل عقلہ ونصح نفسہ، فابصر، وعمل بہ ایام حیاتہ فافلح وانجح ۔ (دیلمی، ابن المجبر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ! مؤمنین میں سب سے زیادہ محبوب شخص اللہ کے نزدیک وہ ہے جو اس کی اطاعت پر قائم ہو۔ اس کے بندوں سے خیر خواہی کا معاملہ کرے۔ اس کی عقل کامل ہو۔ اپنے نفس کا خیر خواہ ہو۔ دیکھے بھالے، زندگی بھر عقل کے مطابق عمل کرے اور فلاح و کامیابی حاصل کرے۔

۱۴ - قال صلی اللہ علیہ وسلم : اتمکم عقلا اشدکم للہ تعالیٰ خوفا واحسنکم فیما امرکم بہ ونہی عنہ نظرا وان کان اقلکم تطوعا - (ابن المجبر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم میں کامل العقل وہ شخص ہے جو اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہو اور جس چیز کا تمہیں حکم کیا گیا یا جس چیز سے تمہیں منع کیا گیا ہو اس میں اس کی نظر اچھی ہو۔ اگرچہ تطوع (نفلی عبادات) میں تم سے کم ہو۔

عقل کی حقیقت اور اس کی قسمیں

جاننا چاہیے کہ لوگوں نے عقل کی تعریف اور اس کی حقیقت کے بیان میں اختلاف کیا ہے۔ اکثر لوگوں نے اس کی حقیقت پر توجہ دینے کی ضرورت نہیں سمجھی کہ یہ لفظ مختلف معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے اور یہی وجہ اختلافِ رائے کی بھی ہے۔ اس سلسلے میں حق بات یہ ہے کہ عقل ایک مشترک لفظ ہے اور اس کا اطلاق چار معانی کے لیے ہوتا ہے جس طرح کہ لفظ "عین" مشترک ہے

اور اس کا اطلاق متعدد معنوں پر ہوتا ہے۔ یہاں یہ مناسب نہیں کہ عقل کی ان چاروں قسموں کی مشترک تعریف کی جائے بلکہ ہر قسم پر علیحدہ علیحدہ گفتگو کرنا زیادہ مناسب ہے۔

پہلی قسم : عقل وہ وصف ہے جس کی وجہ سے انسان دوسرے تمام چوپایوں سے ممتاز ہے۔ یہ وہ وصف ہے جس سے انسان کے اندر نظری علوم کو قبول کرنے اور مخفی فکری صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی استعداد پیدا ہوجاتی ہے۔ مشہور مفکر حرث ابن اسد محاسبی نے یہی تعریف کی ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ عقل ایک فطری قوت ہے جس کے ذریعے انسان علوم نظری کا ادراک کرسکتا ہے۔ گویا یہ ایک نور ہے جو اشیاء کے ادراک کے لیے قلب میں القاء کیا جاتا ہے۔ جس شخص نے اس تعریف کا انکار کیا ہے اور عقل کو بدیہی علوم کے ادراک پر منحصر کیا اس نے انصاف سے کام نہیں لیا۔ اس لیے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ علوم سے غافل اور سوئے ہوئے شخص کو بھی عاقل کہا جاتا ہے۔ محض اس لیے کہ اس میں عقل کی قوت موجود ہے۔ اگرچہ اس وقت علوم موجود نہیں ہیں۔ جس طرح زندگی ایک قوت ہے جس کے ذریعہ انسان جسم کی اختیاری اور بالارادہ حرکات پر قادر ہوجاتا ہے اسی طرح عقل بھی ایک قوت ہے جس کے ذریعے بعض حیوانات فطری علوم کے ادراک پر قادر ہوجاتے ہیں۔ اس تفصیل کے بعد اگر کوئی شخص انسان اور گدھے میں قوت اور حسی ادراکات کے لحاظ سے برابری کا دعویٰ کرنے لگے اور یہ کہے کہ ان دونوں میں اس کے علاوہ کوئی فرق نہیں کہ اللہ نے اپنی عادتِ جاریہ کے مطابق انسان میں علوم پیدا کئے ہیں۔ گدھے اور دوسرے چوپایوں میں پیدا نہیں کیے۔ ہم یہ کہیں گے کہ اگر یہ ہوسکتا ہے تو پھر گدھے اور جمادات (پتھر وغیرہ) میں بھی زندگی کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔ فرق ہے تو صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی جاریہ سنت کے مطابق گدھے میں مخصوص حرکتوں کی قدرت پیدا کردی ہے۔ چنانچہ اگر گدھے کو مردہ پتھر فرض کرلیا جائے تو یہ کہنا واجب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس میں مشاہد حرکت پیدا کرنے پر قادر ہے۔ جس طرح یہ کہنا واجب ہے کہ گدھا جمادات سے ایک قوت کے لحاظ سے ممتاز ہے جسے زندگی کہتے ہیں۔ اسی طرح انسان بھی حیوانات سے ایک قوت کے اعتبار سے ممتاز ہے جسے عقل سے تعبیر کرتے ہیں۔ عقل ایک آئینے کی طرح ہے جو دوسرے اجسام سے اس بناء پر ممتاز ہے کہ وہ صورتوں، شکلوں اور رنگوں کو نقل کردیتا ہے اور صورتوں یا رنگوں کا یہ انعکاس آئینے میں ایک خاص قوت کی وجہ سے ہوتا ہے جسے جِلا کہتے ہیں۔ اسی طرح آنکھ مثلاً پیشانی سے ممتاز ہے کیونکہ اس میں وہ اوصاف موجود ہیں جن سے ان میں دیکھنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے چنانچہ عقل کا علوم سے وہی تعلق ہے جو آنکھ کا دیکھنے سے ہے۔ قرآن و شریعت کا عقل سے وہ تعلق ہے جو آفتاب کی روشنی کو نورِ نگاہ سے ہے۔ عقل کی قوت کو تفصیل کے مطابق سمجھنے کی کوشش کیجئے۔

دوسری قسم : عقل وہ علوم ہیں جو قوتِ تمیز رکھنے والے کسی بھی بچے کی ذات میں موجود ہوں یعنی ممکن چیز کے ممکن ہونے کا علم اور محال کے محال ہونے کا علم۔ مثلاً" اس بات کا علم کہ دو ایک سے زیادہ ہوتے ہیں یا یہ کہ ایک شخص کا ایک ہی وقت میں دو جگہوں پر پایا جانا محال ہے۔ بعض متکلمین نے عقل کی یہی تعریف کی ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ عقل بعض ضروری علوم کو کہتے ہیں۔ یعنی جائز کے جواز اور محال کے استحالہ کا علم۔ یہ بھی تعریف صحیح ہے اس لیے کہ یہ علوم بھی موجود ہیں اور ان کا نام عقل رکھنا بھی درست ہے لیکن ان میں ایک خرابی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس تعریف پر انحصار کرنے سے اس قوت عاقلہ کا انکار کرنا پڑتا ہے جس کا ذکر ہم نے پہلی قسم میں کیا ہے۔

تیسری قسم : عقل ان علوم کو کہتے ہیں جو روزمرّہ کے احوال اور تجربوں سے حاصل ہوں۔ اس لیے کہ اس شخص کو عاقل کہا جاتا ہے جو آزمودہ کار ہو اور زندگی کے مختلف طریقوں سے واقفیت رکھتا ہو اور جو شخص اس صفت کا حامل نہ ہو اسے غبی، جاہل اور ناتجربہ کار کہا جاتا ہے۔ علوم کی اس قسم کو بھی عقل قرار دیتے ہیں۔

چوتھی قسم : چوتھی قسم یہ ہے کہ اس قوت طبعی کی طاقت اس قدر ہو جائے کے امور کے عواقب پر اس کی نظر ہو' اور لذت عاجلہ کی طرف داعی شہوت کا ازالہ کر سکے' جس شخص کو یہ انتہائی قوت میسّر ہوتی ہے اسے عاقل کہتے ہیں' اس اعتبار سے کہ اس کا ہر اقدام انجام کے تقاضوں سے وابستہ ہے' لذتوں کی شہوت کے ساتھ وابستہ نہیں ہے۔ یہ قسم بھی انسان کی خصوصیت ہے۔ اس کے ذریعہ انسان دوسرے حیوانات سے ممتاز ہے۔

اس پوری گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ عقل کی پہلی قسم اصل ہے' اور وہی تمام علوم کا سرچشمہ ہے' دوسری قسم پہلی کی فرع اور سب سے قریب تر ہے' تیسری قسم پہلی اور دوسری قسم کی فرع ہے' اس لیے کہ قوت طبعی' اور بدیہی علوم سے تجربوں کا علم حاصل ہوتا ہے' چوتھی قسم ثمرہ اور مقصد ہے' اول کی دونوں قسمیں طبع اور فطری ہیں' آخر کی دونوں قسمیں کسب سے حاصل ہوتی ہیں۔ اسی لیے حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا:۔

رایت العقل عقلین فمبطوع ومسموع
ولا ینفع مسموع اذا لم یک مطبوع
کما لا تنفع الشمس وضوء العین ممنوع

(ترجمہ۔ میرے خیال میں عقل کی دو قسمیں ہیں۔ فطری' اور سمعی۔ جب تک فطری عقل نہ ہو اس وقت تک سمعی عقل فائدہ نہیں دیتی' جس طرح آنکھ میں روشنی نہ ہو تو سورج کی روشنی سے کوئی نفع نہیں ہوتا۔)

عقل کی پہلی قسم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں مراد ہے۔

ماخلق اللہ عزوجل خلقا اکرم علیہ من العقل (حکیم ترمذی)

اللہ تعالیٰ نے عقل سے افضل کوئی مخلوق پیدا نہیں کی۔

چوتھی قسم مندرجہ ذیل احادیث میں مراد ہے:۔

۱۔ اذا تقرب الناس بابواب البر والاعمال الصالحۃ فتقرب انت بعقلک۔ (ابو نعیم)

جب لوگ اچھے اعمال اور نیک کاموں کے ذریعہ تقرب حاصل کریں تو تو اپنی عقل سے تقرب حاصل کر۔

۲۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لابی الدرداء رضی اللہ عنہ ازدد عقلا تزدد من ربک قربا' فقال بابی انت و امی و کیف لی بذلک؟ فقال اجتنب محارم اللہ تعالیٰ' وادفرائض اللہ سبحانہ تکن عاقلا' واعمل بالصالحات من الاعمال تزدد فی عاجل الدنیا رفعۃ و کرامۃ' و تنل فی آجل العقبی بہا من ربک عزوجل القرب والعز (ابن المحبر' وحکیم ترمذی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالدرداء سے ارشاد فرمایا کہ تو عقل میں زیادہ ہو تاکہ اپنے رب سے قربت میں زیادہ ہو انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ فرمایا! اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں سے اجتناب کر' اور فرائض ادا کر تو عاقل ہو جائے گا' اچھے اچھے عمل کر' تجھے دنیا میں عزت اور بلندی حاصل ہوگی' اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی قربت نصیب ہوگی۔

۳۔ عن سعید ابن المسیب ان عمرو' ابی ابن کعب و ابا ھریرۃ رضی اللہ عنہم دخلوا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالوا یا رسول اللہ! من اعلم الناس؟ فقال صلی اللہ علیہ وسلم: العاقل: قالوا: فمن اعبد الناس؟ قال! العاقل'

قالوا: فمن افضل الناس؟ قال: العاقل، قالوا: الیس العاقل من تمت مروأته وظهرت فصاحته، وجادت کفه، وعظمت منزلته، فقال صلی اللہ علیہ وسلم: ان کل ذلک لمتاع الحیاۃ الدنیا، و الآخرۃ عند ربک للمتقین، ان العاقل ھو المتقی، وان کان فی الدنیا خسیساً ذلیلاً (ابن المحبر)

سعید ابن المسیب کہتے ہیں کہ عمرؓ، ابی ابن کعب اور ابوہریرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا: یا رسول اللہ! لوگوں میں سب سے زیادہ جاننے والا کون ہے؟ آپ نے فرمایا: عقلمند، عرض کیا: لوگوں میں سب سے زیادہ عبادت گذار کون ہے؟ فرمایا: عقلمند، عرض کیا: کیا عقلمند وہ نہیں جو مروّت میں کامل ہو، جس کی فصاحت نمایاں ہو، ہاتھ کا سخی ہو اور بلند مرتبہ ہو، فرمایا: یہ سب چیزیں تو دنیاوی زندگی کی متاع ہیں۔ آخرت اللہ کے نزدیک متقیوں کیلئے ہے۔ عقلمند ہی متقی ہے چاہے وہ دنیا میں خسیس اور ذلیل ہی کیوں نہ رہا ہو۔

۴۔ انما العاقل من آمن باللہ وصدق رسلہ، وعمل بطاعتہ (ابن المحبر)

عاقل وہی ہے جو اللہ پر ایمان لائے اس کے رسولوں کی تصدیق کرے۔ اور اس کی اطاعت بجالائے۔

ایسا لگتا ہے کہ لفظِ عقل اصل لغت کے اعتبار سے خاص اسی فطری قوّت کیلئے وضع کیا گیا تھا جس کا ذکر ہم کرچکے ہیں۔ علوم پر اس کا اطلاق محض اس بنیاد پر ہوا ہے کہ یہ علوم اس قوّت کے ثمرات اور نتائج ہیں۔ چنانچہ کسی چیز کی تعریف اس کے ثمرہ سے بھی کی جاتی ہے۔ مثلاً یہ کہدیتے ہیں کہ علم خوفِ خدا کا نام ہے، اور عالم وہی ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے، یہ اس لیے کہ خوفِ خدا علم کا ثمرہ ہے۔ اسی طرح عقل کا اس کے کسی ثمرہ پر اطلاق بطریقِ مجاز ہے، بطریقِ حقیقت نہیں، یہاں ہمیں لفظ عقل کی لغوی بحث نہیں کرنی ہے، بلکہ یہ بتلانا ہے کہ عقل کی یہ چاروں قسمیں موجود ہیں۔ اور ان سب پر لفظ کا اطلاق صحیح ہے، ان چاروں میں سے پہلی قسم کے علاوہ کسی اور قسم کے وجود میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور صحیح بات یہی ہے کہ وہ بھی موجود ہے اور سب کی اصل ہے، یہ سب علوم فطری قوّت میں موجود ہیں۔ لیکن ان کا اظہار اسی وقت ہوتا ہے جب کوئی سبب اس کے وجود کا پایا جائے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کنواں کھودنے سے پانی نکل آتا ہے، اور جمع ہو کر محسوس ہوجاتا ہے، یہ نہیں کہ باہر سے اس میں کوئی چیز ڈالی جاتی ہو، اسی طرح بادام میں تیل اور گلاب کے پھول میں خوشبودار عرق رہتا ہے۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ۔ (پ۹، ر۱۲، آیت ۱۷۲)

اور جب آپ کے رب نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا، اور ان سے انھیں کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، سب نے جواب دیا: کیوں نہیں۔

اس آیت میں وحدانیت کے اقرار سے مراد نفسوں کا اقرار ہے، زبانوں کا نہیں، کیونکہ زبان کے اعتبار سے تو کوئی مقر ہے اور کوئی منکر، اسی طرح کا مضمون مندرجہ ذیل آیت کریمہ میں وارد ہے:۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ - (پ۲۵، ر۱۳، آیت ۸۷)

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کیا ہے تو یہی کہیں گے کہ اللہ نے۔

ایک موقع پر یہ ارشاد فرمایا:۔

فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا - (پ۲۱، ر۷، آیت ۳۰)

اللہ کی دی ہوئی قابلیّت کا اتباع کرو جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔

یعنی ہر انسان کی فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ خدائے عزوجل پر ایمان لائے' اور اشیاء کو ان کی ماہیت کے مطابق پہچانے' انسان کی فطرت میں اس کی معرفت کی صلاحیت پوشیدہ ہے۔ پھر کیوں کہ فطرت کے اعتبار سے ایمان نفسوں میں راسخ ہے' اس لیے لوگوں کی دو قسمیں ہوئیں۔ ایک تو وہ جس نے روگردانی کی' اور اپنی فطرت کے تقاضوں کو نظرانداز کیا' یہ کافر ہے۔ دوسرا وہ شخص جس نے ذہن پر زور ڈالا' اور اس کو فطرت کے تقاضے یاد آگئے' جس طرح گواہ بھی کبھی بھول جاتا ہے' اور پھر اسے یاد آجاتا ہے' یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں اسی طرح کی آیات کثرت سے ملتی ہیں۔

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ - (پ ۲' ر ۱۱' آیت ۲۲۱)

تاکہ وہ لوگ نصیحت پر عمل کریں۔

وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ - (پ ۱۳' ر ۱۹' آیت ۵۲)

اور تاکہ دانشمند لوگ نصیحت حاصل کریں۔

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ - (پ ۶' ر ۶' آیت ۷)

اور تم لوگ اللہ تعالیٰ کے انعام کو جو تم پر ہوا ہے یاد کرو اور اس کے عہد کو بھی جس کا تم سے معاہدہ کیا ہے۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ - (پ ۲۷' ر ۸' آیت ۲۲)

اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کیلئے آسان کردیا ہے۔

اس قسم کا نام تذکر رکھنا بڑی حد تک درست ہے' اس لیے کہ تذکرہ دو طرح کا ہوتا ہے' ایک یہ کہ وہ صورت یاد کرے جو دل میں موجود ہو' لیکن وجود کے بعد غائب ہو گئی ہو۔ دوسری یہ کہ وہ صورت فطرتاً آدمی کے اندر پوشیدہ ہو اسے یاد کرے' یہ سب حقائق اس شخص کے لیے واضح ہیں جو نورِ بصیرت سے نوازا گیا ہے' لیکن وہ شخص جو محض سننے پر' یا تقلید پر بھروسہ کرے نہ کہ مشاہدے پر وہ شخص ان آیات کے معانی سمجھنے سے محروم ہے' وہ تذکر کے معنی اور نفس کے اقرار کے باب میں طرح طرح کی تاویلات کرتا ہے۔ اور یہ سمجھتا ہے کہ احادیث اور آیت میں بے پناہ اختلافات ہیں' نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ وہ آیات و احادیث پر تحقیر آمیز نظر ڈالتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ یہ سب چیزیں لغو اور بے معنی ہیں۔ اس شخص کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی اندھا کسی گھر میں داخل ہو' گھر میں اگرچہ برتن وغیرہ سلیقے سے رکھے ہوئے ہیں لیکن اندھا ان سے ٹکرا کر گر پڑتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ یہ برتن راستے میں کیوں پڑے ہیں' اپنی اپنی جگہ کیوں نہیں رکھے گئے' اس شخص سے یہ کہا جائے گا کہ برتن تو سب اپنی جگہ پر رکھے ہوئے ہیں' البتہ تمہاری نگاہ کا قصور ہے۔ یہی حال باطنی نظر کا ہے' کمی باطنی نظر میں ہوتی ہے' اور الزام آیات و احادیث کو دیا جاتا ہے' حالانکہ ان میں کسی بھی طرح کا کوئی اختلاف یا تضاد نہیں۔ اپنی عقل اور فہم کا قصور ہے۔ بلکہ باطنی نظر کی کمی ظاہری نظر کی کمی کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے' اس لیے کہ نفس سوار کی طرح ہے اور بدن سواری (گھوڑے وغیرہ) کیطرح ہے' ظاہر ہے کہ سوار کا اندھا ہونا گھوڑے کے اندھے ہونے کے مقابلے میں زیادہ مضر ہے۔ اور ظاہر و باطن کی بصیرتوں میں باہمی مشابہت پائی جاتی ہے' اس سلسلے میں یہ آیت کریمہ ملاحظہ فرمائیے:۔

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ (پ ۲۷' ر ۵' آیت ۱۱)

قلب نے دیکھی ہوئی چیز میں کوئی غلطی نہیں کی۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا:۔

وَكَذَٰلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ - (پ ۷' ر ۱۸' آیت ۷۸)

اور ہم نے ایسے ہی طور پر ابراہیم کو آسمان اور زمین کی مخلوقات دکھلائیں۔

اس کی ضد کو نابینائی قرار دیا گیا' چنانچہ ارشاد ہے :

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِىْ فِى الصُّدُوْرِ۔

(پ ۱۷' ر ۱۳' آیت ۴۶)

بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوجایا کرتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہوجایا کرتے ہیں۔

ایک موقع پر ارشاد فرمایا:۔

وَمَنْ كَانَ فِىْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا۔

(پ ۱۵' ر ۸' آیت ۷۲)

اور جو شخص دنیا میں اندھا رہے گا سو وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا اور زیادہ راہ گم کردہ ہوگا۔

یہ امور جو انبیاء علیہم السلام پر ظاہر ہوئے تھے' ان میں سے کچھ چشمِ ظاہر اور کچھ نورِ بصیرت سے ظاہر ہوئے تھے' مگر سب کیلئے دیکھنے کا لفظ استعمال کیا گیا' خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص کو چشمِ بصیرت حاصل نہ ہوگی اسے دین میں سے صرف چھلکا ملے گا' اس کا مغز یا اس کی حقیقت حاصل نہ ہوسکے گی۔

یہ وہ اقسام ہیں جن پر لفظ عقل کا اطلاق ہوتا ہے۔

لوگوں میں عقل کی کمی یا زیادتی

عقل کے کم یا زیادہ ہونے میں بھی لوگوں نے اختلاف کیا ہے' مگر جن لوگوں کا علم اس سلسلے میں ناقص ہے ان کی تقریر نقل کرنے سے بظاہر کوئی فائدہ نہیں ہے۔ مناسب یہی ہے کہ جو بات واضح اور حق ہو وہی بیان کی جائے۔ اس سلسلے میں حق بات یہ ہے کہ کمی یا زیادتی دوسری قسم کے علاوہ عقل کی باقی تینوں قسموں میں ہوسکتی ہے۔ علم بدیہی یعنی جائز امور کے ہوسکنے اور محالات کے ممتنع ہونے کا علم ایسا ہے جس میں کمی یا زیادتی نہیں ہوسکتی۔ یعنی جو شخص یہ جان لے گا کہ دو ایک سے زیادہ ہیں وہ یہ بھی جانے گا کہ ایک جسم کا بیک وقت دو جگہوں پر پایا جانا محال ہے' یا یہ کہ ایک ہی چیز قدیم اور حادث نہیں ہوسکتی وغیرہ۔ باقی تینوں قسموں میں کمی یا زیادتی ہوسکتی ہے۔ مثلاً چوتھی قسم یعنی قوت کا اس درجہ قوی ہونا کہ شہوت کا قلع قمع کردے۔ اس میں لوگ برابر نہیں ہوتے بلکہ ایک شخص کے حالات بھی اس سلسلے میں یکساں نہیں رہتے' اس سلسلے میں لوگوں کے حالات کا تفاوت کبھی تو شہوت کے تفاوت کی وجہ سے ہوتا ہے' اس لیے کہ کبھی کبھی ایک شخص شہوتیں چھوڑ سکتا ہے۔ لیکن بعض شہوتوں کو چھوڑنے کی اپنے اندر ہمت نہیں پاتا۔ مثلاً آدمی زنا ترک نہیں کرسکتا۔ لیکن جب بڑا ہوجاتا اور عقل پختہ ہوجاتی ہے تو وہ زنا چھوڑنے پر قادر ہوجاتا ہے لیکن نام و نمود اور اقتدار کی شہوت عمر کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ بڑھتی جاتی ہے کم نہیں ہوتی۔ کبھی کبھی اس تفاوت کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ متعلقہ شخص اس علم سے کم یا زیادہ واقف ہوتا ہے جس سے اس شہوت کا ضرر معلوم ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مضر کھانوں سے حکیم یا ڈاکٹر تو پرہیز کرلیتے ہیں۔ لیکن دوسرا شخص جو اگرچہ عقل میں حکیم کے برابر ہے ان سے پرہیز نہیں کرپاتا۔ اگرچہ اسے ان کھانوں کے نقصان کا علم ہے' مگر کیونکہ حکیم کا علم کامل ہے اس لیے اس کا خوف بھی زیادہ ہے اور یہی خوف شہوت کے ازالے میں عقل کا پاسبان اور ہتھیار بن جاتا ہے۔ اسی طرح جاہل کے مقابلے میں عالم گناہوں کو چھوڑنے پر زیادہ قدرت رکھتا ہے' کیونکہ وہ معاصی کے نقصان سے خوب واقف ہے' یہاں عالم سے مراد عالمِ حقیقی ہے' جبہ و دستار والے "علماء" مراد نہیں ہیں۔

بہرحال اگر یہ تفاوت اور فرق شہوت کی وجہ سے ہے تب عقل کے تفاوت سے اسکا کوئی تعلق نہیں ہے لیکن اگر علم کی بنیاد پر ہے تو ہم اس قسم کے علم کو بھی عقل کہہ چکے ہیں' اس بناء پر کہ یہ علم قوتِ طبعیہ کی طاقت میں اضافہ کرتا ہے گویا اس علم کا تفاوت بعینہ عقل کا تفاوت ہوا اور کبھی یہ تفاوت صرف عقل کی قوت میں تفاوت کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ مثلاً جب یہ قوت قوی ہوگی تو ظاہر

ہے کہ شہوت کا قلع قمع بھی اسی شدّت سے کریگی۔

تیسری قسم کا تعلق تجربات سے ہے' اسمیں بھی لوگ کم و بیش ہوتے ہیں' بعض لوگ بات جلد سمجھ جاتے ہیں ان کی رائے اکثر ٹھیک ہوتی ہے' بعض لوگ دیر میں سمجھتے ہیں' عموماً ان کی رائے غلط ہوتی ہے۔ اس قسم کے تفاوت کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ یہ تفاوت کبھی تو طبیعت کے اختلاف کے باعث ہوتا ہے' اور کبھی کسی ایک امر پر ملامت کے باعث۔

پہلی قسم یعنی قوت طبیعی اصل ہے' اس قسم میں بھی درجات کے تفاوت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اسکی مثال ایک نور کی سی ہے' جو نفس کے افق پر روشن ہوتا ہے' اس نور کا نقطۂ آغاز سن تمیز ہے۔ پھر عمر کے ساتھ ساتھ اس نور میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ چالیس برس کی عمر میں یہ نور درجۂ کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے صبح کی روشنی' ابتداء میں یہ روشنی بہت کم ہوتی ہے' یہاں تک کہ اس کا ادراک بھی مشکل ہوتا ہے' پھر بتدریج بڑھتی ہے' اور جب آفتاب طلوع ہوجاتا ہے تو یہ روشنی مکمل ہوجاتی ہے۔

نورِ بصیرت میں کمی یا زیادتی کا فرق آنکھ کی روشنی کے مشابہ ہے۔ چوندھے اور تیز بینائی رکھنے والے شخص کی نگاہ میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ جہاں تک تدریجی اضافے کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کی سنّت جاریہ ہے بلکہ ایجاد میں تدریج نمایاں ہے۔ مثلاً بالغ لڑکے میں قوت شہوت ایکدم ظاہر نہیں ہوتی بلکہ تھوڑی تھوڑی ظاہر ہوتی ہے۔ اسی طرح باقی قوتیں بھی ہیں۔ جو شخص اس قوت طبعی میں کمی یا زیادتی کے فرق کا انکار کرے وہ دائرۂ عقل سے خارج ہے' اور جو شخص یہ خیال کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل کسی دیہاتی گنوار سے زیادہ نہیں تھی تو وہ خود دیہاتی گنوار سے کم تر ہے۔ اس کمی بیشی کا انکار کیسے ممکن ہے؟ اگر اس میں فرق نہ ہوتا تو لوگ علوم سمجھنے میں اتنے مختلف کیوں ہوتے کہ ایک شخص کند ذہن ہے' استاذ مغز زنی کرے تب سمجھے' اور ایک شخص ذہین و فطین ہے محض اشاروں میں پوری بات سمجھ جائے اور کوئی ایسا کامل ہے کہ خود اس کے باطن میں حقائق کے چشمے ابلتے ہیں' سیکھنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔

یَکَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۔ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ (پ ۱۸' ر ۱۱' آیت ۳۵)

اس کا تیل (اسقدر صاف اور سلگنے والا ہے) کہ اگر اس کو آگ بھی نہ چھوئے تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود جل اٹھے گا (اور جب آگ بھی لگ گئی تو) نور علیٰ نور ہے۔

یہ کاملین انبیاء علیہم السلام ہیں' یہ تمام حقائق انکے قلوب میں کسی سے سیکھے بغیر آجاتے ہیں اسے الہام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں یہی مراد ہے۔

ان روح القدس نفث فی روعی احبب من احببت' فانک مفارقه' وعش ماشئت فانک میت' واعمل ماشئت فانک مجزی به (طبرانی)

روح القدس نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی ہے کہ جس کو چاہو دوست بنالو اس سے تمہیں جدا ہونا ہوگا' اور جتنا چاہو جیو تم مرنے والے ہو' اور جو عمل چاہے کرو اس کی جزا تمہیں ملے گی۔

فرشتوں کا انبیائے کرام کو اس طرح خبر دینا وحی نہیں ہے' اس لیے کہ وحی میں کانوں سے سننا اور آنکھوں کے ذریعہ فرشتے کو دیکھنا ہوتا ہے۔ الہام میں یہ بات نہیں ہوتی ہے۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نفث فی روعی (میرے دل میں ڈال دیا) کا لفظ ارشاد فرمایا۔

وحی کے بہت سے درجات ہیں' ان کا تعلق علم معاملہ سے نہیں ہے' بلکہ علم مکاشفہ سے ہے۔ یہ خیال مت کیجئے کہ وحی کے درجات کا معلوم کرلینا وحی کے منصب کا حاصل کرلینا ہے' اس لیے کہ کسی چیز کا جاننا اور چیز ہے' اور اس کا پاجانا اور چیز۔ مثلاً یہ ناممکن نہیں کہ کوئی حکیم صحت کے درجات سے واقفیت رکھنے کے باوجود صحت سے محروم ہو' اور عالم عدل کے درجات سے واقف

ہونے کے باوجود عدالت نہ رکھتا ہو' اسی طرح جو شخص نبوّت اور ولایت کے درجات سے واقف ہو جائے' ضروری نہیں کہ وہ نبی یا ولی ہو' یا جو شخص تقویٰ اور ورع سے واقف ہو ضروری نہیں کہ وہ متقی بھی ہو۔

بعض لوگوں میں از خود سمجھنے کی صلاحیت ہوتی ہے' بعض لوگ تعلیم و تنبیہہ سے سمجھ جاتے ہیں' اور بعض لوگ تنبیہہ و تعلیم سے بھی نہیں سمجھ پاتے' اس کی مثال زمین کی ہے' زمین بھی تین طرح کی ہوتی ہے ایک تو وہ جسمیں پانی جمع ہوتا ہے' اور اس سے چشمہ ابلنے لگتا ہے' دوسری قسم وہ ہے جس میں کنواں کھودنے کی ضرورت ہوتی ہے' اس کے بغیر پانی نہیں نکلتا' تیسری قسم میں وہ زمین داخل ہے جسے کھودنے سے بھی پانی جاری نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زمین کے جواہر اپنے اوصاف میں مختلف ہوتے ہیں۔ یہی حال نفوس اور قوّت عاقلہ کا ہے' عقل کے کم ہونے یا زیادہ ہونے پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جو حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے مروی ہے' انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ دریافت کیا' یہ ایک طویل حدیث ہے' جس کے آخر میں عرش کی عظمت کا تذکرہ بھی ہے' روایت کے الفاظ یہ ہیں:۔

قالت الملائکة : یا ربنا ھل خلقت شیئاً اعظم من العرش ؟ قال نعم العقل قالوا: وما بلغ من قدرہ؟ قال: ھیھات ! الا یحاط بعلمه' ھل لکم علم بعدد الرمل؟ قالوا: لا! قال اللہ عزوجل: فانی خلقت العقل اصنافا شتی کعدد الرمل' فمن الناس من اعطی حبة' و منھم من اعطی حبتین' و منھم من اعطی الثلاث و الاربع' منھم من اعطی فرقا' و منھم من اعطی وسقا' و منھم من اعطی اکثر من ذالک (حکیم ترمذی)

فرشتوں نے خدا تعالیٰ سے عرض کیا: اے اللہ! کیا آپ نے عرش سے عظیم تر بھی کوئی چیز پیدا کی ہے؟ فرمایا: ہاں! عقل! عرض کیا: عقل کی مقدار کتنی ہے؟ فرمایا: اس پر تمہارا علم محیط نہیں ہوگا۔ کیا تم ریت کے ذرات کی تعداد جانتے ہو؟ عرض کیا: نہیں! اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے ریت کے ذرات کے بقدر عقل کی قسمیں بنائی ہیں۔ بعض لوگوں کو ایک رتی ملی ہے' بعض لوگوں کو دو' بعض کو تین' اور بعض کو چار۔ بعض لوگوں کو ایک فرق (آٹھ سیر کے بقدر) عطا ہوا ہے' بعض کو ایک وسق (اونٹ کے بوجھ کے برابر) ملا ہے' اور کسی کو اس سے بھی زائد عنایت ہوا۔

صوفی اور عقل : اب اگر یہ کہا جائے کہ عقل کی اس قدر عظمت اور اہمیت ہے تو یہ صوفی حضرات عقل اور معقول کو برا کیوں سمجھتے ہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے عقل اور معقول کے اصل معنی چھوڑ دیئے ہیں اور اسے مجادلوں اور مناظروں کے ساتھ مخصوص کر لیا ہے' مجادلوں اور مناظروں کے فن کو علم کلام کہتے ہیں۔ اب معقول یہی رہ گیا ہے کہ بحث کی جائے' فریق ثانی پر الزامات لگائے جائیں' الزام اور جواب الزام کا یہ سلسلہ دراز تر ہو۔ صوفیائے کرام سے یہ تو نہیں ہو سکا کہ وہ لوگوں سے کہتے کہ تم نے اس علم کو غلطی سے معقول ٹھہرا لیا ہے' اسلئے کہ یہ بات ان کے دلوں میں راسخ ہو گئی ہے' اور زبان پر رائج ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ صوفیوں کے بتانے سے وہ یہ اعتقاد ترک کر دیں۔ اس لیے انھوں نے مروّجہ عقل اور معقول کی مذمّت کا راستہ اختیار کیا۔ ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ لوگ نورِ بصیرت کی مذمّت کریں جس سے اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے' اور انبیاءِ کرام کی تصدیق کی جاتی ہے۔ اس کی تعریف اللہ تعالیٰ نے خود فرمائی ہے۔ اگر اسی کی مذمّت کی جانے لگے تو پھر تعریف کی مستحق کیا چیز ہے؟ اسے یوں سمجھنا چاہیے کہ شریعت قابل تعریف چیز ہے' لیکن شریعت کے حق ہونے کا علم ہمیں عقل سے ہوتا ہے' اگر عقل ہی بری قرار دیدی جائے تو شریعت کیسے اچھی قرار دی جائے گی۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ شریعت کی حجت کا علم عین الیقین اور نورِ ایمان سے ہوتا ہے نہ کہ عقل سے تو اس کی یہ بات تسلیم۔

مگر عقل سے ہماری مراد بھی یہی عین الیقین اور نور ایمان ہے' یعنی وہ باطنی صفت جس سے انسان چوپایوں سے ممتاز ہوتا ہے اور حقائق کے ادراک کی قوت حاصل کرتا ہے' اس طرح کے مغالطے دراصل ان لوگوں کی جہالت سے پیدا ہوتے ہیں جو حقائق کو الفاظ کے آئینے میں دیکھتے ہیں' کیوں کہ الفاظ میں اختلافات ہیں' اس لیے حقائق بھی مختلف سمجھ لیے جاتے ہیں۔ عقل کے بیان میں یہ تفصیل بہت کافی معلوم ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عنایت اور مہربانی سے "کتاب العلم" مکمل ہوئی۔ اب "کتاب العقائد" شروع ہوتی ہے۔ انشاءاللہ۔

"والحمدللہ اولاً و آخراً وصلے اللہ علی سیدنا محمد و علی کل عبد مصطفی من اھل الارض والسماء۔

پہلا باب

کتابُ العقائد

عقائد کا بیان

کلمۂ شہادت کے بارے میں اہل سنّت کا عقیدہ : اس باب میں کلمۂ طیبہ یعنی "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کے بارے میں اہل سنت کے عقیدہ کی تفصیل بیان کی گئی ہے یہ کلمہ اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن ہے' اس کا پہلا جملہ توحید پر مشتمل ہے' اور دوسرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر۔ اس لیے ان دونوں کی تفصیل الگ الگ بیان کی جارہی ہے۔ پہلا جملہ توحید پر مشتمل ہے۔ توحید کا تقاضا ہے کہ ان امور کا اعتقاد کیا جائے۔

وحدانیت : یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں اکیلا ہے' کوئی اس کا شریک نہیں' یکتا ہے' کوئی اس جیسا نہیں' بے نیاز ہے' کوئی اس کا حریف نہیں' نرالا ہے کوئی اس کی نظیر نہیں' ایک ہے' قدیم اور ازلی ہے' اسکی کوئی ابتدا نہیں' ہمیشہ رہنے والا ہے' اس کی کوئی انتہا نہیں' قیوم ہے' اس کا انقطاع نہیں' دائم ہے جس کو کبھی فنا نہیں' عظمت اور جلال کے اوصاف سے متصف ہے' اور متصف رہے گا' زمانوں کے گذرنے' اور ماہ و سال کے ختم سے بھی وہ ختم نہیں ہوگا' وہی اوّل ہے' وہی آخر ہے' وہی ظاہر ہے' وہی باطن ہے۔

تنزیہ : یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ نہ صورت دار جسم رکھتا ہے' نہ وہ محدود ذی مقدار جوہر ہے' نہ وہ عرض ہے' نہ اس میں کوئی عرض حلول کئے ہوئے ہے بلکہ نہ وہ کسی موجود کے مشابہ ہے اور نہ کوئی موجود اس کے مشابہ ہے' نہ وہ کسی جیسا ہے اور نہ اس جیسا کوئی ہے۔ نہ وہ کسی مقدار میں محدود ہے اور نہ جہتیں اسے گھیرے ہوئے ہیں' نہ آسمان و زمین اس کو محیط ہیں' وہ عرش پر اس طرح ہے جس طرح اس نے کہا' یا جس طرح اس نے ارادہ کیا' یعنی وہ عرش کو چھونے' اس پر جمنے' یا اس میں حلول کرنے سے پاک ہے۔ عرش اس کو نہیں اٹھاتا بلکہ عرش اور حاملین عرش' سب کو اسکی قدرت نے اٹھا رکھا ہے اور سب کے سب اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ وہ عرش سے' آسمان سے' زمین کی ہر چیز سے اوپر ہے۔ اس کی فوقیت اس طرح کی ہے کہ وہ نہ عرش اور آسمان کے قریب ہے' اور زمین سے دور' بلکہ وہ عرش اور آسمان سے بلند تر ہے' اسی طرح وہ زمین سے بلند تر ہے' لیکن اس کے باوجود وہ ہر موجود چیز سے قریب ہے' اور بندہ کی شہ رگ سے بھی قریب تر ہے' موجود کے پاس اس کی قربت اجسام کی قربت سے مشابہ نہیں' جس طرح کہ اس کی ذات اجسام کی ذات سے مشابہ نہیں۔ نہ وہ کسی چیز میں حلول کرتا ہے اور نہ کوئی چیز اس میں حلول کرتی ہے' وہ اس سے بلند تر ہے کہ کوئی مکان اس کا محیط ہو' اسی طرح وہ اس سے پاک ہے کہ کوئی اسکا احاطہ کرسکے' وہ زمان و مکان کی تخلیق

سے پہلے موجود تھا اور اب بھی ایسا ہی ہے جیسا پہلا تھا۔ وہ اپنی صفات میں مخلوق سے جدا ہے' نہ اس کی ذات میں اس کے سوا دوسرا ہے' اور نہ کسی دوسرے میں اس کی ذات ہے' وہ تبدیلی اور تغیر سے پاک ہے' نہ حوادث اس پر نازل ہوتے ہیں اور نہ عوارض طاری ہوتے ہیں' بلکہ ہمیشہ ہمیش وہ زوال وفنا سے پاک رہے گا' اپنی صفاتِ کمال میں اس کو کسی اضافے کی ضرورت نہیں جس سے اسکا کمال پورا ہو' اسکا وجود عقلوں کے ذریعہ معلوم ہے' جنت میں نیک لوگوں پہ اس کا یہ انعام ہو گا کہ وہ انھیں اپنے دیدار کے شرف سے نوازے گا۔

حیات اور قدرت : یہ اعتقاد کرے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے' قادر ہے' جبّار و قاہر ہے' نہ اس پر عجز طاری ہوتا ہے اور نہ اس سے کوتاہی واقع ہوتی ہے۔ نہ اسے نیند آتی ہے اور نہ اونگھ' نہ اس کے لیے فنا ہے اور نہ اسے موت واقع ہوتی ہے وہ ملک اور ملکوت والا ہے' وہ صاحب عزت و جبروت ہے' اسی کے لئے سلطنت' اقتدار' خلق اور امر ہیں۔ آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہیں' اور تمام مخلوقات اس کی مٹھی میں ہیں' تخلیق میں وہ منفرد ہے' ایجاد و ابداع میں اس کا کوئی ثانی نہیں اس نے مخلوق کو پیدا کیا' ان کے اعمال کی تخلیق کی' ان کے رزق متعین کئے' اور موت کا وقت مقرر فرمایا۔ کوئی چیز اس کے دستِ قدرت سے باہر نہیں ہے' نہ اس کی قدرت کے تغیرات باہر ہیں' نہ اسکی زیرِ قدرت چیزوں کا شمار ممکن ہے' اور نہ اس کی معلومات کی انتہا معلوم ہے

علم : یعنی یہ جانا کہ خدا تعالیٰ تمام معلومات کا علم رکھتا ہے' زمین کی تہوں سے لے کر آسمان کے اوپر تک جو کچھ ہے اس کا علم سب کو محیط ہے' آسمان و زمین میں کوئی ذرّہ بھی اس کے دائرہ علم سے خارج نہیں' بلکہ وہ سیاہ رات میں سخت پتھر پر رینگنے والی سیاہ چیونٹی کے رینگنے' اور ہوا کے درمیان ذرّہ کے اڑنے کا بھی علم رکھتا ہے' ہر پوشیدہ اور ظاہریات اس کے علم میں ہے' دلوں کے حالات' خیالات' اور باطن کے مخفی اسرار جانتا ہے' اس کا علم قدیم ہے' ازلی ہے' وہ ہمیشہ سے اس علم کے ساتھ متصف رہا ہے۔ ایسا نہیں کہ یہ علم اس کی ذات میں حلول و انتقال سے نیا پیدا ہوا ہے۔

ارادہ : یعنی یہ اعتقاد کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق ارادے سے کی ہے' اور تمام پیدا شدہ چیزوں کا انتظام وہی کرتا ہے' ملک اور ملکوت میں جو کچھ ہے' تھوڑا ہے یا بہت' چھوٹا ہے یا بڑا' خیر ہے یا شر' نفع ہے یا نقصان' ایمان ہے یا کفر' معرفت ہے یا جہالت' کامیابی ہے یا محرومی' طاعت ہے یا معصیت۔ سب اسی کے حکم' تقدیر' حکمت اور خواہش سے ہیں۔ اس نے جس چیز کو چاہا وہ ہوئی اور جس کو نہ چاہا وہ نہیں ہوئی۔ پلک جھپکنا' دل میں کسی خیال کا پیدا ہونا اس کی خواہش سے باہر نہیں بلکہ وہی شروع کرنے والا وہی لوٹانے والا ہے۔ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے کوئی اس کا حکم رد کرنیوالا نہیں اور نہ کوئی اس کے فیصلے کو منسوخ کرنے والا ہے۔ گناہوں سے بچنا اس کی توفیق اور مدد کے بغیر ممکن نہیں اور نہ اس کی اطاعت اس کی خواہش اور اس کے ارادے کے بغیر ممکن ہے' اگر دنیا بھر کے لوگ' جن' فرشتے' اور شیطان اور متفقہ طور پر دنیا میں کسی ذرّہ کو اس کے ارادے اور خواہش کے بغیر حرکت و سکون دینا چاہیں تو یہ خارج از امکان ہے اس کا ارادہ اس کی تمام دوسری صفتوں کے ساتھ اس کی ذات سے قائم ہے' اور وہ ہمیشہ سے ان اوصاف کے ساتھ متصف رہا ہے' اور ہمیشہ رہے گا' اس نے ازل ہی میں اشیاء کے وجود کا ارادہ کیا' اور ان کا وقت مقرر فرمایا' چنانچہ اس کے ارادے کے مطابق اپنے اپنے وقت پر کسی تقدیم و تاخیر کے بغیر ہی چیز وجود پذیر ہوئی' بلکہ اس کے ارادے کے مطابق کسی تبدیلی یا تغیر کے بغیر واقع ہوئی' اس نے امور عالم کا وہ نظم کیا کہ نہ اس میں افکار و مقدمات کی ترتیب کی ضرورت پیش آئی' نہ کچھ دیر کا انتظار کرنا پڑا' اسے ایک حالت دوسری حالت سے غافل نہیں کرتی۔

سننا اور دیکھنا : یعنی یہ اعتقاد کرنا کہ اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ہے' سنتا ہے' دیکھتا ہے' کوئی سننے کی چیز کتنی ہی آہستہ کیوں نہ کہی گئی ہو یا دیکھنے کی چیز کتنی ہی باریک کیوں نہ ہو اس کے سننے اور دیکھنے سے بچ نہیں سکتی۔ نہ دوری اس کے سننے کی راہ میں رکاوٹ ہے' نہ تاریکی دیکھنے میں مانع ہے۔ وہ دیکھتا ہے مگر چشم و ابرو سے پاک ہے' سنتا ہے مگر کانوں اور کانوں کے سوراخوں سے منزہ ہے' جیسے علم

میں دل سے، پکڑنے میں عضو سے، پیدا کرنے میں آلہ سے پاک ہے۔ جس طرح اس کی ذاتِ پاک مخلوق کی ذات کی طرح نہیں اس طرح اس کی صفات بھی مخلوق کی صفات کے مشابہ نہیں۔

کلام : یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کلام کرنیوالا ہے اور اپنے ازلی، قدیم کلام سے جو اسکی ذات کے ساتھ قائم ہے حکم دیتا ہے، منع کرتا ہے، وعدہ کرتا ہے اور ڈراتا ہے، اس کا کلام مخلوق کے کلام کی طرح نہیں کہ ہوا کے ذریعہ اجرام کے ٹکراؤ سے، زبان کی تحریک اور ہونٹوں کے آپس میں ملنے سے آواز پیدا ہوتی ہو۔ بلکہ ان سب سے جداگانہ ہے، قرآن، توراۃ، زبور اور انجیل اس کی کتابیں ہیں جو اس کے پیغمبروں پر نازل ہوئیں۔ قرآن کریم کی تلاوت زبانوں سے ہوتی ہے اوراق پر لکھا جاتا ہے، دلوں میں محفوظ کیا جاتا ہے۔ اس کے باوجود وہ قدیم ہے، اور اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کیساتھ قائم ہے، اس سے جدا ہو کر دلوں میں یا اوراق پر منتقل نہیں ہو سکتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کلام آواز اور حروف کے بغیر سنا تھا جس طرح کہ نیک لوگ آخرت میں اللہ تعالیٰ کو جوہر عرض کے بغیر دیکھیں گے۔

افعال : یہ عقیدہ رکھنا کہ جو چیز موجود ہے وہ اسی کے فعل سے حادث ہے، اسی کے عدل سے مستفید ہے، اس کا وجود بہتر، اتم، اکمل اور اعدل طریقے پر ظہور پذیر ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے افعال میں حکیم اور اپنے احکام میں عادل ہیں، اس کے عدل کو بندوں کے عدل پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے کہ بندہ سے ظلم کا امکان ہے اس طرح پر کہ وہ غیر کے ملک میں تصرّف کرے، اللہ تعالیٰ سے ظلم ممکن نہیں، کیونکہ اس کو غیر کی ملک ملتی نہیں ہے کہ وہ اس میں تصرّف کر کے ظالم کہلائے، جو کچھ اس کے سوا ہے انسان، جن فرشتے، شیطان، زمین، آسمان، حیوانات، سبزہ، جماد، جوہر، عرض، مدرک اور محسوس سب حادث ہیں۔ اس نے اپنی قدرت سے ان چیزوں کو عدم سے وجود عطا کیا، ازل میں تنہا تھا۔ کوئی دوسرا اس کے ساتھ نہ تھا، اپنی قدرت کے اظہار اور اپنے ارادہ کی تکمیل کے لئے اس نے مخلوق کو پیدا کیا۔ اس لیے نہیں کہ اسے مخلوق کی ضرورت تھی، یا وہ ان کی تخلیق کا محتاج تھا، خلق، اختراع، تکلیف (مکلّف بنانے میں) انعام اور اصلاح میں اپنے فضل و کرم سے کام لیتا ہے، کوئی چیز اس پر واجب نہیں ہے، فضل، احسان، نعمت اور انعام سب اسی کے لئے ہیں، وہ اسپر قادر تھا کہ وہ اپنے بندوں کو عذاب دیتا اور انھیں طرح طرح کی تکلیفوں میں مبتلا کرتا۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ بھی اس کا عدل ہوتا نہ کہ ظلم ـــــ اللہ تعالیٰ نے اپنے مؤمن بندوں کو ان کی طاعات پر اپنے کرم اور وعدہ کے مطابق ثواب عطا کرتا ہے۔ نہ بندہ اس ثواب کا مستحق ہے اور نہ اس پر یہ لازم ہے کہ وہ اسے اجر و ثواب سے نوازے، اس لیے کہ اس پر کسی کے لیے کوئی فعل واجب نہیں ہے، نہ اس سے ظلم ممکن ہے، اور نہ کسی کا اس پر حق واجب ہے، بلکہ مخلوق پر اس کا حق واجب ہے، کہ اس کے احکام کی تعمیل کرے، یہ حق اس نے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ واجب کیا ہے، محض عقل سے واجب نہیں کیا۔ رسولوں کو دنیا میں بھیجا، معجزوں کے ذریعہ ان کی صداقت ظاہر فرمائی۔ انھوں نے اس کے اوامر، نواہی، اس کے وعدے اور وعید مخلوق تک پہنچائے اسی لیے یہ بھی ضروری ہوا کہ لوگ اس کے بھیجے ہوئے رسولوں کو سچا جانیں، اور جو کچھ وہ لے کر آئے ہیں اسے تسلیم کریں۔

اب کلمۂ طیبہ کے دوسرے جملے کی تفصیل سنئے، خدا کی وحدانیت کے اقرار کے ساتھ ساتھ یہ اعتقاد بھی کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اُمّی قرشی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب و عجم، جنّ و انس کی طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا۔ ان کی شریعت سے تمام سابقہ شریعتوں کو ان احکام کے علاوہ جنہیں اس نے باقی رکھا منسوخ قرار دیا۔ آپ کو تمام انبیاء پر فضیلت دی اور تمام انسانوں کا سردار بنایا۔ ایمان کامل کے لیے لا الٰہ الا اللہ کی شہادت کو کافی نہیں سمجھا بلکہ رسول کی شہادت بھی ضروری قرار دی۔ دنیا اور آخرت سے متعلق جن امور کی خبر آپ نے دی ان کی تصدیق واجب قرار دی۔ کسی بندہ کا ایمان اس وقت تک قبول نہیں کیا جاتا جب تک کہ وہ مرنے کے بعد کے حالات پر جن کی خبر آپ نے دی ہے ایمان نہ لائے۔ مرنے کے بعد بعض حالات یہ ہیں جن پر ایمان لانا

ضروری ہے۔

بندہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ منکر نکیر کی تصدیق کرے۔ یہ دونوں ہولناک اور مہیب صورت کے دو شخص ہیں جو بندے کو قبر میں روح اور جسم کے ساتھ سیدھا بٹھلاتے ہیں اور اس سے توحید و رسالت کے متعلق دریافت کرتے ہیں۔ تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ تیرے نبی کون ہیں؟ (*)

یہ دونوں قبر میں امتحان لینے والے ہیں۔ (۱) مرنے کے بعد اولین آزمائش منکرین کا سوال ہے۔ (۲) قبر کے عذاب پر ایمان لائے۔ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ عذابِ قبر حکمت اور انصاف کے ساتھ جسم روح دونوں پر جس طرح خدا کی مرضی ہوگی ہوگا۔ (۳) میزان پر ایمان لائے کہ اس کے دو پلڑے ہیں۔ بیچ میں ایک زبانہ ہوگا۔ اس کے پلڑے اتنے بڑے ہوں گے جتنے آسمان و زمین کے طبقات ہیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اعمال تولے جائیں گے۔ باٹ اس دن ذرّہ اور رائی برابر ہوں گے تاکہ انصاف کے تقاضے پورے ہوں۔ نیکیوں کے صحیفے نور کے پلڑے میں ڈالے جائیں گے۔ نیکیوں کے درجات جس قدر بارگاہِ خداوندی میں بلند ہوں گے اسی قدر ترازو بھاری ہوگی اور برائیوں کے صحیفے تاریک پلڑے میں ڈالے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے عدل کے باعث ترازو ان سے ہلکی ہو جائے گی۔ (۴) پل صراط پر ایمان لائے کہ دوزخ کی پشت پر ایک پل تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک بنا ہوا ہے جس پر سب کا گذر ہوگا۔ خدا تعالیٰ کے حکم سے کافروں کے پاؤں اس پل پر پھسلیں گے اور وہ دوزخ میں گر جائیں گے اور ایمان والوں کے پاؤں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس پر جمے رہیں گے اور وہ دارُالقرار میں داخل کر دیئے جائیں گے۔ (۵)

حوض پر ایمان لائے جس پر مؤمنین گذریں گے۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حوض ہے۔ اہلِ ایمان اس کا پانی جنت میں داخل ہونے سے پہلے اور پل صراط سے اترنے کے بعد پئیں گے۔ (۶) جو شخص اس حوض کا ایک گھونٹ پانی پی لے گا وہ کبھی پیاسا نہیں ہوگا۔ اس حوض کی چوڑائی ایک ماہ کی مسافت کے بقدر ہے۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے میٹھا ہے۔ اس کے چاروں طرف رکھے ہوئے پیالے یا پانی کے برتن آسمان کے ستاروں کی تعداد میں ہوں گے۔ (۷) اس حوض میں دو پرنالے جنت

(*) عن ابی ہریرۃ ! اذا قبر المیت او قال : احدکم آتاہ ملکان اسودان ازرقان یقال لاحدھما المنکر وللآخر النکیر (ترمذی ابن حبان) عن انس : ان العبد اذا وضع فی قبرہ و تولی عنہ اصحابہ وانہ لیسمع قرع نعالھم اتاہ ملکان فیقعدانہ (بخاری و مسلم)

(۱) عن عبداللہ ابن عمرو : و انھما فتانا القبر (احمد و ابن حبان) (۲) ان سوالھما اول فتنۃ بعد الموت (یہ حدیث نہیں ملی)

(۳) عن عائشۃ انکم تفتنون او تعذبون فی قبورکم (بخاری و مسلم) عن ابی ہریرۃ و عائشۃ استعاذتہ صلی اللہ علیہ وسلم من عذاب القبر (بخاری و مسلم) (۴) عن عمر : قال الایمان ان تومن باللہ و ملائکتہ و کتبہ و رسلہ و تومن بالجنۃ والنار والمیزان ذی الکفتین واللسان، و صفتہ فی العظم انہ مثل طباق السموات والارض (بیہقی) یہ حدیث مسلم شریف میں بھی ہے لیکن اس میں میزان کا تذکرہ نہیں ہے۔ ابوداؤد میں عائشہؓ کی حدیث ہے لیکن اس میں میزان کے ہلکے یا بھاری ہونے کا تذکرہ نہیں ہے۔ ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں حضرت عائشہؓ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔ "ای حی قد علمنا الموازین ھی الکفتان فیوضع فی ھذہ الشئی ویوضع فی ھذہ الشئی فیرجح احداھما و تخف الاخری۔" (۵) عن ابی ہریرۃ وھو (الصراط) ممدود علی متن جہنم احد من السیف و ادق من الشعر (بخاری و مسلم) عن ابی سعید ! ثم یضرب الجسر علی جہنم (بخاری و مسلم) زادہ مسلم : قال ابو سعید ! ان الجسر ادق من الشعر واحد من السیف۔ مسند احمد ابن حنبل میں یہ قول بروایت عائشہ مرفوع بھی نقل ہوا ہے۔

(۶) حوض پر ایمان لانے اور اہل ایمان کا حوض سے پانی پینے کے متعلق حدیث مسلم میں انسؓ سے مروی ہے۔ یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "انا اعطیناک الکوثر" کے نزول کے موقع پر ارشاد فرمائی۔ حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں : "وھو حوض ترد علیہ امتی یوم القیامۃ آنیتہ عدد النجوم (۷) عن عبداللہ ابن عمر : من شرب منہ شربۃ لم یظمأ بعدھا ابداً عرضہ میسرۃ شھر اشد بیاضا من اللبن واحلی من العسل، حولہ اباریق عدد نجوم السماء (بخاری و مسلم)

کے چشمۂ کوثر سے گرتے ہیں۔ (*) حساب پر ایمان لائے۔ لوگ حساب کے معاملے میں مختلف ہوں گے۔ بعض لوگوں سے سخت حساب لیا جائے گا، بعض لوگوں سے چشم پوشی کی جائے گی اور بعض لوگ بے حساب جنّت میں داخل ہوں گے۔
یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے ہوں گے۔ (۱) اللہ تعالیٰ انبیاء میں سے جس سے چاہے یہ پوچھ لے گا کہ تم نے تبلیغِ رسالت کی ذمہ داری ادا کی یا نہیں؟ کافروں میں جس سے چاہے انبیاء کی تکذیب کے سلسلے میں بازپرس کرے گا۔ (۲) اہلِ بدعت سے سنّت کے متعلق اور مسلمانوں سے اعمال کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ (۳) اس کا بھی اعتقاد کرے کہ اہلِ توحید سزا کے بعد دوزخ سے نکلیں گے۔ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے کوئی موحّد دوزخ میں باقی نہیں رہے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی موحّد ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا۔ (۴) شفاعت پر ایمان لائے، پہلے شفاعت انبیاء علیہم السلام کریں گے پھر شہداء، بعد میں باقی تمام مسلمان۔ ہر شخص کو بارگاہِ ایزدی میں جس قدر عزّت و تکریم حاصل ہوگی اسی قدر اس کی سفارش منظور ہوگی۔ کچھ اہل ایمان ایسے باقی رہ جائیں گے جن کی کسی نے بھی سفارش نہ کی ہو۔ انہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے دوزخ سے نجات عطا کرے گا چنانچہ دوزخ میں کوئی صاحبِ ایمان ہمیشہ نہیں رہے گا بلکہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا وہ دوزخ سے نجات پائے گا۔
(۵) یہ اعتقاد رکھے کہ صحابہ کرام افضل ہیں اور افضلیت میں ان کے درجات کی ترتیب اس طرح ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب لوگوں میں افضل حضرت ابوبکرؓ ہیں۔ ان کے بعد حضرت عمرؓ ان کے بعد حضرت عثمانؓ ان کے بعد حضرت علیؓ (۶)
صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے سلسلے میں حسن ظن رکھے۔ ان کی تعریف کرے جس طرح اللہ اور اس کے رسول نے ان کی تعریف کی ہے۔
(۷) یہ سب وہ امور ہیں جنہیں احادیث نبوی اور آثار صحابہ و تابعین کی تائید حاصل ہے۔ جو شخص ان امور کا پورے یقین کے ساتھ اعتقاد رکھے گا وہ اہل سنّت والجماعت میں سے ہوگا۔ گمراہی اور بدعت سے دور رہے گا۔ ہم اپنے لیے اور عامۃ المسلمین کے لیے اللہ تعالیٰ سے کمال یقین اور راہ حق میں ثبات قدمی کی دعا کرتے ہیں۔ وہ ارحم الراحمین ہے و صلی اللہ علیٰ سیدنا محمد و آلہ واصحابہ اجمعین۔

(*) عن ثوبان : یغت فیہ میزابان یمدانہ من الجنۃ احدھما من ذھب والآخر من ورق (مسلم)
(۱) حساب پر ایمان لانے والے حساب میں سخت گیری اور چشم پوشی کرنے اور بعض لوگوں کے بلاحساب جنّت میں جانے کی حدیث حضرت عمرؓ سے بیہقی میں منقول ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں : "من نوقش الحساب عذب' قالت : قلت الیس یقول اللہ تعالیٰ فسوف یحاسب حساباً یسیرا؟ قال ذلک العرض" بخاری و مسلم میں حضرت ابن عباس کی یہ حدیث بھی ہے۔ "عرضت علی الامم فقیل ھذہ امتک و معھم سبعون الفا یدخلون الجنۃ بغیر حساب ولا عذاب" (۲) عن ابی سعید الخدری : یدعی نوح یوم القیامۃ فیقول لبیک و سعدیک یا رب' فیقول ھل بلغت؟ فیقول' نعم : فیقال لامتہ' فیقولون ما اتانا من نذیر فیقول من یشھدلک؟ الخ (۳) عن عائشۃ : من تکلم بشئی من القدر سئل عنہ یوم القیامۃ (ابن ماجہ) عن ابی ھریرۃ' ما من داع یدعو الی شئی الا وقف یوم القیامۃ لازما لدعوۃ ما دعا الیہ وان دعا رجل رجلا (ابن ماجہ) (۴) ابوہریرہ کی ایک طویل حدیث کا اقتباس : "حتّٰی اذا فرغ اللہ من القضاء بین العباد و اراد ان یخرج برحمتہ من اراد من اھل النار امر الملائکۃ ان یخرجوا من النار من کان لا یشرک باللہ شیئاً ممن اراد اللہ ان یرحمہ ممن یقول لا الہ الا اللہ (بخاری و مسلم) (۵) "عن عثمان بن عفان : یشفع یوم القیامۃ ثلاثۃ الانبیاء ثم العلماء ثم الشھداء (ابن ماجہ) عن ابی سعید الخدری : من وجدتم فی قلبہ مثقال حبۃ من خردل من الایمان فاخرجوہ (بخاری و مسلم) ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں : شفعت الملائکۃ و شفعت النبیون و شفع المومنون ولم یبق الا ارحم الراحمین فیقبض قبضۃ من النار فیخرج منھا قوماً لم یعملوا خیراً قط (بخاری و مسلم) (۶) عن ابن عمر : قال : کنا نخیر بین الناس فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فنخیر ابابکر ثم عمر بن الخطاب ثم عثمان بن عفان (بخاری) (۷) عن عبداللہ بن مغفل : اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوھم غرضا بعدی (ترمذی) و عن ابی سعید الخدری لا تسبوا اصحابی (بخاری و مسلم) و عن ابن مسعود : اذا ذکر اصحابی فامسکوا (طبرانی)

ارشاد میں تدریج اور اعتقادیات میں ترتیب کی ضرورت

جاننا چاہیے کہ ہم نے جو کچھ پہلی فصل میں لکھا ہے بچوں کو اس کی تعلیم و تلقین ابتدائی عمر میں ہی کرا دینا چاہیے تاکہ وہ یاد کرلیں۔ بڑا ہونے پر ان عقائد کے معانی خود بخود ان پر واضح ہوتے چلے جائیں گے۔ مختصر یہ کہ ابتداء میں محض یاد کرنا ہے۔ فہم، اعتقاد، یقین اور تصدیق سب بعد کے درجات ہیں۔ ابتداء میں بات بچوں کے دلوں میں بغیر دلیل کے بھی جڑ پکڑ لیتی ہے۔ یہ اللہ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے انسان کا دل ایمان کے لیے کھول دیا ہے۔ ایمان کی تلقین کے لیے حجت اور برہان کی ضرورت نہیں پڑتی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ عوام کے عقائد کا آغاز صرف تلقین اور تعلیم سے ہوتا ہے۔ یہ بات صحیح ہے کہ جو اعتقاد کے خلاف کوئی شبہ پیدا کردیا جائے تو یہ شبہ مؤثر ہوسکتا ہے اس لیے یہ ضروری ہے کہ عام لوگوں کے دلوں میں اس طرح کے عقیدوں کو خوب تقویت دی جائے۔ اعتقاد کی تقویت کا یہ طریقہ ہرگز نہیں کہ بحث و مناظرہ کے دروازے کھولے جائیں بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت، آیت کی تفسیر اور حدیث کی تشریح سمجھنے میں مشغول رہے اور روز مرّہ کی عبادات انجام دیتا رہے۔ عبادات کے انوار دل کے نہاں خانوں کو منوّر کردے گا اور جو کچھ خوف و خشیّت، تواضع و انکساری کا فیض اسے صالحین کی ہم نشینی سے حاصل ہوگا اس سے اعتقاد کو تقویت ملے گی۔ چنانچہ لڑکپن میں بچے کو عقائد کی تعلیم و تلقین کرنا زمین میں بیج بونے سے مشابہت رکھتا ہے اور بعد کے سب لوازم بیج کو پانی دینے اور اس کی صفائی و نگہداشت رکھنے کے مشابہ ہیں۔ یہی بیج ایک دن تناور درخت بن جاتا ہے۔ اتنا بلند و بالا درخت کہ اس کی جڑ زمین کی گہرائیوں میں اور شاخیں آسمان کی وسعتوں میں ہوتی ہیں۔

<u>عقائد اور مناظرانہ مباحث</u> : بچوں کو عقائد میں مناظرانہ بحثوں سے دور رکھنا چاہیے۔ اس لیے کہ اس طرح بات دلوں میں راسخ نہیں ہوتی بلکہ اکھڑ جاتی ہے۔ اس طرزِ تعلیم میں فوائد کم اور نقصانات زیادہ ہیں۔ بچوں کے دلوں میں اختلافی بحثوں کے ذریعہ عقائد کی تلقین کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص صبح و شام درخت کی جڑ اور تنے پر ہتھوڑا برسائے اور یہ توجیہ کرے کہ میں اس طرح درخت کو خوب مضبوط بنانا چاہتا ہوں۔ حالانکہ یہ بعید نہیں کہ اس طرح کے مسلسل عمل سے درخت مضبوط ہونے کی بجائے ٹوٹ کر گر جائے۔ چنانچہ عام طور پر ہوتا بھی یہی ہے۔ اس مشاہدہ کے بعد اب کچھ کہنا سننا ہی بیکار ہے۔

عوام میں جو لوگ نیک، متقی اور عبادت گذار ہیں ان کا موازنہ فنِ مناظرہ میں ماہر علماء سے کیجئے۔ آپ دیکھیں گے کہ عوام کے عقائد پہاڑوں کی طرح اٹل ہیں۔ ان پر کسی چیز کا اثر نہیں ہوتا اور فنِ مناظرہ سے اپنے عقائد کی حفاظت کرنے والوں کے عقائد ہوا میں معلق دھاگے کی طرح ہیں جو کبھی ادھر جھک جاتا ہے اور کبھی ادھر۔ کیونکہ وہ لوگ (عوام) اعتقاد کو بطور تقلید حاصل کرتے ہیں۔ یعنی دلیل اور مدلول کے سیکھنے میں کوئی فرق نہیں کرتے بلکہ دونوں میں تقلید ہوتی ہے۔ یہ لوگ بحث و نظر کی راہ سے اعتقادیات اور ان کے دلائل کا علم حاصل نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ عقیدوں میں روز بروز پختگی آتی جاتی ہے۔ پھر اگر وہ بچہ جس کی تربیت عقیدہ پر ہوئی بعد میں دنیا کمانے میں مشغول ہوگیا تب تو اسے اس عقیدہ کے علاوہ اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ تاہم اہلِ حق کے عقائد رکھنے کی وجہ سے آخرت میں سلامتی پائے گا۔ اس لیے کہ شریعت نے عرب بدوؤں کو صرف یہی حکم دیا تھا کہ وہ اپنے عقائد مضبوط بنالیں۔ بحث و نظر، اور بتکلف دلائل وضع کرنے کا حکم انہیں نہیں دیا گیا تھا۔ اگر وہ بچہ بڑا ہوکر راہِ آخرت کے مسافروں کا ایک فرد بننا پسند کرے گا اور توفیقِ الٰہی اس کے ساتھ ہوگی تو اسے عمل میں مشغول ہونا ہوگا۔ تقویٰ اختیار کرنا ہوگا اور نفس کو خواہشات سے باز رکھ کر ریاضت اور مجاہدے پر توجہ دینی ہوگی۔ اس صورت میں اس پر ہدایت کے دروازے کھل جائیں گے اور اس کو نورِ الٰہی سے جو مجاہدوں کی وجہ سے اس کے دل میں روشن ہوگا ان عقیدوں کی حقیقتیں واضح ہوجائیں گی کیونکہ مجاہدہ کرنے والوں کے

دلوں میں اس نور کی شمع روشن کرنے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ قرآن پاک میں ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ (پ ۲۱ ' ر ۲ ' آیت ۶۹)

اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستے ضرور دکھائیں گے اور بے شک اللہ تعالیٰ ایسے خلوص والوں کے ساتھ ہے۔

یہ نور ایک جوہر نفیس ہے جو صدّیقین اور مقرّبین کے ایمان کی غایت ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق کے دل میں جو راز ڈالا گیا تھا اور جس کی وجہ سے آپ کو باقی تمام مخلوقات پر فضیلت حاصل تھی۔ اس راز سے بھی درا صل اسی نور کی طرف اشارہ ہے پھر اسرار سے واقف ہونے کے بھی متعدد درجات ہیں۔ جتنا کوئی مجاہدہ کرے گا اپنے باطن کو جس قدر صاف اور غیر اللہ سے پاک رکھے گا اور نورِ یقین سے جس قدر روشنی حاصل کرے گا اسی قدر اسرار بھی کھلیں گے۔ علم اسرار کو بھی علم طب' علم فقہ اور دوسرے علوم کی طرح سمجھنا چاہیے۔ ان علوم میں لوگ اپنی محنت' ذہن اور مذاق کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں۔ اسی طرح علم اسرار میں ہر ایک کا درجہ برابر نہیں ہوتا۔

ایک استفتاء اور اس کا جواب

استفتاء : مناظرہ اور کلام سیکھنا علم نجوم کی طرح برا ہے یا مباح یا مستحب؟

جواب : اس مسئلے میں دو فریق ہیں اور دونوں نے اس کے جواز و حرمت میں بے پناہ مبالغے سے کام لیا ہے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس کا سیکھنا بدعت ہے' حرام ہے بلکہ یہاں تک کہہ دیا ہے کہ شرک کے علاوہ بندہ کوئی اور گناہ کر کے مرجائے تو علم کلام سیکھنے کے مقابلے میں یہ زیادہ بہتر ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کا سیکھنا واجب ہے' فرضِ کفایہ ہے اور فرضِ عین ہے۔ یہ سب اعمال سے بہتر ہے۔ اس لیے کہ اس کا سیکھنا علم توحید کی تحقیق اور خدا تعالیٰ کے دین کی طرف سے لڑنا ہے۔ امام شافعیؒ امام مالکؒ امام احمدؒ سفیان ثوری اور دوسرے ماہرین علم حدیث اس کی حرمت کے قائل ہیں۔ ابو عبد الاعلیٰ کہتے ہیں کہ جس روز امام شافعیؒ نے علم کلام کے ماہر معتزلی حفص فرد سے مناظرہ کیا تھا اس روز میں نے انہیں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بندہ شرک کے علاوہ کوئی اور گناہ کر کے خدا سے ملے یہ زیادہ بہتر ہے' اس سے کہ علم کلام سیکھ کر اس کی موت آئے۔ میں نے حفص کا ایک اور مقولہ سنا ہے لیکن میں اسے نقل نہیں کر سکتا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں اہل کلام کی ایک ایسی بات پر مطلع ہوا ہوں کہ مجھے کبھی اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ اگر بندہ خدا تعالیٰ کے تمام منہیات میں سوائے شرک کے مبتلا ہو جائے تو یہ اس کے حق میں علم کلام میں مشغول ہونے سے بدرجہا بہتر ہے۔ کرابیسیؒ روایت کرتے ہیں کہ کسی شخص نے امام شافعیؒ سے علم کلام کا کوئی مسئلہ دریافت کیا۔ آپ نے خفا ہو کر جواب دیا۔ یہ بات حفص فرد اور اس کے ساتھیوں سے معلوم کرو۔ اللہ انہیں رسوا کرے۔ امام شافعی جب بیمار ہوئے تو حفص فرد ان کی عیادت کے لیے گیا۔ امام شافعیؒ نے پوچھا : تو کون ہے؟ جواب دیا : میں ہوں حفص۔ فرمایا ! خدا تیری حفاظت نہ کرے اس وقت تک کہ تو اس سے توبہ نہ کرے۔ جس میں مبتلا ہے۔ یہ بھی فرمایا ! اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ علم کلام میں کتنی بدعتیں ہیں تو وہ اس سے ایسے بھاگیں جیسے شیر سے بھاگتے ہیں۔ ایک مرتبہ فرمایا ! جب تم کسی شخص کو یہ کہتے ہوئے سنو کہ اسم مسمّٰی ہے یا مسمّٰی کا غیر تو جان لو کہ وہ کلام والوں میں سے ہے اور اس کا کوئی دین نہیں ہے۔ زعفرانی کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ کلام والوں کے بارے میں میری تجویز یہ ہے کہ ان کے ڈنڈے لگوا کر قبیلوں میں پھرایا جائے اور یہ اعلان کرایا جائے کہ یہ اس شخص کی سزا ہے جو کتاب اللہ اور حدیثِ رسول اللہ کے بجائے علم کلام میں مشغول ہو۔

امام احمد حنبلؒ فرماتے ہیں کہ اہل کلام کو کبھی فلاح نصیب نہ ہوگی۔ ہر کلام والے کے دل میں یہ غل اور فریب ہوتا ہے۔ کلام کی برائی میں آپ نے یہاں تک مبالغہ کیا کہ محاسبیؒ سے ان کے زہد اور ورع و تقویٰ کے باوجود ملنا ترک کر دیا۔ اس لیے کہ انہوں نے ایک کتاب اہل بدعت کے رد میں لکھی تھی۔ فرمایا ! کم بخت پہلے تو ان کی بدعتیں نقل کرتا ہے اور ان کے جوابات دیتا ہے۔

گویا تو لوگوں کو اپنی تصنیف سے رغبت دلاتا ہے کہ بدعت دیکھیں تو ان کے شبہات کا مطالعہ کریں۔ اسی طرح وہ لوگ بحث و نظر کے عادی ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی امام احمد کا قول ہے کہ علمائے کلام بددین ہیں۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر کلام والے کے مقابلے میں کوئی ایسا شخص آجائے جو اس سے زیادہ تیز و طرار اور لڑائی میں ماہر ہو تو ہر روز ایک نیا دین ایجاد ہو گا۔ اس لیے ان کا کلام ایک دوسرے کی ضد ہو گا اور ہر ایک اپنی رائے پر اٹل رہے گا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ بدعت اور اہل ہویٰ کی گواہی درست نہیں ہے۔ آپ کے بعض شاگرد کہتے ہیں کہ اہل ہوئی سے آپ کی مراد اہل کلام ہیں خواہ وہ کسی مذہب پر ہوں۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ جو شخص علم کی طلب کلام سے کرتا ہے وہ بددین ہو جاتا ہے۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ اہل ہویٰ سے نہ جدل کرو نہ ان کے پاس بیٹھو اور نہ ان کی باتیں سنو۔ سلف نے کلام کی مذمت پر اتفاق کیا ہے اور جتنی شدید وعیدیں اس سلسلے میں ان حضرات سے منقول ہیں وہ شمار سے باہر ہیں۔ ان کی رائے ہے کہ صحابہ نے حقائق سے زیادہ واقف ہونے کے باوجود اور دوسروں کی بہ نسبت گفتگو میں زیادہ فصیح اور خطابت میں زیادہ ماہر ہونے کے باوجود کلام سے سکوت کیا۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ وہ لوگ کلام کی خرابیوں سے واقف تھے۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار ارشاد فرمایا۔

هلك المتنطعون (مسلم)

بحث اور کلام میں پڑے رہنے والے ہلاک ہوئے۔

یہ حضرات یہ دلیل بھی دیتے ہیں کہ اگر علم کلام کا تعلق دین سے ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو اس کی تعلیم ضرور فرماتے۔ اس کا طریقہ بیان کرتے۔ اس علم کی اور اس علم کے حامل علماء کی تعریف و توصیف ضرور کرتے کیونکہ آپ نے صحابہ کو استنجاء کے طریقے بھی سکھلائے۔ (مسلم شریف) فرائض یاد کرنے کا حکم دیا۔ (ابن ماجہ) تقدیر میں گفتگو کرنے سے منع فرمایا اور یہ حکم دیا کہ تقدیر کے مسائل میں خاموشی اختیار کرو۔ (۱) صحابہ کرام ہمیشہ اسی اصول پر کاربند رہے۔ چنانچہ اس اصول سے تجاوز کرنا ظلم کے مترادف ہے۔ یہ بھی ایک واضح حقیقت ہے کہ صحابہؓ پیشوا اور استاذ ہیں اور ہم پیروکار اور شاگرد ہیں۔ ہمیں ہر حال میں صحابہ کرام کی اتباع کرنی چاہیے۔

دوسرا گروہ جو علم مناظرہ و کلام کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے۔ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ کسی علم کی برائی یا اس کے الفاظ و اصطلاحات کی بنیاد ہوتی ہے یا اس کے معانی و مقاصد کے اعتبار سے۔ چنانچہ اگر علم کلام میں یہ خرابی ہے کہ اس میں جوہر' عرض اور دوسری اصطلاحات ایسی ہیں جو صحابہ کرام کے دور میں موجود نہ تھیں تو بات بہت معمولی ہے۔ اس لیے کہ ہر علم میں اس کی تفہیم کے خیال سے نئی نئی اصطلاحات وضع ہو چکی ہیں۔ یہاں تک حدیث' تفسیر اور فقہ میں بھی بے شمار اصطلاحات ایسی ہیں کہ اگر صحابہؓ کے سامنے پیش ہوتیں تو وہ ان کو سمجھ نہ پاتے۔ جیسے قیاس' نقض' کسر' ترکیب' تعدید' فساد وغیرہ اصطلاحات ہیں۔ غرضیکہ اصل مقصد پر دلالت کرنے کے لیے الفاظ کا وضع کرنا ایسا ہے جیسا کہ ایک نئی صورت کا برتن بنا کر مباح ضرورت میں استعمال کرنا۔ اس میں کوئی بھی شخص خرابی کا قائل نہیں لیکن اگر کلام میں خرابی معانی اور مقاصد کی بنیاد پر ہے تو ہم اہلِ کلام کا واحد مقصد یہ ہے کہ لوگ اس علم کے ذریعہ عالم کے حدوث اور باری تعالیٰ کی ذات و صفات کی وحدانیت کے دلائل جان لیں۔ یہ بتلائیے کہ اللہ تعالیٰ کو دلائل کے ذریعہ پہچاننے میں کیا خرابی ہے؟ اور اسے حرام کیسے کہا جا سکتا ہے۔ ہاں! اگر علم کلام میں یہ خرابی ہے کہ اس کا انجام شور و شغب' تعصب' دشمنی' بغض اور کینہ ہے تو بلاشبہ یہ حرام ہے۔ اس سے بچنا واجب ہے۔ لیکن یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ علم حدیث' تفسیر اور فقہ وغیرہ کے جاننے سے بعض لوگوں میں کبر' عجب' پندار کے جذبات اور نام و نمود کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کی صفات بھی حرام ہیں اور ان سے بچنا بھی واجب ہے مگر محض ان کی وجہ سے علم کو برا نہیں کہا جا سکتا۔ اس

(۱) یہ حدیث باب العلم میں گزر چکی ہے۔

طرح دلائل کے ذکر اور بحث و نظر کو برا کیسے کہا جا سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۔ (پ۱، ر۱۳، آیت ۱۱۱)

آپ کہیے کہ اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو۔

کچھ اور آیات یہ ہیں :

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ (پ۸، ر۵، آیت ۴۸)

آپ کہیے کہ کیا تمہارے پاس کوئی دلیل ہے تو اس کو ہمارے روبرو ظاہر کرو۔

إِنْ عِنْدَكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ بِهَذَا (پ۱۱، ر۱۳، آیت ۶۸)

تمہارے پاس اس (دعویٰ) پر کوئی دلیل نہیں۔

قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ (پ۸، ر۵، آیت ۴۹)

آپ کہیے پس پوری حجت اللہ ہی کی رہی۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ إِلَى ۔۔ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ ۔

(پ۳، ر۳، آیت ۲۵۸)

کیا تجھ کو اس شخص (نمرود) کا قصہ معلوم نہیں جس نے ابراہیم سے اپنے پروردگار کے بارے میں مباحثہ کیا تھا۔ اس وجہ سے کہ اللہ نے اسے سلطنت دی تھی (آیت کے آخر میں ہے) اس (دلیل) پر متحیر رہ گیا وہ کافر۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کا حجت کرنا، جدل کرنا، دشمن کو ساکت کر دینا بطور تعریف بیان فرمایا ہے۔ ایک جگہ یہ ارشاد فرمایا۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَى قَوْمِهِ ۔ (پ۷، ر۱۴، آیت ۸۳)

اور یہ ہماری حجت تھی وہ ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلے میں دی تھی۔

قَالُوا يَا نُوحُ قَدْ جَادَلْتَنَا فَأَكْثَرْتَ جِدَالَنَا ۔ (پ۱۲، ر۳، آیت ۳۲)

وہ لوگ کہنے لگے اے نوح تم ہم سے بحث کر چکے پھر بحث بھی بہت کر چکے۔

فرعون کے قصے میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے سامنے اللہ تعالیٰ کی حقانیت پر دلائل بیان کئے ہیں۔ قرآن کریم میں شروع سے آخر تک کفار کے ساتھ حجتیں ہیں۔ چنانچہ متکلمین توحید، رسالت، حشر و نشر وغیرہ اہم عقائد میں مندرجہ ذیل آیات بطور حجت پیش کرتے ہیں۔

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا ۔ (پ۱۷، ر۲، آیت ۲۲)

(زمین یا آسمان میں) اگر اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبود ہوتا تو دونوں درہم برہم ہو جاتے۔

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَى عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِهِ ۔ (پ۱، ر۳، آیت ۲۳)

اور اگر تم کچھ خلجان میں ہو اس کتاب کی نسبت جو ہم نے نازل فرمائی ہے اپنے بندہ پر تو پھر تم بنا لاؤ ایک محدود ٹکڑا جو اس کے ہم پلہ ہو۔

قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۔ (پ۲۳، ر۴، آیت ۷۹)

آپ جواب دیجئے کہ ان کو وہ زندہ کرے گا جس نے اوّل بار میں ان کو پیدا کیا ہے۔

قرآن کریم میں اس طرح کی آیات بکثرت موجود ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ بھی مجادلے کا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے

ہیں۔

وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ۔ (پ ۱۴ ر ۲۲ آیت ۲۵)

اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث کیجئے۔

صحابہ کرام نے بھی منکرین حق سے مناظرے اور مجادلے کیے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ وہ صرف ضرورت کے وقت مناظرے کیا کرتے تھے اور مناظروں کی ضرورت ان کے دور میں بہت کم تھی۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت علیؓ نے اہل بدعت سے مجادلہ کیا اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کو خارجیوں سے بحث کرنے کے لیے بھیجا۔ انہوں نے خارجیوں سے دریافت کیا' تم اپنے امام کی سزا کا مطالبہ کیوں کر رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا! اس لیے کہ انہوں نے قتال کیا اور قیدی ہمیں نہیں دیئے۔ نہ مال غنیمت تقسیم کیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ مسلمانوں کی باہمی جنگ تھی۔ قیدی اور اموال غنیمت کی تقسیم اس جنگ میں ہوتی ہے۔ جو کفار سے ہو۔ بھلا یہ بتلاؤ کہ اگر جنگ جمل میں حضرت عائشہ قید ہو جاتیں اور وہ تمہارے حصہ میں ہوتیں تو کیا تم ان سے وہی سلوک کرتے جو باندیوں سے کیا جاتا ہے حالانکہ قرآن کے مطابق وہ تمہاری ماں ہیں۔ خارجیوں نے کہا! ایسا ہرگز نہ ہوتا۔ یہ ایک طویل مجادلہ ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دو ہزار خارجی آپ کے مطیع ہو گئے۔

مروی ہے کہ حضرت حسنؓ نے ایک ایسے شخص سے مناظرہ کیا جو تقدیر کا منکر تھا۔ بعد میں وہ اپنے مذہب سے تائب بھی ہوا۔ حضرت علیؓ نے ایک قدریہ سے مناظرہ کیا۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے یزید ابن عمیرہ سے ایمان کے سلسلے میں مناظرہ کیا تھا۔ اس موقعہ پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم یہ کہو کہ میں مؤمن ہوں تو یہ ضرور کہو کہ میں جنت میں جاؤں گا۔ یزید ابن عمیرہ نے کہا! اے صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ غلطی پر ہیں۔ ایمان تو اس کا نام ہے کہ ہم اللہ پر' اس کے فرشتوں' کتابوں' رسولوں پر' بعث بعد الموت اور وزن اعمال پر ایمان لائیں۔ نماز' روزہ اور زکوٰۃ وغیرہ کے احکام کی تعمیل کریں۔ ہمارے کچھ گناہ ہوں اور یہ یقین ہو کہ وہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ تب ہم یہ کہیں گے کہ ہم اہل جنت میں سے ہیں۔ ان گناہوں کی وجہ سے ہم یہ کہتے ہیں کہ ایماندار ہیں مگر یہ نہیں کہتے کہ اہل جنت میں سے ہیں۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ واقع میں تم نے درست کہا ہے بخدا! مجھ سے خطا ہوئی۔

اب رہی یہ بات کہ صحابہ اس طرح کے مجادلوں میں بہت کم دلچسپی لیتے تھے۔ ضرورت پڑتی تو کم سے کم تقریر کرتے۔ مجادلوں کو انہوں نے کبھی فن نہیں سمجھا اور نہ اس میں کبھی تصنیف و تالیف کی ضرورت محسوس کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دور صحابہ میں مناظروں کی ضرورت کم سے کم تھی کیونکہ بدعات کا ظہور بہت کم ہوتا تھا۔ جہاں تک تقریر میں اختصار کا تعلق ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تقریر فریق ثانی کو خاموش کرنے' اسے قائل کرنے' اس کے شبہات دور کرنے اور اس پر امر حق واضح کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ اگر فریق ثانی کا اعتراض تفصیل طلب ہو گا یا اس پر اس کا اصرار زیادہ ہو گا تو اس کا جواب بھی طویل ہو گا۔ صحابہؓ کے پاس کوئی پیمانہ نہیں تھا کہ وہ اس سے اپنی تقاریر کی مقدار متعین کرتے۔ جہاں تک تدریس و تالیف یا تصنیف کا تعلق ہے تو صحابہ کرام کو اس کا ذوق نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ فقہ' تفسیر اور حدیث میں بھی انہوں نے تدریس یا تصنیف و تالیف کا مشغلہ اختیار نہیں کیا۔ اگر فقہ میں تصنیف کرنا اور نادر شکلیں وضع کرنا اس خیال سے صحیح ہے کہ کبھی اس کی ضرورت پیش آجائے یا محض اس سے ذہین طالب علموں کی ضیافت طبع مقصود ہو تو ہم بھی مجادلوں کے طریقوں کو اس خیال سے صحیح سمجھتے ہیں کہ شاید شبہات کے ازالے کے لیے کارآمد ہوں۔ اہل بدعات کا جوش و خروش کم کرنے اور ذہین طالب علموں کی جودت طبع کے لیے مفید ہوں جیسے لڑائی کے لیے ہتھیار بنائے جاتے ہیں اگرچہ جنگ کے دوران ان کی افادیت مسلم ہے۔

امر حق کیا ہے؟ یہ دونوں فریقوں کی تقریریں ہیں۔ ہمارے نزدیک تحقیقی بات یہ ہے کہ ہر حال میں مطلق کلام کو برا کہنا یا ہر حال میں اس کی تعریف کرنا دونوں غلط ہیں۔ یہ ایک تفصیل طلب تحقیق ہے۔ ذیل میں ہم اس کی وضاحت کرتے ہیں۔

حرمت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ کوئی چیز ذات سے حرام ہو۔ جیسے شراب اور مردار۔ اپنی ذات سے حرام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے حرام ہونے کی علت خود اس کے اندر کا کوئی وصف ہو جیسے شراب میں نشہ اور مردار میں موت ہے۔ اس طرح کے امور میں جب ہم سے دریافت کیا جائے گا تو ہم یہی کہیں گے کہ یہ چیزیں مطلقاً حرام ہیں ہم اس کا خیال نہیں کریں گے کہ اضطرار کے وقت مردار کھانا جائز ہے یا اس وقت شراب کا استعمال صحیح ہے۔ جب گلے میں کوئی ٹکڑا اٹک جائے اور اس کے حلق سے نیچے اتارنے کے لیے شراب کے علاوہ کوئی دوسری سیّال چیز موجود نہ ہو۔ حرمت کی دوسری قسم یہ ہے کہ کوئی شئے غیر کے سبب سے حرام ہو۔ مثلاً مسلمان بھائی کی بیع پر بیع کرنا۔ اذانِ جمعہ کے وقت خرید و فروخت کرنا اور مٹی کھانا وغیرہ ان کی حرمت کی وجہ یہ ہے کہ ان میں ضرر ہے۔ وہ امور جن کی حرمت ضرر کی بنیاد پر ہوتی ہے دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ کہ ان کا تھوڑا یا بہت دونوں مضر ہوں۔ اس کو بھی مطلق حرام کہا جائے گا مثلاً زہر جو کہ اس کا تھوڑا بھی مہلک ہے اور زیادہ بھی مہلک ہے۔ ایک وہ کہ ان کا ضرر کثرت کے وقت ظاہر ہوتا ہے مثلاً گرم مزاج رکھنے والے کے لیے شراب کی کثرت مضر ہے یا جیسے مٹی کے کھانے میں بھی کثرت مضر ہے۔ اس طرح کی چیزوں کو مباح کہا جائے گا۔ شراب پر حرمت کا اطلاق اور شہد پر جواز کا اطلاق غالب احوال کے اعتبار سے ہے۔ چنانچہ اگر کوئی ایسی چیز ہو جس میں حالات ایک دوسرے سے مختلف ہوں تو اس کے ہر حال کے مطابق حکم الگ ہوگا۔ اس سلسلے میں بہتر اور محتاط طریقہ یہی ہے کہ ہر ایک حالت کی الگ الگ تفصیل بیان کی جائے۔

اس تفصیل کی روشنی میں ہم علم کلام پر نظر ڈالتے ہیں اس میں نفع ہے اور نقصان بھی۔ اس لیے ہم یہ کہتے ہیں کہ علم کلام اپنے نفع کے اعتبار سے محل میں جائز ہے یا واجب ہے یا مستحب ہے یا اس کا وہ حکم ہے جس کا اس کا حال مقتضی ہو اور اپنے ضرر کے اعتبار سے ضرر کے محل میں حرام ہے۔

علم کلام کا ضرر یہ ہے کہ اس سے شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ عقائد میں یقین اور پختگی کی کیفیت باقی نہیں رہتی۔ یہ کیفیت علم کلام کی وادیٔ پُر خار میں قدم رکھتے ہی پیدا ہو جاتی ہے۔ بعد میں دلائل کے ذریعہ اس یقین کی واپسی مشکوک رہتی ہے۔ اس سلسلے میں لوگ مختلف ہیں۔ کوئی دلیل کے بعد اپنے اعتقاد کی اصلاح کر لیتا ہے اور کوئی دلیل کے باوجود شک و شبہ میں مبتلا رہتا ہے۔ یہ ضرر تو امر حق کے اعتقاد کے تعلق سے ہے۔ دوسرا ضرر ان لوگوں کے سلسلے میں ہے جن سے مناظرہ کیا جاتا ہے۔ مناظرہ میں کیونکہ تعصب سے کام لیا جاتا ہے اس لیے فریق مخالف امر حق کے ادراک کے باوجود اپنے غلط نظریات پر قائم رہتا ہے اور ان ہی پر اصرار کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عام بدعتی کے غلط عقائد کا ازالہ بہت جلد اور بڑی آسانی سے ممکن ہے۔ لیکن اگر کسی بدعتی کا نشو و نما کسی ایسے شہر میں ہو جہاں مناظرانہ بحثوں میں تعصب سے کام لیا جاتا ہو اگر اگلے پچھلے لوگ متفق ہو کر اس کے عقائد کو رد کر دیں تب بھی وہ باز نہیں آئے گا بلکہ خواہش نفس، تعصب اور فریق مخالف کے سلسلے میں جذبۂ خصومت اس پر اتنا غالب رہتا ہے کہ وہ حق کا ادراک نہیں کر سکتا۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص اس سے یہ کہے کہ کیا تم اس پر رضامند ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری آنکھوں کے سامنے سے پردہ ہٹا دے اور تم یہ دیکھ لو کہ امر حق فریق مخالف کی طرف ہے تو وہ یہ تجویز بھی محض اس لیے رد کر دیتا ہے کہ اس سے فریق ثانی کو خوشی ہوگی۔ یہ ایک بڑا مرض ہے جو شہروں میں پھیل گیا ہے اور ایک ایسا فساد ہے جو متعصب مناظرین کے تعصب کا شاخسانہ ہے۔

علم کلام یا علم مناظرہ کا فائدہ یہی ہے کہ اس سے حقائق واضح ہوتے ہیں اور اشیاء کی ماہیت سمجھ آتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ کلام میں یہ فائدہ مفقود نہیں ہے بلکہ کشفِ حقیقت اور معرفتِ اشیاء کے بجائے اس سے گمراہی اور غلط فہمی کو زیادہ رواج ملتا ہے۔ یہ بات اگر تم کسی محدث یا کسی معمولی عالم سے سنو گے تو یہ خیال ہوگا کہ یہ لوگ اس فن سے ناواقف ہیں اس لیے اس کی مخالفت کرتے ہیں لیکن یہ بات ہم سے سنو ہم نے اس فن کا طویل تجربہ کیا ہے اور تجربے کے بعد اس کی غایت انتہا تک پہنچنے کی کوشش کی ہے۔ مزید یہ کہ ان علوم میں بھی مہارت اور دسترس پیدا کی ہے جو فن کلام سے مناسبت رکھتے ہیں لیکن بعد میں یہی خیال رہا کہ اس علم کے ذریعہ حقائق کی معرفت ممکن نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس علم سے ہمیں نفرت ہے۔

اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بعض امور کی وضاحت اور بعض حقائق کا اظہار اس فن کے ذریعے ہو جاتا ہے لیکن ایسا

بہت کم ہوتا ہے اور اگر کبھی ہوتا بھی ہے تو صرف ایسے امور میں جو اس فن کے بغیر بھی غالباً سمجھ میں آجائیں۔ بہرحال اس نفع کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔ علم کلام کا اگر کوئی خاص اور قابل ذکر نفع ہے تو صرف یہی کہ جو عقائد ہم نے ابتداء میں ذکر کیے ہیں اس علم کے ذریعے ان کی حفاظت کی جائے اور عوام کے عقائد کو اہل بدعت کے فاسد خیالات اور شکوک و شبہات سے محفوظ رکھا جائے کیونکہ عام آدمی ضعیفُ الاعتقاد ہوتا ہے۔ بدعتی کے مناظرے اس کو متزلزل بنادیتے ہیں۔ اس موقع پر مناظرہ ضروری ہے گو یہ مقابلہ فاسد کا فاسد سے ہے مگر پھر بھی افادیت سے خالی نہیں ہے۔

یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ لوگوں کے لیے وہی عقیدہ عبادت شمار کیا جاتا ہے جس کا ذکر گذشتہ صفحات میں کرچکے ہیں۔ اس لیے کہ یہ عقیدہ شریعت میں مذکور ہے اور اسی میں ان کے دین و دنیا کی بھلائی ہے۔ سلف صالحین کا اجماع بھی اسی عقیدہ پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء کے حق میں یہ بھی ایک عبادت ہے کہ وہ عوام کو بدعتیوں کے دجل و فریب سے محفوظ رکھیں جیسا کہ رعایا کی جان و مال کو ظالم و غاصب کے لوٹ کھسوٹ سے محفوظ رکھنا حکام وقت کے لیے باعث ثواب ہے۔

علماء کو نصیحت : اس علم کے فوائد اور نقصانات پر یہ ایک اجمالی گفتگو ہے۔ اس کی روشنی میں علماء کو چاہیئے کہ وہ علم کلام کو بوقت حاجت اور بقدر حاجت استعمال کریں۔ جس طرح حاذق حکیم خطرناک دوا کو بغیر ضرورت اور زائد از ضرورت استعمال نہیں کرتے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ عوام جو اپنے پیشوں اور صنعتوں میں مشغول ہیں انہیں سیدھے سادے عقائد پر رہنے دیا جائے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ عقائد حق ہوں۔ جیسا کہ ہم نے ان کی تفصیل بیان کی ہے۔ ان لوگوں کو کلام نہ سکھلایا جائے۔ اس لیے کہ ایسے لوگوں کو کلام سکھلانا ان کے حق میں انتہائی مضر ہے۔ اکثر وہ کلام سن کر شکوک و شبہات میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ اعتقاد کی بنیادیں ہل جاتی ہیں اور بعد میں ان کی اصلاح ممکن نہیں رہتی۔ جو عامی بدعت کا معتقد ہو اسے امر حق کی دعوت لطیف و نرم انداز میں دینی چاہیئے۔ اس کے سامنے ایسی گفتگو کرنی چاہیئے جس سے نفس میں قناعت اور دل میں تاثر پیدا ہو۔ دلائل قرآن کریم اور حدیث شریف کے طرز پر ہوں۔ کسی قدر ان میں نصیحت اور تخویف بھی موجود ہو' اس سلسلے میں تعصب نہ اختیار کرنا چاہیئے کیونکہ اس کے حق میں جدل کے بجائے نرم گفتاری اور نصیحت مفید ہے۔ اس لیے کہ عامی جب جدل سنے گا تو یہ خیال کرے گا کہ یہ مناظرہ کا فن ہے جو فریق ثانی نے سیکھ لیا ہے تاکہ اس کے ذریعے لوگوں کو اپنے عقائد کی طرف گھسیٹ سکے۔ اگر وہ عامی جواب سے عاجز ہوا تو یہ فرض کرے گا کہ میرے مذہب والے بھی ان اعتراضات کا جواب دے سکتے ہیں۔ میں اپنی کم علمی کی وجہ سے مجبور ہوں۔ اس طرح کے لوگوں کے ساتھ جدل کرنا حرام ہے۔ ایسے لوگوں کے ساتھ بھی جدل کرنا حرام ہے جو شکوک میں مبتلا ہوگئے ہوں۔ اس لیے کہ شک کا ازالہ وعظ و نصیحت سے ہونا چاہیئے۔ اس میں بھی نرمی ہو اور دلائل ایسے ہوں جو فہم سے قریب تر ہوں' پسندیدہ ہوں اور ان میں موقت پسندی کا پہلو نہ ہو۔

انتہائی درجہ کا جدل یا مناظرہ صرف اس عامی کے حق میں مفید ہے جو جدل کے ذریعہ بدعات میں مبتلا ہوگیا ہو۔ چنانچہ اس صورت میں جدل کا مقابلہ جدل سے ہونا چاہیئے تاکہ عامی مذکور اعتقاد حق کی طرف واپس آجائے۔ یہ ایسے شخص کے حق میں ہوگا جس کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وعظ اور عام تخویفات پر قانع نہیں ہے بلکہ مناظرے سے اُنس رکھتا ہے۔ اس کی حالت ایسی ہی ہے کہ جدل کے علاوہ کوئی تدبیر اس کے علاج میں کارگر نہیں ہے لیکن جن شہروں میں بدعت کم ہو اور مذاہب مختلف نہ ہوں وہاں ابتداءً ان اعتقادات کے بیان پر اکتفا کرنا چاہیئے جو ہم نے ذکر کیے ہیں۔ دلائل کی ضرورت نہیں ہے۔ تاہم جب بھی کوئی شبہ پیدا ہو مناسب دلائل کے ذریعہ ان کا رد کردے۔ اگر بدعات عام ہوں اور یہ خوف ہو کہ کہیں لڑکے فریب میں نہ آجائیں اس صورت میں وہ دلائل جو ہم نے رسالۂ قدسیہ میں بیان کیے ہیں لڑکوں کو سکھلا دینے میں کوئی حرج نہیں ہے تاکہ وہ بدعتیوں کے اثرات سے بچے رہیں۔ یہ مختصر دلائل ہیں جو اس مختصر رسالے میں لکھے گئے ہیں لیکن اگر مبتدی صاحب ذکا ہو یا اس کے ذہن میں کوئی شبہ پیدا ہو اس کے لیے اس مختصر مقدار سے آگے بڑھنا جائز ہے۔ کچھ تفصیلی دلائل ہم نے اپنی کتاب "الاقتصاد فی الاعتقاد" میں

بیان کیے ہیں۔ اس میں عقائد کے اصول اور متکلمین کے مباحث مذکور ہیں۔ چنانچہ اگر یہ کتاب اس کے لیے کافی ہو تب تو استاذ اسے اس فن میں کچھ نہ سکھلائے اور اگر وہ اس مختصر پر قانع نہ ہو تو یہ سمجھ لو کہ مرض پرانا ہوچکا ہے اب استاذ کو چاہیئے کہ اس کے ساتھ ہر ممکن نرمی کے ساتھ پیش آئے اور انتظار کرے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حکم سے کوئی تنبیہہ کرکے اس پر امر حق واضح کردے۔ یہ شخص شکوک و شبہات باقی رکھنا چاہتا ہے ورنہ جس قدر ضروری مضامین ہیں وہ سب "الاقتصاد" میں موجود ہیں۔ ان کے علاوہ جو مضامین علم کلام میں شامل کیے جاتے ہیں وہ مفید نہیں ہیں۔ ان غیر ضروری مضامین کی دو قسمیں ہیں۔

ایک قسم میں وہ امور ہیں جن کا عقائد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جیسے اعتمادات یعنی اسباب و علل، ادراکات یعنی علوم و قوی اور اکوان یعنی موجودات کی بحث۔ اس طرح کے مسائل بھی اس پہلی قسم سے تعلق رکھتے ہیں کہ رؤیت کی ضد کا نام منع ہے یا نابینائی۔ سب غیر مرئی چیزوں کے لیے ایک ہی منع ہے یا جتنی چیزیں ممکن الرؤیۃ ہیں ان کے لیے تعداد کے مطابق منع ثابت ہے اور اسی طرح کے گمراہ کن مباحث۔

دوسری قسم یہ ہے کہ بنیادی عقائد کے دلائل میں طویل تقریریں اور لمبے چوڑے سوال و جواب کئے جائیں۔ دلائل کے بیان میں تفصیل پسندی بھی ان لوگوں کے حق میں گمراہی اور جہالت کے علاوہ کچھ نہیں جو مختصر پر قانع نہ ہوں اس لیے کہ بسا اوقات تفصیل میں وضاحت کی بجائے پیچیدگیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔

اگر کوئی یہ کہے کہ ادراکات اور اعتمادات کی تحقیق بیان کرنے سے دلوں میں تیزی پیدا ہوتی ہے۔ جس طرح تلوار جہاد کا آلہ ہے اسی طرح دل بھی دین کا آلہ ہے۔ جہاد کے لیے تلوار میں تیزی پیدا کی جاتی ہے۔ دین کے لیے دل میں تیزی پیدا کرنے میں کیا حرج ہے؟ اس کی یہ دلیل ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ شطرنج کا کھیلنا دل کی تیزی کے لیے ہے اور دل دین کا آلہ ہے۔ اس لیے شطرنج کو بھی دین میں شمار کرنا چاہیئے۔ غرضیکہ یہ ایک طرح کا حیلہ ہے اور خیال خام ہے ورنہ شریعت سے تعلق رکھنے والے تمام علوم سے دل کو تیزی ہوتی ہے اور ان میں سے کسی میں کسی طرح کے ضرر کا کوئی خوف نہیں ہے۔

اس تقریر سے آپ یہ جان گئے ہیں کہ علم کلام میں کیا اچھا ہے اور کیا برا۔ یہ بھی معلوم ہوگیا کہ فن کس صورت میں پسندیدہ و محبوب ہے اور کس صورت میں ناپسندیدہ اور مذموم ہے۔ جن لوگوں کے حق میں یہ فن مفید اور جن لوگوں کے حق میں مضر ہے ان کی تفصیل بھی سامنے آچکی ہے۔

ایک سوال کا جواب : یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ کے اعتراف و اقرار کے مطابق بدعتیوں سے دین کے دفاع کے لیے کلام کی ضرورت ہے۔ اس زمانے میں بدعت بکثرت ہوگئی ہے۔ آج کے حالات میں اس فن کی زیادہ ضرورت ہے۔ اس اعتبار سے اس فن کا جاننا فرض کفایہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ جیسے مال کی حفاظت، عہدۂ قضا اور تولیت کی ذمہ داریوں کی بجا آوری فرض کفایہ ہے۔ جب تک علماء تدریس اور بحث و تصنیف کے ذریعے اس فن کی اشاعت میں مصروف نہیں ہوں گے وہ باقی کیسے رہے گا۔ اگر بالفرض اسے چھوڑ دیا جائے تو اس کے ختم ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ محض طبیعتوں میں اتنی قوت نہیں ہے کہ بدعتیوں کے شبہات کا رد ہوسکے جب تک اس فن کو نہ سیکھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس فن کی تدریس اور بحث اس زمانے میں فرض کفایہ ہے۔ صحابہ کے دور میں اس فن کی یہ حیثیت نہیں تھی کیونکہ بدعات کے نہ ہونے کی وجہ سے اس فن کی ضرورت نہیں تھی۔

اس سوال کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ واقعتاً ہر شہر میں ایک ایسا شخص ضرور ہونا چاہیئے جو بدعات کا مقابلہ کرسکے۔ یہ بھی تسلیم کہ اس طرح کی مقابلہ آرائی تعلیم کے بغیر ممکن نہیں ہے لیکن ہمارا مقصد یہ ہے کہ اس فن کی تعلیم فقہ و تفسیر کی طرح عام نہ ہونی چاہیئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فقہ و تفسیر غذا کی حیثیت رکھتے ہیں اور کلام کی حیثیت دوا کی ہے۔ غذا کے ضرر کا خوف نہیں ہوتا۔ دوا کے ضرر کا خوف نہیں ہوتا ہے چنانچہ ہم علم کلام کے ضرر کی تفصیل عرض کرچکے ہیں۔

اس فن کے متعلمین کیسے ہوں ؟ جو شخص اس علم کا عالم ہو اس کو چاہیئے کہ جس شخص میں تین اوصاف ہوں اسے اس

فن کی تعلیم سے نوازے۔ اول یہ کہ سیکھنے والا خود کو تحصیل علم کے لیے وقف کر چکا ہو۔ صرف علم کا حریص ہو' پیشہ ور نہ ہو' ورنہ وہ علم کی تحصیل کے بعد اپنے کام میں مشغول ہو جائے گا اور یہ مصروفیت تکمیلِ علم کے لیے مانع ہوگی بلکہ جب بھی شبہات پیش آئیں گے ان کا رد بھی مشکل ہوگا۔ دوم یہ کہ سیکھنے والا ذہین' ذکی اور فصیح ہو۔ اس لیے کہ غبی طالب علم اس فن کی باریکیوں کا ادراک نہیں کر سکے گا اور خوش بیانی کے بغیر اس کی تقریر مفید اور مؤثر ثابت نہ ہو سکے گی۔ ایسے شخص کے حق میں کلام کے ضرر کا اندیشہ ہے فائدہ کی توقع نہیں ہے۔ سوم یہ کہ اس کی طبیعت میں نیک عمل کرنے کا جذبہ ہو' دیانت اور تقویٰ ہو۔ شہوتیں اس پر غالب نہ ہوں۔ اس لیے کہ بدکار آدمی ادنیٰ شبہ کی وجہ سے دین سے علیحدہ ہو جاتا ہے اور جو رکاوٹ اس میں اور اس کی خواہشات کے درمیان ہوتی ہے وہ شبہ سے دور ہو جاتی ہے۔ اس کی یہ خواہش نہیں ہوتی کہ اپنے شبہات دور کرے بلکہ وہ شبہات کو غنیمت تصور کرتا ہے اور دین کی تکالیف کی برداشت سے رہائی پر اطمینان کا سانس لیتا ہے۔ ایسے شخص سے خرابیاں زیادہ ظہور میں آتی ہیں اور اصلاح کم۔

علم کلام کی قسموں کی اس تفصیل کے بعد یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ علم کلام میں وہی حجت بہترین ہوتی ہے جو قرآنی حجتوں سے قریب تر ہو یعنی الفاظ نرم ہوں' دلوں پر اثر کرنے والے ہوں اور ایسے معانی رکھتے ہوں جن سے نفوس میں قناعت پیدا ہو۔ ایسے دقائق اور نکات بیان نہ کیے جائیں جنہیں عام طور پر لوگ سمجھنے سے محروم رہیں اور اگر سمجھیں تو مقرر کے بارے میں یہ خیال کریں کہ وہ شعبدہ باز ہے۔ اس نے یہ فن لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے سیکھا ہے۔ اگر کوئی دوسرا شعبدہ باز آجائے گا تو یہ اس کے مقابلے میں ٹھہرنے کی جرأت نہ کر سکے گا۔ یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ امام شافعیؒ اور دوسرے اکابرِ سلف نے اس علم میں مشغول رہنے سے منع کیا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اس میں وہ نقصانات پائے جاتے ہیں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے خارجیوں کے ساتھ اور حضرت علیؓ سے تقدیر کے باب میں جو مناظرے منقول ہیں وہ بوقتِ ضرورت تھے اور کلام واضح اور ظاہر تھا۔ گنجلک یا پیچیدہ نہیں تھا۔ اس طرح کا مناظرہ ہر حال میں بہتر ہے۔ ہاں ! ہر زمانے کی ضرورتیں کم و بیش ہوتی ہیں کچھ بعید نہیں کہ ضرورتوں کے اختلاف کی وجہ سے ہر زمانے کا حکم بھی مختلف ہو۔ پھر جو عقیدہ مخلوق کے لیے عبادت مقرر ہوا ہے۔ اس کا حکم اور اس کے دفاع کا طریقہ وہی ہے جو اوپر کی سطور میں بیان کیا گیا ہے۔ مگر شبہ کا دور کرنا' حقائق کا واضح ہونا' اشیاء کی ماہیت جاننا اور اس عقیدۂ حق کے الفاظ سے جو اسرار وابستہ ہیں ان کا ادراک کرنا اس کے بغیر ممکن نہیں ہے کہ مجاہدہ کرے۔ شہوات کا قلع قمع کرے۔ خدا تعالیٰ کی طرف پوری طرح متوجہ ہو اور جدل کے تصور سے بھی پرہیز کرے۔ یہ ایک رحمت خداوندی ہے جو ہر ایک کو اس کے مجاہدے' طہارت قلب اور توفیق کے بقدر نصیب ہوتی ہے۔ یہ وہ سمندر ہے جس کی نہ گہرائی معلوم ہے اور نہ ساحل تک پہنچنا ممکن ہے۔

علوم کے ظاہر و باطن کا مسئلہ : اگر یہ کہا جائے کہ آپ کی تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ علوم کے معانی ظاہر بھی ہیں اور مخفی بھی۔ بعض ان میں سے اتنے واضح ہیں کہ کسی غور و فکر کے بغیر سمجھ میں آجاتے ہیں اور بعض اس قدر مخفی ہیں کہ مجاہدے' ریاضت' طلبِ کامل' صفائے فکر اور دنیاوی مشاغل سے قلب کی فراغت کے بغیر واضح نہیں ہوتے لیکن یہ بات شریعت کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے کہ شریعت کے ظاہر و باطن دو نہیں ہیں بلکہ دونوں ایک ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان علوم میں ظاہر و باطن کے فرق کا کوئی عقلمند شخص انکار نہیں کر سکتا۔ اس کا انکار وہی کم ہمت لوگ کرتے ہیں جنہوں نے بچپن میں کوئی علم حاصل کیا اور اسی پر جمے رہے۔ انتہائے علم' علماء اور اولیاء کے درجات تک ترقی نہ کی ورنہ حقیقت یہ ہے کہ علوم کے ظاہر و باطن کا فرق شرعی دلائل سے ثابت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

ان للقرآن ظاھرا و باطنا و حدا و مطلعا (ابن حبان)

قرآن کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے' ایک انتہا ہے اور ایک درجۂ ترقی۔

حضرت علیؓ نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہاں بہت سے علوم ہیں بشرطیکہ ان علوم کے سمجھنے اور یاد کرنے والے مجھے ملیں۔ ایک حدیث میں ہے۔

نحن معاشر الانبیاء أمرنا ان نکلم الناس علی قدر عقولهم (۱)

ہم نے انبیاء کی جماعت کو حکم دیا کہ لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق گفتگو کریں۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا۔

ما حدث أحد قوما بحدیث لم تبلغه عقولهم الا کان فتنة علیهم (۲)

جس نے کسی قوم سے ایسی حدیث بیان کی جس تک ان کی عقلوں کی رسائی نہ ہو تو وہ ان کے لیے فتنہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ (پ ۲۰، ر ۱۶، آیت ۴۳)

اور یہ مثالیں ہم بیان کرتے ہیں لوگوں کے لیے انہیں وہی سمجھتے ہیں جو عالم ہیں۔

ایک حدیث کے یہ الفاظ ہیں۔

ان من العلم کهیئة المکنون لا یعلمه الا العالمون (۳)

بعض علوم در مکنون کی طرح ہیں جنہیں عالم سمجھتے ہیں۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا۔

لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلا ولبکیتم کثیرا (بخاری و مسلم)

اگر تم وہ جان لیتے جو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنستے اور زیادہ روتے۔

اب ہمیں کوئی یہ بتلائے کہ اگر یہ امر راز نہ تھا تو لوگوں کے ادراک سے عاجز رہنے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے آپ نے اس کا اظہار کیوں نہیں فرمایا اور صحابہ کرام کو اس کی تعلیم کیوں نہیں دی۔ اس میں تو کوئی شک ہی نہیں ہے کہ اگر آپ صحابہؓ کے سامنے بیان فرماتے تو وہ اس کی تصدیق ضرور کرتے۔ قرآن کریم میں ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ

(پ ۲۸، ر ۱۸، آیت ۱۲)

اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور اتنی ہی زمین، ان کے درمیان حکم اترتا ہے۔

اس آیت کے متعلق حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر میں اس کی تفسیر کروں تو تم مجھے سنگسار کردو۔ ایک روایت میں الفاظ ہیں کہ تم مجھے کافر بتلاؤ۔ حضرت ابو ہریرۃؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے علم کے دو ظرف حاصل کئے ہیں۔ جن میں سے ایک ظرف میں نے لوگوں میں پھیلا دیا اور دوسرا ظرف بھی اسی طرح پھیلادوں تو میرے گلے کی یہ رگ کاٹ ڈالی جائے۔ حضرت ابو بکرؓ کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

ما فضلکم ابوبکر بکثرة صیام ولا صلاة ولکن بسر وقر فی صدره (۴)

ابو بکر کو تم پر روزہ نماز کی کثرت کی وجہ سے فضیلت حاصل نہیں ہے بلکہ ایک راز کی وجہ سے یہ فضیلت ہے جو ان کے سینے میں ڈال دیا گیا ہے۔

---

(۱) یہ حدیث کتاب العلم میں گذر چکی ہے۔ (۲) یہ حدیث کتاب العلم میں گذر چکی ہے۔ (۳) کتاب العلم میں یہ مفصل حدیث گذر چکی ہے۔ (۴) یہ حدیث کتاب العلم میں گذر چکی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ یہ راز اصول دین سے متعلق تھا۔ ان سے خارج نہ تھا اور جو بات دین کے اصول سے متعلق ہوتی ہے وہ اپنے ظاہر کے اعتبار سے دوسری چیزوں کے مقابلے میں پوشیدہ نہیں ہوتی۔ سہل تستریؒ فرماتے ہیں کہ عالم کے لیے تین علم ہوتے ہیں۔ ایک علم ظاہر ہے جسے وہ ظاہر والوں کو دے دیتا ہے۔ ایک علم باطن جس کا تحمل اس کے اہل ہی کر سکتے ہیں۔ وہ سب کے سامنے اس کا اظہار کرتا ہے۔ ایک وہ علم جو اس کے اور اللہ کے درمیان ہے۔ وہ کسی کے سامنے اس کو ظاہر نہیں کرتا۔ بعض عارفین کا ارشاد ہے کہ ربوبیت کا راز کھولنا کفر ہے۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ ربوبیت کا ایک راز ہے اگر یہ راز ظاہر ہو جائے تو نبوت بیکار ہے۔ نبوت کا ایک راز ہے اگر یہ راز عیاں ہو جائے تو علم بیکار ہے۔ علمائے باللہ کا ایک راز ہے اگر وہ اسے ظاہر کر دیں تو احکام بیکار ہو جائیں۔ ان حضرات نے اگر لوگوں کے عجز اور قصور فہم کی وجہ سے نبوت کا بیکار رہ جانا مراد نہیں لیا تو ان کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اس میں کوئی تناقض اور تضاد نہیں ہے۔ کامل وہی ہے جس کا نور معرفت نور تقویٰ پر حاوی نہ ہو اور اس کی شمع گل نہ کرے۔

حقیقت و شریعت' ظاہر و باطن :

سوال : اگر یہ سوال کیا جائے کہ آیات اور احادیث و روایات میں تاویلات کی جاتی ہیں۔ تاویلات کی موجودگی میں وہ مقصد حاصل نہیں ہوتا جس پر زور دیا جا رہا ہے۔ اس لیے ظاہر و باطن کے اختلافات کی کیفیت بیان کرنی چاہیے کیونکہ دو ہی صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ ظاہر و باطن ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اس صورت میں شریعت بیکار ہے۔ یہ ان لوگوں کا قول ہے جو حقیقت کو خلاف شریعت بتلاتے ہیں۔ حالانکہ یہ قول کفر ہے۔ اس لیے کہ شریعت سے مراد ظاہر ہے اور حقیقت سے مراد باطن ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ظاہر و باطن دونوں ایک ہیں۔ اس صورت میں تقسیم باقی نہیں رہتی اور شریعت کا کوئی راز ایسا نہیں ٹھہرتا جسے ظاہر نہ کیا جائے۔

جواب : دراصل یہ سوال ایک طویل جواب کا تقاضا کرتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ اس کے جواب کے لیے ہمیں علم مکاشفہ میں مشغول ہونا ہوگا اور علم معاملہ سے صرف نظر کرنا ہوگا۔ حالانکہ علم معاملہ ہی ہمارا اصل مقصد ہے۔ ہم نے جو عقائد ذکر کیے ہیں وہ دلوں کے اعمال سے متعلق ہیں۔ اس سلسلے میں ہمیں یہی حکم ہوا ہے کہ قلب کو ان عقائد کے قبول کرنے اور ان کی تصدیق پر ثابت قدم رہنے پر آمادہ کریں۔ ہمیں اس کا حکم نہیں کہ ان عقائد کے حقائق اور اسرار کا انکشاف کریں۔ عام مخلوق ان امور کی مکلف نہیں ہے۔ اگر عقائد کا تعلق اعمال سے نہ ہوتا تو ہم اس کتاب کے نصف اول میں ان کا تذکرہ نہ کرتے۔ جہاں تک کشف حقیقت کا تعلق ہے یہ باطن کی صفت ہے مگر کیونکہ ظاہر و باطن کے اختلافات میں کسی قدر تفصیل کی ضرورت محسوس ہوتی تو یہ حقائق بھی بیان کر دیئے گئے۔

جو شخص یہ کہتا ہے کہ حقیقت شریعت کے خلاف ہے یا باطن ظاہر کا نقیض ہے وہ کفر سے قریب تر ہے۔ دراصل کچھ اسرار ایسے ہیں جن کا علم صرف مقربین کو ہے۔ دوسرے لوگوں کو ان کا علم نہیں ہے اور مقربین کو اسرار کے اظہار سے منع کیا گیا ہے۔ ان اسرار کی پانچ قسمیں ہیں۔

پہلی قسم : پہلی قسم یہ ہے کہ وہ چیز بذات خود اتنی دقیق ہو کہ اکثر لوگ اس کے سمجھنے سے عاجز رہیں' اس طرح کے امور سے واقفیت رکھنے والے لوگ مخصوص ہوتے ہیں' ایسے لوگوں پر لازم ہے کہ وہ ان کا اظہار نا اہل لوگوں کے سامنے نہ کریں' ورنہ یہ بات ان کے حق میں فتنہ کا باعث ہوگی۔ اس لیے کہ وہ ان کے ادراک سے عاجز ہیں۔ روح کے راز کا اخفا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے بیان سے رکنا بھی اسی قسم سے تعلق رکھتا ہے۔ روح ان اشیاء میں سے ہے جن کی حقیقت کے ادراک سے انسانی فہم عاجز ہے۔ اور وہم کیلئے ممکن نہیں کہ وہ ماہیت کا تصور کر سکے۔ اس سے یہ گمان مت کرنا کہ یہ حقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی واضح نہ تھی۔ کیونکہ جو شخص روح سے واقف نہیں ہوگا وہ اپنے نفس سے بھی واقف نہیں ہوگا اور جو شخص

اپنے نفس کی معرفت سے محروم ہوگا وہ اپنے رب کو کیسے جانے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بعض علماء اور اولیاء بھی روح کی حقیقت سے واقف ہو جائیں اگرچہ وہ انبیاء نہیں ہیں مگر ان کی شریعت کے پابند ہیں۔ اس لیے ان پر اس طرح کے امور منکشف ہو جاتے ہیں۔ لیکن کیونکہ شریعت نے ان کے بیان سے سکوت کیا ہے اس لیے وہ بھی خاموش رہتے ہیں۔۔۔۔۔ خدا تعالیٰ کی ذات کے بھی بعض مخفی گوشے ایسے ہیں جن کی حقیقت سے عام لوگ واقف نہیں ہو پاتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کی ذات سے متعلق صرف ظاہری امور کا تذکرہ کیا ہے' مثلاً آپ نے اللہ تعالیٰ کیلئے علم' اور قدرت وغیرہ صفات بیان فرمائیں۔ اور اس طرح بیان فرمائیں کہ مخلوق نے اپنے علم اور قدرت پر انہیں قیاس کرلیا' یا اپنے علم اور قدرت کے مشابہ سمجھ لیا' اگر اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ان صفات کا ذکر کیا جائے جن کی مناسب اور مشابہ صفات مخلوقات میں موجود نہ ہوں تو وہ ان کے سمجھنے سے قاصر رہیں بالکل اسی طرح جس طرح نامرد اور نابالغ بچے جماع کی لذّت کا ادراک نہیں کرسکتے' بلکہ اسے کھانے پینے کی لذت کے مشابہ کوئی لذت سمجھتے ہیں' ظاہر ہے کہ یہ حقیقی ادراک نہیں ہے۔ جماع کی لذت اور کھانے پینے کی لذت میں جو فرق ہے اس سے کہیں زیادہ فرق خلق کے علم وقدرت اور اللہ تعالیٰ کے علم وقدرت میں ہے۔

حاصل یہ ہے کہ انسان اپنے نفس' اور اپنی ایسی صفات کے علاوہ جو اسے اس وقت حاصل ہیں کسی اور چیز کا ادراک نہیں کرسکتا' یا کبھی اپنی صفت پر کسی دوسری صفت کو قیاس کرلیتا ہے' کبھی وہ دوسری صفت میں شرف وکمال کے اعتبار سے فرق کا بھی ادراک کرسکتا ہے۔ مثلاً انسان میں قدرت کی صفت ہے اس کے امکان میں یہی ہے کہ وہ اپنی صفت پر قیاس کرکے خدا کیلئے وہی چیزیں ثابت کریں جو اس میں موجود ہیں۔ یعنی فعل' ارادہ' علم' قدرت' وغیرہ۔ اور اس بات کی تصدیق کرے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ صفات مکمل ترین' اور اعلیٰ واشرف ہیں۔ جہاں تک اس کی جلالت اور عظمت کا تعلق ہے بندہ کی رسائی اس تک ممکن نہیں ہے۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک (مسلم)

میں تیری تعریف کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ تو ایسا ہے جیسا کہ تو نے خود اپنی تعریف کی ہے۔

اس کے یہ معنی نہیں کہ جو کچھ مجھے تیری تعریف معلوم ہے میں اس کے اظہار سے عاجز ہوں' بلکہ یہ مطلب ہے کہ میں تیری جلالت' عظمت اور بزرگی کے ادراک سے عاجز ہوں۔ ایک عارف فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کو صحیح معنی میں (اللہ) کے علاوہ کسی نے نہیں پہچانا' حضرت ابو بکر صدیقؓ فرماتے ہیں "اس ذات پاک کا شکر ہے جس نے مخلوق کیلئے اپنی معرفت کی صرف یہی سبیل پیدا کی اسے معرفت سے عاجز بنایا۔

اس تفصیل کے بعد ہم پھر اصل مقصد کی طرف لوٹتے ہیں۔ اسرار کی یہ قسم وہ ہے جس کے ادراک سے فہم عاجز ہوں' اس میں روح داخل ہے' اور اللہ تعالیٰ کی بعض صفات بھی اسی قسم میں داخل ہیں۔ اسی حقیقت کی طرف ذیل کی حدیث شریف میں اشارہ ہے:۔

ان للہ سبحانہ سبعین حجابا من نور لو کشفھا لا حرقت سبحات وجھہ کل من ادرکہ بصرہ (ابن حبان)

اللہ پاک کیلئے نور کے ستر پردے ہیں اگر وہ ان پردوں کو کھول دے تو اس کے چہرے کی روشنیاں ہر اس چیز کو جلا ڈالیں جو اس کی نظر کے سامنے آجائے (یعنی تمام مخلوق کو ہلاک کردیں)۔

دوسری قسم: اسرار کی دوسری قسم میں وہ امور ہیں جنہیں انبیاء اور صدیقین بیان نہیں کرتے بلکہ بذات خود سمجھ میں آجاتے ہیں' فہم ان کے ادراک سے قاصر نہیں ہے مگر ان کا ذکر کرنا اکثر سننے والوں کیلئے مضرثابت ہوتا ہے۔ انبیاء اور صدیقین کیلئے ان کا ذکر مضر نہیں ہے۔ مثلاً تقدیر کے راز کا ذکر۔ اس کے ذکر سے منع کیا گیا ہے۔ یہ بات ممکن ہے کہ بعض حقائق کا ذکر بعض لوگوں

کے حق میں مضر ہو اور بعض کے حق میں مضر نہ ہو۔ مثلاً آفتاب کی روشنی شپرک کے حق میں مضر ہوتی ہے۔ دیکھئے! اگر ہم یہ کہیں کہ کفر' زنا' گناہ اور بدی سب خدا تعالیٰ کے حکم' ارادہ اور خواہش سے ہیں۔ یہ بات فی نفسہ درست ہے لیکن اس کا سننا بعض لوگوں کے حق میں مضر ہوا۔ وہ یہ سمجھے کہ یہ بات کم عقلی پر دلالت کرتی ہے کہ گناہ کا حکم دے اور پھر اس پر سزا بھی دے۔ حکمت سے بھی خالی ہے' اس میں بری بات پر راضامندی بھی پائی جاتی ہے۔ اور یہ ایک طرح کا ظلم بھی ہے۔ چنانچہ ابن راوند اور دوسرے مردود اسی طرح کے توہمات کی وجہ سے ملحد قرار پائے۔ اگر تقدیر کا راز عوام کے سامنے واضح کیا جائے تو اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کو عاجز تصوّر کرنے لگیں۔ کیونکہ جس دلیل سے ان کا یہ وہم دور ہو اس کے فہم سے خود وہ لوگ عاجز ہوتے ہیں۔

اس دوسری قسم کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص قیامت کی مدّت بیان کرے اور یہ مدّت ایک ہزار سے زیادہ یا کم ہو۔ یہ مضمون سہل ہے' اور سمجھ میں آتا ہے' لیکن اس کا اظہار عام لوگوں کے حق میں نقصان دہ ہے' کیونکہ اگر یہ مدّت زیادہ ہوئی اور نفسوں نے عذاب میں دیر محسوس کی تو وہ اور لاپرواہ ہو جائیں گے' اور اگر یہ مدّت قریب ہوئی تو خوف و ہراس پھیل جائے گا' اور دنیا تباہ و برباد ہو جائے گی۔

<u>تیسری قسم</u> : اسرار کی تیسری قسم میں وہ امور داخل ہیں کہ اگر انہیں صراحتاً بیان کیا جائے تو سمجھ میں آئیں اور ان سے کسی قسم کے نقصان کا اندیشہ بھی نہ ہو' لیکن ان کا ذکر اشاروں کی زبان میں کیا جاتا ہے۔ تاکہ اس کے سننے والے کے دل میں اس کا اثر زیادہ ہو مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے فلاں شخص کو خنزیر کے گلے میں موتیوں کا ہار ڈالتے ہوئے دیکھا ہے' یہ اشاراتی زبان ہے مطلب یہ ہے کہ فلاں شخص علم و حکمت کی باتیں نا اہلوں کو سکھلا رہا ہے۔ سننے والا کبھی تو اس کے ظاہری معنی مراد لیتا ہے' لیکن محقق اور صاحب نظر جب یہ دیکھے گا کہ اس شخص کے پاس نہ موتی ہیں' اور نہ گھر میں خنزیر ہیں تو وہ رازِ باطن کا ادراک کرلے گا۔ اس سلسلے میں لوگوں کے فہم کا معیار مختلف ہوتا ہے۔ یہی مضمون کسی شاعر نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے:۔

رجلان خیاط و آخر حائک　　متقابل علی السماک الاعزل
لازال ینسج ذاک خرقہ مدبر　　ویخیط صاحبہ ثیاب المقبل

اس قطعہ میں شاعر نے اقبال و ادبار کے باب میں آسمانی سبب کو دو کاریگر شخصوں سے تعبیر کیا ہے۔ اس طرح کی تعبیرات کا مطلب یہ ہے کہ کسی معنی کو اس صورت میں بیان کیا جائے جس میں وہ معنی بعینہ پائے جا رہے ہوں یا اس کے مشابہ ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی بھی اسی قبیل سے ہے۔

ان المسجد لینزوی من النخامۃ کما تنزوی الجلدۃ علی النار۔

مسجد ناک کی ریزش سے اس طرح سکڑتی ہے جس طرح کھال آگ پر سکڑتی ہے۔

یہ بات آپ کو معلوم ہے کہ مسجد کا صحن ناک کی ریزش سے بظاہر سکڑتا ہوا محسوس نہیں ہوتا۔ مطلب یہ ہے کہ مسجد کی روح عظیم ہے اور قابل احترام ہے اس میں گندگی ڈالنا اس کی عظمت کے خلاف ہے جس طرح آگ کھال کے اجزاء کے خلاف ہے۔ ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

اما یخشی الذی یرفع راسہ قبل الامام یحول اللہ راسہ راس حمار۔

(بخاری و مسلم)

کیا اس شخص کو خوف نہیں آتا جو امام سے پہلے اپنا سر اٹھالیتا ہے' اللہ اسکے سر کو گدھے کے سر سے بدل دے۔

یہ صورتحال نہ کبھی ظاہر میں پیش آئی' اور نہ کبھی پیش آئے گی' البتہ خصوصیات میں ایسے شخص کا سر گدھے کے سر جیسا ہو جاتا ہے یعنی بیوقوفی اور احمق پن میں وہ گدھا بن جاتا ہے' یہی مقصود بھی ہے۔ صورت مقصود نہیں ہے' اصل چیز معنی ہیں' صورت

معنی کا قالب ہوتی ہے۔ حماقت کی وجہ یہ ہے کہ یہ شخص امام کی اقتدا بھی کرتا ہے اور اس سے آگے بھی بڑھنے کی کوشش کرتا ہے۔ دو ایسی باتیں جمع کرنے والا جو ایک دوسرے کی ضد ہیں احمق نہیں تو اور کیا ہے؟

کسی امر مخفی کے بارے میں جاننا کہ یہ امر خلاف ظاہر ہے یا تو دلیل عقلی سے ممکن ہے یا دلیل شرعی سے۔ دلیل عقلی تو اس طرح ہے کہ حقیقی معنی پر اس کا حمل کرنا ممکن نہ ہو' جیسے اس حدیث شریف میں ہے۔

قلب المؤمن بین اصبعین من اصابع الرحمٰن (مسلم)

مؤمن کا دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان میں ہے۔

اس لیے کہ اگر مؤمنوں کے دلوں میں انگلیاں تلاش کی جائیں تو ظاہر ہے انگلیوں کا وجود نہیں ہوگا۔ ان انگلیوں سے مراد قدرت ہے' اور قدرت انگلیوں کی روح اور اس کا سر ہے۔ انگلیوں سے قدرت کا کنایہ کرنے میں یہ حکمت ہے کہ اقتدار کامل کے سمجھانے میں اس کا بڑا اثر ہے' چنانچہ یہ کہا جاتا ہے کہ یہ چیز' یا فلاں آدمی یا یہ کام ہماری چٹکیوں میں ہے' یا ہماری مٹھی میں ہے۔ اس طرح ذیل کی آیت میں قدرت سے کنایہ کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:۔

اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَا اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ (پ ۱۴' ر ۱۱' آیت ۴۰)

ہم جس چیز کو (پیدا کرنا) چاہتے ہیں پس اس سے ہمارا اتنا ہی کہنا (کافی) ہوتا ہے کہ تو (پیدا) ہو جا پس وہ (موجود) ہو جاتی ہے۔

اس آیت کے ظاہری معنی مراد نہیں لیے جاسکتے۔ اس لیے کہ لفظ "کُن" میں چیز سے خطاب ہے۔ اگر یہ خطاب اس شئی کے وجود سے پہلے ہے تو محال ہے' اس لیے کہ معدوم شئی خطاب نہیں سمجھتی اور اگر وجود کے بعد ہے تو اس کو پیدا کرنے کی ضرورت باقی نہیں ہے مگر کیونکہ اس طرح کے کنائے سے اقتدار کا اظہار ہوتا ہے اس لیے یہ طرز تخاطب اختیار فرمایا :

دلیل شرعی یہ ہے کہ ظاہری معنی پر اس کا محمول کرنا ممکن ہو مگر شریعت میں مروی ہو کہ اس سے ظاہری معنی مراد نہیں لیے جا سکتے بلکہ مخفی مراد ہیں۔ مثلاً یہ آیت:۔

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِیَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّیْلُ زَبَدًا رَّابِیًا۔ (پ ۱۳' ر ۸' آیت ۱۷)

اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل فرمایا پھر نالے (بھر کر) اپنی مقدار کے موافق چلنے لگے' پھر وہ سیلاب خس و خاشاک کو بہالایا جو اس کے اوپر ہے۔

اس آیت میں پانی سے مراد قرآن پاک ہے اور جنگلوں سے مراد دل ہیں۔ بعض دلوں میں قرآن پاک کو زیادہ جگہ ملی بعض دلوں میں کم' اور بعض نہ ہونے کے برابر۔ جھاگ (زبد) سے مراد نفاق و کفر ہے کہ وہ پانی کی ظاہری سطح پر ہوتا ہے۔ لیکن اس کا وجود دیرپا نہیں ہے۔ پانی کے تیز دھارے کے سامنے اس کا ٹھہرنا مشکل ہے۔ ہدایت دیرپا ہے' یہی لوگوں کے حق میں مفید بھی ہے۔ اس قسم میں لوگوں نے اتنی گمراہی اختیار کی کہ آخرت سے تعلق رکھنے والے بعض حقائق مثلاً میزان اور پل صراط میں بھی تاویلات اختیار کیں۔ حالانکہ ان کے معنی میں تحریف کرنا بدعت ہے' کیونکہ یہ معنی شریعت سے بطریق روایت پہنچے ہیں۔ اور ظاہری معنی پر انھیں محمول کرنا محال نہیں ہے تو ظاہر پر انھیں محمول کرنا واجب ہے۔

چوتھی قسم : اسرار کی چوتھی قسم یہ ہے کہ آدمی اولاً ایک شئی کا مجمل علم حاصل کرے۔ پھر اس کا مفصل اور بطریق ذوق و تحقیق ادراک کرے اس طرح پر کہ وہ شئی اس کا حال بن جائے' اور لازمی کیفیت کی حیثیت اختیار کرلے' ان دونوں علموں میں فرق ہوگا۔ پہلا علم پوست اور ظاہری خول کے مشابہ ہے اور دوسرا علم مغز کے مشابہ ہے۔ اول ظاہر ہے' اور ثانی باطن ہے' مثلاً کسی شخص کو فاصلے سے یا اندھیرے میں کوئی وجود نظر آئے' یہ علم اجمالی ہے۔ لیکن جب وہ اس وجود کے قریب ہوگا' یا اندھیرا ختم

ہونے کے بعد اسے دیکھے گا تو پہلے علم میں اور اس دوسرے علم میں فرق پائے گا۔ لیکن یہ دوسرا علم اوّل کی ضد نہیں ہو گا بلکہ اس کا مکمل (تکمیل کرنے والا) ہو گا۔ اسی طرح علم ' ایمان اور تصدیق کی ابتدائی یا انتہائی کیفیت کو سمجھنا چاہیئے ' مثلاً انسان کبھی عشق ' مرض اور موت کے وجود کی تصدیق کرتا ہے مگر جب ان میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کا یہ علم پہلے علم کے مقابلے میں زیادہ محقق ہوتا ہے۔ بلکہ ایک انسان کی ایک کیفیت کے تین مختلف احوال ہیں۔ اوّل یہ اس حال کے واقع ہونے سے پہلے اس کا ادراک کرنا۔ دوم یہ واقع ہونے کے وقت اسکی تصدیق کرنا۔ سوم یہ اس حالت کے ختم ہونے کے بعد اس کا ادرک کرنا۔ مثلاً اگر بھوک کا ادراک بھوک ختم ہو جانے کے بعد کیا جائے تو یہ اس ادراک سے مختلف ہو گا جو بھوک لگنے سے پہلے یا بھوک لگنے کے دوران تھا۔ یہی حال دینی علوم کا بھی ہے۔ بعض علوم اگر انسان کا ذوق بن جائیں تو وہ کامل ہو جاتے ہیں اور پہلے کی بہ نسبت باطن ہوتے ہیں۔ مثلاً بیمار آدمی کو صحت کا علم ہو اور صحت مند کو بھی اس کا علم ہو تو دونوں کا علم مختلف ہو گا۔ دوسرے کے مقابلے میں پہلے کا علم مکمل ہو گا کیوں کہ وہ اس مرحلے سے گذر چکا ہے۔

یہ چار قسمیں ہیں ' ان میں لوگ ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں ' لیکن ان میں سے کسی میں بھی باطن ظاہر کے خلاف نہیں ہے۔ بلکہ اس کا تکملہ یا تتمہ ہے ' جیسے مغز سے پوست کی تکمیل ہوتی ہے۔

پانچویں قسم : پانچویں قسم یہ ہے کہ زبان حال کو زبانِ قال سے تعبیر کیا جائے۔ کم فہم آدمی زبانِ حال کے وجود سے واقف ہی نہیں ہوتا جبکہ حقائق آشنا شخص یہ راز خوب سمجھتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہے کہ دیوار نے کیل سے کہا کہ تو مجھے کیوں چیرے دیتی ہے ' کیل نے جواب دیا کہ یہ بات اس شخص سے پوچھ جو مجھے ٹھونک رہا ہے ' سر پر پتھر لگنے کے بعد میں اپنے قابو میں نہیں رہتی۔ یہ زبانِ قال سے زبانِ حال کے تعبیر کرنے کی مثال ہے۔ ذیل کی آیت کریمہ کا مضمون بھی اسی نوعیت کا ہے۔

ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَاۤ اَتَیْنَا طَآىٕعِیْنَ (پ ۲۴ ' ر ۱۶ ' آیت ۱۱)

پھر آسمان (کے بنانے) کی طرف توجہ فرمائی اور وہ (اسوقت) دھواں تھا ' سو اس سے اور زمین سے فرمایا تم دونوں خوشی سے آؤ یا زبردستی سے ' دونوں نے عرض کیا ہم خوشی سے حاضر ہیں۔

کم فہم آدمی اس آیت سے یہ سمجھتا ہے کہ آسمان و زمین کو زندگی حاصل ہے ' ان میں عقل ہے ' اور خطاب سمجھے ' حروف اور الفاظ کے ذریعہ خطاب کرنے کی صلاحیت بھی ہے۔ یہ ایک مفروضہ ہے اور کم فہم آدمی ہی سے اس کی توقع بھی ہے۔ عقلمند شخص جانتا ہے کہ یہ زبانِ حال ہے اور اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ وہ دونوں مسخر اور حاکم کے تابع ہیں۔ اس کی طرف انھیں بے اختیار آنا پڑتا ہے۔ اسی طرح کا مضمون ذیل کی آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ (پ ۲۴ ' ر ۱۶ ' آیت ۱۱)

اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی تسبیح نہیں پڑھتی۔

غبی آدمی ہی یہ فرض کر سکتا ہے کہ جمادات کیلئے زندگی ' عقل ' آواز اور حروف ہیں۔ وہ اپنی زبان میں سبحان اللہ کہتے ہیں اہل بصیرت جانتے ہیں کہ اس سے مراد زبان کی تسبیح و تحمید نہیں ہے بلکہ ہر شئی زبانِ حال سے اس کی تسبیح تقدیس اور وحدانیت کی قائل ہے۔ شاعر کہتا ہے :

وفی کل شئی لہ آیۃ تدل علی انہ الواحد

(ترجمہ : ہر چیز میں اس کی نشانی ہے جو اس کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہے)

یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شئی اپنے صانع کی حسنِ تدبیر اور کمالِ علم پر شاہد ہے ' اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ زبان سے اپنے جمال کی شہادت دیتی ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ اپنی ذات اور حال سے اپنے جمال کی گواہ ہے۔ اسی طرح جتنی چیزیں ہیں وہ اپنی ذات

سے ایجاد کرنے والے کی محتاج ہیں' جو ان کو پیدا کر کے باقی رکھے' ان کے اوصاف قائم رکھے' اور ضرورت کے مطابق ان میں تبدیلی کرے۔ اس لیے وہ اپنے خالق کی تسبیح و تحمید کرتی ہیں۔ اہل بصیرت اس حقیقت سے واقف ہیں' ظاہر پرست لوگ یہ بات نہیں سمجھتے۔ چنانچہ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے:۔

وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ (پ ۱۵' ر ۵' آیت ۴۴)

لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔

جن کے فہم میں کمی ہے وہ تو یہ تسبیح بالکل ہی نہیں سمجھتے۔ البتہ مقرب بندے' اور علم میں رسوخ رکھنے والے لوگ اپنی اپنی بصیرت اور اپنے اپنے فہم کے مطابق سمجھتے ہیں۔ اس کی ماہیت اور کمال کو وہ بھی نہیں سمجھتے۔

ہر چیز میں اللہ کی تقدیس اور تسبیح پر بے شمار شہادتیں ہیں' جنھیں علم معاملہ کے ابواب میں بیان کرنا مناسب نہیں ہے' حاصل یہ ہے کہ یہ فن بھی ان چیزوں میں سے ہے جن کے متعلق اصحاب ظواہر اور ارباب بصائر میں اختلاف ہے۔ اس اختلاف سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ظاہر باطن سے جدا ہے۔ بعض لوگ تو اس سلسلے میں میانہ روی اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اور بعض اس حد تک آگے بڑھ گئے ہیں کہ تمام الفاظ کے ظاہری معانی میں من پسند تبدیلیاں کر بیٹھے ہیں' یہاں تک کہ اخروی امور کے متعلق بھی یہ دعویٰ کرنے لگے ہیں کہ یہ بھی زبان حال سے ہوں گے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَتُكَلِّمُنَا اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (پ ۲۳' ر ۳' آیت ۶۵)

اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے' اور ان کے پاؤں شہادت دیں گے جو کچھ یہ لوگ کیا کرتے تھے۔

ایک جگہ فرمایا:

وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا قَالُوْا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ۔

(پ ۲۴' ر ۱۷' آیت ۲۱)

اور وہ لوگ اپنے اعضاء سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی' وہ جواب دیں گے کہ ہم کو اس اللہ نے گویائی دی جس نے ہر (گویا) چیز کو گویائی دی۔

اسی طرح منکر نکیر سے ہونے والی گفتگو' میزان' پل صراط' حساب' دوزخ' اور جنت والوں کے مناظرے' اہل جنت سے دوزخ والوں کی یہ درخواست کہ اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کی جو چیزیں تمہیں دیں ان میں سے کچھ ہمیں دیدو۔ ان مبالغہ پسند لوگوں کے نزدیک یہ سب واقعات زبان حال سے ہوں گے۔ بعض دوسرے حضرات نے تاویلات کو بالکل ہی نظر انداز کر دیا۔ انھیں میں سے امام احمد ابن حنبلؒ ہیں۔ موصوف اللہ تعالیٰ کے ارشاد "کُنْ فَيَكُوْنُ"۔ میں بھی تاویل کی اجازت نہیں دیتے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ خطاب الفاظ اور آواز کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر لحظہ اشیاء سے ان کی تعداد کے مطابق ہوتا رہتا ہے۔ میں نے امام احمد ابن حنبلؒ کے بعض شاگردوں کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ آپ نے تین مقامات کے علاوہ کہیں بھی تاویل کی اجازت نہیں دی ہے۔ اور وہ تین مقامات یہ ہیں:۔

اوّل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد:۔

الحجر الاسود يمين الله في ارضه (مسلم)

حجر اسود زمین میں اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ ہے۔

دوم یہ حدیث:۔

قلب المؤمن بين اصبعين من اصابع الرحمان (مسلم)

مؤمن کا دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان میں ہے۔

سوم یہ ارشاد نبوی:۔

انی لأجد نفس الرحمٰن من جانب الیمین (احمد بلفظ آخر)

میں دائیں جانب سے رحمٰن کی خوشبو پاتا ہوں۔

ان مقامات کے علاوہ امام احمد ابن حنبلؒ کسی اور حدیث یا آیت میں تاویل نہیں کرتے۔ تاویلات سے صرفِ نظر کی غالب وجہ یہی رہی ہوگی کہ اصحابِ ظواہر میں تاویلات کی کثرت تھی۔ اور یہ کثرت بہرحال مضر تھی۔ ورنہ امام ابن حنبلؒ جیسے شخص سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ یہ نہیں جانتے ہوں گے کہ اِستواء کے معنی ٹھہرنا نہیں ہے۔ یا نزول سے مراد نقل مکانی نہیں ہے۔ لیکن انہوں نے ان امور میں محض اس لیے تاویل نہیں فرمائی تاکہ تاویلات کے عام رجحان کا سدباب ہوسکے۔ اس لیے کہ مخلوق کی بہتری اسی میں ہے کہ تاویل کا دروازہ بند ہی رہے۔ اگر اس کی اجازت دے دی جائے تو اس قدر مشکلات پیدا ہوں گی کہ قابو پانا آسان نہیں رہے گا۔ اعتدال اور میانہ روی پر بھی اعتماد نہیں کیا جاسکتا اس لیے کہ اعتدال کی حدود مقرر نہیں ہیں' نہ اس سلسلے میں کوئی ضابطہ بیان کیا گیا ہے۔ اس صورت میں تاویلات سے منع کرنا ہی مفید ہے۔ سلف کی سیرت بھی یہی بتلاتی ہے کہ ان امور کو اس طرح رہنے دیا جائے جس طرح وہ نازل ہوئے ہیں۔ چنانچہ امام مالکؒ سے کسی نے اِستواء کے بارے میں سوال کیا' انھوں نے فرمایا: استواء کے معنی معلوم ہیں' کیفیت مجہول ہے اس پر ایمان لانا واجب ہے اور کیفیت معلوم کرنا بدعت ہے۔

بعض اکابر علماء نے میانہ روی اختیار کی ہے۔ چنانچہ صفاتِ الٰہی کے سلسلے میں تاویلات کی اجازت دیتے ہیں' اور آخرت سے متعلق امور میں تاویلات سے منع کرتے ہیں۔ یہ حضرت ابوالحسن اشعریؒ اور ان کے تلامذہ ہیں۔ لیکن معتزلہ نے اعتدال کی حدود سے تجاوز کیا' چنانچہ صفات باری میں سے رؤیت' سمع اور بصر میں تاویل کی' معراج جسمانی کا انکار کیا' عذاب قبر' میزان' پل صراط اور دوسرے اُخروی واقعات و مقامات میں تاویلات کیں' اور انھیں نت نئے معنی پہنائے' تاہم بعث بعد الموت' حشر نشر' اور جنت و دوزخ کا اعتراف کیا' یہ بھی کہا کہ جنت میں کھانے پینے اور سونگھنے کی چیزیں ہیں' نکاح اور تمام محسوس لذتیں وہاں موجود ہیں' دوزخ بھی محسوس جسم رکھتی ہے' اس میں آگ ہے جس سے کھال جلتی ہے' اور چربی پگھلتی ہے' فلاسفہ معتزلہ سے بھی آگے بڑھ گئے' انھوں نے ان امور میں بھی تاویلات کیں جن میں معتزلہ نے ظاہری معنی باقی رکھے۔ ان کے خیال میں تمام رنج و غم' راحت و خوشی' اور لذتیں عقلی اور روحانی ہیں۔ حشر بھی نہیں ہوگا صرف نفس باقی رہیں گے اور ان پر عذاب یا راحت کا نزول اس طرح ہوگا کہ حواس سے ان کا ادراک نہیں کیا جاسکے گا۔ یہ سب فرقے حد اعتدال سے بڑھے ہوئے ہیں۔ اس سلسلے میں امر حق اور اعتدال کی حد یہی ہے کہ ان فرقوں کے طرح ہر امر میں تاویل کی کوشش کرے اور نہ حنبلی حضرات کی طرح تاویلات سے صرفِ نظر کرے۔ یہ بڑی نازک حدود ہیں ان سے وہی لوگ واقف ہوتے ہیں جنھیں توفیق الٰہی میسّر ہے' اور جو امور کو نورِ الٰہی سے دیکھتے ہیں' محض سننے سے ان کا ادراک نہیں کرتے۔ ان لوگوں پر جب اسرار واضح ہوجاتے ہیں تب یہ ظاہری الفاظ پر نظر ڈالتے ہیں اگر اسرار اور ظاہری الفاظ میں مطابقت ہو تو یہ لوگ تاویل نہیں کرتے' لیکن اگر اختلاف ہو تو تاویل کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔

جو شخص محض سننے سے ان امور کی معرفت حاصل کرتا ہے اور اسے ان میں رسوخ نہیں ہوتا۔ اس کے لیے امام احمد ابن حنبلؒ کا مقام ہی مناسب ہے۔

اعتدال کی حدود کا ذکر بڑا تفصیلی ہے' اور اس کا تعلق علم مکاشفہ سے ہے' اس لیے ہم مزید گفتگو کیے بغیر موضوع یہیں ختم کرتے ہیں۔ ہمارا مقصد یہ تھا کہ ظاہر کی باطن سے موافقت یا مخالفت پر روشنی ڈالی جائے' چنانچہ ان پانچ قسموں میں بہت سے حقائق واضح ہوگئے ہیں۔

فصل اول میں ہم نے جو عقائد بیان کئے ہیں' ہمارے خیال میں وہ عوام الناس کیلئے کافی ہیں اس لئے کہ ابتدا میں انھیں ان عقائد کے علاوہ کسی اور عقیدہ کی ضرورت نہیں پڑتی۔ البتہ بدعات سے ان عقائد میں ضعف کا اندیشہ پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے ان

ابتدائی عقائد سے ترقی کر کے ایسے عقائد کا علم حاصل کرنا پڑتا ہے جس میں مختصر اور واضح دلائل موجود ہوں چنانچہ ہم آنے والے باب میں یہ دلائل بیان کر رہے ہیں اس سلسلے میں ہم اس مختصر مضمون پر اکتفا کرتے ہیں جو ہم نے قدس کے لوگوں کیلئے لکھا تھا۔ اس کا نام "رسالہ قدسیہ" ہے ذیل میں ہم اس مضمون کو لفظ بلفظ نقل کرتے ہیں۔

تیسرا باب

عقیدہ کے واضح دلائل

تمہید : تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے جماعت اہل سنت کو ایمان و یقین کے انوار سے ممتاز کیا۔ اور اہل حق کو ہدایت کا راہ نما بنایا۔ کجوں کی کجی' اور ملحدوں کی گمراہی سے انھیں بچا کر سید المرسلین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا عطا کی' آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اتباع کی توفیق بخشی' اور سلف صالحین کے اعمال و اقوال کی تقلید ان پر آسان فرمائی' یہاں تک کہ انھوں نے باقتضائے عقل اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیا' اور پچھلے لوگوں کی سیرت و عقائد کا راستہ اختیار کیا۔ چنانچہ یہ لوگ عقل کے نتائج' اور شرع منقول کے تقاضوں کے جامع قرار پائے' انھوں نے یہ حقیقت سمجھ لی کہ کلمۂ طیبہ پڑھنا ہمارے لیے عبادت قرار دیا گیا ہے۔ لیکن لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کی زبانی شہادت نتیجہ خیز اور کار آمد نہیں ہے جب تک وہ اصول نہ جان لیے جائیں جن پر اس کلمے کا مدار ہے' یہ دونوں جملے اپنے اختصار کے باوجود چار امور پر مشتمل ہیں۔ اول: خدا تعالیٰ کی ذات کا اثبات۔ دوم: اس کی صفات کا اثبات۔ سوم: اس کے افعال کا اثبات۔ چہارم: اس کے رسولوں کی تصدیق۔

اس سے معلوم ہوا کہ دین کی بنیاد چار ارکان پر ہے' اور ہر ایک رکن کچھ اصول پر مشتمل ہے۔

پہلا رکن : اللہ کی ذات اور وحدانیت کی معرفت اس رکن کا مدار دس اصولوں پر ہے' یعنی یہ کہ وہ موجود ہے' ازلی ہے' ابدی ہے' جوہر نہیں' جسم نہیں' عرض نہیں' کسی جہت سے مخصوص نہیں' کسی مکان پر ٹھہرا ہوا نہیں' آخرت میں اس کا دیدار ہو گا۔ اکیلا ہے۔

پہلی اصل : خدا تعالیٰ کے وجود کی معرفت کے سلسلے میں بہترین طریقہ وہ ہے جس کی طرف قرآن پاک نے رہنمائی کی ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے بیان کے بعد پھر کسی بیان کی اہمیت نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۙ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۙ وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۙ وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۙ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۙ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۙ وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۙ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ۙ وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ۙ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ۙ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ۔ (پ ۳۰' ر ۱' آیت ۶ تا ۱۶)

کیا ہم نے زمین کو فرش اور پہاڑوں کو (زمین) کی میخیں نہیں بنایا اور ہم نے تم کو جوڑا جوڑا (مرد عورت) بنایا' اور ہم نے تمہارے سونے کو راحت بنایا۔ اور ہم ہی نے رات کو پردے کی چیز بنایا' اور ہم ہی نے دن کو معاش کا وقت بنایا۔ اور ہم ہی نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنائے' اور ہم ہی نے (آسمان میں) ایک روشن چراغ بنایا' اور ہم ہی نے پانی بھرے بادلوں سے کثرت سے پانی برسایا تاکہ ہم اس پانی کے ذریعہ سے غلہ اور سبزی اور گنجان باغ پیدا کریں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ (پ ۲' ر ۳' آیت ۱۶۴)

بلا شبہ آسمانوں اور زمین کو بنانے میں' اور یکے بعد دیگرے رات دن کے آنے جانے میں اور جہازوں میں جو کہ سمندروں میں چلتے ہیں آدمیوں کے نفع کی چیزیں لے کر' اور پانی میں جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے برسایا' پھر اس سے زمین کو تروتازہ کیا' اس کے خشک ہونے کے بعد۔ اور ہر قسم کے حیوانات اس میں پھیلا دیئے' اور ہواؤں کے بدلنے میں' اور ابر میں جو زمین و آسمان کے درمیان مقید رہتا ہے' دلائل (توحید کے) ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سلیم رکھتے ہیں۔

ایک جگہ فرمایا ہے:

اَلَمْ تَرَوْا كَیْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِیْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ثُمَّ یُعِیْدُكُمْ فِیْهَا وَیُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا (پ ۲۹' ر ۹' آیت ۱۵-۱۸)

کیا تم کو معلوم نہیں کہ اللہ نے کس طرح سات آسمان اوپر تلے پیدا کئے۔ اور ان میں چاند کو نور کی چیز بنایا' اور سورج کو (مثل) چراغ (روشن) بنایا۔ اور اللہ نے تم کو زمین سے ایک خاص طور پر پیدا کیا' پھر تم کو (بعد مرگ) زمین ہی میں لے جاوے گا۔ اور قیامت میں پھر اسی زمین سے تم کو باہر لے آوے گا۔

ایک جگہ ارشاد ہے:

اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ (پ ۲۷' ر ۱۵' آیت ۵۸-۵۹)

اچھا پھر یہ بتلاؤ تم جو (عورتوں کے رحم میں) منی پہنچاتے ہو اس کو تم آدمی بناتے ہو یا ہم بنانے والے ہیں۔

ایک اور موقعہ پر یہ ارشاد فرمایا گیا:

نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِیْنَ (پ ۲۷' ر ۱۵' آیت ۷۳)

ہم نے اس (آگ) کو یاددہانی کی چیز اور مسافروں کے فائدے کی چیز بنایا ہے۔

معمولی شعور رکھنے والا شخص بھی اگر ان آیات میں غور و فکر کرے' آسمان و زمین کے عجائبات پر نظر ڈالے' حیوانات اور نباتات کی تخلیق کا بنظر عبرت مشاہدہ کرے وہ یہی نتیجہ اخذ کرے گا کہ ان عجیب و غریب' اور مرتب محکم چیزوں کا کوئی بنانے والا بھی ہے جو ان کا نظام قائم رکھتا ہے' اور ان کی تقدیریں بناتا ہے' بلکہ نفوس کی فطرت اس حقیقت پر شاہد ہے کہ وہ اس کے مسخر ہیں' اور اس کی تدبیر کے مطابق تغیر پذیر رہتے ہیں۔ کیا اسکے باوجود صانع کے وجود میں شک کیا جاتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (پ ۱۳' ر ۱۴' آیت ۱۰)

کیا تم کو اللہ تعالیٰ کے بارے میں شک ہے جو کہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔

انبیاء کی بعثت کا مقصد یہ ہے کہ وہ لوگوں کو توحید کی دعوت دیں' اور ان سے یہ اعتراف کرائیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' انھوں نے لوگوں کو اس کا حکم نہیں دیا کہ وہ یہ کہیں کہ ہمارا ایک معبود ہے اور عالم کا ایک معبود ہے۔ کیوں کہ یہ حقیقت تو ان کی فطرت میں' روز اول سے موجود تھی۔ جیسا کہ قرآن پاک میں فرمایا گیا:

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ (پ ۲۱' ر ۱۲' آیت ۲۵)

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو ضرور یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے۔

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ (پ ۲۱' ر ۷' آیت ۳۰)

سو تم یکسو ہو کر اپنا رخ اس دین کی طرف رکھو' اللہ کی دی ہوئی قابلیت کا اتباع کرو جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے' اللہ تعالیٰ کی اس پیدا کی ہوئی چیز کو جس پر اس نے تمام آدمیوں کو پیدا کیا ہے بدلنا نہ چاہیئے' پس سیدھا دین یہی ہے۔

غرض یہ کہ انسانی فطرت' اور قرآن پاک میں خدا کی وجود پر اس قدر شواہد اور دلائل موجود ہیں کہ عقلی دلائل کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ لیکن ہم بطورِ تاکید مناظر علماء کی تقلید کرتے ہوئے اس کی بھی عقلی دلیل بیان کرتے ہیں۔

یہ ایک بدیہی امر ہے کہ حادث چیز اپنے پیدا ہونے میں کسی سبب کی محتاج ہوتی ہے جو اس کو حادث کرے' عالم بھی حادث ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ وہ بھی اپنے حدوث میں کسی سبب کا محتاج ہو' ہمارا یہ قول کہ حادث اپنے حدوث میں کسی سبب کا محتاج ہے ایک کھلی حقیقت ہے۔ اس لیے کہ ہر حادث کسی وقت کے ساتھ خاص ہے' عقل میں اس وقت سے اس کا پہلے یا بعد میں ہونا بھی ممکن ہے۔ چنانچہ حادث کا وقت مخصوص کے ساتھ خاص ہونا اور اس سے پہلے یا بعد کے وقت کے ساتھ مخصوص ہونا ظاہر ہے کہ کسی سبب سے ہی ہوگا۔ ہمارا یہ کہنا کہ عالم حادث ہے اس بناء پر ہے کہ اجسام حرکت و سکون سے خالی نہیں ہوتے۔ اور حرکت و سکون دونوں حادث ہیں۔ چنانچہ جو چیز کہ حادث سے خالی نہ ہو وہ بھی حادث ہے اس لیے عالم بھی حادث ہے۔

یہ دلیل تین دعوں پر مشتمل ہے۔ اول: یہ کہ اجسام حرکت و سکون سے خالی نہیں۔ یہ بات بدیہی ہے۔ کسی تأمل کی محتاج نہیں۔ کوئی شخص اگر کسی جسم کے بارے میں یہ تصور کرے کہ وہ نہ متحرک ہے اور نہ ساکن تو وہ جاہل ہے اور فہم و فراست سے بہت دور ہے۔ دوم: یہ کہ حرت و سکون دونوں حادث ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں' ایک کا وجود دوسرے کے بعد ہوتا ہے' اور یہ بات تمام اجسام میں مشاہد ہے۔ جو چیز ساکن ہے اس پر عقل یہ حکم لگاتی ہے کہ یہ حرکت کر سکتی ہے' اور جو متحرک ہے اس کا ساکن ہونا بھی عقلاً ممکن ہے۔ ان دونوں میں سے جو حالت اس وقت جسم پر طاری ہوگی تو وہ طاری ہونے کی وجہ سے حادث ہوگی' اور اس سے پہلے کی حالت عدم کی وجہ سے حادث قرار پائے گی۔ اس لیے کہ اگر وہ حادث نہ ہو قدیم ہو تو اس کا عدم محال ہے جیسا کہ اس کا بیان اللہ تعالیٰ کی بقاء کے بیان میں آئے گا۔ سوم: یہ کہ جو چیز حوادث سے خالی نہ ہوگی وہ حادث ہوگی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر ایسا نہ ہو تو ہر حادث سے قبل بہت سے حوادث ہوں گے۔ اور ہر ایک حادث کی ابتدا نامعلوم ہوگی۔ اگر یہ سب حوادث منقطع نہ ہوں گے تو جو حادث اب موجود ہے اس کے وجود کے نوبت نہ آئے گی۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر آسمان کے دور کے ایسے ہوں کہ ان کی انتہا معلوم نہ ہو تو یہ ضروری ہے کہ ان کی تعداد طاق ہوگی یا جفت' یا طاق اور جفت دونوں' یا نہ جفت اور نہ طاق۔ آخر کی دونوں صورتیں محال ہیں۔ اس لیے کہ اس طرح نفی و اثبات کا اجتماع لازم آتا ہے' کیوں کہ جفت کے ثابت کرنے میں طاق کی نفی ہوتی ہے' اور اس کی نفی کرنے میں طاق کا اثبات ہے' یہ تعداد جفت بھی نہیں ہو سکتی' کیونکہ جفت ایک کے زیادہ ہونے سے طاق ہو جاتی ہے' تو جس شئی کی کوئی انتہا نہ ہو وہ ایک کی زیادتی سے کیسے بدل سکتی ہے؟ اور طاق بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ طاق ایک زیادتی سے جفت ہو جاتا ہے تو جس کے اعداد کی انتہا نہیں وہ ایک زیادتی سے کیسے بدل سکتا ہے؟ یہ بھی ممکن نہیں کہ وہ تعداد نہ طاق اور نہ جفت' کیوں کہ اس کیلئے انتہا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ عالم جو حوادث سے خالی نہیں وہ خود بھی حادث ہے' اور جب اس کا حادث ہونا ثابت ہوا تو اس کا اپنے حادث کرنے والے کی طرف محتاج ہونا' بداہۃً

معلوم ہوتا ہے۔

دوسری اصل : یہ جاننا کہ اللہ تعالیٰ قدیم ازلی ہے' جس کے وجود کی ابتداء نہیں ہے' بلکہ وہ ہر چیز سے اور ہر زندہ و مردہ سے پہلے ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ قدیم نہ ہو' حادث ہو تو وہ بھی کسی حادث کرنے والے کا محتاج ہو گا اور وہ دوسرا تیسرے کا۔ یہاں تک یہ سلسلہ لامتناہی قرار پائے گا۔ اور جو شئی مسلسل ہوتی ہے وہ حاصل نہیں ہوتی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ سلسلہ دراز ہو کر کسی ایسے وجود پر ختم ہو جو قدیم ہو ازلی ہو' یہی ہمارا مقصود ہے' اور اسی کا نام ہم نے عالم کا بنانے والا' حادث کرنے والا' خالق اور موجود رکھا ہے۔

تیسری اصل : یہ جاننا کہ اللہ تعالیٰ ازلی بھی ہے اور ابدی بھی۔ اس کے وجود کا انجام نہیں ہے۔ بلکہ وہی اول ہے' وہی آخر ہے' وہی ظاہر ہے' وہی باطن ہے' اس لیے کہ جس کا قدیم ہونا ثابت ہو گیا اس کا معدوم ہونا محال ہے کیونکہ اگر وہ معدوم ہو تو دو حال سے خالی نہیں یا خود بخود معدوم ہو یا کسی مقابل کے معدوم کرنے کی وجہ سے معدوم ہو۔ پہلی صورت باطل ہے کیونکہ اگر یہ ممکن ہو کہ وہ شئی جس کا دوام مقصود ہے خود بخود معدوم ہو جایا کرے تو یہ بھی ممکن ہو گا کہ کوئی چیز خود بخود موجود بھی ہو جائے۔ اس لیے کہ جس طرح وجود کا حادث ہونا کسی سبب کا محتاج ہے' اسی طرح عدم کا طاری ہونا بھی سبب کا محتاج ہے' دوسری صورت بھی باطل ہے' اس لیے کہ اگر مقابل قدیم ہے تو اس کے ہوتے ہوئے وجود کیسے ہوا؟ جب کہ ہم اللہ تعالیٰ کا وجود اور قدم ثابت کر آئے ہیں' اور اگر مقابل حادث ہے تو یہ بھی ممکن نہیں' اس لئے اس حادث کا وجود اسی قدیم کی وجہ سے ہے' اور یہ ممکن نہیں کہ حادث قدیم کے مقابل آکر اس کا وجود ختم کردے اور قدیم حادث کا وجود دفع بھی نہ کر سکے' حالانکہ دفع کرنے کی بہ نسبت آسان تر ہے' اور قدیم حادث کی نسبت قوی تر اور اولیٰ ہے۔

چوتھی اصل : یہ جاننا کہ اللہ تعالیٰ جوہر نہیں ہے کہ کسی جگہ میں گھرا ہوا ہو' بلکہ وہ مکان و حیز کی مناسبت سے پاک و برتر ہے' اس کی دلیل یہ ہے کہ جوہر کسی جگہ میں گھرا ہوا ہے اور وہ اس جگہ کے ساتھ خاص ہے' پھر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ جوہر اپنے حیز یا مکان میں ساکن (ٹھہرا ہوا) ہو گا یا متحرک (حرکت والا)۔ وہ حرکت و سکون سے خالی نہیں ہو گا اور یہ دونوں چیزیں حادث ہیں۔ اور جو چیز حوادث سے خالی نہ ہو وہ بھی حادث ہوتی ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کو مکان میں گھرا ہوا کوئی جوہر قدیم تصور کیا جائے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ عالم کے جوہروں کو بھی قدیم تصور کیا جائے۔ لیکن اگر کوئی شخص باری تعالیٰ کو ایسا جوہر بتلائے جو کسی مکان میں گھرا ہوا نہ ہو تو وہ شخص لفظ کے اطلاق کے اعتبار سے خطاوار کہلائے گا۔ معنی کے اعتبار سے خطاوار نہیں ہو گا۔

پانچویں اصل : یہ جاننا کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسا جسم نہیں ہے جو جواہر سے مرکب ہو۔ اس لیے کہ جسم اسی کو کہتے ہیں جو جواہر سے مرکب ہو' چوتھی اصل میں ہم یہ ثابت کر آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جوہر نہیں' اور نہ وہ کسی مخصوص مکان میں گھرا ہوا ہے۔ ہمارے اس دعویٰ سے اس کا جسم ہونا باطل قرار پایا۔ کیوں کہ ہر جسم ایک حیز کے ساتھ مخصوص ہے اور جواہر سے مرکب ہے' چنانچہ جسم کا متفرق ہونے' جمع ہونے' حرکت' سکون' صورت اور مقدار سے خالی ہونا محال ہے۔ اور یہ سب حادث ہونے کے علامتیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو جسم ماننے میں ایک اور خرابی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس طرح لوگ چاند' سورج اور دوسرے اجسام کے بارے میں بھی صانع عالم ہونے کا اعتقاد کر سکتے ہیں ------- پھر اگر کوئی گستاخ اللہ تعالیٰ کو جسم قرار دے' لیکن ساتھ ہی یہ دعویٰ بھی کرے کہ وہ جسم جوہر سے مرکب نہیں ہے تو اس کی یہ اصطلاح لفظ کے اعتبار سے غلط ہو گی۔ تاہم جسمیت کی نفی اس میں بھی پائی جائے گی۔

چھٹی اصل : یہ جاننا کہ اللہ تعالیٰ عرض نہیں کہ کسی جسم کے ساتھ قائم ہو یا کسی محل میں حلول کئے ہوئے ہو۔ اس لیے کہ ہر

جسم حادث ہے اور یہ ضروری ہے کہ حادث کرنے والا حادث سے پہلے موجود ہو' چنانچہ اللہ کسی جسم میں کیسے حلول کر سکتا ہے۔ وہ تو ازل میں تنہا تھا اس کے ساتھ کوئی دوسرا نہ تھا۔ پھر اس نے اعراض و اجسام پیدا کئے' دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ علم' قدرت' ارادہ اور تخلیق وغیرہ کے ساتھ موصوف ہے' جیسا کہ ہم عنقریب اس کی تفصیل بیان کریں گے۔ یہاں صرف اتنا بیان کرنا ہے کہ یہ اوصاف اعراض پر محال ہیں بلکہ یہ اوصاف اسی موجود کیلئے سمجھ میں آتے ہیں جو خود بخود قائم ہو' اور اپنی ذات سے مستقل ہو۔

ان چھ اصلوں سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ اللہ موجود ہے۔ اپنے آپ قائم ہیں' نہ جوہر ہے' نہ عرض ہے اور یہ کہ عالم جواہر' اعراض اور اجسام کا نام ہے' اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کے مشابہ نہیں' اور نہ کوئی اس کے مشابہ ہے' بلکہ وہ زندہ اور قیوم ہے' اس کی کوئی نظیر نہیں' اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خالق مخلوق کے مشابہ ہو' یا قادر مقدور کے اور مصوّر تصویر سے مشابہت رکھتا ہو' اجسام و اعراض سب اسی کی تخلیق اور صنعت کا نمونہ ہیں' ان کا خدا تعالیٰ کا مشابہ اور مثل ہونا محال ہے۔

ساتویں اصل : یہ جاننا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سمتوں اور جہتوں کی تخصیص سے پاک و صاف ہے۔ جہتیں یہ ہیں۔ اوپر' نیچے' دائیں' بائیں' آگے اور پیچھے۔ یہ سب جہتیں اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش کے ساتھ تخلیق فرمائیں اس لیے کہ اللہ نے انسان کی دو جہتیں ایسی بنائیں کہ ان میں سے ایک کا تعلق زمین کی سطح سے ہو اور دوسری اس کے بالمقابل ہو۔ اول الذکر کا نام پاؤں ہے' اور ثانی الذکر کا نام سر ہے' اوپر اس جہت کیلئے بنا جو سر کی طرف ہے' اور نیچے اس جہت کیلئے بنا جو پاؤں کی جانب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ چیونٹی کسی چھت میں الٹی چلے تو وہ چھت اس کے اعتبار سے نیچی قرار پائے گی' اور ہمارے اعتبار سے اوپر۔ نیز انسان کیلئے دو ہاتھ بنائے۔ ان میں سے ایک دوسرے کی بہ نسبت قوی تر ہوتا ہے۔ جو قوی تر ہاتھ ہے اس کا نام دایاں رکھا گیا۔ اور اس کے مقابل کا نام بایاں قرار دیا گیا۔ چنانچہ جو جہت اول الذکر کی جانب ہوئی اس کا نام دائیں جہت ہوا۔ اور جو جہت ثانی الذکر کی جانب آئی اس کا نام بائیں جہت ہوا۔۔۔ انسان کیلئے دو جہتیں مزید بنائیں' ایک کی طرف سے وہ دیکھتا ہے' اور اسی جانب چلتا ہے' جس طرف وہ چلتا ہے اس کا نام آگے ہوا۔ اور اس جہت کی مقابل جہت کا نام پیچھے ہوا۔ فرض کیجئے اگر انسان ان جہتوں پر پیدا نہ ہوا ہوتا تو گیند کی طرح گول ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ازل میں کسی جہت سے خاص کیسے ہو سکتا ہے جب کہ یہ سب جہتیں حادث ہیں اور نہ اب کسی طرح کسی جہت سے خاص ہو سکتا ہے کیونکہ انسان کی پیدائش کے وقت وہ کسی جہت کے ساتھ مخصوص نہیں تھا اب کیسے ہو سکتا ہے۔

وہ اس بات سے منزّہ اور پاک ہے کہ اس کیلئے اوپر ہو' کیونکہ وہ اس سے بھی منزّہ اور پاک ہے' کہ اس کا سر ہو' اوپر اسی جہت کو کہتے ہیں کہ جو سر کی جانب ہو۔۔۔ اسی طرح وہ نیچے سے بھی برتر و بالا ہے' کیونکہ نیچے اس سمت کا نام ہے جو پاؤں کی جانب ہو' اور اللہ تعالیٰ پاؤں سے پاک ہے۔ ان جہتوں کے ساتھ اس کے مخصوص نہ ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی جہت کے ساتھ مخصوص ہو تو عقل یہ کہتی ہے کہ وہ جواہر کی طرح اپنے حیز سے مخصوص ہوگا' یا اعراض کی طرح کسی جوہر کی ساتھ خاص ہوگا۔ اور کیونکہ اس کا جوہر اور عرض ہونا دونوں محال ہیں' اس لیے اس کا کسی جہت کے ساتھ مخصوص ہونا بھی محال ہے۔ ہاں! اگر جہت کے معروف و متعارف معنیٰ مراد لی جائیں تو یہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں معنیً صحیح ہوگا لیکن باعتبار لفظ کے غلط ہوگا' ان جہتوں کے ساتھ باری تعالیٰ کے مخصوص نہ ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ اگر وہ عالم کے اوپر ہو تو اس کے محاذی بھی ہوگا۔ اور کسی جسم کا محاذی اس کے برابر ہوتا ہے' یا اس سے چھوٹا' یا اس سے بڑا۔ ان تینوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کیلئے مقدار کی ضرورت تسلیم کرنی ہوگی۔ حالانکہ اس کی ذات اس سے بری ہے۔

یہاں یہ سوال ضرور کیا جا سکتا ہے کہ دعا کے وقت ہاتھ آسمان کی طرف کیوں اٹھائے جاتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دعا کا قبلہ وہی سمت ہے۔ اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ جس سے دعا کی جارہی ہے' اس میں جلال اور کبریائی کی صفت بھی موجود ہے اور بلندی کی سمت جلالتِ شان اور عظمت پر دلالت کرتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ قہر' بزرگی' اور غلبے کے اعتبار سے ہر ایک موجود کے اوپر ہے

آٹھویں اصل : یہ جاننا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے' استواء کے ان معنوں میں جو اس نے مراد لیے ہیں۔ یعنی وہ معنیٰ جو اس کی کبریائی کے مخالف نہیں' اور نہ اس میں۔ حدوث اور فنا کی علامتوں کو دخل ہے آسمان پر مستوی ہونے کے یہی معنیٰ ذیل کی آیت میں مراد لیے ہیں۔

ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ (پ ۲۴' ر ۱۶' آیت ۱۱)

پھر چڑھا آسمان کی طرف اور دھواں ہو رہا تھا۔

یہ معنیٰ قہر اور غلبے ہی کے اعتبار سے ہوتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے

قد استوٰی بشر علے العراق　　من غیر سیف و دم مهراق

(ترجمہ۔ بشر تلوار اور خون بہائے بغیر عراق پر غالب آگیا ہے۔)

اہل حق کو مجبوراً یہ تأویل کرنی پڑی ہے۔ جس طرح اہل باطل کو اس آیت کی تاویل کرنی پڑی ہے۔

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ (پ ۲۷' ر ۱۷' آیت ۴)

وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں تم رہو۔

اس کے معنیٰ بالاتفاق یہی بیان کئے گئے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ہونے کا مطلب احاطہ اور علم ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک کو۔

قلب المومن بین اصبعین من اصابع الرحمٰن (مسلم)

مومن کا دل اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے۔

قدرت' قہر اور غلبے پر محمول کیا گیا ہے۔ اسی طرح اس حدیث کو۔

الحجر الاسود یمین اللہ فی ارضہ (مسلم)

حجر اسود زمین میں اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ ہے۔

عظمت اور تقدّس پر محمول کیا گیا ہے۔ ان الفاظ کو اگر اپنے ظاہر پر رہنے دیا جائے تو اس سے محال لازم آتا ہے اسی طرح اگر استواء کو ٹھہرنے اور جگہ پکڑنے کے معنیٰ میں قرار دیا جائے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ جگہ پکڑنے والا جسم ہو' عرش سے لگا ہوا ہو۔ اس کے برابر ہو۔ اس سے بڑا ہو یا اس سے چھوٹا ہو' اللہ تعالیٰ کیلئے جسم اور مقدار کا محال ہونا پہلے ثابت کیا جا چکا ہے۔

نویں اصل : یہ جاننا کہ اللہ تعالیٰ صورت' مقدار' اور جہات سے منزّہ اور پاک ہونے کے باوجود آخرت میں آنکھوں سے دکھائی دے گا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (پ ۲۹' ر ۱۷' آیت ۲۲-۲۳)

بہت سے چہرے اس وقت بارونق ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے۔

دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رؤیت محال ہے' جیسا کہ قرآن پاک میں فرمایا گیا:۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ (پ ۷' ر ۱۹' آیت ۱۰۳)

اس کو نہیں پا سکتیں آنکھیں اور وہ پا سکتا ہے آنکھوں کو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب دیدار کی خواہش کا اظہار کیا تو فرمایا:۔

لَنْ تَرٰنِيْ (پ ۹' ر ۷' آیت ۱۴۳)

تو ہرگز مجھ کو نہ دیکھ سکے گا۔

ہمیں کوئی یہ بتلائے کہ اللہ تعالیٰ کی جو صفت (رؤیت دنیا میں) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معلوم نہ ہو سکی اسے یہ معتزلی کیسے

جان گیا۔ بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس بات سے انبیاء علیہم السلام واقف نہ ہوں اس سے یہ کند ذہن اہل بدعت بھی ناواقف ہوں۔ آیت رؤیت کو آخرت پر محمول کیا گیا ہے' آخرت میں رؤیت ممکن ہے محال نہیں ہے اس لیے کہ دیکھنا ایک قسم کا علم اور کشف ہے' فرق صرف یہ ہے کہ علم کی بہ نسبت رؤیت زیادہ واضح اور زیادہ مکمل ہے۔ جس طرح یہ درست ہے کہ علم خدا تعالیٰ سے متعلق ہو اور وہ کسی جہت میں نہ ہو' اسی طرح یہ بھی درست ہے کہ رؤیت اس کی متعلق ہو اور وہ کسی جہت میں نہ ہو' اور جیسے یہ درست ہے کہ اللہ تعالیٰ خلق کو دیکھتا ہے اور ان کے مقابل نہیں اسی طرح یہ بھی درست ہے کہ مخلوق اسے دیکھے اور مقابلہ نہ ہو۔ اور جس طرح باری تعالیٰ کو بغیر کیفیت اور بغیر صورت کے جاننا ممکن ہے اسی طرح اس کی رؤیت بھی کیفیت اور صورت کے بغیر ممکن ہے۔

دسویں اصل : یہ جاننا کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے' اسکا کوئی شریک نہیں' یکتا ہے' اس کا کوئی مثل نہیں' وہ تخلیق اور ابداع میں منفرد ہے' وہ ایجاد و اختراع میں اکیلا ہے' نہ اس کا کوئی مثل ہے کہ مشابہ اور مساوی ہو' اور نہ اس کا کوئی مقابل ہے کہ اس سے نزاع کرے' یا اس کے منافی ہو' اس پر یہ آیت کریمہ دلیل ہے۔

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا (پ۱۷' ر۲' آیت ۲۲)

اگر ہوتے آسمان و زمین میں اللہ کے سوا کچھ اور معبود تو دونوں برباد ہو جاتے۔

اس کی تقریر یہ ہے کہ اگر دو خدا ہوں اور ان میں سے ایک کوئی کام کرنا چاہے' تو دو صورتیں ہوں گی۔ یا تو دوسرا اس کی موافقت پر مجبور ہوگا۔ اس صورت میں اسے عاجز اور مقہور تصور کیا جائے گا' یا دوسرا پہلے کی مخالفت پر قادر ہوگا اس صورت میں پہلا ضعیف اور عاجز قرار پائے گا۔

دوسرا رکن : اللہ تعالیٰ کی صفات کا جاننا۔ یہ رکن بھی دس اصولوں پر مشتمل ہے۔

پہلی اصل : یہ جاننا کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے اور اپنے اس ارشاد میں سچا ہے۔

وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (پ۲۹' ر۱' آیت ۱)

اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ عالم اپنی صنعت میں محکم اور اپنی تخلیق میں مرتب و منظم ہے' اس سے اس کے خالق کی قدرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص ریشم کا بنا ہوا کوئی خوبصورت منقش کپڑا دیکھے اور یہ خیال کرے کہ اسے کسی مردہ انسان نے بنایا ہوگا یا کسی ایسے شخص نے بنا ہوگا جو اسے بنانے پر قادر نہ ہو تو ایسے شخص کو دائرۂ عقل سے خارج سمجھا جائے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے عالم کو دیکھ کر اس کے صانع کی بے پناہ قدرت کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

دوسری اصل : یہ جاننا کہ اللہ تعالیٰ موجودات کا جاننے والا ہے' اس کا علم تمام مخلوقات کو محیط ہے۔ آسمان و زمین کا کوئی ذرہ ایسا نہیں ہے کہ جو اس کے علم میں نہ ہو۔ وہ اپنے اس قول میں سچا ہے۔

وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (پ۱' ر۳' آیت ۲۹)

اور وہ ہر چیز سے واقف ہے۔

یہ آیت بھی اس کے علم پر دلالت کرتی ہے۔

أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ (پ۲۹' ر۱' آیت ۱۴)

بھلا وہ جانے جس نے پیدا کیا۔ اور وہی ہے بھیدوں کا جاننے والا' خبردار۔

اس آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ خلق (پیدا کرنے) سے علم پر استدلال کرلو' مخلوق کی لطافت و نزاکت اور صنعت میں ترتیب و

نظم سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ اس کا صانع ترتیب و نظام کی کیفیت کو بخوبی سمجھتا ہے چنانچہ جو کچھ اللہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ وہی اس باب میں انتہاء ہے۔

تیسری اصل : یہ جاننا کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے۔ اس لیے کہ جس کا علم اور جس کی قدرت ثابت ہے اس کی حیات بھی ثابت ہوگی۔ حیات کے بغیر علم و قدرت کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ اگر کسی قادر اور علیم و خبیر کا وجود مردہ تصور کرلیا جائے تو پھر حیوانات کی زندگی اور ان کی حرکات و سکنات کے بارے میں یہی رائے قائم کرنی ہوگی' بلکہ اہل حرفت و صنعت' شہروں اور جنگلوں میں پھرنے والے' تاجر اور ملک در ملک گھومنے والے سیاح سب بے جان قرار دیئے جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ تصور ایک کھلی جہالت اور ایک واضح گمراہی ہے۔

چوتھی اصل : یہ جاننا کہ اللہ تعالیٰ اپنے افعال کا ارادہ کرنے والا ہے۔ جو کچھ موجود ہے وہ اس کی مرضی سے ہے' اسی کے ارادے سے صادر ہے' اسی نے اولاً پیدا کیا ہے' وہی مارنے کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا' وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے صاحب ارادہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جو فعل اس سے صادر ہوتا ہے ممکن ہے کہ اس کی ضد کا صدور بھی ہو جائے۔ یا وہ فعل جو ضد نہیں رکھتا کسی قدر تاخیر یا تقدیم سے صادر ہو' جہاں تک محض قدرت کا تعلق ہے وہ فعل اور اس کی ضد' مقدم' مؤخر اور متعین اوقات سے یکساں مناسبت رکھتی ہے' اس لیے ضروری ہوا کہ ایک ارادہ بھی ہو' جو قدرت کو اس امر کی طرف منتقل کردے جس کا ارادہ کیا جارہا ہو۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ علم کی موجودگی میں ارادے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور کوئی شئی جو اپنے وقت میں اپنی حالت پر پائی گئی تو اس کی وجہ ارادہ نہیں بلکہ یہ ہے کہ اس وقت میں اور اس حالت پر شئی کے وجود کا علم پہلے سے تھا ہم کہیں گے اس طرح تو قدرت کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اگر کوئی چیز موجود ہو جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کے وجود میں قدرت کو کوئی دخل نہیں ہے بلکہ یہ اس لیے وجود پذیر ہوئی کہ اس کے موجود ہونے کا علم پہلے سے تھا۔

پانچویں اصل : یہ جاننا کہ اللہ تعالیٰ سننے والے اور دیکھنے والا ہے' دلوں کے وسوسے اور افکار و خیالات بھی اسکے دیکھنے سے بچ نہیں سکتے' رات کی تاریکی میں سخت پتھر پر رینگنے والی چیونٹی کی آواز بھی اس کے سننے سے باہر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر کیسے نہ ہوگا؟ اس لیے کہ سننا اور دیکھنا وصف کمال ہے' کوئی نقص یا عیب کی بات نہیں ہے۔ اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اس کی مخلوق اس کے مقابلے میں کامل ہو' مصنوع صانع سے برتر ہو۔ اس صورت میں اعتدال کیسے باقی رہے گا جب کہ خالق کے حصہ میں نقصان اور مخلوق کے حصے میں کمال رہے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ استدلال کیسے درست قرار پائے گا جو انھوں نے اپنے باپ کے سامنے کیا تھا۔

لِمَ تَعۡبُدُ مَا لَا یَسۡمَعُ وَلَا یُبۡصِرُ وَلَا یُغۡنِیۡ عَنۡکَ شَیۡئًا (پ ۱۶' ر ۶' آیت ۴۲)

کیوں پوجتا ہے تو اس چیز کو جو نہ سنے نہ دیکھے اور نہ تجھے کوئی فائدہ پہنچائے۔

اگر یہی بات معبود حقیقی کے سلسلے میں بھی لازم آئے تو کیا ان کا یہ استدلال باطل قرار نہ پائے گا۔ اور خدا تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی غلط نہ ٹھہرے گا۔

وَتِلۡکَ حُجَّتُنَاۤ اٰتَیۡنٰہَاۤ اِبۡرٰہِیۡمَ عَلٰی قَوۡمِہٖ۔
(پ ۷ ر ۱۶ آیت ۸۳)

اور یہ ہماری حجت ہے جو ہم نے ابراہیمؑ کو ان کی قوم کے مقابلے میں عطا کی ہے۔

جس طرح اعضاء کے بغیر خدا کا فاعل ہونا' اور دل و دماغ کے بغیر خدا کا عالم ہونا سمجھا گیا ہے اسی طرح آنکھ اور کان کے بغیر خدا

تعالیٰ کو سمیع اور بصیر سمجھنا چاہیئے۔ بظاہر ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

چھٹی اصل : یہ جاننا کہ اللہ تعالیٰ کلام کرتا ہے اور وہ کلام ایسا وصف ہے جو اس کے ساتھ قائم ہے' نہ وہ آواز ہے اور نہ حرف' جس طرح اس کا وجود کسی دوسرے کے وجود سے مشابہت نہیں رکھتا' اسی طرح اس کا کلام بھی کسی دوسرے کے کلام سے مشابہ نہیں ہے۔ حقیقت میں کلام وہی ہے جو نفس کا کلام ہو' حروف اور آواز تو صرف اظہار کیلئے ہیں۔ کبھی کبھی محض حرکات و سکنات اور اشاروں سے بھی بات سمجھا دی جاتی ہے۔ حیرت ہے کہ بعض لوگ اس حقیقت کے ادراک سے محروم رہ گئے' حالانکہ جاہل اور کند ذہن شعراء بھی اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

ان الکلام لفی الفؤاد وانما   جعل اللسان علی الفؤاد دلیلا۔

(ترجمہ۔ کلام تو دل میں ہوتا ہے' زبان تو محض دل کی ترجمان ہے۔)

جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ میری زبان حادث ہے اور اس زبان پر میری حادث قدرت کی بناء پر جو کلام جاری ہوا ہے وہ قدیم ہے ایسے شخص سے عقل کی توقع نہ رکھو اور اس سے گفتگو مت کرو۔ بھلا یہ شخص خطاب کے قابل ہے جو نہ سمجھے کہ قدیم اسے کہتے ہیں جس سے پہلے کوئی دوسری چیز نہ ہو حالانکہ بسم اللہ میں جو سین ہے' اس سے پہلے "ب" ہے اس لیے سین کو قدیم نہیں کہا جاسکتا۔ تم ایسے شخص کی طرف ہرگز توجہ مت دو۔ یہ اسی لائق ہے۔ کہ اس سے گریز کیا جائے۔ کیونکہ بعض بندوں کو اللہ تعالیٰ نے ان حقائق و مطالب سے محروم رکھا ہے۔ اس میں بھی اس حکیم و دانا کی کوئی حکمت ہے۔ جسے وہ گمراہ کرلے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

جو شخص یہ بات خارج اَز امکان سمجھتا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ السلام نے دنیا میں ایسا کلام سنا ہے جس میں آواز اور حرف نہ ہوں اسے یہ بات بھی محال سمجھنی چاہیئے کہ قیامت میں ایک ایسے موجود کا دیدار ہوگا جس کے نہ جسم ہے' اور نہ رنگ۔ اگر وہ یہ بات سمجھتا ہے اور اس کا یقین رکھتا ہے کہ کسی بے جسم' بے رنگ' بے کیفیت اور بے مقدار موجود کا دیدار ہوگا تو کے سلسلے میں بھی یہی یقین رکھنا چاہیئے کہ ایک ایسا کلام ہے جو حروف اور آواز کی قیود سے آزاد ہے' اگر اس شخص نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے صفت علم ہے اور وہ سب موجودات سے واقف ہے' تو اسے اللہ تعالیٰ کیلئے صفت کلام کا بھی اعتقاد رکھنا چاہیئے کہ جتنی باتیں بھی عبارات اور الفاظ کے ذریعہ ہم سمجھتے ہیں وہ سب اس کا کلام ہیں اور اگر عقل یہ تسلیم کرتی ہے کہ زمین' جنت اور دوزخ اور ساتوں آسمان کاغذ کے پُرزے پر لکھے جاسکتے ہیں۔ دل کی ذرہ برابر جگہ میں محفوظ رہ سکتے ہیں۔ اور تِل کے برابر آنکھ کی پتلی سے نظر آسکتے ہیں مگر یہ سب کاغذ کے پرزے پر' دل کی سطح پر' اور آنکھ کے ڈھیلے میں بعینہٖ اتر نہیں جاتے۔ اسی طرح یہ بھی باور کرلینا چاہیئے کہ اللہ کا کلام زبانوں سے پڑھا جاتا ہے۔ دلوں میں محفوظ رہتا ہے' مصاحف میں لکھا جاتا ہے لیکن نفس کلام زبان' دل اور مصحف میں حلول نہیں کرتا۔ اس لیے کہ اگر کلام اللہ کے لکھنے سے ورق میں کلام حلول کرجائے تو خدا کا نام لکھنے سے اس کی ذات بھی ورق میں آجائے اور آگ کا نام لکھنے سے آگ بھی کاغذ کی سطح پر روشن ہوجائے اور اسے جلا ڈالے۔

ساتویں اصل : یہ جاننا کہ جو کلام خدا تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے وہ قدیم ہے اسی طرح اس کی تمام صفات بھی قدیم ہیں کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات حوادث کا محل ہو' اس لیے کہ حوادث بدلتے رہتے ہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی صفات کیلئے بھی قدیم ہونے کا وہی وصف واجب ہے جو اس کی ذات کیلئے واجب ہے تاکہ اس پر تغیرات طاری نہ ہوں اور اس میں حوادث حلول نہ کریں' بلکہ وہ ہمیشہ سے ازل میں ان صفات کے ساتھ متصف رہا ہے' اسی طرح ابد میں رہے گا۔ وہ حالات کے تغیر سے پاک ہے' جو چیز حوادث کا محل ہو وہ خود حادث ہوتی ہے۔ اجسام پر حدوث طاری ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ تغیر کو قبول کرتے ہیں' اور ان کی اوصاف میں رد و بدل جاری رہتا ہے بھلا خالق تغیرات قبول کرنے میں اجسام کا شریک کیسے ہوسکتا ہے؟ اسی سے یہ امر ثابت ہوتا

ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم ہے اور اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے حادث صرف وہ آوازیں ہیں جو مذکورہ کلام پر دلالت کرتی ہیں۔
جس طرح یہ سمجھ میں آتا ہے کہ لڑکے کے پیدا ہو جانے سے پہلے اسے تحصیل علم کیلئے حکم کرنا باپ کے ساتھ قائم ہوتا ہے' جب لڑکا بڑا ہو جاتا ہے' اور اسے عقل آجاتی ہے' تب اس امر کا علم جو باپ کے دل میں تھا لڑکے میں پیدا کر دیا جاتا ہے' اس طرح وہ اس امر کا مامور ہو جاتا ہے جو اس کے باپ کے ساتھ قائم ہے۔ اور جب تک لڑکا اس امر کا علم حاصل نہیں کرلے گا اس وقت تک اس امر کا وجود قائم رہے گا۔ اس طرح یہ سمجھنا چاہیئے کہ جس امر پر یہ ارشاد باری دلالت کر رہا ہے۔

فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ (پ ۱۶' ر ۸' آیت ۱۲)

اپنی جوتیاں اتارو۔

وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے' اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس کا خطاب ان کی پیدائش کے بعد اس وقت ہوا جب اللہ نے ان کے دل میں اس حکم کی معرفت پیدا فرمائی اور کلام قدیم سننے کیلئے انھیں قوت سماعت عطا فرمائی۔

آٹھویں اصل : یہ جاننا کہ اللہ تعالیٰ کا علم قدیم ہے' یعنی وہ اپنی ذات صفات کا ازلی علم رکھتا ہے' اور جو کچھ مخلوقات میں حادث ہوتا ہے اسے ازل سے جانتا ہے' اسکا علم نیا پیدا نہیں ہوتا بلکہ یہ سب حوادث علم ازل سے اس کے سامنے منکشف رہتے ہیں۔ مثلاً ہمیں یہ علم ہو کہ زید طلوع آفتاب کے وقت آئے گا۔ اور جب تک آفتاب نہ نکلے اس وقت تک اس علم میں تبدیلی نہ ہو تو اس وقت متعین پر زید کے آنے کا علم ہمیں اسی پرانے علم سے ہوگا۔ اس کے لیے کوئی نیا علم پیدا نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے علم قدیم کو بھی اس مثال کی روشنی میں سمجھنا چاہیئے۔

نویں اصل : یہ جاننا کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ قدیم ہے' اس کا ارادہ علم ازل کے مطابق حوادث کو ان کے مخصوص اور مناسب اوقات میں پیدا کرنے کے ساتھ متعلق ہے۔ اللہ کا ارادہ اس لیے قدیم ہے کہ اگر حادث ہو تو اس کی ذات حوادث کا محل ٹھہرے گی' اور اگر اس کا ارادہ اس کی ذات کے علاوہ کسی دوسرے میں حادث ہو تو وہ ارادہ کرنے والا نہیں کہا جائے گا جس طرح تمہیں اس وقت تک متحرک نہیں جاسکتا جب تک حرکت تمہاری ذات میں موجود نہ ہو۔ اگر اس کے ارادے کو حادث مانا جائے تو اس کے حدوث کیلئے کسی دوسرے کی ضرورت پیش آئے گی' اس دوسرے کیلئے تیسرے کی' یہ سلسلہ لامتناہی قرار پائے گا۔ اور یہ محال ہے' اسی طرح اس کا حادث ہونا بھی محال ہے۔ اور اگر کہا جائے کہ ارادے کا حادث ہونا کسی دوسرے ارادے کے بغیر ممکن ہے تو یہ بھی ممکن ہوگا کہ عالم کسی ارادے کے بغیر حادث ہو۔

دسویں اصل : یہ جاننا کہ اللہ علم سے عالم ہے' حیات سے زندہ ہے' قدرت سے قادر ہے' ارادے سے مرید ہے' کلام سے متکلم ہے' سننے سے سمیع ہے' دیکھنے سے بصیر ہے' اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اللہ بغیر علم کے عالم ہے تو گویا وہ یوں کہتا ہے کہ فلاں شخص بغیر مال کے مالدار ہے یا علم بغیر عالم کے ہے اور عالم بغیر معلوم کے ہے' حالانکہ علم' عالم اور معلوم ایک' دوسرے کے لازم و ملزوم ہیں۔ جس طرح قتل' اور قاتل اور مقتول کے بغیر ممکن نہیں' یا مقتول قتل اور قاتل کے بغیر ممکن نہیں اسی طرح عالم علم کے بغیر' علم معلوم کے بغیر اور معلوم علم کے بغیر نہیں پایا جاتا۔ بلکہ یہ تینوں عقلاً ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہیں' ایک دوسرے سے جُدا نہیں ہوتے۔ جو شخص عالم کو علم سے جدا تصور کرتا ہے اسے چاہیئے کہ وہ عالِم کو معلوم سے اور علم کو عالم سے بھی علیحدہ قرار دے۔ کیونکہ ان نسبتوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ سب ایک ہی ہیں۔

تیسرا رکن : اللہ تعالیٰ کے افعال کی معرفت۔ یہ رکن بھی دس اصولوں پر مشتمل ہے۔

پہلی اصل : یہ ہے کہ عالم میں جتنے بھی حوادث (مخلوقات) ہیں وہ سب اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ اسی کا فعل اور اس کی

اختراع ہیں۔ اس کے سوا نہ کوئی خالق ہے اور نہ موجد' اسی نے اپنی مخلوق کی قدرت' اور حرکت پیدا فرمائی۔ بندوں کے تمام افعال اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں' اور اسی کی قدرت سے وابستہ ہیں۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے:۔

اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ (پ ۲۴' ر ۳' آیت ۶۲)

اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔

وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ (پ ۲۳' ر ۷' آیت ۹۶)

اللہ نے تمہیں اور جو کچھ تم کرتے ہو اسے بنایا۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا گیا:۔

وَاَسِرُّوْا قَوْلَکُمْ اَوِاجْهَرُوْا بِهٖ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۔ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (پ ۲۹' ر ۱' آیت ۱۳)

اور تم اپنی بات چھپا کر کہو یا کھول کر۔ اللہ دلوں کا حال جاننے والا ہے۔ کیا وہ اللہ نہیں جانے گا جس نے پیدا کیا اور وہی رازوں کا جاننے والا خبردار ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بندوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے اقوال' افعال' اسرار اور ارادوں میں احتیاط رکھیں' اس لیے کہ وہ ان سے واقف ہے' اس نے اپنے کمالِ علم کے اثبات پر دلیل دی ہے کہ وہ ان کے افعال و اعمال اور اقوال و اسرار کا پیدا کرنے والا ہے۔ وہ بندوں کے افعال کا خالق کیسے نہ ہوگا؟ اس کی قدرت کامل ہے اس میں کسی طرح کی کمی نہیں ہے۔ اس کی قدرت بندوں کی حرکات سے متعلق ہے' اور سب حرکات یکساں ہیں۔ اور قدرت کا ان سے تعلق بھی یکساں ہے' پھر کیا وجہ ہے کہ بعض حرکات سے اس کا تعلق ہو اور بعض سے نہ ہو۔ یا یہ کیسے ممکن ہے کہ حیوان اپنے افعال کا خود خالق ہو' حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ مکڑی اور شہد کی مکھی سے بھی وہ افعال صادر ہوتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ حالانکہ انھیں مخترع اور موجد نہیں کہہ سکتے۔ انھیں تو اپنے کاموں کی تفصیل بھی معلوم نہیں ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ مخلوقات سب اسی کی قدرت اختراع و ایجاد کی دلیل ہیں۔ ملکوت میں مخترع وہی ہے جو کہ زمین اور آسمان کا جبار ہے۔

دوسری اصل : یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال کا خالق ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ حرکات و افعال بندے کے تحت قدرت اکتساب کے طور پر بھی نہ رہیں بلکہ اللہ نے قدرت اور مقدور دونوں کو پیدا فرمایا ہے۔ اختیار اور ذی اختیار دونوں کو بنایا ہے' قدرت بندے کا ایک وصف ہے۔ اور یہ وصف اللہ نے پیدا کیا ہے اس کا کسب نہیں ہے۔ حرکت بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے۔ لیکن یہ بندے کی صفت اور اس کا کسب ہے' یعنی یہ صفت بندے کی ایک اور وصف کے زیرِ اثر ہوئی ہے جسے قدرت کہتے ہیں۔ اسی اعتبار سے حرکت کو کسب کہا جاتا ہے۔ بندے کی یہ حرکت جبر محض نہیں ہو سکتی اس لیے کہ وہ اپنی اختیاری اور اضطراری (غیر اختیاری) حرکات کا فرق جانتا ہے' تاہم وہ اپنی ان حرکات کا خالق بھی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اسی لیے کہ وہ بے چارہ تو ان سب حرکات کی تفصیل بھی نہیں جانتا جو اس سے اختیاری طور پر صادر ہوتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں صورتیں باطل ہیں۔ اب ایک درمیانی صورت رہ جاتی ہے اور یہ اعتقاد کرنا ہے کہ تمام حرکات اختراع و ایجاد کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی قدرت و تصرف میں ہیں۔ اور اکتساب کے اعتبار سے بندے کے اختیار میں ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ جس چیز سے قدرت کا تعلق ہو وہ فقط اختراع کے اعتبار سے۔ مثلاً دیکھئے! ازل میں اللہ تعالیٰ کی قدرت عالم سے متعلق تھی۔ حالانکہ اختراع کا وجود بھی نہ تھا۔ پھر اختراع کے وقت بھی قدرت عالم سے متعلق ہے لیکن اس وقت قدرت کی نوعیت مختلف ہے۔ غرض یہ کہ قدرت کے متعلق ہونے کا یہی مطلب نہیں کہ مقدور چیز اس سے حاصل بھی ہو جائے۔

تیسری اصل : یہ ہے کہ بندے کا فعل اگرچہ اس کا کسب ہے' اس کے دائرۂ اختیار میں ہے' لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ

فعل خدا تعالٰی کے ارادے اور مشیت سے باہر ہے۔ بلکہ ملک اور ملکوت میں جو کچھ ہوتا ہے خواہ پلک جھپکنا ہو' یا دل کا کسی طرف متوجہ ہونا' خیر ہو یا شر' نفع ہو یا ضرر' اسلام ہو یا کفر' معرفت ہو یا جہل' کامیابی ہو یا ناکامی' گمراہی ہو یا ہدایت' اطاعت ہو یا معصیت' شرک ہو یا ایمان' سب اسی کے قضاء و قدر سے ہیں' اسی کے ارادے اور خواہش سے ظہور میں آتے ہیں' نہ کوئی اسکے فیصلے کو منسوخ کرسکتا ہے' نہ ٹال سکتا ہے' وہ جسے چاہے گمراہ کرے' جسے چاہے ہدایت کے راستے پر چلائے' جو کچھ وہ کرتا ہے اس سلسلے میں اس سے کوئی باز پرس نہیں کرسکتا' البتہ بندوں سے ان کے ہر عمل کی باز پرس کی جائے گی۔

بندوں کے تمام افعال باری تعالٰی کی مشیت سے ہیں۔ یہ دعوٰی نقلی دلائل بھی رکھتا ہے اور عقلی دلائل بھی' تمام امت بالاتفاق یہ عقیدہ رکھتی ہے۔

ماشاء اللہ کان وما لم یشاء لم یکن

جو کچھ اللہ نے چاہا ہوا اور جو نہیں چاہا نہیں ہوا۔

اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے:۔

اَنْ لَّوْ یَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِیْعًا (پ ۱۳' ر ۱۰' آیت ۳۱)

اگر چاہے اللہ تعالٰی تو سب لوگوں کو ہدایت دیدے۔

وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَیْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا (پ ۲۱' ر ۱۵' آیت ۱۳)

ہم اگر چاہتے تو ہر نفس کو اس کی ہدایت سے نوازتے۔

اس کی عقلی دلیل یہ ہے کہ معاصی اور برائیوں کو اللہ تعالٰی برا سمجھتا ہے اور ان کا ارادہ نہیں کرتا۔ بلکہ وہ سب برائیاں اور معاصی اس کے دشمن ابلیس لعین کے ارادے اور خواہش سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود وہ دشمن خدا ہے۔

دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اس میں بیشتر شیطان کے ارادے اور خواہش سے ہوتا ہے کیونکہ نیکیوں کے مقابلے میں برائیاں بہرحال زیادہ ہیں۔ اب ہمیں کوئی یہ بتلائے کہ کوئی مسلمان اپنے رب کو کسی ایسے مرتبے پر کسی طرح بٹھلا سکتا ہے جس پر کسی بستی کا رئیس بھی بیٹھنے کے لئے آمادہ نہ ہو' اور ریاست و اقتدار سے متنفر ہو جائے۔ یعنی یہ منصب کہ بستی میں اس کا کوئی حریف ہو' اور بستی والے اسی حریف کے احکام کی تعمیل زیادہ کرتے ہوں' بیشتر کام اسی کے ارادے اور حکم سے تکمیل پاتے ہوں۔ ہر عزت دار آدمی اس اقتدار کو رسوائی کا باعث سمجھے گا۔ اور اس سے دست بردار ہونے میں عافیت محسوس کرے گا۔ پھر اس سے خدا تعالٰی کا عاجز اور ضعیف ہونا بھی لازم آتا ہے کیونکہ مخلوق میں نافرمانیاں زیادہ پھیلی ہوئی ہیں اور اہل بدعت کے اعتقاد کے مطابق یہ سب نافرمانیوں کو ختم نہیں کرسکتا۔ پھر جب یہ ثابت ہوچکا ہے کہ بندے کے تمام افعال اللہ تعالٰی کے پیدا کئے ہوئے ہیں تو یہ بھی ثابت ہوا کہ وہ سب اسی کے ارادے کے پابند ہیں۔

اب اگر کوئی شخص یہ کہنے لگے جس فعل کو اللہ چاہتا ہے اس سے منع کیوں کرتا ہے اور جس کا ارادہ نہیں کرتا اس کا حکم کیوں دیتا ہے تو اس کا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ امر اور ارادے میں فرق ہے۔ یہ فرق ایک مثال سے واضح ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی آقا اپنے غلام کو مارے اور اس پر تشدد کرے' حاکم وقت آقا کو اس کے رویّہ پر برا بھلا کہے تو آقا یہ عذر پیش کرے کہ میں نے اس کو اس کی نافرمانی کی بنا پر زدو کوب کیا ہے۔ حاکم اس کا عذر قبول کرنے سے انکار کردے اور یہ کہے کہ تو جھوٹ کہتا ہے' یہ غلام تیرا حکم نہیں ٹال سکتا۔ آقا اپنی صداقت ثابت کرنے کیلئے حاکم کے سامنے غلام کو سواری پر زین کسنے کیلئے کہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک امر ہے' لیکن امر کرنے والا (آقا) یہ نہیں چاہتا کہ اس کی تعمیل ہو' اگر یہ امر نہ کرے تو حاکم کے روبرو اس کی صداقت ظاہر نہ ہو' اور اگر غلام سے تعمیل حکم کا ارادہ کرے تو یہ خود اپنے قتل کا ارادہ قرار پائے۔ اور یہ ممکن نہیں کہ آدمی خود اپنے قتل کا ارادہ کرے۔

<u>چوتھی اصل :</u> یہ ہے کہ اللہ تعالٰی پیدا کرنے' بندوں کو حکم کرنے اور کرم اور احسان کرنے والا ہے۔ یہ سب کچھ اس پر واجب

نہیں ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ یہ امور اللہ تعالیٰ پر واجب ہیں کیونکہ ان میں بندوں کی فلاح کا راز مضمر ہے۔ معتزلہ کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے بلکہ ایسا ہونا محال ہے کہ اللہ پر کوئی چیز واجب ہو کیونکہ وہ خود واجب کرنے والا ہے، خود آمر (حکم دینے والا) اور خود ناہی (منع کرنے والا) ہے۔ بھلا وہ کیسے وجوب کا محل بن سکتا ہے۔ اس پر کوئی چیز کیسے لازم ہو سکتی ہے؟

واجب سے دو معنیٰ مراد ہوتے ہیں۔ (۱) وہ فعل جس کے ترک سے اسی وقت یا آئندہ کسی وقت نقصان لاحق ہو مثلاً اگر یہ کہا جائے کہ بندے پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت واجب ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ اطاعت نہیں کرے گا تو آخرت میں اس پر عذاب نازل ہو گا، یا یہ کہا جائے کہ پیاسے پر پانی پینا واجب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر وہ پانی نہیں پیئے گا تو دم توڑ دے گا۔ (۲) وہ فعل جس کے نہ ہونے سے محال لازم آئے، مثلاً یہ کہا جائے کہ معلوم کا وجود واجب ہے۔ یعنی اگر معلوم نہ ہو تو محال لازم آئے گا۔ اور وہ یہ ہو گا کہ علم جہل ہو جائے گا ـــــــ اگر معتزلی حضرات وجوب کے معنیٰ اول مراد لیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ پیدا کرنا اس پر واجب ہے تو یہ صحیح نہیں ہے کیوں کہ اس صورت میں نعوذ باللہ خدا تعالیٰ کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے، اور اگر پیدا کرنا معنیٰ دوم کی رو سے اس پر واجب ہے تو اسے ہم بھی تسلیم کرتے ہیں، اس لیے کہ جب خدا کیلئے علم ازلی ہے تو اس کیلئے معلوم کا ہونا بھی ضروری ہے۔ ہاں اگر واجب کے وہ کوئی تیسرے معنیٰ بیان کرتے ہیں تو یہ ہمارے فہم سے بالاتر ہے ـــ ان کا یہ کہنا بھی لغو ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بندوں کی فلاح کیلئے پیدا کرنا واجب ہے اس لیے کہ اگر اللہ تعالیٰ بندوں کی بہتری اور انکی فلاح ترک کر دے تب بھی اسے کوئی ضرر لاحق نہ ہو۔ پھر وجوب کے کیا معنیٰ باقی رہیں گے؟ کیا یہ ایک بے معنیٰ لفظ رہ جائے گا؟ علاوہ ازیں بندوں کی فلاح تو اس میں تھی کہ انھیں جنت میں پیدا کیا جاتا۔ اس کی خواہش کون عقل مند کریگا کہ اسے دار المصائب میں پیدا کیا جائے، گناہوں کا ہدف بنایا جائے، پھر عذاب اور حساب سے ڈرایا جائے۔

پانچویں اصل : یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے جائز ہے کہ بندوں کو کسی ایسے فعل کا حکم دے جس کی ان میں طاقت نہ ہو۔ اس عقیدے میں معتزلی اختلاف کرتے ہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ اگر یہ جائز و ممکن نہ ہوتا تو قرآن پاک میں یہ دعا کیوں بیان کی جاتی۔

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ (پ ۳، ر ۸، آیت ؟)

اے ہمارے رب اور ہم پر ایسا کوئی بار نہ ڈالئے جس کا ہم کو سہارا نہ ہو۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی اس کی خبر دی تھی کہ ابو جہل آپ کی تصدیق نہیں کرے گا۔ حالانکہ بعد میں ابو جہل کو اس کا مکلف قرار دیا گیا کہ وہ آپ کی آپ کے تمام اقوال میں تصدیق کرے۔ ان اقوال میں آپ یہ کا یہ قول بھی شامل تھا کہ "ابو جہل میری تصدیق نہیں کرے گا" یہ کیسے ہو سکتا تھا وہ اس کی بھی تصدیق کرتا۔ کیا یہ امر محال کا مکلف بنانا نہیں ہے؟

چھٹی اصل : یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے جائز ہے کہ وہ مخلوق کو کسی سابقہ یا آئندہ جرم کے بغیر عذاب دے، اس عقیدے میں بھی معتزلی اختلاف کرتے ہیں، ہماری دلیل یہ ہیکہ اگر وہ گناہ نہ ہونے کے باوجود کسی کو عذاب دیتا ہے تو اسے اس کا حق ہے، وہ اپنی ملک میں تصرف کرتا ہے۔ اس سے تجاوز نہیں کرتا۔ ظلم یہ ہے کہ کسی دوسرے کی ملک میں اسکی اجازت کے بغیر تصرف کیا جائے۔ اور یہ محال ہے کہ اللہ سے ظلم کا صدور ہو۔ کیونکہ اس کے سامنے کسی دوسرے کی ملک موجود ہی نہیں ہے کہ اس میں تصرف کرنے سے ظالم کہلائے۔ بعض اوقات وہ ایسا حکم دیتا ہے جس سے بظاہر تکلیف سمجھ میں آتی ہے۔ مثلاً جانوروں کا ذبح کرنا، انسانوں کو طرح طرح کے امراض اور تکالیف میں مبتلا کرنا، وغیرہ۔ حالانکہ ان سے کوئی قصور کوئی گناہ پہلے سرزد نہیں ہوا۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ ان جانوروں کو زندہ کرے گا اور جس قدر تکالیف انھوں نے برداشت کی ہیں اس کا بدلہ انھیں عنایت کرے گا تو ہم یہ کہتے ہیں کہ جس شخص کا اعتقاد یہ ہو کہ پامال شدہ چیونٹی اور مسلے ہوئے مچھر کو تکالیف کا اجر دینے کیلئے زندہ کرنا واجب ہے۔

وہ شخص دائرۂ شریعت اور دائرۂ عقل دونوں سے خارج ہے۔ اس لیے کہ ہم یہ پوچھتے ہیں کہ آپ اس وجوب سے کیا مراد لے رہے ہیں۔ اگر وجوب کے وہ معنیٰ ہیں کہ جس فعل کے ترک سے ضرر لازم آئے تو اللہ تعالیٰ کے حق میں یہ وجوب محال ہے' ہاں اگر واجب کے دوسرے معنیٰ مراد ہیں تو ہم پہلے ہی یہ لکھ چکے ہیں کہ وہ غیر مفہوم معنیٰ ہیں' اس کا مطلب یہ ہے کہ وجوب کا جو معروف مفہوم ہے یہ قول اس دائرے میں نہیں آتا۔

ساتویں اصل : یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے' اس پر یہ واجب نہیں کہ جو بندوں کے حق میں زیادہ مناسب ہو اس کی رعایت کرے' اس لیے کہ خدا تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے بلکہ اس کے حق میں وجوب سمجھ میں ہی نہیں آتا کیونکہ وہ جو کچھ کرتا ہے اس کیلئے جواب دہ نہیں ہے۔ جب کہ مخلوق اپنے ہر عمل کیلئے خدا کے سامنے جواب دہ ہے۔

جہاں تک معتزلہ کے اس دعوٰی کا تعلق ہے کہ خدا تعالیٰ پر بندوں کے حق میں وہی کرنا واجب ہے جو ان کیلئے مناسب تر ہے اس سلسلے میں ہم ذیل کے ایک مفروضہ میں معتزلہ حضرات کی رائے جاننا چاہتے ہیں کہ اگر آخرت میں ایک نابالغ لڑکے' اور ایک مرد کا اجتماع ہو' دونوں مسلمان مرے ہوں۔ اللہ تعالیٰ بالغ کے درجات بڑھائے گا۔ اور لڑکے پر اسے فوقیت عطا کرے گا' کیوں کہ اس نے بلوغ کے بعد اطاعت الٰہی کے لئے محنت مشقت کی تھی' معتزلی حضرات کے بقول ایسا کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے۔ چنانچہ اس صورت میں اگر لڑکا یہ کہے کہ الہٰا! تو نے اسے بلند درجات کیسے عطا کر دیئے؟ اللہ تعالیٰ جواب میں کہیں گے: اس لیے کہ یہ بالغ ہوا اور اس نے میری اطاعت کی۔ اس پر لڑکا یہ جواب دے گا: یا اللہ! مجھے بچپن میں موت دے دی تھی' حالانکہ تجھ پر واجب تھا کہ مجھے زندہ رکھتا تاکہ میں بالغ ہو کر تیری اطاعت کیلئے جدوجہد کرتا' تو نے اس میں انصاف سے کام نہیں لیا۔ اسمیں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ پھر کس لیے بالغ مرد کو میرے مقابلے میں فضیلت دی گئی ہے؟ اللہ تعالیٰ کہیں گے: اس لیے کہ مجھے معلوم تھا کہ تو بالغ ہونے کے بعد شرک یا معصیت کا ارتکاب کریگا۔ تیرے حق میں یہی مناسب تر تھا کہ تو لڑکپن میں مرجائے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ عذر معتزلی بیان کرتے ہیں لیکن ہم اس مفروضے کو آگے بڑھاتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ اس لڑکے جواب میں یہ عذر کریں گے تو دوزخ میں سے کافر پکار پکار کر کہیں گے: یا اللہ! تجھے تو معلوم تھا کہ ہم بڑے ہو کر شرک کریں گے۔ تو نے ہمیں بچپن میں ہی کیوں نہ اٹھا لیا جبکہ ہمارے حق میں یہی بہتر تھا۔ ہم تو اس مسلمان لڑکے سے کم تر درجات پر بھی راضی تھے۔ معتزلی بتلائیں کہ دوزخیوں کے اس سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ کیا ارشاد فرمائیں گے؟

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ بیشک اللہ بندوں کے حق میں مناسب تر فعل کی رعایت پر قادر ہے' پھر کیوں ان پر عذاب کے اسباب مسلط کئے جاتے ہیں؟ کیا یہ قبیح اور حکمت سے بعید نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قبیح کے معنیٰ ہیں کسی شئی کا غرض کے موافق نہ ہونا۔ اس تعریف کی روشنی میں ایک ہی شئی کسی کے حق میں قبیح ہوتی ہے۔ اور کسی دوسرے کے حق میں اچھی ہوتی ہے بشرطیکہ وہ شئی اس کی غرض سے موافقت بھی رکھتی ہیں' مثلاً کسی شخص کا مارا جانا اس کے اعزہ و اقرباء کے حق میں قبیح ہے۔ جب کہ اس کے دشمن اسے اچھا سمجھتے ہیں۔ اگر معترض کے خیال میں قبیح کے یہاں یہ معنیٰ مراد ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی غرض کے موافق نہیں تو یہ محال ہے۔ اس لیے کہ اللہ کی کوئی غرض ہی نہیں ہے اس لیے اس معنیٰ کے اعتبار سے قبیح کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ جس طرح اس سے ظلم متصور نہیں اسی طرح قبیح بھی متصور نہیں' ہاں! اگر قبیح کے یہ معنیٰ ہیں کہ دوسروں کے اغراض کے موافق نہ ہو تو اس فعل کو خدا تعالیٰ کے لئے محال کیوں خیال کرتے ہو' جہاں تک عذاب دینے میں حکمت کے فقدان کی بات ہے اس سلسلے میں ہم یہ کہتے ہیں کہ حکیم کے معنیٰ ہیں کہ وہ اشیاء کی حقیقتوں سے آگاہ ہو' اور ان کے افعال کو اپنے ارادے کے مطابق مضبوط کرنے پر قادر ہو حکیم کیلئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ مناسب تر کی رعایت کرے۔ ہمارے زمانے کے حکماء اگر مناسب تر کی رعایت کرتے ہیں تو وہ صرف اپنے نفس کیلئے ایسا کرتے ہیں تاکہ اس کی وجہ سے دنیا میں تعریف و تحسین حاصل ہو' اور آخرت میں ثواب' یا اس کے باعث کوئی آفت ان سے دور ہو جائے۔ اور یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہیں' اس پر مناسب تر رعایت کا

واجب ہونا بھی محال ہے۔

آٹھویں اصل : یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اطاعت اس کے واجب کرنے یا شریعت کی طرف سے واجب کرنے سے واجب ہے۔ معتزلی حضرات اس مسئلے میں بھی اختلاف کرتے ہیں۔ اور اطاعت باری کو عقلاً واجب قرار دیتے ہیں' ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو از روئے عقل واجب قرار دیا جائے تو یہ دو حال سے خالی نہیں ہے' یا تو بے فائدہ واجب کرے گی یا کسی فائدہ کیلئے واجب کرے گی۔ پہلی صورت محال ہے' اس لیے کہ عقل لغویات واجب نہیں کرتی۔ دوسری صورت بھی دو حال سے خالی نہیں ہے' یا تو یہ فائدہ معبود کا ہوگا' یا بندوں کا۔ پہلی صورت محال ہے' کیونکہ معبود حقیقی تمام اغراض و مفادات سے پاک و بے نیاز ہے' بلکہ کفر و ایمان' اور طاعت و نافرمانی سب اس کے حق میں برابر ہیں۔ بندے کا فائدہ بھی محال ہے۔ اسلئے کہ بالفعل بندے کی کوئی غرض اس اطاعت سے وابستہ نہیں ہے۔ بلکہ اطاعت پر جو محنت وہ کر رہا ہے' اور اسی اطاعت کی وجہ سے وہ اپنی شہوتوں سے باز رہتا ہے' اس کا انجام ثواب و عذاب کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ پھر یہ کہاں سے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ معرفت و اطاعت پر اجر و ثواب ہی عطا کرے گا' عذاب نہیں دے گا۔ حالانکہ اس کے نزدیک اطاعت اور معصیت دونوں برابر ہیں' کیونکہ ان میں سے کسی کی طرف اس کا رجحان نہیں ہے اور نہ کسی کو اس کے ساتھ خصوصیت ہے' معلوم ہوا کہ اطاعت وغیرہ عقل سے واجب نہیں ہوتی' بلکہ ان سب امور کی تمیز شریعت سے پیدا ہوتی ہے۔

کوئی شخص اگر انسانوں پر قیاس کرکے یہ کہنے لگے کہ جس طرح ایک انسان دوسرے انسان کی شکر گذاری اور جذبۂ اطاعت و اخلاص سے خوشی محسوس کرتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کو بھی اطاعت سے راحت ہوتی ہے' اور معصیت سے نہیں ہوتی۔ اس کا یہ کہنا ایک غلط قیاس پر مبنی ہے۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جب طاعت و معرفت کا وجوب شریعت کے علاوہ کسی اور چیز سے نہیں ہوتا۔ اور شریعت اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک کہ مکلف اس میں نظر نہ کرے' اس صورت میں اگر مکلف شخص پیغمبر سے یہ کہے کہ عقل مجھ پر نظر واجب نہیں کرتی' اور شریعت بغیر نظر کے حاصل نہیں ہوتی کہ مجھ پر اثر انداز ہو' اور میں خود شریعت میں نظر کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو چاہیئے کہ وہ اس کا کوئی جواب نہ دے سکیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس شخص کا یہ کہنا ایسا ہے جیسے زید عمرو سے یہ کہے کہ تیرے پیچھے ایک درندہ کھڑا ہوا ہے' اگر تو یہاں سے نہیں گیا تو وہ تجھے ہلاک کردے گا' تجھے میرے قول کی سچائی اس وقت معلوم ہوگی جب تو پیچھے مڑ کر دیکھے گا' اس کے جواب میں عمرو کہے کہ تیری صداقت اس وقت تک ثابت نہیں ہوگی جب تک کہ میں پیچھے مڑ کر نہ دیکھوں اور جب تک تیرا سچ ظاہر نہ ہوجائے کیا ضروری ہے کہ میں مڑ کر دیکھوں' ظاہر ہے کہ عمرو کا یہ جواب حماقت پر مبنی ہوگا۔ خود ہلاک ہوگا۔ زید کا اس میں کیا نقصان ہے؟ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تمہارے پیچھے موت ہے' اور اے لوگو! میرے قول کی سچائی میرے معجزوں پر نظر کرنے سے معلوم ہوگی۔ جو شخص میرے معجزوں پر نظر کرے گا وہ اپنے آپ کو بچالے گا' اور جو انھیں نظر انداز کرے گا' اور اپنی غلطیوں پر مصر رہے گا وہ تباہ و برباد ہوجائے گا۔ اگر سب لوگ ہلاک ہوجائیں تو اس میں میرا کوئی نقصان نہیں۔ میری ذمہ داری تو صرف یہ ہے کہ صاف صاف کہہ دوں' شریعت یہ بتلاتی ہے کہ موت کے بعد درندوں سے سابقہ پڑ سکتا ہے' اور عقل یہ بتلاتی ہے کہ شریعت کو سمجھ کر' اور اس کے مطابق عمل کرکے ان درندوں سے نجات حاصل کی جاسکتی ہے۔ عقل طبیعت کو ضرر سے بچنے پر ابھارتی ہے' اور یہ بتلاتی ہے کہ واجب کے معنیٰ ہی یہ ہیں کہ اس کے ترک سے ضرر لازم آئے۔

شریعت کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ واجب کرنے والی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ شریعت اس ضرر کی نشاندہی کرتی ہے جو آئندہ متوقع ہے کیونکہ عقل اس کی رہنمائی نہیں کرتی کہ شہوات کی پیروی کرنے سے موت کے بعد ضرر کا نشانہ بننا پڑے گا۔ یہ معنیٰ ہیں شریعت اور عقل کے' اور وجوب کے باب میں ان دونوں کی تاثیر کے' اگر بالفرض مامور بہ کے ترک پر عذاب کا خوف نہ ہوتا تو

وجوب بھی ثابت نہ ہوتا اس لیے کہ واجب تو اسی کو کہتے ہیں جس کے ترک کرنے سے آخرت میں کوئی نقصان لازم آئے۔

نویں اصل : یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت محال نہیں ہے' اس سلسلے میں فرقہ براہمہ کا اختلاف ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ عقل کی موجودگی میں رسولوں کے بھیجنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ عقل سے وہ باتیں معلوم نہیں ہوتیں جو آخرت میں نجات کا باعث ہوں' جس طرح عقل سے وہ دوائیں معلوم نہیں ہوتیں جو صحت کیلئے مفید ہوں۔ اس لیے کہ مخلوق کو انبیاء کی ایسی ہی ضرورت ہے جیسے مریضوں کو اطباء کی ضرورت ہوتی ہے' فرق صرف اتنا ہے کہ طبیب کا قول تجربے سے سچ مانا جاتا ہے اور نبی کا معجزے سے۔

دسویں اصل : یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتمہ النبیین اور پچھلی شریعتوں یعنی یہودیت نصرانیت اور مجوسیت کا ناسخ بنا کر مبعوث فرمایا اور روشن معجزات و کرامات سے آپ کی تائید فرمائی۔ جیسے چاند کا شق ہونا۔ کنکریوں کا تسبیح پڑھنا' چوپائے کا بولنا' اور انگلیوں کے درمیان سے پانی کا بہنا وغیرہ۔ آپ کو ان معجزات کی بنا پر تمام عرب پر تفوق حاصل ہوا۔ اور وہ لوگ اپنی فصاحت و بلاغت کے باوجود قرآن کا مقابلہ نہ کر سکے' اس لیے کہ جو کچھ حسن بیان' حسن ترتیب' اور حسن عبارت اس میں ہے' انسان کی طاقت میں نہیں کہ وہ اپنے کلام میں ان خوبیوں کو جمع کر سکے' عربوں نے آپ سے مناظرے کئے' آپ کو گرفتار کیا' لوٹا' آپ کے قتل کا ارادہ کیا' جلا وطن کیا مگر قرآن کا جواب نہ لا سکے' حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی (ناخواندہ) تھے' آپکو کتابوں سے کوئی واسطہ نہ تھا' لیکن اس کے باوجود انھوں نے پچھلے لوگوں کے حالات و واقعات بیان فرمائے' اور آنے والے واقعات سے متعلق پیشین گوئیاں کیں۔ جن کی صداقت ظاہر ہوتی۔ مثلاً یہ آیت:

لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ

(پ ۲۶' ر ۱۲' آیت ۲۷)

تم لوگ مسجد حرام (مکہ) میں ضرور جاؤ گے انشاء اللہ امن و امان کے ساتھ کہ تم میں کوئی سر منڈاتا ہوگا اور کوئی بال کتراتا ہوگا۔

یا یہ آیت کریمہ جس میں روم پر غلبے کی پیشین گوئی کی گئی ہے:

الٓمّٓ ! غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ

(پ ۲۱' ر ۴' آیت ۱-۴)

الم' اہل روم ایک قریب کے موقع میں مغلوب ہو گئے اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب تین سال سے لیکر نو سال تک کے اندر اندر غالب آجائیں گے۔

معجزہ رسول کے سچا ہونے پر دلالت کرتا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ جس فعل سے انسان عاجز ہو! سے خدا کے علاوہ کوئی انجام نہیں دے سکتا' جب اس طرح کا فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ظاہر ہوگا تو اس کے یہ معنیٰ ہونگے کہ گویا اللہ یہ فرماتا ہے کہ رسول سچ کہتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص بادشاہ کے سامنے حاضر ہو' اور اس کی رعایا کے سامنے یہ دعوٰی کرتا ہو کہ میں بادشاہ کا ایلچی ہوں۔ وہ اپنی صداقت ثابت کرنے کیلئے بادشاہ سے درخواست کرے کہ آپ میرے کہنے پر اپنے تخت سے تین مرتبہ اٹھیں اور تین مرتبہ بیٹھیں' بادشاہ اس کے کہنے پر یہی کرے۔ اس صورت میں وہاں جتنے افراد موجود ہونگے سب سمجھ جائیں گے کہ گویا بادشاہ نے اسکی صداقت پر اپنی مہر ثابت کر دی ہے۔

چوتھا رکن : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کی تصدیق۔ یہ رکن بھی دس اصولوں پر مشتمل ہے۔

پہلی اصل : یہ ہے کہ حشر و نشر ہوگا۔ شریعت اس کی خبر آچکی ہے۔ (۱) حشر و نشر کی تصدیق کرنا واجب ہے' عقلاً بھی اس کا وجود ممکن ہے۔ حشر و نشر کے معنیٰ یہ ہیں کہ فنا کے بعد دوبارہ پیدا کیا جائے گا۔ اور یہ خدا کی قدرت میں داخل ہے۔ جس طرح اس نے پہلے پیدا کیا ہے اسی طرح وہ دوبارہ بھی پیدا کر سکتا ہے' قرآن پاک میں ہے:۔

قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ۔ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ
(پ ۲۳' ر ۴' آیت ۷۸)

کہتا ہے کہ ہڈیوں کو جب وہ بوسیدہ ہوگئی ہوں کون زندہ کرے گا۔ آپ جواب دیجئے کہ ان کو وہ زندہ کرے گا' جس نے اول مرتبہ میں انہیں پیدا کیا۔

اس آیت میں پہلی مرتبہ پیدا کرنے سے دوسری مرتبہ پیدا کرنے پر استدلال فرمایا ہے۔ ایک جگہ ارشاد فرمایا:۔

مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَاحِدَةٍ (پ ۲۱' ر ۱۱' آیت ۲۸)

تم سب کا پیدا کرنا اور زندہ کرنا بس ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک شخص کا۔

دوبارہ پیدا کرنا دوسری ابتداء ہے' اس لیے وہ بھی ابتدائے اول کی طرح ممکن ہے۔

دوسری اصل : منکر نکیر کی تصدیق بھی ضروری ہے' احادیث میں آچکا ہے کہ وہ سوال و جواب کریں گے۔ (۲) منکر نکیر کا سوال بھی از روئے عقل ممکن ہے۔ اس لیے کہ اس سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ دوبارہ زندگی میں بھی وہی اجزاء واپس آئیں جن سے خطاب سمجھا جاسکے اور یہ امر بذات خود ممکن ہے۔ اس پر یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ میت کے اجزاء ساکن رہتے ہیں' یا ہم منکر نکیر کا سوال نہیں سن پاتے' ہم یہ کہتے ہیں کہ میت کو سوئے ہوئے شخص پر قیاس کرلو' ظاہر میں وہ بھی ساکن رہتا ہے لیکن باطن لذتیں پاتا ہے' تکالیف محسوس کرتا ہے' حتیٰ کہ بعض اوقات جاگنے کے بعد بھی ان کے اثرات محسوس کرتا ہے۔ (۳) روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرئیل علیہ السلام کا کلام سنتے تھے' ان کو دیکھتے تھے' لیکن آپ کے پاس بیٹھے ہوئے لوگ ان کا کلام سننے اور انھیں دیکھنے سے محروم رہتے تھے' اور نہ ان سے کچھ دریافت کرسکتے تھے' الا ماشاء اللہ۔ کیونکہ ان لوگوں میں فرشتوں کو دیکھنے اور انھیں سننے کی صلاحیت پیدا نہیں کی گئی تھی اس لیے وہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھی نہیں دیکھ پاتے تھے۔

تیسری اصل : عذاب قبر بھی شریعت سے ثابت ہے۔ (۴) قرآن پاک میں ہے:۔

النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ۔ (پ ۲۴' ر ۱۰' آیت ۴۶)

وہ لوگ صبح و شام آگ کے سامنے لائے جاتے ہیں اور جس روز قیامت ہوگی (حکم ہوگا) فرعون والوں کو (مع

---

(۱) یہ حدیث ابن عباسؓ' عائشہؓ اور ابوہریرہؓ سے بخاری و مسلم میں منقول ہے۔ ابن عباسؓ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں انکم لمحشورون الی اللہ۔ عائشہؓ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ یحشرون یوم القیامۃ حفاۃ ابوہریرہؓ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔ یحشر الناس علی ثلاث طرائق۔ (۲) یہ روایات کتاب العقائد کے پہلے باب میں گذر چکی ہے۔ (۳) بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ کی روایات کے الفاظ یہ ہیں : قالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوما: یا عائشۃ ھذا جبرئیل یقرئک السلام فقلت و علیہ السلام ورحمتہ اللہ و برکاتہ تری مالا اری۔ الا ماشاء اللہ امام غزالیؒ نے اسی لیے کہا کہ اکثر لوگوں نے جبرئیلؑ کو نہیں دیکھا تاہم بعض صحابہ کرامؓ مثلاً عمرؓ' عبداللہ بن عمرؓ اور کعب بن مالکؓ نے حضرت جبرئیلؑ کو دیکھا بھی ہے۔ (۴) عذاب قبر سے متعلق حدیث کتاب العقائد کے باب اول میں گذر چکی ہے۔

فرعون کے) سخت عذاب میں داخل کرو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اور تمام سلف صالحین سے بتواتر منقول ہے کہ وہ عذاب قبر سے پناہ مانگا کرتے ہیں۔(۱) قبر کا عذاب ممکن ہے۔ اس کی تصدیق واجب ہے' میت کے اجزاء کا درندوں کے پیٹ میں اور پرندوں کے پوٹوں میں منتقل ہو جانا عذاب قبر کی تصدیق کا مانع نہیں ہے' عذاب کی تکلیف کا احساس حیوان کے چند مخصوص اجزاء کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ وہ ان اجزاء میں احساس اور ادراک کی قوت دوبارہ پیدا کردے۔

چوتھی اصل : میزان ہے۔ میزان کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ (پ۱۷' ر۴' آیت ۴۷)

اور قیامت کے روز ہم میزان عدل قائم کریں گے۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا:۔

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهُ فَأُولٰئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْا أَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خَالِدُوْنَ (پ۱۸' ر۶' آیت ۱۰۲-۱۰۳)

سو جس شخص کا پلہ (ایمان) کا بھاری ہوگا تو ایسے لوگ کامیاب ہونگے' اور جس شخص کا پلہ ہلکا ہوگا سو یہ وہ لوگ ہونگے جنھوں نے اپنا نقصان کرلیا' اور جہنم میں ہمیشہ کے لیے رہیں گے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ کے یہاں جس مرتبے کا جو عمل ہوتا ہے اسی قدر اس کے نامۂ اعمال میں وزن پیدا کردیتا ہے' اسی سے بندوں کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ کس بندے کے کس عمل میں کتنا وزن ہے' اسی سے یہ امر بھی منکشف ہوگا کہ وہ عذاب دے تو یہ اس کا انصاف اور عدل ہے' اور اگر ثواب دے تو یہ عفو و فضل ہے۔

پانچویں اصل : پُل صراط ہے پُل صراط دوزخ کی پشت پر بنا ہوا ہے' بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

فَاهْدُوْهُمْ إِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ وَقِفُوْهُمْ إِنَّهُمْ مَسْئُوْلُوْنَ (پ۲۳' ر۶' آیت ۲۳-۲۴)

پھر ان سب کو دوزخ کا راستہ بتلاؤ' اور (اچھا) ان کو (ذرا) ٹھہراؤ ان سے کچھ پوچھا جائے گا۔

پُل صراط کا ہونا بھی ممکن ہے' اس لیے اس کی تصدیق بھی واجب ہے' اس کے ممکن ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جو ذات اس پر قادر ہے کہ پرندے کو ہوا میں اڑائے وہ ذات انسان کو پُل صراط پر چلانے کی قدرت بھی رکھتی ہے۔

چھٹی اصل : یہ ہے کہ جنت اور دوزخ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

وَسَارِعُوْا إِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ (پ۴' ر۵' آیت ۱۳۳)

اور دوڑو مغفرت کی طرف جو تمہارے پروردگار کی جانب سے ہے اور جنت کی طرف جس کی وسعت ایسی ہے جیسی آسمانوں اور زمین کی' وہ تیار کی گئی خدا سے ڈرنے والوں کے لیے۔

لفظ أُعِدَّتْ سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت مخلوق ہے' اسی لیے اس کو ظاہر لفظ کے اعتبار سے رہنے دینا واجب ہے۔ کیونکہ اس میں کوئی محال نہیں ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ روز جزا سے پہلے ان دونوں کو پیدا کرنے میں بظاہر کوئی فائدہ نہیں تو اس کا جواب ہے کہ

---

(۱) عذاب قبر سے پناہ مانگنے کی روایت بخاری و مسلم میں ابو ہریرہؓ سے منقول ہے۔

یہ خدا کا فعل ہے' اور جو کچھ خدا کرتا ہے اس میں اس سے کوئی باز پرس نہیں کی جاسکتی۔

ساتویں اصل : یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ائمۂ برحق بالترتیب یہ ہیں' حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان' اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی امام کے سلسلے میں کوئی نص قطعی وارد نہیں ہے اگر اس خصوص میں کوئی نص موجود ہوتی تو اس کا ضرور علم ہوتا۔ آپ نے اپنی زندگی میں مختلف علاقوں میں جن صحابہؓ کو مختلف مناصب پر مامور فرمایا تھا وہ ظاہر تھے۔ یہ امر تو ان کی بہ نسبت زیادہ واضح ہونا چاہیے تھا۔ پھر کیسے پوشیدہ رہا اور اگر ظاہر ہوا تو باقی کیوں نہیں رہا۔ اور ہم تک کیوں نہیں پہنچا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ لوگوں کے پسند کرنے' اور ان کے دست حق پر بیعت کرنے سے خلیفہ مقرر ہوئے۔ بالفرض اگر یہ کہا جائے کہ نص حضرت ابوبکرؓ کیلئے نہیں تھی' بلکہ دوسرے صحابی کے لئے تھی تو ہم یہ کہیں گے کہ یہ الزام تو تمام اصحاب رسولؐ کے سر آتا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر کی مخالفت کی' اور اجماع کے خلاف کیا۔ یہ الزام صرف روافض ہی لگاسکتے ہیں' ان کے علاوہ کوئی دوسرا اس طرح کی جرأت نہیں کرسکتا۔ اہل سنّت کا اعتقاد یہ ہے کہ سب صحابہؓ کو اچھا کہیں اور جس طرح کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف کی ہے اسی طرح ہم بھی ان کی تعریف کریں۔

حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت علی کرّم اللہ وجہٗ میں جو اختلاف ہوئے وہ اجتہاد پر مبنی تھے۔ یہ وجہ نہیں تھی کہ حضرت امیر معاویہؓ امامت کے خواہشمند تھے۔ بلکہ اصل وجہ یہ تھی کہ حضرت علیؓ نے یہ خیال کیا کہ حضرت عثمان غنیؓ کے قاتلوں کو سپرد کردینے کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ امامت کا معاملہ درہم برہم ہوجائے گا' اس لیے کہ ان کا بہت سے بڑے قبائل سے تعلق ہے' اور فوج میں بھی ان کی بڑی تعداد ہے۔ ان کے خیال میں تاخیر بہتر تھی۔ حضرت معاویہؓ قاتلوں کی سزا میں تاخیر کے خلاف تھے' ان کا خیال تھا کہ اتنے بڑے قصور کے بعد اس قدر تاخیر سے کام لینے کا مطلب ہے کہ آئندہ بھی لوگ ائمہ کے مقابلے میں جری رہیں اور ناحق کشت و خون ہوتا رہے۔ اکابر علماء کہتے ہیں کہ ہر مجتہد مُصیب ہوتا ہے اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ صواب کو پہنچنے والا مجتہد ایک ہی ہوتا ہے۔ کسی بھی عالم نے یہ نہیں کہا کہ حضرت علیؓ غلطی پر تھے۔

آٹھویں اصل : یہ ہے کہ صحابہؓ کی فضیلت اسی ترتیب سے ہے جس طرح پر خلافت ہوئی' اس لیے کہ فضل حقیقت میں وہ ہے جو اللہ کے یہاں بھی فضل ہو اور یہ معاملہ ایسا تھا کہ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی دوسرا واقف نہ ہوتا۔ لیکن کیونکہ ان سب کی فضیلت میں احادیث اور آیات کثرت سے وارد ہیں۔ اس لیے وہ لوگ فضیلت کے درجات اور اہل فضل کی ترتیب سے بخوبی واقف نہ ہوتے تو خلافت کو اس طرح ترتیب نہ دیتے' وہ ایسے لوگ تھے کہ اللہ کے معاملے میں ملامت اور طعن و تشنیع سے انھیں کوئی خوف نہیں تھا۔ اور نہ کوئی مانع ان کیلئے ایسا تھا جو امرِ حق سے انھیں باز رکھے۔

نویں اصل : یہ ہے کہ اسلام' بلوغ' عقل اور حریت (آزاد ہونا) کے بعد امارت کی پانچ شرائط اور بھی ہیں اور وہ یہ ہیں مرد ہونا' ورع' علم' اہلیت' اور قریشی ہونا۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الائمۃ من قریش (نسائی)

امام قریش سے ہوتے ہیں۔

اگر بہت سے لوگ ایسے ہوں جن میں یہ شرائط پائی جاتیں تو امام وہ شخص ہوگا جس کے ہاتھ اکثر لوگ بیعت کرلیں اور جو اکثریت کے فیصلے سے اختلاف کرے وہ باغی ہے' اسے اطاعت حق کی طرف واپس لانا واجب ہے۔

دسویں اصل : یہ کہ اگر کوئی شخص منصبِ امامت پر فائز ہو اور اس میں ورع اور علم کی صفات موجود نہ ہوں لیکن اسے معزول کردینے میں کسی ایسے فتنے کا اندیشہ ہو جس کے لوگ متحمل نہ ہوسکیں تو ہم یہی کہیں گے کہ اس کی امامت درست ہے۔ اس

لیے کہ اگر اسے اس کے منصب سے معزول کردیا جائے تو دو حال سے خالی نہیں یا دوسرا اس کی جگہ پر ہو یا منصب امامت بالکل خالی رہے۔ اگر اس منصب پر کسی دوسرے کا تقرر کیا جائے تو فتنے کا اندیشہ رہے گا' اور اس فتنے کا ضرر اس ضرر کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہوگا جو مذکورہ امام میں امامت کی بعض شرائط نہ پائے جانے سے لاحق ہوتا ہے' مذکورہ شرائط صرف مصالح کی زیادتی کیلئے وضع کی گئیں ہیں۔ مصالح کے زیادہ نہ ہونے کے خوف سے اصل مصالح کو برباد کرنا بہتر نہیں ہے۔ یہ ایسا ہے کہ جیسے کوئی ایک محل تعمیر کرے اور پورے شہر کو کھنڈرات میں تبدیل کردے۔ دوسری صورت بھی بہتر نہیں ہے۔ اس لیے کہ اگر شہر میں کوئی امام نہ ہو تو تمام مقدمات بگڑ جائیں گے۔ اور نظم خراب ہو جائے گا۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ باغیوں کا فیصلہ ان کے زیرِ قبضہ شہر میں قابلِ تنفیذ ہے محض اسلئے کہ اہل شہر کو حکومت کی ضرورت ہے تو کیا ان ائمہ کے فیصلے قابلِ تنفیذ نہیں ہونگے؟

یہ چار ارکان ہیں جو چالیس اصولوں پر مشتمل ہیں۔ یہ عقائد کے قواعد ہیں' جو ان کا اعتقاد رکھے گا وہ اہل سنت والجماعت میں شمار کیا جائے گا' اور اہلِ بدعت سے علیحدہ سمجھا جائے گا۔۔۔۔۔۔ ہم اللہ سے دعا مانگتے ہیں کہ وہ اپنی توفیق سے ہمیں راہ ہدایت پر ثابت قدم رکھے اور اپنے جود و کرم اور فضل و احسان سے نوازے۔

"وصلی اللہ سیدنا و مولانا محمد وآلہ وصحبہ وبارک وسلم"

"چوتھا باب"

ایمان و اسلام

ایمان اور اسلام کی حقیقت: اس مسئلے میں علماء کا اختلاف ہے کہ اسلام اور ایمان دونوں ایک ہیں' یا الگ الگ۔ اگر دونوں ایک ہیں تو کیا اسلام ایمان سے الگ پایا جاتا ہے یا ایمان کا متعلق اور لازم ہے۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ دونوں ایک ہی ہیں اور بعض یہ کہتے ہیں کہ دو ہیں اور دونوں الگ الگ پائے جاتے ہیں۔ کچھ حضرات یہ کہتے ہیں کہ دونوں دو ہیں تاہم ایک دوسرے سے وابستہ رہتے ہیں۔ ابو طالب مکیؒ نے اس مسئلے میں ایک طویل اور گنجلک تحریر لکھی ہے۔ اب ہم اس طرح کی بے فائدہ تقریر نقل کئے بغیر واضح اور صریح حق بیان کرتے ہیں۔

اس مسئلے میں تین بحثیں ہیں۔ اول: لغت میں ان دونوں کا کیا مفہوم ہے؟ دوم: شرع میں ان دونوں سے کیا مراد ہے؟ سوم: دنیا اور آخرت میں ان دونوں کے کیا احکامات ہیں؟ پہلی بحث لغوی ہے' دوسری تفسیری' تیسری فقہی اور شرعی۔

ایمان و اسلام کے لغوی معنیٰ: اس سلسلے میں حق بات یہ ہے کہ ایمان تصدیق کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

وَمَآ أَنتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا (پ ۱۲' ر ۱۲' آیت ۱۷)

اور آپ ہماری تصدیق کرنے والے نہیں ہیں۔

آیت میں مؤمن سے مراد ہے مصدق یعنی تصدیق کرنے والا۔ اور اسلام کے معنیٰ ہیں حکم بجا لانا' سرکشی' انکار اور عناد چھوڑنا۔ تصدیق کا ایک خاص محل ہے جسے دل کہتے ہیں۔ دل سے تصدیق ہوتی ہے زبان اس کی ترجمان ہے' تسلیم عام ہے' اس کا تعلق دل' زبان اور اعضاء تینوں سے ہے کیونکہ تصدیق دل سے ہے' وہی تسلیم ہے اور ترک تصدیق انکار ہے۔ زبان سے اقرار کیا جاتا ہے اور اعضاء سے اطاعت کی جاتی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اسلام عام ہے اور ایمان خاص ہے۔ اسلام کے اجزاء میں اشرف ترین جزء کا نام ایمان ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر تصدیق تسلیم ہے' ہر تسلیم تصدیق نہیں ہے۔

ایمان و اسلام کے شرعی معنیٰ: شریعت میں ان دونوں کا اطلاق تینوں طرح ہوا ہے یعنی یہ کہ دونوں ایک ہیں' یا دونوں جدا

جدا ہیں یا ایک کے معنیٰ میں دوسرے کے معنیٰ پائے جاتے ہیں۔ ایمان و اسلام کے ہم معنیٰ ہونے کی مثال یہ آیت کریمہ ہے:۔

فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ (پ ۲۷، ر ۱، آیت ۳۵-۳۶)

اور ہم نے جتنے مؤمنین تھے وہاں سے نکال کر ان کو علیحدہ کردیا سو بجز مسلمانوں کے ایک گھر کے اور کوئی گھر ہم نے نہیں پایا۔

اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ یہ ایک ہی گھر تھا' اسی کے لیے مؤمنین اور مسلمین ارشاد فرمایا۔ ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:۔

يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ (پ ۱۱، ر ۱۴، آیت ۸۴)

اے میری قوم اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو' تو (سوچ بچار مت کرو بلکہ) اس پر توکل کرو اگر تم اسکی اطاعت کرنے والے ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:۔

بني الاسلام على خمس (بخاری و مسلم)

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔

ایک مرتبہ آپ سے ایمان کے متعلق دریافت کیا گا تو آپ نے جواب میں یہی پانچ چیزیں فرمائیں جو اسلام سے متعلق پوچھے گئے سوال کے جواب میں یہ بیان فرمائیں۔ (۱) اس سے معلوم ہوا کہ ایمان و اسلام دونوں ایک ہی ہیں۔ دونوں کے الگ الگ ہونے کی مثال یہ آیت ہے:۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا (پ ۲۶، ر ۱۴، آیت ۱۴)

یہ گنوار کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے' آپ فرما دیجئے کہ تم ایمان تو نہیں لائے لیکن یوں کہو کہ ہم مخالفت چھوڑ کر مطیع ہو گئے۔

اس آیت میں ایمان سے مراد محض تصدیق قلب ہے اور اسلام سے مراد زبانی اقرار' اور اعضاء کی ظاہری فرمانبرداری اور اِنقیاد و تسلیم ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:۔

ان تؤمن باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الاخر وبالبعث بعد الموت و بالحساب وبالقدر خیرہ وشرہ

ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر' اس کے ملائکہ پر' اس کی کتابوں پر' آخرت کے دن پر' مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر' حساب پر' اچھی بری تقدیر پر ایمان لاؤ۔

اس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اسلام کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے اس کے جواب میں پانچ امور بیان فرمائے (یعنی شہادت' نماز' روزہ' زکوٰۃ' حج)' (۲) اس سے معلوم ہوا کہ ایمان محض قلب کی تصدیق کا نام ہے' جب کہ اسلام کا اطلاق زبان کے اقرار اور اعضاء کے عمل پر ہوتا ہے' حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں:۔

انہ صلی اللہ علیہ وسلم اعطی رجلا عطاء ولم یعط الاخر فقال لہ سعد:

---

(۱) یہ روایت بیہقی میں موجود ہے (۲) یہ حدیث بخاری و مسلم میں ابو ہریرہؓ سے اور مسلم میں ابن عمرؓ سے منقول ہے لیکن مسلم کی روایت میں حساب کا ذکر نہیں ہے۔

یا رسول اللہ! ترکت فلانا لم تعطہ وھو مؤمن 'فقال صلی اللہ علیہ وسلم! او مسلم 'فاعاد علیہ 'فاعاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بخاری و مسلم)

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو کچھ دیا' اور دوسرے کو کچھ نہیں دیا' سعد نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نے نظرانداز فرمادیا ہے' اسے کچھ عطا نہیں فرمایا حالانکہ وہ مؤمن ہے' فرمایا: یا مسلمان ہے۔ سعد نے دوبارہ عرض کیا۔ آپ نے بھی دوبارہ یہی لفظ کہے۔

تداخل (یعنی ایک معنیٰ کا دوسرے معنیٰ میں داخل ہونے) کی مثال یہ حدیث ہے:۔

انہ سئل صلی اللہ علیہ وسلم فقیل! ای الاعمال افضل؟ فقال صلی اللہ علیہ وسلم: الاسلام! فقال: ای الاسلام افضل؟ فقال صلی اللہ علیہ وسلم: الایمان (احمد 'طبرانی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا! بہترین عمل کون سا ہے۔ آپ نے جواب دیا: اسلام! سائل نے پھر دریافت کیا: کون سا اسلام بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا: ایمان۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں لفظ مختلف بھی ہیں اور ایک دوسرے میں داخل بھی ہیں۔ یہ امر لغت کے اعتبار سے عام استعمالات میں سب سے اچھا استعمال ہے' اس لیے کہ ایمان بھی ایک عمل ہے' اور یہ تمام اعمال سے افضل ہے' اور اسلام تسلیم کا نام ہے' خواہ دل سے ہو یا زبان سے یا اعضاء سے' ان سب میں بہتر تسلیم وہی ہے جو دل سے ہو' اور دل کی تسلیم وہی ہے جس کو تصدیق کہتے ہیں۔

ان دونوں کا استعمال جداگانہ طور پر ہو' یا تداخل اور ترادف کے طور پر' لغت کے مطابق ضرور ہوگا۔ مثلاً جداگانہ استعمال میں ایمان کو دل کی تصدیق قرار دیں تو یہ لغت کے مطابق ہوگا۔ اور اسلام کو ظاہری تسلیم و انقیاد ٹھہرائیں تو یہ بھی لغت کے موافق ہی ہوگا۔ اس لیے کہ تسلیم اگر تسلیم کی بعض جگہوں سے بھی ہوگی تو اسے بھی تسلیم ہی کہیں گے' یہ شرط نہیں ہے کہ جہاں جہاں لفظ کا پایا جانا ممکن ہو لفظ سے وہ سب ہی حاصل ہوں مثلاً کوئی شخص کسی کے جسم کا کوئی حصہ چھودے تو اسے چھونے والا کہا جائے گا حالانکہ اس نے پورے جسم کو ہاتھ نہیں لگایا ہے۔ اسی طرح لفظ اسلام کو صرف ظاہری تسلیم کیلئے استعمال کرنا لغت کی رو سے صحیح ہے چاہے باطن کی تسلیم پائی جائے یا نہ پائی جائے۔ قرآن پاک کی اس آیت (قَالَتِ الْاَعْرَابُ آمَنَّا الخ) میں اور حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کی روایت میں اسلام کے یہی معنیٰ مراد لیے گئے ہیں۔ آپ نے مؤمن کو مسلم پر ترجیح دی'

تداخل کے اعتبار سے بھی ان دونوں کا استعمال صحیح ہے' یعنی اسلام کو دل' زبان اور اعضاء کے ذریعہ تصدیق کا نام دیں' اور ایمان کو ان میں سے بعض (مثلاً دل) کی تصدیق قرار دیں' اور تصدیق کے یہ معنیٰ اسلام میں بھی پائے جاتے ہیں۔ تداخل سے ہمارا مقصد بھی یہی ہے یعنی ایمان کو خاص کردینا اور اسلام کو عام رکھنا۔ یہ استعمال بھی لغت کے مطابق ہے' اور اسی استعمال کی دلیل وہ روایت ہے جس میں سائل نے یہ پوچھا کہ کونسا اسلام افضل ہے؟ آپ نے ایمان کا ذکر فرمایا۔ منشا یہی ہے کہ ایمان اسلام میں داخل ہے۔

ان دونوں لفظوں کو ایک معنیٰ کیلئے استعمال کرنے کی صورت یہ ہوگی کہ اسلام کے معنیٰ تسلیم کے لیے جائیں جو دل اور ظاہر دونوں سے ہو' اور ایمان کے بھی یہی معنیٰ مراد لیے جائیں' اس صورت میں صرف اتنا تصرّف ہوگا کہ ایمان میں جو تخصیص تسلیم قلب کی تھی وہ ختم ہوجائے گی اور ایمان بھی اسلام کی طرح عام ہوجائے گا ظاہر تسلیم کو بھی اس میں داخل کرلیا جائے گا۔ یہ تصرّف بھی درست ہے۔ کیونکہ قول و عمل سے ظاہری تسلیم دراصل باطن کی تصدیق کا ثمرہ اور نتیجہ ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ درخت بولتے ہیں اور بطور توسّع درخت اور پھل دونوں مراد لیتے ہیں محض اتنے تصرّف سے ایمان اسلام کے ہم معنیٰ ہوجائے گا۔ اور دونوں میں

مطابقت پیدا ہو جائے گی۔ گذشتہ صفحات میں یہ آیت کریمہ (فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ) نقل کی گئی ہے' اس کا منشاء بھی یہی مطابقت ہے۔

ایمان و اسلام کا شرعی حکم : ایمان و اسلام کے دو حکم ہیں۔ ایک دنیوی دوسرا اخروی۔ اخروی حکم یہ ہے کہ مؤمن کو دوزخ کی آگ سے نکالا جاتا ہے' ایمان اس میں ہمیشہ رہنے کا مانع ہوتا ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

يخرج من النار من كان في قلبه مثقال ذرة من الايمان (بخاری و مسلم)

آگ سے نکلے گا وہ شخص جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا۔

البتہ اس باب میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ یہ حکم کس چیز پر مرتب ہوتا ہے' یعنی وہ ایمان کونسا ہے جس کے نتیجے میں دوزخ کا عذاب دائمی نہیں رہتا۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ دل سے یقین کرنا اور زبان سے اقرار کرنا ضروری ہے بعض حضرات ایک تیسری شرط کا اضافہ کرتے ہیں' یعنی اعضاء سے عمل کرنا۔ ہم اس مسئلے میں اصل حقیقت واضح کرتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ جو شخص ان تینوں (تصدیق قلب' زبانی اقرار' اور عمل) کا جامع ہوگا۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ اس کا ٹھکانہ جنت ہوگا۔ یہ ایک درجہ ہوا۔ ایمان کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ دو شرطیں پائی جائیں اور کچھ تیسری شرط بھی ہو یعنی دل سے یقین کرنا' زبان سے اقرار کرنا' اور کچھ اعمال۔ اس نے ایک یا ایک سے زیادہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب بھی کیا ہو' اس صورت میں معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ وہ شخص ایمان سے خارج ہے۔ لیکن کفر میں داخل نہیں' بلکہ اس کا نام فاسق ہے' یہ ایک درجہ ہے جسے معتزلہ نے کفر و ایمان کے درمیان فرض کیا ہے۔ یہ شخص ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ لیکن معتزلہ کی یہ رائے صحیح نہیں ہے جیسا کہ عنقریب ہم اس کا ابطال کریں گے۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار پایا جائے' لیکن عمل نہ ہو۔ اس طرح کے مؤمنین کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ ابو طالب مکی کہتے ہیں کہ عمل ایمان کا جز ہے' ایمان عمل کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ ابو طالب مکی اس سلسلے میں اجماع امت کا دعویٰ بھی کرتے ہیں' لیکن دلائل وہ نقل کئے ہیں جن سے دعویٰ کا خلاف ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً انھوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے:۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنھوں نے اچھے کام کیے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ عمل ایمان کے علاوہ کوئی چیز ہے ایمان میں داخل نہیں ہے' اگر ایمان و عمل دونوں ایک ہی چیز ہوتے ہیں تو "آمَنُوا" کافی ہوتا "عَمِلُوا" کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ حیرت ہے کہ وہ اجماع کا دعویٰ کرتے ہیں۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

لا يكفر احد الا بعد جحوده لما اقربه (طبرانی)

کسی کو کافر کہا جائے مگر اس صورت میں جب کہ وہ اس کا انکار کردے جس کا اس نے اقرار کیا ہے۔

ابو طالب مکی معتزلہ کے اس قول کی نفی بھی کرتے ہیں کہ گناہ کبیرہ کی وجہ سے دوزخ میں ہمیشہ رہنا ہوگا' حالانکہ بظاہر ابو طالب مکی کا قول بھی وہی معلوم ہوتا ہے جو معتزلہ کا ہے۔ ہم ان سے یہ معلوم کرنا چاہیں گے کہ اگر کوئی شخص دل سے تصدیق کرے اور زبان سے شہادت دے اور فوراً مرجائے تو کیا اسے جنتی قرار دیا جائے گا؟ وہ یہی جواب دیں گے کہ وہ جنتی ہے' اس صورت میں ہم کہیں گے یہ ایمان بلا عمل ہے' اس سے آگے کی صورت یہ ہے کہ فرض کیجئے کہ وہ شخص اتنی دیر زندہ رہے کہ ایک فرض نماز کا وقت آکر گذر جائے' اور وہ نماز ادا کرنے سے پہلے مرجائے' یا زنا کرے اور مرجائے ایسے شخص کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا یا نہیں؟ اس کے جواب میں اگر وہ یہ کہیں کہ ایسا شخص ہمیشہ کیلئے دوزخ میں رہے گا تو یہ بعینہ معتزلہ کا مذہب ہے اور اگر وہ اسے جنتی قرار دیں تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ عمل ایمان کا جزء نہیں ہے' اور نہ ایمان کے وجود کیلئے شرط ہے' اگر

وہ یہ کہیں کہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ وہ بہت دن تک زندہ رہے اور عمل نہ کرے، تب دوزخ میں جائیگا ہم یہ کہتے ہیں کہ پہلے آپ مدّت متعین کیجئے' اور ان اطاعات کی تعداد بیان کیجئے جن کے چھوڑنے سے ایمان ختم ہو جاتا ہے اور وہ کون سے کبائر ہیں جن کے ارتکاب سے مؤمن کافر ہو جاتا ہے۔

ایمان کا چوتھا درجہ یہ ہے کہ دل سے تصدیق پائی جائے اور زبان سے اقرار کی نوبت آنے سے پہلے مرجائے۔ اس شخص کے متعلق کہا جائیگا کہ یہ اپنے خدا کے نزدیک بحالتِ ایمان مرا ہے۔ وہ لوگ جو ایمان کی تکمیل کیلئے زبانی اقرار کی شرط لگاتے ہیں انھیں یہ کہنا ہوگا کہ یہ شخص بحالتِ کفر مرا ہے۔ لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر وہ شخص دوزخ سے نکلے گا جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہوگا۔ اس شخص کا دل تو ایمانیات سے لبریز ہے جس کا ذکر ہم کر رہے ہیں یہ کیسے دوزخ میں رہے گا؟ حدیثِ جبرئیلؑ میں ایمان کی شرط یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی' اس کے فرشتوں' کتابوں اور آخرت کی تصدیق کرے' یہ حدیثیں پہلے بھی گذر چکی ہیں۔

ایمان کا چوتھا درجہ یہ ہے کہ دل سے تصدیق کرے اور عمر میں اتنی مہلت بھی ملے کہ شہادت کے دونوں کلمے زبان سے ادا کرلے اور اسے یہ بھی معلوم ہو کہ زبان سے ان دونوں کلموں کا ادا کرنا واجب ہے' پھر بھی ادا نہ کرے۔ اس شخص کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے کہ اس کلمہ کا ادا نہ کرنا نماز نہ پڑھنے کی طرح ہو' جس طرح ثانی الذکر کو کافر نہیں کہا جاتا اس طرح اول الذکر کو بھی کافر نہیں کہا جائے گا۔ اور اسے بھی دوزخ میں دوام کی سزا نہیں ملے گی۔ کیونکہ ایمان صرف دل کی تصدیق کا نام ہے۔ اور زبان دل کے اعتقاد کی ترجمان ہے' اس سے ثابت ہوا کہ زبان کے اقرار سے پہلے بھی ایمان کامل کا وجود تھا۔ یہی صورت واضح تر ہے اور لغت کی رو سے بھی یہی صحیح ہے' لغت میں ایمان دل کی تصدیق کو کہتے ہیں' حدیث بھی اسی کو مؤید ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا وہ دوزخ سے نکلے گا۔ جس طرح واجب فعل کے نہ کرنے سے ایمان ختم نہیں ہوتا' اسی طرح واجب امر کے اظہار سے باز رہنے میں بھی ایمان کو خطرہ لاحق نہیں ہے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ زبان سے اقرار کرنا بھی ایمان کا رکن ہے۔ اس لیے کہ شہادت کے دونوں کلمے دل کے احوال کی خبر نہیں دیتے بلکہ وہ دوسرے معاملے کی انشاء ابتداء اور التزام ہیں پہلا قول زیادہ واضح ہے۔ لیکن اس میں بھی فرقۂ مرجئہ نے بے حد مبالغہ سے کام لیا ہے' ان کی رائے میں یہ شخص کبھی دوزخ میں نہیں جائے گا۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ گنہگار اور نافرمان مؤمن بھی دوزخ میں نہیں جائیگا' یہ ایک مغالطہ انگیز قول ہے۔ ہم بہت جلد اسے بھی باطل کریں گے۔

ایمان کا چھٹا درجہ یہ ہے کہ زبان سے لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کہے مگر دل میں اس کی تصدیق نہ کرے اس شخص کے بارے میں بلاشک وشبہ یہ کہا جائیگا کہ یہ آخرت کے حکم میں کافر ہے' اور ہمیشہ دوزخ میں رہے گا' لیکن دنیاوی احکام کے اعتبار سے مؤمن ہے' ائمہ اور حکّام کے تمام اوامر ونواہی اس سے متعلق ہونگے۔ اسلئے کہ دلوں کا حال صرف اللہ جانتا ہے' ہمارے لیے تو ظاہر پر حکم لگانا ضروری ہے' اور یہ خیال کرنا ضروری ہے کہ اس نے زبان سے جو کچھ کہا ہے وہی اس کے دل کی بات ہے' البتہ تیسرے امر میں ہمیں شک ہے کہ اس کے اور خدا تعالیٰ کے درمیان کے معاملات میں اس پر کیا حکم دنیاوی مرتب ہوگا۔ مثال کے طور پر اس حال میں جب کہ اس نے دل سے تصدیق نہیں کی تھی محض زبان سے اظہار کیا تھا اس کا کوئی رشتہ دار فوت ہو جائے اور اس کی میراث اسے مل جائے' بعد میں اللہ اسے ہدایت عطا کرے اور وہ دل سے ایمان لے آئے' پھر علماء سے یہ فتویٰ دریافت کرے کہ جب میرا فلاں رشتہ دار مرا تھا تو میں نے دل سے تصدیق نہیں کی تھی' اور اسی حالت میں مجھے اس کی میراث مل گئی تھی' اب وہ میراث میرے پاس ہے' اس معاملے کے اعتبار سے جو فیما بینی وبین اللہ ہے یہ مال میرے لیے جائز ہے یا نہیں؟ یا اس شخص نے اپنی پہلی ہی حالت میں کسی مسلمان عورت سے نکاح کیا تھا۔ پھر دل سے تصدیق کی' اب دوبارہ نکاح کرنا اس کیلئے ضروری ہے یا نہیں؟ یہ مسائل محل تردد ہیں' کوئی قطعی حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ اس سلسلے میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ دنیاوی احکام زبانی قول سے

ظاہراً و باطناً ہر اعتبار سے وابستہ ہیں اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ احکام زبانی قول سے دوسرے کے حق میں وابستہ ہیں کیونکہ غیر اس کے باطن سے واقف نہیں ہوتا۔ لیکن خود اس کیلئے اپنا باطن کھلی کتاب ہے' اور وہ یہ جانتا ہے کہ اللہ اور اس کے درمیان کیا معاملہ ہے؟ بہتر یہی ہے کہ اس کیلئے وہ میراث ناجائز قرار پائے' اور دوبارہ نکاح کرنا اس کیلئے ضروری ہو۔ واللہ اعلم۔

اسی لیے حضرت حذیفہؓ منافقین کی نماز جنازہ میں شریک نہیں ہوتے تھے' حضرت عمرؓ بھی اس کی رعایت کرتے' جس جنازہ میں حذیفہؓ موجود نہ ہوتے وہ بھی تشریف لے جاتے۔ یہ اسی احتیاط کی بنا پر تھا نماز دنیا میں ایک ظاہری عمل ہے' اگرچہ عبادات میں سے ہے' نماز ہی کی طرح حرام سے بچنا بھی ان امور میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ کیلئے واجب ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

طلب الحلال فريضة بعد الفريضة (طبرانی' بیہقی)

فرض کے بعد حلال کا طلب کرنا فرض ہے۔

ایک شبہ کا جواب : یہاں ہماری اس تقریر کے متعلق یہ شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ یہ تقریر اس قول کے خلاف ہے کہ ارث اسلام کا حکم ہے اور وہ بھی تسلیم ہے' ہم یہ مانتے ہیں' اگر یہاں ہماری مراد تسلیم کا وسیع تر مفہوم ہے' جو ظاہر و باطن دونوں کو شامل ہو۔

گزشتہ صفحات میں جو بحثیں کی گئی ہیں وہ فقہی اور ظنی ہیں' ظاہر و عام الفاظ اور قیاسات پر ان بحثوں کی بنیاد ہے' علم میں درک نہ رکھنے والے حضرات یہ نہ سمجھیں کہ یہ یقینی مباحث ہیں۔ اگرچہ یہ عادت بن گئی ہے کہ جن امور میں حکم قطعی مطلوب ہوتا ہے انھیں فن کلام میں ذکر کرتے ہیں۔ لیکن عادات اور رسم و رواج کے پابند لوگوں کو فلاح نہیں ملتی۔

اب ہم معتزلہ اور مرجئہ فرقوں کے شبہات ذکر کرتے ہیں' ان کے ذکر کردہ دلائل کا جائزہ لیتے ہیں اور ان شبہات کا رد کرتے ہیں۔

فرقہ مرجئہ کے شبہات : معتزلہ اور مرجئہ فرقوں کے شبہات قرآن کریم کی عام آیات پر مبنی ہیں۔ چنانچہ مرجئہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ مؤمن دوزخ میں نہیں جائے گا چاہے وہ بد ترین گنہگار ہی کیوں نہ ہو۔ اپنے اس اعتقاد کی صحت پر وہ ذیل کی آیت سے استدلال کرتے ہیں:۔

فَمَنْ يُّؤْمِنْ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا (پ ۲۹' ر ۱۱' آیت ۱۳)

جو شخص اپنے رب پر ایمان لے آئے گا تو اس کو نہ کسی کمی کا اندیشہ ہوگا اور نہ زیادتی کا۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ (پ ۲۷' ر ۱۸' آیت ۱۹)

اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں ایسے ہی لوگ اپنے رب کے نزدیک صدیقین ہیں۔

كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ (پ ۲۹' ر ۱' آیت ۸-۹)

جب اس میں کوئی گروہ ڈالا جائے گا تو اس کے محافظ ان لوگوں سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس ڈرانے والا پیغمبر نہیں آیا تھا۔ وہ کافر کہیں گے کہ واقعی ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا' سو ہم نے جھٹلا دیا اور کہہ دیا کہ اللہ نے کچھ نازل نہیں کیا ہے۔

اس آیت میں كُلَّمَآ اُلْقِيَ ایک عام لفظ ہے' جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو دوزخ میں ڈالا جائے وہ تکذیب کرنے والا ہو۔

لَا يَصْلٰهَآ اِلَّا الْاَشْقَى الَّذِىْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى (پ ۳۰' ر ۱۷' آیت ۱۵-۱۶)
اس میں (ہمیشہ کیلئے) وہی بدبخت داخل ہوگا جس نے (حق) کو جھٹلایا اور روگردانی کی۔
اس آیت میں حصر' اثبات اور نفی تینوں موجود ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مکذبین اور بدبختوں کے علاوہ کوئی اور آگ میں نہیں جلے گا۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ (پ ۲۰' ر ۳' آیت ۸۹)
جو شخص نیکی (ایمان) لائیگا اور اس شخص کو اس کی نیکی سے بہتر اجر ملے گا' اور وہ لوگ بڑی گھبراہٹ سے اس روز امن میں رہیں گے۔
تمام حسنات کی اصل ایمان ہے' پھر بھلا مؤمن اس دن کیسے مأمون و محفوظ نہیں رہے گا؟۔

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (پ ۴' ر ۵' آیت ۳۴)
اور اللہ نیکوکاروں کو پسند کرتا ہے۔

اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا (پ ۱۵' ر ۱۶' آیت ۳۰)
ہم اس شخص کا ثواب ضائع نہیں کرتے جس نے اچھا عمل کیا۔

یہ مرجئہ کے دلائل ہیں' لیکن ان آیات سے ان کا مقصد حاصل نہیں ہوتا اس لیے کہ ان آیتوں میں جہاں کہیں ایمان کا ذکر ہے اس سے مجرّد ایمان مراد نہیں ہے بلکہ ایمان مع عمل مراد ہے چنانچہ ہم یہ بیان بھی کرچکے ہیں کہ کبھی ایمان سے اسلام بھی مراد لیا جاتا ہے۔ یعنی دل اور قول و عمل کی مطابقت۔ ایمان کے سلسلے میں ہم یہ تاویل اس لیے کرتے ہیں کہ بہت سی آیات و احادیث میں گنہگاروں کے عذاب اور مقدار عذاب کا بیان ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ دوزخ سے ہر اس شخص کو باہر نکالدیا جائے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا۔ اس سے بھی اہل ایمان کا دوزخ میں جانا ثابت ہورہا ہے۔ کیونکہ اگر مؤمن دوزخ میں نہیں جائے گا تو باہر کیسے نکلے گا' قرآن کریم میں ارشاد ہے:۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (پ ۵' ر ۱۵' آیت ۱۱۶)
بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے۔ اور اس کے سوا اور جتنے گناہ ہیں جس کیلئے منظور ہوگا وہ گناہ بخش دیں گے۔

اس میں شرک کو ناقابل مغفرت اور باقی گناہوں کو قابل عفو قرار دیکر' اور اس مغفرت کو اپنی مشیت سے مستثنیٰ فرما کر یہ بتلایا کہ مجرم صرف مشرک ہی نہیں ہیں۔ بلکہ اور لوگ بھی ہیں۔ ایک جگہ فرمایا گیا:۔

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا (پ ۲۹' ر ۱۲' آیت ۲۳)
اور جو اللہ اور اس کے رسول کا کہنا نہیں مانتے تو یقیناً ان کیلئے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

جو لوگ اس آیت میں کفّار کی تخصیص کرتے ہیں' یہ ایک زبردستی ہے' آیت میں اس طرح کا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے۔ کچھ اور آیات حسب ذیل ہیں:۔

اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِىْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ (پ ۲۵' ر ۶' آیت ۴۵)
یاد رکھو کہ ظالم لوگ دائمی عذاب میں رہیں گے۔

وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِى النَّارِ (پ ۲۰' ر ۳' آیت ۹۰)
اور جو شخص بدی (کفر و شرک) کرے گا تو وہ لوگ اوندھے منہ آگ میں ڈالے جائیں گے۔

جس طرح مرجئہ نے عام آیات نقل کی ہیں اور ان سے استدلال کیا ہے' اسی طرح عام آیت یہ بھی ہیں جو مجرمین کے عذاب پر دلالت کرتی ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ نہ مطلق حکم ان آیات میں وارد ہے اور نہ ان آیات میں بیان کیا گیا ہے' بلکہ دونوں جگہ تخصیص و تاویل کی ضرورت ہے اس لیے کہ روایات میں صاف طور پر مختلف النوع گنہگاروں کیلئے عذاب کی وعیدیں موجود ہیں۔ بلکہ ایک آیت میں ارشاد فرمایا گیا:۔

وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا (پ ۱۲' ر ۸' آیت ۷۱)

اور تم میں سے کوئی بھی نہیں جس کا اس پر سے گذر نہ ہو۔

اس میں صراحت ہی کہ آگ میں سب کو جانا ہے۔ اس لیے کہ کوئی مؤمن گناہ کے ارتکاب سے بچا نہیں ہے۔ (لَا يَصْلَاهَا إِلَّا الْأَشْقَى الخ) سے مراد ایک خاص جماعت ہے' یا لفظ اشقٰی سے کوئی متعین شخص مراد لیا گیا ہے۔ (كُلَّمَا أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ الخ) میں فوج سے کافروں کی فوج مراد ہے۔ اسی طرح دوسری آیات میں تاویل و تخصیص کی گنجائش ہے۔۔۔۔۔۔ اس طرح کی آیات کی وجہ سے ابو الحسن اشعری اور کچھ دوسرے متکلمین عام الفاظ ہی کا انکار کر بیٹھے' اور کہنے لگے کہ اس طرح کے الفاظ میں اس وقت تک توقف کرنا چاہیئے جب تک کہ کوئی قرینہ ظاہر نہ ہو' اور ان کے معنٰی واضح نہ ہوں۔

معتزلہ کے شبہات : معتزلہ نے اپنے شبہات کی بنیاد مندرجہ ذیل آیات کو قرار دیا ہے۔

وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَىٰ (پ ۱۶' ر ۱۳' آیت ۸۲)

اور میں ایسے لوگوں کیلئے بڑا بخشنے والا بھی ہوں جو توبہ کرلیں اور ایمان لائیں اور نیک عمل کریں پھر (اسی) راہ پر قائم (بھی) رہیں۔

وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

(پ ۳۰' ر ۲۸' آیت ۱۔۳)

قسم ہے زمانے کی (جس میں نفع و نقصان واقع ہوتا ہے) کہ انسان بڑے خسارے میں ہیں مگر جو لوگ کہ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے۔

وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا (پ ۱۶' ر ۸' آیت ۷۱)

اور تم میں سے کوئی بھی نہیں جس کا اس پر سے گذر نہ ہو یہ آپ کے رب کے اعتبار سے لازم ہے جو (ضرور) پورا ہو کر رہے گا۔

ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا (پ ۱۶' ر ۸' آیت ۷۲)

پھر ہم ان لوگوں کو نجات دیدیں گے جو خدا سے ڈرتے تھے۔

وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ (پ ۲۹' ر ۱۲' آیت ۲۳)

اور جو اللہ اور اس کے رسول کا کہنا نہیں مانیں گے ان کیلئے دوزخ کی آگ ہے۔

ان آیات میں اور اسی طرح کے دوسری آیات میں ایمان کے ساتھ عمل صالح کی شرط بھی لگائی گئی ہے' اور اسی کو مدارِ نجات قرار دیا گیا ہے' ایک جگہ مؤمن کو جان بوجھ کر قتل کرنے والے کی سزا دائمی جہنم بیان کی گئی ہے۔

وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا (پ ۵' ر ۱۰' آیت ۹۳)

اور جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کرڈالے تو اس کی سزا جہنم ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ کو اس میں رہنا ہے۔

مذکورہ آیات سے معتزلہ استدلال کرتے ہیں۔ مگر یہ آیات بھی عام ہیں اور ان میں تخصیص و تاویل کی گنجائش موجود ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : (وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ) یہ آیت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ شرک کے علاوہ

گناہوں میں اس کی مشیت باقی رہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی کہ دوزخ سے ہر وہ شخص نجات پائے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو گا' نیز اللہ تعالیٰ کے یہ ارشادات:

إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا (پ ۱۷' ر ۱۴' آیت ۳۰)

ہم اس شخص کا اجر تلف نہیں کرتے جو اچھا عمل کرے۔

فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ (پ ۱۲' ر ۱۰' آیت ۱۱۵)

پس اللہ نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

اس پر دلالت کرتے ہیں کہ کسی معصیت کے سبب سے اللہ تعالیٰ اصلِ ایمان' اور دوسری اطاعت کا اجر و ثواب ضائع نہیں کرتا۔ جہاں تک اس آیت کا تعلق ہے:

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا (پ ۵' ر ۱۰' آیت ۹۳)

اور جو شخص کسی مؤمن کو قصداً قتل کر دے۔

اس سے مراد یہ ہے کہ مقتول کو جان بوجھ کر محض ایمان کی وجہ سے مار ڈالے۔ اس آیت کا شان نزول بھی اسی طرح کے قتل کا ایک واقعہ ہے۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ آپ کی تقریر سے معلوم ہوا کہ مختار و پسندیدہ مذہب یہ ہے کہ ایمان بغیر عمل کے بھی معتبر ہے' حالانکہ اکابر سلف کا یہ قول مشہور ہے کہ ایمان و تصدیق' اقرار باللسان' اور عمل کا نام ہے' تو اکابر سلف کے اس قول کا منشاء و مطلب کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عمل کا ایمان میں شمار کرنا غلط نہیں ہے' کیونکہ عمل ایمان کی تکمیل کا نام ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے یہ کہیں کہ سر اور دو ہاتھوں سے مل کر انسان بنتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر کسی کے سر نہ ہو تو وہ انسان بھی شمار نہیں کیا جاتا لیکن اگر دونوں ہاتھ نہ ہوں تو اسے دائرۂ انسانیت سے خارج نہیں قرار دیا جاتا۔ اسی طرح یہ کہا جاتا ہے کہ تکبیرات و تسبیحات نماز میں سے ہیں اگرچہ نماز ان کے نہ ہونے سے باطل نہیں ہوتی۔ ایمان میں دل کی تصدیق آدمی کے سر کی طرح ہے اگر وہ نہ ہو تو ایمان بھی نہ ہو' اور دوسرے عمل آدمی کے ہاتھ پاؤں کی حیثیت رکھتے ہیں' انسانی اعضاء کی طرح اعمال میں بھی بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے بھی معتزلی استدلال کرتے ہیں:

لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مؤمن (بخاری و مسلم)

زنا نہیں کرتا زنا کرنے والا اس حال میں کہ وہ مؤمن ہے۔

صحابہ کرامؓ نے اس حدیث سے معتزلہ کا مذہب مراد نہیں لیا کہ زنا کی وجہ سے آدمی ایمان کے دائرے سے نکل جائے۔ بلکہ اس کے معنیٰ یہ ہیں اس شخص کا ایمان کامل نہیں ہے جو اس طرح کے گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے' جیسے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے شخص کے متعلق یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ آدمی نہیں' یعنی اس میں کمال انسانی نہیں ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کے ہاتھ پاؤں کٹ جانے سے اس کی ماہیت انسانی بھی باقی نہیں رہی۔

<u>ایمان میں زیادتی اور کمی</u> : اگر یہ کہا جائے کہ علماء سلف اس پر متفق ہیں کہ ایمان اطاعت کی وجہ سے زیادتی اور کمی قبول کرتا ہے لیکن اگر ایمان محض دل کی تصدیق کا نام ہے تو اس میں زیادتی اور کمی کیسے واقع ہو سکتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل علمائے سلف الشّاھدون الصادقون (سچے گواہ) ہیں' ان کی تحقیق سے انحراف صحیح نہیں ہے' جو کچھ وہ کہتے ہیں بلا ریب درست ہے لیکن اسے سمجھنے کیلئے غور و فکر کی ضرورت ہے۔ اور یہ غور و فکر سلف کے اس قول کی روشنی میں ہونا چاہیئے کہ عمل ایمان کا جزء نہیں ہے اور نہ اس کے وجود کا رکن ہے' بلکہ ایک زائد چیز ہے اسی سے ایمان میں زیادتی ہوتی ہے' ظاہر ہے کہ چیز اپنی ذات

سے تو بڑھتی نہیں، بلکہ زوائد سے بڑھا کرتی ہے۔ چنانچہ یہ نہیں کہتے کہ انسان اپنے سر سے بڑھ جاتا ہے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ وہ اپنی داڑھی اور موٹاپے سے بڑھتا ہے۔ اسی طرح یہ نہیں کہہ سکتے کہ نماز رکوع اور سجدہ سے زیادہ ہوتی ہے بلکہ وہ سُنن اور مستحبات سے بڑھتی ہے، سلف کے قول میں اس کی تصریح ہے کہ ایمان کا ایک وجود ہے، پھر وجود کے بعد اس کا حال ہے، جو کمی بیشی کے اعتبار سے مختلف ہوتا رہتا ہے۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ اعتراض تو ابھی قائم ہے، یعنی یہ کہ تصدیق کس طرح کم و بیش ہوتی ہے، تصدیق تو ایک حالت کا نام ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ شبہ بھی اس وقت دور ہوجائیگا جب ہم مُداہنت ترک کردیں گے، اور تحقیق کے چہرے سے جہالت کے پردے اتار پھینکیں گے، یہ تحقیق ہم ذیل کی سطور میں عرض کریں گے۔

لفظ ایمان ایک مشترک لفظ ہے، اس کا اطلاق تین طریقوں پر ہوتا ہے۔

پہلا طریقہ: یہ ہے کہ ایمان کا اطلاق اس تصدیق پر کیا جائے جو اعتقاد اور تقلید کے طور پر ہو، کشف اور شرح صدر کے طور پر نہیں۔ اس طرح کا ایمان عوام کا ہوتا ہے بلکہ خواص کے علاوہ تمام بندگانِ خدا کا ہوتا ہے۔ یہ اعتقاد دل پر ایک گرہ کی حیثیت رکھتا ہے، یہ گرہ کبھی سخت ہوجاتی ہے، اور کبھی ڈھیلی پڑجاتی ہے، جس طرح دھاگے کی گرہ ہوتی ہے، آپ اسے بعید یا ناممکن تصور نہ کریں بلکہ یہودیوں، عیسائیوں اور بدعتیوں کے حالات سے عبرت حاصل کریں۔ ان میں سے جن لوگوں کے عقیدے سخت ہیں وہ انداز و وعید، وعظ و نصیحت اور دلیل و حجت کے ذریعہ ان عقیدوں کے خول سے باہر نہیں نکل سکتے۔ لیکن ان میں بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو ذرا سی گفتگو سے شک میں مبتلا ہوجاتے ہیں، انھیں ان عقائد سے منحرف کرنا بڑا آسان ہے، محض معمولی سے اِنذار و تخویف کی ضرورت ہے۔ حالانکہ انھیں بھی پہلی قسم کے لوگوں کی طرح اپنے عقیدے میں شک نہیں ہوتا لیکن عقیدے میں پختگی کے اعتبار سے یہ دونوں قسمیں مختلف ہیں۔ پختگی کا یہی فرق امرِ حق کے اعتقاد میں بھی ہے۔ اعمالِ صالحہ اس پختگی میں اضافہ کرتے ہیں، اور اسے مزید تقویت عطا کرتے ہیں جس طرح پانی درختوں کی نشوونما کرتا ہے، اور انھیں بلند و بالا، اور مضبوط بنانے میں مؤثر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات کا یہی مطلب ہے۔

فَزَادَتْهُمْ إِيمَانًا (پ۱۱، ر۵، آیت ۱۲۴)

(اس سورت نے) ان کے ایمان میں ترقی دی ہے۔

لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَّعَ إِيمَانِهِمْ (پ۲۶، ر۹، آیت ۴)

تاکہ ان کے پہلے ایمان کے ساتھ ان کا ایمان زیادہ ہوجائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

الایمان یزید وینقص (ابن عدی)

ایمان کم و بیش ہوتا ہے۔

ایمان میں یہ کمی بیشی دل میں طاعات کی تاثیر سے ہوتی ہے اور اسے وہی شخص محسوس کرتا ہے جو اپنے حالات کا اس وقت جائزہ لے جب کہ وہ حضورِ قلب کے ساتھ عبادت میں لگا ہوا ہو اور اس وقت جب کہ وہ عبادت میں مصروف نہ ہو، ان دونوں حالتوں میں وہ بڑا فرق محسوس کرے گا۔ پہلے وقت میں عقیدے کا حال ایسا ہوگا کہ اگر اس میں کوئی شک ڈالنا چاہے تو نہ ڈال سکے، معلوم ہوا کہ عمل سے دل کے اوصاف میں قوت پیدا ہوتی ہے، اور بد عملی سے ضعف پیدا ہوتا ہے، چنانچہ ایک شخص اگر یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ یتیم پر رحم کرنا چاہیئے، پھر وہ اپنے اعتقاد کے مطابق عمل بھی کرے، اور یتیموں کے سروں پر دستِ شفقت رکھے تو وہ خود بخود یہ محسوس کرے گا کہ اس عمل سے اس کا جذبۂ رحم مزید پختہ ہوگیا ہے۔ اسی طرح ایک شخص تواضع پر یقین رکھتا ہے، اور اپنے یقین کے مطابق وہ تواضع اور انکساری سے پیش بھی آتا ہے، تو وہ شخص اپنے دل میں اس عمل سے تواضع کی زیادتی محسوس

کرتا ہے' دل کی دوسری صفات کا بھی یہی حال ہے کہ جب اعضاء پر ان کے باعث اعمال صادر ہوتے ہیں تو اعمال کا اثر اُن صفات پر مرتّب ہوتا ہے اور انھیں مزید تقویت حاصل ہو جاتی ہے۔

اس موضوع پر مزید گفتگو ہم جلد سوم اور جلد چہارم کے ان مقامات پر کریں گے جہاں ظاہر و باطن کے تعلق کی وجہ' اور عقائد اور قلوب سے اعمال کے وابستہ ہونے کی دلیل بیان کی جائے گی۔ اس لیے کہ یہ امر عالم ملکوت کے عالم ملک سے متعلق ہونے کی جنس سے ہے' ملک سے ہماری مراد یہ علم ظاہر ہے جو حواس سے معلوم ہوتا ہے' اور ملکوت سے وہ عالم مراد ہے جو نور بصیرت سے نظر آتا ہے' ظاہری آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتا۔ دل عالم ملکوت میں سے ہے' اور اعضاء اور ان کے اعمال ملک سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان دونوں عالموں میں اس درجہ لطیف ربط ہے کہ بعض لوگ یہ خیال کرنے لگے کہ عالم محض یہ عالم ہے جس میں محسوس اجسام پائے جاتے ہیں' پھر ان کے اختلاف و ارتباط کی حقیقت دریافت کی اس کے بارے میں یہ دو شعر ہیں:

رق الزجاج ورقت الخمر　　　وتشابها فتشاكل الامر
فكانما خمر ولا قدح　　　وكانما قدح ولا خمر

ترجمہ : آبگینہ بھی باریک ہے' اور شراب بھی رقیق ہے' دونوں ایک دوسرے سے مشابہ ہیں اس لیے معاملہ دشوار ہے' گویا شراب ہے پیالہ نہیں ہے' یا پیالہ ہے شراب نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے اس قدر مشابہ ہیں کہ ایک دوسرے میں امتیاز مشکل ہے' اسی طرح عالم ملک اور عالم ملکوت بھی ایک دوسرے کے بے حد قریب ہیں' اتنے قریب کہ ان میں امتیاز کرنا دشوار ہے۔)

اب ہم اصل مقصد کی طرف واپس چلتے ہیں' یہ ایک جملہ معترضہ تھا' جو علم معاملہ سے خارج ہے' مگر علم معاملہ اور علم مکاشفہ میں بھی گہرا اتصال اور ربط ہے یہی وجہ ہے کہ آپ ہر لمحہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ علم مکاشفہ علم معاملہ کی طرف مائل ہے' بشرطیکہ اسے تکلف سے نہ روکا جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر ایمان کو اس اطلاق کی روشنی میں دیکھیں تو اس میں کمی و زیادتی اطاعت میں کمی و زیادتی کی بنیاد ہوتی ہے۔ اسی بنا پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "ایمان ایک سفید نشان کی صورت میں ظاہر ہے۔ جب آدمی نیک عمل کرتا ہے تو وہ نشان بڑھتا جاتا ہے' یہاں تک کہ دل سفید ہو جاتا ہے۔ اور نفاق ایک سیاہ نقطے کی صورت میں شروع ہوتا ہے' جب آدمی برے اعمال کا مرتکب ہوتا ہے تو اس نقطے کی سیاہی بڑھتی جاتی ہے' یہاں تک کہ دل بالکل سیاہ ہو جاتا ہے۔ پھر اس پر مہر لگ جاتی ہے"۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ (پ ۳۰' ر ۸' آیت ۱۴)

ہرگز ایسا نہیں بلکہ (اصل وجہ ان کی تکذیب کی یہ ہے کہ) ان کے دلوں پر اعمال (بد) کا زنگ بیٹھ گیا ہے۔

دوسرا طریقہ : ایمان کے اطلاق و استعمال کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ایمان سے تصدیق دل اور عمل دونوں مراد ہوں۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

الايمان بضع وسبعون بابا (بخاری و مسلم)

ایمان کے ستر سے کچھ زیادہ دروازے ہیں۔

یا یہ حدیث کہ زانی اس حال میں زنا نہیں کرتا کہ وہ صاحب ایمان ہو۔ اگر ایمان کے معنیٰ میں عمل بھی داخل ہو تو ظاہر ہے کہ اعمال سے اس میں کمی یا بیشی ضرور ہوگی۔ یہ تاثیر اس ایمان میں بھی ہوتی ہے یا نہیں جس کو صرف تصدیق کہتے ہیں؟ اس میں اختلاف ہے' اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ تاثیر اس ایمان میں بھی ہوتی ہے۔

تیسرا طریقہ : یہ ہے کہ ایمان سے وہ یقینی تصدیق مراد لی جائے جو کشف' شرح صدر' اور نور بصیرت کے مشاہدے سے حاصل

ہو۔ ایمان کی دوسری قسموں کے مقابلے میں یہ قسم (جسے تصدیق یقینی سے تعبیر کیا گیا ہے) کمی و بیشی قبول کرنے سے بعید تر ہے۔ تا ہم ہمارا کہنا یہ ہے کہ جو امر یقینی ہو اور اس میں کسی قسم کا شک بھی نہ ہو اس میں بھی اطمینان قلب کی کیفیت مختلف ہوتی ہے۔ مثلاً ایک امر یہ ہے کہ دو ایک سے زیادہ ہیں اور دوسرا امر یہ ہے کہ عالم مخلوق ہے اور حادث ہے' ان دونوں میں سے کسی ایک امر میں بھی شک کی گنجائش نہیں ہے' مگر جو اطمینان پہلے امر کے سلسلے میں ہے وہ اطمینان دوسرے امر کے سلسلے میں نہیں ہے' اسی طرح دوسرے یقینی امور ہیں کہ ان میں قلب کی تصدیق کی کیفیت مختلف ہوتی ہے ہم نے یہ مضمون کتاب العلم کے اس باب میں بیان کیا ہے' جس میں علمائے آخرت کی علامتیں ذکر کی گئی ہیں۔ اس لیے اب دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ان سب اطلاقات و استعمالات سے ظاہر ہوا کہ سلف صالحین نے ایمان میں زیادتی و نقصان کے متعلق جو کچھ فرمایا ہے وہ درست ہے' اور درست کیوں نہ ہو کہ روایات میں آچکا ہے کہ دوزخ سے ہر وہ شخص نکلے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو گا۔ بعض روایات میں دینار کے بقدر ایمان کی قید ہے۔ (بخاری و مسلم) اگر دل کے تصدیق میں فرق نہ ہو تو ان مقداروں کے اختلاف کے کیا معنیٰ ہیں؟

ایمانیات میں انشاء اللہ کا مسئلہ : علمائے سلف سے ایک جملہ منقول ہے "ہم مؤمن ہیں انشاء اللہ"۔ لفظ انشاء اللہ شک کے لئے آتا ہے اور ایمان میں شک کرنا کفر ہے۔ مگر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بزرگانِ سلف ایمان کے باب میں یقین کے الفاظ بولنے سے اِحتراز کیا کرتے تھے۔ چنانچہ سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص یوں کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک مؤمن ہوں تو وہ جھوٹا ہے۔ اور جو شخص یہ کہے کہ میں حقیقت میں مؤمن ہوں تو اس کا یہ کہنا بدعت ہے' اس میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ جو شخص واقع میں مؤمن ہے' وہ شخص اپنے اس قول میں جھوٹا کیسے ہو گا کہ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک مؤمن ہوں' اس لیے جو شخص واقع میں مؤمن ہے وہ خدا کے نزدیک بھی صاحبِ ایمان ہو گا' جیسے کوئی شخص واقعی میں طویلُ القامت یا بوڑھا ہو' اور وہ اپنے اس وصف سے واقف بھی ہو' تو وہ خدا کے نزدیک بھی طویلُ القامت یا بوڑھا ہی ہو گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص خوش' غمگین' سننے والا یا نابینا ہو اس کا بھی یہی حال ہے۔ اگر کسی شخص سے یہ معلوم کیا جائے کہ کیا تم جاندار ہو؟ جواب میں اگر وہ یہ کہے کہ ہاں! میں جاندار ہوں' انشاء اللہ تو اس کا یہ جواب بے موقع ہو گا۔ حضرت سفیان ثوریؒ سے جب یہ پوچھا گیا کہ ایمان کے جواب میں کیا کہنا چاہیئے تو فرمایا کہ یہ کہو کہ ہم اللہ پر اور جو کچھ ہم پر نازل کیا گیا اس پر ایمان لائے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس جواب میں اور یہ کہہ دینے میں کہ ہم مؤمن ہیں کیا فرق ہے؟ حضرت حسن بصریؒ سے کسی نے پوچھا کہ آپ مؤمن ہیں؟ فرمایا: انشاء اللہ۔ سائل نے عرض کیا: اے ابو سعید! آپ ایمان میں شک کا لفظ استعمال کر رہے ہیں۔ فرمایا: مجھے یہ ڈر ہے کہ اگر میں ہاں کہہ دوں تو کہیں اللہ تعالیٰ یہ نہ فرمادے کہ اے حسن تو جھوٹ کہتا ہے اور پھر مجھ پر عذابِ الٰہی ثابت ہو جائے۔ حضرت حسن یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اس امر سے کوئی چیز بے خوف نہیں بناتی کہ مجھ میں اللہ کوئی ناپسندہ دیکھے' مجھے برا جانے' اور یہ کہہ دے کہ چلا جا میں تیرا کوئی عمل قبول نہیں کرتا' حضرت ابراہیم ابن ادہمؒ نے فرمایا کہ جب تم سے کوئی یہ کہے کیا تم مؤمن ہو تو کہو: لا الٰہ الا اللّٰہ۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ اس کے جواب میں کہو کہ ایمان میں شک نہیں اور ہم سے تیرا سوال کرنا بدعت ہے۔ علقمہ سے کسی نے پوچھا کہ تم مؤمن ہو' جواب دیا توقع رکھتا ہوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ ہم اللہ پر' اس کے فرشتوں' کتابوں' اور رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہم کون ہیں؟۔ اس تفصیل کے بعد یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ علمائے سلف اپنے ایمان میں استثناء کیا کرتے تھے اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان لوگوں کو انشاء اللہ کہنا درست ہے اور اس کی چار صورتیں ہیں۔ جن میں دو صورتیں شک سے متعلق ہیں' مگر یہ شک اصل ایمان میں نہیں ہوتا بلکہ ایمان کے خاتمے سے متعلق ہوتا ہے' باقی دو صورتیں ایسی ہیں کہ ان میں انشاء اللہ شک سے متعلق نہیں ہے۔

پہلی صورت : (جس کا تعلق شک سے نہیں ہے) یہ ہے کہ یقین سے احتراز اس بنا پر کیا جائے کہ اس میں تزکیۂ نفس کا خوف

ہے' اور شریعت میں اس تزکیۂ نفس کو معیوب قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

فَلَا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ (پ ۲۷' ر ۶' آیت ۲۳)

تم اپنے آپ کو مقدس مت سمجھا کرو۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُزَكُّونَ أَنْفُسَهُمْ (پ ۵' ر ۴' آیت ۴۹)

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے آپ کو مقدس سمجھتے ہیں۔

أُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ (پ ۵' ر ۴' آیت ۵۰)

دیکھو تو یہ لوگ اللہ پر کیسی جھوٹی تہمت لگاتے ہیں۔

کسی دانا سے دریافت کیا گیا کہ بدترین سچائی کیا ہے؟ جواب دیا کہ آدمی خود اپنی تعریف کرے' ایمان انسان کا اعلیٰ ترین وصف ہے' اس کے بارے میں یقین کے ساتھ کچھ کہنا اپنی مطلق بڑائی کرنی ہے۔ اس لیے انشاء اللہ کہہ کر گویا اس بڑائی کو کم کیا جاتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی شخص سے ہم یہ کہیں کہ کیا تم طبیب' فقیہ یا مفسّر ہو؟ تو وہ جواب میں کہتا ہے جی ہاں! انشاء اللہ! کہنے والے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ اپنے طبیب ہونے یا فقیہ و مفسّر ہونے میں شک کا اظہار کر رہا ہے' بلکہ وہ اپنے نفس کو خود اپنی تعریف سے باز رکھنے کیلئے یہ الفاظ استعمال کرتا ہے۔ عموماً یہ لفظ خبر کو ضعیف کرنے کیلئے استعمال کیا جاتا ہے' اور کیونکہ تزکیۂ نفس بھی خبر کے لوازم میں سے ایک لازم ہے اس کو ضعیف کرنے کیلئے جواب دینے والے نے انشاء اللہ کہہ دیا۔ جب اس لفظ کی یہ تاویل ہوئی تو اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی برا وصف پوچھا جائے' مثلاً یہ کہا جائے کہ تم چور ہو یا نہیں؟ تو اس کے جواب میں انشاء اللہ نہیں کہنا چاہیئے۔

دوسری صورت : انشاء اللہ کہنے میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ گویا وہ اپنے ہر قول کو اللہ کے نام کے ساتھ ذکر کرنا چاہتا ہے اور اپنے تمام امور کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینے ہی میں عافیت سمجھتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علی وسلم کو اس ادب کی تلقین فرمائی۔ ارشاد ہے :

وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللّٰهُ (پ ۱۵' ر ۱۶' آیت ۲۳)

اور آپ کسی کام کی بہ نسبت یوں نہ کہا کیجئے کہ میں اس کو کل کروں گا' مگر خدا کے چاہنے کو ملا دیجئے۔

انشاء اللہ کہنے کی تلقین' اور معاملات کو حوالہ مشیت کر دینے کی ہدایت صرف ان امور کے سلسلے میں ہی نہیں فرمائی جن میں شک ہو' بلکہ ارشاد فرمایا:۔

لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ (پ ۲۶' ر ۱۲' آیت ۲۷)

کہ تم لوگ مسجد حرام (مکّہ) میں اِنشاء اللہ ضرور جاؤ گے امن و امان کے ساتھ کہ تم میں کوئی سر مُنڈاتا ہوگا اور کوئی بال کترتا ہوگا' تم کو کسی طرح کا اندیشہ نہ ہوگا۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ جانتے تھے کہ یہ لوگ بلاشک وشبہ مسجد حرام (مکّہ مکرمہ) میں داخل ہونگے' ہماری مشیت اس امر کیلئے مقدّر ہو چکی ہے' مگر مقصود یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طریقے کی تلقین فرمائیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی طریقہ اختیار فرمایا' جب بھی آپ کوئی خبر دیتے چاہے وہ یقینی ہو یا مشکوک انشاء اللہ ضرور کہتے' یہاں تک کہ جب قبرستان میں جاتے تو ارشاد فرماتے:۔

السلام علیکم دار قوم مؤمنین وانا انشاء اللہ بکم لاحقون (مسلم)

تم پر سلامتی ہو اے ایمان والو' ہم انشاء اللہ تم سے ملیں گے۔

حالانکہ ان سے ملنا ان امور سے تعلق نہیں رکھتا جن میں کسی قسم کا شک و تردد ہو' لیکن ادب کا تقاضا یہی ہے کہ ایسے مواقع پر بھی اللہ کا نام لیں' اور معاملات کو اس کی مشیت سے وابستہ کردیں۔ عرف عام میں بھی لفظ "ماشاء اللہ" شک کے مواقع پر استعمال نہیں ہوتا' بلکہ خواہش اور تمنا کے اظہار کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً اگر تم سے یہ کہا جائے کہ فلاں شخص جلد مرجائے گا اور تم جواب میں کہو کہ انشاء اللہ تو اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ تم اس کی موت کی خواہش یا تمنا رکھتے ہو' یہ مطلب نہیں ہوگا تم اس کی موت میں شک کرتے ہو۔ اسی طرح اگر تم سے یہ کہا جائے کہ فلاں کا مرض جلد ختم ہوجائے گا اور تم جواب میں انشاء اللہ کہو تو اس سے بھی یہی سمجھا جائے گا کہ تم اس کی تندرستی کی خواہش یا تمنا رکھتے ہو۔ اس تفصیل سے سمجھ میں آتا ہے کہ یہ لفظ عُرف میں بھی شک کے معنیٰ سے رغبت اور تمنا کے معنیٰ میں بدل گیا ہے' یا ذکرُ اللہ کیلئے استعمال کیا جانے لگا ہے۔ بہرحال ان میں سے کوئی بھی معنیٰ مقصود ہوں استثناء کرنا درست ہے۔

تیسری صورت : کا مدار شک پر ہے' اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ میں واقع میں مؤمن ہوں انشاء اللہ۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے چند لوگوں کو مخصوص کرکے یہ ارشاد فرمایا :

أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا (پ ۹' ر ۱۵' آیت ۴)

حقیقت میں وہی لوگ مؤمن ہیں۔

اس آیت کریمہ کے رو سے مؤمنین کی دو قسمیں ہو گئیں۔ اس صورت میں انشاء اللہ کا شک اصل ایمان کی طرف راجع نہیں ہے' بلکہ کمالِ ایمان کی طرف راجع ہے۔ ہر صاحبِ ایمان کو اپنے ایمان کی تکمیل میں شک ہے' اور یہ شک کفر نہیں ہے۔ کیونکہ کمالِ ایمان میں شک کا ہونا دو وجہ سے صحیح ہے' اول: یہ کہ نفاق ایمان کے کمال کے منافی ہے' اور نفاق ایک پوشیدہ امر ہے جس کا اِدراک مشکل ہے اور یہ معلوم ہونا بھی مشکل ہے کہ نفاق سے برأت ہوئی یا نہیں۔ دوم: یہ کہ ایمان اعمالِ صالحہ سے مکمل ہوتا ہے' اور یہ معلوم نہیں ہوپاتا کہ ہمارے اعمال بھی درجۂ کمال کو پہنچے ہیں یا نہیں؟ عمل کے ذریعہ ایمان کامل ہونا مندرجہ ذیل آیات کی وجہ سے ہے :

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ (پ ۲۶' ر ۱۴' آیت ۱۷۷)

پورے مؤمن وہ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک نہیں کیا' اور اپنے مال اور جان سے خدا کے راستے میں محنت اٹھائی۔ یہ لوگ ہیں سچے۔

شک اسی سچ میں ہوتا ہے جسے الصَّادِقُونَ سے تعبیر کیا گیا۔ ایک آیت میں ارشاد فرمایا :

وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ۔ (پ ۲' ر ۶' آیت ۱۷۷)

لیکن (اصل) کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر یقین رکھے اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور (سب) کتبِ سماویہ پر اور پیغمبروں پر۔

اس آیت میں مؤمنین کے بیس وصف بیان کیے گئے ہیں مثلاً عہد کا پورا کرنا' مصائب پر صبر کرنا وغیرہ پھر یہ ارشاد فرمایا :

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا (پ ۲' ر ۶' آیت ۱۷۷)

یہ لوگ ہیں جو سچے ہیں۔

کچھ اور آیات حسب ذیل ہیں :

يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ (پ ۲۸' ر ۲' آیت ۱۱)

اللہ تعالیٰ تم میں ایمان والوں کے اور (ایمان والوں) میں ان لوگوں کے جن کو علم (دین) عطا ہوا (اُخروی) درجے بلند کرے گا۔

لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ (پ ۲۷، ر ۱۷، آیت ۱۰)

جو لوگ فتح مکہ سے پہلے خرچ کر چکے اور لڑ چکے وہ برابر نہیں ہیں۔

هُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ اللّٰهِ (پ ۴، ر ۸، آیت ۱۶۳)

یہ مذکورین درجات میں مختلف ہیں اللہ کے نزدیک۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

الایمان عریان ولباسه التقوٰی (حاکم)

ایمان ننگا ہے اس کا لباس تقویٰ ہے۔

الایمان بضع وسبعون بابا ادناها اماطة الاذیٰ عن الطریق (بخاری و مسلم)

ایمان کی ستر سے کچھ زیادہ قسمیں ہیں۔ ان میں سے ادنیٰ قسم راستے سے ایذا دینے والی چیز کا ہٹانا ہے۔

ان آیات و روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کا کمال اَعمال سے وابستہ ہے۔ شرک خفی اور نفاق سے برات پر ایمان کے کمال کا موقوف ہونا حسب ذیل احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: اربع من کن فیه فهو منافق خالص وان صام وصلی وزعم انه مؤمن ○ من اذا حدث کذب ○ واذا وعد اخلف ○ واذا ائتمن خان ○ واذا خاصم فجر (فی بعض الروایات) واذا عاهد غدر ○ (بخاری و مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چار چیزیں جس شخص میں ہوں وہ خالص منافق ہے۔ اگرچہ وہ روزہ نماز کرے اور یہ گمان رکھے کہ میں مومن ہوں۔ وہ شخص جو گفتگو کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو اسے پورا نہ کرے، جب اسے امانت سپرد کی جائے تو خیانت کرے، جب کسی سے جھگڑے تو گالیاں دے۔ (بعض روایات میں ہے) جب عہد کرے تو فریب کرے۔

۲۔ عن ابی سعید الخدری ○ القلوب اربعة ○ قلب اجرد فیه سراج یزهر فذلک قلب المؤمن وقلب مصفح فیه ایمان ونفاق فمثل الایمان فیه کمثل البقلة یمدها الماء العذب ○ ومثل النفاق فیه کمثل القرحة یمدها القیح والصدید ○ فای المادتین غلب علیه حکم لهبها ○ (احمد)

ابو سعید خدریؓ کی روایت میں ہے: دل چار ہے، ایک صاف دل جس میں روشن چراغ ہو، یہ مؤمن کا دل ہے۔ ایک دو رُخا دل۔ جس میں ایمان اور نفاق ہو، ایمان کی مثال اس میں ساگ کی سی ہے جسے میٹھا پانی بڑھاتا ہے اور نفاق کی مثال پھوڑے کی ہے جسے پیپ بڑھاتی ہے۔ جس پر جو مادہ غالب ہوگا اس پر وہی حکم لگایا جائے گا۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ جو مادہ اس پر غالب ہوگا وہی لیجائے گا۔

۳۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم! اکثر منافقی هذه الامة قراء ها ○ (احمد و طبرانی)

آپ نے فرمایا اس امت کے اکثر منافق اس کے قاری ہیں۔

۴ ۔ قال صلی اللہ علیہ وسلم : الشرک اخفی فی امتی دبیب النمل علی الصفا ○ (ابو یعلی' ابن عدی)

میری امت میں شرک سیاہ پتھر پر رینگنے والی چیونٹی سے بھی باریک تر ہے۔

۵ ۔ عن حنیفة قال : کان الرجل یتکلم بالکلمة علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصیر بها منافقا الی یموت وانی لا سمعها من احدکم فی الیوم عشر مرات ○ (احمد)

حذیفہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آدمی ایک بات کہتا تھا جس کی وجہ سے مرنے تک منافق ہو جاتا تھا اور میں تم سے وہی بات دن میں دس مرتبہ سنتا ہوں۔

بعض علماء کا قول ہے کہ لوگوں میں نفاق سے قریب تر وہ شخص ہے جو یہ سمجھے کہ میں نفاق سے بری ہوں۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں :

المنافقون الیوم اکثر منهم علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکانوا اذذلک یخفونه وهم الیوم یظهرونه (بخاری تغیر یسیر)

منافقین آج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے زیادہ ہیں۔ وہ اس وقت اپنے نفاق کو پوشیدہ رکھتے تھے مگر یہ لوگ اب اسے ظاہر کر دیتے ہیں۔

یہ نفاق سچے ایمان اور کمال ایمان کے منافی ہے۔ یہ نفاق ایک مخفی امر ہے' اس سے بعید تر شخص وہ ہے جو اس سے خوف کھاتا ہو اور قریب تر شخص وہ ہے یہ سمجھے کہ میں اس سے بری ہوں۔ چنانچہ حضرت حسن بصریؒ سے کسی نے پوچھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ اب نفاق باقی نہیں رہا۔ آپ نے فرمایا ! بھائی اگر منافق مرجائے تو راستوں میں تمہیں وحشت ہونے لگے۔ یعنی منافقین اس کثرت سے ہیں اگر سب مرجائیں تو راستوں میں رونق باقی نہ رہے۔ حسنؒ کا یا کسی بزرگ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ اگر منافقوں کی دمیں نکل آئیں تو ہمارے لیے زمین پر پاؤں رکھنا مشکل ہو جائے یعنی تمام زمین ان کی دموں سے چھپ جائے۔ یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب منافقین کی کثرت ہو۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے کسی شخص کو حجاج کے متعلق کنایۃً کچھ کہتے ہوئے سنا۔ آپ نے اس شخص سے دریافت کیا کہ اگر حجاج یہاں موجود ہوتا تب بھی تو اس کا ذکر اسی طرح کرتا۔ اس نے کہا' نہیں ! آپ نے فرمایا کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اسے نفاق تصور کیا کرتے تھے۔ (احمد طبرانی) ایک حدیث میں ہے :

من کان ذالسانین فی الدنیا جعله اللہ ذالسانین فی الآخرة (بخاری' ابوداؤد)

جو شخص دنیا میں دو زبانوں والا ہوتا ہے اللہ آخرت میں بھی اس کی دو زبانیں بنادیں گے۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

شر الناس ذوالوجهین الذی یاتی هؤلاء بوجه ویاتی هؤلاء بوجه (بخاری و مسلم)

بد ترین شخص وہ ہے جو دو چہرے رکھتا ہو' ان کے پاس ایک رخ سے آئے اور ان کے پاس دوسرے رخ سے۔

حضرت حسن بصریؒ سے کسی نے کہا کہ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم نفاق سے نہیں ڈرتے۔ آپ نے فرمایا' بخدا اگر مجھے یہ معلوم

ہو جائے کہ میں نفاق سے بری ہوں تو یہ چیز میرے لیے سونے کے ٹیلوں سے زیادہ محبوب ہے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ زبان کا دل سے باطن کا ظاہر ہے اور مدخل کا مخرج سے مختلف ہونا نفاق ہے۔ ایک شخص نے حضرت حذیفہؓ سے عرض کیا کہ میں منافق ہونے سے ڈرتا ہوں۔ فرمایا ! تم منافق نہیں ہو اگر منافق ہوتے تو نفاق سے نہ ڈرتے۔ اس لیے کہ منافق نفاق سے بے خوف ہوتا ہے۔ ابن ابی ملیکہؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک سو تیس اور ایک روایت میں ڈیڑھ سو صحابہؓ کو دیکھا ہے کہ وہ سب نفاق سے ڈرتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ :

ان رسول صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان جالسافی جماعة من اصحاب فذکروا رجلا و آکثر والثناء علیہ ○ فبیناھم کذلک اذ طلع علیھم الرجل و وجھه یقطر ماء من اثر الوضوء و قد علق نعله بیده ○ بین عینیه اثر السجود ○ فقالوا یا رسول اللّٰہ هو هذا الرجل الذی و صفناه فقال صلی اللّٰہ علیه وسلم اری علی وجهه سفعة من الشیطان ○ فجاء الرجل حتّٰی سلم و جلس مع القوم فقال النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ! تشدد تک اللّٰہ هل حدثت نفسک حین اشرفت علی القوم انه لیس فیھم خیر منک فقال اللھم نعم ○ (احمد، بزار، دار قطنی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی ایک جماعت میں تشریف فرما تھے کہ لوگوں نے ایک شخص کا ذکر کیا اور اس کی بے حد تعریف و توصیف کی۔ اسی اثناء میں وہ شخص ان کی طرف آتا ہوا نظر آیا۔ اس کے چہرے سے وضوء کا پانی ٹپک رہا تھا۔ اس نے جوتے اپنے ہاتھ میں لے رکھے تھے اور پیشانی پر سجدوں کا نشان تھا۔ لوگوں نے عرض کیا : یا رسول اللہ ! یہی وہ شخص ہے جس کا ہم ذکر کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا : میں اس کے چہرے پر شیطان کی کھسوٹ کا نشان دیکھ رہا ہوں۔ چنانچہ وہ شخص آیا اس نے سلام کیا اور لوگوں کے قریب بیٹھ گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ارشاد فرمایا۔ میں تجھے اللہ کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ کیا اس وقت جبکہ تو ان لوگوں کی طرف آرہا تھا تیرے دل میں یہ بات نہیں تھی کہ ان میں کوئی تجھ سے بہتر نہیں ہے۔ اس نے عرض کیا، بے شک یہ بات تھی۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں فرماتے تھے۔

اللّٰھم انی استغفرک لما علمت ولما لم اعلم ○ فقیل له ○ اتخاف یا رسول اللّٰہ ؟ فقال وما یو مننی والقلوب بین اصبعین من اصابع الرحمٰن یقلبھا کیف یشاء ○ (مسلم)

اے اللہ ! میں تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں اس کی جسے میں جانتا ہوں اور جسے میں نہیں جانتا۔ عرض کیا گیا ! یا رسول اللہ آپ بھی ڈرتے ہیں؟ فرمایا ! میں کس طرح بے خوف ہو جاؤں۔ دل اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں وہ جس طرح چاہے انہیں الٹتا پلٹتا رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَبَدَالَهُم مِّنَ اللّٰهِ مَالَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ ○ (پ ۲۴، ر ۲، آیت ۴۷)

اور خدا کی طرف سے ان کو وہ معاملہ پیش آوے گا جس کا ان کو گمان بھی نہ تھا۔

اس کی تفسیر میں علماء یہ کہتے ہیں کہ لوگ عمل کریں گے اور انہیں نیکیاں سمجھیں گے حالانکہ قیامت میں وہ اعمال بدی کے

پلڑے میں رکھے جائیں گے۔ سری سقطیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی باغ میں جائے جس میں سب طرح کے درخت ہوں اور ان پر ہر طرح کے پرندے ہوں' ہر پرندہ اس شخص کی زبان میں گفتگو کرے اور یہ کہے کہ اے خدا کے ولی تجھ پر سلامتی ہو اور دل اس پر مطمئن ہو جائے تو وہ شخص ان کے ہاتھوں گرفتار ہوگا۔

بہرحال ان آثار و روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نفاق اور شرک خفی خطرناک امور ہیں۔ ان سے بے خوف رہنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ حضرت حذیفہؓ سے اپنے نفس کے احوال معلوم کیا کرتے تھے کہ کہیں میرا ذکر تو منافقین میں نہیں ہوا۔ ابو سلیمان دارانی کہتے ہیں کہ میں نے بعض امراء سے ایک بات سنی' چاہا کہ ان کی اس بات کا انکار کردوں مگر مجھے یہ خوف ہوا کہ کہیں وہ لوگ میرے قتل کا حکم نہ دیدیں۔ مجھے موت کا ڈر نہیں تھا بلکہ اس بات کا ڈر تھا کہ جان نکلنے کے وقت میرے دل میں یہ خیال نہ آجائے کہ میں مخلوق کی نظروں میں اچھا ہوں اس لیے میں نے انکار نہیں کیا۔ اس طرح کا نفاق اصل ایمان کے خلاف نہیں ہوتا بلکہ ایمان کی حقانیت' صداقت اور کمال کے خلاف ہوتا ہے۔ اصل میں نفاق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو منافق کو دین سے خارج کرکے کافروں کے زمرے میں شامل کردے دوسرا وہ جو اپنے مرتکب کو کسی خاص مدت کے لیے جہنم کی آگ کا مستحق بنادے یا اسے علیین اور صدیقین کے درجات سے گرادے۔ اس قسم میں شک ہوا کرتا ہے۔ اس کے لیے انشاء اللہ کہنا مستحسن ہے۔ اس نفاق کی اصل یہ ہے کہ ظاہر و باطن میں فرق ہو' خدا تعالیٰ سے بے خوفی اور عجب پایا جائے۔ یہ وہ امور ہیں جن سے صدیقین کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں بچ سکتا۔

چوتھی صورت : بھی شک پر مبنی ہے اور یہ شک خاتمے کے خوف کی بنیاد پر ہوتا ہے یعنی آدمی کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ موت کے وقت اس کا ایمان باقی رہے گا یا نہیں۔ اگر خاتمہ کفر پر ہوا تو سابقہ ایمان بھی لغو قرار پایا اس لیے کہ اس کی صحت و افادیت انجام کی سلامتی پر موقوف تھی۔ جیسے روزہ دار سے اگر یہ پوچھا جائے کہ کیا تم روزے سے ہو اور وہ اثبات میں جواب دے۔ بعد میں وہ غروب آفتاب سے پہلے کسی وقت افطار کرلے تو اس کا پہلا قول جھوٹ قرار پائے گا اس لیے کہ روزے کی صحت آفتاب کے غروب ہونے پر موقوف ہے۔ اگرچہ تمام دن روزہ کا وقت ہے۔ اسی طرح زندگی کے تمام ماہ و سال ایمان کے ساتھ گذرے ہیں لیکن ایمان کامل اسی وقت ہوتا ہے جب خاتمہ بھی ایمان پر ہو۔ اس لیے کہ مؤمن کے ساتھ وہی ایمان باقی رہتا ہے۔ جہاں تک خاتمے کا سوال ہے اس کے بارے میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ یہ ایک خطرناک مرحلہ ہے۔ بہت سے عارف باللہ محض اسی خوف سے روتے رہتے تھے کہ کہیں انجام خراب نہ ہوجائے کیونکہ خاتمہ فیصلہ سابقہ اور خواہش ازلی کا نتیجہ و ثمرہ ہے اور خواہش ازلی اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب وہ چیز ظاہر ہو جس پر حکم کا ترتب ہوتا ہے اور خواہش ازلی سے کوئی شخص واقف نہیں ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ حال سے وہ چیز ظاہر ہوتی ہے جس کے مشیت سابقہ خلاف ہو۔ اس صورت میں کون جان سکتا ہے کہ میں ان لوگوں میں سے ہوں جن کے بارے میں کاتب تقدیر نے حسنِ تقدیر کا فیصلہ لکھا ہے۔ بعض لوگوں نے قرآن پاک کی اس آیت کی تفسیر میں :

وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۝ (پ ۲۶' ر ۱۶' آیت ۱۹)

اور موت کی سختی حقیقتاً آپہنچی۔

لکھا ہے کہ حق سے مراد سابقۂ ازلی ہے یعنی موت کے وقت اس سابقۂ ازلی کا ظہور ہوگا۔ پہلے سے کوئی واقف نہیں کہ کیا ہونے والا ہے۔ بعض بزرگان دین فرماتے ہیں کہ قیامت میں صرف وہ اعمال تولے جائیں گے جو خاتمے سے متعلق ہوں گے۔ حضرت ابو الدرداء فرمایا کرتے تھے کہ خدا کی قسم! جو شخص اپنے ایمان کے سلب ہونے سے بے خوف ہوگا اس کا ایمان ضرور سلب ہوجائے گا۔ بعض علماء کا قول ہے کہ کچھ گناہ ایسے ہیں جن کی سزا انجام کی خرابی ہے۔ (اللہ تعالیٰ کی ہم ان گناہوں سے پناہ مانگتے

ہیں) ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ولایت اور کرامت کے متعلق جھوٹے دعوے کرنے والے شخص کی سزا یہ ہے کہ اس کا خاتمہ اچھا نہیں ہوتا۔ ایک بزرگ یہ کہتے ہیں کہ اگر مجھے مکان کے دروازے پر شہادت مل رہی ہو اور کمرہ میں توحید پر موت مل رہی ہو تو میں کمرے میں مرنے کو ترجیح دوں گا۔ مجھے کیا معلوم کہ صحن طے کرکے مکان کے دروازے تک پہنچنے میں میرے دل کی توحید میں کیا تبدیلی واقع ہوگی؟ ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ میں کسی شخص کو پچاس سال تک موحّد سمجھتا رہوں پھر میرے اور اس کے درمیان ایک ستون حائل ہو جائے اور اسی لمحے اس کی موت آجائے تو میں یہ نہیں کہوں گا کہ وہ توحید پر مرا ہے اس لیے کہ اتنے عرصے میں اس کے دل کا حال معلوم نہیں۔ ایک حدیث میں ہے:

من قال انا مؤمن فھو کافر و من قال انا عالم فھو جاھل ○ (۱)

جو شخص یہ کہے کہ میں مومن ہوں تو وہ کافر ہے اور جو شخص یہ کہے کہ میں عالم ہوں وہ جاہل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ○ (پ ۸، ر ۱، آیت ۱۱۵)

اور آپ کے رب کا کلام واقعیت اور اعتدال کے اعتبار سے کامل ہے۔

اس آیت کے بارے میں مفسرین فرماتے ہیں کہ صدق اس شخص کے لئے ہے جس کا ایمان پر خاتمہ ہوا ہو اور عدل اس شخص کے لئے جو شرک پر مرا ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ○ (پ ۱۷، ر ۱۳، آیت ۴۱)

اور اللہ ہی کے لیے امور کا انجام ہے۔

جب شک کا یہ عالم ہے تو انشاء اللہ کا کہنا واجب ہے۔ ایمان اسے کہتے ہیں جو جنت کے لیے مفید ہو۔ جس طرح روزہ اس عمل کو کہتے ہیں جو روزہ دار کو عند اللہ بریّ الذمّہ کردے جو روزہ غروب آفتاب سے پہلے ختم کردیا گیا ہو وہ بریّ الذمّہ نہیں کرتا۔ اس لیے اسے روزہ نہیں کہیں گے۔ یہی حال ایمان کا ہے بلکہ اس تفصیل کے بعد تو اگر کوئی شخص گذرے ہوئے کل کے روزہ کے بارے میں استفسار کرے تو اس کے جواب میں بھی انشاء اللہ کہنا چاہیئے۔ اس لیے کہ حقیقی روزہ وہ ہے جو مقبول ہوا ہو اور مقبولیت کے بارے میں خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ اس اعتبار سے ہر عمل خیر میں انشاء اللہ کہنا بہتر ہے۔ ان مواقع پر انشاء اللہ کہنے کا مطلب یہ ہوگا کہ کہنے والے کو اپنے عمل کے مقبول ہونے میں شک ہے۔ اگرچہ عمل کی تمام ظاہری شرائط موجود ہیں لیکن کچھ پوشیدہ اسباب بھی ہیں جنہیں خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ یہ اسباب اس عمل کی قبولیت کی راہ میں مانع بھی ہوسکتے ہیں۔ اس اعتبار سے شک کرنا صحیح ہے اور انشاء اللہ کہنا درست ہے۔

---

(۱) طبرانی نے اس روایت کا دوسرا حصہ ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے۔ پہلا حصہ یحییٰ ابن منصور کا مقولہ ہے۔ ابو منصور دیلمی نے براء ابن عازب سے روایت مکمل نقل کی ہے۔

کتاب اسرار الطہارۃ
طہارت کے اسرار

طہارت کے فضائل : طہارت کے فضائل ان آیات میں واحادیث سے ثابت ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

(۱) بنی الدین علی النظافۃ ○ (۱)
دین کی بنیاد صفائی ستھرائی پر رکھی گئی ہے۔

(۲) مفتاح الصلوٰۃ الطھور ○ (ابوداؤد' ترمذی)
نماز کی کنجی طہارت ہے۔

(۳) الطھور نصف الایمان ○ (ترمذی)
پاکی آدھا ایمان ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا :

(۱) فِیۡہِ رِجَالٌ یُّحِبُّوۡنَ اَنۡ یَّتَطَہَّرُوۡا وَاللّٰہُ یُحِبُّ الۡمُطَّہِّرِیۡنَ ○ (پ ۱۱' ر ۲' آیت ۱۰۸)
اس میں ایسے آدمی ہیں کہ خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے۔

(۲) مایرید اللہ لیجعل علیکم من حرج ولکن یرید لیطھرکم۔ (پ ۶' ر ۶' آیت ۶)
اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں کہ تم پر کوئی تنگی ڈالے لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ تم کو پاک صاف رکھے۔

اہلِ بصیرت نے ان آیات و روایات کی روشنی میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ زیادہ اہم معاملہ باطن کی طہارت ہے اس لیے کہ یہ بات کچھ عجیب معلوم ہوتی ہے کہ "الطھور نصف الایمان" سے مراد یہ ہو کہ آدمی اپنے ظاہر کو پانی بہا کر پاک وصاف کرلے اور باطنی نجاستوں سے آلودہ رہے۔ یہ مراد ہرگز نہیں ہوسکتی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ طہارت کے چار مراتب ہیں اور ہر مرتبے میں جتنا عمل ہے طہارت اس عمل کا نصف ہے۔

طہارت کے مراتب : طہارت کے چاروں مراتب یہ ہیں۔ اوّل ظاہری بدن وغیرہ کو حدث' نجاست اور گندگی سے پاک کرنا۔ دوم اعضاء کو گناہوں اور خطاؤں سے پاک کرنا۔ سوم دل کو اخلاقِ رذیلہ اور عاداتِ خبیثہ سے پاک کرنا۔ چہارم باطن کو خدا تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز سے پاک کرنا۔ یہ چوتھی طہارت انبیاء علیہم السلام اور صدّیقین کے ساتھ مخصوص ہے۔ ان میں سے ہر مرتبہ نصف عمل ہے اگر پورے عمل کو ایمان قرار دیا جائے تو ہر مرتبہ نصف ایمان قرار پائے گا۔ مثلاً چوتھے مرتبے میں مقصودِ حقیقی یہ ہے کہ اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کی جلالت و عظمت منکشف ہوجائے اور اسے خدا تعالیٰ کی مکمل معرفت حاصل ہوجائے لیکن خدا تعالیٰ کی معرفت باطن میں اس وقت تک حلول نہیں کرتی جب تک کہ دل سے خدا کے سوا سب چیزیں نہ نکل جائیں۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے۔

---

(۱) یہ حدیث ان الفاظ میں نہیں ملی البتہ ابن حبّان نے حضرت عائشہؓ کی ایک روایت نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔ "تنظفوا فان الاسلام نظیف" لیکن محدّثین نے اسے ضعیف کہا ہے۔ کتابُ العلم کے پانچویں باب میں بھی یہ روایت گذر چکی ہے۔

قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ○ (پ ۷، ر ۱۷، آیت ۹۱)
آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے پھران کو ان کے مشغلے میں بیہودگی کے ساتھ رہنے دیجئے۔

اس لیے کہ اللہ اور ماسویٰ اللہ (اللہ کے علاوہ دوسری چیزیں) ایک دل میں جمع نہیں ہوتیں، نہ اللہ نے انسان کے سینے میں دو دل بنائے ہیں کہ ایک دل میں معرفتِ الٰہی ہو اور دوسرے دل میں غیر اللہ ہو۔ یہاں دو چیزیں ہیں۔
(۱) دل کو غیر اللہ سے پاک کرنا (۲) دل میں معرفتِ الٰہی کا آنا۔ ان میں اول یعنی باطن کا پاک کرنا نصف ہے اور نصف دل میں معرفتِ الٰہی کا آنا ہے۔

اسی طرح تیسرے مرتبے میں مقصودِ حقیقی یہ ہے کہ دل اخلاقِ محمودہ اور عقائدِ شرعیہ سے معمور ہو جائے لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے جب دل کو اخلاقِ رذیلہ اور عقائدِ فاسدہ سے پاک کرلیا جائے۔ یہاں بھی دو چیزیں ہیں۔ جن میں سے ایک دل کو اخلاقِ رذیلہ اور عقائدِ فاسدہ سے پاک کرنا ہے اور یہ قلب کے عمل کا نصف ہے۔ اسی طرح اعضاء کو گناہوں سے پاک کرنا ایک چیز ہے اور انہیں طاعات سے معمور کرنا دوسری چیز۔ ان دونوں سے مل کر اعضاء کا عمل مکمل ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے اعضاء کا پاک کرنا نصفِ عمل ہوا۔ اسی پر ظاہر بدن کی طہارت کو بھی قیاس کرلینا چاہیئے۔ طہارت کو نصفِ ایمان کہنے کے یہ معنیٰ ہیں جو سطور میں مذکور ہوئے۔

یہ مراتبِ ایمان کے مقامات ہیں اور ہر مقام کا ایک درجہ ہے۔ بندہ اس وقت تک بلند درجے پر نہیں پہنچتا جب تک کہ نیچے کے تمام درجات طے نہ کرے۔ مثلاً باطن کو اخلاقِ رذیلہ سے پاک کرنا اور اسے اخلاقِ حسنہ سے معمور کرنا ایک درجہ ہے۔ یہ درجہ اس وقت تک حاصل نہیں ہوگا جب تک اخلاقِ رذیلہ سے دل کی تطہیر نہ ہو جائے۔ اسی طرح دل کی تطہیر کا درجہ اس وقت تک حاصل نہیں ہوگا جب تک کہ گناہوں سے اعضاء کی تطہیر نہ ہو جائے۔

یہاں یہ امر بھی ملحوظ رہنا چاہیئے کہ جو چیز جس قدر عزیز اور ارفع و اعلیٰ ہوتی ہے اسے حاصل کرنا اتنا ہی مشکل اور دشوار گذار ہوتا ہے۔ یہ محض خواہش یا آرزو سے کسی جدّوجہد اور کوشش کے بغیر اسے حاصل کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ چنانچہ یہ وہ درجات ہیں جو سہلُ الحصول نہیں ہیں بلکہ ان کا راستہ تنگ، دشوار گذار اور طویل ہے۔ ہاں وہ شخص جس کی چشمِ بصیرت ان درجات کے مشاہدہ سے محروم ہو، صرف ظاہری طہارت کو طہارت سمجھتا ہے۔ حالانکہ ظاہری طہارت اور طہارت کے دوسرے درجات میں وہی نسبت ہے جو مغز اور پوست میں ہوتی ہے۔ دیدہ بینا سے محروم شخص ظاہری طہارت کو اصل مقصود سمجھتا ہے، اس میں انتہائی غور و فکر کرتا ہے۔ ظاہر بدن کی طہارت کے طریقوں میں مبالغے سے کام لیتا ہے اور اپنے تمام اوقات کپڑے دھونے اور ظاہر جسم صاف کرنے میں صرف کرتا ہے۔ اس خیال سے کہ اصل مقصود یہی طہارت ہے۔ اس کا یہ خیال وسوسوں پر اور فسادِ عقل پر مبنی ہے اسے سلفِ صالحین کی سیرت کا علم نہیں۔ وہ لوگ قلب کی طہارت کا زیادہ اہتمام کرتے تھے۔ ظاہرِ بدن کی نظافت کا ان کے یہاں زیادہ اہتمام نہیں تھا۔

صحابہ کرامؓ اور ظاہر بدن کی نظافت : چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ و منصب کی بلندی کے باوجود ایک نصرانی عورت کے گھڑے کے پانی سے وضوء کرلیا تھا۔ حضرات صحابہؓ کھانے کے بعد چکنائی وغیرہ دور کرنے کے لیے ہاتھ نہیں دھوتے تھے بلکہ انگلیوں کو پاؤں کے تلووں سے رگڑ لیتے تھے۔ اشنان (اشنان ایک قسم کی بوٹی ہے جس سے ہاتھ دھوئے جاتے ہیں) کو نو ایجاد بدعتوں میں شمار کرتے۔ مساجد میں ننگی زمین پر فرش کے بغیر نماز پڑھتے اور ننگے پاؤں چلتے تھے۔ جو شخص لیٹنے کے لیے کچھ بچھانے کے بجائے خاک کو بستر بناتا اسے اکابر میں سے سمجھا جاتا تھا۔ استنجے وغیرہ میں ڈھیلے استعمال کیے جاتے۔ چنانچہ ابو ہریرہؓ اور دوسرے اہلِ صُفّہ ارشاد فرماتے ہیں۔

کنا ناکل الشواء فتقام الصلوۃ فندخل اصابعنا فی الحصی ○ ثم نفرکھا بالتراب ○

ہم لوگ بھنا ہوا گوشت کھاتے اور نماز شروع ہو جاتی تو ہم اپنی انگلیوں کو کنکروں میں ڈال دیتے اور انہیں مٹی سے رگڑ لیتے۔ (۱)

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں :

ما کنا نعرف الاشنان فی عصر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانما کانت منادیلنا بطون ارجلنا کنا اذا اکلنا الغمر مسحنابھا ○ (۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہم یہ نہیں جانتے تھے کہ اشنان کیا ہوتا ہے۔ ہمارے تلوے ہمارے تولیے ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ جب ہم کوئی چکنی چیز کھاتے تو تلوؤں سے ہاتھ صاف کرلیا کرتے تھے۔

کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد چار چیزیں پہلے ایجاد ہوئیں۔ ایک چھلنی (آٹا وغیرہ چھاننے کے لیے) دوسرے اشنان' تیسری دسترخوان' چوتھے پیٹ بھر کھانا۔ ان روایات سے سمجھ میں آتا ہے کہ صحابہ کرامؓ اور سلف صالحینؒ کی تمام تر توجہ باطن کی طہارت پر تھی۔ ظاہر کی نظافت پر نہیں۔ حتیٰ کہ بعض اکابر سلف سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ جوتوں سمیت نماز پڑھنے کو افضل قرار دیتے تھے۔ ان کا استدلال حضرت ابو سعید خدریؓ کی اس روایت سے تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں جوتے اس وقت اتارے جب جبرئیل علیہ السلام نے آکر یہ خبر دی کہ آپ کے جوتوں میں نجاست لگی ہوئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر جوتوں میں نجاست لگی ہوئی ہو تو نماز صحیح نہیں ہوگی۔ (مترجم) آپ کو دیکھ کر لوگوں نے بھی اپنے جوتے اتار ڈالے۔ آپ نے فرمایا :

لما خلعتم نعالکم ○ (ابوداؤد)

تم نے اپنے جوتے کیوں اتار دیئے؟

نخعیؒ جوتا اُتار کر نماز پڑھنے والوں کو برا سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ ان لوگوں کے جوتے کوئی محتاج اٹھا کرلے جائے۔

ہمارے دور کی حالت : ان ظاہری امور کے سلسلے میں اکابر سلف یہ مزاج رکھتے تھے' چنانچہ ننگے پاؤں کیچڑ میں چلتے پھرتے اور اسی حالت میں بیٹھ جاتے۔ مسجدوں میں زمین پر نماز پڑھ لیتے' جو اور گیہوں کی روٹی کھاتے حالانکہ جانور کھلیانوں میں جو اور گیہوں کی بالیوں کو اپنے کھروں سے روندتے ہیں اور اسی میں پیشاب کردیتے ہیں اور وہ لوگ اونٹ اور گھوڑں کے پسینے سے بھی احتراز نہیں کرتے تھے' حالانکہ یہ جانور عموماً نجاستوں میں لوٹ لگاتے ہیں' کسی بھی صحابی یا اکابر سلف میں سے کسی بھی بزرگ کے متعلق یہ نہیں لکھا کہ وہ نجاستوں میں باریک بینی کی عادت رکھتے ہوں' اب یہ رعونت اور کبر و غرور کو نظافت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور یہ دلیل دی جاتی ہے کہ دین کی بنیاد نظافت ہے' عام طور پر لوگ اپنے ظاہر کی تزئین و آرائش میں مشغول رہتے ہیں' اس طرح اپنے جسم کو سنوارتے ہیں جس طرح مشاطہ دلہن کو سنوارتی ہے۔ حالانکہ انکے باطن' کبر' خود پسندی' جہالت' ریا اور نفاق سے آلودہ رہتے ہیں' باطن کی ان آلودگیوں کو برا سمجھا جاتا ہے اور نہ انکے ازالے کی کوشش کی جاتی ہے' ہاں اگر کسی شخص کو دیکھ لیں کہ وہ استنجاء کرنے میں صرف ڈھیلے استعمال کرتا ہے' ننگے پاؤں پھرتا ہے مسجد کے فرش پر جائے نماز بچھائے بغیر نماز پڑھتا ہے یا کسی

---

(۱) یہ روایت ابو ہریرہؓ سے نہیں ملی البتہ ابن ماجہ میں عبداللہ ابن الحارث سے منقول ہے۔ (۲) ابن ماجہ میں یہ روایت جابر ابن عبداللہ سے منقول ہے۔ حضرت عمرؓ سے ہمیں نہیں ملی۔

بوڑھیا کے برتن سے' اور غیر محتاط آدمی کے پانی سے وضوء کرتا ہے تو اس کے خلاف قیامت برپا کردی جاتی ہے' اس پر سخت نکیر کی جاتی ہے' ناپاک پلید کے القاب سے نوازا جاتا ہے۔ اس سے علیحدگی اختیار کی جاتی ہے' اور اس کے ساتھ کھانے پینے' ملنے جلنے میں احتیاط کی جاتی ہے۔ سبحان اللہ! کیا دور ہے؟ تواضع' انکساری' اور شکستہ حالی کو ناپاکی کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ ایمان کا جزء ہے' اور رعونت کے نظافت سے تعبیر کرتے ہیں۔ برائی اچھائی ہو گئی ہے' اور اچھائی برائی ہو گئی ہے' دین کی حقیقت مسخ ہو گئی' علم مٹ گیا۔ اب دین کا مزاج بھی مسخ کیا جارہا ہے۔

<u>صوفیائے کرام اور نظافت</u> : اگر یہ کہا جائے کہ صوفیائے کرام نے اپنی ظاہری شکل و صورت اور نظافت کے باب میں جو صورتیں اختیار کی ہیں کیا تم انھیں بھی برا سمجھتے ہو' اس کا جواب یہ ہے کہ ہم کسی چیز کو مطلق برا نہیں کرتے نظافت' تکلّف' آلات اور برتنوں کی تیاری' جرابیں پہننا' سر پر غبار سے بچنے کیلئے رومال یا چادر وغیرہ ڈالنا بذاتِ خود مباح اور جائز امور ہیں' مگر احوال اور نیات کے فرق کے ساتھ یہ امور اچھے بھی ہو سکتے ہیں اور برے بھی ہو سکتے ہیں۔

جہاں تک مذکورہ امور کی اباحت کا مسئلہ ہے' اس کی وجہ ظاہر ہے' جو شخص بھی یہ سب کچھ کرتا ہے' وہ اپنے مال' بدن کپڑوں میں تصرف کرتا ہے' یہ تصرف اس کیلئے جائز ہے' مگر شرط یہ ہے کہ اس تصرف میں مال کا ضیاع اور اسراف نہ ہو' ان امور کی برائی یہ ہے کہ انھیں اصل دین ٹھہرالیا جائے' اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک "بنی الدین علی النظافة" کو ان چند امور پر ہی محمول کیا جائے۔ اور جو ان امور میں مشغول نہ ہو اس پر اعتراضات کیے جائیں۔ ان کی برائی کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ظاہری زیب و زینت محض اس لیے کی جائے کہ لوگوں کے نظروں میں پسندیدہ و محبوب ہو۔ اس صورت میں یہ امور ممنوع ریاکاری میں شمار کیے جائیں گے۔ ان امور کے جواز کی یہی صورت ہے کہ ان سے مقصود بہتر ہو' زینت ہو' جو ان امور میں مشغول نہ ہو اس پر اعتراض نہ کیا جائے۔ نہ ان امور میں مصروف ہونے کی وجہ سے اول وقت کی نماز میں تاخیر ہو' اور نہ ان کی وجہ سے کوئی ایسا عمل (مثلاً تعلیم و تربیت وغیرہ) ترک ہو ان سے بہتر ہے۔ اگر یہ تمام شرائط ملحوظ رہیں تو ان امور کے مباح ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ خیر کی نیت کرنے سے کچھ ثواب بھی حاصل ہو جائے۔ ان ناکارہ لوگوں کیلئے نظافت و طہارت میں مشغول رہنا خیر کا باعث ہے جو اگر اس میں مشغول نہ ہوں تو ان کے اوقات سونے میں' یا لغو باتوں میں ضائع ہوں۔ اس لیے کہ اگر ان سے اور کچھ حاصل نہ ہو تو یہ ضرور حاصل ہو گا کہ ذکر اللہ' اور عبادتِ الٰہی کی یاد از سرِ نو تازہ ہو جائے گی۔ ان میں اگر اسراف نہ ہو' اور ان کے ذریعے خیر کی نیت ہو تو کاہلوں کے حق میں بہتر ہیں' مگر اہل علم اور اربابِ علم کو چاہیئے کہ وہ اپنے اوقات ان امور میں صرف بقدرِ ضرورت صرف کریں' ضرورت سے زائد ان میں مشغول رہنا ایسے لوگوں کے حق میں مفید نہیں ہے۔ عمر جیسے نفیس جوہر کو ان امور میں ضائع کرنے سے کیا فائدہ؟

<u>نیکوں کی نیکیاں مقربین کی برائیاں</u> : اس پر تعجب نہ کیجئے کہ ایک ہی چیز کچھ لوگوں کے حق میں مفید ہے' اور کچھ دوسرے لوگوں کے حق میں غیر مفید' اس لیے کہ نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین کی برائیاں ہوتی ہیں۔

بیکار لوگوں کیلئے مناسب نہیں کہ وہ نظافت کے سلسلے میں صوفیاء پر اعتراض کریں' اور خود اس کے پابند نہ ہوں۔ اور یہ دعویٰ کریں کہ ہم صحابہؓ سے مشابہت رکھتے ہیں' اس لیے کہ ان کی مشابہت تو اس میں تھی کہ بجز اہم ترین امور کے کسی اور کام کیلئے لمحہ بھر کی فرصت نہ ہو۔ چنانچہ داؤد طائی سے کسی نے کہا کہ تم اپنی داڑھی میں کنگھی کیوں نہیں کرتے' انھوں نے جواب دیا' مجھے اس کی فرصت کہاں' یہ کام تو بیکاروں کا ہے۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ کسی عالم متعلم اور عامل کیلئے مناسب نہیں کہ وہ دھلے ہوئے کپڑے پہننے سے احتراز کرے اور یہ وہم کرے کہ دھوبی نے دھونے میں کچھ نہ کچھ کوتاہی ضرور کی ہو گی' اور پھر خود دھونے بیٹھ جائے' اور اپنا قیمتی وقت ضائع کرے قرونِ اولیٰ کے لوگ تو دباغت دی ہوئی پوستینوں میں نماز پڑھ لیا کرتے تھے' حالانکہ طہارت

کے اعتبار سے دباغت دیئے ہوئے اور دھلے ہوئے کپڑوں میں فرق ہے۔ لیکن وہ لوگ نجاست سے اسی وقت بچتے تھے جب اس کا مشاہدہ کرلیتے تھے' یہ نہیں کہ بال کی کھال نکالنے بیٹھ جاتے اور نجاست کے وہم میں مبتلا رہتے۔ البتہ ریا کاری اور ظلم جیسے عیوب میں غور و فکر کرتے' ان کی باریکیوں پر نظر ڈالتے' حضرت سفیان ثوریؒ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے کسی رفیق کے ساتھ ایک بلند و بالا مکان کے پاس سے گذرے' آپ نے اپنے رفیق سے فرمایا: تم کبھی ایسا مکان مت بنوانا' اگر اس مکان کو لوگ نہ دیکھتے تو صاحبِ مکان کبھی یہ بلند و بالا محل نہ بنواتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ محض ریا کاری اور دکھاوے کیلئے مکانات نہ بنوانے چاہئیں' اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دیکھنے والا بھی مُسرِف کیلئے اسراف پر معین ہوتا ہے۔ یہ لوگ نجاستوں کے احتمالات تلاش کرنے کی بجائے اپنے ذہن کو اسی طرح کے امور آخرت میں مشغول رکھتے تھے۔ چنانچہ کسی عالم کو اگر کوئی عام آدمی ایسا مل جائے جو احتیاط کے ساتھ اس کے کپڑے دھو دیا کرے تو یہ بہتر ہے' عام آدمی کیلئے اس میں یہ فائدہ ہے کہ اس کا نفسِ امارہ ایک مباح کام میں مصروف رہے گا' کچھ ہی دیر کیلئے سہی گناہوں سے باز رہے گا۔ کیونکہ نفس کو اس کام میں مشغول نہ رکھا جائے تو وہ انسان کو اپنے کاموں میں مشغول کرلیتا ہے' یہ تو اس وقت ہے جب عام آدمی عالم کے کپڑے اُجرت وغیرہ پر دھو رہا ہو اور اگر اس کا مقصد یہ ہے کہ اس خدمت سے اسے عالم کی قربت نصیب ہوگی تو اس کا یہ عمل افضل ترین ہوگا۔ اس لیے کہ عالم کا وقت اس سے افضل و اعلیٰ ہے کہ اس کے کپڑے دھونے وغیرہ کاموں میں صرف کیا جائے' عام آدمی کے اس عمل سے اس کا وقت محفوظ رہے گا' اور خود کیونکہ اس کیلئے افضل و اعلیٰ وقت یہ ہے کہ وہ ایسے ہی کاموں میں معروف ہو تو اس پر ہر طرف سے خیر و برکات نازل ہونگی۔ اس مثال سے دوسرے اعمال کے نظائر' ان کے فضائل کی ترتیب' اور ان میں سے ایک دوسرے پر مقدم ہونے کی وجوہات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئیں۔ اس لیے کہ زندگی کے لمحات کو افضل امور میں صرف کرنے کیلئے حساب لگانا اس سے اچھا ہے کہ دنیاوی امور کی تدقیق و تحقیق میں وقت ضائع کیا جائے۔

یہ ایک تمہیدی گفتگو تھی' اس سے آپ کو یہ معلوم ہوا کہ طہارت کے چار مراتب ہیں۔ ہم نے چاروں مراتب کی تفصیل بیان کی۔ اس باب میں ہم صرف ظاہر بدن کی طہارت پر گفتگو کرتے ہیں۔ کیونکہ اس کتاب کے نصفِ اول میں ہم نے صرف وہ مسائل ذکر کئے ہیں جن کا تعلق ظاہر سے ہے۔ ظاہر بدن کی طہارت کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) نجاست ظاہری سے پاک ہونا۔ (۲) طہارت حکمی یعنی حدث سے پاک ہونا۔ (۳) فضلات بدن سے پاک ہونا' یہ طہارت کاٹنے یا استرے وغیرہ سے صاف کرنے' یا نورہ لگانے سے حاصل ہوتی ہے۔ ہم ان تینوں قسموں کو الگ الگ بیان کرتے ہیں۔

پہلا باب

نجاست ظاہری سے پاک ہونا

اس باب میں تین امور پر روشنی ڈالی جائے گی۔ (۱) ایک وہ چیز جسے دور کریں یعنی نجاستیں۔ (۲) دوسرے وہ چیز جس سے نجاست دور کریں یعنی پانی وغیرہ۔ (۳) تیسرے نجاستیں دور کرنے کا طریقہ۔

دور کی جانے والی نجاستیں

وہ چیزیں جنھیں دور کیا جائے نجاستیں ہیں' اعیان تین طرح کے ہیں۔ (۱) جمادات (۲) حیوانات (۳) حیوانات کے اجزاء۔
جمادات کا حال یہ ہے کہ شراب اور کف زدہ نشہ آور چیز کے علاوہ سب پاک ہیں' حیوانات میں کتے' خنزیر اور جو اُن دونوں سے پیدا ہوں ناپاک ہیں باقی سب جانور پاک ہیں۔ لیکن مرنے کے بعد پانچ کے علاوہ تمام حیوانات نجس ہیں۔ اور وہ پانچ یہ ہیں۔ آدمی' مچھلی' ٹڈی' سیب کا کیڑا بھی داخل ہے جو کھانے اور سرکے وغیرہ میں گر جاتے ہیں' وہ جانور جس میں بہتا ہوا خون نہ مثلاً مکھی وغیرہ اس طرح کی چیزیں اگر پانی میں گر جائیں تو پانی ان کے گرنے سے نجس نہیں ہوگا۔
حیوانات کے اجزاء دو طرح کے ہیں ایک وہ جو حیوان سے علیحدہ ہوگئے ہوں اُن کا حکم وہ ہے جو مردے کا ہے۔ البتہ بال وغیرہ علیحدہ ہونے سے ناپاک نہیں ہوتے' ہڈی ناپاک ہوتی ہے۔ (۱) دوسرے وہ رطوبات ہیں جو حیوان کے جسم سے نکلتی ہیں' پھر رطوبتیں بھی دو طرح کی ہیں' کچھ وہ ہیں جو تبدیل نہیں ہوتیں' اور نہ ان کے ٹھہرنے کی جگہ مقرر ہے جیسے آنسو' پسینہ' تھوک' ناک کی ریزش' یہ رطوبات پاک ہیں۔ کچھ وہ ہیں جو تبدیل ہوتی ہیں' اور باطنِ جسم میں ان کے ٹھہرنے کی جگہ مقرر ہے' یہ رطوبات نجس ہیں' البتہ وہ رطوبتیں جو حیوان کی اصل ہوں پاک ہیں مثلاً منی (۲) اور انڈا' خون پیپ' پاخانہ' پیشاب نجس ہیں۔
یہ نجاستیں خواہ زیادہ ہوں یا کم معاف نہیں ہیں' البتہ مندرجہ ذیل میں پانچ نجاستوں میں شریعت نے معافی کی گنجائش رکھی ہے' (۱) ڈھیلے سے استنجاء کرنے کے بعد اگر نجاست کا کچھ اثر باقی رہ جائے تو وہ معاف ہے' بشرطیکہ نکلنے کی جگہ سے آگے نہ بڑھے۔ (۲) راستوں کا کیچڑ' راستے میں پڑے ہوئے گوبر وغیرہ کا غبار معاف ہے' اگرچہ نجاست کا یقین ہو' مگر اس قدر معاف ہے جس سے بچنا مشکل ہے' یعنی جس پر یہ حال گذرے اسے دیکھ کر کوئی شخص یہ نہ کہے کہ اس نے خود نجاست لگائی ہے' یا پھسل کر گر پڑا تھا ( ) موزوں کے نچلے حصے پر جو نجاست لگ جائے وہ بھی معاف ہے' مگر اس کو رگڑ دینا چاہیئے' یہ معافی ضرورت کے پیش نظر دی گئی ہے' اس لیے کہ سڑکوں میں عام طور پر نجاست پڑی رہتی ہے' بسا اوقات اس سے بچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ (۴) پسو وغیرہ کا خون بھی

---

(۱) احناف کے یہاں بال کی طرح ہڈی بھی پاک ہے' مردار کی ہڈی بھی اور انسان کی ہڈی بھی دونوں پاک ہیں۔ (شرح الہدایہ ج ۱' ص ۴۵)
(۲) امام شافعیؒ اور امام احمدؒ منی کو پاک کہتے ہیں امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے مسلک کے مطابق ناپاک ہے' اگر وہ گیلی ہے تو اس کا دھونا ضروری ہے اور خشک ہے تو لکڑی یا ناخن وغیرہ سے کھرچ دینا کافی ہے۔ شوافع بھی منی دھونے کیلئے کہتے ہیں مگر یہ دھونا بطورِ نظافت ہے' بطورِ وجوب نہیں (ہدایہ ج ۱' کتاب الطہارۃ) مترجم۔

معاف ہے خواہ تھوڑا یا زیادہ' لیکن اگر عادت کی حدود سے تجاوز کر جائے۔ تو یہ نجاست معاف نہیں ہوگی۔ اس میں بھی کوئی فرق نہیں کہ خون آپ کے کپڑوں پر لگا ہوا ہو یا کسی دوسرے شخص کے کپڑوں پر جو آپ نے پہن رکھے ہوں (۵) پھنسیوں کا خون' پیپ وغیرہ معاف ہے' حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے اپنے چہرے کی پھنسی کو رگڑ دیا' اس میں سے خون نکلا' آپ نے خود وضوء کیے بغیر نماز پڑھی' ان رطوبات کا بھی وہی حکم ہے جو ناسوروں اور پھنسیوں وغیرہ سے نکلتی ہیں' وہ خون بھی معاف ہے جو پچھنے لگوانے کے بعد جسم سے نکلتا ہے[۱] البتہ وہ امور جو کم واقع ہوں۔ جیسے زخم وغیرہ۔ اس طرح کا خون استحاضہ کے خون کے حکم میں ہے۔ ان پھنسیوں کے حکم میں نہیں جن سے انسان عام طور پر خالی نہیں رہتا۔ شریعت میں ان پانچ نجاستوں سے چشم پوشی کی گئی ہے۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ شریعت نے طہارت کے باب میں سہولت دی ہے۔ اس باب میں جو کچھ نو ایجاد چیزیں ہیں وہ سب وسوسوں پر مبنی ہیں ان کی کوئی اصل نہیں ہے۔

نجاست دور کرنے والی چیزیں

وہ چیزیں جن سے نجاست دور کی جاتی ہے دو طرح کی ہیں۔ جامد' یا سیال' جامد چیز ڈھیلا ہے' جو استنجے کیلئے استعمال کیا جاتا ہے' اگر اس کے ذریعہ نجاست خشک ہو جائے تو طہارت حاصل ہو جاتی ہے' لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ سخت ہو' پاک ہو' نجاست چوسنے والا' اور کسی سبب سے حرمت نہ رکھتا ہو۔ سیال یعنی بہتی ہوئی چیزوں میں صرف پانی ہی ایسی چیز ہے جس سے نجاست دور ہوتی ہے' (۳) لیکن سب طرح کے پانیوں سے نجاست دور نہیں ہوتی' بلکہ نجاست دور کرنے والا پانی وہ ہے جو پاک ہو اور کسی غیر کے ملنے سے اس میں تغیرِ فاحش نہ ہو گیا ہو' اگر پانی میں کوئی نجاست گر پڑے جس سے اس کا مزا' رنگ یا بو بدل جائے تو وہ پانی پاک نہیں رہتا۔ ہاں! اگر نجاست کے گرنے سے ان تینوں وصفوں میں سے کوئی وصف نہ بدلے' اور پانی مقدار میں نو مشکوں' یا ساڑھے چھ من کے قریب ہو تو وہ نجس نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

اذابلغ الماء قلتين لم يحمل خبثا۔ (اصحاب سُنن۔ حاکم)

جب پانی دو قلوں مقدار میں پہنچ جائے تو وہ نجاست کا تحمل نہیں کرتا۔

اگر اس مقدار سے کم پانی ہوگا تو امام شافعیؒ کے نزدیک نجاست کے گرنے سے وہ پانی ناپاک ہو جائیگا۔ یہ حال ٹھہرے ہوئے پانی کا ہے' لیکن بہتے ہوئے پانی کا حکم یہ ہے کہ صرف بدلا ہوا پانی ناپاک ہے' اس سے اوپر یا نیچے کا پانی ناپاک نہیں ہے۔ اس لیے کہ پانی کے بہاؤ جدا جدا ہیں' اسی طرح اگر بہتی نجاست پانی کے بہاؤ میں چلے تو جس جگہ وہ پانی میں گری ہے اور جو پانی اس کے دائیں یا بائیں ہے وہ ناپاک ہے بشرطیکہ پانی قلتین سے کم ہو' اور اگر پانی کے بہنے کی رفتار نجاست کے بہنے کی رفتار سے تیز ہو تو نجاست کے اوپر کی جانب کا پانی پاک ہے' اور نیچے کی جانب کا ناپاک ہے' اگرچہ وہ دور ہو اور بہت ہو۔ ہاں اگر کسی حوض میں دو قلوں کے بقدر پانی جمع ہو جائے تو نجس نہیں رہے گا' یہ پانی متفرق کرنے سے بھی ناپاک نہیں ہوگا۔

---

(۱) پھنسی وغیرہ سے جو خون اور پیپ وغیرہ رطوبتیں خارج ہوتی ہیں ان کے بارے میں احناف کے یہاں کچھ تفصیل ہے' اگر کسی نے اپنے پھوڑے' یا چھالے کے اوپر کا چھلکا نوچ ڈالا اور اس کے نیچے پیپ یا خون دکھلائی دینے لگا لیکن وہ اپنی جگہ ٹھہرا ہوا ہے' بہا نہیں تو اس سے وضوء نہیں ٹوٹے گی' اگر بہہ پڑا تو وضو ٹوٹ جائے گی' اس میں بھی کوئی فرق نہیں کہ وہ پھنسی وغیرہ خود پھوٹ گئی ہو یا اس کا چھلکا اتار اگیا ہو یا دبا کر خون نکالا گیا ہو (غنیۃ ص ۱۲۸/ مترجم)

(۲) احناف کے نزدیک فصد اور پچھنے لگوانے کے بعد جو خون بہتا ہے وہ بھی نجس ہے' اور یہ خون بھی ناقضِ وضوء ہے۔ (غنیۃ ص ۱۲۸/ مترجم)

(۳) یہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے' احنافؒ کا مسلک یہ ہے کہ نجاست ہر ایسی پاک بہنے والی چیز سے دور کی جا سکتی ہے جس سے نجاست کا ازالہ ممکن ہو' جیسے سرکہ اور گلاب کا عرق وغیرہ (قدوری۔ کتاب الطہارۃ۔ باب الانجاس/ مترجم)

پانی کی نجاست کے سلسلے میں مصنّف کی تحقیق : یہ امام شافعی کا مذہب ہے' میری خواہش تھی کہ پانی کے سلسلے میں امام شافعیؒ کا مذہب وہی ہوتا جو امام مالکؒ کا مذہب ہے' یعنی اگرچہ پانی تھوڑا ہو' مگر وہ اس وقت تک نجس نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے تینوں اوصاف میں سے کوئی ایک وصف بدل جائے۔ اگر امام شافعیؒ کا مذہب بھی یہی ہوتا تو بہتر تھا۔ اس لیے کہ پانی کی ضرورت عام ہے' قلتین کی قید سے اس میں وسوسوں کو راہ ملتی ہے' یعنی اگر نجاست گر جائے تو مبتلا یہی سوچتا رہ جائے کہ یہ پانی قلتین کے برابر ہے یا نہیں؟ اس شرط سے لوگوں کیلئے دشواری پیدا ہوتی ہے' واقع میں بھی یہ شرط سخت ہے' اس کی دشواری کا اندازہ وہی لوگ کرسکتے ہیں جنھیں اس طرح کے حالات سے سابقہ رہتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اگر پانی کی طہارت کیلئے قلتین کی شرط لگی ہوتی تو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں طہارت بہت زیادہ دشوار ہوتی' اس لیے کہ وہاں نہ بہتے ہوئے پانی کی کثرت ہے' اور نہ ٹھہرے ہوئے پانی کی۔ اس کے علاوہ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر دور صحابہ کی انتہا تک طہارت کے باب میں کوئی واقعہ منقول نہیں ہے اور نہ یہ منقول ہے کہ صحابہ کرام پانی کی نجاستوں سے بچانے کے طریقے دریافت کیا کرتے تھے' بلکہ ان کے پانی کے برتنوں پر ان لڑکوں اور باندیوں کا تصرف رہتا تھا جو عموماً نجاستوں سے احتراز نہیں کرتے۔ پانی کی طہارت کے سلسلے میں قلتین کی شرط زائد معلوم ہوتی ہے اس کی ایک دلیل یہ ہے جو بیان کی گئی ہے۔ دوسری دلیل وہ روایت ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس پانی سے وضو کیا جو نصرانی عورت کے گھڑے میں تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے پانی کے مشاہد تغیر کے مقابلے میں کسی دوسری شرط پر اعتماد نہیں کیا' ورنہ نصرانی عورت اور اس کے برتن کا نجس ہونا ظن غالب سے معمولی غور و فکر کے بعد معلوم ہو جاتا ہے' تیسری دلیل یہ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پانی کا برتن بلّی کے سامنے کردیا کرتے تھے (دار قطنی) اس زمانے کے لوگ برتنوں کو ڈھانپ کر نہیں رکھتے تھے' حالانکہ وہ یہ دیکھا کرتے تھے کہ بلیاں چوہے کھاتی ہیں' اور پھر ان کے برتنوں سے پانی پی لیتی ہیں' ان کے شہر میں حوض نہیں تھے کہ ان میں منہ ڈال کر پانی پیتیں' نہ کنویں تھے کہ پانی پینے کیلئے ان میں اترتیں۔ چوتھی دلیل یہ ہے کہ امام شافعیؒ نے تصریح فرمائی ہے کہ جس پانی سے نجاست دھوئی جائے اس کا دھوون پاک ہے بشرطیکہ دھوون کا کوئی وصف بدلا نہ ہو' اور اگر وصف بدل جائے تو دھوون ناپاک ہے یہ بتلایا جائے کہ پانی کے نجاست پر ڈالنے' اور نجاست کے پانی میں گرنے میں کیا فرق ہے؟ بظاہر یہ دونوں ایک ہیں۔ پھر دونوں کا الگ الگ حکم کیوں ہے؟ بعض لوگ اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ پانی کے گرنے کی قوت نجاست کو دور کرتی ہے' لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ کیا نجاست پانی میں ملے بغیر دور ہو جاتی ہے؟ اگر یہ کہا جائے کہ ضرورتاً دھوون کو پاک قرار دیا گیا ہے تو ہم یہ کہیں گے کہ ضرورت اس کی بھی ہے کہ پانی کو اس وقت تک نجس قرار نہ دیا جائے جب تک اس میں نجاست کے گرنے سے اوصاف نہ بدل جائیں۔ یہاں ہم یہ بھی پوچھتے ہیں کہ جس طشت میں نجس کپڑے ہوں اس میں پانی ڈالا جائے یا جس طشت میں پاک پانی ہو اس میں نجس کپڑے ڈالے جائیں۔ ان دونوں میں کیا فرق ہے' بظاہر دونوں ایک ہیں۔ اور عادت بھی ان دو طریقوں سے کپڑے دھونے کی ہے۔ پانچویں دلیل یہ ہے کہ حضرات صحابہؓ بہتے ہوئے پانی کے کنارے بیٹھ کر استنجاء کرلیا کرتے ہیں اور وہ پانی مقدار میں کم ہوتا تھا' امام شافعیؒ کے مذہب میں باتفاق ثابت ہے کہ جب بہتے ہوئے پانی میں پیشاب پڑ جائے اور اس پانی کا کوئی وصف متغیّر نہ ہو تو اس سے وضو کرنا درست ہے' اگرچہ پانی مقدار میں کم ہی کیوں نہ ہو۔ اس صورت میں ہم یہ کہتے ہیں کہ بہتے ہوئے پانی اور ٹھہرے ہوئے پانی میں کیا فرق ہے' پھر ہمیں کوئی یہ بھی بتلائے کہ پانی کے اوصاف متغیر نہ ہونے پر طہارت کا حکم لگانا بہتر ہے یا پانی کے بہاؤ سے پیدا ہونے والی قوّت کی بنیاد پر یہ حکم لگانا اچھا ہے' اس صورت میں یہ سوالات بھی پیدا ہوسکتے ہیں کہ اس قوت کی حد کیا ہے؟ آیا وہ پانی بھی اسی حکم میں ہے جو حمام کی ٹونٹیوں سے نکلتا ہے؟ اگر جواب نفی میں ہے تو فرق بتلانا چاہیے اور اثبات میں ہے تو یہ بتلایا جائے کہ جو نجاست حمام کے پانیوں میں گر جائے اور جو برتنوں میں سے بدن پر بہنے کی جگہ پڑ جائے ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ آخر یہ بھی بہتا ہوا پانی ہے۔ پھر یہ بھی قابلِ غور بات ہے کہ پانی میں جمی ہوئی نجاست کے

مقابلے میں پیشاب زیادہ تحلیل ہوتا ہے۔ لیکن آپ یہ کہتے ہیں کہ وہ پانی نجس ہے جو جمی ہوئی نجاست سے مل کر گذرے' الا یہ کہ وہ ایسے حوض میں جمع ہو جس کی مقدار قلتین ہو' ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ جمی ہوئی نجاست' اور بہتی ہوئی نجاست میں کیا فرق ہے' پانی ایک ہے' اور پانی میں تحلیل ہو جانا پانی سے ہو کر گذرنے کے مقابلے میں زیادہ نجاست کا سبب بن سکتا ہے' پھر ان دونوں میں فرق کی کیا وجہ ہے کہ پیشاب اگر پانی میں مل جائے تو وضو درست ہے' اور جمی ہوئی نجاست پر سے گذر جائے تو وضو درست نہیں۔ چھٹی دلیل یہ ہے کہ قلتین پانی میں اگر آدھا کلو پیشاب پڑ جائے اور وہ پانی ایک پیالے میں علیحدہ کر لیا جائے' ظاہر ہے وہ پیالہ پاک ہوگا۔ حالانکہ اس میں پیشاب کے قطرے موجود ہیں' خواہ وہ تھوڑے ہی کیوں نہ ہوں' اب یہ بتلائیں کہ پانی کی طہارت کا سبب متغیر نہ ہونے کو قرار دینا زیادہ اچھا ہے یا کثرت کی قوت کو بتلانا زیادہ اچھا ہے' یہ آپ دیکھ ہی چکے کہ پیالے میں پانی کے آجانے کے بعد کثرت باقی نہیں رہی' لیکن نجاست کے اجزاء موجود ہیں' ساتویں دلیل یہ ہے کہ پہلے زمانے میں لوگ میلے کچیلے رہتے تھے' اور حماموں میں بنی ہوئی حوضوں میں ہاتھ اور برتن ڈال کر وضو کیا کرتے تھے' اگرچہ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ان حوضوں میں ناپاک اور پاک ہر طرح کے ہاتھ ڈالے جاتے ہیں۔ یہ دلائل ہیں جن سے اس بات کو تقویت ملتی ہے کہ پہلے لوگ پانی کے تغیر یا عدم تغیر پر اعتماد کرتے تھے' اور اس سلسلے میں ان لوگوں کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ مبارک تھا:

خلق اللہ الماء طہورا لا ینجسہ شئی لا ما غیر لونہ او طعمہ او ریحہ۔

اللہ تعالیٰ نے پانی کو پاک پیدا کیا' اسے کوئی چیز نجس نہیں کرتی ہاں وہ چیز نجس کر دیتی ہے جو اس کا رنگ' ذائقہ اور بو بدل ڈالے۔ (۱)

یہ بات پانی اور ہر سیال چیز میں فطرتاً پائی جاتی ہے کہ جو چیز اس میں گر جائے اس کو اپنی صفت میں تبدیل کر لیتی ہے' لیکن شرط یہ ہے کہ وہ چیز مغلوب ہو اور پانی غالب ہو' جس طرح کتا اگر نمک کی کان میں گر جائے تو وہ بھی نمک ہو جاتا ہے' اور اس پر طہارت کا حکم لگتا ہے' اس لیے کہ اس میں سے کتے کا وصف جاتا رہا' اور نمک کا وصف پیدا ہو گیا' اسی طرح اگر تھوڑا سا سرکہ یا دودھ پانی میں گر جائے تو اس کی صفت جاتی رہے گی۔ اور پانی کی صفت پیدا ہو جائے گی' جس صورت میں پانی کم ہو' اور گرنے والی چیز زیادہ ہو تو وہ پانی کی صفت اختیار نہیں کرے گی' بلکہ پانی پر غالب آکر اس کا مزہ' رنگ' یا بو تبدیل کر دیگی' اوصاف کا یہ تغیر ہی اصل معیار ہے' اور شریعت نے نجاست کے دور کرنے کیلئے پانی میں اسی معیار کی رعایت کا حکم دیا ہے' اور مناسب بھی یہی ہے کہ اسی معیار پر اعتماد کیا جائے' تاکہ تنگی دور ہو' اور پانی کی اصل یعنی طہارت کی حقیقت واضح ہو جائے کہ وہ نجاست پر غالب آجاتا ہے اور نجس چیز کو ہلاک کر دیتا ہے' قلتین میں دھوون میں اور بلی کے جھوٹے پانی میں بھی یہی معیار سامنے رکھا گیا ہے' یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ان تینوں طہارت کا حکم معافی پر مبنی ہے' اس لیے کہ اگر ایسا ہوتا تو ان کا حکم بھی وہی ہوتا جو استنجے کے باقی ماندہ اثر اور پسوؤں کے خون کا ہے۔ کہ وہ خود تو پاک ہیں' مگر ان سے ملنے والا پانی پاک نہیں ہے' لیکن قلتین' دھوون اور بلی کے جھوٹے پانی میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہ خود بھی پاک ہیں' اور ان سے ملنے والا پانی بھی پاک ہے' معلوم ہوا کہ ان کا حکم معافی یا تسامح پر مبنی نہیں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک کہ لا یحمل خبثا (یعنی نجاست برداشت نہیں کرتا) فی نفسہ مبہم ہے' کیونکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ نجاست کی وجہ سے پانی کے اوصاف بدل جاتے ہیں۔ اس وقت تو یہی کہیں گے کہ پانی نجاست کو اٹھاتا ہے یعنی اس کا اثر قبول کرتا ہے۔ اگر اس کا یہ مطلب بیان کیا جائے کہ جب متغیر نہیں ہوتا اس وقت نجاست برداشت نہیں کرتا تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ پانی اکثر و بیشتر معتاد نجاستوں سے متغیر نہیں ہوتا۔ لیکن یہ صورت تو قلتین سے کم میں بھی ممکن ہے۔

---

(۱) یہ روایت ابن ماجہ نے ابو امامہ سے۔ سند ضعیف نقل کی ہے' استثناء کے علاوہ باقی حدیث ابو داؤد' نسائی اور ترمذی نے بھی روایت کی ہے۔

پھر لا یحمل خبثا کے ظاہری الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ حمل یعنی برداشت کی نفی ہے' جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ پانی اس نجاست کو اپنی صفت میں تبدیل کرلیتا ہے' یہ ایسا ہی ہے جیسے یہ کہیں کہ نمک کی کان کتے کو برداشت نہیں کرتی' یعنی اس میں دوسری چیز گر کر نمک بن جاتی ہے' اس معنی کے اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ لوگ تھوڑے پانی سے استنجا کیا کرتے تھے' اور اپنے ناپاک برتن ڈالدیا کرتے تھے' پھر یہ سوچنے لگتے تھے کہ پانی اس سے متغیر تو نہیں ہوگیا' اس لیے قلتین کی قید لگادی گئی ہے' یعنی اگر پانی اس مقدار میں ہو تو وہ نجاستوں سے متغیر نہیں ہوتا۔ لیکن یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ نجاست سے تھوڑی نجاست مراد ہے یا زیادہ نجاست' اگر نجاست زیادہ ہوگی تو یقیناً پانی اسے برداشت کرے گا یعنی اس میں نجاست کے اثرات ظاہر ہوجائیں گے' اس لیے ضروری ہوا کہ شافعی اور مالک دونوں حضرات کے مذہب میں معتاد نجاستوں کی قید لگائی جائے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ نجاستوں کے معاملے میں ہمارا میلان یہ ہے کہ لوگوں کی سہولت پیش نظر رہے' کیونکہ پہلے لوگوں کی سیرت سہولت پر دلالت کرتی ہے' اس سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ وسوسے ختم ہوں' چنانچہ اس مقصد کیلئے ہم نے اس طرح کے مسائل میں جہاں کہیں اختلاف واقع ہوا ہے طہارت کا حکم دیا ہے۔[1]

---

(۱) امام غزالی نے قلتین اور پانی کی طہارت کے مسئلے پر تفصیل بحث کی ہے' انھوں نے اگرچہ امام شافعی کے مذہب سے اختلاف کیا ہے' لیکن ان کے دلائل سے احناف کے موقف کا بھی رد ہوتا ہے' اس لیے ہم ذرا تفصیل سے اس مسئلے پر گفتگو کریں گے۔

پہلی بات تو یہ سمجھنی چاہیے کہ تمام ائمہ اس پر متفق ہیں کہ اگر نجاست پڑنے سے پانی کے تینوں اوصاف میں سے کوئی ایک وصف متغیر ہوجائے تو اس سے طہارت جائز نہیں ہے' چاہے پانی کم ہو یا زیادہ' جاری ہو یا راکد۔ اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ کم پانی نجاست کا اثر قبول کرتا ہے' زیادہ پانی نہیں کرتا' لیکن کم اور زیادہ پانی کی مقدار کے سلسلے میں ائمہ مختلف ہیں۔ احناف کہتے ہیں کہ اگر ایک طرف کی نجاست کا اثر دوسری طرف پہنچ جائے تو وہ پانی قلیل (کم) ہے' اور اگر ایک طرف کی نجاست دوسری طرف نہ پہنچے تو وہ کثیر (زیادہ) ہے۔ چنانچہ اسی کے لیے دہ دردہ کی اصطلاح بھی وضع کی گئی ہے۔ یعنی اگر کوئی ایسا حوض ہو جس کی لمبائی دس ہاتھ اور چوڑائی دس ہاتھ ہو' اور اتنا گہرا ہو کہ اگر چلو سے پانی اٹھائیں تو زمین نہ کھلے بہتے ہوئے پانی کے حکم میں ہے' اس میں اگر کوئی نجاست پڑ جائے جو نظر نہ آتی ہو جیسے پیشاب' خون' شراب وغیرہ تو اس حوض کے چاروں طرف سے وضو کرنا صحیح ہے اور اگر ایسی نجاست گر جائے جو نظر آتی ہو جیسے مردہ کتا تو اس طرف وضو نہ کرے' کسی دوسری طرف بیٹھ کر وضو کرلے' ہاں اگر اس حوض میں اتنی نجاست گر جائے جس سے پانی کا رنگ یا مزہ بدل جائے یا بدبو پیدا ہوجائے تو حوض کا پانی ناپاک ہوجائے گا (غنیۃ ص ۳۰) یہ امام ابو حنیفہ کے مذہب کی تفصیل ہے' امام شافعی کے یہاں قلتین کی تحدید ہے' یعنی اگر پانی دو قُلّے سے کم ہو تو غیر مرئی (نظر نہ آنے والی) نجاست کے گرنے سے پانی نجس ہوجائے گا' اور اگر دو قُلّے سے زیادہ ہے تو نجس نہیں ہوگا۔ امام شافعیؒ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو امام غزالیؒ نے بھی اپنی کتاب میں لکھی ہے' یہ ابن عمر کی روایت ہے اس میں قلتین کا لفظ استعمال کیا گیا ہے' امام غزالیؒ نے امام شافعی کے مسلک کا تفصیلی جائزہ لیا ہے' اور امام مالکؒ کے حق میں دلائل دیئے ہیں۔ محدثین نے اس حدیث پر فنی گفتگو بھی کی ہے' اور اس پر سند' متن اور معنی کے اعتبار سے نقد بھی کیا ہے' یہاں اس تفصیل کا موقع نہیں ہے' امام مالکؒ نے ذیل کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔

ان الماء طهور لا ینجسه شئی (اصحاب سنن اربعہ)

پانی پاک ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔

یہ الگ بحث ہے کہ امام مالکؒ کا اس حدیث سے استدلال کرنا صحیح بھی ہے یا نہیں۔ احناف تو یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ مبارک ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا۔ (حاشیہ صفحہ نمبر ۲۴۲ پر تحریر ہے)

نجاست دور کرنے کا طریقہ : نجاست اگر غیر مرئی (نظر نہ آنے والی) ہو' یعنی اس کا جسم نظر نہ آتا ہو' تو اس جگہ پر جہاں تک نجاست لگی ہو پانی کا بہا دینا کافی ہے۔ اور اگر نجاست مرئی (نظر آنے والی) ہو' یعنی جسم رکھتی ہو تو اس کے جسم کا دور کرنا ضروری ہے اور جب تک اس کا مزا باقی رہے گا اس وقت تک یہی کہا جائے گا کہ ابھی نجاست باقی ہے' یہی حال رنگ کا ہے' لیکن اگر رنگ پختہ ہو' اور رگڑ کر دھونے کے باوجود زائل نہ ہوتا ہو تو معاف ہے' البتہ بُو کا باقی رہنا نجاست پر دلالت کرتا ہے' یہ معاف نہیں ہے۔ ہاں! اگر کوئی چیز انتہائی تیز بو رکھتی ہو' تو اسے چند بار مل کر دھولینا کافی ہے۔

طہارت کے سلسلے میں وسوسے دور کرنے کی آسان تدبیر یہ ہے کہ آدمی یہ سوچے کہ تمام چیزیں پاک پیدا ہوئی ہیں' جس چیز پر نجاست نظر نہ آتی ہو اور نہ یقین سے کسی چیز کا نجس ہونا معلوم ہو تو اسے پہن کر' اوڑھ کر' یا اس جگہ نماز پڑھ لے' نجاستوں کی مقدار متعین کرنے کیلئے اجتہاد اور استنباط کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ان الارض لا تنجس
زمین ناپاک نہیں ہوتی۔
ان المسلم لا ینجس۔
مسلمان ناپاک نہیں ہوتا۔

ان ارشادات کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ زمین کبھی ناپاک نہیں ہوتی یا مسلمان کبھی ناپاک ہی نہیں ہوتا۔ مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں کی اصل پاکی ہے' ہاں اگر نجاست لگ جائے تو یہ چیزیں بھی ناپاک ہو جاتی ہیں' اسی طرح پانی کی اصل بھی طہارت ہے لیکن اگر پانی میں نجاست گر جائے تو وہ بھی ناپاک ہو جاتا ہے' اس استدلال کے کچھ اور جوابات دیئے گئے ہیں' یہاں ان کے ذکر کا موقع نہیں ہے۔ اس سلسلے میں احناف کا مذہب واضح ہے' وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر ٹھہرے ہوئے پانی میں نجاست گر جائے تو اس پانی سے وضو جائز نہیں ہے چاہے پانی کم ہو یا زیادہ ہو البتہ دہ در دہ ہو' دہ در دہ کی صورت میں وضو کرنا جائز ہے اور چاہے نجاست کے اثر سے پانی کے اوصاف میں تغیّر پیدا ہوا ہو یا نہ ہوا ہو' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کو نجاست سے محفوظ رکھنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ہے:

لا یبولن احدکم فی الماء الدائم ثم یتوضا منہ (ابوداؤد' ابن ماجہ)
تم میں سے کوئی رکے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے پھر اس سے وضو کرے

اس حدیث سے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے رنگ' مزا' یا بو میں کوئی خاص تغیر نہیں ہوتا پھر بھی آپ نے اس سے وضو کرنے سے منع فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ تغیر کوئی معیار نہیں ہے بلکہ اصل معیار قلت اور کثرت ہے۔ کچھ اور دلائل یہ ہیں:

اذا استیقظ احدکم من نومہ فلیغسل یدہ قبل ان یدخلہا فی الاناء (صحاح ستہ)
جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو تو برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے انھیں دھولے۔
اذا ولغ الکلب فی اناء احدکم فلیغسل الخ۔ (ترمذی)
اگر کتا تم میں سے کسی کے برتن میں منہ ڈالدے تو اسے چاہیے کہ وہ دھولے الخ۔
اذا وقعت الفارۃ فی السمن فان کان جامداً فالقوھا وما حولہا وان کان مائعاً فلا تقربوہ۔
اگر چوہا گھی میں گر جائے تو (گھی کو دیکھو) اگر وہ جما ہوا ہو تو وہ گھی اور اس کے ارد گرد کا گھی پھینک دو اور اگر سیال ہو تو اس کے قریب بھی مت جاؤ۔ (مترجم)

دوسرا باب

حدث کی طہارت

اس طہارت میں وضو، غسل اور تیمم داخل ہیں، اور ان سب سے پہلے استنجا (قضائے حاجت سے فارغ ہونے کے بعد مقام مخصوص سے نجاست دور کرنا ہے) ہے۔ ہم ان سب کی کیفیت بالترتیب بیان کرتے ہیں۔ اور ہر فصل کے آداب و سنن لکھتے ہیں۔ ان میں پہلا فعل وضو ہے، اور وضو کا سبب قضائے حاجت ہے، اس لیے باب کے آغاز میں ہم قضائے حاجت کا شرعی طریقہ ذکر کرتے ہیں۔

بیت الخلاء میں جانے کے آداب : اس میں چند امور ملحوظ رہنے چاہئیں۔ دیکھنے والوں کی نظر سے دور جنگل میں جا کر قضائے حاجت سے فارغ ہو، اگر کسی چیز کو آڑ بنانا ممکن ہو تو ضرور بنائے، جب تک بیٹھنے کی جگہ پر پہنچ نہ جائے اس وقت تک ستر نہ کھولے، سورج اور چاند کی طرف منھ کر کے نہ بیٹھے، نہ قبلہ کی طرف منھ کرے، نہ قبلہ کی طرف پشت کرے، ہاں اگر مکان میں بیت الخلا ہو تو قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر یا پشت پھیر کر بیٹھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (۱) مگر مستحب یہی ہے کہ اس صورت میں بھی قبلہ کی طرف رخ نہ کرے، جنگل میں اپنی سواری یا اپنے دامن کو آڑ بنا لینے میں کوئی حرج نہیں۔ جس جگہ لوگ بیٹھتے ہوں وہاں قضائے حاجت سے اجتناب کرے، اسی طرح ٹھہرے ہوئے پانی میں پھل دار درخت کے نیچے، اور سوراخ (بل وغیرہ) میں بھی پیشاب نہ کرے، سخت جگہ پر اور ہوا کے رخ پر پیشاب کرنا بھی غلط ہے، اس سے چھینٹیں اڑ کر جسم پر یا کپڑوں پر آئیں گی۔ بیٹھنے میں بائیں پاؤں پر زور ڈالے، اگر گھروں میں بنے ہوئے بیت الخلا میں جائے تو پہلے بایاں پیر اندر رکھے، پھر دایاں۔ نکلنے میں دایاں پیر پہلے رکھے، پھر بایاں پیر رکھے۔

کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا مسئلہ : کھڑے ہو کر پیشاب نہ کرے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:-

من حدثکم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یبول قائما فلا تصدقوہ۔

(ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

جو شخص تم سے یہ کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر پیشاب کیا کرتے تھے تو اس کی تصدیق مت کرو۔

حضرت عمرؓ کی روایت کے الفاظ ہیں:-

رآنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا ابول قائما فقال یا عمر! لا تبل قائما قال عمر! فما بلت قائما بعد ○ (ابن ماجہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کھڑے ہو کر پیشاب کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا اے عمر کھڑے ہو کر پیشاب مت کر۔ حضرت عمر کہتے ہیں! اس کے بعد میں نے کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا۔

---

(۱) احناف کا مسلک یہ ہے کہ پیشاب یا پاخانے کے وقت قبلہ کی طرف رخ کرنا یا قبلہ کی طرف پشت کرنا مکروہ تحریمی ہے، چاہے قضائے حاجت کرنے والا جنگل میں ہو یا مکان میں۔ (رد المحتار باب الاستنجاء ص ۳۲۹/۱۸/ مترجم)

کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کے سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت بھی منقول ہے۔(۱) حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں:۔

انہ علیہ السلام بال قائما فاتیتہ بوضوء فتوضأ ومسح علی خفیہ
(بخاری و مسلم)

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا' میں آپ کیلئے وضو کا پانی لیکر آیا' آپ نے وضو فرمایا اور اپنے دونوں موزوں پر مسح کیا۔

کچھ اور آداب : جس جگہ غسل کرے وہاں پیشاب نہ کرے' اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

لا یبولن احدکم فی مستحمہ ثم یتوضأ فیہ' فان عامۃ الوسواس منہ
(اصحاب سنن)

تم میں سے کوئی حمام میں ہرگز پیشاب نہ کرے' پھر اس میں وضو کرے' اس لیے کہ اکثر وسوسے غسل خانے میں پیشاب کرنے سے پیدا ہوتے ہیں۔

ابن مبارک فرماتے ہیں کہ اگر غسل خانے میں پانی بہتا ہو (یعنی زمین پختہ ہو اور پانی کے بہنے کا راستہ ہو) تو وہاں پیشاب کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بیت الخلاء میں اپنے ساتھ کوئی چیز نہ لے جانی چاہیے جس پر اللہ کا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک نام لکھا ہوا ہو۔ بیت الخلاء میں ننگے سر نہ جائے' جس وقت داخل ہو یہ دعا پڑھے:۔

بِسْمِ اللّٰہِ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الرِّجْسِ النَّجَسِ الْخَبِیْثِ الْمُخْبَثِ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے' پناہ مانگتا ہوں میں اللہ کی ناپاک پلید' خبیث' مخبث شیطان مردود سے۔

جب باہر آئے یہ الفاظ کہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذْھَبَ عَنِّیْ مَا یُؤْذِیْنِیْ وَاَبْقٰی عَلَیَّ مَا یَنْفَعُنِیْ۔

تمام تعریفیں اس ذات کیلئے ہیں جس نے مجھ سے وہ چیز دور کردی جو مجھے ایذا دے' اور میرے اندر وہ چیز باقی رکھی جو مجھے نفع دے۔

لیکن یہ الفاظ بیت الخلاء سے باہر کہے۔ بیٹھنے سے پہلے استنجے کے ڈھیلے شمار کرلے' جہاں قضائے حاجت کرے وہاں پانی سے طہارت نہ کرے بلکہ اس جگہ سے الگ ہٹ کر پانی بہائے' پیشاب کے بعد تین بار کھنکارے اور آلۂ تناسل پر نیچے کی جانب سے ہاتھ پھیرے تاکہ باقی ماندہ قطرات بھی نکل جائیں۔ اس سلسلے میں زیادہ پریشان نہ ہو' نہ توہمات میں مبتلا ہو' ورنہ دشواری ہوگی' اگر بعد میں کچھ تری محسوس ہو تو یہ سمجھے کہ پانی کا اثر ہے' لیکن اگر اسے تری کی وجہ سے پریشانی ہو تو پیشاب کے بعد آلۂ تناسل سے متصل کپڑے پر پانی چھڑک لیا کرے تاکہ نفس کو پانی کا یقین ہو جائے۔

---

(۱) کھڑے ہو کر بلا عذر پیشاب کرنا ممنوع و مکروہ ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر صرف ایک مرتبہ پیشاب کیا ہے اور وہ بھی عذر اور ضرورت کی وجہ سے' چنانچہ حضرت حذیفہ کی روایت کے بعد (بقیہ صاحب مشکوٰۃ نے صراحت کی ہے قیل کان ذلک لعذر (مشکوٰۃ باب آداب الخلاء ص ۴۳) بیہقی اور حاکم میں حضرت ابوہریرہ کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے مجبوراً کھڑے ہو کر پیشاب کیا تھا کیونکہ اس جگہ بیٹھنا ممکن نہ تھا (مرقات شرح مشکوٰۃ ج ا ص ۳۴۹) اس سلسلے میں امام غزالی کے الفاظ وفیہ رخصۃ (اور اس میں رخصت ہے) سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ بلا عذر و ضرورت کھڑے ہو کر پیشاب کرنا بھی جائز ہے۔ مترجم۔)

بلاوجہ توہمات میں مبتلا ہو کر اپنے اوپر شیطان کو مسلط نہ کرے۔ حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مقامِ استنجا پر پانی چھڑکا ہے (ابوداؤد' نسائی)۔ ماضی میں وہ شخص بد فقیہ سمجھا جاتا تھا جو قضائے حاجت سے فراغت میں جلدی کرتا ہو' وسوسوں میں مبتلا ہونا کم عقلی پر دلالت کرتا ہے۔ حضرت سلمان فارسی فرماتے ہیں:۔

علمنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل شئی حتی الخراءة' امرنا ان لا نستنجی بعظم ولا روث' ونہانا ان نستقبل القبلۃ بغائط او بول (مسلم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ہر چیز سکھلائی ہے یہاں تک کہ استنجاء کرنے کا طریقہ بھی بتلا دیا ہے' ہمیں حکم دیا کہ ہم ہڈی' اور لید سے استنجاء نہ کریں' اور اس سے منع فرمایا کہ پیشاب' پاخانے کے وقت قبلہ رخ ہو کر بیٹھیں۔

ایک دیہاتی نے کسی صحابی سے جھگڑے کے ایک موقعہ پر کہا کہ میں جانتا ہوں کہ تمہیں قضائے حاجت کا طریقہ بھی معلوم نہیں ہے' صحابی نے فرمایا' مجھے اس کا طریقہ اچھی طرح معلوم ہے' جب میں ضرورت محسوس کرتا ہوں تو عام گزر گاہ سے دور چلا جاتا ہوں ڈھیلے گن لیتا ہوں' گھاس کی طرف منہ کر لیتا ہوں (یعنی گھاس کو اپنی آڑ بنا لیتا ہوں)' ہوا سے پشت پھیر لیتا ہوں' ہرن کی طرح پنجوں پر زور دیتا ہوں اور شتر مرغ کی طرح سرین اوپر کر لیتا ہوں۔ یہ بھی جائز ہے کہ کوئی شخص کسی شخص سے قریب بیٹھ کر اس سے پردہ کر کے پیشاب کر لے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ بہت زیادہ شرم و حیا رکھتے تھے لیکن لوگوں کی تعلیم و سہولت کی خاطر اور بیانِ جواز کے لیے آپ نے یہ عمل کیا ہے۔ (بخاری و مسلم)

استنجے کا طریقہ: پاخانے سے فارغ ہو جانے کے بعد اپنے مقام کو تین ڈھیلوں سے صاف کرے۔ (۱) اگر صاف ہو جائے تو بہتر ہے ورنہ چوتھا اور پانچواں ڈھیلا استعمال کرنا چاہیے۔ ضرورت باقی رہے تو اس سے زیادہ ڈھیلے بھی استعمال کر سکتا ہے۔ اس لیے کہ طہارت واجب ہے' طاق عدد مستحب ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

من استجمر فلیوتر (بخاری و مسلم)

جو ڈھیلے استعمال کرے اسے چاہیے کہ طاق عدد لے۔

استنجا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ڈھیلے کو اپنے بائیں ہاتھ میں لے' اور پاخانے کے مقام پر اگلی طرف والے حصے پر رکھ کر پیچھے کی طرف لے جائے' پھر دوسرا ڈھیلا لے' اور اسے پچھلی طرف والے حصے پر رکھ کر آگے کی طرف لائے' پھر تیسرا ڈھیلا لے' اور اسے مقام کے چاروں طرف گھما دے۔ اگر گھمانا مشکل ہو تو صرف آگے سے پیچھے تک نجاست صاف کر لینا کافی ہے' پھر ایک ڈھیلا اپنے داہنے ہاتھ میں لے' اور بائیں ہاتھ سے ذکر (پیشاب کا عضو) پکڑے' اور ڈھیلے سے پیشاب خشک کرے' بائیں ہاتھ کو حرکت بھی دے' یعنی اس ڈھیلے کو تین مختلف جگہوں سے ذکر پر رکھ کر پیشاب خشک کرے یا تین ڈھیلے لے' ایک دیوار میں تین جگہ ذکر لگا کر خشک کرے اور اس وقت تک خشک کرے جب تک پونچھنے کی جگہ پر تری کا اثر باقی رہے۔ اگر یہ بات دو مرتبہ کرنے میں یا دو ڈھیلے استعمال کرنے میں حاصل ہو جائے تو تیسرا عدد طاق کرنے کیلئے استعمال کرے۔ جس صورت میں صرف ڈھیلے استعمال کرے تو یہ

---

(۱) کیوں کہ استنجے کا مقصد پاخانے کے مقام کی طہارت ہے' اس لیے ڈھیلوں کی کوئی خاص تعداد مسنون نہیں ہے' امام شافعیؒ کے نزدیک طاق عدد (تین' پانچ' سات) مسنون ہے' اور وہ اس روایت سے استدلال کرتے ہیں جو امام غزالیؒ نے بھی ذکر کی ہے۔ احناف کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:۔

"من فعل فقد احسن ومن لا فلا حرج" (ابوداؤد' ابن ماجہ وغیرہ)

یعنی جس نے استنجے میں طاق عدد استعمال کیا اس نے اچھا کیا اور جس نے نہیں کیا تو کوئی حرج نہیں۔ (مترجم)

ضرور دیکھے کہ تری ختم ہوگئی یا نہیں۔ اس صورت میں تری کا موقوف کرنا واجب ہے' اگر چار ڈھیلے کی ضرورت ہو تو چار ڈھیلے لے لینے چاہئیں۔ پھر اس جگہ سے ہٹے' اور بائیں ہاتھ سے ملے' اتنا ملے کہ ہاتھ سے چھو کر دیکھنے میں نجاست کا اثر باقی نہ رہے۔ اندر تک دھو کر اس سلسلے میں زیادہ غلو نہ کرے' غلو کرنے سے وسوسے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ جان لینا چاہیے کہ جس جگہ تک پانی نہ پہنچ پائے وہ مقام "اندر کا مقام" کہلاتا ہے۔ اس جگہ کے فضلات پر نجاست کا حکم نہیں لگتا' ہاں اگر وہ فضلات باہر نکل آئیں تو ان پر نجاست کے احکام جاری ہوں گے۔ طہارت کی حد یہ ہے کہ پانی ظاہر کے اس حصے تک پہنچ جائے جہاں تک نجاست لگی ہوئی ہے اور اس نجاست کا ازالہ کردے' استنجے سے فراغت کے بعد یہ دعا پڑھے۔

اللّٰھم طھر قلبی من النفاق و حصن فرجی من الفواحش۔

اے اللہ میرے دل کو نفاق سے اور میری شرمگاہ کو زنا سے محفوظ رکھ۔

پھر اپنا ہاتھ دیوار سے یا زمین سے رگڑے تاکہ بدبو دور ہو جائے۔ اگر بدبو پہلے ہی دور ہو چکی ہے تو پھر زمین سے رگڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

استنجے میں پانی اور ڈھیلے دونوں کا استعمال کرنا مستحب ہے' چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔

فِیۡهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوۡنَ اَنۡ یَّتَطَهَّرُوۡا وَاللّٰهُ یُحِبُّ الۡمُطَّهِّرِیۡنَ (پ ۱۱' ر ۲' آیت ۱۰۸)

اس میں وہ لوگ ہیں جو پاک رہنا پسند کرتے ہیں اور اللہ پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبا والوں سے دریافت فرمایا:

ماھذہ الطھارۃ التی اثنی اللّٰہ بھا علیکم قالوا کنا نجمع بین الماء والحجر (بزار)

وہ کون سی طہارت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کی تعریف فرمائی ہے' انہوں نے عرض کیا: ہم استنجے میں ڈھیلے اور پانی دونوں استعمال کرتے ہیں۔

وضو کا طریقہ: جب استنجے سے فارغ ہو جائے تو وضو کرے' اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم استنجے کے بعد ہمیشہ وضو کیا کرتے تھے۔ وضو کی ابتداء میں مسواک کرے' اس سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار ارشادات ہیں۔ کچھ ارشادات یہ ہیں:

۱۔ ان افواھکم طرق القرآن فطیبوھا بالسواک۔ (ابو نعیم' بزار)

تمہارے منہ قرآن کے راستے ہیں' انہیں مسواک سے معطر بناؤ۔

چنانچہ مسواک کرنے والے کو چاہیے کہ وہ مسواک سے قرآن پاک کی تلاوت اور ذکر اللہ کی نیت کرلیا کرے۔

۲۔ صلاۃ علی اثر سواک افضل من خمس و سبعین صلاۃ بغیر سواک (احمد و حاکم)

مسواک کے بعد ایک نماز بغیر مسواک کی پچھتر نمازوں سے افضل ہے۔

۳۔ لولا ان اشق علی امتی لامرتھم بالسواک عند کل صلاۃ (بخاری و مسلم)

اگر میں اپنی امت کے لیے مشکل نہ سمجھتا تو انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیتا۔

۴۔ مالی اراکم تدخلون علی قلحا استاکوا (بزار' بیہقی)

کیا بات ہے کہ تم میرے پاس زرد دانت لیکر آجاتے ہو' مسواک کیا کرو۔

۵۔ عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہ انہ قال لم یزل صلی اللّٰہ علیہ وسلم یامرنا

بالسواک حتی ظننا انہ سینزل علیہ فیہ شئی (مسلم)

ابن عباس کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ہمیشہ مسواک کا حکم دیا کرتے تھے، یہاں تک کہ ہمیں یہ خیال ہوا کہ اس سلسلے میں آپ پر عنقریب کوئی آیت نازل ہوگی۔

۲- علیکم بالسواک فانہ مطہرۃ للفم و مرضاۃ للرب (احمد)

مسواک کو لازم پکڑو، اس لیے کہ یہ منہ کو صاف کرتی ہے اور اللہ کی خوشنودی کا ذریعہ بنتی ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں کہ مسواک حافظہ بڑھاتی ہے اور بلغم دور کرتی ہے، صحابہ کرام کو مسواک سے اس قدر شیفتگی تھی کہ مسواک اپنے کانوں پر رکھ کر چلا کرتے تھے۔ (خطیب، ترمذی، ابوداؤد)

مسواک میں پیلو کی یا کسی ایسے درخت کی لکڑی استعمال کرے جو دانت کی گندگی دور کر سکے۔ مسواک دانتوں کے عرض اور طول میں کرے، اگر دونوں میں سے کسی ایک میں کرے تو عرض کو ترجیح دے۔ مسواک ہر نماز اور ہر وضو کے وقت کرے، اگرچہ وضو کرنے کے بعد نماز پڑھنے کا ارادہ نہ ہو، سونے کے بعد، بہت دیر منہ بند رکھنے کے بعد، اور بدبودار چیز کھانے یا پینے کے بعد بھی مسواک کرے۔ مسواک سے فارغ ہونے کے بعد وضو کیلئے قبلہ رو بیٹھے، اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

لا وضوء لمن لم یسم اللہ تعالیٰ (ترمذی، ابن ماجہ)

اس کی وضو نہیں ہوئی جو بسم اللہ نہ کہے۔

یعنی اس کے وضو میں کمال حاصل نہیں ہوا۔ (۱) بسم اللہ پڑھنے کے بعد یہ الفاظ کہے:۔

اَعُوْذُبِکَ مِنْ ھَمَزَاتِ الشَّیَاطِیْنِ وَاَعُوْذُبِکَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنَ۔

اے اللہ شیاطین کی چھیڑ سے تیری پناہ چاہتا ہوں، اور اے اللہ میں اس بات سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں۔

برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے پہنچوں تک تین بار دھولے۔ اور یہ الفاظ کہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ الْیُمْنَ وَالْبَرَکَۃَ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الشُّوْمِ وَالْھَلَکَۃِ

اے اللہ میں تجھ سے ایمان اور برکت کی درخواست کرتا ہوں اور نحوست اور ہلاکت سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

اس کے بعد حدث کے ازالے اور اس وضو کے ذریعہ نماز کی صحت و اباحت کی نیت رکھے۔ اگر منہ دھونے کے وقت نیت بھول جائے تو وضو نہیں ہوگا۔ (۲) نیت کرنے کے بعد چلو میں پانی لے، اور منہ میں ڈال کر تین کلیاں کرے، اور غرارہ کرے، روزہ دار کو غرارہ نہ کرنا چاہیے۔ اس وقت یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی تِلَاوَۃِ کِتَابِکَ وَکَثْرَۃِ الذِّکْرِ لَکَ

اے اللہ اپنی کتاب کی تلاوت کرنے اور تیرا ذکر کثرت سے کرنے پر میری مدد فرما۔

---

(۱) اس سلسلے میں امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور دوسرے اہل علم کا یہ مسلک ہے کہ وضو کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھنا سنت ہے، واجب نہیں ہے۔ (۲) امام شافعیؒ اور امام مالکؒ وغیرہ حضرات کے یہاں وضو کے شروع میں نیت فرض ہے۔ احناف کے یہاں فقط چار چیزیں فرض ہیں۔ (۱) ایک مرتبہ سارا منہ دھونا (۲) ایک دفعہ کہنیوں سمیت ہاتھ دھونا (۳) ایک بار چوتھائی سر کا مسح کرنا (۴) ایک ایک مرتبہ ٹخنوں سمیت دونوں پاؤں دھونا۔ اس میں سے اگر کوئی چیز بھی چھوٹ جائے گی، یا کوئی عضو بال برابر بھی سوکھا رہ جائے گا تو وضو نہ ہوگا۔ (مراقی الفلاح ص ۸۱ و ص ۹)

پھر ناک کیلئے پانی لے' اور تین بار ناک میں دے' سانس کے ذریعہ پانی نتھنوں میں چڑھائے' اور جو کچھ میل کچیل نتھنوں میں ہو اسے جھنک دے۔ ناک میں پانی ڈالتے وقت یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اَرِحْنِیْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَاَنْتَ عَنِّیْ رَاضٍ

اے اللہ مجھے اس حال میں جنت کی خوشبو سونگھا کہ تو مجھ سے راضی ہو۔

ناک سے پانی نکالتے وقت یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ رَوَائِحِ النَّارِ وَمِنْ سُوْءِ الدَّارِ

اے اللہ میں دوزخ کی بدبوؤں سے اور برے گھر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

یہ دونوں دعائیں فعل سے مناسبت رکھتی ہیں چنانچہ پہلی دعا ناک میں پانی پہنچانے سے' اور دوسری ناک سے پانی جھٹکنے سے مناسبت رکھتی ہے' پھر چہرے کیلئے پانی لے۔ جس جگہ سے پیشانی شروع ہوتی ہے ٹھوڑی کے سامنے والے حصے کی انتہا تک طول میں اور ایک کان سے دوسرے کان تک عرض میں چہرہ دھونا ضروری ہے' چہرے میں پیشانی کے وہ دونوں گوشے جو بالوں کے اندر چلے جاتے ہیں داخل نہیں ہیں' بلکہ یہ دونوں گوشے سر میں داخل ہیں۔ دونوں کانوں کے اوپر والے حصے سے متصل چہرہ کی جلد بھی دھونی چاہیے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں سے عورتوں کو بال ہٹا کر پیچھے کرنے کی عادت ہوتی ہے۔ یا یہ سمجھئے کہ ایک دھاگا کان کے اوپر والے حصے پر رکھیں اور دوسرا پیشانی کے ایک کنارے پر تو اس دھاگے کے نیچے والا حصہ بھی دھونا ضروری ہے۔

بھنوؤں' مونچھوں' کان کے مقابل رخسار کے بالوں' اور پلکوں کی جڑوں میں بھی پانی پہنچانا چاہیے' اس لیے کہ یہ بال عموماً کم ہوتے ہیں' اور ان کی جڑوں تک پانی با آسانی پہنچ جاتا ہے۔ داڑھی اگر ہلکی ہو تو اس کی جڑوں میں بھی پانی پہنچانا ضروری ہے' ہلکی کی علامت یہ ہے کہ بالوں کے اندر سے جسم کی جلد جھلکتی ہو' اور اگر گھنی ہو تو اس کی جڑ میں پانی پہنچانا ضروری نہیں ہے۔ بچہ داڑھی (وہ بال جو نچلے ہونٹ اور ٹھوڑی کے درمیان میں ہوتے ہیں) کا وہی حکم جو ہلکی اور گھنی داڑھی کا ہے' چہرہ بھی تین مرتبہ دھوئے۔ داڑھی کے ان بالوں پر بھی پانی ڈال کر صفائی کرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسا کیا ہے' اور یہ توقع ضرور رکھے کہ اس فعل سے آنکھوں کے گناہ دھل جائیں گے۔ دوسرے اعضاء دھوتے ہوئے بھی یہی توقع رکھنی چاہیے۔ منہ پر پانی ڈالنے کے وقت یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ بَیِّضْ وَجْهِیْ بِنُوْرِكَ یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْهُ اَوْلِیَائِكَ وَلَا تُسَوِّدْ وَجْهِیْ بِظُلُمَاتِكَ یَوْمَ تَسْوَدُّ وُجُوْهُ اَعْدَائِكَ

اے اللہ میرے چہرے کو اپنے نور سے سفید کر جس روز کہ تیرے دوستوں کے چہرے سفید ہوں گے۔ اور میرے چہرے کو اپنی تاریکیوں سے سیاہ مت کر جس روز کہ تیرے دشمنوں کے چہرے سیاہ ہوں گے۔

داڑھی میں خلال کرنا بھی مستحب ہے۔ پھر اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں تک دھوئے اگر انگوٹھی پہن رکھی ہو تو اسے بھی ہلائے تاکہ نیچے تک پانی پہنچ جائے۔ پانی کہنیوں سے آگے تک پہنچانے کی کوشش کرے' قیامت میں وضو کرنے والوں کے اعضاءِ وضو روشن ہوں گے چنانچہ جس عضو کے جس حصے تک پانی پہنچا ہوگا وہ عضو وہاں تک روشن ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

من استطاع ان یطیل غرتہ فلیفعل۔ (بخاری و مسلم)

جو اپنی روشنی بڑھا سکے اسے بڑھانی چاہیے۔

تبلغ الحلیۃ من المومن حیث یبلغ الوضوء (بخاری و مسلم)

زیور مومن کے اس مقام تک پہنچے گا جہاں تک وضو کا پانی پہنچے گا۔

پہلے دایاں ہاتھ دھوئے اور یہ دعا کرے:۔
اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِىْ كِتَابِىْ بِيَمِيْنِىْ وَحَاسِبْنِىْ حِسَابًا يَسِيْرًا۔
اے اللہ میرا نامہ اعمال میرے دائیں ہاتھ میں دینا اور مجھ سے ہلکا حساب کرنا۔
بایاں ہاتھ دھوتے ہوئے یہ دعا پڑھے:۔
اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ اَنْ تُعْطِيَنِىْ كِتَابِىْ بِشِمَالِىْ اَوْمِنْ وَّرَاءِ ظَهْرِىْ۔
اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ تو مجھے میرا نامہ اعمال میرے بائیں ہاتھ میں دے یا پشت کی جانب سے دے۔

پھر اپنے پورے سر کا مسح کرے (۱) اس طرح کہ دونوں ہاتھوں کو تر کرکے ان کی انگلیوں کے سرملا لے اور ان کو پیشانی کے پاس سر پر رکھے پھر گدی کی طرف لے جائے اور گدی سے آگے کی طرف لائے اسی طرح تین بار کرے۔ اور یہ دعا پڑھے:۔
اَللّٰهُمَّ غَشِّنِىْ بِرَحْمَتِكَ وَاَنْزِلْ عَلَىَّ مِنْ بَرَكَاتِكَ وَاَظِلَّنِىْ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِكَ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّكَ۔
اے اللہ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے اور مجھ پر اپنی برکتیں نازل فرما۔ اور مجھے اس دن اپنے عرش کے نیچے سایہ دے جس دن تیرے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔

پھر اپنے دونوں کانوں کا مسح اندر اور باہر سے کرے کانوں کیلئے نیا پانی لے۔(۲) اور شہادت کی دونوں انگلیوں کو کانوں کے دونوں سوراخوں میں داخل کرے اور انگوٹھوں کو کانوں کے باہر کی جانب گھمائے پھر کانوں پر دونوں ہتھیلیاں ظاہری حصے کیلئے رکھدے کانوں پر بھی تین بار مسح کرے اور یہ دعا پڑھے:۔
اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِىْ مِنَ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اَللّٰهُمَّ اَسْمِعْنِىْ مُنَادِىَ الْجَنَّةِ مَعَ الْاَبْرَارِ۔
اے اللہ مجھے ان لوگوں میں بنادیجئے جو بات سنتے ہیں اور اچھی بات کا اتباع کرتے ہیں اے اللہ نیک بندوں کے ساتھ مجھے بھی جنت کے منادی کی آواز سنا۔

پھر اپنی گردن کا مسح نئے پانی سے کرے۔(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔
مسح الرقبة امان من الغل يوم القيامة (منصور دیلمی)
گردن کا مسح کرنا قیامت کے دن طوق سے محفوظ رہنا ہے۔
گردن پر مسح کے وقت یہ دعا پڑھے:۔
اَللّٰهُمَّ فُكَّ رَقَبَتِىْ مِنَ النَّارِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ السَّلَاسِلِ وَالْاَغْلَالِ۔
اے اللہ میری گردن کو دوزخ سے آزاد کرا اور میں تیری زنجیروں اور طوقوں سے پناہ مانگتا ہوں۔
پھر اپنا داہنا پاؤں دھوئے اور بائیں ہاتھ سے پاؤں کی انگلیوں میں نیچے کی جانب سے خلال کرے اور دائیں پاؤں کو چھنگلیا

---

(۱) احناف کے یہاں سارے سر کا مسح فرض نہیں ہے اور نہ تین بار مسح کرنا ضروری ہے بلکہ صرف ایک مرتبہ چوتھائی سر کا مسح فرض ہے پورے سر کا مسح کرنا سنت ہے (مراقی الفلاح ص ۱۸/ مترجم) (۲) احناف کے نزدیک کانوں کا مسح فرض نہیں ہے اور نہ ان کے لیے نیا پانی لینا ضروری ہے بلکہ وہی پانی کافی ہے جو سر کیلئے استعمال ہوا البتہ اگر ہاتھوں میں تری باقی نہ رہی ہو تو نیا پانی لے لینا چاہیے۔ کانوں کا مسح بھی ایک بار مسنون ہے)(حوالہ سابق ص ۲۰)
(۳) گردن کا مسح کرنا بھی مسنون ہے۔ اس کے لیے نیا پانی لینا ضروری نہیں ہے۔(حوالہ سابق)

سے شروع کرے کے بائیں پاؤں کی چھنگلیا تک خلال ختم کرے۔ دایاں پاؤں دھوتے ہوئے یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْ قَدَمِیْ عَلَی الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِیْمِ یَوْمَ تَزِلُّ الْاَقْدَامُ فِی النَّارِ۔

اے اللہ اس دن مجھے سیدھے راستے پر ثابت قدم رکھیے جس دن پاؤں دوزخ میں پھسل جائیں۔

بایاں پاؤں دھوتے ہوئے یہ دعا پڑھے۔

اَعُوْذُبِکَ اَنْ تَزِلَّ قَدَمِیْ عَلَی الصِّرَاطِ یَوْمَ تَزِلُّ اَقْدَامُ الْمُنَافِقِیْنَ۔

میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ میرا پاؤں پل صراط سے پھسلے اس دن کہ منافقین کے پاؤں پھسلیں گے۔

پانی اپنی آدھی پنڈلی تک پہنچائے' وضوء سے فارغ ہونے کے بعد آسمان کی طرف منہ کرکے یہ دعا پڑھے۔

اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ○ سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَ بِحَمْدِکَ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ عَمِلْتُ سُوْءً اَوْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ○ اَسْتَغْفِرُکَ اللّٰھُمَّ وَ اَتُوْبُ اِلَیْکَ فَاغْفِرْلِیْ وَ تُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَھِّرِیْنَ ○ وَاجْعَلْنِیْ مِنْ عِبَادِکَ الصَّالِحِیْنَ وَ اجْعَلْنِیْ عَبْدًا صَبُوْرًا شَکُوْرًا وَّاجْعَلْنِیْ اَذْکُرُکَ ذِکْرًا کَثِیْرًا وَ اُسَبِّحُکَ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلاً۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں' اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں' الٰہی تو پاک ہے' اور میں تیری پاکی بیان کرتا ہوں' تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے' میں نے برا کام کیا' اپنے آپ پر ظلم کیا' اے اللہ میں تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں۔ اور تیرے سامنے توبہ کرتا ہوں' تو میری مغفرت فرما' اور میری توبہ قبول کر' اے اللہ مجھے توبہ کرنیوالوں میں سے بنا دے مجھے پاک رہنے والوں میں سے بنا دے' مجھے اپنے نیک بندوں میں سے بنا دے' مجھے اپنا صابر شاکر بندہ بنا' اور مجھے ایسا بنا دے کہ میں تیرا بہت زیادہ ذکر کروں' اور صبح و شام تیری پاکی بیان کروں۔

کہا جاتا ہے کہ جو شخص وضو کے بعد یہ دعا پڑھے تو اس کے وضو پر مہر قبولیت ثبت کردی جاتی ہے' اس وضو کو عرش کے نیچے پہنچایا جاتا ہے' وہ وہاں اللہ کی حمد و ثنا میں مشغول رہتی ہے' اور اس تسبیح و تحمید کا تمام اجر قبولیت تک صاحب وضو کو ملتا رہتا ہے۔

مکروہاتِ وضو : وضو میں یہ چند امور مکروہ ہیں (ا) اعضاء کو تین مرتبہ سے زیادہ دھونا اور بلا ضرورت پانی بہانا۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین تین بار اعضاء دھوئے اور فرمایا۔

من زاد فقد ظلم واساء (ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ' عمرو ابن شعیبؓ)

جس نے زیادہ مرتبہ دھوئے اس نے ظلم کیا' اور برا کیا۔

ایک حدیث میں ہے۔

سیکون قوم من ھذہ الامۃ یعتدون فی الدعاء و الطھور (ابوداؤد۔ عبداللہ ابن مغفلؓ)

اس امت میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو دعا اور وضو میں حد سے تجاوز کریں گے۔

علماء کا خیال ہے کہ طہارت میں آدمی کا پانی پر زیادہ حریص ہونا اس بات کی علامت ہے کہ اس کا علم پختہ نہیں ہے۔ ابراہیم ابن ادہمؒ فرماتے ہیں کہ وسوسوں کا آغاز طہارت سے ہوتا ہے۔ حضرت حسنؒ کہتے ہیں کہ وضو کا ایک شیطان ہوتا ہے جو صاحب

وضو پر ہنسا کرتا ہے' اس شیطان کا نام ولہان ہے (۲) پانی دور کرنے کے لیے ہاتھوں کو جھٹکنا (۳) وضو کرتے ہوئے بات چیت کرنا (۴) منھ پر پانی طمانچے کی طرح مارنا (۵) بعض حضرات نے بدن سے پانی کو خشک کرنا بھی مکروہ قرار دیا ہے۔ (۱)
ان حضرات کا کہنا ہے کہ یہ پانی قیامت کے روز میزان اعمال میں تولا جائیگا اس لیے اسے خشک نہ کرنا چاہیے' یہ سعید ابن المسیبؒ اور زہری کی رائے ہے لیکن حضرت معاذؓ کی روایت ہے میں ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم مسح وجہہ بطرف ثوبہ (ترمذی۔ معاذ ابن جبلؓ)

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چہرے مبارک کو اپنے کپڑے کے کنارے سے خشک کیا تھا۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تو ایک تولیہ رہا کرتا تھا (ترمذی) لیکن اس روایت پر نقد کیا گیا ہے (چنانچہ ترمذی کے الفاظ یہ ہیں:۔ یہ حدیث ٹھیک نہیں ہے "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس باب میں کچھ ثابت نہیں ہے) (۶) کانسی کے برتن سے وضو کرنا۔ (۲) یہ کراہت حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے' یہ بھی روایت ہے کہ شعبہؒ کے لیے کانسی کے برتن میں پانی آیا تو انھوں نے اس سے وضو کرنے سے انکار کردیا۔ اور یہ فرمایا کہ ابن عمرؓ اور ابو ہریرہؓ اس طرح کے برتنوں سے وضو کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔

وضو سے فارغ ہونے کے بعد آدمی نماز کے لیے کھڑا ہو تو اسے یہ ضرور سوچنا چاہیے کہ وضو سے میرا ظاہر بدن پاک ہوگیا' اسے لوگ دیکھتے ہیں' بڑے شرم کی بات ہے کہ میں دل کی تطہیر کے بغیر خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوں' اور اس سے مناجات کروں' حالانکہ وہ دل کو دیکھتا ہے' اسی لیے یہ طے کرلینا چاہیے کہ توبہ کے ذریعہ دل کو' اخلاق رذیلہ سے پاک کرنا' اور اخلاق حسنہ سے اسے مزین کرنا بہت ضروری ہے' جو شخص صرف ظاہر کی طہارت کو کافی سمجھتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص بادشاہ کو اپنے گھر آنے کی زحمت دے' باہر سے دروازہ وغیرہ خوب سجائے' اس پر رنگ و روغن کرائے' اور اندر سے گھر میں گندگی کے ڈھیر لگے رہیں' ظاہر ہے یہ شخص مہمان کی خوشنودی حاصل نہ کرسکے گا' بلکہ اس کے عتاب کا مستحق قرار پائے گا۔

<u>وضو کے فضائل</u>: اس سلسلے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ ارشادات حسب ذیل ہیں:

۱۔ من توضاء فاحسن الوضوء وصلی بہ رکعتین لم یحدث فیھما بشئی من الدنیا خرج من ذنوبہ کیوم ولدتہ امہ (وفی روایۃ اخری) لم یسہ فیھما غفرلہ ما تقدم من ذنبہ (کتاب الزھد والرقائق لابن المبارک۔ عثمان ابن عفانؓ)

جو شخص اچھی طرح وضو کرے' اور اس وضو سے دو رکعت پڑھے اس طرح کہ نماز کے دوران دنیا کی کوئی بات دل میں نہ لائے تو وہ اپنے گناہوں سے اس طرح نکل جائے گا جیسے اس روز اس کی ماں نے اسے جنا ہو۔ (دوسری روایت میں ہے) ان دو رکعت کے دوران وہ غافل نہ ہو تو اس کے پچھلے گناہ بخش دیے جائیں گے۔

۲۔ الا انبئکم بما یکفر اللہ بہ الخطایا و یرفع بہ الدرجات' اسباغ الوضوء فی المکارہ' و نقل الاقدام الی المساجد' و انتظار الصلوٰۃ بعد الصلوٰۃ' فذلکم الرباط (مسلم۔ ابو ہریرہؓ)

کیا میں تمہیں وہ بات نہ بتلا دوں جس سے اللہ گناہ معاف کردیتے ہیں اور درجات بلند کرتے ہیں' دل نہ چاہنے کے باوجود مکمل وضو کرنا' مسجدوں کی طرف جانا' اور نماز کے بعد نماز کا انتظار کرنا۔ گویا اس نے اللہ کی

---

(۱) احناف کے یہاں وضوء کے بعد اعضاء وضو کو رومال وغیرہ سے خشک کرنا مستحب ہے اور اس کا شمار آداب وضو میں ہوتا ہے۔ (درمختار باب التمسح بالمندیل ص ۱۳۱/ مترجم) (۲) ردالمحتار میں ہے۔ لوہے' تانبے' کانسی' سیسے' لکڑی' مٹی وغیرہ کے برتنوں میں کھانا پینا جائز ہے' اس سے فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ اس طرح کے برتنوں سے وضو کرنا بھی بلا کراہت جائز ہے۔ (کتاب الحظر والاباحۃ ص ۳۰۰/ مترجم)

راہ میں جہاد کے لیے گھوڑے باندھے ہیں۔
آخری کلمہ آپ نے تین بار ارشاد فرمایا۔

۳۔ توضاء صلی اللہ علیہ وسلم مرة مرة وقال: هذا وضوء لا يقبل الله الصلوٰة الا به' و توضا مرتين مرتين وقال من توضاء مرتين مرتين آتاه الله اجره مرتين' و توضاء ثلاثا ثلاثا وقال هذا وضوئی' و وضوء الانبياء من قبلی' و وضوء خليل الرحمٰن ابراهيم عليه السلام (ابن ماجہ۔ عبداللہ ابن عمرؓ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا' اور ایک ایک مرتبہ اعضاء دھوئے اور فرمایا: یہ وہ وضو ہے کہ اس کے بغیر اللہ نماز قبول نہیں کرتا۔ پھر دو دو مرتبہ اعضاء دھوئے اور فرمایا جو شخص دو مرتبہ دھوئے اللہ اسے ڈبل اجر عطا کرتے ہیں' پھر تین تین بار وضو کیا اور فرمایا: یہ میرا وضو ہے' مجھ سے پہلے انبیاء کا وضو ہے' اور اللہ کے دوست ابراہیم علیہ السلام کا وضو ہے۔

۴۔ من ذكر الله عند وضوء طهر الله جسده كله' ومن لم يذكر الله لم يطهر الله منه الا ما اصاب الماء۔ (دار قطنی۔ ابو ہریرہؓ)

جو شخص وضو کے دوران اللہ کا ذکر کرتا ہے اللہ اس کا تمام جسم پاک کر دیتا ہے' اور جو نہیں کرتا اس کا صرف وہ حصہ پاک کرتا ہے جس پر پانی پہنچتا ہے۔

۵۔ من توضا على طهر كتب الله به عشر حسنات (ابوداؤد' ترمذی۔ ابن عمرؓ)

جو شخص وضو کرے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے دس نیکیاں لکھتے ہیں۔

۶۔ الوضوء على الوضوء نور على نور (اس کی اصل نہیں ملی)

وضو پر وضو کرنا نور پر نور ہے۔

ان دونوں روایتوں سے نیا وضو کرنے کی ترغیب معلوم ہوتی ہے۔

۷۔ اذا توضا العبد المسلم فتمضمض خرجت الخطايا من فيه' فاذا استنثر خرجت الخطايا من انفه' فاذا غسل وجهه خرجت الخطايا من وجهه حتّٰى تخرج من تحت اشفار عينيه' فاذا غسل يديه خرجت الخطايا من يديه حتّٰى تخرج من تحت اظفاره' فاذا مسح براسه خرجت الخطايا من راسه حتّٰى تخرج من تحت اذنيه' واذا غسل رجليه خرجت الخطايا من رجليه حتّٰى تخرج من تحت اظفار رجليه ثم كان مشيه الى المسجد وصلوٰته نافلة له (نسائی' ابن ماجہ۔ حاکم' مسلم مختصراً۔ ابو ہریرہؓ)

جب بندہ مومن وضو کرتا ہے اور کلی کرتا ہے تو اس کے منھ سے گناہ نکل جاتے ہیں' جب ناک صاف کرتا ہے تو گناہ اس کی ناک سے نکل جاتے ہیں' جب اپنا چہرہ دھوتا ہے تو گناہ اس کے چہرے سے دور ہو جاتے ہیں' یہاں تک کہ پلکوں کے نیچے سے بھی گناہ دور ہو جاتے ہیں' جب اپنے دونوں ہاتھ دھوتا ہے تو گناہ اس کے دونوں ہاتھوں سے دور ہو جاتے ہیں' یہاں تک کہ ناخنوں کے نیچے سے بھی نکل جاتے ہیں' جب سر کا مسح کرتا ہے تو گناہ اس کے سر سے بھی دور ہو جاتے ہیں' یہاں تک کہ دونوں کانوں کے نیچے سے بھی دور ہو جاتے ہیں' جب دونوں پیر دھوتا ہے تو گناہ پیروں سے دور ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ ناخنوں کے نیچے سے بھی باہر آجاتے

ہیں۔ پھر اس کا مسجد کی طرف جانا اور نماز پڑھنا دونوں زائد عبادتیں ہوتی ہیں۔

۸۔ من توضاء فاحسن الوضوء ثم رفع طرفه الى السماء فقال اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له' و اشهد ان محمدا عبده و رسوله فتحت له ابواب الجنة الثمانية يدخل من ايها شاء (ابوداؤد۔ عقبہ ابن عامرؓ)

جو شخص اچھی طرح وضو کرے' پھر اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھا کر کہے اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له و اشهد ان محمدا عبده و رسوله تو جنت کے آٹھوں دروازے اس کے لیے کھول دیئے جاتے ہیں' جس دروازے سے چاہے داخل ہو۔

۹۔ الطاهر كالصائم (ابو منصور دیلمی۔ عمرو ابن حریث)

طاہر آدمی روزہ دار کی طرح ہے۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اچھے طریقے پر وضو کرنے سے شیطان دور بھاگتا ہے' مجاہد کہتے ہیں کہ جس شخص کے لیے یہ ممکن ہو کہ وہ سونے سے پہلے وضو کرلے اور ذکر و استغفار کرتا ہوا سوئے تو اسے ایسا کرلینا چاہیے' کیونکہ روحیں اسی حالت پر اٹھیں گی جس حالت پر قبض کی جائیں گی۔

غسل (نہانے) کا طریقہ : غسل کا طریقہ یہ ہے کہ برتن کو اپنی دائیں جانب رکھے' پھر بسم اللہ پڑھے' اور اپنے دونوں ہاتھ تین بار دھوئے' پھر اس طریقے پر استنجا کرے جو مذکور ہوا' بدن پر نجاست ہو تو اسے دھولے' پھر اس طرح وضو کرے جس طرح نماز کے لیے کیا جاتا ہے چنانچہ وضو کا صحیح طریقہ ہم بیان کرچکے ہیں۔ البتہ غسل سے پہلے پاؤں نہ دھوئے' بلکہ غسل کے بعد کیونکہ دھونے کے بعد پاؤں زمین پر رکھے جاتے ہیں' اس صورت میں انھیں دوبارہ دھونا ہوگا' یہ بلا ضرورت پانی ضائع کرنے کی ایک صورت ہے' بہتر یہی ہے کہ غسل سے فارغ ہونے کے بعد دونوں پاؤں دھوئے۔ پھر اپنے سر پر تین مرتبہ پانی ڈالے۔ پھر تین بار دائیں جانب اور تین بار بائیں جانب بدن پر پانی بہائے' پھر جسم کا اگلا اور پچھلا حصہ ملے' سر اور داڑھی کے بالوں میں خلال کرے' بال کم ہوں یا زیادہ ان کی جڑوں تک پانی پہنچانا ضروری ہے' عورتوں کے لیے مینڈھیاں کھولنا ضروری نہیں ہے' لیکن اگر جڑوں تک پانی نہ پہنچنے کا اندیشہ ہو تو مینڈھیاں کھول دینی چاہئیں۔ جسم کی جھریوں کا اور دبے ہوئے حصوں کا بھی خیال رکھے کہ ان میں پانی پہنچا ہے یا نہیں؟ غسل کے دوران اپنے آلۂ تناسل کو ہاتھ نہ لگائے کیونکہ ہاتھ لگانے سے وضو باقی نہیں رہے گا۔(۱)

وضو اور غسل کا یہ مسنون طریقہ ہے' اس لیے ہم نے صرف اسی قدر تفصیل ذکر کی ہے جو سالکانِ آخرت کے لیے کافی ہو' بعض حالات میں مزید تفصیل کی ضرورت پیش آتی ہے' اس کے لیے فقہ کی کتابیں موجود ہیں' ان کی طرف رجوع کیا جائے۔

ان سطور میں ہم نے جو کچھ عرض کیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ غسل میں یہ دو امور فرض ہیں (۱) نیت کرنا (۲) (۲) پورا بدن دھونا اور وضو میں یہ چند چیزیں ضروری ہیں (۱) نیت (۲) منہ دھونا (۳) دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا (۴) سر کا اس قدر مسح کرنا جسے مسح کہا جاسکے (۵) دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھونا۔ (۶) ترتیب یعنی پہلے منہ دھونا پھر ہاتھ دھونا پھر مسح کرنا اور آخر میں پاؤں

---

(۱) احناف کے یہاں مس ذکر (ہاتھ سے آلۂ تناسل کو پکڑنا یا چھونا) سے وضو نہیں ٹوٹتا (الدر المختار علی ہامش رد المختار ج۱ ص۱۳۶ باب نواقض الوضو) اس لیے اگر غسل کے دوران قصداً یا بغیر قصد کے آلۂ تناسل کو چھو لیا جائے تو دوبارہ وضو کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مترجم) (۲) احناف نیت کو فرض نہیں کہتے بلکہ سنت کہتے ہیں (رد المختار ابحاث الغسل ص ۱۴۳ ج۱) اس لیے اگر غسل میں نیت نہ کی تو اس کی صحت میں کوئی شبہ نہیں ہے بلکہ اگر کوئی شخص ماء جاری یا کسی بڑے حوض میں گر جائے یا تیز بارش میں کھڑا ہوجائے اور بعد میں ناک اور منہ میں پانی ڈالے تو غسل جنابت صحیح ہوجائے گا (منیۃ المصلی ص ۶۵)

دھونا۔ وضو میں موالاۃ (پے در پے دھونا) واجب نہیں ہے۔ (۱)

یہاں یہ بھی جان لینا چاہیے کہ غسل چار اسباب کی بنا پر فرض ہوتا ہے (۱) منی نکلنے سے (۲) عورت و مرد کی شرمگاہوں کے ملنے سے۔ (۲) (۳) حیض سے (۴) نفاس سے۔ ان مواقع کے علاوہ غسل مسنون ہے' مثلاً عیدین میں' جمعہ کی نماز کے لیے' احرام باندھنے کے لیے' عرفات اور مزدلفہ میں قیام کے لیے' مکے میں داخل ہونے کے لیے اور ایام تشریق کے لیے نہانا۔ ایک قول کے مطابق طواف وداع کے لیے غسل کرنا مستحب ہے' اسی طرح کافر کا اسلام قبول کرنے کے بعد بشرطیکہ وہ ناپاک نہ ہو' مجنوں کا ہوش میں آنے کے بعد' اور میت کو غسل دینے کے بعد غسل دینے والے کا غسل کرنا مستحب اور پسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔

تیمّم : جس شخص کے لیے پانی کا استعمال دشوار ہو' چاہے وہ دشواری پانی کے دو ملنے کی وجہ سے ہو' یا اس لیے ہو کہ راستے میں درندوں اور دشمنوں کے خوف کی وجہ سے وہاں تک پہنچنا ممکن نہیں ہے' یا پانی موجود ہو لیکن وہ صرف اتنا ہو کہ اس سے خود اس کی یا اس کے رفیق کی پیاس بجھ سکتی ہے' یا وہ پانی کسی دوسرے کی ملکیت ہو' اور مالک زیادہ قیمت پر فروخت کر رہا ہو' یا اس کے جسم پر زخم ہو' یا کوئی' ایسا مرض ہو کہ پانی کے استعمال سے مرض میں اضافہ ہو جائے گا' یا کوئی عضو بیکار ہو جائے گا' یا انتہائی لاغر ہو جائے گا۔ ان تمام اعذار کی بنا پر صاحب عذر کو چاہیے کہ جب فرض نماز کا وقت آئے تو کسی پاک زمین کا ارادہ کرے' جس پر پاک' خالص اور نرم مٹی موجود ہو' اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ملالے اور انھیں زمین پر مارے' پھر دونوں ہاتھ اپنے تمام چہرے پر پھیر لے' ایسا ایک مرتبہ کرے' اس وقت نماز کے جواز کی نیت بھی کرلے' (۳) یہ کوشش نہ کرے کہ غبار خاک بالوں کے جڑوں تک پہنچ جائے' چاہے بال کم ہوں' یا زیادہ' البتہ چہرے کے ظاہر حصوں پر غبار پہنچنا ضروری ہے۔ اور یہ ضرورت ایک ضرب سے پوری ہو جائے گی' کیونکہ چہرے کی لمبائی چوڑائی دو ہتھیلیوں کی لمبائی چوڑائی سے زیادہ نہیں ہے' اور استیعاب میں ظن غالب کی رعایت کافی ہے' پھر اپنی انگوٹھی نکالے' اور دوسری بار زمین پر دونوں ہاتھ مارے' انگلیاں کھلی رکھے' پھر دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو بائیں ہاتھ کی انگلیوں پر اس طرح رکھے کہ بائیں ہاتھ کی انگلیوں کا اندرونی حصہ اور دائیں ہاتھ کی انگلیوں کی پشت مل جائے۔ یہ ملنا اس طرح ہونا چاہیے کہ ایک ہاتھ کی انگلیوں کے پورے دوسرے ہاتھ کی انگشت شہادت سے آگے نہ بڑھیں۔ پھر بائیں ہاتھ کی انگلیوں کو اس جگہ سے دائیں ہاتھ پر پھیرے اور کہنی تک لے جائے' پھر اپنے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی جانب والے حصے پھر پھیرے اور اوپر تک لے جائے' پھر اس طرح پہنچے تک واپس لے آئے' دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کی اندر کی جانب بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کا اوپر والا حصہ پھیر دے' پھر یہی عمل دائیں ہاتھ کے ذریعہ بائیں ہاتھ پر کرے۔ پھر اپنی دونوں ہتھیلیاں ملے' اور انگلیوں میں خلال کرے۔

دونوں ہاتھوں پر اس طرح مسح کرنے کا حکم دینے کی وجہ یہ ہے کہ ایک ضرب (زمین پر ہاتھ مارنا) سے کہنیوں تک مسح ہو جائے' لیکن اگر ایک ضرب میں یہ ممکن نہ ہو تو دوسری اور تیسری ضرب بھی استعمال کی جاسکتی ہے ——— پھر اگر اس تیمم سے فرض نماز ادا کرلی ہو تو اسے نفل نماز پڑھنے کا اختیار ہے لیکن اگر دو فرض نمازیں ایک ساتھ پڑھے تو دوسرے فرض کے لیے نیا تیمم کرلینا چاہیے' ہر فرض کے لیے الگ تیمم ہے۔ (۶)

---

(۱) احناف کے یہاں غسل کے فرائض تین ہیں (۱) کلی کرنا (۲) ناک میں پانی دینا (۳) تمام بدن پر پانی پہنچانا۔ (ہدایہ ص ۳۴ ج ۱) احناف کے مسلک کے مطابق فرائض وضو قسط ۲ صفحہ ۳۴۱ پر گذر چکے ہیں۔ (۲) وجوب غسل کے لیے محض شرم گاہوں کا ملنا کافی نہیں ہے۔ بلکہ مباشرت فاحشہ ضروری ہے' یعنی مرد کی سپاری کا عورت کی شرم گاہ میں چلا جانا (فتاوٰی ہندیہ ص ۱۴ ج ۱/ مترجم (۳) تیمم کے لیے احناف بھی نیت کی شرط لگاتے ہیں (منیتہ المصلی ص ۲۹ و شرح التنویر ج ۱ ص ۲۳۰/ مترجم)

(۶) احناف کے مسلک کے مطابق تیمم کرنے والا ایک تیمم سے جس قدر چاہے فرض نمازیں اور نوافل ادا کرسکتا ہے' (نور الایضاح باب التیمم/ مترجم)

تیسرا باب

فضلات بدن سے پاک ہونا

جسم کے ظاہری فضلات دو طرح کے ہیں (۱) میل (۲) اجزاء۔ ہم ان دونوں کو الگ الگ بیان کرتے ہیں۔

میل اور رطوبتیں : انسانی جسم کے بعض حصوں میں جمع ہوجانے والے میل اور بعض حصوں سے نکلنے والی رطوبتیں آٹھ طرح کی ہیں۔ اول: سر کے بالوں میں جمع ہوجانے والا میل' اور جوئیں وغیرہ۔ سر کی ان چیزوں سے صفائی مستحب ہے۔ دھونے' تیل ڈالنے اور کنگھی کرنے سے یہ میل کچیل دور ہوجاتا ہے' حسب ذیل روایت اس نظافت کے استحباب پر دلالت کرتی ہیں۔

۱۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدھن الشعر ویرجلہ غبا۔
(ترمذی شمائل۔ انس)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی اپنے بالوں میں تیل ڈالتے تھے اور کنگھی کرتے تھے۔

۲۔ فقال علیہ السلام ادھنوا غبا (ترمذی' نسائی۔ عبداللہ ابن مغفل)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کبھی کبھی تیل لگالیا کرو۔

۳۔ وقال علیہ السلام من کان لہ شعرۃ فلیکرمھا (ابوداؤد۔ ابوہریرۃ)

فرمایا: جس شخص کے بال ہوں اسے چاہیے کہ وہ ان کا اکرام کرے (یعنی انھیں پراگندگی سے بچائے)

۴۔ دخل علیہ الصلوٰۃ والسلام رجل ثائر الراس' اشعث اللحیۃ' فقال: اما کان لہ ما یدھن بہ یسکن بہ شعرہ' ثم قال: یدخل احدکم کانہ شیطان (ابوداؤد' نسائی' جابر)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا جس کے سر اور داڑھی کے بال بکھرے ہوئے تھے' آپ نے فرمایا کیا اس کے پاس تیل نہ تھا جس سے بالوں کو درست کرلیتا' پھر فرمایا: تم میں سے کوئی آتا ہے جیسے شیطان ہو۔

دوم : وہ میل جو کانوں کے اندرونی حصوں میں ہوجاتا ہے۔ جو میل اوپر کے حصوں میں ہو اسے مل کر رگڑ کر صاف کیا جاسکتا ہے اور جو کان کے سوراخ میں ہو اس کے لیے ایسا کرنا چاہیے کہ جب غسل کرے تو نرمی سے اسے صاف کردے' سختی سے صاف کرنا ہے قوت سامعہ کے لیے مضر ہے۔ سوم : وہ رطوبت جو ناک کے نتھنوں میں جمع ہوجاتی ہے اور سوکھ کر جلد سے چپک جاتی ہے' یہ رطوبت ناک میں پانی دینے (استنشاق) اور ناک سے پانی جھٹکنے (استنثار) سے دور ہوجاتی ہے۔ چہارم : وہ میل جو دانتوں پر اور زبان کے کناروں پر جمع ہوجاتا ہے' اس کے ازالے کے لیے کلی کرنی چاہیے اور مسواک کا استعمال کرنا چاہیے۔ دوسرے باب میں ہم کلی اور مسواک کے متعلق لکھ چکے ہیں۔ پنجم : وہ میل جو داڑھی کے بالوں میں جمع ہوجاتا ہے اور وہ جوئیں جو نگہداشت نہ رکھنے کی وجہ سے داڑھی میں پیدا ہوجاتی ہیں' ان کے ازالے کے لیے دھونا اور کنگھی کرنا مستحب ہے' ایک مشہور حدیث میں ہے۔

انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یفارقہ المشط والمدری والمرآۃ فی سفر ولا حضر۔ (طبرانی۔ عائشہ)

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر و حضر میں کبھی بھی کنگھی اور آئینہ اپنے سے جدا نہ کرتے تھے۔

اور یہ کوئی آپ ہی کی خصوصیت نہ تھی' عربوں کا یہی دستور تھا' یہ چیزیں خاص طور پر وہ اپنے ساتھ رکھتے تھے چاہے سفر میں ہو یا وطن میں۔ ایک غریب روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

کان یسرح لحیتہ فی الیوم مرتین (ترمذی۔ انسؓ)
آپ دن میں دو بار اپنی داڑھی میں کنگھی کیا کرتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک گھنی تھی۔ (۱) حضرت ابوبکرؓ کی داڑھی بھی ایسی ہی تھی، حضرت عثمانؓ کی داڑھی طویل اور پتلی تھی، حضرت علیؓ کی داڑھی خوب چوڑی تھی، اتنی کہ داڑھی کے بال دونوں شانوں کو گھیر لیتے تھے۔ ایک اور روایت میں ہے:

قال عائشہ رضی اللہ عنہا: اجتمع قوم بباب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فخرج الیھم فرائیتہ یطلع فی الحب یسوی من راسہ ولحیتہ فقلت لو تفعل ذلک یا رسول اللہ فقال: نعم ان اللہ یحب من عبدہ ان یتجمل لاخوانہ اذا خرج الیھم۔ (ابن عدی)

عائشہؓ کہتی ہیں کہ چند لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر (ملاقات کے لیے) جمع ہوئے، آپ باہر تشریف لے گئے، میں نے دیکھا کہ آپ مٹکے میں منہ ڈال کر سر اور داڑھی کے بال درست کر رہے ہیں، میں عرض کیا! یا رسول اللہ! آپ بھی ایسا کرتے ہیں، فرمایا: ہاں! اللہ تعالیٰ اپنے بندہ سے یہ بات پسند کرتا ہے کہ وہ جب اپنے بھائیوں کے پاس جائے تو بن سنور کر جائے۔

اس طرح کی روایات سے جاہل آدمی یہ سمجھتا ہے کہ آپ لوگوں کو دکھانے کے لیے زیب و زینت فرماتے تھے، وہ آپ کے اخلاق کو عام لوگوں کے اخلاق پر قیاس کرتا ہے۔ گویا فرشتوں کو لوہاروں سے تشبیہ دیتا ہے، حالانکہ یہ بات نہیں ہے جو جاہل سمجھ رہا ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت داعی مبعوث ہوئے تھے، آپ کے فرائض میں یہ بات شامل تھی کہ آپ لوگوں کے دلوں میں اپنی عظمت پیدا کرنے کی کوشش کریں اور اپنی ظاہری حالت اچھی بنائیں تاکہ لوگ آپ کو محبوب رکھیں، نفرت سے دور نہ بھاگیں، اور نہ منافقین کو بدگمانی پیدا کرنے کا کوئی موقعہ ملے۔

ہر ایسے عالم کے لیے جو مخلوق کو اللہ کی طرف بلانے کا کام کر رہا ہو یہ ضروری ہے کہ وہ کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے لوگوں میں اس کی طرف سے نفرت پیدا ہو، بلکہ ظاہری حالت کی تحسین پر بھی توجہ دے تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ اس کے قریب آئیں اور فیض حاصل کریں۔

دراصل زینت اور ظاہری حالت کی اصلاح و تحسین میں نیت کا اعتبار ہے، کیونکہ یہ بھی ایک عمل ہے، اور اس کے اچھے یا برے ہونے کا مدار اس کے مقصد کے اچھائی یا برائی پر ہے۔ اس لیے کہ اگر زینت خدا تعالیٰ کے لیے کی جائے تو یہ ایک پسندیدہ عمل ہے۔ لیکن اگر بالوں کی پراگندگی محض اس لیے باقی رکھی جائے کہ لوگ اسے زاہد اور بزرگ سمجھیں گے تو یہ ممنوع ہے، ہاں یہ پراگندہ حال بھی محبوب ہے، بشرطیکہ وہ شخص کسی زیادہ اہم کام میں مشغول ہو، اور اس مشغولیت کی بنا پر ظاہر کی آرائش پر توجہ نہ دے سکا ہو۔ یہ باطنی احوال ہیں، جن کا تعلق بندے اور اس کے خدا سے ہے، صاحبِ بصیرت ان باطنی احوال کی حقیقت خوب سمجھتا ہے، وہ ایک حالت کو دوسری حالت پر قیاس نہیں کرتا۔

بہت سے جاہل ایسے ہیں جو زیب و زینت اختیار کرتے ہیں، مگر ان کی توجہ مخلوق کی طرف ہوتی ہے، وہ خود بھی غلط فہمی میں مبتلا رہتے ہیں، اور دوسروں کو دھوکا دیتے ہیں۔ اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارا مقصد نیک ہے، تم بہت سے علماء (جو در حقیقت جاہل ہوتے ہیں) کو دیکھو گے کہ عمدہ لباس پہنتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس زیب و زینت سے ہمارا مقصد ہے کہ اہل بدعت اور

---

(۱) آپ کی داڑھی کا گھنا ہونا شمائل ترمذی میں ہند ابن ابی ہالہ سے مروی ہے۔ (مترجم)

دشمنانِ دین کی تذلیل ہو' اور ہمیں خدا کی قربت حاصل ہو۔ ان کی نیت کا حال اس روز کھلے گا جب باطن کی آزمائش ہوگی' قبروں سے مردے اٹھائے جائیں گے' اور سینوں کی باتیں زبانوں پر آجائیں گی' اس روز کھرا سونا کھوٹے سے ممتاز ہوجائے گا۔ ہم اس روز کی رسوائی سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

ششم : وہ میل جو انگلیوں کے اوپر سلوٹوں میں جمع ہو جاتا ہے' اہل عرب کھانا کھانے کے بعد ہاتھ دھونے کے عادی نہ تھے' اس لیے ان جگہوں پر میل باقی رہ جاتا تھا' اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مقامات کو وضو میں بطورِ خاص دھونے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

نقوا براجمکم (حکیم ترمذی فی النوادر۔ عبداللہ ابن بسرؓ)

اپنی انگلیوں کے جوڑ صاف کرلیا کرو۔ (۱)

ہفتم : وہ میل جو انگلیوں کے سروں پر اور ناخنوں کے نیچے جمع ہو جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رواجب (انگلیوں کے سرے) صاف رکھنے کا حکم فرمایا ہے۔ (۲) اسی طرح ناخنوں کے نیچے جو میل کچیل جمع ہو جاتا ہے اسے بھی صاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (۳) اسی لیے ناخن تراشنے' بغل اور زیرِ ناف بال کاٹنے کے لیے شریعت نے چالیس روز کی مدّت متعیّن کی ہے' تاکہ گندگی دور ہوتی رہے' انگلیوں کے جوڑ اور سروں میں جمع ہو جانے والے میل کچیل کی صفائی کا حکم اس روایت میں بھی موجود ہے:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم استبطأ الوحی: فلما ھبط علیہ جبرئیل علیہ السلام قال لہ: کیف ننزل علیکم و انتم لا تغسلون براجمکم ولا تنظفون رواجبکم' وقلحا لا تستاکون۔ (مسند احمد۔ ابن عباسؓ)

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہونے میں تاخیر ہوگئی' جب جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے' تو انھوں نے آپ سے عرض کیا ہم کس طرح آپ لوگوں کے پاس آئیں نہ آپ لوگ اپنی انگلیوں کے پور دھوتے ہیں اور نہ جوڑ صاف رکھتے ہیں اور نہ دانت کی زردی دور کرنے کے لیے مسواک کرتے ہیں۔ اپنی امت کو ان چیزوں کا حکم دو۔

قرآن پاک کی ایک آیت ہے:

فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ (پ ۱۵' ر ۳' آیت ۲۳)

پس انھیں اف بھی مت کہو۔

بعض علماء نے اُف سے ناخن کا میل مراد لیا ہے' اور یہ تفسیر کی ہے کہ والدین کو اتنی بھی تکلیف مت پہنچاؤ جتنا ناخن کے نیچے میل ہوتا ہے۔ بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ ماں باپ کو ناخن کے میل کا عیب مت لگاؤ' انھیں اس سے تکلیف ہوگی۔ اف کا اطلاق ناخن کے میل پر اور تف کا اطلاق کان کے میل پر ہوتا ہے۔

---

(۱) ابن عدی نے حضرت انسؓ کی یہ روایت نقل کی ہے "وان یتعاھد البراجم اذا توضاء" یعنی جب وضو کرے تو انگلیوں کے جوڑوں کا خیال رکھے' مسلم نے حضرت عائشہؓ کی روایت تخریج کی ہے' اس میں غسل البراجم کو دس فطری خصال میں شمار کیا گیا ہے۔ (۲) مسند احمد حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی روایت ہے "انہ قیل یا رسول اللہ لقد ابطأ عنو جبرئیل' فقیل ولم لا یبطی وانتم لا تستنون ولا تقلمون اظفارکم ولا تقصون شواربکم ولا تنقون رواجبکم" ترجمہ: صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! جبرئیل علیہ السلام نے آپ کے پاس آنے میں تاخیر کردی۔ فرمایا: کیسے تاخیر نہ کریں گے تمہارا حال یہ ہے کہ تم نہ دانت صاف کرتے ہو' نہ اپنے ناخن تراشتے ہو' نہ مونچھے کتواتے ہو' اور نہ انگلیوں کے سرے صاف کرتے ہو۔ (۳) طبرانی میں وابصہ ابن سعدؓ کی روایت ہے "سالت النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن کل شئی حیت سالت عن الوسخ الذی یکون فی الاظفار فقال دع ما یریبک الی ما لا یریبک"

ہشتم : وہ میل جو تمام بدن پر جم جائے' یہ میل راستے کی گرد اور جسم کے پسینے سے بنتا ہے' یہ میل کچیل حمام میں نہانے سے دور ہو جاتا ہے' حمام میں نہانا معیوب نہیں ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین شام کے حماموں میں غسل کے لیے تشریف لے گئے ہیں' وہ لوگ کہتے ہیں کہ حمام بہترین گھر ہے' بدن کو پاک کرتا ہے اور آگ کو یاد دلاتا ہے۔ یہ قول ابوالدرداءؓ اور ابو ایوب انصاریؓ سے مروی ہے۔ اگرچہ بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ بد ترین گھر حمام ہے' جو جسم کو ننگا کرتا ہے' آدمی میں بے حیائی پیدا کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ حمام کے فوائد بھی ہیں اور نقصانات بھی' اس لیے اگر کوئی شخص اس کے نقصانات سے بچے' اور اس کے فوائد حاصل کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے' ذیل میں ہم حمام کے واجبات اور سنن لکھتے ہیں۔ حمام کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ ان کی رعایت کریں۔

حمام میں نہانے کا مسئلہ (واجبات) : حمام کرنے والوں کو چار امور کا لحاظ رکھنا چاہیے' ان میں سے دو کا تعلق خود اس کی اپنی ذات سے ہے اور دو کا تعلق دوسرے لوگوں کی ذات سے اس کے ذات سے مخصوص دو امر یہ ہیں کہ اپنے ستر کو دوسروں کی نگاہوں سے محفوظ رکھے اور دوسرے لوگوں کے ہاتھوں کو اپنے ستر سے مس نہ ہونے دے۔ اس حکم کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس جگہ میل دور کرنے اور ملنے کیلئے خود اپنے ہاتھ استعمال کرے' اور حمامی کو منع کردے کہ وہ رانوں کو اور ناف سے زیر ناف تک کے حصوں کو ہاتھ نہ لگائے' اگرچہ قیاس کا تقاضا یہی ہے کہ ان جگہوں پر ہاتھ لگانا جائز ہونا چاہیے' کیونکہ حرمت صرف مقام شرم کی ہے' لیکن کیونکہ شریعت نے مقام ستر سے متصل حصوں کو بھی نگاہ کے باب میں مقام شرم کے حکم میں کردیا ہے اس لیے یہاں ہاتھ لگانے اور ملنے وغیرہ کے باب میں بھی ان جگہوں کا وہی حکم ہونا چاہیے جو مقام شرم کا ہے۔

وہ امور جو دوسرے شخص سے متعلق ہیں یہ ہیں کہ (۱) اگر حمام میں کوئی دوسرا شخص برہنہ غسل کر رہا ہو اس پر نظر نہ ڈالے (۲) اگر وہ شخص ستر کھول رہا ہو تو اسے منع کردے۔ کیونکہ بری بات سے روکنا اور منع کرنا واجب ہے' جہاں تک قبول کرنے یا قبول نہ کرنے کا تعلق ہے یہ دوسرے شخص کا فعل ہے' محض اس خیال سے کہ وہ قبول نہیں کرے گا برائی کا ذکر کرنا' اور اس سے روکنا برائی دیکھنے والے کے ذمّے سے ساقط نہیں ہوتا۔ ہاں اگر یہ خوف ہو کہ منع کرنے سے وہ شخص مار پیٹ کرے گا' یا گالیاں دے گا یا کوئی ایسا قدم اٹھائے گا جو فی نفسہ حرام ہے تو منع نہ کرے' کیونکہ اس طرح وہ دوسرے حرام کا مرتکب ہوگا۔ لیکن نہی عن المنکر کا فریضہ ادا نہ کرنے کے لیے یہ عذر کرنا کہ مرتکب اپنا فعل سے باز نہیں آئے گا یا وہ میری نصیحت پر عمل نہیں کرے گا' ذمّہ داری سے بری نہیں کرتا بلکہ منع کرنا ضروری ہے' اس لیے کہ ذکر و نصیحت سے دل متاثر ہوتا ہے' اور یہ محسوس کرتا ہے کہ اس گناہ سے بچا جائے۔ اور یہ فائدہ ہی کیا کم ہے کہ خود اس کا نفس اس گناہ سے باز رہتا ہے' اس لیے نصیحت ترک کرنا جائز نہیں ہے۔

آج کل لوگ حمام میں جاتے ہیں' ان کا ستر کھلا رہتا ہے' خصوصاً ناف کا زیریں حصہ' لوگ اسے ستر میں داخل نہیں کرتے' حالانکہ شریعت نے اس حصۂ بدن کو بھی ستر میں شمار کیا ہے' اور اسے ستر کی حد قرار دیا ہے اس لیے احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ حمام میں غسل نہ کرے' اور اگر ضرورت ہو تو تنہا جائے۔ چنانچہ بشر ابن الحرث فرماتے ہیں کہ میں اس شخص پر ملامت نہیں کروں گا جس کے پاس صرف ایک درہم ہو اور وہ حمام خالی کرانے کے لیے اسے خرچ کردے' حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کو لوگوں نے دیکھا کہ وہ حمام میں دیوار کی طرف منہ کئے کھڑے ہیں اور آنکھوں پر پٹی باندھ رکھی ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ حمام میں جاکر غسل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے' لیکن جانے والے کو چاہیے کہ وہ دو چادریں لے کر جائے' ایک سے ستر چھپائے اور دوسری چادر کو اپنے سر پر ڈالے اور نگاہوں کو دوسروں کی ستر دیکھنے سے محفوظ رکھے۔

(مستحبات) : حمام میں غسل کرنے کے مستحبات دس ہیں۔ (۱) سب سے پہلے نیت کرے' یعنی حمام میں دنیا کے لیے یا صرف خواہش نفس کی تکمیل کے لیے داخل نہ ہو' بلکہ یہ نیت کرے کہ نماز کے لیے طہارت اور نظافت مطلوب ہے اس کے لیے حمام

میں غسل کرنا چاہتا ہوں۔ (۲) حمام میں داخل ہونے سے پہلے حمامی کو اس کی اجرت ادا کردے اس لیے کہ غسل کرنے والا جو کچھ خدمت حمامی سے لینا چاہتا ہے وہ مجہول ہے' اور حمامی کے لیے بھی وہ اجرت معلوم نہیں جو اسے ملنے کی توقع ہے' اس لیے حمام میں جانے سے پہلے اجرت ادا کردینے سے ایک طرف کی جہالت ختم ہوگی' اور نفس کو آسودگی ملے گی۔ (۳) حمام میں داخل ہونے کے لیے بایاں پاؤں پہلے رکھے اور یہ دعا پڑھے۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الرِّجْسِ النَّجَسِ الْخَبِیْثِ الْمُخْبَثِ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں ناپاک' پلید' خبیث' مجث شیطان مردود سے۔

(۴) حمام میں اس وقت جائے جب تخلیہ ہو' یا اجرت وغیرہ دے کر اپنے لیے حمام خالی کرالیا گیا ہو' اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ حمام میں صرف دیندار اور محتاط اشخاص غسل کر رہے ہیں تب بھی ان کے ننگے بدنوں پر نگاہ پڑنے کا امکان ہے' پھر ننگے بدن پر نظر پڑ جائے تو جسم کے دوسروں حصّوں کا تصور آتا ہے' اس کے علاوہ لنگی وغیرہ باندھنے میں بھی اس کا امکان رہتا ہے کہ کسی وجہ سے ستر کھل جائے' یہی وجہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے حمام میں داخل ہونے کے بعد آنکھوں پر پٹی باندھ لی تھی۔ (۵) حمام میں داخل ہونے کے بعد دونوں ہاتھ دھوئے' (۶) گرم حمام میں داخل ہونے کی جلدی نہ کرے۔ تاوقتیکہ جسم سے پسینہ نہ نکل جائے منتظر رہے۔ (۷) زیادہ پانی استعمال نہ کرے' بلکہ بقدرِ ضرورت پر اکتفا کرے' اس لیے کہ اسے بقدرِ ضرورت پانی استعمال کرنے کی اجازت ہے' اگر زیادہ پانی استعمال کرے گا' اور حمامی کو یہ بات معلوم ہوگی تو وہ اسے برا سمجھے گا' خاص طور پر گرم پانی کے استعمال میں احتیاط بہت ضروری ہے کیونکہ پانی محنت اور پیسے کے بغیر گرم نہیں ہوتا۔ (۸) حمام کی گرمی سے دوزخ کی حرارت کا تصور کرے' اور اس گرم کمرے میں خود کو محبوس و مقید فرض کرکے جہنم کو اس پر قیاس کرے' حمام جہنم کے بہت زیادہ مشابہ ہے' نیچے آگ روشن ہے اور اوپر اندھیرا غالب ہے۔ (اللہ پناہ میں رکھے)

حمام میں آخرت کی یاد : عقلمند انسان کسی بھی وقت آخرت کی یاد سے غافل نہیں ہوتا' کیونکہ آخرت ہی اس کا اصل ٹھکانہ ہے۔ حمام کی آگ اور پانی سے وہ عبرت اور نصیحت حاصل کرتا ہے اور یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں۔ ہر شخص اپنی ہمت کے بقدر اور اپنی مناسبت کی چیزوں میں غور و فکر کرتا ہے' چنانچہ بزاز' بڑھئی' معمار اور جولاہا کسی ایسے آباد مکان میں جائیں جس میں فرش بچھا ہوا ہو تو وہاں ہر ایک کی توجہ کا مرکز الگ چیز ہوگی۔ بزاز کی نظر فرش پر پڑے گی اور وہ اس کی قیمت کا اندازہ لگائے گا' جولاہا کپڑوں کی بناوٹ پر غور و فکر کرے گا' بڑھئی چھت اور دروازے میں لگی ہوئی لکڑی کی بناوٹ پر غور کرے گا' معمار یہ دیکھے گا کہ اس مکان کی دیواریں سیدھی اور مضبوط ہیں یا نہیں؟ یہی حال راہِ آخرت کے سالک کا ہے' وہ جب بھی کوئی چیز دیکھتا ہے اسے آخرت یاد آتی ہے' بلکہ وہ جس چیز پر نظر ڈالتا ہے اللہ تعالیٰ اس میں اس کے لیے عبرت و نصیحت کے دروازے کھول دیتے ہیں' مثلاً سیاہی پر نظر پڑتی ہے تو اسے قبر کا اندھیرا یاد آجاتا ہے' سانپ کو دیکھ کر جہنم کے سانپ یاد آجاتے ہیں' بری صورت نظر آتی ہے تو چشم تصور میں منکر نکیر اور دوزخ کے فرشتے سما جاتے ہیں' خوفناک آواز سے وہ صورِ قیامت کا تصور کرتا ہے' اگر کوئی بہتر چیز دیکھتا ہے تو جنت کی نعمتیں یاد آجاتی ہیں' بازار میں گھر میں حساب کتاب' اور ردّ و قبول کی کوئی بات کانوں میں پڑتی ہے تو قیامت کا حساب و کتاب اور اعمال کے ردّ و قبول کا منظر اس کے سامنے آجاتا ہے ——— اور یہ بات ضروری ہے کہ انسان فکرِ آخرت میں مبتلا رہے' اور دنیا کی چیزوں کے ذریعہ آخرت کو یاد کرتا رہے' اس لیے کہ دنیا کے کاروبار ہی اسے آخرت کی فکر سے روکتے ہیں۔ حالانکہ اگر وہ دنیاوی زندگی اور اخروی زندگی کا موازنہ کرے تو یہ تمام کاروبار' اور دنیا کے یہ تمام رشتے ہیچ اور بیکارِ محض نظر آئیں گے' لیکن شرط یہ ہے کہ موازنہ کرنے والا ان لوگوں میں سے نہ ہو جو قلبِ غافل رکھتے ہیں اور چشم بینا سے محروم ہیں۔

(۹) حمام میں داخل ہوتے ہوئے سلام نہ کرے' اور اگر کوئی سلام کرے تو اس کا جواب سلام سے نہ دے' بلکہ انتظار کرلے کہ کوئی دوسرا اس کے سلام کا جواب دیدے' لیکن اگر جواب دینا ضروری ہی ہو تو عافاک اللّٰہ کہہ دے۔ ہاں حمام میں موجود

لوگوں سے مصافحہ کرنے میں اور انھیں عافاک اللہ کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن ان سے زیادہ گفتگو نہ کرے اور نہ آواز سے قرآن پاک کی تلاوت کرے' تعوّذ (اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم) با آواز بلند پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (۱۰) عشاء اور مغرب کے درمیان اور غروب آفتاب کے وقت حمام میں نہ جائے' ان اوقات میں شیطان اپنے ٹھکانوں سے نکلتے ہیں اور زمین پر پھیلتے ہیں۔

اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ کوئی دوسرا شخص نہانے والے کا بدن ملے' چنانچہ ابن السباکؒ کے بارے میں منقول ہے کہ انھوں نے وصیت کی تھی کہ میرے مرنے کے بعد فلاں شخص مجھے غسل دے کیونکہ اس نے حمام میں بھی بارہا میرا بدن ملا ہے' میں یہ چاہتا ہوں کہ اس کے بدلے میں کوئی ایسا کام اس شخص سے لوں جس سے وہ خوش ہو' میری اس تجویز سے وہ خوش ہوگا۔ اس عمل کا جواز حضرت عمر ابن الخطابؓ کی اس روایت سے بھی سمجھ میں آتا ہے۔

ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نزل منزلا فی بعض اسفارہ فنام علی بطنہ' وعبد اسود یغمز ظہرہ فقلت ما ھذا یا رسول اللّٰہ؟ فقال: ان الناقة تقحمت بی۔ (طبرانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کسی سفر میں کہیں قیام پذیر ہوئے' اور پیٹ کے بل لیٹ گئے' اور ایک سیاہ حبشی غلام آپ کی کمر دبانے لگا' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ کیا ہے؟ فرمایا: میں اونٹنی سے گر گیا تھا (اس لیے کمر دبوا رہا ہوں)۔

جب حمام سے فارغ ہو تو اللہ تعالیٰ کی اس نعمت پر اس کا شکر ادا کرے' اس لیے کہ سرد موسم میں گرم پانی بھی ایک نعمت ہے' اور ایسی نعمت ہے جس کے متعلق قیامت میں سوال کیا جائے گا۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حمام ان نعمتوں میں سے ایک ہے جو بعد کے لوگوں نے ایجاد کی ہے' حضرت ابن عمرؓ کا یہ ارشاد مبارک ایک شرعی فضیلت کی حیثیت رکھتا ہے اور طبّی فضیلت یہ ہے کہ نورہ (بال صاف کرنے کا پاؤڈر) استعمال کرنے کے بعد حمام کرنا جذام کے لیے مفید ہے' بعض اطباء کہتے ہیں کہ مہینے میں ایک مرتبہ نورہ استعمال کرنے سے حرارت ختم ہوتی ہے' رنگ صاف ہوتا ہے' اور قوت باہ میں اضافہ ہوتا ہے' بعض حضرات کہتے ہیں کہ موسم سرما میں حمام کے اندر کھڑے ہو کر ایک مرتبہ پیشاب کرنا دوا سے زیادہ نفع بخش ہے' بعض حضرات کہتے ہیں کہ گرمیوں میں حمام کے بعد سو جانا دوا پینے کے برابر ہے' ایک قول یہ بھی ہے کہ حمام سے فارغ ہونے کے بعد ٹھنڈے پانی سے دونوں پاؤں دھونا نقرس (پاؤں کا درد) کے لیے مفید ہے۔ لیکن حمام کے بعد سر پر ٹھنڈا پانی ڈالنا' یا ٹھنڈا پانی پینا صحت کے لیے مضر ہے'۔ حمام کے متعلق جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس کے مخاطب مرد ہیں۔ عورتوں کے سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

لا یحل لرجل ان یدخل حلیلتہ الحمام وفی البیت مستحم (نسائی و حاکم۔ جابرؓ)

کسی مرد کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنی بیوی کو حمام میں جانے دے جب کہ اس کے گھر میں غسل خانہ موجود ہو۔

ایک روایت میں ہے:

حرام علی الرجال دخول الحمام الا بمئزر وحرام علی المراة دخول الحمام الا نفساء او مریضة (ابوداؤد' ابن ماجہ۔ ابن عمرؓ)

مرد کے لیے لنگی کے بغیر حمام میں داخل ہونا حرام ہے' اور عورت کے لیے نفاس یا مرض کے بغیر حمام میں جانا حرام ہے۔

چنانچہ حضرت عائشہؓ نے کسی بیماری کی وجہ سے حمام کیا تھا' اگر عورت کو حمام میں جانے کی ضرورت پیش آئے تو اسے پوری

چادر پہن لینی چاہیے۔ بلا ضرورت حمام کرنے لیے خاوند اگر حمامی کی اجرت ادا کرے گا تو وہ گنہگار ہوگا اور برائی پر اپنی بیوی کی مدد کرنے والا ٹھہرے گا۔

زائد اجزائے بدن : انسانی جسم کے زائد اجزاء آٹھ ہیں۔ اول سر کے بال: سر کے بالوں کے سلسلے میں شرعی حکم یہ ہے کہ ان کا کٹوانا بھی جائز ہے' اور رکھنا بھی جائز ہے بشرطیکہ شہدوں اور لفنگوں کے طرز پر نہ ہوں کہ کہیں سے کٹے ہوئے ہوں اور کہیں موجود ہوں' یا چوٹیاں وغیرہ رکھی جائیں' شرفاء کے طریقے پر مینڈھیاں وغیرہ چھوڑنا بھی مناسب نہیں ہے اس لیے کہ یہ شہدوں کی علامت بن چکی ہے۔ اگر کوئی شخص مینڈھیاں چھوڑے گا اور شریف نہیں ہوگا تو اس کا یہ فعل تلبیس کہلائے گا۔ دوم مونچھوں کے بال : اس سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :

قصوا الشوارب واعفوا اللحی۔

مونچھیں تراشو اور داڑھیاں بڑھاؤ۔ (۱) بعض روایات میں جزوا الشوارب اور بعض میں حفو الشوارب کے الفاظ آئے ہیں۔ قصد اور جز کے معنی ہیں تراشنا۔ حف حاف سے مشتق ہے' جس کے معنی ہیں "اردگرد"۔ قرآن پاک میں ہے:

وَتَرَى الْمَلَائِكَةَ حَافِّينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ (پ ۲۴ ر ۵ آیت ۷۵)

اور آپ فرشتوں کو دیکھیں گے کہ عرش کے اردگرد حلقہ باندھے ہوں گے۔

حدیث شریف میں حفوا الشوارب کے معنی ہیں "مونچھوں کو اپنے ہونٹوں کے اردگرد کرلو" ایک روایت میں "احفوا" آیا ہے' جس میں جڑ سے صاف کر دینے کا مفہوم پوشیدہ ہے۔ لفظ "حفوا" اس سے کم تراشنے پر دلالت کرتا ہے' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

إِن يَسْأَلْكُمُوهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوا (پ ۲۶ ر ۸ آیت ۳۷)

اگر وہ تم سے مال مانگے پھر تمہیں تنگ کرے تو بخیل بن جاؤ۔

یعنی اگر وہ شخص مانگنے میں زیادہ مبالغہ کرے اور انتہا کردے تو تمہیں بخیل بن جانا چاہیے۔ لیکن مونچھوں کا مونڈنا کسی حدیث میں وارد نہیں ہوا ہے' البتہ کترنا صحابہ سے منقول ہے' چنانچہ ایک تابعیؒ نے کسی شخص کو دیکھا کہ اس نے مونچھیں کتر رکھی ہیں تو فرمایا کہ تو نے صحابہؓ کی یاد دلادی (یعنی صحابہ بھی مونچھیں کترواتے تھے) مغیرہ ابن شعبہؓ کہتے ہیں:

نظر الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقد طال شاربی فقال تعال' فقصہ لی علی سواک۔

(ابوداؤد' نسائی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ میری مونچھیں بڑھی ہوئی ہیں' آپ نے فرمایا: یہاں آؤ' پھر مسواک رکھ کر میری مونچھیں کتر دیں۔

مونچھوں کی دونوں جانب کے بال رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے' اس لیے کہ نہ یہ بال منہ کو ڈھانپتے ہیں' اور نہ انہیں کھانے کے وقت چکنائی وغیرہ لگتی ہے۔ حضرت عمرؓ اور دوسرے اکابر صحابہ کی مونچھیں ایسی ہی تھیں۔ اسی حدیث میں "واعفو اللحی" کا حکم بھی ہے جس کے معنی ہیں داڑھیاں بڑھاؤ۔ ایک حدیث میں ہے:

---

(۱) روایات میں قصوا' جزوا' حفوا اور احفوا کے الفاظ وارد ہیں' حضرت ابن عمرؓ کے متفق علیہ روایت میں اعضوا کا لفظ ہے' حضرت ابوہریرہؓ میں جزوا ہے اور انہی کی روایت میں قصوا ہے' اول الذکر مسلم میں اور ثانی الذکر مسند احمد بھی ہے۔

ان الیھود یعفون شواربھم ویقصون لحاھم فخالفوھم (احمد ابوامامہ)

یہود اپنی مونچھیں بڑھاتے ہیں اور داڑھیاں کترواتے ہیں تم ان کی مخالفت کرو۔

بعض علماء نے مونچھیں مونڈنے کو مکروہ اور بدعت قرار دیا ہے۔

سوم بغلوں کے بال! انھیں چالیس دن میں اکھاڑ ڈالنا مستحب ہے' یہ بات اس شخص کے لیے آسان ہے جس نے ابتداء ہی سے بغلیں اکھاڑنے کی عادت بنالی ہو' اگر وہ بال مونڈنے کا عادی ہو تو اس کے لیے منڈانا کافی ہے' کیونکہ اصل مقصد یہ ہے کہ بالوں کے درمیان میل اکٹھا نہ ہو' اور یہ مقصد مونڈنے سے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ چہارم زیر ناف بال! ان کا دور کرنا بھی مستحب ہے' چاہے مونڈے' یا نورہ وغیرہ کا استعمال کرے۔ ان بالوں پر چالیس دن سے زائد مدت نہیں گذرنی چاہیے۔

پنجم ناخن! ان کا تراشنا بھی مستحب ہے' اس لیے کہ جب ناخن بڑھ جاتے ہیں تو ان کی صورت بری ہو جاتی ہے' اور ان میں گندگی جمع ہو جاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

یا اباھریرۃ قلم اظفارک فان الشیطان یقعد علی ماطال منھا (جامع خطیب)

اے ابوہریرہ اپنے ناخن تراشو' اس لیے کہ بڑھے ہوئے ناخن پر شیطان بیٹھ جاتا ہے۔

اگر ناخن کے نیچے میل جمع ہو تو یہ صورت وضو کی صحت کے لیے مانع نہیں ہے' یا تو اس لیے کہ میل جلد تک پانی کے پہنچنے میں رکاوٹ نہیں بنتا' یا اس لیے کہ ضرورت کی وجہ سے اس میں آسانی کر دی گئی ہے۔ خصوصاً مردوں کے حق میں' عرب بدّوؤں کی انگلیوں پر اور پاؤں کی پشت پر جم جانے والے میل کے سلسلے میں یہ سہولت کچھ زیادہ ہی ملحوظ رکھی گئی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے باشندوں کو ناخن کاٹتے رہنے کا حکم فرماتے تھے' اور ان کے نیچے جمع ہونے والے میل پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے تھے' مگر یہ نہیں فرماتے تھے کہ نماز دوبارہ پڑھو' اگر آپ اس کا حکم فرمادیتے تو اس سے یہ فائدہ ہوتا کہ میل کی کراہت پر تاکید ہو جاتی' میں نے ناخن تراشنے میں انگلیوں کی ترتیب کے سلسلے میں کوئی روایت نہیں پڑھی' مگر سنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت سے ابتدا فرماتے' اور انگوٹھے پر ختم کرتے' اور بائیں ہاتھ میں چھوٹی انگلی سے شروع کر کے انگوٹھے پر ختم فرماتے۔(۱) جب میں نے اس ترتیب پر غور کیا تو یہ خیال گذرا کہ اس باب میں یہ روایت صحیح ہے۔ کیونکہ ایسی بات ابتداء میں نور نبوت کے بغیر معلوم نہیں ہوتی۔ اور صاحب بصیرت عالم کی غایت مقصد ہی یہ ہے کہ جب اس کے سامنے کوئی فعل رسول بیان کیا جائے تو اس میں وہ عقل کے ذریعہ استنباط کرے۔ چنانچہ ناخن تراشنے کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل سن کر مجھے یہ خیال ہوا کہ ہاتھ پاؤں کے ناخنوں کا تراشنا ضروری ہے' اور ہاتھ پاؤں کے مقابلے میں افضل و اشرف ہے' اس لیے پہلے آپ نے ہاتھوں کے ناخن تراشے' ہاتھوں میں بھی دائیں ہاتھ سے ابتدا کی' اس لیے کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ سے افضل ہے' دائیں ہاتھ میں پانچ انگلیاں ہیں' انگشت شہادت ان میں سب سے افضل ہے' اس لیے کہ اسی انگلی سے نماز میں شہادت کے دونوں کلموں کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی انگلی کے ناخن پہلے تراشے' قاعدہ میں پھر اس انگلی کا نمبر آنا چاہیے جو اس کی دائیں جانب ہے۔ اس لیے کہ شریعت نے طہارت کے باب میں اعضاء کو گردش دینے کے سلسلے میں دائیں جانب ہی کو مستحسن سمجھا ہے' اب اگر ہاتھ کی پشت زمین پر رکھی جائے تو انگشت شہادت کی دائیں جانب انگوٹھا ہے' اور ہتھیلی رکھی جائے تو دائیں جانب بڑی انگلی ہے۔ ہاتھ کو اگر اپنی سرشت پر چھوڑ دیا جائے تو ہتھیلی زمین کی طرف مائل ہوگی' اس لیے کہ دائیں ہاتھ کی حرکت بائیں جانب اکثر اسی وقت ہوتی ہے جب ہاتھ کی پشت اوپر رہے' چنانچہ ناخن تراشنے میں مقتضائے فطرت کی رعایت کی گئی ہے۔ پھر اگر ہتھیلی کو ہتھیلی پر رکھا جائے تو تمام انگلیاں گویا ایک دائرے کے حلقے میں ہو جائیں گی۔ اس صورت میں ترتیب کا تقاضا یہی ہوگا کہ انگشت شہادت کی دائیں جانب کو چل کر پھر اسی طرف آجائیں' اس حساب سے بائیں ہاتھ کی ابتدا کن انگلی

---

(۱) اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔ ابو عبداللہ المازری نے "الرد علی الغزالی" میں اس روایت پر سخت نکیر کی ہے۔

(چھوٹی انگلی) سے اور انتہا انگوٹھے پر ہوگی' اسی پر ناخن تراشی کی تکمیل ہوگی۔ ایک ہتھیلی کو دوسری ہتھیلی پر رکھنا اس لیے فرض کیا تا کہ تمام انگلیاں یک حلقے میں موجود اشخاص کی طرح ہوجائیں اور ان میں یک گونہ ترتیب پیدا ہوجائے۔ یہ مفروضہ اس سے بہتر ہے کہ ایک ہاتھ کی پشت کو دوسرے ہاتھ کی پشت پر رکھنا فرض کیا جائے۔ یا دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں کی پشت پر رکھی جائے۔ اس لیے کہ ان دونوں صورتوں کو طبیعت مقتضی نہیں ہے۔ پاؤں کی انگلیوں کے ناخن تراشنے کے سلسلے میں اگر کوئی روایت ثابت نہ ہو تو میرے نزدیک بہتر طریقہ یہ ہے کہ دائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی سے شروع کرکے بائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی پر ختم کیا جائے' جس طرح وضو میں خلال کرتے ہیں' اس لیے کہ جو وجوہات ہم نے ہاتھ کے ذیل میں لکھی ہیں وہ یہاں نہیں پائی جاتیں' پاؤں میں کوئی شہادت کی انگلی نہیں ہے' بلکہ دسوں انگلیاں زمین پر ایک قطار میں رکھی ہوئی ہیں' اس لیے دائیں جانب سے ابتدا کی جائے گی' پھر تلوے کو تلوے پر رکھنا بھی فرض نہیں کیا جاسکتا' اس لیے کہ طبیعت اس کا تقاضا نہیں کرتی۔

فعل رسول۔ توازن' قانون اور ترتیب : ترتیب کی یہ باریکیاں نور نبوّت کے فیضان سے ایک لمحہ میں معلوم ہوجاتی ہیں' جو کچھ دشواری ہے وہ ہمارے لیے ہیں' اگر ہم سے ترتیب کے متعلق سوال کرلیا جائے تو مشکل ہی سے ذہن میں کوئی ترتیب آئے گی' یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی ترتیب ہی ذہن میں نہ آئے' لیکن جب ہمارے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل بیان کیا جائے اور اس میں کوئی ترتیب ہو تو اس ترتیب کی علت تلاش کرلینا ہمارے لیے مشکل نہیں ہوتا۔

یہ گمان نہ کیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام حرکات توازن' قانون فطرت' اور ترتیب سے خارج ہوتی ہیں' بلکہ جتنے امور اختیاریہ ہم نے ذکر کئے ہیں ان میں ایک ہی طرح کے دو امور میں اقدام کرنے والا تردد کیا کرتا ہے' لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور یہ نہیں تھا کہ کسی کام پر اتفاقاً اقدام کریں' بلکہ جب کسی کام میں اقدام اور تقدیم کا کوئی تقاضا ملاحظہ فرمالیا کرتے تھے اس وقت اقدام کیا کرتے تھے۔ اس لیے کہ اپنے کاموں میں اتفاقاً سوچے سمجھے بغیر اقدام کرنا جانوروں کی خصلت ہے۔ اور بہترین حکمتوں اور علتوں کی ترازو میں تول کر کوئی اقدام کرنا اولیاء اللہ کا طریقہ ہے' انسان کی حرکات و سکنات' اور افعال و اعمال میں جس قدر نظم و ضبط کو دخل ہوگا اسی قدر اس کا رتبہ انبیاء سے قریب تر ہوگا' اور اللہ کا تقرب اس کے لیے ظاہر تر ہوگا' اس لیے کہ جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب ہوگا وہ اسی قدر خدا تعالیٰ سے بھی قریب ہوگا' کیونکہ قریب کا قریب بھی قریب ہی ہوتا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں اس بات سے کہ ہماری حرکات و سکنات کی باگ ڈور خواہش نفس کے ذریعہ شیطان کے ہاتھ میں ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و افعال میں نظم و ضبط کی مثال سرمہ لگانا ہے' کہ آپ دائیں آنکھ میں تین سلائیاں لگاتے تھے اور بائیں آنکھ میں دو (طبرانی۔ ابن عمرؓ)۔ دائیں ہاتھ سے شروع کرتے تھے کیونکہ وہ بائیں آنکھ کے مقابلے میں اشرف ہے' اور بائیں آنکھ میں دو مرتبہ سرمہ لگانے کی وجہ یہ تھی کہ دونوں آنکھوں کی سلائیوں کا مجموعی عدد طاق ہوجائے' کیونکہ طاق کو جفت پر فضیلت حاصل ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ طاق ہے' اور وہ طاق ہی کو پسند کرتا ہے' بندے کے لیے ضروری ہے کہ اس کا کوئی فعل خدا تعالیٰ کے اوصاف میں سے کسی وصف کی مناسبت سے خالی نہ ہو' اسی لیے استنجے کے ڈھیلوں میں بھی طاق عدد مستحب قرار پایا' اگرچہ تین سلائیاں بھی طاق عدد تھیں' مگر ان پر اکتفا نہیں کیا' اس صورت میں بائیں آنکھ میں ایک سلائی پڑتی' اور ایک مرتبہ لگانے میں سرمہ پلکوں کی جڑوں تک نہیں پہنچتا۔ دائیں آنکھ میں ایک سلائی اس لیے زیادہ لگائی کہ طاق ایک فضیلت ہے اور دائیں آنکھ افضل ہونے کی وجہ سے اس فضیلت کی مستحق ہے' اگر یہ کہا جائے کہ بائیں آنکھ میں دو پر اکتفا کیوں کیا' یہ عدد تو جفت ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ بائیں آنکھ میں دو بار سرمہ لگانا ضروری ہے۔ کیونکہ اگر ہر آنکھ میں طاق عدد کی رعایت کی جاتی تو دونوں آنکھوں کا مجموعی عدد جفت ہوجاتا۔ کیونکہ طاق اور طاق مل کر جفت ہوجاتا ہے' دونوں آنکھوں میں سرمہ لگانا ایک فعل ہے اور اس میں طاق عدد کی رعایت ملحوظ رکھنا ہی زیادہ بہتر ہے۔ اس باب میں ایک صورت اور بھی ہے یعنی ہر آنکھ میں تین بار سرمہ

لگائے جیسے وضو میں اعضاء کو تین تین بار دھوتے ہیں' یہ فعل بھی حدیث صحیح میں مروی ہے۔(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام افعال میں حکمتوں اور علتوں کی رعایت کا حال بیان نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح سلسلہ کلام بہت طویل ہو جائے گا۔ اس لیے اس پر باقی دوسرے افعال کو بھی قیاس کرلیا جائے۔

جاننا چاہیے کہ عالم اس وقت تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وارث قرار نہیں پاتا کہ وہ شریعت کے تمام اسرار و عمل سے واقف نہ ہو جائے' یہاں تک کہ اس میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں صرف ایک درجہ یعنی درجہ نبوت کا فرق رہ جائے' اور یہی ایک درجہ وارث اور مورث کے درمیان فرق کا ہے' اس لیے کہ مورث وہ ہے جس نے وارث کے لیے مال حاصل کیا' اور اس پر قابض و قادر بھی ہوا' اور وارث وہ ہے جس نے نہ کمایا' اور نہ اس پر قادر ہوا' بلکہ مورث کے پاس سے اس کے پاس چلا آیا: اس طرح کے معانی(۲) اگرچہ بہت سہل ہیں' اور دیگر گہرے رموز و اسرار کی بہ نسبت ان میں کوئی دشواری نہیں ہے۔ پھر بھی ابتداءً ان کا ادراک انبیائے کرام علیہم السلام کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں کرسکتا' اسی طرح ان معانی کی علتوں اور حکمتوں کا استنباط بھی انبیاء علیہ السلام کی تنبیہہ کے بعد ان علماء کے علاوہ کوئی نہیں کرسکتا جو صحیح معنی میں انبیاء کے وارث ہیں۔

ششم اور ہفتم : ناف کے اوپر کی کھال کاٹنا۔ اور ختنہ کرنا' ناف کی کھال پیدائش کے وقت کاٹ دی جاتی ہے' ختنوں کے سلسلے میں یہودیوں کی عادت یہ ہے کہ بچے کی پیدائش کے ساتویں روز ختنہ کردیتے ہیں' اس سلسلے میں ان کی مخالفت کرنی چاہیے اور آگے کے دانت تک تاخیر کرنی چاہیے' یہی طریقہ پسندیدہ بھی ہے' اور خطرے سے بعید تر بھی ہے۔ ختنوں کے سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

الختان سنة للرجال ومكرمة للنساء (احمد و بیہقی۔ ابوالحکیم ابن اسامہؓ)

ختنہ کرنا مردوں کے لیے سنت ہے اور عورتوں کے لیے عزت ہے۔

عورتوں کی ختنہ کرنے میں مبالغہ نہ کرنا چاہیے۔ ام عطیہؓ عورتوں کی ختنہ کیا کرتی تھیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا:

يا ام عطية اشمي ولا تنهكي فانه اسرى للوجه واحظى عند الزوج۔

(ابوداؤد۔ ام عطیہؓ)

اے ام عطیہ بو سونگھا دے اور زیادہ مت کاٹ' کم کاٹنے سے چہرہ کی رونق بڑھے گی اور شوہر کو اچھی لگے گی۔

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کنایات اور تعبیرات پر غور کیجئے' کم کاٹنے کو بو سونگھانے سے تعبیر کیا' اور اس میں جو کچھ دنیاوی مصلحت تھی اس کا اظہار فرمادیا' یعنی یہ کہ اس سے چہرے کی رونق میں اضافہ ہوگا' اور جماع میں خاوند کو زیادہ لذت ملے گی۔ جب نورِ نبوت کے ذریعہ دنیاوی مصلحتوں کے اظہار کا اس قدر اہتمام ہے تو آخرت کی مصلحتوں کا کس قدر اہتمام ہوگا۔ آخرت کی مصالح ہی اہم ہیں' باوجودیکہ آپ امی تھے' لیکن آپ پر دنیاوی مصالح بھی منکشف کئے گئے' اس طرح کہ اگر ان سے غفلت برتی جائے تو مضرت کا اندیشہ ہو۔ پاک ہے وہ ذات جس نے آپ کو عالمین کے لیے رحمت بنا کر بھیجا' اور ان کی بعثت کے ذریعہ دنیا کے لوگوں کے لیے دین اور دنیا کی مصلحتیں جمع کردیں۔ وصلی اللہ علیہ وسلم۔

ہشتم داڑھی کا بڑھ جانا : اس مسئلے کو ہم نے آخر میں اس خیال سے ذکر کیا ہے تاکہ اس باب میں جو سنتیں ہیں وہ بھی ذکر کردی

---

(۱) ترمذی اور ابن ماجہ میں ہر آنکھ میں تین بار سرمہ لگانے کی روایت حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے۔

(۲) ناخن تراشنے میں انگلیوں کی ترتیب۔

جائیں' اور ان بدعات کا بھی تذکرہ آجائے جو داڑھی کے سلسلے میں رائج ہیں' اس لیے کہ ان کے ذکر کا یہی موقع زیادہ مناسب ہے' اس مسئلے میں علماء کا اختلاف ہے کہ اگر داڑھی لمبی ہو جائے تو کیا کرنا چاہیے' بعض حضرات کہتے ہیں کہ ایک مشت چھوڑ کر باقی داڑھی کتر دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت ابن عمرؓ اور تابعین کی ایک جماعت نے یہ عمل کیا ہے' شعبی اور ابن سیرین نے یہی رائے پسند کی ہے' جب کہ حسن اور قتادہ نے اس طرح داڑھی کٹوا دینے کو مکروہ قرار دیا ہے' ان دونوں حضرات کے خیال میں مستحب یہی ہے کہ داڑھی لٹکی رہنے دی جائے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے داڑھی بڑھانے کا حکم دیا ہے۔ اس مسئلہ میں صحیح رائے یہی ہے کہ ایک مشت کے بعد لٹکی ہوئی داڑھی کو کٹوا لیا جائے' کیونکہ زیادہ طویل داڑھی بھی آدمی کو بدہیئت بنا دیتی ہے' غیبت کرنے والے بھی اس کی غیبت میں اور مذاق اڑانے میں دلچسپی لیتے ہیں' نخعیؒ کہتے ہیں کہ مجھے اس عقلمند شخص پر حیرت ہے جس کی داڑھی طویل ہو کہ وہ کم کیوں نہیں کرتا' بلکہ وہ داڑھیاں کیوں رکھتا ہے' ہر چیز میں توسط پسندیدہ ہے' اسی لیے کہ کہا گیا ہے کہ جب داڑھی حد سے تجاوز کر جاتی ہے تو عقل رخصت ہو جاتی ہے۔

<u>داڑھی کے مکروہات</u> : داڑھی میں دس امور مکروہ ہیں' ان میں سے بعض زیادہ مکروہ ہیں' اور بعض کی کراہت کم درجہ کی ہے۔

اول : سیاہ خضاب کرنا۔ شریعت نے سیاہ خضاب کرنے سے منع کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

خیر شبابکم من تشبہ بشیوخکم و شر شیوخکم من تشبہ بشبابکم۔
(طبرانی۔ واثلہؓ)

تمہارے بہترین جوان وہ ہیں جو بوڑھوں سے مشابہت اختیار کریں اور بدترین بوڑھے وہ ہیں جو جوانوں سے مشابہت اختیار کریں۔

اس حدیث میں بوڑھوں کی شکل و صورت اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بوڑھوں کی طرح وقار سے رہے' یہ مطلب نہیں ہے کہ اپنے بال سفید کرلے۔ ایک حدیث میں سیاہ خضاب کرنے سے منع کیا گیا ہے (ابن سعد فی الطبقات۔ وابن العاصؓ)۔ ایک حدیث میں فرمایا گیا:۔

الخضاب بالسواد خضاب اھل النار (طبرانی۔ حاکم۔ ابن عمرؓ)

سیاہ خضاب اہل دوزخ کا خضاب ہے۔ (دوسری روایت میں ہے) کافروں کا خضاب ہے۔

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت کا واقعہ ہے کہ ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا' اس نے بال سیاہ کر رکھے تھے' چند روز کے بعد بالوں کی جڑیں سفید ہو گئیں تو اہل خانہ کو معلوم ہوا کہ یہ شخص تو بوڑھا ہے' لڑکی کے گھر والے یہ مقدمہ لے کر حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے' آپ نے یہ نکاح فسخ کر دیا' اور اس شخص کی اچھی طرح خبر لی' اور فرمایا کہ تو نے اپنی (مصنوعی) جوانی سے انھیں دھوکا دینے کی کوشش کی تھی' اپنے بڑھاپے کا راز چھپایا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے اپنے بالوں کو سیاہ خضاب سے آلودہ کیا وہ فرعون ملعون تھا۔

ایک روایت میں ہے:۔

یکون فی آخر الزمان قوم یخضبون بالسواد کحواصل الحمام لا یریحون رائحۃ الجنۃ (ابوداؤد' نسائی۔ ابن عباسؓ)

آخری زمانے میں ایسے لوگ ہوں گے جو کبوتروں کے پوٹوں کی طرح سیاہ خضاب کریں گے' یہ لوگ جنت کی خوشبو نہیں سونگھیں گے۔

دوم: زرد اور سرخ خضاب کرنا۔ یہ گفتگو سیاہ خضاب سے متعلق تھی' زرد اور سرخ خضاب کے بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ

کافروں کے خلاف جنگ میں اپنے بڑھاپے کے چھپانے کیلئے بالوں کو سرخ یا زرد خضاب لگانا جائز ہے' لیکن اگر اس نیت سے نہ ہو بلکہ محض اس لیے ہو کہ دین دار کہلائے تو یہ پسندیدہ نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

الصفرة خضاب المسلمين والحمرة خضاب المومنين (طبرانی۔ ابن عمرؓ)

زردی مسلمانوں کا خضاب ہے اور سرخی اہل ایمان کا خضاب ہے۔

پہلے لوگ مہندی سے سرخی کے لیے خضاب کیا کرتے تھے' اور زرد رنگ کے لیے خلوق (۱) اور کتم استعمال کیا کرتے تھے۔ بعض علماء نے جہاد کے لیے سیاہ خضاب بھی کیا ہے' اگر نیت صحیح ہو اور اس میں نفسانی خواہشات کو کوئی دخل نہ ہو تو سیاہ خضاب کے استعمال میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

سوم : گندھک سے بال سفید کرنا۔ جس طرح جوانی کے اظہار کے لیے سیاہ خضاب جائز نہیں ہے اسی طرح یہ بھی جائز نہیں کہ آدمی اس خیال سے اپنے سیاہ بال سفید کرلے کہ لوگ اسے معمر سمجھ کر اس کی عزت کریں گے' اس کی گواہی مقبول ہوگی' شیوخ سے اس کی روایت صحیح سمجھی جائے گی' اس کا علم زیادہ سمجھا جائے گا۔ اور جوانوں پر اسے برتری حاصل ہوگی۔ حالانکہ یہ خیال کسی بھی طرح درست نہیں ہو سکتا کہ عمر کی زیادتی علم و فضل کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے' بلکہ اگر آدمی جاہل ہے تو عمر کی رفتار کے ساتھ اس کی جہالت بھی بڑھتی رہتی ہے' کیونکہ علم عقل کا ثمرہ ہے' اور عقل ایک فطری قوت ہے جس میں بڑھاپا موثر نہیں ہوتا' لیکن جس شخص کی فطرت ہی میں حماقت موجود ہو زیادتی' عمر کے ساتھ ساتھ اس حماقت میں کمی کی بجائے زیادتی ہو جاتی ہے' اکابر کا حال تو یہ تھا کہ وہ علم کے لیے صرف بوڑھوں کی تلاش نہیں کرتے تھے' بلکہ اگر کوئی جوان بھی ذی علم ہوتا تھا تو وہ اس کی بھی تعظیم و تکریم اسی طرح کرتے تھے جس طرح بوڑھے علماء کی۔ چنانچہ حضرت عمر ابن الخطابؓ ابن عباسؓ کو اکابر صحابہ کرام پر فوقیت دیتے تھے' حالانکہ وہ جوان العمر تھے' اگر کوئی مسئلہ دریافت کرنا ہوتا تو ان سے دریافت کرتے تھے' دوسرے حضرات سے دریافت نہیں کرتے تھے' حضرت ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے علم جوانی میں عطا کیا ہے' اور خیر جوانی ہی میں ہے' پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائیں۔

۱۔ قَالُوا سَمِعْنَا فَتًى يَذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهُ إِبْرَاهِيمُ (پ ۱۷' ر ۵' آیت ۶۰)

بعضوں نے کہا کہ ہم نے ایک نوجوان آدمی کو جس کو ابراہیم کے نام سے پکارا جاتا ہے ان (بتوں) کا (برائی سے) تذکرہ کرتے ہوئے سنا ہے۔

۲۔ إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى (پ ۱۵' ر ۱۳' آیت ۱۳)

وہ لوگ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کی ہدایت میں اور ترقی دی تھی۔

۳۔ وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا (پ ۱۶' ر ۴' آیت ۱۲)

اور ہم نے انھیں لڑکپن ہی میں (دین کی سمجھ) عطا کی تھی۔

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اس حال میں ہوئی کہ آپ کے سر اور داڑھی میں بیس بال بھی سفید نہیں تھے' لوگوں نے ان سے پوچھا اس کی کیا وجہ ہے' آپ کی عمر تو اچھی خاصی تھی؟ جواب دیا! اللہ نے انھیں بوڑھاپے کے عیب سے محفوظ رکھا' عرض کیا گیا: کیا بوڑھاپا عیب ہے؟ فرمایا' عیب تو نہیں' لیکن تم سب لوگ اسے برا سمجھتے ہو۔(۲)

کہتے ہیں کہ یحییٰ ابن اکثم کو اکیس برس کی عمر میں قاضی مقرر کر دیئے گئے تھے۔ ان سے کسی شخص نے کم سنی پر شرمندہ کرنے کے لئے دریافت

(۱) خلوق سے مراد زعفران ہے' اور کتم ایک گھاس کا نام ہے۔

(۲) بخاری و مسلم میں یہ روایت موجود ہے' مگر اس میں یہ نہیں ہے کہ لوگوں نے حضرت انسؓ سے دریافت کیا تھا' مسلم کی ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

وسئل عن شيب رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ما شانه الله ببيضاء۔

کیا، اللہ تعالیٰ سلامت رکھے قاضی صاحب کی عمر کیا ہے؟ جواب دیا کہ میری عمر عتاب ابن اسیدؓ کی عمر کے برابر ہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مکہ معظمہ کا قاضی اور والی متعین فرمایا تھا یہ سن کر وہ شخص لاجواب رہ گیا۔ امام مالکؒ کہتے ہیں کہ میں نے کسی کتاب میں پڑھا ہے کہ داڑھی سے دھوکا مت کھاؤ۔ اس لئے کہ داڑھی تو بکرے کی بھی ہوتی ہے۔ ابو عمرو ابن العلاء کہتے ہیں کہ اگر کسی ایسے شخص کو دیکھو جو بلند قامت ہو، چھوٹا سر اور طویل وعریض داڑھی رکھتا ہو تو یہ سمجھ لو کہ وہ شخص احمق ہے چاہے امیہ ابن عبد الشمس ہی کیوں نہ ہو۔ ایوب سختیانیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک اسیؒ سالہ بوڑھے کو ایک بچے کے پیچھے بھاگتے ہوئے اور اس سے علم حاصل کرتے ہوئے دیکھا ہے، علی ابن الحسینؓ نے ایک شخص کو نصیحت کی کہ جو شخص تجھ سے پہلے عالم بن جائے وہ علم میں تیرا امام ہے۔ اگرچہ عمر میں تجھ سے چھوٹا ہو۔ کسی شخص نے ابو عمرو ابن العلاءؒ سے پوچھا کہ کیا بوڑھے کے لئے یہ بات اچھی لگتی ہے کہ وہ کسی بچے سے علم حاصل کرے، فرمایا اگر وہ جہل کو برا سمجھتا ہے تو بچے سے علم حاصل کرنا اسے یقیناً اچھا لگے گا۔ یحییٰ ابن معین نے دیکھا کہ امام احمد بن حنبلؒ امام شافعیؒ کے خچر کے پیچھے چل رہے ہیں۔ یحییٰ ابن معین نے کہا: اے ابو عبد اللہ تم نے سفیان کی حدیث ان کی بزرگی کے باوجود ترک کی اور اس نوجوان کے خچر کے پیچھے پیچھے چلے جا رہے ہو، جواب دیا کہ اگر تم نے ان کے علم کا اندازہ کر لیا تو خچر کی دوسری طرف تم چلتے ہوئے نظر آؤ گے، پھر فرمایا کہ مجھے سفیان ثوری سے ان کی برتری کی وجہ سے علم نہ مل سکا۔ لیکن نیچے کے مرتبے پر اترنے کی وجہ سے مل گیا اس جوان کی عقل تو ایسی ہے کہ اگر میں اس سے مستفید نہ ہو سکا تو پھر کہیں علم نہ مل سکے گا۔

چہارم: داڑھی کے سفید بالوں کو اکھاڑنا۔ حدیث میں سفیدی کو برا سمجھ کر سفید بالوں کو اکھاڑنے کی بھی ممانعت آئی ہے۔ اور بالوں کی سفیدی کے متعلق فرمایا گیا ہے۔

هو نور المومن (ابوداؤد' ترمذی' نسائی۔ ابن عمرؓ)

سفیدی مومن کا نور ہے۔

سفید بالوں کا اکھاڑنا بھی خضاب کے حکم میں ہے۔ گذشتہ سطور میں ہم خضاب کی ممانعت کی علت بیان کر چکے ہیں' سفیدی خدا کا نور ہے' اس سے اعراض کرنا نور خدا سے اعراض کرنا ہے۔

پنجم: داڑھی کے بال نوچنا۔ محض ہوس اور خواہش نفسانی کی بنا پر داڑھی کے تمام یا کچھ بال نوچنا بھی مکروہ ہے' اور صورت مسخ کرنے کے مرادف ہے' اسی طرح داڑھی کے دونوں طرف کے بالوں کو اکھاڑنا بھی بدعت قرار دیا گیا ہے' چنانچہ ایک شخص جس نے اس بدعت کا ارتکاب کیا حضرت عمر ابن عبد العزیزؒ کی مجلس میں حاضر ہوا تو آپ نے اس کی شہادت قبول نہیں کی' حضرت عمر ابن الخطابؓ اور مدینہ کے قاضی ابن ابی لیلیٰ بھی ان لوگوں کی شہادت قبول نہیں کرتے تھے جو داڑھی کے بال اکھاڑا کرتے تھے۔ داڑھی نکلنے کے زمانے میں اس خیال سے داڑھی کے بال اکھاڑنا کہ ہمیشہ نوخیز لڑکوں کی طرح بنے رہیں انتہائی درجے کی برائی ہے۔ اس لیے کہ داڑھی مردوں کی زینت ہے۔ اللہ تعالیٰ' اور ملائکہ اس کی قسم کھاتے ہیں کہ "قسم ہے اس ذات کی جس نے بنی آدم کو داڑھیوں کے ذریعہ زینت بخشی" داڑھی مرد کی تکمیل ہے' اور یہی مردوں اور عورتوں کے درمیان وجہ امتیاز ہے' قرآن پاک کی اس آیت

وَيَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ (پ ۲۲' ر ۱۳' آیت ۱)

وہ پیدائش میں جو چاہے زیادہ کر دیتا ہے۔

کے متعلق ایک غریب تاویل یہ ہے کہ یہاں زیادتی سے مراد داڑھی کی زیادتی ہے' احنف ابن قیسؒ ایک عالم گذرے ہیں' ان کی داڑھی نہیں تھی' ان کے تلامذہ کہتے تھے کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ اپنے استاذ کے لیے داڑھی خرید لیں' اگرچہ اس کی قیمت بیس ہزار

ہو، شریح قاضی کہتے ہیں کہ اگر مجھے دس ہزار میں داڑھی ملے تو خرید لوں، داڑھی بری کیسے ہو سکتی ہے، داڑھی سے مرد کی تعظیم ہوتی ہے، اور لوگ اسے صاحبِ علم اور صاحبِ شرف انسان سمجھتے ہیں، مجلس میں اسے بلند جگہ بٹھایا جاتا ہے، لوگ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ جماعت میں اسے اپنا امام بناتے ہیں، داڑھی کی بدولت آبرو محفوظ رہتی ہے، کیونکہ جب کسی داڑھی والے کو کوئی برا بھلا کہتا ہے تو سب سے پہلے اس کی داڑھی کو ہدفِ طعن بناتا ہے، اس خیال سے داڑھی والا خود ایسے کاموں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے جن سے اس کی داڑھی زیرِ بحث آئے۔ کہتے ہیں کہ جنت کے مرد داڑھی سے آزاد ہوں گے، لیکن حضرت ہارون برادر حضرت موسیٰ علیہما السلام کے داڑھی ہوگی اور ناف تک ہوگی، اور یہ بھی کسی فضیلت و خصوصیت کی بنا پر ہوگا۔

ششم : داڑھیوں کو اس طرح کترنا کہ تمام بال تہ بہ تہ اور یکساں معلوم ہوں اور نیت یہ ہو کہ عورتیں اس طرح کی داڑھیوں کو پسند کریں گی، کعب کہتے ہیں کہ آخر زمانے میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے کہ اپنی داڑھیوں کو کبوتروں کی دموں کی طرح گول کتریں گے، اور اپنے جوتوں سے درانتیوں کی آوازیں نکالیں گے دین میں ایسے لوگوں کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

ہفتم : داڑھی میں اضافہ کرنا اور یہ اضافہ اس طرح ہوتا ہے کہ وہ بال جو کنپٹیوں سے رخساروں پر آجاتے ہیں انھیں سر کے بالوں میں داخل کرنے کی بجائے داڑھی میں شمار کیا جائے، اور انھیں جبڑوں سے آگے نصف رخسار تک لا کر داڑھی میں شامل کر لیا جائے، یہ صورت بھی مکروہ ہے، اور صالحین کی ہیئت کے مخالف ہے۔

ہشتم : داڑھی میں لوگوں کو دکھانے کے لیے کنگھی کرنا۔ بشر فرماتے ہیں کہ داڑھی میں دو مصیبتیں ہیں، ایک یہ کہ لوگوں کو دکھانے کے لیے کنگھی کرنا، دوسری یہ کہ اپنی بزرگی کے اظہار کے لیے اسے الجھی ہوئے رہنے دینا۔

نہم و دہم : داڑھی کی سیاہی یا سفیدی کو خود پسندی کی نظروں سے دیکھنا، یہ برائی صرف داڑھی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ دوسرے اعضاءِ بدن میں بھی ہو سکتی ہے، بلکہ تمام افعال اور اخلاق میں بھی یہ برائی پائی جا سکتی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ زینت اور نظافت کے باب میں ہمیں اس قدر بیان کرنا مقصود تھا، تین حدیثوں سے بارہ چیزیں مسنون پائی گئی ہیں، ان میں پانچ کا تعلق سر سے ہے (۱) مانگ نکالنا (۱) (۲) کلی کرنا (۳) ناک میں پانی دینا (۴) مونچھیں کترنا (۵) مسواک کرنا۔ اور تین کا تعلق ہاتھ اور پاؤں سے ہے (۱) ناخن تراشنا، (۲) و (۳) انگلیوں کے سروں اور جوڑوں کو صاف کرنا، اور چار کا تعلق جسم سے ہے (۱) بغل کے بال اکھاڑنا (۲) زیرِ ناف بال صاف کرنا (۳) ختنہ کرنا (۴) پانی سے استنجا کرنا۔ یہ سب امور احادیث میں وارد ہیں۔ (۲) ہم کسی اور جگہ اس موضوع پر گفتگو کریں گے۔

اس باب میں کیونکہ ظاہری جسم کی طہارت پر گفتگو کر رہے ہیں، نہ کہ باطن کی، اس لیے بہتر یہی ہے کہ جو کچھ عرض کیا گیا ہے اسی پر اکتفا کریں، اسے خوب یاد کریں گے، اور یہ بھی بتلائیں گے کہ ان برائیوں کے ازالے کی تدبیر کیا ہے، خدا کے فضل و کرم سے طہارت کے اسرار کا بیان ختم ہوا۔ اب نماز کے اسرار کا بیان شروع ہوگا۔

"الحمد للّٰہ اولاً و آخراً و صلی اللّٰہ علی محمد و آلہ و اصحابہ و بارک و سلم"

---

(۱) بخاری شریف میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یسدل شعرہ الی ان قال ثم فرق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راسہ) (۲) مسلم شریف میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے: عشر من الفطرۃ قص الشارب و اعفاء اللحیتہ والسواک و استنشق الماء وقص الاظفار، وغسل البراجم، ونتف الابط و حق العانۃ و انتقاص الماء (الاستنجاء) قال مصعب و نسیت العاشرۃ الا ان تکون المضمضۃ۔ عمار ابن یاس کی روایت ہے میں اعفاء اللحیا و انتقاص الماء کی جگہ المضمضتہ و الاختتان کے الفاظ ہیں۔

کتاب اسرار الصّلوٰۃ

نماز کے اسرار کا بیان

نماز دین کا ستون، یقین کا ثمرہ، عبادات کی اصل، اور اطاعات میں بہترین اطاعت ہے، ہم نے اپنی فقہی کتابوں اور البسیط، الوسیط اور الوجیز میں نماز کے اصول اور فروع پر نہایت بسط و تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے، اور بہت سے نادر فروع اور عجیب و غریب مسائل ان میں جمع کردیئے ہیں، تاکہ مفتی کے لیے ذخیرہ ہوں، اور وہ بوقتِ ضرورت ان سے مستفید ہوسکے، اس کتاب میں ہم صرف وہ ظاہری اعمال اور باطنی اسرار بیان کرتے ہیں جن کی ضرورت راہِ آخرت کے سالکین کو پیش آتی ہے، نماز کے مخفی معانی و اسرار، خشوع، خضوع، نیت اور اخلاص وغیرہ موضوعات پر ہم تفصیل سے لکھیں گے، یہ وہ موضوعات ہیں جن پر فقہاء اپنی کتابوں میں گفتگو نہیں کرتے۔ یہ کتاب سات ابواب پر مشتمل ہے۔ (۱) نماز کے فضائل (۲) نماز کے ظاہری اعمال کی فضیلت (۳) نماز کے باطنی افعال کی فضیلت (۴) امامت (۵) جمعہ کی نماز اور اس کے آداب (۶) متفرق مسائل جن میں لوگ اکثر مبتلا رہتے ہیں (۷) نوافل وغیرہ۔

پہلا باب

نماز، سجدہ، جماعت اور اذان کے فضائل

اذان کی فضیلت: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

۱۔ ثلاثة یوم القیامة علی کثیب من مسک اسود، لا یهولهم حساب ولا ینالهم فزع حتّٰی یفرغ مما بین الناس، رجل قرا القرآن ابتغاء وجه اللّٰه عزوجل وام بقوم وهم به راضون، ورجل اذن فی مسجد ودعا الی اللّٰه عزوجل ابتغاء وجه اللّٰه، ورجل ابتلی بالرزق فی الدنیا فلم یشغله ذلک عن عمل الآخرة (طبرانی جامع صغیر۔ ابن عمرؓ)

تین آدمی قیامت کے دن مشک کے سیاہ ٹیلوں پر ہوں گے، نہ انھیں حساب کا خوف ہوگا، اور نہ کسی طرح کی دہشت ہوگی، وہ ان امور سے فارغ کردیئے جائیں گے جن میں لوگ مبتلا ہوں گے، ایک وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے قرآن پاک پڑھا اور لوگوں کی اس حال میں امامت کی کہ وہ اس سے خوش تھے، دوسرا وہ شخص جس نے مسجد میں اذان دی، اور محض اللہ کی رضاجوئی کے لیے لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا، تیسرا وہ شخص جو دنیا میں رزق کی تنگی میں مبتلا ہوا لیکن تلاشِ رزق نے اسے آخرت کے لیے عمل کرنے سے نہیں روکا۔

۲۔ لا یسمع نداء المؤذن جن ولا انس ولا شئی الا شهد له یوم القیامة (بخاری۔ ابوسعید)

جن، انسان اور دوسری چیزیں جو بھی مؤذن کی اذان کی آواز سنیں گی قیامت میں اس کے لیے گواہی دیں گی۔

۳۔ ید الرحمٰن علی راس المؤذن حتّٰی یفرغ من اذانه (طبرانی اوسط۔ انسؓ)

اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اس وقت تک مؤذن کے سر پر رہتا ہے جب تک کہ وہ اپنی اذان سے فارغ نہ ہو جائے۔
بعض مفسرین کی رائے ہے کہ یہ آیت کریمہ:

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا (پ ۲۴ ' ر ۱۹ ' آیت ۳۳)

اور اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو (لوگوں کو) خدا کی طرف بلائے اور (خود بھی) نیک عمل کرے۔
مؤذنوں کے سلسلے میں نازل ہوئی ہے ـــــــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اذا سمعتم النداء فقولوا مثل ما يقول المؤذن (بخاری و مسلم۔ ابو سعیدؓ)

جب تم اذان سنو تو وہ الفاظ کہو جو مؤذن کہتا ہے۔
اذان کے جواب میں وہی الفاظ دوہرانا جو مؤذن کہے ایک امر مستحب ہے ' مگر جب وہ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ (آؤ نماز کی طرف) اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ (آؤ بہتری کی طرف) کہے تو سننے والے کو یہ الفاظ کہنے چاہئیں لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ (نماز قائم ہو گئی) کے جواب میں کہنا چاہیے:

اَقَامَهَا اللّٰهُ وَاَدَامَهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ۔

خدا اسے قائم و دائم رکھے جب تک زمین و آسمان باقی رہیں۔
فجر کی اذان میں جب مؤذن کہے اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ (نماز نیند سے بہتر ہے) تو کہنا چاہیے صدقت و بررت (تو نے سچ کہا اور خوب کہا) ' اذان ختم ہونے کے بعد یہ دعا پڑھنی چاہیے:

اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيْعَةَ وَابْعَثْهُ الْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ الَّذِيْ وَعَدْتَهُ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ

اے خدا ' اس دعائے کامل ' اور نماز قائم کے مالک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ ' فضیلت ' اور بلند درجہ دیجئے اور ان کو اس مقام محمود پر اٹھایئے جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے ' یقیناً تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔
سعید ابن المسیبؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص جنگل میں نماز پڑھے تو اس کے دائیں اور بائیں جانب ایک ایک فرشتہ نماز پڑھتا ہے اور جو نماز کے ساتھ اذان اور تکبیر بھی کہہ لے تو اس کے پیچھے پہاڑوں کے برابر فرشتے نماز ادا کرتے ہیں۔

فرض نماز کی فضیلت : اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا (پ ۵ ' ر ۱۲ ' آیت ۱۰۳)

یقیناً نماز مسلمانوں پر فرض ہے اور وقت کے ساتھ محدود ہے۔
فرض نماز کی فضیلت کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ ارشادات حسب ذیل ہیں:

۱۔ خمس صلوات كتبهن الله على العباد ' فمن جاء بهن ولم يضيع منهن شيئا استخفافا بحقهن كان له ان يدخله الجنة ومن لم يات بهن فليس له عند الله عهد ان شاء عذبه وان شاء ادخله الجنة (ابوداؤد ' نسائی۔ عبادہ)

پانچ نمازیں ہیں جنہیں اللہ نے بندوں پر فرض کیا ہے ' پس جو کوئی یہ نمازیں ادا کرے ' اور ان کے حق کو معمولی سمجھ کر ان میں سے کچھ ضائع نہ کرے تو اس کے لیے اللہ کے نزدیک عہد ہو گا کہ اسے جنت میں داخل کرے ' اور جو شخص انھیں ادا کرے اس کے لیے اللہ کا کوئی وعدہ نہیں ہو گا ' چاہے تو اسے عذاب دے اور چاہے تو اسے جنت میں داخل کرے۔

۲۔ مثل الصلوات الخمس كمثل نهر عذب غمر بباب احدكم يقتحم فيه كل يوم

خمس مرات فما ترون ذلک یبقی من درنه؟ قالوا: لا شئی قال صلی اللّٰہ علیہ وسلم فان الصلوات الخمس تذہب الذنوب کما یذہب الماء الدرن
(مسلم۔ جابر ابن عبداللہؓ)

پانچوں نمازوں کی مثال ایسی ہے جیسے تم میں سے کسی کے دروازے پر نہایت شیریں پانی کی نہر ہو اور وہ اس میں ہر روز پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو، تم بتلاؤ کیا اس کا میل باقی رہے گا؟ عرض کیا: کچھ بھی نہیں! فرمایا: پانچوں نمازیں گناہوں کو اسی طرح دور کرتی ہیں جس طرح پانی میل کو دور کرتا ہے۔

ان الصلوات کفارة لما بینہن ما اجتنبت الکبائر (مسلم۔ ابو ہریرہؓ)

نمازیں ان گناہوں کا کفارہ ہیں جو ان کے درمیان ہوں جب تک کہ کبیرہ گناہوں سے بچا جائے۔

۴۔ بیننا و بین المنافقین شہود العتمۃ و الصبح لا یستطیعونہما۔
(مالک۔ سعید ابن المسیبؓ)

ہمارے اور منافقین کے درمیان نمازِ عشاء اور نمازِ فجر میں حاضری کا فرق ہے، منافقین ان دونوں نمازوں میں نہیں آسکتے۔

۵۔ من لقی اللّٰہ وھو مضیع للصلاۃ لم یعبأ اللّٰہ بشیء من حسناتہ (۱)

جو شخص اللہ سے اس حال میں ملے کہ وہ نماز کا ضائع کرنے والا ہو تو اللہ اس کی نیکیوں میں سے کسی کا اعتبار نہیں کرے گا۔

۶۔ الصلاۃ عماد الدین فمن ترکہا فقد ہدم الدین (بیہقی۔ عمرؓ)

نماز دین کا ستون ہے، جس نے نماز چھوڑی اس نے دین کو مسمار کیا۔

۷۔ سئل صلی اللّٰہ علیہ وسلم ای الاعمال افضل؟ فقال: الصلاۃ لمواقیتہا
(بخاری و مسلم۔ عبداللہ ابن مسعودؓ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا! سب سے اچھا عمل کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا! متعین وقت پر نماز ادا کرنا۔

۸۔ من حافظ علی الخمس باکمال طہورہا و مواقیتہا کانت لہ نوراً و برہانا یوم القیامۃ و من ضیعہا حشر مع فرعون و ھامان (احمد، ابن حبان۔ ابن عمرؓ)

جس شخص نے نماز پنجگانہ کی ان کے متعین اوقات میں طہارت کاملہ کے ساتھ حفاظت کی اس کے لیے قیامت میں ایک نور ہو گا اور ایک حجت ہو گی، اور جس شخص نے نمازیں ضائع کیں اس کا حشر فرعون و ہامان کے ساتھ ہو گا۔

۹۔ مفتاح الجنۃ الصلاۃ (ابوداؤد الطیالسی۔ جابرؓ)

جنت کی کنجی نماز ہے۔

۱۰۔ ما افترض اللّٰہ علی خلقہ بعد التوحید احب الیہ من الصلاۃ، ولو کان شئی احب الیہ منہا لتعبد بہ ملائکتہ، فمنہم راکع، و منہم ساجد، و منہم قائم و قاعد۔

---

(۱) یہ حدیث ان الفاظ میں نہیں ملی مگر طبرانی اوسط میں حضرت انسؓ کی روایت ہے۔ "اول ما یحاسب بہ العبد الصلاۃ"

اللہ تعالیٰ نے توحید کے بعد اپنے بندوں پر نماز سے زیادہ پسندیدہ کوئی چیز فرض نہیں کی' اگر نماز سے زیادہ اس کے نزدیک کوئی دوسری چیز محبوب تر ہوتی تو فرشتے اس کی عبادت کرتے (حالانکہ فرشتے نماز کے افعال ادا کرتے ہیں) ان میں سے کوئی رکوع کرنے والا ہے' کوئی سجدہ کرنے والا ہے' اور کوئی کھڑا ہے' کوئی بیٹھا ہے۔

(۱۱)

من ترک صلاۃ متعمدا فقد کفر (بزار۔ ابو الدرداءؓ)

جس شخص نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی اس نے کفر کیا۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص کفر کے قریب پہنچ گیا' کیونکہ وہ نماز چھوڑ بیٹھا' حالانکہ نماز ہی دین کا ستون' اور یقین کی بنیاد ہے' یہ ایسا ہی ہے کہ کوئی شخص شہر کے قریب پہنچ کر یہ کہنے لگے کہ میں شہر میں داخل ہو گیا۔ حالانکہ وہ شہر میں داخل نہیں ہوا مگر داخل ہونے کے قریب ہے۔

۲۔ من ترک صلاۃ متعمدا فقد بری من ذمۃ محمد علیہ السلام۔ (احمد و بیہقی۔ ام ایمنؓ)

جس شخص نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ سے نکل گیا۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص اچھی طرح وضو کرے اور نماز کے ارادے سے گھر سے نکلے تو جب تک نماز کی نیت کرے گا اس وقت تک نماز ہی میں رہے گا' اس کے ایک قدم پر نیکی لکھی جائے گی' اور دوسرے قدم پر گناہ معاف کیا جائے گا' چنانچہ اگر تم میں سے کوئی تکبیر سنے تو اسے دوڑ کر نماز میں شامل ہونے کی ضرورت نہیں' زیادہ ثواب اس کو ملے جس کا گھر دور ہو گا' لوگوں نے پوچھا: اس کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا: قدموں کی کثرت کی بنا پر ثواب میں اضافہ ہوتا ہے۔

۳۔ اول ما ینظر فیہ من عمل العبد یوم القیامۃ الصلاۃ فان وجدت تامۃ قبلت منہ و سائر عملہ' وان وجدت ناقصۃ ردت علیہ و سائر عملہ۔ (اصحاب سنن' حاکم۔ ابو ہریرہؓ)

قیامت میں بندہ کے اعمال میں سب سے پہلے نماز دیکھی جائے گی' اگر وہ پوری ہوئی تو اس کی نماز اور اس کے تمام اعمال قبول کرلیے جائیں گے' اور اگر وہ ناقص ہوئی تو اس کی نماز اور اس کے تمام اعمال رد کر دیئے جائیں گے۔

۴۔ وقال صلی اللہ علیہ وسلم یا ابا ھریرۃ مر اھلک بالصلاۃ فان اللہ یاتیک بالرزق من حیث لا تحتسب۔ (اس کی اصل نہیں ملی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو ہریرہؓ اپنے اہل و عیال کو نماز کا حکم دو' اللہ تعالیٰ ایسی جگہ سے رزق عطا کرے گا کہ تمہیں اس کا گمان بھی نہ ہو گا۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ نمازی کی مثال ایسی ہے جیسے تاجر' جب تک تاجر کے پاس سرمایہ نہ ہو اسے نفع حاصل نہیں ہوتا۔ فرض نمازیں دراصل راس المال ہیں' جب تک کسی بندے کے پاس اصل نمازیں نہ ہوں اس وقت تک نوافل بھی قبول نہیں ہوتے۔ روایت ہے کہ جب نماز کا وقت آتا تو حضرت ابو بکرؓ لوگوں سے کہتے کھڑے ہو جاؤ' اور جو آگ تم نے لگائی ہے اسے بجھا دو۔ (یعنی نماز کے ذریعہ گناہوں کا ازالہ کرو)۔

---

(۱) یہ روایت ان الفاظ میں نہیں ملی' مگر اس کا آخر حصہ طبرانی میں جابرؓ سے اور حاکم میں ابن عمرؓ سے مروی ہے۔

تکمیل ارکان کے فضائل : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

۱۔ مثل الصلاة المكتوبة كمثل الميزان من أوفى استوفى (ابن المبارک فی الزہد)

فرض نماز ترازو کی طرح ہے' جو پورا دے گا پورا لے گا۔

۲۔ قال يزيد الرقاشي كانت صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم مستوية كانها موزونة (ابن المبارک)

یزید رقاشی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز برابر تھی گویا تلی تلی تھی۔

۳۔ ان الرجلين من امتي ليقومان الى الصلاة وركوعهما وسجودهما واحد' وان مابين صلاتيهما مابين السماء والارض (ابن المبارک۔ ابوایوب الانصاری)

میری امت میں سے دو آدمی نماز میں کھڑے ہوتے ہیں' (بظاہر) ان دونوں کے رکوع اور سجدے برابر ہیں' مگر ان دونوں کی نمازوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

۴۔ لا ينظر الله يوم القيامة الى العبد لا يقيم صلبه بين ركوعه وسجوده (احمد۔ ابوہریرہ)

اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس بندے کی طرف نہیں دیکھیں گے جو رکوع اور سجدے کے درمیان اپنی پیٹھ سیدھی نہیں کرتا۔

۵۔ اما يخاف الذي يحول وجهه في الصلاة ان يحول الله وجهه وجه حمار (ابن عدی۔ جابر)

جو شخص نماز میں اپنا منہ پھیرتا ہے کیا وہ اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اللہ تعالیٰ اس کا چہرہ گدھے کے چہرے سے بدل دے۔

۶۔ من صلى صلاة لوقتها واسبغ وضوءها واتم ركوعها وسجودها و خشوعها عرجت وهي بيضاء مسفرة تقول حفظك الله كما حفظتني' ومن صلى لغير وقتها ولم يسبغ وضوءها ولم يتم ركوعها ولا سجودها ولا خشوعها عرجت وهي سوداء مظلمة تقول ضيعك الله كما ضيعتني' حتى اذا كانت حيث شاء الله لفت كما يلف الثوب الخلق' فيضرب بها وجهه (طبرانی فی الاوسط۔ انس)

جس شخص نے متعین وقت پر نماز پڑھی' اچھی طرح وضو کیا اور رکوع و سجود مکمل کئے' خشوع برقرار رکھا' اس کی نماز روشن ہو کر اوپر چڑھتی ہے اور یہ دعا دیتی ہے کہ جس طرح تو نے میری حفاظت کی ہے اللہ تیری بھی حفاظت کرے' اور جس نے غیر وقت میں نماز ادا کی' اچھی طرح وضو نہیں کیا' اور نہ رکوع و سجود مکمل کئے' نہ خشوع کا لحاظ رکھا وہ سیاہ ہو کر اوپر چڑھتی ہے' اور یہ کہتی ہے کہ جس طرح تو نے مجھے ضائع کیا ہے اللہ تجھے بھی ضائع کرے' یہاں تک کہ جب وہ وہاں پہنچ جاتی ہے جہاں اللہ چاہتا ہے تو پرانے کپڑے کی طرح لپیٹی جاتی ہے اور اس کے منہ پر ماری جاتی ہے۔

۷۔ اسوء الناس سرقة الذي يسرق من صلاته (احمد' حاکم۔ ابوقتادہ)

چوری میں سب سے برا وہ شخص ہے جو اپنی نماز میں سے چوری کرے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اور حضرت سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں کہ نماز ایک پیمانہ ہے جو پورا دے گا پورا لے گا' اور جو اس میں کمی کرے گا وہ جانتا ہے کہ اللہ نے کم تولنے کے بارے میں کیا ارشاد فرمایا ہے۔ (۱)

نماز باجماعت کی فضیلت : نماز باجماعت کی فضیلت کے سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ ارشادات حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ صلاة الجمیع تفضل صلاة الفذ بسبع وعشرین درجة (بخاری و مسلم۔ ابن عمرؓ)

جماعت کی نماز تنہا شخص کی نماز سے ستائیس درجہ افضل ہے۔

۲۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ کچھ لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں نہیں دیکھا تو خفا ہو کر فرمایا:۔

لقد هممت ان آمر رجلا یصلی بالناس ثم اخالف الی رجال یتخلفون عنها فاحرق علیهم بیوتهم (وفی روایة اخری) ثم اخالف الی رجال یتخلفون عنها فامر بهم فتحرق علیهم بیوتهم بحزم الحطب' ولو علم احدهم انه یجد عظما سمینا او مرماتین لشهدها یعنی صلاة العشاء (بخاری و مسلم۔ ابوہریرہؓ)

میں یہ ارادہ رکھتا ہوں کہ کسی شخص کو نماز پڑھانے کے لیے کہوں' اور (خود) ان لوگوں کی طرف جاؤں جو نماز میں نہیں آتے' اور ان کے گھروں کو آگ لگادوں۔ (دوسری روایت میں ہے) پھر میں ان لوگوں کی طرف جاؤں جو نماز میں نہیں آتے پھر حکم دوں کہ لکڑیوں کے گٹھوں سے ان کے گھر جلادیئے جائیں۔ اگر ان میں سے کسی شخص کو یہ معلوم ہو کہ اسے عمدہ گوشت اور بکری کے پائے ملیں گے تو وہ نماز (عشاء) میں ضرور آئے۔

۳۔ حضرت عثمانؓ کی مرفوع روایت ہے:۔

من شهد العشاء فکانما قام نصف لیلة ومن شهد الصبح فکانما قام لیلة (مسلم مرفوعاً' ترمذی موقوفاً)

جو شخص عشاء کی نماز میں حاضر ہوا گویا اس نے آدھی رات تک عبادت کی' اور جو صبح کی نماز میں حاضر ہوا گویا اس نے رات بھر عبادت کی۔

۴۔ من صلی صلاة فی جماعة فقد ملأ نحره عبادة۔

جو باجماعت نماز ادا کرتا ہے وہ اپنا سینہ عبادت سے پُر کرلیتا ہے۔ (۲)

سعید ابن المسیب فرماتے ہیں کہ بیس برس گذر گئے' جب بھی مؤذن اذان دیتا ہے میں خود کو مسجد میں پاتا ہوں' محمد ابن واسعؒ کہتے ہیں کہ میں دنیا سے صرف تین چیزیں چاہتا ہوں' ایک ایسا بھائی کہ جب میں بھٹکوں تو مجھے راہ راست پر لے آئے' دوسری رزق حلال جس میں کسی دوسرے کا حق نہ ہو' تیسری نماز باجماعت کہ جس کی فروگذاشت مجھ سے معاف کردی جائے اور اس کی تمام فضیلتیں میرے لیے لکھ دی جائیں۔ روایت ہے کہ عبیدہ ابن الجراحؓ نے ایک مرتبہ امامت کی' نماز سے فراغت کے بعد لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اس وقت شیطان میرے ساتھ ساتھ لگا رہا' یہاں تک کہ اس نے مجھے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ میں دوسرے لوگوں سے افضل ہوں' اس لیے میں کبھی امامت نہیں کروں گا۔ حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ ایسے شخص کے پیچھے نماز نہ پڑھو جو علماء کے یہاں آمد و رفت نہ رکھتا ہو' نخعیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص علم کے بغیر امامت کا منصب سنبھالتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص سمندر کے پانی کی پیمائش کرنے بیٹھ جائے' اور اسے یہ معلوم نہ ہو کہ پانی کم ہے یا زیادہ۔ حاتم اصمؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میری نماز باجماعت فوت ہوگئی' لوگوں میں صرف ابو اسحاق ایسے تھے جنہوں نے میری تعزیت کی' اور اگر میرا لڑکا مرجاتا تو

(۱) اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے: ویل للمطففین (۲) یہ روایت مرفوع کہیں نہیں ملی۔ محمد بن نصر نے سعید ابن المسیب سے اسے موقوفاً روایت کیا ہے۔

دس ہزار سے زیادہ آدمی تعزیت کے لیے آتے' اور یہ اس لیے ہوتا کہ دین کی مصیبت دنیا کی مصیبت کے مقابلے میں آسان سمجھی جاتی ہے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جس شخص نے مؤذن کی آواز سنی اور کوئی جواب نہیں دیا' اس نے اچھا کام نہیں کیا اور نہ اس سے اچھا کام لینا مقصود ہے' حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ لوگوں کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر بھر دیا جائے یہ اس سے بہتر ہے کہ لوگ اذان کی آواز سنیں اور مسجد میں نہ آئیں۔ میمون ابن مہران مسجد میں آئے' کسی نے کہا کہ لوگ نماز پڑھ کر چلے گئے ہیں' فرمایا: اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اس جماعت کی فضیلت مجھے عراق کی حکومت کے مقابلے میں زیادہ پسند ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

من صلی اربعین یوما الصلوات فی جماعة لاتفوته فیها تکبیرة الاحرام کتب اللّٰه له براء تین براء ة من النفاق و براء ة من النار۔ (ترمذی۔ انسؓ)

جو شخص چالیس دن نماز باجماعت اس طرح پڑھے کہ تکبیر اولی بھی فوت نہ ہو تو اللہ اس کے لیے دو براتیں لکھتا ہے' ایک نفاق سے برات' اور ایک دوزخ کی آگ سے برات۔

روایت میں ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو کچھ لوگ ایسے اٹھیں گے کہ ان کے چہرے ستاروں کی طرح دمکتے ہوں گے۔ ملائکہ ان سے پوچھیں گے: تمہارے اعمال کیا تھے؟ وہ لوگ کہیں گے کہ جب ہم اذان کی آواز سنتے تھے تو وضو کے لیے اٹھ جاتے تھے' پھر کوئی دوسرا کام ہمارے اور نماز کے درمیان رکاوٹ نہیں بنتا تھا' پھر کچھ لوگ ایسے اٹھیں گے جن کے چہرے چاند کی طرح روشن ہوں گے' وہ لوگ فرشتوں کے سوال کے جواب میں کہیں گے کہ ہم وقت سے پہلے وضو کر لیا کرتے تھے' پھر کچھ لوگ اٹھیں گے جن کے چہرے سورج کی طرح روشن ہوں گے' وہ یہ بتلائیں گے کہ ہم مسجد میں پہنچ کر اذان سنتے تھے' روایت میں ہے کہ اکابر سلف کی اگر تکبیر اولی فوت ہو جاتی تو وہ لوگ اپنے نفسوں پر تین روز سختی کرتے تھے' اور جماعت فوت ہو جاتی تو سات روز سختی کرتے تھے۔

سجدے کی فضیلت: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

۱۔ ما تقرب العبد الی اللّٰه بشئی افضل من سجود خفی (ابن مبارک' حمزہ ابن حبیب)

بندہ کسی چیز سے اللہ کا تقرب حاصل نہیں کرتا جو پوشیدہ سجدے سے افضل ہو۔

۲۔ ما من مسلم یسجد للّٰه سجدة الا رفعه اللّٰه بها درجة و حط عنه بها سیئة

(ابن ماجہ۔ عبادہ ابن الصامتؓ)

جو مسلمان اللہ کے لیے سجدہ کرتا ہے' اللہ اس کے ایک سجدے کی وجہ سے اس کا ایک درجہ بڑھاتا ہے' اور ایک گناہ کم کر دیتا ہے۔

۳۔ ایک روایت میں ہے کہ کسی شخص نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے لیے دعا فرمائیے! اللہ تعالیٰ مجھے ان لوگوں میں سے بنائے جن کے لیے آپ کی شفاعت ہو' اور جنت میں آپ کی رفاقت نصیب کرے' ارشاد فرمایا:۔ اعنی بکثرة السجود (مسلم۔ ربعیہ ابن کعب اسلمی) تو سجدوں کی کثرت سے میری مدد کر۔

۴۔ اقرب ما یکون العبد من اللّٰه تعالی ان یکون ساجدا۔ (مسلم۔ ابو ہریرہؓ)

بندہ اللہ تعالیٰ سے اس وقت زیادہ قریب ہوتا ہے جب وہ سجدہ کرنے والا ہو۔

اس آیت کریمہ کے بھی یہی معنی ہیں۔

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (پ ۳۰' ر ۲۱' آیت ۱۹)

اور سجدہ کر اور قریب ہو۔

قرآن پاک میں ہے:۔

سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ (پ ۲۶' ر ۱۲' آیت ۲۹)

ان کے آثار بوجہ تاثیر سجدہ کے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں۔

اس آیت میں سجدے کے اثر سے بعض حضرات وہ غبار مراد لیتے ہیں جو چہرے پر لگ جاتا ہے' بعض حضرات کہتے ہیں کہ اثر سے مراد نورِ خشوع ہے جو باطن سے ظاہر پر چمکتا ہے' یہی قول زیادہ صحیح ہے' بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس سے مراد اعضاءِ وضو کی روشنی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

اذا قرا ابن آدم السجدة' فسجد اعتزل الشيطان يبكي' ويقول' ياويلاه امر هذا بالسجود' فسجد فله الجنة' و امرت انا بالسجود' فعصيت فلي النار (مسلم ابو ہریرہؓ)

جب ابن آدم سجدہ کی آیت تلاوت کرتا ہے' اور سجدہ کرتا ہے تو شیطان الگ ہٹ کر رونے لگتا ہے' اور کہتا ہے ہائے مصیبت' ابن آدم کو سجدوں کا حکم کیا گیا تو وہ سر بسجود ہو گیا اور اسے جنت مل گئی' اور مجھے سجدوں کا حکم ہوا تو میں نے نافرمانی کی' اور مجھے دوزخ نصیب ہوئی۔

علی ابن عبداللہ ابن عباس کے بارے میں روایت ہے کہ وہ ہر روز ایک ہزار سجدے کیا کرتے تھے' اسی لیے لوگوں نے ان کا نام "سجّاد" (زیادہ سجدے کرنے والا) رکھ دیا تھا۔ عمر ابن عبدالعزیزؒ زمین کے علاوہ کسی دوسری چیز پر سجدہ نہ کرتے' یوسف ابن اسباط کہا کرتے تھے: اے جوانو! مرض سے پہلے تندرستی کی جانب بڑھو' میں اس شخص کے علاوہ کسی پر حسد نہیں کرتا جو رکوع و سجود میں مشغول ہے' میں اپنے مرض کی بنا پر رکوع اور سجدہ نہیں کر سکتا۔ سعید ابن جبیرؒ کہتے ہیں کہ میں سجدے کے علاوہ کسی بھی چیز کے ضائع جانے پر افسوس نہیں کرتا۔ عقبہ ابن مسلم کہتے ہیں کہ بندے میں کوئی خصلت اللہ کے نزدیک اس کی اس خصلت سے زیادہ محبوب و پسندیدہ نہیں ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے ملنے کا خواہشمند ہو' اور سجدے کے علاوہ کوئی گھڑی ایسی نہیں ہے جس میں بندہ اپنے خالق سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ بندہ سجدے کے وقت اپنے رب سے زیادہ قریب ہوتا ہے' اس لیے سجدے میں کثرت سے دعا کیا کرو۔

<u>خشوع کی فضیلت</u>: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

۱۔ أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي (پ ۱۶' ر ۱۰' آیت ۱۴)

میری ہی یاد میں نماز پڑھا کرو۔

۲۔ وَلَا تَكُن مِّنَ الْغَافِلِينَ (پ ۹' ر ۱۴' آیت ۲۰۵)

اور غافلین میں سے مت ہو۔

۳۔ وَلَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ (پ ۵' ر ۴' آیت ۴۳)

اے ایمان والو تم نماز کے پاس بھی ایسی حالت میں مت جاؤ کہ تم نشے میں ہو یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو کہ منہ سے کیا کہتے ہو۔

اس آیت میں لفظ "سکاریٰ" کی بعض حضرات نے یہ تفسیر کی ہے کہ غم کی زیادتی سے بدحواس ہوں' بعض حضرات کہتے ہیں کہ محبت کے نشے میں مست ہوں' وہبؒ فرماتے ہیں کہ "سکاریٰ" سے ظاہری نشے میں مدہوش لوگ مراد ہیں' اس میں دنیا کی محبت کے

نشے پر بھی تنبیہ کی گئی ہے کیونکہ علت بیان کی گئی ہے کہ جب تک تم یہ نہ جان لو کہ کیا کہہ رہے ہو اس وقت تک نماز کے لیے کھڑے نہ ہو' بہت سے نمازی ایسے ہوتے ہیں جو نشہ نہیں کرتے لیکن انھیں اس کی خبر نہیں ہوتی کہ انھوں نے نماز میں کیا پڑھا؟ خشوع و خضوع کی فضیلت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات گرامی دلالت کرتے ہیں:۔

۱۔ من صلی رکعتین لم یحدث نفسه فیهما بشئی من الدنیا غفر له ما تقدم من ذنبه

جو شخص دو رکعت نماز پڑھے اس طرح کہ ان میں اپنے دل میں دنیا کی کوئی بات نہ کرے تو اس کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ (۱)

۲۔ انما الصلوٰة تمسکن و تواضع و تضرع و تباوس و تنادم و ترفع یدیک فتقول اللّٰهم اللّٰهم فمن لم یفعل فهی خداج (ترمذی۔ فضل ابن عباس)

نماز صرف مسکنت' تواضع' آہ و زاری' شدت' خوف' ندامت ہے اور تیرا ہاتھ اٹھا کر یہ کہنا ہے؟ اے اللہ! اے اللہ' جو ایسا نہ کرے اس کی نماز ناقص ہے۔

کسی آسمانی کتاب میں اللہ رب العزت کا یہ ارشاد موجود ہے کہ میں ہر نماز پڑھنے والے کی نماز قبول نہیں کرتا' بلکہ اس شخص کی نماز قبول کرتا ہوں جو میری عظمت کے مقابلے میں تواضع اختیار کرے' لوگوں کے ساتھ تکبر سے پیش نہ آئے اور بھوکے فقیر کو میری رضا جوئی کے لیے کھانا کھلائے! ایک حدیث میں ہے:۔

انما فرضت الصلوٰة و امر بالحج و الطواف و اشعرت المناسک لاقامة ذکر اللّٰه تعالیٰ فاذا لم یکن فی قلبک المذکور الذی هو المقصود و المبتغی عظمة ولا هیبة فما قیمة ذکرک (ابوداؤد' ترمذی۔ عائشہؓ)

نماز فرض کی گئی ہے' حج اور طواف کا حکم دیا گیا ہے' دوسرے ارکان حج ضروری قرار دیئے گئے ہیں اللہ کے ذکر کے لیے پس اگر تیرے دل میں مذکور یعنی اس کی عظمت و ہیبت نہ ہو جو اصل مقصود و مطلوب ہے تو تیرے ذکر کی کیا قیمت ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو وصیت فرمائی:۔

واذا صلیت فصل صلاة مودع۔ (ابن ماجہ۔ ابو ایوب انصاریؓ' حاکم۔ سعد بن ابی وقاصؓ)

جب تو نماز پڑھے تو رخصت ہونے والے کی طرح نماز پڑھ۔

مطلب یہ ہے کہ اپنے نفس' اپنی خواہش سے رخصت ہو کر نماز پڑھ' اور اپنے مولیٰ کی بارگاہ میں حاضری دے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔

یَا اَیُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّکَ کَادِحٌ اِلٰی رَبِّکَ کَدْحًا فَمُلَاقِیْهِ (پ ۳۰' ر ۹' آیت ۶)

اے انسان تو اپنے رب کے پاس پہنچنے تک کام میں کوشش کر رہا ہے۔ پھر (قیامت میں) اس (کام) کی جزاء پائے گا۔

ایک جگہ فرمایا گیا:۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْا اَنَّکُمْ مُلَاقُوْهُ (پ ۲' ر ۱۲' آیت ۲۲۳)

اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یہ یقین رکھو کہ بے شک تم اللہ کے سامنے آنے والے ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

---

(۱) یہ روایت ان الفاظ میں صلہ ابن اشیم سے ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے' بخاری و مسلم میں عثمانؓ کی روایت ہے' مگر اس کے شروع میں کچھ الفاظ زیادہ ہیں' اور اس میں بشئی من الدنیا نہیں ہے۔

من لم تنهه صلاته عن الفحشاء المنكر لم يزدد من الله الا بعدا۔
(علی بن معبد کتاب الطاعۃ۔ حسن بصری مرسلاً)

جس شخص کو اس کی نماز فحش اور برائی سے نہ روک سکے وہ اللہ سے دوری ہوتا رہے گا۔

نماز مناجات کا نام ہے بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ غفلت کے ساتھ مناجات پائی جائے؟ ابوبکر بن عبد اللہ نے لوگوں سے کہا کہ اگر تم اپنے آقا کے پاس اس کی اجازت کے بغیر جانا چاہو' اور کسی واسطے کے بغیر اس سے گفتگو کرنی چاہو تو یہ ممکن ہے' لوگوں نے کہا! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ فرمایا: مکمل وضو کے ساتھ محراب میں کھڑے ہو جاؤ' اجازت کے بغیر آقا کی بارگاہ میں حاضر ہو جاؤ گے' اور اس سے مناجات شروع کردو' درمیان میں کوئی ذریعہ نہ ہوگا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يحدثنا و نحدثه فاذا حضرت الصلاة فكانه لم يعرفنا و لم نعرفه (ازادی فی الضعفاء۔ سوید بن غفلہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے گفتگو کیا کرتے تھے اور ہم آپ سے گفتگو کیا کرتے تھے' مگر جب نماز کا وقت آجاتا تو ایسا لگتا کہ گویا آپ ہمیں نہ جانتے ہوں' اور ہم سب آپ کو نہ جانتے ہوں۔

ایک حدیث میں ہے۔

لا ينظر الله الى صلاة لا يحضر الرجل فيها قلبه مع بدنه

اللہ تعالیٰ ایسی نماز پر متوجہ نہیں ہوتا جس میں آدمی اپنے بدن کے ساتھ اپنا دل بھی حاضر نہ کرے۔ (۱)

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو ان کے دل کے اضطراب کی آواز دو میل کے فاصلے سے سنی جاسکتی تھی۔ سعید تنوخیؒ جب نماز پڑھتے تو ان کے آنسو گالوں سے داڑھی کے بالوں کو تر کرتے ہوئے گرتے رہتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا وہ نماز میں اپنی داڑھی سے کھیل رہا ہے' آپ نے ارشاد فرمایا:

لو خشع قلب هذا لخشعت جوارحه (حکیم ترمذی۔ ابو ہریرہؓ)

اگر اس شخص کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء بھی خشوع کرتے۔

روایت ہے کہ حسن بصریؒ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ کنکریوں سے کھیل رہا ہے اور یہ دعا کر رہا ہے کہ اے اللہ میرا نکاح حور عین سے کر دیجئے' حسن بصری نے کہا: اے شخص! تو اچھا دولہا نہیں ہے' نکاح حور عین سے چاہتا ہے اور کنکریوں سے کھیل رہا ہے (مطلب یہ ہے کہ نماز کے ذریعہ خدا کی قربت چاہنے والوں کو بھی کوئی ایسا عمل نہ کرنا چاہیے جو اس کے شایان شان ہو)۔ حلف ابن ایوبؒ سے کسی نے کہا کہ کیا نماز میں تمہیں مکھی نہیں ستاتی کہ تم اسے ہٹا دو' فرمایا کہ میں اپنے نفس کو کسی ایسی چیز کا عادی نہیں بنانا چاہتا جو میری نماز فاسد کردے' پوچھنے والے نے کہا: مگر تم صبر کیسے کر لیتے ہو؟ فرمایا: میں نے سنا ہے کہ فاسق اور مجرم شاہی کوڑوں کے سامنے اُف نہیں کرتے' میں تو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہوں (جو سب بادشاہوں کا بادشاہ ہے) تو کیا اس مکھی سے پریشان ہو جاؤں۔ مسلم ابن یسارؒ کے بارے میں مشہور ہے کہ جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اپنے گھر والوں سے کہہ دیتے کہ تم آپس میں باتیں کرو میں تمہاری بات چیت کا لفظ بھی نہیں سنوں گا۔ ان بزرگ کا ایک قصہ یہ بھی ہے کہ وہ شہر کی جامع مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے' نماز کے دوران مسجد کا ایک حصہ منہدم ہو گیا' آواز سن کر آس پاس کے لوگ جمع ہو گئے' لیکن ان کے نماز میں کوئی فرق نہیں آیا' جب نماز سے فارغ ہو گئے تو پتہ چلا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ جب کسی فرض نماز کا وقت آتا تو ان کے چہرے کا رنگ بدل جاتا' اور عجیب قسم کی کیفیت ہو جاتی' لوگ عرض کرتے امیر المومنین! کیا ہوا؟ فرماتے: اس امانت کی ادائیگی کا وقت آگیا جو اللہ نے آسمانوں پر' زمین پر اور پہاڑوں پر پیش کی تو ان سب نے اس امانت کا بوجھ اٹھانے سے انکار

(۱) یہ روایت ان الفاظ میں نہیں ملی۔ البتہ ابو منصور دیلمی نے مسند الفردوس میں ابی ابن کعب سے اسی مضمون کی روایت نقل کی ہے۔

کردیا۔ امام زین العابدین کی وضو کے وقت یہی کیفیت ہو جاتی تھی، گھر والے پوچھتے وضو کے وقت آپ کو کیا ہو جاتا ہے؟ فرماتے کیا تم لوگ جانتے نہیں ہو کہ مجھے کس کے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔

عبداللہ ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی مناجات کے دوران یہ الفاظ کہے: اے اللہ! تو کس کی نماز قبول کرتا ہے؟ اللہ نے وحی کے ذریعہ حضرت داؤد علیہ السلام کو مطلع کیا کہ میں اس شخص کی نماز قبول کرتا ہوں' اور وہ شخص میری جنت میں رہے گا جو میری عظمت کے سامنے تواضع اختیار کرے' اپنا دن میری یاد میں گذارے' اپنے نفس کو شہوات سے روکے' میری رضا جوئی کے لیے بھوکے کو کھانا کھلائے' مسافر کو پناہ دے' اور مصیبت زدہ پر رحم کرے' یہی وہ شخص ہے جس کا نور آسمانوں میں سورج کی طرح چمکتا ہے' جب وہ مجھے پکارتا ہے میں لبیک کہتا ہوں' جب وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اسے عطا کرتا ہوں' جہل کو میں اس کے لیے علم' غفلت کو ذکر' اور تاریکی کو روشنی کر دیتا ہوں' لوگوں میں اس کو وہ مقام حاصل ہے جو جنت الفردوس کو حاصل ہے کہ نہ اس کی نہریں خشک ہوتی ہیں' اور نہ اس کے میوے خراب ہوتے ہیں۔ حاتم اصمؒ سے لوگوں نے ان کے نماز کی کیفیت دریافت کی' فرمایا جب نماز کا وقت آتا ہے میں اچھی طرح وضو کرتا ہوں' اور اس جگہ آتا ہوں جہاں نماز پڑھنے کا ارادہ ہے' وہاں کچھ دیر بیٹھتا ہوں یہاں تک کہ میرے حواس مجتمع ہو جاتے ہیں' پھر نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہوں' اور اس تصور کے ساتھ کھڑا ہوتا ہوں کہ کعبہ میرے دونوں ابروؤں کے درمیان ہے' پل صراط پاؤں کے نیچے ہے' جنت دائیں جانب اور دوزخ بائیں جانب ہے' اور ملک الموت پشت کی طرف ہے' میں اس نماز کو اپنی آخری نماز سمجھتا ہوں' پھر خوف اور امید کے ساتھ بلند آواز سے اللہ اکبر کہتا ہوں' قرأت اچھی طرح کرتا ہوں' رکوع تواضع کے ساتھ اور سجدہ خشوع کے ساتھ ادا کرتا ہوں' بائیں سرین پر بیٹھ کر بایاں پاؤں بچھا لیتا ہوں' اور دائیں پاؤں کا انگوٹھا کھڑا رکھتا ہوں' میں تمام افعال نماز اخلاص کے ساتھ ادا کرتا ہوں' پھر میں نہیں جانتا کہ میری نماز قبول ہوئی یا نہیں۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ تفکر کے ساتھ متوسط درجے کی دو رکعتیں غافل دل کے ساتھ تمام رات عبادت کرنے سے بہتر ہیں۔

مسجد اور نماز کی جگہ کی فضیلت : اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ (پ ۱۰' ر ۹' آیت ۱۸)

وہی آباد کرتا ہے اللہ کی مسجدیں جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

۱۔ من بنی للہ مسجدا ولو کمفحص قطاۃ بنی اللہ لہ قصرا فی الجنۃ۔
(ابن ماجہ۔ جابرؓ۔ بخاری و مسلم۔ عثمانؓ بلفظ آخر)

جو شخص اللہ کے لیے ایک مسجد بنائے چاہے وہ مسجد قطاۃ (قطاۃ کبوتر کے برابر ایک ریگستانی پرندہ ہے۔) (مترجم) کے گھونسلے کے برابر ہی کیوں نہ ہو اللہ جنت میں اس کے لیے ایک محل بنائے گا۔

۲۔ من الف المسجد الفہ اللہ تعالیٰ (طبرانی۔ ابو سعیدؓ)

جو شخص مسجد سے محبت کرتا ہے اللہ اس سے محبت کرتا ہے۔

۳۔ اذا دخل احدکم المسجد فلیرکع رکعتین قبل ان یجلس۔
(بخاری و مسلم۔ ابو قتادہؓ)

جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو اسے چاہئے کہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھ لے۔

۴۔ لا صلاۃ لجار المسجد الا فی المسجد (دار قطنی۔ جابرؓ۔ ابو ہریرہؓ)

مسجد کے پڑوسی کی نماز مسجد کے علاوہ نہیں ہوتی۔

۵۔ الملائکۃ تصلی علی احدکم مادام فی مصلاہ الذی یصلی فیہ تقول اللّٰھم صلی علیہ اللّٰھم ارحمہ اللّٰھم اغفر لہ مالم یحدث او یخرج من المسجد۔

(بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہؓ)

ملائکہ تم میں سے ایک پر اس وقت تک رحمت بھیجتے رہتے ہیں جب تک کہ وہ اس جگہ رہے جہاں نماز پڑھتا ہے' فرشتے کہتے ہیں: اے اللہ اس پر رحمت ہو' اے اللہ اس پر رحم کر' الٰہی اس کی بخشش فرما' بشرطیکہ نمازی بے وضو نہ ہو جائے یا مسجد سے باہر نہ آجائے۔

۶۔ یاتی فی آخر الزمان ناس من امتی یاتون المساجد' فیقعدون فیھا حلقا حلقا ذکرھم الدنیا و حب الدنیا لا تجالسوھم' فلیس للّٰہ بھم حاجۃ۔ (حاکم۔ انسؓ)

آخری زمانے میں میری امت میں سے کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو مسجدوں میں پہنچیں گے' اور حلقے بنا کر بیٹھ جائیں گے' وہ دنیا اور دنیا کی محبت کا ذکر کریں گے' تم ایسے لوگوں کے ساتھ مت بیٹھنا اللہ کو ایسے لوگوں کی ضرورت نہیں ہے۔

۷۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض کتابوں میں فرمایا ہے:

ان بیوتی فی ارضی المساجد' وان زواری فیھا عمارھا فطوبی لعبد تطھر فی بیتہ' ثم زارنی فی بیتی فحق علی المزور ان یکرم زائرہ (ابو نعیم۔ ابو سعیدؓ)

میرے گھر زمین میں مسجدیں ہیں' اور مجھ سے ملاقات کے لیے آنے والے وہ ہیں جو ان کو آباد کریں' خوشخبری ہو اس شخص کے لیے جو اپنے گھر میں پاک صاف ہو کر مجھ سے ملاقات کے لیے میرے گھر آئے اس صورت میں مزور (جس کی زیارت کی جائے) کا فرض ہے کہ وہ زائر (ملاقات کے لیے آنے والا) کی تعظیم کرے۔

۸۔ اذا رایتم الرجل یعتاد المسجد فاشھدوا لہ بالایمان۔ (ترمذی' حاکم۔ ابو سعید)

جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ مسجد کا عادی ہے تو اس کے ایمان کی گواہی دو۔

سعید ابن المسیبؒ کہتے ہیں کہ جو شخص مسجد میں بیٹھے وہ اللہ تعالیٰ کا ہم نشین ہے' اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ خیر کے علاوہ کوئی بات نہ کرے۔ کسی تابعی کا قول ہے کہ مسجد میں بات کرنا نیکیوں کو اس طرح کھا لیتا ہے جس طرح چوپائے گھاس کھا لیتے ہے۔ نخعیؒ کہتے ہیں کہ اکابرین سلف کا خیال تھا کہ تاریک رات میں مسجد کی طرف جانا جنت کو واجب کرتا ہے۔ انس ابن مالکؓ کہتے ہیں کہ جو شخص مسجد میں ایک چراغ جلائے' اس کے لیے ملائکہ' عرش کو اٹھانے والے فرشتے اس وقت تک دعا کرتے رہتے ہیں جب تک وہ چراغ جلتا رہتا ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب آدمی مرتا ہے تو زمین میں اس کے نماز پڑھنے کی جگہ' اور آسمان کی طرف عمل اٹھنے کی جگہ اس پر روتی ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

۳۔ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ وَمَا كَانُوا مُنْظَرِيْنَ (پ ۲۵' ر ۱۴' آیت ۲۹)

پھر نہ ان پر آسمان رویا' اور نہ زمین روئی' اور نہ انہیں ڈھیل دی گئی۔

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ مرنے والے نمازی پر زمین چالیس روز تک روتی ہے۔ عطا خراسانیؒ کہتے ہیں کہ جو شخص قطعۂ زمین پر سجدہ کرتا ہے قیامت کے روز وہ قطعہ زمین اس کی گواہی دیتا ہے اور جس دن وہ شخص مرتا ہے اس پر روتا ہے۔ انس ابن مالکؓ فرماتے ہیں کہ جس قطعۂ زمین پر کوئی نماز پڑھی جاتی ہے وہ اپنی آس پاس کی زمین پر فخر کرتا ہے۔ اور ذکر الٰہی کی خوشخبری زمین کے ساتوں طبقوں کے آخری حصّہ تک پہنچاتا ہے' اور جو شخص کھڑا ہو کر نماز پڑھتا ہے زمین اس کے لیے آراستہ کر دی جاتی ہے۔

کہتے ہیں کہ لوگ جس جگہ ٹھہرتے ہیں صبح کو وہ جگہ ان ٹھہرنے والوں پر رحمت کی دعا کرتی ہے یا لعنت بھیجتی ہے۔

دوسرا باب

نماز کے ظاہری اعمال کی کیفیت

تکبیر تحریمہ سے پہلے اور بعد میں : جب نمازی وضو سے' بدن' مکان اور کپڑوں کو نجاست سے پاک کرنے سے فارغ ہوجائے اور ناف سے زانو تک اپنا ستر ڈھانپ لے تو اسے چاہیے کہ قبلہ رخ ہو کر کھڑا ہو' اور دونوں پاؤں کے درمیان کچھ فاصلہ کرلے' دونوں پاؤں کو آپس میں ملانا ٹھیک نہیں ہے۔ جو شخص نماز میں دونوں پاؤں کے درمیان فاصلہ رکھتا ہے وہ شخص سمجھدار ہے۔ ایک حدیث میں ہے:

نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن الصفن والصفاد۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صفن اور صفاد سے منع فرمایا ہے۔ (۱)

صفد کے معنی ہیں دونوں پاؤں جوڑلینا۔ جیسا کہ اس آیت میں بھی معنی مراد ہیں:

مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ (پ ۱۳' ر ۱۹' آیت ۴۹)

اور صفن کہتے ہیں کہ ایک پاؤں پر زور دے کر دوسرے پاؤں کو ٹیڑھا کرلیا جائے۔ قرآن پاک میں ہے:

اَلصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ (پ ۲۳' ر ۱۲' آیت ۳۱)

کمر اور گھٹنے سیدھے رہنے چاہئیں' سر کو چاہے سیدھا رہنے دے' اور چاہے تو نیچے جھکالے' جھکالینا زیادہ اچھا ہے' کیونکہ اس سے تواضع کا اظہار ہوتا ہے اور نظر نیچی رہتی ہے۔ نمازی کی نظر جائے نماز پر رہنی چاہیے' اگر جائے نماز نہ ہو تو کسی دیوار کے قریب کھڑا ہو' یا اپنے چاروں طرف خط کھینچ لے تاکہ نگاہ کا فاصلہ کم ہوجائے' اور فکر مجتمع رہے' اگر نگاہ جائے نماز کے اطراف سے' یا خط سے تجاوز کرے تو اسے روکنا چاہیے' یہ قیام رکوع تک رہنا چاہیے۔ اس دوران کسی چیز کا دھیان نہ ہو' جب قبلہ رخ ہو کر بتلائے ہوئے طریقہ پر کھڑا ہوجائے تو شیطان ملعون کو بھگانے کے لیے قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھے' پھر تکبیر کہے اور اگر کسی مقتدی کے آنے کی توقع ہو تو پہلے اذان دے لے۔ پھر نیت کرے۔ مثلاً ظہر کی نماز کے لیے یہ نیت کرے کہ میں اللہ کے لیے ظہر کی فرض ادا کرتا ہوں۔ اس میں لفظ ادا سے قضا' فرض سے نوافل' ظہر سے دوسری نمازیں نکل جائیں گی۔ ان الفاظ کے معانی دل میں رہیں' زبان سے ادا کرنا ضروری نہیں ہے' نیت کے معنی ہی یہ ہیں' الفاظ تو محض تذکیر (یاد دلانے) کے لیے ہیں' اور یہ بتلانے کے لیے ہیں کہ نمازی کے دل میں نیت موجود ہے۔

نیت کے بعد دونوں ہاتھ شانوں تک اٹھائے۔ (۲) اس طرح کہ دونوں ہتھیلیاں دونوں شانوں کے مقابل ہوں' دونوں انگوٹھے کانوں کی لو اور انگلیاں کانوں کے نچلے حصہ کے مقابل ہوں' تاکہ اس طرح ان سب احادیث پر عمل ہوجائے جو اس باب میں منقول ہیں' دونوں ہتھیلیوں اور انگوٹھے کے اندرونی حصوں کو قبلہ رخ رکھے' انگلیوں کو کھلا رہنے دے' بند نہ کرے' پھیلانے میں بھی تکلف سے کام لینے کی ضرورت نہیں ہے' بلکہ ان کو ان کی طبیعت پر چھوڑ دے' اس لیے کہ آثار میں ان کا پھیلانا' اور ملا کر رکھنا دونوں منقول ہیں' جو صورت ہم نے بیان کی ہے وہ ان دونوں کو جامع ہے' اس لیے یہی بہتر ہے' جب ہاتھ اپنی جگہ ٹھہر جائیں' تب دل میں نیت کرے' اللہ اکبر کہے' اور ہاتھوں کو نیچے کی طرف لائے' پھر اللہ اکبر کا کلمہ پورا کرے دونوں ہاتھوں کو ناف کے اوپر

---

(۱) رزین نے اس روایت کو ترمذی کی طرف منسوب کیا ہے' مگر مجھے یہ روایت ترمذی میں نہیں ملی۔ (۲) دونوں شانوں تک ہاتھوں کو اٹھانا ابن عمرؓ سے بخاری و مسلم میں اور کانوں کی لو تک اٹھانا' ابوداؤد میں وائل ابن حجرؓ سے اور کانوں کی چوٹی تک اٹھانا مسلم میں مالک ابن الحویرثؓ سے منقول ہے۔

اور سینے کی نیچے رکھے۔ (۱) اس طرح کے دلیاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر ہو۔ دائیں ہاتھ کی افضلیت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ بائیں کے اوپر رہے۔ دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت اور بیچ کی انگلی بائیں ہاتھ کے بازو پھر پھیلا دے' انگوٹھے اور چھوٹی انگلی سے بائیں ہاتھ کا پہنچا پکڑ لے۔ روایات میں اللہ اکبر کہنا اس وقت بھی آیا ہے جب ہاتھ اوپر کیطرف اٹھائے جائیں اور اس وقت بھی ثابت ہے جب اٹھ کر ٹھہر جائیں' اور اس وقت بھی وارد ہے جب باندھنے کے لیے جھکیں۔ (۲) ان تینوں صورتوں میں کوئی حرج نہیں ہے' البتہ میرے نزدیک افضل صورت یہ ہے کہ اس وقت اللہ اکبر کہے جب ہاتھوں کو اوپر سے نیچے کی طرف لائے۔ اس لیے کہ یہ کلمہ عقد ہے' ایک ہاتھ کا دوسرے پر رکھنا اس عقد کی صورت ہے' اور یہ صورت دونوں ہاتھوں کو نیچے کی طرف لانے سے شروع ہوتی ہے' اور باندھنے پر ختم ہوتی ہے اللہ اکبر کی ابتدا الف سے اور انتہا راء پر ہوتی ہے' اس لیے فعل اور عقد میں مطابقت ملحوظ رہنی چاہیے۔ جہاں تک ہاتھ اٹھانے کا تعلق ہے یہ عقد نہیں ہے بلکہ عقد کا مقدمہ ہے۔ پھر یہ بھی خیال رکھے کہ اٹھانے میں ہاتھ زیادہ آگے نہ بڑھیں' نہ وہ شانوں کے پیچھے ہوں' دائیں اور بائیں ہاتھوں کو جھٹکنا بھی درست نہیں ہے جب اللہ اکبر کہے تو دونوں ہاتھوں کو آہستہ سے نیچے لٹکا دے' پھر از سر نو دایاں ہاتھ بائیں پر رکھے' بعض روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ اکبر کہنے کے بعد اپنے ہاتھ نیچے کی طرف چھوڑ دیتے تھے اور جب قرأت کا ارادہ کرتے تھے تو دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھ لیا کرتے تھے' اگر یہ حدیث صحیح ہے تو جو صورت ہم نے پہلے بیان کی ہے اس سے یہ افضل ہے۔ لفظ اللہ اکبر کہتے ہوئے ان امور کا خیال رکھنا چاہیے (۱) اللہ اکبر کی ہ پر ہلکا سا پیش پڑھا جائے' زیادہ کھینچ کر پڑھنے سے پیش واؤ کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ (۲) ب کو کھینچ کر نہ پڑھے' اس صورت میں ب اور راء کے درمیان الف کا گمان ہوتا ہے' اور اکبر کے بجائے اکبار بعد میں آتا ہے۔ (۳) راء پر جزم پڑھے' پیش نہ پڑھے۔

قرأت: تکبیر تحریمہ کے بعد نماز شروع کرے ابتدا میں اللہ اکبر کے بعد یہ دعا پڑھنا بہتر ہے۔ (۳)

اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْرًا وَسُبْحَانَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلاً (مسلم ابن عمرؓ) وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (مسلم۔ علی ابن ابی طالبؓ)

اللہ بہت بڑا ہے بڑائی میں اور زیادہ تعریف اللہ کے لیے ہے اور اللہ کی پاکی ہے صبح و شام' میں نے اپنا رخ اسی کی طرف کیا جس نے آسمان و زمین بنائے' اس حال میں کہ میں ابراہیم حنیف کے دین پر ہوں' بے شک میری نماز' میری عبادت' میرا مرنا' اور جینا سب اللہ کے لیے ہے جو رب العالمین ہے' جس کا کوئی شریک نہیں' مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے' اور میں فرماں برداروں میں سے ہوں۔

اس کے بعد یہ:

سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَا اِلٰہَ غَیْرُکَ

---

(۱) احناف کے نزدیک ناف سے نیچے ہاتھ باندھنا سنت ہے (الدر المختار علی ہامش رد المختار باب صفۃ الصلوٰۃ ج ۱ ص ۵۴) البتہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے اوپر رکھنے میں احناف بھی شوافع کے ساتھ ہیں' ناف سے نیچے ناف سے اوپر باندھنے کا اختلاف جواز یا عدم جواز میں نہیں ہے۔ بلکہ احناف نے ناف سے نیچے ہاتھ باندھنے کی روایت پر عمل کیا ہے' اور اسے اولیٰ قرار دیا ہے' شوافع نے ناف سے اوپر ہاتھ باندھنے کی روایت پر عمل کیا ہے اور اسے اولیٰ قرار دیا ہے۔ (۲) پہلی صورت بخاری میں ابن عمرؓ سے' دوسری صورت مسلم میں ابن عمرؓ سے اور تیسری صورت ابوداؤد میں ابو حمید سے منقول ہے۔

(۳) تکبیر تحریمہ کے بعد دعائیں پڑھنے کو احناف نے نوافل پر محمول کیا ہے۔ (رد المختار باب صفۃ الصلوٰۃ ص ۴۵۵ ج ۱)

الٰہی تو پاک ہے' میں تیری حمد کے ساتھ پاکی بیان کرتا ہوں۔ برکت والا ہے تیرا نام' بڑی ہے تیری شان' کوئی معبود نہیں ہے تیرے سوا۔

تاکہ جتنے متفرق امور روایات میں وارد ہیں وہ سب جمع ہو جائیں۔ اگر نمازی امام کے پیچھے ہو' اور امام اتنا طویل سکتہ نہ کرے جس میں وہ الحمد پڑھ سکتا ہے تو اسی قدر دعا پر قناعت کرلے' لیکن اگر تنہا نماز پڑھ رہا ہو' یا امام کے پیچھے کچھ مہلت مل گئی ہو تو اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ' اور بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھ کر سورۂ فاتحہ کی تلاوت کرے' (۱) تمام حروف صحیح صحیح ادا کرے' کوشش کرے کہ ضاد اور ظا ملنے نہ پائیں' سورۂ فاتحہ کے آخر میں آمین کہے اور اس لفظ کو کھینچ کر ادا کرے' لیکن آمین کو ولا الضالین کے ساتھ نہ ملائے' بلکہ کچھ وقفہ کرکے پڑھے' فجر' مغرب' اور عشاء کی نمازوں میں بلند آواز سے تلاوت کرے' بشرطیکہ مقتدی نہ ہو' آمین بھی بلند آواز سے کہے (۱) پھر ایک سورت یا تین آیتوں کے بقدر پڑھے سورت کے آخری لفظ کو رکوع کی تکبیر اللہ اکبر سے نہ ملائے بلکہ ان دونوں میں اتنا وقفہ برقرار رکھے جتنا سبحان اللہ کہنے میں ہوتا ہے صبح کی نماز میں طوال مفصل اور مغرب کی نماز میں قصار مفصل پڑھے ظہر عصر اور عشاء کی نمازوں میں وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ" وغیرہ سورتیں پڑھے۔ سفر کے دوران فجر کی نمازوں میں "قُلْ يَآ أَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" پڑھے۔ فجر کی سنتوں میں طواف اور تحیۃ المسجد کی دو رکعتوں میں بھی یہی دونوں سورتیں تلاوت کرے۔ قرأت ختم ہونے تک ہاتھ باندھے کھڑا رہے۔

رکوع : پھر رکوع کرے اور اس میں چند باتوں کا خیال رکھے۔ یعنی رکوع کے لیے اللہ اکبر کہے اور اس تکبیر کے ساتھ اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے۔ (۲) (جس طرح تکبیر تحریمہ کے وقت اٹھائے تھے) تکبیر کو اتنا طول دے کہ رکوع میں پہنچنے کے بعد مکمل ہو۔ رکوع میں اپنی دونوں ہتھیلیاں دونوں گھٹنوں پر رکھے۔ انگلیاں نیچے کی جانب پنڈلی پر قبلہ رو پھیلی ہوئی ہوں۔ اپنے دونوں گھٹنے سیدھے رکھے۔ انہیں ٹیڑھا نہ کرے۔ اپنی کمر برابر پھیلی ہوئی رکھے۔ اس طرح پر کہ گردن کمر اور سرتینوں کی سطح برابر ہو۔ نہ سر اونچا اور نہ نیچا۔ دونوں کہنیاں پہلوؤں سے علیحدہ ہوں۔ عورت کو چاہیے کہ وہ اپنی کہنیاں پہلو سے ملائے رکھے۔ رکوع میں تین مرتبہ "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ" (پاک ہے میرا رب) کہے۔ اس کلمے کو سات یا دس بار تک کہنا افضل ہے لیکن شرط یہ ہے کہ امام کے پیچھے نہ ہو۔ پھر رکوع سے کھڑا ہو اور دونوں ہاتھ اٹھائے اور یہ الفاظ کہے۔ "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" (مقتدی کو "رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" کہنا چاہیے' سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہنے کی ضرورت نہیں۔ (عالمگیری ج ۱ ص ۷۰) (اللہ نے سنا جس نے اس کی حمد بیان کی) پھر سیدھا کھڑا ہو کر یہ کہے۔ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْأَ السَّمٰوَاتِ وَمِلْأَ الْأَرْضِ وَمِلْأَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ (الٰہی تیرے لیے تعریفیں ہیں۔ آسمان کے برابر' زمین کے برابر اور اس چیز کے برابر جسے تو ان کے بعد چاہے) اس قیام کو صلوٰۃ التسبیح کے علاوہ نمازوں میں طول نہ دے۔ صبح کی نماز میں دوسری رکعت کے سجدے سے قبل کھڑے ہو کر دعائے قنوت پڑھے۔ قنوتِ نازلہ یہ ہے۔

---

(۱) حنفیہ کے نزدیک امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ روایت میں ہے واذا قرأ فانصتوا (مشکوٰۃ باب القراءۃ فی الصلوٰۃ ص ۷۹ و ۸۱) یعنی جب امام پڑھے تو خاموش رہو' ایک روایت میں ہے من کان له امام فقرأۃ الامام له قراءۃ یعنی جس کا کوئی امام ہو تو امام کی قرأت اس (مقتدی) کی قرأت ہوتی ہے (آثار السنن ج ص ۸۷/۱) طحاویؒ نے بہت سی احادیث صحیحہ اسی سلسلے میں جمع کی ہیں (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۲۸ و ص ۱۲۹) قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا و اذا قری القرآن فاستمعوا له و انصتوا (جب قرآن پڑھا جائے گا تو اسے غور سے سنو اور چپ رہو۔ مترجم)

(۲) احناف بلند آواز سے آمین کہنے کو غیر مسنون کہتے ہیں۔ کیونکہ آمین دعا ہے اور قرآن پاک کی رو سے دعا میں اخفاء مناسب ہے جیسا کہ فرمایا گیا "ادعوا ربکم تضرعا و خفیة (الدرالمختار باب صفۃ الصلوٰۃ ج ۱ ص ۳۴۳/ مترجم)۔ (۳) تکبیر اولیٰ کے علاوہ حنفیہ کے نزدیک کسی اور موقع پر رفع یدین نہیں' جلیل القدر صحابہ سے بھی عدم رفع منقول ہے۔ (ملاحظہ ہو شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۳۴ و ص ۱۳۵) احناف کے یہاں صرف سات جگہ رفع یدین ہے ان میں رکوع سے کھڑے ہونے کے وقت اور سجدے میں جانے کے وقت رفع یدین نہیں ہے۔ (فتح القدیر باب صفۃ الصلوٰۃ ص ۲۶۸ و ص ۲۶۹/ مترجم)

اَللّٰھُمَّ اھْدِنَا فِیْ مَنْ ھَدَیْتَ وَعَافِنَا فِیْ مَنْ عَافَیْتَ وَتَوَلَّنَا فِیْ مَنْ تَوَلَّیْتَ وَبَارِکْ لَنَا فِیْ مَا اَعْطَیْتَ وَقِنَا شَرَّ مَا قَضَیْتَ ○ فَاِنَّکَ تَقْضِیْ وَلَا یُقْضٰی عَلَیْکَ ○ اِنَّہٗ لَا یَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ ○ وَلَا یَعِزُّ مَنْ عَادَیْتَ ○ تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَ تَعَالَیْتَ ○ نَسْتَغْفِرُکَ وَنَتُوْبُ اِلَیْکَ ○ یہاں تک عام قنوت ہے۔ اس کے بعد وہ دعائیں ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنگ وغیرہ کے مواقع پر پڑھا کرتے تھے۔ "وَصَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ ○ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ ○ وَاَلِّفْ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَیْنِھِمْ وَانْصُرْھُمْ عَلٰی عَدُوِّکَ وَعَدُوِّھِمْ ○ اَللّٰھُمَّ قَاتِلِ الْکَفَرَۃَ الَّذِیْنَ یَجْحَدُوْنَ اٰیَاتِکَ ○ وَ یُکَذِّبُوْنَ رُسُلَکَ ○ وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِکَ وَ یُقَاتِلُوْنَ اَوْلِیَاءَ کَ ○ اَللّٰھُمَّ انْصُرِ الْاِسْلَامَ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَاَخْذُلْ اَعْدَائَھُمُ الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی وَالْمُشْرِکِیْنَ ○ اَللّٰھُمَّ شَتِّتْ شَمْلَھُمْ وَمَزِّقْ جَمْعَھُمْ وَخَالِفْ بَیْنَ کَلِمَتِھِمْ وَامْحُ اٰثَارَھُمْ وَاقْطَعْ دَابِرَھُمْ وَاَنْزِلْ بِھِمْ بَاْسَکَ الَّذِیْ لَا تَرُدُّہٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ ○ اَللّٰھُمَّ اَھْلِکْھُمْ کَمَا اَھْلَکْتَ عَادًا وَّ ثَمُوْدَ ○ اَللّٰھُمَّ خُذْھُمْ اَخْذَ عَزِیْزٍ مُّقْتَدِرٍ۔

اے اللہ ہم کو بھی ہدایت فرما ان لوگوں کی طرح جن کو تو نے ہدایت فرمائی اور عافیت نصیب فرما ان کی طرح جن کو تو نے عافیت دی۔ ہمارا ولی بن ان کی طرح جن کا تو ولی بنا اور ہمارے لیے برکت عطا فرما ان چیزوں میں جو تو نے عطا کیں اور اس شر سے ہمیں بچا جس کا تو نے فیصلہ کیا ہے۔ بے شک تو فیصلہ کرتا ہے۔ تجھ پر فیصلہ نہیں کیا جاتا۔ بے شک وہ ذلیل نہیں ہوتا جس کا تو دوست ہو اور وہ عزت نہیں پاتا جس سے تو دشمنی کرے۔ اے ہمارے رب تو پاک ہے اور بلند ہے۔ ہم تجھ سے مغفرت چاہتے ہیں اور توبہ کرتے ہیں۔ نبی کریم پر اللہ کی رحمت نازل ہو' اے اللہ ہمارے مومن مردوں اور مومن عورتوں کی' مسلمان عورتوں اور مردوں کی مغفرت فرما۔ ان کے دلوں میں محبت ڈال دے۔ ان کے آپس کے جھگڑوں میں صلح فرما۔ اپنے اور ان کے دشمنوں پر ان کی مدد فرما۔ اے اللہ ان نافرمانوں کو ہلاک فرما جو تیری آیات کا انکار کرتے ہیں۔ تیرے رسولوں کی تکذیب کرتے ہیں اور (لوگوں کو) تیرے راستے سے روکتے ہیں اور تیرے دوستوں کے ساتھ جنگ کرتے ہیں۔ اے اللہ اسلام کی اور مسلمانوں کی مدد فرما اور ان کے دشمنوں یہود و نصاریٰ اور مشرکین کو ذلیل و خوار کر۔ اے اللہ ان کا شیرازہ بکھیر دے اور ان کے اتحاد کو پارہ پارہ کردے۔ ان کے درمیان اختلاف پیدا کردے۔ ان کے نشانات مٹادے۔ ان کی جڑوں کو کاٹ دے اور ان پر ایسا عذاب نازل فرما جو تو مجرمین سے نہیں ہٹاتا۔ اے اللہ انہیں قوم عاد و ثمود کی طرح ہلاک کردے۔ اے اللہ ان کی ایسی پکڑ فرما جو تیرے غلبے اور اقتدار کے شایان شان ہو۔

سجدہ : پھر تکبیر کہتا ہوا سجدے کے لیے جھکے۔ اپنے گھٹنے زمین پر ٹیکے اور کھلی ہوئی پیشانی' ناک اور ہتھیلیاں زمین پر رکھے۔ جھکتے کے وقت اللہ اکبر کہے۔ رکوع کے علاوہ کسی موقع پر ہاتھ اٹھا کر تکبیر نہ کہے۔ سب سے پہلے گھٹنے زمین پر ٹکنے چاہئیں۔ بعد میں دونوں ہاتھ زمین پر رکھے جائیں۔ آخر میں چہرہ اور ناک بھی زمین سے ملنی چاہیے۔ کہنیوں کو پہلو سے علیحدہ رکھے۔ عورتیں اپنی کہنیاں پہلو سے ملا کر رکھیں۔ پاؤں کی انگلیاں پھیلائے۔ عورت ایسا نہ کرے۔ سجدے میں پیٹ کو رانوں سے جدا رکھے اور دونوں رانوں کو ایک دوسرے سے الگ رکھے۔ عورت پیٹ کو رانوں سے اور ایک ران کو دوسری ران سے ملا کر سجدہ کرے۔ ہاتھوں کو

شانوں کے بالمقابل زمین پر رکھے۔ انگلیوں کو پھیلائے مگر دو انگلیوں کے درمیان فاصلے کی ضرورت نہیں بلکہ تمام انگلیوں کو آپس میں ملالے۔ اگر انگوٹھے کو نہ ملا سکے تو کوئی حرج بھی نہیں۔ اپنے ہاتھ زمین پر اس طرح نہ بچھائے جس طرح کتا بچھاتا ہے بلکہ کہنیوں کو زمین سے دور رکھے۔ زمین سے ملا کر رکھنے کی ممانعت حدیث میں وارد ہوئی ہے۔ (بخاری و مسلم۔ انس) سجدے میں تین مرتبہ "سبحان ربی الاعلیٰ" کہے۔ تین بار سے زیادہ کہنا افضل ہے مگر یہ اس صورت میں ہے کہ جب تنہا نماز پڑھ رہا ہو۔ اگر امام ہو تو تین مرتبہ سے زیادہ نہ کہے۔ پھر اپنا سر تکبیر کہتا ہوا اٹھائے اور اطمینان سے بیٹھ جائے۔ اس طرح کہ بایاں پاؤں بچھا ہوا ہو اور دایاں کھڑا ہوا ہو۔ اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں گھٹنوں سے متصل دونوں رانوں پر پھیلا کر رکھے۔ نہ انگلیوں کو آپس میں ملانے کا تکلف کرے اور نہ ان میں فاصلہ باقی رکھنے میں مبالغہ سے کام لے۔ اس جلسے میں یہ دعا پڑھے۔ (اس دعا کا پڑھنا واجب نہیں ہے۔

رَبِّ اغْفِرْ لِی وَارْحَمْنِی وَارْزُقْنِی وَاهْدِنِی وَاجْبُرْنِی وَعَافِنِی وَاعْفُ عَنِّی۔

اے میرے رب میری مغفرت فرما۔ مجھ پر رحم کر، مجھے رزق عطا فرما، مجھے ہدایت دے، میری خستگی کو دور فرما، مجھے عافیت عطا کر اور مجھ سے درگزر فرما۔

اس جلسے کو صلوٰۃ التسبیح کے علاوہ دیگر نمازوں میں طویل نہ کرنا چاہیے۔ پھر دوسرا سجدہ کرے۔ دوسرے سجدے کے بعد تھوڑا سا جلسہ استراحت کرے۔(۱) یہ جلسہ استراحت ہر رکعت میں سجدے کے بعد ہونا چاہیے۔ پھر ہاتھ کا دباؤ زمین پر ڈال کر اٹھ کھڑا ہو۔(۲) مگر اٹھنے میں قدم آگے نہ بڑھائے بلکہ اپنی جگہ رکھے۔ سجدے سے اٹھتے وقت تکبیر کو اتنا طول ضرور دے کہ بیٹھنے اور کھڑے ہونے کے درمیانی وقفے میں جاری رہے۔ یعنی اللہ کی ہ تو بیٹھنے کے وقت ادا ہو، اکبر کا کاف زمین سے اٹھتے وقت اور راء اس وقت مکمل ہو کہ جب آدھا کھڑا ہو جائے۔ اللہ اکبر اس وقت کہنا شروع کرے جب نصف اٹھ چکا ہو تاکہ اللہ اکبر کی مکمل ادائیگی حالت انتقال میں ہو۔ قیام اور سجدے کی حالت میں نہ ہو۔ اس صورت میں تعظیم زیادہ نمایاں ہے۔ دوسری رکعت پہلی رکعت کی طرح ہے۔ دوسری رکعت کے شروع میں تعوذ دوبارہ پڑھے۔

تشہد: پھر دوسری رکعت کے دوسرے سجدے کے بعد اس طرح بیٹھے جس طرح دو سجدوں کے درمیان بیٹھتا ہے اور پہلا تشہد پڑھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل پر درود و سلام بھیجے۔ دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھے۔ انگشتِ شہادت اٹھا کر اشارہ کرے۔ لا الہ کہنے کے وقت نہ کرے۔ آخری رکعت میں تشہد اور درود شریف کے بعد دعائے ماثورہ پڑھے۔(۳) آخری تشہد کے سنن و آداب بھی وہی ہیں جو پہلے تشہد کے تھے۔ البتہ آخری تشہد میں بائیں کولھے پر بیٹھے کیونکہ اب اس کا ارادہ اٹھنے کا نہیں ہے بلکہ بیٹھنے کا ہے۔ اپنے بائیں پاؤں کو نیچے کی طرف سے نکال کر بچھا دے اور دایاں پاؤں کھڑا کرلے۔ اگر دشوار نہ ہو تو دائیں پیر کے انگوٹھے کا سر قبلہ کی طرف رکھے۔ پھر دائیں طرف گردن کو موڑ کر کہے۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ رخ اتنا پھیرلے کہ دائیں جانب جو شخص نماز پڑھ رہا ہے اس کا دایاں رخسار نظر آجائے پھر بائیں طرف رخ کرکے سلام کہے اور اس وقت نماز سے باہر ہونے کی نیت کرلے۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے وقت دائیں اور بائیں بیٹھے ہوئے فرشتوں اور مسلمانوں کے لیے سلام و رحمت کی دعا کی نیت کرے۔ سلام کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ لفظِ سلام کو تخفیف کے ساتھ ادا کرے۔ اسے کھینچ کر کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی، ابوہریرہؓ)

---

(۱) احناف کے نزدیک مسنون طریقہ یہ ہے کہ سجدے سے سیدھا اٹھ کھڑا ہو، جلسہ استراحت نہ کرے، حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں سجدے سے اٹھتے ہوئے سیدھے کھڑے ہوجاتے تھے۔ جس روایت میں بیٹھنے کا ذکر ہے وہ بڑھاپے اور ضعف کے زمانے کی ہے۔ (ہدایہ باب صفۃ الصلوٰۃ ج ۱ ص ۱۰۱) (۲) احناف کے یہاں گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہونا مستحب ہے۔ (شامی ج ۱ ص ۳۴۰/ مترجم)

(۳) مسلم میں حضرت علی کی روایت اور بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے آخری تشہد میں دعا کا ثبوت ملتا ہے۔ حضرت عائشہ کی حدیث ہے۔ "اذا تشہد احدکم فلیستعذ باللہ من اربع من عذاب جہنم الخ"

نماز پڑھنے کا یہ طریقہ تنہا شخص کے لیے بیان کیا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص تنہا نماز پڑھ رہا ہو تو اسے بھی آواز سے تکبیرات کہنی چاہئیں مگر آواز صرف اس قدر بلند ہو کہ جسے وہ خود سن سکے۔

امام کو چاہیے کہ وہ اپنی نماز کے ساتھ ساتھ مقتدیوں کی نیت بھی کرے تاکہ نیت کا ثواب مل جائے اور اگر امام نیت نہیں کرے گا اور کوئی شخص اس کی اقتداء میں نماز پڑھ لے گا تو اس کی نماز صحیح ہوجائے گی۔ دونوں (امام اور مقتدی) کو جماعت کا ثواب ملے گا۔ امام کو چاہیے کہ وہ نماز کے آغاز کی دعا اور تعوذ آہستہ پڑھے۔ جیسا کہ تنہا نماز میں پڑھتا ہے۔ صبح کی دونوں رکعتوں میں مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور سورت بلند آواز سے پڑھے۔ (۱) جب امام سورۂ فاتحہ ختم کرلے تو بلند آواز سے آمین کہے۔ مقتدی بھی اسی کے ساتھ آمین کہیں۔ سورۂ فاتحہ کے بعد امام کسی قدر خاموش رہے تاکہ سانس درست ہوجائے اور مقتدی اس وقت سورۂ فاتحہ پڑھ لیں۔ (۲) تاکہ جس وقت قرأت کرے اس وقت سب اس کی قرأت سنیں۔ مقتدی جہری نمازوں میں سورت نہ پڑھیں لیکن اگر امام کی آواز نہ سن رہے ہوں تب سورت پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ امام رکوع سے اٹھانے کے وقت سمع اللہ لمن حمدہ کہے۔ مقتدی بھی یہی کہیں۔ امامت کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ امام تین بار سے زیادہ تسبیحات نہ پڑھے۔ (۳) آخری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پر اکتفا کرے اور اسے طول نہ دے۔ آخری تشہد میں التحیات اور درود کے بعد اس قدر طویل دعا نہ پڑھے کہ ان دونوں کے برابر ہوجائے۔ امام اپنے سلام میں مقتدیوں کی نیت کرتا ہے مقتدی اس کے جواب کی نیت کریں۔ امام سلام کے بعد اس قدر توقف کرے کہ لوگ سلام سے فارغ ہوجائیں۔ پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوکر بیٹھے لیکن اگر مردوں کی صفوں کے پیچھے عورتیں ہوں تب قبلہ رو بیٹھے رہنا مناسب ہے تاکہ عورتوں پر نگاہ نہ پڑے۔ جب تک امام نہ اٹھے اس وقت تک مقتدی بھی بیٹھے رہیں۔ امام کے لیے اجازت ہے کہ وہ جدھر چاہے متوجہ ہوکر بیٹھ سکتا ہے۔ دائیں طرف بھی بائیں طرف بھی لیکن دائیں جانب متوجہ ہوکر بیٹھنا میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔ فجر کی نماز میں دعائے قنوت پڑھتے ہوئے امام جمع کا صیغہ استعمال کرے تاکہ دعا میں صرف اپنی تخصیص نہ رہے بلکہ دوسرے لوگ بھی شامل ہوجائیں۔ دعائے قنوت بلند آواز سے پڑھے۔ مقتدی آمین کہے اور اپنے ہاتھ سینے کے مقابل اٹھائیں۔ (۴) دعا کے ختم پر دونوں ہاتھوں کو منہ پر پھیرلیں۔ جیسا کہ ایک حدیث میں وارد ہے ورنہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ہاتھ نہ اٹھائے جائیں جیسا کہ التحیات کے بعد پڑھی جانے والی دعا میں ہاتھ نہیں اٹھائے جاتے۔

<u>نماز میں ممنوعہ امور</u>: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں بہت سی باتوں سے منع فرمایا ہے۔ (۱) دونوں پاؤں جوڑ کر کھڑا ہونا (۲) ایک پاؤں پر زور دے کر دوسرے کو گھوڑے کی طرح ترچھا کرنا۔ اول کو صفن اور ثانی کو صفد کہتے ہیں۔ اسی باب کے آغاز میں ہم صفن اور صفد کے بارے میں قرآنی آیات پیش کرچکے ہیں۔ (۳) اقعاء (۵) لغت میں اقعاء کے معنی یہ ہیں کہ دونوں کولھوں پر بیٹھے اور دونوں گھٹنے کھڑے کرلے اور دونوں ہاتھ زمین پر اس طرح بچھالے جس طرح کتا بچھاتا ہے۔ محدثین کے مطابق

---

(۱) امام کو قرأت اور تکبیرات کے جہر میں میانہ روی اختیار کرنی چاہیے اور ضرورت کے مطابق جہر کرنا چاہیے۔ بعض جگہ جہر مفرط کرنا اور بعض جگہ ضرورت سے بھی کم جہر کرنا مذموم و بے اصل ہے۔ (ردالمختار فصل فی القراۃ ج ۱ ص ۴۹۷/ مترجم) (۲) یہ مسئلہ پہلے بھی بیان کیا جاچکا ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کو جہریا سری کسی بھی نماز میں سورۂ فاتحہ یا کوئی دوسری سورت نہیں پڑھنی چاہیے۔ (ردالمختار فصل فی القراۃ ج ۱ ص ۵۰۷/ مترجم) (۳) احناف کے یہاں پہلے تشہد کے بعد درود کے بعد کچھ الفاظ زائد کرنے سے سجدہ سہو واجب ہوجاتا ہے۔ (الدرالمختار علی ہامش ردالمختار ج ۱ ص ۴۹۴/ مترجم) (۴) احناف کے نزدیک امام اور مقتدی دونوں ارسال کریں یعنی دونوں ہاتھ نیچے کی جانب چھوڑے رکھیں۔ (ردالمختار باب الوتر و النوافل ص ۴۳۸/ مترجم) (۵) ترمذی میں حضرت علیؓ کی روایت ہے "لا تقع بین السجدتین" مسلم میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے "کان ینھی عن عقبۃ الشیطان" حاکم میں حضرت سمرہ کی روایت بھی اسی مضمون کی ہے۔

اقعا اس نشست کو کہتے ہیں جس میں پاؤں کی انگلیوں کے علاوہ کوئی عضو بدن زمین سے متصل نہ ہو۔ (۴) سدل۔ (ابوداؤد' ترمذی' حاکم بروایت ابو ہریرہؓ) محدثین کے نزدیک سدل کا مطلب یہ ہے کہ کسی چادر وغیرہ میں ہاتھ لپیٹ کر اندر کرلے اور اسی حالت میں رکوع و سجود ادا کرے۔ ہاتھ باہر نہ نکالے۔ یہ یہودیوں کا طریقہ تھا جس پر وہ اپنی نمازوں میں عمل کرتے تھے۔ ان سے تشبہ کی وجہ سے منع کیا گیا۔ کرتے اور قمیض کا حکم بھی یہی ہے۔ یعنی قمیض وغیرہ کے اندر ہاتھ کرکے سجدہ وغیرہ نہ کرنا چاہیے۔ سدل کے ایک معنی یہ ہیں کہ کوئی چادر یا رومال وغیرہ اپنے سر پر ڈال لے اور اس کے دونوں پلو دائیں بائیں لٹکے رہنے دے۔ یعنی اسے مونڈھوں پر نہ ڈالے لیکن ہمارے نزدیک سدل کے پہلے معنی بہتر ہیں۔ (۵) کف۔ (۱) اس کے معنی یہی ہیں کہ جب سجدے میں جائے اپنا کپڑا پیچھے سے یا آگے سے سمیٹ لے۔ کف بالوں میں بھی ہوتا ہے۔ یعنی اپنے بالوں کو اس طرح باندھ لے جس طرح عورتیں (چونڈا) باندھتی ہیں۔ یہ صورت صرف مردوں کے لیے ممنوع ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔

امرت ان اسجد علی سبعة اعضاء ولا اکف شعرا ولا ثوبا ○ (بخاری و مسلم' ابن عباسؓ)

مجھے حکم ہوا کہ میں سات اعضاء پر سجدہ کروں اور بالوں اور کپڑوں کو نہ سمیٹوں۔

چنانچہ امام احمدؒ نے کرتے پر لنگی وغیرہ باندھنے سے منع کیا ہے اور اس عمل کو کف میں داخل سمجھا ہے۔ (۶) اختصار۔ (۲) یعنی پہلو پر ہاتھ رکھنا (۷) صلب یعنی قیام میں پہلوؤں پر اس طرح ہاتھ رکھنا کہ بازو بدن سے علیحدہ رہے۔ (۸) مواصلت۔ (۳) یعنی وصل کرنا۔ مواصلت کی پانچ صورتیں ہیں۔ ان میں سے دو کا تعلق امام سے ہے۔ ایک یہ کہ "اللہ اکبر" کہنے کے فوراً بعد قرات شروع کردے۔ دوسری یہ کہ قرات کے فوراً بعد رکوع کی تکبیر کہے۔ دو کا تعلق مقتدی سے ہے۔ ایک یہ کہ امام کی تکبیر کے ساتھ اپنی تکبیر ملائے۔ دوم یہ کہ امام کے سلام کے ساتھ اپنا سلام ملائے اور ایک صورت کا تعلق امام و مقتدی دونوں سے ہے اور وہ یہ کہ فرض نماز کے پہلے سلام کو دوسرے سلام کے ساتھ ملا دینا۔ مطلب یہ ہے کہ دونوں سلاموں کے درمیان کچھ وقفہ ہونا چاہیے۔ (۹) پاخانے اور پیشاب کے دباؤ کی حالت میں نماز پڑھنا۔ حدیث میں اس سے منع کیا گیا ہے۔ (۴) (۱۰) تنگ موزہ پہن کر نماز ادا کرنا۔ (۵) اس طرح کی باتیں خشوع کے مانع ہیں۔ بھوک اور پیاس کی حالت میں نماز پڑھنے کا بھی یہی حکم ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے۔

اذا حضر العشاء و اقیمت الصلاة فابدؤا بالعشاء (بخاری و مسلم' ابن عمرؓ و عائشہؓ)

جب رات کا کھانا آجائے اور نماز کھڑی ہو تو پہلے کھانا کھالو۔ (۶)

ہاں! اگر نماز کا وقت تنگ ہو یا دل میں صبر کرنے کی طاقت ہو تو پہلے نماز پڑھ لینی چاہیے۔ ایک روایت میں ہے۔

---

(۱) بخاری و مسلم بروایت حضرت ابن عباسؓ۔ روایت کے الفاظ ہیں۔ "امرنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان نسجد علی سبعة اعظم ولا نکفت شعرا ولا ثوبا" (۲) ابوداؤد' ترمذی' بخاری و مسلم' بروایت ابوہریرہؓ متفق علیہ روایت کے الفاظ ہیں "نهی ان یصلی الرجل مختصرا" (۳) رزین نے یہ روایت ابو ہریرہؓ کی طرف منسوب کی ہے مگر مجھے نہیں ملی۔ البتہ امام غزالیؒ نے مواصلت کی جو تفسیر بیان کی ہے اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ غالباً" اس کی بنیاد یہ روایت ہوگی۔ "عن سمر سبکتتان حفظتهما عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل فی صلاته و اذا فرغ من قراءة القرآن" (ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ) بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے "کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسکت بین التکبیر والقراءة اسکاتة" (۴) ابن ماجہ اور ابو امامہؓ کی روایت ہے۔ "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نهی ان یصلی الرجل وهو حاقن" ابوداؤد میں ابو ہریرہؓ کی روایت ہے "لا یحل لرجل یومن باللہ والیوم الآخر ان یصلی وهو حاقن" مسلم میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے "لا صلاة بحضرة طعام ولا هو یدافعه الاخبثان" (۵) رزین نے اس روایت کو ترمذی کی طرف منسوب کیا ہے مگر یہ مجھے نہیں ملی۔ (۶) ابوداؤد' نسائی بروایت عبداللہ ابن عمرؓ

لا یدخلن احدکم الصلاۃ وھو مقطب ولا یصلین احدکم وھو غضبان

(یہ حدیث نہیں ملی)

تم میں سے کوئی نماز نہ پڑھے اس حالت میں اس کی پیشانی پر شکنیں ہوں۔ تم میں سے کوئی نماز نہ پڑھے اس حالت میں کہ غصہ میں ہو۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ جس نماز میں دل حاضر نہ ہو وہ عذاب کی طرف جلد پہنچاتی ہے۔ ایک حدیث میں ہے۔

سبعۃ اشیاء فی الصلاۃ من الشیطان' الرعاف' و النعاس والوسوسۃ والتثاؤب والحکاک والالتفات' والعبث بالشئی و زاد بعضھم السھو والشک (ترمذی' عدی ابن ثابتؓ)

سات چیزیں نماز میں شیطان کی طرف سے ہوتی ہیں۔ نکسیر' اونگھ' وسوسہ' جمائی' خارش' ادھر ادھر دیکھنا' کسی چیز سے کھیلنا' بعض لوگوں نے بھول اور شک کا اضافہ بھی کیا ہے۔

بعض اکابر سلف کا قول ہے کہ نماز میں چار چیزیں ظلم ہیں۔ ادھر ادھر دیکھنا' منہ پر ہاتھ پھیرنا' کنکریوں کا برابر کرنا اور ایسی جگہ پر نماز پڑھنا کہ چلنے والے سامنے سے گذریں۔ (۱) انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کرنا اور انہیں چٹخانا۔ (۱) (۳) ایک ہتھیلی کو دوسرے پر رکھ کر رکوع میں اپنی رانوں کے اندر دے لینا۔ (۲) بعض صحابہ کہتے ہیں کہ پہلے ہم ایسا کیا کرتے تھے۔ پھر اس سے ہمیں منع کر دیا گیا۔ (۴) سجدے کے وقت زمین پر صفائی کے لیے پھونک مارنا۔ (۵) ایک پاؤں کو اٹھا کر ران پر رکھنا۔ (۶) قیام میں دیوار سے تکیہ لگانا۔ "واللہ اعلم بالصواب"

فرائض اور سنن : گذشتہ صفحات میں ہم نے نماز کے جو افعال بیان کیے ہیں ان میں فرائض بھی ہیں اور سنن و مستحبات بھی۔ راہ آخرت کے سالکین کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان سب کی رعایت کریں۔ ذیل میں ہم ان افعال میں فرض اور سنن و مستحبات کی تفصیل الگ الگ بیان کرتے ہیں۔

نماز میں بارہ (۱۲) افعال فرض ہیں۔ (۱) نیت (۲) اللہ اکبر کہنا (۳) کھڑا ہونا (۴) سورہ فاتحہ پڑھنا (۵) رکوع میں اس طرح جھکنا کہ ہتھیلیاں گھٹنوں پر ٹک جائیں (۶) رکوع سے سیدھا کھڑا ہونا (۷) اطمینان و سکون کے ساتھ سجدہ کرنا (۸) سجدے سے سر اٹھا کر سیدھا بیٹھنا' رانوں پر ہاتھ رکھنا واجب نہیں ہے (۹) آخری التحیات کے لیے بیٹھنا (۱۰) آخری تشہد میں درود پڑھنا (۱۱) پہلا سلام پھیرنا۔ نماز سے نکلنے کی نیت واجب نہیں ہے۔ (۲)

---

(۱) ابوداؤد سے ابن ماجہ نے حضرت علیؓ کی تشبیک کے سلسلے میں منع کی روایات ابو ہریرہؓ سے احمد' ابن حبان اور حاکم میں موجود ہیں اور انگلیاں چٹخانے کے سلسلے میں ابن ماجہ نے حضرت علیؓ کی حدیث سے روایت کی ہے۔ اس حدیث کے الفاظ ہیں۔ "لا تفقع اصابعک فی الصلاۃ" (۲) اسے تطبیق بھی کہتے ہیں۔ تطبیق سے منع کی روایت بخاری و مسلم میں سعد بن ابی وقاصؓ سے منقول ہے۔ اس میں یہ بھی ہے "کنا نفعلہ فنھینا عنہ وامرنا ان نضع الایدی علی الرکب" (۳) احناف کے نزدیک فرض اور واجب میں فرق ہے۔ چنانچہ حنفی مسلک کے مطابق نماز کے فرائض مندرجہ ذیل ہیں۔ نماز کی نیت کرنا' قیام' قرأت' (یعنی) ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیات یا ایک چھوٹی سورت پڑھنا۔ رکوع کرنا' سجدہ کرنا' قعدہ اخیرہ' اپنے ارادے سے نماز ختم کرنا۔ اگر ان میں سے کوئی بھی فرض قصداً یا سہواً رہ جائے تو نماز نہیں ہوگی۔ مندرجہ ذیل امور نماز میں واجب ہیں۔ سورۂ فاتحہ پڑھنا اور اس کے ساتھ کوئی سورت ملانا' فرضوں کی پہلی دو رکعت میں قرات کرنا' الحمد کو سورت سے پہلے پڑھنا' رکوع کرکے سیدھا کھڑا ہونا' دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا' التحیات پڑھنا' لفظ سلام سے نماز ختم کرنا' ظہر و عصر میں قرات آہستہ کرنا' امام کے لیے مغرب و عشاء کی پہلی دو رکعتوں اور فجر و جمعہ عیدین اور تراویح کی سب رکعتوں میں بلند آواز کے ساتھ قرأت کرنا' وتر میں دعائے قنوت پڑھنا' عیدین میں چھ تکبیریں زائد کہنا' واجبات میں سے اگر کوئی واجب بھول کر چھوٹ جائے تو سجدہ سہو کرنا واجب ہے۔ اگر قصداً کوئی واجب چھوڑا گیا تو دوبارہ نماز پڑھنی ہوگی۔ سجدہ سہو سے بھی کام نہیں چلے گا۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے نور الایضاح ص ۷۱' کبیری ص ۲۵۶' بحر الرائق ج ۲' ص ۳۱' وغیرہ/ مترجم)

ان افعال کے علاوہ باقی تمام افعال واجب نہیں ہیں بلکہ سنت ہیں یا مستحب ہیں۔ افعال میں یہ چار باتیں سنت ہیں (۱) تکبیرِ تحریمہ کے لیے ہاتھ اٹھانا (۲) رکوع کی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھانا (۳) قومہ کی تکبیر کے لیے ہاتھ اٹھانا (۴) پہلے تشہد کے لیے بیٹھنا۔ یہ دونوں فعل رفع یدین کے تابع ہیں۔ کولہوں پر بیٹھنا اور پاؤں بچھانا جلسہ کے تابع ہیں۔ سر جھکانا اور ادھر ادھر نہ دیکھنا قیام کے تابع ہیں۔ ہم نے اس میں قیام اور جلسہ وغیرہ کی تحسین صورت کا ذکر نہیں کیا ہے اس لیے کہ یہ فی نفسہ مقصود نہیں ہیں۔ اذکار (قرأت وغیرہ) کی سنتیں یہ ہیں۔ (۱) ابتدائے نماز کی دعا پڑھنا (سبحانک اللّٰھم) (۲) تعوذ پڑھنا (۳) آمین کہنا' یہ سنت مؤکدہ ہے (۴) کسی سورت کی تلاوت کرنا (۵) ایک رکن سے دوسرے رکن میں جانے کے لیے اللہ اکبر کہنا (۶) رکوع اور سجدے میں تسبیحات پڑھنا (۷) قومہ میں سمع اللہ لمن حمدہ کہنا (۸) پہلا تشہد پڑھنا اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا (۹) تشہد کے آخر میں دعا پڑھنا (۱۰) دوسرا اسلام پھیرنا۔

ان سب امور کو اگرچہ ہم نے سنت میں داخل کیا ہے لیکن ان سب کے درجات الگ الگ ہیں۔ اذکار کی سنتوں میں سے چار سنتیں ایسی ہیں کہ ان کے فوت ہونے کی صورت میں تدارک کے لیے سجدۂ سہو کیا جاتا ہے جبکہ افعال کی سنتوں میں سے صرف ایک سنت کی تلافی سجدہ سہو سے ہوتی ہے۔ یعنی تشہد کے لیے پہلا جلسہ' یہ جلسہ لوگوں کی نظروں میں نماز کی حسن ترتیب اور نظم کے لیے بڑا مؤثر ہے کیونکہ اس سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ نماز چار رکعت پر مشتمل ہے۔ رفع یدین کے برخلاف۔ اس لیے کہ رفعِ یدین کو ترتیب و نظم میں کوئی دخل نہیں ہے۔ اسی لیے اس کو بعض اور جزء سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اجزاءِ کا تدارک سجدہ سہو سے کیا جاتا ہے اور اذکار میں تین کے علاوہ کوئی ذکر سجدہ سہو کا متقاضی نہیں ہے اور وہ تینوں ذکر یہ ہیں۔ (۱) قنوت (۲) پہلا تشہد (۳) پہلے تشہد میں درود۔ اور رکوع سجود کی تکبیریں' ان کی تسبیحات' قومہ اور جلسہ کے اذکار وغیرہ سجدہ سہو کے متقاضی نہیں ہیں۔ اس لیے کہ رکوع اور سجدے کی ہیت ہی عادت کے خلاف ہے اور محض ظاہری ہیت سے بھی عبادت کے معنی حاصل ہوجاتے ہیں۔ چاہے تسبیحات اور انتقال کی تکبیرات ہوں یا نہ ہوں لیکن تشہد اول کے لیے بیٹھنا ایک فعل معتاد ہے۔ نماز میں اس فعل کی مشروعیت صرف تشہد کے لیے ہے۔ اگر اس میں تشہد نہ پایا گیا تو عبادت کے معنی بھی نہیں پائے جائیں گے۔ ابتدائے نماز کی دعا اور سورت کا چھوڑنا بھی عبادت کی صورت بدلنے میں مؤثر نہیں ہے۔ اس لیے کہ قیام اگرچہ فعلِ معتاد ہے مگر سورۂ فاتحہ کے پڑھ لینے سے اس میں عبادت کے معنی پیدا ہوگئے ہیں۔ آخری تشہد میں دعا اور قنوت کا سجدۂ سہو سے تدارک بعید معلوم ہوتا ہے لیکن کیونکہ فجر کی نماز میں بحالتِ قیام قنوت پڑھنے کے لیے قیام کو طول دینا مشروع ہوا ہے اس لیے یہ قیام جلسہ استراحت کی طرح ہے۔ چنانچہ اگر قنوت نہ پڑھا جائے تو یہ صرف قیام رہ جائے گا۔ جس میں کوئی واجب ذکر نہیں۔ لمبے قیام کی قید اس لیے لگائی کہ صبح کی نماز کے علاوہ کوئی دوسری نماز اس میں داخل نہ ہو۔ ذکر واجب سے خالی ہونے کی قید اس لیے ہے کہ نماز کے اندر اصل قیام سے احتراز ہوجائے۔

<u>سنتوں میں درجات کا فرق</u> : اب اگر یہ کہا جائے کہ سنتوں اور فرضوں کے درمیان فرق تو سمجھ میں آتا ہے کہ فرض اس عمل کو کہتے ہیں جس کے نہ ہونے سے نماز صحیح نہیں ہوتی اور سنت کے ترک ہونے سے اصل نماز فوت نہیں ہوتی یا یہ کہ فرض چھوڑنے پر عذاب ہوتا ہے اور سنت پر نہیں ہوتا لیکن سنن کے اختلاف اور درجات میں کم و بیش ہونے کا کیا مطلب ہے؟ کوئی بھی سنت واجب نہیں ہے بلکہ بطور استحباب ہیں اور کسی بھی سنت کے ترک پر عذاب نہیں ہے بلکہ ہر سنت کی ادائیگی پر ثواب ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ عذاب' ثواب اور استحباب میں تمام سنتیں مشترک ہیں مگر ان میں باہمی فرق کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس فرق کی وضاحت کے لیے ہم ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ انسان کو موجود اور مکمل انسان اسی وقت سمجھا جاسکتا ہے جبکہ اس میں باطنی معنی بھی ہوں اور ظاہری اعضاء بھی۔ باطنی معنی حیات اور روح سے عبارت ہیں۔ ظاہر کے اعضاء و اجزاء معلوم ہی ہیں۔ پھر ان میں سے بعض اعضاء ایسے ہوتے ہیں جن کے نہ ہونے سے انسان کا وجود باقی نہیں رہتا مثلاً دل' دماغ' جگر' بعض ایسے

ہیں جن کے نہ ہونے سے انسان تو باقی رہتا ہے لیکن اس کی زندگی کے مقاصد باقی نہیں رہتے۔ وہ اعضاء ہیں مثلاً آنکھ' ہاتھ اور زبان وغیرہ۔ کچھ اجزاء وہ ہیں جن کے نہ ہونے سے نہ حیاتِ انسانی میں فرق آتا ہے اور نہ مقاصد حیات میں خلل واقع ہوتا ہے بلکہ انسانی حسن متاثر ہوتا ہے مثلاً بھنویں' داڑھی' پلکیں' خوبصورت رنگ وغیرہ۔ کچھ اجزاء ایسے ہیں جن کے نہ ہونے سے اصل جمال تو فوت نہیں ہوتا لیکن حسن کا کمال متاثر ہوتا ہے۔ مثلاً بھنوؤں کا سیدھا ہونا' داڑھی اور پلکوں کے بالوں کا سیاہ ہونا' اعضاء کا متناسب ہونا اور سفید رنگ میں سرخی جھلکنا وغیرہ۔ یہ انسانی جسم کے مختلف درجات ہیں۔ یہی حال عبادت کا ہے۔ عبادت بھی ایک صورت ہے جسے شریعت نے بنایا ہے۔ اس صورت کا حاصل کرنا ہمارے لیے عبادت مقرر ہوا ہے۔ اس صورت کی روح اور باطنی زندگی خشوع' نیت اور حضورِ قلب اور اخلاص ہے۔ جیسا کہ ہم آئندہ کہیں اس کی تفصیل بیان کریں گے۔ ظاہری اجزاء میں رکوع' سجدہ اور قیام وغیرہ فرائض دل' دماغ اور جگر کی طرح ہیں کہ ان کے نہ ہونے سے نماز نہیں ہوتی۔ سنتوں میں رفع یدین' ابتدائے نماز کی دعا اور پہلا تشہد' ہاتھ' پاؤں اور آنکھ کی مثال ہیں۔ ان کے نہ ہونے سے نماز صحیح ہوجاتی ہے جیسا کہ ان اعضاء کے نہ ہونے سے زندگی باقی رہتی ہے مگر آدمی بدشکل ہوجاتا ہے اور لوگ اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ اسی طرح جو شخص نماز میں ان سنتوں کو ادا نہ کرے اور اس کی نماز تو صحیح ہوجائے گی لیکن ناقص رہے گی۔ نماز میں صرف فرائض و واجبات پر اکتفا کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کہ کوئی شخص کسی بادشاہ کے پاس ہدیہ میں لنگڑا' لولا یا اندھا' کانا غلام پیش کرے۔

مستحبات جو سنتوں سے درجے میں کم ہیں۔ ان اعضاء کی طرح ہیں جو حسن پیدا کرتے ہیں جیسے بھنویں' داڑھی' پلکیں اور خوبصورت رنگ وغیرہ۔ سنتوں کے اذکار ان اعضاء کی طرح ہیں جن سے حسن کی تکمیل ہوتی ہے۔ جیسے ابرو کا خمدار ہونا' داڑھی کا گول ہونا وغیرہ۔

حاصل یہ ہے کہ نماز بھی ایک تحفہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی قربت کا ایک ذریعہ ہے۔ اسی کے ذریعے آپ شہنشاہِ حقیقی کی بارگاہ میں تقرب حاصل کرتے ہیں۔ جس طرح کوئی شخص دنیاوی بادشاہوں کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ان کی خدمت میں غلام پیش کرے۔ اسی طرح آپ نماز کا تحفہ اس کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ قیامت کے دن خود آپ کو اس کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے اب آپ کو اختیار ہے کہ اپنی نماز کو خوبصورت اور بنا سنوار کر پیش کریں یا اس کی صورت بگاڑ کر اور مسخ کر کے بھیجیں۔ نماز خوبصورت ہوگی تو آپ کے حق میں مفید ہوگی اور بدصورت ہوگی تو اس کا ضرر بھی آپ ہی کو پہنچے گا۔

یہ بات کسی بھی طرح مناسب نہیں کہ آپ محض فقہی جزئیات پر عبور حاصل کرلیں اور فرائض و سنن کے درمیان فرق معلوم کرنے پر اکتفا کریں اور پھر یہ فیصلہ کریں کہ سنن کا ترک کرنا جائز ہے۔ سنن کا ترک کرنا حقیقت میں جائز ہے لیکن یہ بھی دیکھئے کہ اس سے نماز کی قدر و قیمت کس طرح گھٹتی ہے اور اس کا حسن کس قدر متاثر ہوتا ہے۔ سنن ترک کرنے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی حکیم یہ کہہ دے کہ آنکھ کے بغیر انسان کا وجود رہتا ہے۔ حکیم کی یہ بات صحیح ہے لیکن کیا آنکھ سے محروم شخص کو بادشاہ کی خدمت میں بطورِ ہدیہ پیش کرکے اس کا تقرب حاصل کیا جاسکتا ہے۔ بندہ جس نماز کے رکوع و سجود کی تکمیل نہیں کرتا وہ نماز اس کے دشمنوں میں سرفہرست ہوگی اور یہ کہے گی کہ اللہ تجھے ضائع کرے۔ جس طرح تو نے مجھے ضائع کیا۔ اس سلسلے میں وہ روایات ملاحظہ کیجئے جو ارکانِ صلاۃ کی تکمیل کے ذیل میں ہم نے نقل کی ہیں۔ اس سے آپ کو نماز کی صحیح قدر و قیمت معلوم ہوگی۔

تیسرا باب

نماز کی باطنی شرائط

اس باب میں ہم یہ بیان کریں گے کہ نماز کا خشوع و خضوع اور حضورِ قلب سے کیا تعلق ہے؟ پھر ہم یہ بیان کریں گے کہ باطنی معانی کیا ہیں۔ ان کی حدود اور ان کے اسباب اور تدابیر پر بھی روشنی ڈالی جائے گی۔ پھر یہ بتلایا جائے گا کہ وہ کون سے امور ہیں جن کا نماز کے تمام ارکان میں پایا جانا ضروری ہے تاکہ وہ نماز زادِ آخرت بن سکے اور راہِ آخرت کے سالک کے لیے مفید تر ثابت ہو۔

نماز میں خشوع اور حضورِ قلب کی شرط : نماز میں خشوع اور حضورِ قلب کے شرط ہونے پر بہت سے دلائل ہیں۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے۔

أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ

میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔

لفظ امر سے وجوب سمجھ میں آتا ہے۔ یعنی یہ کہ حضورِ قلب کا ہونا واجب ہے اور غفلت ذکر کی ضد ہے۔ جو شخص اپنی تمام نماز میں غافل رہا وہ خدا کی یاد کے لیے نماز کا قائم کرنے والا کیسے کہلائے گا؟ ایک جگہ ارشاد فرمایا۔

وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغَافِلِيْنَ

اور غافلوں میں سے مت ہو۔

اس میں نہی کا صیغہ ہے جو بظاہر غفلت کی حرمت پر دلالت کرتا ہے۔ ایک جگہ فرمایا۔

حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ (پ ۵، ر ۴، آیت ۴۳)

جب تک وہ سمجھو جو کہتے ہو۔

اس میں نشہ والے شخص کو نماز سے منع کرنے کی وجہ بیان کی گئی ہے۔ یہ وجہ اس شخص کو بھی شامل ہے جو غفلت کا شکار ہو۔ وساوس اور دنیاوی تفکرات میں غرق ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

انما الصلوة تمسكن و تواضع

نماز مسکنت اور تواضع کا نام ہے۔

اس حدیث میں لفظ صلوة پر الف لام داخل ہونے کی وجہ سے اور لفظ إنما کے داخل ہونے سے حصر ثابت ہو رہا ہے۔ لفظ إنما ما بعد کے اثبات اور غیر کے ابطال کے لیے آتا ہے۔ یعنی نماز وہی ہے جس میں مسکنت اور تواضع پائی جاتی ہو۔ چنانچہ فقہاء نے انما الشفعة يما لم يقسم (شفعہ صرف ان چیزوں میں سے ہے جو تقسیم نہ ہوں) میں حصر، اثبات اور نفی مراد لی ہے۔ ایک روایت میں ہے۔

من لم تنهه صلاته عن الفحشاء والمنكر لم يزدد من الله الا بعدا

(یہ حدیث پہلے باب میں گذر چکی ہے)

جس شخص کو اس کی نماز برائی اور فواحش سے نہ روکے تو وہ نماز اللہ سے دوری ہی بڑھائے گی۔

ظاہر ہے کہ غفلت میں مبتلا شخص کی نماز ہی بے اثر ہوتی ہے۔ ایک اور حدیث کے الفاظ ہیں۔

كم من قائم حظه من صلاته التعب والنصب (نسائی، ابن ماجہ، ابو ہریرہؓ)

بہت سے کھڑے ہونے والے ایسے ہیں کہ انہیں ان کی نماز سے صرف تعب اور رنج ہی حاصل ہوتا ہے۔

اس حدیث میں غافلوں کے علاوہ کون مراد ہو سکتے ہیں؟ ایک جگہ فرمایا۔

لیس للعبد من صلاتہ الا ما عقل منہا

بندہ کے لیے اس کی نماز میں سے اسی قدر ہے جس قدر وہ سمجھے۔(۱)

اس سلسلے میں تحقیقی بات یہ ہے کہ نماز پڑھنے والا بندہ اپنے رب سے مناجات کرتا ہے جیسا کہ ایک حدیث میں یہ حقیقت بیان کی گئی ہے۔(۲) اور وہ کلام مناجات نہیں ہو سکتا جس میں کلام کرنے والا غافل ہو۔

نماز اور دوسری عبادتیں : اس تحقیق کی تفصیل یہ ہے کہ چند عبادتیں مشروع ہیں' ان میں زکوٰۃ' روزہ اور حج وغیرہ بھی ہیں۔ ان میں صرف نماز ہی ایک ایسی عبادت ہے جو غفلت کے منافی ہے' باقی عبادتوں میں غفلت ہو سکتی ہے' اور وہ اصل مقصود کے لیے نقصان دہ نہیں ہے۔ چنانچہ زکوٰۃ ایک عبادت ہے' اگر انسان اس میں غفلت بھی کرے تو کیا ہے؟ یہ بجائے خود شہادت کی مخالف اور نفس کے لیے شاق ہے' اسی طرح روزہ شہری قوتوں کو دبانے والا ہے' اور اس خواہش نفس کا قلع قمع کرنے والا ہے جو دشمن خدا ابلیس لعین کا بندگان خدا کے خلاف زبردست ہتھیار ہے' اس لیے یہ ممکن ہے کہ غفلت کے باوجود روزے سے اس کا اصل مقصد حاصل ہو جائے۔ یہی حال حج کا ہے' اسی کے افعال سخت اور پر مشقت ہیں' حج میں اسی قدر مجاہدہ ہے کہ بندے کی ابتلاء و آزمائش اس مجاہدے سے پوری ہو جاتی ہے' چاہے مجاہدے کے ساتھ حضور قلب رہا ہو یا نہ رہا ہو۔ لیکن نماز ایک ایسی عبادت ہے جس میں ذکر' تلاوت قرآن' رکوع' سجود اور قیام و قعود کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ نماز میں کیا جانے والا ذکر اللہ سے مناجات اور اس سے کلام ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ اس ذکر سے اصل مقصد گفتگو اور خطاب ہی ہے' یا محض حروف کی ادائیگی' اور آواز نکالنا' اور محض حروف کی ادائیگی کو زبان کے عمل کی آزمائش قرار دیا جائے گا یا نہیں؟ جس طرح روزہ میں معدہ اور شرمگاہ کا امتحان ہے' کہ کھانے سے' اور جنسی خواہش پوری کرنے سے رکنا پڑتا ہے' حج میں بدن کا امتحان ہے کہ راستے کی مشقتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں' زکوٰۃ میں دل کا امتحان ہے کہ محبوب مال کو دل سے جدا کرنا پڑتا ہے' لیکن یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ذکر سے زبان کا امتحان مقصود نہیں کہ اس سے حروف نکلتے رہیں اور آوازیں خارج ہوتی رہیں' اس لیے کہ غافل آدمی ہذیان کی حالت میں زیادہ زبان چلا سکتا ہے کہ ذکر ایک نطق (ادائیگی) ہے اور یہ نطق اسی صورت میں صحیح ہو گا جب آدمی اپنے دل کی بات ظاہر کرے اور دل کی بات کا اظہار حضور دل کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ مثلاً اگر دل غافل ہو اور زبان سے یہ الفاظ ادا کرے:۔

اھدنا الصراط المستقیم

ہم کو سیدھی راہ دکھا۔

تو اس سے کونسا سوال مقصود ہو گا؟ چنانچہ اگر دعا میں تضرع نہ ہو' اور خود دعا مقصد اصلی نہ ہو تو غفلت کے ساتھ زبان کو حرکت دینے میں کیا مشقت ہے؟ خصوصاً عادت پڑنے کے بعد تو دشواری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ میں فلاں کا شکریہ ادا کروں گا' اس کی تعریف کروں گا اور اس سے اپنی ایک ضرورت کی درخواست کروں گا' پھر یہ باتیں جن پر اس شخص نے کھائی ہے نیند کی حالت میں اس کی زبان پر جاری ہوں تو وہ اپنی قسم میں سچا قرار نہیں دیا جائے گا۔ اسی طرح اگر یہ الفاظ اس کی زبان پر اندھیرے میں جاری ہوں اور متعلقہ شخص موجود ہو' لیکن بولنے والا شخص اس کی موجودگی سے لاعلم ہو تو بھی یہ نہیں کہا جائے گا کہ قسم کھانے والا اپنی قسم میں سچا رہا۔ اس لیے کہ بولنے والا متعلقہ شخص سے مخاطب نہیں تھا' اپنے دل کی بات وہ اس وقت تک نہیں کہہ سکتا جب تک کہ وہ اس کے دل میں حاضر نہ ہو۔ اسی طرح اگر دن کی

(۱) یہ حدیث مرفوع مجھے نہیں ملی۔ البتہ محمد ابن نصر المروزی نے کتاب الصلاۃ میں عثمان ابی دہرش سے مرسل روایت کی ہے۔ (۲) یہ روایت بخاری و مسلم میں حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے۔

روشنی میں یہ الفاظ اس کی زبان پر جاری ہوں، مگر بولنے والا شخص ان الفاظ سے غافل ہو، اور اس کی کا یہ ارادہ نہ ہو کہ وہ ان الفاظ کے ذریعہ اس شخص کو مخاطب کرے، اس کے متعلق اس نے قسم کھائی ہے تب بھی وہ اپنی قسم میں سچا نہیں سمجھا جائے گا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ذکر اور تلاوت سے مقصود حمد و ثنا، تضرع اور دعاء ہے، اور ان سب اذکار کا مخاطب اللہ ہے، اب اگر نماز پڑھنے والے کا دل غافل ہو، تو مخاطب سے بھی غافل ہوگا۔ محض عادت کی وجہ سے اس کی زبان پر حمد و ثنا اور دعاء کے الفاظ جاری ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ ایسا شخص نماز کے مقاصد، یعنی قلب کی تطہیر، اللہ کے ذکر کی تجدید، اور ایمان کے رسوخ سے بہت دور ہوگا، یہ قرأت قرآن اور ذکر کا حکم ہے۔

رکوع اور سجود کے متعلق ہم یہ کہیں گے کہ ان دونوں سے مقصود، اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے، اب اگر وہ شخص غفلت کے ساتھ خدا تعالیٰ کی تعظیم کرتا ہے، اور اس کے سامنے سر بسجود ہوتا ہے، رکوع کرتا ہے تو یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اپنے فعل سے کسی بت کی تعظیم کرے جو اس کے سامنے رکھا ہوا ہو اور وہ اس سے غافل ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی دیوار کے سامنے سر بسجود ہو جائے جو اس کے سامنے ہو، اور وہ اس سے غافل ہو۔ جب نماز میں رکوع اور سجود تعظیم سے خالی ہو گئے تو اب صرف پشت اور سر کی حرکت رہ گئی، اور بذاتِ خود ان دونوں میں اتنی مشقت کہ ان کی بنیاد پر نماز کو امتحان کہا جاسکے، یا اسے دین کا رکن قرار دیا جائے، اسے کفر و اسلام کے درمیان مابہ الامتیاز سمجھا جائے، تمام عبادات پر اسے فوقیت دی جائے، اور اس کے تارک کو قتل کی سزا دی جائے۔ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ نماز کو اتنی بڑی فضیلت محض ظاہری اعمال کی بنیاد پر حاصل ہوگی، ہاں اگر نماز کو مناجات قرار دیا جائے تب تو یہ فضیلت سمجھ میں آتی ہے، اور روزہ، زکوٰۃ اور حج کے مقابلے میں اسے اہمیت دینی پڑتی ہے۔

قربانی کو اللہ تعالیٰ نے نفس کا مجاہدہ قرار دیا ہے، کیونکہ اس سے مال میں کمی ہوتی ہے اور نفس کے لیے مال سے زیادہ محبوب و پسندیدہ چیز کوئی دوسری نہیں ہے۔ قربانی کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لَنْ يَنَالَ اللّٰهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاءُ هَا وَلٰكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ

(پ ۱۷، ر ۱۳، آیت ۳۷)

اللہ تعالیٰ کو ان کے (قربانی کے) گوشت نہیں پہنچتے، اور نہ خون پہنچتا ہے بلکہ اس کو تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

اس میں تقویٰ سے وہ صفت مراد ہے جو دل پر غالب ہو، اور اس کو اللہ کا حکم ماننے پر آمادہ کرتی ہو، جب قربانی کے باب میں یہ صفت مطلوب ہے، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ نماز میں یہ صفت مطلوب نہ ہو، جب کہ نماز قربانی سے افضل ترین عبادت ہے۔

<u>فقہاء اور حضور دل کی شرائط</u> : اب اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ تم نے حضورِ دل کو نماز کی صحت کے لیے شرط قرار دیا ہے، حالانکہ فقہاء حضورِ دل کو صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ضروری کہتے ہیں، اس کا مطلب ہے کہ فقہاء کی رائے صحیح نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم کتاب العلم میں لکھ چکے ہیں کہ فقہاء باطن میں تصرف نہیں کرتے، نہ طریق آخرت میں تصرف کرتے ہیں، اور نہ وہ دل کے احوال سے واقف ہوتے ہیں، بلکہ وہ اعضاء کے ظاہری اعمال و افعال، پر حکم لگاتے ہیں، ظاہری اعمال قتل کے ساقط ہونے اور حاکم کی سزا سے محفوظ رہنے کے لیے کافی ہیں لیکن یہ بات کہ حضورِ دل سے خالی نماز آخرت میں بھی مفید ہوگی یا نہیں؟ فقہ کے دائرۂ اختیار سے باہر کی چیز ہے۔ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضورِ قلب کے بغیر عبادت فقہی نقطۂ نظر سے صحیح ہے، چنانچہ بہت سے علماء اس کے قائل ہیں۔ بشر ابن حارث نے ابو طالب مکی سے اور انھوں نے سفیان ثوری سے روایت کی ہے کہ جو شخص خشوع اختیار نہ کرے اس کی نماز فاسد ہے۔ حضرت حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ جس نماز میں دل حاضر نہ ہو وہ عذاب کی طرف جلد پہنچاتی ہے۔ حضرت معاذ ابن جبلؓ سے روایت ہے کہ جو شخص نماز میں ہو، اور جان بوجھ کر یہ پہچانے کہ اس کے دائیں جانب کون ہے اور بائیں طرف کون ہے تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔ ایک حدیث میں ہے۔

ان العبد لیصلی الصلاۃ، لا یکتب لہ سدسھا ولا عشرھا وانما یکتب للعبد

من صلاتہ ما عقل منہا۔ (ابوداؤد' نسائی۔ معاذ ابن جبل)

بندہ نماز پڑھتا ہے' مگر اس کے لیے نماز کا چھٹا حصہ لکھا جاتا ہے' اور نہ دسواں حصہ' بلکہ بندہ کے لیے اس قدر لکھا جاتا ہے جس قدر وہ سمجھتا ہے۔

یہ بات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہے اگر کسی فقیہ سے منقول ہوتی تو اسے مذہب ٹھہرالیا جاتا' اب اسے بطور دلیل اختیار کرنے میں کیا حرج ہے؟ عبدالواحد ابن زید نے فرمایا ہے کہ علماء اس بات پر متفق ہیں کہ بندے کو اس کی نماز میں سے اسی قدر ملے گا جس قدر اس نے سمجھا ہو گا۔ انہوں نے حضورِ دل کے مشروط ہونے کو متفق علیہ قرار دیا ہے۔ یہ اقوال جو حضورِ قلب کے متعلق علماء اور فقہاء سے منقول ہیں' بے شمار ہیں اور حق بات بھی یہی ہے کہ شرعی دلائل کی طرف رجوع کیا جائے۔ احادیث اور آثارِ صحابہ و تابعین تو بظاہر اسی پر دلالت کرتے ہیں کہ نماز کے لیے حضورِ قلب شرط ہے' لیکن فتوئی کے ذریعہ انسان کو اسی قدر مکلف کیا جاتا ہے جس قدر کا وہ آسانی سے تحمل کر سکے' اس اعتبار سے یہ ممکن نہیں کہ تمام نماز میں حضورِ دل کی شرط لگائی جائے۔ اس لیے کہ معدودے چند لوگوں کے علاوہ سب اس سے عاجز ہیں' اور جب تمام نماز میں اسے شرط قرار دینا ممکن نہ ہوا تو مجبوراً یہ شرط لگائی گئی کہ ایک ہی لمحہ کیلئے سہی حضورِ قلب کا لفظ اس کی نماز پر صادق آئے۔ چنانچہ اس وقت حضورِ قلب کی شرط لگائی گئی۔ جب وہ تکبیرِ تحریمہ کہہ رہا ہو۔ اور یہی لحظہ اس شرط کے لیے زیادہ مناسب تھا۔ اس لیے حکم دینے میں اسی قدر حضورِ قلب پر اکتفا کیا' ہمیں اس کی بھی توقع ہے کہ جو شخص اپنی نماز میں اول سے آخر تک غافل رہے اس سے بہتر ہے کہ جو بالکل ہی نماز نہ پڑھے' کیونکہ غافل نے فعل کا اقدام تو کیا ہے' چاہے یہ اقدام غفلت کے ساتھ کیوں نہ ہوا ہو' اور یہ کیسے نہ ہو گا۔ جب کہ وہ شخص بھی اپنے عذر اور اپنے فعل کے بقدر ثواب حاصل کر لیتا ہے جو وضو کے بغیر بھول کر نماز پڑھ لے لیکن اسی توقع کے ساتھ یہ خوف بھی ہے کہ اس شخص (غفلت میں مبتلا شخص) کا انجام تارکِ صلوٰۃ کے انجام سے بدتر نہ ہو کیونکہ یہ شخص بارگاہِ ایزدی میں حاضر ہے اور خدمت انجام دینے میں سستی کر رہا ہے اور غافلانہ کلام کر رہا ہے۔ اس کا جرم اس شخص کے مقابلے میں یقیناً" زیادہ ہے جو خدمت ہی نہ کرے اور حاضری سے محروم ہو۔ اب یہاں امید و بیم کی کش مکش ہے یہ بھی توقع ہے کہ اسے اجر مل جائے اور یہ بھی خوف ہے کہ خوفناک عذاب میں مبتلا ہو۔ جب صورتحال یہ ہو۔ خوف و رجاء ایک دوسرے کے مقابل ہوں اور معاملہ فی نفسہ خطرناک ہو تو اب تمہیں اختیار ہے۔ چاہے احتیاط کرو' چاہے غفلت کا نشانہ بن جاؤ۔ اس کے باوجود ہم فقہاء کی رائے اور ان کے فتوئی کے خلاف رائے نہیں دے سکتے۔ اس لیے کہ مفتی اس طرح کا فتوئی دینے پر مجبور ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بھی اس پر تنبیہہ کر آئے ہیں۔ اب تک اس باب میں جو کچھ ہم نے لکھا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ جو شخص نماز کے راز' اس کی روح اور اس کی حقیقت سے واقف ہے وہ یہ جان لے کہ غفلت نماز کے لیے مضر ہے لیکن ہم باب قواعد العقائد میں علم باطن اور علم ظاہر کے فرق کی وضاحت کرتے ہوئے یہ بھی لکھ آئے ہیں کہ جو اسرارِ شریعت اللہ کے بعض بندوں پر منکشف ہوتے ہیں۔ بعض اوقات ان کی صراحت نہیں کی جا سکتی کیونکہ لوگ عام طور پر ان کے سمجھنے سے عاجز ہیں۔ لہٰذا ہم اسی مختصر گفتگو پر اکتفا کرتے ہیں۔ آخرت کے طالب کے لیے یہ مختصر بھی کافی ہے جو شخص محض جدل کرنے والا ہے صحیح معنی میں آخرت کا طالب نہیں ہے اس سے اب ہم کلام نہیں کرنا چاہتے۔

اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ حضورِ قلب نماز کی روح ہے اور اس کی کم سے کم مقدار یہ ہے کہ تکبیرِ تحریمہ کے وقت دل حاضر ہو۔ اگر تکبیر کے وقت بھی حضورِ قلب نہ ہوا تو یہ تباہی کی علامت ہے۔ پھر جس قدر قلب حاضر ہو گا اسی قدر روح نماز کے دوسرے اجزاء میں سرایت کرے گی۔ اگر کوئی زندہ شخص ایسا ہے کہ اس میں کوئی حرکت نہیں تو وہ مردے سے بدتر ہے۔ جو شخص اپنی تمام نماز میں غافل رہے۔ صرف اللہ اکبر کہنے کے وقت حضورِ قلب ہو اس کی نماز اسی زندہ مثل مردہ کے مشابہ ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے غفلت دور کرنے اور حضورِ دل عطا کرنے کی درخواست کرتے ہیں۔ اللہ ہماری مدد فرمائے۔

وہ باطنی اوصاف جو نماز کی زندگی ہیں : ان اوصاف کی تعبیر لیے بہت سے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں مگر چھ لفظ ایسے ہیں جو ان سب اوصاف کو جامع ہیں۔ ذیل میں ہم ہر لفظ کی وضاحت کرتے ہیں۔ اسباب و علل بیان کرتے ہیں اور اس وصف کے حاصل کرنے کی تدابیر ذکر کرتے ہیں۔

پہلا لفظ : حضورِ قلب ہے۔ حضورِ قلب سے ہماری مراد یہ ہے کہ جس کام میں آدمی مشغول ہے اور جو بات کر رہا ہے اس کے علاوہ کوئی کام اور کوئی بات اس کے دل میں نہ ہو۔ یعنی دل کو فعل اور قول دونوں کا علم ہو اور ان دونوں کے علاوہ کسی بھی چیز میں غور و فکر نہ کرتا ہو۔ چاہے اس کی قوت فکریہ اسے اس کام سے ہٹانے میں مصروف ہی کیوں نہ ہو۔ اگر ایسا ہو جائے تو یہی حضورِ قلب ہے۔

دوسرا لفظ : تفہیم ہے۔ یعنی کلام کے معنی سمجھنا۔ یہ حضورِ قلب سے مختلف ایک حقیقت ہے۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دل لفظ کے ساتھ حاضر ہوتا ہے لیکن معنی کے ساتھ حاضر نہیں ہوتا۔ فہم سے ہماری مراد یہ ہے کہ دل میں ان الفاظ کے معنی کا بھی علم ہو لیکن یہ ایسا وصف ہے جس میں لوگوں کے درجات مختلف ہوتے ہیں کیونکہ قرآنی آیات اور تسبیحات کے معنی سمجھنے میں تمام لوگوں کا فہم یکساں نہیں ہوتا۔ بہت سے لطیف معانی ایسے ہوتے ہیں جنہیں نمازی نماز کے دوران سمجھ لیتا ہے حالانکہ کبھی اس کے دل میں ان معانی کا گذر بھی نہ ہوا تھا۔ قرآن یہ کہتا ہے کہ نماز برائی اور فواحش سے روکتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں تلاوت کے دوران ایسے معانی سمجھ میں آتے ہیں اور ایسی باتیں کانوں میں پڑتی ہیں جن سے برائی سے خود بخود رکنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

تیسرا لفظ : تعظیم ہے۔ یہ حضورِ قلب اور تفہیم سے مختلف ایک صفت ہے۔ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ایک شخص اپنے غلام سے گفتگو کرتا ہے۔ وہ حضورِ قلب کے ساتھ اس سے گفتگو کر رہا ہے اور وہ اپنے کلام کے معانی بھی سمجھ رہا ہے لیکن اس کے دل میں غلام کی تعظیم نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تعظیم حضورِ دل اور فہم سے الگ کوئی چیز ہے۔

چوتھا لفظ : ہیبت ہے۔ یہ تعظیم سے بھی اعلیٰ ایک وصف ہے کیونکہ ہیبت اس خوف کو کہتے ہیں جس میں تعظیم بھی ہو۔ جو شخص خوف زدہ نہ ہو اسے ہیبت زدہ نہیں کہتے۔ اسی طرح بچھو اور غلام کی بدمزاجی سے خوف کھانے کو ہیبت نہیں کہتے بلکہ بادشاہوں سے خوف کرنے کو ہیبت کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہیبت اس خوف کا نام ہے جس میں اجلال اور تعظیم ہو۔

پانچواں لفظ : رجاء ہے۔ رجاء مذکورہ بالا چاروں اوصاف سے الگ ایک وصف ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو کسی بادشاہ کی تعظیم کرتے ہیں اور اس سے ڈرتے بھی ہیں لیکن اس سے کسی قسم کی کوئی توقع نہیں رکھتے۔ بندے کو چاہیے کہ وہ اپنی نماز سے اللہ تعالیٰ کے اجر و ثواب کی توقع رکھے۔ گناہ اور اس پر مرتب ہونے والے عذاب سے خوف زدہ رہے۔

چھٹا لفظ : حیاء ہے۔ یہ صفت مذکورہ بالا پانچوں اوصاف سے الگ ہے اور ان سب پر ایک امر زائد ہے کیونکہ حیاء کا مقصد یہ ہے کہ بندہ اپنی غلطی سے واقف ہو اور اپنے قصور پر متنبہ ہو۔ تعظیم، خوف، رجاء وغیرہ میں یہ امکان ہے کہ حیاء نہ ہو یعنی اگر کوتاہی کا وہم اور گناہ کے ارتکاب کا خیال نہ ہوگا تو ظاہر ہے کہ حیاء نہ ہوگی۔

اوصاف مذکورہ کے اسباب : اب ان مذکورہ اوصاف کے اسباب کی تفصیل سنئے حضورِ دل کا سبب اس کی ہمت (فکر) ہے۔ اس لیے کہ انسان کا دل اس کے فکر کے تابع ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ جو چیز انسان کو فکر میں مبتلا کرتی ہے وہی دل میں حاضر رہتی ہے۔ یہ ایک فطری امر ہے۔ انسان کا دل اگر نماز میں حاضر نہ ہو تو وہ معطل ہرگز نہیں ہوگا بلکہ جس چیز میں اس کا فکر مصروف ہوگا اس کا

دل حاضر بھی ہوگا۔ نماز میں حضورِ دل پیدا کرنے کا اس کے علاوہ کوئی حیلہ نہیں کہ آدمی اپنی ہمت فکر کو نماز کی طرف منتقل کردے اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب یہ جان لیا جائے کہ مطلوب نماز سے وابستہ ہے۔ یعنی اس بات پر ایمان لانا اور اس کی تصدیق کرنا کہ آخرت ہی بہتر اور پائیدار زندگی ہے اور اس زندگی کا ذریعہ نماز ہے۔ پھر اس تصدیق کے ساتھ اگر دنیا کی ناپائیداری کا تصور بھی شامل کرلیا جائے تو ان سب کے مجموعے سے نماز میں حضورِ قلب کی صفت پیدا ہوجائے گی۔ کتنی عجیب بات ہے کہ جب ہم لوگ دنیاوی بادشاہوں کے پاس جاتے ہیں جو نہ ہمیں فائدہ پہنچاسکتے ہیں اور نہ ہمیں نقصان پہنچاسکتے ہیں۔ تو ہمارا دل حاضر ہوتا ہے اور ہم وہی بات سوچتے ہیں جو اس موقع کے لیے مناسب ہو اور جب ہم شاہوں کے شاہ سے مناجات کریں جس کے قبضۂ قدرت میں ملک اور ملکوت ہے اور جس کے اختیار میں نفع و نقصان ہے تو ہمارا دل حاضر نہ ہو۔ اس کا سبب صرف ایمان کا ضعف ہے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ ایمان کو مضبوط اور پختہ کرنے کی کوشش ہونی چاہیے۔ کسی جگہ ہم اس کا مکمل طریقہ بیان کریں گے۔

تفہیم کا سبب حضورِ دل کے بعد فکر کو باقی رکھنا اور ذہن کو معانی کے ادراک کی طرف موڑنا ہے۔ اس کی تدبیر وہی ہے جو حضورِ قلب کی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی آدمی کو یہ بھی چاہیے کہ وہ اپنی فکر پر متوجہ رہے اور ان وسوسوں کے دور کرنے کی کوشش کرے جو اس کے ذہن و فکر کو مشغول کرتے ہیں۔ ان وسوسوں کے ازالے کی تدبیر یہ ہے کہ جو کچھ مواد ان وسوسوں سے متعلق تمہارے پاس ہے اسے اپنے سے دور کردو۔ یعنی جن چیزوں سے وسوسے پیدا ہوتے ہیں۔ ان میں سے کوئی چیز اپنے پاس نہ رکھو۔ جب تک یہ مواد دور نہ ہوگا وسوسے ختم نہ ہوں گے کیونکہ انسان جس چیز کو زیادہ چاہتا ہے اس کا ذکر بکثرت کرتا ہے اور وہ چیز اس کے دل پر ہجوم کرتی ہے اسی لیے آپ یہ دیکھتے ہوں گے کہ جو شخص غیراللہ سے محبت رکھتا ہے اس کی کوئی نماز وسوسوں سے خالی نہیں ہوتی۔

تعظیم ان دو حقیقتوں کو جاننے سے پیدا ہوتی ہے۔ اول ! اللہ عزوجل کی عظمت اور جلالت کی معرفت' یہی معرفت ایمان کی اصل ہے کیونکہ جو شخص اس کی عظمت کا معتقد نہیں ہوگا اس کا نفس خدا کے سامنے جھکنے سے گریز کرے گا۔ دوم 'نفس کی حقارت اور ذلت کی معرفت اور اس حقیقت کی معرفت کہ نفس بندۂ مملوک ہے۔ عاجز و مسخر ہے۔ ان دونوں حقیقتوں کی معرفت سے نفس میں تواضع' انکساری اور خشوع پیدا ہوتا ہے۔ اسی کو تعظیم بھی کہتے ہیں۔ جب تک کہ نفس کی حقارت اور ذلت کی معرفت کا تقابل خدا تعالیٰ کی عظمت اور جلالت کی معرفت سے نہ ہوگا۔ تعظیم اور خشوع پیدا نہیں ہوگا۔

ہیبت اور خوف نفس کی حالت کا نام ہے۔ یہ حالت اس حقیقت کے جاننے سے پیدا ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ اس کی ہر خواہش اور اس کا ہر ارادہ نافذ ہوتا ہے۔ اسے کسی کی پرواہ نہیں ہے۔ یعنی اگر وہ تمام اولین و آخرین کو ہلاک کردے تو اس کے ملک میں سے ایک ذرہ بھی کم نہ ہوگا۔ اسی کے ساتھ انبیاء اور اولیاء کی سیرت کا مطالعہ کرے کہ ان پر طرح طرح کے مصائب نازل ہوتے ہیں اور ان کے مقابلے میں دنیا پرست بادشاہ طرح طرح کی راحتیں پاتے ہیں۔ ان امور کا علم آدمی کو جتنا ہوگا خدا تعالیٰ کی ہیبت اور خوف میں اسی قدر اضافہ ہوگا۔ چوتھی جلد کے بابِ خوف میں ہم اس کے چھ دوسرے اسباب بھی ذکر کریں گے۔

رجاء کا سبب یہ ہے کہ آدمی اللہ کے الطاف و کرم سے واقف ہو اور یہ جانے کہ بندوں پر اس کے بے پایاں انعامات ہیں۔ اس کا بھی یقین رکھے کہ نماز پڑھنے پر اس نے جنت کا وعدہ کیا ہے اس میں وہ سچا ہے۔ چنانچہ جب وعدہ پر یقین ہوگا اور اس کی عنایات سے واقفیت حاصل ہوجائے گی تو رجاء پیدا ہوگی۔

حیاء کا سبب یہ ہے کہ آدمی یہ سمجھے کہ میں عبادت میں کوتاہی کرتا ہوں۔ اللہ کا جو حق مجھ پر ہے اس کی بجا آوری سے عاجز ہوں اور اسے اپنے نفس کے عیوب' نفس کی آفات اور اخلاص کی کمی' باطن کی خباثت اور نفس کے اس رجحان کے تصور سے تقویت دے کہ وہ جلد حاصل ہوجانے والے عارضی فائدے کی طرف مائل ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی جانے کہ خدا تعالیٰ کی عظمت اور جلالتِ شان کا تقاضا کیا ہے؟ اس کا بھی اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ باطن سے' دل کے خیالات سے خواہ وہ کتنے ہی مخفی کیوں نہ ہوں

آگاہ ہے۔ جب یہ سب معرفتیں حاصل ہوں گی تو یقیناً ایک حالت پیدا ہوگی جسے حیاء کہتے ہیں۔

یہ چند اسباب ہیں جن سے مذکورہ بالا صفات پیدا ہوتی ہیں۔ چنانچہ جو صفت مطلوب ہو اس کی تدبیر یہ ہے کہ پہلے اس کا سبب پیدا کیا جائے۔ سبب پایا جائے گا تو صفت خود بخود پیدا ہو جائے گی۔ ان تمام اسباب کا تعلق ایمان اور یقین سے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جن معرفتوں کا ہم نے تذکرہ کیا ہے وہ اس قدر یقینی ہو جائیں کہ ان میں کسی قسم کا شک یا تردد باقی نہ رہے اور دل و دماغ پر ان کا غلبہ ہو جائے۔ یقین کے معنی ہی یہ ہیں کہ شک باقی نہ رہے اور دل پر مسلط ہو جائے۔ جیسا کہ کتاب العلم میں یہ بحث گذر چکی ہے۔ جس قدر یقین پختہ ہوتا ہے اسی قدر دل میں خشوع ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ کی اس روایت کا مطلب بھی یہی ہے۔

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يحدثنا و نحدثه فاذا حضرت الصلاة كانه لم يعرفنا ولم نعرفه (ازدی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے بات چیت کیا کرتے تھے اور ہم آپ سے بات چیت کیا کرتے تھے۔ جب نماز کا وقت آجاتا تو ایسا لگتا گویا نہ آپ ہمیں جانتے ہیں اور نہ ہم آپ کو جانتے ہیں۔

روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ اے موسیٰ! جب تو میرا ذکر کرے تو اپنے ہاتھ جھاڑ لے (یعنی تمام کاموں سے فارغ ہو کر میرا ذکر کر) اور میرے ذکر کے وقت خشوع و خضوع اور اطمینان و سکون سے رہ اور جب میرا ذکر کرے تو اپنی زبان اپنے دل کے پیچھے کرلے اور جب میرے سامنے کھڑا ہو تو ذلیل و خوار بندے کی طرح کھڑے ہو اور مجھ سے سچے اور خوف زدہ دل کے ساتھ مناجات کر۔ یہ بھی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا! اے موسیٰ! اپنی امت کے گنہگاروں سے کہہ کہ میرا ذکر نہ کریں۔ میں نے اپنے نفس پر یہ قسم کھا رکھی ہے کہ جو شخص میرا ذکر کرے گا میں اس کا ذکر کروں گا۔ چنانچہ اگر تیری امت کے گنہگاروں نے میرا ذکر کیا تو میں لعنت کے ساتھ ان کا ذکر کروں گا۔ یہ حال اس گنہگار کا ہے جو غافل ہو اور اگر غفلت و معصیت دونوں ایک ساتھ جمع ہو جائیں تب کیا حال ہوگا؟

جن امور پر ہم نے گذشتہ صفحات میں روشنی ڈالی ہے ان کے مختلف ہونے سے انسانوں کی بھی کئی قسمیں ہو گئیں۔ کچھ لوگ ایسے غافل ہوتے ہیں کہ تمام نمازیں پڑھتے ہیں مگر انہیں ایک لمحے کے لیے بھی حضورِ قلب میسر نہیں ہوتا۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ نماز پڑھتے ہیں اور ایک لمحے کے لیے بھی ان کا دل غائب نہیں ہوتا بلکہ بعض مرتبہ فکر کو اس طرح نماز میں مشغول کرتے ہیں کہ کوئی بھی واقعہ پیش آجائے انہیں اس کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ چنانچہ مسلم بن یسار کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ انہیں مسجد کے ستون گرنے اور لوگوں کے جمع ہونے کی خبر نہیں ہوئی۔ بعض اکابر مدتوں نماز باجماعت میں حاضر ہوئے لیکن کبھی نہ پہچانا کہ ان کے دائیں جانب کون تھا اور بائیں جانب کون ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اضطرابِ قلب کی آواز دو میل سے سنائی دیا کرتی تھی۔ کچھ لوگ ایسے تھے کہ نماز کے وقت ان کے چہرے زرد ہو جاتے تھے اور اعضاء میں لرزش پیدا ہو جاتی تھی اور ایسا ہونا تعجب خیز نہیں۔ دنیادار بادشاہوں کے خوف سے لوگ لرزنے لگتے ہیں حالانکہ یہ دنیا پرست لوگ عاجز و ضعیف ہیں۔ جو کچھ ان سے حاصل ہوتا ہے وہ بھی اتنا ہی معمولی اور حقیر ہوتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شخص بادشاہ یا وزیر کی خدمت میں پہنچتا ہے اور اپنے مقدمے کے متعلق بات چیت کرکے چلا آتا ہے۔ اپنے تفکرات کی وجہ سے اسے یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ بادشاہ یا وزیر کا لباس کیا تھا یا اس کے اردگرد کون لوگ تھے؟

کیونکہ ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق ہی اجر و ثواب ملے گا۔ اس لیے نماز میں ہر ایک کا حصہ اسی قدر ہوگا جس قدر اس نے خوف و خشوع اختیار کیا ہوگا اور تعظیم کی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ دل کو دیکھتا ہے ظاہری اعضاء کی حرکات پر نظر نہیں کرتا۔ اسی لیے بعض صحابہؓ فرماتے ہیں کہ قیامت میں لوگ اس صورت پر اٹھیں گے جو صورت ان کی نمازوں میں ہوگی یعنی نمازوں میں جس قدر اطمینان اور سکون ہوگا اسی قدر اطمینان اور سکون انہیں قیامت کے دن حاصل ہوگا۔ جس قدر

لذّت وہ اپنی نمازوں سے حاصل کریں گے اسی قدر لذت انہیں قیامت کے دن ملے گی۔ حقیقت میں انہوں نے صحیح کہا ہر شخص اس حالت پر اٹھایا جائے گا جس حالت پر وہ مرا ہے اور اس حالت پر مرے گا جس پر وہ زندہ رہا ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اس سلسلے میں دل کے احوال کی رعایت ہوگی۔ جسم ظاہر کے احوال کا لحاظ نہیں ہوگا۔ دلوں کے اوصاف سے دار الآخرت میں صورتیں ڈھالی جائیں گی اور نجاتِ ابدی کا مستحق صرف وہ شخص ہوگا جو بارگاہِ خداوندی میں قلبِ سلیم لے کر حاضر ہوگا۔ ہم اللہ کے اس لطف و کرم کے طفیل حسنِ توفیق کے خواہاں ہیں۔

حضورِ قلب کی نفع بخش دواء: مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرنے والا ہو اس سے خائف ہو۔ اس سے امیدیں رکھتا ہو اور اپنے گناہوں پر شرمندہ ہو۔ ایمان کے بعد ان احوال کا ہونا بھی ضروری ہے۔ ان احوال کی قوت و ضعف کا مدار ایمان کی قوت و ضعف پر ہے۔ نماز میں ان احوال کا نہ ہونا اس بات کی علامت ہے کہ نماز پڑھنے والے کی فکر پراگندہ ہے۔ دھیان بٹا ہوا ہے' اور دل مناجات میں حاضر نہیں ہے۔ نماز سے غفلت ان وسوسوں کی بدولت پیدا ہوتی ہے جو دل پر یلغار کرتے ہیں اور اسے مشغول بنالیتے ہیں۔ اس صورت میں حضورِ دل کی تدبیر یہ ہے کہ ان وسوسوں کو دور کیا جائے اور یہ چیز اسی وقت دور ہوتی ہے جب اس کا سبب دور ہو۔ اس لیے سب سے پہلے ان وسوسوں کے اسباب دریافت کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ وسوسے کبھی تو کسی امرِ خارجی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں اور کبھی کسی امرِ ذاتی کی وجہ سے۔ خارجی سبب وہ باتیں ہیں جو کانوں میں پڑتی ہیں اور آنکھوں کو نظر آتی ہیں۔ یہ باتیں بسا اوقات پراگندہ کردیتی ہیں۔ یہاں تک کہ فکر ان کے درپے ہوتا ہے۔ ان میں تصرف کرتا ہے اور یہ سلسلہ ان سے دوسری چیزوں کی طرف دراز ہوتا ہے کہ پہلے دیکھنا فکر کا سبب بنے' پھر یہ فکر دوسرے فکر کا اور دوسرا تیسرے فکر کا۔ جس شخص کی نیّت قوی ہو اور ہمت بلند ہو اس کے حواس پر کوئی چیز اثر انداز نہیں ہوتی اور نہ وہ کسی چیز کے دیکھنے یا کسی بات کے سننے سے غفلت میں مبتلا ہوتا ہے مگر ضعیف الاعتقاد شخص کی فکر ضرور پراگندہ ہوجاتی ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ ان اسباب کو ختم کرنے کی کوشش کرے جن سے یہ وسوسے پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً اس طرح کہ اپنی آنکھیں بند کرلے یا کسی اندھیرے مکان میں نماز پڑھے یا اپنے سامنے کوئی ایسی چیز نہ رکھے جس سے حواس مشغول ہوتے ہیں۔ نماز دیوار سے قریب ہو کر پڑھے تاکہ نگاہوں کی مسافت طویل نہ ہو۔ راستوں میں' منقش جانمازوں پر اور رنگین فرشوں پر نماز پڑھنے سے احتراز کرے۔ یہی وجہ ہے کہ عابد و زاہد حضرات اس قدر مختصر اور تاریک کمروں میں عبادت کیا کرتے تھے جن میں صرف سجدے کی گنجائش ہو تاکہ فکر مجتمع رہے۔ ان میں بھی جو لوگ اپنے آپ پر قابو یافتہ تھے۔ مسجدوں میں آتے' اور نگاہیں نیچی کرلیتے اور نظروں کو سجدے کے مقام سے آگے نہیں بڑھاتے تھے اور نماز کا کمال اس میں سمجھتے کہ یہ نہ معلوم ہو کہ نماز پڑھنے والے کے دائیں کون ہے اور بائیں کون ہے؟ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابنِ عمرؓ نماز پڑھنے کی جگہ سے قرآنِ پاک اور تلوار وغیرہ ہٹادیا کرتے تھے اور اگر سجدے کی جگہ کچھ لکھا ہوا ہوتا تو اسے مٹادیا کرتے تھے۔

باطنی وسوسوں کے اسباب سخت ترین ہیں' جس شخص کے افکار دنیا کی وادیوں میں پھیلے ہوئے ہوں اس کی فکر ایک فن میں منحصر نہیں رہتی بلکہ ہمیشہ ایک طرف سے دوسری طرف منتقل ہوتی ہے۔ نگاہیں نیچی کرلینا بھی اس لیے کافی نہیں ہوتا بلکہ جو بات دل میں پڑجاتی ہے فکر اسی میں مشغول رہتی ہے۔ باطنی وسوسوں کو دور کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ نفس کو زبردستی اس پر آمادہ کرے کہ جو کچھ وہ نماز میں پڑھ رہا ہے اسے سمجھے اور اسی میں لگا رہے۔ کسی دوسری چیز میں مشغول نہ ہو۔ اگر وہ شخص نیّت کے وقت اس کی تیاری کرے گا تو خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کی مدد ہوگی۔ نیّت کے وقت تیاری کا طریقہ یہ ہے کہ نفس میں آخرت کے ذکر کی تجدید کرے اور یہ بتلائے کہ وہ اس وقت اللہ کے سامنے کھڑا ہے۔ اسے قیامت کے روز پیش آنے والی مصیبتوں سے واقف کرائے پھر نیّت کرنے سے پہلے دل کو فکر کی تمام چیزوں سے خالی کرے اور کوئی شغل ایسا باقی نہ رہنے دے جس کی طرف دل ملتفت ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان ابن ابی شیبہؓ (صحیح نام عثمان ابن طلحہ) سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

انی نسیت ان اقول لک ان تخمر القدر الذی فی البیت' فانہ لا ینبغی ان یکون فی البیت شئی یشغل الناس عن صلاتھم (ابوداؤد)

میں تجھ سے یہ کہنا بھول گیا کہ گھر میں جو ہانڈی ہے اسے ڈھانپ دے اس لیے کہ یہ مناسب نہیں کہ گھر میں کوئی ایسی چیز ہو جو لوگوں کو ان کی نماز سے مشغول کرے۔

پراگندہ خیالی کے ختم کرنے کی یہ ایک تدبیر ہے۔ اگر اس تدبیر سے بھی پریشان خیالی دور نہ ہو تو اب مسہل کے علاوہ کوئی دوا نافع نہ ہوگی۔ کیونکہ مسہل دواء مرض کے مادّہ کو جسم کی رگوں سے نکال دیتی ہے۔ پریشان خیالی کی مسہل دواء یہ ہے کہ جو امور نماز میں حضورِ قلب پیدا نہیں ہونے دیتے۔ ان پر نظر ڈالے۔ یقیناً وہ امور اس کے لیے اہم ترین ہوں گے اور یہ اہمیت بھی انہیں نفسانی شہوتوں کی بناء پر حاصل ہوئی ہوگی۔ اس لیے ضروری ہوا کہ انسان اپنے نفس کو سزا دے اور اسے ان امور سے اپنا رشتہ منقطع کرلینے کا مشورہ دے۔ اس لیے کہ جو چیز آدمی کو اس کی نماز سے روکے وہ اس کے دین کی ضد ہے اور اس کے دشمن ابلیس کی فوج کا سپاہی ہے۔ اس لیے نجات حاصل کرنا بہت ضروری ہے اور نجات اسی وقت مل سکتی ہے جب وہ اسے دور کردے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح کے بے شمار واقعات منقول ہیں کہ آپ نے نماز میں انتشار پیدا کرنے والی چیزوں کو خود سے دور کردیا۔

ایک مرتبہ ابو جہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو پلّو والی سیاہ چادر پیش کی۔ آپ نے اسے اوڑھ کر نماز پڑھی۔ نماز کے بعد اسے اتار دیا اور فرمایا۔

اذاھبوا بھا الی ابی جھم فانھا الھتنی آنفا عن صلاتی' وائتونی بانجبانیۃ جھم (بخاری و مسلم)

اسے ابو جہم کے پاس لے جاؤ۔ اس لیے کہ اس نے مجھے ابھی میری نماز سے غافل کردیا تھا اور مجھے ابو جہم سے سادہ چادر لاکردو۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جوتے میں نیا تسمہ لگانے کا حکم دیا۔ جب تسمہ لگادیا گیا اور آپ نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ کی نگاہ نیا تسمہ ہونے کی وجہ سے اس پر پڑی تو اسے اتارنے کا حکم دیا اور فرمایا اس میں وہی پرانا تسمہ لگادو۔ ابن مبارک' ابو نصر مرسلاً)

ایک مرتبہ آپ نے نئے جوتے پہنے۔ وہ آپ کو اچھے لگے۔ آپ نے سجدۂ شکر ادا کیا اور فرمایا۔

تواضعت لربی کی لا یمقتنی

میں نے اپنے رب کے سامنے تواضع اختیار کی تاکہ وہ مجھ پر ناراض نہ ہو۔

پھر آپ وہ جوتے باہر لے گئے اور جو پہلا سائل ملا اسے دیدیئے۔ پھر حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ میرے لیے نرم چمڑے کے پرانے جوتے خریدلو۔ حضرت علیؓ نے حکم کی تعمیل کی اور آپ نے پرانے جوتے پہنے۔ (ابو عبداللہ فی شرف الفقراء' عائشہؓ) مردوں کے لیے سونے کی حرمت سے قبل ایک مرتبہ آپ نے سونے کی انگوٹھی پہن رکھی تھی اور منبر پر تشریف فرما تھے۔ آپ نے اسے نکال پھینکا اور فرمایا۔

شغلنی ھذا' نظرۃ الیہ و نظرۃ الیکم (نسائی' ابن عباسؓ)

اس نے مجھے مشغول کردیا ہے۔ کبھی میں اسے دیکھتا ہوں اور کبھی تمہیں دیکھتا ہوں۔

حضرت ابو طلحہؓ ایک مرتبہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ اچانک درختوں سے نکل کر اودے رنگ کا ایک پرندہ آسمان کی طرف اڑا۔ انہیں یہ پرندہ اچھا لگا اور اسی حالت میں کچھ دیر تک اسے دیکھتے رہے۔ یہ بھی یاد نہ رہا کہ کتنی رکعات نماز پڑھی ہے۔

بڑے نادم ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آج مجھ پر یہ فتنہ گذرا ہے۔ اس لیے میں اس باغ کو جہاں یہ واقعہ پیش آیا صدقہ کرتا ہوں۔ (مالک' عبداللہ ابن ابی بکر) ایک اور بزرگ کی روایت ہے کہ انہوں نے اپنے باغ میں نماز پڑھی۔ درختوں پر اس قدر پھل تھے کہ بوجھ سے جھکے پڑ رہے تھے۔ انھیں یہ منظر اچھا معلوم ہوا اور اس تصویر میں محو ہوئے کہ رکعتوں کی تعداد بھی یاد نہ رہی۔ یہ واقعہ حضرت عثمان غنیؓ کو سنایا اور عرض کیا کہ میں اپنا باغ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے آپ کے اختیار میں دیتا ہوں۔ حضرت عثمان نے یہ باغ پچاس ہزار روپے میں فروخت کیا۔

اکابرِ سلف فکر کی جڑوں کو اکھاڑ پھینکنے اور نماز میں واقع ہو جانے والی کوتاہیوں کے کفارے کے لیے اسی طرح کی تدبیریں کیا کرتے تھے اور حقیقت میں اس مرض کی یہی ایک دوا بھی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی دوسری دوا مفید نہیں ہوگی۔ پہلے ہم نے اس کی یہ تدبیر بتلائی تھی کہ نفس کو لطف اور نرمی کے ساتھ پرسکون کرنے کی کوشش کرنے چاہیے اور اسے ذکر کو سمجھنے پر آمادہ کرنا چاہیے لیکن یہ تدبیر کمزور شہوتوں کے لیے مفید ہے اور ان تفکرات میں نافع ہے جو صرف دل کے اردگرد احاطہ کیے ہوئے ہوں لیکن وہ شہوت جو قوت میں زیادہ ہو اس تدبیر سے ختم نہیں ہوتی بلکہ اس شہوت کا حال تو یہ ہے کہ وہ تمہیں اپنی طرف کھینچے گی اور تم اسے اپنی طرف کھینچو گے۔ انجام کار شہوت غالب رہے گی اور اس کش مکش میں نماز پوری ہوگی۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص درخت کے نیچے بیٹھ کر یہ خواہش کرے کہ میرا فکر منتشر نہ ہو اور میں دل جمعی کے ساتھ اپنے کام میں مشغول رہوں لیکن درخت پر بیٹھی ہوئی چڑیاں شور مچاتی ہوں اور وہ ایک ڈنڈا ہاتھ میں لے کر انہیں بھگاتا ہے اور پھر اپنے کام میں مشغول ہو جاتا ہو اور چڑیاں پھر آکر بیٹھ جاتی ہوں اور وہ شخص پھر انہیں اڑانے کی کوشش میں مصروف ہو جاتا ہو۔ اس شخص سے کہا جائے گا کہ جو تدبیر تم کر رہے ہو وہ مفید ثابت نہیں ہوگی۔ اس کی صرف ایک ہی تدبیر ہے اور وہ یہ کہ اس درخت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکو۔ یہی حال شہوات کے درخت کا ہے۔ جب یہ درخت بلند و بالا ہو جاتا ہے اور اس کی شاخیں پھیل جاتی ہیں تو افکار کے پرندے اس طرح آکر بیٹھتے ہیں جس طرح چڑیاں اصل درخت پر اور مکھیاں گندگی پر بیٹھتی ہیں اور انہیں ہٹانا طولِ عمل کا محتاج ہے۔ چنانچہ آپ جب بھی مکھی اڑائیں گے وہ پھر آکر بیٹھ جائے گی۔ یہی حال انسانی افکار و خیالات اور وسوسوں کا ہے۔

یہ شہوتیں جن کا ذکر ہم کر رہے ہیں لاتعداد اور بے شمار ہیں اور یہ کم ہی ہوتا ہے کہ کوئی انسان ان سے خالی ہو لیکن ان سب کی جڑ ایک ہے اور وہ ہے دنیا کی محبت۔ دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے۔ ہر گناہ کی بنیاد اور ہر فساد کا سرچشمہ ہے۔ جس شخص کا باطن دنیا کی محبت میں گرفتار ہو اور وہ دنیا کی کسی چیز کی طمع اس خیال سے نہ کرے کہ اسے توشۂ آخرت بنائے گا یا آخرت میں اس سے مدد لے گا تو اسے یہ یقین نہ رکھنا چاہیے کہ اس کو نماز میں مناجات کی لذت حاصل ہو سکے گی۔ اس لیے کہ جو دنیا سے خوش ہوتا ہو وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی مناجات سے کیسے خوش ہوگا۔ دنیا کی محبت اور اللہ کی محبت میں تضاد ہے لیکن اس کے باوجود اسے مجاہدہ چھوڑنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ جس طرح ممکن ہو اپنے دل کو نماز کی طرف مائل کرے اور مشغول کرنے والے اسباب کم سے کم کرنے کی کوشش کرے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ تدبیر ایک تلخ دواء ہے۔ اس لیے لوگ اسے بدمزہ سمجھتے ہیں۔ یہ مرض پرانا اور لاعلاج ہے۔ یہاں تک بعض اکابر نے کوشش کی کہ دو رکعت نماز ایسی پڑھیں جن میں دنیا کا کوئی تصور دل میں نہ آئے تو یہ ان سے ممکن نہ ہو سکا۔ جب ان لوگوں سے ایسی دو رکعت میسر نہ آسکیں تو ہم جیسے لوگ اس کی خواہش کیسے کر سکتے ہیں۔ کاش ! ہمیں کوئی نماز ایسی میسر آجائے جس کا آدھا حصہ یا تہائی حصہ وسوسوں سے خالی ہو۔ کم سے کم ان لوگوں میں تو ہمارا شمار ہو جائے جنہوں نے نیک اعمال میں برے اعمال خلط ملط کر دیئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کی فکر اور آخرت کی فکر کی مثال ایسی ہے جیسے تیل کا ایک بھرا ہوا پیالہ ہو۔ اس پیالے میں جتنا پانی ڈالو گے اسی قدر تیل پیالے سے باہر آجائے گا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ دونوں جمع ہو جائیں۔

ان امور کی تفصیل جن کا نماز کے ہر رکن اور شرط میں دل میں موجود رہنا ضروری ہے : اگر تم آخرت کے چاہنے

والوں میں سے ہو تو سب سے پہلے تم پر یہ بات لازم ہوتی ہے کہ نماز کے ارکان اور شروط کے متعلق جو تفصیلات ہم درج کرتے ہیں ان سے غافل مت ہو۔

نماز کی شرائط حسب ذیل ہیں (۱) اذان (۲) طہارت (۳) ستر عورت (۴) قبلہ کی طرف متوجہ ہونا (۵) سیدھا کھڑا ہونا (۶) نیت۔ جب تم مؤذن کی اذان سنو تو اپنے دل میں قیامت کی ہولناک آواز کا تصور کرو اور اذان سنتے ہی اپنے ظاہر و باطن سے اس کی اجابت کی تیاری کرو۔ جو لوگ اذان کی آواز سن کر نماز کے لیے جلدی کرتے ہیں انہیں قیامت کے روز نرمی اور لطف و مہربانی کے ساتھ آواز دی جائے گی۔ یہ بھی جائزہ لو کہ نماز کا تمہارے دل پر کیا اثر پڑا ہے۔ اگر اپنے دل کو مسرور اور فرحان پاؤ اور دیکھو کہ تمہارے دل میں جلد سے جلد مسجد میں پہنچ کر نماز ادا کرنے کی خواہش ہے تو یہ بات جان لو کہ قیامت کے روز تمہیں بشارت اور فلاح پانے کی آواز آئے گی۔ نماز خوشی کا پیغام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔

ارحنایابلال (دار قطنی' بلالؓ' ابوداؤد' کے از صحابہ)

اے بلال ! (اذان کے ذریعہ) ہمیں راحت پہنچاؤ۔

یہ اس لیے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں تھی۔

طہارت کے سلسلے میں یہ عرض کرنا ہے کہ جب تم نماز کی جگہ پاک کر لو جو تمہارا ظرف بعید ہے اور کپڑوں کو پاک کر لو جو تمہارا قریبی غلاف ہے اور جلد کو پاک کر لو جو تمہارا بہت ہی قریبی پوست ہے تو اپنے مغز اور ذات یعنی دل کی طہارت پر بھی توجہ دو دل کی طہارت کے لیے توبہ کرو۔ گناہوں پر ندامت ظاہر کرو اور آئندہ کے لیے یہ عزم مصمم کرو کہ کبھی دل کو گناہوں سے گندہ نہیں کروں گا کیونکہ دل معبود برحق کے دیکھنے کی جگہ ہے۔

ستر عورت کا مطلب یہ ہے کہ بدن کے وہ اعضاء لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رکھے جائیں جن کے دیکھنے میں بے شرمی ہے اور ان اعضاء کو اس لیے چھپایا جاتا ہے کہ ظاہر بدن پر لوگوں کی نگاہ پڑتی ہے۔ جب ظاہر بدن کا حال یہ ہے تو باطن کی وہ خرابیاں کیوں نہیں چھپائی جاتیں جن سے اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا واقف نہیں ہوتا۔ جب بدن کے ظاہری اعضاء چھپانے لگے تو باطن کی برائیاں بھی اپنے دل میں حاضر کرو اور نفس سے ان کو چھپانے کی درخواست کرو۔ اس کا یقین رکھو کہ خدا تعالیٰ کی نظروں سے اندر یا باہر کا کوئی عیب مخفی نہیں رہ سکتا البتہ ندامت' خوف اور شرم ان عیوب کا کفارہ بن جاتے ہیں۔ جب تم دل میں اپنے عیوب حاضر کرو گے تو جہاں جہاں تمہارے دل میں حیاء اور خوف کے لشکر چھپے بیٹھے ہوں گے اٹھ کھڑے ہوں گے اور نفس پر غالب آجائیں گے۔ دل میں ندامت پیدا ہوگی اور تم خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں اس طرح کھڑے ہو گے جیسے کوئی گنہگار' بد کردار اور مفرور غلام اپنے آقا کے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔

قبلہ رو ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اپنے چہرے کو ہر طرف سے موڑ کر خدا تعالیٰ کے گھر کی طرف کر لو۔ جب چہرے کا رخ بدل دیا جاتا ہے تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ دل کا تمام دنیاوی علائق سے یکسو ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا مطلوب نہیں ہے۔ یہ خیال ہرگز نہ کرو بلکہ یوں سمجھو کہ اس کے علاوہ اور کوئی امر مقصود ہی نہیں ہے۔ یہ تمام ظاہری اعمال و افعال باطن کی تحریک کے لیے ہیں۔ تمام اعضاء کو منضبط رکھنے اور انہیں ایک طرف ہو کر اپنے کام میں لگے رہنے کا حکم اس لیے ہے کہ یہ اعضاء دل کے خلاف بغاوت پر آمادہ نہ ہوں۔ اس لیے کہ اگر یہ بغاوت کریں گے اور اپنی متعینہ حرکت چھوڑ کر ادھر ادھر متوجہ ہوں گے تو یہ ظلم ہوگا۔ اس طرح دل بھی خدا کی طرف سے ہٹ کر ادھر ادھر متوجہ ہو جائے گا۔ اس لیے ضروری ہے کہ جس طرح تمہارا چہرہ ایک طرف متوجہ ہے اسی طرح تمہارا دل بھی ایک طرف متوجہ ہو اور جس طرح تمہارا چہرہ اس وقت تک خانہ کعبہ کی طرف متوجہ قرار نہیں دیا جاتا جب تک کہ وہ ہر طرف سے منحرف نہ ہو۔ اسی طرح دل بھی خدا کی طرف متوجہ نہیں ہوتا جب تک کہ اسے ماسوا سے خالی نہ کر لیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

اذا قام العبد الی صلاته فکان هواه و وجهه و قلبه الی اللہ عز و جل انصرف کیوم ولدته امه

جب بندہ نماز کے لیے کھڑا ہو اور اس کی خواہش' اس کا چہرہ اور اس کا دل سب اللہ کی طرف متوجہ ہوں تو وہ نماز سے ایسے فارغ ہو گا جیسے اس دن جس دن اسے اس کی ماں نے جنا تھا۔ (۱)

سیدھا کھڑے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اپنے جسم اور دل کے ساتھ اللہ کے حضور میں کھڑا ہوا ہے۔ اس صورت میں سر جھکا ہوا ہونا چاہیے۔ جسم کا یہ حصہ ہی سب سے زیادہ بلند ہے۔ اس لیے اسی عضو میں زیادہ انکسار اور فروتن پائی جانی چاہیے۔ سر کے انکسار سے دل کی فروتنی اور ذلت کو تشبیہ دو اور اس وقت کھڑے ہونے سے اس روز کا کھڑا ہونا یاد کرو جب خدا تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوگی اور سوال کیا جائے گا۔ اس وقت بھی یہ تصور کرو کہ تم خدا کے سامنے کھڑے ہوئے ہو اور وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اس لیے تم اس کے سامنے اس طرح کھڑے ہو جیسے دنیا کے بادشاہوں کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔ اگرچہ تم اس کی جلالت شان کے ادراک سے عاجز ہو مگر ظاہری حال ایسا ہونا چاہیے گویا تم اس کی جلالت شان کو پوری طرح ادراک کر رہے ہو بلکہ جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو یہ فرض کر لیا کرو کہ تمہیں تمہارے گھر کا کوئی نیک آدمی غور سے دیکھ رہا ہے یا کوئی ایسا آدمی تمہاری طرف متوجہ ہے جسے تم اپنی سعادت اور نیک بختی کا مشاہدہ کرانا چاہتے ہو کیونکہ اگر کوئی ایسا شخص تمہیں دیکھتا ہے تو اس وقت تمہارے پاؤں پر سکون ہوتے ہیں اور اعضاء پر سکنت اور تواضع غالب رہتی ہے۔ اس خوف سے کہ کہیں وہ شخص جو عاجزی پسند کرتا ہے یہ نہیں کہہ بیٹھے کہ تمہاری نماز میں تواضع کم ہے۔ چنانچہ جب تم یہ محسوس کرو کہ کوئی عاجز و متواضع بندہ تمہیں دیکھ رہا ہے اور تمہارے نفس کا حال یہ ہے تو تم اس پر ناراض ہو اور کہو کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور معرفت کا دعویٰ کرتا ہے تجھے شرم نہیں آتی کہ تو اس کے سامنے اس قدر جرأت کرتا ہے حالانکہ اس کے ایک معمولی بندے کی توقیر کرتا ہے' لوگوں سے ڈرتا ہے خدا سے نہیں ڈرتا۔ اسی لیے حضرت ابو ہریرہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ سے حیا کس طرح ہوتی ہے تو آپ نے فرمایا۔

تستحیی منه کما تستحیی من الرجل الصالح من قومک وروی من اهلک

(بیہقی' سعید ابن زید)

اس سے اس طرح حیا کرو جس طرح اپنی قوم کے نیک آدمی سے کرتے ہو۔ ایک روایت میں آیا ہے جس طرح اپنے گھر کے نیک آدمی سے حیا کرتے ہو۔

نیت کے الفاظ جب زبان سے ادا کرو یا دل میں کہو تو یہ عزم کر لو کہ اللہ نے ہمیں نماز کا جو حکم دیا ہے اس کی تعمیل کریں گے اور ان امور سے محض اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے باز رہیں گے جو نماز کو باطل کرنے والے ہیں اور ہمارا یہ عزم اس لیے ہے کہ ہمیں اس کے اجر و ثواب کی امید ہے۔ عذاب کا خوف ہے اور اس کی قربت مطلوب ہے اور یہ بھی اس کا ہم پر زبردست احسان ہے کہ ہماری بے ادبی اور گناہوں کی کثرت کے باوجود اس نے ہمیں اپنی مناجات کی اجازت عطا کی۔ اپنے دل میں اللہ کی مناجات کی قدر محسوس کرو اور یہ دیکھو کہ کس سے مناجات کی جارہی ہے اور کس طرح کی جارہی ہے۔ اس صورت میں چاہیے تو یہ کہ تمہاری پیشانی ندامت کے پسینے میں شرابور ہو اور ہیبت سے جسم لرزنے لگے۔ خوف کی وجہ سے چہرے کا رنگ زرد پڑ جائے۔

جب تم زبان سے اللہ اکبر کہو تو دل اس کلمے کی تکذیب نہ کرے۔ یعنی اگر تم نے اپنے دل میں کسی کو اللہ تعالیٰ سے بڑا درجہ دے رکھا ہے تو اللہ گواہی دے گا کہ تم جھوٹے ہو۔ اگرچہ تمہارا قول سچا ہے جیسے سورہ "المنافقون" میں منافقین کو اس وقت جھوٹا

---

(۱) یہ روایت ان الفاظ میں نہیں ملی لیکن مسلم میں عمرو ابن عبسہ کی روایت میں یہی مضمون روایت کیا گیا ہے۔

قرار دیا گیا۔ جب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی زبان سے تصدیق کی۔ اگر تمہارے دل پر خدا تعالیٰ کے اوامر و نواہی کے مقابلے میں خواہش نفسانی کا غلبہ زیادہ ہوگا اور تم خدا کے مقابلے میں خواہش نفس کی اطاعت زیادہ کرو گے تو یہی کہا جائے گا کہ تم نے خواہش نفس کو اپنا معبود قرار دے لیا ہے۔ کیا بعید ہے کہ جو کلمہ (اللہ اکبر) تم زبان سے کہہ رہے ہو وہ صرف زبانی کلمہ ہو۔ دل میں اس کلمے کی موافقت نہ پائی جا رہی ہو اور اگر ایسا ہے تو یقینا" یہ ایک خطرناک بات ہے بشرطیکہ توبہ و استغفار نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم اور عفو و درگذر سے متعلق حسن وظن نہ ہو۔ جب تم نماز شروع کرتے ہو تو یہ دعا پڑھتے ہو۔

وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

میں نے اپنا چہرہ اس کی طرف کیا جس نے آسمان اور زمین پیدا کی۔

اس دعا میں چہرہ سے مراد ظاہری چہرہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ ظاہری چہرہ تو تم نے خانۂ کعبہ کی طرف کر رکھا ہے اور اللہ اس سے پاک ہے کہ کوئی سمت اسے گھیر سکے۔ اس سے ثابت ہوا کہ بدن کی توجہ اس کی طرف نہیں ہو سکتی۔ ہاں دل کا چہرہ اس خالق ارض و سماء کی طرف ہو سکتا ہے۔ اس لیے جب نماز پڑھو تو یہ بھی دیکھ لیا کرو کہ تمہارے دل کا چہرہ گھر' بازار اور نفس کی شہوات کی طرف متوجہ ہے یا خالق ارض و سماء کی طرف؟ اگر ایسا نہیں ہے تو تمہاری یہ دعا جھوٹی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ تم نماز میں ابتداء ہی سے جھوٹ پر عمل پیرا ہو۔ اللہ کی طرف روئے دل اس وقت ہوتا ہے جب اس کے غیر کی طرف نہ ہو۔ اس لیے تمہیں کوشش کرنی چاہیے کہ دل کی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہو۔ اگر یہ بات تمام نماز میں حاصل نہ ہو سکے تو کم از کم اس وقت ضرور حاصل ہونی چاہیے۔ جب یہ دعا پڑھی جاتی ہے اسی طرح جب زبان سے "حنیفا مسلما" کہو تو اپنے دل میں یہ ضروری سوچو کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور ایذا سے دوسرے مسلمان بچے رہیں۔ اگر تم ایسے نہیں ہو اور مسلمانوں کو تم سے تکلیف پہنچتی ہے تو تم اپنے قول میں سچے نہیں ہو اب مومن ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ ماضی کے احوال پر ندامت کا اظہار کرو اور آئندہ کے لیے یہ عزم کرو کہ کسی مسلمان کو ایذا نہیں پہنچاؤ گے۔ جب یہ الفاظ کہو۔

وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ

اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

تو یہ دیکھو کہ تمہارا دل شرک خفی سے خالی ہے یا نہیں؟ اس لیے کہ حسب ذیل آیت

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا (پ ۱۶' ر ۳' آیت ۱۱۰)

پھر جس کو اپنے رب سے ملنے کی امید ہو اس کو چاہیے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو اپنی عبادت سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور لوگوں کی تعریف کا خواہشمند ہو۔ یہ بھی شرک ہے۔ اس شرک سے بھی احتراز کرنے کی ضرورت ہے۔ جب تم یہ کہہ چکے ہو کہ میں مشرکین میں سے نہیں ہوں اس کے باوجود اس شرک میں مبتلا ہو اور برأت نہیں کرتے۔ تمہارے دل میں اس پر ندامت ہونی چاہیے اور جب یہ الفاظ کہو۔

مَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ

میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ کے لیے ہے۔

تو دل میں یہ تصور ہونا چاہیئے کہ یہ الفاظ اس غلام کی زبان سے ادا ہو رہے ہیں جو اپنے حق میں مفقود اور آقا کے حق میں موجود ہے' اور جب یہ الفاظ اس شخص سے صادر ہوں جس کی رضا اور غضب' اٹھنا بیٹھنا' زندگی کی خواہش اور موت کا خوف سب کچھ دنیا کے کاموں کے لیے ہو' تو یہ کہا جائے گا کہ اس کا یہ کہنا اس کے حال کے مطابق نہیں ہے۔ اور جب یہ کہو۔

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی شیطان مردود سے۔

تو یہ بھی جانو کہ شیطان تمہارا دشمن ہے' وہ موقع کی تلاش میں ہے کہ کسی طرح تمہارا دل اللہ تعالیٰ کی طرف سے پھیر دے' اسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تمہاری مناجات پر' اور اللہ کے لیے سجدے کرنے پر تم سے حسد ہے کیونکہ وہ صرف ایک سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے ملعون قرار دیا گیا تھا' شیطان سے اللہ کی پناہ مانگنا اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جب تم ہر اس چیز کو چھوڑ دو جو شیطان کو محبوب ہے' اور ہر وہ چیز اختیار کر لو جسے اللہ پسند کرتا ہے' صرف زبان سے پناہ مانگنا کافی نہیں ہے' بلکہ کچھ عمل کرنے کی بھی ضرورت ہے' محض زبان سے پناہ مانگنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی درندے یا دشمن کو اپنی طرف آتا ہوا دیکھ کر یہ کہنے لگے کہ میں تجھ سے اس مضبوط قلعے کی پناہ چاہتا ہوں' اور اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش نہ کرے بھلا زبان سے پناہ مانگنا اسے کیا فائدہ دے گا۔ بلکہ پناہ اس وقت ملے گی جب وہ کسی دوسری جگہ منتقل ہو جائے گا۔ یہی حال اس شخص کا ہے جو شیطانی خواہشات کی اتباع کرتا ہے' اور خدا تعالیٰ کی مرضیات سے انحراف کرتا ہے' اس شخص کے لیے زبان سے تعوذ کے چند کلمے ادا کر لینا ہرگز مفید نہیں ہوگا۔ اسے چاہیے کہ وہ اس زبانی قول کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے مضبوط قلعے میں پناہ لینے کا عزم مصمم بھی کرے۔ اللہ تعالیٰ کا قلعہ لا الہ الا اللہ ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

قال اللّٰه عز وجل: لا الٰه الا اللّٰه حصني' فمن دخل حصني أمن من عذابي۔

(حاکم فی التاریخ' ابو نعیم۔ علیؓ)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ لا الہ الا اللہ میرا قلعہ ہے' جو شخص میرے قلعے میں داخل ہو گیا وہ میرے عذاب سے محفوظ و مامون ہو گیا۔

لیکن اس قلعے میں وہی شخص پناہ لے سکتا ہے' جس کا معبود اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے' جس شخص نے خواہشِ نفس کو اپنا معبود ٹھہرایا وہ شیطانی صحرا میں بھٹک رہا ہے' خدا کے قلعے میں محفوظ نہیں ہے۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ شیطان نماز میں ایک اور فریب بھی دیتا ہے' اور وہ یہ کہ نمازی کو آخرت کی یاد دلاتا ہے' اور اسے خیر کے کاموں کے لیے تدبیریں کرنے کا مشورہ دیتا ہے' تاکہ وہ ان آیات کے معنی نہ سمجھ سکے جو تلاوت کر رہا ہے' یہ اصول ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ جو چیز تمہیں قرآن پاک کی آیات کے معنی سمجھنے سے روک دے' وہ وسوسہ ہے' قرأت میں زبان کا ہلانا مقصود نہیں ہے' بلکہ معانی مقصود ہیں۔

قرأت کے باب میں لوگ تین طرح کے ہیں' کچھ لوگ وہ ہیں جن کی زبانیں چلتی ہیں' اور دل غافل رہتے ہیں' کچھ لوگ وہ ہیں جن کی زبانیں حرکت کرتی ہیں' اور دل زبانوں کی اتباع کرتے ہیں' زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کو ان کے قلوب اس طرح سنتے اور سمجھتے ہیں جس طرح وہ دوسروں کی زبانوں سے سنتے ہیں' یہ درجہ اصحاب یمین کا ہے' کچھ لوگ وہ ہیں کہ ان کے قلوب پہلے معانی کی طرف دوڑتے ہیں۔ پھر دل کی زبان تابع ہو کر ان معانی کی ترجمانی کرتی ہے' ان دونوں میں بڑا فرق ہے کہ زبان دل کی ترجمان ہو اور دل کی معلم بنے۔ مقربین کی زبان ان کے دل کی تابع اور ترجمان ہوتی ہے' دل ان کی زبان کے تابع نہیں ہوتا۔

معانی کے ترجے کی تفصیل یہ ہے کہ جب تم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم (شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بہت مہربان اور رحم کرنے والا ہے) کہو تو یہ نیت کرو کہ میں قرآن پاک کی تلاوت کی ابتداء میں اللہ کے نام سے تبرک حاصل کرتا ہوں' اور اس پورے جملے کے یہ معنی سمجھو کہ سب امور اللہ کی طرف سے ہیں' اسم سے یہاں مراد مسمّیٰ ہے' اور جب سب امور اللہ کی طرف سے ہوئے تو الحمد للّٰہ رب العالمین کہنا ضروری ہوا۔ اس جملے کے معنی یہ ہیں کہ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام عالموں کا رب ہے' تمام نعمتیں اسی کی عطا کی ہوئی ہیں' جو شخص کسی نعمت کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرتا ہے' یا اپنے شکر سے کسی

دوسرے کی نیت کرتا ہے، تو اسے بسم اللہ اور الحمد للہ کہنے میں اسی قدر نقصان ہوگا جس قدر وہ غیر اللہ کی طرف ان نعمتوں کو منسوب کرے گا، جب تم الرحمٰن الرحیم کہو تو اپنے دل میں اس کی تمام مہربانیوں کو حاضر کرلو، تاکہ تم پر اس کی رحمت کا حال عیاں ہو جائے، اور اس سے تمہارے دل میں توقع اور امید کے جذبات پیدا ہوں، مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ (جزاء کے دن کا مالک ہے) پڑھو تو اپنے دل میں تعظیم اور خوف کو جگہ دو، عظمت اس تصور سے کہ ملک اس کے علاوہ کسی کا نہیں ہے، اور خوف اس خیال سے کہ وہ روزِ جزا کا اور حساب کے دن کا مالک ہے۔ وہ دن انتہائی ہیبت ناک ہوگا۔ اس دن کے تصور سے ہی ڈرنا چاہیئے۔ پھر ایک نعبد (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں) کہو، اور دل میں اخلاص کی تجدید کرو، عجز اور احتیاج کی تجدید، طاقت اور قوت سے برأت اس قول سے کرو، وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (ہم تجھ سے ہی مدد کی درخواست کرتے ہیں)۔ اور یہ بات ذہن نشین کرلو کہ یہ اطاعت ہمیں اس کی امانت اور توفیق کے بغیر حاصل نہیں ہوئی۔ اس کا بڑا احسان ہے کہ اپنی اطاعت کی توفیق، بخشی، اور عبادت کی خدمت لی، اور اپنی مناجات کا اہل بنایا۔ اگر بالفرض ہمیں اس اطاعت سے محروم رکھتا تو ہم بھی شیطان لعین کی طرح راندۂ درگاہ ہوتے۔ یہاں پہنچ کر اپنا سوال متعین کرو اس سے وہی چیز مانگو جو تمہاری ضرورت کی چیزوں میں سب سے زیادہ مقدم ہے۔ یعنی یہ درخواست کرو وَاهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (ہم کو سیدھی راہ دکھا (یعنی وہ راستہ دکھا جو ہمیں تجھ تک پہونچادے۔ اور تیری مرضیات تک لے جائے، اس صراط کی وضاحت، اور تاکید کے لیے کہو صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے نعمت فرمائی) اس نعمت سے مراد ہدایت ہے، اور جن لوگوں کو اللہ نے ہدایت کی نعمت سے نوازا وہ انبیاء، صدیقین اور شہداء صالحین ہیں۔ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ (نہ ان لوگوں کی راہ جو مغضوب ہیں، یا گمراہ ہیں) ان لوگوں سے مراد کافر، یہود، نصاریٰ، اور صابئین ہیں۔ پھر اس دعا کو قبول کرنے کی درخواست کرو اور کہو آمین (ایسا ہی کر)۔ اگر تم نے سورۂ فاتحہ کی تلاوت اس طرح کی تو تعجب نہیں کہ ان لوگوں میں سے ہو جاؤ جن کے بارے میں ایک حدیث قدسی میں یہ ارشاد فرمایا گیا:۔

قسمت ! بصلاۃ بینی و بین عبدی نصفین نصفھا لی، و نصفھا لعبدی، ولعبدی ماسأل یقول العبد الحمد للہ رب العالمین فیقول اللہ عزوجل حمد نی عبدی و اثنی علیّ و ھو معنی قولہ سمع اللہ لمن حمدہ۔ الخ (مسلم۔ ابوہریرہؓ)

میں نے نماز اپنے اور بندے کے درمیان آدمی آدمی تقسیم کردی ہے، آدھی میرے لیے ہے، اور آدھی میرے بندے کے لیے ہے، اور بندہ کو وہ ملے گا جو وہ مانگے گا، بندہ کہتا ہے الحمد للہ رب العالمین اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ بندے نے میری حمد و ثنا کی، اور یہ سمع اللہ لمن حمدہ کے معنی ہیں الخ۔

اگر نماز میں اس کے علاوہ کوئی اور بات نہ ہوتی کہ خدا تعالیٰ نے اپنی عظمت اور جلالت کے باوجود تمہیں یاد کیا تو یہی کافی تھا۔ لیکن نماز پر اجر و ثواب کا وعدہ کرکے اس نے اپنے بندوں پر ایک عظیم احسان فرمایا۔

یہاں تک سورۂ فاتحہ کے معانی کی تفصیل عرض کی گئی ہے، سورہ فاتحہ کے ساتھ سورت بھی تلاوت کی جاتی ہے، چنانچہ جب کوئی سورت پڑھو تو اس کے معنی بھی سمجھنے کی کوشش کرو۔ اس کے اوامر، و نواہی سے، وعد و وعید سے، اور پند و نصائح سے غفلت مت کرو، انبیاء علیہم السلام کے واقعات پر غور کرو، اور اس کے احسانات کا ذکر کرو۔ ان میں سے ہر بات کا ایک حق ہے۔ مثلاً "وعدے کا حق رجاء ہے، وعید کا حق خوف ہے، امر و نہی کا حق یہ ہے کہ اس کی تعمیل پر عزم مصمم کیا جائے۔ نصیحت کا حق اس سے نصیحت حاصل کرنا ہے، احسان کا حق یہ ہے کہ اس پر شکر ادا کیا جائے۔ انبیاء کے واقعات کا حق یہ ہے کہ ان سے عبرت حاصل کی جائے۔ مقربین ہی ان حقوق کی صحیح معرفت رکھتے ہیں اور وہی لوگ یہ حقوق ادا کرتے ہیں۔ چنانچہ زرارہ ابن ابی اوفی نماز کے دوران اس آیت پر پہنچے:۔

فَاِذَا نُقِرَ فِى النَّاقُوْرِ (پ ۲۹، ر ۵، آیت ۸)

پھر جس وقت صور پھونکا جائے گا۔

تو بے ہوش ہو کر گر پڑے اور مر گئے' ابراہیم نخعیؒ جب یہ آیت سنتے:۔

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ (پ ۳۰' ر ۹' آیت ۱)

جب آسمان پھٹ جائے گا۔

تو اس قدر بیقرار و مضطرب ہوتے کہ پورا جسم لرزنے لگتا۔ عبداللہ ابن واقد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھا کہ اس طرح نماز پڑھ رہے ہیں جس طرح کوئی غمگین آدمی نماز پڑھتا ہے' بندۂ عاجز و مسکین کا حق بھی یہی ہے کہ اپنے آقا کی وعید پر اس کا دل سوختہ ہو جائے اس لیے کہ وہ گنہگار اور ذلیل و خوار بندہ ہے' اور اپنے قہار و جبار مالک کے سامنے سر بسجود ہے' قرأت کے معانی فہم کے درجات کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں' اور فہم کی بنیاد وفور علم اور صفاء قلب پر ہوتی ہے' یہ درجات اتنے زیادہ ہیں کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا' نماز دلوں کی کنجی ہے' جب آدمی نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے تو کلمات خداوندی کے اسرار و معانی خود بخود منکشف ہونے لگتے ہیں۔ یہ قرأت کے معانی کا حق ہے' یہی تسبیحات اور اذکار وادعیہ کا حق بھی ہے۔ تلاوت کا حق یہ ہے کہ اس میں حسنِ صورت ملحوظ رکھو ہیبت کے ساتھ تلاوت کرو' اور حروف صحیح طور پر ادا کرو' جلدی کی ضرورت نہیں ہے' کیونکہ آہستہ پڑھنے سے غور و فکر کرنے میں سہولت پیدا ہوتی ہے' رحمت' عذاب' وعدو وعید' اور تحمید و تمجید کی آیات کو ان کے مناسب لہجوں میں پڑھو' ابراہیم نخعیؒ جب اس طرح کی آیات تلاوت کرتے:۔

مَا اتَّخَذَ اللّٰہُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا کَانَ مَعَہٗ مِنْ اِلٰہٍ (پ ۱۸' ر ۵' آیت ۹۱)

اللہ نے کوئی بیٹا نہیں بنایا' اور نہ اس کے ساتھ کوئی معبود ہے۔

تو اس شخص کی طرح اپنی آواز پست کر لیتے تھے جو خدا کا ذکر ان اوصاف سے کرنے میں شرم محسوس کرے جو خدا تعالیٰ کے لائق نہیں ہیں۔ ایک روایت میں ہے:۔

یقال لقاری القرآن اقرأ وارق ورتل کما کنت ترتل فی الدنیا۔

(ابوداؤد' ترمذی' نسائی)

قرآن کے قاری سے (قیامت کے دن) کہا جائے گا کہ پڑھ اور ترقی کر' اچھی طرح پڑھ جس طرح تو دنیا میں اچھی طرح پڑھا کرتا تھا۔

تمام قرأت کے دوران کھڑا رہنے کا مطلب یہ ہے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضور کی صفت پر ایک ہی طرح قائم رہے۔ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

ان اللہ عز وجل یقبل علی المصلی مالم یلتفت (ابوداؤد' نسائی' حاکم' ابوذرؓ)

اللہ تعالیٰ نمازی پر اسی وقت تک متوجہ رہتا ہے جب تک کہ وہ ادھر ادھر متوجہ نہ ہو۔

جس طرح ادھر ادھر دیکھنے سے سر اور آنکھ کی حفاظت واجب ہے اسی طرح باطن کی حفاظت بھی واجب ہے' اگر نگاہیں ادھر ادھر ملتفت ہوں تو نماز پڑھنے والے کو یاد دلانا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ تیرے حال سے واقف ہے' مناجات کرنے والے کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنی مناجات کے دوران اس ذات پاک سے غفلت کرے جس سے وہ مناجات کر رہا ہے۔ اپنے دل میں خشوع پیدا کرو' اس لیے کہ ظاہر و باطن کے ادھر ادھر ملتفت ہونے سے نجات اس صورت میں ملے گی جب نماز پڑھنے والا خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھے گا۔ جب باطن میں خشوع ہو گا تو ظاہری اعضاء بھی خشوع کریں گے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز کے دوران اپنی داڑھی سے کھیل رہا ہے' آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا:۔

اما ھذا لو خشع قلبہ لخشعت جوارحہ (حکیم ترمذی)

اگر اس کا دل خشوع کرتا تو اس کے اعضاء بھی خشوع کرتے۔
داڑھی کی حیثیت رعایا کی ہے' اور رعایا کا حال وہی ہوتا ہے جو حاکم کا ہو' یہی وجہ ہے کہ دعا میں ارشاد فرمایا گیا:۔
اللّٰهم اصلح الراعی والرعیة (یہ حدیث نہیں ملی)
اے اللہ راعی اور رعایا دونوں کو نیک بنا۔

اس حدیث میں راعی سے مراد دل ہے' اور رعیت سے مراد اعضاء و جوارح ہیں' صحابہ کرام کی نمازیں بڑی پرسکون اور انتشار سے پاک ہوتی تھیں' چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ جب کھڑے ہوتے تو ایسا لگتا گویا میخ ٹھونک دی گئی ہو' ابن الزبیرؓ لکڑی کی طرح سیدھے کھڑے ہو جاتے' بعض اکابر رکوع میں اس طرح اپنی کمر سیدھی اور پرسکون رکھتے تھے کہ پرندے پتھر سمجھ کر بیٹھ جایا کرتے تھے لوگ دنیاوی بادشاہوں کے سامنے خشوع و خضوع اختیار کرتے ہیں اور باقتضائے طبیعت پرسکون رہتے ہیں' پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ جو لوگ شہنشاہِ حقیقی کی قوت و عظمت سے واقف ہوں ان پر یہ احوال نہ گذریں۔ جو شخص غیر اللہ کے سامنے خشوع و خضوع کے ساتھ کھڑا رہے' اور اللہ کے سامنے کھڑا ہو تو اس کے پاؤں مضطرب رہیں' ایسا شخص خدا تعالیٰ کی عظمت و جلالت کا اعتراف کرنے سے قاصر ہے اور وہ یہ بھی نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ میرے دل کی حرکات سے واقف ہیں۔

حضرت عکرمہؓ نے اس آیت کی تفسیر میں:۔
اَلَّذِیْ یَرَاکَ حِیْنَ تَقُوْمُ وَتَقَلُّبَکَ فِی السَّاجِدِیْنَ (پ۱۹' ر۱۵' آیت ۲۱۸-۲۱۹)
جو تجھ کو دیکھتا ہے جب تو کھڑا ہوتا ہے اور تیرا سجدہ کرنے والے کے درمیان پھرنا۔
فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیام' رکوع' سجدے اور جلسے کے وقت دیکھتا ہے۔

رکوع اور سجدے کے وقت اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور جلالت کی شان کی یاد کی تجدید کرنی چاہئیے' قیام سے فارغ ہونے کے بعد نئی نیت' اور اتباعِ سنّت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خدا تعالیٰ کے عذاب سے پناہ چاہتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ اٹھاؤ اور فروتنی و تواضع کے ساتھ رکوع کرو' اور خشوع اختیار کرو' اور ان تمام امور پر زبان سے مدد لو' یعنی یہ الفاظ کہو سبحان ربّی العظیم (پاک ہے میرا رب عظیم) اور اس کی عظمت کی گواہی دو۔ اس کلمے کو کئی بار کہو تاکہ تکرار سے اس کی عظمت کے معنی مؤکد ہو جائیں۔ پھر اپنا سر رکوع سے اٹھاؤ' اور یہ توقع کرو کہ وہ ارحم الراحمین ہے' سب کی دعائیں سنتا ہے' اپنی اس امید کو اس جملے سے مؤکد کرو' سمع اللّٰہ لمن حمدہٗ (اللہ اس کی سنتا ہے جو اس کی حمد و ثنا کرتا ہے) پھر اس پر حمد و شکر کے مزید الفاظ کہو' اس سے نعمت میں فراوانی ہوتی ہے' وہ الفاظ یہ ہیں: ربّنا لک الحمد۔ حمد کی کثرت کے اظہار کے لیے کہو ملأ السموات والارض (اے اللہ تیرے ہی لیے تمام تعریفیں ہیں آسمانوں اور زمین کے برابر)۔۔ رکوع کے بعد سجدے کے لیے جھکو' تواضع اور عجز و انکساری کا یہ اعلیٰ ترین درجہ ہے۔ سجدے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے چہرے کو جو اعضاء میں سب سے اعلیٰ و اشرف ہے' سب سے زیادہ ذلیل اور پست شئی زمین پر رکھا جائے۔ اگر تمہارے لیے یہ ممکن ہو سکے کہ تمہاری پیشانی اور زمین کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو تو خدا کے نزدیک یہ سجدہ زیادہ پسندیدہ و محبوب ہے کیونکہ اس میں تواضع زیادہ ہے اور انسان کے ذلیل و خوار ہونے کا اظہار اس طریقے سے زیادہ ہوتا ہے جب تم اپنی پیشانی زمین پر رکھ چکے تو اب تمہیں یہ سمجھ لینا چاہئیے کہ تمہارا وجود جس جگہ کا مستحق تھا تم نے اسے وہ جگہ دے دی' اور اسے اپنے اصل ٹھکانے پر پہنچا دیا۔ تمہاری پیدائش مٹی سے ہوئی ہے' اور مٹی ہی میں جاؤ گے۔ سجدے کے وقت اپنے دل میں اللہ کی عظمت و جلالت کی تجدید کرو' اور یہ الفاظ ادا کرو' سبحان ربّی الاعلیٰ (پاک ہے میرا رب اعلیٰ) اس معنی کو بھی تکرار کے ذریعہ مؤکد کرو' اس لیے کہ ایک مرتبہ کہنے سے قلب پر کچھ کم اثر ہوتا ہے' جب تمہارے دل میں رقت پیدا ہو جائے' اور تمہیں اس کا احساس بھی ہو جائے تو اس کا یقین کرو کہ تم پر اللہ کی رحمت ہوگی' اس لیے کہ اس کی رحمت تواضع اور فروتنی رکھنے والے بندوں ہی کی طرف سبقت کرتی ہے' تکبر اور غرور سے اللہ کی رحمت

کا کوئی تعلق نہیں ہے' اب اپنے سر کو اللہ اکبر کہتے ہوئے اٹھاؤ' اور اس طرح دست سوال دراز کرو رب اغفر وارحم و تجاوز عما تعلم (اے اللہ مغفرت کر' اور رحم کر' اور میرے ان گناہوں سے درگذر کر جو تو جانتا ہے۔) اس کے علاوہ بھی دعا کرسکتے ہیں۔ پھر اپنی تواضع کے مزید اظہار کے لیے دوبارہ سجدہ کرو' اور اس میں بھی ان معانی کی رعایت کرو جو ہم نے ابھی بیان کیے ہیں۔

جب تشہد کے لیے بیٹھو باادب بیٹھو' اور ماثور الفاظ کے ذریعہ اس کی وضاحت کرو کہ تقرّب کی جتنی بھی چیزیں ہیں خواہ وہ صلوات ہوں یا طیّبات یعنی اخلاق فاضلہ ہوں سب اللہ کے لیے ہیں' اسی طرح ملک بھی اللہ کا ہے' تشہد میں التحیات پڑھنے کا یہی منشاء ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کا اس طرح تصوّر کرو کہ گویا آپ سامنے تشریف فرما ہیں' اور یہ الفاظ کہو: اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ' اپنے دل میں یہ بھی آرزو کرو کہ میرا یہ سلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تک ضروری پہنچایا جائے' اور مجھے اس سے زیادہ مکمل جواب ملے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں سلام و رحمت کا ہدیہ پیش کرنے کے بعد اپنے آپ پر اور اللہ کے تمام نیک بندوں پر سلام بھیجو' اور یہ امید رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس سلام کے جواب میں اپنے نیک بندوں کے برابر سلام سے نوازے گا۔ تشہد کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیّت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت دو' اور شہادت کے دونوں کلموں کے اعادے سے اپنے ایمانی عہد کی تجدید کرو۔ نماز کے آخر میں پوری تواضع اور مکمل خشوع کے ساتھ ان دعاؤں میں سے کوئی دعا پڑھو' جو حدیث شریف میں وارد ہوئی ہیں۔ اپنی دعا میں اپنے ماں باپ اور تمام مؤمنین و مؤمنات کو شریک کرلو' سلام کے وقت یہ نیّت کرو کہ میں فرشتوں کو' اور حاضرین کو سلام کر رہا ہوں' سلام کے وقت نماز مکمل ہونے کی نیّت بھی کرو' اور دل میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہیں اس اطاعت کی توفیق بخشی' دل میں یہ بھی خیال رہنا چاہیے کہ ممکن ہے کہ یہ نماز تمہاری آخری نماز ہو' شاید پھر تمہیں اس کا موقع نہ ملے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ وصیت فرمائی تھی:

صل صلاة مودع[1]

رخصت کرنے والے کی نماز پڑھو۔

نماز سے فراغت کے بعد تمہارے دل میں نماز میں کوتاہی کا احساس بھی ہونا چاہیے۔ اور کوتاہی پر ندامت بھی ہونی چاہیے' اور اس کا خوف دل میں رہنا چاہیے کہ ممکن ہے کہ نماز قبول نہ ہو' اور کسی ظاہری یا باطنی گناہ کی بنا پر منھ پر نہ دے ماری جائے۔ ساتھ ہی یہ امید بھی رکھنی چاہیے کہ اللہ اپنے فضل و کرم کے طفیل میں اسے قبولیت عطا کرے گا۔ یحییٰ ابن وثاب نماز پڑھنے کے بعد کچھ دیر ٹھہرتے' اس وقت ان کے چہرے پر رنج و ملال کی کیفیّات نمایاں ہوتیں۔ ابراہیم نخعی نماز کے بعد ایک گھنٹہ مسجد میں رہا کرتے تھے' اس دوران ایسا محسوس ہوتا گویا بیمار ہیں۔ یہ حالت ان لوگوں کی ہوتی جو نماز میں خشوع کرتے ہیں' پابندی کے ساتھ تمام آداب و سنن ادا کرتے ہیں' جس قدر عبادت ان کے لیے ممکن ہوتی ہے کرتے ہیں' اور اللہ تعالیٰ سے مناجات میں مصروف ہوتے ہیں' چنانچہ لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنی نمازوں میں ان امور کی پابندی کریں جو ہم نے بیان کئے ہیں' جو کچھ ان امور میں سے میسّر ہو جائے اس پر خوش ہوں اور جو حاصل نہ ہو اس پر حسرت کریں' اور علاج کی تدبیر کریں۔ اگرچہ غافلوں کی نماز خطرے سے خالی نہیں' مگر اللہ کی رحمت وسیع تر اور کرم عام ہے۔ اے اللہ ہمیں اپنی رحمت میں ڈھانپ لے۔ اپنی مغفرت سے ہماری پردہ پوشی فرما' ہم اطاعت کے باب میں کوتاہ ہیں۔ ہمارے سامنے اپنی کوتاہی کے اعتراف کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ اے اللہ ہماری کوتاہی معاف فرما۔

نماز کے انوار اور علوم باطن: جو لوگ اپنی نمازوں کو آفات سے پاک رکھتے ہیں' انھیں صرف اللہ کے لیے پڑھتے ہیں' اور تمام باطنی شرائط یعنی خشوع' تعظیم اور حیاء وغیرہ کی رعایت کرتے ہیں' ان کے دل انوار سے معمور ہو جاتے ہیں۔ یہ انوار علوم

---

[1] پہلے باب میں یہ حدیث گذر چکی ہے۔

مکاشفہ کی کنجیاں ہیں' ان سے رازہائے سربستہ کھلتے ہیں۔ اولیاء اللہ آسمان اور زمین کے ملکوت' اور ربوبیت کے متعلق اسرار کا علم مکاشفہ سے حاصل کرتے ہیں' انھیں یہ مکاشفہ نماز میں خصوصاً سجدے میں ہوتا ہے' کیونکہ سجدہ ایک ایسا فعل ہے جس میں بندہ اپنے رب سے قریب تر ہوجاتا ہے' چنانچہ قرآن پاک میں ہے:۔

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ

سجدہ کر اور قرابت حاصل کر۔

ہر نمازی کو نماز میں اسی قدر مکاشفہ ہوتا ہے جس قدر وہ دنیا کی آلائش سے پاک و صاف ہو' چنانچہ نماز پڑھنے والوں کی باطنی کیفیات جدا جدا ہیں' اس اعتبار سے اسرار باطنی کا مکاشفہ بھی مختلف ہے۔ کہیں قوت ہے کہیں ضعف' کہیں قلت ہے کہیں کثرت' کہیں ظہور سے کہیں خفاء۔ حتی کہ بعض لوگوں کو کوئی چیز بعینہ منکشف ہوجاتی ہے' اور بعض اسے صورت مثالیہ کے آئینے میں دیکھتے ہیں۔ چنانچہ بعض لوگوں نے دنیا کو مردار کی صورت میں دیکھا ہے' اور یہ بھی دیکھا کہ کتے اسے کھا رہے ہیں اور دوسروں کو اس کی دعوت دے رہے ہیں۔ کبھی یہ اختلاف ان چیزوں کے اعتبار سے ہوتا ہے جو بزرگوں پر منکشف ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض بزرگوں پر اللہ تعالیٰ کی صفات منکشف ہوتی ہے' اور بعض پر اس کے افعال منکشف ہوتے ہیں' اس میں اہم ترین سبب ولی فکر ہے' عموماً اس فکر جس متعین چیز میں مصروف رہے وہی اس پر منکشف ہوگی۔ یہ امور سب پر منکشف ہوسکتے ہیں' بشرطیکہ دل کے آب گینے صاف اور روشن ہوں' زنگ خوردہ نہ ہوں۔ قدرت کی طرف سے ان کی معانی کے اظہار میں کسی قسم کا کوئی بخل نہیں ہوتا' جن لوگوں کے آئینے صاف شفاف ہوتے ہیں ان پر یہ امور منعکس ہوجاتے ہیں' اور جو آئینے زنگ خوردہ ہیں وہ عکس ہدایت قبول نہیں کرتے۔ اس لیے نہیں کہ منعم حقیقی کی طرف سے اس سلسلے میں کوئی بخل ہے۔ بلکہ اس لیے کہ محل ہدایت (دل و دماغ) پر میل کی تہیں جمی ہوئی ہیں۔ بعض لوگ علم مکاشفہ کا انکار کربیٹھے کیونکہ یہ انسانی فطرت ہے کہ جو چیز انھیں نظر نہ آئے اس کے وجود کی نفی کردیتے ہیں' اگر بچے کو بھی اللہ نے عقل و خرد سے نوازا ہوتا تو وہ بھی ہوا کے اندر انسان کے وجود کے امکان کی نفی کردیتا۔ اگر نو عمر لڑکے کو شعور ہوتا تو وہ زمین و آسمان کے ملکوت اور اسرار کا انکار کربیٹھتا' حالانکہ بہت سے لوگوں پر یہ اسرار منکشف ہوتے ہیں۔ یہی حال انسان کا ہے کہ وہ جس حال میں ہے اس سے ماوراء کسی حال کا تصور اس کے ذہن میں موجود نہیں ہے۔ حالانکہ اولیاء کے احوال ان کے ظاہری احوال سے مختلف بھی ہیں' ان کے احوال کے انکار کا مطلب یہ ہے کہ وہ ولایت کے حال کا منکر ہے' اور ولایت کا منکر نبوت کے حال کا منکر ہے۔ اس لیے یہ مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ جو درجہ اپنے درجے سے بعید ہو اس کا انکار کیا جائے' انکار وغیرہ کا یہ رجحان اس لیے ہے کہ لوگوں نے علم مکاشفہ کو بھی فن مجادلہ کے ذریعہ سمجھنے کی کوشش کی ہے ان سے یہ نہیں ہوسکا کہ وہ اپنے دل کو صاف کرتے' اور پھر اس فن کی جستجو کرتے۔ یہی لوگ اس علم سے محروم رہے' اور یہی محرومی انکار کا سبب بنی۔ حالانکہ ہونا یہ چاہیے کہ جو لوگ اہل مکاشفہ ہوں' وہ کم سے کم ان لوگوں میں سے تو ہوں جو مکاشفہ کا یقین کرتے ہیں' اور غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ ایک حدیث شریف میں ہے:۔

ان العبد اذا قام فی الصلاۃ رفع اللہ سبحانہ الحجاب بینہ و بین عبدہ وواجہہ بوجہ' وقامت الملائکۃ من لدن منکبیہ الی الھواء' یصلون بصلاتہ' ویومنون علی دعائہ وان المصلی لینشر علیہ البر من عنان السماء الی مفرق راسہ' و ینادی منادلو علم ھذا المناجی من یناجی ما التفت' وان ابواب السماء تفتح للمصلیین' وان اللہ عزوجل یباھی ملائکتہ بعبدہ المصلی۔ (یہ حدیث نہیں ملی)

بندہ جب نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو اللہ اپنے اور بندے کے درمیان سے حجاب اٹھا دیتا ہے' اور اپنا منہ اس کے منہ کے سامنے کردیتا ہے' اور ملائکہ اس کے دونوں شانوں سے ہوا میں کھڑے ہوتے ہیں' اس کے

ساتھ نماز پڑھتے ہیں' اور اس کی دعا پر آمین کہتے ہیں نماز پڑھنے والے پر آسمان سے اس کے سر تک نیکی برستی ہے' اور ایک پکارنے والا پکار کر کہتا ہے کہ اگر اس شخص کو معلوم ہوتا کہ وہ کس سے مناجات کر رہا ہے تو وہ کبھی ادھر ادھر نہ دیکھتا' اور یہ آسمان کے دروازے نمازیوں کے لیے کھول دیئے جاتے ہیں' اور اللہ تعالیٰ اپنے نمازی بندوں پر فرشتوں کے سامنے فخر کرتا ہے۔

اس حدیث میں آسمان کے کھلنے کا ذکر ہے' اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ نمازی کا اللہ تعالیٰ سے مواجہہ رہتا ہے۔ اس حدیث میں اسی کشف کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا ہے۔

توراۃ میں لکھا ہوا ہے کہ اے ابنِ آدم میرے سامنے رونے کی حالت میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے عاجز مت ہو' اس لیے کہ میں وہ اللہ ہوں جو تیرے دل سے قریب ہے' تو نے غیب سے میرا نور دیکھا ہے' راوی کہتا ہے کہ ہم یہ بات اچھی طرح سمجھتے تھے کہ جو رقّت' گریہ اور فتوح نمازی اپنے دل میں محسوس کرتا ہے وہ اللہ کے دل میں قریب تر ہونے کا نتیجہ اور ثمرہ ہے' اور یہ قربت مکانی یا جسمانی نہیں ہوتی' بلکہ اس سے مراد ہدایت' رحمت اور کشفِ حجاب کی قربت ہے۔ کہتے ہیں کہ بندہ جب دو رکعات نماز پڑھتا ہے' اس پر فرشتوں کی دس صفیں تعجب کرتی ہیں' ان میں سے ہر صف میں دس ہزار فرشتے ہوتے ہیں' اللہ تعالیٰ اس بندے کے بارے میں ایک لاکھ فرشتوں پر فخر کرتا ہے' اور یہ اس لیے کہ اس بندے کی نماز قیام' قعود' رکوع اور سجود کی جامع ہے' جب کہ اللہ تعالیٰ نے یہ چار ذمہ داریاں چالیس ہزار فرشتوں پر تقسیم کر رکھی ہیں' ان میں سے جو لوگ کھڑے ہونے والے ہیں وہ قیامت تک کھڑے رہیں گے۔ رکوع نہیں کریں گے سجدہ کرنے والے قیامت تک سجدے سے سر نہیں اٹھائیں گے۔ یہی حال بیٹھنے والے فرشتوں کا ہے۔ انسانوں کو فرشتوں پر ایک فضیلت یہ بھی حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو تقرّب کا جو درجہ عطا کیا ہے ابد تک ان کے لیے وہی درجہ رہے گا۔ نہ اس میں کمی ہوگی' اور نہ زیادتی ہوگی' لیکن انسان کے درجات میں اس کے اعمالِ صالحہ کے مطابق ترقی ہوتی رہتی ہے' چنانچہ فرشتوں کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

وَمَا مِنَّا اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ (پ ۲۳' ر ۹' آیت ۱۶۴)

اور نہیں ہے ہم میں کوئی مگر اس کا مقام معلوم ہے۔

ترقی درجات کا راستہ فرشتوں کے لیے مسدود ہے' ان میں ہر ایک کا وہی رتبہ ہے جس پر وہ موجود ہے' اور وہی عبادت ہے جس میں وہ مشغول ہے۔ نہ وہ کسی مرتبے پر فائز کیا جاتا ہے' اور نہ یہ ممکن ہے کہ اپنی متعینہ عبادت میں کوتاہی کرے' چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے:۔

لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا یَسْتَحْسِرُوْنَ' یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَلَا یَفْتُرُوْنَ۔ (پ ۱۷' ر ۲' آیت ۱۹-۲۰)

وہ اس کی عبادت سے عار نہیں کرتے اور نہ تھکتے ہیں بلکہ شب و روز اللہ کی تسبیح کرتے ہیں (کسی وقت) موقوف نہیں کرتے۔

انسان کے درجات کی ترقی کا راز نماز میں مضمر ہے' نماز ہی ترقی درجات کی کنجی ہے' چنانچہ قرآنِ پاک میں ہے:۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ۔ (پ ۱۸' ر ۱' آیت ۱)

بالتحقیق ان مسلمانوں نے (آخرت) میں فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں۔

اس میں ایمان کے بعد ایک اور وصف بیان کیا گیا ہے' یہ وصف نماز ہے جسے خشوع کے ساتھ متصف کیا گیا ہے' بعد میں مومنین کے کچھ اور اوصاف بیان کئے گئے ہیں' جن کا اختتام اس وصف پر ہوا ہے:۔

وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ۔ (پ ۱۸' ر ۱' آیت ۹)

اور جو اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں۔
پھر ان صفات کا ثمرہ بتلایا گیا:۔
أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (پ ۱۸' ر ۱' آیت ۱۰-۱۱)
ایسے ہی لوگ وارث ہونے والے ہیں جو فردوس کے وارث ہوں گے (اور) وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

پہلا ثمرہ فلاح ہے' اور آخری ثمرہ جنت الفردوس ہے' مجھے نہیں معلوم کہ ان ثمرات کے وہ لوگ بھی مستحق ہیں جو صرف زبان ہلاتے ہیں' اور جن کے دل پر غفلت کی تاریکی چھائی رہتی ہے۔ تارکین صلوٰۃ کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔
مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ۞ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ (پ ۲۹' ر ۱۶' آیت ۴۲-۴۳)
تم کو کس بات نے دوزخ میں داخل کیا؟ وہ کہیں گے ہم نماز میں نہیں پڑھا کرتے تھے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ وہی جنت الفردوس کے وارث ہیں جو نماز پڑھتے ہیں' وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نور کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور اس کے قرب کی نعمت پاتے ہیں' اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسے ہی لوگوں کے گروہ میں شامل فرمائے' اور ایسے لوگوں کے عذاب سے بچائے جن کی باتیں اچھی ہیں' اور اعمال برے ہیں' بیشک اللہ کریم ہے' منان ہے' قدیم الاحسان ہے۔
ذیل میں ہم نماز میں خشوع کرنے والوں کے کچھ واقعات بیان کرتے ہیں۔

خاشعین کے واقعات : جاننا چاہیے کہ خشوع ایمان کا ثمرہ اور اس یقین کا نتیجہ ہے جو اللہ کی عظمت و جلال سے حاصل ہوتا ہے' جسے خشوع کی دولت نصیب ہو جائے' وہ صرف نماز ہی میں خشوع نہیں کرتا۔ بلکہ نماز کے باہر بھی خشوع سے رہتا ہے' اپنی خلوت میں اور قضائے حاجت کے وقت بیت الخلاء میں خاشع رہتا ہے۔ کیونکہ خشوع کا موجب ان تین باتوں کا جاننا ہے۔ اول: یہ کہ اللہ تعالیٰ بندے کے تمام احوال سے باخبر ہے' دوم: یہ کہ اللہ تعالیٰ عظیم ہیں۔ سوم: یہ کہ بندہ عاجز و مسکین ہے' ان تین حقائق کے معرفت سے خشوع پیدا ہوتا ہے' یہ حقائق صرف نماز ہی کے ساتھ خاص نہیں ہیں بلکہ بندے کی تمام زندگی ان تین حقائق کا عملی نمونہ ہونی چاہیے' چنانچہ اکابر سے منقول ہے کہ انھوں نے چالیس سال تک آسمان کی طرف سر اٹھا کر نہیں دیکھا اس لیے کہ وہ صاحب حیاء تھے' خاشع تھے۔ ربیع ابن خیثمؒ آنکھوں کو ہمیشہ جھکائے رہتے تھے۔ نیچی نگاہ رکھنے کے اس قدر عادی تھے کہ بعض لوگ انھیں اندھا سمجھنے لگے تھے' چنانچہ آپ مسلسل بیس برس تک حضرت ابن مسعودؓ کے گھر حاضری دیتے رہے' آپ جب بھی دروازے پر دستک دیتے تھے تو حضرت ابن مسعودؓ کی باندی اطلاع کرتی کہ آپ کا اندھا دوست آیا ہے' حضرت ابن مسعودؓ یہ سن کر مسکراتے تھے' جب آپ گھر سے باہر تشریف لاتے' اور انھیں دروازے پر اسی طرح سر جھکائے کھڑا دیکھتے تو ارشاد فرماتے:۔
وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ۔
فروتنی کرنے والوں کو خوشخبری سناؤ۔

یہ بھی کہتے کہ اے ابن خیثم! واللہ! اگر تمھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے تو بہت خوش ہوتے' ایک روایت میں ہے کہ تمہیں پسند فرماتے۔ ایک مرتبہ ابن خیثمؒ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے ساتھ لوہاروں میں گئے' ان کی دکانوں پر بھٹیاں سلگ رہی تھیں۔ دیکھ کر چیخ پڑے' اور بے ہوش ہو کر گر پڑے حضرت ابن مسعودؓ ان کے پاس نماز کے وقت تک تشریف فرما رہے' لیکن انھیں ہوش نہ آیا۔ یہاں تک کہ مکمل ایک دن گذر گیا' اگلے روز اسی وقت ہوش میں آئے' پانچ نمازیں قضا ہو گئیں' ابن مسعودؓ نے فرمایا: واللہ! خوف اسے کہتے ہیں۔ ربیعؒ کہا کرتے تھے کہ میں نے کوئی نماز ایسی نہیں پڑھی جس میں اس کی علاوہ بھی کوئی فکر ہوا ہو میں نماز میں کیا کہہ رہا ہوں' اور مجھ سے کیا کہا جائے گا۔ عامر ابن عبداللہ بھی خاشعین میں سے تھے۔ چنانچہ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو کسی بھی چیز سے ان کے خشوع میں فرق نہ آتا' چاہے لڑکیاں دف بجا رہی ہوں' یا عورتیں باتیں کر رہی ہوں' نہ وہ

دف کی آواز سنتے' اور نہ عورتوں کی گفتگو سمجھتے۔ ایک روز کسی نے ان سے کہا کہ نماز میں تمہارا نفس تم سے کچھ کہتا ہے؟ فرمایا: ہاں! فقط ایک بات' اور وہ یہ کہ قیامت کے روز خدا کے سامنے کھڑا ہونا ہوگا' اور دو مکانوں میں سے ایک کی طرف واپسی ہوگی' عرض کیا گیا: ہم آخرت کے امور سے متعلق دریافت نہیں کر رہے ہیں' بلکہ ہم پوچھنا چاہتے ہیں کہ جو باتیں ہمارے دل میں گذرتی ہیں' آیا تمہارے دل میں بھی ان کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ فرمایا: اگر نیزے میرے جسم کے آرپار کردیئے جائیں تو مجھے یہ زیادہ محبوب ہے اس سے کہ نماز میں وہ امور معلوم کروں جو تم اپنے دلوں میں پاتے ہو' اس کے باوجود فرماتے: اگر پردہ اٹھالیا جائے تو میرا مقام یقین میں کچھ زیادہ نہیں ہے۔ مسلم ابن یسارؒ بھی ایسے ہی لوگوں میں سے تھے' سنا ہے کہ ایک مرتبہ مسجد کا ستون گر پڑا' انھیں پتہ بھی نہیں چلا۔ ایک بزرگ کا کوئی عضو سڑ گیا تھا' اطباء کا مشورہ یہ تھا کہ اس عضو کو کاٹ ڈالا جائے۔ مگر ان کے لیے یہ تکلیف ناقابلِ برداشت تھی' کسی نے کہا کہ نماز میں کچھ بھی ہو جائے انھیں اس کی خبر نہیں ہوتی' چنانچہ نماز کے دوران ان کا یہ عضو کاٹ ڈالا گیا۔ ایک بزرگ کا مقولہ ہے کہ نماز آخرت میں سے ہے' جب تم اس میں داخل ہوئے تو دنیا سے باہر گئے' ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا: کیا آپ نماز میں کسی چیز کو یاد کرتے ہیں؟ فرمایا: کیا کوئی چیز مجھے نماز سے زیادہ محبوب ہے کہ میں اسے یاد کروں؟ حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ آدمی کے فقیہ ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ نماز سے پہلے اپنی تمام ضروریات سے فارغ ہولے' تاکہ نماز میں اس کا دل ہر طرح کے تصورات اور خیالات سے آزاد ہو۔ بعض بزرگانِ دین وسوسوں کے خوف سے نماز میں تخفیف کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمار بن یاسرؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے نماز ادا کی' اور اس میں تخفیف اختیار کی' کسی نے عرض کیا: آپ نے بہت مختصر نماز پڑھی ہے؟ فرمایا: تم لوگ دیکھ رہے تھے کہ میں نے نماز کی حدود میں سے تو کوئی چیز کم نہیں کی؟ عرض کیا گیا! نہیں! فرمایا: میں نے شیطان کے سہو کی وجہ سے جلدی کی (یعنی ایسا نہ ہو کہ وہ مجھے سہو میں مبتلا کردے) اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:۔

ان العبد لیصلی الصلاة لا یکتب له نصفها' ولا ربعها' ولا ثلثها' ولا خمسها' ولا سدسها' ولا عشرها (احمد' ابوداؤد' نسائی)

کہ بندہ نماز پڑھتا ہے' اس کے لیے نماز نہ آدھی لکھی جاتی ہے' نہ تہائی' نہ چوتھائی' نہ اس کا پانچواں حصّہ' نہ چھٹا حصّہ' اور نہ دسواں حصّہ۔

حضرت عمار ابن یاسرؓ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ بندے کے نماز میں سے صرف اسی قدر لکھا جاتا ہے جس قدر وہ سمجھتا ہے۔ حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ وغیرہ صحابہ دوسروں سے زیادہ مختصر نماز پڑھا کرتے تھے' اور کہا کرتے تھے کہ اس تخفیف سے ہم شیطانی وسوسوں کو پیچھے چھوڑ دیتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے بر سر منبر ارشاد فرمایا کہ آدمی کے دونوں رخسار اسلام میں سفید ہو جاتے ہیں' (یعنی بوڑھا ہو جاتا ہے) اور اس کا حال یہ ہوتا کہ اس نے ایک نماز بھی اللہ کے لیے پوری نہیں پڑھی' لوگوں نے پوچھا: یہ کیسے؟ فرمایا: وہ نماز میں مکمل خشوع اور تواضع اختیار نہیں کرتا' اللہ تعالیٰ کی طرف اچھی طرح متوجہ نہیں ہوتا' اس لیے اس کی کوئی نماز پوری نہیں ہوتی۔ ابو العالیہؒ سے کسی نے حسب ذیل آیت کریمہ:۔

اَلَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ (پ ۳۰' ر ۳۲' آیت ۵)

جو لوگ اپنی نماز سے بے خبر ہیں۔

کے متعلق دریافت کیا۔ فرمایا: اس آیت میں وہ لوگ مراد ہیں جو نمازوں میں غفلت کرتے ہیں' اور یہ بھی نہیں جانتے کہ ہماری نماز کتنی رکعتوں پر ختم ہوگی' جفت عدد پر یا طاق پر۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو اوّل وقت میں نماز پڑھیں تو انھیں خوشی ہو' اور تاخیر سے نماز ادا کریں تو کوئی غم نہ ہو۔ یعنی وہ لوگ جو اوّل وقت نماز پڑھنے کو ثواب نہ سمجھیں' اور تاخیر سے نماز پڑھنے کو گناہ نہ سمجھیں۔

جاننا چاہیے کہ کبھی نماز کا ایک حصّہ (اجر و ثواب کے رجسٹر میں) لکھ لیا جاتا ہے' اور ایک حصّہ نہیں لکھا جاتا (گویا ناقص لکھی جاتی ہے) اگرچہ فقہاء یہی کہتے ہیں کہ نماز میں تجزّی نہیں ہے' یعنی اگر نماز صحیح ہوگی تو پوری صحیح ہوگی' اور فاسد ہوگی تو پوری فاسد ہوگی۔ لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ نماز میں تجزّی ہے۔ جیسا کہ ہم نے اس دعوے کی تشریح بھی کی ہے' روایات سے بھی یہ بات سمجھ میں آتی ہے' چنانچہ وہ روایت جس میں فرض نمازوں کے نقصان کا تدارک نوافل سے ہونا وارد ہے۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:۔

ان اول ما یحساب به العبد یوم القیامة من عمله صلاته' وفیه: فان انتقص من فرضه شیئا قال الرب عزوجل! انظروا هل لعبدی من تطوع فیکمل بها ما نقص من الفریضة (اصحاب سنن' حاکم۔ ابوہریرہؓ)

قیامت میں بندے کے جس عمل کا سب سے پہلے محاسبہ کیا جائے گا وہ نماز ہے (اس حدیث میں ہے) اگر اس کی فرض نمازوں میں کمی ہوتی تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے! دیکھو کیا میرے بندے کے پاس نوافل بھی ہیں' ان نوافل سے فرائض کی کمی پوری کی جائے گی۔

حضرت عیسیٰ السلام' اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ فرائض کے سبب سے بندہ مجھ سے نجات پا گیا' اور نوافل کی وجہ سے مجھ سے قریب ہوگیا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

قال اللہ تعالیٰ: لا ینجو منی عبدی الا باداء ما افترضته علیه (یہ حدیث مجھے نہیں ملی)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرا بندہ مجھ سے نجات نہیں پائے گا مگر اس وقت جب کہ وہ میرے فرائض ادا کرے۔

ایک طویل روایت میں ہے:۔

ان النبی صلی اللہ علیه وسلم صلی صلاة فترک من قرأتها آیة فلما التفت قال ماذا قرأت؟ فسکت القوم' فسال ابی ابن ابی کعب فقال: قرأت سورة کذا وترکت آیة کذا' فماندری انسخت ام رفعت' فقال: انت لها یا ابی' ثم اقبل علی الآخرین' فقال: ما بال اقوام یحضرون صلاتهم' ویتمون صفوفهم' ونبیهم بین ایدیهم' لا یدرون ما یتلی علیهم من کتاب ربهم' الا ان بنی اسرائیل کذا فعلوا' فاوحی اللہ عز وجل الی نبیهم ان قل لقومک تحضرونی ابدانکم وتعطونی السنتکم وتغیبون عنی بقلوبکم' باطل ما تذهبون الیه۔

(محمد ابن نصر' وابو منصور و یلمی۔ ابی ابن ابی کعبؓ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی' قرات میں آپ نے آیت چھوڑ دی' جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے دریافت کیا: میں نے نماز میں کیا پڑھا ہے؟ لوگ چپ رہے' آپ نے ابی ابن کعبؓ سے دریافت کیا' انھوں نے جواب دیا: یا رسول اللہ آپ نے فلاں صورت پڑھی اور اس کی فلاں آیت چھوڑ دی ہے' ہم نہیں جانتے تھے کہ وہ آیت منسوخ ہوگئی یا اٹھالی گئی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے ابی تو اس کے لیے ہے' پھر آپ دوسرے لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے' اور فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ اپنی نماز میں حاضر رہتے ہیں' صفیں مکمل رکھتے ہیں' ان کا پیغمبر ان کے سامنے ہوتا ہے لیکن ان کو اس کی خبر نہیں ہوتی کہ ان کے سامنے ان کے رب کی کتاب میں سے کیا تلاوت کیا گیا ہے' خبردار! بنی اسرائیل بھی

ایسا ہی کیا کرتے تھے' اللہ نے ان کے نبی کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی قوم سے کہدو کہ تم جسموں کے ساتھ میرے سامنے حاضر رہتے ہو' اپنے الفاظ مجھے دیتے ہو' اور اپنے دلوں سے غائب رہتے ہو' جس بات کی طرف تم مائل ہو وہ باطل ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کی قرات کا سننا اور سمجھنا مقتدی کے حق میں سورت پڑھنے کے قائم مقام ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ بندہ سجدہ کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اس سجدے سے مجھے اللہ کا قرب نصیب ہوگا' حالانکہ اس سجدے کے دوران اس سے جو گناہ سرزد ہوتے ہیں اگر وہ تمام گناہ شہر کے لوگوں پر تقسیم کردیئے جائیں تو تمام لوگ ہلاک ہوجائیں۔ لوگوں نے عرض کیا: یہ کیسے؟ فرمایا: اس کا جسم سجدہ کرتا ہے اور اس کا دل نفسانی خواہشات کی طرف مائل رہتا ہے' اور اس باطل کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے جو اس پر چھایا رہتا ہے۔

گزشتہ صفحات میں خاشعین کی حکایات اور اقوال بیان کئے گئے ہیں' ان سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں اصل خشوع اور حضورِ قلب ہے' غفلت کے ساتھ جسم کو حرکت دینا قیامت میں زیادہ سود مند ثابت نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے لطف و کرم کی برکت سے خشوع اور حضورِ قلب کی توفیق عطا فرمائے۔

چوتھا باب

امامت

جاننا چاہیے کہ نماز میں امام پر کچھ فرائض ہیں' ان میں سے کچھ فرائض نماز سے پہلے ہیں' کچھ ارکان نماز میں ہیں' کچھ قرأت میں ہیں' اور کچھ سلام کے بعد ہیں۔

نماز سے پہلے امام کے فرائض : نماز سے پہلے امام پر چھ امور واجب ہیں۔

اوّل : یہ کہ ان لوگوں کی امامت نہ کرے جو اسے ناپسند کریں' اگر ان میں سے بعض لوگ پسند کریں' اور بعض ناپسند کریں تو اکثریت کا اعتبار ہوگا' لیکن اگر متدین اور نیک لوگ' اقلیت میں ہوں' اور وہ اس کی امامت پسند نہ کریں تو ان کی رائے کا بھی اعتبار کیا جائے گا۔ اس وقت اکثریت کی شرط باقی نہیں رہے گی۔ چنانچہ حدیث میں ہے:۔

ثلاثة لا تجاوز صلاتهم رء وسهم العبد الابق' وامراة زوجها ساخط عليها' وامام ام قوما وهم له كارهون۔ (ترمذی۔ ابوامامہؓ)

تین لوگوں کی نماز ان کے سروں سے آگے نہیں بڑھتی' ایک بھگوڑا غلام' دوسری وہ عورت جس پر اس کا شوہر ناراض ہو' تیسرا وہ امام جو لوگوں کی امامت کرے اس حال میں کہ وہ اسے ناپسند کریں۔

جس طرح قوم کی ناپسندیدگی کی حالت میں از خود امامت کے لیے آگے آنا منع ہے' اسی طرح اس صورت میں بھی منع ہے جب مقتدیوں میں کوئی اس سے زیادہ فقیہ شخص موجود ہو' البتہ اگر وہ امامت نہ کرے تو آگے بڑھنا جائز ہے' اگر ان امور (قوم کی کراہت' فقیہ شخص کی موجودگی) میں سے کوئی امر مانع نہ ہو تو جب لوگ آگے بڑھنے کے لیے کہیں بڑھ جائے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ شرط بھی ہے کہ وہ امامت کی شرائط سے واقف ہو' اس صورت میں امامت کو ایک دوسرے پر ٹالنا مکروہ ہے' کہا جاتا ہے کہ تکبیر کے بعد کچھ لوگوں نے امامت کو ٹالا تو وہ زمین میں دھنسا دیئے گئے' صحابہ کے بارے میں یہ منقول ہے کہ وہ امامت کی ذمہ داری سے گریز کرتے تھے' اور ایک دوسرے پر ڈالنے کی کوشش کرتے تھے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ان میں ایثار کا جذبہ زیادہ تھا۔ اور وہ اس شخص کو ترجیح دیتے تھے جو امامت کا زیادہ اہل ہوتا تھا' یہ بھی ممکن ہے کہ انھیں نماز میں سہو کا اندیشہ رہتا ہو' یا وہ مقتدیوں کی نماز کے تاوان سے ڈرتے ہوں۔ اس لیے کہ ائمہ مقتدیوں کے ضامن (کفیل) ہوتے ہیں۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بعض صحابہ امامت کے عادی نہیں تھے۔ اس صورت میں ان کا قلب مشغول ہو جاتا تھا' اور اخلاص باقی نہیں رہتا تھا۔ خاص طور پر جہری نمازوں میں۔ غرض یہ کہ امامت سے صحابہ کا گریز ان چند اسباب کی وجہ سے تھا جو ابھی بیان کیے گئے۔

دوم : یہ کہ اگر کسی شخص کو امامت کرنے اور اذان دینے میں اختیار دیا جائے تو اسے امامت اختیار کرلینی چاہیے' اگرچہ فضیلت امام اور مؤذن دونوں کو حاصل ہے' لیکن ان دونوں ذمہ داریوں کا ایک شخص میں بیک وقت جمع کرنا مکروہ ہے' (۱) اس لیے اگر کسی وقت امامت اور اذان میں اختیار دیا جائے' تو امامت کو ترجیح دینی چاہیے۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اذان افضل ہے' اذان کے فضائل ہم اسی کتاب کی ابتداء میں بیان کرچکے ہیں۔ ایک وجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی ہے:۔

---

(۱) احناف کے یہاں بلا کراہت جائز ہے' بلکہ اسے افضل قرار دیا گیا ہے' چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں اذان دی' اقامت کہی' اور ظہر کی نماز پڑھائی۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار باب الاذان ج ۱ ص ۳۷۲) مترجم)

الامام ضامن والمؤذن موتمن (ابوداؤد' ترمذی۔ ابوہریرہؓ)

امام ضامن ہے' اور اذان دینے والا امانت دار ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امامت میں ضمانت کا خطرہ ہے۔ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:۔

الامام امین فاذا رکع فارکعوا واذا سجد فاسجدوا (مسند حمیدی۔ ابوہریرہؓ)

امام امانت دار ہے جب وہ رکوع کرے رکوع کرو اور جب وہ سجدہ کرے سجدہ کرو۔

ایک حدیث میں ہے:۔

فان اتم فلہ ولھم وان نقص فعلیہ ولا علیھم

(بخاری۔ ابوہریرہؓ' ابوداؤد' ابن ماجہ' حاکم۔ عقبہ ابن عامرؓ)

اگر وہ نماز مکمل کرے گا تو اس کا ثواب اسے بھی ملے گا اور مقتدیوں کو بھی ملے گا' اور اگر کمی کرے گا تو وبال اسی پر رہے گا مقتدیوں پر نہیں ہوگا۔

اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:۔

اللھم ارشد الائمۃ واغفر للمؤذنین (ابوداؤد' ترمذی۔ ابوہریرہؓ)

اے اللہ ائمہ کو راہِ راست دکھا اور مؤذنین کی مغفرت فرما۔

یہاں یہ شبہ نہیں کرنا چاہیے کہ ائمہ کے لیے رشد کی دعا کی' اور مؤذنین کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی۔ اس لیے کہ رشد کی طلب بھی مغفرت ہی کے لیے ہوتی ہے' ایک حدیث میں ہے:۔

من ام فی مسجد سبع سنین وجبت لہ الجنۃ بلا حساب' ومن اذن اربعین عاما دخل الجنۃ بغیر حساب (ترمذی۔ ابن عباسؓ)

جو شخص کسی مسجد میں سات برس تک امامت کرے اس کے لیے بغیر حساب کے جنت واجب ہے' اور جو شخص چالیس برس تک اذان دے وہ بغیر حساب کے جنت میں جائے گا۔

صحیح بات یہ ہے کہ امامت افضل ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم' اور آپ کے خلفاء میں سے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے امامت پر مداومت فرمائی ہے' یہ صحیح ہے کہ اس میں ضمان کا خطرہ ہے' لیکن فضیلت بھی خطرے ہی کے ساتھ حاصل ہوتی ہے' جیسا کہ امیر' اور خلیفہ کا منصب افضل ترین منصب ہے' اس منصب کی فضیلت کا اندازہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی سے لگایا جاسکتا ہے:۔

لیوم من سلطان عادل افضل من عبادۃ سبعین سنۃ (طبرانی۔ ابن عباسؓ)

عادل بادشاہ کا ایک دن ستّر سال کی عبادت سے افضل ہے۔

لیکن یہ منصب خطرے سے خالی نہیں ہے۔ امامت کی فضیلت کی وجہ سے یہ بھی ضروری قرار دیا گیا کہ اس منصب کے لیے افضل اور اہل وہ شخص ہے جو افقہ (فقہ میں زیادہ ادراک رکھنے والا) ہو۔ (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

ائمتکم شفعائکم او قال وفدکم الی اللہ تعالیٰ فان اردتم ان تزکوا صلاتکم فقدموا خیارکم۔ (دار قطنی' بیہقی۔ ابن عمرؓ)

تمہارے امام تمہارے سفارشی ہیں یا یوں کہا کہ وہ تمہاری طرف سے خدا کے پاس جانے والے ہیں' پس

---

(۱) یعنی نماز کے احکام سے زیادہ واقف ہو عند الاحناف۔ (الدر المختار علی ہامش رد المختار باب الامامۃ ج ۱' ص ۵۲۰) مترجم)

اگر تم چاہو کہ تمہاری نماز صاف ستھری رہے تو اس شخص کو آگے بڑھایا کرو جو تم میں سب سے زیادہ بہتر ہے۔
بعض اکابرِ سلف کا قول ہے کہ انبیاء کے بعد علماء سے افضل کوئی نہیں ہے۔ اور علماء کے بعد نماز پڑھانے والے ائمہ سے افضل کوئی نہیں ہے۔ یہ تینوں فریق اللہ تعالیٰ اور بندگانِ خدا کے درمیان واسطہ ہیں' انبیاء اپنی نبوّت کی وجہ سے' علماء اپنے علم کی وجہ سے ائمہ دین کے رکن یعنی نماز کی وجہ سے۔ یہی وجہ تھی جس کی بنیاد پر حضرت ابوبکرؓ کی خلافت پر صحابہ اکرامؓ متفق ہوئے' چنانچہ بعض حضرات نے کہا کہ جس شخص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے دین یعنی نماز کے لیے پسند کیا اسی کو ہم نے اپنی دنیا (خلافت) کے لیے پسند کیا (بخاری و مسلم۔ عائشہؓ ابو موسیٰؓ) حضرات صحابہؓ نے حضرت بلالؓ کو منصب خلافت کے لیے پسند نہیں کیا' حالانکہ انھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کے لیے پسند فرمایا تھا۔ جیسا کہ روایت سے ثابت ہے۔ (ابوداؤد' ترمذی۔ عبداللہ ابن زیدؓ)۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کی نظروں میں امامت کو فضیلت حاصل تھی۔ اذان دینے کی اتنی فضیلت نہ تھی' البتہ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:۔

انه قال له (صلی اللہ علیہ وسلم) رجل: یا رسول اللہ! دلنی علی عمل ادخل به الجنة' قال: کن مؤذنا' قال: لا استطیع' قال: کن اماما' قال! لا استطیع' قال: صل باز اء الامام۔ (بخاری فی التاریخ' طبرانی۔ ابن عباسؓ)

کہ کسی شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ مجھے کوئی ایسا عمل بتلایئے جس سے میں جنت میں داخل ہو جاؤں' آپ نے فرمایا: مؤذن بن جاؤ! اس نے عرض کیا میرے بس سے باہر ہے۔ فرمایا! امام ہو جاؤ! عرض کیا یہ بھی میرے بس سے باہر ہے' فرمایا! امام کے پیچھے نماز پڑھا کرو۔

اس روایت میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال ہوا کہ یہ شخص امامت پر راضی نہیں ہوگا' کیونکہ اذان تو اس کے اختیار میں ہے' لیکن امامت کا تعلق جماعت سے ہے' اس لیے موذن بن جانے کے لیے کہا' پھر خیال ہوا کہ شاید امامت پر بھی قادر ہو جائے' اس لیے بعد میں اس کا ذکر بھی کر دیا۔

سوم : یہ کہ امام نماز کے اوقات کی رعایت کرے' اور اوّل وقت نماز پڑھائے تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہو۔ کیونکہ اوّل وقت کو آخر وقت پر ایسی فضیلت حاصل ہے جیسی آخرت کو دنیا پر فضیلت ہے[1] ایک حدیث ہے:۔

ان العبد لیصلی الصلاة فی آخر وقتها ولم تفته' ولما فاته من اول وقتها خیر له من الدنیا ومافیها۔ (دار قطنی۔ ابو ہریرہؓ)

بندہ نماز اس کے آخر وقت میں پڑھتا ہے' یہ نماز اس سے فوت نہیں ہوئی لیکن اوّل وقت میں نماز نہ پڑھنے سے جو فضیلت فوت ہوتی ہے وہ دنیا مافیہا سے بہتر ہے۔

تکثیرِ جماعت کے خیال سے بھی نماز میں تاخیر نہ کرنی چاہیے' بلکہ اوّل وقت کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے سبقت کرنی چاہیے' تکثیر جماعت کے انتظار میں بیٹھے رہنے کے بجائے بہتر صورت یہ ہے کہ نماز میں طویل سورت شروع کر دی جائے۔ کہتے ہیں کہ اکابرِ سلف دو آدمیوں کے بعد جماعت کے لیے کسی تیسرے آدمی کا انتظار نہیں کرتے تھے۔ جنازے کی نماز میں جب چار جمع ہو جاتے تھے تو پانچویں شخص کا انتظار نہیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ سفر میں آپ طہارت کے لیے تشریف لے گئے' واپسی میں دیر ہو گئی تو صحابہ کرام نے آپ کا انتظار نہیں کیا' بلکہ عبدالرحمٰن ابن عوفؓ کو امام بنا کر نماز شروع کر دی' آپ کی ایک رکعت فوت ہو گئی' جو بعد میں آپ نے کھڑے ہو کر پڑھی' روای کہتے ہیں:۔ فاشفقنا من ذلک' فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: قد احسنتم هکذا

---

(۱) حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔ فضل اول الوقت علی آخره کفضل الاخرة علی الدنیا (دیلمی۔ ابن عمرؓ)

فافعلوا۔ (بخاری و مسلم۔ مغیرہؓ)

کہ ہمیں اس بات سے ڈر لگا' (نماز کے بعد) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم نے اچھا کیا اسی طرح کیا کرو۔

ایک مرتبہ ظہر کی نماز میں آپ کو دیر ہوگئی' لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کو آگے بڑھا دیا' اسی اثناء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے' سب لوگ نماز میں تھے آپ حضرت ابوبکرؓ کے برابر آکر کھڑے ہوگئے۔(بخاری و مسلم۔ سہل ابن سعدؓ)۔ امام کے لیے مؤذن کا انتظار کرنا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ تکبیر کہنے کے لیے مؤذن کو امام کا انتظار کرنا چاہیے۔ جب امام آجائے تو پھر کسی کا انتظار نہیں ہے۔

چہارم : یہ کہ امامت اخلاص کے ساتھ ادا کرے' طہارت اور نماز کی تمام شرائط میں اللہ تعالیٰ کی امانت صحیح طور پر ادا کرے' اخلاص کی صورت یہ ہے کہ امامت پر کوئی معاوضہ نہ لے' چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان ابن ابی العاص ثقفیؓ کو حکم دیا کہ:۔

اتخذمؤذنا لا یاخذ علی الاذان اجرۃ (اصحاب سنن' حاکم۔ عثمان ابن ابی العاصؓ)

ایسا مؤذن متعین کرو جو اذان پر معاوضہ نہ لے۔

اذان نماز کا ایک ذریعہ ہے' اصل نماز نہیں ہے۔ جب اذان کے سلسلے میں یہ حکم ہے تو نماز کے سلسلے میں یہ حکم بطریق اولیٰ ہوگا۔ البتہ اگر امام نے مسجد کی آمدنی سے اپنا رزق لیا جو اس کے لیے وقف تھی' یا بادشاہ کے یہاں سے روزینہ مقرر تھا' یا کسی شخص کے یہاں سے کوئی رقم متعین ہوئی تو یہ حرام نہیں ہے' لیکن مکروہ ضرور ہے' فرائض کی نماز پر اُجرت لینے سے زیادہ مکروہ ہے' (۱) اگر معاوضہ لینا ضروری ہو تو پنج وقتہ نمازوں پر اُجرت لینے کے بجائے مسجد میں اپنی دائمی حاضری اور مسجد کے سامان کی نگرانی کے عنوان پر لے لے' نفسِ نماز پر نہ لے۔ امامت کا مطلب یہ ہے کہ اس کا باطن فسق' کبیرہ گناہ' اور صغیرہ گناہ پر اصرار سے پاک ہو' جو شخص امامت کے منصب پر فائز ہو اسے ان امور سے حتی الامکان بچنا چاہیے' کیونکہ وہ قیامت کے دن لوگوں کا شفیع ہے' اور ان کا ترجمان ہے' اس لیے اسے اپنے مقتدیوں سے بہتر ہونے کی ضرورت ہے' یہ امانت باطنی طہارت کے سلسلے میں ہے' ظاہری طہارت کا حال بھی یہی ہے کہ وہ بے وضو نہ ہو' اسے غسل کی ضرورت نہ ہو' یہ وہ امور ہیں جن سے اس کے علاوہ کوئی دوسرا شخص واقف نہیں ہوتا۔ چنانچہ اگر نماز کے دوران وضو ٹوٹ جائے' یا یہ یاد آجائے کہ وضو نہیں کیا تھا تو شرم کرنے کی ضرورت نہیں ہے' بلکہ جو شخص اس کے پاس کھڑا ہو اسے اپنے قائم مقام بنا کر وضو کے لیے چلا جائے' چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے دوران یہ یاد آیا کہ میں ناپاک ہوں تو آپ نے ایک شخص کو قائم مقام بنادیا اور غسل کرنے کے بعد نماز میں شامل ہوئے (ابوداؤد۔ ابی بکرہؓ)۔ سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھ لو' مگر پانچ شخصوں کے پیچھے نماز نہ پڑھو' ایک وہ جو ہمیشہ شراب پیتا ہو' دوسرا فاسق معلن' تیسرا وہ شخص جو ماں باپ کا نافرمان ہو' چوتھا بدعتی' پانچواں بھاگا ہوا غلام۔

پنجم : یہ کہ اس وقت تک نیت نہ باندھے جب تک مقتدی اپنی صفیں درست نہ کرلیں' مصلی پر کھڑے ہونے کے بعد امام کو چاہیے کہ وہ اپنے دائیں اور بائیں دیکھے' اگر صفوں میں انتشار ہو تو برابر کرنے کے لیے کہے' اکابر سلف کا معمول تھا کہ وہ شانوں کو شانوں کے برابر' اور ٹخنوں کو ٹخنوں کے مساوی رکھتے تھے' مؤذن کے تکبیر کہنے کے بعد اللہ اکبر کہے' مؤذن اذان کے بعد اتنا توقف کرے کہ لوگ سہولت سے نماز کی تیاری کرسکیں۔ اس کے بعد تکبیر کہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ مؤذن اذان اور نماز کے درمیان اتنا

(۱) احناف کے یہاں امامت پر معاوضہ لینا بلا کراہت جائز ہے' چنانچہ درمختار میں ہے: ویفتی الیوم بصحتہا لتعلیم القرآن والامامۃ والاذان۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار باب طلب فی الاستیجار علی الطاعات)۔

ٹھہرے کہ کھانے والا اپنے کھانے سے، اور قضائے حاجت کرنے والا اپنی ضرورت سے فارغ ہو جائے۔ (ترمذی حاکم۔ جابرؓ) اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پاخانے پیشاب کے دباؤ کی حالت میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ (مسلم۔ عائشہؓ) اسی طرح آپ نے یہ حکم بھی دیا ہے کہ عشاء کی نماز سے پہلے کھانا کھالو۔ (بخاری و م۔ ابن عمرؓ و عائشہؓ)

ششم : یہ کہ تکبیر تحریمہ، اور دیگر تکبیریں بلند آواز سے کہے، مقتدی اپنی آواز اتنی نکالیں کہ خود سن لیں۔ امامت کی نیّت بھی کرے تاکہ ثواب ملے، اگر امامت کی نیت نہ کی، اور لوگوں نے اس کی اقتدا کرلی تو امام اور مقتدی دونوں کی نماز صحیح ہوگی، مقتدیوں کو جماعت کا ثواب بھی ملے گا۔ مگر امام کو امامت کا ثواب نہیں ملے گا۔

قرأت کے دوران امام کی ذمہ داریاں : قرأت میں امام حسب ذیل تین امور ملحوظ رکھے۔

اوّل : یہ کہ دعا اور تعوّذ میں اخفا کرے یعنی تنہا نماز پڑھنے والے کی طرح آہستہ پڑھے، سورۂ فاتحہ اور کوئی دوسری سورت فجر کی دونوں رکعتوں میں، اور مغرب و عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں آواز سے پڑھے، جہری نماز میں امام آمین آواز سے کہے، اسی طرح مقتدی بھی کہیں۔ اور اپنی آمین امام کی آمین کے ساتھ ساتھ کہیں، اس کے بعد نہ کہیں، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آواز سے پڑھے، اس باب میں دونوں طرح کی روایات ہیں۔ (۱) لیکن امام شافعیؒ نے جہر کی روایت اختیار فرمائی ہے۔ (۲)

دوم : یہ کہ قیام کی حالت میں امام تین سکتے کرے، سمرہ ابن جندبؓ اور عمران ابن حصینؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ (۲)

پہلا سکتہ : اللہ اکبر کہنے کے بعد، یہ سکتہ بڑا ہونا چاہیے تاکہ مقتدی اس میں فاتحہ پڑھ سکیں۔ (۳) سکتہ اس وقت ہونا چاہیے جب ابتدائے نماز کی دعا کا وقت ہو، اگر سکتہ نہیں کرے گا تو مقتدی قرآن پاک نہیں سن سکیں گے اور اس طرح جو نقصان ان کی نماز میں واقع ہوگا اس کی ذمہ داری امام پر ہوگی، ہاں اگر وہ سکتہ کرے اور مقتدی فاتحہ پڑھنے کے بجائے کسی دوسری چیز میں مشغول ہو جائیں تو یہ قصور ان کا ہوگا۔ امام پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی۔

دوسرا سکتہ : سورۂ فاتحہ سے فارغ ہونے کے بعد کرے تاکہ مقتدی اپنی فاتحہ اس سکتے میں مکمل کرلیں۔ اگر ان سے مکمل یا کچھ حصّہ پہلے سکتے میں فوت ہوگیا ہو۔ یہ سکتہ پہلے سکتہ سے آدھا ہونا چاہیے۔

---

(۱) جہر کی روایت ابن عباسؓ کی ہے، جس کی تخریج دار قطنی اور حاکم نے کی، اخفا کی روایت انسؓ کی ہے، جس کی مسلم نے تخریج کی ہے۔ (۲) بسم اللہ کے جہر کے سلسلے میں احناف کا مسلک پہلے بیان کیا جاچکا ہے۔ (مترجم) (۲) جمہور علماء امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ اور امام احمد ابن حنبلؒ وغیرہ کی رائے میں امام کو قرأت کے دوران اس لیے سکوت اختیار نہ کرنا چاہیے کہ مقتدی سورۂ فاتحہ پڑھ لے، ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح کا سکوت منقول نہیں ہے، البتہ تکبیر تحریمہ کے بعد معمولی سا سکوت آپ سے منقول ہے۔ اس سکوت کے امام ابو حنیفہؒ بھی قائل ہیں۔ یہ روایات میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو جگہ سکتہ فرمایا، ایک قرأت کے شروع میں اور ایک قرأت کے بعد، لیکن یہ دو سکتے دراصل فصل کے لیے تھے، اور اس قدر مختصر ہوتے تھے کہ ان میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کی گنجائش ہی نہیں ہوتی تھی۔ اس لیے مقتدی کو چاہیے کہ وہ قرأت کے دوران اگر امام کچھ توقف کرے تو وہ اس وقفے میں سورت یا الحمد شریف نہ پڑھے بلکہ خاموش کھڑا رہے (فتح الملہم شرح مسلم ج ۲ ص ۲۷) مترجم) (۳) امام کے پیچھے جہری یا سری نمازوں میں فاتحہ یا سورت پڑھنے کے متعلق احناف کے مذہب کی تفصیل کتاب الصلوٰۃ کے آغاز میں بیان کی جاچکی ہے۔ مترجم (۴) یہ مسئلہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے مترجم (۵) یہ مسئلہ بھی گذر چکا ہے۔

تیسرا سکتہ : سورت پڑھنے کے بعد رکوع سے پہلے کرے 'یہ بہت ہی مختصر سکتہ ہے' اس سکتے کی مقدار اتنی ہونی چاہیے کہ قرات رکوع کی تکبیر سے علیحدہ ہو جائے' قرأت کو تکبیر کے ساتھ لانے سے منع کیا گیا ہے۔ مقتدی امام کے پیچھے صرف سورۂ فاتحہ پڑھے۔ اگر امام سکتہ نہ کرے تو مقتدی اس کے ساتھ ساتھ پڑھتا جائے۔ اس میں امام کا قصور ہے کہ اس نے مقتدی کو مہلت نہیں دی۔ اگر جہری نماز میں مقتدی امام سے اتنے فاصلے پر ہو کہ امام کی آواز نہ سن رہا ہو یا ایسی نماز ہو جس میں قرأت آہستہ پڑھی جائے تو مقتدی سورت بھی پڑھ سکتا ہے۔

سوم : یہ کہ فجر کی نماز میں مثانی میں سے دو سورتیں پڑھے' جن میں سو سے کم آیات ہوں' کیونکہ فجر کی نماز میں قرأت لمبی کرنا' اور نماز اندھیرے میں پڑھنا مسنون ہے۔ (۱) اگر پڑھتے پڑھتے خوب اُجالا پھیل جائے تو کوئی حرج نہیں ہے' کیونکہ سورتوں کی آخری آیات عموماً لوگوں کے کانوں میں نہیں پڑتیں۔ اس لیے وعظ کی رو سے ان کی تلاوت کرنا مفید اور غور و فکر کا باعث ہوگا۔ بعض علماء نے سورت کے ایک حصّے کے پڑھنے کی کراہت بیان کی ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کسی سورت کا ابتدائی حصّہ پڑھ کر چھوڑ دیا جائے۔ حالانکہ یہ صورت بھی حدیث میں مذکورہ ہے۔ (۲) کہ آپ نے سورۂ یونس کی چند آیات تلاوت کیں' اور جب موسیٰ اور فرعون کا ذکر آیا تو رکوع میں چلے گئے۔ (مسلم۔ عبداللہ ابن السائب۔) ایک روایت میں ہے کہ آپ نے صبح کی نماز میں سورۂ بقرہ کی ایک آیت قُولُوٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا سے ایک رکعت اور رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ سے دوسری رکعت میں قرأت کی۔ (مسلم۔ ابن عباس) ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال کو سنا کہ کہیں کہیں سے پڑھ رہے ہیں' آپ نے ان سے اس کی وجہ دریافت کی' جواب دیا میں بہترین مضمون کو بہترین مضمون سے ملا رہا ہوں۔ اس پر آپ نے ان کی تحسین فرمائی۔ (۳)

ظہر کی نماز میں طوالِ مفصّل (تیس آیات تک) عصر میں طوالِ مفصّل کا نصف' مغرب میں مفصّل کی آخری آیات یا آخری سورتیں پڑھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت سے پہلے مغرب کی آخری نماز میں سورۂ مرسلات تلاوت فرمائی تھی۔ اس کے بعد آپ نے نماز نہیں پڑھائی۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ نماز میں مختصر قرات کرنا افضل ہے' خاص طور پر اس صورت میں جب کہ جماعت میں زیادہ لوگ ہوں' اس سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی یہ ہے:۔

اذا صلی احدکم بالناس فلیخفف فان فیھم الضعیف والکبیر وذا الحاجۃ و اذا صلی لنفسہ فلیطول ماشاء (بخاری و مسلم۔ ابو ہریرۃ)

جب تم میں سے کوئی نماز پڑھائے تو ہلکی پڑھائے اس لیے کہ ان میں کمزور بھی ہیں' بوڑھے بھی ہیں اور ضرورتمند بھی ہیں' اور جب خود نماز پڑھے تو جس قدر چاہے طویل کرے۔

حضرت معاذ ابن جبلؓ ایک قبیلے میں عشاء کی نماز پڑھایا کرتے تھے' ایک مرتبہ آپ نے سورۂ بقرہ کی تلاوت شروع کردی' ایک شخص نے نماز سے نکل کر علیحدہ نماز پڑھی' لوگوں نے کہا یہ شخص منافق ہے' اس شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صورت حال بیان کی' آپ نے معاذؓ کو ڈانٹا اور فرمایا:۔

---

(۱) نماز فجر میں احناف کے نزدیک اسفار مستحب ہے' یعنی اندھیرے میں پڑھنا بھی درست ہے' مگر اسفار بہتر ہے' اسفار کے معنی ہیں ظہورِ نور اور انکشافِ ظلمت۔ اختلاف صرف افضلیت اور عدم افضلیت میں ہے' جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے (رد المختار کتاب الصلوٰۃ ج ا ص ۳۳۹) (۲) اس سے معلوم ہوا کہ اس طرح پڑھنے میں کوئی کراہت نہیں ہے' چنانچہ احناف بھی یہی کہتے ہیں۔ البتہ فضیلت اس میں ہے کہ دونوں رکعتوں میں پوری پوری سورت پڑھی جائے (رد المختار ج ا ص ۵۱۰' عالمگیری ج ا ص ۷۷) مترجم (۳) یہ سب صورتیں جواز کی ہیں لیکن احناف کے یہاں مستحب یہی ہے کہ ہر رکعت میں مستقل سورت پڑھی جائے اور اس میں ترتیب قرآن کا لحاظ رکھا جائے۔) (عالمگیری ج ا ص ۷۳' رد المختار ج ص ۵۰۱)

افتان انت یا معاذ اقرأ سورۃ سبح والسماء والطارق والشمس وضحاھا۔
(بیہقی۔ جابر۔ بخاری و مسلم مختصراً)
اے معاذ تم لوگوں کو فتنے میں ڈالتے ہو' نماز میں سبح اسم' والسماء والطارق' اور والشمس پڑھا کرو۔

ارکان صلوٰۃ اور امام کی ذمہ داریاں : ارکان صلوٰۃ میں بھی امام کو مندرجہ ذیل تین امور کی رعایت رکھنی چاہیے۔

اول : یہ کہ رکوع اور سجدوں میں تخفیف کرے' تین بار سے زیادہ تسبیحات نہ پڑھے۔ حضرت انسؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بارے میں بیان کیا ہے:

ما رایت اخف صلاۃ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی تمام۔
(بخاری و مسلم)
میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے زیادہ ہلکی اور مکمل نماز نہیں دیکھی۔

اس کے برخلاف حضرت انسؓ کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے پیچھے نماز پڑھی' عمر ابن عبدالعزیز اس وقت مدینے کے گورنر تھے' آپ نے فرمایا کہ میں نے اس نوجوان کی نماز سے کسی بھی شخص کی نماز کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے مشابہ نہیں پایا۔ راوی کہتا ہے کہ ہم حضرت عمر ابن عبدالعزیز کے پیچھے دس دس بار تسبیح کہا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں ایک اجمالی روایت یہ بھی ہے کہ صحابہ نے فرمایا کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے رکوع اور سجدے میں دس دس بار تسبیح کہا کرتے تھے۔(۴) ان دونوں حدیثوں میں تطبیق کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ جب کوئی شخص تنہا نماز پڑھ رہا ہو' یا امام ہو' لیکن جماعت کثیر نہ ہو تو دس بار بھی تسبیح پڑھ سکتا ہے' لیکن جب جماعت میں زیادہ لوگ شامل ہوں تو تین بار تسبیح پڑھنا بہتر ہے۔ امام کو چاہیے کہ جب رکوع سے اٹھے تو سمع اللہ لمن حمدہ کہے۔

دوم : یہ کہ مقتدی امام پر سبقت نہ کرے' بلکہ امام کے بعد رکوع یا سجدے میں جائے۔ جب تک امام کی پیشانی زمین پر نہ رکھی جائے اس وقت تک سجدے کے لیے نہ جھکے' جیسا کہ صحابہؓ کے عمل سے ثابت ہوتا ہے۔(۱) رکوع کے لیے اس وقت تک نہ جھکے جب تک امام اچھی طرح رکوع میں نہ چلا جائے'(۲) بعض علماء فرماتے ہیں کہ تین طرح کے لوگ ہیں۔ ایک وہ شخص جو ایک نماز سے پچیس نمازوں کا ثواب حاصل کرتا ہے' یہ وہ شخص ہے جو تکبیر اور رکوع امام کے بعد کرتا ہے' دوسرا وہ شخص ہے جو امام کے ساتھ رکوع و تکبیر کرتا ہے' اسے ایک نماز کا ثواب ملتا ہے' تیسرا وہ شخص ہے جو امام پر سبقت کرتا ہے' اسے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ کوئی شخص تاخیر سے آیا' امام رکوع میں تھا۔ بعض فقہاء کہتے ہیں کہ امام کو رکوع بڑھا دینا چاہیے تاکہ وہ شخص بھی جماعت میں شریک ہو جائے'(۳) اور یہ رکعت فوت نہ ہو' اگر اس عمل کے وقت امام کی نیت درست ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ بشرطیکہ رکوع میں اس قدر طوالت نہ ہو کہ مقتدی گھبرا جائیں' اس سلسلے میں شرکائے نماز کی رعایت ضروری ہے۔ طوالت صرف اسی قدر اختیار کرے جو ان کے لیے ناگواری کا باعث نہ ہو۔

---

(۱) بخاری و مسلم میں براء بن عازب کی روایت میں ہے: کان الصحابۃ لا یھوون للسجود الا اذا وصلت جبھۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی الارض۔ (۲) امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک افضل یہ ہے کہ مقتدی کی تکبیر امام کے ساتھ ساتھ ہو' صاحبین کہتے ہیں کہ رفع اشتباہ کے لیے ضروری ہے کہ مقتدی کی تکبیر امام کے بعد ہو (کبیری ص ۲۵۸) جواز میں کوئی اختلاف نہیں' صرف افضلیت میں اختلاف ہے)(عالمگیری ج ۱ ص ۶۸) مترجم۔) (۳) آنے والے کی رعایت سے رکوع طویل کرنا احناف کے نزدیک مکروہ ہے۔ (کبیری ص ۳۰۹ عالمگیری ج ۱ ص ۱۰۸م) مترجم)

(۴) اس کی سند نہیں ملی۔

سوم : یہ کہ تشہد کے آخر میں پڑھی جانے والی دعا اتنی طویل نہ کرے کہ تشہد سے بڑھ جائے۔ دعا میں اپنی ذات کی تخصیص نہ کرے، بلکہ جمع کا صیغہ اختیار کرے یعنی اللھم اغفرلنا کی جگہ لی نہ کہے۔ امام کے لیے اپنے نفس کی تخصیص مناسب نہیں ہے۔ تشہد کے بعد یہ دعا ماثورہ بھی پڑھی جاسکتی ہے۔

نَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَنَعُوْذُ بِکَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ وَاِذَا اَرَدْتَ بِقَوْمٍ فِتْنَةً فَاقْبِضْنَا اِلَيْکَ غَيْرَ مَفْتُوْنِيْنَ۔

ہم تیری پناہ چاہتے ہیں جہنم کے عذاب سے اور عذاب قبر سے ہم تیری پناہ مانگتے ہیں زندگی اور موت کے فتنے سے اور مسیح دجال کے فتنے سے اور جب تو کسی قوم کو آزمائش میں مبتلا کرنے کا ارادہ کرے تو ہمیں آزمائش کے بغیر اپنی طرف بلالے۔

نوٹ : بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ دجال کا نام مسیح اس لیے ہوا کہ یہ زمین کو لمبائی میں ناپے گا۔ اس صورت میں مسیح مساحت (پیمائش کرنا) سے مشتق ہے۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ مسیح مسح سے ہے۔ جس کے معنی ہیں پونچھنا اور مٹانا۔ کیونکہ اس کی ایک آنکھ مٹی ہوئی ہوگی اس لیے اس کا نام مسیح رکھ دیا گیا۔

نماز سے فراغت کے وقت امام کے اعمال : سلام کے وقت امام کو تین امور کی رعایت کرنی ہوگی۔

اول : یہ کہ دونوں سلاموں سے نیت کرے کہ عام مومنین اور فرشتوں کے سلامتی کی دعا کرتا ہوں۔

دوم : یہ کہ فرض نماز کے بعد اس جگہ سے اٹھ جائے جہاں فرض پڑھے ہیں، اور کسی دوسری جگہ نفل پڑھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے اسی طرح کیا ہے اگر پچھلی صفوں میں عورتیں ہوں تو ان کی واپسی تک وہیں بیٹھا رہے۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد اتنی دیر اپنی جگہ بیٹھتے تھے کہ حسب ذیل دعائیہ کلمات کہہ لیں:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ يَاذَاالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ (مسلم۔ عائشہؓ)

اے اللہ تو تمام عیوب سے پاک ہے، تجھی سے ہماری سلامتی ہے، اے بزرگی اور عظمت والے تو برکت والا ہے۔

سوم : یہ کہ سلام کے بعد لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ جائے۔ (۱) مقتدی کے لیے مناسب نہیں کہ وہ امام کے متوجہ ہونے سے پہلے اٹھ کھڑا ہو روایت ہے کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے ایک شخص کے پیچھے نماز پڑھی، نماز کے بعد دونوں حضرات نے امام سے کہا: "تمہاری نماز بہت عمدہ اور بڑی مکمل تھی، مگر ایک بات رہ گئی۔ اور وہ یہ کہ جب تم نے سلام پھیرا تو مقتدیوں کی طرف متوجہ ہو کر نہ بیٹھے" پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: "تمہاری نماز بھی بہت اچھی رہی، مگر تم امام کے بیٹھنے سے پہلے اٹھ کر چل دیئے"۔ امام کو اختیار ہے کہ وہ جدھر چاہے اپنا رخ کرلے، البتہ دائیں جانب متوجہ ہو کر بیٹھنا زیادہ پسندیدہ ہے۔ یہ تمام نمازوں کے قواعد ہیں۔

فجر کی نماز میں قنوت بھی پڑھے۔ (۲) امام کو چاہیے کہ وہ اللھم اھدنا کہے اھدنی نہ کہے۔ مقتدی ہر دعا پر آمین کہتے رہیں، اِنَّکَ تقضی ولا یقضی علیک پر آمین نہ کہے۔ اس لئے کہ یہ ثنا ہے دعا نہیں ہے، بلکہ امام کے ساتھ اس طرح کے الفاظ خود بھی ادا کرتے رہیں، یا یہ الفاظ کہیں بلیٰ وانا علیٰ ذلک من الشاھدین (کیوں نہیں! اور میں اس پر گواہوں میں سے ہوں) یا: صدقت و بررت (تو نے سچ کہا، اور درست کہا) کہیں۔ قنوت میں دونوں ہاتھ اٹھانا ایک حدیث سے ثابت ہے۔ اس لیے مسنون یہی ہے کہ دونوں ہاتھ اٹھا کہ دعا مانگے[۳] اگرچہ آخری تشہد کے بعد پڑھی جانے والی دعا میں ہاتھ نہیں اٹھائے

(۱) احناف کے نزدیک صرف ان نمازوں میں متوجہ ہو کر بیٹھنا مسنون ہے جن کے بعد سنن نہیں ہیں۔ یعنی فجر و عصر۔ (در مختار، ج ۱، ص ۳۵۷)
(۲) فجر کی نماز میں قنوت پڑھنے کے مسئلے میں احناف کا مسلک پہلے بیان کیا جاچکا ہے۔ مترجم (۳) بیہقی، دارقطنی

جاتے۔ ان دونوں میں ایک فرق بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ تشہد میں ہاتھوں کا ادب یہ ہے کہ وہ ایک مخصوص ہیئت پر رانوں پر رکھے رہیں' قنوت میں ان کے لیے کوئی وظیفہ مقرر نہیں ہے' تو کوئی بعید نہیں کہ قنوت میں ان کا وظیفہ رفع یدین ہو' اس لیے کہ دعا میں ہاتھ اٹھانا مناسب ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ امامت سے متعلق یہ چند احکام ہیں جو اس باب میں عرض کیے گئے۔ وباللہ التوفیق۔

پانچواں باب

جمعہ کی فضیلت' آداب وسنن' اور شرائط کی تفصیل

جمعہ کی فضیلت : جمعہ ایک عظیم ترین دن ہے' اللہ نے اس دن کے ذریعہ اسلام کو عظمت اور سربلندی عطا کی ہے' اور مسلمانوں کے لیے اس کی تخصیص فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلٰوةِ مِن يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ (پ ۲۸' ر ۱۲' آیت ۹)

اے ایمان والو جب جمعہ کے روز نماز (جمعہ) کے لیے اذان کہی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد کی طرف (فوراً) چل پڑو اور خرید و فروخت (وغیرہ) چھوڑ دیا کرو۔

اس آیت میں ان امور سے اشتغال رکھنے کی حرمت بیان کی گئی ہے جو جمعہ کی نماز میں شرکت کرنے سے مانع ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

ان اللّٰہ عزوجل فرض علیکم الجمعۃ فی یومی ھذا فی مقامی ھذا۔ (ابن ماجہ۔ جابرؓ)

اللہ تعالیٰ نے تم پر جمعہ میرے اس دن اور اس مقام میں فرض کیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے:۔

من ترک الجمعۃ ثلاثا من غیر عذر طبع اللّٰہ علی قلبہ (اصحاب سنن' احمد۔ ابی الجعد)

جو شخص کسی عذر کے بغیر تین جمعہ چھوڑ دے اللہ اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔

اسی مضمون کے ایک روایت کی الفاظ یہ ہیں:۔

من ترک الجمعۃ ثلاثا من غیر عذر فقد نبذ الاسلام وراء ظہرہ۔ (ابو یعلی و بیہقی۔ قول ابن عباسؓ)

جس شخص نے کسی عذر کے بغیر تین جمعے چھوڑ دیئے اس نے اسلام کو پس پشت ڈال دیا۔

روایت ہے کہ ایک شخص حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ فلاں شخص مرگیا ہے' وہ جمعہ اور جماعت کا تارک تھا۔ آپ نے فرمایا وہ شخص دوزخ میں ہے۔ سائل ایک مہینے تک برابر آتا رہا' اور یہی پوچھتا رہا۔ آپ اس کے جواب میں یہی فرماتے کہ وہ دوزخ میں ہے۔ اس سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ ارشادات حسب ذیل ہیں:۔

(۱) ان اھل الکتابین اعطوا یوم الجمعۃ فاختلفوا فیہ فصرفوا عنہ' وھدانا اللّٰہ تعالیٰ لہ' واخرہ لھذہ الامۃ وجعلہ عیدا لھم فھم اولی الناس بہ سبقا واھل الکتابین لھم تبع (بخاری ومسلم۔ ابو ہریرہؓ)

کہ یہود و نصاریٰ کو جمعہ کا دن عطا کیا گیا' انھوں نے اس میں اختلاف کیا' اس لیے انھیں اس سے پھیر دیا گیا' ہمیں اللہ تعالیٰ نے اس کی ہدایت دی' اور اس امت کے لیے بعد میں ظاہر کیا' اور ان کے لیے اس دن کو عید بنایا۔ اس امت کے لوگ جمعہ کے پانے میں سب سے اول ہیں اور یہود و نصاریٰ اس امت کے تابع ہیں۔

(۲) اتانی جبرئیل علیہ السلام فی کفہ مرآۃ بیضاء' وقال ھذہ الجمعۃ

یفرضها علیک ربک لتکون لک عیدا؟ ولامتک من بعدک' قلت: فمالنا فیها؟ قال: لکم خیر ساعة من دعا فیها بخیر قسم له' اعطاه اللّٰه سبحانه ایاه' اولیس له قسم ذخر له ماهو اعظم منه' اوتعوذ من سر هو مکتوب علیه الا اعاذه اللّٰه عزوجل من اعظم منه' وهو سید الایام عندنا؟ ونحن ندعوه فی الاخرة یوم المزید' قلت! ولم؟ قال ان ربک عزوجل اتخذ فی الجنة وادیا افیح من المسک ابیض' فاذا کان یوم الجمعة نزل تعالٰی من علیین علی کرسیه' فیتجلی لهم حتی ینظروا الی وجهه الکریم۔ (طبرانی۔ انسؓ)

جبرئیل علیہ السلام میرے پاس ایک روشن آئینہ لے کر آئے اور کہا یہ جمعہ ہے جسے اللہ نے آپ پر فرض قرار دیا ہے' تاکہ یہ دن آپ کے لیے' اور آپ کے بعد آپ کی امت کے لیے عید قرار پائے' میں نے کہا: ہمارے لیے اس دن میں کیا فائدہ ہے؟ جبرئیل نے کہا: اس میں ایک بہترین گھڑی ہے' جو شخص اس میں خیر کی دعا مانگتا ہے اور وہ خیر اس کی قسمت میں ہوتا ہے تو اللہ اسے عطا کردیتے ہیں' اور اگر قسمت میں نہیں ہوتا تو اس کے عوض میں اس سے بہتر کوئی چیز اس کے لیے ذخیرہ کردی جاتی ہے' یا اس دن کوئی شخص شر سے پناہ مانگے اور وہ شر اس کی قسمت میں لکھا ہوا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو اس سے بھی بڑے شر سے نجات دیتا ہے۔ ہمارے نزدیک جمعہ دوسرے تمام ایام کا سردار ہے۔ اور ہم اسے آخرت میں زیادتی کا دن کہیں گے۔ میں نے پوچھا: اس دن کو زیادتی کا دن کہنے کی کیا وجہ ہے؟ جبرئیل نے کہا: اللہ تعالیٰ علیین سے اپنی کرسی پر نزول فرمائیں گے' اور لوگوں کے لیے تجلی فرمائیں گے۔ تاکہ لوگ آپ کی وجہ کریم کی زیارت کرلیں۔

(۳) خیر یوم طلعت علیه الشمس یوم الجمعة' فیه خلق آدم علیه السلام وفیه ادخل الجنة' وفیه اهبط الی الارض' وفیه تیب علیه' وفیه مات' وفیه تقوم الساعة' وهو عند اللّٰه یوم المزید' کذلک تسمیه الملائکة فی السماء وهو یوم النظر الی اللّٰه تعالٰی فی الجنة (مسلم۔ ابوہریرہؓ)

بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوا جمعہ کا دن ہے' اسی دن حضرت آدم پیدا کیے گئے' اسی دن جنت میں داخل کیے گئے' اسی دن زمین پر اتارے گئے' اسی دن ان کی توبہ قبول کی گئی۔ اسی دن ان کا انتقال ہوا۔ اسی دن قیامت ہوگی' جمعہ کا دن اللہ کے نزدیک زیادتی کا دن ہے' ملائکہ آسمان میں اسے اسی نام سے پکارتے ہیں' اور یہ دن جنت میں اللہ تعالےٰ کے دیدار کا دن ہے۔

(۴) ان للّٰه فی کل جمعة ستمائة الف عتیق من النار (ابن عدی' ابن حبان۔ انسؓ)

اللہ تعالیٰ ہر جمعہ کو چھ لاکھ بندے دوزخ سے آزاد کرتا ہے۔

(۵) اذا سلمت الجمعة سلمت الایام۔ (بیہقی۔ عائشہؓ)

جب جمعہ سلامت رہتا ہے تو باقی تمام دن سلامت رہتے ہیں۔

(۶) ان الجحیم تسعر فی کل یوم قبل الزوال عند استواء فی کبد السماء فلا تصلوا فی هذه الساعة الا یوم الجمعة فانه صلاة کله وان جهنم لا تسعر فیه۔ (ابوداؤد۔ ابو قتادہؓ)

دوزخ ہر روز زوال سے پہلے جب آفتاب آسمان کے بیچ میں ہوتا ہے پھونکی جاتی ہے' اس وقت جمعہ کے

علاوہ کوئی نماز نہ پڑھو' جمعہ کا دن تمام تمام کا تمام نماز کا وقت ہے اور اس دن جہنم میں آگ نہیں جلائی جاتی۔
حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شہروں میں مکہ معظمہ کو مہینوں میں رمضان المبارک کو' دنوں میں جمعہ کو' اور راتوں میں شب قدر کو فضیلت بخشی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ پرندے اور موذی کیڑے جمعہ کے دن آپس میں ملتے ہیں' اور کہتے ہیں "سلامتی ہو' سلامتی ہو' یہ اچھا دن ہے"۔ ایک حدیث میں ہے:

من مات یوم الجمعة او لیلة الجمعة کتب اللہ له اجر شهید ووقی فتنة القبر۔
(ترمذی مختصراً۔ عبداللہ ابن عمرؓ)

جو شخص جمعہ کے دن یا جمعہ کی شب میں مرے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک شہید کا درجہ لکھتے ہیں اور وہ شخص عذاب قبر سے محفوظ رہتا ہے۔

جمعہ کی شرائط : نماز جمعہ تمام شرائط میں باقی دوسری نمازوں کی طرح ہے۔ لیکن چھ شرائط ایسی ہیں جن کا تعلق صرف جمعہ سے ہے[1]

[1] امام غزالی نے حسب معمول شوافع کا مذہب بیان کیا ہے' ہم ذیل میں احناف کا مسلک نقل کرتے ہیں تمام شرائط الگ الگ حاشیے کی صورت میں لکھنے کے بجائے ایک ہی جگہ لکھتے ہیں۔ پہلی شرط: جمعہ کی صحت کے لیے ضروری ہے کہ جس جگہ نماز پڑھی جارہی ہے وہ مصر یعنی شہر یا قصبہ ہو' یا شہر و قصبہ سے متصل آبادی ہو جسے فناء مصر کہتے ہیں گاؤں اور جنگل میں نماز جمعہ درست نہیں ہے۔ البتہ جس گاؤں کی آبادی قصبے کے برابر ہو' اور قصبے کی ہیئت رکھتا ہو مثلاً "دکانیں ہوں' اور بازار وغیرہ بھی لگتا ہو" تین چار ہزار کی آبادی ہو وہاں جمعہ درست ہے۔ دوسری شرط: یہ ہے کہ ظہر کا وقت ہو۔ چنانچہ ظہر سے پہلے جمعہ درست نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اگر نماز جمعہ کے دوران ظہر کا وقت ختم ہو جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی' چاہے قعدۂ اخیرہ بقدر تشہد ہو چکا ہو۔ تیسری شرط: خطبۂ جمعہ ہے' یعنی لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا۔ خواہ سبحان اللہ یا الحمد للہ کہہ دیا جائے' اگرچہ محض اتنے مختصر خطبے پر اکتفاء کرنا خلاف سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے۔ چوتھی شرط: یہ ہے کہ خطبہ ظہر کے وقت میں ہو' اگر وقت سے پہلے خطبہ پڑھ لیا گیا تو نماز نہیں ہوگی۔ پانچویں شرط: یہ ہے کہ خطبہ نماز سے پہلے ہو اگر نماز کے بعد خطبہ پڑھا جائے تو نماز نہیں ہوگی۔ چھٹی شرط: یہ ہے کہ امام کے علاوہ کم سے کم تین آدمی خطبے کے شروع میں موجود ہوں' اور آخر تک موجود رہیں' گو وہ تین شخص جو شروع میں موجود تھے چلے جائیں اور ان کی جگہ دوسرے آجائیں' مگر شرط یہ ہے کہ وہ تین آدمی ایسے ہوں جو امامت کر سکیں۔ یعنی اگر عورتیں یا نابالغ لڑکے ہوئے تو نماز نہیں ہوگی۔ ساتویں شرط: یہ ہے کہ نماز جمعہ کسی ایسی جگہ پڑھو جہاں عام لوگوں کو آنے جانے کی اجازت ہو۔ کسی خاص جگہ چھپ کر نماز پڑھنا درست نہیں ہے' اگر کسی ایسی جگہ نماز پڑھی گئی جہاں عام لوگوں کو آنے جانے کی اجازت نہ تھی' یا مسجد کے دروازے بند کر لیے گئے تو نماز نہیں ہوگی۔

یہ جمعہ کی شرائط ہیں' اگر کوئی شخص ان شرائط کے نہ پائے جانے کے باوجود پڑھ لے تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔ اسے چاہیے کہ نماز ظہر ادا کرے۔ اور کیونکہ نماز جمعہ شرائط کے فقدان کے باعث نفل نماز ہو جائے گی' اور نفلی نمازوں کا اس اہتمام سے پڑھنا مکروہ ہے' لہٰذا اس صورت میں نماز جمعہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ (تفصیل کے لیے الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج اص ۷۴۷ باب الجمعۃ)۔

نماز جمعہ کی صحت کے لیے احناف کے یہاں ایک شرط اور ہے' اور وہ یہ ہے کہ امام المسلمین یا سلطان موجود ہو' نماز جمعہ اسی کے حکم اور اذان سے قائم کی جائے۔ لیکن کیونکہ اس زمانے میں یہ شرط نہیں پائی جاتی اس لیے علمائے احناف نے اس صورت میں بھی نماز جمعہ پڑھنے کا فتویٰ دیا ہے۔ چنانچہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے ہدایہ اور درمختار کی روایت سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "روایت اول سے معلوم ہوا کہ شرط وجود سلطان مقصود لذاتہ نہیں ہے' بلکہ حکمت سد فتنہ کے ہے' پس اگر تراضی مسلمین سے یہ حکمت حاصل ہو جائے تو معنی یہ شرط مفقود نہ ہوگی' البتہ جہاں اور کوئی شرط صحت جمعہ کی مفقود ہو وہاں (جمعہ) جائز نہ ہوگا" (امداد الفتاوی ج اص ۴۳۰' رد المحتار ج اص ۷۵۴) مترجم۔

پہلی شرط : یہ ہے کہ ظہر کا وقت ہو' اگر امام ظہر کے وقت میں نیت باندھے اور عصر کے وقت میں سلام پھیرے تو جمعہ باطل ہوجائے گا' امام کے لیے لازم ہے کہ وہ دو رکعتیں مزید پڑھ کر ظہر کی نماز پوری کردے' مگر مسبوق کی آخری رکعت وقت سے باہر نکل جائے تو اس میں اختلاف ہے۔ بہتر یہی ہے کہ ظہر کی نماز پوری کرے۔ (۱)

دوسری شرط : مکان ہے' جمعہ جنگلوں' ویرانوں' اور خیموں میں نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے لیے ایک غیر منقول عمارت چاہیئے۔ (۲) یہ بھی ضروری ہے کہ چالیس آدمی ان لوگوں میں سے جمع ہو جائیں جن پر جمعہ واجب ہے' اس سلسلے میں گاؤں کا بھی حکم وہی ہے جو شہر کا ہے' جمعہ کے لیے بادشاہوں کا موجود ہونا شرط نہیں ہے' اور نہ اس کی اجازت شرط ہے۔ مگر اس سے پوچھ لینا مستحب ہے۔ (۳)

تیسری شرط : تعداد ہے نماز میں چالیس آزاد' بالغ' عاقل اور مقیم مرد ہوں' مقیم بھی ایسے جو اس شہر سے گرم یا ٹھنڈے موسم میں وطن چھوڑ کر کہیں چلے نہ جاتے ہوں۔ چنانچہ اگر خطبے میں' یا نماز میں چالیس مردوں سے کم ہوجائیں تو نماز درست نہیں ہوگی۔ بلکہ چالیس کی تعداد اول سے آخر تک ہونی ضروری ہے۔ (۴)

چوتھی شرط : جماعت' چالیس آدمی کسی گاؤں یا شہر میں تنہا تنہا جمعہ پڑھ لیں گے تو ان کی نماز صحیح نہیں ہوگی' لیکن اس شخص کی ایک رکعت صحیح ہوجائے گی جو ایک رکعت فوت ہوجانے کے بعد نماز میں شامل ہوا۔ اگر دوسری رکعت کا رکوع نہ ملے تو اقتداء کرلے لیکن ظہر کی نیت کرے' اور امام کے سلام کے بعد کھڑا ہو کر ظہر کی چار رکعات پوری کرے۔ (۵)

پانچویں شرط : یہ ہے کہ اس شہر میں کوئی دوسرا جمعہ اس دن نہ ہوا ہو' (۶) ہاں اگر مسجد تنگ ہو' اور تمام اہل شہر کا اس میں اجتماع دشوار ہو تو دو مسجدوں میں یا دو سے زائد تین اور چار پانچ مسجدوں میں بھی ضرورت کے مطابق جمعہ کی نماز جائز ہے۔ اگر ضرورت نہ ہو' تو صرف اس مسجد کی نماز صحیح ہوگی جس میں اولاً نیت باندھی گئی ہے۔ بوقت ضرورت اگر ایک سے زائد مسجدوں میں جمعہ ہو رہا ہو تو بہتر یہ ہے کہ اماموں میں سے اس امام کے پیچھے نماز پڑھے جو زیادہ اچھا ہو' اگر تمام امام فضیلت میں برابر ہوں تو اس مسجد میں نماز پڑھے جس میں پہلے سے جمعہ ہو رہا ہو اور اگر مسجدیں بھی برابر ہوں تو قریب تر مسجد میں جمعہ ادا کرے' نمازیوں کی کثرت بھی قابل لحاظ ہے' یعنی اس مسجد کو بھی ترجیح دی جاسکتی ہے جس میں اجتماع زیادہ ہو۔

---

(۱) اس صورت میں احناف کے نزدیک بھی جمعہ کی نماز فاسد ہوجائے گی لیکن ظہر کی نماز کے لیے جمعہ کی دو رکعتوں پر دو رکعات کی بنا کرنا صحیح نہیں ہے' بلکہ الگ سے چار رکعات پڑھنی ہوں گی۔ مقتدی کی نماز بھی فاسد ہوجائے گی' اور اسے بھی ظہر کی چار رکعت الگ سے پڑھنی ہوں گی۔ (عالمگیری باب صلوٰۃ الجمعۃ ج ۱ ص ۱۴۶) (۲) احناف کے نزدیک جمعہ کی نماز کے لیے مسجد یا کسی غیر منقول کی شرط نہیں ہے' بلکہ جس قصبے یا شہر میں نماز جمعہ کی اجازت ہو وہاں مساجد کے علاوہ دوسرے مکانوں' کارخانوں' میدانوں' کھیتوں اور خیموں میں بھی نماز ہوسکتی ہے۔ (الدر المختار باب الجمعہ ج ۱ ص ۷۵۵) مترجم۔)
(۳) جمعہ کی نماز کے لیے شرکائے نماز کی تعداد' گاؤں میں نماز جمعہ' جمعہ کی صحت کے لیے بادشاہ کا وجود یہ تین مسائل ہیں' تینوں مسائل کے سلسلے میں احناف کا مسلک اسی باب کے پہلے حاشیہ پر ذکر کیا جاچکا ہے۔ مترجم (۴) اس باب کا پہلا حاشیہ دیکھئے۔ مترجم) (۵) اس سلسلے میں احناف کا مسلک یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے دوسری رکعت کا تشہد پالیا تو اسے جمعہ کی نماز پوری کرنی چاہئے۔ ظہر نہ پڑھے (الدر المختار علی ہامش رد المحتار باب الجمعہ ج ۱ ص ۷۶۷) مترجم (۶) ایک شہر میں چند جگہ جمعہ علی الاطلاق صحیح ہے' اس سے ثواب میں کمی نہیں ہوتی۔ (الدر المختار ج ۱ ص ۷۵۵) مترجم۔)

چھٹی شرط : دونوں خطبے فرض ہیں۔(*) اور ان میں قیام فرض ہے' دونوں کے درمیان میں بیٹھنا بھی فرض ہے' پہلے خطبے میں چار امور فرض ہیں:۔ (۱) تحمید' ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ الحمدللہ ہی کہہ لے۔ (۲) درود (۳) اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی نصیحت۔ (۴) قرآن مجید کی کم سے کم ایک آیت۔ اسی طرح دوسرے خطبے میں یہ چاروں امور فرض ہیں۔ مگر اس میں آیت کی جگہ دعا مانگنا واجب ہے۔ خطبوں کا سننا تمام چالیس آدمیوں پر فرض ہے۔(۲)

جمعہ کی سنتیں : جب سورج ڈھل جائے' مؤذن اذان دے چکے' اور امام منبر پر بیٹھ جائے تو تحیۃ المسجد کے علاوہ کوئی نماز نہ پڑھی جائے۔(۳) گفتگو اسی وقت منقطع ہوتی ہے جب امام خطبہ شروع کردے۔ خطیب منبر پر کھڑا ہو کر جب لوگوں کی طرف متوجہ ہو تو لوگوں کو سلام کرے۔(۴) اور وہ لوگ اس کا جواب دیں۔ جب مؤذن اذان سے فارغ ہو جائے تو خطیب لوگوں کی طرف منہ کرکے کھڑا ہو' وہ دائیں بائیں متوجہ نہ ہو' اپنے دونوں ہاتھ تلوار کے دستے پر یا لاٹھی کے سر پر رکھے لے۔(۵) یا ایک ہاتھ کو دوسرے پر رکھ کر کھڑا ہو تاکہ ہاتھ کسی لغو کام میں مشغول نہ ہوں۔ دو خطبے پڑھے' دونوں خطبوں کے درمیان کچھ دیر بیٹھے' خطبوں میں اجنبی زبان استعمال نہ کرے۔(۶) خطبہ زیادہ طویل نہ ہو' نہ اس میں غنا (گانا) ہو' بلکہ مختصر ہو' بلیغ ہو اور تمام مضامین کا جامع ہو۔ مستحب یہ ہے کہ دوسرے خطبے میں بھی آیات پڑھے۔ خطبے کے دوران مسجد میں داخل ہونے والا شخص سلام نہ کرے' اگر سلام کرے تو سننے والوں کو چاہیے کہ وہ اس کا جواب نہ دیں' اشارے سے جواب دے دینا بہتر ہے۔ چھینکنے والے کا جواب بھی نہیں دینا چاہیے۔

وجوب جمعہ کی شرائط : جمعہ اس شخص پر واجب ہے جو مرد ہو' عاقل بالغ ہو' مسلمان ہو' آزاد ہو' اور کسی ایسی بستی میں مقیم ہو جس میں ان اوصاف کے چالیس آدمی رہتے ہوں۔ یا شہر کے نواحی علاقوں میں کسی ایسے گاؤں میں مقیم ہو کہ اگر کوئی بلند آواز شخص شہر کے اس کنارے سے جو اس گاؤں کے متصل ہے اذان دے' شور و غل بھی موقوف ہے اور اس گاؤں میں اذان کی آواز پہنچ جائے تو اس گاؤں والے پر جمعہ واجب ہوگا۔(۷) یہ وجوب اس آیت سے ثابت ہوتا ہے:۔

(*) نماز جمعہ کے لیے خطبہ کی فرضیت کا ذکر حاشیہ میں آچکا ہے' امام اعظمؒ کے نزدیک فرض خطبہ بڑا مختصر ہے' ایک مرتبہ سبحان اللہ یا الحمدللہ یا اللہ اکبر کہنے سے بھی فرض ادا ہو جاتا ہے۔ صاحبینؒ کے نزدیک بقدر تین آیات یا تشہد سے بھی خطبہ ادا ہو جاتا ہے' دو خطبوں کا ہونا اور ان دونوں کے درمیان بیٹھنا' خطبوں کا حمد' تشہد' درود یا آیات وغیرہ پر مشتمل ہونا مسنون اعمال ہیں (غنیۃ المستملی ص ۵۱۵) مترجم۔ حاشیہ ص ۱۴۰ ص ۳۲۰)(۲) خطبہ سننا ان لوگوں پر واجب ہے جو خطبے کے وقت حاضر ہوں (الدر المختار ج ا ص ۸۶۷) مترجم۔) (۳) احناف کہتے ہیں کہ خطبے کے وقت تحیۃ المسجد بھی نہ پڑھنی چاہیے۔ قاعدہ کلیہ ہے:۔ اذا خرج الامام فلا صلاۃ ولا کلام (رد المحتار ج ا ص ۷۶۷) مترجم۔ (۴) فقہائے احناف نے اس طرح سلام کرنے کو خلاف احتیاط کہا ہے' ان کے نزدیک سلام سنت نہیں بلکہ ترک سلام سنت ہے۔ (رد المحتار ج ا ص ۷۶۰) (۵) ہاتھ میں لاٹھی لے کر خطبہ پڑھنے کے سلسلے میں فقہائے احناف کے مختلف اقوال ہیں۔ درمختار میں خلاصہ سے نقل کیا گیا ہے ویکرہ ان یتکئ علی قوس او عصا) (قوس یا لاٹھی پر ٹیک لگا کر کھڑا ہونا مکروہ ہے) شامی میں ہے کہ حدیث سے عصا یا قوس پر تکیہ لگانا ثابت ہے۔ قہستانی نے محیط سے نقل کیا ہے کہ عصا ہاتھ میں لینا سنت ہے۔ (رد المحتار ج ا ص ۷۷۲) فتاویٰ دار العلوم میں ان مختلف اقوال میں تطبیق کی یہ صورت بیان کی گئی ہے کہ ضرورت ہو تو لاٹھی رکھ لے' کوئی حرج نہیں ہے اور اگر ضرورت ہو تو نہ لے (ج ۵ ص ۲۶) تطبیق کی ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ منبر بننے سے پہلے عصا لینا ثابت ہے' منبر بننے کے بعد مکروہ ہو گیا (ج ۵ ص ۸۸) تلوار ہاتھ میں لینے کے سلسلے میں حضرت تھانویؒ نے درمختار کی ایک عبارت (ج ا ص ۸۴۳) سے استنباط کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ صورت امام المسلمین یعنی سلطان یا اس کے نائب کے ساتھ مخصوص ہے۔ دوسرے خطیبوں کے لیے مشروع نہیں ہے (امداد الفتاویٰ ج ا ص ۶۸۱) مترجم۔) (۶) اجنبی زبان میں خطبہ نہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ عربی زبان میں خطبہ پڑھے۔ عربی زبان کے علاوہ کسی اور زبان میں نہ پڑھے۔ مترجم)(۷) جمعہ گاؤں والوں پر فرض نہیں ہے' اگرچہ وہ گاؤں شہر سے قریب ہو اور اذان کی آواز بھی آتی ہو۔ (عالمگیری ج ا ص ۱۴۳)

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ۔ (پ۲۸' ر۱۴' آیت۹)

اے ایمان والو جب جمعہ کے روز نماز (جمعہ) کے لیے اذان دی جایا کرے تو اللہ کے ذکر کی طرف (فوراً) چل پڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دیا کرو۔

جن لوگوں پر جمعہ واجب ہے ان میں سے اگر کسی شخص کو حسب ذیل اعذار میں سے کوئی عذر پیش آجائے تو ان سے جمعہ کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے (۱) بارش برس رہی ہو' (۲) راستے میں کیچڑ ہو' (۳) کسی قسم کا خطرہ ہو' (۴) بیمار ہو' (۵) کسی بیمار کی تیمار داری میں مصروف ہو' بشرطیکہ کوئی دوسرا تیمار داری کرنے والا نہ ہو۔ ان تمام اعذار والوں کے لیے مستحب طریقہ یہ ہے کہ ظہر کی نماز میں تاخیر کریں۔ جب لوگ جمعہ کی نماز سے فارغ ہو جائیں اس وقت ادا کریں' اگر جمعہ کی نماز میں کوئی ایسا شخص حاضر ہو جس پر جمعہ واجب نہیں مثلاً "مریض' مسافر' غلام' یا عورت وغیرہ تو ان کی نماز صحیح ہو جائے گی۔ ان لوگوں کو ظہر پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

جمعہ کے آداب : جمعہ کے آداب دس ہیں' ان آداب کے بیان میں ہم نے فطری ترتیب ملحوظ رکھی ہے۔

پہلا ادب : یہ ہے کہ جمعہ کے لیے جمعرات کے دن سے تیاری کرے' یعنی جمعرات کے دن عصر کی نماز کے بعد دعاء' تسبیح اور استغفار کا شغل کرے' کیونکہ عصر کی نماز کے بعد کا وقت اس ساعت کے برابر ہے جو جمعہ کے دن کے لیے متعین کی گئی ہے۔ مگر بندوں کو اس ساعت کا علم نہیں ہے۔ بعض اکابر فرماتے ہیں کہ بندوں کے رزق کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں کچھ ایسی چیزیں ہیں جو بندوں کو عطا کی جاتی ہیں لیکن ان میں سے اسی شخص کو کچھ ملتا ہے جو جمعہ کی شب میں یا جمعہ کے دن اس سے درخواست کرتے ہیں۔ جمعرات کے دن اپنے کپڑے دھوئے' انہیں صاف کرے' عطر اگر گھر میں موجود نہ ہو تو لا کر رکھے اور دل کو ان تمام تفکرات سے آزاد کرلے جو صبح سویرے سے مسجد میں جانے سے مانع ہوں۔ اس رات جمعہ کے روزے کی نیت بھی کرے۔ جمعہ کے دن روزہ رکھنا بڑے اجر و ثواب کا کام ہے مگر اس کے ساتھ جمعرات (سنیچر) کا روزہ ضرور رکھنا چاہیے۔ اس لیے کہ تنہا جمعہ کا روزہ مکروہ ہے۔ (۱) رات بھر نماز اور تلاوت قرآن میں مشغول رہے۔ رات کی عبادت میں بڑا ثواب ہے اور وہ رات جمعہ کی رات ہو تو اس ثواب میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس رات میں یا جمعہ کے دن بیوی سے صحبت کرے۔ بعض بزرگوں نے اسے مستحب قرار دیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

رحم اللّٰہ من بکّر و ابتکر و غسل و اغتسل (اصحاب سنن' حاکم' اوس ابن اوس)

اللہ اس شخص پر رحم کرے جو اول وقت جمعہ میں آئے اور شروع خطبہ سنے' نہائے اور نہلائے۔

بعض حضرات نے غسّل (تشدید کے ساتھ) پڑھا ہے۔ اس صورت میں یہی طلب ہے کہ اپنی بیوی کو نہلائے۔ (یہ جماع سے کنایہ ہے۔) بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں "کپڑے دھوئے" یہ حضرات غسل (تشدید کے بغیر) پڑھتے ہیں۔ اغتسل سے دونوں صورتوں میں یہی مراد ہے کہ خود نہائے۔ ان امور کی بجا آوری کے معنی یہ ہیں کہ تم نے جمعہ کا پورے طور پر استقبال کیا ہے اور تمہارا شمار غافلین میں نہیں ہے۔ وہ لوگ ہیں جو صبح اٹھ کر پوچھتے ہیں "آج کیا دن ہے۔" ایک بزرگ یہ فرمایا کرتے تھے کہ جمعہ کے دن میں اس شخص کا حصہ سب سے زیادہ ہے جو ایک روز پہلے سے اس کا انتظار کرے اور اس کے آداب و سنن کی رعایت کرے اور سب سے کم حصہ اس شخص کو ملے گا جو صبح اٹھ کر یہ کہے کہ "آج کیا دن ہے؟" بعض بزرگوں کا یہ معمول تھا کہ وہ جمعہ

---

(۱) صرف جمعہ کے دن روزہ رکھنا احناف کے یہاں بلا کراہت جائز ہے۔ البتہ احتیاط اسی میں ہے کہ ایک روزہ جمعہ سے پہلے یا جمعہ کے بعد رکھ لے۔ (رد المحتار ج ۲' ص ۱۱۴/ مترجم)

رات جامع مسجد میں گزارا کرتے تھے۔

دوسرا ادب : یہ ہے کہ جمعہ کی صبح میں فجر کے بعد نہالے۔ اگرچہ اس وقت مسجد میں نہ جائے لیکن جلد از جلد چلا جائے تاکہ مسجد میں جانے اور غسل کرنے میں زیادہ دوری نہ ہو۔ جمعہ کے روز غسل کرنا تاکید مستحب ہے۔ بعض علماء اس کے وجوب کا فتویٰ دیتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

غسل یوم الجمعة واجب علی کل محتلم (بخاری و مسلم' ابو سعیدؓ)

جمعہ کے دن غسل کرنا ہر بالغ مرد پر واجب ہے۔

حضرت ابن عمرؓ سے نافعؒ کی یہ روایت مشہور ہے۔

من اتی الجمعة فلیغتسل (بخاری و مسلم)

جو شخص جمعہ میں آئے اسے چاہیئے کہ غسل کرلے۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

من شہد الجمعة من الرجال و النساء فلیغتسل (ابن حبان' بیہقی' ابن عمرؓ)

مردوں اور عورتوں میں سے جو بھی جمعہ میں آئے اسے غسل کرنا چاہیے۔

مدینہ منورہ کے رہنے والے جب ایک دوسرے کو برا کہتے تھے تو برائی میں اس شخص سے تشبیہ دیتے جو جمعہ کے روز نہ نہائے بلکہ یہ کہتے کہ تو جمعہ کے روز نہ نہانے والوں سے بھی بدتر ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ حضرت عثمانؓ مسجد میں داخل ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے اس تاخیر پر اپنی ناراضگی ظاہر کرتے ہوئے دریافت فرمایا کہ کیا یہ وقت آنے کا ہے؟ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا۔ میں نے جمعہ کی آواز سنتے ہی وضو کیا اور وضو کے بعد سیدھا چلا آرہا ہوں۔ (مطلب یہ ہے کہ اتفاقاً دیر ہوگئی۔ ورنہ میں نے آواز سنتے ہی تیاری شروع کردی تھی) حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ ایک تو یہ کہ تاخیر سے آئے اس پر یہ بھی کہ صرف وضو کرکے چلے آئے حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں جمعہ کے دن غسل کا حکم فرمایا کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم' ابوہریرہؓ) حضرت عثمانؓ کے عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ ترک غسل جائز ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

من توضأ یوم الجمعة فبہا و نعمت و من اغتسل فالغسل افضل

(ابوداؤد' ترمذی' نسائی' ابوہریرہؓ)

جس شخص نے جمعہ کے دن وضو کیا ٹھیک کیا اور جس نے غسل کیا تو غسل افضل ہے۔ (۱)

اگر کسی شخص کو غسل جنابت کی ضرورت ہو تو وہ جمعہ کی نیت سے بھی اپنے جسم پر ایک بار پانی بہالے۔ اگر اس نے ازالۂ جنابت کی نیت کی تو یہ بھی صحیح ہے لیکن اگر جنابت کے ساتھ جمعہ کے دن کی نیت بھی کرلی تو زیادہ ثواب ملے گا۔ ایک صحابیؓ اپنے صاحبزادے کے گھر تشریف لے گئے۔ صاحبزادے غسل سے فارغ ہوئے تھے۔ دریافت کیا۔ جمعہ کا غسل ہے؟ جواب دیا نہیں بلکہ جنابت کا غسل ہے۔ فرمایا ! دوبارہ غسل کرو۔ پھر یہ حدیث بیان کی کہ جمعہ کے دن غسل کرنا ہر بالغ مرد پر واجب ہے۔ صحابیؓ نے دوبارہ غسل کے لیے اس لیے کہا کہ صاحبزادے نے غسل جمعہ کی نیت نہیں کی تھی ورنہ ایک غسل کافی ہوجاتا۔ یہ بعید نہیں تھا کہ کوئی شخص ان پر اعتراض کرتا اور یہ کہتا کہ غسل سے اصل مقصود نظافت ہے اور وہ نیت کے بغیر بھی حاصل ہوجاتی ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ معترض کا اعتراض غلط ہے۔ غسل سے صرف نظافت ہی مقصود نہیں ہے بلکہ وہ ثواب بھی مطلوب ہے جو جمعہ کے لیے

---

(۱) غسل یوم جمعہ کے سلسلے میں احناف کا مذہب یہی ہے۔ مترجم (۲) یہ امام احمد ابن حنبلؒ کا مسلک ہے/ مترجم

شریعت نے مقرر کیا ہے اور اس ثواب کا حصول نیت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ نہانے کے بعد وضو ٹوٹ جانے سے غسل باطل نہیں ہوتا۔ اس صورت میں دوبارہ وضو کرلینا چاہیئے لیکن مستحب یہ ہے کہ غسل کے بعد حتی الامکان یہ کوشش کرے کہ وضو باقی رہے۔

تیسرا ادب : جمعہ کے دن زینت بھی مستحب ہے۔ زینت کا تعلق لباس' نظافت اور خوشبو سے ہے۔ نظافت کے لیے مسواک کرے' بال کٹوائے' ناخن تراشے' مونچھیں کٹوائے اور ان تمام ہدایات پر عمل کرے جو کتاب الطہارۃ میں ذکر کی گئی ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں جو شخص جمعہ کے دن اپنے ناخن تراشے اللہ تعالیٰ اس سے مرض نکال دیتا ہے اور شفا داخل کردیتا ہے۔ جو شخص بدھ یا جمعرات کے دن حمام کرچکا ہو اسے جمعہ کے دن حمام کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ مقصد حاصل ہوچکا ہے۔ اب جمعہ کے دن یہ کرنا ہے کہ جو بہترین خوشبو اس کے پاس موجود ہو وہ جسم پر یا کپڑوں پر لگائے۔ خوشبو صرف اتنی استعمال کرنی چاہیئے کہ بدبو پر غالب آجائے اور حاضرین مسجد کے دل و دماغ کے لیے سامان راحت ہو۔ مردوں کے لیے وہ خوشبو عمدہ کہلاتی ہے جس کا رنگ مخفی اور بو ظاہر (تیز) ہو اور عورتوں کے لیے وہ خوشبو بہترین ہے جس کا رنگ ظاہر اور بو ہلکی ہو۔ روایات میں یہی تعریف بیان کی گئی ہے۔ (۱)

امام شافعیؒ کا مقولہ ہے کہ جو شخص اپنے کپڑے صاف رکھے اسے رنج کم ہوتا ہے اور جو شخص خوشبو استعمال کرے اس کی عقل میں اضافہ ہوتا ہے۔ بہترین لباس سفید لباس ہے۔ سفید رنگ کا لباس اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ اس لیے سفید لباس کو ترجیح دے۔ ایسے کپڑے نہ پہنے جن سے تشہیر ہو۔ سیاہ لباس پہننا مسنون نہیں ہے اور نہ اس میں کوئی ثواب ہے بلکہ بعض علماء نے سیاہ لباس کی طرف دیکھنا بھی مکروہ قرار دیا ہے۔ ان کے خیال میں یہ ایک بدعت ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں نے ایجاد کرلی ہے۔ جمعہ کے دن عمامہ باندھنا بھی مستحب ہے۔ ایک حدیث میں ہے۔

ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی اصحاب العمائم یوم الجمعۃ

(طبرانی' ابن عدی' ابوالدرداء)

اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے جمعہ کے دن پگڑی باندھنے والوں کے لیے رحمت بھیجتے ہیں۔

عمامہ باندھنے کے بعد اگر گرمی محسوس کرے تو نماز سے پہلے یا نماز کے بعد اتارنے میں کوئی حرج نہیں ہے مگر جس وقت گھر سے چلے' اس وقت باندھ لے۔ نماز اور خطبے کے دوران بھی باندھے رکھے۔

چوتھا ادب : یہ ہے کہ جامع مسجد کے لیے صبح سویرے روانہ ہو۔ مستحب یہ ہے کہ دو یا تین میل سے جامع مسجد پہنچے۔ صبح صادق سے سویرے کا وقت شروع ہوتا ہے۔ اس لیے صبح صادق ہی سے مسجد کے لیے چل دے۔ سویرے سے مسجد پہنچنے میں بڑا ثواب ہے۔ راستے میں تواضع اور خشوع سے رہے۔ نماز سے فارغ ہونے کے وقت تک مسجد میں بیٹھے۔ بہتر یہ ہے کہ اعتکاف کی نیت کرلے۔ نماز جمعہ کے لیے صبح سویرے مسجد میں پہنچنے کا یہ مقصد قرار دے کہ میں جمعہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی نداء پر لبیک کہتا ہوں اور اس کی مغفرت و رضا کی طرف سبقت کرتا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

من راح الی الجمعۃ فی الساعۃ الاولی فکانما قرب بدنۃ و من راح فی الساعۃ الثانیۃ فکانما قرب بقرۃ و من راح فی الساعۃ الثالثۃ فکانما قرب کبشا اقرن' و من راح فی الساعۃ الرابعۃ فکانما اھدی دجاجۃ و من راح فی الساعۃ الخامسۃ فکانما اھدی بیضۃ فاذا خرج الامام طویت الصحف و رفعت الاقلام و

---

(۱) ابوداؤد' ترمذی اور نسائی میں ابوہریرہؓ کی روایت میں ہے۔ "طیب الرجال ماظھر ریحہ و خفی لونہ و طیب النساء ماظھر لونہ و خفی ریحہ

اجتمعت الملائکۃ عند المنبر یستمعون الذکر فمن جاء بعد ذلک فانما جاء لحق الصلاۃ لیس لہ من الفضل شئی (بیہقی' عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ)

جو شخص نماز جمعہ کے لیے پہلی ساعت میں جائے اس نے گویا اونٹ کی قربانی کی' جو دوسری ساعت میں جائے اس نے گویا گائے کی قربانی کی' جو تیسری ساعت میں جائے گویا اس نے سینگ دار مینڈھے کی قربانی کی' جو چوتھی ساعت میں آجائے اس نے گویا خدا کی راہ میں ایک مرغی ہدیہ کی' جو پانچویں ساعت میں آجائے اس نے گویا خدا کی راہ میں ایک انڈا ہدیہ کیا' جب امام خطبے کے لیے نکلتا ہے تو صحیفے (اعمال) لپیٹ دیئے جاتے ہیں اور ملائکہ بندے کے پاس جمع ہو کر ذکر سننے میں مشغول ہو جاتے ہیں جو شخص اس ساعت کے بعد آئے وہ صرف نماز کا حق ادا کرنے کے لیے آتا ہے۔ اس کے لیے اجر و ثواب میں سے کچھ نہیں ہے۔

اس حدیث میں پہلی ساعت سے صبح صادق سے طلوع شمس تک کا وقت مراد ہے۔ دوسری ساعت سورج بلند ہونے تک ہے۔ تیسری ساعت اس وقت تک ہے جب دھوپ میں تمازت پیدا ہو جائے اور زمین پر پاؤں جلنے لگیں۔ چوتھی اور پانچویں ساعت اس وقت سے زوال کے وقت تک ہے۔ ان دونوں ساعتوں کا ثواب کم ہے۔ زوال کا وقت نماز کے حق کی ادائیگی کا وقت ہے۔ اس میں نماز کے اجر کے علاوہ کوئی اجر نہیں ہے۔ اس سلسلے کی کچھ روایات یہ ہیں۔

۱ - اذا کان یوم الجمعۃ قعدت الملائکۃ علی ابواب المساجد بایدیھم صحف من فضۃ و اقلام من ذھب یکتبون الاول فالاول علی مراتبھم (ابن مردویہ فی التفسیر' علیؓ)

جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو فرشتے مسجدوں کے دروازوں پر بیٹھ جاتے ہیں' ان کے ہاتھوں میں چاندی کے صحیفے اور سونے کے قلم ہوتے ہیں۔ اول اور دوم آنے والوں کے نام ترتیب سے لکھتے رہتے ہیں۔

۲ - ثلاث لو یعلم الناس ما فیھن لرکضوا رکض الابل فی طلبھن' الاذان' والصف الاول والغدو الی الجمعۃ (ابوالشیخ در ثواب الاعمال' ابوہریرہؓ' بخاری و مسلم بلفظ آخر)

تین چیزیں ایسی ہیں کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائیں کہ ان میں کیا اجر و ثواب ہے تو وہ اپنی سواریوں کو ان کی تلاش میں دوڑا دیں۔ اذان' پہلی صف اور صبح سویرے جمعہ کے لیے جانا۔

احمد ابن حنبلؒ اس حدیث کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ان تینوں اعمال میں بھی افضل ترین عمل جمعہ کی نماز کے لیے سبقت کرنا ہے۔

۳ - ان الملائکۃ یتفقدون الرجل اذا تاخر عن وقتہ یوم الجمعۃ فیسأل بعضھم بعضاً عنہ' ما فعل فلان' وما الذی اخرہ عن وقتہ فیقولون ! اللّٰھم ان کان اخرہ فقر : اغنہ وان کان اخرہ مرض فاشفہ' وان کان اخرہ شغل ففرغہ لعبادتک' وان کان اخرہ لھو فاقبل بقلبہ الی طاعتک (بیہقی' عمرو ابن شعیب عن ابیہ عن جدہ)

جب کوئی شخص جمعہ کے دن تاخیر کرتا ہے تو فرشتے اسے تلاش کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے اس کے متعلق دریافت کرتے ہیں کہ فلاں کو کیا ہوا؟ اسے کس وجہ سے تاخیر ہوئی؟ پھر یہ دعا کرتے ہیں اے اللہ ! اگر مفلسی کی وجہ سے اسے دیر ہوئی ہو تو اسے غنی بنا دے۔ اگر مرض کی وجہ سے تاخیر ہوئی ہو تو اسے اپنی عبادت کے لیے فارغ کر دے اور اگر لہو و لعب کی وجہ سے دیر ہوئی ہو تو اس کے دل کو اپنی اطاعت کی طرف

متوجہ کردے۔

قرن اول میں سحر کے وقت اور صبح صادق کے وقت راستے لوگوں سے بھر جاتے تھے۔ یہ لوگ چراغ لے کر جامع مسجد پہنچتے اور عید کی طرح گروہ در گروہ گھروں سے چلتے۔ یہاں تک کہ یہ رواج ختم ہوگیا۔ کہتے ہیں کہ اسلام میں سب سے پہلی بدعت یہ ایجاد ہوئی ہے کہ لوگوں نے صبح سویرے مسجد جانے کی عادت ترک کردی۔ مسلمانوں کو کیا ہوا؟ انہیں یہود و نصاریٰ سے شرم کیوں نہیں آتی؟ یہ لوگ سنیچر اور اتوار کے دن صبح سویرے اپنے عبادت خانوں اور گرجا گھروں میں پہنچ جاتے ہیں۔ دنیاداروں کو دیکھو کس طرح خرید و فروخت کے لیے بازاروں میں پہنچنے کی جلدی کرتے ہیں۔ آخر کیا بات ہے کہ آخرت کے طالبین ان دنیاداروں سے سبقت نہیں لے جاتے؟

کہتے ہیں کہ جب لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دیدار کی سعادت نصیب ہوگی اس وقت انہیں اس قدر قربت حاصل ہوگی جس قدر انہوں نے جمعہ کے لیے جلدی کی ہوگی۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا واقعہ ہے کہ وہ ایک مرتبہ جامع مسجد میں داخل ہوئے۔ دیکھا کہ تین آدمی آپ سے پہلے وہاں موجود ہیں۔ یہ دیکھ کر بڑے آزردہ ہوئے اور اپنے نفس کو ملامت کی کہ وہ تین کے بعد پہنچا۔ حالانکہ یہ درجہ بھی کچھ بعید نہیں ہے۔

پانچواں ادب : یہ ہے کہ مسجد میں داخل ہونے کے بعد لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگے اور نہ ان کے سامنے سے گذرے۔ اول وقت مسجد میں پہنچنے سے یہ دشواری پیش نہیں آئے گی۔ گردنیں پھلانگ کر آگے پہنچنے کی کوشش کرنے کے سلسلے میں بڑی سخت وعید آئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

من تخطی رقاب الناس یوم الجمعۃ اتخذ جسرا الی جھنم

(ترمذی، ابن ماجہ۔ معاذ ابن انسؓ)

جو شخص جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہے اسے جہنم کے لیے پل بنایا جائے گا۔

ابن جریج سے مرسل روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز کے لیے خطبہ ارشاد فرمارہے تھے کہ ایک شخص لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا آگے بڑھا اور اگلی صفوں میں بیٹھ گیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوگئے تو آپ اس کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا۔

ما منعک ان تجمع معنا الیوم

تجھے آج ہمارے ساتھ (جمعہ کی نماز میں) جمع ہونے سے کس نے روکا تھا۔

اس نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ! میں نے تو آپ لوگوں کے ساتھ نماز ادا کی ہے۔ آپ نے فرمایا ! کیا ہم نے تجھے لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے نہیں دیکھا؟ اس حدیث میں یہ بتلایا گیا ہے کہ اس شخص نے گردنیں پھلانگ کر اپنا عمل ضائع کرلیا ہے۔ (ابن المبارک کتاب الرقائق) ایک مسند روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا کہ تجھے ہمارے ساتھ نماز پڑھنے سے کیا امر مانع ہوا؟ اس نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ! کیا آپ نے مجھے دیکھا نہیں تھا۔ میں تو نماز میں شریک تھا۔ آپ نے فرمایا ! "میں نے تجھے دیکھا کہ تاخیر سے مسجد میں آیا اور تو نے لوگوں کو تکلیف پہنچائی۔" اگر پہلی صف میں جگہ خالی ہو اور لوگ اسے چھوڑ کر پچھلی صف میں بیٹھے ہوں تو گردنیں پھلانگ کر آگے جانا صحیح ہے۔ اس لیے کہ پیچھے بیٹھے ہوئے لوگوں نے اپنا حق ضائع کردیا ہے اور فضیلت کی جگہ حاصل نہیں کی ہے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ جو لوگ جمعہ کے دن مسجد کے دروازے پر بیٹھ جاتے ہیں اور جگہ ہونے کے باوجود آگے جاکر نہیں بیٹھتے ان کی گردنیں پھلانگو۔ ان کے لیے احترام کی گنجائش نہیں ہے۔ جب لوگ مسجد میں نماز پڑھ رہے ہوں تو انہیں سلام مت کرو۔ اس لیے کہ غیر محل میں جواب کا مکلف بنانا ہے۔ اس سے اجتناب کرو۔

چھٹا ادب: یہ ہے کہ مسجد میں داخل ہونے کے بعد کسی ستون یا دیوار کی آڑ میں یا کسی ایسی جگہ بیٹھے جہاں گذرنے والوں کو پریشانی نہ ہو اور ایسی جگہ نماز پڑھے کہ لوگ آگے سے نہ گذرنے پائیں۔ یہ صحیح ہے کہ نمازی کے سامنے سے گذرنا نماز کی صحت کے لیے مانع نہیں ہے لیکن اس سے منع فرمایا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

لان یقف اربعین سنۃ خیر لہ من ان یمر بین یدی المصلی

(بزار' زید ابن خالد)

آدمی کے لیے چالیس سال تک کھڑے رہنا اس سے بہتر ہے کہ وہ نمازی کے سامنے سے گذرے۔ (۱)

ایک روایت میں ہے۔

لان یکون الرجل رمادا تذروہ الریاح خیر لہ من ان یمر بین یدی المصلی

(ابو نعیم فی التاریخ' ابن عبد البیرونی التمہید' عبد اللہ ابن عمرؓ)

آدمی راکھ ہو جائے جسے ہوائیں اڑاتی پھریں یہ بہتر ہے اس سے کہ وہ نمازی کے سامنے سے گذرے۔

ایک حدیث میں نمازی کے سامنے سے گذرنے والے کو اس نمازی کو جو راستے میں نماز پڑھتا ہو اور لوگوں کو راستے سے ہٹانے میں کوتاہی کرتا ہو تنبیہہ کی گئی ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے۔

لو یعلم المار بین یدی المصلی والمصلی ماعلیہما فی ذلک لکان ان یقف اربعین سنۃ خیر لہ من ان یمر بین یدیہ (محمد ابن یحیٰ السراج' زید ابن خالدؓ)

اگر نمازی کے سامنے سے گذرنے والا اور نمازی یہ جان لیں کہ اس سلسلے میں ان پر کیا (عذاب) ہے تو چالیس سال تک کھڑے رہنا اس کے لیے اس سے بہتر ہے کہ نمازی کے سامنے سے گذرے۔

ستون' دیوار اور مصلیٰ نمازی کی حدود ہیں۔ اگر کوئی شخص ان حدود کے اندر سے گذرے تو اسے ہٹادو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

لیدفعہ فان ابی فلیدفعہ فان ابی فلیقاتلہ فانہ شیطان (بخاری و مسلم' ابوسعیدؓ)

نمازی کو چاہیے کہ اسے ہٹادے۔ اگر وہ انکار کرے تو پھر ہٹادے۔ پھر انکار کرے تو اس سے جنگ کرے کہ وہ شیطان ہے۔

کوئی شخص اگر حضرت ابوسعید خدریؓ کے سامنے سے گذر جاتا تو وہ اسے اتنی قوت سے دھکا دیتے کہ زمین پر گر جاتا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ وہ شخص ان سے لڑنے لگتا یا ان کی زیادتی کی شکایت مروان سے کرتا۔ مروان جواب میں یہ کہتا کہ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اگر مسجد میں کوئی ستون نہ ہو یا کسی ایسی جگہ نماز پڑھنے کا موقع نہ ملے جہاں دیوار یا ستون کی آڑ ہو تو اپنے سامنے کوئی ایسی چیز (لکڑی) وغیرہ کھڑی کرلے جس کی لمبائی ایک ہاتھ ہو تاکہ اس سے حدود واضح ہوجائیں۔ (۱)

---

(۱) یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی گذری ہے مگر اس میں سنۃ (برس) کا ذکر نہیں ہے بلکہ صرف چالیس عدد مذکور ہے۔ (۲) جب گذرنے والے کے گذرنے کا خیال ہو تو نمازی کے لیے مستحب یہ ہے کہ کوئی ایسا سترہ گاڑدے جس کی لمبائی ایک ہاتھ یا ایک ہاتھ سے زیادہ ہو اور کم سے کم موٹائی انگلی کے برابر ہو۔ سترہ گاڑنا ضروری نہیں بلکہ کوئی ایسی چیز رکھ دے جس کی اونچائی ایک ہاتھ اور موٹائی ایک انگلی کے برابر ہو۔ مسنون یہ ہے کہ سترہ سے قریب رہے۔ اور سترہ ناک کی سیدھ میں گاڑنے کے بجائے ادھر یا ادھر گاڑے۔ اگر کوئی ایسی چیز نہ ملے جسے کھڑا کرسکے تو ایک لمبی لکیر طول میں کھینچ دے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ عرض میں ہلال کی شکل بنادے۔ مستحب یہ ہے کہ گذرنے والے کو ہاتھ سے نہ ہٹائے بلکہ اشارے سے یا سبحان اللہ کہہ کر تنبیہہ کردے۔ دونوں (اشارہ کرنا اور سبحان اللہ کہنا) کو جمع کرنا بھی مکروہ ہے۔ قرأت کی آواز بلند کرکے بھی ہٹا سکتا ہے۔ عورت آواز بلند نہ کرے بلکہ اپنی انگلیوں کی پشت کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کے کنارے پر مار کر آگاہ کردے۔ نمازی گذرنے والے سے جنگ نہ کرے۔ اس سلسلے میں جو حدیث بیان کی جاتی ہے وہ اس وقت کی ہے جب نماز میں عمل جائز تھا۔ اب منسوخ ہوگیا ہے۔ (نور الایضاح کتاب الصلوٰۃ فصل فی اتخاذ السترۃ/ مترجم)

ساتواں ادب : یہ ہے کہ صف اول میں نماز پڑھنے کی کوشش کرے۔ اس میں بڑا ثواب ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے۔

من غسل واغتسل وبکر وابتکر ودنا من الامام واستمع کان ذلک له کفارۃ لما بین الجمعتین وزیادۃ ثلاثۃ ایام (حاکم، اوس ابن اوس)

جو شخص اپنی بیوی کو نہلائے اور خود بھی نہائے، صبح سے مسجد میں پہنچے اور خطبہ کی ابتداء پالے اور امام سے قریب ہو کر خطبہ سنے تو یہ عمل اس کے لیے دو جمعوں اور تین دن کے درمیانی گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔

دوسری روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک مغفرت کردے گا۔ (اصحاب سنن) بعض روایات میں اس عمل کے لیے اس کی بھی شرط لگائی گئی ہے کہ گردنوں کو نہ پھلانگے۔ (ابوداؤد، ابن حبان، حاکم، ابوہریرۃؓ، ابوسعیدؓ)

صف اول میں بیٹھنے سے کبھی غفلت نہ کرے لیکن تین حالتوں میں پچھلی صفوں پر بیٹھنے کی کوشش کرنی چاہیئے کہ اسی میں سلامتی ہے۔ پہلی صورت یہ ہے کہ خطیب کسی ایسی برائی میں مبتلا ہو جس پر وہ نکیر کرنے یا جسے دور کرنے سے عاجز ہو۔ مثلاً اس نے ریشمی لباس زیب تن کر رکھا ہو یا بھاری بھرکم ہتھیار لگا رکھے ہوں اس سے ذہن بھٹکتا ہے اور دل جمعی نہیں ہو پاتی یا سونے کے ہتھیار باندھ رکھے ہوں۔ اس طرح کی دوسری برائیاں ہیں جن پر نکیر واجب ہے مگر وہ اپنے عجز کی وجہ سے نکیر نہیں کر سکتا۔ اس صورت میں سکون دل کے لیے پچھلی صفوں میں بیٹھ جائے۔ چنانچہ سلامتی حاصل کرنے کے لیے بعض علمائے دین ایسا کیا کرتے تھے۔ بشر ابن حارثؒ سے کسی نے عرض کیا کہ آپ صبح سویرے مسجد میں تشریف لے آتے ہیں مگر جماعت کی آخری صفوں میں بیٹھتے ہیں۔ فرمایا کہ دلوں کا قرب مقصود ہے۔ جسموں کی قربت مقصود نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ پچھلی صفوں میں بیٹھنا دل کے لیے مفید ہے۔ سفیان ثوریؒ نے شعیب ابن حرب کو دیکھا کہ مسجد میں منبر کے پاس تشریف فرما ہیں اور ابو جعفر منصور کا خطبہ سن رہے ہیں۔ جب نماز سے فراغت ہوئی تو آپ نے ان سے فرمایا کہ ابو جعفر سے آپ کی اس قربت نے میرے دل کا سکون غارت کر دیا کیا تم نے اس کا ایسا کلام نہیں سنا جس پر انکار واجب تھا۔ پھر کیا تم نے اس پر نکیر کی؟ ان لوگوں نے نئی نئی بدعتیں ایجاد کر لی ہیں مثلاً آج کل سیاہ لباس کی بدعت شروع ہوئی ہے۔ شعیب ابن حربؒ نے فرمایا کہ حدیث میں آیا ہے۔

ادن واستمع (ابوداؤد، سمرہ) قریب ہو کر خطبہ سنو۔

حضرت سفیانؒ نے جواب دیا کہ یہ حدیث خلفائے راشدین مہدیین کے لیے ہے۔ ان لوگوں سے جتنی دوری ہوگی خدا تعالیٰ کی اسی قدر قربت نصیب ہوگی۔ سعید ابن عامرؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوالدرداءؓ کے برابر کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔ انہوں نے صفوں سے پیچھے ہونا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ہم بالکل آخر صف میں پہنچ گئے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے ان سے عرض کیا! کیا پہلی صف افضل نہیں ہے؟ انہوں نے فرمایا۔ ہاں! یہ امت مرحومہ ہے اور امتوں میں سے اس پر نظر رحمت ہے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے پر نماز میں رحمت کی نظر کرتا ہے تو اسے اور اس کے پیچھے جس قدر لوگ ہیں سب کی بخشش کر دیتا ہے۔ میں اس لیے آخری صف میں آگیا کہ اللہ مجھے بھی کسی ایسے شخص کے طفیل بخش دے جس پر وہ نماز میں رحمت کی نظر کرے[1]

ایک راوی کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص اس مقصد سے پیچھے ہٹے۔ دوسرے شخص کو اپنی ذات پر ترجیح دے اور خوش اخلاقی کا اظہار کرے تو پچھلی صفوں میں نماز پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ اس وقت یہ کہا جائے گا کہ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے۔ (جیسی نیت ہوگی ویسا ہی عمل ہوگا)

دوسری صورت یہ ہے کہ بادشاہوں کے لیے خطیب کے منبر کے برابر میں کوئی الگ مکان مخصوص کر دیا گیا ہو اس صورت میں پہلی صف افضل ہے۔ مگر بعض علماء نے اس مخصوص مکان میں جانے سے منع کیا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ اور بکر مزنیؒ ایسی جگہوں پر نماز نہیں پڑھتے تھے۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ یہ ایک بدعت ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مساجد میں ایجاد کی گئی۔

(۱) یہ روایت مجھے نہیں ملی۔

ہے حالانکہ مسجد عام ہے۔ ہر ایک کے لیے ہے۔ اس کا کوئی حصہ کسی کے لیے مخصوص کرنا بدعت ہے۔ انس ابن مالکؓ اور عمران ابن حصینؓ نے اس طرح کے کمروں میں امام کی قربت کے خیال سے نماز پڑھی ہے اور اسے مکروہ نہیں سمجھا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ کراہت اس صورت میں ہوگی کہ لوگوں کو اس میں داخل ہونے اور نماز پڑھنے سے روک دیا جائے۔ اگر ایسی کوئی بات نہیں تو کراہت کا موجب باقی نہیں رہتا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ منبر بعض صفوں کے بیچ میں آجاتا ہے۔ اس سے وہ صفیں مکمل نہیں رہتیں چنانچہ پہلی صف وہ قرار پائے گی جو امام کے سامنے ہو۔ یعنی منبر کے سامنے والے حصے سے ملی ہوئی ہو۔ حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ صف اول وہ ہے جو منبر سے نکلی ہوئی ہو اور سامنے ہو۔ متصف صف وہی ہے اور اس صف پر بیٹھا ہوا آدمی ہی امام کے سامنے ہوتا ہے اور اس کا خطبہ سنتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس امر کی رعایت نہ کی جائے اور پہلی صف اس صف کو قرار دیا جائے جو قبلے سے زیادہ قریب ہو۔ بازاروں میں اور مسجد سے خارج میدانوں میں نماز پڑھنا مناسب نہیں ہے۔ صحابہؓ ان جگہوں میں نماز پڑھنے والوں کو مارا کرتے تھے۔

آٹھواں ادب: یہ ہے کہ جب امام منبر کی طرف جانے لگے تو نماز اور کلام کا سلسلہ موقوف کردے بلکہ پہلے مؤذن کی اذان کا جواب دے۔ (۱) اور پھر امام کا خطبہ سنے۔ بعض عوام مؤذن کی اذان کے وقت سجدہ کرتے ہیں۔ اس کی کوئی اصل نہیں ہے اور نہ کوئی حدیث اس پر دلالت کرتی ہے۔ ہاں اگر اس وقت سجدۂ تلاوت کی ضرورت پیش آجائے تو سجدہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ یہ افضل وقت ہے۔ اس وقت میں سجدے کی حرمت کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص جمعہ کے خطبے کے دوران خاموش رہے اور غور سے سنے اس کے لیے دو اجر ہیں۔ جو شخص خاموش رہے۔ مگر خطبہ نہ سنے اس کے لئے ایک اجر ہے اور جو شخص خطبہ بھی سنے اور لغو گفتگو بھی کرتا ہے اسے ڈبل گناہ ملے گا اور جو شخص خاموش رہے اور نہ خطبہ سنے بلکہ لغو گفتگو کرتا رہے اسے ایک گناہ ملے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

من قال لصاحبہ والامام یخطب انصت او مہ فقد لغا و من لغا والامام یخطب فلا جمعۃ لہ (ابوداؤد، علیؓ)

جو شخص امام کے خطبے کے دوران اپنے ساتھی سے کہے چپ رہ یا اب سکوت کرے تو وہ لغو کام کرتا ہے اور جو شخص امام کے خطبے کے دوران لغو کام کرے اس کا جمعہ نہیں ہے۔

اس حدیث سے یہ سمجھ آتا ہے کہ اشارے سے یا کنکری مار کر چپ رہنے کے لیے کہے، زبان سے نہ کہے۔ حضرت ابوذرؓ کی روایت میں ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبۂ جمعہ کے دوران ابی ابن کعبؓ سے دریافت کیا کہ یہ سورت کب نازل ہوئی ہے؟ حضرت ابی نے اشارے سے کہا، چپ رہو۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے نیچے تشریف لے آئے تو ابی نے ابوذر سے کہا کہ تمہارا جمعہ نہیں ہے۔ (۲) ابوذر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا کہ اُبیؓ نے سچ کہا۔

اگر کوئی شخص امام سے دور ہو تو اسے بھی گفتگو سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ اس کی گفتگو کا تعلق علم سے ہو یا کسی اور موضوع سے۔ اس لیے کہ دور کی گفتگو بھنبھناہٹ بن کر اگلی صفوں میں پہنچے گی اور اس سے نماز میں خلل پیدا ہوگا۔ چنانچہ ان لوگوں کے حلقے میں نہ بیٹھے جو گفتگو میں مشغول ہوں۔ جو شخص دوری کی وجہ سے امام کا خطبہ سننے سے محروم رہے اس کے لیے خاموش رہنا ہی

(۱) جمعہ کی اذان ثانی کا جواب دینا بمذہب احناف درست نہیں ہے بلکہ مکروہ ہے۔ (الدر المختار باب الاذان ج ۱ص ۷۱، ۳، در المختار ج ۱ص ۷۴۹/ مترجم) (۲) یہ مطلب نہیں کہ اس کے ذمے سے فرضیت جمعہ ساقط نہیں ہوگی اور نماز کالعدم قرار پائے گی بلکہ مطلب یہ ہے کہ بولنے سے اجر و ثواب میں کمی آجاتی ہے۔ جیسا کہ حضرت علیؓ اور عثمانؓ کی روایت سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ بولنے والے پر گناہ ہوگا۔/ مترجم

مستحب ہے۔ جب نماز خطبے کی حالت میں مکروہ ہے تو کلام بطریق اولیٰ مکروہ ہوگا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ نوافل چار اوقات میں مکروہ ہیں۔ فجر کے بعد' عصر کے بعد' زوال کے وقت اور خطبۂ جمعہ کے دوران۔

نواں ادب : یہ ہے کہ جمعہ کی اقتداء میں ان امور کی رعایت کرے جنہیں ہم جمعہ کے علاوہ نمازوں کے ضمن میں بیان کرچکے ہیں۔ چنانچہ جب امام کی قرأت سنے تو سورۂ فاتحہ کے علاوہ کچھ نہ پڑھے۔(۱) جمعہ کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد بولنے سے پہلے سات بار سورۂ فاتحہ' سات سات مرتبہ قل ھواللہ احد اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھے۔ بعض اکابر فرماتے ہیں کہ جو مذکورہ بالا سورتیں بتلائے ہوئے طریقے پر تلاوت کرے گا وہ اس جمعہ سے دوسرے جمعہ تک محفوظ رہے گا۔ شیطان سے پناہ میں رہے گا۔ مستحب یہ ہے کہ نماز جمعہ کے بعد یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ يَا غَنِيُّ يَا حَمِيْدُ يَا مُبْدِئُ يَا مُعِيْدُ يَا رَحِيْمُ يَا وَدُوْدُ اَغْنِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَبِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ ۔

اے اللہ ! اے بے نیاز' اے حمید' اے ابتداء کرنے والے' اے دوبارہ لوٹانے والے' اے رحم کرنے والے' اے ودود مجھے اپنا حلال رزق دے کر حرام سے نجات دے اور اپنے فضل و کرم سے اپنے سوا دوسروں سے بے نیاز کر۔

کہتے ہیں کہ جو شخص اس دعا پر مداومت کرتا ہے اسے اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے بے نیاز کردیتا ہے اور اس طرح روزی عطا کرتا ہے کہ اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔ جمعہ کی نماز کے بعد چھ رکعات پڑھے۔ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے بعد دو رکعات نماز پڑھتے تھے۔ (بخاری و مسلم) حضرت ابو ہریرہؓ نے چار رکعات روایت کی ہیں۔ (مسلم) حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں چھ رکعات کا ذکر ہے۔ (بیہقی' علیؓ و ابوداؤد' ابن عمرؓ) یہ تمام روایات مختلف حالات میں درست ہیں تو افضل یہی ہے کہ اکمل روایت (چھ کی روایت) پر عمل کیا جائے تاکہ تمام روایات پر عمل ہوجائے۔

دسواں ادب : یہ ہے کہ عصر کی نماز تک مسجد میں رہے۔ مغرب تک ٹھہرے تو زیادہ بہتر ہے۔ کہتے ہیں کہ جو شخص عصر کی نماز تک جامع مسجد میں رہتا ہے کہ اسے ایک حج کا ثواب ملتا ہے اور جو مغرب کی نماز تک قیام کرتا ہے اسے حج و عمرہ کا ثواب ملتا ہے۔ اس صورت میں اگر تصنع سے یا کسی اور مصیبت سے محفوظ رہنے کا اندیشہ ہو مثلاً یہ خیال آجائے کہ لوگ اسے اعتکاف سمجھیں گے یا وہ لغو باتوں میں مشغول ہوجائے گا تو خدا کا ذکر کرتے ہوئے اور اس کی نعمتوں کا دھیان جمائے ہوئے گھر واپس چلا آئے۔ اس پر اللہ رب العزت کا شکر ادا کرے کہ اس نے عبادت کی توفیق عطا فرمائی۔ اپنی کوتاہیوں سے ڈرتا رہے۔ غروب آفتاب تک اپنے دل اور زبان کی نگرانی رکھے تاکہ وہ بہترین ساعت ضائع نہ ہوں جو جمعہ کے دن مقرر کی گئی ہے جامع مسجد اور دیگر مساجد میں دنیا کی باتوں سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

یاتی علی امتی زمان یکون حدیثهم فی مساجدهم امر دنیاهم

(حاکم' انس ابن مالکؓ)

میری امت کے لوگوں پر ایک دور آئے گا کہ مساجد میں ان کی گفتگو کا موضوع دنیاوی معاملات ہوں گے۔

جمعہ کے دن کے آداب : یہ سات آداب ہیں جو ترتیب سابق سے الگ ہیں۔ ان کا تعلق جمعہ کے دن سے ہے۔

---

(۱) امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کے بارے میں احناف کے مسلک میں بیان کیا جاچکا ہے۔/ مترجم

پہلا ادب : یہ ہے کہ صبح کو نماز جمعہ کے بعد یا عصر کے بعد علم کی مجلسوں میں حاضر ہو۔ قصہ گویوں کی مجلسوں میں نہ جائے۔ اس لیے کہ ان باتوں میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ راہ آخرت کے سالکین کو چاہیئے کہ وہ جمعہ کے دن ہر لحہ دعائیں کرتے رہیں اور نیک اعمال میں مشغول رہیں تاکہ وہ نیک ساعت جس وقت اسے ملے جب وہ کسی اچھے عمل میں لگا ہوا ہو۔ جو مجلسیں نماز سے پہلے ہوتی ہوں ان میں نہ جانا چاہیئے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے روز نماز سے پہلے حلقے بنانے سے منع فرمایا ہے۔ (۱) ہاں ! اگر کوئی عارف باللہ بزرگ اور عالم جامع مسجد میں صبح کے وقت سے وعظ کہہ رہا ہو اور اپنے وعظ میں اللہ تعالیٰ کے انعامات اور انتقامات کا ذکر کر رہا ہو اور اللہ تعالیٰ کے دین کی تشریح کر رہا ہو تو اس کی مجلس میں بیٹھ جائے۔ اس طرح اسے صبح سویرے مسجد پہنچنے کی فضیلت اور آخرت میں مفید علم کے حصول کی سعادت بیک وقت حاصل ہوں گی اور اس طرح کے مواعظ سننا نوافل میں مشغول ہونے سے افضل ہے۔ چنانچہ حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مجلس علم میں حاضر ہونا ہزار رکعت نماز سے افضل ہے۔ قرآن پاک میں ہے۔

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ
(پ ۲۸' ر ۱۲' آیت ۱۰)

پھر جب نماز پوری ہو جائے تو تم زمین پر چلو پھرو اور خدا کی روزی تلاش کرو۔

حضرت انس ابن مالکؓ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس سے مراد دنیا کی طلب نہیں ہے بلکہ یہ مراد ہے کہ نماز کے بعد بیمار کی عیادت کرو' جنازوں میں شریک ہو' علم حاصل کرو اور جنہیں تم اللہ کے لیے بھائی بنائے ہوئے ہو ان سے ملو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں علم کی تعبیر "فضل" سے کی ہے۔

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا (پ ۵' ر ۱۴' آیت ۱۱۳)

اور آپ کو وہ باتیں بتلائی ہیں جو آپ نہ جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔

ایک جگہ فرمایا۔

لَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا فَضْلاً (پ ۲۲' ر ۸' آیت ۱۰)

اور ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے بڑی نعمت دی تھی۔

اس اعتبار سے جمعہ کے دن علم سیکھنا اور سکھانا افضل ترین عبادات میں شمار ہوگا۔ قصہ گویوں اور اہل علم کی مجلسوں میں فرق یہ ہے کہ علم کی مجلسیں نوافل نماز سے افضل ہیں اور قصہ گویوں کی مجلسیں نماز سے افضل نہیں ہیں۔ سلف صالحین کے زمانے میں قصہ گوئی بدعت تھی۔ یہ حضرات قصہ گویوں کو مسجدوں سے باہر نکال دیا کرتے تھے۔ چنانچہ عبداللہ ابن عمرؓ ایک مرتبہ صبح سویرے جامع مسجد تشریف لے گئے اور اپنی جگہ پہنچے تو دیکھا کہ ایک قصہ گو ان کی جگہ بیٹھا ہوا قصے بیان کر رہا ہے۔ آپ نے اس سے کہا کہ اس جگہ سے اٹھو۔ قصہ گو نے کہا کہ میں پہلے سے بیٹھا ہوا ہوں۔ آپ مجھے نہیں اٹھا سکتے۔ ابن عمرؓ نے ایک سپاہی کو بلوایا اور اسے اپنی جگہ سے اٹھا دیا۔ اگر قصہ گوئی مسنون ہوتی تو اس قصہ گو کو روکنا اور اپنی جگہ سے اٹھا دینا کب جائز تھا۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لا يقيمن احدكم اخاه من مجلسه ثم يجلس فيه ولكن تفسحوا و توسعوا
(بخاری و مسلم' ابن عمرؓ)

تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو اس جگہ سے اٹھا کر خود نہ بیٹھے بلکہ ہٹ جاؤ اور گنجائش پیدا کرو (یعنی اسے بیٹھنے کے لیے جگہ دو)

---

(۱) یہ روایت عمرو ابن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے ابوداؤد نسائی اور ابن ماجہ میں ہے۔ عبداللہ ابن عمر سے مجھے نہیں ملی۔

حضرت ابن عمرؓ کا اصول یہ تھا کہ اگر کوئی شخص مسجد میں ان کے لیے جگہ چھوڑ کر اٹھ جاتا تو وہاں نہ تشریف رکھتے بلکہ اسے اپنی جگہ بیٹھنے کے لیے مجبور کرتے۔ روایت ہے کہ ایک قصہ گو حضرت عائشہؓ کے حجرے میں آکر جم گیا۔ آپ نے حضرت ابن عمرؓ کو اس کی اطلاع کرائی اور کہا کہ یہ شخص اپنے قصوں سے مجھے پریشان کررہا ہے اور ذکر و تسبیح سے روک رہا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ نے اس شخص کو اس قدر مارا کہ ایک چھڑی ٹوٹ گئی پھر اسے باہر نکال دیا۔

دوسرا ادب : یہ ہے کہ جمعہ کے دن کی مبارک ساعت کی اچھی طرح نگرانی رکھے' ایک مشہور روایت میں ہے:۔

ان فی الجمعة ساعة لا یوافقها عبد مسلم یسأل اللّٰه فیها شیئا الا اعطاه۔

(ترمذی' ابن ماجہ۔ عمرو ابن عوف مزنیؓ)

جمعہ کے دن ایک گھڑی ایسی ہے کہ اگر کوئی بندہ اس گھڑی کو پالے' اور اس میں اللہ سے کچھ مانگے تو اللہ اسے عطا کرتا ہے۔

ایک روایت میں عبد مسلم کی عبد مصل ہے' یعنی نماز پڑھنے والا بندہ (بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہؓ) اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ وہ ساعت کون سی ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ ساعت طلوع آفتاب کے وقت ہے' بعض لوگ زوال کے وقت' بعض اذان کے وقت' اور بعض اس وقت بتلاتے ہیں جب امام خطبہ دینے کے لیے منبر پر کھڑا ہو' اور خطبہ دینا شروع کرے' بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ ساعت اس وقت ہے جب لوگ نماز کے لیے کھڑے ہوں' بعض لوگ عصر کا آخری وقت' اور بعض دوسرے لوگ سورج غروب ہونے سے پہلے کا وقت اس ساعت کا وقت بتلاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس آخری ساعت کی رعایت فرماتی تھیں' اور اپنی خادمہ کو حکم دیا کرتی تھیں کہ وہ غروب آفتاب کی منتظر رہے' اور جب غروب کا وقت قریب آجائے تو انھیں اطلاع کردے' چنانچہ خادمہ انھیں اطلاع کردیا کرتی تھی' اور حضرت فاطمہؓ دعا و استغفار میں مشغول ہو جایا کرتی تھیں' یہ بھی فرماتیں کہ اس ساعت کا انتظار کیا جاتا ہے' انھوں نے یہ روایت اپنے والد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی ہے۔ (دار قطنی فی العلل' بیہقی فی الشعب)۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ متعین ساعت نہیں ہے' بلکہ مبہم ہے اور جمعہ کے دن کسی بھی وقت ہو سکتی ہے بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ ساعت بدلتی رہتی ہے' یعنی کسی جمعہ کو طلوع آفتاب کے وقت' اور کسی دوسرے جمعہ کو غروب آفتاب کے وقت' اس کا حال شب قدر کا سا ہے کہ چند راتوں میں دائر سائر ہے۔ متعین نہیں ہے' یہی قول درست معلوم ہوتا ہے۔ اس طرح ساعت کو دائر و سائر رکھنے میں ایک راز بھی ہے' جس کا ذکر یہاں مناسب نہیں ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

ان لربکم فی ایام دهرکم نفحات الا فتعرضوا لها (حکیم ترمذی فی النوادر' طبرانی فی الاوسط)

تمہارے رب کے لیے تمہارے زمانے کے دنوں میں کچھ نفحات ہیں' تمہیں چاہیے کہ ان کے درپے رہو۔

جمعہ کا دن بھی ان ایام میں شامل ہے' اس لیے بندہ کو چاہیئے کہ وہ جمعہ کے دن ان نفحات کی تلاش میں لگا رہے' وسوسوں سے اپنے دل کو دور رکھے' شاید ان نفحات میں سے کوئی نفحہ اس کے نصیب میں بھی ہو۔ کعب ابن احبارؓ نے ایک مرتبہ یہ فرمایا کہ وہ ساعت جمعہ کے دن کی آخری ساعت ہے' اس پر حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ اعتراض کیا کہ یہ ساعت جمعہ کے دن کی آخری ساعت کیسے ہو سکتی ہے۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس شخص کو وہ ساعت بحالت نماز مل جائے' اور آخری ساعت نماز کا وقت نہیں ہے' کعب ابن احبارؓ نے جواب دیا کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ جو شخص بیٹھ کر نماز کا انتظار کرے وہ نماز ہی میں ہے' ابو ہریرہؓ نے کہا: بے شک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے۔

حضرت کعبؓ نے کہا کہ تمہاری بیان کردہ حدیث میں یہی نماز مراد ہے' اس پر حضرت ابوہریرہؓ خاموش ہوگئے۔(۱) حضرت کعب ابن احبارؓ کا خیال یہ تھا کہ یہ ساعت اللہ کی رحمت ہے' اور اس کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو جمعہ کے دن حقوق ادا کرتے ہیں' اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ رحمت بندوں کو اس وقت ملنی چاہیئے جب وہ حقوق کی ادائیگی سے فارغ ہو جائیں۔ بہرحال ان دونوں ساعتوں میں (آخری ساعت میں' اور اس وقت جب امام خطبہ کے لیے منبر پر کھڑا ہو) کثرت سے دعائیں مانگو۔(۲) یہ دونوں ساعتیں مبارک ہیں۔

تیسرا ادب : یہ ہے کہ جمعہ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود بھیجے' ارشاد نبویؐ ہے۔

من صلى علي في يوم الجمعة ثمانين مرة غفر الله له ذنوب ثمانين سنة قيل يارسول الله! كيف الصلاة عليك قال تقول اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَنَبِيِّكَ وَرَسُوْلِكَ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وتعقد واحدة۔ (دار قطنی۔ ابن المسیبؒ)

جو شخص مجھ پر جمعہ کے دن اسّی مرتبہ درود بھیجے اللہ تعالیٰ اس کے اسّی برس کے گناہ معاف کردیں گے۔ کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ پر درود کس طرح بھیجا جائے گا' فرمایا یہ الفاظ کہو گے' اللّٰھم صل الخ' اور ایک عقد کرو گے (یعنی یہ ایک مرتبہ ہو گا)۔

ایک درود یہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تَكُوْنُ لَكَ رِضًا وَلِحَقِّهٖ اَدَاءً وَاَعْطِهِ الْوَسِيْلَةَ وَابْعَثْهُ الْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ وَاجْزِهٖ عَنَّا مَا هُوَ اَهْلُهٗ وَاجْزِهٖ اَفْضَلَ مَا جَازَيْتَ نَبِيًّا عَنْ اُمَّتِهٖ وَصَلِّ عَلٰى جَمِيْعِ اِخْوَانِهٖ مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصَّالِحِيْنَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

اے اللہ رحمت بھیج محمد اور آل محمد پر ایسی رحمت جس میں تیری رضا ہو' اور جو ان کا حق ادا کرے' محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ عنایت کرے' اور جس مقام محمود کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اس پر ان کو اٹھا' ان کو ہماری طرف سے وہ بدلہ دے جس کے وہ لائق ہیں' اور ہماری طرف سے اس سے افضل بدلہ دے جو کسی نبی کو تو نے اس کی امت کی طرف سے دیا ہو' اے ارحم الراحمین! ان کے بھائیوں یعنی انبیاء و صالحین پر رحمت بھیج۔

یہ درود سات بار پڑھا جائے۔ کہتے ہیں کہ جو شخص اس درود کو سات بار پڑھتا ہے' اور سات جمعوں تک اس کا التزام کرتا ہے تو اس کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ضرور ہوگی۔ اگر درود میں الفاظ کی کثرت مقصود ہو تو یہ درود پڑھا جائے۔(۳)

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فَضَائِلَ صَلَوٰاتِكَ وَنَوَامِيَ بَرَكَاتِكَ وَشَرَائِفَ زَكَوٰاتِكَ وَرَأْفَتَكَ وَرَحْمَتَكَ وَتَحِيَّتَكَ عَلٰى مُحَمَّدٍ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِيْنَ وَخَاتِمِ النَّبِيِّيْنَ وَرَسُوْلِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ قَائِدِ الْخَيْرِ وَفَاتِحِ الْبِرِّ وَنَبِيِّ الرَّحْمَةِ وَسَيِّدِ

---

(۱) ابوداؤد اور ترمذی نے ابوہریرہؓ سے یہ روایت نقل کی ہے' مگر اس میں عبداللہ ابن سلام کا قول ہے کعب ابن احبار کا نہیں۔ (۲) مگر یہ دعائیں جہر کے ساتھ نہ ہوں بلکہ دل دل میں ہوں۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۷۶۸) مترجم (۳) ابن ماجہ۔ ابن مسعودؓ

الْاُمَّةِ اَللّٰهُمَّ ابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُوْدًا تَزْلِفُ بِهِ قُرْبَهُ وَتُقِرُّ بِهِ عَيْنَهُ يَغْبِطُهُ بِهِ الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ اَللّٰهُمَّ اَعْطِهِ الْفَضْلَ وَالْفَضِيْلَةَ وَالشَّرَفَ وَالْوَسِيْلَةَ الدَّرَجَةَ الرَّفِيْعَةَ وَالْمَنْزِلَةَ الشَّامِخَةَ الْمُنِيْفَةَ اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُحَمَّدًا سُوْلَهُ وَبَلِّغْهُ مَاْمُوْلَهُ وَاجْعَلْهُ اَوَّلَ شَافِعٍ وَاَوَّلَ مُشَفَّعٍ اَللّٰهُمَّ عَظِّمْ بُرْهَانَهُ وَثَقِّلْ مِيْزَانَهُ وَاَبْلِجْ حُجَّتَهُ وَارْفَعْ فِيْ اَعْلَى الْمُقَرَّبِيْنَ دَرَجَتَهُ اَللّٰهُمَّ احْشُرْنَا فِيْ زُمْرَتِهِ وَاجْعَلْنَا مِنْ اَهْلِ شَفَاعَتِهِ وَاَحْيِنَا عَلٰى سُنَّتِهِ وَتَوَفَّنَا عَلٰى مِلَّتِهِ وَاَوْرِدْنَا حَوْضَهُ وَاسْقِنَا بِكَاْسِهِ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا نَادِمِيْنَ وَلَا شَاكِّيْنَ وَلَا مُبَدِّلِيْنَ وَلَا فَاتِنِيْنَ وَلَا مَفْتُوْنِيْنَ اٰمِيْنَ يَارَبَّ الْعَالَمِيْنَ۔

اے اللہ اپنی بہترین رحمتیں' اپنی بڑھنے والی برکتیں' پاکیزہ طہارتیں' رافت' رحمت اور سلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھیج' انبیاء کے سردار' متقین کے امام' خاتم الانبیاء' رب العالمین کے پیغمبر' خیر کی طرف کھینچنے والے' نیکیوں کے (دروازے) کھولنے والے' رحمت کے پیغمبر اور آقا ہیں۔ اے اللہ انھیں اس مقام محمود پر اٹھا' جس کی وجہ سے تو ان کا تقرب بڑھادے اور انکی آنکھیں ٹھنڈی کرے' اور جس پر اگلے پچھلے ان سے رشک کریں' اے اللہ! انھیں فضل' فضیلت' شرف' وسیلہ' اور بلند مرتبہ اور اونچا درجہ عطا فرما۔ اے اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی درخواست قبول کر' ان کا مدعا پورا فرما' اور انھیں سب سے پہلا سفارش کرنے والا' اور سب سے پہلا سفارش کیا جانے والا بنا' اے اللہ! ان کی برہان عظیم کر' ان کی میزان بھاری فرما' انکی حجت روشن کر' ان کا درجہ مقربین کے اعلیٰ درجہ میں کر اے اللہ! ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمرے میں اٹھا' ہمیں ان کی شفاعت کے مستحقین میں بنا' ہمیں ان کی سنت پر زندہ رکھ' اور ان کی ملت پر موت دے' ہمیں ان کی حوض پر وارد کر' اور ان کے پیالے سے ہمیں پانی پلا' اس حال میں نہ ہم رسوا ہوں' نہ شرمندہ ہوں' نہ شک کرنے والے ہوں' نہ تحریف کرنے والے ہوں' اور نہ فتنہ برپا کرنے والے ہوں' اور نہ فتنے میں پڑنے والے ہوں' اے رب العالمین ہماری دعا قبول فرما۔

درود سب ایک ہیں' جو بھی درود پڑھے گا' خواہ تشہد میں پڑھے جانے والے درود ہی کیوں نہ ہوں' درود پڑھنے والا کہلائے گا' درود پر استغفار کا اضافہ بھی کرلینا چاہیئے' جمعہ کے روز استغفار کرنا بھی مستحب عمل ہے۔

چوتھا ادب : یہ ہے کہ قرآن کی تلاوت بکثرت کرے' خصوصاً "سورۂ کہف" کی تلاوت ضرور کرے' حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جو شخص سورۂ کہف کی تلاوت کرے گا اسے پڑھنے کی جگہ سے مکہ مکرمہ تک نور عطا کیا جائے گا اور اگلے جمعہ تک تین روز کے اضافے کے ساتھ گناہوں کی مغفرت کی جائے گی' اس کے لیے ستّر ہزار فرشتے صبح تک رحمت کی دعا کرتے ہیں' یہ شخص درد' پیٹ کے پھوڑے' ذات الجنب' برص' جذام اور فتنۂ دجال سے محفوظ رہتا ہے۔ (۱)
مستحب یہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو جمعہ کے دن یا جمعہ کی شب میں قرآن پاک ختم کرے' اگر رات میں تلاوت کا معمول ہو تو فجر کی سنتوں میں یا مغرب کی سنتوں یا جمعہ کی اذان اور تکبیر کے درمیانی وقفے میں ختم کرے۔ اس طرح ختم کرنے میں بڑا اجر و ثواب ہے۔ بزرگان دین کا معمول یہ تھا کہ وہ جمعہ کے روز سورۂ اخلاص (قل ھو اللہ احد) ایک ہزار بار پڑھا کرتے تھے' کہتے ہیں کہ دس رکعتوں میں یا بیس رکعتوں میں سورۂ اخلاص کی ایک ہزار بار تلاوت ایک بار ختم قرآن سے افضل ہے۔ سورۂ اخلاص کے

---

(۱) یہ روایت بیہقی میں ابوسعیدؓ سے منقول ہے۔ ابن عباسؓ اور ابوہریرہؓ سے نہیں ملی۔

ساتھ یہ اولیاء اللہ دو ہزار مرتبہ درود پڑھتے تھے' اور سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ ہزار بار پڑھا کرتے تھے۔ جمعہ کی رات میں چھ مسبحات کی تلاوت بھی افضل ہے' چھ مسبحات یہ ہیں:۔ اسرائیل' حدید' صف' جمعہ' تغابن اور اعلیٰ ... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی بھی روز متعین سورتیں نہیں پڑھتے' لیکن جمعہ اور شب جمعہ میں متعین سورتیں پڑھنے کا معمول تھا۔ جمعہ کی شب مغرب کی نماز میں قُلْ یَآ اَیُّھَا الْکَافِرُوْنَ اور قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ پڑھا کرتے تھے اور اس رات کی نماز عشاء میں سورۂ جمعہ اور المنافقوں کی تلاوت کرتے تھے (بیہقی۔ جابر ابن سمرۃؓ)۔ یہ بھی روایت ہے کہ مؤخر الذکر دونوں سورتیں آپ جمعہ کی نماز میں پڑھا کرتے تھے اور جمعہ کے دن صبح کی نماز میں الم سجدہ' اور دہر کی تلاوت کا معمول تھا۔ (مسلم۔ ابن عباسؓ ابو ہریرۃؓ)۔

پانچواں ادب : یہ ہے کہ جامع مسجد میں داخل ہونے کے بعد چار رکعت نماز پڑھے' اور ہر رکعت میں سورۂ اخلاص پچاس مرتبہ پڑھے' اس طرح کل تعداد دو سو ہو جائے گی' اس سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص یہ عمل کرے گا وہ مرنے سے پہلے اپنا ٹھکانہ جنت میں دیکھ لے گا' یا اسے اس کا ٹھکانہ دکھا دیا جائے گا۔ (خطیب از مالک۔ ابن عمرؓ)۔ دو رکعت تحیۃ المسجد بھی ضرور پڑھے' اگرچہ امام خطبہ دے رہا ہو۔ (۱) لیکن اس صورت میں مختصر نماز پڑھے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صورت میں تخفیف صلوٰۃ کا حکم فرمایا ہے (مسلم۔ جابر ابن عبداللہؓ)۔ ایک غریب روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا۔ آنحضرتؐ نے اسے دیکھ کر کچھ دیر کے لیے خاموشی اختیار کی' اس دوران آنے والے شخص نے دوگانۂ تحیت ادا کیا (دار قطنی۔ انسؓ)۔ اسی بناء پر فقہائے کوفہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر امام خاموش رہے تو دوگانۂ تحیت سے فارغ ہولے۔ یہ بھی مستحب ہے کہ جمعہ کے دن یا شب جمعہ میں چار رکعات چار سورتوں کے ساتھ پڑھے' وہ چار سورتیں یہ ہیں۔ انعام' کہف' طٰہٰ' یٰسٓ' اگر یہ سورتیں یاد نہ ہوں تو یٰسین' الم سجدہ' دخان' اور ملک کی تلاوت کرے' جمعہ کی شب میں ان سورتوں کی تلاوت کا التزام رکھے' اس عمل میں بڑا ثواب ہے۔ سورۂ اخلاص کثرت سے پڑھے۔ جمعہ کے دن صلوٰۃ التسبیح پڑھنا بھی مسنون ہے۔ اس نماز کا طریقہ نوافل کے باب میں ذکر کیا جائے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباسؓ سے فرمایا تھا۔

صلھافی کل جمعۃ (ابوداؤد' ماجہ)

یہ نماز ہر جمعہ کو پڑھو۔

چنانچہ حضرت ابن عباس نے اپنا معمول قرار دے لیا تھا۔ جمعہ کے دن زوال کے بعد صلوٰۃ التسبیح پڑھتے' اور کبھی ترک نہ کرتے' آپ اس کے اجر و ثواب کا بھی ذکر فرماتے رہتے تھے۔ بہتر یہ ہے کہ اپنے دن کو تین حصوں میں تقسیم کرلو۔ صبح سے زوال تک نماز کے لیے' جمعہ کی نماز سے عصر تک علمی مجلسوں میں حاضری کے لیے' عصر سے مغرب تک تسبیح و استغفار کے لیے۔

چھٹا ادب : یہ ہے کہ جمعہ کے دن کثرت سے صدقہ و خیرات کرے۔ آج کے دن صدقے کا دوہرا اجر ملتا ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اس شخص کو صدقہ نہ دیا جائے جو امام کے خطبے کے دوران مانگنا شروع کردے' یا امام کا خطبہ سننے کے بجائے بولتا رہے ایسے شخص کو صدقہ دینا مکروہ ہے۔ صالح ابن محمدؒ کہتے ہیں کہ ایک فقیر نے جمعہ کے دن امام کے خطبے کے دوران سوال کیا' ایک شخص نے جو میرے والد کے برابر بیٹھا ہوا تھا ایک دینار میرے والد کو دیا کہ فقیر کو دے دیں' مگر میرے والد نے دینار نہیں لیا۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص مسجد میں سوال کرے تو یہ سمجھ لو کہ وہ صدقات کا مستحق نہیں رہا اور جب قرآن پر مانگے تو اس کو

---

(۱) احناف کہتے ہیں کہ خطبہ کے وقت تحیۃ المسجد بھی نہ پڑھنی چاہیئے۔ قاعدہ کلیہ یہ ہے:۔ اذا خرج الامام فلا صلوٰۃ ولا کلام (رد المختار ج ۱ ص ۷۶۷) مترجم۔

مت دو۔ بعض علماء نے ایسے سائلین کو بھی صدقہ دینا مکروہ قرار دیا ہے جو مسجدوں میں لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے پہنچتے ہیں اور دست سوال دراز کرتے ہیں۔ ہاں اگر وہ اپنی جگہ کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر مانگیں اور گردنوں کو نہ پھلانگیں تو دینے میں کوئی حرج نہیں ہے' کعب احبارؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص جمعہ کے لیے آئے پھر واپس جا کر دو مختلف نوع کی چیزیں صدقہ کرے اور دوبارہ آکر دو رکعت نفل ادا کرے' ہر رکعت کے رکوع و سجود مکمل اور طویل ہوں۔ پھر یہ الفاظ کہے:۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ بِاسْمِکَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَ بِاسْمِکَ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ۔

اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے نام کے طفیل میں' رحمٰن و رحیم کے نام کے طفیل میں اور تیرے نام کے طفیل میں جو یہ ہے کہ نہیں ہے کوئی معبود مگر وہ زندہ قائم رہنے والا۔ جسے نہ اونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔

اس عمل کے بعد جو دعا مانگی جائے گی قبول ہوگی۔ بعض اکابر یہ بتلاتے ہیں کہ جو شخص جمعہ کے دن مسکین کو کھانا کھلائے' پھر سویرے مسجد پہنچ کر نماز جمعہ میں شریک ہو' کسی کو ایذا نہ دے' اور امام کے سلام کے بعد یہ الفاظ کہے:۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ اَسْأَلُکَ اَنْ تَغْفِرَلِیْ وَ تَرْحَمَنِیْ وَاَنْ تُعَافِیَنِیْ مِنَ النَّارِ۔

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو رحمٰن رحیم' زندہ اور قیوم ہے' میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ میری مغفرت فرما' مجھ پر رحم کر اور مجھے دوزخ سے نجات دے۔

اس عمل کے بعد جو دعا دل میں آئے مانگے' انشاء اللہ قبول ہوگی۔

ساتواں ادب : یہ ہے کہ جمعہ کو اخروی امور کے لیے مخصوص کردے' اس دن دنیا کی تمام مصروفیات اور مشاغل ترک کردے۔ کثرت سے وظائف پڑھے' جمعہ کے دن سفر نہ کرے۔ ایک روایت میں ہے:۔

من سافر یوم الجمعة دعا علیه ملکاه (دار قطنی۔ ابن عمرؓ۔ خلیب۔ ابوہریرہؓ)

جو شخص جمعہ کے دن سفر کرتا ہے اس کے دونوں فرشتے اس پر بددعا کرتے ہیں۔

اگر قافلہ فوت نہ ہو تو جمعہ کے دن فجر کے بعد سفر کرنا حرام ہے۔ بعض اکابر سلف فرماتے ہیں کہ مسجد میں سقے سے پینے کے لیے یا سبیل لگانے کے لیے پانی خریدنا بھی مکروہ ہے کیونکہ اس سے مسجد میں خرید و فروخت کرنے والا قرار پائے گا اور مسجد میں خرید و فروخت کرنا مکروہ ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر پانی کی قیمت باہر دے اور مسجد کے اندر پانی پی لے یا سبیل لگا دے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ حاصل یہ کہ جمعہ کے دن وظائف بکثرت پڑھے اور خیرات بھی کثرت سے کرے' اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو اس سے بہترین اوقات میں بہترین کام لیتا ہے۔ اور جب کسی بندے سے ناراض ہوتا ہے تو اچھے اوقات میں برے کام لیتا ہے۔ تاکہ اس کے یہ اعمال بدترین اور دردناک عذاب کا سبب بن جائیں۔ جمعہ کے دن دعائیں پڑھنا مستحب ہے' ہم باب الدعوات میں یہ دعائیں لکھیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ وصلی اللہ علی کل عبد مصطفیٰ۔

چھٹا باب

چند مختلف مسائل

اس باب میں وہ متفرق مسائل ذکر کیے جائیں گے جن میں عام طور پر لوگ مبتلا رہتے ہیں۔ طالبین آخرت کے لیے ان مسائل کا جاننا بے حد ضروری ہے' جو مسائل کم واقع ہوتے ہیں انھیں مکمل طور پر ہم نے فقہ کی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔

نماز میں عمل کرنا : عمل قلیل سے نماز باطل نہیں ہوتی' مگر بلا ضرورت نماز کے اندر کوئی عمل کرنا مکروہ ہے۔ ضرورت یہ ہے کہ سامنے سے گذرنے والے کو ہٹادے۔(۱) اور اس بچھو کو ایک یا دو دفعہ میں ماردے جس کے کاٹنے کا اندیشہ ہو۔ اگر تین بار ہو جائے گا تو اسے عمل کثیر کہیں گے' اور عمل کثیر سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔(۲) اس طرح اگر جوں اور پسّو وغیرہ سے ایذاء پہنچے تو انھیں دور کردے۔(۳) یا خارش ایسی ہے کہ اگر کھجلایا نہ جائے گا تو خشوع باقی نہیں رہے گا تو کھجالینا چاہیئے۔ حضرت معاذ ابن جبلؓ جوں اور پسّو کو نماز کے اندر پکڑ لیا کرتے تھے۔ حضرت ابن عمرؓ نماز میں جوئیں ماردیا کرتے تھے' بعض اوقات ان کے خون کا نشان ان کی انگلیوں پر ہوتا۔ نخعیؒ کہتے ہیں کہ جوں پکڑ کر ست کردو' اگر مارڈالو تب بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ سعید ابن المسیبؓ فرماتے ہیں کہ اس کو پکڑ کر ست کردو' پھر پھینک دو مجاہدؒ کہتے ہیں کہ مجھے یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ اسے کچھ نہ کہو' اگر وہ اتنی ایذاء دے کہ نماز میں توجہ بٹنے لگے تو اس کو اتنا ست کردو کہ ایذا نہ دے سکے اور ایک طرف ڈال دو۔ یہ صورت اجازت کی ہے' ورنہ کمال تو یہ ہے کہ فعل اگرچہ کم ہی کیوں نہ ہو اس سے بھی احتراز کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اکابر اپنے جسم پر بیٹھی ہوئی مکھی بھی نہیں ہٹایا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ہم نفس کو اس کا عادی نہیں بنانا چاہتے۔ میں نے سنا ہے کہ بہت سے فاسق و فاجر لوگ بادشاہوں کے سامنے ایذاء پر صبر کرتے ہیں اور جنبش بھی نہیں کرتے۔ جب جماہی آئے تو منہ پر ہاتھ رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ بہتر ہے' اگر نماز میں چھینک آجائے تو دل ہی دل میں الحمدللہ کہہ لے۔ زبان سے نہ کہے۔(۴) اگر ڈکار آجائے تو سر آسمان کی طرف اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ چادر لٹک جائے تو برابر نہ کرے' عمامہ کے کنارے چادر کے پلو کی طرح ہیں۔ غرض یہ کہ اس طرح کے سب افعال مکروہ ہیں' بلا ضرورت ان میں مشغول ہونا مکروہ ہے۔

جوتوں میں نماز پڑھنا : جوتوں میں نماز پڑھنا جائز ہے۔(۵) اگرچہ ان کا نکالنا آسان ہے' موزوں میں نماز پڑھنے کی

---

(۱) سامنے سے گذرنے والے کو ہٹانے کے بارے میں احناف کا مسلک پانچویں باب میں بیان کیا جاچکا ہے۔ (۲) احناف کے نزدیک بھی عمل قلیل سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ اور عمل کثیر سے ہو جاتی ہے۔ فقہائے احناف نے عمل کثیر کی مختلف تعریفیں کی ہیں' بعض حضرات کہتے ہیں کہ عمل کثیر وہ عمل ہے کہ دیکھنے والا یقین کرلے کہ یہ نماز نہیں پڑھ رہا ہے۔ مگر یہ ضروری ہے کہ دیکھنے والا پہلے سے واقف نہ ہو کہ یہ نماز پڑھ رہا ہے' کیوں کہ جس شخص کے سامنے نیت باندھی ہے وہ تو جانتا ہی ہے کہ یہ نماز پڑھ رہا ہے اور اگر ایسا دیکھنے والا اس عمل کے باعث یہ یقین نہ کرسکے تو وہ عمل قلیل ہے۔ شامی نے تین مسلسل حرکات کو عمل کثیر لکھا ہے۔ (رد المحتار ج ا ص ۵۸۳)۔ یہ وہی بات سمجھے کہ امام غزالیؒ نے کہی ہے۔ مترجم۔ (۳) احناف یہ کہتے ہیں کہ نماز میں کھٹمل وغیرہ نے اگر کاٹ لیا تو اسے پکڑ کر چھوڑ دے' نماز کے دوران مارنا اچھا نہیں' اگر کھٹمل نے ابھی کاٹا نہیں ہے تو اس کو پکڑنے کی ضرورت نہیں ہے' بے کاٹے پکڑنا بھی مکروہ ہے۔ (بحرالرائق ج ۲ ص ۳۱)۔ مترجم۔ (۴) اگر زبان سے الحمدللہ کہا تو نماز ہو جائے گی لیکن زبان سے کہنا مناسب نہیں ہے (نور الایضاح) مترجم (۵) جوتا اگر پاک ہو' یعنی نجاست نہ لگی ہوئی ہو' یا پاک و صاف کرلیا گیا ہو تو دونوں صورتوں میں اسے پہن کر نماز درست ہے لیکن کیونکہ اس زمانے میں مساجد میں فرش ہوتا ہے' جوتا پہن کر مسجد میں جانے سے فرش کے گندہ ہونے کا احتمال ہے' نیز اس میں سوء ادبی بھی ہے اس لیے مسجد میں جوتا پہن کر نماز نہ پڑھے (رد المحتار ج ا ص ۶۶۵) مترجم۔

اجازت اس لیے نہیں دی گئی کہ ان کا نکالنا مشکل ہے' بلکہ اس قدر نجاست معاف ہے۔(۱) یہی حال پا یتابوں کا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جوتوں میں نماز پڑھی' پھر جوتے نکال دیئے' لوگوں نے بھی اپنے جوتے نکال دیئے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے دریافت فرمایا:۔

لم خلعتم نعالکم' قالوا رایناک خلعت فخلعنا' فقال صلی اللہ علیہ وسلم ان جبرئیل علیہ السلام اتانی فاخبرنی ان بھما خبثاً فاذا اراد احدکم المسجد فلیقلب نعلیہ ولینظر فیھما' فان رای خبثاً فلیمسحہ بالارض' ولیصل فیھما۔ (ابوداؤد' حاکم۔ ابوسعیدؓ)

تم نے اپنے جوتے کیوں اتار دیئے۔ عرض کیا: ہم نے دیکھا کہ آپ نے بھی جوتے اتار دیئے تھے آپ نے فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے' اور انھوں نے مجھے یہ خبر دی کہ ان دونوں جوتوں پر نجاست لگی ہوئی ہے پس جب تم میں سے کوئی مسجد کا قصد کرے تو اپنے جوتے پلٹ کر دیکھ لے اگر ان پر نجاست ہو تو زمین سے رگڑ دے' اور ان میں نماز پڑھ لے۔

ایک بزرگ یہ کہتے ہیں کہ جوتوں میں نماز پڑھنے والوں کے لیے فضیلت ہے' کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ سے یہ دریافت فرمایا کہ تم نے اپنے جوتے کیوں اتار دیئے۔ لیکن ان بزرگ کا یہ ارشاد مبالغہ پر مبنی ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے یہ دریافت نہیں فرمایا تھا کہ تم نے ترک افضل کیوں کیا' بلکہ دریافت کرنے کا مقصد یہ تھا کہ جوتے اتارنے کا سبب بیان کریں۔ عبداللہ ابن السائبؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جوتوں کے بغیر بھی نماز پڑھی ہے (مسلم)۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے جوتے پہن کر' اور جوتے اتار کر دونوں طرح نماز پڑھی ہے۔ اگر کوئی شخص جوتے اتار کر نماز پڑھنا چاہے تو انھیں دائیں بائیں نہ رکھے' اس سے جگہ تنگ ہوگی' اور درمیان سے صف منقطع ہو جائے گی' بلکہ اپنے سامنے رکھ لے' پیچھے بھی نہ رکھے' کیونکہ اس سے دھیان بٹے گا۔ اور دل میں ان کا خیال رہے گا۔ جن لوگوں نے جوتے پہن کر نماز پڑھنے کو افضل کہا ہے انھوں نے غالباً" اسی مفہوم کی رعایت کی ہے کہ جوتے اگر اپنے پاس نہ رہیں تو دل میں تشویش پیدا ہوتی ہے اور خشوع ختم ہو جاتا ہے۔ سامنے جوتے رکھ کر نماز پڑھنے سے متعلق حضرت ابوہریرہؓ کی ایک روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔

اذا صلی احدکم فلیجعل نعلیہ بین رجلیہ (ابوداؤد)

جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اپنے جوتے اپنی دونوں ٹانگوں کے درمیان رکھ لے۔

حضرت ابوہریرہؓ نے ایک شخص سے کہا کہ اپنے جوتے اپنی ٹانگوں کے درمیان میں رکھ لو' اور کسی کو تکلیف مت پہنچاؤ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جوتے اتار کر اپنی بائیں طرف رکھ لیے تھے (مسلم)۔ لیکن اس وقت آپ امام تھے۔ امام کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی بائیں طرف رکھ لے۔ کیونکہ وہ تنہا ہے اس کے برابر کوئی کھڑا نہیں ہوگا بہتر یہ ہے کہ جوتے ٹانگوں کے درمیان میں نہ رکھے کہ دھیان بٹے گا بلکہ آگے رکھے' اور غالباً" حدیث مذکور سے بھی آگے رکھنا ہی مراد ہے' حضرت جبیر ابن مطعمؓ فرماتے ہیں کہ ٹانگوں کے بیچ میں جوتے رکھنا بدعت ہے۔

<u>نماز میں تھوکنا</u> : نماز میں تھوکنے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ تھوکنا ایک فعل قلیل ہے۔ جب تک تھوکنے سے آواز پیدا نہ ہو اس کو کلام نہیں کہیں گے۔ اگرچہ حروف کی شکل بنتی بھی نہیں' پھر بھی تھوکنا ایک مکروہ عمل ہے' اس سے احتراز کرنا

---

(۱) یہ مسئلہ کتاب الطہارت کے پہلے باب میں گزر چکا ہے۔ مترجم۔

چاہیے' ہاں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق تھوکا جائے تو فاسد نہیں ہوگی' چنانچہ روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں قبلہ کی جانب تھوک دیکھا انتہائی ناراض ہوئے' پھر اسے کھجور کی ٹہنی سے رگڑ دیا۔ اور فرمایا کہ:۔

ائتونی بعبیر' فلطخ اثرھا بزعفران ثم التفت الینا' وقال: ایکم یحب ان یبزق فی وجھہ فقلنا لا احد' قال: فان احدکم اذا دخل فی الصلاۃ فان اللہ عزوجل بینہ وبین القبلۃ (وفی لفظ آخر) واجھہ اللہ تعالی فلا یبزقن احدکم تلقاء وجھہ ولا عن یمینہ ولکن عن شمالہ' او تحت قدمہ الیسری' فان بدرتہ بادرۃ فلیبصق فی ثوبہ ولیفعل بہ ھکذا' وذلک بعضہ ببعض۔ (مسلم۔ جابرؓ)

میرے پاس خوشبو لے کر آؤ' چنانچہ تھوک کے نشان پر زعفران لگادی' پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے' اور فرمایا' تم میں سے کوئی یہ بات پسند کرتا ہے کہ اس کے چہرے کے سامنے تھوکا جائے' ہم نے عرض کیا: کوئی بھی نہیں۔ آپ نے فرمایا! جب تم میں سے کوئی شخص نماز میں داخل ہوتا ہے تو اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان قبلہ ہوتا ہے' بعض روایات میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے منہ کے سامنے ہوتا ہے' اس لیے اپنے منہ کے سامنے مت تھوکو' نہ دائیں جانب تھوکو بلکہ بائیں جانب تھوکو۔ (۱) پاؤں کے نیچے تھوکو' اور اگر کوئی سخت ضرورت پیش آجائے تو اپنے کپڑے میں تھوک لو' اور کپڑے کو اس طرح کرلو (آپ نے کپڑے میں تھوک کر مل کر دکھایا)۔

امام کی اقتداء کی صورت : امام کے پیچھے کھڑے ہونے کے سلسلے میں کچھ مسنون اعمال ہیں' اور کچھ فرض۔ مسنون یہ ہے کہ ایک مقتدی ہو تو امام کو اس کی دائیں جانب تھوڑا پیچھے کھڑا ہونا چاہیے' اور اگر ایک عورت اقتدا کررہی ہو تو وہ امام کے پیچھے کھڑی ہو' اگر برابر میں کھڑی ہوگی تو نماز کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا لیکن اس سے سنت کی مخالفت لازم آئے گی۔ (۲) اگر اس کے ساتھ ایک مرد بھی مقتدی ہو تو مرد امام کے برابر میں کھڑا ہو' اور عورت پیچھے کھڑی ہو۔ کوئی شخص صف کی پیچھے کھڑا نہ ہو' بلکہ صف میں ملنے کی کوشش کرے' اگر صف میں جگہ نہ ہو دوسری صف بنالے' اور پہلی صف میں کسی شخص کو کھینچ کر اپنے پاس کھڑا کرلے' اگر صف میں تنہا کھڑا ہوا تو نماز صحیح ہوگی' مگر کراہت کے ساتھ ہوگی۔ (۳) فرض یہ ہے کہ صف ملی رہے۔ یعنی مقتدی اور امام میں کوئی ایسا رابطہ ہونا چاہیے جو دونوں کو جمع کرنے والا ہو۔ (۴)

---

(۱) اس کا تعلق مسجد سے نہیں ہے بلکہ جب کسی اور جگہ نماز پڑھ رہا ہو تو بائیں طرف یا نیچے کی جانب تھوک سکتا ہے۔ مسجد میں تھوکنا اس کے احترام کے منافی ہے۔ ہاں اگر زیادہ ہی ضرورت پیش آئے تو کپڑے میں تھوک لے۔ مترجم۔ (۲) عورتیں اگرچہ محرمات میں سے ہوں جماعت میں وہ بھی برابر کھڑی نہ ہوں' اس سے مرد کی نماز فاسد ہوجاتی ہے۔ (ردالمحتار باب الامامۃ ج ۱' ص ۵۳۵) مترجم۔ (۳) اس سلسلے میں احناف کا مسلک یہ ہے کہ اگر صف میں جگہ نہ ملے تو انتظار کرنا چاہیے کہ دوسرا شخص آجائے اگر کوئی شخص نہ آئے تو اگلی صف میں سے کسی ایسے شخص کو اپنی صف میں لے آئے جو اس مسئلے سے واقف ہو' اور اگر کوئی شخص نہ ہو تو تنہا نماز پڑھ لے' فقہاء کہتے ہیں کہ اس زمانے میں اس طرح کا عمل نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ (ردالمحتار باب مفسد الصلوٰۃ ج ۱ ص ۶۰۵)۔ مترجم (۴) اس مسئلے کو فقہی کتابوں میں امام اور مقتدی کے درمیان اتحاد و مکان سے تعبیر کیا جاتا ہے' اگر امام مسجد کی مغربی دیوار کے پاس کھڑا ہو اور مقتدی مشرقی دیوار کے پاس ہو اور درمیان میں صفیں خالی ہوں تو مقتدی کی نماز صحیح ہوجائے گی کیونکہ اتحاد مکان پایا گیا (کبیری ص ۴۸۸) مترجم۔)

چنانچہ اگر وہ دونوں ایک مسجد میں ہوں تو مسجد دونوں کی جامع ہے۔ اس لیے کہ وہ جمع کرنے کے لیے ہی تعمیر ہوئی ہے۔ اس صورت میں اتصال صف کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اب صرف یہ ضرورت باقی رہ گئی ہے کہ مقتدی کو امام کی معرفت ہو۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے مسجد کی چھت سے امام کی اقتداء کی ہے۔(۱) اگر مقتدی مسجد کے صحن میں ہو جو راستے میں واقع ہے یا امام اور مقتدی دونوں صحراء میں ہوں۔(۲) اور دونوں کے درمیان کسی عمارت کی آڑ نہ ہو تو مقتدی کا امام سے اتنا فاصلہ ہونا کافی ہے جتنا تیر پھینکنے والے اور پھینکے گئے تیر میں ہوتا ہے کیونکہ اس فاصلے سے بھی مقتدی کو امام کے افعال کا علم ہوتا رہتا ہے لیکن اگر مقتدی مسجد کی دائیں یا بائیں جانب کسی مکان میں ہو اور مکان کا دروازہ مسجد سے لگا ہوا ہو تو اس میں یہ شرط ہے کہ مسجد میں صفوں کا تسلسل اس مکان کی ڈیوڑھی سے ہو کر صحن تک پہنچ جائے۔ درمیان میں انقطاع نہ ہو۔ اس صورت میں اس صف میں کھڑے ہوئے شخص کی نماز ہو جائے گی۔(۳) اور اس شخص کی نماز درست ہوگی جو اس صف کے پیچھے ہے لیکن آگے والے شخص کی نماز نہیں ہوگی۔ مختلف عمارتوں کا حال تو یہ ہے جو بیان کیا گیا۔ کشادہ عمارت اور میدان کا وہی حکم ہے جو جنگل کا ہے۔

مسبوق کا حکم : مسبوق وہ شخص ہے جو امام کے ساتھ بعد کی رکعتوں میں آکر ملے۔ جن رکعتوں میں وہ امام کے ساتھ آکر ملتا ہے وہ اس کی شروع نماز ہوتی ہے۔ مسبوق کو چاہیئے کہ وہ امام کی موافقت کرے اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد اسی نماز پر اپنی باقی نماز کی بنا کرلے۔ فجر میں اپنی نماز کی آخری رکعت میں دعائے قنوت بھی پڑھے۔(۴) اگرچہ امام کے ساتھ بھی پڑھ لی ہو' اگر امام کے ساتھ کسی قدر قیام مل جائے تو دعائے ابتداء نہ پڑھے بلکہ اس کے بجائے آہستہ آہستہ سورۂ فاتحہ پڑھنی شروع کردے۔(۵) پھر اگر سورۂ فاتحہ ختم ہونے سے پہلے ہی سجدے میں چلا جائے تو یہ دیکھے کہ اگر فاتحہ پوری پڑھی گئی تو قومہ ملے گا یا نہیں' اگر قومہ مل سکتا ہو تو فاتحہ پوری کردے ورنہ امام کے ساتھ رکوع میں چلا جائے اور جو کچھ پڑھا ہے اسی کو کافی سمجھے۔ باقی فاتحہ مسبوق ہونے کی وجہ سے ساقط ہو جائے گی۔ اگر امام نے رکوع کیا' اور مقتدی سورت پڑھ رہا ہے' اس صورت میں امام کی اتباع کرے' اور رکوع میں چلا جائے۔ اگر امام کو سجدے میں تشہد میں پائے تو تکبیر تحریمہ کہہ کر اسی حالت میں چلا جائے جس حالت میں امام ہو۔ دوبارہ اللہ اکبر نہ کہے اس لیے کہ تکبیریں اصل انتقالات کے لیے ہیں۔ رکوع میں جانا ایک محسوب عمل ہے' اس کی وجہ سے رکعت مل جاتی ہے' اس لیے تکبیر تحریمہ کے بعد اس کی تکبیر بھی کہنی چاہیئے۔ لیکن سجدے میں جانا' اور تشہد میں بیٹھنا محسوب عمل نہیں ہے بلکہ امام کی وجہ سے ہے' اگر وہ تنہا ہوتا تو یہ عمل نہ کرتا اس لیے اس عمل کے لیے دوسری تکبیر بے موقع ہوگی۔ رکعت مسبوق کو اس وقت ملے گی جب وہ امام کے ساتھ پورے اطمینان سے رکوع پالے گا۔ اگر مسبوق اچھی طرح رکوع نہ کرپایا تھا کہ امام نے سر اٹھالیا تو وہ رکعت فوت ہو جائے گی۔(۶)

---

(۱) حضرت ابو ہریرہؓ نے مسجد کی چھت پر نماز پڑھی۔ اس کے لیے فقہاء شرط لگاتے ہیں کہ چھت پر نماز اس وقت صحیح ہوگی جب مقتدی پر امام کا حال مشتبہ نہ ہو اور اسے امام کے افعال کا علم ہو۔ خواہ یہ علم رویت سے ہو یا سماعت سے۔(کبیری صفحہ ۴۸۸' باب الامامۃ/ مترجم (۲) احناف کے یہاں صحراء کو مسجد کے حکم میں نہیں سمجھا گیا۔ صحراء میں اگر ایک صف یا زائد کا فاصلہ ہو جائے گا تو پچھلے نمازیوں کی نماز نہ ہوگی۔ (رد المحتار باب الامامۃ ج ۱' ص ۵۴۷) مترجم (۳) اس طرح کا مکان جس کا دروازہ مسجد سے متصل ہو اور درمیان میں کوئی گزرگاہ وغیرہ نہ ہو تو اسے فناء مسجد سمجھا جائے گا اور اتصال صفوف کے بغیر بھی حنفیہ کے یہاں پچھلے مقتدیوں کی نماز صحیح ہو جائے گی۔ (رد المحتار باب الامامۃ ج ۱' ص ۵۴۷) درمیانی صفیں چھوڑ کر پیچھے کھڑا ہونا خلاف سنت ہے۔ صفوف کو متصل کرنا چاہیئے اور درمیان میں فرجہ نہ چھوڑنا چاہیے۔ (رد المحتار' ج ۱' ص ۵۴۳) مترجم۔ (۴) نماز فجر میں قنوت پڑھنے کا مسئلہ کتاب الصلوٰۃ کے پہلے باب میں گزر چکا ہے۔ مترجم (۵) امام کے سورۂ فاتحہ یا سورت پڑھنے کا مسئلہ کتاب الصلوٰۃ کے پہلے باب میں گزر چکا ہے۔ البتہ مسبوق کے لیے احناف کے یہاں یہ حکم ہے کہ وہ ان رکعات میں جو اس سے فوت ہو گئی ہیں اور جنہیں وہ امام کے سلام کے بعد پڑھے گا الحمد اور سورت دونوں پڑھے) (الدر المختار باب الامامۃ ج ۱' ص ۵۵۷) (۶) اطمینان سے رکوع پانے کا معیار یہ ہے کہ ایک تسبیح کے بقدر پالے' چاہے تسبیح پڑھے یا نہ پڑھے۔ مترجم

قضا نمازوں کی ادائیگی: جس شخص کی ظہر کی قضا ہو گئی ہو' اور عصر کا وقت آگیا ہو تو اسے ظہر کی نماز پہلے پڑھنی چاہیے' اگر اس ترتیب کے خلاف کیا تو نماز صحیح ہو گی۔(۱) لیکن وہ شخص تارک اولی اور شبہ خلاف میں داخل قرار پائے گا۔ پھر اگر عصر کی جماعت مل جائے تو پہلے عصر پڑھے' بعد میں ظہر کی قضا کرے' کیونکہ ادا نماز کے لیے جماعت ہی مستحب و افضل ہے' اگر اول وقت میں تنہا نماز پڑھ لی' پھر جماعت مل گئی تو جماعت میں نماز کے وقت کی نیت کر کے شامل ہو جائے۔(۲) اللہ تعالیٰ ان دونوں میں جس نماز کو چاہے گا اس کے وقت میں محسوب فرمائے گا۔ جماعت میں قضاء نماز کی یا نوافل کی نیت کر کے شامل ہونا بھی درست ہے۔ اگر نماز جماعت کے ساتھ پڑھی تھی' بعد میں ایک اور جماعت مل گئی' اس دوسری جماعت میں بہ نیت قضا۔(۳) یا بہ نیت نوافل شامل ہو' کیوں کہ وقت کی نماز جماعت کے ساتھ ادا ہو چکی ہے' اب اسے دوبارہ ادا کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے' جماعت کا ثواب بھی ملنے کا احتمال نہیں رہا۔ کیوں کہ وہ پہلے ہی حاصل ہو چکا ہے۔

کپڑوں پر نجاست سے نماز کا اعادہ: اگر کوئی شخص نماز پڑھنے کے بعد اپنے کپڑوں پر نجاست دیکھے تو مستحب یہ ہے کہ اس نماز کا اعادہ کر لے۔(۴) اعادہ لازم نہیں ہے۔ اگر عین نماز کی حالت میں نجاست نظر آجائے تو نجس کپڑا الگ کر دے اور نماز مکمل کرے۔(۵) اس باب میں اصل وہ حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے اتارنے کا قصہ مذکور ہے۔ اس روایت میں یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو جوتوں پر لگی ہوئی نجاست کی خبر دی تو آپ نے جوتے اتار کر ایک طرف رکھ دیئے' اور وہی نماز مکمل کی' از سر نو نماز نہیں پڑھی۔

نماز میں سجدۂ سہو: اگر کوئی شخص پہلا تشہد' قنوت۔(۶) اور تشہد اول میں درود چھوڑ دے۔(۷) یا بھول کر کوئی ایسا عمل کرے جو اگر جان بوجھ کر کرتا تو نماز باطل ہو جاتی' یا نماز میں شک ہو کہ اس نے تین رکعت پڑھی ہیں یا چار رکعات پڑھی ہیں تو

---

(۱) اس مسئلے میں احناف کے یہاں ترتیب اور عدم ترتیب کا فرق ہے' ایک شخص اگر صاحب ترتیب ہے' یعنی اس کی چھ نمازیں قضا نہ ہوئی ہوں یا قضا ہوئی ہوں تو اس نے ادا کر لی ہوں تو اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ قضا نماز وقتی نماز سے پہلے پڑھے' ورنہ وقتی نماز فاسد ہو جائے گی۔ (ہدایہ باب قضاء الفوائت ج ۱ ص ۱۳۷) البتہ تین صورتوں میں ترتیب ختم ہو جاتی ہے (۱) وقتی نماز کا وقت تنگ ہو' (۲) فوت شدہ نماز یاد نہ رہی ہو' (۳) چھ نمازیں قضا ہو گئی ہوں۔ ان تینوں صورتوں میں ترتیب باقی نہیں۔ (الدر المختار باب قضاء الفوائت ج ۱ ص ۶۸۰) غیر صاحب ترتیب کے لیے اجازت ہے کہ وہ جس طرح چاہے نماز غیر مرتب ادا کرے۔ مترجم۔ (۲) نور الایضاح میں ہے کہ اس صورت میں امام کی اقتداء نفل نماز کی نیت سے کر لے' کیوں کہ فرض نماز وہ پہلے ہی ادا کر چکا ہے۔ (۳) احناف کے نزدیک ایسا شخص نفل نماز کی نیت سے جماعت میں شامل ہو سکتا ہے۔ فوت شدہ نمازوں کی قضاء صحیح نہیں ہو گی۔ (در مختار علی ہامش ج ۱ ص ۳۸۹) مترجم۔ (۴) احناف کے یہاں کچھ تفصیل ہے' نجاست غلیظہ میں سے اگر پتلی اور بہنے والی چیز کپڑے یا بدن میں لگ جائے تو اگر پھیلائیں وہ روپے کی برابر یا اس سے کم ہو تو معاف ہے' اس کو دھوئے بغیر نماز ہو جائے گی اور اگر روپے سے زیادہ ہو تو معاف نہیں ہے' اس کے دھوئے بغیر نماز نہیں ہو گی' اگر نجاست غلیظہ میں سے گاڑھی چیز سے لگ جائے جیسے پاخانہ اور مرغی وغیرہ کی بیٹ تو اگر وزن میں ساڑھے چار ماشہ یا اس سے کم ہو تو بے دھوئے نماز درست ہے اور اگر اس سے زیادہ لگ جائے تو بے دھوئے ہوئے نماز درست نہیں ہے۔ اگر نجاست خفیفہ کپڑے یا بدن میں لگ جائے تو جس حصے میں لگی ہے اگر اس کی چوتھائی سے کم ہو تو معاف ہے اور اگر پورا چوتھائی یا اس سے زیادہ ہو تو معاف نہیں ہے' بلکہ اس کا دھونا واجب ہے۔ (شرح قدوری ج ۱ ص ۲۸۰) (۵) بحالت نماز قمیض اتارنا وغیرہ عمل کثیر ہے۔ عمل کثیر کے بارے میں پہلے بتلایا جا چکا ہے کہ اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ صورت مذکورہ میں اپنی نماز پوری کر لے' قمیض نہ اتارے۔ لیکن یہ اس صورت میں ہے جب کہ نجاست اتنی ہو جو مفسد صلوٰۃ نہیں ہے۔ (عالمگیری ج ۱ ص ۱۰۲) مترجم۔) (۶) حنفیہ کے نزدیک وتر کے علاوہ کسی نماز میں دعائے قنوت پڑھنا درست نہیں ہے۔ صبح کی نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو چند روز دعائے قنوت پڑھی وہ منسوخ ہے۔ البتہ اگر کوئی حادثہ پیش آجائے تو صبح کی نماز میں قنوت پڑھنا درست ہے۔ (الدر المختار ج ۱ ص ۶۲۶) اگر تیسری رکعت میں دعائے قنوت نہ پڑھی اور رکوع میں چلا جائے تب یاد آئے تو سجدۂ سہو کرنا واجب ہے (کبیری باب الوتر) مترجم (۷) احناف کے یہاں تشہد اول کے بعد درود نہیں ہے' اگر اس نے چند الفاظ درود کے زائد پڑھ دیئے تو سجدۂ سہو کرنا ہو گا (الدر المختار باب سجود السہو ج ۱ ص ۶۹۳) مترجم۔

وہ یقین کا پہلو اختیار کرے۔(۱) اور سلام سے پہلے سہو کے سجدے ادا کرے۔(۲) اگر بھول جائے تو سلام کے بعد کرلے اگر قریب ہی یاد آجائے۔(۳) اگر اس نے سلام کے بعد سجدہ کیا' اور وضو باقی نہیں رہا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ کیوں کہ جب اس نے سجدہ کیا تو گویا سلام کو بھول سے غیر محل میں داخل کر دیا۔ اس سے نماز پوری نہیں ہوئی۔ اور نماز میں پھر سے مشغول ہو گیا' اسی وجہ سے نماز میں بے وضو ہونا واقع ہوا' اور پہلا سلام بے محل ہونے کی وجہ سے سجدۂ سہو کے بعد دوسرے سلام کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر سجدۂ سہو مسجد سے نکلنے کے بعد دیر میں آیا تو اب تدارک کی کوئی شکل نہیں ہے۔

نماز میں وسوسہ : نماز کی نیت میں وسوسہ کا سبب یا تو عقل کی خرابی ہے' یا شریعت سے ناواقفیت ہے' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ غیراللہ کی اطاعت کرنا اور قصد و ارادے کے اعتبار سے جیسی اس کی تعظیم ہے ایسی ہے دوسرے کی تعظیم ہے۔ مثلاً" کسی شخص کے پاس کوئی عالم آئے' اور وہ اس کے احترام کے لیے کھڑا ہو' اس موقعہ پر اگر وہ کھڑے ہونے کی نیت اس طرح کرے کہ "نیت کرتا ہوں میں کھڑے ہونے کی عالم و فاضل زید کی آمد کے احترام میں اس کے علم و فضل کی وجہ سے"" اس کے آمد کے ساتھ ہی اپنا رخ اس کی طرف کرلے' ظاہر ہے یہ شخص بے وقوف کہلائے گا۔ تعظیم ان الفاظ کا نام نہیں' بلکہ وہ قلب کا ایک داعیہ ہے جو عالم کی آمد پر پیدا ہوتا ہے' اور جس سے تعظیم کے لیے کھڑے ہونے کو تحریک ملتی ہے' اگر وہ اس داعیہ کی تحریک پر کھڑا ہوا تو وہ تعظیم کرنے والا ہوگا' بشرطیکہ وہ صرف تعظیم کے لئے کھڑا ہوا ہو' غفلت میں' یا کسی دوسری ضرورت کے لیے نہ کھڑا ہوا ہو۔ چنانچہ نماز کی نیت میں (مثلاً" ظہر کا ہونا' اداء اور فرض کی قید امتثال امر کے باب میں ایسی ہی شرط ہے جیسے آنے والے کا کھڑا ہونا۔ اس کی طرف منہ کرنا' کسی داعیہ کا نہ ہونا اور اس کھڑے ہونے سے اس کی تعظیم کا قصد کرنا ہے تاکہ واقع میں اس کا کھڑا ہونا تعظیم کہلائے۔ اب اگر وہ پشت پھیر کر آجائے' یا اس کی آمد پر تھوڑی دیر توقف کرے' اور پھر کھڑا ہو تو یہ تعظیم نہیں ہوگی۔ پھر ان صفات کا جن کی وجہ سے آدمی قیام کر رہا ہے معلوم اور مقصود ہونا بھی ضروری ہے' اور یہ بھی ضروری ہے کہ دل میں ان کا استحضار بھی ہو' یہ استحضار طول نہیں چاہتا۔ بلکہ طول اس میں ہوتا ہے کہ ایسے الفاظ ادا کیے جائیں' یا دل میں سوچا جائے جو ان صفات پر دلالت کرتے ہوں۔ نماز کی نیت کا مطلب یہ ہے کہ جو ہم نے بیان کیا (یعنی دل میں تعظیم کا داعیہ ہو' اور ان صفات کا استحضار ہو جن کی وجہ سے یہ داعیہ پیدا ہوا ہو)۔ جو شخص نماز کی نیت اس طرح پر نہیں سمجھتا وہ گویا نیت ہی کو نہیں سمجھتا۔ کیونکہ نیت میں صرف یہ بات ہے کہ جب تم نماز کے لیے بلائے گئے' کھڑے ہو گئے۔ اب وسوسہ کرنا جہالت کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔

پھر ان صفات مقصودہ اور معلومہ کا اجتماع نفس میں ایک ہی حالت میں ہوتا ہے' ان کے افراد کی تفصیل ذہن میں اس طرح نہیں آتی کہ نفس انھیں دیکھ سکے' اور ان کے بارے میں سوچ سکے' نفس میں کسی چیز کا استحضار الگ چیز ہے' اور فکر سے اس کی

---

(۱) اگر نماز میں شک ہو گیا کہ تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار رکعتیں' اگر یہ شک اتفاق سے ہوا ہے تو پھر سے نماز پڑھے اور اگر شک کرنے کی عادت ہے اور اکثر ایسا شبہ پڑ جاتا ہے تو دل میں سوچ کر دیکھے کہ دل زیادہ کدھر جاتا ہے اور زیادہ گمان تین رکعت پڑھنے کا ہو تو ایک رکعت پڑھ لے۔ اس صورت میں سجدۂ سہو واجب نہیں ہے اور اگر زیادہ گمان یہی ہے کہ میں نے چاروں رکعتیں پڑھ لی ہیں تو اور رکعت نہ پڑھے اور سجدۂ سہو بھی نہ کرے اور اگر سوچنے کے بعد بھی دونوں طرف برابر خیال رہے نہ تین رکعت کی طرف زیادہ گمان جاتا ہے اور نہ چار کی طرف تو تین رکعت ہی سمجھے اور ایک رکعت اور پڑھ لے لیکن اس صورت میں تین رکعت پر بیٹھ کر التحیات پڑھے' پھر کھڑا ہو کر چوتھی رکعت پڑھے اور سجدۂ سہو بھی کرے۔ (بحرالرائق ج ۲ ص ۱۱۹) مترجم۔ (۲) احناف کے یہاں سجدۂ سہو کا طریقہ یہ ہے کہ ایک طرف سلام پھیر کر دو سجدے کرے پھر بیٹھ کر التحیات' درود شریف اور دعا پڑھے اور دونوں طرف سلام پھیرے) (نور الایضاح ص ۹۴) مترجم۔) (۳) اگر نماز میں کوئی شخص سجدۂ سہو کرنا بھول گیا اور دونوں طرف سلام پھیر دیا لیکن ابھی مسجد میں ہے اور کوئی ایسا فعل نہیں ہوا ہے جس سے نماز باطل ہو جاتی ہے تب بھی کوئی حرج نہیں' اب بھی اگر سجدۂ سہو کر لے تو نماز ہو جائے گی (مجمع الانہر ج ۱ ص ۱۵۲) مترجم۔

تفصیل سے واقف ہونا الگ چیز ہے' استحضار غفلت اور غیبوبت کے منافی ہے' اگرچہ استحضار مفصل طور پر نہ ہو۔ مثلاً" جو شخص حادث کا علم حاصل کرے تو اسے ایک ہی حالت میں جان لے گا۔ حالانکہ حادث کا علم دوسرے بہت سے علوم پر مبنی ہے۔ یہ علوم حاضر تو ہیں مگر مفصل نہیں ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جو شخص حادث کا علم حاصل کرے گا' وہ موجود' معدوم' تقدم یا تاخر اور زمانے سے بھی واقف ہوگا۔ وہ یہ بھی جانے گا کہ عدم کو تقدم ہوتا ہے اور وجود کو تاخر' پس یہ تمام علوم حادث کو جاننے سے حاصل ہوجاتے ہیں۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی حادث کا جاننے والا ہو' اور اس سے یہ سوال کیا جائے کہ کیا تم تقدم' تاخر عدم' عدم تقدم' وجود کے تاخر اور زمانے کی تقسیم سے واقف ہو' اس کے جواب میں اگر وہ شخص یہ کہے کہ میں واقف نہیں ہوں تو کہا جائے گا کہ تم جھوٹے ہو' اور تمہارا یہ قول تمہارے پچھلے قول (یعنی میں حادث کا علم رکھتا ہوں) کے منافی ہے۔

یہی نکتہ ہے جس سے لوگ واقف نہیں ہوتے' اور اس سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے دل میں وسوسے پیدا ہوتے ہیں' وسوسے والا شخص اپنے نفس پر زور ڈالتا ہے' اور یہ کوشش کرتا ہے کہ اس کے قلب میں نماز کا ظہر ہونا' اس کا اداء ہونا' اس کا فرض ہونا ایک ہی حالت میں حاضر ہوجائیں۔ پھر وہ الفاظ سے ان کی تفصیل کرے' اور خود اس کی تفصیل کو دیکھ لے۔ اور یہ بات ممکن نہیں ہے چنانچہ عالم کے احترام کے سلسلے میں کھڑے ہونے کے سلسلے میں بھی اپنے نفس کو اس کا مکلف نہیں بنایا جاسکتا۔ جب یہ نکتہ معلوم ہوجائے گا تو وسوسے خود بخود دور ہوجائیں گے اور یہ بات سمجھ میں آجائے گی کہ نیت کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کا حال وہی ہے جو غیر کے امر کی اطاعت کا حال ہے رخصت اور سہولت کے نقطۂ نظر سے ہم مزید کہیں گے کہ اگر وسوسوں میں مبتلا شخص یہ سمجھتا ہے کہ نیت ان تمام باتوں کے تفصیلی استحضار کا نام ہے' اور اس کے نفس میں امتثال امر (فرمانبرداری) ایک دم پیدا نہیں ہوتا تو اثناء تکبیر میں ان امور میں سے کسی قدر کو حاضر کرلے' اور اس طرح تدریج اختیار کرے کہ آخر تکبیر تک نیت حاصل ہوجائے۔ اگر ایسا ہوگیا تو یہ بھی نیت کافی ہے ہم اس شخص کو اس کا مکلف نہیں قرار دیتے کہ تمام باتیں تکبیر کے اول میں اور آخر میں جمع کرے' کیونکہ یہ تکلیف طاقت سے باہر ہے' اگر اس کا حکم ہوتا تو پچھلے لوگوں سے بھی اس کا سوال ہوتا۔ اور صحابہ میں سے کوئی نیت میں ضرور وسوسہ کرتا۔ چنانچہ صحابہ کا وسوسہ نہ کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ نیت میں سہولت کا لحاظ کیا گیا ہے۔ چنانچہ وسوسے والے نمازی کو چاہیئے کہ جس طرح کی نیت میں سہولت ہو اس طرح کرے تاکہ وہ اس کا عادی ہوجائے' اور وسوسے دور ہوجائیں' زیادہ تحقیق میں نہ پڑے' تحقیق سے وسوسے پیدا ہوتے ہیں۔

ہم نے نیت سے متعلق علوم میں تحقیق کی چند قسمیں فتاویٰ میں ذکر کی ہیں' ان کی ضرورت علماء کو پیش آتی ہے' عوام کو اگر وہ باتیں بتلائی جائیں تو انھیں نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے' اور یہ ڈر ہے کہ ان کے وسوسے زیادہ نہ ہوجائیں۔ اس لیے ہم نے یہاں ان مباحث پر قلم اٹھانے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

مقتدی کا امام سے آگے ہونا : مقتدی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ رکوع و سجود میں جانے اور رکوع و سجود سے اٹھنے اور دوسرے اعمال و افعال میں امام سے آگے ہونے کی کوشش کرے' اور نہ یہ مناسب ہے کہ وہ امام کے ساتھ ہی اعمال ادا کرے' بلکہ اس کے نقش پا پہ چلنے کی کوشش کرے کہ اقتداء اور اتباع کے حقیقی معنی یہی ہیں۔ اگر امام کے برابر ہی اعمال بجالائے گا تو نماز صحیح ہوجائے گی۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص نماز میں امام کے برابر کھڑا ہوجائے پیچھے ہٹ کر کھڑا نہ ہو اس صورت میں نماز صحیح ہوجاتی ہے۔ لیکن اگر ایک رکن میں امام سے آگے ہوجائے تو اس میں اختلاف ہے کہ نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ مگر زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ نماز صحیح نہیں ہوگی۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص کھڑے ہونے میں امام سے آگے بڑھ جائے۔ بلکہ صورت مذکورہ میں بدرجہ اولی نماز باطل ہوجانی چاہیئے کیونکہ جماعت میں فعل کی اتباع کی جاتی ہے' نہ کہ کھڑے ہونے کی' اور فعل کی اتباع زیادہ اہم ہے' بلکہ امام کے پیچھے کھڑے ہونے کی شرط بھی اسی لیے لگائی گئی تاکہ امام کے افعال کی اتباع سہل ہوجائے۔ اور اتباع کی صورت بھی پائی جائے' اتباع کی صورت ہی یہ ہے کہ مقتدی پیچھے ہو' اور جس کی اقتداء کی جارہی ہے وہ آگے ہو۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم نے اس پر سخت وعید فرمائی ہے:۔

اما یخشی الذی یرفع راسه قبل الامام ان یحول اللہ راسه راس حمار۔
(بخاری ومسلم۔ ابو ہریرہؓ)

جو شخص اپنا سر امام سے پہلے اٹھاتا ہے کیا وہ اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اللہ تعالیٰ اس کا سر گدھے کے سر سے بدل دے۔

امام سے ایک رکن پیچھے رہنے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ مثلاً" امام قومے میں ہے' اور مقتدی ابھی رکوع میں بھی نہیں گیا لیکن اتباع اعمال میں اس قدر تاخیر کرنا مکروہ ہے' چنانچہ اگر امام اپنی پیشانی زمین پر رکھدے اور مقتدی نے ابھی رکوع نہیں کیا تو اس کی نماز صحیح نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر امام دوسرے سجدے میں پہنچ گیا' اور مقتدی نے پہلا سجدہ بھی نہ کیا تو بھی نماز باطل ہو جائے گی۔(۱)

دوسرے شخص کی نماز کی اصلاح : جو شخص نماز میں شریک ہو' اور کسی دوسرے شخص کی نماز میں کچھ نقص یا خرابی دیکھے تو اسے صحیح مسئلہ بتلانا چاہیئے' اگر کسی جاہل سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو اسے نرمی سے روک دے' اور اسے صحیح طریقہ سکھلا دے' مثلاً" یہ بتلائے کہ صفوں کا درست کرنا مسنون ہے' تنہا آدمی کو تنہا صف میں کھڑا نہ ہونا چاہیئے۔ امام سے پہلے سر اٹھانا صحیح نہیں ہے وغیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

ویل للعالم من الجاهل' حیث لا یعلمه (مسند الفردوس۔ انسؓ)

بڑی خرابی ہے عالم کے لیے جاہل سے کہ اس کو سکھلاتا نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ دیکھے کہ فلاں شخص نماز غلط پڑھ رہا ہے اور اس کے باوجود نکیر نہ کرے۔ اور نہ اسے صحیح مسئلہ بتلائے تو وہ بھی اس کے گناہ میں اس کا شریک ہے۔ بلال ابن سعدؒ کہتے ہیں کہ جب گناہ پوشیدہ طور پر کیا جاتا ہے تو اپنے مرتکب کے علاوہ کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا' لیکن جب کھلم کھلا کیا جائے' اور اس پر نکیر بھی نہ ہو تو اس کا نقصان عام ہو جاتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت بلالؓ صفیں درست کراتے پھرتے تھے اور کونچوں (ایڑی کے اوپر کے پٹھوں) پر درے لگایا کرتے تھے حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب مسجد میں جاؤ تو یہ دیکھو کہ تمہارے بھائی مسجد میں ہیں یا نہیں۔ اگر نہ ہوں تو یہ دیکھو کہ وہ بیمار تو نہیں۔ اگر بیمار ہوں تو ان کی عیادت کرو۔ صحت مند ہوں تو انہیں ترک جماعت پر لعنت ملامت کرو۔ اس باب میں سستی نہ کرنی چاہیئے۔ اکابر سلف اس سلسلے میں مبالغہ کیا کرتے تھے۔ اگر وہ یہ دیکھتے کہ فلاں شخص جماعت چھوڑتا ہے تو وہ اس کے دروازے پر جنازے لے جاتے تھے کہ اگر مردہ ہو تو نماز نہ پڑھنا ٹھیک بھی ہے۔ زندگی کی حالت میں نماز ترک نہ کرنی چاہیئے۔

جو شخص مسجد میں داخل ہو تو اسے صف میں دائیں طرف بیٹھنا چاہیئے۔ عہد مبارک میں امام کے دائیں جانب اس قدر ہجوم ہوتا تھا کہ بائیں جانب کی صفیں ویران ہو جاتی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا جاتا تو آپ ارشاد فرماتے۔

من عمر میسرة المسجد کان له کفلان من الاجر (ابن ماجہ' ابن عمرؓ)

جو شخص مسجد کی بائیں جانب آباد کرے گا اسے دوہرا اجر ملے گا۔

اگر صف میں کوئی نابالغ لڑکا ہو اور اپنے لیے جگہ نہ ہو تو لڑکے کو اس کی جگہ سے ہٹا کر پچھلی صف میں کھڑا کرنا جائز ہے۔ یہ ان تمام مسائل کی تفصیل ہے جن میں اکثر لوگ مبتلا رہتے ہیں۔ مختلف نمازوں کے احکام باب الاوراد میں ذکر کیے جائیں گے۔ انشاء اللہ

---

(۱) مقتدی اگر امام سے مقدم ہو جائے تو اس صورت میں اس کی نماز فاسد ہو جائے گی' ہاں اگر امام مقتدی کو اس رکن میں پالے جس میں وہ مقدم ہو گیا تو نماز صحیح ہو جائے گی۔ البتہ عموماً" ایسا کرنا مکروہ ہے۔ مقتدی اگر کسی رکن میں مثلاً" سجدہ رکوع وغیرہ میں امام سے مؤخر ہو جائے تو احناف کے نزدیک نماز صحیح ہوگی۔ (شامی باب مفسد الصلاۃ ج ۱) مترجم۔

ساتواں باب

نفلی نمازیں

جاننا چاہیئے کہ فرض نمازوں کے علاوہ تمام نمازیں سنن ہیں یا مستحبات یا تطوع ہیں۔ سنن سے ہماری مراد وہ نمازیں ہیں جن پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مواظبت منقول ہو۔ جیسے فرض نمازوں کے بعد سنتیں، چاشت، وتر اور تہجد کی نمازیں وغیرہ۔ (۱) کیونکہ سنت اس راستے کو کہتے ہیں کہ جس پر چلا جائے۔ اس اعتبار سے وہی طریق سنت ہوگا جس پر آپ ہمیشہ چلے ہوں گے۔ مستحبات سے وہ نمازیں مراد ہیں جن کی حدیث میں فضیلت وارد ہوئی ہو لیکن ان پر آپ سے مواظبت منقول نہ ہو۔ ان نمازوں کی تفصیل ہم عنقریب بیان کریں گے اور تطوع نمازیں وہ ہیں جو ان دونوں نمازوں کے علاوہ ہوں۔ ان کے متعلق کوئی نص وارد نہیں بلکہ بندہ اپنے رب سے مناجات کرنے کے لیے یا اس کا تقرب حاصل کرنے کے لیے نماز ادا کرتا ہے اور نماز کی مطلق فضیلت شریعت میں وارد ہے۔ گویا بندے نے تبرع کیا ہے۔ وہ اس نماز کی طرف بلایا نہیں گیا۔ اگرچہ مطلق نماز کی طرف اسے بلایا گیا ہے۔ ان تینوں قسموں کو نفل کہتے ہیں۔ اس لیے کہ نفل کے معنی ہیں زیادتی اور یہ تینوں قسمیں فرض نماز میں زائد ہیں۔ اسی فرق کی وضاحت کے لیے ہم نے نفل، سنت، مستحب اور تطوع کی اصطلاحیں وضع کی ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ اصطلاحات اختیار نہ کرے اور کوئی دوسری اصطلاح وضع کرے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے کیونکہ مقاصد کی وضاحت کے بعد لفظوں کی کوئی خاص اہمیت نہیں رہتی۔

پھر یہ تینوں قسمیں درجات میں مختلف ہیں اور درجات کا یہ اختلاف ان روایات و آثار پر مبنی ہے جو ان کے فضائل کے سلسلے میں منقول ہیں۔ جس قدر صحیح و مشہور احادیث جس نماز کے بارے میں منقول ہوں گی یا جس نماز پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس قدر زیادہ مواظبت فرمائی ہوگی وہ نماز اسی قدر افضل ہوگی۔ اسی لیے ہم یہ کہتے ہیں کہ جماعتوں کی سنتیں تنہا پڑھی جانے والی سنتوں سے افضل ہیں اور جماعت کی سنتوں میں سب سے افضل عید کی نماز ہے۔ پھر گہن کی نماز، پھر استسقاء کی نماز ہے اور تنہا پڑھی جانے والی نمازوں میں سب سے افضل وتر ہے۔ پھر فجر کی دو رکعات ہیں پھر ان کے بعد دوسری سنن ہیں اور یہ فضیلت میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

یہ بھی جاننا چاہیے کہ نوافل اپنے متعلقات کے اعتبار سے دو طرح کے ہیں۔ (۱) وہ نوافل جن کی اضافت اسباب کی طرف ہو۔ مثلاً کسوف اور استسقاء کی نمازیں۔ (۲) وہ نوافل جن کی اضافت اوقات کی طرف ہو۔ اوقات سے متعلق نوافل تین طرح کی ہیں۔ کچھ تو وہ ہیں جو رات دن کے مکرر ہونے سے مکرر ہوتے ہیں۔ کچھ ہفتہ کے تکرار سے اور کچھ سال کے تکرار سے مکرر ہوتے ہیں۔ اس طرح کل چار قسمیں ہوئیں۔ ہم ان چاروں قسموں کو الگ الگ بیان کرتے ہیں۔

پہلی قسم : رات دن کے تکرار سے جو نمازیں مکرر ہوتی ہیں وہ آٹھ ہیں۔ پانچ فرض نمازوں کی سنتیں ہیں۔ تین ان کے علاوہ ہیں۔ یعنی چاشت، اوابین اور تہجد کی نمازیں۔

اول : صبح کی دو سنتیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

---

(۱) احناف کے یہاں اس سلسلے میں کچھ تفصیل ہے۔ جو آئندہ کسی موقع پر ذکر کی جائے گی۔ امام غزالیؒ نے چاشت، وتر، تہجد، عیدین، استسقاء اور فرض نمازوں سے پہلے یا بعد میں پڑھی جانے والی نمازوں کے لیے لفظ سنت استعمال کیا ہے۔ اس سے غلط فہمی نہ ہو کہ یہ سب نمازیں مسنون ہیں۔ ان میں کچھ واجب، کچھ سنت مؤکدہ، کچھ محض مسنون اور کچھ مستحب و افضل ہیں۔ ان سب پر سنت کا اطلاق اس وجہ سے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔ اصطلاحات کے اس فرق کا اعتراف خود امام غزالیؒ نے بھی کیا۔ مترجم

رکعتا الفجر خیر من الدنیا و مافیہا (مسلم' عائشہؓ)

فجر کی دو رکعتیں دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔

ان سنتوں کا وقت صبح صادق کے طلوع ہونے کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے۔ صبح صادق کناروں پر پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔ لمبائی میں نہیں ہوتی۔ شروع شروع میں مشاہدے کے ذریعہ صبح صادق کا ادراک کرنا مشکل ہوتا ہے لیکن اگر چاند کی منزلوں کا علم حاصل ہو جائے یا ان ستاروں کی پہچان ہو جائے جو طلوع صبح صادق کے وقت افق پر موجود رہتے ہیں تو اس کا ادراک با آسانی ہو سکتا ہے۔ چاند سے مہینہ کی دو راتوں میں صبح صادق کی پہچان ہو سکتی ہے۔ مہینہ کی چھبیسویں رات کو چاند صبح صادق کے وقت طلوع ہوتا ہے اور بارہویں رات کو صبح صادق چاند کے غروب کے وقت طلوع ہوتی ہے۔ عموماً ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ کبھی کبھی بعض بروج کے اختلاف سے اس میں بھی فرق واضح ہو جاتا ہے۔ راہ آخرت کے سالک کے لیے منازل قمر کا علم حاصل کرنا ضروری ہے تاکہ وہ رات کے اوقات نماز اور صبح صادق سے واقف رہے۔

فجر کی سنتیں فرض نماز کے ساتھ ساتھ ہیں۔ اگر فرض نماز کا وقت باقی نہ رہے تو سنتوں کا وقت بھی باقی نہیں رہتا۔ مسنون یہ ہے کہ یہ دونوں رکعات فرض نماز سے پہلے پڑھ لے۔ ہاں اگر اس وقت مسجد میں آئے جب فجر کی نماز کے لیے تکبیر کہی جا چکی ہے تو پہلے فرض ادا کرلے۔ (۱) کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلاۃ الا المکتوبۃ (مسلم ابوہریرہؓ)

جب نماز کی تکبیر کہہ دی جائے تو فرض کے علاوہ کوئی نماز نہیں ہے۔

فرض نماز سے فراغت کے بعد دوگانہ سنتیں ادا کرے۔ (۲) صحیح بات یہ ہے کہ جب تک آفتاب طلوع نہ ہو اور فجر نماز کا وقت باقی رہے اس وقت سنتیں بھی ادا ہی ہوں گی۔ چاہے فرض نماز سے پہلے پڑھی جائیں یا بعد میں کیونکہ یہ سنتیں وقت میں فرض نماز کے تابع ہیں۔ تاہم مسنون امر یہ ہے کہ سنتوں کو مقدم کرے اور فرض نماز کو مؤخر بشرطیکہ مسجد میں اس وقت داخل ہو جبکہ جماعت نہ ہو رہی ہو لیکن اگر جماعت ہو رہی ہو تو پہلے جماعت میں شامل ہو۔ بعد میں سنتیں ادا کرے۔ مستحب امر یہ ہے کہ سنتیں گھر میں ادا کرے اور ان میں اختصار سے کام لے۔ پھر مسجد میں آئے اور دو رکعات تحیۃ المسجد پڑھ کر بیٹھ جائے۔ (۳) اور فرض نماز ادا کرنے تک کوئی دوسری نماز نہ پڑھے۔ صبح سے لے کر آفتاب نکلنے تک مستحب یہ ہے کہ ذکر و فکر کرے اور فجر کی دو سنتوں اور فرض نماز پر اکتفا کرے۔

دوم : ظہر کی سنتیں۔ ظہر میں چھ رکعات سنتیں ہیں۔ دو فرض نماز کے بعد' یہ دونوں سنت مؤکدہ ہیں اور چار فرض نماز سے پہلے۔ یہ بھی مؤکدہ ہیں لیکن ان کی تاکید بعد کی دونوں رکعتوں سے کم ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

من صلی اربع رکعات بعد زوال الشمس یحسن قراء تھن و رکوعھن و

---

(۱) احناف کے یہاں فجر کی سنتیں نماز فجر سے پہلے ہیں۔ اگر جماعت فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو دونوں سنتیں ادا کرے۔ اسی طرح اگر نماز کا وقت تنگ ہو جائے اور یہ خوف ہو کہ سنتیں پڑھنے سے نماز کا وقت جاتا رہے گا تو فرض نماز ادا کرے لیکن جب سورج نکل آئے اور قدرے اونچا ہو جائے تو سنت کی دو رکعت قضا کرلے۔ سنتوں کی یہ قضا ضروری نہیں ہے۔ (در مختار' ج ۱ ص ۹۷) مترجم۔ (۲) احناف کے نزدیک فجر کی سنتیں فرض نماز سے پہلے ادا کی جائیں گی۔ فرض نماز کے بعد نہیں۔ کسی وجہ سے اگر نماز سے پہلے سنتیں نہ پڑھ سکے تو سورج نکلنے کے بعد قضاء کرلے۔ فجر کی نماز سے بعد سورج نکلنے سے پہلے نہ پڑھے۔ (مجمع الانہر' کتاب الصلوٰۃ) مترجم (۳) طلوع صبح صادق کے بعد کوئی نفل نماز صبح کی دو سنتوں کے علاوہ جائز نہیں ہے۔ حنفیہ کے نزدیک اس وقت تحیۃ المسجد بھی جائز نہیں۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار' ج ۱ ص ۳۴۹)

سجودھن صلی معه سبعون الف ملک یستغفرون له حتّٰی اللّیل (عبدالملک بن حبیب' عبداللہ ابن مسعودؓ)

جو شخص سورج کے ڈھلنے کے بعد چار رکعات پڑھے' ان کی قرأت' ان کے رکوع اور سجود اچھی طرح کرے تو اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے نماز پڑھتے ہیں اور رات تک اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زوال کے بعد یہ چار رکعات بھی نہیں چھوڑتے تھے بلکہ انہیں طویل کرتے تھے۔ یہ بھی ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

ان ابواب السماء تفتح فی ھذہ الساعة فاحب الی ان یرفع لی فیھا عمل (احمد)

آسمان کے دروازے اس وقت کھلتے ہیں میں یہ پسند کرتا ہوں کہ اس میں میرا کوئی عمل اوپر اٹھایا جائے۔

یہ روایت حضرت ابو ایوب الانصاریؓ سے منقول ہے۔ اگرچہ وہ اس روایت میں تنہا ہیں لیکن اس مضمون پر وہ روایت بھی دلالت کرتی ہے جو ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ سے منقول ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔

من صلی فی کل یوم اثنتی عشرة رکعة غیر المکتوبة بنی له بیت فی الجنة رکعتین قبل الفجر و اربعا قبل الظھر و رکعتین بعدھا و رکعتین قبل العصر و رکعتین بعد المغرب (نسائی' حاکم)

جو شخص ہر روز فرض نمازوں کے علاوہ بارہ رکعات پڑھے اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنایا جائے گا۔ دو رکعات فجر سے پہلے' چار ظہر سے پہلے' دو ظہر کے بعد' دو عصر سے پہلے اور دو مغرب کے بعد۔

اسی طرح کی ایک روایت حضرت ابن عمرؓ سے منقول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر دن دس رکعات یاد کی ہیں۔ ان دس رکعات کی تفصیل تقریباً" وہی ہے۔ جو حضرت ام حبیبہؓ کی روایت میں گذر چکی ہے لیکن فجر کی دو رکعات کے متعلق فرمایا کہ یہ وقت ایسا تھا کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی نہیں جاتا تھا مگر مجھ سے میری بہن ام المومنین حضرت حفصہؓ نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر میں دو رکعات پڑھتے تھے۔ پھر نماز کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ابن عمرؓ نے اس روایت میں ظہر سے پہلے دو رکعات اور عشاء کے بعد دو رکعات بیان کی ہیں۔ اس اعتبار سے ظہر کی دو رکعات چار کی بہ نسبت زیادہ مؤکدہ ہیں۔

زوال کی تحقیق : ظہر کی سنتوں کا وقت زوال آفتاب سے شروع ہو جاتا ہے۔ زوال کی پہچان کی صورت یہ ہے کہ کھڑے ہوئے آدمی کو دیکھے۔ زوال کے بعد کھڑے ہوئے آدمی کا سایہ مشرق کی طرف جھکتا ہے اور طلوع آفتاب کے وقت اس کا سایہ مغرب کی جانب بہت لمبا ہوتا ہے۔ پھر آفتاب اوپر کی جانب اٹھتا ہے۔ جس قدر وہ اوپر اٹھتا ہے سایہ اسی قدر گھٹتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنی انتہائی بلندی پر پہنچ جاتا ہے۔ اس وقت تک سایہ بھی جس قدر کم ہونا تھا کم ہو چکا ہوتا ہے۔ جب نصف النہار سے آفتاب ڈھلتا ہے تو سایہ پھر بڑھنا شروع ہو جاتا ہے مگر اس وقت سایہ کا رخ مغرب کے بجائے مشرق کی طرف ہوتا ہے۔ چنانچہ جب سایہ کا پھیلاؤ مشاہدہ میں آجائے اور آنکھوں سے دیکھ لو تو سمجھ لو کہ سورج ڈھلنے لگا ہے اور ظہر کا وقت شروع ہو چکا ہے۔ یہ بات قطعی طور پر معلوم ہے کہ خدائے تعالیٰ کے علم میں زوال اس سے پہلے شروع ہو چکا ہے لیکن کیونکہ شرعی احکام محسوس امور و اسباب پر مبنی ہوتے ہیں اس لیے زوال کی ابتداء اسی وقت سے مانیں گے جب وہ آنکھوں سے محسوس ہو جائے۔

سایہ کی جو مقدار سورج کے نصف النہار پر پہنچنے کے وقت ہوتی ہے وہ سردیوں میں زیادہ اور گرمیوں میں کم ہوتی ہے۔ جب سورج برج جدی کی ابتداء پر پہنچ جاتا ہے تو نصف النہار کا سایہ سب سے بڑا ہوتا ہے اور جب برج سرطان کی ابتدا پر پہنچتا ہے تو یہ

سایہ سب سے چھوٹا ہوتا ہے۔ سایہ کے طویل و مختصر ہونے کا فرق آپ قدموں اور پیمانوں کے ذریعے معلوم کرسکتے ہیں۔

اس شخص کے لیے جو ان امور کا اچھی طرح لحاظ رکھے زوال کی پہچان کا آسان اور قریب الفہم طریقہ یہ ہے کہ رات کو قطب شمالی (ستارہ کا نام) کو دیکھے اور ایک مربع تختہ زمین پر اس طرح رکھے کہ اس کا ایک ضلع قطب کی جانب ایسا ہو کہ اگر بالفرض قطب سے ایک ڈھیلا زمین پر چھوڑدیں تو جس جگہ زمین پر وہ ڈھیلا گرے وہاں سے خط مستقیم اس ضلع سے گزرتا ہوا فرض کریں تو یہ خط ضلع مذکور پر دو قائمہ بنائے۔ یعنی یہ خط مذکورہ ضلع کی کسی بھی جانب جھکتا ہوا نہ ہو۔ تختہ پر عمود اس جگہ قائم کریں جہاں علامت ○ بنی ہوئی ہے اور قطب کے مقابلے میں ہے۔ فرض کیجئے کہ تختہ پر مغربی ضلع اک شکل میں ہے تو دن کے ابتدائی حصے میں اس عمود کا سایہ مغرب کی طرف اک طرف مائل ہوگا پھر دوپہر تک کم ہوتا رہے گا اور شمال کی طرف ہٹتا رہے گا۔ یہاں تک کہ خط ب پر منطبق ہوجائے۔ حتیٰ کہ اگر اس کو شمال کی جانب بڑھائیں تو جس نقطہ پر قطب سے ڈھیلا گرا ہوا فرض کیا تھا اس پر پہنچ جائے۔ یہ سایہ اس وقت مشرقی اور مغربی ضلعوں کے متوازی ہوا کرتا ہے۔ کسی طرف مائل نہیں ہوتا۔ یہ وقت ہے جب آفتاب انتہائی بلندی پر ہوتا ہے۔ چنانچہ جب سایہ خط ب سے مشرق کی جانب کو جھکتا ہے تو آفتاب ڈھل جاتا ہے اور یہ بات حواس کے ذریعہ ادراک ہوجاتی ہے اور اگر وہ وقت معلوم ہوجاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے زوال حقیقی سے قریب تر ہو۔ پھر دوپہر کو جس جگہ سایہ ہو وہاں خط ب پر ایک علامت لگادی جائے۔ جب مذکورہ عمود کا سایہ سایۂ دوپہر کے علاوہ اس کے برابر ہوجائے یعنی ایک مثل ہوجائے تو عصر کا وقت آجاتا ہے۔ (۱) زوال کی معرفت کے لیے یہ صورت اختیار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ذیل میں شکل بیان کی جاتی ہے۔ (۲)

مشرق

جنوب

مغرب

---
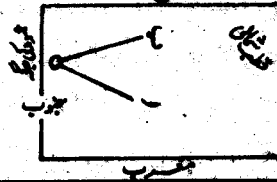
(۱) یہاں تین مسئلے ہیں۔ قارئین کی آسانی کے لیے ہم انہیں الگ الگ ذکر کرتے ہیں۔ (۱) ظہر کا آخری وقت : امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ظہر کا وقت اس وقت تک رہتا ہے جب تک ہر چیز کا سایہ دو مثل ہوجائے۔ دوسرے ائمہ کے یہاں ایک مثل پر وقت ختم ہوجاتا ہے۔ (رد المحتار' ج ۱' ص ۳۳۲) (۲) عصر کا ابتدائی وقت : صاحبین (ابو یوسفؒ و محمدؒ) کا مذہب یہ ہے کہ عصر کا وقت ایک مثل پر شروع ہوجاتا ہے۔ ایک روایت امام ابو حنیفہؒ سے بھی یہی ہے اور ائمہ ثلثہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ در مختار میں اسی قول کو معمول بہ قرار دیا گیا ہے۔ الدر المختار علی ہامش رد المحتار' ج ۱' ص ۳۳۴) لیکن شامی نے نقل کیا ہے کہ امام صاحب کی ظاہر روایت یہ ہے کہ عصر کا وقت دو مثل پر شروع ہوتا ہے۔ (رد المحتار' ج ۱' ص ۳۳۳) بدائع وغیرہ فقہ حنفی کی کتابوں میں اسی کو صحیح اور احوط قرار دیا گیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ احوط امام صاحب کا مذہب ہے۔ ایک مثل پر عصر کی نماز پڑھنے سے قبل از وقت پڑھ لینے کا شبہ رہتا ہے اور دو مثل پر باتفاق ائمہ نماز صحیح ہوتی ہے۔ احتیاط اسی میں ہے کہ نماز عصر دو مثل سے پہلے نہ پڑھیں۔ شرح منیہ میں احادیث سے امام صاحب کے مذہب کی تائید کی گئی ہے۔ (غنیۃ المستملی ص ۲۲۶) مترجم۔ (۳) فی زوال : ایک مثل اور دو مثل فی زوال کے استثناء کے بعد ہے۔ فی زوال اس سائے کو کہتے ہیں جو کسی چیز کا زوال سے پہلے ہوتا ہے۔ یہ سایہ زمان اور مکان کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔ فی زوال کی بحث و تفصیل کے لیے کتب فقہ دیکھیئے۔ الدر المختار علی ہامش' رد المحتار' ج ۱' ص ۳۳۴) (۲) حنفی فقہ کی کتابوں میں زوال کی پہچان کا ایک اور طریقہ بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہموار زمین پر ایک دائرہ بنایا جائے اور اس کے مرکز میں ایک لکڑی گاڑدی جائے اس طرح کہ اس مقیاس کی مسافت محیط دائرہ سے ہر طرف تین نقطے کے بعد ہو اور اس کی لمبائی دائرے کے قطر کی چوتھائی ہو۔ جب سورج طلوع ہوگا اس لکڑی کا سایہ دائرہ سے باہر ہوگا۔ جوں جوں سورج بلندی کی طرف جائے گا اس لکڑی کا سایہ دائرے کے اندر سمٹتا رہے گا۔ دائرے کے محیط پر جب سایہ پہنچے اور اندر داخل ہونا شروع ہو تو محیط پر اس جگہ ایک نشان لگادو جہاں سے سایہ اندر داخل ہورہا ہے۔ پھر دوپہر کے بعد سایہ بڑھے گا دائرے کے محیط سے نکل جائے گا۔ جس جگہ محیط سے یہ سایہ باہر نکلے اس جگہ بھی محیط پر نشان لگالو۔ پھر ان دونوں نشانوں کو ایک خط مستقیم کھینچ کر ملادو۔ اب محیط دائرے کے اس قوسی حصہ کے نصف پر جو کہ دونوں نشانوں کے درمیان ہے۔ ایک نشان قائم کرکے اس کو خط مستقیم کے ذریعہ جو مرکز دائرہ پر سے گذرے محیط تک پہنچادو۔ یہ خط نصف النہار کہلائے گا اور جو سایہ اس خط پر پڑے گا وہ اصلی ہوگا۔ جب سایۂ اس خط سے مشرق کی جانب مائل ہو تو یہ وقت زوال ہے۔ (شرح وقایہ' ج ۱' ص ۲۸-۲۹) مترجم۔

سوم : عصر کے وقت کی سنتیں۔ یہ چار سنتیں ہیں جو فرض نماز سے پہلے پڑھی جاتی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ آپ نے عصر کی سنتیں پڑھنے والے کے لیے یہ دعا فرمائی ہے۔

رحم اللہ عبدا صلی قبل العصر اربعا (ابوداؤد' ترمذی' ابن عمرؓ)

اللہ اس بندے پر رحم فرمائے جو عصر سے پہلے چار رکعات ادا کرے۔

اس توقع سے یہ چار رکعات ادا کرنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے رحمت کا مستحق قرار پائے۔ مستحب مؤکد ہے۔ اس لیے کہ آپ کی دعا یقیناً مقبول ہوگی۔ آپ نے عصر سے پہلے کی رکعات پر اس قدر مواظبت نہیں فرمائی جس قدر مواظبت ظہر سے پہلے کی رکعات پر کی ہے۔

چہارم : مغرب کے وقت کی سنتیں۔ یہ دو سنتیں ہیں اور بلا اختلاف فرض کے بعد پڑھی جاتی ہیں۔ (۱) تاہم مغرب سے قبل کی دو رکعات میں اختلاف ہے۔ یہ دو رکعات اذان اور اقامت کے درمیانی وقفے میں عجلت کے ساتھ ادا کرلینی چاہئیں۔ بعض صحابہ کرام مثلاً "ابی ابن کعب' عبادہ ابن الصامت' ابوذر اور زید ابن ثابت وغیرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے یہ دو رکعات منقول ہیں۔ چنانچہ حضرت عبادہ ابن الصامت وغیرہ فرماتے ہیں کہ جب مؤذن مغرب کی اذان دیتا تو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجدوں کے ستونوں کی طرف جھپٹتے اور دو رکعت نماز ادا کرتے (بخاری و مسلم' انسؓ) ایک صحابی فرماتے ہیں کہ ہم مغرب سے پہلے دو رکعات نماز پڑھتے تھے۔ یہاں تک کہ نیا آنے والا یہ سمجھتا تھا کہ ہم فرض نماز سے فارغ ہوچکے ہیں اور پوچھتا تھا کہ کیا مغرب کی نماز ہوگئی ہے؟ (مسلم' انسؓ) یہ دونوں رکعات اس حدیث شریف کے عموم میں داخل ہیں۔ ارشاد نبویؐ ہے۔

بین کل اذانین صلوٰۃ لمن شاء (بخاری و مسلم' عبداللہ ابن مغفلؓ)

ہر دو اذانوں (اذان و اقامت) کے درمیان نماز ہے اس شخص کے لیے جو یہ نماز پڑھنی چاہے۔

حضرت امام احمد ابن حنبلؒ یہ دونوں رکعات پڑھا کرتے تھے لیکن جب اس بناء پر لوگوں نے انہیں مطعون کیا تو انہوں نے اپنا یہ معمول ختم کردیا۔ کسی نے ان سے اس سلسلے میں دریافت کیا تو فرمایا کہ لوگوں کو میں نے پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اس لیے میں بھی نہیں پڑھتا اور فرمایا کہ یہ دو رکعات اپنے گھر پر یا کسی تنہائی کی جگہ پر ادا کرلینی چاہئیں۔ لوگ نہ دیکھیں یہ زیادہ بہتر ہے۔

مغرب کا وقت اس وقت شروع ہوتا ہے جب آفتاب نظروں سے اوجھل ہوجائے۔ مگر یہ اوجھل ہونا سطح زمین پر معتبر ہے۔ اگر سورج پہاڑوں کے پیچھے چھپ جائے تو یہ چھپنا معتبر نہیں ہوگا۔ اس صورت میں اتنی دیر انتظار کرنا چاہیئے کہ افق پر سیاہی پھیل جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اذا اقبل اللیل من ھھنا وادبر النھار من ھھنا فقد افطر الصائم (بخاری و مسلم' عمرؓ)

جب رات سامنے آئے اور دن پشت پھیرے یعنی غروب ہوجائے تو روزہ دار کے افطار کرنے کا وقت ہوگیا۔

مستحب یہ ہے کہ مغرب کی نماز میں جلدی کرے۔ (۲) اگر تاخیر ہوجائے اور شفق کی سرخی غائب ہونے سے قبل نماز ادا کرلے

---

(۱) مغرب کی اذان و تکبیر کے درمیان کوئی نماز نہ پڑھنی چاہیئے۔ جس نماز کے متعلق امام غزالیؒ نے لکھا ہے اس کے بارے میں ابن عمرؓ کی روایت ہے ما رایت احداً علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلیھا "میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کسی کو دو رکعات پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا) (ابوداؤد) اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ ابراہیم نخعیؒ سے کسی نے مغرب سے قبل کی نماز کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم' ابوبکرؓ اور عمرؓ یہ نماز نہیں پڑھتے تھے۔ (رد المحتار' ج ۱' ص ۳۴۹) مترجم۔

(۲) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مغرب کی نماز کا وقت غروب آفتاب سے شفق ابیض (سفید شفق) کے غائب ہونے تک باقی رہتا ہے۔ جس کی مقدار تقریباً" سوا گھنٹہ ہے۔ (ہدایہ' ج ۱' ص ۷۸) صاحبین کے نزدیک شفق احمر (سرخ شفق) کے غائب ہونے تک مغرب کا وقت باقی رہتا ہے۔ (الدر المختار علی ہامش' رد المختار' ج ۱' ص ۳۳۴) لیکن مغرب کی نماز میں اس قدر تاخیر نہ کرنی چاہیئے کہ آسمان پر تارے چمکنے لگیں۔ اس نماز میں کراہت آجاتی ہے۔ مترجم

تب بھی ادا ہوگی لیکن کراہت سے خالی نہیں ہوگی۔ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ مغرب کی نماز میں اس قدر تاخیر کی کہ ایک ستارہ نکل آیا۔ آپ نے اس کی تلافی کے لیے ایک غلام آزاد کیا۔ حضرت ابن عمرؓ نے مغرب کی نماز ادا کرنے میں اس قدر تاخیر کی کہ دو ستارے نکل آئے اس نقصان کے تدارک کے لیے آپ نے دو غلام آزاد کیے۔

پنجم : عشاء کی سنتیں۔ یہ سنتیں فرض نماز کے بعد ہیں اور ان کی مقدار چار رکعات ہے۔(۱) حضرت عائشہ کی ایک روایت میں ہے کہ

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي بعد العشاء الآخرة اربع ركعات ثم ينام (ابوداؤد)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عشاء آخر کے بعد چار رکعات پڑھتے تھے اور پھر سو جاتے تھے۔

بعض علماء نے اس باب کی مجموعی احادیث و روایات سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ان سنتوں کی کل تعداد سترہ ہے جیسا کہ فرض نمازوں کی رکعتوں کی تعداد ہے۔ یعنی دو رکعت فجر سے پہلے' چار ظہر سے پہلے' دو ظہر کے بعد' چار عصر سے پہلے' دو مغرب کے بعد اور تین عشاء کے بعد۔ عشاء کے بعد پڑھی جانے والی یہ تین رکعات وتر کہلاتی ہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ جب نوافل و سنن کے فضائل معلوم ہو چکے ہیں تو اب رکعات کی تعداد جاننے سے کیا فائدہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلق نماز کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔

الصلاة خير موضوع فمن شاء اكثر ومن شاء اقل (احمد' حاکم' ابوذرؓ)

نماز ایک خیر ہے جو رکھا ہوا ہے' جو چاہے زیادہ خیر حاصل کرلے اور جو چاہے کم حاصل کرلے۔

ہر طالب آخرت ان سنن میں سے صرف اسی قدر اختیار کرتا ہے جس کی اسے رغبت ہوتی ہے۔ یہ بات ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ ان سنن میں بعض مؤکدہ ہیں اور بعض کی تاکید کم درجے کی ہے اور بعض مستحب ہیں۔ مؤکد سنن چھوڑ دینا طالب آخرت سے بعید تر معلوم ہوتا ہے۔ خاص طور پر اس صورت میں جب کہ فرض نماز کی تکمیل ان سے ہوتی ہے۔ جو شخص نوافل نہ پڑھے کیا عجب ہے کہ اس کے فرائض میں کمی رہ جائے اور اس کی کا تدارک نہ ہوسکے۔

ششم : وتر۔ حضرت انس ابن مالکؓ کی روایت میں ہے۔

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يوتر بعد العشاء بثلاث ركعات يقرأ في الاولى سبح اسم ربك الاعلىٰ وفي الثانية قل يا ايها الكافرون وفي الثالثة قل هو الله احد (ابن عدی' انسؓ' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ' ابن عباسؓ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کے بعد وتر کی تین رکعت پڑھا کرتے تھے۔ پہلی رکعت میں سورۂ اعلیٰ دوسری میں الکافرون اور تیسری میں قل ہو اللہ تلاوت فرماتے۔

ایک روایت میں ہے۔

انه صلى الله عليه وسلم كان يصلي بعد الوتر ركعتين جالساً (مسلم' عائشہؓ)

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد دو رکعت بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ آلتی پالتی مار کر بیٹھ جاتے اور پھر یہ دو رکعت ادا فرماتے۔ دوسری روایت میں ہے کہ جب آپ بستر پر تشریف لاتے تو اس پر چار زانو ہو جاتے اور سونے سے پہلے دو رکعت پڑھتے۔ پہلی رکعت میں اذا زلزلت الارض اور دوسری میں

(۱) عشاء کے وقت بہتر اور مستحب یہ ہے کہ پہلے چار رکعت سنت پڑھے' پھر چار رکعت فرض' پھر دو رکعت سنت' یہ دو رکعت سنتیں ضروری ہیں۔ نہ پڑھنے سے گناہ ہوتا ہے۔ احناف کا مسلک یہی ہے۔ (مجمع الانہر کتاب الصلوٰۃ) مترجم

سورۂ تکاثر تلاوت فرماتے۔ ایک روایت میں سورہ کافرون ہے۔ (احمد، بیہقی، ابوامامہؓ) وتر ایک سلام کے ساتھ بھی جائز ہے۔ اس طرح پر کہ ایک ساتھ تینوں رکعتیں پڑھی جائیں اور دو سلاموں کے ساتھ بھی جائز ہے۔ اس طرح پر کہ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیردیا جائے اور ایک رکعت الگ سے پڑھی جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکعت، تین، پانچ، سات، نو اور گیارہ رکعات بھی وتر میں ادا کی ہیں۔ (۱) تیرہ رکعتوں کی روایت بھی ہے۔ (۲) مگر اس میں کچھ تردد ہے۔ ایک شاذ حدیث میں سترہ کی تعداد بھی بیان کی گئی ہے۔

یہ تمام رکعتیں جن کے لیے ہم نے وتر کا لفظ استعمال کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد میں پڑھتے تھے۔ رات میں تہجد سنت مؤکدہ ہے۔ (۳) عنقریب باب الاوراد میں نماز تہجد کی فضیلت بیان کی جائے گی۔

اس میں اختلاف ہے کہ وتر میں افضل کون سے وتر ہیں؟ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ تنہا ایک رکعت وتر افضل ہے۔ (۱) جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ایک رکعت وتر ادا فرماتے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ وتر ملا کر پڑھنا افضل ہے تاکہ اختلاف کا شبہ بھی باقی نہ رہے۔ خاص طور پر امام کو چاہیئے کہ وہ تین رکعات وتر پڑھے۔ اس لیے کہ کبھی اس کی اقتداء ایسا شخص بھی کرتا ہے جو ایک رکعت نماز کا معتقد نہیں ہے۔ بہرحال! اگر وتر کی نماز ملا کر پڑھے تو تینوں رکعتوں کے لیے وتر کی نیت کرے اور عشاء کی دو سنتوں کے بعد ان ہی میں ایک رکعت کا اضافہ کرے تو یہ بھی صحیح ہوگا۔ اس وقت اس ایک رکعت کے لیے وتر کی نیت کرے۔ یہ نماز درست ہوگی۔ اس لیے کہ وتر کی صحت کے لیے ضروری ہے کہ وہ فی نفسہ طاق ہو اور دوسری نماز کو جو اس سے پہلے ہوگئی ہے طاق کرنے والی ہو۔ جب فرضوں کے بعد یہ ایک رکعت پڑھی جائے گی تو فرضوں کو طاق کردے گی۔

اگر وتر کی نماز عشاء سے پہلے ادا کرے گا تو صحیح نہیں ہوگی یعنی اس پر وہ ثواب حاصل نہیں ہوگا جس کی طرف حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ نماز وتر تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔ (۱) ورنہ ایک رکعت تو فی نفسہ درست ہوگی۔ (۲) چاہے وہ عشاء سے پہلے ادا کی جائے یا عشاء کی نماز کے بعد۔ عشاء سے پہلے وتر کی رکعت صحیح نہ ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ اجماع امت کے خلاف ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے کوئی نماز ایسی نہیں ہوتی جسے یہ ایک رکعت طاق کرسکے۔

اگر کوئی شخص وتر کی تین رکعت دو سلاموں سے پڑھنے کا ارادہ کرے تو دو رکعت کی نیت محل نظر ہے۔ اگر وہ ان دو رکعتوں سے تہجد یا عشاء کی سنت کی نیت کرے گا تو یہ دونوں رکعتوں وتر نہیں ہوں گی اور اگر وتر کی نیت کرے گا تو حقیقت میں یہ رکعت وتر نہیں ہیں بلکہ وتر اس کے بعد پڑھی جانے والی ایک رکعت ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ ان تینوں رکعتوں سے وتر ہی کی نیت کرے۔ جہاں تک اس اشکال کا تعلق ہے کہ پہلی دو رکعتوں وتر نہیں ہیں تو اس حل کی صورت یہ ہے کہ وتر کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ نماز فی نفسہ طاق ہو اور دوسرے یہ کہ دوسری نماز کو طاق کردے۔ اس طرح تینوں رکعتیں بھی وتر کہلائیں گی اور دو رکعتوں بھی جو تیسری

---

(۱) ایک رکعت کی حدیث بخاری و مسلم میں ابن عمرؓ سے اور مسلم میں عائشہؓ سے منقول ہے۔ تین رکعات کی روایت کتاب میں گذر چکی ہے۔ پانچ رکعات کی روایت مسلم میں عائشہؓ سے، سات رکعات کی روایت مسلم، ابوداؤد اور نسائی میں عائشہؓ سے، نو رکعات کی روایت مسلم میں عائشہؓ سے، گیارہ رکعات کی روایت ابوداؤد میں عائشہؓ سے مروی ہے۔ (۲) تیرہ رکعات کی روایت ترمذی اور نسائی میں حضرت ام سلمہؓ سے اور مسلم میں حضرت عائشہؓ سے منقول ہے۔ (۳) حنفیہ کے نزدیک تہجد کی نماز سنت مؤکدہ نہیں ہے۔ البتہ قرآن پاک اور حدیث شریف میں اس نماز کے بے شمار فضائل بیان کیے گئے ہیں مثلاً ایک روایت میں ہے "افضل الصلاة بعد المفروضة صلوة في جوف الليل" (احمد، مشکوٰۃ باب التحریض فی قیام اللیل) اس فضیلت کا تقاضا تو یہی ہے کہ یہ نماز ہرگز نہ چھوڑی جائے۔ مترجم (۴) امام ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ صرف ایک رکعت پڑھنا جائز نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تنہا ایک رکعت پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ وتر کی ایک سلام کے ساتھ تین رکعات ہیں جس طرح مغرب میں ایک سلام کے ساتھ تین رکعات ادا کی جاتی ہیں۔ (الدر المختار علی ہامش، رد المختار باب الوتر والنوافل ج ۱ ص ۴۴۲) مترجم۔ (۵) حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ان اللہ امدکم بصلاۃ هي خير لكم من حمر النعم (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ بروایت خارجہ بن حذافہ) (۶) حنفیہ کے نزدیک ایک رکعت کی نماز جائز نہیں۔ اسی صفحہ کے حاشیہ پر یہ مسئلہ گذر چکا ہے۔ مترجم (۷) ابن المبارک بروایت طاؤس مرسلاً۔

رکعت سے پہلے ہیں وتر ہوں گی۔ مگر ان دو رکعتوں کا وتر ہونا تیسری رکعت پر موقوف ہوگا کیونکہ نمازی کا پختہ ارادہ یہی ہے کہ وہ ان دو رکعتوں کو تیسری رکعت ملا کر وتر کرے گا تو اس کے لیے ان دو رکعتوں کے لیے بھی وتر کی نیت کرنا صحیح ہے۔

رات کی نماز کے آخر میں وتر پڑھنا افضل ہے اس لیے وتر کی نماز تہجد کے بعد پڑھنی چاہیئے۔ وتر اور تہجد کے فضائل اور ان دونوں میں ترتیب کی کیفیت باب الاوراد میں انشاء اللہ العزیز بہت جلد بیان کی جائے گی۔

ہفتم : چاشت:۔ چاشت کی نماز پابندی کی ساتھ ادا کرنے کے بڑے فضائل ہیں۔ اس نماز میں زیادہ سے زیادہ آٹھ رکعتیں منقول ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ہمشیرہ حضرت ام ہانیؓ روایت کرتی ہیں:۔

انہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی الضحی ثمانی رکعات اطالھن وحسنھن۔ (بخاری و مسلم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چاشت کی آٹھ رکعتیں ادا کیں اور انھیں طول دیا اور اچھی طرح پڑھیں۔(۱)

یہ تعداد ام ہانیؓ کے علاوہ کسی نے بھی بیان نہیں کی ہیں' حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:۔

کان یصلی الضحی اربعا و یزید ماشاء اللہ سبحانہ (مسلم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کی چار رکعت پڑھا کرتے تھے اور کبھی کچھ زیادہ بھی پڑھ لیتے تھے۔

اس حدیث میں زیادہ کی کوئی حد بیان نہیں کی گئی ہے بلکہ اس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ آپ چار رکعات پابندی کے ساتھ ادا فرماتے' یہ تعداد کم نہ کرتے' اور کبھی ان رکعات میں اضافہ بھی فرمالیا کرتے تھے' ایک مفرد حدیث میں چھ رکعات بیان کی گئیں ہیں(۲)۔

چاشت کی نماز کے وقت کے باب میں حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کی نماز کی چھ رکعتیں دو وقتوں میں ادا فرماتے' ایک جب آفتاب طلوع ہو جاتا اور قدرے بلندی پر پہنچ جاتا تو آپ کھڑے ہو کر دو رکعت پڑھتے' اور اس طرح دن کی نمازوں کے دوسرے ورد کا آغاز ہوتا۔ عنقریب ہم اس جملے کی وضاحت کریں گے انشاء اللہ۔ دوسرے اس وقت جب خوب روشنی پھیل جاتی اور سورج چوتھائی آسمان پر آجاتا' چار رکعت ادا فرماتے' خلاصہ یہ ہے کہ پہلی دو رکعتیں اس وقت پڑھتے جب آفتاب نصف نیزے کے بقدر بلند ہوتا۔ اور دوسری بار اس وقت نماز پڑھتے جب دن کا چوتھائی حصہ گذر جاتا۔ یہ نماز عصر کے مقابلے میں ہوتی۔ عصر کی نماز کا وقت اس وقت ہوتا ہے جب دن کا چوتھائی حصہ باقی رہ جاتا۔ ظہر دوپہر ڈھلنے کے وقت ہوتی ہے' اس لحاظ سے چاشت کی نماز اس وقت ہونی چاہیئے جب طلوع آفتاب اور زوال کا وقت آدھا رہ جائے جیسے زوال سے غروب تک کے وقت کو آدھا کرنے پر عصر کی نماز ہوتی ہے۔ حضرت علیؓ کی روایت میں چاشت کے افضل وقت کا ذکر ہے۔ چاشت کا وقت طلوع آفتاب سے زوال سے پہلے تک رہتا ہے۔

ہشتم : مغرب و عشاء کے درمیان کے نوافل۔ یہ نوافل بھی مؤکدہ ہیں۔(۲)

بین العشاءین ست رکعات۔ (طبرانی۔ عمار ابن یاسرؓ)

دونوں عشاؤں کے درمیان چھ رکعات ہیں۔

اس نماز کے بڑے فضائل وارد ہوئے ہیں کہا جاتا ہے کہ باری تعالی کے ارشاد:۔

---

(۱) بخاری و مسلم میں یہ روایت ہے۔ مگر اس میں اطالھن و حسنھن کے الفاظ نہیں ہیں۔ (۲) حاکم جابر بن عبداللہ۔

(۲) ان نوافل کی تعداد چھ بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے:۔

تتجافٰی جنوبھم عن المضاجع (پ ۲۱، ر ۱۴، آیت ۲۹)
ان کے پہلو خواب گاہوں سے علیحدہ ہوتے ہیں۔
سے یہی نماز مراد ہے۔ ایک روایت میں ہے:۔
من صلی بین المغرب و العشاء فانھا من صلاۃ الاوابین (ابن المبارک۔ ابن المنذر مرسلاً)
جو شخص مغرب و عشاء کے درمیان نماز پڑھے تو یہ نماز خدا تعالیٰ کی طرف لوٹنے والوں کی نماز ہے۔
ایک حدیث میں ہے:۔
من عکف نفسه فیما بین المغرب و العشاء فی مسجد جماعة لم یتکلم الا بصلاۃ او بقرآن کان حقا علی اللّٰه ان یبنی له قصرین فی الجنة مسیرۃ کل قصر منھما مائة عام و یغرس له بینھما غراسا لو طافه اھل الارض لو سعھم (ابو الولید الصفار فی کتاب الصلاۃ۔ ابن عمرؓ)
جو شخص مغرب و عشاء کے درمیان اپنے آپ کو جماعت والی مسجد میں روکے رکھے اور نماز و قرآن کے علاوہ کوئی گفتگو نہ کرے تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ اس کے لیے جنت میں دو محل بنائے۔ ان میں سے ہر محل کا فاصلہ سو برس کا ہو۔ اور اس کے لیے ان دونوں محلوں کے درمیان اتنے درخت لگائے کہ اگر زمین کے باشندے ان میں گھومیں تو سب کی گنجائش ہو جائے۔
اس نماز کے باقی فضائل کتاب الاوراد میں بیان کیے جائیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

دوسری قسم : اس قسم میں وہ نوافل داخل ہیں جو ہفتوں اور دنوں کے آنے جانے سے مکرر ہوتے ہیں۔ ہفتے کے ہر دن اور ہر رات کی نمازیں الگ الگ ہیں۔ ذیل میں ہم ان نمازوں کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔

یک شنبہ : حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت میں ہے:۔
انه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: من صلی یوم الاحد اربع رکعات یقراء فی کل رکعة بفاتحة الکتاب و آمن الرسول مرۃ کتب اللّٰه له بعدد کل نصرانی و نصرانیة حسنات و اعطاہ اللّٰه ثواب نبی، و کتب له ثواب حجة و عمرۃ، و کتب له بکل رکعة الف صلاۃ، و اعطاہ اللّٰه فی الجنة بکل حرف مدینه من مسک اذفر۔ (ابو موسی المدینی فی وظائف اللیالی والایام)
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اتوار کے دن چار رکعت نماز پڑھے، ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ آمن الرسل ایک مرتبہ تلاوت کرے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر نصرانی مرد اور ہر نصرانی عورت کی تعداد کے بقدر نیکیاں لکھے گا۔ اور اسے ایک نبی کا ثواب عطا کرے گا، اور اس کے لیے ایک حج اور ایک عمرہ کا ثواب لکھے گا۔ اور اس کے لیے ہر رکعت کے عوض ایک ہزار نمازیں لکھے گا۔ اور اسے جنت میں ہر حرف کے بدلے میں خالص مشک کا ایک شہر عطا کرے گا۔
حضرت علیؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:۔
وحدوا اللّٰه بکثرۃ الصلاۃ یوم الاحد فانه سبحانه واحد لا شریک له فمن صلی

یوم الاحد بعد صلاة الظهر اربع رکعات بعد الفریضة والسنة یقرا فی الاولی فاتحة الکتاب، و تنزیل السجدة و فی الثانیة فاتحة الکتاب و تبارک الملک، ثم تشهد وسلم، ثم قام نصلی رکعتین اخریین یقراء فیھما فاتحته الکتاب سورة الجمعة، و سال اللہ سبحانہ وتعالی حاجتہ کان حقا علی اللہ ان یقضی حاجتہ (ابو موسیٰ المدینی فی الکتاب المذکور)

اتوار کے دن، نماز کی کثرت سے اللہ تعالیٰ کی توحید کرو۔ کیونکہ وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ پس جو شخص اتوار کے دن ظہر کے فرض اور سنت کے بعد چار رکعات ادا کرے، اور پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ و الم السجدہ اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ اور تبارک الذی پڑھے اور التحیات پڑھ کر سلام پھیردے، پھر کھڑا ہو اور دو رکعت پڑھے، ان میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ جمعہ کی تلاوت کرے اور اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت مانگے تو اللہ تعالیٰ پر اس کی حاجت روائی لازم ہوگی۔

دوشنبہ: حضرت جابرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

انہ قال: من صلی یوم الاثنین عند ارتفاع النھار رکعتین یقرأ فی کل رکعة فاتحة الکتاب مرة و آیة الکرسی، و قل ھو اللہ احد و المعوذتین مرة مرة فاذا سلم استغفر اللہ عشر مرات و صلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشر مرات غفر اللہ تعالیٰ لہ ذنوبہ[1] (ابو موسیٰ المدینی فی الکتاب المذکورہ)

آپ نے ارشاد فرمایا:۔ جو شخص پیر کے دن آفتاب کے بلند ہونے کے وقت دو رکعتیں پڑھے، ان میں سے ہر رکعت میں ایک مرتبہ سورۂ فاتحہ، ایک مرتبہ آیۃ الکرسی اور ایک ایک مرتبہ قل ھو اللہ، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھے اور جب سلام پھیرے تو دس بار استغفار اور دس بار درود شریف پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ معاف کردیں۔

حضرت انس ابن مالکؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:۔

من صلی یوم الاثنین اثنتی عشرة رکعة یقرأ فی کل رکعة فاتحة الکتاب و آیة الکرسی مرة فاذا فرغ قرأ قل ھو اللہ احد اثنتی عشرة مرة، و استغفر اثنتی عشرة مرة، ینادی بہ یوم القیامة این فلان بن فلان لیقم فلیأخذ ثوابہ من اللہ عزوجل، فاول ما یعطی من الثواب الف حلة و یتوج و یقال لہ ادخل الجنة فیستقبلہ مائة الف ملک مع کل ھدیة یشیعونہ حتی یدور علی الف قصر من نور یتلالأ[2] (ابو موسیٰ المدینی)

جو شخص دوشنبہ کے دن بارہ رکعتیں پڑھے، ہر رکعت میں ایک بار سورۂ فاتحہ اور ایک بار آیۃ الکرسی پڑھے، جب نماز سے فارغ ہوجائے تو قل ھو اللہ بارہ مرتبہ اور استغفار بارہ مرتبہ پڑھے تو قیامت کے دن اسے آواز دی جائے گی کہ فلاں ابن فلاں کہاں ہے۔ اٹھے اور اپنا ثواب اللہ تعالیٰ سے لے لے۔ سب سے پہلے اسے جو ثواب دیا جائے گا وہ یہ ہوگا کہ اسے ایک ہزار جوڑے عطا کیے جائیں گے اور سر پر تاج رکھا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو، وہاں ایک لاکھ فرشتے اس کا استقبال کریں گے اور ہر فرشتے کے ساتھ

(۱) ھذا الحدیث منکر (۲) رواہ بغیر اسناد و الحدیث منکر۔

تحفہ ہوگا۔ وہ فرشتے اس کے ساتھ ساتھ رہیں گے یہاں تک کہ وہ نور کے ایک ہزار چمکتے ہوئے محلوں کا دورہ کرے گا۔

سہ شنبہ: یزید رقاشی نے حضرت انسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من صلی یوم الثلاثاء عشر رکعات عند انتصاف النهار (وفی حدیث آخر عند ارتفاع النهار) یقرأ فی کل رکعة فاتحة الکتاب و آیة الکرسی مرة و قل هو الله احد ثلث مرات لم تکتب علیه خطیئته الی سبعین یوما مات شهیدا و غفر له ذنوب سبعین سنة[1] (ابو موسیٰ المدینی فی الکتاب المذکورة)

جو شخص منگل کے دن دس رکعات دوپہر کے وقت (ایک روایت میں ہے کہ آفتاب کے بلند ہونے کے وقت) پڑھے، ہر رکعت میں ایک ایک مرتبہ سورۂ فاتحہ اور آیۃ الکرسی پڑھے اور تین بار قل ھو اللہ احد پڑھے تو ستّر دن تک اس کے گناہ نہیں لکھے جائیں گے اور اگر اس کے بعد ستّر دن کے اندر اندر مرجائے تو شہید مرے گا اور اس کے ستّر سال کے گناہ معاف کردیئے جائیں گے۔

چہار شنبہ: ابو ادریس خولانی حضرت معاذ ابن جبلؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

من صلی یوم الاربعاء اثنتی عشرة رکعة عند ارتفاع النهار یقرأ فی کل رکعة فاتحة الکتاب و آیة الکرسی مرة و قل هو الله احد ثلث مرات و المعوذتین ثلث مرات نادی مناد عند العرش: یا عبد الله! استأنف العمل فقد غفر لک ما تقدم من ذنبک و رفع الله سبحانه عنک عذاب القبر وضیقه و ظلمته و رفع عنک شدائد القیامة و رفع له من یومه عمل نبی[2] (ابو موسیٰ المدینی فی الکتاب المذکور)

جو شخص بدھ کے دن آفتاب کے اونچا ہونے کے وقت بارہ رکعت نماز پڑھے، ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور آیۃ الکرسی ایک بار قل ھو اللہ، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس تین بار پڑھے تو اس کو عرش کے پاس سے ایک فرشتہ پکارتا ہے کہ اے اللہ کے بندے عمل پھر سے کر کہ تیری پچھلے گناہ بخشدیئے گئے ہیں، اللہ تعالیٰ تجھ سے عذاب قبر، قبر کی تنگی اور تاریکی دور کردے گا اور تجھ سے قیامت کے مصائب اٹھالے گا اور اسی روز سے اس کے لیے ایک پیغمبر کا عمل اوپر چڑھے گا۔

پنج شنبہ: عکرمہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

من صلی یوم الخمیس بین الظهر و العصر رکعتین یقرأ فی الاولیٰ فاتحة الکتاب و آیة الکرسی مائة مرة و فی الثانیة فاتحة الکتاب و قل هو الله احد مائة مرة و یصلی علی محمد مائة مرة اعطاه الله ثواب من صام رجب و شعبان و رمضان و کان له من الثواب مثل حاج البیت، و کتب له بعدد کل من آمن بالله سبحانه و توکل علیه[3] (ابو موسیٰ المدینی فی الکتاب المذکور)

جو شخص جمعرات کے دن ظہر اور عصر کے درمیان دو رکعتیں پڑھے، پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ اور آیۃ الکرسی سو مرتبہ اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ اور قل ھو اللہ احد سو مرتبہ پڑھے اور سو بار درود شریف پڑھے، اللہ تعالیٰ اسے اس شخص کے برابر ثواب عطا کریں گے جس نے رجب، شعبان اور رمضان کے

---

(۱) اسناد ضعیف ولیس فیہ ذکر الوقت (۲) فیہ غیر مسمی وھو محمد بن حمید الرازی احد الکذابین (۳) سند ضعیف جداً

روزے برابر رکھے ہوں۔ اس کو خانۂ کعبہ کا حج کرنے والے کے برابر ثواب ملے گا اور اللہ تعالیٰ اس کے لیے ان لوگوں کی تعداد کے مطابق اجر و ثواب لکھیں گے جو اللہ پر ایمان لائے اور جنھوں نے اس پر توکل کیا۔

جمعہ : حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

یوم الجمعة صلاة کله' مامن عبد مومن قام اذا استقلت الشمس وارتفعت قدر رمح او اکثر من ذلک' فتوضأ ثم اسبغ الوضوء فصلی سبحة الضحی رکعتین ایمانا واحتسابا الا کتب الله له مائتی حسنة ومحا عنه مائة سیئة ومن صلی اربع رکعات رفع الله سبحانه له فی الجنة اربع مائة درجة ومن صلی ثمان رکعات رفع الله تعالیٰ فی الجنة ثمان مائة درجة وغفر له ذنوبه کلها ومن صلی اثنتی عشرة رکعة کتب الله له الفین و مائتی حسنة ومحا عنه الفین ومائتی سیئة ورفع الله له فی الجنة الفین ومائتی درجة[1]

جمعہ کے دن مکمل نماز ہے۔ کوئی بندہ مومن ایسا نہیں ہے جو اس وقت جب کہ آفتاب نکل آئے' اور نیزے کے برابر یا اس سے زیادہ بلند ہو جائے اچھی طرح وضو کرے اور چاشت کی نماز ایمان اور احتساب کی غرض سے پڑھے مگر اس کے لیے اللہ تعالیٰ سو نیکیاں لکھیں گے اور اس کی سو برائیاں مٹائیں گے اور جو شخص چار رکعات پڑھے تو اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے چار سو درجے بلند کرے گا' اور جو آٹھ رکعات پڑھے جنت میں اس کے آٹھ سو درجات بلند کرے گا اور اس کے تمام گناہ معاف کر دے گا' اور جو شخص بارہ رکعات پڑھے اللہ اس کے لیے بارہ سو نیکیاں لکھیں گے اور اس کے بارہ سو گناہ مٹائیں گے' اور جنت میں اس کے لیے بارہ سو درجات بلند کریں گے۔

نافع ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من دخل الجماعة یوم الجمعة فصلی اربع رکعات قبل صلاة الجمعة یقرأ فی کل رکعة الحمد لله وقل هو الله احد خمسین مرة لم یمت حتی یری مقعده من الجنة او یری له[2] (خطیب)

جو شخص جمعہ کے دن جامع مسجد میں داخل ہو' اور جمعہ کی نماز سے قبل چار رکعات پڑھے' ہر رکعت میں الحمد للہ اور قل ہو اللہ احد پچاس مرتبہ پڑھے وہ اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کہ جنت میں اپنا ٹھکانہ نہ دیکھ لے یا اسے دکھا نہ دیا جائے۔

ہفتہ : ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

من صلی یوم السبت اربع رکعات یقرأ فی کل رکعة فاتحة الکتاب مرة وقل هو الله احد ثلاث مرات' فاذا فرغ قرأ آیة الکرسی کتب الله له لکل حرف حجة وعمرة ورفع له بکل حرف اجر سنة صیام نهارها وقیام لیلها واعطاه عز وجل بکل حرف ثواب شهید وکان تحت ظل عرش الله مع النبیین والشهداء[3] (ابو موسیٰ المدینی)

جو شخص ہفتہ کے دن چار رکعات پڑھے' ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ ایک مرتبہ اور قل ہو اللہ تین مرتبہ پڑھے'

---

(۱) مجھے اس کی اصل نہیں ملی۔ (۲) وقال غریب جدا (۳) سند ضعیف جدا۔

اور جب فارغ ہو جائے تو آیۃ الکرسی پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر حرف کے بدلے میں حج و عمرہ کا ثواب لکھیں گے' اور اس کے لیے ہر حرف کے عوض ایک برس کے دنوں کے روزوں اور راتوں کے قیام کا ثواب عطا کریں گے' اور اللہ تعالیٰ ہر حرف کے بدلے اسے ایک شہید کا ثواب عطا کریں گے' اور وہ قیامت کے روز انبیاء و شہداء کے ساتھ عرش الٰہی کے سائے میں ہوگا۔

اتوار کی رات : حضرت انسؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اتوار کی رات کو بیس رکعت نماز پڑھے' ہر رکعت میں سورہ فاتحہ' پچاس مرتبہ سورۂ اخلاص اور ایک مرتبہ قل اعوذ برب الناس اور قل اعوذ برب الفلق پڑھے۔ سو مرتبہ استغفار پڑھے اور اپنے لئے' اپنے والدین کے لیے سو مرتبہ مغفرت کی دعا کرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سو مرتبہ درود بھیجے' اپنی طاقت و قوت سے اظہار برأت کرے اور اللہ تعالیٰ کی قوت و طاقت کی طرف رجوع کرے اور پھر یہ الفاظ کہے:۔

اَشْهَدُاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُاَنَّ آدَمَ صَفْوَةُ اللّٰهِ وَفِطْرَتُهٗ وَ اِبْرَاہِیْمُ خَلِیْلُ اللّٰهِ وَمُوْسٰی کَلِیْمُ اللّٰهِ وَعِیْسٰی رُوْحُ اللّٰهِ وَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَبِیْبُ اللّٰهِ

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ آدم اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں' اور ابراہیم خلیل اللہ' موسیٰ کلیم اللہ' عیسیٰ روح اللہ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے حبیب ہیں۔

تو اس شخص کو ان لوگوں کی تعداد کے مطابق ثواب ملے گا جو اللہ کے لیے اولاد کے قائل ہیں' اور جو اس کے لیے اولاد کے لیے قائل نہیں ہیں۔ قیامت کے روز اسے امن و امان والوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ پر یہ بات لازم ہوگی کہ اسے پیغمبروں کے ساتھ جنت میں داخل کرے۔[1]

پیر کی رات : اعمش حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص پیر کی رات میں چار رکعت نماز پڑھے۔ پہلی رکعت میں الحمد للہ اور قل ہو اللہ گیارہ مرتبہ' دوسری رکعت میں الحمد للہ اور قل ہو اللہ اکیس مرتبہ' تیسری رکعت میں الحمد للہ اور قل ہو اللہ اکتیس مرتبہ اور چوتھی رکعت میں الحمد للہ اور قل ہو اللہ اکتالیس مرتبہ پڑھے' پھر سلام پھیرے' اور نماز سے فارغ ہو کر قل ہو اللہ پچھتر مرتبہ پڑھے' اپنے لئے اور اپنے والدین کے لئے پچھتر مرتبہ استغفار پڑھے' پھر اپنی ضرورت کا سوال کرے تو اللہ پر لازم ہوگا کہ وہ اس کی درخواست پوری فرمائے۔ اس نماز کو نماز حاجت بھی کہتے ہیں۔[2]

منگل کی رات : جو شخص (منگل کی رات میں) دو رکعتیں پڑھے' ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ' قل ہو اللہ احد اور معوذ تین پندرہ مرتبہ پڑھے' اور سلام کے بعد پندرہ مرتبہ آیۃ الکرسی اور پندرہ مرتبہ استغفار پڑھے تو اسے زبردست اجر و ثواب عطا کیا جائے گا۔

حضرت عمرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:۔

من صلی لیلۃ الثلاثاء رکعتین یقرأ فی کل رکعۃ فاتحۃ الکتاب مرۃ وانا انزلناہ و قل ھو اللہ احد سبع مرات اعتق اللہ رقبۃ من النار و یکون یوم القیامۃ قائدہ و دلیلہ الی الجنۃ:

جو شخص منگل کی شب میں دو رکعتیں پڑھے' ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ' ایک مرتبہ انا انزلناہ اور قل ہو اللہ احد سات مرتبہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ اسے آگ سے آزاد کرے گا اور قیامت کے دن جنت کی طرف اس کی رہنمائی کرنے والا اور اس کو لیجانے والا ہوگا۔[3]

---

(۱) ابو موسیٰ المدینی۔ رواہ بغیر اسناد و ھو منکر۔ (۲) ذکرہ ابو موسیٰ بغیر اسناد (۳) ذکرہ ابو موسیٰ بغیر اسناد عن بعض المصنفین و اسند من حدیث ابن مسعود و جابر و کلھا منکرۃ۔

بدھ کی رات : روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص بدھ کی رات میں دو رکعتیں پڑھے، پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ، اور قل اعوذ برب الفلق دس مرتبہ، دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد قل اعوذ برب الناس دس مرتبہ پڑھے، سلام کے بعد دس مرتبہ استغفار کرے، پھر دس بار درود پڑھے ایسے شخص کے لیے ہر آسمان سے ستر ہزار فرشتے اتریں گے، اور قیامت تک اس کا ثواب لکھیں گے۔(۱) ایک روایت میں سولہ (۱۶) رکعات بیان کی گئی ہیں۔ اس نماز میں فاتحہ کے بعد قرآن پاک میں سے جو دل چاہے تلاوت کرے، آخری دو رکعتوں میں تیس (۳۰) مرتبہ آیۃ الکرسی، اور پہلی دو رکعتوں میں قل ہو اللہ احد تیس (۳۰) مرتبہ پڑھے، ایسے شخص کی سفارش اس کے گھر والوں میں سے ایسے دس (۱۰) افراد کے حق میں قبول کی جائے گی جن کے لیے دوزخ واجب قرار دی جاچکی ہوگی۔ حضرت فاطمہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی نقل کرتی ہیں:۔

من صلی لیلة الاربعاء ست رکعات قراء فی کل رکعة بعد الفاتحة قل اللّٰهم مالک الملک الی آخر الآیه' فاذا فرغ من صلاته جزی اللّٰه محمدا عنا ما هو اهله غفر له ذنوب سبعین سنة و کتب له براءة من النار (۳)

جو شخص بدھ کی رات میں چھ رکعت نماز پڑھے اور ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد اللّٰھم مالک الملک (آخر تک) تلاوت کرے، نماز سے فارغ ہونے کے بعد یہ الفاظ کہے جزی اللّٰہ محمدا عنا ما ھو اھلہ تو اللہ اس کے ستر سال کے گناہ معاف کردیں گے اور اس کے لیے دوزخ سے براءت لکھیں گے۔

جمعرات کی رات : حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص جمعرات کو دو رکعت نماز ادا کرے، اور ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور پانچ مرتبہ آیۃ الکرسی، پانچ مرتبہ قل ھو اللہ اور پانچ مرتبہ معوذتین پڑھے، اور نماز سے فراغت کے بعد پندرہ مرتبہ استغفار کرے، اور اس کا ثواب اپنے والدین کے لئے ہدیہ کرے تو گویا اس نے اپنے والدین کا حق ادا کردیا، اگرچہ وہ ان کا نافرمان رہا ہو، اللہ تعالیٰ اسے وہ اجر و ثواب عطا کریں گے جو وہ صدیقین اور شہداء کو عطا کرتے ہیں (۴)

جمعہ کی رات : حضرت جابرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص شب جمعہ میں مغرب اور عشاء کے درمیان بارہ رکعت نماز پڑھے، ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ ایک مرتبہ اور قل ھو اللہ احد گیارہ مرتبہ پڑھے تو گویا اس نے بارہ سال تک دن میں روزے رکھ کر اور رات میں نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ہے (۵) انسؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ جو شخص جمعہ کی رات میں عشاء کی نماز جماعت سے ادا کرے، پھر سنتیں ادا کرے اور سنتوں سے فارغ ہونے کے بعد دس رکعات پڑھے۔ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ قل ھو اللہ اور معوذتین ایک ایک مرتبہ تلاوت کرے پھر تین رکعات وتر کی نماز پڑھے، اور اپنے دائیں پہلو پر قبلہ رو ہو کر سوئے تو گویا اس نے تمام شب قدر عبادت میں گذاری ہے۔(۲) ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

اکثروا من الصلاة علی فی اللیلة الغراء و الیوم الازهر: لیلة الجمعة و یوم الجمعة (طبرانی۔ ابوہریرہؓ)

---

(۱) اس سلسلے میں حضرت جابرؓ کی روایت کے علاوہ کوئی دوسری روایت نہیں ملی، حضرت جابرؓ کی روایت میں چار رکعات بیان کی گئی ہیں اور ابو موسیٰ المدینی نے حضرت انسؓ کے حوالے سے تیس رکعتیں بیان کی ہیں۔ (۲) ابو منصور دیلمی فی مسند الفردوس، والحدیث منکر۔

(۳) رواہ ابو موسیٰ المدینی۔ سند ضعیف جدًا۔ (۴) رواہ ابو منصور الدیلمی و ابو موسیٰ المدینی فی مسند الفردوس۔ سند ضعیف۔

(۵) الحدیث باطل لا اصل له

روشن رات' اور روشن دن یعنی جمعہ کی رات اور جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو۔

ہفتہ کی رات : انسؓ روایت کرتے ہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من صلی لیلۃ السبت بین المغرب و العشاء اثنتی عشرۃ رکعۃ بنی لہ قصر فی الجنۃ و کأنما تصدق علی کل مؤمن و مؤمنۃ و تبرأ من الیہود و کان حقا علی اللہ ان یغفر لہ (۵)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص ہفتے کی رات مغرب اور عشاء کے درمیان بارہ رکعات نماز پڑھے جنت میں اس کے لیے ایک محل بنایا جائے گا' اور گویا اس نے یہ (عمل کرکے) ہر مسلمان مرد اور ہر عورت پر صدقہ کیا ہو' اور یہودی ہونے سے براءت کی ہو' اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ اس کو بخش دے۔

تیسری قسم

سال کے تکرار سے مکرر ہونے والی نمازیں : سال کے تکرار سے مکرر ہونے والی نمازیں چار ہیں۔

عیدین کی نماز : یہ نماز سنت مؤکدہ ہے۔ (۱) اور دین کا ایک شعار ہے' اس نماز میں مندرجہ ذیل سات امور کی اطاعت کرنی چاہیئے اول:۔ تین مرتبہ ترتیب کے ساتھ تکبیر کہنا۔ یعنی یہ الفاظ کہنا۔ (۲)

اَللّٰہُ اَکْبَرُ' اَللّٰہُ اَکْبَرُ' اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْرًا وَ سُبْحَانَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّ اَصِیْلًا' لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُوْنَ۔

اللہ بہت بڑا ہے' اللہ بہت بڑا ہے' اللہ بہت بڑا ہے' تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں' اور اللہ کی پاکی ہے صبح و شام۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' اس کا کوئی شریک نہیں۔ مخلص ہو کر اس کے لیے دین میں اگرچہ کافر برا منائیں۔

یہ تکبیر عید الفطر کی رات سے شروع کرے اور عید کی نماز تک جاری رکھے' اور عید الاضحیٰ میں یہ تکبیر عرفہ کے دن نماز فجر کے بعد سے تیرہویں تاریخ کی شام تک جاری رہتی ہے۔ (۳) اس میں اختلاف بھی ہے' مگر کامل ترین قول یہی ہے۔ یہ تکبیر فرض نمازوں اور نوافل کے بعد کہنی چاہیئے' فرضوں کے بعد یہ کہنا مؤکد ہے۔ (۴)

دوم : یہ کہ جب عید کی صبح ہو تو غسل کرے' زینت کرے' خوشبو لگائے' جیسا کہ ان سب امور کی تفصیل ہم نے جمعہ کے باب

---

(۱) احناف کے یہاں عیدین کی نماز وتر کی طرح واجب ہے' جن لوگوں پر یہ نماز واجب ہے اس کے لیے جمعہ کا باب ملاحظہ کیجئے۔ جن لوگوں پر جمعہ واجب ہے ان ہی لوگوں پر عیدین کی نماز واجب ہے۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار باب العیدین ج ۱ ص ۷۷۴) مترجم۔ (۲) یہ تکبیر تشریق کہلاتی ہے' اس کے مختصر و مسنون الفاظ یہ ہیں اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔ مترجم (۳) عرفہ نویں ذی الحجہ کو کہتے ہیں کہ عرفے کی نماز فجر سے ذی الحجہ کی تیرہویں تاریخ کی عصر تک تکبیر تشریق کہی جاتی ہے۔ مترجم (۴) تکبیرات تشریق کے بارے میں امام صاحب کا یہ مذہب ہے' کہ مقیم ہو' شہر میں ہو' اور فرض نماز جماعت سے پڑھے اس پر تکبیر تشریق واجب ہے' اور صاحبینؒ "مطلقاً" واجب کہتے ہیں خواہ مرد ہو یا عورت منفرد ہو یا مسافر ہو' صاحبینؒ کا قول زیادہ احتیاط پر مبنی ہے' اگرچہ اکثر علماء نے وجوب کے سلسلے میں امام صاحب کا مذہب اختیار کیا ہے' لیکن اگر منفرد اور مسافر وغیرہ بھی تکبیر تشریق کہہ لیں تو کوئی حرج نہیں ہے اس پر بھی فتویٰ دیا جاتا ہے۔ (درمختار باب العیدین مطلب فی تکبیرات التشریق ج ۱ ص ۷۸۴)۔ تکبیر تشریق فرض نماز با جماعت کے بعد واجب ہے' اور صرف ایک مرتبہ کہنا واجب ہے' ایک مرتبہ سے زیادہ کہنا خلاف سنت ہے۔ (حوالہ سابق) مترجم۔

(۵) اس کی کوئی اصل نہیں ملی۔

میں بیان کی ہے، مردوں کے لئے افضل یہ ہے کہ وہ چادر اور عمامہ استعمال کریں لڑکے عید گاہ جانے کے وقت ریشمی کپڑوں سے اور بوڑھی عورتیں زینت کرنے سے احتراز کریں۔

سوم : یہ ہے کہ عید گاہ ایک راستے سے جائے اور دوسرے راستے سے واپس آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہی تھا (مسلم۔ ابوہریرہؓ)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جوان عورتوں اور پردہ والیوں کو بھی عید گاہ جانے کا حکم دیا کرتے تھے۔ (۱) (بخاری و مسلم۔ ام عطیہؓ)۔

چہارم : مستحب یہ ہے کہ صحراء میں نکل کر عید کی نماز ادا کی جائے، مکہ مکرمہ اور بیت المقدس اس حکم سے مستثنیٰ ہیں، لیکن اگر بارش ہو رہی ہو تو اندرون شہر کسی مسجد میں نماز ادا کی جاسکتی ہے اگر بارش نہ ہو تو امام کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی شخص کو اس کی اجازت دیدے کہ وہ کمزور، ضعیف اور مریض لوگوں کے ساتھ کسی مسجد میں نماز ادا کرے، اور خود توانا تندرست لوگوں کے ساتھ باہر جائے۔ عید گاہ کے لیے تکبیر کہتے ہوئے جائیں۔

پنجم : یہ کہ وقت کا لحاظ رکھا جائے، عید کی نماز کا وقت سورج کے طلوع ہونے کے بعد سے زوال کے وقت تک ہے، اور قربانی کے جانور ذبح کرنے کا وقت ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کی صبح سورج کے طلوع ہونے پر اس وقت شروع ہوتا ہے جب اتنا وقت گذر جائے جس میں دو خطبے پڑھے جاسکیں اور دو رکعت نماز ادا کی جاسکے، قربانی کا وقت تیرہویں تاریخ کے آخر تک رہتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ عید الاضحیٰ کی نماز ادا کرنے میں جلدی کی جائے۔ کیونکہ اس نماز کے بعد قربانی کی جاتی ہے، اور عید الفطر کی نماز میں تاخیر کی جائے کیونکہ اس نماز سے پہلے صدقات فطر تقسیم کیے جاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہی تھا (شافعی۔ مالک ابن الحویرث مرسلاً")۔

ششم : یہ کہ نماز کی کیفیت میں مندرجہ ذیل امور ملحوظ رہیں، لوگ نماز کے لیے راستے میں تکبیر کہتے ہوئے چلیں، (۲) جب امام وہاں پہنچے تو اسے بیٹھنے کی ضرورت نہیں، نہ اسے نفل پڑھنے چاہئیں، البتہ لوگ نفلی نمازیں پڑھ سکتے ہیں۔ (۳) پھر ایک شخص یہ اعلان کرے "الصلاة جامعة" (۴) اس کے بعد امام دو رکعت نماز پڑھائے۔ پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ اور رکوع کی تکبیر کے علاوہ سات تکبیر اور کہے۔ (۵) ہر دو تکبیروں کے درمیان یہ الفاظ کہے۔ (۶) سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ۔ تکبیر تحریمہ کے فوراً بعد یہ الفاظ بھی پڑھ لے۔ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ۔ لیکن استعاذہ (اعوذ باللہ الخ) آٹھویں تکبیر کے بعد پڑھے۔ پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد سورۂ ق

---

(۱) صحابہ کرام کے زمانے میں بعض شرعی مصالح کی وجہ سے عورتوں کا جماعت میں شریک ہونے کے لیے جانا ممنوع ہوچکا تھا، اگرچہ عہد نبوی میں اس کی اجازت تھی، احناف کا مفتی بہ مسلک یہی ہے کہ عورتیں عید گاہ نہ جائیں۔ بعض فقہاء نے بوڑھی عورتوں کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ (الدر المختار باب الامامۃ ج ۱ ص ۸۳) مترجم۔ (۲) عید الفطر کی نماز کے لیے جاتے ہوئے راستے میں آہستہ آہستہ تکبیر تشریق کہیں اور عید الاضحیٰ میں ذرا بلند آواز سے کہتے ہوئے جائیں۔ (درمختار علی ہامش رد المحتار ج ۱ ص ۷۸۴) مترجم۔) (۳) احناف کہتے ہیں کہ عیدین کی نماز سے پہلے نہ عید گاہ میں کوئی نفلی نماز پڑھے اور نہ گھر پر، اس سلسلے میں امام و مقتدی دونوں کا ایک ہی حکم ہے، عید کی نماز کے بعد عید گاہ میں نوافل نہیں پڑھنے چاہئیں۔ البتہ گھر پر پڑھنے کی اجازت ہے (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۱ ص ۷۸۳) مترجم۔) (۴) عیدین میں اذان تکبیر اور الصلاۃ جامعۃ کی نداء یا الصلاۃ جامعۃ کا اعلان وغیرہ کچھ نہیں ہے۔ یہی طریقہ مسنون ہے۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار، ج ۱، ص ۳۵۷، باب الاذان) (۵) حنفی مذہب کے مطابق عیدین کی نماز میں ہر رکعت میں تین تکبیریں زائد ہیں۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۷۸۰) (۶) یہ الفاظ کہنا ضروری نہیں ہے، البتہ دو تکبیروں کے درمیان اتنا وقفہ ضرور ہونا چاہئیے کہ تین مرتبہ سبحان اللہ کہا جاسکے۔)

اور دوسری رکعت میں اقتربت الساعۃ پڑھے۔ (۱) دوسری رکعت میں زائد تکبیریں پانچ ہیں۔ ان میں قیام اور رکوع کی تکبیریں شامل نہیں ہے۔ ہر دو تکبیروں کے درمیان وہی الفاظ کہے جو پہلی رکعت میں کہے تھے۔ پھر دو خطبے پڑھے۔ (۲) دونوں خطبوں کے درمیان جلسہ ہو' اور جس شخص کی نماز عید فوت ہو جائے اسے قضا کرلینی چاہیئے۔ (۳)

ہفتم: یہ کہ ایک مینڈھے کی قربانی کرے۔ (۴) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے ایک مینڈھا ذبح کیا' اور یہ دعا پڑھی۔ (۵)

بسم اللّٰہ واللّٰہ اکبر ھذا عنی وعن من لم یضح من امتی۔ (بخاری و مسلم' ابوداؤد' ترمذی۔ انسؓ)

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے' اور اللہ بہت بڑا ہے یہ قربانی میری طرف سے اور اس کی طرف سے جس نے میری امت میں سے قربانی نہیں کی۔

ایک حدیث میں ہے:

من رای ھلال ذی الحجۃ واراد ان یضحی فلا یاخذن من شعرہ ولا من اظفارہ شیئا (مسلم۔ ام سلمہؓ)

جو شخص ذی الحجہ کا چاند دیکھے اور قربانی کا ارادہ کرے تو وہ اپنے بال یا ناخن نہ ترشوائے۔ (۶)

حضرت ابو ایوب انصاریؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں آدمی اپنے اہل خانہ کی طرف سے قربانی

---

(۱) اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ صرف یہ سورتیں پڑھی جائیں گی بلکہ کوئی بھی سورت پڑھی جاسکتی ہے۔ ہمارے اکابر کا معمول یہ ہے کہ وہ نماز عید الفطر کی پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلیٰ اور دوسری ھل اتاک حدیث الغاشیۃ اور نماز عید الاضحیٰ کی پہلی رکعت میں والضحیٰ اور دوسری رکعت میں الم نشرح پڑھتے ہیں۔ (۲) عیدین کا خطبہ سننا واجب ہے' البتہ امام کو چاہیئے کہ وہ خطبے میں اختصار سے کام لے۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۱ ص ۷۷۹) مترجم۔) (۳) اگر کسی شخص سے عیدین کی جماعت فوت ہو جائے تو احناف کے نزدیک اس کی قضاء نہیں ہے (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۱ ص ۷۸۳) مترجم۔) (۴) قربانی مینڈھے ہی کی ضروری نہیں ہے بلکہ بکرا' بکری' مینڈھا' دنبہ' بیل' بھینس' گائے اور اونٹ وغیرہ کی قربانی بھی کی جاسکتی ہے تفصیل کے لیے حنفی فقہ کی کتابیں ملاحظہ کیجئے۔) (مترجم) (۵) قربانی کرے تو جانور کو قبلہ رخ لٹا کر یہ دعا پڑھنا مستحب ہے

اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اَللّٰھُمَّ مِنْکَ وَلَکَ عَنْ......

عن کے بعد اس شخص کا نام لے جس کی طرف سے ذبح کر رہا ہو اور اگر اپنی طرف سے ذبح کر رہا ہو تو اپنا نام لے' اس کے بعد بِسْمِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کر ذبح کردے (مشکوٰۃ شریف) مترجم۔)

میں نے اس ذات کی طرف اپنا رخ موڑا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اس حال میں کہ میں ابراہیم حنیف کے دین پر ہوں بیشک میری نماز میری عبادت اور میرا مرنا جینا سب اللہ کے لیے ہے جو رب العالمین ہے' جس کا کوئی شریک نہیں ہے' اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ اے اللہ یہ قربانی تیری توفیق سے ہے اور تیرے ہی لیے ہے۔ عن کے بعد اس شخص کا نام لے جس کی طرف سے ذبح کر رہا ہو تو اپنا نام لے اس کے بعد بِسْمِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کر ذبح کردے (مشکوٰۃ شریف) مترجم۔

(۶) جو شخص قربانی کا ارادہ رکھتا ہو اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد قربانی کرکے ناخن اور بال کتروائے اور جو شخص قربانی کا ارادہ نہ رکھتا ہو اس کے لیے یہ مستحب نہیں ہے وہ نماز سے پہلے بھی حجامت بنوا سکتا ہے اور ناخن تراش سکتا ہے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۷۸۸)

کرلیتا' اور وہ سب اس کا گوشت کھاتے اور دوسروں کو کھلاتے' قربانی کا گوشت تین دن یا اس سے زائد مدت تک رکھ کر کھانا جائز ہے۔ پہلے اس سے ممانعت کردی گئی تھی بعد میں اجازت دیدی گئی۔ حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں مستحب یہ ہے کہ عید الفطر کی نماز کے بعد بارہ رکعتیں' اور عید الاضحیٰ کے بعد چھ رکعت نماز پڑھے' ثوریؒ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ نماز سنت ہے۔ (۱)

تراویح کی نماز: تراویح کی نماز میں بیس رکعتیں ہیں۔ ان کی کیفیت مشہور ہے۔ یہ نماز سنت مؤکدہ ہے۔ اگرچہ ان کی تاکید عید کی نماز کے مقابلے میں کم ہے' اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ نماز تراویح جماعت کے ساتھ پڑھنا افضل ہے یا تنہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں روایت ہے کہ آپ دو یا تین راتوں کو جماعت کے لیے تشریف لائے' پھر نہیں آئے' اور فرمایا کہ میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کہیں یہ نماز جماعت کے ساتھ تم پر فرض نہ ہوجائے۔ (۲) لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں لوگوں کو تراویح کی نماز میں جماعت پر متفق کردیا' اس کی وجہ یہ تھی کہ وحی کے موقوف ہونے کی وجہ سے اب وجوب جماعت کا اندیشہ باقی نہیں رہا تھا۔ حضرت عمرؓ کے اس معمول کی وجہ سے بہت سے علماء جماعت کو افضل قرار دیتے ہیں۔ جماعت اس لیے بھی افضل ہے کہ اجتماع میں برکت ہے' نیز فرائض کے لیے جماعت کے فضائل سے بھی یہی سمجھ میں آتا ہے کہ تراویح میں بھی جماعت ہی افضل ہونی چاہیئے۔ علاوہ ازیں تنہا نماز پڑھنے میں سستی رہتی ہے' اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں نشاط رہتا ہے۔ جو لوگ نماز تراویح باجماعت کی افضلیت کے قائل نہیں ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ تراویح ایک مسنون عمل ہے' عیدین کی طرح مسلمانوں کے شعائر میں سے نہیں ہے۔ اس لیے تراویح کو عیدین کے ساتھ ملحق کرنے کے بجائے چاشت' تحیۃ المسجد اور اسی طرح کی دوسری نمازوں کے ساتھ ملحق کرنا افضل ہے۔ اور مذکورہ نمازوں میں جماعت مشروع نہیں ہے۔ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ لوگ جمع ہو کر مسجد پہنچتے ہیں' اور تنہا تنہا تحیۃ المسجد کی دو رکعت ادا کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

فضل صلاة التطوع فی بیته علی صلاته فی المسجد کفضل صلاة المکتوبة فی المسجد علی صلاته فی البیت۔

(ابن ابی شیبہ۔ ضمرۃ ابن حبیب' ابوداؤد۔ مثلہ عن زید ابن ثابتؓ)

گھر میں نفلی نماز پڑھنا مسجد میں پڑھنے کے مقابلے میں اتنا افضل ہے جیسے فرض نماز کو مسجد میں ادا کرنا گھر میں پڑھ لینے کی بہ نسبت افضل ہے۔

ایک روایت میں ہے:۔

صلاة فی مسجدی هذا افضل من مائة صلاة فی غیره من المساجد و صلاة فی المسجد الحرام افضل من الف صلاة فی مسجدی و افضل من ذلک کله رجل یصلی فی زاویة بیته رکعتین لا یعلمها الا اللّٰه عزوجل۔

(ابو الشیخ در ثواب۔ انسؓ۔ اسنادہ ضعیف)

میری اس مسجد کی ایک نماز دوسری مسجدوں کی سو نمازوں سے افضل ہے' اور مسجد حرام کی ایک نماز میری

---

(۱) مجھے اس طرح کی کوئی روایت نہیں ملی جس سے یہ ثابت ہوسکے کہ عید الفطر کی نماز کے بعد بارہ رکعات اور عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد چھ رکعات پڑھنا سنت ہے بلکہ اس طرح کی صحیح روایات موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ نماز عید سے پہلے کوئی نفلی نماز پڑھی اور نہ بعد میں۔ (عراقی)۔ (۲) یہ روایت بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ سے منقول ہے' اس میں یہ الفاظ ہیں: خشیت ان تفرض علیکم عراقی۔

مسجد کی ہزار نمازوں سے افضل ہے اور ان تمام سے افضل یہ ہے کہ آدمی اپنے گھر کے گوشے میں دو رکعتیں اس طرح پڑھے کہ انھیں اللہ کے علاوہ کوئی نہ جانے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ریاکاری اور تصنع عام طور پر مجمع میں پیدا ہوتی ہے' اور تنہائی میں انسانی ان عیوب سے مامون و محفوظ رہتا ہے' میرے نزدیک مختار و پسندیدہ یہی ہے کہ تراویح باجماعت ادا کی جائے' جیسا کہ حضرت عمرؓ کی رائے تھی' تراویح کو تحیۃ المسجد اور چاشت کی نماز پر قیاس کرنا مناسب نہیں ہے اس لیے کہ بعض نوافل میں جماعت مشروع ہوئی ہے۔ اور نماز تراویح تو ان شعائر میں سے ہے جن کا اظہار مناسب ہے۔ یہ بات کہ تنہائی میں سستی پیدا ہوتی ہے اور جماعت میں ریا پیدا ہوتی ہے جماعت کے اصل مقصود سے صرف نظر کرنا ہے' ہم یہ فرض کرتے ہیں کہ ایک شخص اپنے نفس پر یہ اعتبار رکھتا ہے کہ وہ تنہائی میں ست نہیں ہوگا' اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں ریاکاری نہیں کرے گا۔ اس کے لیے بتلائیے افضل جماعت ہے یا تنہائی؟ صحیح بات یہ ہے کہ برکت جماعت میں ہے' قوت اخلاص کی زیادتی میں ہے' اور حضور قلب تنہائی میں ہے۔ اس لیے کہ ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جاسکتی۔ رمضان کے آخری نصف میں وتر کی نماز میں قنوت پڑھنا مستحب ہے[۳]

رجب کی نماز : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سند کے ساتھ مروی ہے کہ جو شخص رجب کی پہلی جمعرات کو روزہ رکھے اور پھر مغرب و عشاء کے درمیان بارہ رکعات پڑھے' ہر دو رکعت پر سلام پھیرے' اور ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ ایک مرتبہ' سورۂ قدر تین مرتبہ اور سورۂ اخلاص بارہ مرتبہ پڑھے' نماز سے فارغ ہونے کے بعد مجھ پر ان الفاظ میں سترّ مرتبہ درود بھیجے "اللّٰھم صل علیٰ محمد النبی الامی وعلیٰ آلہ" پھر سجدہ کرے' اور سترّ بار یہ الفاظ کہے: "سبوح قدوس رب الملائکۃ والروح" پھر اپنا سر اٹھائے اور سترّ بار یہ الفاظ کہے: "رب اغفر وارحم وتجاوز عما تعلم انک انت العلی الاعظم" پھر دوسرا سجدہ کرے' اور وہی الفاظ کہے جو پہلے سجدے میں کہے تھے' پھر سجدے ہی کی حالت میں اپنی درخواست باری تعالےٰ کی بارگاہ میں پیش کرے تو وہ درخواست قبول کی جائے گی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ نماز پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ معاف کردیں گے اگرچہ وہ سمندر کے جھاگ' ریت کے ذرات' پہاڑوں کے وزن' اور درختوں کے پتوں کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔ ایسا شخص قیامت کے روز اپنے خاندان کے ایسے سات سو آدمیوں کی سفارش کرے گا جن پر دوزخ واجب ہوچکی ہوگی۔ (۱) یہ ایک مستحب نماز ہے' نوافل کی اس قسم میں ہم نے اس کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ یہ بھی سال میں ایک مرتبہ پڑھی جاتی ہے' اگرچہ یہ نماز تراویح اور عید کی نمازوں کے برابر نہیں ہے کیونکہ اس کا آحاد نے نقل کیا ہے' لیکن میں نے اہل قدس کو دیکھا کہ وہ اس نماز کی بڑی پابندی کرتے ہیں اور کسی بھی حالت میں اسے ترک نہیں کرتے' اس لیے میں نے بھی یہاں یہ بہتر سمجھا کہ اس نماز کا تذکرہ کردیا جائے۔

شعبان کی نماز : شعبان کی پندرھویں تاریخ کی رات کو سو رکعتیں پڑھے اور ہر دو رکعتوں پر سلام پھیرے' ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد گیارہ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے' اور اگر چاہے تو دس رکعتیں پڑھ لے' ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سو مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے' یہ نماز بھی اسی طرح کی دوسری نمازوں کے ضمن میں وارد ہے۔ اکابرین سلف یہ نماز پڑھا کرتے تھے' اور اسے "صلوٰۃ الخیر" (خیر کی نماز) کہا کرتے تھے' اس کے لیے جمع ہوا کرتے تھے اور کبھی جماعت سے بھی پڑھا کرتے تھے' چنانچہ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے تیس صحابہؓ نے یہ روایت بیان کی ہے کہ جو شخص اس نماز کو اس رات میں پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کی طرف سترّ مرتبہ نگاہ فرمائیں گے' اور ہر نگاہ میں اس کی سترّ حاجتیں پوری کریں گے' ان حاجتوں میں ادنیٰ ترین حاجت مغفرت ہے۔[۲]

---

(۱) یہ روایت رزین نے اپنی کتاب میں نقل کی ہے لیکن یہ ایک موضوع حدیث ہے۔ (۲) یہ روایت بے اصل ہے' تاہم ابن ماجہ میں ضعیف سند کے ساتھ یہ روایت موجود ہے کہ شعبان کی پندرہویں تاریخ کو رات بھر جاگو اور دن کو روزہ رکھو۔ (۳) قنوت نازلہ کے بارے میں احناف کا مسلک قسط نمبر ۲ میں بیان کیا جاچکا ہے۔

چوتھی قسم — عارضی اسباب سے متعلق نوافل

اس باب میں وہ نمازیں بیان کی جائیں گی جو عارضی اسباب سے متعلق ہوں اور وقت یا زمانے کی ان میں کوئی تحدید نہ ہو۔ اس طرح کی نمازیں نو(۹) ہیں۔ ذیل میں ہم صرف ان نمازوں کا ذکر کرتے ہیں جو اس وقت ہمیں یاد ہیں۔

گہن کی نماز : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

ان الشمس و القمر آیتان من آیات اللہ لا یخسفان الموت احد ولا لحیاته فاذا رأیتم ذلک فافزعوا الی ذکر اللہ والصلاۃ (بخاری و مسلم۔ مغیرہ ابن شعبہؓ)

سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں ان کو کسی کے مرنے یا جینے سے گہن نہیں لگتا۔ جب تم یہ گہن دیکھو تو اللہ کے ذکر اور اس کی نماز کی فکر کرو۔

آپ نے یہ بات اس وقت ارشاد فرمائی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی وفات ہوگئی تھی۔ اسی دن سورج کو گہن لگا۔ لوگوں نے کہا کہ سورج کو گہن حضرت ابراہیم کی وفات کی وجہ سے لگا ہے۔

اس نماز کا طریقہ یہ ہے کہ جب سورج کو گہن لگے چاہے وہ وقت جس میں گہن لگا ہے نماز کے لیے مکروہ ہو یا نہ ہو تو لوگوں کو "الصلاۃ جامعة" کہہ کر آواز دی جائے اور امام لوگوں کو مسجد میں دو رکعت نماز پڑھائے۔ ہر رکعت میں دو رکوع کرے۔ پہلا رکوع لمبا اور دوسرا اس کی بہ نسبت مختصر۔ ان دونوں رکعت میں آواز سے قرأت نہ کرے۔ پہلی رکعت کے پہلے قیام میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ اور دوسرے قیام میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ آل عمران پڑھے اور دوسری رکعت کے پہلے قیام میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ نساء اور چوتھے قیام میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ مائدہ پڑھے۔ اگر یہ سورتیں نہ پڑھے تو قرآن کریم میں سے جہاں سے چاہے انہی سورتوں کے بقدر آیات تلاوت کرے۔ اگر صرف سورۂ فاتحہ پر اکتفا کی جائے تو نماز درست ہوگی اور اگر ان طویل سورتوں کے بجائے مختصر سورتیں پڑھی جائیں تو بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اس طوالت کا مقصد یہ ہے کہ گہن ختم ہونے تک نماز کا سلسلہ باقی رہے۔ پہلے رکوع میں سو آیات کے بقدر اور دوسرے رکوع میں انہی آیات کے بقدر تسبیحات پڑھے۔ اسی طرح تیسرے رکوع میں ستر آیات کے بقدر اور چوتھے رکوع میں پچاس آیات کے بقدر تسبیحات کہے۔ رکوع کی طرح سجدے بھی طویل ہونے چاہئیں۔ نماز کے بعد دو خطبے دے اور دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھ کر وقفہ کرے۔ ان خطبوں میں امام کو چاہیئے کہ وہ لوگوں کو صدقہ اور توبہ کا حکم دے۔

یہ سورج گہن کی نماز کا بیان تھا۔ یہی صورت چاند گہن کی ہوگی لیکن چاند گہن کی نماز میں قرأت بلند آواز سے کی جائے گی۔ اس لیے کہ چاند گہن کی نماز رات میں ہوتی ہے۔

چاند گہن کی نماز کا وقت ابتدائے گہن سے اس وقت تک ہے جب کہ گہن صاف ہو جائے۔ سورج گہن کا وقت اس طرح بھی ختم ہو جاتا ہے کہ گہن لگا ہوا سورج ڈوب جائے اور چاند گہن کی نماز کا وقت سورج طلوع ہونے سے ختم ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ سورج کے نکلنے سے رات کی حکومت ختم ہوگئی۔ ہاں اگر رات ہی میں کسی وقت گہنایا ہوا چاند ڈوب جائے تو وقت فوت نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ تمام رات کا حکمران چاند ہے۔ اگر نماز کے دوران ختم ہو جائے تو نماز میں تخفیف کردینی چاہیئے۔ جس شخص کو امام کے ساتھ پہلی رکعت کا دوسرا رکوع ملا ہو تو یہ سمجھو کہ اس کی پہلی رکعت فوت ہوگئی کیونکہ اس رکعت میں اصل پہلا رکوع تھا۔(۱)

---

(۱) امام غزالیؒ نے امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق کسوف اور خسوف کی نمازوں کی کیفیت ذکر کی ہے۔ ذیل میں ہم حنفی فقہ کی مستند کتابوں کے حوالے سے احناف کا مسلک نقل کرتے ہیں۔ ہمارے سامنے "شرح وقایہ" ہے۔ اس کی "فصل فی الکسوف" کا ترجمہ تشریح کے ساتھ پیش ہے۔ یہ تشریح و توضیح بھی شرح وقایہ کے حواشی میں مذکور ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

بارش طلب کرنے کی نماز : جب نہریں خشک ہو جائیں، بارش کا سلسلہ منقطع ہو جائے اور پانی کی قلت کے باعث نالیاں سوکھنے لگیں تو امام کے لیے مستحب یہ ہے کہ لوگوں سے کہے کہ وہ تین دن روزے رکھیں۔ اپنی اپنی ہمت کے بقدر خیرات کریں۔ لوگوں کے حقوق ادا کریں اور گناہوں سے توبہ کریں۔ اس کے بعد چوتھے روز تمام مرد، لڑکے اور بوڑھی عورتیں نہائیں اور ایسے معمولی کپڑے پہن کر شہر سے باہر کسی میدان میں جائیں جن سے فروتنی اور انکساری ظاہر ہوتی ہو۔ عید کے برخلاف عید میں عمدہ کپڑے پہنے جاتے ہیں۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اپنے جانوروں کو ساتھ لے جائیں۔ اس لیے کہ وہ بھی پانی کے محتاج ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس احتیاج و ضرورت کی طرف ذیل کی حدیث شریف میں اشارہ کیا ہے۔

لولا صبیان رضع و مشائخ رکع و بهائم رتع لصب علیکم العذاب صبا
(بیہقی، ابو ہریرہؓ، ضعیف)

اگر دودھ پیتے بچے، عبادت گذار شیوخ اور چرنے والے چوپائے نہ ہوتے تو تم پر عذاب گرایا جاتا۔

اگر جزیہ دینے والے کفار بھی باہر نکل آئیں۔ (۱) تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ شرط یہ ہے کہ ان میں اور مسلمانوں میں امتیاز باقی رہے۔ جب کسی میدان میں جمع ہو جائیں تو "الصلاۃ جامعة" کہا جائے۔ پھر امام بغیر تکبیر کے عید کی طرح دو رکعت نماز پڑھائے۔ نماز سے فراغت کے بعد دو خطبے دے۔ دونوں خطبوں کے درمیان کچھ دیر بیٹھے۔ دونوں خطبوں کا موضوع دعا و استغفار ہونا چاہیئے۔ دوسرے خطبے کے درمیان امام لوگوں کی طرف سے پشت پھیر لے اور قبلہ رو ہو کر اپنی چادر اس طرح پلٹے کہ اس کے اوپر کا حصہ نیچے اور نیچے کا اوپر ہو جائے۔ دایاں حصہ بائیں جانب اور بایاں حصہ دائیں طرف ہو جائے۔ تمام حاضرین اسی طرح اپنی چادریں لپیٹیں۔ (۲) چادر پلٹنا ایک فال نیک ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قحط و خشک سالی کی حالت اسی طرح بدل جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی عمل فرمایا تھا۔ (۳) اس موقع پر لوگ آہستہ آہستہ اپنے پروردگار سے باران رحمت کی دعا کریں۔ پھر امام لوگوں کی طرف متوجہ ہو اور خطبہ ختم کرے۔ پلٹی ہوئی چادر اپنے جسم پر اسی طرح رہنے دیں۔ جب کپڑے اتاریں تو ان چادروں کو بھی اتاریں۔ دعا میں یہ الفاظ کہیں۔ "اے اللہ ! تو نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم تجھ سے دعا مانگیں اور تو نے ہماری دعائیں قبول کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ جس طرح تو نے ہمیں حکم دیا ہے ہم نے دعا کی ہے۔ اے رب العالمین ہماری دعا

---

(۱) مالا بد منہ میں ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ کفار نہ ہوں، جزیہ دینے والے اور غیر جزیہ دینے والوں کی کوئی قید نہیں ہے۔ مترجم (۲) مالا بد منہ میں ہے کہ امام اپنی چادر پلٹے، دوسرے لوگ نہ پلٹیں۔ مترجم (۳) بخاری و مسلم میں یہ روایت عبداللہ ابن زید مازنی سے منقول ہے۔

جب سورج گہن ہو تو امام جمعہ لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائے۔ نفلی نماز کی طرح کم سے کم دو رکعت پڑھے۔ اگر لوگ چاہیں تو چار یا اس سے زائد رکعات بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اس طرح پر کہ ہر دو رکعت پر سلام پھیر دیں یا ہر چار رکعات پر۔ اس کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ مکروہ وقت نہ ہو۔ نفلی نماز سے اس نماز کو تشبیہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح نفلی نماز پڑھی جائے اسی طرح یہ دو رکعات پڑھی جائیں۔ یعنی نہ اذان ہو اور نہ اقامت۔ ہاں اگر "الصلاۃ جامعة" وغیرہ الفاظ کے ذریعہ اعلان کرا دیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ دور نبوی میں اس طرح اعلان کرایا جاتا تھا۔ ہمارے یہاں ہر رکعت میں ایک ہی رکوع ہے۔ جس طرح کہ باقی تمام نمازوں میں ہر رکعت میں ایک رکوع ہوتا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جہری (آواز کے ساتھ) قرأت نہ ہونی چاہیئے بلکہ اخفاء کرے۔ صاحبینؒ جہری قرأت کے قائل ہیں۔ لمبی قرأت کرے اور فراغت کے بعد اس وقت تک دعا میں مشغول رہے جب تک گہن ختم نہ ہو جائے۔ نماز کے بعد خطبہ نہ دے۔ اگر امام جمعہ موجود نہ ہو تو لوگ تنہا تنہا نماز پڑھیں۔ یہ اس وقت ہے جبکہ اس کی عدم موجودگی سے فتنے کا احتمال ہو۔ ہاں اگر ایسا نہ ہو یا امام جمعہ نے اجازت دیدی ہو تو کسی دوسرے شخص کی اقتداء میں نماز ادا کر لی جائے۔ چاند گہن کی نماز میں احناف کے یہاں جماعت مسنون نہیں ہے بلکہ تنہا تنہا نماز پڑھی جائے۔ (شرح وقایہ ج ۱، ص ۱۷۶)

قبول فرما۔ اے اللہ جو گناہ ہم سے سرزد ہوئے ہوں ان کی مغفرت فرما کر ہم پر اپنا احسان فرما اور باران رحمت اور کشادگی رزق کے متعلق ہماری دعاؤں کو قبولیت کے شرف سے نواز۔" باہر نکل کر نماز پڑھنے سے تین دن پہلے اگر نمازوں کے بعد باران رحمت کی دعائیں کی جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اس نماز کے چند آداب و شرائط ہیں۔ باب الدعوات میں ان کی تفصیل عرض کی جائے گی۔

نماز جنازہ : نماز جنازہ کا طریقہ مشہور ہے۔ بیان کی ضرورت نہیں ہے۔ اس نماز کے لیے بہت سی دعائیں منقول ہیں۔ ان میں جامع ترین دعا وہ ہے جو بخاری میں حضرت عوف ابن مالکؓ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک جنازے پر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ اس موقع پر میں نے آپ سے جو دعا یاد کی وہ یہ تھی۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَارْحَمْهُ وَعَافِهٖ وَاعْفُ عَنْهُ وَاَكْرِمْ نُزُلَهٗ وَوَسِّعْ مُدْخَلَهٗ وَاغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّهٖ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْاَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ وَاَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِّنْ دَارِهٖ وَاَهْلًا خَيْرًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَزَوْجًا خَيْرًا مِّنْ زَوْجِهٖ وَاَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَاَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ

اے اللہ ! تو اس کی مغفرت کر، اس پر رحم فرما، اس کو عافیت دے، اس کے قصور معاف کر، اس کی مہمان نوازی فرما، اس کی قبر کشادہ کر، اسے پانی، برف اور اولے کے پانی سے دھودے، اس کو غلطیوں سے اس طرح پاک و صاف فرما جس طرح تو نے سفید کپڑوں کو میل کچیل سے صاف کیا ہے اس کے لیے اس کے گھر سے بہتر گھر بدل دے اور اہل سے بہتر اہل اور بیوی سے بہتر بیوی دے اور اسے جنت میں داخل کر اور قبر اور آگ کے عذاب سے نجات دے۔ (۱)

حضرت عوف فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرما رہے تھے تو میری تمنا یہ تھی کہ کاش اس مردے کی جگہ میں ہوتا۔

جس شخص کو نماز جنازہ میں دوسری تکبیر ملے اسے چاہیے کہ وہ نماز کی ترتیب ملحوظ رکھے اور امام کی تکبیروں کے ساتھ تکبیر کہتا رہے۔ جب امام سلام پھیر دے تو اپنی اس تکبیر کی قضا کرے جو اس سے فوت ہوگئی ہو۔ اس نماز میں بھی وہی عمل کیا جائے گا جو مسبوق کیا کرتا ہے۔ (۲) اگر ان تکبیروں میں مقتدی آگے بڑھ جائے تو اقتداء کے کوئی معنی ہی یہاں نہیں پائے جاتے۔ نماز جنازہ کے ظاہری ارکان یہی تکبیریں ہیں۔ عقل بھی یہی کہتی ہے کہ جس طرح نماز میں رکعتیں ہوتی ہیں اس طرح نماز جنازہ میں تکبیریں ہیں۔ اگرچہ یہاں اور بھی احتمالات ہوسکتے ہیں۔

نماز جنازہ اور میت کے ساتھ قبرستان میں جانے کے فضائل اتنے مشہور ہیں کہ یہاں ان کے تذکرے کی ضرورت نہیں اور نماز جنازہ کی اس قدر فضیلت کیوں نہ ہو۔ اس لیے کہ یہ نماز فرض کفایہ ہے۔ نفل صرف اس شخص کے حق میں ہے جس پر کسی

---

(۱) حنفی مذہب کی کتابوں میں یہ دعا بتلائی گئی ہے۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَذَكَرِنَا وَاُنْثَانَا اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهٗ مِنَّا فَاَحْيِهٖ عَلَى الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَى الْاِيْمَانِ۔ ترجمہ : اے اللہ ! تو ہمارے زندوں، مردوں، حاضر و غائب، ہمارے چھوٹوں اور بڑوں اور ہمارے مردوں اور عورتوں کی مغفرت فرما۔ الٰہی ! جسے تو ہم میں سے زندہ رکھے اس اسلام پر زندہ رکھ اور جسے موت دے تو اسے ایمان پر موت دے۔ یہ دعا مسند احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں منقول ہے۔ کچھ دعائیں اور بھی ہیں جو حدیث کی مختلف کتابوں میں موجود ہیں۔ نماز جنازہ کا طریقہ دو تکبیروں کے درمیان پڑھی جانے والی دعائیں اور نابالغ لڑکے یا لڑکی کی نماز میں پڑھی جانے والی دعا نماز کی کتابوں میں ملاحظہ کیجئے۔ مترجم۔ (۲) جو شخص نماز جنازہ میں بعد میں آکر شامل ہوا۔ وہ امام کے فارغ ہونے کے بعد صرف تکبیرات کہہ کر سلام پھیر دے۔ دعا نہ پڑھے۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار، ج ۱ ص ۸۴۱/ مترجم

دوسرے شخص کی موجودگی کی وجہ سے متعین نہیں ہوئی ہے۔ البتہ فرض کفایہ کا ثواب حاصل کرنے میں تمام لوگ برابر ہیں کیونکہ تمام نمازیوں نے ایک فرض کی ادائیگی کی ہے اور دوسرے لوگوں سے تنگی ختم کی ہے اس لیے اسے محض نفل نہیں کہا جاسکتا۔ جنازے کی نماز میں کثرت افراد مستحب ہے۔ بہت سے لوگ ہوں گے تو دعا کی کثرت بھی ہوگی اور ان میں کوئی نہ کوئی مستجاب الدعوات بھی ہوگا۔ چنانچہ کریبؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے ایک صاحبزادے کا انتقال ہوگیا تھا۔ میں وہاں موجود تھا۔ مجھ سے آپ نے فرمایا ! کریب، ذرا دیکھنا کتنے لوگ جمع ہوگئے۔ میں نے باہر نکل کر دیکھا تو بہت سے لوگ موجود تھے۔ واپس جاکر عرض کیا، بہت سے لوگ ہیں۔ دریافت کیا، چالیس آدمی ہیں؟ میں نے عرض کیا ! جی ہاں۔ ارشاد فرمایا، اب جنازہ نکالو۔ پھر یہ حدیث بیان فرمائی۔

مامن رجل مسلم یموت فیقوم علی جنازتہ اربعون رجلا لا یشرکون باللہ شیئا الا شفعھم اللہ عزوجل فیہ (مسلم)

کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے کہ وہ مرجائے اور اس کے جنازے میں ایسے چالیس افراد شرکت کریں جو کسی چیز کو اللہ کا شریک قرار دیتے ہوں تو اللہ ان کی سفارش اس مرنے والے کے حق میں قبول کرلیتا ہے۔

جب جنازے کے ساتھ قبرستان میں داخل ہو یا جنازے کے بغیر بھی قبرستان جانے کا اتفاق ہو تو یہ دعا پڑھے۔

اَلسَّلَامُ عَلٰی اَھْلِ الدِّیَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَیَرْحَمُ اللّٰہُ الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنَّا وَالْمُسْتَاخِرِیْنَ وَاِنَّا اِنْشَاءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ (مسلم، نسائی)

سلامتی ہو اس دیار کے مسلمان اور مومن باشندوں پر اور اللہ تعالیٰ رحم کرے ہم سے اگلوں پر اور پچھلوں پر اور ہم بھی انشاء اللہ تعالیٰ تم سے ملنے والے ہیں۔

بہتر یہ ہے کہ جب تک میت دفن نہ کردی جائے قبرستان سے واپس نہ ہو۔ جب قبر کی مٹی برابر کردی جائے تو اس کی قبر کے پاس کھڑا ہو کر یہ دعا کرے۔ (۱) اے اللہ ! تیرا یہ بندہ تیری طرف لوٹادیا گیا ہے تو اس پر رحم و کرم فرما۔ اے اللہ ! اس کے دونوں پہلوؤں سے زمین علیحدہ کر اور اس کی روح کے لیے آسمان کے دروازے کھول دے اور اسے حسن قبولیت عطا فرما۔ اے اللہ ! اگر یہ نیک تھا تو اس کی نیکی دوگنی فرما اور اگر برا تھا تو اس کی برائیوں سے درگذر کر۔

تحیۃ المسجد : اس نماز میں دو یا دو سے زیادہ رکعتیں ہیں۔ یہ نماز سنت مؤکدہ ہے۔ (۲) اور اس کی تاکید اس حد تک ہے کہ اگر جمعہ کے روز خطبہ پڑھ رہا ہو تب بھی مسجد میں داخل ہونے والے سے یہ نماز ساقط نہیں ہوتی۔ (۳) حالانکہ خطبہ سننا واجب ہے۔ اگر کوئی شخص مسجد میں داخل ہونے کے بعد فرض یا قضاء نماز کی ادائیگی میں مصروف ہوگیا تو اس کے ذمے سے تحیۃ المسجد کی نماز ساقط ہوجائے گی اور اسے اجر وثواب حاصل ہوگا۔ اس لیے کہ اصل مقصد یہ ہے کہ مسجد میں داخل ہونے کی ابتداء ایسی عبادت سے خالی نہ ہو جو مسجد کے لیے خاص ہو تاکہ مسجد کا حق ادا ہوسکے۔ یہی وجہ ہے کہ مسجد میں بے وضو جانا مکروہ

---

(۱) حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ قبر کے سرہانے سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات اور پیروں کی طرف سورۂ بقرہ کی آیات تلاوت کرنا مستحب ہے۔ یہ روایت مشکوٰۃ شریف میں موجود ہے۔ تدفین کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تدفین میت سے فارغ ہونے کے بعد قبر کے پاس کھڑے ہوتے اور ارشاد فرماتے کہ اپنے بھائی کے لئے دعائے مغفرت کرو اور اللہ سے اس کے لیے ثابت قدمی کی دعا کرو۔ اس لیے کہ اس وقت وہ سوال کیا جارہا ہوگا۔ (ابوداؤد) چنانچہ درمختار میں ہے۔ "یستحب جلوس ساعة بعد دفنه لدعاء و قراۃ بقدر ما ینحر الجزور و یفرق لحمه" مترجم۔ (۲) احناف کے نزدیک تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں مسنون ہیں (مراقی الفلاح ص ۲۱۵) مترجم۔ (۳) خطبہ کے وقت تحیۃ المسجد نہیں پڑھنی چاہیئے۔ اس وقت صرف خطبہ سننا واجب ہے۔ قاعدہ کلیہ ہے۔ اذا اخرج الامام فلا صلوۃ ولا کلام (ردالمحتار، ج ۱ ص ۷۶۷) مترجم۔

ہے۔ اگر کبھی مسجد سے گذر کر دوسری طرف جانا ہو یا مسجد میں بیٹھنے کے لیے داخل ہو تو چار بار یہ الفاظ کہہ لے۔ "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ" کہتے ہیں کہ ان کلمات کا ثواب تحیۃ المسجد کی دو رکعتوں کے برابر ہے۔

امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ مکروہ اوقات میں بھی تحیۃ المسجد مکروہ نہیں ہوتی۔ یعنی عصر اور فجر کے بعد زوال، طلوع اور غروب کے وقت بھی اگر کوئی شخص مسجد میں پہنچے تو تحیۃ المسجد پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔ (۱) چنانچہ ایک روایت میں ہے۔

انہ صلی اللہ علیہ وسلم رکعتین بعد العصر، فقیل لہ اما نہیتنا عن ہذا فقال، ہما رکعتان کنت اصلیہما بعد الظہر فشغلنی عنہما الوفد

(بخاری و مسلم، ام سلمہؓ)

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھیں۔ صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ نے تو ہمیں عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا تھا۔ آپ نے جواب دیا۔ یہ وہ دو رکعتیں ہیں جو میں ظہر کے بعد پڑھا کرتا تھا لیکن اس وفد کی وجہ سے (جو ظہر کے بعد آیا تھا) میں یہ دو رکعتیں نہیں پڑھ سکا۔

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک بات تو یہ کہ مکروہ ہونا ایسی نماز کے ساتھ مخصوص ہے جس کا کوئی سبب نہ ہو اور نوافل کی قضا کرنا ایک ضعیف سبب ہے۔ اس لیے کہ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ نوافل کی قضاء ہے یا نہیں ہے اور اگر کسی نے ان نوافل جیسے کچھ نوافل پڑھ لیے جو فوت ہو گئے تھے تو کیا یہ نوافل شدہ نوافل کی قضاء کہلائیں گے یا نہیں۔ چنانچہ جب اس ضعیف ترین سبب کی بناء پر عصر کے بعد نفل نماز کی کراہت باقی نہ رہی تو مسجد میں داخل ہونے کی وجہ سے مکروہ وقت میں تحیۃ المسجد ادا کرنے کی کراہت بطریق اولی باقی نہیں رہے گی کیونکہ مسجد میں آنا تو ایک مکمل سبب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نماز جنازہ جس وقت جنازہ آجائے پڑھی جاسکتی ہے۔ (۲) نماز خسوف (۳) اور نماز استسقاء (۴) بھی کسی مخصوص وقت میں مکروہ نہیں ہے کیونکہ ان نمازوں کے اسباب ہیں۔ مکروہ وہ نماز ہوتی ہے جس کا کوئی سبب نہ ہو، نہ ضعیف ہو اور نہ کامل۔ مذکورہ بالا حدیث سے دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ نوافل کی قضا درست ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نوافل کی قضا کی ہے۔ (۵) اور ہمارے لیے آپ کا عمل ہی بہترین اسوہ ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ۔

---

(۱) احناف کے نزدیک مکروہ اوقات میں تحیۃ المسجد پڑھنا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ مراقی الفلاح کی عبارت ہے۔ "وسن تحیۃ المسجد برکعتین یصلیہا فی غیر وقت مکروہ" (مراقی الفلاح، ص ۲۱۵، وہدایہ، ج ۱، ص ۸۱، وص ۸۲/ مترجم۔ (۲) نماز جنازہ کے سلسلے میں احناف کا مسلک کچھ تفصیل طلب ہے۔ اگر حضور جنازہ جو کہ وجوب صلاۃ کا سبب ہے عین اوقات ثلثہ میں ہو تو حنفیہ کے نزدیک نماز کو مؤخر نہیں کرنا چاہیئے بلکہ افضل یہ ہے کہ فوراً ادا کرلی جائے اور اگر حضور جنازہ اوقات ثلثہ سے پہلے ہوچکا ہے تو حنفیہ کے نزدیک اوقات ثلثہ میں نماز ادا کرنا مکروہ ہے۔ اصل نماز جنازہ میں یہی ہے کہ جب جنازہ آجائے مؤخر نہ کی جائے۔ چنانچہ حضرت علیؓ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا ثلث لا توخروہا الصلاۃ اذا اتت والجنازۃ اذا حضرت، والولا ئم اذا وجدت لہا کفوا (ترمذی) تفصیل فقہی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔ (رد المحتار، ج ۱، ص ۲۷۵) ان اوقات ثلثہ مکروہہ میں سجدۂ تلاوت اور فوت شدہ نمازوں کی قضا بھی کی جاسکتی ہے۔ (ہدایہ فصل فی الاوقات التی تکرہ فیہا الصلاۃ، ج ۱، ص ۸۱، و۸۲/ مترجم) (۳) کسوف کی نماز اوقات ثلثہ مکروہہ میں جائز نہیں ہے۔ عند الاحناف (شرح وقایہ ج ۱، ص ۱۷۶/ مترجم) (۴) نماز استسقاء بھی احناف کے نزدیک اوقات ثلثہ مکروہہ میں جائز نہیں ہے۔ (الطحاوی علی مراقی الفلاح / مترجم)

(۵) احناف کے نزدیک نفل کی قضا نہیں ہے (کمافی کتب الفقہ) اس روایت کا تعلق آپ کی خصوصیات سے ہے۔ جیسا کہ علماء نے اس کی تصریح کی ہے کہ نبی کے حق میں وہ عمل تشریع ہے جو انہوں نے خود کیا اور امتی کے حق میں وہ تشریع ہے جس کا انہیں حکم کیا گیا۔ (کمافی حاشیہ ابی داؤد لمولانا فخر الحسن گنگوہیؒ) اس کی تشریح و توضیح اور اسرار و حکم کے لیے ملاحظہ کیجئے "شرح توثیق الکلام" (کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے؟) افادات مولانا محمد قاسم نانوتوی، ص ۵۷/ مترجم)

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذاغلبہ نوم او مرض فلم یقم تلک اللیلة صلی من اول النھار اثنتی عشر رکعة
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر نیند کے غلبے میں بیماری کی وجہ سے رات کو نہ اٹھ پاتے تو دن کے ابتدائی حصہ میں بارہ رکعت پڑھ لیتے۔

علماء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص نماز میں ہو اور مؤذن کی اذان کا جواب نہ دے سکے تو نماز سے فارغ ہونے کے بعد جواب دے لے۔ اگرچہ مؤذن خاموش ہی کیوں نہ ہو گیا ہو۔ اب یہاں اس اعتراض کی گنجائش نہیں ہے کہ یہ پچھلا فعل، فعل اول کی طرح ہے۔ قضا نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگر قضاء نہ ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکروہ وقت میں اس کی قضا نہ فرماتے۔

کسی شخص کا اگر کوئی متعین وظیفہ ہو اور کسی عذر کے باعث وہ اس وظیفہ کی ادائیگی نہ کرسکا ہو تو اسے چاہیئے کہ وہ اپنے نفس کو اس وظیفے کے ترک کی اجازت نہ دے بلکہ کسی دوسرے وقت میں اس کا تدارک کرلے تاکہ اس کا نفس آرام و راحت کی طرف مائل نہ ہو۔ تدارک سے ایک فائدہ تو یہ ہو گا کہ نفس کو مجاہدے کی عادت ہوگی۔ دوسرا فائدہ یہ ہو گا کہ اس حدیث پر عمل ہو جائے گا۔ ارشاد نبویؐ ہے۔

احب الاعمال الی اللہ تعالٰی ادومھا وان قل (بخاری و مسلم، عائشہؓ)
اللہ تعالٰی کے نزدیک محبوب ترین عمل وہ ہے جس پر مداومت ہو چاہے وہ کم ہی کیوں نہ ہو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب تدارک کرے تو یہ نیت بھی کرلے کہ اس سے دوام عمل میں خلل واقع نہ ہو۔ حضرت عائشہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی نقل فرماتی ہیں۔

من عبداللہ عز و جل بعبادہ ثم ترکھا ملالہ مقتہ اللہ عزوجل (ابن السنی موقوفاً علی عائشہؓ)
جو شخص اللہ تعالٰی کی عبادت کرے پھر اکتا کر اسے چھوڑ دے تو اللہ تعالٰی اس پر بہت ناراض ہوتے ہیں۔

بندے کو اس وعید کے زمرہ میں داخل ہونے سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ اس حدیث کا ثبوت کہ اللہ تعالٰی عبادت کے ترک سے تارک پر ناراض ہوتے ہیں یہ ہے کہ وہ بندہ اکتاہٹ اور تھکن میں مبتلا رہتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر وہ بندہ غضب الٰہی کا شکار نہ ہوتا تو عبادت سے اکتاہٹ میں بھی مبتلا نہ ہوتا۔

نماز وضو : وضو کرنے کے بعد دو رکعت نماز مستحب ہے۔ اس نماز کے استحباب کی وجہ یہ ہے کہ وضو ایک امر ثواب ہے اور اس کا مقصد نماز ہے۔ سب جانتے ہیں کہ انسان کے ساتھ ایسی ضرورتیں بھی وابستہ ہیں جن سے وہ بے وضو ہو جاتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ وضو کرنے کے بعد نماز پڑھے بغیر یعنی اس کے مقصد پر عمل کیئے بغیر ہی وضو باطل ہو جائے اور وہ ساری محنت اکارت جائے جو وضو کرنے میں ہوتی تھی۔ اس لیے وضو کرنے کے بعد جلد سے جلد دو رکعت نماز ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے تاکہ وضو کا مقصد فوت نہ ہو۔ یہ بات حضرت بلالؓ کی حدیث سے معلوم ہوئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

دخلت الجنة فرأیت بلالا فیھا، فقلت لبلال، بم سبقتنی الی الجنة" فقال بلال، لا اعرف شیئا الا انی لا احدث وضوء الا اصلی عقیبہ رکعتین (بخاری و مسلم، ابوہریرہؓ)
میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے وہاں بلال کو دیکھا، میں نے بلال سے پوچھا ! تم مجھ سے پہلے جنت میں کس عمل کی وجہ سے پہونچے۔ بلالؓ نے کہا ! مجھے کچھ معلوم نہیں۔ صرف اتنا ہے کہ میں جب بھی نیا وضو کرتا ہوں تو اس کے بعد دو رکعت نماز ضرور پڑھتا ہوں۔

گھر میں داخل ہونے اور گھر سے باہر نکلنے کی نماز : اس سلسلے میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اذا خرجت من منزلک فصل رکعتین یمنعانک مخرج السوء واذا دخلت الی منزلک فصل رکعتین یمنعانک مدخل السوء (بیہقی در شعب، بکر ابن عمرو)

جب تم اپنے گھر سے نکلو تو دو رکعت نماز پڑھ لیا کرو۔ یہ دو رکعتیں تمہارے لیے برے نکلنے سے مانع ہوں گی اور جب تم اپنے گھر میں داخل ہو تو دو رکعت نماز پڑھ لیا کرو۔ یہ دو رکعتیں تمہارے لیے برے داخلے سے مانع ہوں گی۔

ہر غیر معمولی کام کی ابتدا کرنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھ لینی چاہیئے۔ چنانچہ روایت میں احرام باندھنے کے وقت، سفر شروع کرنے سے پہلے اور سفر سے واپس لوٹنے کے بعد مسجد میں دو رکعت نماز ادا کرنے کو مستحب قرار دیا گیا ہے۔ ان تمام مواقع پر دوگانہ نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ (۱) بعض بزرگان دین جب کوئی غذا کھاتے یا پانی پیتے تو دوگانہ نماز ادا کرتے۔ اسی طرح کوئی دوسرا معاملہ درپیش ہوتا اس میں بھی یہی عمل کرتے۔

وہ امور جن کے شروع میں برکت کے لیے خدا تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہیئے تین طرح کے ہیں۔ بعض امور ایسے ہیں جو دن رات میں بار بار پیش آتے ہیں۔ جیسے کھانا پینا وغیرہ۔ اس طرح کے کاموں کی ابتداء بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ہونی چاہیئے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

کل امر ذی بال لم یبدفیھا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم فھو ابتر

(ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابو ہریرہؓ)

جو مہتم بالشان کام اللہ تعالیٰ کے نام (یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) سے شروع نہیں کیا جاتا وہ ادھورا اور ناقص رہتا ہے۔

بعض امور وہ ہیں جو کثرت سے نہیں ہوتے لیکن انسان کی نگاہ میں ان کی وقعت ہوتی ہے۔ مثلاً "نکاح، کسی کو نصیحت کرنا، کسی کو مشورہ دینا وغیرہ۔ ان امور کے سلسلے میں مستحب یہ ہے کہ شروع میں خدا تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرے۔ مثلاً "نکاح کرنے والا یہ کہے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلَاةُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" میں نے اپنی لڑکی تیرے نکاح میں دی اور قبول کرنے والا یہ کہے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلَاةُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" میں نے یہ لڑکی اپنے نکاح میں قبول کی۔ صحابہ کرامؓ کی عادت یہ تھی کہ جب کسی کو کسی کا پیغام پہنچاتے، یا کسی کو نصیحت کرتے یا کسی سے مشورہ کرتے یا مشورہ دیتے تو بات کا آغاز خدا تعالیٰ کی حمد و ثناء سے کرتے۔ بعض وہ امور ہیں جو کثرت سے نہیں ہوتے لیکن ان کا وجود دیرپا ہوتا ہے یا دل میں ان کی وقعت و اہمیت ہوتی ہے۔ مثلاً "سفر، نئے مکان کی خریداری، احرام باندھنا اور ایسے ہی دوسرے امور۔ اس طرح کے کاموں کی ابتداء کرنے سے پہلے دوگانہ نماز ادا کرنا مستحب ہے۔ ان سب امور میں ادنیٰ امر گھر میں آنا جانا ہے۔ یہ آمد و رفت بھی ایک مختصر سے سفر کی مانند ہے۔ اس لیے گھر میں داخل ہونے سے پہلے گھر سے باہر آنے سے قبل دوگانہ نماز ادا کرلینی چاہیئے۔

نماز استخارہ : جو شخص کسی کام کا ارادہ کرے اور اسے یہ معلوم نہ ہو کہ اس کے فعل کا نتیجہ کیا نکلے گا؟ نہ وہ یہ جانتا ہے کہ اس کے لیے بھلائی کرنے میں ہے یا چھوڑنے میں ہے تو اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعات نماز (استخارہ) کا حکم دیا ہے۔

(۱) ابتدائے سفر کی نماز خرائطی نے "مکارم الاخلاق" میں حضرت انسؓ سے نقل کی ہے۔ سفر سے واپسی کے بعد نماز کی روایت بخاری و مسلم میں حضرت کعب بن مالکؓ سے مروی ہے۔ احرام کے وقت دوگانہ نماز ادا کرنے کی روایت ابن عمرؓ سے بخاری میں ہے۔

اس نماز کا طریقہ یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ اور قل یاایھا الکافرون' دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص پڑھے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد یہ دعا کرے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ وَ اَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ وَ اَسْأَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَ دُنْیَایَ وَ عَاقِبَۃِ اَمْرِیْ وَ عَاجِلِہٖ، وَ آجِلِہٖ فَقَدِّرْہُ لِیْ ثُمَّ یَسِّرْہُ لِیْ، ثُمَّ بَارِکْ لِیْ فِیْہِ' وَاِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَ دُنْیَایَ وَ عَاقِبَۃِ اَمْرِیْ وَ عَاجِلِہٖ، وَ آجِلِہٖ، فَاصْرِفْہُ عَنِّیْ، وَاصْرِفْنِیْ عَنْہُ وَ قَدِّرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ مَا کَانَ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔(۱)

اے اللہ ! میں تجھ سے بہتری کی درخواست کرتا ہوں' تیرے علم کی مدد سے اور تیری قدرت کے وسیلے سے خیر پر قدرت چاہتا ہوں اور تجھ سے فضل عظیم کی درخواست کرتا ہوں اس لیے کہ تو قادر ہے میں قادر نہیں ہوں۔ میں نہیں جانتا' تو غیوب کا جاننے والا ہے۔ اے اللہ ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ امر میرے لیے دین میں' میری دنیا میں' میرے انجام کے بعد' اس دنیا میں اور اس دنیا میں خیر کا باعث ہے تو اس کو میرے لیے مقدر فرمادے اور مجھ پر اسے آسان کر' پھر مجھے اس میں برکت عطا کر اور اگر تو جانتا ہے کہ یہ امر میرے لیے میرے دین میں' میری دنیا میں' میرے انجام کے بعد اس دنیا میں اور اس دنیا میں برائی کا باعث ہے تو اس کو مجھ سے ہٹادے اور مجھے اس سے ہٹادے۔ میرے لیے تو خیر مقدر فرما۔ جہاں کہیں بھی ہو' بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے

یہ حدیث جابر ابن عبداللہؓ نے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں استخارہ اس طرح سکھلایا کرتے تھے۔ جس طرح قرآن پاک کی سورتیں سکھلایا کرتے تھے۔ ایک حدیث میں فرمایا گیا کہ تم میں سے کوئی شخص جب کسی کام کا ارادہ کرے تو دو رکعت نماز پڑھ لے پھر اپنے اس کام کا نام لے جس کے لیے استخارہ کرنا چاہتا ہے۔ (دعا کی عربی عبارت میں جن الفاظ پر خط کھینچا گیا ہے وہاں اس کام کا نام لے۔ جس کا استخارہ کررہا ہے یا دل میں اس کی نیت کرلے) پھر وہ دعا مانگے جو ابھی بیان کی گئی ہے۔

بعض دانشور فرماتے ہیں کہ جس شخص کو چار چیزیں حاصل ہوجائیں گی وہ چار چیزوں سے محروم نہیں کیا جائے گا۔ (۱) جس شخص کو شکر کی توفیق ہوجائے گی وہ زیادتی نعمت سے محروم نہیں رہے گا۔ (۲) جس شخص کو توبہ کی توفیق ہوجائے گی وہ قبولیت کے شرف سے محروم نہیں رہے گا۔ (۳) جس شخص کو استخارہ کی توفیق ہوجائے گی وہ خیر سے محروم نہیں رہے گا۔ (۴) جس شخص کو مشورہ کی توفیق ہوجائے گی وہ صواب سے محروم نہیں رہے گا۔

<u>نماز حاجت</u> : جس شخص کے لیے اس کے کسی ایسے معاملے میں دشواری آپڑی ہو جو اس کے دین یا اس کے دنیا کے لیے بے حد ضروری ہے تو اس وقت بھی نماز پڑھے۔ چنانچہ وہیب ابن الورد سے مروی ہے کہ ان دعاؤں میں جو رد نہیں ہوتیں ایک دعا یہ بھی ہے کہ بندہ بارہ رکعت نماز پڑھے۔ ہر رکعت میں الحمد للہ' آیۃ الکرسی اور سورۂ اخلاص تلاوت کرے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد حسب ذیل الفاظ میں باری تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرے اور اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجے اور پھر اپنی حاجت بر آری کے لیے دعا مانگے۔

سُبْحَانَ الَّذِیْ لَبِسَ الْعِزَّ وَ قَالَ بِہٖ، سُبْحَانَ الَّذِیْ تَعَطَّفَ بِالْمَجْدِ، وَ تَکَرَّمَ بِہٖ، سُبْحَانَ الَّذِیْ اَحْصٰی کُلَّ شَیْءٍ بِعِلْمِہٖ، سُبْحَانَ الَّذِیْ لَا یَنْبَغِی التَّسْبِیْحُ اِلَّا لَہٗ، وَ سُبْحَانَ ذِی الْمَنِّ وَ الْفَضْلِ، سُبْحَانَ ذِی الْعِزِّ وَ الْکَرَمِ، سُبْحَانَ ذِی الطَّوْلِ،

(۱) قال احمد حدیث منکر۔

اَسْأَلُکَ بِمَعَاقِدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِکَ، وَمُنْتَهَى الرَّحْمَةِ مِنْ کِتَابِکَ، وَبِاسْمِکَ الْاَعْظَمِ وَجَدِّکَ الْاَعْلٰی، وَکَلِمَاتِکَ التَّامَّاتِ لَا یُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَلَا فَاجِرٌ اَنْ تُصَلِّیَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ۔ (۱)

پاک ہے وہ ذات جس نے عزت کو لباس بنایا اور عزت کا بول بالا کیا' پاک ہے وہ ذات جس نے بزرگی کو چادر بنایا اور اس سے بڑائی حاصل کی۔ پاک ہے وہ ذات جو اپنے علم سے ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ پاک ہے وہ ذات کہ تسبیح صرف اس کے لیے زیبا ہے۔ پاک ہے احسان اور فضل والا' اے اللہ ! میں تجھ سے ان خصلتوں کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں جن کا تیرا عرش مستحق ہے اور تیری کتاب کے منتہائے رحمت کے واسطے سے تیرے اسم اعظم' تیری شان برتر اور ان کے کلمات کاملہ کے طفیل میں درخواست کرتا ہوں جن سے کوئی نیک و بد تجاوز نہیں کرتا اور یہ درخواست کرتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی رحمت کاملہ نازل فرما۔

حمد و صلاۃ کے بعد اپنی درخواست پیش کرے۔ انشاء اللہ مقبول ہوگی۔ بشرطیکہ اس میں کسی قسم کی کوئی معصیت نہ ہو۔ وہیب کہتے ہیں کہ ہم نے اکابر سلف کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ یہ دعا بے وقوف لوگوں کو مت سکھلاؤ ورنہ وہ اس دعا کے ذریعہ معصیت پر اللہ کی مدد لیں گے۔

صلوٰۃ التسبیح : یہ نماز جسے صلوۃ التسبیح کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح مروی ہے جس طرح بیان کی جارہی ہے۔ کسی خاص سبب کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ مستحب یہ ہے کہ اس سے کوئی ہفتہ یا کوئی مہینہ خالی نہ رہے۔ ایک مرتبہ یہ نماز پڑھ لینی چاہیئے۔ عکرمہؓ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباسؓ ابن عبدالمطلبؓ سے ارشاد فرمایا کہ کیا میں تمہیں ایک چیز نہ دوں۔ ایک شئے نہ عطا کروں۔ ایک بات نہ سکھلاؤں کہ جب تم اس پر عمل کرو تو اللہ تمہارے اگلے پچھلے نئے پرانے' دانستہ نادانستہ' ظاہر و پوشیدہ تمام گناہ معاف فرمادے؟ اور وہ بات یہ ہے کہ تم چار رکعت نماز پڑھو' ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور کوئی سورت پڑھو۔ جب پہلی رکعت میں قرأت سے فارغ ہو جاؤ تو قیام ہی کی حالت میں پندرہ مرتبہ یہ کلمات کہو۔ "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ" پھر رکوع کرو اور رکوع کے دوران یہ کلمات دس مرتبہ کہو۔ پھر قومہ کرو اور قومے میں یہی کلمات دس مرتبہ کہو۔ پھر سجدہ کرو اور دس بار یہی الفاظ سجدے میں کہو۔ پھر سجدہ سے سر اٹھاؤ اور جلسے میں دس بار یہ الفاظ کہو۔ پھر دوسرے سجدے میں یہ الفاظ دس بار کہو اور پھر جلسۂ استراحت میں (دوسرے سجدے کے بعد) بھی ان کلمات کا دس بار اعادہ کرو۔ ہر رکعت میں ان کلمات کی تعداد پچھتر ہوگی۔ چاروں رکعتیں اسی طرح پڑھو۔ اگر تم روزانہ یہ نماز پڑھ سکو تو ایسا کرلیا کرو۔ اگر روزانہ ممکن نہ ہو تو ہر جمعہ کے دن پڑھا کرو۔ ہر جمعہ کو بھی یہ نہ ہو سکے تو مہینہ میں ایک بار ورنہ سال میں ایک مرتبہ ضرور پڑھ لیا کرو۔

ایک روایت میں ہے کہ نماز کی ابتداء میں ثناء پڑھے۔ پھر پندرہ مرتبہ وہ کلمات کہے جو ابھی بیان کیے گئے ہیں۔ پھر قرأت کرے اور قرأت سے فارغ ہونے کے بعد دس مرتبہ یہی کلمات کہے۔ باقی پچھلی روایت کے مطابق کرے۔ البتہ دوسرے سجدے کے بعد کچھ نہ کہے۔ یہ روایت بہتر ہے۔ ابن مبارک نے بھی اسی روایت کو ترجیح دی ہے۔ (۲) دونوں روایتوں کے مطابق تسبیحات کی

---

(۱) ابو منصور دیلمی نے یہ روایت مسند الفردوس میں دو ضعیف سندوں کے ساتھ ذکر کی ہے۔ ترمذی اور ابن ماجہ میں عبداللہ ابن ابی اوفی کی روایت ہے جس میں نماز حاجت کے لیے دو رکعات کا ذکر ہے۔ اگرچہ ترمذی نے اس کے باب یہ الفاظ لکھے ہیں۔ "حدیث غریب و فی اسنادہ مقال"

(۲) احناف کے نزدیک دونوں صورتیں جائز ہیں لیکن پہلی صورت زیادہ بہتر ہے۔ چونکہ یہ صورت حدیث مشہور کے مطابق پائی جاتی ہے۔ (ردالمختار' باب الوتر والنوافل' ج ۱' ص ۶۴۳/ مترجم)

تعداد تین سو ہوتی ہے۔ اگر دن میں نماز پڑھے تو چاروں رکعت ایک ہی سلام سے پڑھ لے اور اگر رات میں پڑھنے کا اتفاق ہو تو چار رکعت دو سلام سے پڑھے۔(۱) کیونکہ حدیث شریف میں ہے۔

صلاة اللّيل مثنى مثنى (بخاری و مسلم' ابن عمرؓ)

رات کی نماز دو دو رکعتیں ہیں۔

اگر مذکورہ تسبیح کے بعد مندرجہ ذیل کلمات کا اضافہ بھی کرلیا جائے تو بہتر ہے کیونکہ بعض روایات میں اس اضافہ کا ذکر موجود ہے۔"وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ"

مکروہ اوقات میں نماز : یہ ان نفلی نمازوں کا تذکرہ تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول تھیں۔ ان نوافل میں تحیۃ المسجد' خسوف اور استسقاء کی نمازوں کے علاوہ کوئی مکروہ اوقات میں مستحب نہیں ہے۔(۲) نماز وضو' نماز سفر' گھر سے نکلنے سے استخارے کی نمازیں ان اوقات میں مستحب نہیں ہیں۔ اس لیے کہ نماز نہ پڑھنے کا حکم مؤکد ہے اور یہ اسباب اس درجہ ضعیف ہیں کہ خسوف' تحیۃ المسجد اور استسقاء کی نمازوں کے درجے تک نہیں پہنچتے۔ میں نے بعض متصوفین کو دیکھا ہے کہ وہ مکروہ اوقات میں دوگانۂ وضو ادا کررہے ہیں۔ حالانکہ ان کا طرز عمل بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ وضو نماز کا سبب نہیں ہوتی ہے بلکہ نماز وضو کا سبب ہوتی ہے۔ اس لیے ہونا تو یہ چاہیئے کہ وضو نماز کے لیے کی جائے نہ یہ کہ نماز وضو کے لیے پڑھی جائے۔ اس طرح تو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جو بے وضو شخص مکروہ اوقات میں نماز پڑھنا چاہے اسے چاہیئے کہ وضو کرلے۔ مکروہ وقت میں اسے نماز پڑھنے کی اجازت ہوگی۔ اس طرح تو مکروہ وقت کے کوئی معنی ہی باقی نہ رہے۔

دوگانۂ وضو ادا کرنے والے کو چاہیئے کہ وہ تحیۃ المسجد کی نماز کی طرح اس کی نیت نہ کرے بلکہ جب وضو کرے تو دو رکعت نماز نفل کی نیت سے ادا کرلے تاکہ اس کا وضو بیکار نہ جائے۔ حضرت بلالؓ کی حدیث سے یہ نہیں معلوم ہوتا۔ وضو بھی خسوف اور دخول مسجد کی طرح ایک سبب ہے کہ اس کی نماز کے لیے بھی ایسی ہی نیت کی جائے جیسی خسوف اور تحیۃ المسجد کی نمازوں کے لیے کی جاتی ہے اور یہ بات کیسے مناسب ہوگی کہ وضو کے لیے تو یہ کہے کہ نماز کے لیے وضو کرتا ہوں اور نماز کی نیت کرے کہ وضو کے لیے نماز پڑھتا ہوں بلکہ جو شخص اپنے وضو کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے مکروہ وقت میں نماز ادا کرنا چاہے اسے قضا نماز کی نیت کرلینی چاہیے کیونکہ یہ ممکن ہے کہ اس کے ذمے کوئی ایسی نماز ہو جس میں کسی وجہ سے خلل پیدا ہوگیا ہو۔ مکروہ اوقات میں قضاء نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔ البتہ ان اوقات میں نفل نماز کی نیت کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ مکروہ اوقات میں نماز سے منع کرنے کی تین وجوہات ہیں۔

اول: آفتاب کی پرستش کرنے والوں کی مشابہت سے بچنا۔

دوم: شیاطین کے پھیل جانے سے احتراز کرنا۔ حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مقدس موجود ہے۔

ان الشمس لتطلع و معها قرن الشيطان، فاذا طلعت قارنها، و اذا ارتفعت فارقها فان استوت قارنها و اذا زالت فارقها فاذا تصنيف للغروب قارنها فاذا

---

(۱) نوافل کے بارے میں احناف کا مسلک یہ بیان کیا گیا ہے کہ دن کی نفلوں میں چار سے زیادہ اور رات کی نفلوں میں آٹھ سے زیادہ رکعت ایک نیت سے مکروہ ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رات میں آٹھ رکعات ایک سلام سے پڑھنا بلا کراہت جائز ہے۔ آٹھ رکعات سے زیادہ کی نیت باندھنا مکروہ تنزیہی ہے۔ بعض فقہاء اسے مکروہ تنزیہی بھی نہیں کہتے۔ یہ امام ابو حنیفہ کا مسلک ہے۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ رات کی نماز دو دو رکعتیں ہیں۔ اس لیے دو دو رکعت پڑھنا افضل ہے۔ اسی پر فتویٰ بھی دیا جاتا ہے۔ (الدر المختار علی ہامش رد المختار' ج ۱' ص ۳۳۴/ مترجم) (۲) اس سلسلے میں احناف کا مسلک چند صفحات پہلے گذر چکا ہے۔

غربت فارقها (نسائی عبدالرحمٰن صنابحی)

سورج اس حال میں طلوع ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ شیطان کی پیشانی رہتی ہے۔ جب وہ طلوع ہوتا ہے تو پیشانی آفتاب سے متصل رہتی ہے اور جب کچھ بلند ہوتا ہے تو جدا ہو جاتی ہے۔ جب خط استواء پر پہنچتا ہے تو اس کی پیشانی آفتاب سے متصل رہتی ہے اور جب ڈھل جاتا ہے تو جدا ہو جاتی ہے۔ جب غروب ہونے لگتا ہے تو اس کی پیشانی متصل ہو جاتی ہے اور جب غروب ہو جاتا ہے تو جدا ہو جاتی ہے۔

اس حدیث میں مکروہ اوقات میں نماز نہ پڑھنے کی علت بیان کردی گئی ہے۔

سوم : یہ کہ راہ آخرت کے سالکین اگر ایک ہی طریقے پر تمام اوقات نمازوں کی اور مخصوص اوقات کی پابندی کرتے رہیں تو اس سے طبیعت میں سستی اور گرانی پیدا ہوگی۔ ہاں اگر کوئی وقت ایسا بھی ہو جس میں انہیں اس عبادت سے روک دیا جائے تو اس سے طبیعت میں نشاط پیدا ہوگا اور انسان میں عبادت کے دواعی کو تحریک ملے گی کیونکہ انسان اس امر میں حریص ہوتا ہے جس سے اس کو روک دیا جائے۔ ان اوقات میں نماز سے روکنا در اصل نماز پر اکسانا اور عبادت کی مزید ترغیب دینا ہے۔ اس میں سالک کو وقت گزرنے کا انتظار بھی کرنا ہوگا۔ جس سے مزید لذت ملے گی۔ اس لیے ان اوقات کو تسبیح و استغفار کے ساتھ مخصوص کردیا گیا تاکہ اس ملومت سے بار خاطری نہ ہو اور ایک طرح کی عبادت سے دوسری طرح کی عبادت میں مشغول ہونے سے فرحت حاصل ہو کیونکہ ہر نئی بات میں جداگانہ لذت ہے۔ ایک ہی طرح کے عمل پر مداومت سے سستی اور اکتاہٹ پیدا ہوتی ہے۔ اس تفصیل سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ نماز نہ سجدہ محض ہے نہ صرف رکوع ہے نہ مجرد قیام ہے بلکہ مختلف اعمال اور اذکار سے عبادات کی ترتیب قائم ہوئی ہے۔ دل ان میں سے ہر عمل اور ہر ذکر کی لذت کا ادراک کرتا ہے اور اگر ایک ہی چیز پر مداومت مشروط ہوتی تو دل بہت جلد اکتاہٹ کا شکار ہو جاتا۔

مکروہ اوقات میں نماز پڑھنے کا حکم ان مقاصد کے لیے جن کا ابھی تذکرہ ہوا۔ ان کے علاوہ بھی کچھ ایسے اسرار ہوں گے جن کا علم اللہ اور اس کے رسول کے علاوہ کسی بشر کو نہیں اور نہ کسی بشر کے حد امکان میں یہ بات ہے کہ وہ ان رازہائے سربستہ کو آشکار کرے۔ جب یہ بات ہے تو اس طرح کے احکامات کی پابندی کرنی چاہئے۔ یہ پابندی محض ان اسباب کی وجہ سے ختم کی جاسکتی ہے جو شرع میں ضروری ہوں۔ مثلاً نمازوں کی قضاء[1] استسقاء کی نماز' نماز کسوف' تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں ۔ جو اسباب میں ضعیف ہیں وہ ان مقاصد کے مقابلے میں نہیں لانے چاہئیں جو مکروہ اوقات کے سلسلے میں ابھی ذکر کیے گئے۔ ہمارے نزدیک یہی بات بہتر اور معقول معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

نماز اور اس کے اسرار کا بیان ختم ہوا۔ اب کتاب اسرار الزکوٰۃ شروع ہوتی ہے۔

والحمدللہ اولا و آخرا والصلوٰۃ علیٰ رسول المصطفیٰ

(۱) اس سلسلے میں احناف کا مسلک چند صفحات پہلے گذر چکا ہے۔

کتاب اسرار الزکاۃ

زکوٰۃ کے اسرار کا بیان

حمد و صلاۃ کے بعد!

اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو اسلام کا بنیادی رکن قرار دیا ہے' اس کی اہمیت کے لیے یہ بات کافی ہے کہ لاتعداد مواقع پر قرآن پاک میں اس کا ذکر نماز کے ساتھ کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ (پ ۱' ر ۵' آیت ۴۳)

اور قائم کرو تم لوگ نماز کو اور دو زکوٰۃ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

بنی الاسلام علی خمس' شھادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ واقام الصلاۃ وایتاء الزکوٰۃ الخ۔ بخاری و مسلم۔ ابن عمرؓ)

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر مبنی ہے' اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ سلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں' نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا' (آخر تک)

زکوٰۃ کے باب میں کوتاہی کرنے والوں کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سخت وعید نازل فرمائی ہے۔ ارشاد باری ہے:۔

اَلَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ (پ ۱۰' ر ۱۱' آیت ۳۴)

جو لوگ خزانہ کر کے رکھتے ہیں سونے اور چاندی کو اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے سو ان کو المناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے۔

اس آیت میں انفاق فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں خرچ کرنے) سے یہ مراد ہے کہ مال کا حق یعنی زکوٰۃ ادا کی جائے۔

احنف ابن قیسؒ کہتے ہیں کہ میں قریش کے چند لوگوں کے ساتھ تھا۔ اسی دوران حضرت ابوذرؓ قریب سے گذرے انھوں نے ارشاد فرمایا کہ خزانہ رکھ کر اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنے والوں کو دو داغوں کی خوشخبری سنادو' ایک داغ ان کی پٹیوں میں لگے گا اور پسلیوں سے نکلے گا' اور ایک داغ ان کی گدیوں میں لگے گا اور پیشانیوں سے نکلے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک داغ آدمی کی پستان کے منہ پر رکھ کر شانے کی نرم ہڈی سے نکال دیا جائے گا اور ہڈی پہ رکھ کر پستان سے نکال دیا جائے گا۔ اس کے بعد ابوذرؓ نے یہ روایت بیان کی:۔

قال انتھیت الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو جالس فی ظل الکعبۃ فلما رآنی قال: ھم الاخسرون ورب الکعبۃ فقلت ومن ھم؟ قال الاکثرون اموالا الا من قال ھکذا وھکذا من بین یدیہ ومن خلفہ وعن یمینہ وعن شمالہ' وقلیل ما ھم مامن صاحب ابل ولا بقر ولا غنم لا یؤدی زکاتھا الاجاءت یوم القیامۃ اعظم ما کانت واسمنہ تنطحہ بقرونھا وتطؤہ باظلافھا کلما نفدت اخراھا عادت علیہ اولاھا حتی یقضی بین الناس۔ (بخاری و مسلم)

میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' آپ اس وقت خانۂ کعبہ کے سائے میں تشریف

فرماتے، جب آپ نے مجھے دیکھا تو ارشاد فرمایا: قسم ہے رب کعبہ کی! یہی لوگ زیادہ نقصان میں ہیں؟ میں نے عرض کیا! یا رسول اللہ! وہ لوگ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ لوگ جو بہت زیادہ دولت والے ہیں! مگر وہ لوگ (نقصان میں نہیں ہیں) جو اپنے دائیں، بائیں آگے پیچھے اس طرح ہاتھ کریں (یعنی خیرات کریں)۔ کوئی اونٹ اور گائے اور بکری والا ایسا نہیں ہے کہ وہ اپنے اونٹ گائے، یا بکری کی زکوٰۃ ادا نہ کرے مگر قیامت کے روز اس کے وہ جانور اس سے زیادہ موٹے اور بڑے ہو کر آئیں گے جس حالت پر وہ تھے اسے اپنے سینگوں سے ماریں گے، اور اپنے کھروں سے کچلیں گے۔ جب تمام جانور ختم ہو جائیں گے تو پھر پہلا وہی عمل دہرائے گا اور یہ عذاب اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ نہ کر دیا جائے۔

اس طرح کی وعیدیں بخاری و مسلم میں وارد ہیں۔ ان وعیدوں کے پیش نظر یہ اہم دینی ذمہ داری ہو جاتی ہے کہ ہم زکوٰۃ کے اسرار بیان کریں، اور اس کی پوشیدہ و ظاہری شرائط، ظاہری اور باطنی معانی بیان کریں۔ اور صرف ان امور پر اکتفا کریں جن کی زکوٰۃ دینے والے اور زکوٰۃ لینے والے کو شدید ضرورت ہے۔ یہ امور ہم چار ابواب میں بیان کریں گے۔

پہلا باب

زکوٰۃ کی اقسام اور اس کے اسباب وجوب

کیونکہ زکوٰۃ مال کی مختلف قسموں سے تعلق رکھتی ہے۔ اس لیے ہم ذیل میں ہر قسم کے احکام الگ الگ بیان کرتے ہیں۔

چوپایوں کی زکوٰۃ : زکوٰۃ چاہے چوپائے کی ہو، یا کسی دوسرے مال کی صرف اس شخص پر واجب ہے جو آزاد ہو اور مسلمان ہو بلوغ یا عقل شرط نہیں ہے، بلکہ نابالغ بچے اور پاگل مسلمان کے مال میں سے بھی زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ (۱) یہ دو شرطیں اس شخص سے متعلق ہیں جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ جس مال میں زکوٰۃ واجب ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ اس میں مندرجہ ذیل پانچ شرطیں پائی جائیں (۱) چوپایوں کا مخصوص ہونا (۲) جنگل میں چرنا (۳) اس مال پر ایک برس گذرنا (۴) اس مال کا پوری طرح مالک ہونا (۵) نصاب کا پورا ہونا۔ (۲)

---

(۱) احناف کے نزدیک نابالغ اور مجنون کے مال میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۴) اس سلسلے میں احناف اور شوافع کے درمیان طویل اختلاف ہے، جس کی تفصیل فقہی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے (ہدایہ ج ۱ ص ۲۴۸) شرعی نصوص سے ثابت ہوتا ہے کہ نابالغ بچہ اور پاگل آدمی احکام شرعیہ کے مکلف نہیں ہیں، جیسا کہ ایک حدیث میں ہے "رفع القلم عن ثلثة عن النائم حتٰى يستيقظ وعن الصبى حتٰى يبلغ وعن المجنون حتٰى يفيق" (تین طرح کے لوگوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے سونے والے سے یہاں تک کہ وہ اٹھ جائے، بچہ سے یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے، پاگل سے یہاں تک کہ صحیح العقل ہو جائے۔ نماز روزے، اور حج کی طرح زکوٰۃ بھی ایک عبادت ہے۔ جس طرح باقی عبادات کا بچہ اور مجنون مکلف نہیں ہوتے اسی طرح زکوٰۃ کا بھی انھیں مکلف قرار نہیں دیا جائے گا۔ مترجم (۲) وجوب زکوٰۃ کی ایک شرط یہ ہے کہ وہ مال نامی (بڑھنے والا) ہو۔ چاہے اس میں حکماً نمو پایا جاتا ہو جیسے توالد، تناسل، تجارت وغیرہ یا نمو تقدیری، یعنی کوئی ایسا مال ہو کہ وہ اس کے بڑھانے پر قادر ہو (عالمگیری بحوالہ حاشیہ شرح وقایہ ج ا ص ۲۴۹)۔ (ص ۳۵)

پہلی شرط : صرف چوپایوں کے ساتھ مخصوص ہے' زکوۃ صرف اونٹ' گائے اور بکری میں ہے۔(۱) خچروں اور ان جانوروں میں جو ہرن یا بکری سے پیدا ہوں زکواۃ نہیں ہے۔

دوسری شرط : اس لیے لگائی گئی کہ ان جانوروں میں زکوۃ نہیں ہے جنہیں گھر پر گھاس کھلائی جائے۔ وہ جانور جو کچھ دن جنگل میں چرے ہوں اور کچھ دن گھر پر رہے ہوں تو ان پر بھی زکوۃ واجب نہیں ہے۔ کیونکہ گھر پر کھلانے میں محنت اور مشقت اٹھانی پڑتی ہے۔

تیسری شرط : یہ ہے کہ اس مال پر ایک سال گذر گیا ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لازکوٰۃ فی مال حتّٰی یحول علیہ الحول۔ (ابوداؤد' علیؓ' ابن ماجہ' عائشہؓ)

کسی مال میں زکوۃ نہیں ہے یہاں تک کہ اس پر ایک سال گذر جائے۔

اس حکم سے وہ مال مستثنیٰ رہے گا جو اس مال کے نتیجے میں پیدا ہوا ہو' مثلاً " کسی چوپائے کے بچے' اگر وہ درمیان سال میں پیدا ہوئے ہوں' یہ بچے بڑے جانوروں کے تابع ہوں گے' اگرچہ ان پر ایک سال کی مدت نہ گذری ہو' ہاں اگر سال گذرنے سے پہلے مال فروخت کردے یا ہبہ کرڈالے تو سال کے اختتام پر وہ مال محسوب نہیں ہوگا۔

چوتھی شرط : یہ ہے کہ ملک کامل ہو اور مالک کو تصرف کا پورا اختیار حاصل ہو' اس صورت میں اگر کوئی جانور رہن ہوگا تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی۔(۱) کیونکہ رہن رکھ کر خود صاحب مال نے اس مال کو اپنے سے روک رکھا ہے' اپنی ملک پر دوبارہ قبضہ کرنے کا اسے اختیار حاصل ہے۔ ہاں اگر کوئی چیز گم ہو' یا کسی نے چھین لی ہو تو ان دونوں صورتوں میں زکوۃ واجب نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ مغصوبہ یا گم شدہ چیز پھر اپنے مالک کو مل جائے تو گذرے ہوئے دنوں کی زکوۃ بھی واجب ہوگی۔(۲) اگر کسی شخص پر اتنا قرض ہو کہ موجود تمام مال اس قرض کی ادائیگی کے لیے کافی ہو تو اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے' کیونکہ وہ غنی نہیں ہے' غنی اس وقت ہوگا جب وہ مال ضرورت سے زائد ہو قرض کی صورت میں وہ مال ضرورت سے زائد نہیں ہے۔

---

(۱) احناف کے نزدیک حسب ذیل جانوروں میں زکوۃ ہے' اونٹ' اونٹنی' گائے' بیل' بھینس' بھینسا' بکرا' بکری' بھیڑ' دنبہ۔ امام غزالیؒ نے تین طرح کے جانوروں میں ان سب کا شمار کرلیا ہے۔ البتہ احناف کے نزدیک گھوڑوں میں بھی زکوۃ ہے' گھوڑے کے مالک کو اختیار ہے کہ وہ ایک گھوڑے کی زکوۃ ایک دینار دیدے یا قیمت لگا کر اس کا چالیسواں حصہ ادا کردے۔ (المختصر للبغدادی ص ۳۹)۔ امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ ان چوپایوں میں زکوۃ واجب ہے جو جنگل میں گھاس چرتے ہوں۔ وہ جانور جو نصف سال جنگل میں چرتے ہوں اور نصف سال گھر میں رہ کر گھاس دانہ کھاتے ہوں ان میں زکوۃ نہیں ہے۔ اس میں ایک شرط کا اضافہ کرلیا جائے کہ اگر جانور دودھ کی غرض سے یا نسل کی افزائش کے لیے' یا فربہ کرنے کے لیے رکھے گئے ہوں تو ان میں بھی زکوۃ ہے۔ ہاں اگر وہ گوشت کھانے کے لیے یا سواری کے لیے رکھے گئے ہوں تو ان میں زکوۃ نہیں ہے۔ (شرح التنویر ج ۱ ص ۱۳۱)۔ جنگلی جانور جیسے ہرن وغیرہ پر زکوۃ نہیں ہے' اگر تجارت کی غرض سے خرید رکھے جائیں تو ان پر تجارت کی زکوۃ فرض ہے (شرح البدایہ ج ۱ ص ۱۴۱) مترجم۔ گھوڑوں کا مسئلہ گذر چکا ہے۔ خچروں اور گدھوں میں احناف کے نزدیک بھی زکوۃ نہیں ہے' ہاں اگر یہ دونوں جانور تجارت کی غرض سے خرید رکھے ہوں تو ان پر زکوۃ واجب ہوگی۔ (شرح البدایہ ج ۱ ص ۱۴۱) مترجم۔ جنگلی جانور میں زکوۃ نہیں ہے لیکن وہ جانور جو دیسی جانوروں سے مل کر پیدا ہوئے ہوں تو ان کا حکم وہ ہوگا جو ان کی ماں کا ہے۔ مثلاً " بکری اور ہرن سے پیدا ہونے والا جانور بکری کے حکم میں ہے۔ نیل گائے' اور گائے کا اختلاط سے پیدا ہونے والا جانور گائے کے حکم میں ہے۔ (شامی ج ۲ ص ۲۰) مترجم۔ (۲) احناف کے یہاں اس کی کچھ تفصیل ہے۔ رہن رکھ کر صاحب مال نے قرض لیا ہے۔ اگر وہ قرض اتنا ہے جو مرہونہ چیز کی قیمت کے برابر ہے تو کوئی زکوۃ نہیں ہے۔ لیکن اگر قرض کم ہے' اور مرہونہ چیز اتنی زائد ہے کہ مقدار نصاب کو پہنچتی ہے تو صرف اسی قدر میں زکوۃ واجب ہے جو قرض کی رقم الگ کر کے باقی رہے (عالمگیری کتاب الزکاۃ) مترجم۔ (۳) احناف کے نزدیک گم شدہ چیز میں اگر وہ واپس مل جائے گذرے ہوئے سالوں کی زکوۃ واجب نہیں ہے۔ اسی طرح اگر مغصوبہ چیز واپس مل جائے تو بھی زکوۃ واجب نہیں ہے' لیکن یہ اس صورت میں ہے جب کہ مالک کے پاس غاصب کے خلاف کوئی بیّنہ نہ ہو لیکن اگر بیّنہ ہو تو گذرے ہوئے سالوں کی بھی زکوۃ واجب ہوگی' مغصوبہ سائمہ کا حکم اس سے مختلف ہے۔ سائمہ میں اگر بیّنہ بھی ہو' یا غصب کرنے والا معترف بھی ہو تو اس میں زکوۃ نہیں ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری بحوالہ حاشیہ شرح وقایہ ج ۱ ص ۲۱۸) مترجم۔

پانچویں شرط : یہ ہے کہ مال کا نصاب پورا ہو' ہر جانور کا الگ الگ نصاب زکوٰۃ ہے۔ پانچ اونٹوں سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے جب پانچ اونٹ ہو جائیں تو ان کی زکوٰۃ ایک جذعہ ہے۔ جذعہ اس بھیڑ کو کہتے ہیں جو دوسرے سال میں ہو' یا ایک تشینہ ہے۔ تشینہ اس بکری کو کہتے ہیں جو تیسرے سال میں لگی ہو یہ زکوٰۃ نو اونٹوں تک ہے دس میں دو بکریاں ہیں۔ پندرہ میں تین' بیس میں چار' پچیس میں بنت مخاض (اونٹنی جو دوسرے سال میں ہو) اگر بنت مخاض نہ ہو تو ابن لبون (اونٹ جو تیسرے سال میں لگا ہو) دیا جائے۔ اگرچہ بنت مخاض خرید کر زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے۔ چھتیس (۳۶) دنتوں میں بنت لبون (اونٹنی جو تیسرے برس میں لگی ہو) چھیالیس میں حقہ (اونٹنی جو چوتھے سال میں ہو) اکسٹھ میں جذعہ (اونٹنی جو پانچویں سال میں ہو) چھہتر میں دو بنت لبون' اکیانوے میں دو حقے' ایک سو اکیس میں تین بنت لبون واجب ہوں گے جب تعداد ایک سو تیس ہو جائے تو حساب ٹھہر جائے گا۔ اب ہر پچاس میں ایک حقہ اور ہر چالیس میں ایک بنت لبون دی جائے گی۔ (۱)

گائے' بیل' بھینس میں ۲۹ تک زکوٰۃ واجب نہیں ہے' جب تعداد تیس ہو جائے تو ایک بچھڑا لیا جائے گا جو دوسرے سال میں ہو' چالیس پر ایک مسنہ (بچھڑی جو تیسرے سال میں ہو) اکسٹھ میں دو تبیع (بچھڑا جو دوسرے سال میں ہو) لیے جائیں گے۔ اس کے بعد حساب صحیح ہو جائے گا۔ ہر چالیس میں ایک مسنہ اور ہر تیس میں ایک تبیع دیا جائے گا۔ (۲)

چالیس سے کم بھیڑ بکریوں میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ جب تعداد چالیس ہو جائے تو ایک جذعہ (وہ بھیڑ جو دوسرے سال میں ہو) یا ایک تشنیہ (وہ بکری کا بچہ جو تیسرے سال میں ہو) دیا جائے گا۔ پھر جب تک تعداد ایک سو اکیس نہ ہو جائے اس وقت تک یہ زکوٰۃ دی جائے گی۔ ایک سو اکیس میں دو بکریاں' دو سو ایک میں تین بکریاں' اور چار سو میں چار بکریاں واجب ہیں۔ پھر ہر سو بکریوں میں ایک بکری واجب ہوگی۔

دو شریکوں کی زکوٰۃ نصاب میں ایسی ہی ہے جیسے ایک مالک کی زکوٰۃ۔ چنانچہ اگر دو آدمیوں کی ملکیت میں چالیس بکریاں ہوں تو ان میں ایک بکری واجب ہوگی۔ اور اگر تین آدمیوں کی ملکیت میں ایک سو بیس بکریاں ہو تب بھی ایک ہی بکری واجب ہوگی۔ جوار (پڑوسی) شرکت' یا شیوع (ہر ہر جزء کی شرکت) کی طرح ہے' یعنی دونوں کا ایک ہی حکم ہے' مگر (جوار میں) شرط یہ ہے کہ دونوں اپنے جانوروں کو ایک ساتھ گھاس دانہ دیتے ہوں' ایک ساتھ پانی پلاتے ہوں' ایک ساتھ گھر لاتے ہوں' ایک ساتھ دودھ پلاتے ہوں' اور ایک ساتھ نر چرواتے ہوں' اور دونوں صاحب زکوٰۃ بھی ہوں اگر اس طرح کی کوئی شرکت کسی ذمی یا مکاتب کے ساتھ ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ (۳)

---

(۱) اونٹ کی زکوٰۃ کے سلسلے میں امام شافعیؒ اور امام ابو حنیفہؒ کا اختلاف ۱۲۰ کے بعد سے شروع ہوا ہے۔ اگر اونٹوں کی تعداد ایک سو بیس سے زائد ہو جائے تو شوافع کے نزدیک ہر پچاس میں ایک حقہ اور ہر چالیس میں ایک جذعہ ہوگا۔ لیکن احناف کے نزدیک ایک سو بیس پر اگر چار اونٹ زیادہ ہیں تو وہی سابقہ زکوٰۃ رہے گی' اگر زیادتی پانچ تک پہنچ جائے یعنی ۱۲۵ ہو جائے تو ایک بکری اور دو حقے واجب ہوں گے۔ اسی طرح ہر پانچ میں ایک بکری بڑھتی رہے گی ۱۴۴ تک۔ ۱۴۵ میں ایک بنت مخاض اور دو حقے واجب ہوں گے ۱۴۹ تک۔ ۱۵۰ میں تین حقے واجب ہوں گے۔ جب اس سے بھی تعداد زیادہ ہو جائے تو پھر حساب از سر نو شروع ہوگا (شرح وقایہ ج ۱ ص ۲۲۱)۔ (۲) مثلاً اگر تعداد ستر ہو جائے تو ایک مسنہ اور ایک تبیع واجب ہوگا اور جب تعداد اسی (۸۰) ہو جائے تو دو تبیع واجب ہوں گے۔ نوے میں تین مسنے واجب ہوں گے۔ اور سو میں دو مسنے اور ایک تبیع واجب ہوگا۔ مترجم (۳) امام ابو حنیفہ کے نزدیک جوار کی شرکت کا کوئی اعتبار نہیں ہے اصل شرکت ملک کی ہے اور زکوٰۃ کے باب میں وہی معتبر بھی ہے اگر دو شخصوں کے درمیان بکریوں یا دوسرے جانوروں میں جوار کی شرکت ہو تو زکوٰۃ اسی وقت دی جائے گی جب تنہا تنہا دونوں کی ملکیت حد نصاب کو پہنچی ہوئی ہو اور اگر شرکت ملکیت کی بنیاد پر ہے تو مجموعی مال سے زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔ امام غزالیؒ کی عبارت میں دونوں کا صاحب زکوٰۃ ہونے کا مطلب بھی یہی ہے کہ اگر دو صاحب نصاب شرکاء کی بھیڑ' بکریاں یا دیگر جانور جوار کی بنیاد پر مشترک ہوں تو بیت المال کا کارندہ ان کی تقسیم کا انتظار کیے بغیر وصول کرلے گا بعد میں وہ دونوں شرکاء اپنی اپنی واجب زکوٰۃ کا اندازہ لگا کر حساب کرلیں گے اور ایک دوسرے سے کم و بیش وصول کرلیں گے۔ (مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۳۰/ مترجم۔

اگر بیت المال کے کارندے صاحب زکوٰۃ سے کوئی ایسا جانور زکوٰۃ میں لے لیں جو واجب جانور سے سن و سال میں چھوٹا ہو تو یہ جائز ہے' بشرطیکہ وہ جانور بنت سے کم نہ ہو' نیز یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی کے بدلے میں اگر وہ کمی ایک سال کی ہے دو بکریاں یا بیس درہم لیے جائیں' اور اگر دو سال کی کمی ہے تو چار بکریاں یا چالیس درہم وصول کیے جائیں۔ زکوٰۃ دینے والے کے لیے جائز ہے کہ وہ واجب جانور سے بڑا جانور زکوٰۃ میں دیدے مگر شرط یہ ہے کہ وہ جذعہ سے متجاوز نہ ہو۔ اور بیت المال کے ملازمین سے اپنی زائد رقم واپس لے لے۔ زکوٰۃ میں بیمار جانور نہ لیا جائے جب کہ ان میں کوئی جانور تندرست بھی ہو' اچھے جانوروں میں سے اچھا جانور لیا جائے' اور برے جانوروں میں سے برا لیا جائے۔ وہ جانور نہ لیا جائے جو دانہ خور ہو' بچہ جننے کے قریب ہو' بہت زیادہ فربہ ہو' سانڈ ہو' بلکہ درمیانہ درجے کا جانور لیا جائے۔

پیداوار کی زکوٰۃ : غذا سے تعلق رکھنے والی پیداوار میں اگر اس کا وزن آٹھ سو سیر یعنی بیس من ہو عشر (دسواں حصہ) واجب ہے' اس سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ میووں اور روئی میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ بلکہ ان اجناس میں ہے جنھیں بطور غذا استعمال کیا جاتا ہے۔ خشک کھجور (چھوہاروں) میں اور کشمش میں زکوٰۃ واجب ہے' لیکن ضروری ہے کہ ان کا وزن بیس من ہو تر کھجوروں' اور انگوروں کے وزن کا اعتبار نہیں ہے۔ اگر دو یا دو سے زیادہ لوگوں کے درمیان کش مکش کے باغ میں شرکت ہے۔ اور یہ شرکت حصوں کی بنیاد پر ہے' پڑوس کی بنیاد پر نہیں ہے تو دونوں حصے کی پیداوار کو ایک دوسرے میں ملا کر زکوٰۃ نکالی جائے گی۔ مثلاً" ایک باغ چند شرکاء کی ملکیت میں ہے۔ اور اس میں بیس من کش مش پیدا ہوئی ہے تو اس میں سے دو من کش مش واجب ہوگی تو شرکاء پر یہ دو من برابر برابر تقسیم کیے جائیں گے۔ لیکن اگر شرکت حصوں میں بنیاد پر نہیں ہے' بلکہ دونوں کی زمینیں برابر برابر واقع ہیں یعنی پڑوس کی شرکت ہے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

گیہوں کے نصاب کو جو سے پورا کیا جائے گا۔ ہاں جو کے نصاب کو اس جو سے پورا کر لیا جائے گا جس پر چھلکا نہ ہو۔ اس لیے کہ بلا چھلکے والا جو بھی اس کی جنس سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ مقدار زکوٰۃ اس زمین کی ہے جو نہر یا تالاب وغیرہ سے سینچی جاتی ہو۔ لیکن اگر وہ زمین کنوئیں سے پانی کھینچ کر سینچی جاتی ہے تو پیداوار کا بیسواں حصہ زکوٰۃ میں واجب ہوگا۔ لیکن اگر زمین دونوں طرح سینچی جاتی ہو تو غالب کا اعتبار ہوگا۔

جو مقدار زکوٰۃ میں واجب ہے اس کی صفت یہ ہے کہ وہ خشک چھوارے یا کش مش ہوں' کھجوریں یا انگور نہ ہوں۔ اسی طرح غلّہ میں سے اس وقت زکوٰۃ ادا کی جائے جب بھس وغیرہ صاف کر دیا جائے۔ بیت المال کے کارندے کھجوریں اور انگور نہ لیں۔ لیکن درختوں پر کوئی سماوی آفت ایسی آپڑی ہو کہ تر کھجوریں اور انگور توڑے بغیر چارہ نہ ہو تو یہی مال لے لیں۔ نو پیانے مالک کو دیئے جائیں اور ایک پیانہ زکوٰۃ میں نکال دیا جائے یہاں یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ یہ تقسیم بیع ہے' اور کچھ چیزوں کی بیع جائز نہیں ہے' کہا جائے گا کہ یہ اقدام مصلحت کے پیش نظر کیا گیا ہے۔ وجوب زکوٰۃ کا وقت اس وقت ہے جب پکنے لگیں' اور غلے کے دانے سخت پڑنے لگیں۔ اور اداء زکوٰۃ کا وقت وہ ہے جب یہ خشک ہو جائیں۔ (۱)

---

(۱) جن زمینوں میں پیداوار ہوتی ہے۔ وہ دو قسم کی ہیں' ایک خراجی' دوسری عشری۔ خراجی زمینیں وہ ہیں حکومت جن کی لگان وصول کرتی ہے۔ اس سے خراج ادا ہو جاتا ہے اس زمین کی پیداوار میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ عشری زمینیں وہ ہیں جو مسلمانوں نے غیر مسلموں سے جنگ کر کے فتح کیں اور پھر امیر المومنین نے حاصل شدہ زمین مسلمانوں میں تقسیم کر دیں۔ یا کسی علاقے کے لوگ اپنی خوشی سے مسلمان ہو گئے ان سے لڑنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ اس طرح کی زمینیں عشری ہیں' یعنی ان کی پیداوار سے دسواں حصہ زکوٰۃ میں نکالنا واجب ہے۔ (عالمگیری' ج ۱' ص ۲۷۰) اگر کسی کے باپ دادا کے زمانے سے یہی عشری زمین چلی آرہی ہو یا کسی نے یہ زمین ایسے مسلمان سے خریدی ہو جس کے پاس یہ زمین عشری زمین کی حیثیت سے تھی تو اس میں عشر واجب ہوگا۔ اگر عشری زمین بارانی ہے یا کسی ندی نالے کے قریب اس طرح واقع ہے (حاشیہ کا بقیہ آگے)

چاندی اور سونے کی زکوٰۃ : جب مکہ میں رائج دو سو درہم کے وزن کے مطابق خالص چاندی ہو اور اس پر ایک سال گذر جائے تو چاندی کی زکوٰۃ واجب ہے۔ (۱) اور وہ یہ ہے کہ پانچ درہم چالیسواں حصہ ادا کیا جائے اگر چاندی دو سو درہم سے زائد ہے' خواہ ایک ہی درہم کیوں نہ ہو اسی حساب سے زکوٰۃ ادا ہوگی۔ (۲) اور اس زائد درہم کی زکوٰۃ بھی ادا کی جائے گی۔ سونے کا نصاب مکہ کے وزن کے مطابق بیس مثقال ہے اس میں بھی چالیسواں حصہ زکوٰۃ ہے۔ اس میں بھی اگر کچھ سونا زائد ہے تو زائد کی زکوٰۃ بھی اسی حساب سے ادا کی جائے گی۔ اگر رتی بھر بھی سونا یا چاندی کم ہوگا تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ جس شخص کی ملکیت میں کھوٹے سکے ہوں' اور ان میں خالص چاندی کی بیان کردہ مقدار ہو تو ان کی زکوٰۃ بھی دی جائے۔ سونے' چاندی کے غیر مستعمل

(بقیہ حاشیہ) کہ اسے سینچنے کی ضرورت پیش نہ آئی ہو۔ تو ایسے کھیت کی تمام پیداوار میں سے دسواں حصہ نکالنا واجب ہے۔ یعنی اگر کل پیداوار دس من ہے تو ایک من خیرات کرنا واجب ہے اور دس سیر پیداوار ہے تو ایک سیر اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ضروری ہے۔ اگر وہ زمین نہر یا کنویں کے پانی سے سیراب کی جاتی ہو تو اس کی کل مقدار میں سے بیسواں حصہ نکالنا واجب ہے (قدوری ص ۴۱) یہی حکم باغات کا ہے۔ ایسی زمینوں میں پیداوار کم ہوتی ہو یا زمین حقیقہ مقدار میں زکوٰۃ نکالنا واجب ہے۔ اس میں کسی نصاب کی شرط نہیں ہے (عالمگیری ج ا ص ۱۸۳)

اناج' ترکاری' میوہ' پھل پھول وغیرہ ہر طرح کی پیداوار کا یہی حکم ہے' صرف گھاس' پھوس' نرسل اور سوختے میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے (ہدایہ ج ا ص ۱۸۳) عشری زمین یا پہاڑ یا جنگل سے اگر شہد نکالا جائے تو اس میں بھی دسواں حصہ واجب ہوگا۔ (درمختار ج ا ص ۱۳۹) ہاں اگر گھر میں ترکاری یا پھل پھول کے درخت لگا لئے ہوں تو ان کی پیداوار پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ (شامی ج ۲ ص ۲۸) اگر عشری زمین کوئی کافر خرید لے تو وہ عشری نہیں رہتی۔ اب اگر اس سے مسلمان بھی خرید لے تب بھی یہ زمین عشری نہیں ہوگی۔ (کنزالدقائق ص ۴۳)۔ ہندوستان کی زمین کا مسئلہ بہت زیادہ پیچیدہ ہے' ہمارے اکابر اس سلسلے میں اختلاف رکھتے ہیں کہ یہاں کی زمین عشری ہے یا خراجی۔ بعض اکابر مثلاً" قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ' حضرت مولانا شاہ عبدالعزیزؒ اور حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ وغیرہ حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہاں کی زمین عشری ہے اور نہ خراجی۔ یہی رائے علامہ شامیؒ کی بھی ہے (رد المحتار باب الرکاز ج ۲ ص ۲۱)۔ اس لیے یہاں کی زمین میں عشر واجب نہیں ہے' حکومت کی طرف سے جو لگان وصول کیا جاتا ہے شرعی طور پر وہ خراج نہیں ہے صاف ظاہر ہے کہ یہ حضرات ہندوستان کو دارالحرب سمجھتے تھے اس لیے یہاں کی زمینوں کے متعلق انکی رائے یہی تھی۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ہندوستان کی زمینوں میں وجوب عشر کے قائل تھے۔ اس میں شک نہیں کہ نصوص آیات اور احادیث کا مقتضی بھی حضرت گنگوہیؒ کے قول کی تائید کرتا ہے' امام ابوحنیفہؒ زمین کی تمام پیداوار میں عشر کا حکم لگاتے ہیں چاہے وہ پیداوار کم ہو یا زیادہ' اور خواہ وہ غلے کی جنس سے ہو یا پھلوں سے تعلق رکھتی ہے جس طرح دارالحرب میں صاحب نصاب سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوتی اسی طرح زمینوں کی پیداوار سے عشر بھی ساقط نہیں ہونا چاہئے' ہمارے دور کے مفتیان کرام کی رائے یہ ہے کہ ہندوستان کی زمین عشری نہیں ہیں' لیکن احتیاطاً" عشر نکال دینا بہتر ہے' تاکہ کسی قسم کا کوئی شک باقی نہ رہے۔ چنانچہ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحبؒ (مہتمم سابق دارالعلوم دیوبند) اپنے خاص لوگوں کو عشر نکالنے کا حکم دیا کرتے تھے (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۲ ص ۱۷۶)۔ فقہاء نے اس کی بھی تصریح کی ہے کہ خراج اور عشر دونوں اکٹھا نہیں ہوسکتے' (رد المحتار ج ۲ ص ۲۱ باب العشر) عشر کے وجوب میں سال گذرنے کا انتظار نہیں کیا جائے گا اگر کسی زمین میں سال کے سال کے اندر دو یا تین فصلیں ہوں تو ہر فصل کی پیداوار میں زکوٰۃ واجب ہوگا (حوالۂ سابق) مترجم۔)

(۱) چاندی کا نصاب دو سو درہم ہے جس کا وزن ساڑھے باون تولہ ہوتا ہے اور سونے کا نصاب بیس مثقال ہے' جس کا وزن ساڑھے سات تولہ ہوتا ہے۔ اگر کسی کے پاس اس وزن کے مطابق چاندی یا اس کی قیمت کے بقدر روپیہ اور سامان تجارت ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی (الدر المختار باب زکوٰۃ المال ج ۲ ص ۳۸)۔ کسی کے پاس نہ پوری مقدار سونے کی ہے اور نہ پوری مقدار چاندی کی۔ بلکہ تھوڑا سونا ہے اور تھوڑی چاندی تو دونوں کی قیمت ملالی جائے۔ اگر دونوں کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہوجائے یا ساڑھے سات سات تولہ سونے کے برابر ہوجائے تو زکوٰۃ واجب ہے۔ (ہدایہ' ج ا ص ۱۷۶/ مترجم (۲) احناف کے یہاں بھی نصاب زکوٰۃ سے زائد مال میں زکوٰۃ واجب ہے مگر اس کی شرط یہ ہے کہ وہ مال نصاب زکوٰۃ کے پانچویں حصے کے بقدر ہو' مثلاً" چاندی کا نصاب دو سو درہم ہے' اگر اس نصاب پر ایک درہم زائد ہو تو احناف کے یہاں اس ایک درہم پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ ہاں اگر چالیس درہم زائد ہوں تو ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور ایک درہم زکوٰۃ میں ادا کیا جائے گا (ہدایہ' ج ا ص ۱۷۶' شرح وقایہ ج ا ص ۲۲۹/ مترجم۔

زیوارت میں' ڈھیلوں' برتنوں اور کاٹھیوں میں زکوٰۃ واجب ہے۔ مستعمل زیورات میں واجب نہیں ہے۔ (۱) اگر کسی شخص کو قرض دے رکھا ہے تو اس مال میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی لیکن یہ اس وقت واجب ہوگی جب قرض لینے والا قرض واپس کردے۔ اگر قرض ادا کرنے کے تاریخ متعین تھی تو زکوٰۃ متعینہ تاریخ گذرنے پر ہی واجب ہوگی۔ (۲)

مال تجارت کی زکوٰۃ : مال تجارت کی زکوٰۃ سونے چاندی کی زکوٰۃ کی طرح ہے۔ حول (برس) اس وقت سے مراد لیا جائے گا جس وقت سے وہ نقد (روپیہ) اس کی ملکیت میں ہو جس سے مال تجارت خریدا ہو' بشرطیکہ وہ روپیہ نصاب کے برابر ہو اور اگر نقد روپیہ بقدر نصاب نہیں ہے یا اسباب کے بدلنے میں تجارت کی نیت سے مال خریدا ہے تو حول خریدنے کے وقت سے مراد لیا جائے گا۔ زکوٰۃ میں وہ سکہ ادا کیا جائے جو شہر میں رائج ہو اور اسی سے مال کی قیمت متعین کی جائے۔ اگر وہ نقد روپیہ جس کے بدلے میں مال خریدا ہے نصاب کے بقدر تھا تو قیمت اسی روپیہ سے لگانا بہتر ہے۔ (۳) اگر مال رکھا تھا' مالک نے اس مال میں تجارت کی نیت کرلی تو حول نیت کے وقت سے معتبر نہیں ہوگا۔ بلکہ اس وقت سے معتبر ہوگا جب اس مال سے سامان تجارت خرید لیا جائے اور اگر سال گذرنے سے پہلے ہی تجارت کی نیت موقوف کردے تو زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی لیکن بہتر یہ ہے کہ اس سال کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے۔ سال کے آخر میں جو کچھ نفع ہو' وہ بھی راس المال (اصل سرمائے) کے ساتھ جوڑ لیا جائے گا' اور اس میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی' نفع پر سال گذرنے کا انتظار نہیں کیا جائے گا' یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ جانوروں کے بچے کو وہ سال کے درمیان میں پیدا ہوئے ہوں زکوٰۃ کے باب میں بڑوں کے ساتھ ہیں' صرافوں کے مال کا سال آپس کے تبادلے سے ختم نہیں ہوتا۔ بلکہ دیگر تجارتوں کی طرح بدستور قائم رہتا ہے' مال مضاربت کے نفع کی زکوٰۃ مضارب پر اس کے حصے کے مطابق ہوگی' اگرچہ نفع تقسیم نہ ہوا ہو' قیاس کا تقاضا یہی ہے کہ سال گذرتے ہی مضارب پر اس کے حصے کے بقدر زکوٰۃ واجب ہو جائے۔ (۴)

دفینے اور کان کی زکوٰۃ : رکاز (دفینہ) وہ مال ہے جو جاہلیت کے زمانے میں کسی ایسی زمین میں پایا گیا ہو جس پر

---

(۱) سونے چاندی کے تمام زیورات پر زکوٰۃ واجب ہے خواہ وہ مستعمل ہوں یا مستعمل نہ ہوں۔ (قدوری' ص ۴۱/ مترجم۔ (۲) اگر کسی کے ذمے آپ کی رقم باقی تو اس رقم کی زکوٰۃ بھی آپ کے ذمہ ضروری ہے بشرطیکہ قرض لینے والا اس قرض کا اقرار کرتا ہو' یا وہ انکاری ہو مگر آپ کے پاس اس کے خلاف کوئی شہادت یا ثبوت موجود ہو۔ قرض کی تین قسمیں ہیں۔ قوی' متوسط' ضعیف۔ دین قوی یہ ہے کہ نقد روپیہ یا سونا چاندی کسی کو قرض دیا تھا' یا کوئی تجارتی سامان کسی کے ہاتھ فروخت کیا تھا اور اس کی رقم ابھی تک باقی ہے۔ یہ رقم نصاب زکوٰۃ کے بقدر ہے۔ اب اگر یہ رقم ایک سال یا دو چار سال بعد وصول ہوئی تو وصول ہونے پر پچھلے تمام سالوں کی زکوٰۃ دی جائے گی۔ اگر رقم یکمشت وصول نہیں ہوئی بلکہ تھوڑی تھوڑی وصول ہوئی تو جب وصول شدہ قرض کی رقم نصاب کی مقدار کا پانچواں حصہ (ساڑھے دس تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو جائے تو اس کی زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہوگا۔ پھر جب اور پانچواں حصہ وصول ہو جائے تو اس کی زکوٰۃ نکالی جائے گی۔

دین متوسط یہ ہے کہ آپ نے نقد روپے' یا سونا چاندی کسی کو نہیں دیا' نہ تجارتی مال کسی کے ہاتھ فروخت کیا' بلکہ کوئی اور چیز فروخت کی جو تجارتی نہ تھی۔ مثلاً گھریلو سامان وغیرہ۔ تو ایسا اگر قرض نصاب کے برابر ہے اور کئی سال کے بعد یہ قرض وصول ہوا ہے تو پچھلے سالوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی' لیکن جب تک نصاب کے برابر وصول نہ ہو جائے اس وقت تک اس پر زکوٰۃ ادا کرنا ضروری نہیں ہوگا۔

دین ضعیف ایسا قرض کہلاتا ہے جیسے عورت کا مہر شوہر کے ذمے ہو' یا شوہر کا بدل خلع عورت کے ذمہ ہو' یا کوئی جرمانہ کسی کے ذمے ہو' یا پراویڈنٹ فنڈ کے پیسے ہوں ایسے قرض کا حکم یہ ہے کہ جب وصول ہو جائے تو اس کے بعد سے اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ پچھلے سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی (الدر المختار علی ہامش رد المحتار' ج ۲' ص ۵۴/ مترجم)

(۳) سامان تجارت کی زکوٰۃ اس قیمت کے اعتبار سے دی جائے گی جو بازار کے نرخ کے مطابق ہو (رد المحتار باب زکوٰۃ المال ۲۵' ص ۴۱/ مترجم۔ (۴) مضارب پر اس وقت زکوٰۃ واجب ہے' جب اسے نفع کا روپیہ بقدر نصاب حاصل ہو جائے اور اس پر سال گذر جائے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند' ج ۶' ص ۱۵۵/ مترجم۔

اسلامی دور میں کسی کی ملک نہ ہوئی ہو۔ جو شخص یہ دفینہ پائے تو اسے چاہیئے کہ سونے چاندی میں سے پانچواں حصہ ادا کردے دفینہ پر سال گذرنے (حولان حول) کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اس مال میں نصاب کا بھی کوئی اعتبار نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ خمس کا واجب ہونا اس بات کی علامت ہے کہ یہ دفینہ مال غنیمت کے مشابہ ہے۔ اور اگر نصاب کا اعتبار کیا جائے تو یہ بھی صحیح ہے' کیونکہ اس کا اور زکوٰۃ کا مصرف ایک ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دفینہ خالص سونے اور چاندی کے دفینے کو کہیں گے' کسی اور چیز پر دفینے کا اطلاق نہیں ہوگا۔

کان (معادن) کی چیزوں میں سونے اور چاندی کے علاوہ کسی بھی چیز میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ جب یہ چیزیں نکالی جائیں اور ان کی صفائی کرلی جائے تو صحیح ترین قول کے مطابق ان چیزوں میں سے چالیسواں حصہ بطور زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہوگا۔ اور اس قول کے بموجب اس مال میں نصاب کا اعتبار کیا جائے گا۔ حول (سال) گذرنے کے سلسلے میں دو قول ہیں۔ ایک قول کی رو سے معادن کی زکوٰۃ سال گذرنے کا انتظار کیے بغیر ادا کی جائے گی اور دوسرے قول کے مطابق سال گذرنے پر زکوٰۃ دی جائے گی۔ ایک قول تو یہ ہے کہ معادن کے سونے اور چاندی میں سے چالیسوں حصہ نکالدیا جائے گا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں خمس واجب ہوگا۔ اس دوسرے قول کی رو سے معادن میں سال کا اعتبار نہ ہونا چاہیئے۔ نصاب کے باب میں یہاں بھی دو قول ہیں:۔ مناسب تر یہ معلوم ہوتا ہے کہ معادن میں مال کی جو مقدار ادا کرنی واجب ہے اسے تجارت کی زکوٰۃ کے ساتھ ملادیں' یعنی جو تجارت کی زکوٰۃ ہو وہی اس مال کی بھی زکوٰۃ ہو' کیونکہ یہ بھی تجارت کی طرح اکتساب مال ہی ہے۔ اور سال کے باب میں معادن سے حاصل شدہ مال کو عشری پیداوار کے ساتھ ملادیں' یعنی جس طرح پیداوار پر سال گذرنے کا انتظار نہیں کیا جاتا بلکہ ہر فصل سے دسواں حصہ ادا کیا جاتا ہے اسی طرح معادن میں بھی سال گذرنے کا انتظار نہ کیا جانا چاہیئے اور نرمی اور شفقت کا تقاضا یہی ہے۔ نصاب میں بھی عشری پیداوار کے نصاب کا اعتبار کیا جانا چاہیئے۔ احتیاط اس میں ہے کہ معادن سے جو مال حاصل ہو خواہ وہ کم ہو یا زیادہ اس میں سے خمس نکالا جائے اور یہ خمس ہر اس مال میں سے نکالا جائے جو معادن میں سے نکلے' چاہے وہ سونا ہو یا چاندی ہو' یا سونے چاندی کے علاوہ کوئی اور چیز ہو۔ یہ احتیاط اس لیے ہونی چاہیئے تاکہ ان اختلافات کا شبہ باقی نہ رہے' کیونکہ یہ تمام اقوال ایک دوسرے کی ضد معلوم ہوتے ہیں' ان اقوال میں کسی ایک پر فتویٰ دینا بہت مشکل ہے۔ (۱)

صدقۂ فطر: آنحضرت (۲) صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر اس مسلمان پر واجب قرار دیا ہے جس کے پاس عید الفطر کے دن اور رات میں اس کے اور اس کے اہل و عیال کے کھانے سے زیادہ جنس غذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاع کے بقدر

---

(۱) امام غزالیؒ نے شوافع کے مسلک کے مطابق دفینے اور معدن کے احکام بیان کیے ہیں۔ ذیل میں ہم فقہ حنفی کے مشہور کتاب "شرح وقایہ" کا ایک اقتباس پیش کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوگا کہ کہاں کہاں احناف کا مسلک شوافع سے مختلف ہے۔ رکاز اس مال کو کہتے ہیں جو زمین میں دفن ہو چاہے وہ خلقۃً زمین میں ہو یعنی اس کی پیدائش ہی زمین میں ہوئی ہو یا زمین میں رکھا گیا ہو۔ معدن اس مال کو کہتے ہیں جو زمین میں خلقۃً پایا جاتا ہے اور کنز وہ خزانہ ہے جو زمین میں رکھا گیا ہو۔ سونے (یا سونے جیسی چیز مثلاً" چاندی' لوہے' تانبے وغیرہ) کی کان اگر خراج یا عشری زمین میں ہو تو اس میں سے پانچواں حصہ نکالا جائے گا اور باقی مال پانے والے کا ہوگا اگر وہ زمین کسی کی ملکیت نہ ہو اور اگر ملکیت ہو تو اس شخص کا ہوگا جو اس زمین کا مالک ہو اور اگر گھر میں کان دریافت ہو تو اس میں کوئی چیز واجب نہیں ہے۔ اگر (اپنی زراعتی) زمین میں کان دریافت ہو تو اس میں دو روایتیں ہیں۔ لولو' عنبر' فیروزج (یا یاقوت' زمرد' الماس وغیرہ ہیرے) پائے جائیں تو ان میں کوئی چیز واجب نہیں ہے۔ (یہ معدن کی بحث ہے) اگر کوئی دفینہ ملا تو یہ دیکھا جائے گا کہ اس میں کفر کی علامت ہے یا اسلام کی علامت ؟ اگر اسلام کے علامت موجود ہو تو وہ دفینہ لقطہ کے حکم میں ہے' اور اگر کفر کی علامت موجود ہو تو اس مال میں سے پانچواں حصہ نکالا جائے گا۔ اور باقی مال پانے والے کا ہوگا اگر اس زمین کا کوئی مالک نہ ہو' اور اگر مالک ہو تو مالک کا ہوگا۔ (شرح وقایہ' ج ۱' ص ۲۳۴) (۲) حضرت ابن عمرؓ کی حدیث ہے "فرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زکاۃ الفطر من رمضان" (بخاری و مسلم)

موجود ہو۔(۱) صاع دو سیر اور دو تہائی سیر کے برابر ہوتا ہے۔ صدقۂ فطر اس غلے میں سے ادا کرے جو وہ خود استعمال کرتا ہو' اگر کوئی شخص گیہوں استعمال کرتا ہے تو اس کے لیے جو کا صدقہ دینا صحیح نہیں ہوگا۔ اگر مختلف غلے استعمال کرتا ہو تو وہ غلہ دے جو سب سے اچھا ہو۔ اگر کوئی معمولی غلہ بھی دے دیگا تو صدقۂ فطر ادا ہو جائے گا۔ صدقۂ فطر کی تقسیم بھی زکوٰۃ کی تقسیم کی طرح ہے۔ یعنی اس میں بھی تمام مصارف کو صدقہ پہنچانا واجب ہے۔(۲) آٹا یا ستو دینا جائز نہیں ہے۔ مسلمان مرد پر اس کا' اس کی بیوی' بچوں' غلاموں اور ان رشتہ داروں کا صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے جن کا نفقہ اس پر واجب ہے۔(۳) جیسے باپ' دادا' ماں نانی وغیرہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

ادوا صدقۃ الفطر عمن تمونون (دار قطنی' بیہقی' ابن عمرؓ)

ان لوگوں کا صدقہ ادا کرو جن کا خرچ تم اٹھاتے ہو۔

مشترک غلام کا صدقہ دونوں شریکوں پر واجب ہے۔ کافر غلام(۴) کا صدقہ واجب ہے۔ اگر بیوی اپنا صدقہ خود ادا کردے تو یہ جائز ہے۔ شوہر کے لیے بیوی کی اجازت کے بغیر اس کا صدقہ ادا کرنا صحیح ہے۔ اگر اس کے پاس اتنا ہی غلہ ہو کہ وہ کچھ لوگوں کا صدقہ ادا کرسکتا ہے اور کچھ لوگوں کا ادا نہیں کرسکتا تو ان لوگوں کا صدقہ پہلے ادا کرے جن کی نفقہ کی تاکید زیادہ ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاد کے نفقے کو بیوی کے نفقے پر اور بیوی کے نفقے کو خادم کے نفقے پر مقدم فرمایا ہے۔(۵)

زکوٰۃ اور صدقۂ فطر کے یہ فقہی احکام ہیں۔ غنی مسلمان کے لیے ان احکام کی معرفت بہت ضروری ہے۔ بعض اوقات کچھ نادر صورتیں ایسی پیش آجاتی ہیں جو یہاں مذکور نہیں ہیں۔ اگر کبھی ایسا ہو تو علماء سے فتویٰ حاصل کرنا چاہئے اور اس پر اعتماد کرنا چاہیئے۔

---

(۱) صدقۂ فطر اس آزاد مسلمان پر واجب ہے جو اتنا مال دار ہو کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہو' زکوٰۃ واجب نہ ہو مگر ضروری اسباب سے زیادہ اتنی قیمت کا مال و اسباب اس کے پاس موجود ہو جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ اگر ایسا ہے تو اس پر عید کے دن صدقۂ فطر دینا واجب ہے چاہے اس مال پر سال پورا گذرا چکا ہو یا نہ گذرا ہو۔ (نور الایضاح ص ۴۱)۔ صدقۂ فطر اگر گیہوں' گیہوں کے آٹے' یا ستو کا دے تو نصف صاع یعنی پونے دو سیر دیا جائے۔ یا اس کی قیمت ادا کی جائے۔ اگر گیہوں نہ دے بلکہ کوئی اور اناج (چاول وغیرہ) دے تو اتنا دے کہ اس کی قیمت پونے دو سیر گیہوں کے برابر ہو اور اگر جو یا جو کا آٹا دے تو پونے دو سیر کا دوگنا دے۔ (فتاویٰ ہندیہ ج ۱ ص ۱۹۲) مترجم۔) (۲) ایک آدمی کا صدقۂ فطر ایک ہی فقیر کو دے دینا صحیح ہے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ ایک آدمی کا صدقۂ فطر کئی فقیروں کو دے دیا جائے' یا کئی آدمیوں کا صدقہ ایک فقیر کو دیا جائے۔ اگرچہ افضل یہی ہے کہ ایک شخص کا فطرہ ایک مسکین کو دیا جائے۔ کئی آدمیوں کا صدقۂ فطر ایک مسکین کو دینا درست ہے مگر وہ اتنا نہ ہونا چاہئے کہ نصاب زکوٰۃ کے برابر ہو جائے۔ اس لیے کہ ایک شخص کو اس قدر دینا مکروہ ہے (الدر المختار علی ہامش رد المحتار' ج ۲' ص ۱۰۶ / مترجم۔ (۳) صدقہ ہر ایک مسلمان عاقل بالغ پر اپنی طرف سے اور چھوٹے بچوں کی طرف سے اگر وہ مالک نصاب نہ ہوں واجب ہے۔ (ہدایہ' ج ۱' ص ۱۹۰) عورت جب صاحب نصاب ہو تو فطرہ اسی پر واجب ہے' شوہر اگر ادا کرے گا تو ادا ہو جائے گا (عالمگیری' ج ۱' ص ۱۹۱) خدمت گذار غلاموں کا صدقۂ فطر بھی ادا کیا جائے' تجارت کے غلاموں کا صدقۂ فطر نہیں ہے ان کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی (حوالہ سابق) مترجم۔ (۴) کافر غلام کا صدقۂ فطر ادا کرنا بھی واجب ہے (شرح وقایہ' ج ۱' ص ۲۳۱ / مترجم۔ (۵) یہ روایت ابوداؤد میں حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے۔

دوسرا باب

زکوٰۃ کی ادائیگی' اور اس کی باطنی اور ظاہری شرائط

ظاہری شرائط : جاننا چاہیئے کہ زکوٰۃ دینے والے پر مندرجہ ذیل پانچ امور کی رعایت ضروری ہے۔

اول : نیت۔ یعنی دل میں یہ نیت کرے کہ میں زکوٰۃ ادا کر رہا ہوں۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اپنے مال کی تعیین کرے' اگر اس کا کچھ مال غائب ہو' یعنی سامنے موجود نہ ہو اور غائب مال کی زکوٰۃ یہ کہہ کر ادا کرے کہ یہ میرے غائب مال کی زکوٰۃ ہے اگر وہ باقی بچا ہو' اور باقی نہ بچا ہو تو یہ میری زکوٰۃ نفلی ہے' تو ایسا کرنا درست ہے۔ اس لیے کہ اگر وہ تصریح نہیں نہ کرتا تب بھی یہی ہوتا۔ ولی کی نیت پاگل اور نابالغ بچے کی نیت کے قائم مقام ہے۔ (۱) اور بادشاہ کی نیت اس مالک مال کی نیت کے قائم مقام ہے جو زکوٰۃ ادا نہ کرتا ہو۔ (۲) اگرچہ ایسا شخص دنیاوی احکام سے بری ہو جائے گا لیکن آخرت کے مواخذے سے بری نہیں ہوگا۔ یہاں تک کہ از سر نو زکوٰۃ ادا کرے' اگر کسی شخص نے کسی کو زکوٰۃ ادا کرنے کا وکیل بنایا' اور وکیل بناتے وقت ادائے زکوٰۃ کی نیت کرلی' یا وکیل ہی کو نیت کا اختیار بھی دے دیا تو یہ بھی صحیح ہے' اس لیے کہ وکیل کو نیت کرنے کا مجاز بنانا بھی نیت ہی ہے۔

دوم : عجلت۔ یعنی جب سال ہو جائے' اور زکوٰۃ ادا کرنے کا وقت ہو جائے تو ادا کرنے میں جلدی کرے' اور صدقۂ فطر ادا کرنے میں عید کے دن کے بعد تاخیر نہ کرے۔ (۲) صدقۂ فطر واجب ہونے کا وقت رمضان کے آخری دن آفتاب کے غروب ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ (۳) رمضان شروع ہونے کے بعد کسی وقت بھی صدقۂ فطر ادا کیا جا سکتا ہے' جو شخص قدرت کے باوجود اپنے مال کی زکوٰۃ نکالنے میں تاخیر کرے وہ گنہگار ہے۔ پھر اگر اس کا مال ضائع ہو گیا اور مستحق زکوٰۃ کے پانے پر وہ قادر ہے تو اس کے ذمے سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی۔ (۴) ہاں اگر مستحق زکوٰۃ کے نہ ہونے سے زکوٰۃ ادا کرنے میں تاخیر ہوئی' اور اس دوران مال ضائع ہو گیا تو اس کے ذمے سے زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔ زکوٰۃ ادا کرنے میں عجلت کرنا جائز ہے' بشرطیکہ یہ ادائیگی نصاب مکمل ہونے اور سال شروع ہونے کے بعد ہو' دو برس کی زکوٰۃ پہلے دینا بھی جائز ہے۔ اگر کسی شخص نے زکوٰۃ قبل از وقت ادا کردی۔ (۵) بعد میں وہ مسکین جس نے زکوٰۃ لی تھی سال گذرنے سے پہلے مر گیا' یا مرتد ہو گیا' یا اس مال کے علاوہ کسی مال کی وجہ سے وہ مالدار ہو گیا جو اس نے زکوٰۃ میں وصول کیا تھا یا مالک مال کا مال ضائع ہو گیا تو وہ مال جو اس نے دیا تھا زکوٰۃ میں شمار نہیں کیا جائے گا۔ اس مال کی واپسی بھی ممکن نہیں۔ ہاں اگر اس طرح کے امکان کو پیش نظر رکھ کر مال کی واپسی کی شرط لگائی ہو تو یہ ممکن ہے کہ دیا ہوا مال واپس مل جائے۔ اس لیے قبل از وقت زکوٰۃ دینے والے کو ان خطرات پر بھی نظر رکھنی چاہیے۔

---

(۱) احناف کے نزدیک مجنون اور نابالغ پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ یہ مسئلہ پہلے گذر چکا ہے۔ (۲) احناف کے نزدیک بادشاہ کے اس طرح ادا کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ اگر کسی نے بلا اجازت و منظوری کسی شخص کی طرف سے زکوٰۃ دے دی تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ اب اگر وہ شخص جس کی طرف سے زکوٰۃ دی گئی ہے منظور بھی کرلے تب بھی درست نہیں۔ (الدر المختار علی ہامش رد المختار' ج ۲' ص ۱۴/ مترجم۔ (۳) اگر تاخیر ہو جائے تو صدقۂ فطر معاف نہیں ہو جاتا بلکہ بعد میں کسی دن ادا کردے (ہدایہ ج ۱' ص ۱۹۱/ مترجم۔ (۴) عید کے دن فجر کے وقت سے یہ صدقہ واجب ہوتا ہے' بہتر یہ ہے کہ عید گاہ جانے سے پہلے صدقۃ الفطر ادا کردے' (عالمگیری' ج ۱' ص ۱۹۲/ مترجم۔ (۵) کسی کے مال پر پورا سال گذر گیا ہو' اور زکوٰۃ نکالنے سے پہلے وہ مال ضائع ہو گیا تو ساقط ہو جائے گی۔ ہاں اگر خود اپنا مال کسی کو دے دیا اور کسی طرح اپنے اختیار سے ہلاک کر ڈالا تو جتنی زکوٰۃ واجب ہوئی تھی وہ معاف نہیں ہوگی بلکہ دینی پڑے گی۔ (ہدایہ' ج ۱' ص ۱۷۳/ مترجم۔ (۶) ان تمام صورتوں میں احناف کے نزدیک زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (الدر المختار' ج ۱' ص ۱۳۶/ مترجم۔

سوم : یہ ہے کہ زکوٰۃ میں جو چیز منصوص ہے وہی ادا کرے' اس کی قیمت نہ دے' مثلاً "سونے کے عوض چاندی نہ دے' اور چاندی کے بدلے میں سونا نہ دے۔ اگرچہ قیمت بڑھا کر ہی کیوں نہ دے۔(۱)

بعض وہ لوگ جو اس مسئلے سے امام شافعیؒ کا مقصد نہیں سمجھتے اس معاملے میں تساہل برتتے ہیں' اور یہ سمجھتے ہیں کہ زکوٰۃ کا اصل مقصد محض فقیر کی ضرورت پوری کرنا ہے' حالانکہ ان کا یہ سمجھنا علم سے بہت دور ہے۔ یہ تسلیم ہے کہ زکوٰۃ کا ایک مقصد فقیر کی ضرورت پوری کرنا بھی ہے' مگر یہ مقصود کا ایک جزو ہے' کل نہیں ہے۔ بلکہ مقصود اس کے علاوہ بھی کچھ ہے۔ اس مقصود کے اظہار سے پہلے ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ شرع نے جو امور واجب کئے ہیں وہ تین طرح کے ہیں۔ ایک قسم میں وہ امور شامل ہیں جو محض عبادات ہیں' دوسری کوئی غرض ان سے وابستہ نہیں ہے' مثلاً حج کے دوران رمی جمار۔ اس میں محض کنکر پھینکنا مشروع ہے۔ اس سے کوئی غرض نہیں ہے کہ کنکر منزل تک پہنچے یا نہ پہنچے۔ بلکہ مقصود صرف اتنا ہے کہ بندہ اپنا عمل شروع کردے' اور اس عمل سے جس کے کوئی معنی سمجھ میں نہیں آتے بندگی اور عبودیت کاملہ کا اظہار ہو۔ اس لیے کہ طبیعت اس عمل پر معاون ہوتی ہے اور اس عمل کی طرف داعی ہوتی ہے جس کے معنی سمجھ میں آجاتے ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کے عمل سے خالص عبودیت' اور کامل بندگی ظاہر نہیں ہوتی اس لیے کہ عبودیت دراصل اس حرکت کا نام ہے جو محض معبود کے حکم پر ہو' کسی اور غرض یا مقصد کے لیے نہ ہو۔ حج کے اکثر و بیشتر اعمال اسی نوعیت کے ہیں۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا:۔

لبیک بحجة حقا تعبدا ورقا (دار قطنی' انسؓ)

میں حاضر ہوں حج کے لیے حقیقت میں بندگی اور غلامی کی راہ سے۔

اس میں تنبیہہ کی گئی ہے کہ حج کے لیے احرام باندھنا محض امر کی تعمیل اور بندگی کا اظہار کے لیے ہے۔ اس میں عقل کے لیے ایسی کوئی چیز نہیں ہے جس کی طرف میلان ہو۔ یا اس کی بنیاد پر کسی حکم کی تعمیل کی گئی ہو۔ دوسری قسم میں وہ شرعی واجبات شامل ہیں جن سے کوئی معقول غرض مقصود ہو محض عبادت مقصود نہ ہو۔ مثلاً "لوگوں کا قرض ادا کرنا۔ چھینی ہوئی چیز واپس کرنا وغیرہ۔ اس میں شک نہیں کہ ان امور میں محض قرض واپس کرنے یا چھینی ہوئی چیز لوٹانے کا عمل یا نیت کافی نہیں ہے بلکہ حقدار تک اس کا حق پہنچانا ضروری ہے۔ خواہ وہ حق بصورت اصل پہنچے' یا بصورت بدل یعنی صاحب حق کی رضامندی حاصل ہو جائے۔ اس طرح امر واجب کی تعمیل ہو جاتی ہے اور شریعت کا خطاب ختم ہو جاتا ہے۔ یہ دونوں قسمیں وہ ہیں جنھیں لوگ آسانی سے ادراک کرسکتے ہیں۔ بظاہر ان میں کسی قسم کی کوئی پیچیدگی نہیں ہے۔

تیسری قسم واجبات شرع کی وہ ہے جس میں دونوں امر پائے جائیں' یعنی بندوں کے اغراض کی تکمیل بھی ہو' اور مکلفین کی عبودیت کا اظہار بھی ہو' گویا اس قسم میں رمی جمار اور ادائیگی حقوق بیک وقت جمع ہیں۔ اور یہ امر بذات خود ایک معقول امر ہے کہ اگر شریعت بندے کو کسی ایسے واجب کی تعمیل کا حکم دے جس سے دونوں امر مقصود ہوں تو بندے کو چاہئیے کہ وہ دونوں معنی اپنے فعل میں جمع کردے' اور واضح معنی ملحوظ رکھے۔ شاید اسے یہ بات معلوم نہ ہو کہ یہی باریک ترین معنی اہم ہوتے ہیں۔ زکوٰۃ بھی اسی نوعیت کا ایک حکم ہے۔ امام شافعیؒ کے علاوہ کوئی بھی زکوٰۃ کی اس نوعیت سے واقف نہیں ہے۔ فقیر کو زکوٰۃ دے کر اس کی ضرورت پوری کرنا ایک واضح مقصد ہے' اور جلد سمجھ میں آجاتا ہے اور عبدیت کا حق ادا کرنا دوسرا شرعی مقصود ہے جو زکوٰۃ کی دوسری تفصیلات پر عمل کرنے سے واضح ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے زکوٰۃ' نماز اور حج کی طرح ایک عبادت کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس طرح نماز اور حج اسلام کے دو بنیادی رکن ہیں اسی طرح زکوٰۃ بھی اسلام کا ایک بنیادی رکن ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس عبادت

---

(۱) احناف کے نزدیک کسی چیز کی زکوٰۃ جنس سے ادا کرنا ضروری نہیں ہے۔ قیمت سے بھی زکوٰۃ ادا کی جاسکتی ہے۔ (الدر المختار علی ہامش رد المختار' ج ۲' ص ۳۹/ مترجم۔

(زکوٰۃ) کا تعب اس میں ہے کہ مالدار اپنے مال کی زکوٰۃ اسی جنس سے ادا کرے' اور پھر اس زکوٰۃ کو آٹھوں مصارف پر تقسیم کرے' اگر مال دار اس معاملے میں تساہل کرے گا تو اس سے محتاج و مسکین کے مفادات متاثر نہیں ہوں گے' البتہ عبادت کا حق صحیح طور ادا نہیں ہو گا۔

انواع کی تعیین سے شارع کا کیا مقصد ہے؟ اس کا جواب ان فقہی جزئیات کے ذیل میں ملے گا جو ہم نے اختلافی مسائل کی کتابوں میں بیان کی ہیں ان میں واضح ترین جزئیہ یہ ہے کہ شریعت نے پانچ اونٹوں میں ایک بکری واجب قرار دی ہے۔ یہاں اونٹوں کی زکوٰۃ میں اونٹ واجب کرنے کے بجائے بکری واجب کی۔ اور نقد کو اس کا بدل قرار نہیں دیا۔ یہاں اگر یہ تاویل کی جائے کہ نقد کو اس کا بدل اس لیے قرار نہیں دیا کہ عربوں کے پاس نقد روپیہ بہت کم تھا اور اس تاویل کا قلع قمع اس وقت ہو جاتا ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اونٹوں کی زکوٰۃ میں عمر کی کمی دو بکریوں سے پوری کی ہے۔(۱) دو بکریاں نہ دی جائیں تو بیس درہم دینے کا حکم دیا حالانکہ چاہیئے یہ تھا کہ بیس درہم کے بجائے وہ قیمت دی جاتی جو دو بکریوں کی ہوتی ہے اس مثال سے اور اس طرح کی دوسری تخصیصات سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ حج کی طرح زکوٰۃ بھی عبادت سے خالی نہیں ہے۔ البتہ یہ بات صحیح ہے کہ حج میں صرف ایک مقصود پیش نظر ہے' اور زکوٰۃ میں دونوں معنوں کا اجتماع ہے' کوتاہ ذہن لوگ ان مرکب واجبات کے ادراک سے عاجز ہیں۔ اسی وجہ سے اس میں غلطی واقع ہوتی ہے۔

چہارم: یہ ہے کہ ایک شہر کی زکوٰۃ دوسرے شہر منتقل نہ کی جائے۔ کیونکہ ہر شہر کے فقراء اور مساکین اپنے شہر کے مال پر نگاہ رکھتے ہیں اور آس لگائے بیٹھے رہتے ہیں۔ اپنے شہر کی زکوٰۃ کسی دوسرے شہر میں منتقل کرنے میں یہ نقصان ہے کہ ان کی امیدوں پر پانی پھر جائے گا۔ اس کے باوجود اگر کسی نے اپنی زکوٰۃ کسی دوسرے شہر کے مسکین کو دے دی تو ایک قول کے مطابق زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ اس سلسلے میں بھی خلاف کا کوئی شبہ باقی نہ رہے اس لیے شہر کی زکوٰۃ شہر ہی میں رہنی چاہیئے' اور وہاں کے غریبوں میں اس کی تقسیم ہونی چاہیئے۔(۲)

پنجم: یہ ہے کہ زکوٰۃ دینے والا اپنی زکوٰۃ مستحق کی ان تمام قسموں میں تقسیم کرے جو اس کے شہر میں موجود ہوں۔ کیونکہ زکوٰۃ اس کے تمام مصارف تک پہنچانا واجب ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک کی یہ آیت دلالت کرتی ہیں:۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ الخ (پ ۱۰' ر ۱۴' آیت ۶۰)

صدقات تو صرف حق ہے غریبوں کا اور محتاجوں کا۔

یعنی صدقات ان لوگوں تک پہنچنے چاہئیں۔ اس آیت کا مفہوم بعینہ اس مریض کی وصیت کا مفہوم ہے جو یہ کہے کہ میرا یہ تہائی مال فقراء اور مساکین کے لیے ہے' اس وصیت کا تقاضا یہی ہے کہ اس کا تہائی مال فقراء اور مساکین میں تقسیم کیا جائے۔ آیت کا منشاء بھی یہی معلوم ہوتا ہے (یہاں ایک اصول ہم یہ بیان کرتے ہیں) عبادات میں ظواہر پر زور دینے سے احتراز کرنا چاہیئے' ہر عبادت میں کچھ باطنی مقاصد بھی ہوتے ہیں' وہ بھی ملحوظ رہنے چاہئیں۔

قرآن پاک میں آٹھ مصارف زکوٰۃ بیان کئے گئے ہیں۔ ان میں سے دو مصرف اکثر و بیشتر ملکوں میں مفقود ہیں۔ ایک وہ جنھیں تالیف قلب (دلجوئی) کے لیے زکوٰۃ دی جائے۔ دوسرے زکوٰۃ وصول کرنے والے۔ چار قسمیں اکثر و بیشتر ملکوں میں موجود ہیں۔ فقراء' مساکین' قرضدار' مسافر۔ (جن کے پاس مال نہ ہو) دو قسمیں ایسی ہیں جو بعض شہروں میں پائی جاتی ہیں' اور بعض شہروں میں

---

(۱) اونٹوں کی زکوٰۃ کے بیان میں یہ مسئلہ گذر چکا ہے۔ مترجم (۲) ایک شہر کی زکاۃ دوسرے شہر میں بھیجنا مکروہ ہے لیکن اگر دوسرے شہر میں مالدار کے اعزاء میں موجود ہیں' یا اس کے شہر کی بہ نسبت دوسرے شہر کے لوگ زکوٰۃ کے زیادہ مستحق ہیں' یا دوسرے شہر کے لوگ دین کے کاموں میں لگے ہوئے ہیں تو ان کو زکوٰۃ بھیجنے میں کسی قسم کی کوئی کراہت نہیں ہے۔ (عالمگیری ج ۱ ص ۱۸۷۔ شرح التنویر ج ۱ ص ۱۴۱) مترجم۔)

نہیں پائی جاتیں۔ غازی' (۱) مکاتب (۲)

اب اگر کسی شہر میں ان آٹھ مصرفوں میں سے پانچ مصرف موجود ہیں تو زکوٰۃ دینے والے کو چاہیئے کہ وہ اپنی زکوٰۃ کے پانچ حصے کرلے' چاہے وہ حصے برابر ہوں' یا برابر نہ ہوں' پھر ایک ایک حصہ ہر صنف کے لیے متعین کردے۔ اس کے بعد ہر صنف کے حصے کو تین جگہ تقسیم کردے' یہاں بھی یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ تینوں برابر ہوں' اور نہ یہ ضروری ہے کہ ہر مصرف کے لیے تین ہی حصے کیے جائیں' بلکہ اگر ایک مصرف کے دس یا دس سے زیادہ افرد کو زکوٰۃ دیدی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ بہرحال مصارف میں تو کمی نہیں کی جاسکتی اور نہ ہر مصرف میں تین سے کم افراد کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے لیکن مصرف کے افراد میں اضافہ کیا جاسکتا ہے یا ان کے حصوں میں کمی یا بیشی کی جاسکتی ہے یہ سب کچھ اسی صورت میں ہے جب کہ یہ تمام مصارف کسی شہر میں پائے جاتے ہوں' لیکن اگر ہر مصرف کے تین افراد موجود نہ ہوں بلکہ کم ہوں تو جس قدر موجود ہوں ان ہی کو زکوٰۃ دیدی جائے۔

صدقۃ الفطر میں مقدار واجب ایک صاع ہے۔ (۳) اگر کسی شہر میں پانچ مصرف موجود ہوں تو صدقہ دینے والے کو چاہیئے کہ وہ پندرہ افراد تک یہ صدقہ پہنچائے' اگر ممکن ہونے کے باوجود کوئی ایک فرد بھی باقی رہ جائے گا۔ تو اسے اپنے پاس سے اس کا تاوان ادا کرنا ہوگا۔ اگر واجب مقدار کی قلت کے باعث اس طرح تقسیم کرنا مشکل ہو تو اسے چاہیئے کہ وہ دوسرے زکوٰۃ دینے والوں کے ساتھ اشتراک کرلے' اور اپنا مال ان کے مال میں ملادے' جب مال زیادہ ہوجائے تو تقسیم کردے۔ یا ایسا کرے کہ مستحقین زکوٰۃ کو بلا کر انھیں دے دے' تاکہ وہ آپس میں تقسیم کرلیں۔ کوئی بھی صورت اختیار کرے' بہرحال ایسا کرنا ضروری ہوگا۔ (۴)

زکوٰۃ کے باطنی آداب

راہ آخرت کے طالب کو زکوٰۃ کے باب میں مندرجہ ذیل باطنی آداب کی رعایت کرنی چاہیے۔

پہلا ادب : یہ ہے کہ زکوٰۃ کے وجوب کے اسباب پر غور کرے' یہ جاننے کی کوشش کرے کہ زکوٰۃ کے وجوب سے کیا ابتلاء اور کون سی آزمائش مقصود ہے۔ اور یہ کہ زکوٰۃ کو اسلام کا بنیادی رکن کیوں قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ مالی تصرف ہے' بدنی عبادت نہیں ہے۔ زکوٰۃ کے وجوب کی تین وجوہات ہیں:۔

پہلی وجہ : یہ ہے کہ شہادت کے دونوں کلموں کو زبان سے ادا کرنا دراصل اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اعتراف ہے۔ اور اس بات کی شہادت ہے کہ وہی ایک ذات معبود برحق ہے۔ اس کلمۂ شہادت کے مفہوم و مقتضی کی تکمیل صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ موحد کے نزدیک اس واحد و یکتا کے علاوہ کوئی محبوب نہ رہے۔ کیوں کہ محبت شرکت کو قبول نہیں کرتی۔ پھر یہ بات بھی اہم ہے کہ محض زبان سے وحدانیت کا اعتراف کرلینا کچھ زیادہ نفع نہیں دیتا' بلکہ دل میں بھی اس کے معانی پوری طرح راسخ ہونے چاہئیں۔ اور

---

(۱) یہ فی سبیل اللہ کا مصرف ہے۔ احناف کے نزدیک فی سبیل اللہ کی کچھ تفصیل ہے جو آئندہ ذکر کی جائے گی۔ مترجم (۲) یعنی وہ غلام جو اپنے آقا کو بدل کتابت ادا کرکے آزاد ہونا چاہتا ہے۔ مترجم۔ (۳) احناف کے نزدیک گیہوں میں نصف صاع اور جو وغیرہ میں ایک صاع واجب ہے۔

(۴) احناف کے نزدیک مزکی یعنی زکوٰۃ دینے والے کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی زکوٰۃ کا مال آٹھوں مصرفوں میں تقسیم کرے' یا کسی ایک مصرف کو دے دے' ہر مصرف کے ایک فرد کو زکوٰۃ کا مال دیدے یا ایک سے زیادہ افراد میں تقسیم کردے' چنانچہ طبریؒ نے اپنی تفسیر میں حسب ذیل دو روایتیں نقل کی ہیں۔
(۱) حضرت عمرؓ فرض زکوٰۃ وصول کرتے تھے اور اسے کسی ایک صنف (قسم) کو دیدیا کرتے تھے۔ (۲) ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جس مصرف میں بھی تم چاہو زکوٰۃ خرچ کردو' تمہارے لیے ایسا کرنا کافی ہوگا۔ (شرح وقایہ مع عمدۃ الرعایہ ج ۱ ص ۲۳۶) مترجم۔)

وحدہٗ لا شریک لہ کی محبت کاملہ موجود ہونی چاہیئے۔ دل کی محبت کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی محبوب چیز اس سے جدا کردی جائے۔ اور مخلوق کے نزدیک محبوب ترین چیز مال ہے اس لیے کہ مال ہی وہ ذریعہ ہے جس سے وہ دنیا کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں' اور اس سے مانوس ہوتے ہیں' اسی مال کی وجہ سے وہ موت سے نفرت کرتے ہیں' حالانکہ موت محبوب سے ملاتی ہے' یہی وجہ ہے کہ بندوں کی آزمائش اور وحدانیت کے سلسلے میں ان کی صداقت کا امتحان مال ہی کے ذریعہ ہوا۔ اور یہ حکم کیا گیا کہ اپنے دعویٰ کے ثبوت کے لیے وہ چیز ہماری راہ میں قربان کرو جو تمہاری منظور نظر اور معشوق ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (پ ۱۱' ر ۳' آیت ۱۱۱)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی۔

یہ آیت جہاد سے متعلق ہے جس میں دیدار خداوندی کے شوق میں بندہ اپنی جان قربان کردیتا ہے جو عزیز ترین شئے ہے۔ مال کی قربانی یقیناً" جان کی قربانی کے مقابلے میں آسان ہے۔ جب مال خرچ کرنے کی حقیقت معلوم ہوگئی تو اب یہ جاننا چاہیئے کہ لوگوں کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم میں وہ لوگ ہیں جنھوں نے باری تعالیٰ کی وحدانیت کا سچا اعتراف کیا' اپنے عہد کی تکمیل کی' اور اپنے تمام مال و دولت کو اللہ کی راہ میں قربان کیا' حتیٰ کہ ایک دینار یا ایک درہم بھی اس میں سے بچا کر نہ رکھا' انھیں یہ بات گوارا نہ ہوئی کہ وہ مال رکھ کر' یا صاحب نصاب بن کر زکوٰۃ کے مخاطب بنیں' اسی قسم کے بعض لوگوں سے دریافت کیا گیا کہ دو سو درہم کی زکوٰۃ کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: عوام کے لیے شریعت کا حکم یہ ہے کہ دو سو درہم میں سے پانچ درہم زکوٰۃ میں دیں' اور ہماری لیے یہ حکم ہے کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ سب اللہ کی راہ میں قربان کردیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقات کے فضائل بیان فرمائے تو حضرت ابوبکرؓ اپنا تمام مال لے کر' اور حضرت عمرؓ اپنا آدھا مال لے کر حاضر خدمت ہوئے۔ آپ نے حضرت ابوبکرؓ سے پوچھا: ابوبکرؓ گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا ہے؟ عرض کیا: گھر والوں کے لیے اللہ اور اس کا رسول ہے۔ یہی سوال آپ نے حضرت عمرؓ سے کیا' عمرؓ نے جواب دیا: یا رسول اللہ اتنا ہی مال گھر والوں کے لیے چھوڑا ہے۔ آپ نے فرمایا: تم دونوں کے درمیان اتنا ہی فرق ہے جتنا تم دونوں کے کلموں کے درمیان ہے۔ (۱) حضرت ابوبکر صدیقؓ لوگوں کی اسی قسم سے تعلق رکھتے ہیں' جنھوں نے اللہ کی راہ میں تمام مال قربان کردیا' اور اپنے پاس اللہ اور اس کے رسولوں کی محبت کے علاوہ کچھ بچا کر نہ رکھا۔ دوسری قسم میں وہ لوگ ہیں جو اپنا مال روک کے رکھتے ہیں' اور اس کے انتظار میں رہتے ہیں کہ ضرورت کے مواقع آئیں اور ہم اللہ کی راہ میں خرچ کریں۔ مال جمع رکھنے سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ضرورت کے مطابق خرچ کیا جائے۔ فضول خرچی نہ ہو' تعیش نہ ہو اور سادہ زندگی گذارنے کے بعد جو کچھ بچے وہ اللہ کی راہ میں قربان کردیا جائے۔ اور جب بھی کوئی موقع ہو خیر کے کاموں میں خرچ کردیا جائے۔ یہ لوگ زکوٰۃ کی واجب مقدار ادا کرنے پر اکتفا نہیں کرتے' بلکہ ہمت و وسعت کے مطابق کچھ زیادہ ہی خرچ کرتے ہیں۔ امام نخعیؒ' شعبیؒ' عطاءؒ اور مجاہدؒ وغیرہ تابعین کا خیال ہے کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی کچھ حقوق ہیں۔ چنانچہ جب شعبیؒ سے یہ دریافت کیا گیا کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی کوئی حق ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا: ہاں! کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا ہے:۔

وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ الخ (پ ۲' ر ۶' آیت ۱۷۷)

اور مال دیتا ہو اللہ کی محبت میں رشتہ داروں کو۔

---

(۱) یہ روایت' ترمذی' ابوداؤد اور حاکم میں ابن عمرؓ سے منقول ہے' اس میں بینکما مابین کلمتیکما کے الفاظ نہیں ہیں

ان علمائے تابعین کا استدلال مندرجہ ذیل دو آیتوں سے بھی ہے۔

وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُوْنَ (پ ۱' ر ۱' آیت ۳)

اور جو کچھ دیا ہے ہم نے ان کو اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ (پ ۳' ر ۲' آیت ۲۵۴)

خرچ کرو ان چیزوں میں سے جو ہم نے تم کو دی ہے۔

ان حضرات کا خیال ہے کہ یہ آیتیں آیت زکوٰۃ سے منسوخ نہیں ہیں' بلکہ ایک مسلمان کا دوسری مسلمان پر جو حق ہے وہ ان آیات میں بیان کیا گیا ہے' اس کے معنی یہ ہیں کہ جب کوئی ضرورت مند نظر آئے تو مالدار شخص کو چاہیے کہ وہ زکوٰۃ کے علاوہ مال سے بھی اس کی مدد کرے۔ فقہ میں جس بات کا حکم دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جب کسی مسلمان کو کوئی سخت ضرورت پیش آئے اور اس کی جان پر آبنے تو دوسرے لوگوں پر یہ فرض کفایہ ہے کہ وہ اس کی مدد کریں' کیوں کہ مسلمان کا ضائع کرنا جائز نہیں ہے' لیکن یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ مالدار کے لیے اتنا کافی ہے کہ وہ تنگ دست کی مدد قرض دے کر دے۔ جب وہ زکوٰۃ ادا کرچکا ہے تو اب مزید خرچ کرنا اس کے لیے ضروری نہیں ہے' یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ وہ تنگ دست کی ضرورت پوری کرنے کے لیے فوری طور پر کچھ مال دیدے۔ تنگ دست کو قرض قبول کرنے کا پابند بنانا درست نہیں ہے۔ بہرحال اس میں اختلاف ہے کہ قرض دیا جائے یا بلا قرض مدد کی جائے۔ قرض دینا امداد کا آخری درجہ ہے' اور یہ عوام کے لیے ہے۔ عوام کا تعلق تیسری قسم سے ہے' یہ وہ لوگ ہیں جو صرف واجب زکوٰۃ ادا کرنے پر اکتفا کرتے ہیں' کیونکہ وہ مال کے سلسلے میں بخیل اور حریص ہوتے ہیں۔ اور ان میں آخرت کی محبت بہت کم ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔

اَنْ يَّسْأَلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا (پ ۲۶' ر ۸' آیت ۳۷)

اگر تم سے تمہارے مال طلب کرے پھر انتہا درجہ تک تم سے طلب کرتا رہے تو تم بخل کرنے لگو۔

بلاشبہ اس بندے میں جس کی جان اور مال اللہ نے جنت کے عوض خرید لیے ہیں اور اس بندے میں جو بخل کی وجہ سے اللہ کی راہ میں زیادہ خرچ نہیں کرپاتا بڑا فرق ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو مال خرچ کرنے کا جو حکم دیا ہے اس کی ایک وجہ یہ تھی جو ابھی بیان کی گئی ہے' اور دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان کا دل بخل کی صفت سے پاک وصاف کردیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

ثلاث مهلكات شح مطاع وهوى متبع واعجاب المرء بنفسه (مسند بزاز' طبرانی' بیہقی)

تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں وہ بخل جس کی اطاعت کی جائے' وہ خواہش جس کی اتباع کی جائے اور خود پسندی۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (پ ۲۸' ر ۴' آیت ۹)

اور جو شخص نفسانی حرص سے محفوظ رہا ایسے ہی لوگ آخرت میں فلاح پانے والے ہیں۔

تیسری جلد میں ہم بخل کے مہلک ہونے کے اسباب اور اس سے نجات کا طریقہ بیان کریں گے۔

بخل دور کرنے کا طریقہ یہی ہوسکتا ہے کہ بندہ مال خرچ کرنے کا عادی ہوجائے۔ کسی چیز کی محبت آسانی سے ختم نہیں ہوتی' بلکہ محبت ختم کرنے کے لیے نفس پر جبر کرنا پڑتا ہے' تب جاکر کہیں نفس کسی چیز کا عادی بنتا ہے۔ اس تفصیل سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ زکوٰۃ پاک کرنے والی عبادت ہے' یعنی زکوٰۃ انسان کے دل کو بخل سے پاک کردیتی ہے' آدمی کا دل اتنا ہی پاک ہوگا جس قدر وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرے گا' اور جس قدر وہ مال خرچ کرنے سے راحت وسکون محسوس کرے گا۔ تیسری وجہ وجوب زکوٰۃ کی یہ ہے کہ نعمت پر منعم حقیقی کا شکر ادا ہوسکے۔ بندے کے نفس اور اس کے مال میں اللہ تعالیٰ کی بیشمار نعمتیں ہیں' چنانچہ جسمانی عبادات (نماز روزہ حج) اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا شکر ہیں جن کا تعلق جسم سے ہے۔ اور مالی عبادات (زکوٰۃ و صدقات) ان نعمتوں کا شکر ہیں جن کا تعلق مال سے ہے۔ کتنا کمینہ اور بد طینت ہے وہ شخص کہ جب اس کے پاس کوئی فقیر تنگئ رزق کا شکوہ کرتے ہوئے دامن طلب دراز کرے تو اس کا نفس یہ بھی گوارا نہ کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے جس نے اسے سوال سے بے نیاز کیا' اور اسی جیسے ایک انسان کو اس کا دست نگر بنایا۔ لعنت ہے اس شخص پر جو فقیر کے سوال کے باوجود اپنے مال کو چالیسواں یا دسواں حصہ نہ نکالے۔

دوسرا ادب : ادا کے سلسلے میں ہے۔ مقروض کو چاہیئے کہ وہ وقت سے پہلے ہی قرض ادا کرنے کی کوشش کرے' زکوٰۃ بھی ایک

قرض ہے' اسے بھی وقت وجوب سے پہلے ہی ادا کرنا چاہیئے تاکہ یہ ظاہر ہو کہ زکوٰۃ دینے والا حکم کی تعمیل میں رغبت رکھتا ہے اور فقراء اور مساکین کے دلوں کو فرحت دینا چاہتا ہے۔ اور اس لیے جلدی کر رہا ہے کہ زمانے کے حوادث ادائیگی کی راہ میں رکاوٹ نہ بن جائیں جو لوگ وقت وجوب سے پہلے ہی زکوٰۃ ادا کردیتے ہیں وہ یہ جانتے ہیں کہ تاخیر میں بڑی آفتیں ہیں' ان میں سے ایک بڑی آفت یہ ہے کہ وقت آنے کے بعد تاخیر کرنے میں باری تعالیٰ کی معصیت اور نافرمانی ہے۔ اور جلدی کرنے میں باری تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ جب دل میں کوئی خیر کا داعیہ پیدا ہو تو اسے غنیمت سمجھنا چاہیئے اس لیے کہ خیر کا یہ داعیہ فرشتے کا القاء کیا ہوا ہوتا ہے۔ مومن کا دل رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ہے اس کا کوئی بھروسہ نہیں' نہ جانے کب بدل جائے۔ اس لیے جب بھی دل میں خیر کا تصور ہو فوراً" عمل کے لیے تیار ہو جانا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ تاخیر سے کوئی رکاوٹ پیدا ہو جائے۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ شیطان مفلسی سے ڈراتا ہے اور فواحش و منکرات کی ترغیب دیتا ہے۔ اس لیے دل میں پیدا ہونے والے جذبۂ خیر کو غنیمت سمجھو' اور اس موقع سے فائدہ اٹھاؤ۔ اگر زکوٰۃ دینے والا کسی خاص مہینہ میں زکوٰۃ ادا کرتا ہے اسے وہ مہینہ متعین رکھنا چاہیئے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے افضل ترین اوقات کا انتخاب کرنا چاہیئے۔ تاکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی قربت میں اضافہ ہو' اور زکوٰۃ بھی زیادہ ہو جائے مثلاً" محرم الحرام میں زکوٰۃ دے' اس لیے کہ یہ سال کا پہلا مہینہ ہے' اور حرام مہینوں میں سے ایک ہے یا رمضان کے مہینے میں زکوٰۃ دے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس ماہ مبارک میں بہت زیادہ داد و دہش فرمایا کرتے تھے۔ (۱) اس مہینے میں آپ آندھی طوفان بن جایا کرتے تھے کہ جو بھی چیز گھر کی نظر پڑتی اسے خیرات کردیتے۔ کوئی بھی چیز بچا کر نہ رکھتے۔ ماہ رمضان المبارک میں شب قدر کی بڑی فضیلت ہے۔ اس رات میں قرآن پاک نازل ہوا۔ حضرت مجاہدؒ فرمایا کرتے تھے کہ رمضان مت کہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کا نام ہے' بلکہ شہر رمضان (ماہ رمضان) کہا کرو۔ ذی الحجہ کے بھی بڑے فضائل ہیں یہ حرام مہینوں میں سے ایک ہے' اس مہینے میں حج ہوتا ہے۔ اسی میں ایام میں معلومات یعنی مہینے کے ابتدائی دس دن ہیں اور اسی میں ایام معدودات یعنی ایام تشریق ہیں۔ رمضان المبارک کے مہینے کے آخری دس روز اور ماہ ذی الحجہ کے ابتدائی' دس روز زیادہ افضل ہے۔

تیسرا ادب : یہ ہے کہ زکوٰۃ چھپا کردے' چھپا کر دینے میں ریاکاری اور طلب شہرت کا گمان نہیں ہوتا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

افضل الصدقة جهد المقل الى فقير فی سر (ابوداؤد' حاکم۔ ابوہریرہؓ)

بہترین صدقہ یہ ہے کہ مفلس و بے مایہ شخص کسی فقیر کو پوشیدہ طور پر کچھ دے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ تین چیزیں خیرات کے خزانوں میں سے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ چھپا کر صدقہ دیا جائے۔ یہ قول سند بھی منقول ہے۔ (۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

ان العبد ليعمل عملا فی السر' فیکتبه الله له سرا فان اظهر نقل من السر و کتب فی العلانية فان تحدث به نقل من السر و العلانية و کتب رياء۔

(خطیب بغدادی فی التاریخ۔ انسؓ)

کہ بندہ جب کوئی کام پوشیدہ طور پر کرتا ہے تو اسے خفیہ رجسٹر میں لکھا جاتا ہے' پھر اگر وہ اس کو ظاہر کردیتا ہے تو خفیہ رجسٹر سے کھلے رجسٹر میں لکھ دیتا ہے اور اگر وہ بندہ اس عمل کے بارے میں کسی اور کو کچھ بتلاتا ہے

---

(۱) بخاری و مسلم میں ابن عباسؓ کی روایت ہے۔ "کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اجود الخلق واجود ما یکون فی رمضان۔" (۲) یہ قول ابو نعیم نے کتب الایجاز و جوامع الکلم میں ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے۔ سند ضعیف۔

تو اسے خفیہ اور کھلے رجسٹروں سے منتقل کرکے ریاکاری کے رجسٹر میں لکھ دیتا ہے۔
ایک مشہور حدیث میں ہے:۔

سبعة يظلهم الله يوم لا ظل الا ظله احدهم رجل تصدق بصدقة فلم تعلم شماله بما اعطيت يمينه۔ (بخاری و مسلم' ابو ہریرہؓ)

سات آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انھیں اس روز سائے میں رکھے جب اس کے عرش کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔۔۔ ان سات میں سے ایک وہ شخص ہے جس نے کوئی چیز اس طرح صدقہ کی کہ اس کے بائیں ہاتھ کو یہ معلوم نہ ہوسکا کہ دائیں ہاتھ نے کیا چیز دی ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

صدقة السر تطفئ غضب الرب۔

چھپا کر صدقہ دینا اللہ تعالیٰ کے غصہ کو ٹھنڈا کردیتا ہے۔(۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ (پ ۳' ر ۵' آیت ۲۷۱)

اگر اگر ان کا اخفاء کرو' اور فقیروں کو دے دو تو یہ اخفاء تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے۔

چھپا کر دینے میں یہ فائدہ ہے کہ آدمی ریاکاری اور طلب شہرت کی معصیت سے محفوظ رہتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

لا يقبل الله من مسمع ولا مراء ولا منان(۲)

اللہ تعالیٰ طالب شہرت ریاکار' اور احسان جتانے والے سے (صدقہ وغیرہ) قبول نہیں کرتا۔

جو شخص صدقہ دے کر لوگوں سے کہتا پھرتا ہے کہ وہ شہرت کا طالب ہے۔ اور جو بہت سے لوگوں کے سامنے صدقہ دیتا ہے وہ ریاکار ہے' ان دونوں برائیوں سے نجات کا واحد راستہ یہی ہے کہ خیر کا کام چھپ کر کیا جائے بعض لوگوں نے اس سلسلے میں اتنا مبالغہ کیا ہے کہ جب کچھ دیتے تو یہ کوشش کرتے کہ لینے والا بھی انھیں نہ دیکھ پائے' چہ جائیکہ دوسرے لوگ دیکھیں۔ چنانچہ اپنے آپ کو لینے والوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھنے کے لیے یہ کرتے کہ کسی اندھے کے ہاتھ پر صدقہ کی رقم رکھ دیتے' یا کسی فقیر کے راستے میں یا اس کے بیٹھنے کی جگہ پر رکھ کر چلے آتے۔ بعض لوگ سوئے ہوئے فقیر کے کپڑے میں باندھ دیتے' یا کسی درمیانی شخص کے ذریعہ بھجوادیتے اور اسے یہ ہدایت کردیتے کہ دینے والے کا نام ہرگز ظاہر مت کرنا۔ یہ سب تدبیریں اس لیے اختیار کی جائیں تاکہ اللہ تعالیٰ کا غصّہ ٹھنڈا ہو' اور وہ انہیں طلبِ شہرت و ریاکاری جیسے امراض سے بچائے۔

اگر یہ ممکن نہ ہو کہ کسی شخص کے جانے بغیر زکوٰۃ ادا کی جاسکے تو زکوٰۃ دینے والے کو چاہیئے کہ وہ زکوٰۃ کا مال اپنے کسی وکیل کے سپرد کردے تاکہ وہ کسی مستحق کو دے دے اور اسے یہ خبر نہ ہوسکے کہ کس نے دیا ہے اس لئے کہ مسکین کے پہچاننے میں ریا بھی ہے اور احسان بھی۔ درمیانی واسطے کے پہچاننے میں ریا تو ہے لیکن احسان نہیں۔ کیونکہ درمیانی شخص تو محض ذریعہ ہے' مال تو کسی اور کو دیا جارہا ہے۔ اگر صدقہ دینے والا اپنے اس عمل سے شہرت یا جاہ کا طالب ہے تو اس کا یہ عمل لغو ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ و صدقات کی مشروعیت دل

---

(۱) یہ روایت ابوامامہؓ سے طبرانی میں ضعیف سند کے ساتھ منقول ہے' ترمذی میں ابوہریرہؓ کے حدیث کے الفاظ ہیں "ان الصدقة لتطفئ غضب الرب"۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے کہ ابن حبان میں روایت انسؓ سے منقول ہے لیکن یہ بھی ضعیف ہے۔ (2) یہ حدیث اس سند کے ساتھ جو احیاء العلوم میں منقول ہے مجھے نہیں ملی۔

سے مال کی محبت دور کرنے، اور بخل ختم کرنے کے لئے ہوئی ہے۔ جاہ اور شہرت کی محبت مال کی محبت کے مقابلے میں زیادہ دیرپا ہے یہ دونوں محبتیں آخرت میں مہلک ثابت ہوں گی۔ جاہ اور شہرت کی محبت بھی اور مال کی محبت بھی، قبر میں بندے کے سامنے بخل کی صفت ڈسنے والے بچھو کی شکل میں آئے گی، اور ریاکاری کی صفت سانپ کی شکل میں۔ بندے کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ دل کے ان سانپ بچھوؤں کا خاتمہ کرے۔ اب اگر وہ صدقہ دیتا ہے اور اس کے ساتھ ریاکاری بھی کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بچھو کو سانپ کی غذا بنا رہا ہے۔ ظاہر ہے بچھو جس قدر کمزور ہوگا۔ سانپ اسی قدر توانا اور زہریلا ہوگا۔ اس سے تو یہی بہتر تھا کہ وہ بخل ہی اختیار کئے رہتا۔ اس سے کیا فائدہ کہ جذبۂ بخل کے خلاف کرے اور ریاکاری کی خواہش پر آمنا صدقنا کہے۔ اس سے یہ ہوگا کہ کمزور مزید کمزور ہو جائے گا اور طاقتور کو مزید قوت حاصل ہو جائے گی۔ جلد سوم میں ہم ان اوصاف کے اسرار و رموز بیان کریں گے۔

<u>چوتھا ادب</u>:- یہ ہے کہ جہاں اظہار و اعلان کی ضرورت ہو وہاں اس سے گریز نہ کرے اور وہ ضرورت یہ ہو سکتی ہے کہ اس کے اظہار سے دوسرے لوگوں کو تحریک ہوگی اور وہ بھی اس کی اقتداء کریں گے۔ اس صورت میں بھی ریا سے بچنا بہت ضروری ہے۔ ریاء سے بچنے کا طریقہ ہم کتاب الریاء میں ذکر کریں گے۔ انشاء اللہ العزیز۔

علی الاعلان یعنی ظاہر کر کے دینے کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

إِن تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ۔ (پ ۳ ر ۵ آیت ۲۷۱)

اگر تم ظاہر کر کے دو صدقوں کو تب بھی اچھی بات ہے۔

لیکن اس کا اطلاق اس جگہ ہوگا جہاں علی الاعلان دینے میں خیر کا پہلو ہے۔ دوسرے لوگوں کی اقتداء کے لئے بھی ایسا کیا جا سکتا ہے اور اگر سوال کرنے والے نے مجمع عام میں دست طلب دراز کیا ہے تب بھی صدقہ میں اظہار جائز ہے۔ بلکہ اگر اس طرح کی کوئی صورت پیش آئے تو ریا کے خوف سے صدقہ نہ چھوڑنا چاہیئے بلکہ سائل کی مدد کرنی چاہیئے۔ البتہ یہ کوشش ضرور ہونی چاہیئے کہ باطن ریا سے محفوظ رہے۔ ظاہر کر کے دینے میں ریا اور من کے علاوہ ایک برائی اور بھی ہے اور وہ ہے فقیر کی توہین۔ کوئی بھی فقیر یہ پسند نہیں کرتا کہ اسے محتاج سمجھا جائے۔ ہاں اگر مجمع عام میں مانگ کر اس نے خود اپنی توہین کی ہے تو اب ظاہر کر کے صدقہ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے دینے والے کے حق میں اس تیسری خرابی کا اعتبار نہیں ہوگا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص فسق میں مبتلا ہو اور اسے چھپاتا بھی ہو۔ اس صورت میں دوسرے لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کا فسق ظاہر نہ کریں، نہ اس کی جستجو کریں نہ غیبت کریں۔ ہاں اگر وہ شخص اپنے فسق کا اظہار بھی کرتا ہے تو دوسرے لوگوں کے لئے بھی اظہار منع نہیں ہے۔ بلکہ اس کے فسق کا اظہار و اعلان ہی اس کی سزا ہے اور وہ خود اپنی سزا کا سبب بن رہا ہے۔ اسی قسم کا ایک مضمون ذیل کی حدیث میں وارد ہے۔

من القى جلباب الحياء فلا غيبة له۔ (ابن حبان فی الضعفاء۔ انسؓ)

جس نے شرم کا پردہ اٹھا دیا اس کی غیبت غیبت نہیں ہے۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً۔ (پ ۱۳ ر ۹ آیت ۲۲)

اور جو کچھ ہم نے ان کو روزی دی ہے اس میں سے چپکے بھی اور ظاہر کر کے بھی خرچ کرتے ہیں۔

اس آیت میں اعلانیہ دینے کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ علانیہ دینے میں دوسرے لوگوں کے لئے ترغیب کا سامان موجود ہے بندے کو نفع و ضرر دونوں پر نظر رکھنی چاہیئے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سلسلے میں کوئی یکساں معیار مقرر نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ اس کا بہت کچھ

تعلق مختلف اوقات اور مختلف احوال سے ہے، چنانچہ بعض اوقات بعض اشخاص کے سلسلے میں یہی بہتر ہوتا ہے کہ صدقہ میں اظہار کیا جائے۔ جو شخص فوائد اور نقصانات پر نظر رکھے اور ذہن سے شہرت کا تصور نکال پھینکے وہ یہ بات سمجھ لے گا کہ کب کون سا طریقہ زیادہ بہتر اور زیادہ مناسب ہے۔

پانچواں ادب:۔ یہ ہے کہ اپنا صدقہ من اور اذی سے باطل نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

لَا تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی۔ (پ ۳، ر ۴، آیت ۲۶۴)

احسان جتلا کر یا ایذا پہنچا کر اپنی خیرات کو برباد مت کرو۔

مَنّ اور اذٰی کی حقیقت میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ مَنّ یہ ہے کہ صدقہ کا ذکر کیا جائے اور اذٰی کے معنی یہ ہیں کہ صدقہ ظاہر کر کے دیا جائے۔ حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص مَنّ کرتا ہے اس کا صدقہ بیکار ہو جاتا ہے۔ ان سے کسی نے دریافت کیا مَنّ کیا ہے؟ جواب دیا کہ مَنّ یہ ہے کہ صدقہ دے کر لوگوں سے اس کا ذکر کرے۔ بعض حضرات کی رائے میں مَنّ یہ ہے کہ فقیر کو صدقہ دے کر اس سے کوئی خدمت لے، اور اذی یہ ہے کہ اس کو فقیری کا طعنہ دے۔ کچھ دوسرے علماء کی رائے میں مَنّ صدقہ دے کر اترانے اور غرور کرنے کا نام ہے اور اذی یہ ہے کہ مانگنے پر ڈانٹے ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لا یقبل اللہ صدقۃ منان (۱)

اللہ تعالیٰ احسان رکھنے والے کا صدقہ قبول نہیں کرتا۔

مَنّ و اذی کی حقیقت:۔ میرے نزدیک مَنّ کی ایک جڑ اور ایک بنیاد ہے، اس کا تعلق قلب کے احوال اور اوصاف سے ہے۔ پھر صفت کے احوال زبان اور اعضاء پر ظاہر ہوتے ہیں، چنانچہ من کی اصل یہ ہے کہ آدمی دل میں اپنے صدقے کو احسان یا انعام تصور کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ میں نے فقیر کو کچھ رقم دے کر اس پر بڑا احسان کیا ہے یا اسے انعام سے نوازا ہے۔ حالانکہ اسے یہ سمجھنا چاہئے تھا کہ فقیر میرا محسن اور منعم ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کا حق مجھ سے وصول کر لیا۔ اور وہ حق ایسا ہے کہ ادا کرنے کے بعد مجھے دوزخ کی آگ سے نجات ملے گی اور میرا باطن پاک صاف ہو جائے گا۔ اگر وہ یہ صدقہ قبول نہ کرتا تو میں اس حق کے بوجھ تلے دبا رہتا اور مجھے گلوخلاصی نصیب نہ ہوتی۔ بہتر یہ تھا کہ وہ فقیر کے اس احسان کا شکر ادا کرتا کہ اس نے اپنا ہاتھ صدقہ وصول کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کے قائم مقام کر دیا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

إن الصدقۃ تقع بید اللہ عزوجل قبل أن تقع في ید السائل

صدقہ مانگنے والے کے ہاتھ میں پڑنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں پڑتا ہے۔

دینے والے کو یہ بات سمجھنی چاہئے کہ وہ جو کچھ دے رہا ہے اللہ تعالیٰ کو دے رہا ہے، فقیر پر اس کا کوئی احسان نہیں ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنا رزق وصول کر رہا ہے۔ مال پہلے اللہ تعالیٰ کا ہوتا ہے پھر وہ فقیر کو ملتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی مال دار کا کسی شخص کے ذمے کوئی قرض ہو۔ اور وہ قرض وصول کرنے کیلئے اپنے کسی ایسے خادم یا ملازم پر احسان کر رہا ہو تو یہ اس کی حماقت اور جہالت ہے۔ کیونکہ اس کا محسن تو وہ شخص ہے جو اس کے خورد و نوش کا کفیل ہے۔ یہ شخص تو قرض چکا رہا ہے۔ قرض ادا کرنے میں خود اسی کا فائدہ ہے۔ کسی دوسرے پر کوئی احسان نہیں ہے۔ اگر وجوب زکوٰۃ کی تینوں وجوہات (۲) اچھی طرح سمجھ لیتا یا ان میں

(۱) یہ حدیث مجھے نہیں مل سکی۔ (۲) یہ تینوں وجوہات پچھلے صفحات میں بیان کی جا چکی ہیں۔

سے کوئی ایک وجہ بھی ذہن نشیں کرلیتا تو ہرگز اس غلط فہمی میں مبتلا نہ رہتا کہ میں زکوٰۃ دے کر کسی قسم کا کوئی احسان کر رہا ہوں بلکہ یہ سمجھتا کہ میں خود اپنے آپ پر احسان کر رہا ہوں یا تو اللہ کی محبت کے لئے مال خرچ کر کے، یا بخل کی برائی سے اپنے قلب کو پاک کر کے یا اللہ کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کر کے۔ کچھ بھی ہو اس کے اور فقیر کے درمیان کسی قسم کا کوئی معاملہ ایسا نہیں ہے جس سے دینے والے کا احسان ثابت ہو۔

مالدار نے جب یہ اصول نظر انداز کیا، اور اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گیا کہ میں فقراء پر احسان کرتا ہوں تو اس سے وہ عمل ظاہر ہوا جسے ہم من سے تعبیر کرتے ہیں، یعنی اس نے زکوٰۃ دے کر دوسرے لوگوں کو بتلایا، علانیہ زکوٰۃ دی تاکہ دوسرے لوگ دیکھ لیں اور زکوٰۃ کے عوض میں فقراء سے خدمت، تشکر، دعاء اور اعزاز و اکرام کی خواہش کی، اور یہ تمنا کی کہ لوگ اسے مجلس میں آگے جگہ دیں اور اس کی اتباع کریں یہ تمام چیزیں مَنّ کا ثمرہ ہیں۔

اذی کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ فقیر کو ڈانٹا جائے اسے لعنت ملامت کی جائے، اس سے سخت بات کی جائے۔ جب وہ مانگنے آئے تو دینے والا ترش روئی اختیار کرے، فقیر کی توہین کے ارادے سے علانیہ زکوٰۃ دے یا اسی طرح اور طریقے اختیار کرے جن سے فقیر کی توہین ہوتی ہو۔

باطن میں اذی کی یہ دو صورتیں ہوتی ہیں ایک یہ کہ ہاتھ سے مال نکلنے پر ملولِ خاطر ہو اور نفس پر گرانباری محسوس کرے۔ مخلوق کیلئے مال کی جدائی بڑی دشوار ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اپنے آپ کو محتاج سے افضل تصور کرے اور یہ سمجھے کہ مانگنے والا شخص اپنی ضرورتوں کی وجہ سے مرتبے میں مجھ سے کم ہے۔ یہ دونوں باتیں جہالت سے پیدا ہوتی ہیں۔ جہاں تک اس کا تعلق ہے کہ ہاتھ سے مال جانے پر غمزدہ ہو یا اسے برا سمجھے تو اس سے زیادہ مبنی بر حماقت چیز اور کوئی نہیں ہے۔ ایک ہزار میں سے ایک روپیہ خرچ کرنا کسی احمق ہی کو برا لگے گا، عقلمند تو یہ بات سوچ بھی نہیں سکتا۔ پھر یہ بات بھی اسے معلوم ہے کہ یہ ایک روپیہ خواہ مخواہ خرچ نہیں کیا جا رہا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے اور آخرت میں اجر و ثواب حاصل کرنے کے لئے خرچ کیا جا رہا ہے۔ یقیناً اللہ کی رضا اور آخرت کا ثواب اس مال سے بدرجہا افضل و اشرف ہے جو وہ نعمت خداوندی پر شکر اور بخل کی برائی سے اپنے نفس کو پاک کرنے کے لئے اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔ دوسری صورت بھی سراسر جہالت ہے اس لئے کہ اگر دولتمند شخص مالداری کے مقابلے میں مفلسی کی فضیلت اور دولت مندوں کو پیش آنے والے خطرات سے آگاہ ہوتا تو کبھی فقراء کی توہین نہ کرتا۔ بلکہ اپنے دروازے پر ان کی آمد سے برکت حاصل کرتا اور اس درجے کی تمنا کرتا جس پر اہل ثروت فائز ہیں۔ اہل دولت پر فقراء کی ادنیٰ سی فضیلت کا عالم یہ ہے کہ نیک دولت مند فقراء سے پانچ سو برس بعد جنت میں داخل ہوں گے۔ اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ھم الاخسرون ورب الکعبۃ۔ — بخدا وہی ہیں زیادہ نقصان اٹھانے والے۔

ابوذرؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ وہ کون لوگ ہیں۔ جن کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا جا رہا ہے؟

فرمایا۔ ھم الاکثرون اموالا۔

جن لوگوں کے پاس دولت بہت زیادہ ہے۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ اہل دولت فقراء کو حقیر کیوں سمجھتے ہیں۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے دولت مند کو فقیر کی تجارت بنا دیا ہے! اس جملے کی تفصیل یہ ہے کہ مالدار جدوجہد کرتا ہے، دولت کماتا ہے اور اس میں اضافہ کرتا ہے۔ رات دن اس کی حفاظت میں لگا رہتا ہے، اس محنت اور جدوجہد کے بعد اس پر یہ لازم کیا جاتا ہے کہ وہ فقیر کو بقدر ضرورت دے اور ضرورت سے زائد نہ دے، یعنی

اتنا نہ دے جو اس کے لئے مضر ثابت ہو۔ اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ دولت مند فقیر کی روزی کمانے کے لئے کاروبار کرتا ہے یقیناً فقیر (محتاج) اس سے افضل ہے۔ بیچارا دولت مند تو دوسرے کے بوجھ اٹھانے کے لئے ہے، وہ دوسروں کے لئے مشقتیں برداشت کرتا ہے، جو مال سب سے بچ جاتا ہے مرتے دم تک اس کی حفاظت کرتا ہے۔ جب مرجاتا ہے تو اس کے دشمن اس کا مال کھاتے ہیں۔ اگر دولت مند کے دل سے مال دینے کی برائی نکل جائے۔ جب مال دے تو دل تکلیف کے بجائے خوشی محسوس کرے اور یہ سمجھے کہ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے ایک فرض کی ادائیگی کی توفیق عطا فرمائی۔ اس فقیر کو بھیج دیا کہ اس کو مال دے کر ایک بڑی ذمہ داری سے سبکدوشی نصیب ہوگی۔ اگر دولت مند کے دل میں یہ جذبات ہوں تو یقیناً اذی نہ پائی جائے گی۔ نہ ترش روئی ہوگی' اور نہ لعنت ملامت' نہ زجر و توبیخ' بلکہ فقیر کو دے کر خوش ہوگا' اس کی تعریف کرے گا' اور اس عظیم احسان پر اس کا شکر گزار ہوگا۔

اس تفصیل سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ من اور اذی کی بنیاد اس پر ہے کہ دینے والا خود کو محتاج کا محسن سمجھتا ہے۔ یہاں تم یہ کہہ سکتے ہو کہ ایسی کوئی علامت بتلایئے جس سے یہ سمجھ میں آئے کہ دینے والے نے اپنے نفس کو محسن نہیں سمجھا؟ جاننا چاہیے کہ اس کی ایک واضح علامت ہے' اور وہ یہ ہے کہ دولت مند شخص یہ تصور کرلے کہ فقیر نے اس کا کچھ نقصان کردیا ہے' یا وہ اس کے دشمن سے جاملا ہے' اب دل کو ٹٹولے اور یہ دیکھے کہ فقیر کو صدقہ دینے سے پہلے اگر اس طرح کی کوئی صورت پیش آتی اور طبیعت کو بری لگتی اتنی ہی برائی اب بھی ہے یا کچھ زیادہ ہے' اگر زیادہ ہے تو یہ سمجھ لو کہ اس کے صدقہ میں من ضرور موجود ہے۔ اسی لئے کہ اس نے صدقہ دینے کے بعد اسکی توقع کی ہے جو صدقہ دینے سے قبل نہیں کی تھی۔

ایک اور سوال کا جواب

یہاں ایک دریافت طلب امر اور بھی ہے' اور وہ یہ ہے کہ یہ ایک ایسا دقیق معاملہ ہے کہ مشکل ہی سے کسی کا دل اس مرض سے خالی ہوتا ہوگا۔ جب یہ مرض اور اس کی علامت بیان کردی گئی ہے تو اب اس کا علاج بھی بیان کیا جانا چاہیے؟ یہ ایک مرض ہے' اور اس کے دو علاج ہیں' ایک ظاہری اور دوسرا باطنی۔ باطنی علاج تو ان حقائق کا علم حاصل کرنا ہے جو وجوب زکوٰۃ کی وجوہات ثلاثہ کے ذیل میں بیان کئے گئے ہیں۔ اور اس بات کو جاننا ہے کہ فقیر ہمارا محسن ہے۔ اس لئے کہ وہ ہمارا صدقہ قبول کرکے ہمارے نفس کی تطہیر کرتا ہے۔ ظاہری علاج یہ ہے کہ صدقہ دینے والا اپنے عمل سے یہ ثابت کرے کہ وہ فقیر کا ممنون احسان ہے' اور اس کے اس عظیم احسان پر شکر گزار ہے۔ کیونکہ جو افعال انسان سے صادر ہوتے ہیں دل کو اسی رنگ میں رنگ دیتے ہیں اگر ان افعال کا منبع اخلاق حسنہ ہو تو دل بھی اخلاق حسنہ کا مرکز بن جاتا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل ہم کتاب کی تیسری جلد میں بیان کریں گے۔

بعض اکابرین سلف اپنا صدقہ فقیر کے سامنے رکھ دیا کرتے تھے' اور دست بستہ کھڑے ہو کر یہ گزارش کرتے کہ یہ حقیر صدقہ قبول کرلیجئے۔ گویا وہ خود سوال کرنے والے کی حیثیت اختیار کرلیتے' اور لینے والا مسئول بن جاتا۔ انہیں یہ بات پسند نہیں تھی کہ فقراء ان کے دروازے پر خود چل کر آئیں بلکہ ان کے لئے قابل فخر بات یہ تھی کہ وہ فقراء کے پاس پہنچیں' اور اپنے صدقات ان کی خدمت میں پیش کریں۔ بعض بزرگان دین فقراء کو کچھ دیتے تو اپنا ہاتھ نیچے رکھتے تاکہ لینے والے کا ہاتھ بلند رہے۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ جب سائل کو کچھ بھجواتیں تو لے جانے والے شخص کو یہ تاکید کردیتیں کہ جو کچھ دعائیہ الفاظ سائل کے وہ سب انہیں ضرور بتلائے جائیں' جب قاصد آکر بتلاتا تو یہ دونوں بعینہ وہی الفاظ اس کے حق میں استعمال کرتیں' اور فرماتیں کہ ہم نے دعا کا بدلہ اس لئے چکا دیا تاکہ ہمارا صدقہ بچا رہے ——— اکابرین سلف فقراء اور سائلین سے دعا کی توقع بھی نہیں رکھتے تھے۔ اس لئے کہ دعا بھی ایک طرح کا بدلہ ہی ہے' اگر کوئی فقیر انہیں صدقہ لینے کے بعد دعا دیتا تو وہ حضرات بھی اس کے حق میں دعا کردیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمر ابن الخطابؓ اور ان کے بیٹے حضرت عبداللہؓ کا یہی معمول تھا۔ ارباب قلوب اپنے دلوں کے امراض

کا علاج اسی طرح کیا کرتے تھے۔ ان اعمال کے علاوہ جو تواضع اور انکساری پر دلالت کرتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ فقیر ان کا محسن ہے' وہ فقیر کے محسن نہیں ہیں' ان امراض کا کوئی ظاہری علاج نہیں ہے۔ باطنی علاج کی حیثیت علم کی ہے' اور ظاہری علاج کی حیثیت عمل کی ہے۔ دل کا علاج علم و عمل کے معجون ہی سے ممکن ہے۔ زکوٰۃ میں من اور اذی کی شرط ایسی ہی ہے جیسے نماز میں خشوع اور خضوع کی شرط۔ جیسا کہ ذیل کی احادیث سے ثابت ہوتا ہے :۔

لیس للمرء من صلاته الا ما عقل منها (۱)

آدمی کے لئے اس کی نماز میں سے صرف وہ مقدار ہے جسے وہ سمجھ کر پڑھے۔

لا یتقبل اللہ صدقة منان (۲)

اللہ تعالیٰ احسان جتلانے والے کا صدقہ قبول نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ۔ (پ ۳ ر ۴ آیت ۲۶۴)

اپنے صدقات کو من و اذی سے باطل نہ کرو۔

یہ صحیح ہے کہ فقہاء کے نزدیک من و اذی کے ساتھ دی گئی زکوٰۃ صحیح ہوگی اور دینے والا بری الذمہ قرار دیا جائے گا۔ ہم نے کتاب الصلاۃ میں اس موضوع پر خاصی گفتگو کی ہے۔

چھٹا ادب : یہ ہے کہ اپنے عطیہ کو حقیر سمجھے' اس لئے کہ اگر وہ اسے بڑا سمجھے گا تو عجب کرے گا' اور عجب مہلک برائیوں میں سے ہے۔ عجب سے عمل باطل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :۔

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا۔ (پ ۱۰ ر ۱۰ آیت ۲۵)

اور حنین کے دن بھی جب کہ تم کو اپنے مجمع کی کثرت سے غرہ ہو گیا تھا' پھر وہ کثرت تمہارے لئے کچھ کار آمد نہ ہوئی۔

کہا جاتا ہے کہ اطاعت جس قدر حقیر سمجھی جاتی ہے' اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسی قدر بڑی ہوتی ہے۔ اور معصیت جس قدر بڑی سمجھی جاتی ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسی قدر حقیر ہوتی ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ خیرات تین چیزوں کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ (۱) اسے حقیر اور معمولی سمجھنا (۲) جلد ادا کرنا (۳) چھپا کر دینا --- خیرات کو زیادہ سمجھنا یہ من اور اذی کے علاوہ تیسری برائی ہے۔ اس لئے کہ اگر کوئی شخص مسجد یا رباط کی تعمیر میں اپنا مال صرف کرے' اور یہ سمجھے کہ میں نے بڑا کام کر لیا ہے یا بہت زیادہ دولت خرچ کردی ہے تو یہ استعظام (بڑا سمجھنے) کی ایک صورت ہے من اور اذی کو اس میں دخل نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ من اور اذی الگ چیز ہے' اور استعظام الگ چیز ہے۔

استعظام اور عجب تمام عبادتوں میں پایا جا سکتا ہے۔ یقیناً" یہ ایک مرض ہے' اور دیگر امراض کی طرح اس کا بھی علاج ہے' ظاہری بھی اور باطنی بھی۔ گویا اس کا علاج علم سے بھی ہوتا ہے اور عمل سے بھی۔ علم کا علاج اس طرح ہے کہ جب زکوٰۃ دے تو یہ سمجھے کہ چالیسواں یا دسواں حصہ بڑا نہیں ہے' بلکہ یہ آخری درجہ ہے جسے اس نے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے پسند کیا ہے۔ جیسا کہ وجوب زکوٰۃ کے ضمن میں ہم نے انفاق کے تین درجے بتلائے ہیں' دولت مند کو اس

---

(۱) یہ حدیث کتاب الصلاۃ میں گزر چکی ہے۔ (۲) یہ حدیث کتاب الزکوٰۃ کے اسی باب میں گزری ہے

آخری درجے کے انفاق پر عجب کرنے کے بجائے شرم کرنی چاہیے۔ اگر وہ اپنا تمام مال بھی خرچ کردیتا تب بھی اسے عجب یا استعظام کا کوئی حق نہیں تھا۔ اس لئے کہ اسے یہ سوچنا چاہیے تھا کہ یہ مال و دولت اسے کہاں سے نصیب ہوئی ہے؟ اور کہاں خرچ کررہا ہے؟ بلاشبہ مال اللہ کا ہے' یہ اس کا احسان ہے کہ اس نے اپنا مال اسے عطا کیا' اور یہ بھی اس کا انعام ہے کہ اپنے دیئے ہوئے مال کو خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اسے کیا حق ہے کہ وہ عجب یا استعظام میں مبتلا ہو جبکہ وہ اللہ ہی کی ملک کو اس کے حکم پر اسی کے راستے میں خرچ کررہا ہے' اور یہ انفاق بھی بلا مقصد نہیں ہے' بلکہ مقصد آخرت کا اجر و ثواب حاصل کرنا ہے' اس صورت میں استعظام کا کوئی جواز ہی سمجھ میں نہیں آتا۔

عمل کا علاج یہ ہے کہ شرمندگی اور ندامت کے ساتھ صدقہ و خیرات کرے' اس لئے کہ اس نے اللہ کے دیئے ہوئے مال میں بخل کیا' اور اس میں ایک حقیر مقدار خرچ کی' یہ خجالت اور ندامت کچھ ایسی ہونی چاہیے جیسے کسی شخص پر اس وقت طاری ہو جب کوئی کسی کو اپنے مال کا امین بنا کر چلا جائے' اور پھر اپنی امانت واپس لے' تو امین مال امانت میں سے کچھ واپس کردے' اور کچھ اپنے پاس رکھ لے۔ مال کا مالک اللہ ہے' اور اس کے نزدیک محبوب عمل یہ ہے کہ اپنا تمام مال حق کے راستے میں قربان کردیا جائے لیکن اس نے بندوں کو اس محبوب عمل کا مکلف نہیں بنایا کیونکہ وہ اپنے فطری بخل کے باعث بڑی دشواری میں پڑجاتے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے :۔

فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوا

(پ ۲۶ ر ۸ آیت ۳۷)

پھر (اگر) انتہا درجے تک طلب کرتا رہے تو تم بخل کرو۔

<u>ساتواں ادب</u> : یہ ہے کہ صدقہ کرنے کے لئے اچھا' اور پاک و طیب مال منتخب کرے' اس لئے کہ اللہ تعالیٰ پاک ہے وہ پاک مال ہی قبول کرتا ہے' صدقہ مشتبہ مال سے ادا نہ کیا جائے' اس لئے کہ یہ ممکن ہے کہ وہ مشتبہ مال اس کی ملکیت ہی نہ ہو اگر ایسا ہو تو صدقہ ادا نہیں ہوگا چنانچہ ابانؓ حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔

طوبى لعبد انفق من مال اكتسبه من غير معصية

(ابن عدی۔ بزار)

خوشخبری ہو اس شخص کے لئے جس نے اس مال سے خرچ کیا ہو جسے اس نے گناہ کے بغیر کمایا ہے۔

اگر نکالا ہوا مال پاک و طیب نہیں ہوگا تو یہ سوء ادبی ہوگی' اس لئے کہ دینے والے نے اپنے لئے' اپنے اہل خانہ اور خدام کے لئے تو بہترین مال بچا کر رکھا ہے' اور انہیں اللہ تعالیٰ پر ترجیح دی ہے۔ اگر وہ اپنے مہمان کے ساتھ یہ معاملہ کرتا اور گھٹیا کھانے سے اس کی ضیافت کرتا تو یقیناً" وہ مہمان اس کا دشمن ہوجاتا۔ یہ تو اس وقت ہے جب دینے والا اللہ تعالیٰ کے لئے دے' اور اس سے کسی عوض کا خواہش مند نہ ہو' اور اگر انفاق سے اس کا مطمع نظر اس کا اپنا نفس ہو یا وہ آخرت کا اجر و ثواب حاصل کرنا چاہتا ہو تو اس صورت میں کسی عقل مند سے اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ کسی دوسرے کو اپنے نفس پر ترجیح دے گا۔ درحقیقت مال وہی ہے جسے وہ دے رہا ہے۔ وہ مال جسے وہ جمع کرے یا جسے وہ کھاپی کر ضائع کردے مال نہیں ہے۔ اس مال میں جسے وہ کھا پی رہا ہے وقتی مصلحت پوشیدہ ہے' کس قدر عجیب بات ہے کہ آدمی وقتی مصلحتوں پر تو نظر رکھے' اور ذخیرے پر توجہ نہ دے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے :۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِيْهِ اِلَّا اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ

(پ ۳ ر ۵ آیت ۲۶۷)

اے ایمان والو! (نیک کام میں) خرچ کیا کرو' عمدہ چیز کو اپنی کمائی میں سے' اور اس میں سے جو کہ ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کیا ہے' اور ردی (ناکارہ) چیز کی طرف نیت مت لیجایا کرو کہ اس میں سے خرچ کرو' حالانکہ تم کبھی اس کے لینے والے نہیں' ہاں مگر چشم پوشی کر جاؤ تو (اور بات ہے)

یعنی ایسی چیز مت دو کہ اگر وہ چیز تمہیں دی جائے تو تم کراہت اور حیاء کے ساتھ لو' اغماض کے یہی معنی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :۔

سبق درهم مائة الف درهم

(نسائی' ابن حبان' ابو ہریرہؓ)

ایک درہم ایک لاکھ درہموں پر سبقت لے جاتا ہے۔

یہ ایک درہم وہی ہے جسے انسان اپنے بہترین مال میں سے برضا و رغبت نکالے کبھی انسان ایک لاکھ درہم اپنے اس مال میں سے خرچ کرتا ہے جسے وہ خود پاکیزہ و طیب نہیں سمجھتا۔ بلاشبہ یہ ایک لاکھ درہم اس ایک درہم کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو اس کے لئے وہ چیز ٹھہراتے ہیں جسے وہ خود پسند نہیں کرتے۔ ارشاد ہے

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ

(پ ۱۴ ر ۱۴ آیت ۶۲)

اور اللہ تعالیٰ کے لئے وہ امور تجویز کرتے ہیں جن کو خود ناپسند کرتے ہیں' اور اپنی زبان سے جھوٹے دعوے کرتے جاتے ہیں کہ ان کے لئے ہر طرح کی بھلائی ہے۔ لازمی بات ہے کہ ان کے لئے دوزخ ہے۔

اس آیت میں بعض قراء نے ان لوگوں کی تکذیب کے لئے جن کی اس میں حکایت ہے لا پر توقف کیا ہے' اور اگلا جملہ جرم سے شروع کیا ہے' جرم' کے معنی ہیں کسب۔ اس صورت میں معنی ہوں گے کہ انہوں نے اپنی اس حرکت سے دوزخ کمائی ہے

آٹھواں ادب : یہ ہے کہ اپنے صدقے کے لئے ایسے لوگ منتخب کرے جو اس کے صدقے کو پاکیزہ بنائیں' یہ کافی نہیں ہے کہ مصارف زکوٰۃ کی آٹھوں قسموں میں سے جو بھی مل جائے اور جیسا بھی مل جائے اسے صدقہ دے دیا جائے' بلکہ ان لوگوں میں جنہیں صدقہ دیا جائے مندرجہ ذیل چھ صفات مطلوب ہیں' صدقات دینے والے کو چاہیے کہ وہ ان صفات کے حامل لوگوں کو تلاش کرے' اور ان تک اپنا صدقہ پہنچائے۔

پہلی صفت : یہ ہے کہ صدقہ لینے والے متقی پرہیزگار' دنیا سے کنارہ کش' اور آخرت کی تجارت میں ہمہ تن مشغول ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے :۔

لا تاكل الا طعام تقي ولا ياكل طعامك

متقی کے علاوہ کسی شخص کا کھانا مت کھاؤ اور تمہارا کھانا متقی کے علاوہ کوئی نہ کھائے۔ (۱)

یہ اس لیے ہے کہ متقی تمہارے کھانے سے اپنے تقویٰ پر مدد لے گا' اس اعتبار سے تم اس کی مدد کر کے اس کی اطاعت میں شریک ہو جاؤ گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

اطعموا طعامکم الاتقیاء واولوا معروفکم المومنین۔

(ابن المبارک۔ ابو سعیدؓ۔ فیہ راو مجہول)

اپنا کھانا متقی پرہیز گاروں کو کھلاؤ اور مومنین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

ایک روایت میں ہے:۔

اضف بطعامک من تحبہ فی اللہ تعالیٰ۔

(ابن المبارک۔ جویر عن ضحاک مرسلاً)

اپنے کھانے سے اس شخص کی ضیافت کرو جس سے تمہیں اللہ کے لیے محبت ہو۔

بعض علماء اپنا مال ضرور تمند صوفیاء کے علاوہ کسی پر خرچ نہیں کرتے تھے' ان سے عرض کیا گیا کہ اگر آپ اپنا حسن سلوک عام فرمادیں اور دوسرے فقراء کو بھی اپنے عطایا سے نوازیں تو یہ بات زیادہ بہتر ہوگی' فرمایا: نہیں! یہ (فقیر صوفیاء) وہ لوگ ہیں جن کی ہمتیں محض اللہ کے لیے ہوتی ہیں' اگر انھیں فاقے کا سامنا کرنا پڑے تو ان کی ہمتیں پریشان ہو جائیں' اگر میں ایک شخص کو صدقہ دے کر اس کی ہمت اللہ کی طرف مشغول رکھنے میں اس کی مدد کروں تو میرے نزدیک یہ زیادہ افضل ہے۔ اس کے مقابلے میں کہ ایک ہزار درہم ایسے لوگوں پر خرچ کروں جن کی ہمت دنیا کے لیے ہو یہ گفتگو کسی نے حضرت جنید بغدادیؒ کے سامنے نقل کی' آپ نے اس کی تحسین فرمائی اور کہا کہ یہ شخص اولیاء اللہ میں سے ہے' اس کے بعد فرمایا کہ میں نے مدت سے اتنا اچھا کلام نہیں سنا تھا۔ روایت ہے کہ جن بزرگ کی یہ گفتگو ہم نقل کر رہے ہیں ان کی تجارت میں زوال آگیا' اور پریشانی لاحق ہوئی' ارادہ کیا کہ دکان چھوڑ دیں' حضرت جنید بغدادیؒ کو جب اس کا علم ہوا تو کچھ مال ان کے پاس بھیجا' اور یہ فرمایا کہ اس مال سے سامان تجارت خرید لو' دکان مت چھوڑو۔ اس لیے کہ تم جیسے لوگوں کے لیے تجارت مضر نہیں ہے۔ یہ بزرگ پرچون فروش تھے' اگر مفلس و محتاج ان سے اپنی ضرورت کی کوئی چیز خریدتا تو یہ اس سے قیمت نہ لیتے تھے۔

دوسری صفت یہ ہے کہ ان لوگوں کو دے جو اہل علم ہوں۔ اہل علم کو دینے کا مطلب حصول علم پر ان کی مدد کرنا ہے۔ علم بہت سی عبادتوں سے افضل ہے' بشرطیکہ نیت صحیح ہو۔ ابن المبارک اپنے صدقات اہل علم ہی کو دیا کرتے تھے۔ ان سے عرض کیا گیا کہ اگر آپ صدقات دینے میں عمومیت اختیار کریں تو یہ زیادہ اچھا ہوگا' آپ نے فرمایا کہ میں نبوت کے بعد علماء کے درجے کے علاوہ کوئی درجہ افضل نہیں سمجھتا' اگر عالم کا دل کسی اور جانب (مثلاً "حصول معاش) میں مشغول ہوگا تو وہ علم کے لیے اپنے آپ کو مصروف نہ رکھ سکے گا۔ میرے نزدیک عالم کو علم میں مصروف رکھنا زیادہ افضل ہے۔

تیسری صفت یہ ہے کہ وہ شخص اپنے تقویٰ میں' اور توحید کے متعلق اپنے علم میں سچا ہو' یہاں توحید کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ کسی سے مال لے تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرے' اس کا شکر ادا کرے' اور یہ یقین کرے کہ جو نعمت اسے حاصل ہوئی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے' بندوں کی حیثیت محض واسطے کی ہے' اس واسطے کا خیال نہ کرے' بندوں کا شکر یہ ہے کہ تمام نعمتوں کی

---

(۱) یہ ابوداؤد اور ترمذی میں حضرت ابو سعید الخدریؓ سے حسب ذیل الفاظ میں منقول ہے "لا تصحب الا مومن ولا یاکل طعامک الا تقی۔"

نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کردی جائے جو منعم حقیقی ہے لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو وصیت کی تھی کہ اے بیٹے! اپنے اور خدا تعالیٰ کے درمیان کسی دوسرے کو نعمت دینے والا نہ سمجھنا' اور یہ سمجھنا کہ جو نعمت تجھے ملی ہے وہ اس شخص پر فرض تھی۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کا شکرادا کرتا ہے اس نے گویا منعم حقیقی کو پہچانا ہی نہیں ہے' اور نہ وہ یہ سمجھا کہ درمیانی شخص مقہور و مسخر ہے' یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے دینے کے اسباب مہیا کرکے اسے دینے کا پابند بنادیا ہے' اب اگر وہ یہ چاہے کہ نہ دے تو اس پر اسے قدرت نہیں ہے' اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں یہ بات ڈال دی ہے کہ اس کے دین اور دنیا کی بھلائی دینے میں ہے۔ اب اس کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ اس ارادے سے سرمو انحراف کرسکے' کیونکہ یہاں ایک قوی ترین باعث موجود ہے' جب باعث قوی ہوتا ہے تو عزم وارادے میں پختگی پیدا ہوتی ہے۔ اور اندرونی طور پر تحریک ہوتی ہے' اس وقت بندے کے لیے یہ ممکن نہیں رہتا کہ وہ اس باعث کی مخالفت کرسکے' اللہ تعالیٰ بواعث و محرکات پیدا کرنے والا ہے' وہی ان میں قوت پیدا کرتا ہے' وہی ضعف اور تردد دور کرتا ہے' وہی عملی قوت (قدرت) کو پیدا کرتا ہے۔ جو شخص ان تمام امور پر یقین رکھے وہ مسبب الاسباب کے علاوہ کسی اور کی طرف ہرگز نظر نہیں کرسکتا۔

اس بات کا یقین رکھو کہ اس صفت کا حامل شخص دینے والے کے حق میں اس شخص سے کہیں زیادہ بہتر ہے جو لینے کے بعد قصیدہ خوانی کرتا ہوا چلا بنے۔ اس لیے کہ یہ تو زبان کی حرکت ہے' عموماً" اس کا نفع کم ہی ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے میں موحد کامل کی اعانت زیادہ مفید ہے' پھر یہ بھی تو دیکھنا چاہیے کہ جو شخص اس وقت دینے پر تعریف کررہا ہے' اور اس کے لیے خیر کی دعائیں دے رہا ہے وہ نہ دینے پر برائی بھی کرے گا' اور بددعائیں بھی دے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی فقیر کے پاس کوئی صدقہ بھیجا' لے جانے والے سے فرمایا کہ جو کچھ وہ کہے ذہن نشین کرلینا' چنانچہ جب فقیر نے صدقہ لے لیا تو یہ الفاظ کہے: "تمام تعریفیں اس ذات پاک کے لیے ہیں جو اپنے یاد کرنے والے کو فراموش نہیں کرتا اور شکر کرنے والے کو ضائع نہیں کرتا۔ اے اللہ! تو فلاں کو (مجھے) نہیں بھولا' تو فلاں (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایسا بنادے کہ وہ تجھے نہ بھولیں" جب قاصد نے آکر یہ الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیے تو آپ خوش ہوئے۔ اور ارشاد فرمایا:۔

علمت انہ یقول ذلک۔

مجھے معلوم تھا وہ ایسا ہی کہے گا۔ (۱)

ملاحظہ کیجئے کہ اس فقیر نے کس طرح اپنی تمام تر توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف مبذول کی ہے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا: توبہ کرو! اس نے کہا: میں صرف اللہ سے توبہ کرتا ہوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے توبہ نہیں کرسکتا۔ آپ نے ارشاد فرمایا:۔

عرف الحق لاھلہ۔

(احمد' طبرانی۔ اسود ابن سریع۔ سند ضعیف)

اس نے صاحب حق کا حق جان لیا۔

واقعۂ افک کے بعد جب حضرت عائشہؓ کی برأت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ نے اپنی صاحبزادی سے فرمایا: اٹھو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کو بوسہ دو۔ عائشہ نے کہا! میں ایسا نہیں کروں گی' اور نہ اللہ کے علاوہ کسی کا شکرادا کروں گی' سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر چھوڑو' کچھ مت کہو۔ (۲) ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جب حضرت ابوبکرؓ نے بوسہ

---

(۱) یہ حدیث مجھے نہیں ملی' مگر ابن عمرؓ کی ایک ضعیف روایت میں اس حدیث کا مضمون آیا ہے' ابن مندہ نے اسماء الصحابہ میں نقل کیا ہے' لیکن یہ الفاظ نہیں بیان کیے جو مصنف نے یہاں بیان کیے ہیں۔ (۲) یہ روایت ابوداؤد میں ان الفاظ کے ساتھ منقول ہے "میرے (بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۴۰۷

دینے کے لیے کہا تو عائشہؓ نے کہا کہ میں اللہ کا شکر ادا کروں گی' آپ کا اور آپ کے رفیق (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کا شکر ادا نہیں کروں گی۔ اس جواب پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قسم کی کوئی نکیر نہیں فرمائی۔ حالانکہ برأت کے متعلق آیات حضرت عائشہؓ کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذریعے پہنچیں۔

اشیاء کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرنا کفار کا شیوہ ہے' چنانچہ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے:۔

وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ۔

(پ ۲۴ ر ۲ آیت ۴۵)

اور جب فقط اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کے دل منقبض ہو جاتے ہیں جو کہ آخرت کا یقین نہیں رکھتے' اور جب اس کے سوا اوروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو اسی وقت وہ لوگ خوش ہو جاتے ہیں۔

جو شخص درمیانی واسطوں کو محض درمیانی نہیں سمجھتا بلکہ انھیں کچھ اہمیت دیتا ہے اس شخص کا باطن شرک خفی سے خالی نہیں ہے۔ اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے اپنی توحید کو شرک کے شبہات اور اس کی آلائشوں سے پاک و صاف رکھے۔

چوتھی صفت یہ ہے کہ وہ اپنی ضرورت چھپاتا ہو' اپنی تکالیف اور شکایات کا بہت زیادہ اظہار نہ کرتا ہو۔ یا یہ کہ وہ صاحب مروت اور شریف انسان ہو کہ پہلے دولتمند تھا' کسی وجہ سے دولت ختم ہو گئی' لیکن عادت باقی رہی۔ زندگی کی وضع ایسی اختیار کئے ہوئے ہے کہ احتیاج کا اندازہ لگانا مشکل ہے' ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا۔

(پ ۳ ر ۵ آیت ۲۷۳)

اور ناواقف ان کو تونگر خیال کرتا ہے ان کے سوال کے بچنے کے سبب سے (البتہ) تم ان کو ان کے طرز سے پہچان سکتے ہو' (کہ فقر و فاقہ سے چہرہ پر اثر ضرور آجاتا ہے) وہ لوگوں سے لپٹ کر مانگتے نہیں پھرتے۔

یعنی وہ مانگنے میں مبالغہ نہیں کرتے' اس لیے کہ وہ یقین کی دولت سے مالا مال ہیں' اور اپنے صبر کی وجہ سے معزز ہیں' دیندار لوگوں کی معرفت محلہ محلہ ایسے لوگوں کی تلاش و جستجو ہونی چاہیے۔ خیرات کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ ان لوگوں کے اندرونی احوال کا پتہ لگائیں۔ ایسے لوگوں کو صدقہ دینا ان لوگوں کو صدقہ دینے سے بدرجہا بہتر ہے جو کھلے طور پر مانگتے پھرتے ہیں۔

پانچویں صفت : یہ ہے کہ وہ عیالدار ہو' یا کسی مرض میں گرفتار ہو' یا کسی پریشانی میں مبتلا ہو' مطلب یہ ہے کہ وہ اس آیت کے مفہوم میں شامل ہو:۔

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ۔

(پ ۳ ر ۵ آیت ۲۷۳)

(صدقات) اصل حق ان حاجتمندوں کا ہے جو مقید ہو گئے ہوں اللہ کی راہ میں (اور اسی وجہ سے) وہ لوگ کہیں ملک میں چلنے پھرنے کا عادتاً امکان نہیں رکھتے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۳۹۹) والدین نے کہا کھڑی ہو' اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کو بوسے دو" یہی حدیث بخاری میں تعلیقاً"، مسلم اور طبرانی میں مختلف الفاظ کے ساتھ مختلف رواۃ سے منقول ہے۔)

یعنی وہ لوگ جو راہ آخرت میں اپنے اہل و عیال کی وجہ سے' کسی مرض کی بنا پر' یا کسی وجہ سے گھرے ہوئے ہوں' اور آگے نہ بڑھ سکتے ہوں۔ اہل و عیال کی کثرت بھی صدقہ دینے میں ملحوظ رکھنی چاہیے۔ حضرت عمر ابن الخطاب ایک گھر کے لوگوں کو بکریوں کا پورا ریوڑ خیرات کر دیا کرتے تھے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی عیال کے مطابق عطا فرمایا کرتے تھے۔ (۱) حضرت عمرؓ سے کسی نے دریافت کیا کہ جہد البلاء (مشقت کی حالت) کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا: عیال کی کثرت اور مال کی قلت۔

چھٹی صفت: یہ ہے کہ وہ شخص اقابت اور ذوی الارحام میں سے ہو۔ (۲) اگر ایسے شخص کو صدقہ دیا جائے گا تو وہ صدقہ بھی ہوگا۔ اور صلہ رحمی بھی ہوگا۔ صلہ رحمی میں وہ اجر و ثواب ہے جس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا' چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے کسی بھائی کا ایک درہم سے صلہ رحمی کروں تو میرے نزدیک یہ زیادہ محبوب و پسندیدہ ہے اس بات سے کہ بیس درہم صدقہ کروں' اور بیس درہم سے صلہ رحمی کرنا میرے نزدیک سو درہم صدقہ دینے کے مقابلے میں افضل ہے' اور سو درہم دے کر صلہ رحمی کرنا میرے نزدیک ایک غلام آزاد کرنے سے بہتر ہے۔ جس طرح اجنبیوں کے مقابلے میں عزیز و اقارب مقدم ہیں۔ اسی طرح رشتہ داروں میں بھی اہل خیر دوستوں اور عزیزوں کو ترجیح دی جائے گی۔

یہ چند اوصاف ہیں جو صدقہ لینے والوں میں مطلوب ہیں' پھر ہر صفت کے مختلف درجے ہیں اس لیے مناسب یہ ہے کہ اعلیٰ ترین درجہ حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ اگر کسی شخص میں یہ تمام صفات بیک وقت مل جائے تو وہ ایک بڑا ذخیرہ' اور ایک عظیم نعمت ہوگا۔ صدقہ دینے والا اگر ان صفات کا حامل شخص تلاش کرنے میں کامیاب ہوگیا' تو اسے دوہرا اجر ملے گا' اور اگر تلاش و جستجو کی' لیکن کامیاب نہیں ہوا تو اسے ایک اجر ملے گا یعنی بخل سے قلب کی تطہیر ہوجائے گی' اور اس میں محبت الٰہی راسخ ہوجائے گی' یقیناً "یہ صفت بھی لقاء رب کے شوق کے لیے مہمیز ہوتی ہے' دوسرا اجر حاصل نہ ہوگا۔ یعنی وہ فائدہ حاصل نہ ہوسکے گا جو لینے والے کی دعا و ہمت پر مرتب ہوتا۔ صالحین کی توجہات حال اور مال پر اثر انداز ہوتی ہیں۔

تیسرا باب

مستحقین زکوٰۃ' اسباب استحقاق' اور زکوٰۃ لینے کے آداب

استحقاق کے اسباب جاننا چاہیے کہ زکوٰۃ کا مستحق آزاد مسلمان ہے' شرط یہ ہے کہ ہاشمی اور مطلبی نہ ہو' اور ان آٹھ مصارف میں سے ہو جن کا ذکر قرآن پاک کی اس آیت میں آیا ہے: انما الصدقات الخ۔ زکوٰۃ کافر' غلام' (۳) مطلبی اور ہاشمی کو نہ دینی چاہیے' کسی بچے یا مجنون کا ولی اگر ان کی طرف سے زکوٰۃ لے لے تو یہ جائز ہے۔ ذیل میں زکوٰۃ کے تمام مصارف کی تفصیل الگ الگ بیان کی جاتی ہے۔

پہلا مصرف فقیر ہیں: فقیر اس شخص کو کہتے ہیں جس کی پاس مال نہ ہو' اور نہ اسے کمانے پر قدرت حاصل ہو' اگر کسی

---

(۱) (یہ روایت ان الفاظ میں نہیں ملی۔ البتہ ابوداؤد میں عوف ابن مالک کی روایت ہے کہ جب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غنیمت کا مال آتا تو آپ اسی دن تقسیم فرما دیتے' اہل و عیال والے کو دو حصے دیتے' اور کنوارے کو ایک حصہ عطا فرماتے۔) (۲) (اپنی زکوٰۃ کا پیسہ اپنے ماں' باپ' دادا' دادی' نانا' نانی' پردادا وغیرہ کو دینا درست نہیں ہے' اسی طرح اپنی اولاد' اور پوتے' اور نواسے وغیرہ کو بھی زکوٰۃ کا پیسہ دینا درست نہیں ہے۔ بیوی اپنے میاں کو' اور میاں اپنی بیوی کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔ (ہدایہ ج ۱ ص ۱۸۶) ان رشتہ داروں کے سوا سب کو زکوٰۃ دینا درست ہے۔ (طحاوی ص ۴۱۹) مترجم۔)

(۳) (اپنے غلام کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں' اسی طرح مالدار کے غلام کو بھی زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔) (شرح وقایہ ج ۱ ص ۲۴۷) مترجم۔)

شخص کے پاس ایک دن کا کھانا اور لباس موجود ہو تو اسے فقیر نہیں کہا جائے گا' بلکہ وہ مسکین کہلائے گا۔ البتہ اگر آدھے دن کا کھانا ہو' یا ناقص لباس ہو' مثلاً" قمیص ہو' رومال' موزہ' اور پاجامہ نہ ہو' اور نہ قمیص کی قیمت اتنی ہو کہ اسے فروخت کرکے اپنے معیار کے مطابق یہ تمام چیزیں حاصل ہو سکیں تو ایسے شخص کو فقیر کہا جائے گا۔ یہ بات مناسب نہیں ہے کہ فقیر کے لیے یہ شرط لگائی جائے کہ اس کے پاس ستر ڈھانپنے کے لیے بھی کوئی کپڑا نہ ہو' اس لیے کہ یہ شرط محض مبالغہ ہے' غالباً" ایسا شخص ملنا بھی مشکل ہے۔ (۱)

اگر کوئی فقیر مانگنے کا عادی ہے تو اپنی عادت کی بنا پر وہ فقیری کے دائرے سے نہیں نکلے گا۔ (۲) اس لیے کہ سوال کرنا کمائی نہیں ہے۔ ہاں اگر وہ کمانے پر قادر ہو تو فقیر نہیں رہے گا۔ البتہ اگر وہ آلہ کے بغیر کمانے پر قادر نہ ہو تو اسے فقیر کہا جائے گا۔ اور زکوٰۃ کے پیسے سے اس کے لیے متعلقہ آلہ خریدنا جائز ہوگا۔ اور اگر کسی ایسے پیشے پر اسے قدرت حاصل ہو جو اس کی شان کے خلاف ہو اس صورت میں بھی اسے فقیر ہی تصور کیا جائے گا۔ اگر وہ شخص فقیہ ہو' اور کسی پیشے کے اشتغال سے فقہ کے اشتغال میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہو تب بھی وہ فقیر ہے' اور کمانے پر اس کی قدرت بھی معتبر نہیں ہے۔ لیکن اگر عابد ہو' اور کمانے کی مصروفیت سے عبادات اور وظائف میں خلل پیدا ہوتا ہو تو اسے کمانا چاہیے' اس لیے کہ کمانا صدقہ سے افضل ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

طلب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ

(طبرانی' بیہقی۔ ابن مسعودؓ۔ سند ضعیف)

ایمان کے بعد حلال (رزق) کا طلب کرنا فرض ہے۔

طلب حلال سے یہاں مراد رزق حاصل کرنے کے لیے کوشش کرنا ہے' حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ شبہ کے ساتھ کمانا مانگنے سے بہتر ہے۔ اگر کسی شخص کے پاس اس لیے خرچ نہ بچتا ہو کہ وہ والدین کا کفیل ہے' یا جن لوگوں کا نفقہ اس پر واجب ہے ان پر خرچ کرتا ہے تو ایسا شخص فقیر نہیں کہلائے گا۔

دوسرا مصرف

مساکین ہیں:۔ مسکین اس شخص کو کہتے ہیں جس کی آمدنی اس کے اخراجات کے لیے ناکافی ہو۔ (۳) یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص ایک ہزار درہم کا مالک ہو اور مسکین ہو' اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ شخص کلہاڑی اور رسی رکھتا ہو مگر غنی ہو' وہ مختصر مکان جس میں وہ رہتا ہے' یا وہ لباس جس سے وہ اپنے معیار کے مطابق ستر پوشی کرتا ہے اسے مسکنت کے دائرے سے نہیں نکالتے' گھر کی ضرورت کا سامان بھی مسکین کے لیے مانع نہیں ہے۔ مگر وہ سامان اس حال اور معیار کے مطابق ہونا چاہیے۔ اسی طرح فقہی کتابوں کا مالک ہونا بھی مسکنت کے لیے مانع نہیں ہے۔ اگر کسی شخص کے پاس محض کتابیں ہوں

---

(۱) (احناف کے نزدیک فقیر اس شخص کو کہتے ہیں جس کے پاس کچھ ہو (شرح وقایہ ج ا ص ۲۳۶) یعنی وہ شخص بالکل بدحال نہ ہو بلکہ اس کے پاس تھوڑا بہت مال ہو' جو نصاب زکوٰۃ سے کم ہو' اگر گھر' خادم' لباس وغیرہ ضروریات زندگی میں سے نصاب غیر نامی کے بقدر مال بھی ہو تب بھی وہ فقیر ہی ہے اور اسے زکوٰۃ کی رقم دینا صحیح ہے۔ (بحر الرائق کتاب الزکوۃ باب فی المصارف) مترجم۔) (۲) (ایسے فقیروں کو جن کا پیشہ مانگنے کا ہے اور یہ معلوم ہے کہ اس طرح کے لوگ اکثر مال دار ہوتے ہیں دینا درست نہیں لیکن اگر لاعلمی میں زکوٰۃ دے دی تو ادا ہو جائے گی۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۹۵) مترجم۔) (۳) (احناف کے نزدیک مسکین اس شخص کو کہتے ہیں جس کے پاس کچھ نہ ہو (شرح وقایہ ج ۲ ص ۲۳۶) ایسا شخص کھانے کے لیے' اور ستر ڈھانپنے کے لیے مانگ سکتا ہے' فقیر کے لیے سوال کرنا جائز نہیں ہے البتہ اس کو زکوٰۃ کا مصرف بنانا صحیح ہے (فتح القدیر) مترجم۔) (کتابوں کے سلسلے میں احناف کے مسلک کی تفصیل یہ ہے کہ اگر وہ کسی اہل کے پاس ہیں' یعنی کسی ایسے شخص کے پاس ہیں جو تدریس' و تصحیح وغیرہ (بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۴۹۵ پر)

اور کچھ نہ ہو' اس پر صدقۂ فطر واجب نہیں ہے کتاب کا حکم وہی ہے جو کپڑوں اور گھر کے ضروری سازو سامان کا حکم ہے۔ جس طرح ان چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح کتابوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر کتابوں کی ضرورت سمجھنے میں احتیاط سے کام لینا چاہیے "کتابوں کی ضرورت حسب ذیل تین امور کے لئے ہوتی ہے۔ پڑھنا (استفادہ کرنا)' پڑھانا' تفریحی مطالعہ کرنا۔ تفریحی مطالعہ کا کوئی اعتبار نہیں ہے' اس لیے یہاں بھی اخبار اشعار' اور قصے کہانیوں کی کتابیں یا وہ کتابیں جو نہ آخرت میں مفید ہوں اور نہ دنیا میں اس حکم میں داخل نہیں ہیں۔ اس طرح کی کتابیں کفارے اور صدقۃ الفطر کے سلسلے میں فروخت کی جاسکتی ہیں' اور جس کے پاس یہ کتابیں ہوں اس پر لفظ مسکین کا اطلاق نہیں ہوگا۔

پڑھانے کی ضرورت اگر کسب (کمانے) کے لیے ہے جیسا کہ مربی' معلم یا مدرس وغیرہ اجرت پر تعلیم و تربیت اور تدریس کا کام کرتے ہیں تو اس صورت میں کتابوں کی حیثیت آلے کی ہے' جس طرح درزی کیلئے مشین' اور دیگر پیشہ وروں کے لیے ان کے اوزار وغیرہ ضروری ہیں اسی طرح کتابیں بھی ضروری ہیں۔ اس لیے صدقۂ فطر میں کتابیں فروخت نہ کی جائیں' اگر فرض کفایہ کی ادائیگی کے لیے تعلیم و تدریس میں مشغول ہے تب بھی کتابیں فروخت نہ کرے' اس صورت میں کتابوں کی موجودگی اس کے مسکین بننے میں مانع نہیں ہوگی' کیونکہ کتابیں بھی لباس اور مکان کی طرح ایک اہم ضرورت ہیں۔ پڑھنے اور استفادہ کرنے کی غرض سے حاصل کی گئیں کتابوں کے متعلق عرض یہ ہے کہ اگر وہ کتابیں مثلاً "طب کی ہیں اور اس غرض سے جمع کی گئیں ہیں کہ انہیں پڑھ کر اپنا علاج کرے گا' یا وعظ کی کتابیں ہیں کہ تذکیر و نصیحت کی غرض سے رکھی گئی ہیں' اس صورت میں اگر شہر میں کوئی طبیب' یا واعظ موجود ہے تو وہ ان کتابوں سے مستغنی ہے' اور اگر نہیں ہے تب وہ ان کتابوں کی ضرورت رکھتا ہے کتابوں کے سلسلے میں یہ بات بھی اہم ہے کہ کبھی کبھی کسی کتاب کی برسوں مطالعہ کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ مطالعے کے وقفے کی تحدید و تعیین بھی ہو۔ اقرب الی القیاس مدت یہ ہے کہ کم از کم سال بھر میں ایک مرتبہ اس کے مطالعے کی ضرورت پیش آتی ہے' اگر ایسا نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کتاب ضرورت سے زائد ہے۔ اس لیے جس شخص کے پاس ایک دن کی غذا سے زیادہ ہو اس پر صدقۂ فطر لازم آتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صدقۂ فطر کے وجوب کے لیے ایک روز فرض کیا گیا ہے تو گھر کے اسباب اور لباس وغیرہ کے سلسلے میں ایک سال فرض کرنا کافی ہے' اس لیے گرمی کے کپڑے سردیوں میں فروخت نہیں کئے جاتے' کیونکہ ابھی سال فرض کرنا کافی ہے' کیونکہ کتابیں گھریلو اسباب اور کپڑوں کے زیادہ مشابہ ہیں اس لیے ان کے مطالعہ کے لیے بھی ایک برس کی مدت مقرر کرنا بہتر ہے۔ اگر کسی کتاب کے دو نسخے ایک شخص کے پاس ہوں تو ان میں سے ایک زائد از ضرورت ہوگا' اگر مالک یہ کہے کہ ان میں سے ایک نسخہ زیادہ خوبصورت ہے اور دوسرا نسخہ زیادہ صحیح ہے' اس لحاظ سے دونوں نسخوں کی ضرورت ہے تو یہ کہا جائے گا

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۴۰۹) میں ان سے کام لیتا ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی' اور اس کے لئے زکوٰۃ لینا بھی درست ہوگا' اگر وہ کتابیں فقہ' حدیث تفسیر کی ہوں۔ اور اس کی ضرورت سے کتاب کے اتنے نسخے زائد نہ ہوں جو نصاب کی مقدار تک پہنچتے ہوں۔ مثلاً "اس کے پاس ہر ایک کتاب کے دو نسخے ہوں تو ایک ان میں سے زائد مانا جائے گا اگر وہ شخص جس کے پاس کتابیں ہیں غیر اہل ہے تو اس کے لئے زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے کیونکہ اس کے پاس زائد از ضرورت مال بقدر نصاب موجود ہے' اگرچہ وہ غیر نامی ہے۔ یہ تفصیل فقہ' حدیث اور تفسیر کی کتابوں سے متعلق ہے۔ اگر وہ کتابیں علم نجوم وغیرہ سے تعلق رکھتی ہیں تو اس طرح کی کتابیں رکھنے والے کے لیے زکوٰۃ لینا صحیح نہیں ہوگا۔ لب' نحو' اصول فقہ اور کلام کی کتابیں فقہ و حدیث کی کتابوں کی طرح ہیں' شامی کی رائے یہ ہے کہ اگر ادب سے ظریفانہ کتابیں مراد ہیں جیسے شعری مجموعے' عروض اور تاریخ کی کتابیں تو یہ زکوٰۃ لینے کے لئے مانع ہیں اور اگر ادب سے آداب النفس کی کتابیں مراد ہیں مثلاً "غزالی" کی احیاء العلوم وغیرہ۔ تو اس طرح کی کتابیں فقہی کتابوں کی طرح ہیں۔ طب کی کتابیں اگر کسی طبیب کے پاس ہیں تو ان کی حیثیت آلات کی سی ہے جس طرح دوسرے پیشہ وروں کے لیے آلات ان کی ضرورت کی چیزوں میں شمار ہوتے ہیں۔ اسی طرح حافظ قرآن کے لیے مصحف ضرورت کی چیز ہے۔ (الدر المختار علی ہامش رد المختار ج ۲ ص ۱۰-۱۱) مترجم۔)

کہ خوبصورت نسخہ فروخت کردو' اور صحیح تر نسخہ اپنے پاس رکھو' تفریحی ذوق' اور عیش کوشی چھوڑو اگر ایک فن کی کتاب کے دو نسخے ہیں۔ ایک مختصر' دوسرا مفصل۔ اور اس کتاب سے محض استفادہ مقصود ہے تو مفصل نسخہ رہنے دیا جائے' اور مختصر نسخہ فروخت کردیا جائے۔ لیکن اگر مقصد تدریس ہو تو واقعی دونوں نسخے اس کے لیے ضروری ہیں' اس لیے کہ ہر نسخے میں وہ معلومات ہوں گی جو دوسرے میں نہیں ہوں گی۔

اس طرح کی بے شمار صورتیں ہیں۔ علم فقہ میں ان سے بحث نہیں کی جاتی۔ ہم نے یہاں ان کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ عام طور پر لوگ اس طرح کے معاملات میں مبتلا ہیں' اس لیے بھی ان کا ذکر کیا گیا ہے تاکہ ان پر دوسری چیزوں کو قیاس کرلیا جائے۔ مثلاً" گھر کے سازو سامان کی تعداد' مقدار اور نوعیت پر نظر رکھیں' بدن کے کپڑوں پر بھی غور کریں۔ گھر کی تنگی' اور وسعت بھی ملحوظ رہے۔ ان چیزوں کی کوئی حد مقرر نہیں ہے' بلکہ فقیہ اپنی رائے سے اجتہاد کرتا ہے' اور حد مقرر کرنے میں اپنے اندازوں سے کام لیتا ہے۔ پرہیز گار مسلمان اس سلسلے میں زیادہ احتیاط سے کام لیتا ہے' اور ان امور پر عمل کرتا ہے جو تمام تر شبہات سے بالا تر ہوں۔ درمیان میں بہت سے درجات ہیں' ان سے احتیاط کے علاوہ دوسری کوئی صورت نجات کی نہیں ہے۔

تیسرا مصرف : عامل ہیں :۔ عامل سے بیت المال کے وہ کارندے مراد ہیں جو زکوٰۃ جمع کرتے ہیں' خلیفہ اور قاضی عاملین میں داخل نہیں ہیں' البتہ محلّہ کا امیر' کلرک' وصول کنندہ' امین اور منتقل کرنے والے اس زمرہ میں ہیں' ان میں سے کسی بھی شخص کو معمول کی اجرت سے زیادہ اجرت نہیں دینی چاہیے۔ اگر زکوٰۃ کے آٹھویں حصے سے اس مصرف پر رقم صرف کی جائے اور کچھ رقم بچ رہے تو اسے باقی قسموں پر تقسیم کردینا چاہیے۔ اور اگر وہ رقم عاملین کی اجرت کے لیے کم رہ جائے تو دیگر محکموں کے مال سے اس کمی کو پورا کرنا چاہیے۔ (۱)

چوتھا مصرف : مؤلفۃ القلوب ہیں :۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اسلام قبول کرنے کے بعد تالیف قلب کے لیے زکوٰۃ کی رقم دی جاتی تھی' اس طرح کے لوگ عموماً" اپنی قوم کے بڑے ہوتے ہیں' انہیں دینے کا مقصد یہ ہے کہ وہ لوگ اسلام پر ثابت قدم رہیں' اور دوسرے لوگ اسلام کی طرف مائل ہوں۔ (۲)

پانچواں مصرف : مکاتب ہیں :۔ (مکاتب سے وہ غلام مراد ہیں جنہیں ان کے آقاؤں نے کچھ مال کے بدلے میں آزاد کرنے کے لئے کہا ہو' ایسے غلاموں کو بدل کتابت ادا کرنے کے لیے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے) اس سلسلے میں آقا کو زکوٰۃ کی رقم بدل کتابت کے طور پر دی جائے۔ خود مکاتب کو دینا بھی جائز ہے البتہ آقا کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے مکاتب غلام کو زکوٰۃ کی رقم دے اس لیے کہ بہرحال وہ اس کا غلام ہے جب تک بدل کتابت ادا کرکے آزاد نہ ہوجائے۔

چھٹا مصرف :۔ قرض دار ہیں :۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اطاعت کے سلسلے میں یا کسی امر مباح کے سلسلے میں قرض لیا اور افلاس کے باعث ادا نہ کرسکے تو انہیں بھی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے' لیکن اگر انہوں نے معصیت کے لیے قرض لیا تھا تو انہیں اس

---

(۱) (عاملین سے مراد یہاں وہ لوگ ہیں جو اسلامی حکومت کی طرف سے صدقہ اور زکوٰۃ وغیرہ لوگوں سے وصول کرکے بیت المال میں جمع کرنے پر مامور ہوتے ہیں۔ ان کا حق خدم اسی مد زکوٰۃ سے دیا جائے گا۔ اور یہ رقم ان کی محنت اور کام کی حیثیت کے مطابق دی جائے گی۔ البتہ اس امر کا خیال کرنا ضروری ہے کہ عاملین کی تنخواہیں نصف زکوٰۃ سے بڑھنے نہ پائیں۔ اگر زکوٰۃ کی وصولیابی اتنی کم ہو کہ عاملین کی تنخواہیں دے کر نصف بھی باقی نہیں رہتی تو پھر تنخواہوں میں کمی ہوجائے گی۔ (الدر المختار علی ہامش رد المختار ج ۲ ص ۸۱) مترجم۔) (۲) (یہ حکم عہدے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تھا لیکن آپ کے بعد جب اسلام کی مادی قوت حاصل ہوگئی تو نومسلموں کو اسلام پر ثابت قدم رکھنے کے لیے مال دینے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس لیے یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ (الدر المختار ج ۲ ص ۸۲) مترجم۔)

وقت تک زکوٰۃ نہیں دی جانی چاہیے جب تک وہ توبہ نہ کرلیں۔ اگر قرض لینے والا شخص مالدار ہو تو اس کا قرض ادا نہیں کیا جائے گا۔ ہاں اگر اس شخص نے کسی مصلحت کی بنا پر' یا کسی فتنے کے خاتمے کے لیے قرض لیا ہو تو ایسا قرض ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (۱)

ساتواں مصرف : غازی ہیں :۔ غازی سے وہ مجاہد مراد ہیں جن کی تنخواہ وغیرہ حکومت سے مقرر نہ ہوں ایسے لوگوں کو زکوٰۃ میں سے ایک حصہ بطور اعانت دیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ وہ لوگ مالدار ہی کیوں نہ ہوں۔ (۲)

آٹھواں مصرف : مسافر ہیں :۔ یعنی وہ لوگ جو اپنے شہر سے سفر کے لیے باہر نکلیں اور ان کا وہ سفر کسی معصیت کے لیے نہ ہو' اور وہ مفلس ہوں تو ایسے لوگوں کو زکوٰۃ کی رقم دینی چاہیے۔ لیکن اگر وہ غنی ہوں یعنی اپنے گھر پر مال رکھتے ہوں تو انہیں اس قدر دینی چاہیے کہ وہ اپنے مال تک (اپنے گھر تک) پہنچ سکیں۔

ایک سوال کا جواب : یہاں یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ ان آٹھ مصارف کی معرفت کا کیا طریقہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ فقر اور مسکنت سینے والے کے بتلانے سے معلوم ہوگی' دینے والا اس سلسلے میں ان سے کوئی ثبوت طلب نہیں کرے گا' اور نہ حلف اٹھوائے گا۔ بلکہ لینے والے کے کہنے پر اعتماد کرے گا اگر اس کا کذب ظاہر نہ ہو' جہاد اور سفر کا معاملہ پیش آنے والے معاملات سے تعلق رکھتا ہے' اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میرا ارادہ سفر کا ہے' یا میں جہاد کرنا چاہتا ہوں تو اسے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ اب اگر وہ سفر یا جہاد کے لیے نہ جائے تو دیا ہوا مال واپس لے لے۔ باقی چار قسموں کے لیے گواہوں کا ہونا ضروری ہے یہ استحقاق کی شرائط کی تفصیل تھی' لینے والے کے آداب ذیل میں مذکور ہوں گے۔

زکوٰۃ لینے والے کے آداب

پہلا ادب : لینے والے کو یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر واجب شدہ زکوٰۃ کا مصرف اس نے صرف اس لیے بنایا ہے تاکہ وہ ایک فکر کے علاوہ کسی دوسرے فکر میں مبتلا نہ رہے۔ اس فکر کو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے عبادت مقرر کیا ہے' وہ فکر ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور یوم آخرت کا فکر یہی معنیٰ ہیں آیت کریمہ کے :۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۔
(پ ۲۷ ر ۲ آیت ۵۶)

اور میں نے جن اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں۔

لیکن جب حکمت خداوندی کا یہ تقاضا ہوا کہ بندوں پر خواہشوں اور ضرورتوں کا تسلط ہو' اور ان کی وجہ سے وہ یکسو نہ رہ سکیں۔ تو خداوند قدوس نے بتقاضائے کرم طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا اور ان کے حصول کے لیے بہت سامال پیدا کیا' تاکہ وہ

---

(۱) (مدیون (قرضدار) میں بھی فقر شرط ہے' اگر کوئی شخص بقدر نصاب مال رکھتا ہو اور مقروض ہو تو اس کے لیے زکوٰۃ صحیح نہیں ہے۔ (الدر المختار ج ۲ ص ۸۳) مترجم۔) (۲) یہ دراصل فی سبیل اللہ کے مصرف کی تشریح ہے احناف کے نزدیک اس سے مراد وہ غازی اور مجاہد ہیں جن کے پاس ہتھیار اور جنگ کا ضروری سامان خریدنے کے لیے مال نہیں ہے' یا وہ شخص جس کے ذمے حج فرض ہو چکا تھا' مگر اب اس کے پاس مال نہیں رہا کہ وہ اپنا حج ادا کرسکے۔ یا وہ طلبہ جو قرآن وحدیث یعنی دینی علوم حاصل کرنے میں مشغول ہیں۔ طلبہ کے لیے فقر شرط ہے۔ لیکن غازی' مجاہد اور حج کرنے والے کے لیے فقر شرط نہیں ہے' اگر وہ مالدار ہوں' اور ان کے پاس بقدر نصاب مال ہو مگر اتنا مال نہ ہو جو ان کے جہاد یا سفر حج کے لیے درکار ہے تو ایسے لوگوں کو زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے۔ (البدائع والصنائع' الدر المختار علی ہامش رد المختار ج ۲ ص ۸۳) مترجم۔)

اس کے ذریعہ اپنی ضرورتیں پوری کرسکیں' اور اپنے مال اور جسم کو طاعت کے لیے فارغ کرسکیں۔ اپنے بعض بندوں کو زیادہ مال عطا کیا تاکہ وہ مال ان کے لیے فتنہ و آزمائش ہو یقیناً "وہ لوگ خطرات میں گھرے ہوئے ہیں' اپنے بعض محبوب بندوں کو دنیا اور اس کے مال و متاع سے اس طرح بچایا جس طرح کوئی مشفق و مہربان اپنے مریض کو پرہیز کراتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں سے دنیا کی زائد چیزوں کو دور رکھا' اور مالداروں کے ذریعہ ضرورت کے مطابق انہیں مال پہنچاتا رہا۔ تاکہ کمانے کی محنت' جمع کرنے کی مشقت' اور حفاظت کی پریشانی مالداروں کے لیے رہے' اور فائدہ غریبوں کو پہنچے۔ اور غریب فکر دنیا سے بے پرواہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہیں' موت کے بعد کی زندگی کے لیے تیاری کریں' دنیا کے زوائد انہیں عبادت سے نہ ہٹاسکیں۔ اور فاقہ ان کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکے۔ یہ بہرحال عظیم ترین نعمت ہے فقیر کو چاہیے کہ وہ اس نعمت کی قدر کرے اور یہ یقین کرے کہ اس کے لیے دینے کے مقابلے میں نہ دینے میں بہتری اور خیر ہے چنانچہ اس کی تحقیق اور تفصیل انشاء اللہ کتاب الفقر میں بیان کی جائے گی۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ فقیر جو کچھ لے وہ یہ سمجھ کر لے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا رزق ہے' اس سے اطاعت خداوندی پر مدد حاصل کرے گا' یعنی لینے کے وقت یہ نیت ہونی چاہیے کہ اس رزق کے ذریعہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر قوی ہوگا۔ اگر ایسا نہ ہوسکے تو اس مال کو ان مدات میں صرف کرے جو مباح اور جائز ہیں' اگر وہ اللہ تعالیٰ کی معصیت میں خرچ کرے گا تو کفران نعمت کا مرتکب ہوگا' اور اللہ تعالیٰ کے غیظ و غضب کا مستحق قرار پائے گا۔

دوسرا ادب : یہ ہے کہ دینے والے کا شکریہ ادا کرے' اس کے لیے دعائے خیر کرے' اس کی تعریف کرے' اس کی مدح و ثناء کا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ دینے والا واسطہ نہیں رہا ہے' بلکہ منعم حقیقی کی حیثیت سے اختیار کرگیا ہے' ہرگز ایسا نہیں ہے' بلکہ وہ اس تک اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے پہنچنے کا ذریعہ اور وسیلہ ہے ذرائع اور وسائل کا بھی ایک حق ہوتا ہے اس حیثیت سے اللہ تعالیٰ نے انہیں ذریعہ اور واسطہ بنایا۔ یہ خیال کرنا اللہ تعالیٰ کے منعم حقیقی ہونے کے منافی نہیں ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ۔
(ترمذی۔ ابو سعید' ابو داؤد' ابن حبان۔ ابو ہریرہؓ)
جو شخص لوگوں کا شکر نہیں کرے گا وہ اللہ کا بھی شکر نہیں کرے گا۔

اللہ تعالیٰ نے بہت سی جگہوں پر بندے کی اس کے نیک اعمال کے لیے تعریف فرمائی ہے' حالانکہ بندوں کے اعمال کا خالق' اور ان اعمال پر بندوں کو قدرت بخشنے والا خداوند قدوس ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے :۔

نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗ اَوَّابٌ۔
(پ ۲۳ ر ۱۲ آیت ۳۰)
(ایوب) اچھے بندے تھے کہ بہت رجوع ہوتے تھے۔

اس کے علاوہ بھی بہت سی آیات ہیں۔

لینے والے کو چاہیے کہ وہ دینے والے کے حق میں یہ دعا کرے "پاک لوگ کے دلوں کے ساتھ' اللہ تیرے دل کو پاک کرے' نیک لوگوں کے علم کے ساتھ اللہ تیرے علم کو درست فرمائے' اور شہداء کی روحوں کے ساتھ تیری روح پر رحمت نازل فرمائے"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :۔

من اسدی الیکم معروفا فکافئوہ فان لم تستطیعوا فادعوا لہ حتٰی تعلموا انکم قد کافاتموہ۔

(ابو داؤد' نسائی۔ ابن عمرؓ)

جو شخص تمہارے ساتھ بھلائی کرے تم اس کا بدلہ چکاؤ' اگر تم سے یہ نہ ہو سکے تو اس کے لیے دعا مانگو' یہاں تک کہ تم کو مکافات کا یقین ہو جائے۔

شکر میں یہ بات شامل ہے کہ اگر عطیے میں کوئی عیب ہو تو اسے چھپائے' اس کی تحقیر نہ کرے' نہ عیب لگائے' اور اگر کوئی شخص کچھ نہ دے تو اسے نہ دینے کا عیب نہ لگائے۔ اور اگر کوئی دے تو اسے اپنے دل میں بھی بڑا سمجھے' اور دوسروں کے سامنے بھی یہی ظاہر کرے' اس سلسلے میں قاعدہ یہ ہے کہ دینے والا اپنے عطیے کو حقیر اور معمولی سمجھے' اور لینے والا بڑا سمجھے' اور دینے والے کا ممنون احسان ہو۔ ہر شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے متعلقہ فرائض ادا کرے۔ اس میں کوئی تضاد بھی نہیں ہے کہ ایک ہی چیز معمولی اور حقیر بھی ہو اور بڑی اور عظیم الشان بھی' اس لیے کہ ہر ایک کے اسباب الگ الگ ہیں' دینے والے کے لئے مفید یہی ہے کہ وہ حقیر سمجھنے کے اسباب پر نظر رکھے' اور لینے والے کے حق میں مفید یہ ہے کہ وہ بڑا سمجھنے کے اسباب پر توجہ دے۔ اس طرح سمجھنے سے خدا تعالیٰ کے منعم حقیقی ہونے کی نفی بھی نہیں ہوتی۔ بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ جو شخص درمیانی واسطے کو نہ سمجھے وہ جاہل ہے' اور جو واسطے ہی کو اصل سمجھے وہ بھی جاہل ہے۔

تیسرا ادب : یہ ہے کہ جو مال لینا چاہے اس میں حلال و حرام ضرور پیش نظر رکھے' اگر وہ حرام ہے تو اس سے اجتناب کرے' اس لیے کہ :-

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَّهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔
(پ ۲۸ ر ۱۷ آیت ۲)

اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے (مضرتوں سے) نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔

ایسا نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص حرام مال سے بچے گا تو اسے حلال رزق حاصل نہیں ہو گا' بلکہ رزق کا وعدہ تو اللہ نے کیا ہے' وہ پہنچائے گا۔ اس لیے ترکوں' فوجیوں اور سرکاری ملازمین کا مال نہ لے' اور نہ ان لوگوں کا مال لے جن کی کمائی عموماً" حرام ہوتی ہے۔ ہاں اگر کسی پر وقت تنگ ہو جائے اور وہ یہ نہ جانتا ہو کہ جو مال اسے دیا جا رہا ہے وہ کسی متعین مالک کا ہے تو بقدر ضرورت لینے پر اکتفا کرے۔ شریعت کا فتویٰ ایسے مواقع کے لیے یہی ہے کہ اس طرح کا مال بھی صدقہ کیا جائے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ جب حلال مال سے عاجز ہو۔ اگر کسی نے اس طرح کا مال لے لیا تو وہ زکوٰۃ لینے والا نہیں ہو گا۔ اس لیے کہ حرام پیسے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔

چوتھا ادب : یہ ہے کہ مال کی جو مقدار بھی لے وہ مشتبہ و مشکوک نہیں ہونی چاہیے' مشتبہ و مشکوک مال سے احتراز کرے' اور صرف جائز مقدار حاصل کرنے پر اکتفا کرے' اور اس وقت تک کوئی چیز قبول نہ کرے جب تک لینے کا استحقاق ثابت نہ ہو جائے۔ اگر مکاتب ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ لے رہا ہے تو صرف اتنی رقم وصول کرے جس سے بدل کتابت ادا ہو جائے۔ اگر قرض کی وجہ سے زکوٰۃ لے تو صرف اتنی لے جس سے قرض ادا ہو سکے' عامل ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ لے تو اجرت مثل سے زیادہ نہ لے۔ بلکہ اگر زیادہ دے تو نہ لے' انکار کر دے۔ کیونکہ وہ مال دینے والے کا نہیں ہے۔ اگر حالت مسافرت میں زکوٰۃ کی ضرورت پیش آ جائے تو صرف اس قدر رقم لے جو زادراہ' اور سواری کے کرائے کے لیے کافی ہو۔ اگر غازی ہے اور سامان جہاد کے لیے پیسے کی ضرورت ہے تو صرف اتنی رقم لے جس سے جہاد کا سامان خرید سکے' اور زمانۂ جہاد میں اخراجات کے لیے کافی ہو۔ یہ اندازہ کرنا کہ کس سلسلے میں کتنی رقم کی ضرورت ہے لینے والے کے اجتہاد پر موقوف ہے۔ یہی حال مسافر کے زادراہ کا ہے تقویٰ یہ ہے کہ شبہات چھوڑ کر یقینیات اختیار کرے۔ اگر مسکین ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ لے تو پہلے اپنے گھر کے سامان' کپڑوں اور کتابوں کا جائزہ لے اور یہ دیکھ

لے کہ ان میں کوئی چیز ضرورت سے زائد تو نہیں ہے۔ یا کوئی نفیس شے ایسی نہیں ہے کہ اسے فروخت کرکے معمولی خریدی جا سکی اور وہ متعلقہ ضرورت کے لیے کافی ہو' اور کچھ رقم بچ جائے۔ یہ بھی فقیر کے اجتہاد پر موقوف ہے۔ اصل میں یہاں دو پہلو ہیں' ایک پہلو سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ وہ اس رقم کا مستحق ہے' اور دوسرے پہلو سے یہ سمجھ میں آتا ہے وہ اس رقم کا مستحق نہیں ہے۔ درمیان میں بہت سے مشتبہ درجات ہیں۔ کنویں میں جھانکنے والا اس میں گر بھی سکتا ہے۔ اس معاملے میں صرف لینے والے کا قول معتبر ہوتا ہے۔

لوگ اپنی ضرورتوں کا اندازہ کرنے میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ تنگی اور وسعت کے بے شمار مقامات ہیں' متقی پرہیزگار آدمی اپنی ضرورتوں کا اندازہ تنگی سے کرتا ہے' اور سہل نگار شخص وسعت اور فراخی سے۔ یہ شخص اپنے نفس کے لیے بہت سی غیر ضروری چیزیں ضروری سمجھتا ہے۔ ایسا شخص شریعت میں پسندیدہ نہیں ہے۔ جب ضرورت ثابت ہو جائے تو ضرورت سے زیادہ مال لینے کی قطعاً" کوشش نہ کی جائے' بلکہ اتنا مال لیا جائے جو لینے والے کے لیے اس وقت سے سال کے ختم تک کافی ہو۔ یہ انتہائی مدت ہے۔ کیونکہ نئے سال سے آمدنی کے اسباب بھی نئے ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے گھر والوں کے لیے سال بھر کی غذا جمع فرمائی ہے۔ (۱) اس لیے یہاں بھی فقراء و مساکین کے لیے سال بھر کی تحدید ہونی چاہیے۔ اگر ایک ہفتہ یا ایک دن کی ضرورت کے بقدر لے جائے تو یہ تقویٰ سے قریب تر ہے۔

اس سلسلے میں علماء کا اختلاف ہے کہ لینے والے کو زکوٰۃ و صدقات کی کتنی مقدار لینے چاہیئے۔ بعض حضرات نے کمی کے سلسلے میں اتنا مبالغہ کیا ہے کہ ایک دن کی ضرورت سے زیادہ لینے کی اجازت نہیں دی اور اپنی رائے کی صحت پر اس روایت سے استدلال کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غنی ہونے کی صورت میں مانگنے سے منع فرمایا' صحابہ نے عرض کیا مالداری کیا ہے؟ فرمایا: صبح و شام کا کھانا کسی کے پاس ہو' یہ مالداری ہے۔ (۲)

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس مقدار تک لے جس کے مالک پر مالداری کا اطلاق ہوتا ہے' یہ مقدار نصاب زکوٰۃ ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ اللہ نے مالداروں پر فرض کی ہے' غریبوں پر نہیں ہے' معلوم ہوا جو شخص بھی صاحب نصاب ہے' وہ مالدار ہے۔ ان حضرات نے یہاں تک اجازت دی کہ وہ اپنے لیے اور اپنے خاندان کے ہر شخص کے لیے نصاب زکوٰۃ کی مقدار تک مال لے سکتا ہے۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ مال داری کی حد پچاس درہم یا پچاس درہم کی قیمت کے برابر سونا ہے' جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی ایک روایت میں ہے:-

من سال وله مال يغنيه جاء يوم القيامة وفي وجهه خموش' قيل وما غناه؟ قال خمسون درهما او قيمتها من الذهب۔
(اصحاب سنن)

جو شخص اس حال میں سوال کرے کہ اس کے پاس بقدر کفایت مال ہو تو وہ شخص قیامت کے روز اس حالت میں آئے گا اس کے چہرے پر کھسوٹ کے نشانات ہوں گے' عرض کیا گیا: بقدر کفایت مال کتنا ہے؟ فرمایا: پچاس درہم یا اس کی قیمت کے برابر سونا۔

کہتے ہیں کہ اس حدیث کا ایک راوی قوی نہیں ہے۔ (۳) بعض حضرات نے پچاس درہم کے بجائے چالیس درہم مقدار غنی متعین کی ہے' جیسا کہ عطاء ابن یسار کی ایک منقطع روایت ہے:-

---

(۱) (بخاری و مسلم۔ ابن عمرؓ طبرانی۔ انسؓ۔) (۲) (ابو داؤد' ابن حبان' سہل ابن حنظلیہ۔) (۳) (اس حدیث کو ترمذی نے حسن اور نسائی و خطابی نے ضعیف کہا ہے۔)

من سال و له اوقیة فقد الحف فی السوال۔

جو شخص ایک اوقیہ (چالیس درہم) رکھنے کے باوجود سوال کرے گا گویا اس نے سوال میں اصرار کیا۔ (۱)

بعض دوسرے علماء نے اس سلسلے میں وسعت اختیار فرمائی اور اس حد تک زکوٰۃ وصول کرنے کی اجازت دی جس سے زمین خریدی جاسکے' اور تمام عمر کے لیے بے فکری حاصل ہو جائے' یا اس رقم سے مال خرید کر تجارت کرے اور اس طرح عمر بھر کے لیے بے فکر ہو جائے۔ کیونکہ اصل غنی یہی ہے۔ حضرت عمرؓ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جب تم کچھ دو تو غنی بنادو۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص غریب ہو جائے تو اسے اتنی رقم لینے کی اجازت ہے جس سے وہ اپنی سابقہ حالت پر واپس آسکے چاہے اس مقصد کے لیے اسے دس ہزار درہم لینے پڑیں ہاں اگر وہ غریب اعتدال سے کام نہ لیتا ہو تو اسے اس کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ حضرت ابو طلحہؓ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے' کھجوروں کے خوشے دیکھ کر نماز میں خلل واقع ہوا' اور دھیان بٹ گیا' اسی وقت پورا باغ اللہ کی راہ میں صدقہ کردیا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ باغ اپنے رشتہ داروں کو صدقے میں دے دو' یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہوگا۔ ابو طلحہؓ نے حسب الحکم یہ باغ حسانؓ اور ابو قتادہؓ کو صدقہ کردیا۔ یہ باغ دونوں شخصوں کے غنا کے لیے بہت کافی تھا۔ (۲) حضرت عمرؓ نے ایک اعرابی کو ایک اونٹنی اس کی ماں کے ساتھ دی تھی۔

بہرحال یہ دو نقطۂ نظر ہیں۔ جہاں تک ایک دن کی غذا یا چالیس درہم کے بقدر لینے کا سوال ہے تو اس کا تعلق زکوٰۃ کے باب سے نہیں ہے' بلکہ اس کا تعلق مانگنے سے ہے۔ یعنی اگر کسی کے پاس اتنی مقدار میں مال موجود ہو تو اس کے لیے سوال کرنا' اور در در پھرنا ٹھیک نہیں ہے' اسی طرح یہ تجویز بھی اسراف اور فضول خرچی سے خالی نہیں ہے کہ اس حد تک زکوٰۃ لی جائے جس سے زمین خرید کر عمر بھر کے لیے مالدار بنا جاسکے' ہمارے نزدیک اعتدال سے قریب تر بات یہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقم اتنی مقدار میں لیجاسکتی ہے جو ایک سال کے لیے کافی ہو۔ اس سے زیادہ میں خطر ہے۔ اور کم میں تنگی کا اندیشہ ہے۔ کیونکہ اس سلسلے میں ہر شخص کے حالات جداگانہ ہیں۔ اس لیے شریعت نے کوئی قطعی حکم نہیں لگایا' بلکہ اس کا حق مجتہد کو حاصل ہے کہ جو مناسب سمجھے وہ حکم دے۔ مجتہد کے حکم کے بعد پرہیزگار مومن سے کہہ دیا جائے کہ اگرچہ لوگ تمہیں فتوے دے رہے ہیں مگر اپنے دل سے بھی فتویٰ حاصل کرلو' جیسا کہ حدیث کی کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے۔ (۳) دل سے فتویٰ لینے میں حکمت یہ ہے کہ دل میں گناہ کانٹے کی طرح چبھتے ہیں' اگر لینے والا مال لے کر اپنے دل میں کوئی چبھن یا خلش محسوس کرے تو اسے اللہ سے ڈرنا چاہیے۔ فتویٰ کے بنیاد پر نفس کو اس کی اجازت نہ دینی چاہیے کہ وہ مال لے لے۔ اس لیے کہ علماء ظاہر کے فتاویٰ دل کی ضرورتوں کا لحاظ نہیں رکھتے' ان کی بنیاد اندازوں پر رکھی جاتی ہے۔ شبہات کو اہمیت نہیں دی جاتی۔ جب کہ اہل وطن اور راہ آخرت کے سالکین کا شیوہ یہ ہونا چاہیے کہ وہ شبہات سے بھی بچیں۔

پانچواں ادب : یہ ہے کہ لینے والا صاحب مال سے یہ دریافت کرے کہ اس پر کتنی زکوٰۃ واجب ہے؟ اگر اسے دی گئی رقم واجب زکوٰۃ کے آٹھویں حصہ سے زیادہ ہو تو اس میں سے کچھ نہ لے' کیونکہ آٹھویں مصرف کی حیثیت سے وہ اور اسکا شریک (جس کا تعلق اسی مصرف سے ہو) صرف آٹھویں حصہ کے مستحق ہیں۔ (۴) یہ پوچھنا ہر لینے والے پر واجب ہے' کیونکہ عام طور پر

---

(۱) عطاء ابن یسار کی روایت ابوداؤد اور نسائی میں بنی اسد سے مروی ہے' غزالی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ یہ حدیث منقطع ہے۔ (۲) یہ حدیث کتاب الصلاۃ میں گزر چکی ہے۔ (۳) یہ روایت کتاب العلم میں گزری ہے۔ حدیث کے الفاظ ہیں : استفت قلبک وان افتوک مترجم عرض کرتا ہے کہ اس عبارت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ علماء کا فتویٰ کچھ بھی ہو' دل کے فتویٰ پر عمل کیا جائے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ علماء کے فتویٰ پر عمل کرنے سے پہلے اپنے دل سے بھی پوچھ لو' شاید وہ علماء کے فتویٰ پر عمل کرنے میں بھی احتیاط کرے اور تقویٰ کی راہ اختیار کرے۔ (۴) یہاں احناف کے مسلک کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے یہ مسئلہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے۔ مترجم۔

جہالت، سستی یا کسی اور وجہ سے اس تقسیم کی رعایت نہیں کی جاتی تھی اگر گمان غالب یہ ہے کہ دینے والے نے اس کی رعایت کی ہوگی تو پھر پوچھنا واجب نہیں رہ جاتا۔ حلال و حرام کے باب میں ہم اشکالات اور سوالات کے مواقع بیان کریں گے۔

چوتھا باب

نفلی صدقات۔ فضائل و آداب

نفلی صدقات کی فضیلت : اس سلسلے کی احادیث یہ ہیں۔

۱۔ تصدقوا ولو بتمرة فانها تسد من الجائع وتطفئ الخطيئة كما يطفئ الماء النار۔

(ابن مبارک۔ عکرمہ۔ مرسلاً)

صدقہ کرو، چاہے ایک کھجور ہی کا صدقہ ہو، اس لیے کہ وہ بھوکے کا پیٹ بھرتی ہے اور گناہ (کی آگ) کو اس طرح بجھاتی ہے کہ جس طرح پانی آگ کو بجھاتا ہے (۱)

۲۔ اتقوا النار ولو بشق تمر فان لم تجدوا فبكلمة طيبة۔

(بخاری و مسلم۔ عدی ابن حاتم)

آگ سے بچو، اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا دے کر آگ سے بچا جائے۔ اگر کھجور کا ٹکڑا بھی میسر نہ ہو تو کوئی کلمہ خیر ہی کہہ کر آگ سے بچو۔

۳۔ ما من عبد يتصدق بصدقة من كسب طيب ولا يقبل الله الا طيبا الا كان الله آخذها بيمينه فيربيها كما يربي احدكم فصيله حتى تبلغ الثمرة مثل احد۔

(ابن ماجہ۔ ابو ہریرہ۔ بخاری تعلیقاً۔ ترمذی، نسائی)

کوئی بندہ ایسا نہیں جو پاک آمدنی سے کچھ صدقہ کرے اور اللہ تعالیٰ پاک ہی چیز قبول کرتا ہے۔ مگر اللہ اسے اپنے دائیں ہاتھ سے پکڑتا ہے، پھر اسے اس طرح پرورش کرتا ہے جس طرح تم بچوں کی پرورش کرتے ہو، یہاں تک کہ کھجور احد کے برابر ہو جاتی ہے۔

۴۔ قال صلی اللہ علیہ وسلم لابی الدرداء اذا طبخت مرقة فاكثر ماءها ثم انظر الى اهل بيت من جيرانك فاصبهم منه بمعروف۔

(مسلم۔ ابوذر)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالدرداء سے فرمایا کہ جب تم شوربہ پکاؤ تو اس کا پانی زیادہ کر دو، پھر اپنے پڑوسیوں کو دیکھو اور اس میں سے کچھ انہیں دو۔ (۲)

۵۔ ما احسن عبد الصدقة الا احسن الله عز وجل الخلافة على تركته۔

(ابن المبارک۔ مرسلاً)

---

(۱) (یہ روایت مسند احمد میں حضرت عائشہ سے مرفوعاً، ابو یعلیٰ اور بزار میں ابو بکر سے ضعیف سند کے ساتھ، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں معاذ سے مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے) (۲) (مسلم کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر سے خطاب کیا تھا نہ کہ ابوالدرداء سے۔)

جو شخص اچھا صدقہ دیتا ہے' اللہ تعالیٰ بھی اس کے ترکے پر اچھا جانشین بناتا ہے۔

۶۔ کل امری فی ظل صدقتہ حتی یقضی بین الناس۔

(ابن حبان حاکم۔ عقبہ ابن عامرؓ)

ہر شخص اپنے صدقے کے سائے میں رہے گا یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان (آخری) فیصلہ کردیا جائے۔

۷۔ الصدقة تسد سبعین بابا من الشر۔

(ابن المبارک۔ انسؓ)

صدقہ شر کے ستر دروازے بند کردیتا ہے۔

۸۔ صدقة السر تطفی غضب الرب۔

چھپا کردیا ہوا صدقہ اللہ تعالیٰ کے غصے کو ٹھنڈا کردیتا ہے۔ (۱)

۹۔ ماالذی اعطی من سعتہ بافضل اجرا من الذی یقبل من حاجتہ۔

(ابن حبان فی الضعفاء' طبرانی فی الاوسط۔ انسؓ)

جو شخص وسعت کی وجہ سے دیتا ہے وہ اجر و ثواب میں اس سے افضل نہیں ہے جو ضرورت کی بنا پر قبول کرتا ہے۔

اس حدیث کا مقصد غالباً" یہ ہے کہ جو شخص مال لے کر اپنی ضروریات محض اس وجہ سے پوری کرے تاکہ دین کے لیے فارغ البالی نصیب ہو وہ اجر و ثواب میں اس شخص کے برابر ہے جو اپنے دین کے لیے داد و دہش کرے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی شخص نے یہ دریافت کیا کہ کونسا صدقہ افضل ہے' آپ نے ارشاد فرمایا:۔

۱۰۔ ان تصدق وانت صحیح شحیح تامل البقاء' وتخشی الفاقة' ولا تمہل حتی اذا بلغت الحلقوم قلت لفلان کذا ولفلان کذا وقد کان لفلان۔

(بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہؓ)

افضل صدقہ یہ ہے کہ تم اس حالت میں صدقہ کرو کہ تندرست ہو' اور مال کے سلسلے میں بخیل ہو' زندگی کے متمنی ہو' اور فاقے سے ڈرتے ہو' اس وقت تک صدقہ میں تاخیر نہ کرو جب جان نرخرے میں آجائے' اور پھر یہ کہو کہ اتنا مال فلاں کو دے دیا جائے اور اتنا مال فلاں کو دے دیا جائے جب کہ وہ دوسروں کا ہوچکا ہو۔

ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے ارشاد فرمایا:۔

۱۱۔ تصدقوا' فقال رجل: ان عندی دینارا فقال: انفقہ علی نفسک' فقال: ان عندی آخر' قال انفقہ علی زوجتک' قال: ان عندی آخر' قال انفقہ علی ولدک' قال: ان عندی آخر قال انفقہ علی خادمک' قال: ان عندی آخر' قال صلی اللہ علیہ وسلم انت ابصر بہ۔

(ابوداؤد' نسائی۔ ابو ہریرہؓ)

صدقہ کرو' ایک شخص نے عرض کیا کہ میرے پاس ایک دینار ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: وہ دینار اپنی ذات پر خرچ کرو' عرض کیا: میرے پاس ایک اور ہے؟ فرمایا: اسے اپنی بیوی پر خرچ کرو' عرض کیا: میرے پاس ایک

---

(۱) یہ حدیث کتاب الزکوٰۃ کے دوسرے باب میں گذر چکی ہے۔

اور ہے؟ فرمایا: اسے اپنے بچوں پر خرچ کرو۔ عرض کیا: میرے پاس ایک اور ہے؟ فرمایا: اسے اپنے خادم پر خرچ کرو۔ عرض کیا: میرے پاس ایک اور ہے؟ فرمایا: تمہاری نظر اس سلسلے میں زیادہ ہے (یعنی جہاں موقع دیکھو وہاں یہ دینار خرچ کرو)۔

۱۲۔ لا یحل الصدقة لآل محمد انما هی اوساخ الناس

(مسلم۔ المطلب بن ربیعہ)

آل محمد کے لیے صدقہ حلال نہیں ہے کہ وہ لوگوں کا میل ہے۔

۱۳۔ ردوا مذمة السائل ولو بمثل راس الطائر من الطعام۔

(عقیلی فی الضعفاء۔ عائشہؓ)

سائل کا حق ادا کرو اگرچہ پرندے کے سر کے برابر کھانے کے ذریعہ ہو۔

لو صدق السائل ما افلح من رده۔

(ابن عبد البر فی التمہید۔ عائشہؓ)

اگر سائل سچا ہے تو اسے محروم رکھنے والا فلاح یاب نہیں ہوگا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص مانگنے والے کو اپنے گھر سے محروم واپس کردیتا ہے فرشتے اس کے گھر میں سات دن تک نہیں آتے۔

۱۵۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو کام کسی سے نہیں لیا کرتے تھے بلکہ خود کیا کرتے تھے ایک یہ کہ رات کو وضو کے لیے پانی خود رکھتے اور اسے ڈھانپ دیتے، دوسرے یہ کہ مسکین کو اپنے دست مبارک سے عطا فرماتے۔ (دار قطنی۔ ابن عباسؓ۔ سند ضعیف)

۱۶۔ قال صلی اللہ علیہ وسلم: لیس المسکین الذی ترده التمرة والتمرتان واللقمة واللقمتان انما المسکین المتعفف اقروا ان شئتم لا یسئالون الناس الحافا۔

(بخاری و مسلم۔ عائشہؓ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسکین وہ نہیں ہے جسے ایک کھجور یا دو کھجور ایک لقمہ یا دو لقمہ ہٹا دیں بلکہ مسکین وہ ہے جو سوال نہ کرے اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو یعنی وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے۔

۱۷۔ ما من مسلم یکسو مسلما الا کان فی حفظ اللہ عزوجل ما دامت علیہ منہ رقعة۔

(ترمذی، حاکم۔ ابن عباسؓ)

کوئی مسلمان شخص اگر کسی مسلمان کو کپڑا پہناتا ہے تو وہ شخص اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہتا ہے جب تک کہ مسلمان بھائی کے جسم پر اس کپڑے کا پیوند رہتا ہے۔

اس سلسلے میں آثار یہ ہیں:

عروہ ابن الزبیرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے پچاس ہزار (درہم یا دینار) خیرات کیے لیکن ان کپڑوں میں پیوند ہی لگا رہا۔ قرآن پاک میں ہے:

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا۔

(پ ۲۹ ر ۱۹ آیت ۸)

اور کھانا کھلاتے ہیں اس کی محبت کے باوجود مسکین، یتیم اور قیدی کو۔

حضرت مجاہدؒ نے علی حبه کی تفسیر یشتهونه (اس کی خواہش رکھتے ہیں) سے کی ہے۔ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے: اے اللہ! مال اور مالداری ہم میں سے بہتر لوگوں کو عطا کر تاکہ وہ تیری دی ہوئی نعمت ضرور تمندوں تک پہنچادیں۔ حضرت عمر ابن عبد العزیزؒ فرماتے ہیں کہ نماز تمہیں آدھے راستے تک پہنچاتی ہے، روزہ تمہیں بادشاہ کے دروازے تک پہنچا دیتا ہے اور صدقہ تمہیں بادشاہ کے سامنے لے جاتا ہے۔ ابن ابی الجعد فرماتے ہیں کہ صدقے سے برائی کے ستّر دروازے بند ہوتے ہیں، چھپا کر صدقہ دینا علی الاعلان صدقہ دینے سے ستّر گنا افضل ہے۔ صدقہ ستّر شیطانوں کے جبڑے توڑ دیتا ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے ستّر سال تک عبادت کی۔ ستّر سال کے بعد اس سے ایک گناہ سرزد ہوگیا، اس گناہ کی سزا یہ ملی کہ اس کے تمام اعمال بیکار ہوگئے، پھر اسے ایک مسکین ملا، جسے اس نے ایک روٹی دے دی، اس صدقے کی وجہ سے وہ گناہ معاف ہوگیا، اور اس کی ستّر سال کی عبادت بحال کردی گئی۔ حضرت لقمان علیہ السلام اپنے

صاحب زادے کو نصیحت کیا کرتے تھے کہ جب تم سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو صدقہ دے دیا کرو۔ یحییٰ ابن معاذ فرماتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ صدقے کے علاوہ بھی کوئی ایسا دانہ ہے جو دنیا کے تمام پہاڑوں کے برابر ہو۔ عبدالعزیز ابن ابی رواد فرماتے ہیں کہ تین چیزیں جنت کے خزانوں میں سے بتلائی جاتی ہیں: (۱) مرض کا چھپانا (۲) صدقے کا چھپانا (۳) مصائب کا چھپانا۔ یہ روایت مسند بھی ہے۔ حضرت عمر ابن الخطابؓ فرماتے ہیں کہ اعمال نے آپس میں فخر کیا، صدقے نے کہا کہ میں تم سب سے افضل عمل ہوں، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ شکر خیرات کیا کرتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے کہ قرآن پاک میں ہے:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔ (پ ۴ ر ۱ آیت ۹۲)

نیکی کی حد کو نہیں پہنچو گے جب تک وہ خرچ نہ کرو جو تمہیں محبوب ہے۔

اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ مجھے شکر زیادہ پسند ہے۔ نخعیؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے لیے دی جائے تو مجھے یہ بات اچھی نہیں معلوم ہوتی کہ وہ عیب دار ہو۔ عبید ابن عمیرؒ کہتے ہیں کہ قیامت کے روز لوگ اور دنوں سے زیادہ بھوکے پیاسے اور ننگے اٹھیں گے، پس جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے لیے کھانا کھلایا ہو گا اللہ اسے پیٹ بھر کھانا کھلائیں گے۔ جس شخص نے اللہ کے لیے پانی پلایا ہو گا اللہ اسے سیراب کریں گے، جس شخص نے اللہ کے لیے کپڑا پہنایا ہو گا اللہ اسے کپڑے پہنائیں گے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم سب لوگوں کو مالدار بنا دیتا، اور تم میں کوئی فقیر نہ ہوتا۔ لیکن اس نے تم میں سے بعض لوگوں کا بعض دوسرے لوگوں سے امتحان لیا ہے۔ شعبیؒ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں ثواب کا اس قدر محتاج نہیں ہوں جس قدر فقیر میرے صدقے کا محتاج ہے تو اس کا صدقہ قبول نہیں ہو گا، بلکہ اس کے منہ پر دے مارا جائے گا۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مالدار شخص وہ پانی پی لے جو کسی نے صدقے کی نیت سے مسجد میں رکھا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لیے کہ اس نے پیاسوں کے لیے سبیل لگائی ہے، چاہے وہ پیاسے مالدار ہوں یا غریب و مسکین۔ روایت ہے کہ ایک دلال اپنی باندی کے ہمراہ حضرت حسن بصریؒ کے پاس سے گزرا، آپ نے اس سے دریافت کیا: تم اس باندی کو ایک یا دو درہم میں فروخت کر سکتے ہو، اس نے عرض کیا! نہیں! آپ نے فرمایا: جاؤ! اللہ تو اپنی جنت کی حوروں کے سلسلے میں ایک پیسے اور ایک لقمے پر راضی ہے۔

صدقات کا اظہار و اخفاء: راہ اخلاص کے طالبین اس سلسلے میں اختلاف رکھتے ہیں کہ صدقہ لینے میں اظہار افضل ہے یا اخفاء۔ بعض لوگ اخفاء کو افضل قرار دیتے ہیں۔ اور بعض دوسرے حضرات اظہار کی طرف مائل ہیں۔ ہم ذیل کی سطور میں اظہار و اخفاء کی معانی اور آفات کا ذکر کرتے ہیں پھر امر حق کی وضاحت کریں گے۔

اخفاء: زکوٰۃ و صدقات چھپا کر لینے میں پانچ فائدے ہیں۔

پہلا فائدہ: یہ ہے کہ اس طرح لینے میں لینے والے کا پردہ رہتا ہے، اگر علی الاعلان لے گا تو مروت و اشرافت پر ضرب پڑے گی، اور اس کا محتاج ہونا ظاہر ہو جائے گا۔ اور سوال نہ کرنے والوں میں اس کا شمار نہیں ہو گا۔ سوال کرنے کا پسندیدہ طریقہ یہ ہے کہ لوگ اسے غنی سمجھیں۔

دوسرا فائدہ: یہ ہے کہ اس طرح لینے سے لوگوں کے قلوب اور زبانیں محفوظ رہیں گی۔ مطلب یہ ہے کہ ظاہر کر کے لینے سے بعض لوگ حسد کرتے ہیں، اور دل ہی دل میں جلتے ہیں۔ بعض لوگ لینے والے پر نکیر بھی کرتے ہیں کہ بلا ضرورت زکوٰۃ لے لی یا ضرورت سے زیادہ لے لی۔ غیبت، بدگمانی اور حسد کبیرہ گناہوں میں شمار ہوتے ہیں، لوگوں کو ان گناہوں سے محفوظ رکھنا بھی بہت ضروری ہے۔ چنانچہ حضرت ایوب سختیانیؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نئے کپڑے اس لیے نہیں پہنتا کہ میرے پڑوسیوں کے

دلوں میں جذبۂ حسد پیدا نہ ہو جائے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں اچھی چیزیں محض اسی لیے استعمال نہیں کرتا کہ میرے بھائی یہ نہ کہنے لگیں کہ یہ چیزیں ان کے پاس کہاں سے آئی ہیں۔ ابراہیم نخعیؒ نے ایک روز نئی قمیض زیب تن کی' ان کے کسی بھائی نے دریافت کیا کہ یہ قمیض کہاں سے آئی ہے؟ فرمایا کہ یہ قمیض مجھے میرے بھائی خیثمہ نے پہنائی ہے۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ ان کے بھائی یہ بات جان گئے ہیں تو میں ہرگز قبول نہ کرتا۔

تیسرا فائدہ : یہ ہے کہ اس طرح دینے والے کی خفیہ اعمال پر اعانت ہوتی ہے' اس لیے کہ دینے میں اظہار سے زیادہ اخفاء کا ثواب ہے' کسی نیک کام کی تکمیل پر اعانت کرنا بھی نیکی میں داخل ہے۔ یہ اخفاء اسی وقت ممکن ہے جب کہ دونوں فریق (لینے والا اور دینے والا) اس کے لیے آمادہ ہوں۔ اگر لینے والا حال ظاہر کردے تو دینے والے کا معاملہ مخفی نہیں رہ سکتا۔ کسی شخص نے ایک عالم کی خدمت میں لوگوں کے سامنے کوئی چیز پیش کی' عالم نے لینے سے انکار کردیا۔ کسی دوسرے شخص نے چھپا کر کوئی چیز پیش خدمت کی' آپ نے قبول کرلی' لوگوں نے عرض کیا: اس فرق کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا: دوسرے شخص نے چھپا کر دینے میں صدقات کے آداب کا خیال رکھا' اس لیے میں نے بھی قبول کرلینا مناسب خیال کیا' پہلے شخص نے اپنے عمل میں سوء ادب کا معاملہ کیا' اس لیے میں نے اس کا صدقہ لینے سے انکار کردیا۔ کسی شخص نے ایک درویش کی خدمت میں کوئی چیز مجمع عام میں نذر کی' درویش نے لینے سے انکار کردیا' اس شخص نے کہا: اللہ کی دی ہوئی نعمت کو کیوں ٹھکراتے ہو' درویش نے کہا کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کے لیے تھی اس میں تو نے دوسرے کو شریک کرلیا' اور صرف خدا تعالیٰ کی نگاہ التفات پر اکتفا نہیں کی' میں نے تیرا شریک تجھے واپس کر دیا۔ ایک بزرگ نے مجمع عام میں دی ہوئی چیز نہیں لی' اور جب وہ چیز خفیہ طور پر دی گئی تو قبول کرلی' دینے والے کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ تو نے مجمع عام میں دے کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تھی' میں قبول کرکے اس معصیت پر تیرا معاون نہیں بننا چاہتا تھا' خفیہ طور پر دینے میں تو نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ہے' اس لیے میں نے بھی نیکی پر تیری معاونت ضروری سمجھی' ثوریؒ فرماتے ہیں کہ اگر مجھے یہ معلوم ہو کہ فلاں شخص اپنے صدقات کا اظہار نہیں کرتا' لوگوں سے کہتا پھرتا ہے تو میں اس شخص کا صدقہ قبول کرلیتا ہوں۔

چوتھا فائدہ : یہ ہے کہ لینے والا ذلت و رسوائی سے محفوظ رہتا ہے' ظاہری طور پر لینے میں رسوائی اور ذلت ہے' مومن کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنی توہین کے درپے ہو' چنانچہ بعض علماء پوشیدہ صدقات قبول کرلیا کرتے تھے' اور ظاہر کرکے دیئے جانے والے صدقات قبول نہیں کرتے تھے' اور کہا کرتے تھے کہ اظہار میں علم اور علماء کی رسوائی ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ ہمارے اس عمل سے دنیاوی مال و دولت کو بلندی حاصل ہو' اور علم کے حصے میں رسوائی آئے۔

پانچواں فائدہ : یہ ہے کہ چھپا کر دینے میں شرکت کا شبہ بھی باقی نہیں رہتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

من اھدی لہ ھدیۃ وعندہ قوم فھم شرکاءہ فیھا۔
(عقیلی' ابن حبان فی الضعفاء۔ ابن عباسؓ)

جس شخص کے پاس کوئی ہدیہ آئے اور اس کے پاس کچھ لوگ ہوں تو وہ سب اس ہدیے میں شریک ہیں۔

ہدیہ میں خواہ سونا آجائے یا چاندی ہدیہ ہی رہے گا۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے:

افضل ما اھدی الرجل الی اخیہ ورقا او یطعمہ خبزا۔
(ابن عدی۔ ابن عمرؓ)

افضل ہدیہ جو آدمی اپنے بھائی کو دیتا ہے یا چاندی ہے یا اسے کھانا کھلاتا ہے۔ (۱)

اس حدیث میں چاندی کو بھی ہدیہ کہا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مجمع عام میں کسی ایک شخص کو دوسرے لوگوں کی رضا کے بغیر ہدیہ دینا مکروہ ہے' اور رضامندی کا حال یقینی نہیں ہوتا۔ اس لیے تنہائی میں ہی سلامتی ہے۔

اظہار : صدقات وہدایا کے اظہار میں چار فائدے ہیں۔

پہلا فائدہ : یہ ہے کہ لینے والے کا اخلاص اور صدق ظاہر ہوجاتا ہے' اور یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی حالت چھپا نہیں رہا ہے' بلکہ جیسا واقعہ ہے بیان کر رہا ہے' یہ نہیں ہے کہ حقیقت میں ضرورت مند ہے لیکن ظاہری نام و نمود کے لیے اظہار نہیں کرتا۔

دوسرا فائدہ : یہ ہے کہ جاہ و منزلت باقی نہیں رہتی' عبودیت' مسکنت' کبر و غرور سے برأت اور احتیاج کا اظہار ہوتا ہے' لوگوں کی نظروں میں نفس گر جاتا ہے۔ ایک بزرگ اپنے شاگرد کو نصیحت کر رہے تھے کہ جب تم کچھ لو تو ظاہر کر کے لو' جب تم ایسا کرو گے تم لوگ تمہارے ساتھ دو طرح کا معاملہ کریں گے یا تو تم ان کی نظروں سے گر جاؤ گے۔ اگر ایسا ہوا تو یہی اصل مقصود ہے۔ اس لیے کہ دین کی سلامتی کے لیے اس سے نافع تر علاج کوئی نہیں کہ نفس بے وقعت ہو جائے۔ یا ان کے دلوں میں تمہاری عظمت پیدا ہو جائے گی۔ کیونکہ تم نے اپنا حال ٹھیک ٹھیک بیان کر دیا ہے۔ اور یہی تمہارا بھائی چاہتا بھی ہے کہ اس کے دل میں تمہاری محبت پیدا ہو جائے۔ تمہاری محبت جس قدر زیادہ ہوگی' اسی قدر اس کے اجر و ثواب میں اضافہ ہوگا۔ اس صورت میں تمہیں بھی ثواب ملے گا۔ کیونکہ تم اس کے اجر کی زیادتی کے سبب بنے ہو۔

تیسرا فائدہ : یہ ہے کہ اس کا عقیدۂ توحید شرک سے محفوظ رہتا ہے' کیونکہ خدا شناس کی نظر ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر رہتی ہے۔ چاہے پوشیدہ ہو' یا ظاہر۔ دونوں حال اس کے حق میں برابر ہیں۔ حال کا مختلف ہونا توحید میں شرک کی حیثیت رکھتا ہے۔ بعض اکابر کا قول ہے کہ ہمارے نزدیک اس شخص کی کوئی اہمیت نہیں تھی جو پوشیدہ لے کر دعائیں دیتا ہو' اور علی الاعلان لینے میں توہین محسوس کرتا ہو۔ مخلوق کی طرف التفات کرنا حال کے لیے نقصان دہ ہے' چاہے وہ مخلوق سامنے موجود ہو' یا غائب ہو۔ بلکہ نظر ہر حال میں خدائے وحدہٗ لا شریک کی طرف رہنی چاہیے۔ روایت ہے کہ ایک بزرگ اپنے مریدین میں سے ایک کی طرف زیادہ مائل تھے۔ دوسرے مریدین کو یہ بات ناگوار گذرتی تھی' ایک دن بزرگ نے اس مرید کی وجہ ترجیح بیان کرنے کا ارادہ کیا۔ تمام مریدین کو ایک ایک مرغی دی اور یہ کہا کہ ہر شخص اپنی مرغی کسی ایسی جگہ ذبح کر کے لائے جہاں اسے کوئی دیکھ نہ رہا ہو۔ ہر شخص گیا' اور ذبح کر کے واپس آگیا۔ لیکن وہ مرید مرغی سمیت واپس آیا' اور عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسی جگہ نہیں ملی۔ جہاں کوئی موجود نہ ہو' اللہ ہر جگہ موجود ہے اور مجھے دیکھ رہا ہے۔ یہ جواب سن کر بزرگ نے اپنے دوسرے مریدین سے کہا کہ میں اسی وجہ سے اس شخص کو تم سب لوگوں پر ترجیح دیتا ہوں' یہ شخص اللہ کے علاوہ کسی طرف التفات نہیں کرتا۔

چوتھا فائدہ : یہ ہے کہ اظہار سے شکر کی سنت ادا ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں ہے :-

وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔

(پ ۳۰ ر ۱۸ آیت ۱۱)

---

(۱) ابن عدی کی یہ روایت ضعیف کی گئی ہے۔ البتہ اسی مضمون کی دوسری روایت احمد' ترمذی میں موجود ہے۔

اور اپنے رب کے انعامات کا تذکرہ کرتے رہیے۔

نعمتوں کا چھپانا خدا تعالیٰ کی ناشکری کے مترادف ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو چھپاتے ہیں' اور ان کے اس عمل کو بخل قرار دیا ہے۔

الَّذِينَ يَبْخَلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ۔

(پ ۵ ر ۳ آیت ۳۷)

جو کہ بخل کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی بخل کی تعلیم دیتے ہیں' اور وہ اس چیز کو پوشیدہ رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں دی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :۔

اذا انعم اللہ علی عبد نعمۃ احب ان تری نعمۃ علیہ۔

(احمد۔ عمران ابن حصین۔ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ)۔

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو کوئی نعمت عطا فرماتے ہیں تو وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ وہ نعمت اس پر دیکھیں۔

کسی شخص نے ایک بزرگ کو کوئی چیز چھپا کر دینا چاہی۔ آپ نے اپنا ہاتھ اوپر کر لیا اور فرمایا کہ یہ دنیا کی چیز ہے اسے ظاہر کر کے دینا افضل ہے آخرت کے امور میں اخفاء افضل ہے۔ اسی لیے بعض بزرگان دین فرماتے ہیں کہ جب تمہیں کوئی چیز مجمع میں دی جائے تو اسے لے لو' اور تنہائی میں دی جائے اسے واپس کردو۔ روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس طرح کے معاملات میں شکریہ ادا کرنا پسندیدہ عمل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :۔

من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ۔

(ترمذی۔ ابو سعید الخدریؓ)

جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہیں کرے گا وہ اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کرے گا۔

شکر مکافات (بدلے) کے قائم مقام ہے حدیث شریف میں ہے :۔

من اسدی الیکم فاتنو علیہ بہ خیر او ادعو الہ حتّٰی تعلموا انکم قد کافاتموہ۔

جو شخص تم پر احسان کرے تم اس کا بدلہ چکادو اگر بدلہ نہ چکا سکو تو اس کی تعریف ہی کردو' اس کے لیے دعائے خیر مانگو' یہاں تک کہ تمہیں یقین ہو جائے کہ تم نے بدلہ چکا دیا۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی' اور مدینے کے مسلمانوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے ساتھ حسن سلوک کیا تو مہاجرین نے عرض کیا : یا رسول اللہ! ان لوگوں (انصار) سے اچھے لوگ ہم نے نہیں دیکھے۔ جب ہم یہاں آئے تو انہوں نے اپنا تمام مال ہمیں دے دیا' یہاں تک کہ ہمیں خوف ہوا کہ کہیں تمام اجر و ثواب ان ہی لوگوں کو نہ مل جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔

کل ما شکر تم لھم واثنیتم علیھم بہ فھو مکافاۃ۔

(ترمذی۔ انسؓ ابوداؤد' نسائی مختصر")

جو کچھ تم نے ان کا شکریہ ادا کیا' اور جو کچھ تم نے حسن سلوک پر ان کی تعریف کی وہ بدلہ ہو گیا۔

اس تفصیل کے بعد جاننا چاہیے کہ یہ اختلاف مسئلے کا اختلاف نہیں ہے بلکہ حال کا اختلاف ہے مطلب یہ ہے کہ ہم یقین کے ساتھ یہ حکم نہیں لگا سکتے کہ ہر حال میں اخفاء افضل ہے۔ یا یہ کہ ہر حال میں اظہار افضل ہے۔ بلکہ یہ اختلاف نیتوں کے

اختلاف سے پیدا ہوتا ہے' اور نیتوں کا اختلاف احوال اور اشخاص کے اختلاف پر مبنی ہے اس لیے مناسب یہ ہے کہ صاحب اخلاص ہمیشہ اپنے نفس کی نگرانی رکھے' تاکہ دھوکا نہ کھائے' اور شیطان کے دام فریب میں نہ آئے اگرچہ دونوں صورتوں میں فریب اور مکر کی گنجائش ہے' مگر اظہار کی بہ نسبت اخفاء میں شیطانی فریب کو زیادہ دخل ہے۔ انسان فطرتاً یہ بات پسند کرتا ہے کہ چھپا کر لے' کیونکہ اس میں عزت محفوظ رہتی ہے' لوگوں کی نگاہوں میں وقار بدستور باقی رہتا ہے' کوئی اسے مسکین نہیں سمجھتا' نہ اسے حقارت سے دیکھتا ہے' نہ دینے والے کو اسکا محسن اور منعم سمجھتا ہے۔ یہ ایک پوشیدہ مرض ہے جو نفس میں اپنا گھر بنائے ہوئے ہے' شیطان اس مرض کی مدد سے اخفاء کے فوائد بتلاتا ہے' اور وہ پانچ فوائد جو ہم نے ذکر کیے ہیں ان سے بھی استدلال کرتا ہے۔ اس سلسلے میں ہم ایک معیار بیان کرتے ہیں' اور وہ یہ ہے کہ خفیہ طور پر صدقہ لینے والا اگر اظہار سے اتنی ہی تکلیف محسوس کرے جتنی تکلیف وہ اس وقت محسوس کرتا ہے جب اپنے جیسے کسی شخص کا حال ظاہر ہو جائے تب تو صحیح ہے۔ اس لیے کہ اگر پوشیدہ طور پر صدقہ لینے کا مقصد یہ تھا کہ لوگ دیکھ کر غیبت اور حسد میں مبتلا نہ ہوں' بدگمانی کا شکار نہ ہوں' عیب جوئی نہ کریں۔ یا یہ مقصد تھا کہ خفیہ لینے والے کو اس کی مزید ترغیب ہو گی' یا اس طرح علم کا وقار ضائع نہیں ہو گا۔ تو یہ تمام مقاصد نہ صرف اپنے معاملے میں ملحوظ رہنے چاہئیں بلکہ اپنے دوسرے بھائی کے سلسلے میں بھی ان کی رعایت کرنی چاہیے۔ اگر اپنے حال کا ظاہر ہونا ناگوار ہو' اور دوسرے بھائی کے حال کا اظہار ناگوار نہ ہو' یا اپنے اظہار سے زیادہ تکلیف محسوس ہوتی ہے' اور اپنے بھائی کے اظہار سے زیادہ تکلیف نہ ہوتی ہو تو پھر چھپا کر صدقہ لینا شیطانی فریب اور دھوکے سے خالی نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ اگر علم کی تذلیل ممنوع ہے تو پھر اس میں کسی خاص شخص کی کیا تخصیص ہے' اس میں زید' عمرو' بکر سب برابر ہیں۔ غیبت اسی لیے ممنوع ہے کہ اس میں دوسرے کے عیوب بتلائے جاتے ہیں' پھر کیا وجہ ہے کہ زید کی غیبت جائز ہو اور بکر کی غیبت جائز نہ ہو۔ جو شخص یہ حقائق ذہن میں رکھے' شیطان ایسے شخص سے ہار جاتا ہے۔ اگر یہ حقائق ذہن میں نہ رہیں تو پھر یہ ہوتا ہے کہ عمل زیادہ کرے' اور ثواب کم پائے۔

اظہار کی طرف طبیعت اس لیے مائل ہوتی ہے کہ اس طرح دینے والا خوش ہوتا ہے' اور اسے زیادہ دینے پر تحریک ملتی ہے۔ اور لینے والے کی تعریف و توصیف سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ شخص احسان کا شکریہ ادا کرتا ہے' اس احساس کے بعد دینے والے مسکین کا زیادہ سے زیادہ احترام کرتے ہیں' اور اس کے حال کی جستجو میں دلچسپی لیتے ہیں۔ یہ بھی ایک ایسی بیماری ہے جو دل میں اپنا مسکن کیے ہوئے ہے' ورنہ اہل نظر شیطان کے ہر حربے کو بیکار بنا دیتے ہیں' البتہ وہ اپنی اس چال میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ دل کے اس خبث کو سنت کے روپ میں پیش کرتا ہے' اور یہ بتلاتا ہے کہ شکر ادا کرنا ایک مسنون عمل ہے اور چھپانا ریاکاری ہے۔ اس کے سامنے وہ فوائد پیش کرتا ہے جو ہم نے اظہار کی بحث میں بیان کیے ہیں۔ اس مرض کا معیار یہ ہے کہ دیکھ لے کہ اس کا نفس شکر کی طرف کیوں مائل ہے' اگر وہ اس صورت میں بھی شکر کی طرف مائل ہو جب مذکورہ فوائد حاصل نہ ہوتے ہوں' مثلاً" یہ کہ اس کے شکر کی خبر دینے والے کو نہ ہوتی ہو' نہ ان لوگوں کو ہوتی ہو جو دینے والے میں دلچسپی لیتے ہیں' یا وہ ایسے لوگ ہوں جو کھلے طور پر صدقہ دینے کو برا سمجھتے ہیں' اگر ان میں سے کوئی صورت ہو تب تو یقیناً" اس کا مقصد اظہار نعمت اور ادائے شکر ہے۔ ورنہ شیطان کا فریب اور مغالطہ انگیزی ہے۔

پھر اگر لینے والے کو یہ معلوم ہو جائے کہ وہ (لینے والا) اظہار کی طرف شکر کی سنت ادا کرنے کے لیے مائل ہے تو دینے والے کا حق بھی ادا کرے' یعنی یہ دیکھے کہ اگر دینے والا ان لوگوں میں سے ہے جو ادائے شکر اور اظہار نعمت کے متمنی ہیں تو اس کا صدقہ ظاہر نہ کرے' اور نہ اس کا شکریہ ادا کرے' کیونکہ اس کا حق اتنا ہی ہے کہ ظلم پر اس کی مدد نہ کی جائے۔ طلب شکر ایک ظلم ہے ظلم پر ظالم کی مدد کرنا صحیح نہیں ہے اور اگر وہ شخص ان لوگوں میں سے ہے جو شکر پسند نہیں کرتے اور صدقات سے ان کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ تعریف و توصیف کی جائے تو اس صورت میں دینے والے کا حق یہ ہے کہ اس کا شکریہ ادا کیا جائے اور صدقہ ظاہر کر دیا

جاسکے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کچھ لوگوں نے ایک شخص کی تعریف کی تو آپ نے ارشاد فرمایا:

ویحک قطعت عنق صاحبک واللہ لو سمعھا (۱) ما افلح ابدا۔

(بخاری و مسلم۔ ابو بکرہ)

کمبخت! تو نے اپنے ساتھی کی گردن ماردی، خدا کی قسم اگر اس نے یہ تعریف سن لی تو وہ فلاح یاب نہیں ہوگا۔

حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی تعریف ان کے منہ پر کیا کرتے تھے کیونکہ آپ کو یقین تھا کہ وہ لوگ اپنی تعریف سے غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوں گے، بلکہ انہیں نیک عمل کرنے کی مزید توفیق حاصل ہوگی۔ آپ نے ایک شخص کے متعلق ارشاد فرمایا:

انہ سید اھل الوبر۔

(ابن حبان، طبرانی۔ قیس ابن عاصم)

یہ شخص جنگل والوں کا سردار ہے۔

ایک اور شخص کے بارے میں ارشاد فرمایا:

اذا جاءکم کریم قوم فاکرموہ۔

(ابن ماجہ۔ ابن عمرؓ، ابو داؤد مرسلاً، حاکم)

جب کسی قوم کا سردار تمہارے پاس آئے تو اس کی تعظیم کرو۔

ایک شخص کی گفتگو سنی تو ارشاد فرمایا:

ان من البیان لسحرا۔

(بخاری۔ ابن عمرؓ)

بے شک بیان جادو بھی ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

اذا علم احدکم من اخیہ خیرا فلیخبرہ فانہ یزداد رغبۃ فی الخیر۔

(دار قطنی فی العلل۔ ابو ہریرہؓ)

جب تم میں سے کسی کو اپنے بھائی کے بارے میں کوئی اچھی بات معلوم ہو تو اسے اطلاع کر دو، اس لیے کہ وہ (یہ خبر سن کر) خیر کی طرف اور زیادہ راغب ہوگا۔

ایک حدیث میں ہے:

اذا مدح المومن ربا الایمان فی قلبہ۔

(طبرانی۔ ابو امامہؓ بسند ضعیف)

جب مومن کی تعریف کی جاتی ہے تو اس کے دل میں ایمان بڑھتا ہے۔

سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے نفس کی معرفت حاصل کرلے تو اس کے لیے لوگوں کی تعریف نقصان دہ نہیں ہوتی۔ حضرت سفیان ثوریؒ نے یوسف ابن اسباطؒ سے فرمایا کہ جب میں تمہیں کچھ دیتا ہوں تو مجھے بڑی خوشی محسوس ہوتی ہے، اور

---

(۱) واللہ لو سمعھا الخ کی زیادتی طبرانی کی روایت ہے۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اپنی نعمت نازل کی ہے چاہے تم شکر ادا کرو یا نہ کرو۔ جو شخص اپنے دل کی نگرانی چاہتا ہو تو اسے ان باریکیوں کا لحاظ رکھنا ہوگا۔ کیونکہ اگر عمل میں یہ تمام امور ملحوظ نہ رہیں تو وہ عمل شیطان کی خوشی کا باعث بن جاتا ہے۔ اس میں تعب زیادہ ہوتا ہے۔ اور ثواب کم ملتا ہے۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ ایک مسئلہ سیکھنا سال بھر کی عبادت سے افضل ہے۔ کیونکہ علم سے عمر بھر کی عبادت زندہ رہتی ہے' اور جہالت سے عمر بھر کی عبادت بیکار ہو جاتی ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مجمع عام میں لینا' اور تنہائی میں رد کر دینا ہی بہترین طریقہ ہے' اسی میں زیادہ سلامتی ہے۔ اس لیے یہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے' شیطان کی چکنی چپڑی باتوں میں آکر اس طریقے سے انحراف کرنا مناسب نہیں ہے' ہاں اگر کوئی شخص معرفت میں کامل ہو' ظاہر و باطن اس کے نزدیک یکساں ہوں تو پھر تنہائی میں لینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن ایسا شخص عنقا ہے' اس کا ذکر عام ہے' لیکن وجود معدوم ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے حسن توفیق اور مدد کی درخواست کرتے ہیں۔

صدقہ لینا افضل ہے یا زکوٰۃ افضل ہے؟ : ابراہیم خواص اور جنید بغدادیؒ وغیرہ حضرات یہ فرمایا کرتے تھے کہ صدقہ لینا افضل ہے' اس لیے کہ زکوٰۃ لینے سے دوسرے فقراء کے لیے تنگی پیدا ہوتی ہے۔ کبھی لینے والے میں استحقاق کی وہ شرائط بھی نہیں پائی جاتیں جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے اس لیے بھی زکوٰۃ لینے سے احتراز کرنا چاہیے۔ ہاں صدقات کے باب میں گنجائش ہے۔ بعض حضرات زکوٰۃ کو افضل قرار دیتے ہیں' ان کا کہنا یہ ہے کہ زکوٰۃ لینا چھوڑ دیں تو سب کے سب گنہگار ہوں گے۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ زکوٰۃ میں کسی کا کوئی احسان نہیں ہے' بلکہ یہ تو خدا تعالیٰ کا حق ہے جو مالدار بندہ اس کے مسکین بندوں کو رزق پہنچا کر ادا کرتا ہے۔

یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ زکوٰۃ ضرورت سے مجبور ہو کر لی جاتی ہے ہر شخص اپنی ضرورت کا صحیح علم رکھتا ہے' صدقات کی بنیاد محض دین پر ہے' عام طور پر آدمی اس کو صدقہ دیتا ہے جس میں خیر کی کوئی علامت دیکھتا ہے۔ ایک اور وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ لینے میں مساکین کی موافقت ہے' مساکین کی موافقت سے تواضع اور انکساری پیدا ہوتی ہے' صدقہ تو ہدیہ کے طور پر بھی لیا جاتا ہے' مگر زکوٰۃ میں لینے والے کی حاجات پیش نظر رہتی ہیں۔ اور اس کی مسکنت کا اظہار ہوتا ہے۔

یہ اختلاف بھی احوال و اشخاص کے اختلاف پر مبنی ہے۔ جس طرح کی حالت ہو' اور جو نیت ہو اس پر اعتبار کیا جائے۔ اگر کوئی شخص زکوٰۃ لینے کے سلسلے میں اپنے استحقاق کو مشتبہ سمجھتا ہے تو اسے زکوٰۃ نہیں لینی چاہیے۔ ہاں اگر اپنے استحقاق کا مکمل یقین ہو' تو زکوٰۃ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مثلاً "مقروض ہے' قرض کا روپیہ اس نے جائز و مستحسن کاموں میں خرچ کیا ہے' اور ادائیگی کی کوئی صورت نہیں ہے تو ایسے شخص کے لیے زکوٰۃ کی رقم لینے کی اجازت ہے' مستحق زکوٰۃ کو اگر زکوٰۃ اور صدقے میں اختیار دیا جائے تو اسے یہ دیکھنا چاہیے کہ مالک مال اس کے نہ لینے کی صورت میں بھی صدقہ دے گا یا نہیں۔ اگر یہ خیال ہے کہ اس کے نہ لینے کی صورت میں مالک مال کسی کو صدقہ نہیں دے گا تو صدقہ لے لینا چاہیے' تاکہ واجب زکوٰۃ دے کر مستحقین تک پہنچ جائے۔ اس صورت میں خیر کی تکثیر ہے' دوسرے مستحقین بھی اس خیر سے مستفید ہو جائیں گے۔ اور اگر ایسی کوئی صورت نہ ہو' بلکہ مالک مال ہر حالت میں صدقہ دے گا تو اسے اختیار ہے کہ چاہے زکوٰۃ لے یا صدقہ۔ اگرچہ دونوں کا حال ایک ہے' مگر ہمارے خیال میں زکوٰۃ سے نفس کو مارنے میں' اور انکساری پیدا کرنے میں زیادہ مدد ملتی ہے۔

کتاب الزکوٰۃ ختم ہوئی۔ اب کتاب الصوم شروع ہوتی ہے۔

والحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلی جمیع الانبیاء والمرسلین۔

کتاب اسرار الصوم

روزے کے اسرار کا بیان

روزہ ایمان کا چوتھائی حصہ ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں ہے :۔

الصوم نصف الصبر۔
(ترمذی۔ رجل من بنی سلیم۔ ابن ماجہ۔ ابو ہریرہؓ)

روزہ صبر کا نصف ہے۔

صبر کے بارے میں ارشاد نبوی ہے :۔

الصبر نصف الایمان۔

صبر آدھا ایمان ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ روزہ ایمان کا چوتھائی حصہ ہے۔ تمام عبادات میں صرف روزے کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے' ایک حدیث قدسی میں ہے :۔

کل حسنۃ بعشر امثالھا الی سبعمائۃ ضعف الا الصیام فانہ لی وانا اجزی بہ۔
(بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہؓ)

ہر نیکی کا اجر دس سے سات سو گنا تک ہوگا۔ مگر روزہ رکھنا۔ (یہ ایک ایسا عمل ہوگا جس کے اجر کی کوئی حد نہیں) میرے لیے ہے' میں ہی اس کی جزا دوں گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

اِنَّمَا یُوَفَّی الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔
(پ ۲۳ ر ۱۲ آیت ۱۰)

مستقل رہنے والوں کو ان کا صلہ بے شمار ہی ملے گا۔

اور کیونکہ روزہ صبر کا نصف ہے' اس لیے صبر کی طرح روزے کا اجر و ثواب بھی تحدید و تخمین کی حدود سے متجاوز ہے' یعنی اس کا ثواب بھی بے اندازہ و بے حساب ہوگا۔ روزے کی فضیلت کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات ملاحظہ کیجئے :۔

۱۔ والذی نفسی بیدہ لخلوف فم الصائم اطیب عند اللہ من ریح المسک' یقول اللہ! انما یذر شھوتہ وطعامہ وشرابہ لاجلی فالصوم لی وانا اجزی بہ۔
(بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہؓ)

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے' روزہ دار کے منہ کی خوشبو اللہ کے نزدیک مشک سے زیادہ اچھی ہے اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ روزہ دار اپنی خواہش' اپنا کھانا اور پینا صرف میرے لیے چھوڑتا ہے اس لیے روزہ میرے لیے ہے' اور میں اس کا بدلہ دوں گا۔

۲۔ للجنۃ باب یقال لہ الریان لا یدخلہ الا الصائمون' وھو موعود بلقاء اللہ تعالیٰ فی جزائہ۔
(بخاری و مسلم۔ سہل ابن سعدؓ)

جنت کا ایک دروازہ ہے جسے ریان کہتے ہیں اس دروازے میں روزہ داروں کے علاوہ کوئی داخل نہیں ہوگا۔

روزہ دار سے اس کے روزے کے بدلے میں اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا وعدہ کیا گیا ہے۔

۳۔ لکل شئی باب وباب العبادة الصوم۔

(ابن المبارک فی الزہد۔ ابو الدرداءؓ)

ہر چیز کا ایک دروازہ ہوتا ہے' عبادت کا دروازہ روزہ ہے۔

۴۔ نوم الصائم عبادة۔

(ابو منصور دیلمی۔ عبداللہ ابن ابی اوفیؓ)

روزہ دار کا سونا (بھی) عبادت ہے۔

۵۔ للصائم فرحتان فرحة عند الافطار' وفرحة عند لقاء ربه

(بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہؓ)

روزہ داروں کو دو خوشیاں حاصل ہوتی ہیں' ایک خوشی افطار کے وقت' اور ایک خوشی اپنے رب سے ملاقات کے وقت۔

۶۔ اذا دخل شهر رمضان فتحت ابواب الجنة و غلقت النار' وصفدت الشياطين' ونادي منادي يا باغي الخير هلم ويا باغي الشر اقصر۔

(ترمذی' ابن ماجہ' حاکم۔ ابو ہریرہؓ)

جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں' دوزخ بند کر دی جاتی ہے۔ شیاطین کو بیڑیاں پہنا دی جاتی ہیں' اور ایک پکارنے والا اعلان کرتا ہے کہ خیر کے طلب کرنے والے آگے آ' اور شر کے طلب کرنے والے بس کر۔

قرآن پاک میں ہے :۔

كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ۔

(پ ۲۹ ر ۵ آیت ۲۴)

کھاؤ اور پیو مزے کے ساتھ ان اعمال کے صلے میں جو تم نے گزشتہ ایام میں کئے ہیں۔

وکیع اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ایام خالیہ سے یہاں مراد روزوں کے روزے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زہد فی الدنیا' اور روزہ کو مباہات و فخر کے باب میں یکجا کیا ہے' چنانچہ زہد فی الدنیا کے بارے میں ارشاد ہے :۔

ان الله تعالى يباهي ملائكته بالشاب العابد' فيقول ايها الشاب التارك شهوته لاجلي المبذل شبابه لي' انت عندي كبعض ملائكتي۔

(ابن عدی۔ ابن مسعودؓ ضعیف)

اللہ تعالیٰ اپنے ملائکہ کے درمیان نوجوان عبادت گذار پر فخر کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ اے جوان! میرے لیے اپنی شہوت چھوڑنے والے اور میرے لیے اپنی جوانی خرچ کرنے والے! تو میرے نزدیک میرے بعض فرشتوں کی طرح ہے۔

روزہ دار کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے میرے فرشتو! دیکھو اس بندے نے میرے لیے اپنی خواہش اور کھانا پینا سب کچھ چھوڑ رکھا ہے' (۱)

---

(۱) یہ روایت ان الفاظ میں مجھے نہیں ملی

قرآن کریم کی اس آیت کے سلسلے میں :-

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔

پ ۲۱ ر ۱۵ آیت ۱۷)

سو کسی شخص کو خبر نہیں جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ایسے لوگوں کیلئے خزانہ غیب میں موجود ہے یہ ان کو ان کے اعمال کا صلہ ملا ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس عمل سے مراد روزہ ہے کیوں کہ صبر کے اجر و ثواب سے متعلق ارشاد فرمایا گیا ہے :-

اِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔

(پ ۲۳ ر ۱۶ آیت ۱۰)

مستقل رہنے والوں کو ان کا صلہ بے شمار ہی ملے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ صبر کرنے والوں کو اس قدر اجر و ثواب عطا کیا جائے گا کہ انہیں اس کا وہم و خیال بھی نہ ہو گا۔ روزے کے شایان شان بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے' اس لیے کہ روزہ صبر کا نصف حصہ ہے' علاوہ ازیں روزہ خدا تعالیٰ کے لیے ہے' اور اس ذات پاک کی طرف اپنی خاص نسبت کی وجہ سے دوسری تمام عبادات پر فضیلت حاصل ہے' جس طرح تمام روئے زمین اللہ تعالیٰ کی ہے' مگر جو شرف و فضیلت خانہ کعبہ کو حاصل ہے وہ کسی دوسرے خطۂ زمین کو حاصل نہیں ہے۔

روزہ کو دوسری عبادتوں پر فضیلت دو وجہوں سے حاصل ہے' ایک وجہ تو یہ ہے کہ روزہ کھانے پینے اور جماع کرنے سے رکنے کا نام ہے۔ یہ تمام اعمال باطنی ہیں' ان میں کوئی عمل ایسا نہیں ہے جو آنکھ سے نظر آئے۔ باقی تمام عبادات نظر آنے والی ہیں' روزہ کو خدا تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں دیکھتا' اس کا مطلب یہ ہے کہ روزہ دراصل باطن کے صبر کا نام ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ روزہ دشمن خدا شیطان لعین پر غلبے کا دوسرا نام ہے' شیطان بندگان خدا کو بہکانے کے لیے شہوات و خواہشات کے ذرائع اختیار کرتا ہے' کھانے' پینے سے ان شہوتوں کو قوت حاصل ہوتی ہے۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

ان الشیطان یجری من ابن آدم مجری الدم

(بخاری و مسلم۔ صفیہ)

شیطان ابن آدم کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔

چنانچہ شیطان کی راہیں تنگ کرو' اور یہ تنگی بھوک سے پیدا ہوتی ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ اے عائشہ! جنت کا دروازہ کھٹکھٹاتی رہا کرو' عائشہ نے عرض کیا کس چیز سے؟ ارشاد فرمایا: بھوک سے۔ (۱) بھوک کے فضائل ہم بسیار خوری اور اس کے علاج کے ضمن میں جلد سوم میں بیان کریں گے۔ روزہ کی نسبت خداوند قدوس کی طرف خاص طور پر اسی لیے کی گئی ہے کہ روزے سے شیطان کا قلع قمع ہوتا ہے' اس کے چلنے کی جگہیں اور راہیں مسدود ہوتی ہیں' اپنے دشمن کی بیخ کنی کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ اپنی خاص مدد اور نصرت سے نوازتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت بندے کی مدد و نصرت پر موقوف ہے۔ ارشاد باری ہے :-

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ۔

(پ ۲۶ ر ۵ آیت ۷)

اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا۔

---

(۱) یہ حدیث مجھے نہیں ملی۔

خلاصہ یہ ہے کہ کوشش کی ابتداء بندے کا فعل ہے۔ اور ہدایت کی جزاء ربنا اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے' چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے:۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔

(پ ۲۱ ر ۳ آیت ۶۹)

اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں' ہم ان کو اپنے (قرب و ثواب یعنی جنت کے) رستے ضرور دکھاویں گے۔

ایک جگہ فرمایا:۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔

(پ ۱۳ ر ۸ آیت ۱۱)

واقعی اللہ تعالیٰ کسی قوم کی (اچھی) حالت میں تغیر نہیں کرتا جب تک وہ لوگ خود اپنی (صلاحیت کی) حالت کو نہیں بدل دیتے۔

شہوات کا تغیر یہ ہے کہ ان کا قلع قمع کیا جائے۔ اس لیے کہ شہوات شیاطین کی چراگاہیں ہیں' جب تک یہ چراگاہیں ہری بھری اور سرسبز و شاداب رہیں گی' شیاطین کی آمدورفت بند نہیں ہوگی۔ اور جب تک ان کی آمدورفت جاری رہے گی اللہ تعالیٰ کا جلال ظاہر نہ ہوگا' اور لقاء خداوندی سے محروم رہے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

لولا ان الشياطين يحرمون على قلوب بني آدم لنظر والى ملكوت السموات۔

(احمد۔ ابو ہریرہؓ)

اگر شیاطین انسانوں کے دلوں میں آنا جانا نہ رکھتے تو وہ (انسان) آسمان کی ملکوت دیکھنے لگتے۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ روزہ تمام عبادات کا دروازہ اور ڈھال ہے' جب روزہ کے فضائل کا یہ عالم ہے تو ضروری ہوا کہ ہم اس عبادت کی ظاہری اور باطنی شرائط ارکان' سنن' مستحبات' اور آداب بیان کریں۔ ذیل کے تین ابواب اسی ضرورت کی تکمیل ہیں۔

پہلا باب

روزے کے ظاہری واجبات و سنن اور مستحبات

ظاہری واجبات

پانچ ہیں:۔

پہلا واجب : یہ ہے کہ رمضان کے آغاز کا خیال رکھا جائے' وہ اس طرح کہ چاند دیکھا جائے' اگر افق پر ابر چھایا ہوا ہو تو شعبان کے تیس دن مکمل کرنے کے بعد روزے شروع کردیئے جائیں' چاند کی رویت سے ہماری مراد یہ ہے کہ چاند کا علم ہو جائے' یہ علم کسی ایک عادل شخص کی شہادت سے ہو جاتا ہے' لیکن شوال کے چاند کے لیے دو شخصوں کی شہادت ضروری ہے۔ (۱)

(۱) مطلع اگر صاف ہو تو فطر و رمضان میں مجمع کثیر کی شہادت ضروری ہے اور اگر غبار و ابر ہو تو فطر میں دو عادل و ثقہ مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت ضروری ہے' رمضان کا چاند ایک عادل شخص کی گواہی سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ (رد المحتار کتاب الصوم ج ۲ ص ۱۳۶) مترجم۔

کیونکہ عبادت احتیاط کی مقتضی ہے' اگر کسی شخص کو عادل شخص نے چاند ہونے کی اطلاع دی' سننے والے کا ظن غالب اطلاع دینے والے کی تصدیق کرتا ہے تو اس کے لیے روزہ رکھنا ضروری ہے۔ چاہے قاضی چاند کا فیصلہ کرے یا نہ کرے' ہر شخص کو عبادت کے سلسلے میں اپنے گمان کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ اگر چاند ایک شہر میں نظر آئے' اور دوسرے شہر میں رویت نہ ہو تو دونوں شہروں کا فاصلہ دیکھنا چاہیے' اگر دونوں شہروں کے درمیان دو منزلوں سے کم مسافت ہے (۱) تو دونوں شہروں کے باشندوں پر روزہ فرض ہو گیا۔ اور اگر یہ فاصلہ زیادہ ہو تو ہر شہر کا حکم علیحدہ ہو گا۔ ایک شہر کا وجوب دوسرے شہر کو تجاوز نہ کرے گا۔

<u>دوسرا واجب</u> : نیت ہے' ہر روزے کے لیے رات سے نیت ضروری ہے' نیت قطعیت' اور روزے کی تعیین کے ساتھ ہو' اگر کسی شخص نے پورے مہینے روزوں کی نیت ایک ہی دفعہ کی تو یہ نیت کافی نہیں ہوگی' یہی وجہ ہے کہ ہم نے رات کی قید لگائی ہے' رات کی قید لگانے کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ اگر دن میں روزے کی نیت کی تو رمضان کا روزہ اور دوسرے فرض روزے صحیح نہیں ہوں گے۔ البتہ نفلی روزے دن کی نیت سے صحیح ہو جائیں گے۔ اگر کسی نے مطلق روزے کی نیت کی' یا کسی مطلق فرض روزے کی نیت کی تو رمضان کا روزہ صحیح نہیں ہو گا۔ تاوقتیکہ رمضان کے روزے کی تصریح نہ ہو۔ (۲) اسی طرح اگر شک کی رات میں کسی نے نیت کی کہ اگر کل رمضان ہو گا تو میں روزہ رکھوں گا تو یہ روزہ صحیح نہیں ہو گا۔ کیونکہ یہ نیت قطعی نہیں' ہاں اگر کسی نے عادل گواہ پر اعتماد کرتے ہوئے روزے کی نیت کرلی تو گواہ کے جھوٹ' غلطی کے احتمال سے نیت باطل نہیں ہوگی' یا اس وقت نیت کی ہو جبکہ قرینۂ حال بھی موجود ہو' مثلاً" رمضان کے آخری شب میں شک ہو تو یہ شک یقین کے لیے مانع نہیں ہے' یا وہ نیت اجتہاد کی بنا پر ہو' مثلاً" کوئی شخص کسی گڑھے میں قید ہو' اور اس کا گمان غالب رمضان کی آمد کی اطلاع دے رہا ہو تو ایسے شخص کی نیت کے لیے مانع نہیں ہے۔ شک کی رات میں اگر کسی کو شک ہو' اور روزہ دار زبان سے روزے کی نیت کرلے' دل سے نہ کہے تو یہ کافی نہیں ہے' بلکہ دل سے نیت کرنا ضروری ہے' نیت کا محل دل ہے' اور اس میں یقین کا قصد شک کے ساتھ ممکن نہیں ہے' مثلاً" کوئی شخص رمضان کی پندرھویں تاریخ کو یہ کہے کہ اگر کل رمضان ہوا تو روزہ رکھوں گا تو ایسا شک اس کے لیے مضر نہیں ہے' کیونکہ یہ شک صرف زبان سے متعلق ہے دل میں آنے والے کل کی متعلق یقین موجود ہے کہ کل بھی رمضان ہی ہے۔ اگر کسی شخص نے رات کو روزے کی نیت کی' اور پھر (سحر کا وقت ختم ہونے سے پہلے) کچھ کھا پی لیا تو نیت اپنی جگہ باقی رہے گی۔ اسی طرح اگر کسی عورت نے حالت حیض میں روزے کی نیت کی' اور فجر سے پہلے وہ پاک ہو گئی تو اس کا روزہ درست ہو گا۔

<u>تیسرا واجب</u> : یہ ہے کہ جان بوجھ کر روزہ دار ہونے کی حالت میں کوئی چیز جوف معدہ تک پہنچانے سے اجتناب کرے' اس کا مطلب یہ ہے کہ کھانے پینے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر ناک کے راستے کوئی چیز پیٹ میں چلی جائے' یا حقنہ کرایا

---

(۱) احناف کے نزدیک دو منزلوں کی کوئی قید نہیں ہے۔ بلکہ ان کے نزدیک اختلاف مطالع معتبر ہی نہیں ہے۔ یعنی اختلاف مطالع حقیقت میں تو ہے لیکن شرعاً" اس کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے' چنانچہ اگر اہل مغرب کو چاند نظر آئے اور ان کی روایت شرعی طریقہ پر اہل مشرق کو پہنچ جائے تو اہل مشرق پر بھی عمل کرنا ضروری ہو گا۔ شرعی طریقے یہ تین ہیں۔ (دو عادل مرد (عید الفطر کے لیے) یا ایک عادل (رمضان کے لیے) شہادت دیں (۲) قاضی کے فیصلے کی شہادت دیں۔ (۳) خبر مشہور و متواتر ہو جائے۔ (رد المختار کتاب الصوم اختلاف المطالع ج ۳ ص ۱۳۲) مترجم۔ (۲) روزے کی نیت کے مسئلے میں احناف کے یہاں کچھ تفصیل ہے۔ رمضان شریف کے روزوں' نذر معین (یعنی ایسی نذر جس کا زمانہ متعین ہو) اور نفلی روزوں کے لیے نیت کا معین کرنا اور رات سے ارادہ کرنا شرط نہیں ہے۔ یہ تینوں قسم کے روزے صحیح ترین قول کے مطابق رات سے لے کر نصف النہار تک ارادہ کرنے سے صحیح ہو جاتے ہیں۔ قضاء رمضان کے روزوں کے لیے' اسی طرح ان نفلی روزوں کی قضاء کے لیے جو رکھ کر توڑ دیے تھے رات سے نیت کرنا ضروری ہے۔ یہی حکم نذر مطلق' اور کفاروں کے روزوں کا ہے۔ (نور الایضاح کتاب الصوم) مترجم۔

جائے تب بھی روزہ باقی نہیں رہتا۔ پچھنے لگوانے، سرمہ ڈالنے اور کان میں سلائی ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ (۱) پیشاب گاہ میں سلائی ڈالنے سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا لیکن اگر پیشاب گاہ میں کوئی ایسی چیز ٹپکادی جائے جو مثانہ میں پہنچ جائے تو اس سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا۔ (۲) اگر بلا ارادہ کوئی چیز پیٹ میں چلی جائے مثلاً راستے کا غبار، مکھی، یا کلی کے وقت پانی۔ تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ ہاں اگر وضو میں غرارے کرتے ہوئے پانی حلق میں چلا جائے تو روزہ باقی نہیں رہے گا۔ کیوں کہ اس میں وضو کرنے والے سے کوتاہی سرزد ہوئی ہے۔ یہی معنی ہیں عمد (جان بوجھ کر) کی قید کے۔ روزہ یاد ہونے کی قید اس لیے لگائی گئی تاکہ وہ شخص اس تعریف سے نکل جائے جس سے اس طرح کا کوئی فعل روزہ نہ ہونے کی صورت میں سرزد ہو کیونکہ بھول کر کھانے پینے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ اگر کسی شخص نے جان بوجھ کر سحری کھائی، یا افطار کرلیا، پھر یہ معلوم ہوا کہ اس نے دن میں (سحری کا وقت ختم ہوجانے کے بعد) کھانا کھایا تھا، یا غروب آفتاب سے پہلے افطار کرلیا تھا تو اس پر قضا واجب ہوگی۔ لیکن اگر اسے اپنے فعل کی صحت کا یقین رہا تو اس پر قضا نہیں ہے۔ دن رات کے ملنے کے اوقات میں احتیاط، اور غور فکر کے بعد ہی کھانا پینا چاہیے۔

چوتھا واجب: یہ ہے کہ جماع سے رکا رہے، جماع کی حد یہ ہے کہ حشفہ غائب ہوجائے۔ لیکن اگر بھول کر جماع کرلیا تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، اگر رات میں جماع کیا، انزال ہوگیا، ناپاکی کی حالت میں صبح ہوگئی تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، ایک شخص اپنی بیوی سے ہمبستری میں مشغول تھا کہ صبح ہونے کا وقت آگیا، وہ اسی وقت الگ ہوگیا تو اس کا روزہ صحیح ہوگا، لیکن اگر کچھ دیر توقف کیا تو روزہ باقی نہیں رہے گا اور کفارہ لازم آئے گا۔

پانچواں واجب: یہ ہے کہ منی نکالنے سے بھی باز رہے یعنی قصداً منی نہ نکالے نہ جماع سے، اور نہ کسی اور ذریعہ سے قصداً منی نکالنا روزے کو فاسد کردیتا ہے۔ لیکن اگر اپنی بیوی کا بوسہ لیا، یا اس کے ساتھ ایک بستر پر لیٹا تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ ہاں اگر انزال ہوگیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ روزہ کی حالت میں بوس و کنار کرنا مکروہ ہے، ہاں اگر کوئی شخص بوڑھا ہو، یا اپنے اوپر قابو رکھتا ہو تو بوس و کنار میں کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن نہ کرنا بہتر ہے۔

چھٹا واجب: یہ ہے کہ قے کرنے سے باز رہے، جان بوجھ کر قے کرنا روزے کے لیے مفسد ہے۔ (۳) لیکن اگر خود بخود ہوجائے تو مفسد نہیں ہے۔ اگر حلق میں سے، یا سینے سے بلغم باہر آجائے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ عام ضرورت ہے۔ ہاں اگر منہ میں پہنچنے کے بعد بلغم نگل گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ (۴)

قضا، کفارہ اور فدیہ

روزہ افطار کرنے سے یہ چار امور لازم آتے ہیں: قضا، کفارہ، فدیہ، اور دن کے باقی حصے میں کھانے پینے سے رکنا یعنی روزہ داروں کی طرح دن گزارنا۔ لیکن یہ سب چیزیں ایک ہی شخص پر واجب نہیں ہوتیں، بلکہ ان میں سے ہر امر الگ الگ

---

(۱) البتہ اگر کان میں تیل وغیرہ ٹپکایا جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، کفارہ واجب نہیں ہوگا، روزہ قضا کیا جائے گا، لیکن اگر پانی وغیرہ کان کے راستے اندر پہنچ جائے تو روزہ ساقط نہیں ہوگا۔ (ہدایہ باب ما یوجب القضاء والکفارہ ج ۱ ص ۲۰۳) مترجم۔ (۲) احناف کے نزدیک عورتوں کے لیے یہ حکم ہے۔ مرد اگر اپنے پیشاب کے سوراخ میں کوئی تیل وغیرہ ڈالے تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ (الجوہرہ ج ۱ ص ۱۴۵) مترجم۔ (۳) لیکن احناف اس میں منہ بھر کر کرنے کی قید لگاتے ہیں۔ (فتاوی ہندیہ ص ۲۰۳) مترجم۔ (۴) احناف کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ لیکن ایسا کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ (نور الایضاح کتاب الصوم) مترجم۔

اشخاص کے لیے ہے۔ ذیل میں ان کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

قضاء ہر اس مسلمان عاقل بالغ پر قضا واجب ہے جو کسی عذر کے باعث' یا عذر کے بغیر روزہ نہ رکھے' چنانچہ حائضہ عورت' اور مرتد پر روزے کی قضاء واجب ہوگی' لیکن کافر' نابالغ اور پاگل پر قضا واجب نہیں ہے' رمضان کے روزوں کی قضا میں تسلسل شرط نہیں ہے بلکہ الگ الگ بھی رکھے جاسکتے ہیں۔

کفارہ صرف جماع سے واجب ہوتا ہے۔ جماع کے بغیر منی نکالنے سے یا کھانے پینے سے صرف قضاء واجب ہوتی ہے' کفارہ واجب نہیں ہوتا۔ (۱) کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کرے' اگر یہ ممکن نہ ہو تو دو مہینے کے مسلسل روزے رکھے' اور اگر یہ بھی نہ ہوسکے تو ساٹھ مسکینوں کو ایک ایک مد کھانا کھلائے۔ (۲)

امساک باقی دن کھانے پینے سے رکنا ان لوگوں پر واجب ہے جنھوں نے کسی معصیت کی بنا پر روزہ افطار کیا ہو' حائضہ عورت پر اگر وہ طلوع آفتاب کے بعد حیض سے پاک ہو' مسافر پر اگر وہ روزے سے نہ ہو اور سفر سے واپس آئے باقی دن امساک واجب نہیں ہے۔ (۳) اگر شک کے دن کسی عادل نے چاند کی شہادت دے دی تب بھی باقی دن امساک واجب ہے۔ سفر میں روزہ رکھنا افطار سے افضل ہے۔ ہاں اگر روزہ نہ رکھ سکتا ہو تو افطار ہی بہتر ہے۔ جس روز سفر کے ارادے سے نکلے افطار نہ کرے' اسی طرح اس روز بھی افطار نہ کرے جس دن گھر پہنچے۔ (۴)

فدیہ حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتوں کے لیے فدیہ دینا جائز ہے۔ لیکن یہ اس وقت ہے جب وہ بچے کی ہلاکت کے خوف سے روزہ نہ رکھے۔ ایک روزہ کا فدیہ یہ ہے کہ ایک مسکین کو ایک مد گیہوں دیا جائے' اور روزے بھی قضا کئے جائیں۔ بوڑھا شخص اگر روزہ نہ رکھ سکے تو ہر روزہ کے عوض ایک مد گیہوں فدیہ دے دیا کرے۔ (۵)

روزہ کی سنتیں

روزہ میں چھ باتیں مسنون ہیں۔ (۱) تاخیر سے سحری کھانا (۲) مغرب کی نماز سے پہلے کھجور' یا پانی سے افطار کرنا (۳) زوال کے بعد مسواک نہ کرنا۔ (۶) (۴) رمضان شریف کے مہینے میں خیرات کرنا۔ اس کی فضیلت کتاب الزکوٰۃ میں بیان کردی گئی ہے۔

---

(۱) (جماع کے بغیر منی نکالنے سے صرف قضا واجب ہوگی' کفارہ واجب نہیں ہوگا' لیکن احناف کے نزدیک جان بوجھ کر کھانے پینے سے بھی قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہوتے ہیں۔ (رد المحتار باب ما یفسد الصوم ج ۲ ص ۱۴۹) مترجم۔) (۲) (روزے کے کفارے میں اگر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے تو ہر روز ایک مسکین کو پیٹ بھر کر کھانا کھلانا بھی جائز اور یہ بھی جائز ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو ایک ہی وقت کھانا کھلا دیا جائے۔ کھانا کھلانے میں پیٹ بھر کھلانا ضروری ہے۔ کوئی مقدار متعین نہیں ہے۔ لیکن اگر گندم دے تو صدقۂ فطر کی مقدار کے مطابق ساٹھ مسکینوں کو دے دے یا اس کی قیمت دیدے (عالمگیری ج ۱ ص ۳۰۹) مترجم۔) (۳) (رمضان شریف میں دن کے باقی حصے میں کھانے پینے سے رکنا ہر اس شخص پر واجب ہے جس کا روزہ ٹوٹ گیا ہو طلوع صبح صادق کے بعد پاک ہونے والی عورت' بالغ ہونے والا بچہ' اور اسلام لانے والا شخص بھی اس حکم میں داخل ہیں۔ آخر الذکر دونوں پر اس روزے کی قضاء واجب نہیں ہوگی' باقی تمام لوگوں کے لیے قضاء کرنا ضروری ہوگا۔ (نور الایضاح کتاب الصوم) مترجم۔) (۴) (لیکن اگر افطار کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (نور الایضاح) مترجم۔) (۵) (احناف کے نزدیک پہلی صورت میں صرف قضا ہے' فدیہ نہیں ہے۔ البتہ بوڑھا ہونے کی صورت میں فدیہ دیدے' ایک روز کا فدیہ یہ ہے کہ ایک مسکین کو صدقۂ فطر کے برابر غلہ دیدیا جائے' یا صبح و شام پیٹ بھر کر کھانا کھلایا جائے' فدیہ دینے کے بعد اگر کبھی طاقت پھر واپس آگئی تو تمام روزے رکھنے پڑیں گے' فدیہ کا ثواب الگ سے ملے گا۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۱۴۳) مترجم۔) (۶) (احناف کے یہاں جس طرح دن کے ابتدائی حصے میں مسواک کرنا مسنون ہے اسی طرح دن کے آخری حصے میں بھی مسنون ہے۔ (نور الایضاح کتاب الصوم) مترجم۔)

(۵) قرآن پاک کی تلاوت کرنا (۶) مسجد میں اعتکاف کرنا۔ خاص طور پر رمضان شریف کے آخری عشرے میں۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ جب رمضان شریف کا آخری عشرہ شروع ہوتا تو آپ اپنا بستر لپیٹ دیتے' اور عبادات کے لیے کمربستہ ہو جاتے۔ خود بھی پابندی کے ساتھ عبادتوں میں مشغول رہتے' اور گھروالوں سے بھی پابندی کراتے (بخاری و مسلم۔ عائشہؓ)۔ آخری عشرے میں اعتکاف یا دوسری عبادات میں تکثیر کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ ان دنوں میں شب قدر ہے' یہ رات طاق راتوں میں ہوتی ہے' اس عشرہ میں اعتکاف کرنا بہتر ہے' اگر کسی نے اس روز کے اعتکاف کی نیت کی تو بشری ضرورت کے بغیر مسجد سے نکلنا صحیح نہیں ہے' (۱) اگر بلا ضرورت مسجد سے نکلے گا تو اعتکاف جاتا رہے گا۔ قضائے حاجت کے لیے مسجد سے باہر نکلنا اعتکاف کے لیے مانع نہیں ہے' اس صورت میں اگر کوئی شخص گھر ہی پر وضو بھی کرلے تو جائز ہے۔ لیکن کسی اور کام میں مشغول ہونا ٹھیک نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انسانی حاجت کے علاوہ کسی اور ضرورت کے لیے مسجد سے باہر تشریف نہیں لاتے تھے (بخاری و مسلم۔ عائشہؓ) بیمار کا حال راستہ چلتے دریافت فرمالیا کرتے تھے (ابوداؤد' عائشہؓ) اگر کسی شخص نے اعتکاف کے دوران اپنی بیوی کا بوسہ لے لیا تو اعتکاف ختم نہیں ہوگا۔ (۲) البتہ جماع کرنے سے اعتکاف ختم ہو جاتا ہے' مسجد میں خوشبو لگانے سے' نکاح کرنے سے' کھانے اور سونے سے اور کسی طشت وغیرہ میں ہاتھ دھونے سے اعتکاف ختم نہیں ہوگا۔ کیونکہ مسلسل اعتکاف میں ان چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ اپنے جسم کا کچھ حصہ مسجد سے باہر نکالنا بھی اعتکاف کے لیے مانع نہیں ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر مبارک کمرے میں جھکا دیا کرتے تھے' اور حضرت عائشہؓ آپ کے مبارک بالوں میں کنگھی کیا کرتی تھیں۔ اعتکاف کرنے والا جب قضائے حاجت سے فراغت کے بعد مسجد میں واپس آئے تو اسے از سر نو نیت کرلینی چاہیے' لیکن اگر پورے عشرہ کے اعتکاف کی نیت پہلے ہی کرچکا ہے تو دوبارہ نیت کی ضرورت نہیں ہے۔ تاہم اس صورت میں بھی تجدید نیت افضل ہے۔

دوسرا باب

روزہ کے اسرار اور باطنی شرائط

جاننا چاہیے کہ روزے کے تین درجے ہیں' ایک عوام کا روزہ ہے' ایک خواص کا' اور ایک مخصوص ترین لوگوں کا۔ عوام کا روزہ تو یہ ہے کہ پیٹ اور فرج کو ان کی خواہشات (کھانے پینے اور جماع کرنے) پر عمل کرنے سے روکا جائے۔ اس کی تفصیل پہلے باب میں گزر چکی ہے۔ خواص کا روزہ یہ ہے کہ آنکھ' کان' زبان' ہاتھ' پاؤں اور دوسرے اعضاء کو گناہوں سے باز رکھا جائے۔ مخصوص ترین لوگوں کا روزہ یہ ہے کہ دل کو دنیاوی تفکرات' اور فاسد خیالات سے پاک وصاف رکھا جائے' تمام تر توجہ خدا تعالیٰ کی طرف ہو' کسی اور طرف مطلقاً نہ ہو' اس طرح کا روزہ اللہ اور یوم آخرت کے علاوہ کسی اور چیز میں فکر کرنے سے ٹوٹ جاتا ہے۔ ہاں اگر دنیا دین کے لیے مقصود ہو تو اس میں فکر کرنے سے روزہ باطل نہیں ہوتا۔ کیونکہ ایسی دنیا میں آخرت کے لیے زاد راہ ہے۔ بعض اہل دل فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دن بھر افطار کی تدبیریں سوچتا رہا تو یہ گناہ شمار ہوگا۔ کیوں کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور موعود رزق پر پورا اعتبار نہیں کیا ہے۔ یہ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام' صدیقین اور مقربین کا درجہ ہے۔ ہم یہاں اس کی مزید تفصیل بیان نہیں کرنا چاہتے' بلکہ اس کی عملی تحقیق بتلا دیتے ہیں کہ یہ درجہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب آدمی اپنے فکر

---

(۱) معتکف جمعہ کی نماز کے لیے بھی مسجد سے باہر نکل سکتا ہے۔ (حوالۂ سابق) مترجم۔ (۲) لیکن اعتکاف کی حالت میں اس طرح کی حرکتیں کرنا جائز نہیں ہے۔ (نور الایضاح کتاب الصوم) مترجم۔

کی گہرائیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو' اور غیراللہ سے اعراض کر رہا ہو' یعنی وہ اس آیت کریمہ کا پورا پورا مصداق ہو۔

قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُونَ۔

(پ ۷ ر ۱۷ آیت ۹۱)

آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے' پھران کو ان کے مشغلے میں بے ہودگی کے ساتھ لگا رہنے دیجئے۔

خواص یعنی نیک لوگوں کا روزہ یہ ہے کہ ان کے اعضاء گناہوں سے بچے رہیں' اس روزہ کی تکمیل مندرجہ ذیل چھ امور پر عمل کرنے سے ہوتی ہے۔

اول یہ ہے کہ نظریں نیچی رہیں' بری اور مکروہ چیزوں کی طرف التفات نہ ہو' ان چیزوں کو بھی دیکھنے سے گریز کیا جائے جن سے توجہ بٹتی ہے' اور خدا تعالیٰ کی یاد سے غفلت پیدا ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

النظرة سهم مسموم من سهام ابليس فمن تركها خوفا من الله آتاه الله عزوجل ايمانا يجد حلاوته في قلبه۔

(حاکم۔ حذیفہؓ)

نگاہ ابلیس کے تیروں میں سے ایک زہر کا بجھا ہوا تیر ہے۔ جو شخص اللہ کے ڈر سے اسے چھوڑ دے گا اللہ تعالیٰ اسے ایسا ایمان عطا کرے گا جس کی حلاوت وہ اپنے دل میں محسوس کرے گا۔

حضرت جابرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

خمس يفطرن الصائم' الكذب والغيبة' والنميمة' واليمين الكاذبة' والنظر بشهوة۔

پانچ چیزیں روزہ دار کا روزہ توڑ دیتی ہیں جھوٹ' غیبت' چغل خوری' جھوٹی قسم' اور شہوت سے دیکھنا۔ (۱)

دوم یہ ہے کہ زبان کو یاوہ گوئی' جھوٹ' غیبت' چغلخوری اور فحش گوئی سے محفوظ رکھا جائے' کوئی ایسی بات نہ ہو جسے ظلم کہا جائے' یا جس سے جھگڑا پیدا ہو' یا کسی دوسرے کی بات کٹے' زبان کا روزہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور قرآن کریم کی تلاوت جاری رہے' اور کوئی غلط بات زبان سے نہ نکلے۔ بشر ابن حارث حضرت سفیان ثوری کا یہ مقولہ نقل کرتے ہیں کہ غیبت روزے کو بیکار کر دیتی ہے۔ لیثؒ حضرت مجاہدؒ سے نقل کرتے ہیں کہ دو عادتیں روزہ خراب کر دیتی ہیں ایک غیبت' اور دوسری جھوٹ۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

انما الصوم جنة' فاذا كان احدكم صائما' فلا يرفث' ولا يجهل وان امرء قاتله اوشاتمه' فليقل انى صائم' انى صائم۔

(بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہؓ)

روزہ ایک ڈھال ہے۔ اگر تم میں سے کوئی شخص روزے سے ہو تو وہ فحش گوئی نہ کرے' اور نہ جہالت سے

---

(۱) ازدی نے یہ حدیث ضعفاء میں انسؓ سے روایت کی ہے' احیاء میں حضرت جابرؓ سے مروی ہونا صحیح نہیں ہے۔

پیش آئے' اگر کوئی شخص ان سے لڑنے لگے یا گالم گلوچ کرنے لگے تو اس یہ کہہ دینا چاہیے کہ میں روزے سے ہوں' میں روزے سے ہوں۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دو عورتوں نے روزہ رکھا' شام کے وقت انھیں اس قدر بھوک اور پیاس لگی کہ ہلاکت کے قریب ہو گئیں' انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص کو بھیج کر افطار کی اجازت چاہی۔ آپ نے ان کے پاس ایک پیالہ بھیجا' اور قاصد کے ذریعہ یہ کہلایا کہ جو کچھ تم نے کھایا پیا ہے وہ اس پیالے میں قے کرو' چنانچہ دونوں نے قے کی وہ پیالہ تازہ خون اور تازہ گوشت سے بھر گیا' لوگوں کو پیالہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان دونوں عورتوں نے رزق حلال سے روزہ رکھا تھا' اور حرام چیز سے افطار کیا ہے۔ یہ دونوں عورتیں ایک جگہ بیٹھ کر لوگوں کی غیبت کر رہی تھیں' چنانچہ پیالے میں انھوں نے گوشت قے کیا ہے جو انھوں نے لوگوں کی غیبت کر کے کھایا تھا۔ (۱)

سوم یہ ہے کہ بری باتیں سننے میں کانوں کو مشغول نہ کرے' اس سلسلے میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ جس بات کا کہنا حرام ہے' اس بات کا سننا بھی حرام ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں جھوٹی باتیں سننے والوں اور حرام خوروں کا ذکر ایک ہی جگہ کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ۔ (پ ۶ ر ۱۰ آیت ۴۲)

یہ لوگ غلط بات سننے کے عادی ہیں بڑے حرام کھانے والے ہیں۔

ایک جگہ ارشاد ہے:۔

لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ۔ (پ ۶ ر ۱۳ آیت ۶۳)

ان کو مشائخ اور علماء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام مال کھانے سے کیوں نہیں منع کرتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ غیبت سن کر خاموش رہنا بھی حرام ہے' ارشاد خداوندی ہے:۔

اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ۔ (پ ۵ ر ۱۷ آیت ۱۴۰)

اس حالت میں تم بھی ان ہی جیسے ہو جاؤ گے۔

اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

المغتاب والمستمع شریکان فی الاثم (طبرانی۔ ابن عمرؓ)

غیبت کرنے والا' اور سننے والا دونوں گناہ میں شریک ہیں۔

چہارم یہ ہے کہ ہاتھ پاؤں اور دوسرے اعضاء کو گناہوں سے باز رکھا جائے' افطار کے وقت اکل حلال کی پابندی کی جائے' حرام کے شبہ سے بھی گریز کیا جائے۔ کیوں کہ اس صورت میں روزے کے کوئی معنی نہیں کہ دن میں حلال کھانے سے رکا رہے' اور جب افطار کرنے بیٹھے تو حرام رزق سے روزہ افطار کرلے۔ یہ روزہ دار اس شخص کی طرح ہے جو ایک محل تعمیر کرائے' اور ایک شہر منہدم کردے۔ اس لیے کہ حلال کھانے کی کثرت مضر ہوتی ہے' روزہ کثرت کا ضرر ختم کرتا ہے' جو شخص بہت سی دوا کھانے کے ضرر سے ڈر کر زہر کھالے تو یقیناً وہ شخص بے وقوف کہلانے کا مستحق ہے' حرام بھی ایک زہر ہے' جس طرح زہر جسم کے لیے مہلک ہے۔ اسی طرح حرام رزق بھی دین کے لیے مہلک ہے۔ حلال کھانے کی مثال ایک دوا کی سی ہے جس کی کم مقدار مفید ہے' اور زیادہ مقدار مضر ہے' روزے کا مقصد یہ ہے کہ حلال کھانا بھی کم کھایا جائے تاکہ مفید ہو۔

---

(۱) احمد۔ عبید مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ فیہ راو مجہول۔

ایک روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ الفاظ منقول ہیں:

کم من صائم لیس لہ من صومہ الا الجوع والعطش۔ (نسائی۔ ابن مسعودؓ)

بہت سے روزہ دار ایسے ہیں جن کے روزے کا حاصل بھوک اور پیاس کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔

اس حدیث کی مختلف تفسیریں منقول ہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں اس سے مراد وہ شخص ہے جو حرام کھانے سے افطار کرے' بعض لوگوں کے نزدیک اس سے مراد وہ شخص ہے جو دن بھر حلال رزق سے رکا رہے اور لوگوں کے گوشت یعنی غیبت سے روزہ افطار کرے' بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ شخص مراد ہے جو اپنے اعضاء کو گناہوں سے نہ بچائے۔

پنجم یہ ہے کہ افطار کے وقت حلال رزق بھی اتنا نہ کھایا جائے کہ پیٹ پھول جائے' اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی ظرف اتنا برا نہیں ہے جتنا برا وہ پیٹ میں ہے جو حلال رزق سے بھردیا گیا ہو۔ انسان اپنے روزے کے ذریعہ دشمن خدا ابلیس لعین پر کس طرح غلبہ پائے گا' اور نفسانی شہوتوں کا قلع قمع کس طرح کرے گا اگر دن بھر کی (غذائی) کمی کا تدارک افطار کے وقت کرلے گا۔ عام طور پر رمضان میں طرح طرح کے کھانے پکائے جاتے ہیں' اور باقی دنوں کے مقابلے میں کھانوں کی زیادہ قسمیں دسترخوان پر ہوتی ہیں' عادتاً" لوگ بہت سے کھانے پکانے رمضان میں چھوڑدیتے ہیں' اور افطار و سحر میں اتنا کھاجاتے ہیں کہ رمضان کے علاوہ دنوں میں کئی مہینے میں اتنا کھانا نہیں کھاتے۔ یہ بات اچھی طرح معلوم ہونی چاہیے کہ روزہ کا اصل مفہوم یہ ہے کہ پیٹ خالی رہے' اور نفس کی خواہشات ختم ہوجائیں۔ روزے سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ روزہ دار کے نفس میں تقوٰی پیدا ہو...... اس صورت میں روزہ کا یہ مفہوم اور مقصود باقی نہیں رہتا کہ دن بھر معدہ کو بہلایا جائے' اور جب شام کے وقت خواہش بڑھ جائے' اور رغبت میں اضافہ ہوجائے تو لذیذ کھانے کھائے جائیں' اور خوب شکم سیری حاصل کی جائے یقیناً" اس صورت میں تقوٰی پیدا نہیں ہوگا۔ بلکہ کھانے کی رغبت اور بڑھے گی' خواہشوں کو مزید تحریک ملے گی۔ غالباً" اگر بے روزہ ہوتا تو یہ رغبت نہ بڑھتی' اور نہ خواہشات کو زیادہ تحریک ملتی۔

روزے کی اصل روح یہ ہے کہ برائیوں کے دواعی کمزور پڑجائیں' اور شیطانی حربے بیکار ہوجائیں' یہ روح اسی وقت حاصل ہوسکتی ہے جب غذا میں کمی کی جائے۔ کمی کا معیار یہ ہے کہ افطار میں اتنا کھانا کھائے جتنا عام راتوں میں کھایا جاتا ہے' یہ نہیں کہ صبح سے شام تک کے اوقات کا کھانا بھی رات کے کھانے میں جمع کرلیا جائے۔ اگر ایسا کیا جائے گا تو اس روزے سے یقیناً" اصل مقصد حاصل نہیں ہوگا۔ بلکہ روزہ کے ادب میں سے یہ بھی ہے کہ دن میں زیادہ نہ سویا جائے' تاکہ بھوک اور پیاس کا زیادہ سے زیادہ احساس ہو' اور یہ بھی احساس ہو کہ بھوک کی وجہ سے اعضاء کمزور ہوگئے ہیں۔ اس طرح دل میں جلاء اور نور پیدا ہوگا۔ کوشش یہ ہونی چاہیے کہ کچھ نہ کچھ کمزوری رات میں بھی باقی رہے اس سے جسم ہلکا پھلکا رہے گا۔ تہجد کی نماز اور دوسرے وظائف کی ادائیگی میں آسانی ہوگی۔ ممکن ہے اس کے بعد شیطان روزہ دار کے قریب بھی نہ پھٹکے' اور اس پر آسمانی ملکوت منکشف ہوجائیں' شب قدر اسی رات کا نام ہے جس میں کچھ ملکوت آدمی پر منکشف ہوتے ہیں' اللہ تعالیٰ کے اس قول سے بھی یہی مراد ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ۔ (پ ۳۰ ر ۲۲ آیت ۱)

ہم نے نازل کیا ہے اسے قدر کی رات میں۔

جو شخص اپنے سینے اور دل کے درمیان غذا کی آڑ بنالے گا تو وہ ملکوت کے انکشاف سے محروم رہے گا لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ملکوت کے انکشاف' اور قلب کے تزکیہ و تطہیر کے لیے محض خالی پیٹ ہونا کافی ہے' بلکہ معدہ کے انخلاء کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ دل غیر اللہ سے خالی رہے' اور فکر اللہ کے علاوہ کسی چیز سے نہ رہے کہ اصل چیز یہی ہے۔ ان تمام امور کا مبدا

تقلیل طعام ہے' کھانے سے متعلق ابواب میں اس کی مزید تشریح کی جائے گی۔

ششم یہ ہے کہ افطار کے بعد دل میں خوف اور امید کے ملے جلے خیالات ہوں۔ اس لیے کہ روزہ دار یہ نہیں جانتا کہ اس کا روزہ مقبول ہوا ہے یا نہیں' نیز یہ کہ اسے مقربین کے زمرہ میں شمار کیا گیا ہے یا ان لوگوں کے زمرے میں جو غضب الہی کے مستحق ہیں۔ ہر عبادت سے فراغت کے بعد یہی تصور ہونا چاہیے۔ حضرت حسن بصریؒ عید کے دن ایک جگہ سے گذرے' آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگ ہنس رہے ہیں' اور کھیل کود میں مصروف ہیں' آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے رمضان کو مخلوق کے لیے سبقت کرنے کا میدان قرار دیا ہے' کچھ لوگ آگے بڑھ گئے' اور کامیاب قرار پائے' اور کچھ لوگ پیچھے رہ گئے اور ناکام ٹھہرے' تعجب ہے کہ ان لوگوں پر جو آج کے دن ہنسی میں مصروف ہیں' خدا کی قسم اگر حقائق منکشف ہونے لگیں تو کامیاب کو اتنی خوشی ہو کہ وہ اس کھیل میں مصروف نہ ہو سکے' اور ناکام کو اتنا غم ہو کہ اسے ہنسی نہ آئے۔ احنف ابن قیسؒ سے کسی شخص نے کہا کہ آپ بوڑھے ہیں' روزہ آپ کو کمزور کر دیتا ہے' فرمایا کہ میں ایک طویل سفر کے لیے تیاری میں مصروف ہوں' اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر صبر کرنا اس کے عذاب پر صبر کرنے سے زیادہ آسان ہے۔

یہ چھ امور ہیں جن کا تعلق روزے کی باطنی شرائط سے ہے' یہاں ایک سوال یہ کیا جاسکتا ہے کہ جو شخص پیٹ اور فرج کی شہوتوں سے باز رہے اور ان باطنی شرائط کی پابندی نہ کرے تو فقہاء ایسے شخص کے روزے کو صحیح قرار دیتے ہیں۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ آپ کی رائے فقہاء کی رائے سے مختلف کیوں ہوتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ فقہاء ظاہری شرائط کا اثبات ایسے دلائل سے کرتے ہیں جو باطنی شرائط کے سلسلے میں ہمارے بیان کئے ہوئے دلائل سے کمزور ہیں خاص طور پر غیبت اور جھوٹ وغیرہ کے سلسلے میں۔ لیکن کیونکہ فقہاء ایسے ہی احکام بیان کرتے ہیں جن میں دنیا پرست غافلین آسانی سے داخل ہو سکیں۔ اس لیے وہ بہت سی ایسی باتوں کو صحیح کہہ دیتے ہیں جنہیں علمائے آخرت صحیح نہیں کہتے۔ دراصل علمائے آخرت کے نزدیک صحت کے معنی ہیں قبول ہونا۔ اور قبول سے وصول الی المقصود (مقصود تک پہنچنا) مراد ہے۔ چنانچہ علمائے آخرت روزے کا مقصد یہ سمجھتے ہیں کہ روزہ دار میں اللہ تعالیٰ کی صفت "صمدیت" (بھوک اور پیاس کا نہ ہونا) کا ظہور ہو' اور شہوت نہ ہونے میں اس کی مشابہت فرشتوں سے ہو۔ لیکن کیونکہ انسان نہ تو محض چوپایہ ہے کہ اچھے برے کی تمیز نہ کر سکے' بلکہ وہ اپنے نور عقل سے شہوتوں کا قلع قمع کرنے پر قادر ہے' اور نہ فرشتہ ہے کہ اس پر شہوتوں کا غلبہ نہ ہو' انسان ہونے کی حیثیت سے اس پر شہوتیں غالب ہیں' اور اسے یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ عمر بھر ان شہوتوں کے خلاف مجاہدہ کرتا رہے' چنانچہ اگر شہوات کے مقابلے میں ناکام رہتا ہے تو اسفل السافلین میں چلا جاتا ہے' اور جانوروں کے زمرے میں اس کا شمار ہوتا ہے' اور اگر شہوات کے مقابلے میں کامیاب رہتا ہے تو اسے اعلیٰ علیین میں جگہ ملتی ہے' اور فرشتوں کے زمرہ میں شمار کیا جاتا ہے' کیونکہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں۔ اس لیے جو لوگ فرشتوں کی اتباع کرتے ہیں' اور ان کی عادتیں اختیار کرتے ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کے قریب ہو جاتے ہیں' چنانچہ مشہور ہے کہ ہم شکل کا قریب بھی قریب ہوتا ہے۔ یہ قرب مکان اور فاصلے کے اعتبار سے نہیں ہوتا۔ بلکہ صفات اور عادات کے لحاظ سے ہوتا ہے۔

اگر ارباب عقل' اور اہل دل کے نزدیک روزہ کی روح اور مقصد یہ ہے جو ابھی بیان کیا گیا تو ایک کھانے (دوپہر کے کھانے) میں تاخیر کرنے اور دو وقت کا کھانا ایک ساتھ کھا لینے میں کیا فائدہ ہے؟ جب کہ دن بھر دوسری شہوتوں میں مبتلا رہا۔ اگر اس طرح کا روزہ بھی مفید ہے تو پھر اس حدیث شریف کے کیا معنی ہیں۔

کم من صائم لیس لہ من صومہ الا الجوع والعطش۔

(یہ حدیث ابھی گذری ہے)

بہت سے روزہ دار ایسے ہیں جن کے روزے کا حاصل بھوک اور پیاس کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔

اسی لیے حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ عقلمندوں کا سونا اور افطار کرنا کتنا اچھا عمل ہے' اور بے وقوفوں کا جاگنا اور روزہ رکھنا کتنا برا ہے۔ اہل یقین اور اصحاب تقوی کا ذرہ برابر عمل بے وقوفوں کے پہاڑ برابر عمل سے افضل ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ بہت سے روزہ دار افطار کرنے والے ہیں' اور بہت سے افطار کرنے والے روزہ دار ہیں' افطار کرنے والے روزہ دار وہ لوگ ہیں جو اپنے اعضاء کو گناہوں سے بچاتے ہیں' اور پھر روزہ افطار کرتے ہیں' کھاتے پیتے ہیں' اور روزہ دار افطار کرنے والے وہ ہیں جو دن بھر بھوکے پیاسے رہتے ہیں' لیکن اپنے اعضاء گناہوں سے محفوظ نہیں رکھ پاتے۔

روزہ کے اصل معنی' اور اس کی حقیقی روح سمجھنے کے بعد یہ بات واضح ہو گئی کہ جو شخص کھانے پینے اور جماع کرنے سے بچا رہے' اور گناہوں میں ملوث رہے اسکی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص وضو میں اپنے اعضاء وضو پر تین تین بار مسح کرلے' ظاہر میں اس نے عدد کی موافقت کی ہے لیکن اس نے وضو کا عمل مقصود چھوڑ دیا ہے۔ وضو کا اصل مقصود دھونا ہے' تین کا عدد نہیں ہے۔ ظاہر ہے ایسے شخص کی نماز قبول نہیں ہوگی' اور ایسے ہی واپس کردی جائے گی۔ جو شخص کھانے کے ذریعہ افطار کرے' اور اعضاء کو گناہوں کے ارتکاب سے باز رکھے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص وضو میں ایک ایک مرتبہ اعضاء وضو دھوئے' اس کی نماز انشاء اللہ قبول ہوگی' کیوں کہ اس نے وضو کے اصل مقصد کی تکمیل کی ہے' اگرچہ درجۂ فضیلت (تین بار دھونا) حاصل نہیں کیا ہے۔ اور جو شخص کھانے پینے سے بھی روزہ رکھے' اور اعضاء سے بھی روزہ رکھے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص وضو میں تین تین مرتبہ اپنے اعضاء دھوئے' یہ شخص اصل اور افضل دونوں کا جامع ہے' اور یہی درجۂ کمال بھی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

ان الصوم امانة فليحفظ احدكم امانته (خرائطی۔ مکارم الاخلاق۔ ابن مسعودؓ)

روزہ ایک امانت ہے' تم میں سے ہر شخص اپنی امانت کی حفاظت کرے۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰى اَهْلِهَا۔ (پ ۵ ر ۵ آیت ۵۸)

بیشک تم کو اللہ تعالیٰ اس بات کا حکم دیتے ہیں کہ اہل حقوق کو ان کے حقوق پہنچا دیا کرو۔

اس کے بعد اپنے کانوں اور آنکھوں پر دست مبارک رکھ کر ارشاد فرمایا:۔

السمع امانة والبصر امانة (ابوداؤد۔ ابوہریرہؓ)

سننا امانت ہے اور دیکھنا امانت ہے۔

اگر سننا اور دیکھنا امانت نہ ہوتا تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ ارشاد نہ فرماتے کہ اگر تم سے کوئی لڑنے جھگڑنے پر آمادہ نظر آئے تو تم اس سے کہدو۔

انی صائم انی صائم

میں روزے سے ہوں' میں روزے سے ہوں۔

یعنی میں اپنی زبان سے امانت سمجھتا ہوں' اور امانت سمجھ کر اس کی حفاظت کرتا ہوں۔ تجھے جواب دے کر میں کس طرح اس امانت کو ضائع کردوں۔

اس پوری تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ ہر چیز کا ایک ظاہر ہوتا ہے' اور ایک باطن ہے۔ ایک گری ہوتی ہے اور ایک اس کا چھلکا۔ ہر چھلکے اور گری کے درمیان بہت سے درجات ہیں' ہر درجے میں بہت سے طبقات ہیں۔ اب تمہیں اختیار ہے' چاہے مغز اختیار کرو' چاہے چھلکے پر قناعت کرو' چاہے بے وقوفوں کے ساتھ لگ جاؤ' چاہے زمرۂ اہل عقل و دانش میں شامل ہو جاؤ۔

تیسرا باب

نفلی روزے' اور ان میں وظائف کی ترتیب

جاننا چاہیے کہ نفلی روزوں کا استحباب فضیلت رکھنے والے دنوں میں اور زیادہ ہوجاتا ہے یہ فضیلت رکھنے والے بعض دن سال میں ایک بار آتے ہیں' بعض مہینے میں ایک مرتبہ اور بعض ہفتے میں ایک بار آتے ہیں۔

ماہ رمضان کے علاوہ جو ایام سال میں ایسے ہیں جن میں روزہ رکھنا مستحب اور افضل ہے وہ یہ ہیں : یوم عرفہ' یوم عاشوراء' ذی الحجہ کا پہلا عشرہ' محرم الحرام کا پہلا عشرہ' اور تمام اشہر حرم۔ یہ سب ایام روزے کے لئے بہترین شمار ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شعبان میں بکثرت روزے رکھتے تھے۔ ایسا لگتا تھا گویا رمضان آگیا ہے (بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہؓ)۔ حدیث شریف میں ہے ماہ رمضان کے بعد اللہ تعالیٰ کے نزدیک ماہ محرم کے روزے افضل ہیں (مسلم۔ ابو ہریرہؓ)۔ ماہ محرم میں روزوں کی فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ اس مہینے سے سال کا آغاز ہوتا ہے' اس لئے اسے نیکی سے معمور کرنا چاہیئے' اور خداوند قدوس سے یہ توقع رکھنی چاہیے کہ وہ ان روزوں کی برکت اختتام سال تک باقی رکھے گا۔ حدیث شریف میں ہے کہ ماہ رمضان کا ایک روزہ ماہ حرام کے تیس روزوں سے افضل ہے' (۱) ایک حدیث میں ہے :۔

من صام ثلاثة ايام من شهر حرام الخميس والجمعة والسبت كتب الله له بكل يوم عبادة تسعمائة عام (الازدي في الضعفاء۔ انس)

جو شخص ماہ حرام میں تین دن روزے رکھے یعنی جمعرات' جمعہ اور سنیچر کو' اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر دن کے بدلے میں نو سو سال کی عبادت کا ثواب لکھیں گے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب شعبان کا مہینہ آدھا گزر جائے تو پھر رمضان تک روزہ نہیں (ابوداؤد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ۔ ابو ہریرہؓ)۔ اسی لئے مستحب یہ ہے کہ رمضان سے چند روز قبل ہی روزے ترک کردئے جائیں' لیکن اگر شعبان کو رمضان سے ملادیا جائے یعنی مسلسل روزے رکھے جائیں' درمیان میں کوئی فصل نہ کیا جائے تو یہ بھی جائز ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں مہینوں میں بلا فصل روزے رکھے ہیں۔ (ابوداؤد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ۔ ام سلمہؓ) لیکن عام عادت یہی تھی کہ شعبان اور رمضان کے درمیان چند روز کا فصل فرماتے۔ (ابوداؤد۔ عائشہؓ)

رمضان المبارک کی نیت سے دو تین دن پہلے روزے رکھنا درست نہیں ہے' لیکن اگر وہ دن اسکے معمول میں شامل ہوں (مثلاً وہ ہر ماہ کی آخری تین تاریخوں میں روزہ رکھتا ہو' یا ہفتے کے انھیں تین دنوں کے روزے رکھتا ہو جو شعبان کے آخری تین دن تھے) تو کوئی حرج نہیں ہے۔ بعض صحابہ کرامؓ نے رجب کے پورے مہینے روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے' تاکہ رمضان کے مہینے سے مشابہت نہ ہوجائے۔

حرام مہینے چار ہیں۔ ذی قعدہ' ذی الحجہ' محرم اور رجب' اول الذکر تینوں مہینے مسلسل ہیں' اور آخری مہینہ الگ اور تنہا ہے۔ ان چاروں مہینوں میں افضل ترین مہینہ ذی الحجہ ہے۔ کیوں کہ اس میں حج ہے' ایام معلومات اور ایام معدودات ہیں' ذی قعدہ حرام مہینوں میں سے بھی ہے' اور حج کے مہینوں میں سے بھی ہے' شوال صرف حج کے مہینوں میں ہے' حرام مہینوں میں سے نہیں ہے' محرم اور رجب حج کے مہینوں میں سے نہیں ہے' ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔

---

(۱) یہ حدیث ان الفاظ میں مجھے نہیں ملی۔ البتہ طبرانی کی المعجم الصغیر میں ابن عباسؓ کی ایک حدیث ان الفاظ میں روایت کی گئی ہے "من صام يوما من المحرم فله بكل يوم ثلاثون يوما"

مامن ایام العمل فیھن افضل و احب الی اللہ عزوجل من ایام عشر ذی الحجۃ ان صوم یوم منہ یعدل صیام سنۃ وقیام لیلۃ منہ تعدل قیام لیلۃ القدر' قیل ولا الجہاد فی سبیل اللہ تعالیٰ' قال ولا الجہاد فی سبیل اللہ عزوجل الا من عقر جوادہ واھریق دمہ (۲)

کوئی دن ایسا نہیں ہے کہ جس میں عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذی الحجہ کے دس دنوں کے عمل سے زیادہ افضل اور زیادہ محبوب ہو' اس مہینے کا ایک روزہ سال بھر کے روزوں کے برابر ہے' اور اس مہینے کی ایک رات کا قیام لیلۃ القدر کے قیام کے برابر ہے' عرض کیا گیا نہ راہ خدا میں جہاد افضل ہے۔ فرمایا نہ راہ خدا میں جہاد افضل ہے' ہاں اس صورت میں افضل ہے کہ اس کا گھوڑا زخمی کردیا جائے اور اس کا خون بہادیا جائے۔

ہر ماہ کے ابتدائی' درمیانی اور آخری دن بھی ان ایام میں شمار ہوتے ہیں جن میں روزہ رکھنا مستحب ہے' ہر ماہ کے درمیانی ایام بیض کہلاتے ہیں' ایام بیض کی تاریخیں یہ ہیں' تیرہ' چودہ' پندرہ۔ ہفتے میں پیر' جمعرات اور جمعہ کو روزہ رکھنا افضل ہے۔

بہر حال یہ بہترین ایام ہیں' ان میں روزہ رکھنا' اور کثرت سے صدقات وخیرات کرنا افضل ہے' تاکہ ان اوقات کی برکت سے عبادتوں کے اجر و ثواب میں اضافہ ہوجائے۔

جہاں تک صوم دہر (ہمیشگی کا روزہ) کا تعلق ہے' اس میں یہ تمام ایام بھی آجاتے ہیں لیکن صوم دہر کے سلسلے میں سالکین طریقت کے مختلف مذاہب ہیں۔ بعض حضرات صوم دہر کو مکروہ سمجھتے ہیں کیوں کہ روایات سے اس کی کراہت ثابت ہے۔ (۲) صحیح بات یہ ہے کہ صوم دہر کی کراہت دو وجہوں سے ہے' ایک وجہ تو یہ ہے کہ عیدین' اور ایام تشریق کے بھی روزے رکھے' یہی اصل میں صوم دہر ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ضرورت کے وقت بھی افطار نہ کرے' اور اس طرح افطار کی سنت سے اعراض کا مرتکب ہو' حالانکہ اللہ تعالیٰ جس طرح فرائض وواجبات کی تعمیل پسند کرتا ہے اسی طرح اسے یہ بھی پسند ہے کہ اس کے بندے شریعت کی طرف سے دی ہوئی رخصتوں پر بھی عمل کریں۔ اگر مسلسل روزے رکھنے میں یہ دونوں خرابیاں نہ پائی جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے بلکہ اس طرح کے روزے رکھنے چاہئیں' کیونکہ بہت سے صحابہ اور تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے یہ روزے رکھے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :

من صام الدھر کلہ ضیقت علیہ جہنم ھکذا وعقد تسعین (احمد' نسائی' ابن حبان' حاکم)

جو شخص صوم دہر رکھتا ہے اس پر دوزخ اس طرح تنگ ہوجائے گی' یہ کہہ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نوے کا عدد بنایا (یعنی انگشت شہادت کے سرے کو انگوٹھے کی جڑ میں لگا کر بتلایا)۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جہنم میں اس شخص کے لئے جگہ نہیں رہتی۔ ایک درجہ صوم دہر کے درجے سے کم ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آدھے دہر کا روزہ رکھے۔ آدھے دہر کے روزے کا مطلب یہ ہے کہ ایک دن روزہ رکھا جائے۔ اور ایک دن افطار کیا جائے۔ یہ طریقہ نفس کے لئے زیادہ دشوار ہے' اور نفس کی اس سے خوب اصلاح ہوتی ہے۔ اس طریقۂ صوم کے فضائل میں بہت سی روایات منقول ہیں۔ اس طرح کے روزے کا مطلب یہ ہے کہ ان میں بندہ ایک روز صبر کرتا ہے اور ایک روز شکر ادا کرتا ہے' چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ میرے سامنے دنیا کے خزانوں کی کنجیاں اور زمین کے دفینے پیش کئے گئے' لیکن میں نے یہ کنجیاں واپس کردیں' اور خزانہ لینے سے انکار کردیا' میں نے کہا کہ میں ایک روز بھوکا رہوں گا' اور

---

(۲) ترمذی بروایت ابوہریرہؓ۔ لیکن اس روایت میں آخری الفاظ قیل ولا الجہاد۔ مسلم کے الفاظ نہیں ہیں' البتہ بخاری میں اسی مضمون کی ایک روایت عبداللہ ابن عباس سے منقول ہے۔ (۲) صوم دہر کے سلسلے میں کراہت کی روایت بخاری میں عبداللہ ابن عمرؓ سے منقول ہے حدیث کے الفاظ یہ ہیں "لا صام من صام الابد"۔ مسلم میں ابو قتادہؓ کی روایت ہے "کیف من صام الدھر قال لا صام ولا افطر" نسائی میں بھی مضمون کی روایات عبداللہ ابن عمرؓ' عمران ابن حصینؓ اور عبداللہ ابن الشخیرؓ سے منقول ہیں۔

ایک روز کھاؤں گا۔ جب میرا پیٹ بھرے گا تو میں تیری حمد بیان کروں گا' اور جب بھوکا ہوں گا تو تیری عاجزی کروں گا۔ (۱)
ایک روایت میں ہے:۔

افضل الصیام صوم اخی داؤد علیہ السلام کان یصوم یوما و یفطر یوما (بخاری و مسلم۔ عبداللہ ابن عمرؓ)

روزوں میں سے افضل روزہ میرے بھائی داؤد علیہ السلام کا ہے' وہ ایک دن روزہ رکھتے تھے' اور ایک دن افطار کرتے تھے۔

اس روایت کی تائید عبداللہ ابن عمرؓ کے اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن افطار کرو تو انھوں نے عرض کیا کہ میں اس سے زیادہ روزے رکھنے پر قادر ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس سے افضل اور بہتر صورت نہیں ہے۔ (بخاری و مسلم۔ عبداللہ ابن عمرؓ) یہ بھی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مہینے میں بھی تیس روزے مسلسل نہیں رکھے' بلکہ آپ ہر مہینے میں کچھ روزے افطار کیا کرتے تھے (بخاری و مسلم۔ عائشہؓ) جو شخص نصف دہر کے روزے بھی نہ رکھ سکے تو اسے ثلث دہر (تہائی زمانے) کے روزے رکھ لینے چاہیں۔ یعنی ایک دن روزہ رکھے اور دو روز افطار کرے' بلکہ اگر تین دن مہینے کے شروع میں' تین دن مہینے کے درمیان میں' اور تین دن مہینے کے آخر میں روزے رکھ لئے جائیں تو یہ تعداد تہائی بھی ہو جائے گی' اور اسے بہترین دنوں میں بھی روزے رکھنے کی توفیق حاصل ہو جائے گی' اسی طرح اگر ہر ہفتے کے تین دن پیر' جمعرات اور جمعہ کو روزے رکھے تو ان روزوں کی مجموعی تعداد تہائی سے زیادہ ہو جائے گی۔

جب فضیلت کے اوقات آئیں تو کمال یہ ہے کہ آدمی روزے کے اصل مقصد اور مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کرے' اور یہ یقین کرے کہ روزہ کا اصل مقصد یہ ہے کہ قلب کی تطہیر ہو جائے اور فکر و ہمت کا تعلق خدا تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز سے باقی نہ رہے جو شخص باطن کی باریکیاں سمجھتا ہے' اس کی اپنے حالات پر نظر رہتی ہے' بعض اوقات اس کے حالات کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ مسلسل روزے رکھے۔ اور کبھی وہ یہ چاہتا ہے کہ مسلسل افطار کرے' کبھی اسکے حالات کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ ایک دن افطار کرے اور ایک دن روزہ رکھے۔ چنانچہ روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی اتنے روزے رکھتے تھے کہ لوگوں کو یہ خیال ہوتا تھا کہ شاید اب کبھی افطار نہ کریں گے' اور کبھی مسلسل افطار سے رہتے یہاں تک کہ لوگ کہنے لگتے کہ اب کبھی روزہ نہیں رکھیں گے' کبھی اتنی زیادہ شب بیداری فرماتے کہ کہا جاتا کہ اب آپ کبھی نہیں سوئیں گے' اور کبھی اتنا سوتے کہ لوگ سمجھتے کہ اب رات میں نہیں جاگیں گے۔ (۲) اس کا راز یہ ہے کہ آپ کو نور نبوت سے اوقات کے حقوق ادا کرنے کا جس قدر علم ہوتا تھا' اسی قدر آپ ان حقوق کی ادائیگی کا اہتمام فرماتے تھے۔ بعض علماء نے چار دن متواتر افطار کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔ چار دن کی قید عید کے دن اور ایام تشریق کے پیش نظر لگائی گئی ہے کہ ان چار دنوں میں روزہ رکھنا جائز نہیں ہے۔ ان علماء کی رائے میں چار دن سے زیادہ روزہ نہ رکھنے سے دل سخت ہو جاتا ہے' اور بری عادتیں پیدا ہو جاتی ہیں اور شہوتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ بعض لوگوں کے حق میں روزہ نہ رکھنے کی یہی تاثیر ہے۔ خاص طور پر وہ لوگ جو دن رات میں دو بار کھانا کھاتے ہیں روزہ نہ رکھنے کی وجہ سے علماء کی اس رائے کا مصداق بن جاتے ہیں۔ یہ تفصیل نفلی روزوں سے متعلق تھی۔ الحمد للہ کتاب الصوم ختم ہوئی۔ اب حج کے اسرار بیان کئے جائیں گے۔

الحمد للہ اولا و آخرا و صلے اللہ علی سیدنا محمد و آلہ و اصحابہ و کل عبد مصطفے۔

---

(۱) اس روایت کا ایک مضمون ترمذی میں ابوامامہؓ سے منقول ہے۔ (۲) یہ روایت بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ و ابن عباسؓ سے منقول ہے لیکن اس میں قیام اور نوم کا ذکر نہیں ہے' البتہ بخاری میں حضرت انسؓ کی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے

کتاب اسرار الحج

حج کے اسرار کا بیان : حج اسلام کا ایک بنیادی رکن ہے' یہ زندگی کی عبادت ہے' اس عبادت سے اسلام کی تکمیل ہوتی ہے' اور دین کامل ہوتا ہے' اسی عبادت کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔
(پ ۶ ر ۵ آیت ۳)

آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو میں نے کامل کردیا اور میں نے تم پر اپنا انعام کردیا۔ اور میں نے اسلام کو تمہارا دین (بننے کے لئے) پسند کرلیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :-

من مات ولم یحج فلیمت ان شاء یہودیا وان شاء نصرانیا۔ (ابن عدی۔ ابوہریرہؓ ترمذی نحوہ۔ علیؓ)

جو شخص حج کئے بغیر مرے تو وہ چاہے تو یہودی مرے اور چاہے تو نصرانی مرے۔

یہ عبادت کتنی عظیم ہے کہ یہ نہ ہو تو دین کامل نہیں ہوتا' اس عبادت سے اعراض کرنے والا گمراہی میں یہود و نصاریٰ کے برابر ہے' اس رکن کی اہمیت و عظمت کا تقاضا ہے کہ ہم اس کی شرح و تفصیل کریں' اس کے ارکان و سنن' مستحبات و فضائل اور اسرار و حکم بیان کریں۔ ان سب عنوانات پر انشاء اللہ تعالیٰ ہم حسب ذیل ابواب میں گفتگو کریں گے۔

پہلا باب :- حج کے فضائل' خانہ کعبہ اور مکہ کے فضائل' حج کے ارکان اور شرائط وجوب۔

دوسرا باب :- حج کے ظاہری اعمال' آغاز سفر واپسی تک۔

تیسرا باب :- حج کے مخفی اسرار و رموز' اور باطنی اعمال۔

پہلا باب

حج کے فضائل' مکہ مکرمہ' مدینہ منورہ' اور خانۂ کعبہ وغیرہ کے فضائل

حج کے فضائل اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْکَ رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ
(پ ۱۷ ر ۱۰ آیت ۲۷)

اور (ابراہیم علیہ السلام سے یہ بھی کہا گیا کہ) لوگوں میں حج (کے فرض ہونے) کا اعلان کردو (جس سے کہ) لوگ تمہارے پاس حج کو چلے آئیں گے پیادہ بھی اور (جو اونٹنیاں سفر کے مارے) دبلی (ہوگئی ہوں گی ان) اونٹنیوں پر بھی جو کہ دور دراز رستوں سے پہنچی ہوں گی۔

حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے ابراہیم علیہ السلام کو یہ حکم دیا کہ وہ لوگوں کو حج بیت اللہ کے لئے

بلائیں تو انھوں نے اعلان کیا کہ اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے ایک گھر بنایا ہے تم اس کا حج کرو۔ (ابراہیم علیہ السلام کا یہ مبارک اعلان بنی نوع انسان کے ان تمام افراد نے سنا جنھیں حج بیت اللہ کی سعادت حاصل ہو چکی ہے یا قیامت تک حاصل ہو گی)۔ ایک جگہ ارشاد فرمایا :-

لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ (پ ۱۷ ر ۱۰ آیت ۲۸)

تاکہ اپنے (دینیہ و دنیویہ) فوائد کے لئے آموجود ہوں۔

بعض مفسرین نے منافع کی یہ تفسیر کی ہے کہ اس سے مراد موسم حج کی تجارت اور ثواب آخرت ہے۔ بعض اکابر نے جب یہ مضمون سنا تو فرمایا کہ بخدا ان لوگوں کی مغفرت ہو گئی۔ قرآن پاک میں شیطان کا یہ قول نقل کیا گیا ہے :-

لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ (پ ۸ ر ۹ آیت ۱۶)

میں ان کے لئے آپ کی سیدھی راہ بیٹھوں گا۔

بعض مفسرین نے صراط مستقیم کی تفسیر میں مکہ مکرمہ کے راستے کا تذکرہ کیا ہے۔ شیطان اس راستے پر بیٹھا رہتا ہے تاکہ حج کے لئے جانے والوں کو حج کی حاضری سے روکے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :-

من حج البیت فلم یرفث ولم یفسق خرج من ذنوبہ کیوم ولدتہ امہ (بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہؓ)

جس شخص نے خانہ کعبہ کا حج کیا اور (حج کے دوران) فحش گوئی نہ کی گناہ نہ کیا تو وہ اپنے گناہوں سے اس طرح پاک ہو جائے گا جیسا کہ اس دن تھا جس دن اسے اس کی ماں نے جنا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ شیطان عرفے کے دن سے زیادہ ذلیل و خوار اور غضبناک نہیں دیکھا گیا۔ (۱) اس کی وجہ یہی ہے کہ شیطان اس دن رحمت الٰہی کا نزول دیکھتا ہے اور وہ یہ بھی دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دن بڑے بڑے گناہ معاف فرما دیتے ہیں۔ روایت ہے کہ بعض گناہ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا کفارہ وقوف عرفہ کے علاوہ کسی دوسرے فعل سے نہیں ہوتا اس روایت کو امام جعفر علیہ السلام نے آنحضرت علیہ السلام کی طرف بھی منسوب کیا ہے۔ (۲)

ایک بزرگ صاحب کشف فرماتے ہیں کہ عرفے کے دن شیطان لعین ان کے سامنے اس حال میں آیا کہ جسم کمزور تھا چہرہ زرد تھا آنکھوں سے اشک رواں تھے اور کمر جھکی ہوئی تھی انھوں نے پوچھا کہ یہ حال کیسے ہو گیا ہے کیوں رو رہے ہو؟ شیطان نے کہا کہ میرے رونے کی وجہ یہ ہے کہ لوگ محض اللہ تعالیٰ کو مقصود بنا کر حج کے لئے آرہے ہیں ان کے سامنے تجارت یا کوئی اور مقصد نہیں ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ انھیں ان کا مقصود عطا نہ فرما دے۔ انھوں نے دریافت کیا کہ تیرے کمزور و لاغر ہونے کی کیا وجہ ہے؟ شیطان نے کہا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ لوگوں کے گھوڑے راہ خدا میں ہنہنا رہے ہیں اگر وہ میرے راستے میں آوازیں نکالتے تو میرا جسم خوشی سے پھول جاتا۔ انھوں نے پوچھا کہ تیرا چہرہ زرد کیوں ہے؟ شیطان نے جواب دیا کہ لوگوں کو اطاعت خداوندی پر ایک دوسرے کی مدد کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں اگر وہ گناہوں پر ایک دوسرے کے مددگار و معاون ہوتے تو میرے چہرے کا رنگ دوسرا ہوتا۔ انھوں نے دریافت کیا کہ تمہاری کمر کیوں ٹوٹ گئی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بندے کی اس دعا نے میری کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔

اسالک حسن الخاتمۃ

میں تجھ سے حسن خاتمہ کی درخواست کرتا ہوں۔

---

(۱) مالک عن ابراہیم بن ابی علیہ عن طلحہ عن عبداللہ ابن کریز مرسلاً (۲) لیکن یہ روایت مجھے نہیں ملی۔

میں کہتا ہوں کہ اگر یہ حج کرنے والے اپنے عمل کے بارے میں عجب میں بھی مبتلا ہو جائیں تب بھی مجھے ڈر ہے کہ یہ لوگ اس دعا کی برکت سے اپنی برائی سے واقف ہو جائیں گے (اور اس طرح ان کا عمل ضائع ہونے سے بچ جائے گا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :-

من خرج من بیته حاجا او معتمرا فمات اجری الله له اجر الحاج المعتمر الی یوم القیامة ومن مات فی احدی الحرمین لم یعرض ولم یحاسب وقیل له دخل الجنة (۱)

جو شخص اپنے گھر سے حج یا عمرے کے ارادے سے نکلے اور مرجائے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے قیامت تک حج کرنے والے عمرہ کرنے والے کا ثواب لکھے گا' اور جو کسی حرم پاک (مدینہ منورہ یا مکہ مکرمہ) میں فوت ہو جائے تو نہ وہ حساب کے لئے پیش کیا جائے گا اور نہ اس سے حساب لیا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو۔

ایک روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی منقول ہے :-

حجة مبرورة خیر من الدنیا وما فیها وحجة مبرورة لیس لها جزاء الا الجنة (۲)

ایک حج مقبول دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے' اور حج مقبول کی جزاء جنت کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

حدیث شریف میں ہے :-

الحجاج والعمار وفد الله عزوجل و زواره ان سالوه اعطاهم وان استغفروه غفر لهم وان دعوا استجیب لهم وان شفعوا شفعوا (۳)

حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے وفد ہیں' اور اس کے مہمان ہیں' اگر وہ اس سے مانگتے ہیں تو وہ انھیں عطا کرتا ہے' اس سے مغفرت چاہتے ہیں تو وہ انکی مغفرت کرتا ہے' اگر دعا مانگتے ہیں تو ان کی دعا قبول فرماتا ہے' اور اگر سفارش کرتے ہیں تو ان کی سفارش قبول کی جاتی ہے۔

ایک اور مسند روایت میں جو اہل بیت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے' آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی نقل کیا گیا ہے :-

اعظم الناس ذنبا وقف بعرفة فظن ان الله تعالیٰ لم یغفر له (مسند الفردوس۔ ابن عمرؓ۔ سند ضعیف)

لوگوں میں بڑا گناہ گار وہ ہے جو عرفہ کے دن وقوف کرے اور خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت نہیں کی۔

اس سلسلے کی کچھ اور روایات یہ ہیں :-

(۱) ینزل علی هذا البیت فی کل یوم مائة وعشرون رحمة ستون للطائفین

---

(۱) اس روایت کا نصف اول ابو ہریرہؓ سے بیہقی میں منقول ہے' اور نصف ثانی دار قطنی میں حضرت عائشہؓ سے منقول ہے (۲) (بخاری و مسلم میں اس روایت کا نصف ثانی حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے' اور الحج المبرور کے الفاظ ہیں (۳) یہ روایت ابن ماجہ میں ابو ہریرہؓ سے منقول ہے' مگر اس میں زوارہ اور ان سالوہ اعطاھم الخ کے الفاظ نہیں ہیں۔ البتہ ابن ماجہ میں ابن عمر کی حدیث میں ان سالوہ اعطاھم کے الفاظ موجود ہیں۔

وار بعون للمصلین وعشرون للناظرین (۱) (ابن حبان فی الضعفاء۔ وبیہقی فی الشعب)

اس گھر پر ہر روز ایک سو بیس رحمتیں نازل ہوتی ہیں، ساٹھ طواف کرنے والوں کے لئے چالیس نماز پڑھنے والوں کے لئے اور بیس دیکھنے والوں کے لئے۔

(۲) فرمایا: خانۂ کعبہ کا طواف بکثرت کیا کرو، اس لئے کہ قیامت کے دن تم لوگ اپنے اعمال میں اس سے بڑی کوئی چیز نہیں پاؤ گے اور نہ اس عمل کے برابر تمہیں کوئی دوسرا عمل ایسا ملے گا جس پر تم رشک کر سکو (ابن حبان و حاکم۔ عبداللہ ابن عمرؓ)۔ اسلئے حج کے بغیر پہلے ہی طواف بیت اللہ کرنا مستحب قرار دیا گیا ہے۔

(۳) فرمایا: جو شخص ننگے سر ننگے پاؤں سات مرتبہ طواف بیت اللہ کرے اسے ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا، اور جو شخص بارش میں سات مرتبہ طواف بیت اللہ کرے اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ (۲)

کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرفات کے میدان میں کسی کا کوئی گناہ معاف فرماتا ہے تو اس شخص کی بھی مغفرت کر دیتا ہے جو اس شخص کی جگہ پہنچ جاتا ہے۔ بعض اکابرین سلف ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر عرفے کے دن جمعہ پڑ جائے تو تمام اہل عرفہ کی بخشش ہو جاتی ہے، یہ دن دنیا کے تمام دنوں میں افضل ترین دن شمار ہوتا ہے۔ اسی دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع ادا فرمایا، روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میدان عرفات میں قیام پذیر تھے کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی :۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا

(پ ۶ ر ۵ آیت ۳)

آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کر دیا، اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لئے پسند کر لیا۔

آیت کریمہ کے نزول کا علم جب اہل کتاب کو ہوا تو وہ مسلمانوں سے کہنے لگے کہ اگر یہ آیت ہم لوگوں پر نازل ہوتی تو ہم نزول کے دن کو عید کا دن قرار دے لیتے، یہ بات سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ آیت مبارکہ دو عیدوں کے دن نازل ہوئی یعنی عرفہ اور جمعہ کے دن، اور اس وقت نازل ہوئی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرفات کے میدان میں تشریف فرما تھے۔

(۳) روایات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا منقول ہے :۔

اللھم اغفر للحجاج ولمن استغفر لہ الحاج (حاکم۔ ابو ہریرہؓ)

اے اللہ حجاج کی اور ان لوگوں کی جن کے لئے حاجی دعائے مغفرت کریں مغفرت فرما۔

روایت ہے کہ علی ابن موفق نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے متعدد بار حج ادا کیا ہے، علی ابن موفق کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا، آپ نے مجھ سے ارشاد فرمایا: اے موفق! تم نے میری طرف سے حج ادا کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں یا رسول اللہ! فرمایا: تم نے میری طرف سے اللھم لبیک اللھم لبیک کہا عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ! فرمایا میں تمہارے اس عمل کا بدلہ قیامت کے دن تمہیں دوں گا، میں تمہارا ہاتھ پکڑ کر اس وقت جنت میں لے جاؤں گا جب لوگ حساب و کتاب کی سختیوں میں گرفتار ہونگے، مجاہدؒ اور دوسرے علمائے دین فرماتے ہیں کہ جب حجاج کرام مکہ مکرمہ پہنچتے ہیں تو فرشتے ان کا استقبال کرتے ہیں، اونٹ پر سوار ہو کر آنے والے حجاج کرام کو سلام کرتے ہیں گدھوں پر سوار ہو کر

---

(۱) قال حاتم حدیث منکر (۲) یہ روایت ان الفاظ میں نہیں ملی، البتہ ترمذی اور ابن ماجہ میں ایک روایت عبداللہ ابن عمر سے ان الفاظ میں منقول ہے "من طاف بھذا البیت اسبوعا فاحصاہ کان کعتق رقبۃ" (۳) بخاری و مسلم میں یہ روایت حضرت عمر ابن الخطابؓ سے منقول ہے

آنے والوں سے مصافحہ ملاتے ہیں' اور پیدل آنے والوں سے معانقہ کرتے ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص رمضان کے فوراً بعد' غزوہ کے فوراً بعد' اور حج کے فوراً بعد مرجائے وہ شہید ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ حجاج کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور ان لوگوں کو بھی معافی عطا کی جاتی ہے جن کے لئے یہ ذی الحجہ' محرم' صفر اور ربیع الاول کی بیس تاریخ تک دعائے مغفرت کریں' سلف صالحین کا معمول یہ تھا کہ وہ مجاہدین کو الوداع کہنے کے لئے دور تک مشایعت کرتے تھے' اور حجاج کرام کا استقبال کیا کرتے تھے' ان کی پیشانیوں کو بوسہ دیتے تھے' اور ان سے دعا کی درخواست کیا کرتے تھے' حجاج کرام سے ملاقات کے لئے وہ ان کے گناہوں میں ملوث ہونے اور کاروبار دنیا میں لگنے سے پہلے پہنچنے کی کوشش کرتے۔ علی ابن موفق بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حج کے دوران میں منیٰ کی مسجد خیف میں سو رہا تھا' میں نے دیکھا کہ آسمان سے دو فرشتے اترے ہیں' ان کے جسم پر سبز لباس ہیں' ایک فرشتے نے دوسرے فرشتے سے کہا: عبداللہ! تم جانتے ہو کہ اس سال بیت اللہ شریف کے حج کی سعادت کتنے لوگوں نے حاصل کی ہے؟ دوسرے نے جواب دیا کہ: مجھے نہیں معلوم! پہلے فرشتے نے بتلایا کہ اس سال چھ لاکھ افراد نے حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی مگر کیا تم جانتے ہو کہ ان میں سے کتنے لوگوں کا حج قبولیت سے سرفراز ہوا ہے۔ دوسرے فرشتے نے لاعلمی کا اظہار کیا' پہلے فرشتے نے بتلایا کہ اس سال چھ افراد کا حج قبول کیا گیا ہے۔ علی ابن موفق کہتے ہیں کہ یہ گفتگو کرکے دونوں فرشتے ہوا میں اڑ گئے' اور نظروں سے اوجھل ہو گئے' گھبراہٹ کی وجہ سے میری آنکھ کھل گئی' مجھے اپنے حج کی قبولیت کے سلسلے میں بڑی فکر لاحق ہوئی اور غم کی وجہ سے میری حالت خراب ہو گئی میں نے سوچا کہ ان چھ افراد میں میرا ہونا ناممکن معلوم ہوتا ہے' جب میں عرفات کے میدان سے واپس ہوا تو مشعر حرام کے پاس کھڑا ہو کر میں یہ سوچنے لگا کہ یہ عظیم ازدحام کس قدر بد قسمت ہے کہ صرف چھ افراد کا حج قبولیت سے نوازا گیا ہے' باقی تمام لوگوں کے حج مسترد کر دیئے گئے ہیں۔ ابن موفق کہتے ہیں کہ اسی حالت میں مجھ پر نیند طاری ہو گئی' میں نے دیکھا کہ دو فرشتے آسمان سے اسی ہیئت میں اترے ہیں' جس ہیئت میں وہ مسجد الخیف اترے تھے ان میں سے ایک نے اپنے رفیق سے وہی گفتگو کی جو پہلے کی تھی' اس کے بعد یہ کہا: کیا تم جانتے ہو کہ آج رات ہمارے رب کریم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟ اس کے رفیق نے جواب دیا! مجھے علم نہیں! فرشتے نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان چھ آدمیوں میں سے ہر ایک کو ایک لاکھ آدمی دیدیئے' یعنی ایک شخص کی سفارش ایک لاکھ افراد کے حق میں قبول کرلی' ابن موفق کہتے ہیں کہ یہ گفتگو سن کر میری آنکھ کھل گئی' اور مجھے اس قدر خوشی ہوئی جسے لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا۔

علی ابن موفقؒ کہتے ہیں کہ ایک سال حج کے لئے حاضر ہوا' مناسک حج سے فراغت کے بعد میں ان لوگوں کے متعلق سوچنے لگا جن کا حج بارگاہ الٰہی میں قبول نہیں ہوا ہے' میں نے جناب الٰہی میں عرض کیا کہ اے اللہ میں اپنے حج کا ثواب اس شخص کو ہبہ کرتا ہوں جس کا حج قبول نہیں ہوا' ابن موفق کہتے ہیں کہ میں نے بحالت خواب اللہ رب العزت کی زیارت کی' اللہ تعالیٰ مجھ سے فرماتے ہیں: اے علی! تم مجھ پر سخاوت کرتے ہو' حالانکہ میں نے ہی سخی پیدا کئے ہیں' اور میں نے ہی سخاوت پیدا کی ہے' میں سب سے بڑا سخی ہوں' میرا جود و کرم ہر جود و کرم سے اعلیٰ و ارفع ہے' میں ان لوگوں کے طفیل میں جن کا حج قبول کیا گیا ہے باقی تمام لوگوں کا حج قبول کرتا ہوں۔

بیت اللہ شریف اور مکہ مکرمہ کی فضیلت: اس سلسلے کی روایات ذیل میں درج کی جارہی ہیں۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ اس کے گھر کا حج ہر سال چھ لاکھ افراد کیا کریں گے' اگر کسی سال یہ تعداد کم ہوئی تو فرشتوں کے ذریعہ کمی پوری کی جائے گی' قیامت کے روز بیت اللہ شریف عروس نو کی طرح اٹھے گا' وہ تمام لوگ جو حج بیت اللہ کی سعادت سے سرفراز ہو چکے ہوں گے اس عروس کا دامن پکڑے ہوئے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ (۱)

---

(۱) مجھے یہ روایت نہیں ملی

(۲) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الحجر الاسود یاقوتۃ من یواقیت الجنۃ' وانہ یبعث یوم القیامۃ لہ عینان ولسان ینطق بہ' ویشھد لکل من استلمہ بحق وصدق (۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حجر اسود جنت کے یاقوتوں میں سے ایک یاقوت ہے' قیامت کے دن وہ اس حال میں اٹھایا جائے گا کہ اس کی دو آنکھیں ہوں گی' اور ایک زبان ہوگی جس سے وہ بول رہا ہوگا' اور ہر اس شخص کے بارے میں گواہی دے رہا ہوگا جس نے حق و صداقت کے ساتھ اسے بوسہ دیا ہوگا۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجر اسود کو بکثرت بوسہ دیا کرتے تھے (بخاری و مسلم۔ عمرؓ)

(۴) ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اس پر سجدہ بھی کیا ہے' کبھی آپ سواری پر ہوتے تو اپنا عصائے مبارک حجر اسود کی طرف بڑھا دیتے تھے اور پھر عصا کے کنارے کو اپنے لب مبارک سے لگا لیا کرتے تھے (بزار و حاکم۔ عمرؓ)۔

(۵) ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے بھی حجر اسود کو بوسہ دیا' پھر یہ فرمایا کہ میں جانتا ہوں تو ایک پتھر ہے جو نہ نفع دیتا ہے اور نہ ضرر پہنچاتا ہے اگر میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں ہرگز بوسہ نہ دیتا' یہ کہہ کر آپ رونے لگے' یہاں تک کہ آپ کی ہچکیاں بندھ گئیں' اس کے بعد آپ نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو حضرت علیؓ وہاں موجود تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا کہ اے ابوالحسن یہ وہ مقام ہے جہاں آنسو بہائے جاتے ہیں' اور دعائیں قبول ہوتی ہیں' حضرت علیؓ نے کہا کہ یا امیر المومنین! یہ پتھر نفع بھی دیتا ہے' اور نقصان بھی پہنچاتا ہے' عمرؓ نے فرمایا وہ کس طرح؟ علیؓ نے جواب دیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے بنی آدم سے عہد لیا تھا تو ایک تحریر لکھ کر اس پتھر کو کھلادی تھی' یہ پتھر مومن کے بارے میں وفاء عہد کی' اور کافر کے بارے میں عہد شکنی کی شہادت دیتا ہے۔ (۲) علماء فرماتے ہیں کہ استلام (حجر اسود کو بوسہ دینے) کے وقت یہ دعا پڑھی جاتی ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِیْمَانًا بِکَ وَتَصْدِیْقًا بِکِتَابِکَ وَوَفَاءً بِعَھْدِکَ

اے اللہ میں یہ استلام کر رہا ہوں تجھ پر ایمان کی وجہ سے' تیری کتاب کی تصدیق کے لئے اور تیرے عہد کو پورا کرنے کے لئے۔

اس سے مراد حضرت علیؓ کا یہی قول ہے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں ایک روزہ رکھنا ایک لاکھ روزوں کے برابر ہے' اور ایک درہم خیرات کرنا ایک لاکھ درہم کے کے برابر ہے' اسی طرح ہر نیکی کا اجر ایک لاکھ گنا ہوتا ہے' یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سات بار طواف کرنا ایک عمرے کے برابر ہے' اور تین عمرے کرنا ایک حج کے برابر ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :۔

عمرۃ فی رمضان کحجۃ معی (۳)

رمضان کا ایک عمرہ میرے ساتھ ایک حج کے برابر ہے۔

---

(۱) یہ روایت ترمذی اور نسائی میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے "الحجر الاسود من الجنۃ" کے الفاظ نسائی میں ہیں' اور باقی حدیث ترمذی میں ہے' حاکم میں انسؓ کی روایت کے الفاظ ہیں :۔ "ان الرکن والمقام یاقوتتان من یواقیت الجنۃ" یہ روایت نسائی' ابن حبان اور حاکم میں عبداللہ ابن عمرو سے بھی منقول ہے (۲) انی لاعلم انک حجر کے الفاظ بخاری و مسلم میں منقول ہیں' لیکن ان دونوں کتابوں میں باقی عبارت نہیں ہے۔ یہ عبارت حاکم میں ہے' تاہم حاکم کی روایت بخاری و مسلم کی شرطوں کے مطابق نہیں ہے (۳) بخاری میں معی کا لفظ نہیں ہے' مسلم میں معی شک کے ساتھ اور حاکم میں بلاشک منقول ہے۔

ارشاد نبوی ہے :۔

(۱) انا اول من تنشق منه الارض ثم آتی اهل البقیع فیحشرون معی ثم آتی اهل مكة فاحشر بین الحرمین (ترمذی' ابن حبان- ابن عمرؓ)

میں پہلا آدمی ہوں گا جس سے زمین پھٹے گی (یعنی حشر کے دن سب سے پہلے میں اٹھوں گا) پھر میں اہل بقیع کے پاس آؤں گا' ان کا حشر میرے ساتھ ہو گا' پھر میں مکہ مکرمہ والوں کے پاس آؤں گا' میرا حشر دونوں حرموں کے درمیان ہو گا۔

ان آدم علیه السلام لما قضی مناسکه لقیته الملائكة فقالوا بر حجك یا آدم لقد حججنا هذا البیت قبلك بالفی عام (۱)

جب حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے افعال حج ادا فرمالئے تو فرشتوں نے ان سے ملاقات کی' اور عرض کیا: اے آدم! آپ کا حج قبول ہوا' ہم نے آپ سے دو ہزار سال قبل اس گھر کا طواف کیا ہے۔

روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر روز رات میں زمین والوں کی طرف دیکھتے ہیں' سب سے پہلے حرام والوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں' اور اہل حرم میں سے ان لوگوں پر پہلے توجہ ہوتی ہے' جو مسجد حرام میں موجود ہوں' چنانچہ ان لوگوں کی مغفرت فرمادیتے ہیں جو طواف میں مشغول ہوں' نماز پڑھ رہے ہوں' یا رو بقبلہ کھڑے ہوئے ہوں۔ ایک بزرگ کو کشف کے ذریعہ یہ بات معلوم ہوئی کہ تمام گھاٹیاں جزیرۂ عبادان کے سامنے سر بسجود ہیں' اور جزیرۂ عبادان جدہ کی طرف سجدہ ریز ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ سورج اس وقت تک غروب نہیں ہوتا جب تک کہ کوئی ابدال خانہ کعبہ کا طواف نہ کرلے' اور کوئی رات اس وقت تک صبح سے ہم آغوش نہیں ہوتی جب تک کہ کوئی اوتاد اس مقدس گھر کا طواف نہ کرلے' اگر کبھی ایسا ہوا کہ ان کے طواف کئے بغیر سورج ڈوب گیا' یا صبح ہو گئی تو اس کی وجہ یہ ہو گی کہ زمین سے کعبہ اٹھایا جاچکا ہو گا۔ لوگ صبح اٹھ کر دیکھیں گے کعبہ اپنی جگہ موجود نہیں ہے' نہ اس کا کوئی نشان وہاں باقی ہے' یہ واقعہ اس وقت رونما ہو گا جب سات سال تک کوئی حج بیت اللہ ادا نہ کرے گا۔ پھر مصاحف سے قرآن پاک اٹھایا جائیگا' لوگ صبح اٹھ کر دیکھیں گے اوراق سادہ ہیں ان میں کوئی لفظ باقی نہیں رہا پھر دلوں سے قرآن پاک اٹھالیا جائے گا کسی شخص کو اس مقدس کتاب کا ایک لفظ بھی یاد نہیں رہے گا۔ لوگ شعر و شاعری' گانوں' اور جاہلیت کے قصوں میں دلچسپی لیں گے' پھر دجال نکلے گا' عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں تشریف لائیں گے' اور اسے ہلاک کردیں گے۔ قیامت میں اس وقت اتنی دیر ہو گی جتنی دیر پورے دنوں کی حاملہ کے یہاں ولادت ہوتی ہے' حدیث شریف میں ہے :۔

استمعوا من هذا البیت فانه هدم مرتین و یرفع فی الثالثة (بزار' ابن حبان' حاکم۔ ابن عمرؓ)

اس گھر (خانۂ کعبہ) سے فائدہ اٹھالو' اس لئے کہ یہ دو مرتبہ ڈھایا گیا ہے' اور تیسری مرتبہ اٹھالیا جائے گا۔

حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے' کہ جب میں دنیا کو خراب کرنا چاہوں گا تو اپنے گھر سے اس کی ابتدا کروں گا' پھر پوری دنیا کو خراب کروں گا (۲)

مکہ مکرمہ میں قیام کرنے کی فضیلت اور کراہت : احتیاط پسند' اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے علماء نے مکہ مکرمہ

---

(۱) رواہ ابن الجوزی فی العلل من حدیث ابن عباس وقال لا یصح' ورواہ الازرقی فی تاریخ مکة موقوفا علی ابن عباس (۲) اس حدیث کی کوئی اصل مجھے نہیں ملی

میں قیام کو مندرجہ ذیل تین وجوہات کی بنا پر ناپسند کیا ہے۔ پہلی وجہ خانہ کعبہ سے اکتاہٹ اور دل سے اس بیت مقدس کی اہمیت و عظمت نکل جانے کا خوف ہے' کیونکہ طویل قیام سے وہ حرارت ختم ہوتی ہے جو کسی چیز کی حرمت کے متعلق دل میں ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ حج سے فراغت کے بعد حجاج سے فرمایا کرتے تھے کہ یمن والے یمن واپس جائیں' شام والے شام جائیں' اور عراق والے عراق چلے جائیں' حضرت عمرؓ لوگوں کو بکثرت طواف کرنے سے بھی منع کیا کرتے تھے' اور فرمایا کرتے تھے کہ مجھے ڈر ہے کہ زیادہ طواف کرنے سے تمہارے دل اس سے مانوس نہ ہو جائیں' اور عظمت و احترام کا وہ تعلق باقی نہ رہے جو اس گھر کے شایان شان ہے' دوسری وجہ یہ ہے کہ جدائی شوق ملاقات کی آگ بھڑکتی ہے' اور دل میں واپسی کے جذبات سر ابھارتے ہیں۔

اللہ تعالی نے بیت اللہ کو مثابۃ للناس وامنا فرمایا ہے۔ مثابہ کے معنی ہی یہ ہیں کہ لوگ اس کے پاس بار بار آئیں' اور اپنی کوئی ضرورت اس سے پوری نہ کرپائیں۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ تم کسی دور دراز شہر میں ہو' اور تمہارا دل خانہ کعبہ کی طرف متوجہ ہو' یہ اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے کہ تم مکہ مکرمہ میں ہو اور تمہارا دل کسی دوسرے شہر میں ہو۔ سلف صالحین فرماتے ہیں کہ خراسان میں رہنے والا اس شخص کی بہ نسبت خانہ کعبہ سے زیادہ قریب ہوتا ہے' جو طواف میں مصروف ہو۔ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالی کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں جن کا طواف تقرب خداوندی حاصل کرنے کے لئے بیت اللہ کرتا ہے۔

تیسری وجہ گناہوں اور غلطیوں کے ارتکاب کا خوف ہے۔ یقیناً مکہ مکرمہ میں گناہوں کا ارتکاب زیادہ خطرناک ہے بیت اللہ شریف کی عظمت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس شہر میں کئے ہوئے گناہ خداوند قدوس کے غضب کا باعث بنیں' وہیب ابن الورد المکی بیان کرتے ہیں کہ ایک رات میں حطیم میں نماز پڑھ رہا تھا میں نے سنا کہ دیوار کعبہ اور پردہ کے درمیان سے آواز آرہی ہے کہ اے جبرئیل! طواف کرنے والے جو لغو گفتگو کرتے ہیں' اور تفریحی باتوں میں مصروف رہتے ہیں' مجھے اس سے تکلیف ہوتی ہے' میں اپنی اس تکلیف کی شکایت باری تعالی سے کرتا ہوں' پھر تم سے کرتا ہوں۔ اگر یہ لوگ اپنی بیہودہ حرکتوں سے باز نہ آئے تو میرا ایک ایک پتھر اس پہاڑ پر چلا جائے گا جہاں سے جدا کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ کے علاوہ کوئی شہر ایسا نہیں ہے' جس میں عمل اور نیت دونوں پر مواخذہ ہوتا ہو۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی :-

مَنْ یُّرِدْ فِیْهِ بِاِلْحَادٍۭ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ (پ ۱۷ ر ۱۰ آیت ۲۵)

اور جو شخص اس میں (حرم میں) کوئی خلاف دین کام قصداً (خصوصاً جب کہ وہ) ظلم (شرک و کفر) کے ساتھ کرے گا تو ہم اس کو دردناک عذاب (کا مزہ) چکھائیں گے۔

کہا جاتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں جس طرح نیکیوں کا درجہ دوچند ہوتا ہے اسی طرح گناہوں کی سزا بھی بڑھ جاتی ہے' حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں ذخیرہ اندوزی کرنا حرم شریف کے الحاد کے برابر ہے' کہا جاتا ہے کہ جھوٹ بولنا بھی الحاد میں داخل ہے۔ حضرت ابن عباس یہ بھی فرماتے ہیں کہ رکیہ میں ستر گناہ کرنا مکہ مکرمہ میں ایک گناہ کرنے سے بہتر ہے۔ رکیہ طائف اور مکہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے اسی خوف کی وجہ سے بعض قیام کرنے والوں کا حال یہ تھا کہ وہ حرم پاک کی زمین پر قضائے حاجت نہ کرتے' بلکہ اس مقصد کے لئے حرم سے باہر جاتے' بعض بزرگ ایک مہینے تک مکہ مکرمہ میں مقیم رہے' مگر غایت ادب کی وجہ سے اپنا پہلو زمین پر نہ رکھ سکے۔ مکہ مکرمہ میں قیام کی کراہت کی وجہ سے بعض علماء نے اس شہر مقدس کے مکانوں کا کرایہ مکروہ قرار دیا ہے۔

یہاں یہ خیال نہ کیا جائے کہ کسی مقام کی کراہت اس کے تقدس اور عظمت کے منافی ہے۔ اس لئے کہ اس کراہت کی وجہ خود وہاں قیام کرنے والوں کی بے عملی اور ضعف ہمت ہے' لوگ اس مقدس مقام کے حقوق کی ادائیگی کرنے سے قاصر ہیں' لیکن اگر کوئی شخص واقعی اس بلد حرام کے حقوق ادا کر سکتا ہے تو اس کے قیام کی فضیلت سے کسے انکار ہے۔ یہ وہ مقام ہے کہ فتح کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ تشریف لائے تو خانہ کعبہ کی طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا۔

انک لخیر ارض اللہ عزوجل واحب بلاد اللہ تعالیٰ التی ولولا انی اخرجت منک لما خرجت (ترمذی، نسائی فی الکبریٰ، ابن ماجہ۔ عبداللہ بن عدی)

تو اللہ کی زمین میں سب سے بہتر ہے اور اللہ کے شہروں میں میرے نزدیک سب سے زیادہ سب سے زیادہ محبوب ہے اگر میں تجھ سے نہ نکالا جاتا تو ہرگز نہ نکلتا۔

مدینہ منورہ کی فضیلت تمام شہروں پر : مکہ مکرمہ کے بعد کوئی جگہ مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل و اشرف نہیں، نیکیوں کا ثواب یہاں بھی بڑھا کر عطا کیا جاتا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

صلاۃ فی مسجدی ھذا خیر من الف صلاۃ فیما سواہ الا المسجد الحرام (بخاری و مسلم۔ ابوہریرہؓ، مسلم۔ ابن عمرؓ)

میری اس مسجد میں ایک نماز مسجد حرام کے علاوہ دوسری مساجد کی ایک ہزار نمازوں سے بہتر ہے۔

ہر عمل کا یہی حال ہے، مدینہ منورہ کے بعد بیت المقدس کا اجر و ثواب ہے۔ یہاں کی ایک نماز دوسری مسجدوں کی پانچ سو نمازوں سے افضل ہے۔ نہ صرف نماز بلکہ دوسرے تمام اعمال کے اجر و ثواب کا یہی حال ہے۔ حضرت ابن عباسؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی نقل کرتے فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی میں ایک نماز دس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ بیت المقدس میں ایک نماز ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے، اور مسجد حرام میں ایک نماز ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے (۱) ۔ ایک حدیث میں ہے۔

لا یصبر علی لاوائھا وشدتھا احد الا کنت لہ شفیعا یوم القیامۃ (مسلم، ابوہریرہؓ، ابن عمرؓ، ابوسعیدؓ)

جو شخص مدینے کی مصیبت اور سختی پر صبر کرے گا میں قیامت کے دن اس شخص کی سفارش کرنے والا ہوں گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

من استطاع ان یموت بالمدینۃ فلیمت بھا فانہ لن یموت بھا الا کنت لہ شفیعا یوم القیامۃ (ترمذی، ابن ماجہ۔ ابن عمرؓ)

جو شخص مدینے میں مر سکے اسے ایسا ہی کرنا چاہیے اس لئے کہ جو شخص مدینہ منورہ میں انتقال کرے گا میں قیامت کے روز اس کی سفارش کرنے والا ہوں گا۔

ان تینوں مقامات مقدسہ کے بعد تمام جگہیں فضیلت میں برابر ہیں، البتہ ان گھاٹیوں کو مستثنیٰ کرنا پڑے گا جن میں مجاہدین اسلام دشمنوں کی نگہبانی کے لئے فروکش ہوں، اسطرح کے مقامات کے لئے بھی احادیث میں بڑی فضیلت وارد ہے۔

مذکورہ مقامات مقدسہ کے بارے میں ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لا تشد الرحال الا الی ثلثۃ مساجد المسجد الحرام، ومسجدی ھذا

---

(۱) یہ روایت غزالیؒ کے الفاظ میں مجھے نہیں ملی، البتہ ابن ماجہ میں حضرت میمونہؓ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں "ائتوہ (بیت المقدس) فصلوا فیہ فان صلاۃ فیہ کالف صلاۃ فی غیرہ، ابن ماجہ میں حضرت انسؓ کی روایت میں موجود ہے:۔ صلاۃ بالمسجد الاقصیٰ بخمسین الف صلاۃ، وصلوٰۃ فی مسجدی بخمسین الف صلاۃ لیس فی اسنادہ من ضعف، وقال الذھبی انہ منکر

والمسجد الاقصٰی (بخاری و مسلم۔ ابوہریرہؓ ابوسعیدؓ)
سفر نہ کیا جائے، مگر تین مسجدوں کے لئے سفر کیا جاسکتا ہے مسجد حرام مسجد نبوی اور مسجد اقصٰی کے لئے

اس حدیث کی بناء پر بعض علمائے کرام کی رائے یہ ہے کہ دوسرے مقامات مقدسہ اور علماء و صلحاء کی قبروں کی زیارت کے لئے سفر کرنا بھی جائز نہیں ہے۔
ہم نہیں جانتے کہ ان علماء نے یہ استدلال کہاں سے کیا ہے۔ جہاں تک قبور کی زیارت کا تعلق ہے اس سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ارشاد موجود ہے۔

کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا (مسلم۔ بریدۃ ابن الحصیبؓ)
میں نے تمہیں قبروں کی زیارت کرنے سے منع کیا تھا اب ان کی زیارت کیا کرو۔

ہمارے خیال میں یہ حدیث مساجد کے سلسلے میں وارد ہوئی ہے دوسرے مقامات کا اس سے کوئی تعلق نہیں اس لئے کہ ان تین مساجد کے علاوہ باقی تمام مسجدیں فضیلت میں برابر ہیں، کوئی شہر ایسا نہیں ہے جہاں مسجدیں نہ ہوں، پھر دوسری مسجدوں کے لئے سفر کی کیا ضرورت ہے، لیکن مقامات (مثلاً بزرگوں کی قبریں) سب برابر نہیں ہیں بلکہ ان کی برکت اور تقدس اتنا ہی ہے جتنا اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کا درجہ ہے، ہاں اگر کوئی شخص کسی ایسے گاؤں میں رہتا ہو جہاں مسجد نہ ہو تو اسکے لئے کسی دوسرے گاؤں کی مسجد کے لئے سفر کرنے کی اجازت ہے اور اگر چاہے تو اپنا گاؤں چھوڑ کر اسی گاؤں میں آباد بھی ہو سکتا ہے۔
یہاں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ یہ ممانعت حضرات انبیاء علیہم السلام (مثلاً حضرت عیسٰی، حضرت موسٰی، حضرت ابراہیم حضرت یحیٰی) کی قبروں کے لئے بھی ہے یا نہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے، اور یقیناً نفی ہی میں ہونا چاہیے، تو پھر کیا وجہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قبروں کی زیارت کے لئے سفر کرنا تو جائز قرار دیا جائے، اور اولیاء و صلحاء کی قبروں کی زیارت کے لئے سفر کرنے سے منع کیا جائے؟ بلکہ بعید نہیں کہ علماء و صلحاء کی قبروں کی زیارت سفر کے مقاصد ہی میں سے ایک مقصد ہو، کیوں کہ علمائے کرام کی زیارت زندگی میں مقصود ہوتی ہے۔ یہ حال تو سفر کا ہے۔ اب قیام کا حال سنئے ـــــ اگر مرید کا مقصد سفر علم حاصل کرنا نہیں ہے تو بہتر یہ ہے کہ اپنی جگہ مقیم رہے، لیکن اسکے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ جہاں وہ مقیم ہے وہاں اس کا دین سلامت ہو، اگر دین کی سلامتی کو خطرہ لاحق ہو تو اس جگہ سے ہجرت کر کے کسی ایسی جگہ قیام کرے جہاں اسے گمنامی، گوشہ تنہائی دین کی سلامتی، قلب کی فراغت اور عبادت کی سہولت میسر ہو، یہی جگہ اس کے لئے افضل ترین جگہ ہوگی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

البلاد بلاد اللّٰہ، والعباد عباد اللّٰہ نای موضع رایت فیہ رفقا فاقم و احمد اللّٰہ تعالٰی (احمد، طبرانی۔ زبیرؓ۔ سند ضعیف)
تمام شہر اللہ کے ہیں، تمام لوگ اللہ کے بندے ہیں اسلئے جس جگہ تمہیں نرمی اور سہولت ملے وہاں قیام کرو اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے لئے کسی چیز میں برکت دے دی گئی ہو تو وہ اسے لازم پکڑے، اور جس کا رزق کسی چیز میں مقدر کردیا گیا ہو وہ اس سے اس وقت تک اعراض نہ کرے جب تک وہ شئی خود بخود نہ بدل جائے۔ (۱)

---

(۱) ابن ماجہ میں حضرت انسؓ سے مذکورہ حدیث کا پہلا جملہ ان الفاظ میں منقول ہے "من رزق فی شی فیلزمہ" اور دوسرا جملہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے "اذا سبب لاحدکم رزقا من وجہ فلا یدعہ حتی یتغیر لہ او یتنکر لہ"

ابو نعیم فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سفیان ثوریؒ کو دیکھا کہ وہ اپنے کاندھے پر جھولا لٹکائے اور ہاتھ میں جوتے لئے چلے جارہے ہیں۔ میں نے عرض کیا' اے ابو عبداللہ! کہاں کا ارادہ ہے؟ فرمایا میں اس شہر کا ارادہ کرکے نکلا ہوں جہاں اپنا تھیلا ایک درہم میں بھرلوں' ایک دوسری روایت میں ان کا یہ جواب نقل کیا گیا ہے کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ فلاں گاؤں میں چیزیں سستی ملتی ہیں' اسلئے میں وہاں جاکر قیام کروں گا' میں نے عرض کیا: آپ جیسے لوگ بھی ایسا کیا کرتے ہیں؟ فرمایا: ہاں! اگر تمہیں کسی جگہ کے متعلق یہ معلوم ہو کہ وہاں گرانی نہیں ہے تو وہیں جاکر مقیم ہو جاؤ' اس سے تمہارا دین بھی سلامت رہے گا' اور فکر معاش بھی کم ہوگی۔ حضرت سفیان ثوریؒ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ یہ برائی کا دور ہے' اسمیں گمنام لوگ مامون و محفوظ نہیں رہ سکتے' مشہور لوگوں کا تو کیا ذکر ہے۔ اس دور میں تو اپنے دین کی سلامتی کے لئے اور اسے فتنوں سے بچانے کے لئے ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں منتقل ہوتے رہنا چاہیے۔ روایت ہے کہ آپ نے اپنے رفقاء سے فرمایا: بخدا! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کہاں جاکر رہوں؟ لوگوں نے عرض کیا خراسان چلے جایئے! فرمایا: وہاں انگلیوں پر گنے جاتے ہیں یعنی شہرت حاصل ہوتی ہے' کسی نے عراق جاکر رہنے کی تجویز پیش کی مگر آپ نے یہ کہہ کر تجویز مسترد کردی کہ عراق ظالموں کا ملک ہے' مکہ مکرمہ کا نام آیا تو آپ فرمایا کہ وہاں عقل اور جسم دونوں گھل جاتے ہیں (یعنی نہ وہاں عقل سے کام لیا جاسکتا ہے اور نہ جسم سے' خانۂ کعبہ کے قرب سے عشاق کی عجیب حالت ہو جاتی ہے) ایک شخص نے عرض کیا کہ میں نے مکہ مکرمہ میں قیام کا پختہ ارادہ کرلیا ہے' براہ کرم مجھے کوئی نصیحت فرمادیجئے' فرمایا! مکہ مکرمہ رہو تو ان تین چیزوں کا دھیان رکھنا (۱) پہلی صف میں نماز مت پڑھنا (۲) کسی قریشی سے دوستی مت کرنا (۳) اور صدقہ ظاہر کرکے مت دینا۔ صف اول میں نماز پڑھنے سے اسلئے منع کیا کہ عام طور پر صف اول کے نمازی مشہور ہو جاتے ہیں۔ اگر اتفاقاً موجود نہ رہے تو ان کی تلاش کی جاتی ہے۔ اس صورت میں عمل اظہار' تصنع اور نمائش کا شکار ہو جاتا ہے۔

دوسرا باب

حج کے وجوب کی شرائط' ارکان حج' واجبات' منہیات

حج کے صحیح ہونے کی شرائط : حج کے صحیح ہونے کی دو شرطیں ہیں وقت اور اسلام۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ بچہ کا حج درست ہے' اگرچہ باشعور ہے تو وہ خود احرام باندھے' ورنہ اس کا ولی اس کی طرف سے احرام باندھے' اور حج کے ارکان طواف اور سعی وغیرہ ادا کرے۔ حج کے وقت شوال سے ذی الحجہ کے دسویں شب یعنی یوم نحر کی صبح صادق تک ہے اگر کسی نے اس مدت کے علاوہ احرام باندھا ہو تو اسے عمرے کا احرام نہیں باندھنا چاہیے کیوں کہ عمرہ کرنے کے بعد وہ حج کے افعال ادا نہیں کرسکے گا۔ (۱)

حج اسلام کی شرائط : حج کے حج اسلام ہونے کی شرائط پانچ ہیں (۱) مسلمان ہونا (۲) آزاد ہونا (۳) بالغ ہونا (۴) عاقل ہونا (۵) وقت کا ہونا۔۔۔ اگر کسی بچے یا غلام نے احرام باندھا لیکن عرفہ کے دن غلام آزاد ہوگیا' اور بچہ بالغ ہوگیا تو یہ حج ان دونوں کے لئے کافی ہو جائے گا (۲) اور اب ان پر حج اسلام فرض نہیں ہوگا اس لئے کہ حج وقوف عرفہ ہی کا نام ہے۔ ان دونوں پر دم بھی واجب نہیں ہوگا۔ یہی شرائط فرض عمرے کے لئے ہیں۔ البتہ عمرے میں وقت کی شرط نہیں ہے۔

---

(۱) احناف کے یہاں عرفے کے دن' اور عرفے کے بعد چار دن تک عمرہ کرنا مکروہ تحریمی ہے' کیوں کہ یہ حج کے دن ہیں' حج کے افعال داخل نہ کئے جائیں۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ عمرہ کے لئے حج سے فارغ ہونے کے بعد قیام کرو (عمدۃ الرعایہ علی شرح وقایہ ج ۱ ص ۲۵۸) مترجم (۲) اس صورت میں احناف کے نزدیک بچے کا حج اسلام ادا ہو جائے گا۔ غلام کا ادا نہیں ہوگا۔ تفصیلات کیلئے دیکھئے شرح نقایہ ج ۱ ص ۲۰۵ مترجم

آزاد و بالغ کے نفلی حج کی شرائط : نفلی حج فرض حج کی ادائیگی کے بعد ہے' حج اسلام مقدم ہے اس کے بعد اس حج کی قضا واجب ہے جسے اس نے وقوف عرفہ کے دوران فاسد کردیا تھا۔ (۱) پھر نذر کا حج ہے' پھر نیابت کا حج ہے' آخر میں نفلی حج کا درجہ ہے یہی ترتیب ضروری ہے' اگرچہ نیت اس ترتیب کے خلاف ہو مگر حج اسی ترتیب سے ادا ہوگا' یعنی اگر کسی پر حج نذر ہے اور وہ نفلی حج کے ارادے سے حج کررہا ہو تو اس کی نیت کا اعتبار نہیں ہوگا' بلکہ نذر کا حج ادا ہوگا (۲)

حج کے لازم ہونے کی شرائط : حج کے لازم ہونے کی پانچ شرائط ہیں (۱) بالغ ہونا (۲) مسلمان ہونا (۳) عاقل ہونا (۴) آزاد ہونا (۵) قدرت ہونا جس شخص پر حج لازم ہوتا ہے اس پر فرض عمرہ بھی لازم ہوتا ہے۔ (۳) جو شخص زیارت یا تجارت کے لئے مکہ میں داخل ہونا چاہے اور وہ لکڑی فروش نہیں ہے تو ایک قول کے مطابق اس پر احرام باندھنا ضروری ہوگا۔ بعد میں حج یا عمرے سے فراغت کے بعد احرام کھول سکتا ہے۔

استطاعت : وجوب حج کی ایک شرط استطاعت ہے۔ استطاعت کی دو قسمیں ہیں ایک کا تعلق براہ راست اعمال کی ادائیگی سے ہے' اس استطاعت میں کئی طرح کے امور داخل ہیں (۱) تندرست ہونا کہ حج کے اعمال ادا کرسکے (۲) راستہ کا محفوظ ہونا چاہے وہ راستہ خشکی پر ہو یا سمندر کا (۳) اتنا مال ہونا کہ جانے اور واپس آنے کے لئے کافی ہو' چاہے وطن میں بیوی بچے موجود ہوں یا نہ ہوں۔ وطن کی جدائی دشوار ہوتی ہے اس لئے واپسی کے اخراجات کا نظم ہونا بھی ضروری ہے' صرف جانے کا خرچ کافی نہیں ہے' مال کے سلسلے میں یہ بھی شرط ہے کہ مدت سفر کے لئے بیوی بچوں کے اخراجات کا انتظام ہو' اسی طرح اتنی رقم بھی زائد موجود ہو جس سے قرض ادا کرسکے (۴) سواری کا جانور کرائے پر لے جاسکے' چاہے تنہا سواری کا انتظام ہو' یا کسی دوسرے کی شرکت میں (۵) استطاعت کی دوسری قسم کا تعلق معذور سے ہے' اور وہ یہ ہے کہ معذور شخص اتنا مال رکھتا ہو کہ کسی ایسے شخص کو اپنی طرف سے حج کرانے کے لئے بھیج سکے جو اپنا حج اسلام ادا کرچکا ہو اس صورت میں مشترک سواری کے مصارف بھی کافی ہوں گے (۶) اگر معذور کا لڑکا راستے میں اپنے باپ کی خدمت کے لئے تیار ہو تو اس صورت میں باپ مستطیع کہلائے گا۔ لیکن اگر وہ مال پیش کرے تو مستطیع نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ جسمانی خدمت لڑکے کی سعادت ہے اور مالی خدمت باپ پر احسان

---

(۱) احیاء کے اصل نسخوں میں "فی حالة الوقوف" کے الفاظ ہیں۔ ترجمہ میں اسی عبارت کی رعایت کی گئی ہے۔ مگر شرح احیاء کے متن میں (فی حالة الرق' ہے' شارح احیاء کی رائے میں یہی صحیح ہے' اور تشریح یہ ہے کہ اگر غلام نے حج کیا' اور وہ حج اپنے کسی عمل سے باطل کردیا' پھر وہ غلام آزاد ہوگیا' اور آزادی ملنے کے بعد اب پھر حج کے لئے آگیا تو اس کی نیت کچھ بھی ہو دوسرا حج اس پہلے حج کی قضا ہوگا۔ حج اسلام نہیں ہوگا۔ (۲) (نفلی حج کی صحت فرض حج کی ادائیگی پر موقوف نہیں ہے۔ اگر کسی شخص نے مطلق حج کی نیت کی تو وہ فرض حج شمار ہوگا۔ لیکن اگر نفلی حج کی نیت تھی' یا حج بدل کی نیت تھی' یا حج نذر کی نیت تھی تو نیت کا اعتبار ہوگا اور وہی حج ہوگا جس کی نیت کی گئی تھی۔ احناف کے نزدیک نفل کی نیت سے فرض نہیں ادا ہوتا (رد المحتار ج ۲ ص ۲۴۸) مترجم (۳) عمرہ احناف کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔ مگر نیت کرلینے کی بناء پر لازم ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ دوسری سنن اور نوافل کا حکم ہے کہ وہ شروع کردینے سے لازم ہوجاتی ہیں۔ (الدر مع رد ج ۲ ص ۲۳۸) (۴) وہ رقم ان چیزوں سے بھی زائد ہونی چاہئے جو ضروری ہیں جیسے مکان' گھر کا سامان' پیشہ وروں کے اوزار وغیرہ (نور الایضاح کتاب الحج) مترجم (۵) فقہ حنفی کی کتابوں میں تین شرطیں اور بھی ہیں جن میں سے ایک کا تعلق عام حجاج سے ہے اور دو کا تعلق صرف عورتوں سے ہے۔ عام حجاج کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ حج کے جانے کے لئے مانع حسی زائل ہو۔ (نور الایضاح۔ کتاب الحج) طحاوی میں مانع حسی کی یہ تشریح کی گئی ہے مثلاً قید خانہ میں محبوس ہے' یا کسی ظالم حکومت کا کوئی آرڈی ننس نافذ ہے' عورتوں کے لئے دو شرطیں یہ ہیں (۱) عدت کا نہ رہنا (۲) محرم کا ساتھ چلنا (نور الایضاح۔ کتاب الحج) مترجم (۶) اس کا تعلق مامور سے ہے یعنی زاد راہ میں یہ شرط نہیں ہے کہ امیرانہ دیا جائے' متوسط دیا جائے یا بقدر کفایت دیا جائے' بلکہ جس طرح حج کرنے والا راضی ہوجائے اسی حساب سے آمر کو نفقہ دینا پڑے گا (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۳۲۷) مترجم

ہے۔ (۱) جس شخص کو حج کی استطاعت حاصل ہو جائے اس پر حج کرنا واجب ہے۔ وہ فریضۂ حج کی ادائیگی میں تاخیر بھی کر سکتا ہے۔ لیکن تاخیر کرنے میں خطرہ ہی خطرہ ہے۔ اگر آخر عمر میں بھی ادا کر لیا تو ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائے گا۔ لیکن اگر حج سے پہلے مر گیا تو گنہ گار ہو گا اور اسی حالت میں خدا کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ اگر کوئی شخص حج ادا کئے بغیر مر گیا تو اس کے ترکے میں سے حج کرایا جائے' اگرچہ اس نے وصیت نہ کی ہو۔ (۲) حج کی مثال قرض کی سی ہے۔ قرض بھی ادا کرنا ضروری ہوتا ہے چاہے مرنے والے نے ادا کرنے کی وصیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ اگر کسی سال حج کی استطاعت میسر آئی' مگر لوگوں کے ساتھ حج کے ارادے سے نہیں نکلا' پھر وہ مال حج سے قبل ضائع ہو گیا اور یہ شخص بھی مر گیا تو اب اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہو گا۔

استطاعت کے باوجود جو شخص حج نہ کرے اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت سخت ہے۔ حضرت عمرؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں شہروں کے حکام کو لکھ رہا ہوں کہ جو شخص استطاعت کے باوجود حج نہ کرے اس پر جزیہ لگا دیا جائے۔ سعید ابن جبیرؓ ابراہیم نخعیؓ مجاہدؓ اور طاؤس کہتے ہیں کہ اگر ہمیں یہ معلوم ہوا کہ فلاں شخص نے فرض ہونے کے باوجود حج ادا نہ کیا اور مر گیا تو ہم اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھیں گے۔ حضرت ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص زکوٰۃ دیئے بغیر اور حج کئے بغیر مرتا ہے وہ دنیا میں واپس آنے کی درخواست کرتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّيْ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ (پ۱۸ ر۶ آیت ۹۹-۱۰۰)

اے میرے رب مجھ کو (دنیا میں) پھر واپس کر دیجئے تاکہ جس (دنیا) کو میں چھوڑ کر آیا ہوں اس میں پھر جا کر نیک کام کروں۔

اس میں عمل صالح سے مراد حج ہے۔

ارکان حج :

ارکان حج جن کے بغیر حج ادا نہیں ہوتا پانچ ہیں (۱) احرام (۲) طواف (۳) طواف کے بعد صفا و مروہ کے درمیان سعی (دوڑنا) (۴) عرفات میں ٹھہرنا (۵) ایک قول کے مطابق حلق کرانا بھی حج کا رکن ہے عمرہ کے ارکان بھی وقوف عرفات کے علاوہ یہی ہیں (۳)

واجبات حج : یہاں وہ واجبات بیان کئے جاتے ہیں جن کے چھوڑنے سے دم لازم آتا ہے' یہ واجبات چھ ہیں۔ (۴)

(۱) احرام سے میقات کا باندھنا' جو شخص احرام باندھے بغیر میقات سے گزر جائے اس پر ایک بکری واجب ہو گی (۲) رمی جمار کرنا (جمرات کو

---

(۱) اگر باپ نے بیٹے کو' اور بیٹے نے باپ کو حج کے لئے مال دیا تو اس کا قبول کرنا ضروری نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ زادِ راہ اور سواری پر قدرت ملک سے ہونی چاہیے اسی طرح اگر کوئی شخص چلنے پھرنے سے معذور ہے یا نابینا ہے اور کوئی شخص یا اس کا بیٹا راستے میں خدمت کے لئے آمادہ ہو جائے تو احناف کے نزدیک اس صورت میں بھی وہ شخص مستطیع نہیں کہلائے گا (رد المحتار ج ۲ ص ۲۱۸ و ص ۲۲۱) مترجم (۲) امام ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ اگر میت کے ذمے حج ہو' اور اس نے حج کی وصیت نہ کی ہو تو ورثاء کے لئے اس کی طرف سے حج کرانا ضروری نہیں ہے۔ لیکن اگر حج کرا دیں تو انشاء اللہ تعالیٰ یہ حج میت کی طرف سے ادا ہو جائے گا۔ مگر یہ اس صورت میں ہے جب کہ تمام ورثاء راضی ہوں' اور وہ بالغ ہوں۔ اگر سب ورثاء بالغ ہیں تب تو ترکے کی تقسیم سے پہلے بھی حج کرایا جا سکتا ہے' اور اگر کچھ ورثاء نابالغ ہیں تو پہلے ترکہ تقسیم کیا جائے' پھر بالغ ورثاء اپنے حصے کی رقم میں سے حج ادا کریں تو حج ادا ہو جائے گا (رد المحتار باب الحج عن الغیر ج ۲ ص ۳۲۸) مترجم (۳) احناف کے نزدیک حج کے ارکان حسب ذیل ہیں (۱) احرام (۲) عرفہ میں قیام کرنا (۳) طواف زیارت' تفصیلات کے لئے فقہی کتب دیکھئے (شرح الوقایہ ج ۱ ص ۲۵۷) مترجم (۴) احناف کے نزدیک حج کے واجبات کی تعداد بائیس ہے۔ ان میں سے کچھ کا تعلق مردوں اور عورتوں سے ہے کچھ صرف عورتوں سے متعلق ہیں۔ ان کی تفصیل فقہی کتابوں میں ملاحظہ کیجئے۔ واجبات کے ترک پر مرتب ہونے والے احکامات کی تفصیل بھی فقہی کتابوں میں درج ہے۔ حج کے مسائل حج کئے بغیر نہ سمجھ میں آتے ہیں اور نہ یاد رہتے ہیں اس لئے ہم یہاں تمام واجبات اور سنن ذکر کر کے کتاب کو ضخیم نہیں بنانا چاہتے۔ ضرورت مند قارئین حج کے موضوع پر لکھی گئی مستند کتابوں سے مدد لیں۔ (مترجم)

کنکریں مارنا) اس میں بھی باتفاق روایات ترک پر دم واجب ہوگا (۳) عرفات میں غروب آفتاب تک قیام کرنا (۴) مزدلفہ میں رات گزارنا (۵) منیٰ میں رات کو قیام کرنا (۶) طواف وداع۔ ان چاروں واجبات کے چھوڑنے سے ایک روایت کے بموجب دم لازم آتا ہے اور ایک روایت کے بموجب دم لازم نہیں ہے، بلکہ مستحب ہے۔

حج اور عمرہ کی ادائیگی کے طریقے: حج اور عمرہ ادا کرنے کے تین طریقے ہیں (۱) افراد۔ یہ طریقہ باقی دونوں طریقوں سے افضل ہے۔ افراد کی صورت یہ ہے کہ پہلے حج ادا کیا جائے، حج کے اعمال سے فراغت کے بعد زمین حل میں جاکر دوبارہ احرام باندھا جائے، اور عمرہ کیا جائے۔ عمرہ کے احرام کے لئے بہترین حل جعرانہ ہے۔ پھر تنعیم ہے، پھر حدیبیہ ہے۔ افراد کرنے والے پر کوئی دم واجب نہیں ہے۔ لیکن نفلی دم کرنا جائز ہے۔ (۲) قران یہ ہے کہ حج اور عمرہ کی نیت ایک ساتھ کرے، اور دونوں کا احرام باندھے، اگر قارن حج کے افعال ادا کرے تو یہ اسکے لئے کافی ہے۔ اب عمرے کے افعال کی ضرورت نہیں ہے۔ حج کے افعال کے ساتھ عمرے کے افعال بھی ادا ہو جائیں گے، یہ ایسا ہی ہے جیسے غسل کے ساتھ وضو بھی ہو جاتا ہے، لیکن اگر قارن نے وقوف عرفہ سے پہلے طواف کر لیا، یا سعی کرلی تو اس کی سعی دونوں عبادتوں (حج و عمرہ) کے لئے کافی ہوگی، لیکن طواف کافی نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ حج میں فرض طواف کی شرط یہ ہے کہ وقوف عرفہ کے بعد ہو۔ قارن پر ایک بکری ذبح کرنا ضروری ہوگا لیکن اگر وہ مکی ہے تو اس پر دم لازم نہیں ہوگا۔ کیوں کہ اس نے اپنا میقات نہیں چھوڑا ہے، مکی کا میقات مکہ ہی ہے (۳) تمتع۔ اس کی صورت یہ ہے کہ میقات سے عمرہ کا احرام باندھا جائے اور مکہ میں حلال ہو کر حج کے وقت تک ان امور سے فائدہ اٹھائے جو محرم ہونے کی صورت میں اس میں اسکے لئے ممنوع قرار دیئے گئے تھے، پھر حج کا احرام باندھا جائے۔ متمتع کے لئے ان پانچ امور کی پابندی ضروری ہے۔ (۱) تمتع کرنے والا مسجد حرام کے باشندوں میں سے نہ ہو، باشندہ سے یہاں مراد یہ ہے اسکی جائے سکونت سے مسجد حرام تک اتنا فاصلہ نہ ہو جس کو شرعی سفر کا فاصلہ کہا جاسکے، اور جس میں نماز قصر پڑھی جائے (۲) عمرہ کو حج پر مقدم کرے (۳) اس کا عمرہ حج کے مہینوں میں ہو (۴) حج کا احرام باندھنے کے لئے میقات یا کسی ایسے مقام کا سفر نہ کرے جس کا فاصلہ میقات کے برابر ہو (۵) اس کا حج اور عمرہ ایک ہی شخص کی جانب سے ہو۔ اگر یہ تمام اوصاف پائے جائیں تو حج کرنے والا متمتع کہلائے گا۔ اور اس پر ایک دم لازم ہوگا۔ اگر دم میسر نہ ہو تو یوم النحر سے پہلے تین روزے رکھنے ہوں گے۔ چاہے یہ روزے متفرق رکھے جائیں یا مسلسل۔ سات روزے وطن واپس ہونے کے بعد رکھنے ہوں گے۔ اگر حج کے دوران تین روزے نہ رکھ سکا تو واپسی کے بعد دس روزے متفرق یا مسلسل رکھنے ہوں گے۔ یہی حال قران کا ہے کہ اگر دم میسر نہ ہو تو تین روزے رکھے جائیں۔ اور سات روزے وطن واپسی کے بعد رکھے جائیں۔ ان تینوں صورتوں میں افراد افضل ہے، پھر تمتع اور پھر قران (۱)

حج کے ممنوعہ امور: حج میں جن امور کے ارتکاب سے منع کیا گیا ہے وہ چھ ہیں۔ (۱) قمیص، پاجامہ اور موزے پہننا عمامہ باندھنا۔ حج کے دوران لنگی، چادر اور چپل استعمال کرنے چاہئیں، اگر چپل دستیاب نہ ہوں تو جوتے پہن لے اور اگر لنگی دستیاب نہ ہو تو پاجامہ پہن لے، کمر میں پٹکا باندھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کجاوے کے سائے میں بیٹھنا بھی جائز ہے۔ لیکن مرد کو احرام میں سر نہ ڈھانپنا چاہیے۔ اس لئے کہ مرد کا احرام سر میں ہے۔ عورت کے لئے سلا ہوا کپڑا پہننے کی اجازت ہے۔ لیکن اسے کسی ایسی چیز سے اپنا چہرہ نہ ڈھانپنا چاہیے جو چہرے کی جلد پر لگے۔ اس لئے کہ عورت کا احرام اس کے چہرے میں ہے (۲) خوشبو لگانا۔ محرم کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر اس چیز کے استعمال سے گریز کرے جسے عقل مند خوشبو سے تعبیر کرتے ہیں۔ اگر خوشبو استعمال کرے گا یا سلا ہوا کپڑا پہنے گا تو دم واجب ہوگا (۳) سر منڈانا اور ناخن کٹوانا۔ حالت احرام میں سر منڈانے اور ناخن تراشنے سے دم واجب

---

(۱) احناف کے یہاں قران افضل ہے، پھر تمتع، پھر افراد۔ ان تینوں صورتوں کی تفصیل فقہ حنفی کی کتابوں میں ملاحظہ کرلی جائے (شرح وقایہ ج ا ص ۲۶۹ تا ۲۷۲) مترجم

ہوتا ہے سرمہ لگانے فصد کھلوانے' پچھنے لگوانے اور کنگھی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے(۴) جماع کرنا۔ اگر ذبح اور حلق سے پہلے جماع کرلیا جائے تو حج باطل ہوجائے گا۔ اس جرم کی وجہ سے ایک اونٹ' یا ایک گائے' یا سات بکریاں ذبح کرنی ہوں گی' لیکن اگر ذبح اور حلق کے بعد صحبت کرے گا تو اونٹ کی قربانی کرنی ہوگی' البتہ حج فاسد نہیں ہوگا(۵) جماع کے دواعی مثلاً بوس وکنار کرنا۔ احرام کی حالت میں بوس وکنار کرنے سے ایک بکری واجب ہوگی' ہاتھ سے منی نکالنے میں بھی ایک بکری دینی ہوگی۔ احرام کی حالت میں نکاح کرانا اور نکاح کرنا دونوں حرام ہیں' لیکن اس میں دم نہیں ہے کیونکہ حالت احرام میں نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا(۶) جنگل کا شکار مارنا۔ اس شکار سے مراد وہ جانور ہے جس کا گوشت کھایا جاتا ہو' یا وہ جانور جو حلال اور حرام جانوروں کے اختلاط سے پیدا ہوا ہو' اگر کسی نے اس جرم کا ارتکاب کیا تو اسی صورت کا جانور دینا ہوگا جیسا را ہو' سمندر کا شکار جائز ہے اس میں کوئی سزا نہیں ہے (۱)

تیسرا باب

سفر کے آغاز سے وطن واپسی تک ظاہری اعمال کی تفصیل

سنتیں ـــــ سفر سے احرام تک :

پہلی سنت :۔ (مال کے سلسلے میں) جب کوئی شخص حج کا ارادہ کرے تو سب سے پہلے اسے اپنے گناہوں سے توبہ کرنی چاہیے۔ اور جن لوگوں کی حق تلفی کی ہو ان کو ان کا حق واپس کرنا چاہیے پھر قرض خواہوں کا قرض ادا کرنا چاہیے۔ اور جن لوگوں کا نفقہ اس کے ذمے ہے حج سے واپسی تک کے لئے ان کے اخراجات کا نظم کرنا چاہیے۔ اگر کسی کی کوئی امانت اس کے پاس موجود ہو تو وہ واپس کردینی چاہیے۔ جائز کمائی میں سے اتنی رقم اپنے ساتھ رکھنی چاہیے جو آمد و رفت کے کرائے اور دوسرے اخراجات کے لئے کافی ہو تنگی کی نوبت نہ آئے' بلکہ اتنی رقم ہونی چاہیے جس میں سے بقدر ہمت و وسعت فقراء اور مساکین کی امداد بھی کی جاتی رہے۔ جب وطن سے رخصت ہو تو کچھ خیرات کرے' اور سفر کے لئے مضبوط جانور خریدے' یا کرایہ پر لے' لیکن کرائے پر لینے کی صورت میں مالک کو بتلادے کہ وہ کس ضرورت کے لئے جانور حاصل کررہا ہے' اور اس سفر کے دوران مذکورہ جانور پر کیا سامان لادے گا' یہ سامان مختصر ہو یا زیادہ۔ بہرحال اس کی وضاحت ضروری ہے تاکہ مالک کی رضامندی حاصل ہوجائے۔

دوسری سنت (رفیق کے سلسلے میں) : سفر حج کے لئے ایسا رفیق تلاش کرے جو نیک ہو' خیر کا پسند کرنے والا ہو' اور نیک اعمال پر اسکا معاون ہو' اگر وہ کوئی بات بھول جائے تو یاد دلادے' یاد رہے تو عمل پر اسکی مدد کرے' عمل میں کمزوری دکھلائے تو اس کی ہمت افزائی کرے' ملول خاطر ہو تو صبر کی تلقین کرے۔ پھر اپنے اعزہ و اقرباء سے' پڑوسیوں سے اور ان رفقاء سے جو سفر حج میں اس کے ساتھ نہ جارہے ہوں رخصت ہو' ان سے دعاؤں کی درخواست کرے' اللہ تعالیٰ نے انکی دعاؤں میں خیر و برکت ودیعت فرمائی ہے' رخصت ہونے والا شخص یہ الفاظ کہے:

أَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكَ وَأَمَانَتَكَ وَخَوَاتِيْمَ عَمَلِكَ (ابوداؤد' ترمذی۔ نسائی۔ ابن عمرؓ)

میں تیرا دین' تیری امانت' اور تیرے آخری اعمال اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔

---

(۱) احناف کے مذہب کے مطابق ممنوعہ امور اور ان کے ارتکاب پر ہونے والی سزاؤں کی تفصیل حنفی فقہ کی کتابوں میں ملاحظ کیجئے (نورالایضاح کتاب الحج) مترجم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسافر کو رخصت کرتے ہوئے یہ دعا فرمایا کرتے تھے۔

فِیْ حِفْظِ اللّٰہِ وَکَنَفِہٖ زَوَّدَکَ اللّٰہُ التَّقْوٰی وَجَنَّبَکَ الرَّدٰی وَغَفَرَ ذَنْبَکَ وَوَجَّھَکَ لِلْخَیْرِ اَیْنَمَا تَوَجَّھْتَ (طبرانی۔ انس)

اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور پناہ میں تجھے رخصت کیا، اللہ تجھے تقویٰ عطا فرمائے، ہلاکت سے بچائے، تیرے گناہ معاف فرمائے، جدھر تو جائے اللہ تیرے لئے خیر کو سامنے کردے۔

تیسری سنت (گھر سے نکلنے کے سلسلے میں) : جب گھر سے چلنے لگے تو دو رکعت نماز پڑھے، پہلی رکعت میں الحمد کے بعد قل یا ایھا الکافرون اور دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص تلاوت کرے، نماز سے فارغ ہونے کے بعد دونوں ہاتھ اٹھائے اور باری تعالیٰ کے حضور کمال اخلاص اور صداقت نیت کے ساتھ دعا مانگے کہ اے اللہ تو ہی ہمارا رفیق سفر ہے، اور تو ہی ہمارے مال، اولاد اور گھر بار کا محافظ ہے، اے اللہ، ہر آفت اور ہر پریشانی سے ہماری اور ان کی حفاظت فرما، اے اللہ! اس سفر میں ہم تجھ سے نیکی اور تقویٰ کی درخواست کرتے ہیں، اور ایسے عمل کی توفیق چاہتے ہیں جس سے تیری خوشنودی حاصل ہوسکے، اے اللہ! ہمارے لئے زمین کو لپیٹ دے۔ یہ سفر آسان فرمادے، دوران سفر ہمیں جسم، دین اور مال کی سلامتی عطا کر، اور ہمیں اپنے گھر کی، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کی زیارت نصیب عطا فرما! اے اللہ! سفر کی سختی، بدترین واپسی، بیوی بچوں، گھر بار، اور دوست احباب کی بدحالی سے ہم تیری پناہ چاہتے ہیں۔ اے اللہ! ہمیں اور ان کو اپنی حفاظت عطا کر، ہم سے اور ان سے اپنی نعمتیں سلب مت فرما، اور ہم پر اور ان پر اپنی عافیت دائم و قائم رکھ۔

چوتھی سنت (گھر کے دروازے پر پہنچنے کے سلسلے میں) : جب گھر سے نکل کر دروازے پر آئے تو یہ الفاظ کہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ رَبِّ اَعُوْذُ بِکَ اَنْ اَضِلَّ اَوْ اُضَلَّ اَوْ اَذِلَّ اَوْ اُذَلَّ اَوْ اَزِلَّ اَوْ اُزَلَّ اَوْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ اَوْ اَجْھَلَ اَوْ یُجْھَلَ عَلَیَّ

میں اللہ کا نام لے کر نکلا، میں نے اللہ پر بھروسہ کیا، گناہوں سے بچانا اور نیکیوں کی قوت دینا اللہ ہی کی طرف سے ہے اے اللہ! میں اس بات سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ گمراہ ہوجاؤں یا گمراہ کردیا جاؤں، یا ذلیل ہوں یا ذلیل کیا جاؤں یا لغزش کروں یا لغزش کیا جاؤں، یا ظلم کروں یا ظلم کیا جاؤں یا جہالت کروں، یا مجھ پر جہالت کی جائے۔

اسکے بعد یہ دعا کرے کہ اے اللہ میں اتراہٹ میں، نام و نمود اور طلب شہرت کے لئے نہیں نکلا ہوں، بلکہ میں نے تیرے غضب سے بچنے کے لئے، تیری رضا حاصل کرنے کے لئے، تیرے فرض کی ادائیگی کے لئے، تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع کے لئے، اور تیری ملاقات کے شوق کی تکمیل کے لئے سفر اختیار کیا ہے، جب چلنے لگے تو یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ بِکَ انْتَشَرْتُ وَعَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ وَبِکَ اعْتَصَمْتُ وَاِلَیْکَ تَوَجَّھْتُ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ ثِقَتِیْ وَاَنْتَ رَجَائِیْ فَاکْفِنِیْ مَا اَھَمَّنِیْ وَمَا لَا اَھْتَمُّ بِہٖ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِہٖ مِنِّیْ عَزَّ جَارُکَ وَجَلَّ ثَنَاؤُکَ وَلَا اِلٰہَ غَیْرُکَ اَللّٰھُمَّ زَوِّدْنِی التَّقْوٰی وَاغْفِرْ لِیْ ذَنْبِیْ وَجِّھْنِیْ لِلْخَیْرِ اَیْنَمَا تَوَجَّھْتُ۔

اے اللہ! میں تیری ہی مدد سے چلا، میں نے تجھ پر ہی بھروسہ کیا، تیری ہی پناہ حاصل کی، تیری ہی طرف متوجہ ہوا، اے اللہ تو ہی میرا اعتماد ہے، تو ہی میری امید ہے، اے اللہ! مجھے اس چیز سے بچا جو مجھے پیش آئے اور جس کا میں اہتمام نہ کرسکوں، اور جس چیز کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے، تیری پناہ لینے والا عزیز ہوا، تیری

تعریف عظیم ہے' تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے اے اللہ تقویٰ کو میرا زاد راہ بنا' میرے گناہ معاف فرما' جہاں میں جاؤں میرے سامنے خیر فرما۔

جب کسی نئی منزل سے روانہ ہو تو یہ دعا ضرور پڑھ لیا کرے۔

پانچویں سنت (سواری کے سلسلے میں) : سوار ہونے سے پہلے یہ دعا پڑھے۔

بِسْمِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ مَاشَاءَ اللّٰہُ کَانَ وَمَا لَمْ یَشَأْ لَمْ یَکُنْ' سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ اِلَیْکَ وَفَوَّضْتُ اَمْرِیْ کُلَّہٗ اِلَیْکَ' وَتَوَکَّلْتُ فِیْ جَمِیْعِ اُمُوْرِیْ عَلَیْکَ اَنْتَ حَسْبِیْ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ۔

میں اللہ کا نام لے کر سوار ہوا' اور اللہ سب سے بڑا ہے' میں نے اللہ پر بھروسہ کیا' گناہ سے پھیرنے اور نیکی پر لگانے کی طاقت بس اللہ ہی کو ہے جو بلند اور عظیم ہے جو اللہ چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا' اللہ پاک ہے جس نے اس کو ہمارے قبضہ میں دیدیا اور ہم اس کی قدرت کے بغیر اسے قبضہ میں کرنے والے نہ تھے' اور بلاشبہ ہمیں اپنے رب کی طرف جانا ہے' اور اپنے تمام معاملات میں تجھ پر اعتماد کیا' تو میرے لئے کافی ہے اور بہترین کارساز ہے۔

جب سواری پر اچھی طرح بیٹھ جائے اور جانور قابو میں آجائے تو یہ الفاظ سات بار کہے۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ

اللہ پاک ہے۔ سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں' اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' اور اللہ سب سے بڑا ہے۔

نیز یہ دعا بھی پڑھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدَانَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ ھَدَانَا اللّٰہُ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الْحَامِلُ عَلَی الظَّھْرِ وَاَنْتَ الْمُسْتَعَانُ عَلَی الْاُمُوْرِ

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہمیں اس کی راہ بتلائی' ہم راہ پانے والے نہیں تھے' اگر وہ ہمیں راہ نہ بتلاتا' اے اللہ! تو ہی سواری کی پیٹھ پر بٹھلانے والا ہے۔ اور تجھ ہی سے تمام معاملات میں مدد چاہی جاتی ہے۔

چھٹی سنت (سواری سے اترنے کے سلسلے میں) : سواری سے اترنے کے سلسلے میں سنت یہ ہے کہ جب تک دھوپ تیز نہ ہو جائے یعنی دن اچھی طرح نہ نکل آئے تو اس وقت تک سواری سے نہ اترے' بہتر یہ ہے کہ رات میں سفر کرے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

علیکم بالدلجۃ فان الارض تطوی باللیل مالا تطوی بالنھار (۱)

(ابوداؤد۔ انس)

آخر شب چلا کرو' اس لئے کہ رات میں مسافت دن کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے۔

---

(۱) ابوداؤد کی روایت میں مالا تطوی بالنھار کے الفاظ نہیں ہیں۔ البتہ مؤطا میں خالد بن معدان کی مرسل روایت میں یہ الفاظ موجود ہیں۔

سفر کے دوران رات میں کم سے کم سوئے تاکہ زیادہ سے زیادہ مسافت طے ہو جائے' جب منزل قریب ہونے لگے تو یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰاتِ السَّبْعِ وَمَا اَظْلَلْنَ وَرَبَّ الْاَرَضِيْنَ السَّبْعِ وَمَا اَقْلَلْنَ وَرَبَّ الشَّيَاطِيْنِ وَمَا اَضْلَلْنَ وَرَبَّ الرِّيَاحِ وَمَا ذَرَيْنَ وَرَبَّ الْبِحَارِ وَمَا جَرَيْنَ اَسْئَلُكَ خَيْرَ هٰذَا الْمَنْزِلِ وَخَيْرَ اَهْلِهِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ هٰذَا الْمَنْزِلِ وَشَرِّ مَا فِيْهِ اِصْرِفْ عَنِّيْ شَرَّ شِرَارِهِمْ

اے اللہ جو ساتوں آسمانوں اور سب چیزوں کا رب ہے جو آسمانوں کے نیچے ہیں' اور جو ساتوں زمینوں کا اور ان سب چیزوں کا رب ہے جو ان کے اوپر ہیں اور جو شیطانوں کا اور ان سب کا رب ہے جن کو شیطانوں نے گمراہ کیا ہے اور جو ہواؤں کا اور ان چیزوں کا رب ہے جنہیں ہواؤں نے اڑایا ہے اور جو سمندروں کا اور ان چیزوں کا رب ہے جنہیں وہ بہاتے ہیں سو میں تجھ سے اس آبادی کی اور اس کے باشندوں کی خیر کا سوال کرتا ہوں اور ان چیزوں کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں جو اس کے اندر ہیں مجھ سے انکے بروں کی برائی دور کر دے۔

جب کسی جگہ اترے تو دو رکعت نماز پڑھے اور یہ دعا کرے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ الَّتِيْ لَا يُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَلَا فَاجِرٌ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ

میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں اللہ کے ان پورے کلمات کے واسطے سے جو کسی نیک و بد سے تجاوز نہیں کرتے اس کی مخلوق کے شر سے۔

جب رات کی تاریکی چھا جائے تو یہ دعا پڑھے۔

يَا اَرْضُ رَبِّيْ وَرَبُّكِ اللّٰهُ اَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنْ شَرِّكِ وَشَرِّ مَا فِيْكِ وَشَرِّ مَا يَدِبُّ عَلَيْكَ اَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ كُلِّ اَسَدٍ وَاَسْوَدٍ وَحَيَّةٍ وَعَقْرَبٍ وَمِنْ شَرِّ سَاكِنِي الْبَلَدِ وَوَالِدٍ وَمَا وَلَدَ وَلَهُ مَا سَكَنَ فِي اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

اے زمین میرا اور تیرا رب اللہ ہے' میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں تیرے شر سے اور ان چیزوں کے شر سے جو تجھ میں پیدا کی گئی ہیں اور ان چیزوں کے شر سے جو تجھ پر چلتی ہیں' اور اللہ کی پناہ چاہتا ہوں ہر شیر' ہر اژدہا' ہر سانپ اور ہر بچھو کے شر سے' اور اس شہر کے رہنے والوں کے اور باپ کے اور اولاد کے شر سے اور اللہ ہی کا ہے جو رات میں بستا ہے اور دن میں بستا ہے اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

ساتویں سنت (حفاظت کے سلسلے میں) : اس سلسلے میں احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ دن کو قافلے سے علاحدہ نہ چلے' عجب نہیں کہ قافلے سے الگ ہو کر راستہ بھول جائے یا تنہا دیکھ کر کوئی مار ڈالے' رات کو سوتے وقت بھی ہوشیار رہے اگر رات کے ابتدائی حصے میں سونے کی نوبت آئے تب تو اپنا ہاتھ پھیلا کر سوئے' لیکن اگر آخر شب میں سونے کا موقع ملے تو ہاتھ اٹھا کر رکھے اور ہتھیلی کو تکیہ کے طور پر استعمال کرے' "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اسفار میں اسی طرح سویا کرتے تھے' (۱) کیونکہ ہاتھ پھیلا کر

---

(۱) یہ روایت ترمذی نے شمائل میں ابو قتادہؓ سے نقل کی ہے۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں "کان اذا نام فی اول اللیل افترش ذراعه واذا نام فی آخر اللیل نصب ذراعه نصبا وجعل ذراعه فی کفه"

لیٹنے میں' یا کسی اور طرح سونے میں گہری نیند آجاتی ہے' یہ ممکن ہے کہ سورج نکل آئے' سونے والے کو خبر بھی نہ ہو اور فجر کی نماز فوت ہوجائے۔ رات کو مستحب یہ ہے کہ دو رفیق باری باری حفاظت کریں' جب ایک سو رہا ہو تو دوسرا جاگے اور قافلے کی حفاظت کرے۔ اس طرح پہرہ دینا مسنون ہے۔ اگر کوئی دشمن یا درندہ حملہ آور ہو تو آیۃ الکرسی' شہد اللہ انہ لا الہ الا ھو' سورۂ اخلاص اور معوذ تین پڑھے اور آخر میں یہ دعا بھی شامل کرلے۔

بِسْمِ اللّٰهِ مَاشَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ حَسْبِیَ اللّٰهُ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ مَاشَاءَ اللّٰهُ لَا يَاْتِیْ بِالْخَيْرَاتِ اِلَّا اللّٰهُ مَاشَاءَ اللّٰهُ لَا يَصْرِفُ السُّوْءَ اِلَّا اللّٰهُ حَسْبِیَ اللّٰهُ وَكَفٰى سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ دَعَا لَيْسَ وَرَاءَ اللّٰهِ مُنْتَهٰى وَلَا دُوْنَ اللّٰهِ مَلْجَاً۔ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِيْزٌ' تَحَصَّنْتُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَاسْتَعَنْتُ بِالْحَیِّ الَّذِیْ لَا يَمُوْتُ' اَللّٰهُمَّ احْرُسْنَا بِعَيْنِكَ الَّتِیْ لَا تَنَامُ وَاكْنُفْنَا بِرُكْنِكَ الَّذِیْ لَا يُرَامُ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنَا بِقُدْرَتِكَ عَلَيْنَا فَلَا نَهْلِكُ وَاَنْتَ يَقِيْنُنَا وَرَجَاءُنَا اَللّٰهُمَّ اعْطِفْ عَلَيْنَا قُلُوْبَ عِبَادِكَ وَاِمَاءِكَ بِرَاْفَةٍ وَرَحْمَةٍ اِنَّكَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ۔

میں نے اللہ کے نام سے شروع کیا' گناہ سے پھیرنے اور نیکی پر لگانے کی طاقت بس اللہ ہی کو ہے مگر الا ماشاء اللہ۔ اللہ میرے لئے کافی ہے میں نے اللہ پر بھروسہ کیا' اللہ کے علاوہ کوئی بھلائی نہیں کرتا' اللہ کے علاوہ کوئی برائی دور نہیں کرتا' اللہ میرے لئے کافی ہے اور کافی رہا ہے' اللہ نے اس شخص کا قول سنا جس نے دعا مانگی' اللہ سے ماوراء کوئی انتہا نہیں ہے' اور نہ اللہ کے سوا کوئی ٹھکانہ ہے' اللہ لکھ چکا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب رہیں گے' بلاشبہ اللہ طاقتور اور زبردست ہے۔ میں نے خدائے برتر و عظیم کی پناہ لی اور زندہ جاوید سے مدد حاصل کی جو کبھی نہیں مرے گا۔ اے اللہ ہماری حفاظت فرما اپنی اس آنکھ سے جو سوتی نہیں ہے اور ہمیں پناہ دے اپنی عزت کی جو طلب نہیں کی جاتی' اے اللہ ہم پر اپنی قدرت سے رحمت نازل فرما کہ ہم ہلاک نہ ہوں جب کہ تو ہمارا یقین اور ہماری امید ہو' اے اللہ اپنے بندوں اور باندیوں کے دل رحمت و رافت کے ساتھ ہماری طرف پھیر دے بلاشبہ تو ارحم الراحمین ہے۔

آٹھویں سنت : دوران سفر جب کسی اونچی جگہ چڑھنے کا اتفاق' تو مستحب یہ ہے کہ تین بار اللہ اکبر کہہ کر یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ لَكَ الشَّرَفُ عَلٰى كُلِّ شَرَفٍ وَلَكَ الْحَمْدُ عَلٰى كُلِّ حَالٍ

اے اللہ تجھے ہی برتری حاصل ہے تمام بلندیوں پر اور تیرے ہی لئے ہر حال میں تمام تعریفیں ہیں۔

جب کسی بستی میں اترے تو سُبْحَانَ اللّٰهِ کہے اور اگر سفر کے دوران وحشت یا تنہائی کے خوف کا احساس ہو تو حسب ذیل کلمات کہے۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ' رَبِّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوْحِ جَلَّلْتَ السَّمٰوٰتِ بِالْعِزَّةِ وَالْجَبَرُوْتِ۔

پاکی بیان کرتا ہوں اللہ کی جو بادشاہ ہے' پاک ہے' فرشتوں اور روح کا رب ہے' آسمان ڈھانپے ہوئے ہے اس کی عزت اور جبروت سے۔

احرام کے آداب
میقات سے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے تک

پہلا ادب : جب میقات پر پہنچے یعنی اس معروف جگہ پہنچے جہاں سے لوگ عام طور پر احرام باندھا کرتے ہیں تو احرام کی نیت سے غسل کرے' بدن کی صفائی کرے' سر اور داڑھی کے بالوں میں کنگھی کرے' ناخن تراشے' مونچھیں کٹوائے' صفائی کے ان تمام آداب کی رعایت کرے جو کتاب الطہارۃ (طہارت کے ابواب) میں بیان کئے جاچکے ہیں۔

دوسرا ادب : سلے ہوئے کپڑے اتار ڈالے' اور احرام کے کپڑے پہن لے' یعنی دو کپڑے لے' ایک چادر بنائے' اور دوسرے کپڑے کو لنگی کے طور پر استعمال کرے اللہ تعالیٰ سفید رنگ زیادہ پسند کرتے ہیں' اس لئے احرام کا لباس بھی سفید ہی ہونا چاہیے اس وقت خوشبو بھی استعمال کرسکتا ہے' اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ خوشبو کا اثر لباس پر باقی رہ جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھنے سے پہلے مانگ میں مشک لگایا تھا' اس کی چمک احرام باندھنے کے بعد بھی دیکھی گئی (بخاری و مسلم۔ عائشہؓ)

تیسرا ادب : کپڑے تبدیلی کرنے کے بعد اتنی دیر ٹھہرے کہ اگر سوار ہو تو سواری چلنے لگے' اور پیادہ پا ہو تو خود چلنا شروع کردے' اس کے بعد یہ نیت کرے کہ احرام عمرے کے لئے ہے یا حج کے لئے ہے۔ حج قران ہے یا افراد ہے۔ احرام کے لئے دل سے نیت کرلینا کافی ہے' لیکن مسنون یہ ہے کہ نیت کے ساتھ زبان سے تلبیہ بھی کہے۔

لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ۔ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ

میں حاضر ہوں' اے اللہ میں حاضر ہوں' تیرا کوئی شریک نہیں ہے' میں حاضر ہوں' بیشک حمد اور نعمت تیرے ہی لئے ہے اور ملک بھی تیرا ہی ہے' تیرا کوئی شریک نہیں ہے

اگر الفاظ کی زیادتی مقصود ہو تو یہ الفاظ کہے :

لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ وَالْخَیْرُ کُلُّہٗ بِیَدِیْکَ وَالرَّغْبَاءُ اِلَیْکَ لَبَّیْکَ بِحَجَّۃٍ حَقًّا تَعَبُّدًا وَرِقًّا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ۔

میں حاضر ہوں' میں مستعد ہوں' تمام خیر تیرے قبضے میں ہے۔ رغبت تیری طرف ہے' میں حاضر ہوں حج کے لئے حقیقت میں عبودیت اور غلامی کی راہ سے' اے اللہ رحمت نازل فرما محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی اولاد پر۔

چوتھا ادب : جب حج کے احرام کی نیت سے فارغ ہو اور مذکورہ تلبیہ کہہ لے تو حسب ذیل الفاظ میں دعا کرے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْحَجَّ فَیَسِّرْہُ لِیْ وَاَعِنِّیْ عَلٰی اَدَاءِ فَرْضِہٖ وَتَقَبَّلْہُ مِنِّیْ' اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ نَوَیْتُ اَدَاءَ فَرِیْضَتِکَ فِی الْحَجِّ' فَاجْعَلْنِیْ مِنَ الَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لَکَ' وَ اٰمَنُوْا بِوَعْدِکَ' وَاتَّبَعُوْا اَمْرَکَ وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَفْدِکَ الَّذِیْنَ رَضِیْتَ عَنْھُمْ' وَارْتَضَیْتَ وَقَبِلْتَ مِنْھُمْ اَللّٰھُمَّ فَیَسِّرْ لِیْ اَدَاءَ مَانَوَیْتُ مِنَ الْحَجِّ' اَللّٰھُمَّ قَدْ اَحْرَمَ لَکَ لَحْمِیْ وَشَعْرِیْ وَدَمِیْ وَعَصَبِیْ وَ مُخِّیْ وَعِظَامِیْ' وَحَرَّمْتُ عَلٰی نَفْسِی النِّسَاءَ وَالطِّیْبَ وَلُبْسَ الْمَخِیْطِ ابْتِغَاءَ وَجْھِکَ وَالدَّارِ الْاٰخِرَۃِ۔

اے اللہ میں حج کرنا چاہتا ہوں' میرے لئے اسے آسان فرمادے' اور فریضۂ حج ادا کرنے پر میری مدد کر اور میری جانب سے اسے قبول فرما' اے اللہ میں نے حج میں تیرا فرض ادا کرنے کی نیت کی ہے' پس مجھے ان لوگوں میں سے کر جنہوں نے تیرے حکم کی تعمیل کی' تجھ پر ایمان لائے' اور تیرے احکام کی اتباع کی' مجھے ان مہمانوں میں شامل فرما جن سے تو راضی ہے اور خوش ہے' اور جن کا حج تو نے قبول کیا ہے' اے اللہ مجھے اس فریضۂ حج کی ادائیگی کی توفیق عطا فرما جس کی میں نے نیت کی ہے' اے اللہ! تیرے لئے میرے گوشت' بال' خون' پٹھے' مغز اور ہڈیوں نے احرام کیا ہے' اور میں نے اپنے اوپر تیری مرضی حاصل کرنے کے لئے' اور آخرت کی طلب کے لئے عورتیں' خوشبو' اور سلے ہوئے کپڑے حرام کرلئے ہیں۔

پانچواں ادب: جب تک احرام باقی رہے اس وقت تک وقتاً فوقتاً تلبیہ کہتا رہے' خاص طور پر اس وقت تلبیہ ضرور کہے جب رفقاء سے ملاقات ہو' لوگوں کا اجتماع نظر آئے' کسی اونچی جگہ چڑھنے یا وہاں سے اترنے کا اتفاق ہو' کسی سواری پر سوار ہونے' یا سواری سے نیچے اترنے کی ضرورت پیش آئے' تلبیہ با آواز بلند کہے' لیکن چیخنے چلانے کی ضرورت نہیں ہے یا غائب شخص نہیں ہے کہ اسے سنانے کے لئے چلانے کی ضرورت ہو' حدیث میں بھی یہ مضمون آیا ہے (۱) مسجد حرام' مسجد خیف اور مسجد میقات میں بھی بلند آواز کے ساتھ تلبیہ کہہ سکتا ہے' کیوں کہ یہ تینوں مساجد حج کے مقامات میں شمار ہوتی ہیں' لیکن دوسری مساجد میں بلند آواز سے تلبیہ نہ کہے آہستہ آہستہ کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ جب کوئی حیرت انگیز واقعہ رونما ہوتا تو یہ کلمات ارشاد فرماتے۔

لَبَّيْكَ إِنَّ الْعَيْشَ عَيْشُ الْآخِرَةِ (شافعی فی المسند۔ مجاہد مرسلاً)

میں حاضر ہوں بلاشبہ زندگی صرف آخرت کی زندگی ہے۔

مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے آداب

پہلا ادب: مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے پہلے ذی طوی میں غسل کرے' حج میں مسنون غسل دس ہیں' پہلا احرام کے لئے میقات پر' دوسرا مکہ مکرمہ میں داخلے کے لئے' تیسرا طواف قدوم کے لئے' چوتھا وقوف عرفہ کے لئے' پانچواں مزدلفہ میں قیام کرنے کے لئے' چھٹا طواف زیارت کے لئے' تین غسل رمی جمار کے لئے ہیں' رمی جمرہ عقبہ کے لئے غسل مسنون نہیں ہے' دسواں طواف وداع کے لئے ہے۔ امام شافعیؒ کے جدید مسلک کے مطابق طواف وداع کے لئے غسل مسنون نہیں ہے۔ اس طرح یہ تعداد نو ہی رہتی ہے۔

دوسرا ادب: مکہ مکرمہ کی حدود میں داخل ہونے سے پہلے یہ دعا کرے۔

اَللّٰهُمَّ هٰذَا حَرَمُكَ وَاَمْنُكَ فَحَرِّمْ لَحْمِيْ وَدَمِيْ وَبَشَرِيْ عَلَى النَّارِ وَآمِنِّيْ مِنْ عَذَابِكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ اَوْلِيَاءِكَ وَاَهْلِ طَاعَتِكَ

اے اللہ یہ تیرا حرم اور جائے امن ہے' پس تو میرا گوشت میرا خون اور میری جلد آگ پر حرام فرمادے' اے اللہ مجھے اس دن کے اپنے عذاب سے محفوظ رکھ جس دن کہ تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا اور مجھے اپنے دوستوں اور فرماں برداروں میں شامل فرما۔

تیسرا ادب: مکہ مکرمہ میں کداء کی گھاٹی سے ہو کر داخل ہو' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی راہ اختیار فرمائی تھی' (بخاری و مسلم ابن عمرؓ) اس سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم کی اتباع افضل ہے۔ جب مکہ مکرمہ سے نکلے تو کدی کی گھاٹی کا راستہ اختیار کرے۔ یہ گھاٹی نشیب میں ہے اور وہ بلندی پر واقع ہے۔

چوتھا ادب: جب مکہ مکرمہ میں داخل ہو اور خانہ کعبہ پر پہلی نظر پڑے تو یہ دعا کرے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ' اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ وَدَارُكَ دَارُ السَّلَامِ تَبَارَكْتَ

(۱) بخاری و مسلم میں ابو موسیٰ الاشعری سے یہ الفاظ منقول ہیں "انک لا تنادون اصم ولا غائباً"

يَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ اَللّٰهُمَّ اِنَّ هٰذَا بَيْتُكَ عَظَّمْتَهُ وَكَرَّمْتَهُ وَشَرَّفْتَهُ اَللّٰهُمَّ فَزِدْهُ تَعْظِيْمًا وَزِدْهُ تَشْرِيْفًا وَتَكْرِيْمًا وَزِدْهُ مَهَابَةً وَزِدْهُ مَنْ حَجَّهُ بِرًّا وَكَرَامَةً اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَاَدْخِلْنِيْ جَنَّتَكَ وَاَعِذْنِيْ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ۔

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' اللہ سب سے بڑا ہے' اے اللہ تو سلامت رہنے والا ہے' اور تجھ سے ہی سلامتی مل سکتی ہے' تیرا گھر سلامتی کا گھر ہے' تو بابرکت ہے' اے بزرگی اور عظمت والے' اے اللہ یہ تیرا گھر ہے' جسے تو نے عظیم کیا' اور قابل تعظیم بنایا اور شرف سے نوازا' اے اللہ اس گھر کو اور زیادہ عظمت' شرف اور تکریم عطا کر' اور اسے مزید دبدبہ عطا کر' اور ان لوگوں کو نیکی اور عظمت میں زیادہ کر جو اس کا حج کریں۔ اے اللہ میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے اور اپنی جنت میں داخل فرما اور مردود شیطان سے مجھے پناہ میں رکھ۔

پانچواں ادب : جب مسجد حرام میں داخل ہو تو بنی شیبہ کے دروازے سے اندر جائے اور یہ الفاظ کہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَمِنَ اللّٰهِ وَاِلَى اللّٰهِ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے' اللہ کی مدد سے' اللہ کی جانب سے' اللہ کی طرف' اللہ کے راستے میں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مطابق۔

جب خانہ کعبہ کے قریب پہنچے تو یہ الفاظ کہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ وَعَلٰى اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلِكَ وَعَلٰى جَمِيْعِ اَنْبِيَائِكَ وَرُسُلِكَ۔

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں' اور سلامتی ہو اس کے ان بندوں پر جنہیں اس نے پسند کیا' اے اللہ! رحمت نازل فرما اپنے بندے اور رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر' اور اپنے دوست ابراہیم علیہ السلام پر' اور اپنے تمام انبیاء اور رسولوں پر۔

اور ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ فِيْ مَقَامِيْ هٰذَا فِيْ اَوَّلِ مَنَاسِكِيْ اَنْ تَقْبَلَ تَوْبَتِيْ وَتَجَاوَزَ عَنْ خَطِيْئَتِيْ وَتَضَعَ عَنِّيْ وِزْرِيْ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ بَلَّغَنِيْ بَيْتَهُ الْحَرَامَ الَّذِيْ جَعَلَهُ مَثَابَةً لِلنَّاسِ وَاَمْنًا وَجَعَلَهُ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِيْنَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ عَبْدُكَ وَالْبَلَدُ بَلَدُكَ وَالْحَرَمُ حَرَمُكَ وَالْبَيْتُ بَيْتُكَ جِئْتُ اَطْلُبُ رَحْمَتَكَ وَاَسْاَلُكَ مَسْاَلَةَ الْمُضْطَرِّ الْخَائِفِ مِنْ عُقُوْبَتِكَ الرَّاجِيْ لِرَحْمَتِكَ الطَّالِبِ مَرْضَاتِكَ۔

اے اللہ! میں تجھ سے اپنے مقام میں' اور اپنے مناسک کے آغاز میں درخواست کرتا ہوں کہ میری توبہ قبول فرما' میرے گناہوں سے درگزر کر اور میرے اوپر سے گناہوں کا بوجھ ہلکا کر۔ شکر ہے خداوند قدوس کا جس نے مجھے اپنے اس قابل احترام گھر تک پہنچایا جسے اس نے لوگوں کے اجتماع کی جگہ اور پناہ گاہ بنایا ہے' اور جسے اس نے لوگوں کے لئے برکت اور ہدایت کا ذریعہ بنایا ہے' اے اللہ! میں تیرا بندہ ہوں اور یہ شہر تیرا شہر ہے اور حرم تیرا حرم ہے اور گھر تیرا گھر ہے' میں تیری رحمت حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں' اور تجھ سے اس شخص کی طرح درخواست کرتا ہوں جو تیرے عذاب سے خوفزدہ ہو تیری رحمت کا امیدوار ہو' اور تیری رضا کا خواہش مند ہو۔

چھٹا ادب : اس کے بعد حجر اسود کے پاس جائے اور اپنے ہاتھ سے چھوئے اور بوسہ دے پھر یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ اَمَانَتِيْ اَدَّيْتُهَا وَمِيْثَاقِيْ وَفَّيْتُهُ اِشْهَدْ لِيْ بِالْمُوَافَاةِ

اے اللہ! میں نے اپنی امانت ادا کی' اور اپنا عہد پورا کیا' آپ اس عہد کی تکمیل پر میرے گواہ رہیں۔

اگر کسی وجہ سے یہ ممکن نہ ہوسکے کہ حجر اسود تک پہنچا جائے' اور اسے بوسہ دیا جائے تو اس کے سامنے کھڑے ہو کر یہ دعا پڑھے' استلام سے فراغت کے بعد طواف کرے' اس طواف کا نام طواف قدوم ہے۔ ہاں اگر فرض نماز ہو رہی ہو تو جماعت سے نماز پڑھے' اور طواف نماز کے بعد کرے۔

طواف بیت اللہ شریف کے آداب

پہلا ادب : یہ ہے کہ طواف کے دوران نماز کی شرطوں کی رعایت کرے' یعنی بے وضو نہ ہو' کپڑے' بدن اور طواف کی جگہ پاک ہوں۔ برہنہ نہ ہوں'۔ اسلئے کہ خانۂ کعبہ کا طواف بھی نماز ہی ہے' مگر خداوند قدوس نے طواف کی حالت میں بات چیت کی اجازت دیدی ہے' جب کہ نماز کی حالت میں بولنا منع ہے' طواف شروع کرنے سے پہلے اضطباع کرلینا چاہیے' اضطباع کا مطلب یہ ہے کہ اپنی چادر کا درمیانی حصہ دائیں بغل کے نیچے کرے' اور چادر کے دونوں پلو بائیں کاندھے پر ڈالدے' اس صورت میں ایک پلو سینے پر لٹکے گا' اور ایک پلو پشت پر' طواف سے پہلے تلبیہ موقوف کردے' اور طواف کے دوران وہ دعائیں پڑھے جو ہم عنقریب (چند سطروں کے بعد) لکھیں گے۔

دوسرا ادب : اضطباع سے فارغ ہونے کے بعد خانہ کعبہ کو اپنی بائیں طرف کرے' اور حجر اسود کے قریب اس سے تھوڑا سا ہٹ کر کھڑا ہو' یعنی حجر اسود کے بالکل مقابل کھڑا نہ ہو' تاکہ طواف کی ابتدا میں پورا جسم حجر اسود کے سامنے سے گزر جائے' خانہ کعبہ کی دیوار سے تین قدم کے فاصلے اور کھڑا ہو' تاکہ قریب بھی رہے' کیونکہ خانہ کعبہ کی قربت کی بڑی فضیلت ہے' شاذرواں پر بھی طواف نہ ہو' کیونکہ یہ حصہ بھی بیت اللہ شریف میں داخل ہے' حجر اسود کے پاس شاذرواں زمین سے ملی ہوئی ہے' اسلئے طواف کرنے والا غلطی سے شاذرواں پر طواف شروع کردیتا ہے۔ جب کہ اس حصہ پر طواف کرنا درست نہیں ہے' شاذرواں سے مراد دیوار کی چوڑائی ہے بعد میں بنیاد کا کچھ حصہ چھوڑ کر دیوار اٹھائی گئی ہے' بنیاد کے اسی باقیماندہ حصے کو شاذرواں کہتے ہیں۔

تیسرا ادب : ابتدائے طواف میں حجر اسود سے آگے بڑھنے سے پہلے یہ دعا پڑھے :۔

بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ' اَللّٰهُمَّ اِيْمَانًا بِكَ وَ تَصْدِيْقًا بِكِتَابِكَ' وَوَفَاءً بِعَهْدِكَ وَاتِّبَاعًا لِسُنَّةِ نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے' اللہ بہت بڑا ہے' اے اللہ! آپ پر ایمان لاتے ہوئے آپ کے احکامات کی تصدیق کرتے ہوئے' آپ کے عہد کی تکمیل کرتے ہوئے' اور آپ کے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع میں خانۂ کعبہ کا یہ طواف کرتا ہوں۔

اس کے بعد طواف شروع کرے' حجر اسود سے آگے بڑھے' جب خانۂ کعبہ کے دروازے پر پہنچے تو یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ هٰذَا الْبَيْتُ بَيْتُكَ وَهٰذَا الْحَرَمُ حَرَمُكَ وَهٰذَا الْاَمْنُ اَمْنُكَ وَهٰذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ مِنَ النَّارِ

اے اللہ! یہ گھر تیرا گھر ہے' اور یہ حرم تیرا حرم ہے اور یہ پناہ تیری پناہ ہے' اور یہ مقام آگ سے بچ کر تری پناہ حاصل کرنے والے کا ہے۔

جب لفظ مقام پر پہنچے تو آنکھ سے مقام ابراہیم علیہ السلام کی طرف بھی اشارہ کرے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّ بَيْتَكَ عَظِيْمٌ وَوَجْهَكَ كَرِيْمٌ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ فَاَعِذْنِيْ مِنَ النَّارِ وَمِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ وَحَرِّمْ لَحْمِيْ وَدَمِيْ عَلَى النَّارِ وَاٰمِنِّيْ مِنْ اَهْوَالِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَاكْفِنِيْ مُؤْنَةَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔

اے اللہ! یہ تیرا گھر عظمت والا ہے' تیری ذات کریم ہے' تو ارحم الرا حمین ہے' پس مجھے دوزخ سے اور مردود شیطان سے نجات عطا کر' میرا گوشت اور میرا خون دوزخ پر حرام فرما' اور مجھے قیامت کی دہشتوں سے امن میں رکھ' اور مجھے دنیا و آخرت کی مشقت سے بچا۔

اسکے بعد سبحان اللہ اور الحمد للہ کہے' جب رکن عراقی پر پہنچ جائے تو یہ دعا پڑھے:۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الشِّرْكِ وَالشَّكِّ وَالْكُفْرِ وَالنِّفَاقِ وَالشِّقَاقِ وَسُوْءِ الْاَخْلَاقِ وَسُوْءِ الْمَنْظَرِ فِي الْاَهْلِ وَالْمَالِ وَالْوَلَدِ

اے اللہ! میں شرک سے' شک و شبہ سے نفاق' اختلاف' بد اخلاقی سے' اور اہل مال اور اولاد کو برے حال میں دیکھنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

جب میزاب پر پہنچے تو یہ دعا پڑھے:۔

اَللّٰهُمَّ اَظِلَّنَا تَحْتَ عَرْشِكَ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّ عَرْشِكَ اَللّٰهُمَّ اسْقِنِيْ بِكَأْسِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرْبَةً لَا اَظْمَاءُ بَعْدَهَا اَبَدًا۔

اے اللہ! ہمیں اس دن اپنے عرش کے نیچے سایہ دے جس روز تیرے عرش کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا' اے اللہ مجھے! آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پیالے سے وہ شربت پلا جسے پی کر میں کبھی پیاس محسوس نہ کروں۔

جب رکن شامی پر پہنچے تو یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حَجًّا مَبْرُوْرًا وَسَعْيًا مَشْكُوْرًا وَذَنْبًا مَغْفُوْرًا وَتِجَارَةً لَنْ تَبُوْرَ يَا عَزِيْزُ يَا غَفُوْرُ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَكْرَمُ

اے اللہ! میرا یہ حج مقبول بنایئے' میری کوشش مشکور کیجئے' اور (اس حج کو) میرے گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ بنادیجئے' اور ایسی تجارت نصیب فرمایئے جو کبھی نہ ختم ہونے والی ہو۔ اے عزت والے! اے مغفرت کرنے والے! اے رب! میری مغفرت فرما' مجھ پر رحم کر' اور جن گناہوں سے تو واقف ہے ان سے در گزر کر' بے شک تو زیادہ عزت بزرگی والا ہے۔

جب رکن یمانی پر پہنچے تو یہ دعا پڑھے :۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْفَقْرِ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخِزْيِ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

اے اللہ! میں کفر سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور فقر و فاقہ سے۔ اور عذاب قبر سے اور موت اور زندگی کے فتنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور دنیا و آخرت میں رسوائی سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا بِرَحْمَتِكَ وَفِتْنَةَ الْقَبْرِ وَعَذَابَ النَّارِ۔

اے اللہ! اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا اور آخرت میں بھلائی عطا کر' اور اپنی رحمت سے ہمیں قبر کے فتنے اور دوزخ کے عذاب سے بچا۔

جب حجر اسود پر واپس پہنچے تو یہ دعا کرے۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ بِرَحْمَتِكَ' اَعُوْذُ بِرَبِّ هٰذَا الْحَجَرِ مِنَ الدَّيْنِ وَالْفَقْرِ وَضِيْقِ الصَّدْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔

اے اللہ! اپنی رحمت سے میری مغفرت فرما میں اس پتھر کے رب کی پناہ چاہتا ہوں قرض سے فقر و فاقہ سے 'سینے کی تنگی سے' اور قبر کے عذاب سے۔

اس دعا پر طواف کا ایک چکر ختم کرے' اسی طرح سات چکر کرے' اور ہر چکر میں بیان کردہ دعائیں پڑھے۔

چوتھا ادب : طواف کے تین چکروں میں رمل کرے' اور باقی چار اپنی فطری رفتار سے چلے' رمل کے معنی یہ ہیں کہ چلنے میں جلدی کرے اور قدم قریب قریب رکھے' رمل کی رفتار تیز دوڑنے سے کم اور طبعی رفتار سے زیادہ ہوتی ہے۔ رمل اور اضطباع کا مقصد یہ ہے کہ بے خوفی' جرأت و ہمت اور بہادری کا اظہار ہو' پہلے ان دونوں افعال کی مشروعیت کفار و مشرکین کو خوفزدہ کرنے کے لئے ہوئی تھی' بعد میں ان دونوں کو مستقل سنت کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ (۱) افضل یہ ہے کہ رمل خانہ کعبہ کے قریب ہو' لیکن اگر بھیڑ بھاڑ کی وجہ سے قربت میسر نہ آئے تو جہاں بھی ممکن ہو رمل کرے اس صورت میں مطاف کے کنارے پہنچ کر بھی رمل کر سکتا ہے' باقی چکر بھیڑ میں مل کر پورے کرے ہر چکر میں استلام کرنا حجر اسود کو چھونا اور بوسہ دینا افضل ہے' اگر بھیڑ کی وجہ سے ہر چکر میں اسکا موقع نہ مل سکے تو اشارہ ہی سے بوسہ لے لے' اسی طرح رکن یمانی کا بوسہ بھی مستحب ہے روایات میں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم رکن یمانی کا بوسہ لیا کرتے تھے (بخاری و مسلم ابن عمرؓ) ایک روایت ہے کہ آپ نے اپنا رخسار مبارک رکن یمانی پر رکھا (دار قطنی' حاکم۔ ابن عباس) حجر اسود کا بوسہ لینا' اور رکن یمانی پر ہاتھ رکھنا یعنی اسے چھونا بہتر ہے' کیوں کہ حجر اسود کی روایات زیادہ مشہور ہیں۔

پانچواں ادب : جب طواف سے فارغ ہو جائے تو ملتزم پر آئے' ملتزم بیت اللہ کے دروازے اور حجر اسود کے درمیانی حصے کا نام ہے' اس جگہ دعائیں قبول کی جاتی ہیں' یہاں آکر خانہ کعبہ کے پردوں سے لپٹ جائے' اپنا پیٹ دیوار کعبہ سے ملادے' اپنا دایاں رخسار دیوار پر رکھے' اور اسپر اپنے ہاتھ پھیلادے' اور یہ دعا کرے۔

يَا رَبَّ الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ اَعْتِقْ رَقَبَتِیْ مِنَ النَّارِ وَاَعِذْنِیْ مِنَ الشَّيْطٰنِ

---

(۱) (رمل کے سلسلے میں بخاری و مسلم کی روایت ابن عباس سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حج کے لئے تشریف لائے' تو کفار مکہ کہنے لگے' وہ لوگ آئے ہیں جنہیں یثرب کی جنگ نے کمزور کر دیا ہے' اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چکروں میں رمل کا حکم دیا' اضطباع کے سلسلے میں ابن عمر کی روایت ابو داؤد ابن ماجہ اور حاکم نے نقل کی ہے۔)

الرَّحِيْمِ وَاَعِذْنِيْ مِنْ كُلِّ سُوْءٍ وَقَنِّعْنِيْ بِمَا رَزَقْتَنِيْ وَبَارِكْ لِيْ فِيْمَا آتَيْتَنِيْ اَللّٰهُمَّ اِنَّ هٰذَا الْبَيْتَ بَيْتُكَ وَالْعَبْدُ عَبْدُكَ وَهٰذَا مَقَامُ الْعَائِذِبِكَ مِنَ النَّارِ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنْ اَكْرَمِ وَفْدِكَ عَلَيْكَ۔

اے اس قدیم گھر کے مالک! آگ سے میری گردن آزاد فرما۔ شیطان مردود سے اور ہر برائی سے مجھے پناہ دے' مجھے اس چیز پر قانع بنا جو تونے مجھے عطا کی ہے' اور جو کچھ تونے مجھے عطا کیا ہے اس میں برکت عطا فرما۔ اے اللہ! یہ گھر تیرا گھر ہے' اور یہ بندہ تیرا بندہ ہے' اور یہ آگ سے پناہ چاہنے والے کی جگہ ہے اے اللہ! مجھے اپنے پاس آنے والے معزز مہمانوں میں شامل فرما۔

پھر اس مقام پر حمد و ثنا بیان کرے' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے حق میں نزول رحمت کی دعا کرے' اپنے گناہوں کی مغفرت چاہے' اور اپنے مخصوص مقاصد کی تکمیل کے لئے دعا مانگے' بعض سلف صالحین اس جگہ اپنے خدمت گزاروں سے کہہ دیا کرتے تھے کہ تم میرے پاس سے ہٹ جاؤ تاکہ میں باری تعالیٰ کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کرسکوں۔

<u>چھٹا ادب</u> : جب ملتزم سے فارغ ہو جائے تو مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھے' پہلی رکعت میں قل یا ایہا الکافرون اور دوسری رکعت میں قل ھو اللہ پڑھے' یہ طواف کی دو رکعتیں ہیں' زہری کہتے ہیں کہ مسنون طریقہ یہ ہے۔ (۱) کہ ہر طواف کے سات چکروں کے بعد دو رکعت نماز پڑھے' لیکن اگر کسی نے بہت سے طواف کئے' اور آخری طواف سے فارغ ہونے کے بعد دو رکعت نماز پڑھی تو یہ بھی جائز ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا بھی کیا ہے' (ابن ابی حاتم ابن عمرؓ۔) نماز طواف سے فارغ ہونے کے بعد یہ دعا پڑھے:۔

اَللّٰهُمَّ يَسِّرْ لِيَ الْيُسْرٰى وَجَنِّبْنِيَ الْعُسْرٰى وَاغْفِرْ لِيْ فِي الْآخِرَةِ وَالْاُوْلٰى اَللّٰهُمَّ اعْصِمْنِيْ بِاَلْطَافِكَ حَتّٰى لَا اَعْصِيَكَ وَاَعِنِّيْ عَلٰى طَاعَتِكَ بِتَوْفِيْقِكَ وَجَنِّبْنِيْ مَعَاصِيَكَ وَاجْعَلْنِيْ مِمَّنْ يُحِبُّكَ وَيُحِبُّ مَلَائِكَتَكَ وَرُسُلَكَ وَيُحِبُّ عِبَادَكَ الصَّالِحِيْنَ اَللّٰهُمَّ حَبِّبْنِيْ اِلٰى مَلَائِكَتِكَ وَرُسُلِكَ وَاِلٰى عِبَادِكَ الصَّالِحِيْنَ اَللّٰهُمَّ فَكَمَا هَدَيْتَنِيْ اِلَى الْاِسْلَامِ فَثَبِّتْنِيْ عَلَيْهِ بِاَلْطَافِكَ وَوِلَايَتِكَ وَاسْتَعْمِلْنِيْ لِطَاعَتِكَ وَطَاعَةِ رَسُوْلِكَ وَاَجِرْنِيْ مِنْ مُضِلَّاتِ الْفِتَنِ۔

اے اللہ! میرے لئے آسانی پیدا فرما۔ اور مجھے تنگی سے بچا دنیا و آخرت میں میری مغفرت فرما اے اللہ! میری اپنے الطاف کرم کے طفیل حفاظت کر تاکہ میں تیری نافرمانی نہ کروں' اپنی اطاعت پر مجھے اپنی توفیق کی مدد سے' مجھے اپنی نافرمانیوں سے محفوظ رکھ' مجھے ان لوگوں میں سے بنا جو تجھے تیرے فرشتوں کو' تیرے رسولوں کو' اور تیرے نیک بندوں کو محبوب رکھتے ہیں۔ اے اللہ! مجھے اپنے فرشتوں' پیغمبروں اور نیک بندوں کے یہاں محبوب بنادے' اے اللہ جس طرح تونے مجھے اسلام کی ہدایت کی اسی طرح مجھے اپنے لطف و کرم سے اسلام پر ثابت قدم بھی رکھ' مجھے اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت کے لئے استعمال کر' اور مجھے سخت ترین فتنوں سے نجات عطا کر۔

---

(۱) یہ روایت بخاری نے تعلیقاً ذکر کی ہے۔

اس دعا سے فارغ ہونے کے بعد دوبارہ حجر اسود کے پاس آئے' اور اسے بوسہ دیکر طواف ختم کرے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

من طاف بالبیت اسبوعا وصلی رکعتین فلہ من الاجر کعتق رقبة (ترمذی' نسائی' ابن ماجہ۔ ابن عمرؓ)

جو شخص نماز کعبہ کا طواف کرے' اور دو رکعت نماز پڑھے اسے ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا۔

گزشتہ صفحات میں طواف کی کیفیت بیان کی گئی ہے نماز سے متعلق شرائط کی پابندی کے بعد طواف کرنے والے کو چاہئے کہ وہ ہر طواف میں سات چکر کرے' حجر اسود سے طواف کی ابتداء کرے' اور خانہ کعبہ کو اپنی بائیں جانب رکھے' طواف مسجد کے اندر' اور خانہ کعبہ کے باہر کرے' نہ شاذروان پر ہو' اور نہ حطیم پر۔ طواف کے تمام چکر مسلسل ہوں' اگر وقفے کی ضرورت ہو تو معمولی وقفہ کیا جائے۔ یہ طواف کے واجبات ہیں' ان کے علاوہ دیگر افعال سنن اور مستحبات ہیں۔

سعی: جب طواف سے فارغ ہو جائے تو باب صفا سے باہر نکلے' یہ دروازہ اس دیوار کے مقابل ہے جو رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان بنی ہوئی ہے' اس دروازے سے نکل کر صفا پر پہنچے۔ صفا ایک پہاڑی ہے' یہاں پہنچ کر صفا کے نیچے بنے ہوئے زینوں پر چڑھے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پہاڑی کی اتنی بلندی پر چڑھتے تھے کہ کعبہ نظر آنے لگتا تھا۔ (۱) کوہ صفا کی جڑ سے سعی کی ابتداء کرنا کافی ہے' سیڑھیوں پر چڑھنا ایک مستحب امر ہے' لیکن کیوں کہ بعض سیڑھیاں نئی بن گئی ہیں' اور وہ کوہ صفا کی جڑ سے قدرے ہٹ کر ہیں اس لئے سعی میں ان سیڑھیوں کو بھی شامل کرلینا چاہیے ورنہ سعی ناتمام رہے گی۔ بہرحال سعی کا آغاز صفا سے ہو' اور وہاں سے مروہ تک سات مرتبہ سعی کی جائے' بہتر یہ ہے کہ صفا پر چڑھ کر خانہ کعبہ کی طرف اپنا رخ کرے اور یہ الفاظ کہے۔

اَللّٰهُ اَكْبَرُ' اَللّٰهُ اَكْبَرُ' اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى مَاهَدَانَا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بِمَحَامِدِهِ كُلِّهَا عَلٰى جَمِيْعِ نِعَمِهِ كُلِّهَا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ' لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ' لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ وَصَدَقَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَاَعَزَّ جُنْدَهُ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ' وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ' وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِي الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ' وَمِنْ اٰيَاتِهِ اَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَا اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ اِيْمَانًا دَائِمًا وَيَقِيْنًا صَادِقًا وَعِلْمًا نَافِعًا وَقَلْبًا خَاشِعًا وَلِسَانًا ذَاكِرًا' وَاَسْاَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ وَالْمُعَافَاةَ الدَّائِمَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔

اللہ اکبر' اللہ اکبر' تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں کہ اس نے ہمیں ہدایت دی' اللہ کی تعریف ہے اسکی تمام ترخوبیوں کے ساتھ اس کی تمام نعمتوں پر' اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اسکا کوئی شریک نہیں ہے' اس

---

(۱) یہ حدیث مسلم میں جابر ابن عبد اللہؓ سے مروی ہے "فبداء بالصفا فرقی علیہ حتی رائی البیت" مسلم شریف میں ابو ہریرہؓ کی روایت بھی ہے "اتی الصفا فعلا علیہ حتی نظر الی البیت۔"

کا ملک ہے اور اسی کے لئے حمد ہے' وہ زندگی دیتا ہے' وہ مارتا ہے' اسی کے قبضے میں خیر ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' وہ تنہا ہے' اس نے اپنا وعدہ سچا کیا اسنے اپنے بندے کی مدد کی' اپنے لشکر کو عزت عطا کی اور کافروں کے لشکر کو تنہا شکست دی۔ نہیں ہے کوئی معبود اللہ کے سوا' اسکے لئے بندگی خالص کر کے چاہے کافر برا مانائیں۔ نہیں ہے کوئی معبود اللہ کے سوا' خالص کر کے اس کے لئے بندگی' تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں' پاک اللہ کی یاد ہے' جب تم شام کرو' اور جب تم صبح کرو' اور تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں آسمانوں اور زمین میں پچھلے وقت اور جب ظہر ہو' وہ زندہ کو مردے سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے' زمین کو اسکے مرنے کے بعد زندگی دیتا ہے اور ایسے ہی تم نکالے جاؤ گے۔ اسکی نشانیوں میں سے یہ ہیکہ اس نے تمہیں مٹی سے بنایا' پھر تم انسان ہو کر پھیل پڑے' اے اللہ میں تجھ سے دائمی ایمان' یقین صادق' نفع بخش علم' ڈرنے والا دل' اور ذکر کرنے والی زبان کی درخواست کرتا ہوں' اور تجھ سے عفو و درگزر' اور دائمی معافی کی درخواست کرتا ہوں دنیا اور آخرت میں۔

اسکے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجے' اور جو دعا چاہے مانگے' پھر پہاڑی سے نیچے اترے اور سعی شروع کرے' سعی کے درمیان یہ الفاظ کہتا رہے:۔

رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعَزُّ الْأَكْرَمُ اللّٰهُمَّ آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ

اے میرے رب مغفرت کیجئے' رحم فرمائیے اور جو گناہ آپ جانتے ہیں ان سے درگزر کیجئے' بے شک تو زیادہ بزرگی اور عزت والا ہے' اے اللہ ہمیں دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھلائی عطا کر' اور دوزخ کی آگ سے بچا۔

پہاڑی سے اتر کر میل اخضر تک آہستہ آہستہ چلے' میل اخضر صفا سے اترتے ہی ملتا ہے' یہ مسجد حرام کے کونے پر واقع ہے' جب میل اخضر کے محاذات میں آنے میں چھ ہاتھ کا فاصلہ باقی رہ جائے تو تیز چلنا شروع کردے' یعنی رمل کی چال اختیار کرے' اور اس وقت تک رمل کرتا رہے جب تک دو سبز میلوں کے درمیان نہ پہنچ جائے' پھر رفتار آہستہ کردے' مروہ پر بھی اسی طرح چڑھے جس طرح صفا پر چڑھا تھا' اور وہی دعائیں پڑھے جو صفا پر پڑھیں تھیں' یہ ایک سعی ہوگی' مروہ سے صفا تک اسی طرح واپس لوٹے یہ دوسری سعی ہوگی' اسی طرح سات بار سعی کرے جہاں آہستہ روی سے چلنا ہو وہاں آہستہ چلے' اور جہاں رمل کی ضرورت ہو وہاں رمل کرے' اور ہر مرتبہ صفا و مروہ پر چڑھے' اس عمل کے بعد سعی اور طواف قدوم سے فراغت نصیب ہوگی' یہ دونوں افعال سنت ہیں' سعی کے لئے طہارت مستحب ہے' واجب نہیں ہے' طواف میں طہارت واجب ہے قیام عرفات کے بعد اب دوبارہ سعی کرنے کی ضرورت نہیں ہے اسی سعی کو رکن سمجھے' سعی میں یہ شرط نہیں ہے کہ وقوف عرفہ کے بعد ہو۔ بلکہ طواف زیارت کے لئے یہ شرط ہے' البتہ یہ ضروری ہے کہ سعی طواف کے بعد ہو' چاہے وہ طواف کسی بھی نوعیت کا ہو۔

وقوف عرفہ: جب حاجی عرفے کے دن عرفات پہنچے تو وقوف سے پہلے طواف قدوم اور مکہ مکرمہ میں داخلے کی تیاری نہ کرے' بلکہ پہلے وقوف کرے' لیکن اگر یوم عرفہ سے کچھ روز پہلے پہنچ جائے تو مکہ مکرمہ میں داخل ہو کر طواف قدوم کرے اور ذی الحجہ کی سات تاریخ تک احرام کی حالت میں مکہ مکرمہ میں ٹھہرا رہے' اسی تاریخ میں ظہر کی نماز کے بعد مسجد حرام میں امام صاحب خطبہ دیں' اور لوگوں کو حکم دیں کہ وہ آٹھویں تاریخ کو منیٰ پہنچیں' رات میں وہاں قیام کریں' نویں تاریخ کی صبح کو عرفات جائیں' اور زوال کے بعد فرض وقوف ادا کریں' وقوف عرفہ کا وقت نو ذی الحجہ کے زوال سے دسویں تاریخ کی صبح صادق تک ہے' منیٰ کے لئے لبیک اللّٰھم لبیک کہتا ہوا روانہ ہو مستحب یہ ہے کہ مکہ مکرمہ سے افعال حج کی ادائیگی کے لئے جہاں بھی جانا ہو پیدل جائے' مسجد ابراہیم علیہ

السلام سے عرفات تک پیدل چلنے کی بڑی تاکید ہے۔ اور اس کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ منیٰ پہنچ کر یہ دعا پڑھے:۔

اَللّٰهُمَّ هٰذَا مِنًى فَامْنُنْ عَلَيَّ بِمَا مَنَنْتَ بِهٖ عَلٰى اَوْلِيَاءِكَ وَاَهْلِ طَاعَتِكَ

اے اللہ یہ منیٰ ہے پس تو مجھ پر احسان کر جس چیز کا احسان تو نے اپنے دوستوں اور فرمانبرداروں پر کیا ہے۔

نویں تاریخ کی رات منیٰ میں گزارے، یہ مقام منزل اور رات کی قیام گاہ ہے، حج کا کوئی فعل اس سے متعلق نہیں ہے، جب عرفے کی صبح ہو جائے تو فجر کی نماز پڑھے، جب کوہ شبیر پر دھوپ نکل آئے تو یہ کہتا ہوا عرفات کے لئے روانہ ہو۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا خَيْرَ غَدْوَةٍ غَدَوْتُهَا قَطُّ وَاَقْرِبْهَا مِنْ رِضْوَانِكَ وَاَبْعِدْهَا مِنْ سَخَطِكَ، اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ غَدَوْتُ وَاِيَّاكَ رَجَوْتُ وَعَلَيْكَ اعْتَمَدْتُ وَوَجْهَكَ اَرَدْتُ، فَاجْعَلْنِيْ مِمَّنْ تُبَاهِيْ بِهِ الْيَوْمَ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنِّيْ وَاَفْضَلُ

اے اللہ اس صبح کو ان صبحوں میں سب سے بہتر کر دے جو میں نے کبھی کی ہوں، اور انہیں اپنی رضا مندی سے قریب کر دے اور اپنے غیظ و غضب سے دور فرما۔ اے اللہ! میں تیری طرف چلا ہوں، تجھ ہی سے امید باندھی ہے، تجھ ہی پر بھروسہ کیا ہے تیری ہی رضا کا ارادہ کیا ہے مجھے ان لوگوں میں سے بنا جن پر تو آج کے دن مجھ سے افضل و بہتر لوگوں (فرشتوں) پر فخر کرے۔

عرفات میں پہنچنے کے بعد اپنا خیمہ مسجد نمرہ کے قریب لگائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خیمۂ مبارک اسی جگہ نصب کیا تھا۔ (۱) نمرہ وادئ عرفہ کا نام ہے جو موقف اور عرفہ کے دوسری جانب ہے، وقوف عرفہ کے لئے غسل کرنا چاہئے، جب سورج ڈھل جائے تو امام ایک مختصر خطبہ پڑھ کر بیٹھ جائے، جس وقت امام دوسرے خطبے میں ہو مؤذن اذان شروع کر دے، اور تکبیر بھی اذان میں ملا دے، تکبیر کے ساتھ ساتھ امام بھی خطبہ سے فارغ ہو جائے۔ پھر ظہر اور عصر کی نماز ایک اذان اور دو اقامتوں سے ادا کی جائیں، نماز میں قصر کرے، نماز کے بعد موقف میں جائے اور عرفات میں قیام کرے، وادئ عرفہ میں نہ ٹھہرے مسجد ابراہیم علیہ السلام کا اگلا حصہ عرفہ میں ہے، اور پچھلا حصہ عرفات میں ہے، اگر کوئی شخص اس مسجد کے اگلے حصے میں قیام کرے گا تو اس کا رکن ادا نہیں ہو گا۔ کیوں کہ اس نے عرفات میں قیام نہیں کیا ہے۔ عرفات کا جو حصہ مسجد میں شامل ہے اسے پتھر بچھا کر ظاہر کر دیا گیا ہے، افضل یہ ہے کہ امام کے قریب پتھروں پر قبلہ رو ہو کر سواری پر قیام کرے، اور تحمید و تسبیح، تہلیل و تکبیر کی کثرت رکھے، دعا و استغفار میں مشغول رہے، اس دن روزہ نہ رکھے۔ تاکہ دعا و استغفار کی پوری طرح پابندی ہو سکے، عرفے کے دن مسلسل تلبیہ کہتا رہے، کسی بھی لمحہ غافل نہ ہو، بلکہ بہتر یہ ہے کہ کبھی۔ تلبیہ کہے اور کبھی دعا کرے، عرفات سے غروب آفتاب کے بعد ہی رخصت ہونا چاہیے، تاکہ اس میدان میں ایک رات اور ایک دن مکمل قیام ہو سکے، غروب آفتاب کے بعد روانہ ہونے میں یہ فائدہ بھی ہے کہ اگر رویت ہلال میں کوئی غلطی ہو گئی ہو گی تو دوسرے دن کی شب میں کچھ ہی دیر کے لئے سہی ٹھہرنا ہو سکے گا۔ احتیاط اسی میں ہے، جس شخص کو دسویں تاریخ کی صبح تک ٹھہرنا نصیب نہ ہو سکا اس کا حج صحیح نہیں ہو گا، ایسے شخص کو عمرہ کے افعال ادا کرنے کے بعد حلال ہو جانا چاہیے، اور حج کے فوت ہونے کی وجہ سے ایک دم بھی دینا چاہیے، اس فوت شدہ حج کو قضا کرنا بھی ضروری ہے، عرفے کے دن دعا کا زیادہ سے زیادہ اہتمام ہونا چاہیے، کیوں کہ عرفات انتہائی مقدس جگہ ہے، اور یہاں مقدس اجتماع ہے، ایسی جگہوں پر اور اس طرح کے اجتماعات میں دعاؤں کی قبولیت کی توقع ہوتی ہے، عرفے کے دن کے لئے جو دعا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اور اکابرین سلف سے منقول ہے وہ یہ ہے۔

---

(۱) مسلم بروایت جابر ابن عبد اللہؓ

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْکَ لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ
لَا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا وَفِیْ
سَمْعِیْ نُوْرًا وَفِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا وَفِیْ لِسَانِیْ نُوْرًا۔ اَللّٰهُمَّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ
وَيَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ۔ اَللّٰهُمَّ رَبِّ الْحَمْدِ لَکَ الْحَمْدُ کَمَا نَقُوْلُ وَخَيْرٌ مِّمَّا نَقُوْلُ لَکَ
صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ وَاِلَيْکَ مَآبِیْ وَاِلَيْکَ ثَوَابِیْ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ
اَعُوْذُ بِکَ مِنْ وَسَاوِسِ الصَّدْرِ وَشَتَاتِ الْاَمْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ
شَرِّ مَا يَلِجُ فِی اللَّيْلِ وَشَرِّ مَا يَلِجُ فِی النَّهَارِ وَمِنْ شَرِّ مَا تَهُبُّ بِهِ الرِّيَاحُ وَمِنْ
شَرِّ بَوَائِقِ الدَّهْرِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ تَحَوُّلِ عَافِيَتِکَ وَفُجَاءَةِ نِقْمَتِکَ
وَجَمِيْعِ سَخَطِکَ اَللّٰهُمَّ اهْدِنِیْ بِالْهُدٰی وَاغْفِرْ لِیْ فِی الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰی يَا خَيْرَ
مَقْصُوْدٍ وَاَسْنٰی مَنْزُوْلٍ بِهٖ وَاَکْرَمَ مَسْئُوْلٍ مَا لَدَيْهِ اَعْطِنِی الْعَشِيَّةَ اَفْضَلَ مَا
اَعْطَيْتَ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِکَ وَحُجَّاجِ بَيْتِکَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ! اَللّٰهُمَّ
يَا رَافِعَ الدَّرَجَاتِ وَمُنْزِلَ الْبَرَکَاتِ وَيَا فَاطِرَ الْاَرَضِيْنَ وَالسَّمٰوٰتِ ضَجَّتْ
اِلَيْکَ الْاَصْوَاتُ بِصُنُوْفِ اللُّغَاتِ نَسْاَلُکَ الْحَاجَاتِ وَحَاجَتِیْ اَنْ لَّا تَنْسَانِیْ
فِیْ دَارِ الْبَلَاءِ اِذَا نَسِيَنِیْ اَهْلُ الدُّنْيَا اَللّٰهُمَّ اِنَّکَ تَسْمَعُ کَلَامِیْ وَتَرٰی مَکَانِیْ
وَتَعْلَمُ سِرِّیْ وَعَلَانِيَتِیْ وَلَا يَخْفٰی عَلَيْکَ شَيْءٌ مِّنْ اَمْرِیْ اَنَا الْبَائِسُ الْفَقِيْرُ
الْمُسْتَغِيْثُ الْمُسْتَجِيْرُ الْوَجِلُ الْمُشْفِقُ الْمُعْتَرِفُ بِذَنْبِهٖ اَسْاَلُکَ مَسْئَلَةَ
الْمِسْکِيْنِ وَاَبْتَهِلُ اِلَيْکَ ابْتِهَالَ الْمُذْنِبِ الذَّلِيْلِ وَاَدْعُوْکَ دُعَاءَ الْخَائِفِ الضَّرِيْرِ
دُعَاءَ مَنْ خَضَعَتْ لَهٗ رَقَبَتُهٗ وَفَاضَتْ لَکَ عَبْرَتُهٗ وَذَلَّ لَکَ جَسَدُهٗ وَرَغِمَ لَکَ اَنْفُهٗ
اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنِیْ بِدُعَاءِکَ رَبِّ شَقِيًّا وَکُنْ بِیْ رَؤُوْفًا رَّحِيْمًا يَا خَيْرَ الْمَسْئُوْلِيْنَ
وَاَکْرَمَ الْمُعْطِيْنَ اِلٰهِیْ مَنْ مَدَحَ لَکَ نَفْسَهٗ فَاِنِّیْ لَائِمٌ نَفْسِیْ اِلٰهِیْ اَخْرَسَتِ
الْمَعَاصِیْ لِسَانِیْ فَمَا لِیْ وَسِيْلَةٌ مِّنْ عَمَلِیْ وَلَا شَفِيْعَ سِوَی الْعَمَلِ اِلٰهِیْ اِنِّیْ اَعْلَمُ
اَنَّ ذُنُوْبِیْ لَمْ تُبْقِ لِیْ عِنْدَکَ جَاهًا وَلَا لِلْاِعْتِذَارِ وَجْهًا وَلٰکِنَّکَ اَکْرَمُ الْاَکْرَمِيْنَ
اِلٰهِیْ اِنْ لَّمْ اَکُنْ اَهْلًا اَنْ اَبْلُغَ رَحْمَتَکَ فَاِنَّ رَحْمَتَکَ اَهْلٌ اَنْ تَبْلُغَنِیْ وَرَحْمَتُکَ
وَسِعَتْ کُلَّ شَيْءٍ وَاَنَا شَيْءٌ۔ اِلٰهِیْ اِنَّ ذُنُوْبِیْ وَاِنْ کَانَتْ عِظَامًا وَلٰکِنَّهَا صِغَارٌ فِیْ
جَنْبِ عَفْوِکَ فَاغْفِرْهَا لِیْ يَا کَرِيْمُ اِلٰهِیْ اَنْتَ اَنْتَ وَاَنَا اَنَا اَنَا الْعَوَّادُ اِلَی الذُّنُوْبِ
وَاَنْتَ الْعَوَّادُ اِلَی الْمَغْفِرَةِ اِلٰهِیْ اِنْ کُنْتَ لَا تَرْحَمُ اِلَّا اَهْلَ طَاعَتِکَ فَاِلٰی مَنْ يَفْزَعُ
الْمُذْنِبُوْنَ۔ اِلٰهِیْ تَجَنَّبْتُ عَنْ طَاعَتِکَ عَمْدًا وَتَوَجَّهْتُ اِلٰی مَعْصِيَتِکَ قَصْدًا
فَسُبْحَانَکَ مَا اَعْظَمَ حُجَّتَکَ عَلَیَّ وَاَکْرَمَ عَفْوَکَ عَنِّیْ فَبِوُجُوْبِ حُجَّتِکَ عَلَیَّ
وَانْقِطَاعِ حُجَّتِیْ عَنْکَ وَفَقْرِیْ اِلَيْکَ وَغِنَاکَ عَنِّیْ اِلَّا غَفَرْتَ لِیْ۔ يَا خَيْرَ مَنْ
دَعَاهُ دَاعٍ وَاَفْضَلَ مَنْ رَجَاهُ رَاجٍ بِحُرْمَةِ الْاِسْلَامِ وَبِذِمَّةِ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَتَوَسَّلُ
اِلَيْکَ فَاغْفِرْ لِیْ جَمِيْعَ ذُنُوْبِیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْ مَوْقِفِیْ هٰذَا مَقْضِیَّ الْحَوَائِجِ
وَهَبْ لِیْ مَا سَاَلْتُ وَحَقِّقْ رَجَائِیْ فِيْمَا تَمَنَّيْتُ اِلٰهِیْ دَعَوْتُکَ بِالدُّعَاءِ الَّذِیْ

عَلَّمْتَنِيْهِ فَلَا تَحْرِمْنِي الرَّجَاءَ الَّذِيْ عَرَّفْتَنِيْهِ اِلٰهِيْ مَا اَنْتَ صَانِعٌ الْعَشِيَّةَ بِعَبْدٍ مُقِرٍّ لَکَ بِذَنْبِهٖ خَاشِعٍ لَکَ بِذِلَّتِهٖ مُسْتَكِيْنٍ بِجُرْمِهٖ مُتَضَرِّعٍ اِلَيْکَ مِنْ عَمَلِهٖ تَائِبٍ اِلَيْکَ مِنْ اِقْتِرَافِهٖ مُسْتَغْفِرٍ لَکَ مِنْ ظُلْمِهٖ مُبْتَهِلٍ اِلَيْکَ فِي الْعَفْوِ عَنْهُ طَالِبٍ اِيَّاکَ فِيْ نَجَاحِ حَوَائِجِهٖ رَاجٍ اِلَيْکَ فِيْ مَوْقِفِهٖ مَعَ كَثْرَةِ ذُنُوْبِهٖ فَيَا مَلْجَأَ كُلِّ حَيٍّ وَوَلِيَّ كُلِّ مُؤْمِنٍ مَنْ اَحْسَنَ فَبِرَحْمَتِکَ يَفُوْزُ وَمَنْ اَخْطَاَ فَبِخَطِيْئَتِهٖ يَهْلِکُ اَللّٰهُمَّ اِلَيْکَ خَرَجْنَا وَبِفِنَائِکَ اَنَخْنَا وَاِيَّاکَ اَمَّلْنَا وَمَا عِنْدَکَ طَلَبْنَا وَلِاِحْسَانِکَ تَعَرَّضْنَا وَرَحْمَتَکَ رَجَوْنَا وَمِنْ عَذَابِکَ اَشْفَقْنَا وَاِلَيْکَ بِاَثْقَالِ الذُّنُوْبِ هَرَبْنَا وَلِبَيْتِکَ الْحَرَامِ حَجَجْنَا يَا مَنْ يَمْلِکُ حَوَائِجَ السَّائِلِيْنَ وَيَعْلَمُ ضَمَائِرَ الصَّامِتِيْنَ يَا مَنْ لَيْسَ لَهٗ رَبٌّ يُدْعٰى وَيَا مَنْ لَيْسَ فَوْقَهٗ خَالِقٌ يُخْشٰى وَيَا مَنْ لَيْسَ لَهٗ وَزِيْرٌ يُؤْتٰى وَلَا حَاجِبٌ يُرْشٰى يَا مَنْ لَا يَزْدَادُ عَلٰى كَثْرَةِ السُّؤَالِ اِلَّا جُوْدًا وَكَرَمًا وَعَلٰى كَثْرَةِ الْحَوَائِجِ اِلَّا تَفَضُّلًا وَاِحْسَانًا اَللّٰهُمَّ اِنَّکَ جَعَلْتَ لِكُلِّ ضَيْفٍ قِرًى وَنَحْنُ اَضْيَافُکَ فَاجْعَلْ قِرَانَا مِنْکَ الْجَنَّةَ اَللّٰهُمَّ اِنَّ لِكُلِّ وَفْدٍ جَائِزَةً وَلِكُلِّ زَائِرٍ كَرَامَةً وَلِكُلِّ سَائِلٍ عَطِيَّةً وَلِكُلِّ رَاجٍ ثَوَابًا وَلِكُلِّ مُلْتَمِسٍ لِمَا عِنْدَکَ جَزَاءً وَلِكُلِّ مُسْتَرْحِمٍ عِنْدَکَ رَحْمَةً وَلِكُلِّ رَاغِبٍ اِلَيْکَ زُلْفٰى وَلِكُلِّ مُتَوَسِّلٍ اِلَيْکَ عَفْوًا وَقَدْ وَفَدْنَا اِلٰى بَيْتِکَ الْحَرَامِ وَوَقَفْنَا بِهٰذِهِ الْمَشَاعِرِ الْعِظَامِ وَشَهِدْنَا هٰذِهِ الْمَشَاهِدَ الْكِرَامَ رَجَاءً لِمَا عِنْدَکَ فَلَا تُخَيِّبْ رَجَاءَنَا اِلٰهَنَا تَابَعْتَ النِّعَمَ حَتّٰى اطْمَاَنَّتِ النَّفْسُ بِتَتَابُعِ نِعَمِکَ وَاَظْهَرْتَ الْعِبَرَ حَتّٰى نَطَقَتِ الصَّوَامِتُ بِحُجَّتِکَ وَظَاهَرْتَ الْمِنَنَ حَتّٰى اعْتَرَفَ اَوْلِيَاؤُکَ بِالتَّقْصِيْرِ عَنْ حَقِّکَ وَاَظْهَرْتَ الْاٰيَاتِ حَتّٰى اَفْصَحَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرَضُوْنَ بِاَدِلَّتِکَ وَقَهَرْتَ بِقُدْرَتِکَ حَتّٰى خَضَعَ كُلُّ شَيْءٍ لِعِزَّتِکَ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِعَظَمَتِکَ اِذَا اَسَاءَ عِبَادُکَ حَلُمْتَ وَاَمْهَلْتَ وَاِنْ اَحْسَنُوْا تَفَضَّلْتَ وَقَبِلْتَ وَاِنْ عَصَوْا سَتَرْتَ وَاِنْ اَذْنَبُوْا عَفَوْتَ وَغَفَرْتَ وَاِذَا دَعَوْنَا اَجَبْتَ وَاِذَا نَادَيْنَا سَمِعْتَ وَاِذَا اَقْبَلْنَا اِلَيْکَ قَرَّبْتَ وَاِذَا وَلَّيْنَا عَنْکَ دَعَوْتَ اِلٰهَنَا اِنَّکَ قُلْتَ فِيْ كِتَابِکَ الْمُبِيْنِ لِمُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ! "قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ" فَاَرْضَاکَ عَنْهُمُ الْاِقْرَارُ بِكَلِمَةِ التَّوْحِيْدِ بَعْدَ الْجُحُوْدِ وَاِنَّا نَشْهَدُ لَکَ بِالتَّوْحِيْدِ مُخْبِتِيْنَ وَلِمُحَمَّدٍ بِالرِّسَالَةِ مُخْلِصِيْنَ فَاغْفِرْ لَنَا بِهٰذِهِ الشَّهَادَةِ سَوَالِفَ الْاِجْرَامِ وَلَا تَجْعَلْ حَظَّنَا فِيْهِ اَنْقَصَ مِنْ حَظِّ مَنْ دَخَلَ فِي الْاِسْلَامِ اِلٰهَنَا اِنَّکَ اَحْبَبْتَ التَّقَرُّبَ اِلَيْکَ بِعِتْقِ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُنَا وَنَحْنُ عَبِيْدُکَ وَاَنْتَ اَوْلٰى بِالتَّفَضُّلِ فَاَعْتِقْنَا وَاِنَّکَ اَمَرْتَنَا اَنْ نَتَصَدَّقَ عَلٰى فُقَرَائِنَا وَنَحْنُ فُقَرَاؤُکَ وَاَنْتَ اَحَقُّ بِالتَّطَوُّلِ فَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا وَوَصَّيْتَنَا بِالْعَفْوِ عَمَّنْ ظَلَمَنَا وَقَدْ ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاَنْتَ اَحَقُّ بِالْكَرَمِ فَاعْفُ عَنَّا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا بِرَحْمَتِکَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' وہ تنہا ہے' اسکا کوئی شریک نہیں ہے' اسی کے لئے سلطنت ہے' اسی کے لئے تمام تعریفیں ہیں' وہ زندہ کرتا ہے' وہ مارتا ہے' وہ زندہ ہے نہیں مرتا' اسکے قبضے میں خیر ہے' اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ! تو میرے دل میں نور' میرے کان میں نور' میری آنکھ میں نور' اور میری زبان میں نور بھردے' اے اللہ! میرا سینہ کھولدے اور میرے لئے میرا معاملہ آسان فرما ' اے اللہ تیرے لئے حمد ہے جیسا ہم کہتے ہیں اور اس سے بہتر ہے جو ہم کہتے ہیں' تیرے لئے میری نماز ہے' میری قربانی ہے' میری زندگی اور موت ہے' اور تیری ہی طرف میری واپسی ہے اور تیرے ہی سپرد میرا ثواب ہے' اے اللہ! میں سینے کے وسوسوں سے حال کی پراگندگی اور قبر کے عذاب سے تیری پناہ چاہتا ہوں' اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں' اس چیز کے شر سے جو رات میں داخل ہو' اور اس چیز کے شر سے جو دن میں داخل ہو' اور اس چیز کے شر سے جس کو ہوائیں اڑائیں' اور زمانہ کی مہلات کے شر سے' اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں تیری دی ہوئی تندرستی کے بدلنے سے اور تیرے اچانک انتقام سے اور تیرے ہر طرح کے غیظ و غضب سے' اے اللہ مجھے نیکی کی ہدایت کر اور دنیا و آخرت میں میری مغفرت فرما' اے ان لوگوں سے بہتر جن کا کوئی قصد کرے' اور ان لوگوں سے بہتر جن کے پاس کوئی چیز ان سے مانگی جائے' مجھے آج شام کو وہ نعمت عطا کر جو اس سے افضل ہو جو تونے اپنی مخلوق اور حجاج بیت اللہ میں سے کسی شخص کو دی ہو' اے ارحم الرحمین! اے اللہ! اے درجات بلند کرنے والے' اے برکات نازل کرنے والے' اے زمینوں اور آسمانوں کے پیدا کرنے والے تیرے سامنے مختلف زبانوں کی آوازیں ہیں ہم تجھ سے حاجتیں مانگتے ہیں' میری حاجت یہ ہے کہ تو مجھے امتحان کے گھر میں اس وقت فراموش نہ کرنا جب دنیا کے لوگ مجھے بھول جائیں۔ اے اللہ تو میرا باطن اور ظاہر جانتا ہے اور میری کوئی بات تجھ سے مخفی نہیں ہے' میں پریشان حال محتاج فریادی پناہ کا خواستگار' خائف ڈرنے والا' اپنے گناہ کا اقرار کرنے والا تجھ سے مسکین کی طرح سوال کرتا ہوں اور ذلیل گناہ گار کی طرح آہ و زاری کرتا ہوں' اور تجھ سے خوفزدہ ضرر یافتہ شخص کی طرح دعا کرتا ہوں' اور اس شخص کی طرح دعا کرتا ہوں جس کی گردن تیرے لئے جھکی ہو' اور جس کے آنسو تیرے لئے بہے ہوں اور جس کا جسم تیری خاطر ذلیل ہوا ہو' اور جس کی ناک تیرے لئے خاک آلود ہوئی ہو اے اللہ تو مجھے اپنے پکارنے میں محروم مت کر اور مجھ پر مہربان ہو اے بہتر ان لوگوں سے جن سے مانگا جائے' اور دینے والوں میں زیادہ سخی' اے اللہ' جو شخص تیرے سامنے اپنی مداح سرائی کرے سو کرے میں تو اپنے نفس کی ملامت کرنے والا ہوں' اے اللہ! گناہوں نے میری زبان بند کردی ہے' میرے پاس عمل کا کوئی وسیلہ نہیں ہے' اور عمل کے علاوہ کوئی چیز شفاعت کرنے والی نہیں ہے' اے اللہ میں جانتا ہوں کہ میرے گناہوں سے تیرے نزدیک میری کوئی وقعت باقی نہیں رکھی ہے' اور نہ عذر کی کوئی گنجائش چھوڑی ہے' لیکن تو اکرم الاکرمین ہے' اے اللہ! اگرچہ میں تیری رحمت تک پہنچنے کا اہل نہیں ہوں لیکن تیری رحمت تو ایسی ہے کہ مجھ تک پہنچ جائے تیری رحمت ہر چیز پر حاوی ہے' اور میں ایک چیز ہی تو ہوں' اے اللہ! میرے گناہ اگرچہ بہت بڑے ہیں' لیکن تیرے عفو و کرم کے مقابلے میں بہت چھوٹے ہیں' اے کریم میرے گناہ معاف کر اے اللہ! تو تو ہے' اور میں میں ہوں' میں بار بار گناہ کرنے والا ہوں اور تو بار بار معاف کرنے والا ہے' اے اللہ! اگر آپ صرف فرمانبرداروں پر رحم کرینگے تو گناہ گار کس سے فریاد کرینگے۔ اے اللہ! میں تیری اطاعت سے قصداً علیحدہ رہا اور تیری نافرمانی پر دانستہ متوجہ رہا پاک ہے تو تیری حجت مجھ پر کتنی بڑی ہے اور تیرا عفو درگزر مجھ پر کتنا بڑا کرم ہے پس جس صورت میں کہ تیری حجت مجھ پر لازم ہوئی اور

میری حجت منقطع ہوئی اور تیری طرف میری احتیاج واضح ہوئی' اور مجھ سے تیری بے نیازی ثابت ہوئی تو اب میری مغفرت کر ہی دیجئے۔ اے ان لوگوں سے بہتر جنہیں کوئی پکارنے والا پکارے اور جن سے کوئی امید باندھنے والا امید باندھے میں اسلام کی عظمت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے درخواست کرتا ہوں میرے تمام گناہ معاف فرما' اور مجھے میرے اس کھڑے ہونے کی جگہ سے حاجتیں پوری کر کے واپس کر' اور جو کچھ میں نے مانگا ہے مجھے عطا کر' میری امیدیں پوری فرما' اے اللہ! میں نے تجھ سے وہ دعا مانگی ہے جو تو نے مجھے سکھلائی ہے' مجھے اس امید سے محروم نہ کر جو تو نے مجھے بتلائی ہے' اے اللہ تو آج رات اس بندے کے ساتھ کیا معاملہ کریگا جو تیرے سامنے اپنے گناہ کا اعتراف کر رہا ہو' اور تیرے سامنے ذلیل ہو رہا ہو' اپنے گناہ کی وجہ سے مسکین بنا ہوا ہو' اور اپنے عمل سے تیرے تضرع کر رہا ہو' اور اپنے گناہوں سے توبہ کر رہا ہو' اپنے ظلم کی معافی چاہ رہا ہو اور اپنی بخشش کیلئے گریہ وزاری کر رہا ہو اپنی حاجتوں کی تکمیل کے لئے تیری جستجو کر رہا ہو' اپنے کھڑے ہونے کی جگہ میں تجھ سے گناہوں کی کثرت کے باوجود آس لگائے ہوئے ہو' اے ہر زندہ کی پناہ گاہ اور ہر مسلمان کے ولی! جو اچھے عمل کرتا ہے وہ تیری رحمت سے کامراں ہوتا ہے' اور جو گناہ کرتا ہے وہ اپنی غلطی کی وجہ سے ہلاک ہوتا ہے' اے اللہ! ہم تیری طرف نکلے' تیرے صحن میں پڑاؤ ڈالا تجھ ہی سے امید باندھی' اور جو تیرے پاس ہے اسکی درخواست کی' تیرے احسان کے درپے ہوئے' تیری رحمت کی امید کی' تیرے عذاب سے ڈرے' گناہوں کا بوجھ لیکر تیری طرف بھاگے' تیرے مقدس گھر کا حج کیا اے وہ ذات جو مانگنے والوں کے دلوں کی ضرورتوں کا مالک ہے' اور خاموش رہنے والوں کی بات جانتا ہے' اے وہ ذات جسکے ساتھ کوئی دوسرا رب نہیں کہ اسے پکارا جائے اے وہ ذات جسکے بالاتر کوئی خالق نہیں کہ اس سے ڈرا جائے اور وہ ذات جس کا کوئی وزیر نہیں کہ اسکے پاس جایا جائے' اور نہ اسکا کوئی دربان ہے جسکو رشوت دیجائے اے وہ ذات کہ سوال کی کثرت پر جس کا جود وکرم زیادہ ہی ہوتا ہے' اور ضرورتوں کی کثرت پر جسکا فضل واحسان ہی زیادہ ہوتا ہے' اے اللہ! تو نے ہر مہمان کے لئے ایک دعوت طے کی ہے ہم تیرے مہمان ہیں تو ہماری دعوت اپنی طرف سے جنت میں کردے اے اللہ ہر آنیوالے کے لئے ایک صلہ ہے' اور ہر زائر کے لئے ایک عظمت ہے ہر مانگنے والے کیلئے ایک عطا ہے' ہر امیدوار کیلئے اجر وثواب ہے' جو کچھ تیرے پاس ہے اسکے مانگنے والے کیلئے ایک عوض ہے' ہر طالب رحمت کے لیے تیرے پاس رحمت ہے اور تیری طرف رغبت کرنیوالے کے لیے ایک قربت ہے اور تیرے سامنے وسیلہ پکڑنیوالے کے لئے عفو ودرگزر ہے ہم تیرے مقدس گھر آئے ہیں' اور ان مقدس مقامات پر کھڑے ہوئے ہیں' اور ہم نے ان مبارک مناظر کا مشاہدہ کیا ہے اس چیز کی امید میں جو تیرے پاس ہے پس ہماری امید کو رائیگاں مت کر' اے اللہ! تو نے اتنی نعمتیں عطا کی ہیں کہ نعمتوں کے تسلسل سے نفس مطمئن ہو گیا ہے' اور تو نے عبرت کے اتنے مقام ظاہر کئے ہیں کہ خاموش چیزیں تیری حجت پر گویا ہو گئی ہیں' تو نے اس قدر احسانات کئے ہیں کہ تیرے دوستوں نے تیرا حق ادا کرنے میں کوتاہی کا اعتراف کر لیا ہے' تو نے اس قدر نشانیاں ظاہر کی ہیں کہ آسمان اور زمین تیری دلیلیں بیان کرنے لگے ہیں' تو نے اپنی قدرت سے اس طرح دبایا کہ ہر چیز تیری عزت کے سامنے دب گئی' اور سب چہرے تیری عظمت کے سامنے جھک گئے' جب تیرے بندے غلطی کرتے ہیں تو حلم کرتا اور مہلت دیتا ہے' اور جب اچھا عمل کرتے ہیں تو تو فضل کرتا ہے اور قبول کرتا ہے' اور اگر وہ نافرمانی کرتے ہیں' تو تو پردہ پوشی کرتا ہے' اور اگر وہ گناہ کرتے ہیں تو تو معاف کرتا ہے' اور مغفرت فرماتا ہے اور جو ہم تجھ سے دعا کرتے ہیں اور تجھے

پکارتے ہیں تو تو سنتا ہے' اور جب ہم تیری طرف متوجہ ہوتے ہیں تو ہمارے قریب ہوتا ہے' اور جب ہم تجھ سے اعراض کرتے ہیں تو تو ہمیں بلاتا ہے' اے اللہ تو نے اپنی کتاب مبین میں خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا ہے۔ "آپ کافروں سے کہہ دیجئے کہ اگر وہ باز آجائیں تو ان کے پچھلے گناہ معاف کردیئے جائیں گے" اس صورت میں انکار کے بعد کلمۂ توحید کے اقرار نے تجھے راضی کیا ہم تو تیری وحدانیت کی شہادت عاجزی کے ساتھ دیتے ہیں' اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت اخلاص کے ساتھ دیتے ہیں' اس شہادت کے طفیل میں ہمارے پچھلے جرم معاف کردے' اور اس میں ہمارا حصہ ان لوگوں کے حصے کے مقابلے میں کم نہ کر جو نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہیں' اے اللہ! تو یہ بات پسند کرتا ہے کہ تیری قربت اپنے مملوکہ غلام آزاد کرکے حاصل کی جائے' حالانکہ ہم تیرے غلام ہیں اور تو زیادہ فضل کرسکتا ہے اس لئے ہمیں آزاد کر' تو نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اپنے فقراء پر صدقہ کریں ہم تیرے فقیر ہیں اور تو زیادہ احسان کرنیوالا ہے اس لئے ہم پر صدقہ کر' تو نے ہمیں یہ وصیت کی ہے کہ جو ہم پر ظلم کرے ہم اسے معاف کریں' ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے' اور تو زیادہ کرم کرنے والا ہے اسلئے ہمیں معاف کردے۔ اے ہمارے رب ہماری مغفرت فرما' ہم پر رحم کر' تو ہمارا آقا ہے' اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھلائی عطا کر اور اپنی رحمت سے ہمیں دوزخ کی آگ سے بچا۔

اس موقعہ پر دعائے خضر علیہ السلام بھی کثرت سے پڑھتا رہے۔ وہ دعا یہ ہے:

یَامَنْ لَّا یَشْغُلُهٗ شَانٌ عَنْ شَانٍ وَّلَا سَمْعٌ عَنْ سَمْعٍ وَلَا تَشْتَبِهُ عَلَیْهِ اللُّغَاتُ یَامَنْ لَّا یُبْرِمُهٗ اِلْحَاحُ الْمُلِحِّیْنَ وَلَا تُضْجِرُهٗ مَسْئَلَةُ السَّائِلِیْنَ اَذِقْنَا بَرْدَ عَفْوِكَ وَحَلَاوَةَ مُنَاجَاتِكَ۔

اے وہ ذات جسے ایک حال دوسرے حال سے نہیں روکتا اور ایک عرض سننا دوسری عرض سننے سے نہیں روکتا اور نہ اس پر آوازیں مشتبہ ہوتی ہیں' اے وہ ذات جسے اصرار کرنے والوں کا اصرار بددل نہیں کرتا' اور نہ اسے سوال کرنے والوں کا سوال پریشان کرتا ہے ہمیں اپنے عفو کی ٹھنڈک عطا کر اور اپنی مناجات کی حلاوت کا ذائقہ چکھا۔

ان دعاؤں کیساتھ ساتھ اپنے لئے اپنے والدین کے لئے اور تمام مومنین اور مومنات کے لئے دعائے مغفرت کرے اور دعا میں زیادہ سے زیادہ الحاح کرے' اور بڑی سے بڑی چیز مانگے اسلئے کہ اللہ کے سامنے کوئی چیز بڑی نہیں ہے' مطرف ابن عبداللہ نے عرفہ میں قیام کے دوران دعا کی کہ اے اللہ! تو میری وجہ سے تمام لوگوں کی دعائیں رد مت کرنا! بکر المزنیؒ نے ایک شخص کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جب میں نے اہل عرفات کو دیکھا تو یہ گمان کیا کہ اگر اس مجمع میں میرا وجود نہ ہوتا تو ان سب لوگوں کی بخشش یقینی تھی۔

وقوف کے بعد اعمال حج : جب غروب آفتاب سے واپسی ہو تو یہ واپسی پورے وقار اور سکون کے ساتھ ہو' گھوڑے یا اونٹ کو دوڑانے کی ضرورت نہیں ہے' جیسا کہ بعض لوگ واپسی میں جلدی کی غرض سے ایسا کرتے ہیں' حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے اور اونٹ کو دوڑانے سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد ہے۔

اتقوا اللہ وسیروا سیرا جمیلا لا تطئوا ضعیفا ولا توذوا مسلما (۱)

---

(۱) (اسامہ ابن زیدؓ سے روایت نسائی اور حاکم میں ہے' اس روایت میں بھی ہے "علیکم بالسکینة والوقار فان البر لیس فی ایضاع الابل" حاکم کی روایت کے الفاظ ہیں "لیس البر بایجاف الخیل والابل" بخاری میں ابن عباسؓ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں۔ "فان البر لیس بالایضاع۔")

اللہ سے ڈرو اور اچھی طرح چلو نہ کسی ضعیف کو روندو اور نہ کسی مسلمان کو تکلیف پہنچاؤ۔

عرفات سے واپسی پر جب مزدلفہ پہنچا ہو تو پہلے غسل کرے، مزدلفہ حرم ہے، اس میں نہا کر داخل ہونا چاہیے، اگر مزدلفہ میں پیدل چل کر داخل ہونا ممکن ہو تو پیدل ہی چلے، یہی افضل ہے، اور حرم کی عظمت کا تقاضہ بھی یہی ہے، راستہ میں بلند آواز کے ساتھ تلبیہ کہتا رہے، جب مزدلفہ پہنچ جائے تو یہ دعا کرے:

اَللّٰهُمَّ اِنَّ هٰذِهِ مُزْدَلِفَةٌ جَمَعْتَ فِيْهَا الْسِنَةً مُخْتَلِفَةً نَسْأَلُكَ حَوَائِجَ مُؤْتَنِفَةً فَاجْعَلْنِيْ مِمَّنْ دَعَاكَ فَاسْتَجَبْتَ لَهُ وَتَوَكَّلَ عَلَيْكَ فَكَفَيْتَهُ

اے اللہ! یہ مزدلفہ ہے اسمیں تو نے مختلف زبان والوں کو جمع کردیا ہے، ہم تجھ سے از سر نو اپنی حاجتیں مانگتے ہیں، مجھے ان لوگوں میں سے بنا۔ جنہوں نے تجھ سے دعا کی تو تو نے قبول کی، اور جنہوں نے تجھ پر بھروسہ کیا تو تو انکے لئے کافی ہو گیا۔

پھر مزدلفہ میں عشا اور مغرب کی نماز قصر ایک اذان اور دو اقامتوں سے عشا کے وقت میں ادا کرے، دونوں فرض نمازوں کے درمیان کوئی نفل نہ پڑھے، مگر مغرب اور عشا کی نفلیں اور وتر دونوں فرضوں کے بعد ادا کرے، پہلے مغرب کی نفلیں پڑھے، پھر عشاء کی نوافل اور وتر ادا کرے، سفر میں نوافل کا ترک کرنا گھاٹے کا سودا ہے، لیکن ان کی ادائیگی کے لئے اوقات کی پابندی کا حکم دینا بھی ضرر سے خالی نہیں ہے، جس طرح ایک تیمم سے فرائض کیساتھ نوافل کا ادا کرنا درست ہے، اسی طرح جمع کے لحاظ سے فرضوں کی تبعیت میں انکا ادا کرنا بطریق اولیٰ درست ہونا چاہیے، اسلئے دونوں فرض نمازوں سے فارغ ہونے کے بعد نوافل ادا کرنا صحیح ہے، یوں بھی نوافل کے احکام فرضوں کے احکام سے جدا ہوتے ہیں، مثلاً یہ کہ نوافل سواری پر بھی ادا کئے جاسکتے ہیں، ۔۔اس رات مزدلفہ میں قیام کرے، رات کو مزدلفہ میں قیام کرنا حج کے اعمال میں سے ہے، اگر کوئی شخص رات کے ابتدائی حصے میں یا آدھی رات سے قبل مزدلفہ سے چلا جائے گا، اور رات میں وہاں قیام نہیں کرے گا تو اس پر دم لازم آئے گا، مزدلفہ میں قیام کی رات کو بقدر طاقت عبادات سے زندہ رکھنا بڑے ثواب کا عمل ہے پھر جب رات آدھی گزر جائے تو سفر کی تیاری کرے، اور رمی جمار کے لئے یہاں کنکریں اٹھائے، اور ستر کنکریں لے، اسلئے کہ تقریباً اتنی ہی تعداد جمرات کیلئے ضروری ہوگی لیکن اگر کنکریوں کے گرنے اور ضائع ہونے کا خوف ہو تو زیادہ بھی لے سکتا ہے، یہ کنکریاں اتنی چھوٹی ہونی چاہئیں کہ انگلیوں کے پوروں میں سما سکیں، پھر غلس میں (صبح کی سفیدی ظاہر ہونے سے پہلے) فجر کی نماز پڑھے، اور روانہ ہو جائے، جب مشعر حرام پر جو مزدلفہ کا آخری حصہ ہے پہنچے تو وہاں ٹھہر جائے اور اسفار تک دعاؤں میں مشغول رہے اس موقع پر یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ بِحَقِّ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَالْبَيْتِ الْحَرَامِ وَالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالرُّكْنِ وَالْمَقَامِ اَبْلِغْ رُوْحَ مُحَمَّدٍ مِّنَّا التَّحِيَّةَ وَالسَّلَامَ وَاَدْخِلْنَا دَارَ السَّلَامِ يَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ

اے اللہ! مشعر حرام، خانہ کعبہ، شہر حرام، رکن اور مقام کے طفیل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک کو ہماری طرف سے سلام پہنچا، اور اے بزرگی و عظمت والے ہمیں سلامتی کے گھر (جنت) میں داخل فرما۔

آفتاب نکلنے سے پہلے مشعر حرام سے روانہ ہو جائے، اور جب اس جگہ پہنچے جسے وادیٔ محسّر کہتے ہیں تو مستحب یہ ہے کہ اپنی سواری کو تیزی سے آگے بڑھائے تاکہ یہ میدان طے ہو جائے، اگر پیادہ پا ہو تو تیز تیز قدم اٹھا کر چلے، یوم النحر کی صبح سے تلبیہ کے ساتھ ساتھ تکبیرات بھی کہتا رہے، یعنی کبھی تلبیہ کہے، اور کبھی تکبیرات کہے، یہ سفر منیٰ پر ختم ہو، راستے میں جمرات بھی آئیں گے، یہ تین جمرات ہیں، حاجی کو چاہیے کہ پہلے اور دوسرے جمرے پر رکے بغیر آگے بڑھ جائے، اس لئے کہ پہلے اور دوسرے جمرے پر دسویں تاریخ کو کوئی کام نہیں ہے، جمرے عقبہ پر پہنچ کر کنکریں مارے، یہ جمرہ قبلے رو کھڑے ہونے والے شخص کے دائیں طرف راستے میں پہاڑ کے نیچے واقع ہے، کنکریاں مارنے کی جگہ کچھ بلند ہے، اور کنکریوں کے ڈھیر سے اس جگہ کا تعین ہو جاتی ہے، کنکریاں

مارنے کا عمل اس وقت شروع کرے جب آفتاب بقدر نیزہ اوپر ہو جائے' اس عمل کا طریقہ یہ ہے کہ قبلہ کی طرف رخ کرکے کھڑا ہو' اور اگر کوئی شخص جمرہ ہی کی طرف اپنا رخ کرے تب بھی کوئی حرج نہیں ہے' سات کنکریں ہاتھ اٹھا کر مارے' اور تلبیہ کے بجائے تکبیرات کہے' ہر کنکری کے ساتھ یہ دعا بھی پڑھے۔

اَللّٰهُ اَكْبَرُ عَلٰى طَاعَةِ الرَّحْمٰنِ وَرَغْمِ الشَّيْطَانِ اَللّٰهُمَّ تَصْدِيْقًا بِكِتَابِكَ وَاتِّبَاعًا لِسُنَّةِ نَبِيِّكَ

اللہ بہت بڑا ہے' میں اللہ کی اطاعت پر اور شیطان کی ذلت کے لئے کنکر مارتا ہوں' اے اللہ! تیری کتاب کی تصدیق کے لئے یہ عمل کرتا ہوں۔

رمی جمار سے فارغ ہونے کے بعد تکبیر تلبیہ موقوف کردے' البتہ دسویں تاریخ کی ظہر سے تیرھویں تاریخ کی صبح کے بعد تک فرض نمازوں کے بعد کہتا رہے' فرض نمازوں کے بعد تکبیر ان الفاظ میں کہے۔

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ صَدَقَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ۔

اللہ بہت بڑا ہے' اللہ بہت بڑا ہے' اللہ بہت بڑا ہے' اللہ کے حمد بے پایاں ہے' پاک ہے اللہ کی یاد صبح و شام' اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' وہ تنہا ہے اسکا کوئی شریک نہیں ہے' خالص کرکے اسکے لئے بندگی چاہے کافر برا مانیں' اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' وہ تنہا ہے' اس نے اپنا وعدہ پورا کیا ہے' اپنے بندے کی مدد' اور کافروں کے گروہوں کو تنہا شکست دی' اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اللہ بہت بڑا ہے۔

اگر حاجی کے ساتھ ہدی بھی ہو تو اسکو ذبح کرے' اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا افضل ہے ذبح کے وقت یہ دعا پڑھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَبِكَ وَاِلَيْكَ تَقَبَّلْ مِنِّيْ كَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ خَلِيْلِكَ اِبْرَاهِيْمَ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے اور اللہ بہت بڑا ہے' اے اللہ یہ قربانی تیری طرف سے عطا ہے' تیری ہی وجہ سے ہے' تیرے ہی لئے ہے' جس طرح تو نے اپنے دوست ابراہیم کی طرف سے قربانی قبول فرمائی اسی طرح میری طرف سے بھی قبول فرما۔

اونٹ کی قربانی افضل ہے اسکے بعد گائے کی اور پھر بکری کی' اگر ایک اونٹ یا گائے میں شرکت ہو تو ایک بکری کی قربانی افضل ہے' بکری کے مقابلے میں دنبہ افضل ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

خیر الاضحیۃ الکبش الاقرن (ابوداؤد۔ عبادہ ابن الصامتؓ ترمذی ابن ماجہ ابوامامہؓ)

بہترین قربانی سینگ دار مینڈھا ہے۔

سفید رنگ کا جانور بھورے یا سیاہ رنگ کے جانور سے افضل ہے' حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ قربانی کا ایک سفید دنبہ دو سیاہ دنبوں سے افضل ہے ہدی اگر نفل کی نیت سے ہو تو اس کا گوشت کھالے' عیب رکھنے والے جانور کی قربانی نہ کرے' مثلاً یہ کہ جانور لنگڑا ہو' ناک یا کان کٹا ہوا ہو' کان کا اوپر یا نیچے کا حصہ کٹا ہوا ہو' سینگ ٹوٹے ہوئے ہوں' اگلا پاؤں چھوٹا ہو' خارش میں مبتلا ہو' کان کے اگلے یا پچھلے حصے میں سوراخ ہو' اتنا دبلا ہو کہ ہڈیوں میں گودا باقی نہ رہا ہو۔

قربانی سے فراغت کے بعد بال منڈائے' حلق کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ قبلہ رو ہو کر بیٹھے' اور سر کے اگلے حصے سے شروع

کرے، اور دائیں طرف کے بال گدی کی ابھری ہوئی ہڈیوں تک منڈوائے، پھر باقی سر منڈوائے، اور یہ دعا پڑھے:۔

اَللّٰھُمَّ اَثْبِتْ لِیْ بِکُلِّ شَعْرَۃٍ حَسَنَۃً وَامْحُ عَنِّیْ بِھَا سَیِّئَۃً وَارْفَعْ لِیْ بِھَا عِنْدَکَ دَرَجَۃً

اے اللہ! میرے لئے ہربال کے عوض ایک نیکی ثابت کر، اور ہربال کے عوض مجھ سے ایک برائی مٹا، اور ہربال کے عوض اپنے نزدیک میرا ایک درجہ بڑھا۔

عورت اپنے بالوں کو تھوڑا سا کاٹ دے، گنجے کو اپنے سر پر استرا پھیر لینا چاہیے۔ رمی جمرہ کے بعد سر منڈا لینے سے حلال ہونے کا پہلا مرحلہ تمام ہوجاتا ہے، اب حاجی کیلئے عورتوں اور شکار کے علاوہ باقی تمام ممنوعہ امور کی اجازت ہوگی۔ پھر مکہ مکرمہ حاضری دے، اور ہمارے بیان کردہ طریقے کے مطابق طواف کرے، یہ طواف حج کا اہم رکن ہے، اسے طواف زیارت بھی کہتے ہیں، طواف زیارت کا وقت یوم النحر کی رات کے نصف آخر سے شروع ہوتا ہے، اور افضل وقت یوم النحر ہے، طواف زیارت کا آخری وقت کوئی نہیں، بلکہ جب چاہے یہ رکن ادا کرے، لیکن جب تک یہ طواف ادا نہیں ہوگا، احرام کی متعلقہ پابندی باقی رہے گی۔ یعنی عورت حلال نہیں ہوگی، طواف کے بعد حلال ہونے کا دوسرا مرحلہ تمام ہوجاتا ہے، یعنی جماع جائز ہوجاتا ہے، اب صرف ایام تشریق کی رمی، اور منیٰ میں شب گزاری باقی رہی، یہ دونوں امر زوال احرام کے بعد حج کی اتباع کے طور پر واجب ہیں۔ طواف زیارت کے ساتھ دو رکعت نماز بھی ادا کرے، طواف اور نماز کا طریقہ طواف قدوم کے بیان میں لکھ چکے ہیں اگر طواف قدوم کے بعد سعی نہ کی ہو تو طواف زیارت کے بعد سعی کرے، لیکن اگر کرلی ہو تو اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔ حلال ہونے کے تین اسباب ہیں، کنکریاں مارنا، سر منڈانا اور طواف رکن کرنا۔ جب ان تینوں میں سے دو ادا کرلیئے جائیں تو ایک حلت حاصل ہوجائے گی، ان تینوں امور میں اور ذبح میں تقدیم و تاخیر کی گنجائش ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ پہلے کنکریں مارے پھر ذبح کرے، پھر سر منڈائے پھر طواف کرے۔

امام کے لئے مسنون طریقہ یہ ہے کہ زوال کے بعد خطبہ دے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی آج کے دن خطبہ پڑھا تھا، یہ خطبۃ الوداع کہلاتا ہے۔ (۱) حج میں چار خطبے ہیں، ایک ساتویں تاریخ کو، ایک نویں کو، ایک دسویں کو اور ایک بارہویں تاریخ کو یہ چاروں خطبے زوال کے بعد دیئے جاتے ہیں، عرفہ کے خطبے کے علاوہ تمام خطبے تعداد میں ایک ہیں جب کہ عرفہ کے خطبے دو ہیں، ان دونوں کے درمیان امام کچھ دیر کے لئے بیٹھتا ہے۔

جب طواف سے فارغ ہوجائے تو شب گزاری اور رمی جمار کے لئے منیٰ لوٹ آئے، اور وہ رات منیٰ میں گزارے، اس رات کو لیلۃ القریعنی قرار کی رات کہتے ہیں، کیوں کہ لوگ اس رات کی صبح بھی منیٰ ہی میں قیام کرتے ہیں، واپس نہیں ہوتے، جب عید کا دوسرا دن ڈھل جائے تو رمی جمار کے لئے غسل کرے، اور پہلے جمرے کی طرف روانہ ہو، یہ جمرہ عرفات سے واپسی پر پہلے پڑتا ہے، اور سڑک کی دائیں جانب واقع ہے۔ یہاں پہنچ کر سات کنکریاں مارے، جب اس جمرہ سے تھوڑا آگے بڑھ جائے تو راستہ سے الگ ہٹ کر قبلہ کی جانب رخ کرے، اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرے، تہلیل و تکبیر کہے، حضور قلب اور خشوع و خضوع کے ساتھ اتنی دیر دعا مانگے، جتنی دیر سورۃ بقرہ کی تلاوت کی جاتی ہے، پھر درمیانی جمرہ کی طرف بڑھے، اور اسے بھی سات کنکریں مارے اور آگے بڑھ کر اتنی دیر ٹھہرے جتنی دیر پہلے جمرہ پر ٹھہرا تھا۔ اور وہی عمل کرے جو وہاں کیا تھا اسکے بعد جمرہ عقبہ کی طرف جائے، اور سات کنکریاں مارے، رمی جمار سے فراغت کے بعد اب کوئی کام نہ کرے بلکہ اپنے قیام کی جگہ لوٹ جائے، اور رات وہیں بسر کرے، اس رات کو نفر اولیٰ کی رات کہتے ہیں، بارھویں تاریخ کو نماز ظہر کے بعد پہلے دن کی طرح تینوں جمروں پر اکیس کنکریاں مارے اس کے بعد اختیار ہے چاہے منیٰ میں قیام کرے اور چاہے مکہ واپس ہوجائے، اب اگر سورج غروب ہونے سے پہلے منیٰ سے روانہ ہوگیا تو ٹھیک ہے،

---

(۱) بخاری ابو بکرہؓ۔ ابن ماجہ۔ ابن عمرؓ

لیکن اگر سورج نکلنے تک ٹھہرا رہا تو اب وہاں رات بھر قیام ضروری ہے' نہ صرف قیام بلکہ اگلی صبح کو پچھلے دو دنوں کی طرح اکیس کنکریاں مارنا بھی ضروری ہے اگر سورج غروب ہونے کے بعد روانہ ہوا' یعنی رات نہیں گزاری اور رمی جمار کی تو دم لازم آئے گا۔ اسکا گوشت صدقہ کردینا چاہیے۔ منیٰ میں شب گزاری کے زمانے میں خانہ کعبہ کی زیارت کی جاسکتی ہے' لیکن شرط یہ ہے کہ پھر منیٰ واپس ہوجائے اور رات کو یہیں قیام کرے' سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کیا کرتے تھے (ابوداؤد۔ طاؤس مرسلاً ابن عدی)۔

منیٰ میں قیام کے دوران فرض نمازیں مسجد خیف میں امام کے ساتھ ادا کرے' اس کا بڑا اجر و ثواب ہے' جب منیٰ سے مکہ جائے تو محصب میں قیام کرنا افضل ہے' عصر' مغرب اور عشاء کی نمازیں بھی وہاں ادا کرے' اور کچھ دیر آرام کرے' یہ سنت ہے' بہت سے صحابہؓ نے آپ کا یہ عمل روایت کیا ہے' (ابوداؤد۔ عائشہ) لیکن اگر آرام نہ کرے تو کسی قسم کا کوئی کفارہ واجب نہ ہوگا۔

عمرہ کا طریقہ : جو شخص حج سے پہلے یا حج کے بعد عمرہ کرنا چاہے تو اسے چاہیے کہ پہلے غسل کرے اور احرام پہنے' غسل اور احرام پہننے کا طریقہ حج کے بیان میں گزرچکا ہے' عمرہ کا احرام عمرہ کے میقات سے باندھنا چاہیے' عمرہ کے لئے افضل ترین میقات جعرانہ ہے' پھر تنعیم ہے' پھر حدیبیہ ہے' احرام کے وقت عمرہ کی نیت کرے' تلبیہ کہے' اور حضرت عائشہؓ کی مسجد میں جاکر دو رکعت نماز ادا کرے' اور دعا مانگے' پھر تلبیہ کہتا ہوا مکہ واپس آئے' اور مسجد حرام میں حاضر ہو' مسجد حرام میں داخل ہونے کے بعد تلبیہ ترک کردے' سات مرتبہ طواف کرے' اور سات بار سعی کرے' طواف اور سعی سے فراغت کے بعد حلق کرائے اس عمل کے بعد عمرہ مکمل ہوجائے گا۔

مکہ مکرمہ میں رہنے والے شخص کو چاہیے کہ وہ زیادہ سے زیادہ عمرے کرے' اور بکثرت خانہ کعبہ کی زیارت کی سعادت حاصل کرے' خانہ کعبہ میں داخل ہونے کے بعد دونوں ستونوں کے درمیان دو رکعت نماز پڑھے' کعبہ میں ننگے پاؤں ادب اور وقار کے ساتھ داخل ہو۔ ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ کیا آپ آج خانہ کعبہ میں تشریف لے گئے تھے؟ فرمایا! خدا کی قسم! میں تو اپنے ان قدموں کو اس قابل ہی نہیں سمجھتا کہ وہ اس مقدس گھر کا طواف کریں' اور اس ارض پاک کو روندیں' میں جانتا ہوں یہ قدم کہاں کہاں گئے ہیں' زمزم کثرت سے پینا چاہیے' اور اگر یہ ممکن ہو کہ کنویں سے کسی دوسرے کی مدد کے بغیر زمزم نکال سکے تو یہ زیادہ افضل ہے' زمزم اتنا زیادہ پئے کہ خوب سیراب ہوجائے' اس موقعہ پر یہ دعا پڑھے:۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ شِفَاءً مِنْ کُلِّ دَاءٍ وَسُقْمٍ وَارْزُقْنِی الْاِخْلَاصَ وَالْیَقِیْنَ وَالْمُعَافَاۃَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ

اے اللہ! اس پانی کو ہر مرض اور بیماری کے لئے شفا بنا' اور مجھے دنیا و آخرت میں اخلاص یقین اور عافیت عطا کر۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زمزم کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

ماء زمزم لما شرب لہ زمزم کا پانی اس مقصد کے لئے ہے جس کے لئے وہ پیا جائے (ابن ماجہ۔ جابرؓ۔ ضعیف)۔

طواف وداع : حج اور عمرہ کے بعد جب وطن واپس ہونے کا ارادہ ہو تو سفر کی تمام تیاریاں مکمل کرے اور آخر میں خانہ کعبہ سے رخصت ہو' خانہ کعبہ سے رخصت ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ مزکورہ بالا تفصیل کے مطابق طواف کرے' لیکن اس طواف میں رمل اور اضطباع نہ کرے' طواف سے فارغ ہونے کے بعد مقام کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھے' زمزم کا پانی پیئے' اور ملتزم پر حاضر ہوکر دعا کرے:۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّ الْبَیْتَ بَیْتُکَ وَالْعَبْدَ عَبْدُکَ وَابْنُ عَبْدِکَ وَابْنُ اَمَتِکَ حَمَلْتَنِیْ عَلٰی

مَاسَخَّرْتَ لِيْ مِنْ خَلْقِكَ حَتّٰى سَيَّرْتَنِيْ فِيْ بِلَادِكَ وَبَلَّغْتَنِيْ بِنِعْمَتِكَ حَتّٰى أَعَنْتَنِيْ عَلٰى قَضَاءِ مَنَاسِكِكَ فَإِنْ كُنْتَ رَضِيْتَ عَنِّيْ فَازْدَدْ عَنِّيْ رِضًى وَإِلَّا فَمُنَّ الْآنَ قَبْلَ تَبَاعُدِيْ عَنْ بَيْتِكَ هٰذَا أَوَانُ انْصِرَافِيْ إِنْ أَذِنْتَ لِيْ غَيْرَ مُسْتَبْدِلٍ بِكَ وَلَا بِبَيْتِكَ وَلَا رَاغِبٍ عَنْكَ وَلَا عَنْ بَيْتِكَ اَللّٰهُمَّ أَصْحِبْنِي الْعَافِيَةَ فِيْ بَدَنِيْ وَالْعِصْمَةَ فِيْ دِيْنِيْ وَاَحْسِنْ مُنْقَلَبِيْ وَارْزُقْنِيْ طَاعَتَكَ أَبَدًا مَا أَبْقَيْتَنِيْ وَاجْمَعْ لِيْ خَيْرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ إِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ هٰذَا آخِرَ عَهْدِيْ بِبَيْتِكَ الْحَرَامِ وَإِنْ جَعَلْتَهُ آخِرَ عَهْدِيْ فَعَوِّضْنِيْ عَنْهُ الْجَنَّةَ۔

اے اللہ! یہ گھر تیرا گھر ہے' اور یہ بندہ تیرا بندہ ہے تیرے بندے کا بیٹا ہے' تیری باندی کا بیٹا ہے' تو نے مجھے اس پر سوار کیا جسے تو نے میرے لئے اپنی مخلوق میں سے مسخر کیا ہے' یہاں تک کہ تو نے مجھے اپنے شہروں میں پھرایا' اور اپنی نعمت سے مجھے پہنچایا' یہاں تک کہ تو نے اپنے حج کے افعال ادا کرنے پر میری مدد کی اگر تو مجھ سے راضی ہوا ہے تو اور زیادہ راضی ہو جا' ورنہ اپنے گھر سے دور ہونے سے پہلے پہلے مجھ پر احسان کر' میری واپسی کا وقت آگیا ہے اگر تو مجھے اجازت دے اس حال میں کہ تیرے عوض کسی دوسرے کو اختیار نہ کروں اور نہ تیرے گھر کے عوض کوئی دوسرا گھر اختیار کروں اور نہ تجھ سے اعراض کروں اور نہ تیرے گھر سے اعراض کروں' اے اللہ! مجھے بدن کی صحت اور دین کی سلامتی عطا کر' میری واپسی بہتر فرما' مجھے جب تک زندہ رہوں اپنی اطاعت نصیب کر۔ میرے لئے دنیا اور آخرت کی بھلائی جمع کر' بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے' اے اللہ! میری اس زیارت کو آخری زیارت مت بنا' اور اگر تو اسے آخری بنائے تو مجھے اس کے بدلے میں جنت عطا کر۔

مدینہ منورہ کی زیارت۔ آداب و فضائل

: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

من زارني بعد وفاتي فكأنما زارني في حياتي (طبرانی' دار قطنی۔ ابن عمرؓ)

جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی اس نے گویا میری زندگی میں میری زیارت کی۔

ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

من وجد سعة ولم يفد إلي فقد جفاني (ابن عدی' دار قطنی' ابن حبان۔ ابن عمرؓ)

جو شخص وسعت کے باوجود میرے پاس نہ آئے اس نے مجھ پر ظلم کیا۔

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا:۔

من جاءني زائرا لا يهمه إلا زيارتي كان حقا على الله سبحانه أن أكون له شفيعا (طبرانی۔ ابن عمرؓ)

جو شخص میرے پاس زیارت کے لیے آئے اور اسے میری زیارت کے علاوہ کوئی دوسرا فکر نہ ہو تو اللہ سبحانہ پر حق ہے کہ میں اس کا سفارشی بنوں۔

جو شخص مدینہ منورہ کی زیارت کے لیے سفر کرے اسے راستے میں بکثرت درود پڑھنا چاہیے' جب مدینہ منورہ کی عمارتوں اور

درختوں پر نظر پڑے تو یہ الفاظ بکثرت کہے۔

اَللّٰهُمَّ هٰذَا حَرَمُ رَسُوْلِكَ فَاجْعَلْهُ لِيْ وِقَايَةً مِّنَ النَّارِ وَاَمَانًا مِّنَ الْعَذَابِ وَسُوْءِ الْحِسَابِ

اے اللہ! یہ تیرے رسول کا حرم ہے' اسے میرے لیے آگ سے نجات' اور عذاب و بدترین حساب سے مامون رہنے کا ذریعہ بنادے۔

مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے پہلے بئر حرہ کے پانی سے غسل کرے' خوشبو لگائے' اور عمدہ کپڑے پہنے' تواضع اور ادب کے ساتھ مدینہ منورہ کی حدود میں داخل ہو۔ اور یہ دعا پڑھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِيْرًا

شروع ہے اللہ کے نام سے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملت پر' اے میرے رب! مجھے خوبی کے ساتھ داخل کر اور خوبی کے ساتھ نکال' اور مجھے اپنے پاس سے ایسا غلبہ عطا کر جسکے ساتھ مدد ہو۔

سب سے پہلے مسجد نبوی میں حاضر ہو' اور منبر شریف کے پاس دو رکعت نماز ادا کرے' منبر کا ستون دائیں طرف رکھے' اور خود اس ستون کی طرف کھڑا ہو جس کے پاس صندوق رکھا ہوا ہے مسجد میں تعمیری تغیرات سے قبل اس جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نمازیں ادا کرتے تھے' کوشش یہ ہونی چاہیے کہ بیشتر نمازیں مسجد کے اس حصے میں ادا ہوں جو توسیع سے پہلے بھی مسجد میں شامل تھا۔ مسجد کی حاضری کے بعد روضۂ اطہر پر حاضر ہو' آپ کے چہرۂ مبارک کے بائیں جانب اس طرح کھڑا ہو کہ رخ روضۂ مبارک کی دیوار کی طرف ہو' اور خانہ کعبہ کی طرف پشت ہو' دیوار کو ہاتھ لگانا یا اسے بوسہ دینا وغیرہ مسنون نہیں ہے تعظیم و تقدس کا تقاضہ یہ ہے کہ دور کھڑا ہو' اور ان الفاظ میں درود سلام بھیجے۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ' اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ' اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَمِيْنَ اللّٰهِ' اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ' اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا صَفْوَةَ اللّٰهِ' اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خِيَرَةَ اللّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَحْمَدُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَبَا الْقَاسِمِ' اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مَاحِيْ' اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا عَاقِبُ' اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا حَاشِرُ' اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بَشِيْرُ' اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَذِيْرُ' اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا طُهْرُ' اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا طَاهِرُ' اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَكْرَمَ وُلْدِ اٰدَمَ' اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا سَيِّدَ الْمُرْسَلِيْنَ' اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ' اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ' اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا قَائِدَ الْخَيْرِ' اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا فَاتِحَ الْبِرِّ' اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ الرَّحْمَةِ' اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا هَادِيَ الْاُمَّةِ' اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا هَادِيَ الْغُرِّ الْمُحَجَّلِيْنَ' اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَعَلٰى اَهْلِ بَيْتِكَ الَّذِيْنَ اَذْهَبَ اللّٰهُ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهَّرَهُمْ تَطْهِيْرًا' اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَعَلٰى اَصْحَابِكَ الطَّيِّبِيْنَ وَعَلٰى اَزْوَاجِكَ الطَّاهِرَاتِ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ' جَزَاكَ اللّٰهُ عَنَّا اَفْضَلَ مَا جَزٰى نَبِيًّا عَنْ قَوْمِهٖ وَرَسُوْلًا عَنْ اُمَّتِهٖ وَصَلّٰى عَلَيْكَ كُلَّمَا ذَكَرَكَ الذَّاكِرُوْنَ وَكُلَّمَا غَفَلَ عَنْكَ الْغَافِلُوْنَ وَصَلّٰى عَلَيْكَ فِي الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ اَفْضَلَ وَاَكْمَلَ وَاَعْلٰى وَاَجَلَّ وَاَطْيَبَ وَاَطْهَرَ مَا صَلّٰى عَلٰى اَحَدٍ مِّنْ خَلْقِهٖ' كَمَا اسْتَنْقَذَنَا بِكَ مِنَ الضَّلَالَةِ وَبَصَّرَنَا بِكَ مِنَ

اَلْعِمَایَةِ وَھٰذَا اَبَا بِکَ مِنَ الْجَھَالَةِ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّکَ عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ وَاَمِیْنُہٗ وَصَفِیُّہٗ وَخِیَرَتُہٗ مِنْ خَلْقِہٖ وَاَشْھَدُ اَنَّکَ قَدْ بَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ وَاَدَّیْتَ الْاَمَانَةَ وَنَصَحْتَ الْاُمَّةَ وَجَاھَدْتَ عَدُوَّکَ وَھَدَیْتَ اُمَّتَکَ وَعَبَدْتَ رَبَّکَ حَتّٰی اَتَاکَ الْیَقِیْنُ فَصَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ وَعَلٰی اَھْلِ بَیْتِکَ الطَّیِّبِیْنَ وَسَلَّمَ وَشَرَّفَ وَکَرَّمَ وَعَظَّمَ

آپ پر سلام ہو یا رسول اللہ ' آپ پر سلام ہو اے اللہ کے نبی ' آپ پر سلام ہو اے امین خدا ' آپ پر سلام ہو اے حبیب خدا ' آپ پر سلام ہو اے اللہ کے برگزیدہ بندے ' آپ پر سلام ہو یا احمد ' آپ پر سلام ہو یا محمد آپ پر سلام ہو یا ابو القاسم ' کفر کے مٹانے والے آپ پر سلام ہو ' نبیوں کے پیچھے آنے والے آپ پر سلام ہو ' قیامت کے دن پہلے اٹھنے والے آپ پر سلام ہو ' نیکوں کو خوشخبری دینے والے آپ پر سلام ہو ' بدوں کو ڈرانے والے آپ پر سلام ہو ' اے پاک و طاہر آپ پر سلام ہو ' آدم علیہ السلام کی اولاد میں برتر و اعلیٰ آپ پر سلام ہو ' اے انبیاء کے سردار آپ پر سلام ہو ' یا خاتم الانبیاء آپ پر سلام ہو ' رب العالمین کے پیغمبر آپ پر سلام ہو ' خیر کے قائد آپ پر سلام ہو ' نیکی کے فاتح آپ پر سلام ہو ' رحمت کے پیغمبر آپ پر سلام ہو ' امت کے ہادی آپ پر سلام ہو جن کے چہرے نور ایمان سے روشن ہوں گے ' آپ پر اور آپ کے اہل بیت پر سلام ہو جن سے اللہ تعالیٰ نے ناپاکی دور کی ہے اور جنہیں پاک و صاف بنایا ہے ' آپ پر اور آپ کے پاک صحابہ پر ' آپ کی بیویوں پر جو مومنین کی مائیں ہیں ' اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے وہ بدلہ دے جو اس بدلے سے افضل ہو جو کسی نبی کو اسکی قوم کی طرف سے ' اور کسی رسول کو اس کی امت کی طرف سے دیا گیا ہو اللہ آپ پر رحمت نازل کرے ' جس قدر ذکر کرنے والے آپ کا ذکر کریں اور جس قدر غفلت کرنے والے آپ سے غافل رہیں ' آپ پر رحمت بھیجے اگلوں اور پچھلوں میں جو افضل ہو ' کامل تر ' اعلیٰ و برتر ہو ' اطیب و اطہر ہو اس رحمت سے جو اسنے اپنی مخلوق میں کسی پر نازل کی ہو اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ ہمیں گمراہی سے نجات دی ' نابینائی سے بینا کیا ' اور جہالت سے ہٹا کر ہدایت کی راہ دکھلائی میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ وحدہ لاشریک کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے بندے اسکے رسول اسکے امین ' اسکے برگزیدہ بندے اور مخلوق میں اسکی منتخب شخصیت ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے پیغام پہنچا دیا ہے امانت ادا کردی ہے ' امت کی خیر خواہی کی ہے اپنے دشمن سے جہاد کیا ہے ' اپنی امت کی رہنمائی کی ہے ' اور وفات تک اپنے رب کی عبادت کی ہے ' اللہ تعالیٰ آپ پر ' آپ کے پاکباز اہل بیت پر رحمت نازل فرمائے ' سلام بھیجے ' شرف عظمت اور بزرگی سے نوازے۔

اگر کسی شخص نے اپنا سلام پہنچانے کی درخواست کی ہو تو "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ مِنْ فُلَانٍ" کہے۔

پھر ایک ہاتھ کی بقدر ہٹ کر حضرت ابو بکر صدیقؓ پر سلام پڑھے ' حضرت ابو بکر کا سر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ مبارک کے برابر میں ہے ' اور حضرت عمرؓ کا سر حضرت ابو بکرؓ کے شانے کے پاس ہے ' اسلئے ایک ہاتھ اور ہٹ کر حضرت عمرؓ پر سلام بھیجے۔ اور یہ الفاظ کہے۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمَا یَا وَزِیْرَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالْمُعَاوِنَیْنِ لَہٗ عَلَی الْقِیَامِ بِالدِّیْنِ مَادَامَ حَیًّا وَالْقَائِمَیْنِ فِیْ اُمَّتِہٖ بَعْدَہٗ بِاُمُوْرِ الدِّیْنِ تَتَّبِعَانِ فِیْ ذٰلِکَ آثَارَہٗ وَتَعْمَلَانِ بِسُنَّتِہٖ فَجَزَاکُمَا اللّٰہُ خَیْرَ مَا جَزٰی وَزِیْرَیْ نَبِیٍّ عَنْ دِیْنِہٖ

آپ دونوں پر سلام ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر دونوں دین پھیلانے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مددگار رہے جب تک آپ حیات رہے آپ کے بعد بھی آپ دونوں نے دین کے امور انجام دیئے اور اس سلسلے میں آپ کے آثار کا اتباع کیا' اور آپ کی سنت پر عمل کیا' اللہ تعالیٰ تم دونوں کو اس سے بہتر جزا دے جو اس نے کسی نبی کے وزیروں کو اس کے دین کی طرف سے دی ہو

درود و سلام سے فارغ ہو کر بعد قبر مبارک سے ذرا ہٹ کر ستون کے پاس کھڑا ہو' اور قبلہ رو ہو کر خدائے عزوجل کی حمد و ثنا کرے' اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بکثرت درود بھیجے اور یہ آیت پڑھے۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا
(پ ۵ ر ۶ آیت ۶۴)

اور ان لوگوں نے جب اپنے نفسوں پر ظلم کیا تھا تو تیرے پاس آتے' اللہ سے مغفرت چاہتے اور رسول ان کو بخشواتا تو وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پاتے۔

پھر اس آیت کے معنی و مفہوم کو ذہن میں رکھ کر کہے۔ اے اللہ بے شک تو نے یہ فرمایا ہے اور تیرا یہ قول سچا ہے ہم نے تیرا ارشاد سنا' تیرے حکم کی تعمیل کی اور تیرے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے' تاکہ وہ گناہوں کے سلسلے میں ہماری سفارش کر سکیں' ان گناہوں کے بوجھ سے ہماری کمریں ٹوٹ رہی ہیں' اے اللہ ہم اپنی لغزشوں' غلطیوں اور خطاؤں سے تائب ہیں' اور اپنی کوتاہیوں کا اقرار کرتے ہیں' ہماری توبہ قبول فرما' اور ہمارے حق میں اپنے محبوب کی شفاعت منظور فرما' اور اس مرتبہ و منزلت کے صدقے میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تیری بارگاہ میں حاصل ہے ہمیں بلند مرتبہ عطا کر۔

پھر یہ دعا کرے۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُهَاجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارِ وَاغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْإِيْمَانِ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْهُ آخِرَ الْعَهْدِ مِنْ قَبْرِ نَبِيِّكَ وَمِنْ حَرَمِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

اے اللہ مہاجرین و انصار کی مغفرت فرما' ہماری اور ہمارے ان بھائیوں کی جو ہم سے پہلے ایمان کی دولت حاصل کر چکے ہیں مغفرت کر۔ اے اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر اور آپ کے حرم مبارک میں میری اس حاضری کو آخری حاضری مت بنایئے۔

یہاں سے فراغت کے بعد روضہ شریف میں حاضری دے' یہ جگہ منبر اور قبر شریف کے درمیان ہے یہاں دو رکعت نماز پڑھے' اور خوب خوب دعائیں مانگے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

مَا بَيْنَ قَبْرِيْ وَمِنْبَرِيْ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ وَمِنْبَرِيْ عَلٰى حَوْضِيْ (بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہؓ عبداللہ ابن زیدؓ)

میری قبر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ ہے اور میرا منبر میرے حوض پر ہے۔

منبر کے پاس بھی دعائیں مانگے' بلکہ مستحب یہ ہے کہ اپنا ہاتھ اس ستون پر رکھے جس ستون پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے اپنا دست مبارک رکھ لیا کرتے تھے۔ (۱) جمعرات کے روز جبل احد پر جانا' اور شہداء کی قبروں کی زیارت کرنا مستحب ہے فجر کی نماز مسجد نبوی میں ادا کرنے کے بعد زیارت کے لیے باہر جائے اور ظہر سے پہلے پہلے مسجد نبوی میں

---

(۱) اس روایت کی اصل مجھے نہیں ملی۔

حاضر ہو جائے تاکہ تمام فرض نمازیں مسجد نبوی میں ادا کرنے کا موقعہ مل سکے' ہر روز بقیع میں جانا مستحب ہے' اس قبرستان میں حضرت عثمانؓ' حضرت حسنؓ' حضرت علی ابن الحسینؓ' حضرت محمد ابن علیؓ' حضرت جعفر ابن محمدؓ' حضرت ابراہیم ابن محمد صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت صفیہؓ (سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپی) کی قبروں کی زیارت کرے' مسجد فاطمہؓ میں حاضر ہو کر دو رکعت نماز ادا کرے' ہر سنیچر کو مسجد قبا میں حاضر ہو' اور وہاں نماز پڑھے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :

من خرج بینہ حتی یاتی مسجد قبا ویصلی فیہ کان لہ عدل عمرة (نسائی' ابن ماجہ۔ سہل ابن حنیفؓ)

جو شخص اپنے گھر سے نکل کر مسجد قبا میں آئے اور نماز پڑھے تو اسے ایک عمرہ کے برابر ثواب ملے گا۔

مسجد قبا میں نماز پڑھنے کے بعد بیر اریس پر آئے' کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کنویں میں اپنا لعاب مبارک ڈال دیا تھا (۱) یہ کنواں مسجد قبا کے قریب واقع ہے' اس کے پانی سے وضو کرے' اور پئے۔ اسی طرح مسجد فتح میں حاضر ہو' یہ مسجد خندق پر واقع ہے' مدینہ منورہ کی تیس مسجدیں ہیں وہاں کے باشندے ان مسجدوں سے واقف ہیں' تحقیق و جستجو سے ہر مسجد میں حاضر ہو' اور نمازیں ادا کرے' اسی طرح ان تمام کنووں پر بھی جائے جن کنووں کا پانی آپ نے استعمال فرمایا ہے' یہ کنویں سات ہیں۔ (۲) شفا حاصل کرنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تبرک سمجھ کر ان کنووں کا پانی پئے' ان کے پانی سے غسل کرے یا وضو کرے۔

اگر مدینہ منورہ کے تقدس اور عظمت کا پورا پورا حق ادا کرنا ممکن ہو تو وہاں زیادہ سے زیادہ قیام کرے' بلکہ وہیں سکونت اختیار کرے' اس کا بڑا ثواب اور اجر ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

لا یصبر لا وائہا وشدتہا احد الا کنت لہ شفیعا یوم القیامة (مسلم۔ ابو ہریرہؓ' ابن عمرؓ۔ ابو سعیدؓ)

جو شخص مدینہ منورہ کی سختیوں اور مصیبتوں پر صبر کرے گا میں قیامت کے روز اس کی شفاعت کروں گا۔

ایک روایت میں ہے کہ۔

من استطاع ان یموت بالمدینة فلیمت فانہ لن یموت بہا احد الا کنت لہ شفیعا او شہیدا یوم القیامة (ترمذی۔ ابن عمرؓ)

جو شخص مدینہ منورہ میں مر سکے وہ ایسا ہی کرے اس لیے کہ جو شخص مدینہ میں وفات پائے گا میں قیامت کے روز اس کی سفارش کرنے والا یا اس کا گواہ ہوں گا۔

مدینہ منورہ سے واپسی سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر پر ایک مرتبہ اور حاضری دے' اور وہی دعائے زیارت پڑھے جو پہلے ذکر کی جاچکی ہے' یہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے الوداعی ملاقات ہے' اس موقع پر خداوند قدوس سے یہ دعا بھی مانگے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی سعادت آئندہ بھی نصیب ہو' یہ دعا بھی مانگے کہ سفر بخیر و خوبی تمام ہو' یہاں سے الروضة الصغیرہ (چھوٹے روضے) پر آئے' یہ جگہ مسجد میں ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ اس وقت قیام فرمایا کرتے تھے جب مقصورہ مختصر تھا' جب مسجد سے باہر نکلے تو پہلے بایاں پاؤں باہر نکالے پھر دایاں پاؤں باہر نکالے' اور یہ الفاظ کہے۔

---

(۱) اس کی اصل نہیں ملی (۲) ان کے نام یہ ہیں۔ اریس' حاء' رومہ' غرس' بضاعہ' البصہ' السقیا' العہن' [illegible] کی کتابوں میں ان تمام کنووں کی تفصیلات موجود ہیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ وَلَا تَجْعَلْهُ آخِرَ الْعَهْدِ بِنَبِيِّكَ وَحُطَّ أَوْزَارِيْ بِزِيَارَتِهٖ وَاصْحَبْنِيْ فِيْ سَفَرِيَ السَّلَامَةَ وَيَسِّرْ رُجُوْعِيْ اِلٰى أَهْلِيْ وَوَطَنِيْ سَالِمًا يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

اے اللہ! رحمت نازل کیجئے محمد اور آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور میری اس زیارت کو اپنے نبی سے آخری ملاقات مت بنایئے اور اس زیارت کے طفیل میرے گناہ معاف کردیجئے اور میرے سفر میں سلامتی کو میرے ہمراہ کیجئے اور اپنے اہل و وطن میں سلامتی کے ساتھ میری واپسی کو آسان فرمایئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مجاوروں کی خدمت میں بقدر ہمت و وسعت کچھ نذرانہ پیش کرے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان جو مسجدیں واقع ہیں وہاں ٹھہرے اور نمازیں ادا کرے۔

سفر سے واپسی کے آداب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی غزوہ یا سفر حج سے واپس تشریف لاتے تو راستے میں جہاں کہیں بلند زمین پڑتی تین مرتبہ اللہ اکبر کہتے اور یہ الفاظ ادا فرماتے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، آئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهٗ

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' وہ یکتا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں ہے' اسی کے لیے حمد ہے' اور وہی ہر چیز پر قادر ہے' ہم پھر آئے اللہ کی طرف توبہ کرتے عبادت کرتے اپنے رب کو سجدہ کرتے اپنے رب کی حمد بیان کرتے اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا' اپنے بندے کی مدد کی' اور کفار کے لشکروں کو تنہا شکست دی۔

بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ہیں۔ (۱)

وَكُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ

اللہ کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے' اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹو گے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لَنَا بِهَا قَرَارًا وَّرِزْقًا حَسَنًا

اے اللہ! تو ہمارے لیے اس میں ٹھہرنا نصیب کر اور بہترین رزق عطا فرما۔

شہر سے باہر رک کر کسی شخص کو اپنی آمد کی اطلاع دے کر گھر بھیج دے' پہنچنے سے پہلے اپنے آنے کی اطلاع کرنا مسنون ہے' (۲) جب شہر میں داخل ہو سب سے پہلے مسجد میں پہنچے' اور دو رکعت نماز ادا کرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول تھا۔ (۳) گھر میں داخل ہو تو یہ دعا پڑھے:

تَوْبًا تَوْبًا لِرَبِّنَا أَوْبًا لَا يُغَادِرُ عَلَيْنَا حَوْبًا

توبہ کرتا ہوں' توبہ کرتا ہوں اپنے پروردگار کی طرف سفر سے واپسی پر ایسی توبہ جو ہم پر کوئی گناہ نہ چھوڑے۔

جب گھر میں رہنے لگے تو لہو و لعب اور گناہ کے کاموں میں مشغول نہ ہو' بلکہ رات دن ان انعامات کی یاد میں مشغول رہے' جو حرمین کی زیارت کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اس پر کئے ہیں' گناہوں میں مبتلا ہو کر کفران نعمت نہ کرے' کیونکہ حج مقبول کی علامت

---

(۱) بخاری و مسلم ابن عمر کی روایت۔ (۲) بخاری و مسلم۔ جابر۔ الفاظ یہ ہیں:- کنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی غزاۃ فلما قدمنا للدینۃ ذھبنا لندخل فقال امھلوا حتی ندخل لیلا ای عشاء کی تمتشط الشعثۃ وتستحد المغیبۃ (۳) یہ حدیث کتاب الصلاۃ کے ساتویں باب میں گزری ہے۔

ہی یہ ہے کہ واپسی کے بعد دنیا کی رغبت کم ہوجاتی ہے' اور آخرت کی رغبت زیادہ ہوجاتی ہے' بیت اللہ کی زیارت کے بعد صاحب بیت اللہ کی زیارت کے لیے دل میں شوق پیدا ہوجاتا ہے' اور آدمی ہمہ تن اس آخری سفر کی تیاری میں مشغول ہوجاتا ہے۔

تیسرا باب

حج کے باطنی اعمال و آداب

حج کے آداب

پہلا ادب : یہ ہے کہ تمام مصارف حلال آمدنی سے پورے کیے جائیں۔ دوران سفر کسی ایسی تجارت میں مشغول نہ ہو جس سے دل بٹے' اور افکار پریشان ہوں بلکہ دل و دماغ اللہ کی یاد میں معروف ہوں غم جہاں میں مبتلا نہ ہوں۔ اہل بیت کے واسطے سے ایک روایت میں کہا گیا ہے کہ آخری زمانے میں چار طرح کے لوگ حج کے لیے جائیں گے۔ بادشاہ سیر و تفریح کے لیے مالدار تجارت کے لیے فقراء مانگنے کے لیے پڑھے لکھے ناموری اور شہرت کے لیے۔ (۱) اس حدیث میں دنیا والوں کے لیے تمام ایسے اغراض بیان کیے گئے ہیں جن کے سفر سے متعلق ہوسکتے ہیں' اس میں شک نہیں کہ یہ مقاصد حج کی فضیلت کی راہ میں رکاوٹ بن جاتے ہیں' اور اس طرح کے لوگوں کا حج مخصوص لوگوں کے حج کے زمرے میں شامل نہیں ہوتا' خاص طور پر اس وقت جب مزدوری لے کر مثلاً" کسی دوسرے کی طرف سے حج ادا کرے' یہ تو آخرت کے عمل پر دنیا طلب کرنے والی بات ہوئی' اہل ورع' ارباب قلوب اس طرح کے عمل کو پسند نہیں کرتے' ہاں اگر مکہ مکرمہ قیام کی خواہش ہو' اور اتنا روپیہ پاس نہ ہو کہ وہاں گزر بسر ہوسکے تو کچھ لے سکتا ہے' دین کو دنیا کا وسیلہ بنانا ٹھیک نہیں ہے' دنیا کو دین کا وسیلہ بنا سکتا ہے' اس صورت میں زیارت بیت اللہ کی نیت کرے' اور یہ ارادہ کرے کہ وہ اپنے اس حج کے ذریعہ اپنے ایک مسلمان بھائی کی فرض سے سبکدوشی میں مدد کررہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک یہی معنی و مفہوم رکھتا ہے۔

يدخل الله سبحانه وتعالى بالحجة الواحدة ثلاثة الجنة الموصى بها والمنفذلها ومن حج بها عن اخيه (بیہقی۔ جابرؓ)

اللہ سبحانہ و تعالیٰ ایک حج کے ذریعہ تین آدمیوں کو جنت میں داخل کرے گا۔ حج کی وصیت کرنے والا اس وصیت کو نافذ کرنے والا' اور اپنے بھائی کی طرف سے حج ادا کرنے والا۔

ہمارا مقصد یہ ہے کہ جو شخص اپنا حج اسلام ادا کرچکا ہو اس کے لیے حج کی اجرت لینا جائز نہیں بلکہ ہمارے نزدیک بہتر یہ ہے کہ ایسا نہ کرے' اور نہ حج کو ذریعۂ آمدنی یا تجارت بنائے۔ اللہ تعالیٰ دنیا کو دین کے ذریعہ عطا کرتا ہے' دین کو دنیا کے ذریعہ عطا نہیں کرتا' ایک روایت میں ہے کہ اس شخص کی مثال جو غزوات میں شرکت پر معاوضہ لے ایسی ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اپنے بچے کو دودھ پلانے پر اجرت لیا کرتی تھیں۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص حج کی اجرت لینے میں موسیٰ کی والدہ کی طرح ہو تو اس کے لیے کوئی حرج نہیں ہے' اس لیے کہ اس اجرت سے وہ حج و زیارت کی استطاعت حاصل کرسکے گا' وہ اجرت حاصل کرنے کے لیے حج نہیں کررہا ہے' بلکہ حج کرنے کے لیے اجرت لے رہا ہے' جس طرح موسیٰ علیہ السلام کی والدہ دودھ پلانے پر اس لیے اجرت لیا کرتی تھیں تاکہ ان کے لیے سہولت پیدا ہوجائے' اور فرعون پر اصل حقیقت منکشف نہ ہونے پائے۔

دوسرا ادب : یہ ہے کہ دشمنان خدا کو ٹیکس دے کر مدد نہ کرے' یہ دشمنان خدا مکہ مکرمہ اور عرب ممالک کے وہ امراء

---

(۱) خطیب من حدیث انسؓ باسناد مجہول و ابو عثمان الصابونی فی کتاب المأتین

ہیں جو راستے میں بیٹھ جاتے ہیں اور بیت اللہ تک پہنچنے سے روکتے ہیں' انہیں روپیہ پیسہ دینا ظلم پر ان کی مدد کرنے کے مترادف ہے' اس اعانت علی الظلم سے بچنے کے لیے کوئی مناسب تدبیر ضرور کرنی چاہیے' اگر کوئی تدبیر نہ ہو تو بعض علماء کے نزدیک نفلی حج کے لیے جانے والے شخص کو راستے سے واپس آجانا چاہیے' ظالموں کی مدد کرنے کے مقابلے میں واپس آجانا بہتر ہے' اس لیے کہ یہ ایک نئی بدعت ہے' اس بدعت کی پابندی سے یہ خرابی لازم آئے گی کہ آئندہ کبھی یہ مستقل دستور کی حیثیت اختیار کرلے گی۔ اور اس کی مستقل حیثیت مسلمانوں کی زبردست تذلیل و اہانت ہے' کیونکہ یہ ایک طرح کا جزیہ ہے جو مسلمان کو خانہ کعبہ کی زیارت کرنے کے لیے ادا کرنا پڑتا ہے' یہ عذر مقبول نہیں ہے کہ یہ ٹیکس ہم سے زبردستی وصول کیا جاتا ہے' اس لیے کہ اگر کوئی شخص اپنے گھر بیٹھا رہے' یا راستے سے واپس آجائے تو اس صورت میں کس طرح زبردستی کی جاسکتی ہے' بعض مرتبہ حجاج عیش و عشرت کا سامان ساتھ لے جاتے ہیں' لباس بھی عمدہ ہوتا ہے' ظالمین کی نیت ان کا ٹھاٹھ باٹھ دیکھ کر خراب ہوجاتی ہے' اگر فقراء کا بھیس بدل کر جائیں اور اپنے طرز عمل سے یہ ظاہر نہ ہونے دیں کہ ہم مالدار ہیں تو شاید ہی کوئی ان سے مطالبہ کرے' جو لوگ امیرانہ شان اختیار کرتے ہیں' وہ خود ظالمین کو ظلم کی دعوت دیتے ہیں۔

تیسرا ادب : یہ ہے کہ زادِ راہ زیادہ رکھے' تنگی اور اسراف کے بغیر خوشی اور اعتدال کے ساتھ جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرسکتا ہو کرے' اسراف سے ہماری مراد یہ ہے کہ عمدہ کھانا کھائے' اور آسائش کے وہ تمام طریقے اختیار کرے جو مالدار کرتے ہیں' اللہ کی راہ میں زیادہ خرچ کرنا اسراف نہیں کہلاتا' ایک مقولہ ہے۔

لا خیر فی السرف و لا سرف فی الخیر۔

اسراف میں خیر نہیں ہے اور خیر کے کام میں اسراف نہیں ہے۔

اللہ کی راہ میں زادِ راہ خرچ کردینا صدقہ ہے' اور یہ ایسا صدقہ ہے جس میں ایک درہم کا اجر سات سو درہم کے برابر ہوتا ہے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آدمی کی شرافت کی علامت یہ بھی ہے کہ اس کا زادِ راہ اچھا ہو' یہ بھی فرمایا کرتے تھے بہتر حاجی وہ ہے جس کی نیت خالص ہو' زادِ راہ پاکیزہ ہو' اور یقین کامل ہو' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :-

الحج المبرور لیس لہ جزاء الا الجنة فقیل یا رسول اللہ ما بر الحج؟ فقال طیب الکلام و اطعام الطعام (احمد۔ جابرؓ۔ بسند ضعیف)

حج مقبول کی جزاء جنت کے علاوہ کچھ نہیں ہے عرض کیا گیا! یا رسول اللہ حج کی مقبولیت کیا ہے؟ فرمایا اچھی گفتگو اور کھانا کھلانا۔

چوتھا ادب : یہ ہے کہ فحش کلامی' بدکاری' اور لڑائی جھگڑے سے اجتناب کرے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ (پ ۲ ر ۹ آیت ۱۹۷)

پھر نہ کوئی فحش بات (جائز) ہے' اور نہ کوئی بے حکمی (درست) ہے' اور نہ کسی قسم کا نزاع (زیبا) ہے۔

رفث ہر طرح کی لغو کلام اور کام کو شامل ہے' اس میں عورتوں سے پیار و محبت کی باتیں کرنا' چھیڑ چھاڑ کرنا' اور جماع کے لیے جذبات ابھارنے والی گفتگوں کرنا بھی داخل ہے' کیونکہ اس طرح کی گفتگو جماع کے جذبات میں تحریک پیدا کرتی ہے' حالت احرام میں جماع ممنوع ہے۔ اس لیے اس کے لوازمات بھی ممنوع ہیں' فسق ہر اس عمل کو کہتے ہیں جو انسان کو اطاعت خداوندی کے دائرے سے نکال دے' جدال یہ ہے کہ آدمی کسی کی دشمنی یا کسی کی بات کاٹنے میں یہاں تک مبالغہ کرے کہ دلوں میں کینہ پیدا ہوجائے' افکار پریشان ہوجائیں' اور حسن و اخلاق کی جو تعلیم شریعت نے دی ہے' اس کی مخالفت لازم آئے' حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ جو شخص حج کے دوران فحش کلامی کرتا ہے اس کا حج خراب ہوجاتا ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خوش

گفتاری اور کھانا کھلانے کو حج کی مقبولیت کی علامت قرار دیا ہے۔ کسی کی بات کاٹنا خوش گفتاری کے مخالف ہے' اس لیے آدمی کو راستے میں اپنے ساتھیوں پر اور ساربان وغیرہ خدام پر زیادہ اعتراض نہیں کرنا چاہیے' بلکہ سب کے ساتھ تواضع اور مروت کا معاملہ کرے' اور اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آئے' خوش خلقی یہی نہیں کہ کسی شخص کو ایذاء نہ دے' بلکہ خوش خلقی یہ بھی ہے کہ دوسروں کی ایذاء پر صبر کرے' حرف شکایت زبان پر نہ لائے' بعض لوگ کہتے ہیں کہ سفر کا نام سفر اس لیے ہے کہ اس میں لوگوں کے اخلاق ظاہر ہو جاتے ہیں' کسی شخص نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا کہ میں فلاں شخص سے واقف ہوں' حضرت عمرؓ نے دریافت کیا! تم نے کبھی اس کے ساتھ سفر بھی کیا ہے؟ عرض کیا : سفر تو کبھی نہیں کیا' فرمایا : اگر تم نے اس کے ساتھ سفر نہیں کیا تو اس سے واقف نہیں ہو' سفر ہی میں تو آدمی کے اخلاق کا اندازہ ہوتا ہے۔

پانچواں ادب : یہ ہے کہ اگر قدرت ہو تو پیدل سفر کرے' پیدل سفر حج کے بڑے فضائل ہیں' حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے اپنے صاحبزادوں کو وصیت فرمائی تھی کہ اے بیٹو! حج کا سفر پیدل کرو اس لیے کہ پیادہ پا حاجی کو ہر قدم پر حرم کی نیکیوں کا سات سو گنا ثواب ملتا ہے' عرض کیا گیا! حرم کی نیکیاں کیا ہیں؟ فرمایا : ایک نیکی ایک ہزار نیکیوں کے برابر ہوتی ہے' مناسک حج ادا کرنے کے لیے' مکہ سے عرفات اور منیٰ جانے کے لیے پیدل چلنا راستے میں پیادہ پا چلنے کے مقابلے میں زیادہ افضل ہے' گھر سے احرام بھی باندھ لیا جائے تو یہ حج کی تکمیل ہے' قرآن پاک میں ہے :-

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ (پ ۲ ر ۸ آیت ۱۹۶)

اللہ کے لیے حج اور عمرہ کو پورا کرو۔

حضرت عمرؓ' علیؓ اور ابن مسعودؓ نے اتمام حج کی یہی تفسیر کی ہے' بعض علماء سواری پر حج کرنے کو افضل کہتے ہیں' کیونکہ اس میں اخراجات کی مشقت ہے۔ جسمانی ایذاء کم برداشت کرنی پڑتی ہے' دل تنگ نہیں ہوتا' سلامتی کے ساتھ پہنچنے اور واپس آنے کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو یہ پہلی رائے کے مخالف نہیں ہے' اور جو شخص ضعیف ہو' اور پیدل چلنے میں مزید ضعف کا اندیشہ ہو' یا اس کا امکان ہو کہ پیدل چلنے سے تنگ دل ہوگا اور نوبت بد خلقی یا عملی کوتاہی تک پہنچے گی تو اس کے لیے سواری افضل ہے' جیسے مسافر اور مریض کے لیے روزہ رکھنا افضل ہے' لیکن اگر روزہ رکھنے سے سفر جاری رکھنے میں پریشانی ہو یا مرض کی زیادتی کا اندیشہ ہو تو انہیں روزہ نہیں رکھنا چاہیے۔ ایک عالم سے کسی نے سوال کیا کہ عمرہ کے لیے پیدل چلنا بہتر ہے' یا کوئی گدھا کرایہ پر لے لینا چاہیے' فرمایا اگر کرایہ پر لینا ناگوار ہو تو سواری پر سفر کرنا بہتر ہے' اور اگر پیدل چلنا نفس کے لیے دشوار ہو تو پیدل چلنا افضل ہے' مقصد یہ ہے کہ وہی طریقہ افضل ہے جس میں نفس کا مجاہدہ ہو' یہ بھی ایک رائے ہے' ہمارے خیال میں بہتر طریقہ یہ ہے کہ پیدل جائے' اور جو رقم کرائے میں خرچ ہو اسے اللہ کی راہ میں دے دے' لیکن اگر اس کا دل یہ دوہری مشقت برداشت نہ کر سکے تو پھر وہی صورت اختیار کی جائے جو بعض علماء نے ذکر کی ہے۔

چھٹا ادب : یہ ہے کہ صرف بار برداری کے جانور پر سوار ہو' محمل پر سوار نہ ہو' ہاں اگر کسی عذر کی وجہ سے محمل پر سوار ہونا پڑے تب کوئی حرج نہیں ہے' محمل پر سوار نہ ہونے میں دو فائدے ہیں۔ ایک فائدہ تو یہ ہے کہ جانور محمل کی تکلیف سے محفوظ رہتا ہے' دوسرا فائدہ یہ ہے کہ عشرت کوشوں اور عیش پسندوں کی ہیئت سے امتیاز رہتا ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری کے اونٹ پر سفر حج فرمایا' آپ کے نیچے ایک پرانا کجاوہ اور پرانی چادر تھی جس کی قیمت چار درہم تھی' آپ نے اسی سواری پر بیٹھ کر طواف بھی کیا' تاکہ لوگ آپ کی عادات اور سیرت کا اچھی طرح مشاہدہ کر لیں' اس موقعہ پر آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا :

خذوا عنی مناسککم

مجھ سے اپنے حج کے افعال سیکھو

کہا جاتا ہے یہ محمل حجاج نے ایجاد کئے ہیں' اس دور کے علماء حجاج کی اس روش پر اعتراض کیا کرتے تھے' سفیان ثوری اپنے والد

سے روایت کرتے ہیں کہ میں کوفہ سے حج کے لیے چلا' قادسیہ پہنچ کر مختلف شہروں کے بہت سے رفقائے حج سے ملاقات ہوئی' سب لوگ کملی سواریوں پر سوار تھے' صرف دو آدمی محمل میں تھے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ جب حاجیوں کے قافلے میں محمل سوار اور حجاج کے لباس میں ملبوس مسافر دیکھتے تو فرماتے کہ حج کرنے والے کم اور سوار زیادہ ہیں' پھر آپ نے ایک خستہ حال مسکین کو دیکھا' اس کے نیچے پالان بچھا ہوا تھا' آپ نے فرمایا اس قافلے کا بہترین شخص یہ ہے۔

ساتواں ادب : یہ ہے کہ سفر میں پراگندہ حال رہے' بال بکھرے ہوئے ہوں' کپڑے غبار آلود ہوں' زیب و زینت میں اپنا وقت ضائع نہ کرے' اور نہ عیش و عشرت کے ساز و سامان جمع کرنے میں مصروف ہو ایسا نہ ہو کہ زیب و زینت کرنے اور عیش کوشی میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اس کا نام متکبرین کی فہرست میں لکھ دیا جائے' اور کمزور' مساکین اور نیک دل و نیک سیرت لوگوں کی فہرست سے اس کا اخراج عمل میں آجائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پراگندہ حال رہنے اور پیادہ پا چلنے کا حکم فرمایا ہے۔ (بغوی' طبرانی' عبداللہ ابی حدرد۔ بسند ضعیف) اور فضالہ ابن عبید کی حدیث میں عیش کوشی اور تن آسانی سے منع فرمایا گیا ہے (ابوداؤد)

ایک روایت میں ہے :

انما الحاج الشعث التفث (ترمذی' ابن ماجہ۔ ابن عمرؓ)

حاجی وہی ہے کہ بال الجھے ہوئے ہوں اور بدن سے بو آتی ہو۔

حدیث قدسی ہے۔

یقول اللہ تعالی انظروا الی زوار بیتی قد جاءونی شعثا غبرا من کل فج عمیق (۱)

(حاکم۔ ابو ہریرہ' احمد' عبداللہ ابن عمرؓ)

اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ میرے گھر کے زائرین کو دیکھو کہ ہر طرف سے پراگندہ بال اور غبار آلود لباس چلے آرہے ہیں۔

اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں :-

ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ (پ ۱۷ ر ۱۰ آیت ۲۹)

پھر (لوگوں کو چاہیے کہ) اپنا میل کچیل دور کردیں۔

یہاں تفث سے مراد بال اور لباس کی پراگندگی ہے' یہ پراگندگی بال منڈانے سے' مونچھیں اور ناخن تراشنے سے دور ہوتی ہے' حضرت عمرؓ نے اپنی فوج کے حکام اور ذمہ داروں کو لکھا کہ پرانے کپڑے پہنا کرو' کھردری اور سخت چیزیں استعمال کیا کرو' ایک بزرگ ارشاد فرماتے ہیں کہ اہل یمن حاجیوں کی زینت ہیں' کیوں کہ وہ لوگ اکابر سلف کی طرح منکسر المزاج' اور متواضع ہوتے ہیں۔ لباس کے باب میں سرخ رنگ سے اجتناب کرے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے آپ کے بعض رفقاء کسی جگہ اتر کر اپنے جانور چرانے لگے' اونٹوں پر سرخ چادریں پڑی ہوئی تھیں' آپ نے ارشاد فرمایا :-

اری هذه الحمرة قد غلبت علیکم

مجھے ایسا لگتا ہے کہ یہ سرخی تم پر غالب ہوگئی ہے

راوی کہتے ہیں کہ یہ ارشاد سن کر سب لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور جانوروں کی چادریں اتار پھینکیں' (اس ہنگامے میں) بعض اونٹ ادھر ادھر ہوگئے۔ (ابوداؤد۔ رافع ابن خدیج)

---

(۱) حاکم اور احمد کی روایت میں من کل فج عمیق کے الفاظ نہیں ہیں۔

آٹھواں ادب : یہ ہے کہ سواری کے جانور کے ساتھ نرمی کا معاملہ کیجئے، اس پر اتنا وزن لادے جس کا وہ متحمل ہو سکے، محمل اونٹ کے لیے ناقابل برداشت ہوتا ہے، سواری کے جانور پر سونا بھی اس کے لیے تکلیف دہ ہے، اہل تقویٰ اونٹوں پر سوتے نہیں تھے، بلکہ اگر کبھی ضرورت ہوتی تو بیٹھے بیٹھے اونگھ لیا کرتے تھے، سواری کے جانوروں پر زیادہ دیر تک سوار رہنا بھی مناسب نہیں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :-

لاتتخذوا ظهور دوابکم کراسی (ابن حبان، حاکم۔ معاذ بن انس)

اپنے جانوروں کی پشتوں کو چوکیاں مت بناؤ

مسنون و مستحب یہ ہے کہ صبح اور شام کو سواری سے اتر جائے، تاکہ جانور آرام کر سکے۔ (طبرانی فی الاوسط انس) اس سلسلے میں بعض اکابرین کا معمول یہ تھا کہ وہ جب کوئی جانور کرائے پر لیتے تو مسلسل استعمال کی شرط لگا کر کرایہ طے کرتے، پھر راستے میں اتر کر جانور کو آرام کرنے کا موقع دیتے، اور اپنے اس عمل سے ثواب کی امید رکھتے۔ جو شخص کسی جانور کو تکلیف پہنچائے گا، اس پر ناقابل برداشت بوجھ لادے گا قیامت کے دن اس کے اس عمل کا احتساب ہوگا۔ حضرت ابو درداءؓ نے وفات سے کچھ دیر پہلے اپنے ایک اونٹ سے کہا! اے اونٹ! مجھ سے اپنے پروردگار کے سامنے جھگڑا مت کرنا، میں نے تیری طاقت سے زیادہ تجھ پر کبھی نہ لادا۔ جو شخص کرائے پر جانور لے اسے جانور اور مالک دونوں کے حقوق کی رعایت کرنی چاہیے، اگر گاہ بگاہ سواری سے نیچے اتر جائے تو اس سے جانور کو بھی راحت ملے گی، اور مالک کا دل بھی خوش ہو جائے گا، حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ سے کسی نے عرض کیا کہ حضرت! میرا یہ خط اپنے ساتھ لے جائیے، اور فلاں صاحب کو پہنچا دیجئے، ابن مبارک نے فرمایا! ضرور لے جاؤں گا، لیکن پہلے اونٹ والے سے اس کی اجازت لے لوں، اس لیے کہ میں نے اونٹ کرایہ پر لیا ہے، اور مالک نے صرف میرے سامان کی اجازت دی ہے، ملاحظہ کیجئے، کس قدر احتیاط تھی، خط جیسی معمولی اور بے وزن چیز کے لیے بھی مالک کی اجازت ضروری سمجھی گئی احتیاط کا تقاضہ بھی یہی تھا اس لیے معمولی چیزوں میں بے احتیاطی غیر معمولی چیزوں میں بے احتیاطی کا سبب بن جاتی ہے۔

نواں ادب : یہ ہے کہ حج کے دوران کوئی جانور اللہ کی قربت حاصل کرنے کے لیے ذبح کرے، اگرچہ قربانی کرنا اس پر واجب نہ ہو، قربانی کرنے والے کی کوشش یہ ہونی چاہیے کہ جانور عمدہ اور فربہ ہو اگر نفلی قربانی ہو تو اس کا گوشت استعمال بھی کرے، اور اگر واجب قربانی ہو تو اسکا گوشت نہ کھائے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ (پ ۱۷ ر ۱۱ آیت ۳۲)

اور جو شخص شعائر اللہ کا پورا لحاظ رکھے گا۔

بعض مفسرین کے نزدیک شعائر اللہ کی تعظیم سے یہاں مراد یہ ہے کہ قربانی کا جانور موٹا ہو اور عمدہ ہو، افضل یہ ہے کہ ہدی میقات سے لے جائے، بشرطیکہ کوئی دشواری نہ ہو، لیکن اگر دشواری ہو تو مکہ ہی میں خریدے، خریدنے کے سلسلے میں دام گھٹانے کی فکر نہ کرے، اکابرین سلف تین چیزیں خریدنے میں زیادہ قیمت ادا کیا کرتے تھے۔ (۱) ہدی (۲) قربانی (۳) باندی، غلام، کیونکہ ان تینوں میں افضل وہی ہے جس کی قیمت زیادہ ہو، اور جو مالک کے خیال میں عمدہ ہو، حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد (حضرت عمرؓ) نے عمدہ نسل کی ایک اونٹنی ہدی میں روانہ کی، کچھ لوگوں نے تین سو اشرفیوں کے عوض یہ اونٹنی خریدنی چاہی، آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اونٹنی فروخت کرنے کی اجازت مانگی اور عرض کیا کہ میں تین سو اشرفیوں سے بہت سے جانور خرید کر روانہ کر دوں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہیں دی، اور فرمایا :

بل اهدها (ابو داؤد)

بلکہ اسی کو ہدی میں روانہ کرو۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ عمدہ اور تھوڑی چیز زیادہ اور خراب چیز کے مقابلے میں اچھی ہوتی ہے' تین سو دینار میں یقیناً" تیس اونٹ خریدے جاسکتے تھے' اور ان تیس اونٹوں کا گوشت اس ایک اونٹنی کے گوشت کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہوتا' لیکن قربانی کا مقصد گوشت کی کثرت نہیں ہے' بلکہ یہ ہے کہ انسان کا نفس بخل کی برائی سے پاک و صاف ہوجائے۔ ارشاد ربانی ہے :۔

لَنْ يَنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاءُهَا وَلٰكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (پ ۱۷ ار ۱۲ آیت ۳۷)

اللہ کے پاس نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

یہ مقصود جانوروں کی کثرت سے حاصل نہیں ہوتا' بلکہ مال کی عمدگی سے حاصل ہوتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کسی نے عرض کیا : یارسول اللہ! حج کی مقبولیت کیا ہے؟ فرمایا :۔

العج والثج۔ (ابن ماجہ' حاکم' بزار' ابوبکر)

زور سے تلبیہ کہنا اور قربانی کرنا۔

حضرت عائشہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں۔

ما من عمل آدمي يوم النحر احب الى الله عزوجل من اهراق دما وانها تاتي يوم القيامة بقرونها واظلافها وان الدم يقع من الله عزوجل بمكان قبل ان يقع بالارض فطيبوا بها نفسا (ترمذی)

نحر کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدمی کا کوئی عمل خون بہانے سے زیادہ پسندیدہ نہیں ہے قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں اور کھروں کے ساتھ آئے گا۔ قربانی کے جانور کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے یہاں اپنا مرتبہ حاصل کرلیتا ہے۔ پس اس سے جی میں خوش ہو۔

ایک حدیث میں ارشاد :۔

لكم بكل صوفة من جلدها حسنة كل قطرة من دمها حسنة وانها لتوضع في الميزان فابشروا (ابن ماجہ' حاکم' بیہقی۔ زید ابن ارقم)

تمہارے لیے قربانی کے جانور کے بدن کے ہر بال میں ایک نیکی ہے' اور اس کے خون کے ہر قطرہ کے عوض ایک نیکی ہے' وہ جانور میزان میں رکھے جائیں گے' خوشخبری حاصل کرو۔

دسواں ادب : یہ ہے کہ جو کچھ خرچ کرے یا ہدی کی جو بھی قیمت ادا کرنی پڑے سفر کے دوران جو مالی' جسمانی مصیبت برداشت کرنی پڑے' سب پر خوش رہے' اور کسی بھی لمحہ بددل نہ ہو' اس لیے کہ یہ تمام مصائب حج مقبول کی علامتیں ہیں' جس طرح حج کے دوران ایک درہم اللہ کی راہ میں دینے کا ثواب سات سو درہم کے برابر ہوتا ہے' اسی طرح ایک مصیبت برداشت کرنے کا ثواب بھی عام دنوں کے مقابلے میں سات سو گنا زیادہ ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ قبول حج کی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ گناہ کے وہ تمام کام چھوڑ دے جو حج سے پہلے کیا کرتا تھا' اور ان تمام دوستوں سے کنارہ کشی کرلے جو غلط راستے پر چلنے میں اس کی مدد کرتے تھے' ان کی بجائے نیک لوگوں سے دوستی کرنے اور شر کی مجلسوں میں اٹھنے بیٹھنے کے بجائے خیر کی مجلسوں میں اٹھنے بیٹھنے لگے۔

حج کے باطنی اعمال : جاننا چاہیے کہ حج کا پہلا مرحلہ یہ ہے کہ دین میں اس کے مرتبہ و مقام سے واقفیت حاصل کی جائے' پھر اس کے شوق کی آگ دل کے نہاں خانوں میں روشن ہو' اس کے بعد سفر کا عزم و

ارادہ ہو' پھر ان رکاوٹوں کو دور کرنے کی کوشش ہو جو سفر حج کے لیے مانع ہوں پھر احرام کا کپڑا خریدا جائے' پھر زادِ راہ اور سواری کا انتظام کیا جائے' سفر کا آغاز میقات سے احرام اور تلبیہ' مکہ مکرمہ میں داخلہ' افعالِ حج کی ابتدا وغیرہ۔ یہ تمام حج کے مراحل ہیں۔ ان تمام مرحلوں میں یاد کرنے والے کے لیے تذکرہ ہے' عبرت حاصل کرنے والے کے لیے سامانِ عبرت ہے' مرید صادق کے لیے تنبیہ ہے' اور ذہین آدمی کے لیے اشارات ہیں۔ ذیل میں ہم ان تمام امور کی کلید بیان کرتے ہیں' اس طرح ہر حاجی کو اس کی ذہانت' صفاء' قلب اور طہارت باطن کے بقدر باطنی اعمال کے اسرار معلوم ہو جائیں گے۔

فہم : وصول الی اللہ ایک منزل ہے' انسان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ جب تک اس کا نفس شہوات اور لذات سے پاک نہ ہو' قناعت پسند نہ ہو' اور اپنی تمام حرکات و سکنات میں خدائے وحدہ لاشریک کے تابع نہ ہو اس وقت تک یہ منزل حاصل نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ سابقہ امتوں کے راہب مخلوق سے کنارہ کش ہو گئے' پہاڑوں کی چوٹیوں پر رہنے لگے' اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے لیے لوگوں نے کنارہ کشی اختیار کرلی۔ اللہ کے لیے تمام لذتیں اور شہوتیں ترک کردیں' اور آخرت کے لالچ میں نفس کو سخت ترین مجاہدوں پر مجبور کیا' قرآن پاک میں ان راہبوں کی تعریف کی گئی ہے اور ارشاد فرمایا :

ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ (پ ۶ ر ۱۵ آیت ۸۲)

یہ اس سبب سے ہے کہ ان میں بہت سے عالم ہیں' اور بہت سے تارکِ دنیا (درویش) ہیں اور یہ لوگ متکبر نہیں ہیں۔

جب رہبانیت ختم ہو گئی' اور لوگ اللہ کی عبادت میں غفلت کرنے لگے' شہوات کی پیروی عام ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے طریقۂ آخرت کے احیاء' اور پیغمبروں کی سنت کی تجدید کے لیے نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں مبعوث فرمایا' پچھلے پیغمبروں کے متبعین نے آپ سے رہبانیت اور سیاحت کے متعلق دریافت کیا' آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہماری امت کو رہبانیت اور سیاحت کے بدلے میں جہاد اور بلندی پر تکبیر عطا کی ہے' (۱) اس سے مراد حج ہے' کسی نے صائمین کے متعلق دریافت کیا' ارشاد فرمایا :

ھم الصائمون (بیہقی۔ ابو ہریرہ)

وہ لوگ روزہ دار ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کا انعام عظیم ہے کہ اس نے امت محمدی کے لیے حج کو رہبانیت کے قائم مقام بنا دیا' نہ صرف یہ بلکہ اس گھر کو بھی شرف و عظمت کا محور قرار دیا' جس کی زیارت کا نام حج ہے' اس گھر کی نسبت اپنی ذات کی طرف فرمائی' اسے بندوں کا مقصود ٹھہرایا' اور اس علاقے کو جہاں بیت اللہ واقع ہے حرم قرار دیا۔ پھر اس علاقے کے جانور اور درخت بھی محترم بنا دیئے تاکہ حرم کی عظمت و توقیر زیادہ ہو' زائرین دور دراز علاقوں سے دشوار گزار راستوں سے ہوتے ہوئے پراگندہ حال اور غبار آلود لباس میں حاضر ہوتے ہیں' اور رب البیت کی عظمت و جلال کی اپنے ہر عمل سے شہادت دیتے ہیں انکساری' خضوع اور خشوع کے ساتھ اس گھر کا طواف کرتے ہیں۔ اس گھر کے پورے احترام کے باوجود اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات احاطۂ مادہ سے ماوراء ہے بندوں کا یہ اعتراف ان کے اعتقاد' اطاعت اور عبودیت کے تقاضوں کی تکمیل کرتا ہے' حج میں وہ اعمال فرض کیے گئے ہیں جن کی حقیقت کے ادراک سے دل و دماغ عاجز ہیں' مثلاً" کنکریاں مارنا' صفا اور مروہ کے درمیان بار بار دوڑنا وغیرہ۔ یہ افعال اس لیے فرض کیے گئے

---

(۱) یہ روایت مختلف کتابوں میں موجود ہے' ابو داؤد میں ابو امامہ کی روایت کے الفاظ ہیں "ان رجلا قال یارسول اللہ ائذن لی فی السیاحۃ فقال ان سیاحۃ امتی الجہاد فی سبیل اللہ" طبرانی میں یہ روایت ان الفاظ میں ملتی ہے۔" ان لکل امۃ سیاحۃ وسیاحۃ امتی الجہاد فی سبیل اللہ" ترمذی' نسائی' اور ابن ماجہ میں ابو ہریرہ کی روایت ہے" ان رجلا قال یارسول اللہ انی ارید ان اسافر فاوصنی قال علیک بتقوی اللہ والتکبیر علی کل شرف"

ہیں تاکہ بندوں کی عبدیت کا پورا پورا اظہار ہو۔ دوسری عبادات کی یہ شان نہیں ہے۔ مثلاً "زکوٰۃ" اس عبادت کا مفہوم معلوم ہے' طبیعت داد و دہش کی طرف رجحان بھی رکھتی ہے' اس عبادت کی علت بھی واضح ہے یعنی طبیعت بھی بخل کے رذیلے سے پاک ہو جائے روزہ کا مقصد شہوات کا خاتمہ ہے' دراصل یہ شہوت ہی دشمن خدا شیطان لعین کا ہتھیار ہے' اس ہتھیار کے ٹوٹنے سے انسان دوسرے مشاغل سے بے نیاز ہو کر اللہ کی عبادات میں مصروف ہو جاتا ہے' رکوع اور سجود میں خداوند قدوس کے لیے تواضع کا اظہار ہے' اور اس ذات پاک کی تعظیم ہے' نفس اللہ کی تعظیم سے انس رکھتا ہے' مگر حج کے افعال سے نہ نفس کو انس ہے نہ طبیعت کو دلچسپی ہے' نہ عقل کے لیے حقائق کا ادراک آسان ہے' حج کے سلسلے میں شریعت کے احکام کی تعمیل محض اس لیے ہوتی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے' اور واجب الاتباع ہے' یہاں عقل کے تصرف' اور نفس کے میلان کا اعتبار نہیں ہوتا' ہم یہ دیکھتے ہیں کہ عقل جن امور کا ادراک کرلیتی ہے نفس ان میں دلچسپی لیتا ہے اور یہی دلچسپی عمل پر ابھارتی ہے' اس طرح کے عمل سے کمال عبدیت اور کمال اطاعت کا اظہار نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر حج کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا۔ لبیک بحجۃ حقا تعبدا' میں حاضر ہوں حج کے لیے حقیقت میں بندگی کی راہ سے یہ الفاظ نماز روزے اور دوسری عبادات کے سلسلے میں ارشاد نہیں فرمائے۔

شوق : شوق کا مرحلہ فہم کے بعد ہے' یہ جذبہ اس یقین کے بعد پیدا ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ اللہ عزوجل کا گھر ہے' اس نے اپنے گھر کو بادشاہ کے دربار کی طرح بنایا ہے اس کی زیارت کرنے والا درحقیقت اللہ تعالیٰ کی زیارت کرتا ہے' دنیا میں کی ہوئی یہ زیارت ضائع نہیں جاتی' بلکہ آخرت میں اس کا نتیجہ سامنے آتا ہے' یعنی دیدار الٰہی نصیب ہوتا ہے' اس لیے کہ دنیا میں آنکھ اپنے عجز اور فنا کی وجہ سے دیدار الٰہی کی متحمل نہیں ہوسکتی' آخرت میں اسے بقا کی مدد ملے گی' اور اس میں دیدار الٰہی کے تحمل کی استعداد پیدا کردی جائے گی' دنیا میں انسان دیدار الٰہی سے محروم رہے گا۔ لیکن خانہ کعبہ کی زیارت سے خانہ کعبہ کے مالک کی زیارت کا استحقاق اسے حاصل ہو جائے گا' غرض خانہ کعبہ کی زیارت کے شوق کی بنیاد دیدار خداوندی کے شوق پر ہے۔ یوں بھی عاشق کو ہر اس چیز سے محبت ہوتی ہے جس کی نسبت معشوق کی طرف ہو' خانہ کعبہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے' اس لحاظ سے بھی انسان کو اجر و ثواب سے بے نیاز ہو کر زیارت کعبہ کا مشتاق ہونا چاہیے۔

عزم : اس سلسلے میں یہ تصور ہونا چاہیے کہ میں گھر والوں کی جدائی' کو وطن کی مفارقت' اور شہوات و لذات سے دور رہنے کا ارادہ خانہ کعبہ کی زیارت جیسے عظیم مقصد کے لیے کیا ہے' ارادہ کرنے والے کو چاہیے کہ اپنے دل میں بیت اللہ شریف اور خداوند قدوس کی عظمت و جلال کا اعتراف کرے' اور یہ جانے کہ اس نے ایک عظیم الشان اور اہم ترین عمل کا ارادہ کیا ہے' اور جو شخص عظیم کام انجام دیتا ہے وہ اس کے لیے اپنی ہر عظیم چیز قربان کردیتا ہے' اپنے ارادے میں مخلص ہو' یہ بات جان لینی چاہیے کہ ارادے اور عمل میں اخلاص کے علاوہ کوئی دوسرا جذبہ مقبول نہیں ہے۔ کتنی بری بات ہے کہ آدمی بیت اللہ کی زیارت کے لیے سفر کررہا ہو اور دل میں اس زیارت کے علاوہ کوئی دوسرا مقصد ہو۔ اس لیے اپنے ارادے میں اخلاص پیدا کرلینا چاہیے' اور اس کی آسان صورت یہ ہے کہ نام و نمود شہرت اور ریاکاری سے اجتناب کرے' اور ہر ادنیٰ عمل کے مقابلے میں اعلیٰ عمل کو ترجیح دے۔

قطع علائق : یہ ہے کہ آدمی سفر سے پہلے حق داروں کے تمام حقوق ادا کردے' اور گناہوں سے خلوص دل کے ساتھ توبہ کرلے' آدمی کے ذمے اگر کسی کا کوئی حق ہے تو اس کی مثال قرض خواہ کی سی ہے جو جانے والے کا دامن پکڑ کر اپنا قرض مانگتا ہے' اور یہ کہتا ہے کہ کہاں کا ارادہ ہے؟ کیا ملک الملوک کے دربار کا سفر درپیش ہے' تمہیں اس کے دربار کی حاضری سے شرم نہیں آئے گی؟ حالانکہ تم اس کے احکام کی تعمیل نہیں کرتے' اور اسے حقیر سمجھتے ہو' شرم کرو گناہوں کا بوجھ لیے جارہے ہو کیا وہ تمہارا حج قبول کرے گا۔ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارا حج قبول ہو تو پہلے لوگوں کے حقوق ادا کرو' گناہوں سے توبہ کرو' اور اپنے دل کا رشتہ ہر

طرف سے منقطع کرلو' تاکہ تمہارے ظاہر کی طرح تمہارا باطن بھی اللہ کے گھر کی طرف متوجہ ہو۔ اگر تم ایسا نہیں کروگے تو اس سفر سے نہیں رنج' مشقت اور تھکن کے علاوہ کچھ نصیب نہیں ہوگا۔ تم ٹھکرا دیئے جاؤ گے اور تمہارے اعمال مسترد کردیئے جائیں گے۔

وطن سے اپنا رشتہ اس طرح منقطع کرلے جیسے اب واپسی نہیں ہوگی' یہ سوچ لے کہ مسافر موت کا نشانہ ہوتا ہے' اگر خدا کی مرضی ہوگی تو واپسی ہوجائے گی ورنہ واپسی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' اپنی بیوی بچوں کو وصیت کردے تاکہ واپس نہ ہونے کی صورت میں وہ اس کے مطابق عمل کریں۔ سفرحج کے لیے قطع علائق کے وقت آخرت کے سفر کا تصور کرے' اور یہ سوچے کہ آخرت کے سفر سے بھی تمام علائق منقطع ہوجائیں گے' یہ سفر عنقریب پیش آنے والا ہے' سفرحج کے دوران ہمہ وقت سفر آخرت کا دھیان رکھے' اس لیے کہ آخرت ہی اصل ٹھکانا ہے' وہی دار القرار ہے' یہ سفر اسی آخری سفر کی تیاری کا مرحلہ ہے۔

زادراہ : زادراہ حلال کی کمائی سے تیار کرنا چاہیے' اگر کسی گوشے میں یہ خواہش ہو کہ زادراہ زیادہ اور اچھا ہونا چاہیے تاکہ اس طویل سفر کے لیے کافی ہو' اور منزل پہنچنے سے پہلے خراب نہ ہو' تو سفر آخرت کا دھیان بھی کرے' یہ سفر اس سفر سے کہیں زیادہ دشوار اور طویل ہوگا۔ سفر آخرت کے لیے زادراہ تقویٰ ہے' اس کے علاوہ جو کچھ ہے سب یہیں رہ جاتا ہے' آگے کوئی ساتھ نہیں دیتا جس طرح تازہ کھانا سفر کی ایک ہی منزل گزرنے کے بعد خراب ہوجاتا ہے' اور ضرورت کے وقت مسافر پریشان ہوتا ہے' کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی' اسی طرح وہ اعمال بھی ساتھ چھوڑدیں گے جو ریاء اور گناہوں کی آمیزش سے خراب ہوچکے ہیں۔ اس وقت کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوگی۔

سواری : جب سواری سامنے آئے اللہ عزوجل کا شکرادا کرے اس نے ہمارا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے' اور ہماری تکلیف دور کرنے کے لیے جانوروں کو ہمارے تابع کردیا۔ اس وقت یہ بھی یاد کرے کہ جس طرح سفرحج کے لیے سواری آئی ہے' ایک روز اسی طرح سفر آخرت کے لیے بھی سواری آئے گی' یعنی جنازہ اٹھایا جائے گا' اور لوگ قبرستان لے چلیں گے' سفرحج سفر آخرت کے مشابہ ہے' اس لیے جب سواری پر بیٹھنے لگے تو یہ ضرور دیکھ لے کہ اس کا یہ سفر آخرت کے سفر کا توشہ ہوسکے گا یا نہیں۔ آخرت کا سفر سامنے ہے اور یقینی ہے' کسی کو کیا معلوم کہ موت قریب ہے اونٹ کی سواری قریب ہے' یہ بھی ممکن ہے کہ اونٹ پر سوار ہونے کے بجائے کاندھوں پر سوار ہونا پڑے یہ سفرجس کے لیے اس قدر تیاری کی جارہی ہے' مشکوک ہے' آخرت کا سفر مشکوک نہیں ہے' حیرت ہے کہ یقینی سفر سے غفلت برتی جائے' اور غیر یقینی سفر کا اس قدر اہتمام کیا جائے۔

احرام کی خریداری : جب احرام کی چادریں خریدنے لگے تو کفن کا تصور ضرور کرے' یہ چادریں اس وقت اوڑھی جائیں گی جب خانہ کعبہ قریب ہوگا' کیا عجب ہے کہ یہ سفر پورا ہی نہ ہو' احرام کی نوبت ہی نہ آئے' اور احرام کی بجائے کفن پہننا پڑے' جس طرح اللہ تعالیٰ کے گھر کی زیارت اس لباس کے بغیر نہیں ہوتی جو عام لباس کے مخالف ہو' اس طرح رب الکعبہ کی زیارت اور دیدار اس لباس کے بغیر نہیں ہوتا جو دنیاوی لباس کے مخالف ہو۔ احرام کے کپڑے کفن کے مشابہ ہیں' نہ احرام سلا ہوا ہوتا ہے' اور نہ کفن سلا ہوا ہوتا ہے۔

شہر سے باہر نکلنا : جب شہر سے باہر آئے تو یہ سوچے کہ میں اپنے اہل وطن سے محض اللہ کے لیے جدا ہورہا ہوں میرا یہ سفر دنیاوی اسفار کی طرح نہیں ہے' میں ملک الملوک کے مقدس و محترم گھر کی زیارت کے لیے ان زائرین کے جھرمٹ میں حاضر ہورہا ہوں جنہیں حاضری کے لیے آواز دی گئی تو انہوں نے لبیک کہا' جنہیں شوق دلایا گیا تو زیارت کے شوق نے انہیں بے تاب کردیا' جنہیں اذن سفر ملا تو انہوں نے تمام دنیاوی رشتے توڑلیے اور اپنے اہل وطن سے جدا ہوکر دربار الٰہی میں حاضر ہوگئے تاکہ رب کعبہ کے دیدار کے عوض کعبۃ اللہ کی زیارت سے مشرف ہوں۔ یہاں تک کہ ان کی مراد حاصل ہوجائے اور وہ اپنے مولیٰ کے دیدار کی

سعادت سے بہرہ اندوز ہوں"۔۔ دوران سفر یہ امید ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس کا یہ عمل قبول کرلیں گے' اپنے عمل پر بھروسہ نہ ہونا چاہیے' اور یہ زعم ہونا چاہیے کہ ہم نے اپنے گھربار اور اہل و عیال چھوڑے ہیں' اور ہم طویل دشوار گزار راستوں سے ہو کر یہاں حاضر ہیں اس لیے ہمارا یہ عمل ضرور قبول ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و انعام پر بھروسہ کرے' اور یہ یقین رکھے کہ اس نے اپنے گھر کی زیارت کرنے والوں سے جو وعدہ کیا ہے وہ ضرور پورا ہوگا اور یہ امید رکھے کہ اگر وہ منزل تک پہنچنے سے پہلے ہی آخرت کا مسافر بن گیا تو خدا تعالیٰ سے اس کی ملاقات اسی حال میں ہوگی۔ کیونکہ اس کا فرمان ہے :

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ۔

(پ ۵ ر ۱۱ آیت ۱۰۰)

اور جو شخص اپنے گھر سے اس نیت سے نکل کھڑا ہو کہ اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کروں گا پھر اس کو موت آپکڑے' تب بھی اس کا ثواب ثابت ہو گیا اللہ تعالیٰ کے ذمے۔

راستے میں : راستے کی گھاٹیاں دیکھ کر وہ احوال یاد کرے جو مرنے کے بعد میقات قیامت تک پیش آئیں گے' سفر کی ہر حالت اور ہر کیفیت کا موازنہ سفر آخرت کی ہر حالت اور ہر کیفیت سے کرے' مثلاً" رہزنوں کی دہشت سے منکر نکیر کے سوال کی دہشت کا موازنہ کرے' جنگل کے درندوں سے قبر کے کیڑے مکوڑوں اور سانپ بچھوؤں کا موازنہ کرے' اعزہ و اقرباء کی جدائی سے قبر کی تنہائی اور وحشت کا موازنہ کرے ۔۔۔ اس سفر کے دوران قول و عمل پر جس قدر خوف الٰہی غالب ہوگا قبر کے لیے اتنا ہی بڑا زادراہ تیار ہوگا۔

میقات سے احرام و تلبیہ :

جب میقات سے احرام باندھے' اور لبیک کہے' تو اس کے معانی پر اچھی طرح غور کرے' یہ ایک لفظ ہے' جس کا مطلب یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی نداء پر لبیک کہتا ہوں۔ جب یہ لفظ ادا کرے تو جواب کی قبولیت کی امید رکھے' لیکن اس کے ساتھ یہ خوف بھی رہنا چاہیے کہ کہیں میرا جواب مسترد نہ ہو جائے' اور یہ ندا نہ آجائے "لا لبیک ولا سعدیک" اس سلسلے میں خوف اور امید کے درمیان متردد رہے' اپنی طاقت پر بھروسہ نہ کرے' اور نہ یہ سمجھے کہ اس کی حاضری بالیقین ہے متبول ہوگی' بلکہ اللہ کے فضل و کرم پر بھروسہ کرے۔ تلبیہ ہی حج کا نقطۂ آغاز ہے' اس میں جتنی بھی احتیاط کی جائے کم ہے' سفیان ابن عیینہؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت علی ابن الحسینؓ نے حج کا احرام باندھا' جب سوار ہونے لگے تو چہرہ زرد پڑ گیا' جسم کا رواں رواں کانپنے لگا' تلبیہ ادا نہ کرسکے' کسی نے عرض کیا' تلبیہ کیوں نہیں کہتے۔ فرمایا ڈرتا ہوں کہ کہیں مجھے یہ نہ کہہ دیا جائے "لا لبیک ولا سعدیک"۔ بمشکل تمام آپ نے لبیک کہا' اور بے ہوش ہو کر سواری سے گر پڑے' حج کی ادائیگی تک آپ پر یہی کیفیت طاری رہی۔۔ احمد ابن ابی الحواریؒ کہتے ہیں کہ میں ابو سلیمان دارانیؒ کے ساتھ تھا۔

جب انھوں نے احرام باندھ لیا تو تلبیہ کہے بغیر چل پڑے' اور اسی طرح ایک میل کی مسافت طے کرلی' اچانک بے ہوش ہو کر گر پڑے' جب ہوش میں آئے تو مجھ سے خطاب کرکے فرمایا! اے احمد! اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اے موسیٰ اپنی قوم کے ظالموں سے کہہ دو کہ وہ میرا ذکر کم سے کم کریں' اس لئے کہ جب وہ میرا ذکر کرتے ہیں تو میں لعنت کے ساتھ انکا تذکرہ کرتا ہوں' میں نے سنا ہے کہ جو شخص ناجائز حج کرتا ہے' اور لبیک کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

لَا لَبَّيْكَ وَلَا سَعْدَيْكَ حَتّٰى تَرُدَّ مَا فِيْ يَدَيْكَ

نہ تیرا لبیک معتبر ہے اور نہ سعدیک معتبر ہے جب تک تو وہ چیز واپس نہ کردے جو (دوسرے لوگوں

کی) تیرے قبضے میں ہے۔

اے احمد! ہمیں ڈر ہے کہ کہیں یہ جملہ ہمارے لبیک کے جواب میں نہ کہہ دیا جائے۔ جب حاجی لبیک کہے تو یہ آیت کریمہ ذہن میں رکھے۔

وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ

اور لوگوں کو حج کے لئے پکار

تلبیہ دراصل اسی نداء کا جواب ہے۔ جس کا حکم اس آیت کریمہ کے ذریعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیا گیا تھا۔ تلبیہ کے وقت یہ سوچے کہ صور قیامت کے ذریعہ بھی لوگوں کو پکارا جائے گا۔ اور لوگ اپنی اپنی قبروں سے اٹھ کر قیامت کے میدان میں جمع ہوں گے۔ ان میں سے کچھ لوگ مقرب ہونگے کچھ وہ لوگ ہونگے جو غضب الٰہی کے مستحق ہیں' کچھ ٹھکرائے ہوئے ہونگے' اور کچھ لوگ امید و بیم کی کش مکش میں مبتلا ہوں گے' ان کی حالت حجاج کی حالت کے مشابہ ہوگی' انہیں یہ معلوم نہ ہوگا کہ اللہ نے ان کا حج مقبول کرلیا ہے' یا رد کردیا ہے۔

مکہ میں داخلہ : مکہ مکرمہ میں داخلے کے وقت یہ ذہن میں رکھے کہ میں حرم مامون میں پہنچ گیا ہوں' اور یہ توقع رکھے کہ مکہ مکرمہ کے داخلے سے وہ عذاب الٰہی سے بھی مامون و محفوظ ہو جائے گا' اور اس خیال سے ڈرتا رہے کہ اگر میں قرب الٰہی کا اہل قرار نہ پایا تو حرم کعبہ سے نامراد و ناکام واپس جاؤں گا۔ اور غضب الٰہی کا مستحق ٹھہروں گا' امید و بیم کی اس کش مکش میں امید غالب رہنی چاہیے اسلئے کہ خداوند قدوس کا کرم عام ہے' وہ رحیم ہے خانہ کعبہ مقدس و محترم ہے' آنیوالے کے حق کی رعایت کی جاتی ہے' اور مانگنے والے کو محروم نہیں کیا جاتا۔

خانہ کعبہ کی زیارت : جب خانہ کعبہ پر نظر پڑے تو دل میں اسکی عظمت و جلالت محسوس کرے' اور یہ خیال کرے کہ وہ اس وقت رب کعبہ کے دیدار کا شرف حاصل کر رہا ہے' اس وقت یہ امید بھی رکھے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے عظیم گھر کی زیارت کی سعادت سے نوازا ہے' اسی طرح اپنے وجہ کریم کے دیدار کے شرف سے بھی نوازے گا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ اس نے عظیم مرتبہ پر پہنچایا' اور اپنے پاس آنے والوں کے زمرہ میں داخل فرمایا' اس موقعہ پر جنت میں داخلے کا تصور بھی کرے' لوگوں کا ہجوم جنت کے دروازے پر ہوگا' کچھ لوگوں کو داخلے کی اجازت مل جائے گی' اور کچھ لوگ واپس کردیئے جائینگے۔ حج کے دوران جو حالات پیش آئیں' سب کا آخرت کے احوال سے موازنہ کرے' حج کے تمام احوال آخرت کے حالات پر دلالت کرتے ہیں' اس معاملے میں غفلت کا شکار نہ ہو۔

طواف کعبہ : جاننا چاہیے کہ طواف کعبہ نماز کے مشابہ ہے' نماز کی طرح طواف میں بھی خشوع خضوع تعظیم' خوف اور رجاء کا استحضار رہنا چاہیے' باب اسرار الصلوٰۃ میں ہم اس موضوع پر طویل گفتگو کرچکے ہیں۔ طواف ایک ایسی عبادت ہے' جس میں مشغول ہونے سے آدمی ان مقربین ملائکہ سے مشابہت اختیار کرلیتا ہے جو عرش کے گرد جمع ہو کر طواف کرتے ہیں۔ طواف کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے کہ آدمی کا جسم خانہ کعبہ کا طواف کرے' بلکہ اصل مقصود دل کا طواف ہے' جو ذکر الٰہی سے ادا ہوتا ہے' اس طواف کا طریقہ یہ ہے گفتگو کا آغاز بھی ذکر الٰہی سے ہو اور اختتام بھی ذکر الٰہی پر ہو جاننا چاہیے کہ اصل طواف یہ ہے کہ دل باری تعالیٰ کا طواف کرے' خانہ کعبہ عالم ظاہر میں دربار الٰہی کا نمونہ ہے' کیونکہ دربار الٰہی عالم ملکوت میں ہے' اس لئے ظاہری نگاہ سے اس کا مشاہدہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے عالم ظاہر میں بدن دل کا نمونہ ہے' اور دل عالم غیب میں ہے' آنکھوں سے نظر نہیں آتا' یہاں یہ بات بھی جان لینی چاہیے کہ عالم ظاہر یا عالم شہود عالم باطن یا عالم ملکوت کا زینہ ہے' علماء کہتے ہیں کہ آسمان کا بیت المعمور زمین کے کعبہ کے مقابل میں ہے۔ فرشتے بیت المعمور کا اسی طرح طواف کرتے ہیں' جس طرح لوگ کعبہ کا طواف کرتے ہیں کیونکہ اکثر لوگ اس طواف سے عاجز ہیں اس لئے انہیں حکم ہوا کہ وہ بقدر وسعت فرشتوں کے ساتھ مشابہت اختیار کریں' اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ان سے یہ وعدہ کیا گیا۔

من تشبہ بقوم فھو منھم (ابوداؤد۔ ابن عمرؓ)

جو شخص کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے وہ انہی میں سے ہے۔

جو شخص طواف حقیقی پر قادر ہے اس کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ خانہ کعبہ خود اسکی زیارت کرتا ہے' چنانچہ اہل کشف نے متعدد بزرگان دین کی یہی کیفیت دیکھی ہے۔

استلام : حجر اسود کو بوسہ دیتے ہوئے یہ اعتقاد کرے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر بیعت کرتا ہوں اس وقت یہ عہد بھی کرے کہ میں اپنا وعدہ پورا کروں گا' اور اس عہد کی تکمیل کروں گا۔ عہد پورا نہ کرنے والے غضب الٰہی کے مستحق ہوتے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

الحجر الاسود یمین اللہ عزوجل فی الارض یصافح بہا خلقہ کما یصافح

الرجل اخاہ (۱)
حجر اسود زمین میں اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ ہے اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے اسی طرح مصافحہ کرتا ہے جس طرح آدمی اپنے بھائی سے مصافحہ کرتا ہے۔

پردۂ کعبہ اور ملتزم :
ملتزم سے چمٹنے کے وقت یہ نیت کرے کہ میں محبت اور شوق سے بیتاب ہو کر قرب خداوندی کا طالب ہوں' دل میں یہ اعتقاد رکھے کہ میرے جسم کا جو حصہ ملتزم سے مس ہو جائیگا دوزخ کی آگ سے محفوظ رہے گا کعبہ کے پردے پکڑ کر الحاح وزاری کے ساتھ اپنے گناہوں کی مغفرت چاہے' اور اس شخص کی طرح گڑگڑائے جو گناہوں پر ندامت کے بعد اپنے مہربان آقا کے دامن عفو میں پناہ تلاش کرتا ہے' اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہے اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ تیرے علاوہ نہ میری کہیں پناہ گاہ ہے' نہ میرا کوئی ٹھکانہ ہے' اور اس وقت تک دامن نہیں چھوڑتا جب تک آقا گناہوں کی معافی کا اعلان نہیں کر دیتا۔

صفا اور مروہ کے درمیان سعی : صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی غلام اپنے آقا کی نشست گاہ میں بار بار آئے' اور آقا کے چشم وابرو کے اشارے پر ہر خدمت کے لئے مستعد رہے' یا اس شخص کی طرح ہے جو بادشاہ کے دربار میں بار بار جائے اور اپنے بارے میں بادشاہ کے حکم کا منتظر رہے' دل امید و بیم کی کشمکش میں گرفتار ہو۔ جب سعی کرے تو میزان قیامت کا تصور کرلے۔ صفا نیکی کا پلڑا ہے' اور مروہ برائی کا پلڑا ہے پھر یہ سوچے کہ قیامت کے روز ان دونوں پلڑوں پر نظر رہے گی' کبھی یہ اٹھتا ہوا محسوس ہو گا اور کبھی جھکتا ہوا لگے گا' دیکھئے کونسا پلڑا غالب آتا ہے اور کونسا پلڑا مغلوب' غضب الٰہی کا مستحق رہتا ہوں یا رضائے الٰہی کا۔ عذاب کا پروانہ ملتا ہے یا مغفرت کا۔

وقوف عرفات : عرفات کے میدان میں لوگوں کا جم غفیر نظر آتا ہے' آوازیں بلند ہوتی ہیں' مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں' اور مشاعر کی آمد و رفت میں لوگ اپنے اپنے آئمہ کی تقلید کرتے ہوئے نظر آتے ہیں' یہ منظر میدان قیامت کے منظر سے مشابہ ہے' وہاں بھی قومیں اپنے اپنے پیغمبروں کے پیچھے ہوں گی' ہر شخص اپنے نبی کی شفاعت کا منتظر ہو گا۔ اور اس فکر میں مبتلا ہو گا کہ اس کے حق میں یہ شفاعت قبول کی جائے گی یا نہیں۔ حاجی کے دل میں جب میدان قیامت کا خیال آئے تو گریہ طاری کرلے' اور اللہ تعالیٰ کی طرف لو لگالے' انشاء اللہ کامیاب لوگوں کے زمرے میں اٹھایا جائے گا۔ اس میدان میں کی ہوئی دعائیں انشاء اللہ تعالیٰ مقبول ہوں گی' کیونکہ یہ مقدس و محترم میدان ہے' یہاں ہر وقت رحمت خداوندی کا نزول رہتا ہے' یہ میدان او تاد وابدال' صلحاء اور ارباب قلوب سے کبھی خالی نہیں رہتا' جب یہ لوگ آہ و زاری کرتے ہیں' دست بدعا ہوتے ہیں' اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی گردنیں خم کرتے ہیں' اور پر امید نگاہوں سے آسمانوں کی طرف دیکھتے ہیں تو ان کی دعائیں ضائع نہیں جاتیں' بلکہ ان پر وہ رحمت نازل ہوتی ہے جو سب کو ڈھانپ لے' اسی وجہ سے علماء کہتے ہیں کہ بد ترین گناہ یہ ہے کہ آدمی عرفات میں پہنچنے کے بعد بھی یہ تصور کرے کہ میری مغفرت نہیں ہوئی ہے' حج کا راز اور مقصود ہی یہ ہے کہ ہمتوں کا اجتماع ہو' اور ملکوں ملکوں کے او تاد وابدال کے وجود سے انہیں تحریک ملے' رحمت الٰہی کو جوش میں لانے کا اس سے اچھا ذریعہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ ہمتیں ایک زمین پر ایک وقت میں جمع ہوں اور دل ایک دوسرے کی مدد کریں۔

رمی جمار : کنکریاں پھینکنے کے وقت یہ نیت کرے کہ میں اظہار بندگی کے طور پر تعمیل حکم خداوندی کر رہا ہوں' اس کام میں

(۱) احیاء العلوم کی کتاب العلم میں یہ روایت عبد اللہ ابن عمرؓ سے نقل کی گئی ہے۔

جسے انجام دے رہا ہوں نہ نفس کے لئے کوئی حظ ہے اور نہ عقل کے لئے فکر کی کوئی گنجائش ہے' پھر یہ سوچے کہ میں اس عمل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسوہ کی تقلید کر رہا ہوں' ہزاروں سال قبل آج ہی کے دن شیطان لعین ان کے سامنے ظاہر ہوا تھا' اور اس نے اللہ کے پیغمبر کے حج میں خلل ڈالنے اور انہیں کسی مصیبت میں مبتلا کرنے کی کوشش کی تھی' لیکن اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو دشمن کے ارادے سے باخبر کر دیا' اور حکم دیا کہ وہ اس کو روکنے کے لئے اور اس کی ناپاک امید منقطع کرنے کے لئے کنکریاں ماریں۔ بعض لوگ یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت ابراہیم السلام کے سامنے تو شیطان ظاہر ہوا تھا آپ نے اس لئے کنکریں ماری تھیں' ہمارے سامنے تو شیطان آیا نہیں پھر ہم کیوں یہ کام کریں' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ شبہ بھی شیطان ہی کا پیدا کردہ ہے' وہی معترضین کے دلوں میں یہ بات ڈال رہا ہے کہ تم اس بیکار و لغو کام میں مت پڑو' اس طرح وہ تمہیں تمہارے ارادے سے باز رکھنا چاہتا ہے' اور اپنا بچاؤ کر رہا ہے۔ اچھی طرح سمجھ لو کہ یہ کام بے فائدہ نہیں ہے' اس کے بعد پوری کوشش اور قوت کے ساتھ کنکریاں مارو' اور یہ تصور کرو کہ شیطان تمہارے سامنے ہے' اور تم اسے اپنے پاس سے بھگا رہے ہو۔ اگرچہ یہ کنکریاں بظاہر زمین پر گر رہی ہیں' لیکن حقیقت میں شیطان کے منہ پر پڑ رہی ہیں' اور اس کی کمر توڑے دے رہی ہیں' شیطان کی تذلیل و توہین اسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل کی جائے جس میں نفس اور عقل کو کوئی دخل نہیں ہے۔

مدینہ منورہ کی زیارت : جب تمہاری نظر مدینہ منورہ کی دیواروں پر پڑے تو یہ سوچو کہ مدینہ منورہ وہی شہر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پسند فرمایا' اور اس کو آپ کے لئے دار الہجرت قرار دیا۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے فرائض اور سنن شروع فرمائے' دشمنوں کے ساتھ جہاد کیا' اور دین حنیف کی سربلندی کے لئے جدوجہد فرمائی وفات کے بعد بھی اس سرزمین کو یہ سعادت ملی کہ آپ کا جسد مبارک اس کے پہلو میں رہے' آپ کے دو معتمد وزیروں کی قبریں بھی یہیں آپ کی قبر مبارک کے برابر میں ہیں' مدینہ میں داخل ہونے کے بعد یہ سوچو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک اس سرزمین پر پڑے ہوں گے' میں جس جگہ بھی اپنا پاؤں رکھ رہا ہوں کبھی ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ اپنا قدم رکھتے تھے' ادب کا تقاضہ یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں وقار' سکون اور خوف کے ساتھ چلو' چلتے پھرتے یہ سوچتے رہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتار میں کتنا وقار تھا اور کس قدر تواضع تھی' اس کے ساتھ ہی یہ تصور بھی کرو کہ اللہ نے اپنے محبوب رسول کے دل میں اپنی معرفت کا کتنا بڑا حصہ ودیعت فرمایا تھا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے کس قدر عظمت عطا کی ہے کہ آپ کا ذکر بلند کیا' اپنے ساتھ آپ کا تذکرہ کیا۔ اور ان لوگوں کے عمل باطل کر دینے کی وعید نازل فرمائی' جو آپ کی تعظیم نہیں کرتے' اور آپ کی آواز پر اپنی آواز بلند کرتے ہیں۔ صحابہ کرام کا تصور بھی کرو' ان پر خداوند قدوس نے کتنا بڑا انعام کیا ہے انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک صحبت نصیب فرمائی' آپ کے دیدار کی سعادت عطا کی اور آپ کے ارشادات سننے کی توفیق بخشی اس وقت اپنے حال پر افسوس کرو کہ یہ سعادت ہمارے مقدر میں نہ تھی۔ حد تو یہ ہے ہمیں آپ کے اصحاب کی زیارت بھی نصیب نہ ہو سکی۔ دنیا میں ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کی سعادت سے محروم رہے' آخرت میں محروم نہیں رہیں گے' لیکن کیا معلوم اس وقت ہمارا کیا حال ہو گا' خدا کرے ان لوگوں کا انجام ہمارا انجام نہ ہو جن کے بارے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

یرفع الی اقوام فیقولون! یا محمد یا محمد' فاقول یا رب اصحابی فیقول انک لا تدری ما احدثوا بعدک فاقول بعدا وسحقا۔ (۱)

(بخاری و مسلم۔ ابن مسعودؓ و انسؓ)

---

(۱) بخاری و مسلم کی روایت میں یا محمد یا محمد کے الفاظ نہیں ہیں۔

میرے سامنے کچھ لوگ لائے جائیں گے جو کہیں گے کہ اے محمدؐ! اے محمدؐ! میں کہوں گا یا اللہ یہ لوگ میرے اصحاب ہیں' خداوند قدوس فرمائیں گے" تم نہیں جانتے تمہارے بعد انہوں نے دین میں کیا کیا نئی باتیں ایجاد کی ہیں' یہ سن کر میں لوگوں سے کہوں گا دور رہو" الگ رہو۔

چنانچہ اگر تم لوگوں نے بھی آپ کی لائی ہوئی شریعت کا احترام نہ کیا' اور ایک ہی لمحہ کے لئے سہی اس سے اعراض کیا تو تم بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہی رہو گے' اللہ تعالیٰ سے یہ امید ضرور رکھو کہ وہ تمہیں ایمان کی دولت عطا کرنے کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دور نہیں کرے گا۔ خاص طور پر اس صورت میں کہ اس نے تمہیں وطن سے دور کیا' اور کسی دنیاوی مقصد کے لئے نہیں بلکہ محض آپ کی محبت میں آپ کی زیارت کے شوق کی تکمیل کے لئے یہاں تک پہنچایا۔ تمہارے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شوق تھا' لیکن دنیا میں جب یہ زیارت ممکن نہ ہو سکی تو تم نے اسی پر اکتفا کیا کہ آپ کے آثار مبارکہ اور آپ کی قبر مبارک ہی کی زیارت ہو جائے۔ رحمت خداوندی کے شایان شان یہی ہے کہ اس زیارت کے بعد تم آخرت کی زیارت سے بھی محروم نہ رہو۔ جب تم مسجد نبوی میں پہنچو تو یہ سوچو کہ مسجد نبوی وہ مقدس اور قابل احترام جگہ ہے' جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں میں سے اعلیٰ و افضل لوگوں کے لئے منتخب فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فرائض اسی جگہ ادا کئے گئے ہیں' یہی وہ جگہ ہے جہاں افضل ترین لوگ زندگی میں بھی جمع تھے اور مرنے کے بعد بھی جمع ہیں۔ مسجد نبوی میں خشوع کے ساتھ داخل ہو اور اس مقدس جگہ کا پورا پورا احترام کرو' اس جگہ کے شایان شان یہی ہے کہ ہر مومن کا دل لرزاں رہے' ابو سلیمان روایت کرتے ہیں کہ حضرت اویس قرنیؒ حج کے لئے تشریف لے گئے' جب مدینہ میں حاضری ہوئی اور مسجد نبوی کے دروازے پر پہنچے تو لوگوں نے مزار مبارک کی طرف اشارہ کیا' اور بتلادیا کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے ہیں' یہ سن کر آپ بے ہوش ہو گئے' جب افاقہ ہوا تو اپنے رفقاء سے کہا کہ مجھے یہاں سے واپس لے چلو' مجھے یہ شہر اچھا نہیں لگتا جہاں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم زمین کے اندر ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت : زیارت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ وفات کے بعد بھی آپ کی زیارت اسی طرح کرنی چاہیے جیسے زندگی میں کی جاتی تھی' آپ کی قبر مبارک سے اتنا فاصلہ رہنا چاہیے جتنا فاصلہ آپ کے جسد مبارک سے زندگی میں ہوتا تھا۔ اور جس طرح تم زندگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کو چھونا' بوسہ دینا وغیرہ خلاف ادب سمجھتے ہو اسی طرح وفات کے بعد سمجھو' قبر مبارک کو ہاتھ مت لگاؤ' نہ بوسہ دو' بلکہ دور کھڑے ہو کر متوجہ رہو' مزارات وغیرہ کو بوسہ دینا یہود اور نصاریٰ کی عادت ہے' اس سے گریز کرو۔ یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہاری حاضری' تمہارے قیام اور تمہاری زیارت کا علم ہوتا ہے' تمہارا درود و سلام بھی آپ کی خدمت میں پہنچایا جاتا ہے' اس لئے جب روضۂ اطہر پر حاضری دو تو تصور کر لیا کرو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی لحد مبارک میں ہمارے سامنے تشریف فرما ہیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میری قبر میں ایک فرشتہ مقرر کر دیا ہے جو مجھ تک میری امت کے لوگوں کا سلام پہنچاتا ہے (۱)

یہ حدیث اس شخص سے متعلق ہے جو آپ کی قبر مبارک پر حاضر نہ ہوا ہو۔ بلکہ اپنی جگہ ہی سے درود سلام بھیجے جا رہا ہو' اس شخص کا تصور کیجئے جو وطن سے جدا ہو کر راستے کی مشقتیں برداشت کرتا ہوا لقاء رسول کے شوق میں یہاں پہنچا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

من صلى علي واحدة صلى الله عليه عشرا۔ (مسلم۔ ابو ہریرہؓ' عبداللہ بن عمرؓ)

---

(۱) نسائی' ابن حبان اور حاکمؒ نے روایت عبداللہ ابن مسعودؓ سے ان الفاظ میں منقول ہے "ان اللہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام"

جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمتیں نازل کرتے ہیں۔
یہ اجر و ثواب اس شخص کے لئے ہیں جو محض زبان سے درود و سلام بھیجے' وہ شخص جو بنفس نفیس یہاں حاضر ہو گیا ہے اس کے اجر و ثواب کا کیا عالم ہو گا۔ اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا قبر مبارک پر حاضری دے کر منبر شریف کے پاس آؤ' اور وہ منظر یاد کرو جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوتے تھے' اور مہاجرین و انصار کا ہجوم آپ کے ارشادات سننے میں ہمہ تن مشغول رہتا تھا۔ یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ کے قرب کی دعا کرو۔
حج کے سلسلے میں یہ دل کے اعمال کی تفصیل ہے' جب حج سے فراغت ہو جائے تو اپنے دل پر رنج و غم اور خوف طاری کرے۔ اور یہ سوچتا رہے کہ معلوم نہیں میرا حج قبول ہوا یا نہیں؟ مجھے مقبولین کے زمرے میں شامل کیا گیا ہے یا ان لوگوں کے زمرے میں جنہیں ٹھکرا دیا گیا۔ اور جو غضب الٰہی کے مستحق ہیں؟ اپنے دل پر نظر ڈالے اگر اس کا دل دنیا سے کنارہ کش ہو گیا ہے اور عبادت میں اسے زیادہ لطف محسوس ہونے لگا ہے تو یہ سمجھے کہ اس کی محنت بار آور ہوئی اور حج قبول کر لیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس شخص کا حج قبول کرتا ہے جس سے وہ محبت رکھتا ہے اور جس سے محبت رکھتا ہے اس کے دل میں اپنی محبت ڈال دیتا ہے اور شیطان کو اس پر غالب ہونے نہیں دیتا لیکن اگر معاملہ اس کے برخلاف ہو' یعنی دل میں دنیا کی محبت بڑھ گئی ہو' عبادت کی رغبت کم ہو گئی ہو تو یہ سمجھے کہ اس کا حج ٹھکرا دیا گیا ہے' اور وہ تمام محنت جو اس راہ میں اس نے کی ہے ضائع ہو گئی ہے' پریشانی اور مشقت کے سوا کچھ ہاتھ نہیں لگا۔ نعوذ باللہ سبحانہ و تعالیٰ من ذلک۔

حج کے اسرار کا بیان ختم ہوا۔ اب آداب تلاوت القرآن بیان کئے جائیں گے۔ انشاء اللہ

کتاب آداب تلاوۃ القرآن

قرآن کریم کی تلاوت کے آداب

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ایک نبی مبعوث فرما کر اپنے بندوں پر احسان فرمایا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسی کتاب نازل کی جس کا بالمقابلہ نہیں کر سکتا اہل فکر کے لئے اس کے قصوں اور خبروں میں غور و فکر کی گنجائش ہے' اور کیونکہ اس کتاب میں صراط مستقیم کی نشاندہی کی گئی ہے' اور حرام و حلال کے احکامات بیان کئے گئے ہیں' اس اعتبار سے یہ کتاب روشنی ہے' نور ہے' اس کے ذریعہ نجات ہے' اس میں شفاء ہے جن ظالموں نے اس کتاب کی مخالفت کی اللہ نے ان کی کمر توڑ دی' اور جن لوگوں نے اس سے اعراض کیا اور کسی دوسری کتاب میں علم تلاش کیا وہ گمراہ ہوئے۔ اس کتاب کا نام نور مبین' حبل متین اور عروۃ وثقیٰ ہے' وہ صغیرو کبیر اور قلیل کو حاوی ہے' نہ اس کے عجائب و غرائب کی کوئی انتہا ہے اور نہ اس کے فوائد کو کوئی حد ہے' نہ یہ کتاب کثرت تلاوت کی وجہ سے پرانی ہوتی ہے' یہ وہ کتاب ہے جس نے اولین و آخرین کو ہدایت کی راہ دکھلائی۔ جب جنوں نے یہ کتاب سنی تو اپنی قوم کے پاس پہنچے' اور ان الفاظ میں اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔

فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ وَلَنْ نُشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا۔

(پ ۲۷ ر ۱۱ آیت ۱-۲)

پھر (اپنی قوم میں واپس جاکر) انہوں نے کہا کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو راہ راست بتلاتا ہے سو ہم تو اس پر ایمان لے آئے' اور ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اس پر ایمان لائے' جنہوں نے اس کتاب پر اعتماد کیا وہی راہ یاب ہوئے' جنہوں نے اس کے مطابق عمل کیا وہ دنیا و دین کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔۔۔ قرآن کریم کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :-

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ۔

ہم ہی نے یہ نصیحت (قرآن) نازل کی ہے' اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

حفاظت قرآن کے اسباب یہ ہیں' قرآن پاک کی تلاوت کی کثرت' تلاوت کی شرائط اور ادب کی رعایت' تلاوت کے آداب ظاہری اور اعمال باطنی کی پابندی ذیل کے ابواب میں ہم ان چاروں اسباب پر تفصیلی گفتگو کریں گے۔

پہلا باب

قرآن کریم کی تلاوت کے فضائل

قرآن کریم کی فضیلت : سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

(۱) من قرأ القرآن ثم رأى ان احدا اوتى افضل مما اوتى فقد استصغر ما عظمه الله تعالى۔ (طبرانی۔ عبداللہ ابن عمرو۔ بسند ضعیف)

جس شخص نے قرآن پڑھا اور پھر یہ خیال کیا کہ کسی شخص کو مجھ سے زیادہ ملا ہے تو اس نے گویا اللہ کی بڑی کی ہوئی چیز کو چھوٹی سمجھا۔

(۲) مامن شفيع افضل منزلة عند الله تعالى من القرآن لا نبي ولا ملك ولا غيره (۱) (عبدالملک بن حبیب۔ سعید ابن سلیم مرسلاً)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک قرآن پاک سے بڑھ کر کوئی بلند مرتبہ شفیع نہیں ہوگا نہ نبی' نہ فرشتہ اور نہ کوئی اور شخص۔

(۳) لو كان القرآن في اهاب ما مسته النار (طبرانی' ابن ماجہ' فی الضعفاء' سہل ابن سعدؓ)

اگر قرآن کریم چمڑے میں ہوتا تو اسے آگ نہ چھوتی۔

(۴) افضل عبادة امتى تلاوة القرآن (ابو نعیم فضائل القرآن۔ نعمان بن بشیرؓ انس۔ بسند ضعیف)

میری امت کی افضل ترین عبادت قرآن کی تلاوت ہے۔

(۵) ان الله عزو جل قرأ طه يٰس قبل ان يخلق الخلق بالف عام فلما سمعت الملائكة القرآن قالت طوبى لامة ينزل عليهم هذا وطوبى لاجواف تحمل

---

(۱) یہ حدیث طبرانی میں ابن مسعودؓ سے ان الفاظ میں مروی ہے۔ "القرآن شافع مشفع" اور اور ابن امامہؓ سے ان الفاظ میں مسلم نے روایت کی ہے "اقرؤا القرآن يجيئ يوم القيامة شفيعا لصاحبه"

هذا وطوبی لالسنة تنطق بهذا۔ (دارمی' ابو ہریرہؓ بسند ضعیف)

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی پیدائش سے ایک ہزار برس پہلے طٰہٰ اور یٰسین کی تلاوت فرمائی' جب فرشتوں نے قرآن کریم کی آیات سنیں تو کہنے لگے اس امت کے لئے خوشخبری ہو جن پر یہ آیات نازل ہوں گی' ان سینوں کے لئے خوشخبری ہو جو انہیں یاد کریں گے' اور ان زبانوں کے لئے خوشخبری ہو جو انہیں پڑھیں گی

(۶) خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ۔ (بخاری۔ عثمان ابن عفانؓ)

تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھلائے۔

(۷) من شغله القرآن عن ذكری ومسئلتی اعطیته افضل ما اعطی السائلین (ترمذی۔ ابو سعیدؓ)

جو شخص قرآن کی تلاوت کی وجہ سے میرا ذکر نہیں کر پاتا یا مجھ سے مانگ نہیں پاتا میں اسے مانگنے والوں سے بہتر عطا کرتا ہوں۔

(۸) ثلاثة یوم القیامة علی کثیب من مسک اسود لا یهولهم فزع ولا ینالهم حساب حتی یفرغ مما بین الناس' رجل قرء القرآن ابتغاء وجه الله عزو جل وام به قوما وهم به راضون الخ (طبرانی جامع صغیر۔ ابن عمرؓ)

تین آدمی قیامت کے روز مشک کے سیاہ ٹیلوں پر ہوں گے نہ انہیں گھبراہٹ ہوگی اور نہ ان کا حساب ہوگا یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان کے معاملے سے فراغت ہو' ایک شخص وہ جس نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے قرآن پڑھا' اور اس حال میں لوگوں کی امامت کی کہ وہ اس سے خوش تھے۔

(۹) اهل القرآن اهل الله وخاصته (نسائی فی الکبریٰ' ابن ماجہ' حاکم انسؓ)

اہل قرآن اللہ والے اور اس کے مخصوص لوگ ہیں۔

(۱۰) ان هذه القلوب تصدا کما یصدا الحدید قیل ما جلاءها قال تلاوة القرآن و ذکر الموت (بیہقی فی الشعب۔ ابن عمرؓ)

یہ دل لوہے کی طرح زنگ آلود ہوجاتے ہیں کسی نے عرض کیا قلوب کا جلاء کیا ہے' فرمایا قرآن کریم کی تلاوت اور موت کی یاد۔

(۱۱) لله اشد اذنا الی قاری القرآن من صاحب القینة الی قینتة (ابن ماجہ' ابن حبان' حاکم۔ فضالہ ابن عبیدؓ)

گانے والی لونڈی کا مالک اپنی لونڈی کا گانا جس توجہ سے سنتا ہے اس سے کہیں زیادہ توجہ سے اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے کی تلاوت سنتا ہے۔

ذیل میں آثار بیان کیے جارہے ہیں :۔

ابو امامہ باہلیؓ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم ضرور پڑھا کرو' اور ان لکھے ہوئے صحائف سے دھوکہ مت کھاؤ' اللہ تعالیٰ اس شخص کو عذاب نہیں دے گا جس کے سینے میں قرآن ہو' حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ ارشاد فرماتے ہیں' جب تم علم حاصل کرنا چاہو تو قرآن سے ابتداء کرو' اس لئے کہ قرآن کریم میں اولین و آخرین کا علم ہے' یہ بھی فرمایا کہ قرآن پاک کی تلاوت کیا کرو تمہیں اس کے ہر حرف پر دس نیکیاں ملیں گی' میں یہ نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے' بلکہ الف ایک حرف ہے ل ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے' ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنے نفس سے درخواست کرے تو قرآن ہی کے سلسلے میں کرے' اگر تمہارا نفس قرآن سے محبت رکھتا ہوگا تو وہ اللہ اور اس کے رسول سے بھی محبت رکھے گا۔ اور اگر تمہارا نفس قرآن سے نفرت کرتا ہوگا تو وہ اللہ

اور اس کے رسول سے بھی نفرت کرے گا۔ حضرت عمرو ابن العاصؓ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی ہر آیت جنت کا ایک درجہ ہے اور تمہارے گھروں کا چراغ ہے' یہ بھی فرمایا کہ جو شخص قرآن پڑھتا ہے اس کے دونوں پہلوؤں پر نبوت درج کردی جاتی ہے' البتہ اس پر وحی نازل نہیں ہوتی۔ حضرت ابو ہریرہؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ جس گھر میں قرآن پڑھا جاتا ہے وہ گھر اپنے رہنے والوں پر وسیع ہوجاتا ہے' اس کی برکتیں بڑھ جاتی ہیں' اس میں ملائکہ آتے ہیں اور شیطان نکل جاتے ہیں' اور جس گھر میں اللہ کی کتاب نہیں پڑھی جاتی وہ گھر اپنے رہنے والوں کے لئے تنگ ہوجاتا ہے۔ اس کی برکتیں کم ہوجاتی ہیں اس سے ملائکہ نکل جاتے ہیں اور شیطان آجاتے ہیں' احمد حنبلؒ فرماتے ہیں کہ میں نے' اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا' عرض کیا یا رب! تیری قربت کا افضل ترین ذریعہ کیا ہے؟ ارشاد فرمایا! قرآن کی تلاوت' میں نے عرض کیا سمجھ کے ساتھ یا بغیر سمجھے' فرمایا! دونوں طرح سے۔ محمد ابن کعب قرظی فرماتے ہیں کہ جب قیامت کے روز لوگ اللہ تعالیٰ سے کلام پاک سنیں گے تو انہیں ایسا لگے گا کہ جیسے انہوں نے اس سے پہلے کبھی قرآن نہ سنا ہو' فضیل ابن عیاض کہتے ہیں کہ حافظ قرآن کو ایسا ہونا چاہیے کہ بادشاہ سے لے کر ادنیٰ درجے کے ولی تک کسی کا بھی وہ محتاج نہ ہو' بلکہ سب لوگ اس کے محتاج ہوں' ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ حافظ قرآن اسلام کا علمبردار ہوتا ہے' قرآن کی عظمت اور تقدس کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ لہو سہو اور لغو کاموں میں مشغول نہ ہو' سفیان ثوریؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے تو فرشتے اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہیں عمرو ابن میمونؒ فرماتے ہیں جو شخص نماز فجر کے بعد قرآن کریم کھول کر سو آیتیں تلاوت کرے تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ تمام دنیا والوں کے اعمال کے بقدر اس کے درجات بلند فرماتے ہیں۔ ایک حدیث میں خالد ابن عقبہ کا واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میرے سامنے قرآن کی تلاوت کیجئے۔ آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ الخ (پ ۱۴ ر ۱۹ آیت ۹۰)

بے شک اللہ تعالیٰ اعتدال اور احسان کا حکم دیتے ہیں۔ آخر تک)

اس نے عرض کیا! دوبارہ پڑھیے' آپ نے دوبارہ یہی آیات تلاوت فرمائی' اس نے کہا قرآن میں تو بڑی حلاوت ہے' اور انداز بیان کس قدر خوب صورت ہے' یہ تو برگ و بار رکھنے والے درخت کی طرح ہے' یہ کسی آدمی کا کلام نہیں معلوم ہوتا۔ حضرت حسن بصریؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم! قرآن سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں' اور قرآن کے بعد کوئی حاجت نہیں' فضیل ابن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص صبح کے وقت سورۂ حشر کی آخری آیتیں تلاوت کرے اور اسی روز مرجائے یا شام کے وقت یہ آیات پڑھے اور اسی شب انتقال کرجائے تو اسے شہید کا اجر و ثواب عطا کیا جائے گا۔ قاسم ابن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے ایک بزرگ سے پوچھا کہ آپ کے پاس کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس سے دل لگا رہے' انہوں نے قرآن پاک اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا اور فرمایا یہ میرا انیس ہے' حضرت علی ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ تین اعمال ایسے ہیں جن سے حافظہ بڑھتا ہے' اور بلغم ختم ہوجاتا ہے

(۱) مسواک کرنا (۲) روزہ رکھنا (۳) قرآن کریم کی تلاوت کرنا۔

غافلین کی تلاوت: انس ابن مالک فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کی تلاوت کرنے والے بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ قرآن ان پر لعنت بھیجتا ہے' میسر کہتے ہیں کہ فاسق و فاجر کے سینے میں قرآن بے یار و مددگار آدمی کی طرح ہوتا ہے۔ سلیمان دارانی فرماتے ہیں کہ دوزخ کے فرشتے بت پرستوں سے پہلے ان حفاظ قرآن کو پکڑیں گے جو قرآن پڑھنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں' ایک عالم دین کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے اور درمیان میں بات چیت بھی کرتا رہتا ہے تو اس سے کہا جاتا ہے تجھے ہمارے کلام سے کیا تعلق؟ ابن الرماح کہتے ہیں کہ میں قرآن پاک یاد کرکے پچھتایا اس لئے کہ قیامت میں حفاظ قرآن سے وہ سوال ہوگا جو انبیاء علیہم السلام سے ہوگا حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حفاظ قرآن بہت سی باتوں سے پہچانے جاتے ہیں۔ رات میں جب لوگ سوتے ہیں تو وہ جاگتے ہیں دن میں جب لوگ گناہوں میں مشغول ہوتے ہیں تو وہ لوگ عبادت کرتے ہیں'

جب لوگ خوش ہوتے ہیں تو وہ غمگین ہوتے ہیں' جب لوگ قہقہے لگاتے ہیں تو وہ روتے ہیں' جب لوگ بات چیت کرتے ہیں تو وہ خاموش نظر آتے ہیں' جب لوگ تکبر کرتے ہیں تو وہ ڈرے ہوئے اور سہمے ہوئے رہتے ہیں' حفاظ قرآن کو چاہیے کہ وہ نرم خو خاموش طبع ہوں اکھڑ' جفا کار' سخت گو' اور شور مچانے والے نہ ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

اکثر منافقی ھذہ الامۃ قراوھا۔ (احمد۔ عقبہ ابن عامر' عبداللہ ابن عمرو)

اس امت کے اکثر منافق قاری ہوں گے۔

ایک حدیث میں ہے۔

اقراء القرآن ما نہاک فان لم ینھک فلست تقروہ (طبرانی۔ عبداللہ ابن عمرو۔ بسند ضعیف)

قرآن اس وقت پڑھو جب تک وہ تمہیں برائیوں سے روکے' اور اگر وہ تمہیں برائیوں سے نہ روکے تو گویا تم قرآن کی تلاوت ہی نہیں کرتے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ما آمن بالقرآن من استحل محارمہ (ترمذی۔ صہیب)

وہ شخص قرآن پر ایمان نہیں لایا جس نے اس کی حرام کردہ چیزوں کو حلال سمجھا۔

ایک بزرگ فرماتے کہ ایک بندہ کوئی سورت شروع کرتا ہے تو اس کے ختم تک فرشتے اس کے لئے دعائے رحمت کرتے ہیں' اور ایک بندہ کوئی سورت شروع کرتا ہے تو فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں' کسی نے عرض کیا یہ فرق کیوں ہوتا ہے؟ تو فرمایا کہ وہ بندہ جو قرآن کے حلال کو حلال' حرام کو حرام سمجھتا ہے فرشتوں کی دعائے رحمت کا مستحق ہوتا ہے اور جو بندہ ایسا نہیں ہے اس کے حصے میں لعنت ہے' ایک عالم کا ارشاد ہے کہ آدمی قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے' اور نادانستہ طور پر خود ہی اپنے اوپر لعنت بھیجتا ہے' یعنی یہ آیتیں پڑھتا ہے۔

اَلَا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ

خبردار ظلم کرنے والوں پر اللہ کی لعنت ہے۔

اَلَا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ (پ ۱۲ ر ۲ آیت ۱۸)

خبردار جھوٹوں پر خدا کی لعنت ہے۔

حالانکہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والا وہ خود ہے' جھوٹ بولنے والا وہ خود ہے' حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ تم نے قرآن کو منزلیں ٹھہرالیا ہے' اور رات کو اونٹ سمجھ لیا ہے' تم لوگ رات کی پشت پر سوار ہو کر منزلیں طے کرتے ہو' جبکہ تم سے پہلے لوگ قرآن کو اپنے رب کا پیغام سمجھتے' رات کو اس پیغام میں غور و فکر کرتے اور دن کو اس پر عمل کرتے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں' کہ لوگوں پر قرآن اس لئے نازل کیا گیا ہے تاکہ وہ اس پر عمل کریں' لیکن لوگوں نے قرآن کی تلاوت کو عمل سمجھ لیا ہے' بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ وہ شروع سے آخر تک پورا قرآن پڑھتے ہیں' لیکن عمل کسی ایک آیت پر بھی نہیں کرتے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اور حضرت جندبؓ کی حدیث میں ہے کہ ہم نے اتنی زندگی گزاری' ہم میں سے ایک کو قرآن سے پہلے ایمان دیا جاتا تھا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک سورت نازل ہوتی تو وہ اس کے حلال و حرام سیکھتا اور اوامر و زواجر سے واقف ہوتا' اور یہ معلوم کرتا کہ کس جگہ پر توقف کرنا چاہیے' پھر ہم نے ایسے لوگ دیکھے کہ انہیں ایمان سے پہلے قرآن ملتا ہے' وہ الحمد سے والناس تک پڑھ جاتے ہیں اور انہیں یہ نہیں معلوم ہوپاتا کہ قرآن پاک میں اوامر و زواجر آیات کون کون سی ہیں' اور یہ کہ انہیں کن مقامات پر توقف کرنا چاہیے' بس پڑھتے چلے جاتے ہیں' تورات میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ اے میرے بندے تجھے مجھ سے شرم نہیں

آتی' تیرے پاس اگر تیرے کسی بھائی کا خط آتا ہے اور تو راستے میں ہوتا ہے اسے پڑھنے کے لئے راستہ سے ہٹ کر کسی جگہ بیٹھ جاتا ہے' اور اسے پڑھتا ہے صرف پڑھتا ہی نہیں بلکہ اس کے ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف پر غور کرتا ہے تاکہ کوئی بات رہ نہ جائے' اور یہ میری کتاب ہے' میں نے تیرے لئے نازل کی ہے۔ اور اس میں ہر بات صاف صاف کھول کھول کر بیان کردی ہے' بہت سے احکامات مکرر بیان کئے ہیں تاکہ تو ان کے طول و عرض پر غور کرسکے' مگر تو اس سے اعراض کرتا ہے' کیا تیری نظر میں میری حیثیت اس شخص سے بھی کم ہے جس کا خط تو غور سے پوری توجہ سے پڑھتا ہے' اے میرے بندے! جب تیرا کوئی بھائی تیرے پاس آکر بیٹھتا ہے تو اسے تیری پوری توجہ حاصل ہوتی ہے' تو اس کی بات غور سے سنتا ہے' اور اگر کوئی دوسرا شخص گفتگو کے دوران بولتا ہے تو تو اسے اشارے سے روک دیتا ہے' اور کسی کام کی ضرورت پیش آتی ہے تو اسے ملتوی کردیا جاتا ہے اور جب میں تجھ سے ہم کلام ہوتا ہوں تو تیرا دل کہیں اور ہوتا ہے' کیا تیرے نزدیک میری حیثیت اتنی بھی نہیں ہے جتنی تیرے اس بھائی کی ہے۔

دوسرا باب
تلاوت کے ظاہری آداب

<u>پہلا ادب</u> : قاری کے سلسلے میں) یہ ہے کہ باوضو ہو' اور ادب و احترام کے ساتھ تلاوت کرے خواہ کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر' قبلہ رخ ہو' سر جھکائے رکھے' چار زانوں ہو کر نہ بیٹھے' نہ تکیہ لگائے' اور نہ متکبرین کی نشست اختیار کرے' بلکہ اس طرح بیٹھے جیسے اساتذہ کے سامنے بیٹھا جاتا ہے' افضل یہ ہے کہ مسجد میں نماز کے دوران کھڑے ہو کر تلاوت کی جائے' اگر بلا وضو لیٹ کر تلاوت کی جائے' تب بھی ثواب ملے گا' لیکن باوضو کھڑے ہو کر تلاوت کرنے کے مقابلے میں اس کا ثواب کم ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (پ ۴ ر ۱۱ آیت ۱۹۱)

وہ لوگ جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے ہو کر بیٹھنے کی حالت میں اور لیٹ کر' اور آسمان و زمین کے پیدا ہونے میں غور و فکر کرتے ہیں۔

اس آیت میں ہر حالت میں تلاوت کرنے کی تعریف کی گئی ہے' لیکن ذکر میں قیام کا نمبر پہلا ہے دوسری حالتیں بعد کی ہیں' حضرت علیؓ فرماتے کہ جو شخص نماز میں کھڑے ہو کر قرآن پاک کی تلاوت کرے اسے ہر حرف کے بدلے سو نیکیاں حاصل ہوں گی' اور جو شخص نماز میں بیٹھ کر قرآن پڑھے اسے ہر حرف کے عوض پچاس نیکیاں ملیں گی اور جو شخص نماز نہ پڑھنے کی حالت میں باوضو ہو کر قرآن پاک کی تلاوت کرے اسے پچیس نیکیاں حاصل ہوں گی' اور جو بلا وضو ہو کر قرآن پاک کی تلاوت کرے اسے دس نیکیاں حاصل ہوں گی' رات کا قیام افضل ترین عبادت ہے' اس لئے کہ رات کو یکسوئی ہوتی ہے' اور دل ہر طرح کے تفکرات سے آزاد ہوتا ہے' حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ سجدوں کی کثرت دن میں ہوتی ہے' اور طول قیام رات میں ہوتا ہے۔

<u>دوسرا ادب</u> : (پڑھنے کی مقدار کے سلسلے میں) مقدار قرأت کے سلسلے میں لوگوں کی عادتیں جدا جدا ہیں' بعض لوگ دن رات میں ایک قرآن ختم کرلیتے ہیں بعض دو اور بعض دوسرے لوگ تین بھی ختم کرلیتے ہیں' بعض لوگ ایک مہینے میں ایک قرآن ختم کرلیتے ہیں۔ مقدار کے سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کی طرف رجوع کرنا زیادہ بہتر ہے'

من قرأ القرآن فی اقل من ثلاث لم یفقهه (اصحاب سنن۔ عبداللہ ابن عمرؓ)

جس شخص نے تین دن سے کم میں قرآن ختم کیا اس نے سمجھا نہیں ہے۔

وجہ یہ ہے کہ اس سے کم مدت میں ختم کرنے سے تلاوت کا حق ادا نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضرت عائشہ نے جب ایک شخص کو دیکھا کہ وہ جلدی جلدی قرآن پاک کی تلاوت کررہا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اس شخص نے نہ قرآن پڑھا ہے اور نہ چپ رہا ہے۔ ایک روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے فرمایا کہ سات دن میں ایک قرآن ختم کیا کرو (بخاری و مسلم۔ عبداللہ ابن عمرؓ) حضرات صحابہ عثمانؓ، زید ابن ثابتؓ، ابن مسعودؓ اور ابی ابن کعبؓ وغیرہ کا یہی معمول تھا۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ختم کے چار درجے ہیں پہلا درجہ یہ ہے کہ دن رات میں ایک ختم ہو، یہ صورت بعض لوگوں نے مکروہ قرار دی ہے، دوسرا درجہ یہ ہے کہ ہر روز ایک پارہ پڑھا جائے، اور مہینہ بھر میں ایک ختم کیا جائے، جس طرح پہلا درجہ کثرت میں مبالغے پر دلالت کرتا ہے، اسی طرح دوسرا درجہ اختصار میں مبالغے پر دلالت کرتا ہے، ان دونوں کے درمیان دو معتدل درجے اور بھی ہیں، ایک یہ کہ ہفتہ میں ایک ختم کیا جائے اور دوسرا یہ ہے کہ ہفتہ میں دو ختم کئے جائیں اس طرح تقریباً تین دن میں ایک ختم ہوگا، بہتر یہ ہے کہ ایک ختم دن میں کرے اور ایک رات کو، دن کا ختم پیر کے دن فجر کی سنتوں میں یا بعد میں کرے اور رات کا ختم جمعرات کو مغرب کی سنتوں میں یا بعد میں کرے، تاکہ دن اور رات دونوں کے ابتدائی حصوں میں ختم قرآن ہوجایا کرے اس لئے کہ اگر رات میں ختم ہوتا ہے تو صبح تک فرشتے دعائے رحمت کرتے ہیں، اور اگر دن میں ہوتا ہے تو رات تک فرشتے اس کے لئے رحمت کی دعا کرتے ہیں مقدار قرأت کے سلسلے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر تلاوت کرنے والا عابد و زاہد ہو، اور عمل کے ذریعے راہ آخرت طے کررہا ہو تو اسے ایک ہفتہ میں دو قرآن ختم کرنے چاہئیں، اور اگر وہ سالک ہو اور دل کے اعمال کے ذریعہ آخرت کی راہ طے کررہا ہو یا تعلیم و تعلم میں مشغول ہو تو ایک ہفتہ میں ایک ختم کرے، اور اگر وہ عالم ہو اور رات دن قرآن کے معنی و مضامین میں غور و فکر کرنا اس کا مشغلہ ہو تو اس کے لئے ایک مہینے میں ایک قرآن ختم کرنا بھی کافی ہے۔

تیسرا ادب : (قرآنی سورتوں کی تقسیم کے بارے میں) جو شخص ہفتے میں ایک قرآن ختم کرے اسے قرآنی سورتوں کو سات منزلوں پر تقسیم کرلینا چاہیے روایات سے اس کا ثبوت بھی ملتا ہے (۱) حضرت عثمانؓ جمعہ کی شب میں قرآن پاک شروع کرتے، اور سورۂ مائدہ کے آخر تک تلاوت فرماتے سنیچر کی شب میں سورۂ انعام سے سورۂ ہود تک، اوار کی شب میں سورۂ یوسف سے سورۂ مریم تک پیر کی شب میں سورۂ طٰہٰ سے سورۂ قصص تک، منگل کی شب میں سورۂ عنکبوت سے سورۂ صاد تک، بدھ کی شب میں سورۂ زمر سے سورۂ رحمٰن تک اور جمعرات کی شب میں (یعنی شب جمعہ) میں سورۂ واقعہ سے ختم تک تلاوت فرماتے، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ بھی قرآن کی سات منزلیں کیا کرتے تھے، لیکن ان کی تقسیم اس تقسیم سے مختلف تھی، کہتے ہیں کہ قرآن کی سات منزلیں ہیں، پہلی منزل میں تین، دوسری منزل میں پانچ تیسری منزل میں سات، چوتھی منزل میں سات پانچویں منزل میں گیارہ، چھٹی میں تیرہ، ساتویں میں سورۂ ق سے آخر تک تمام سورتیں ہیں صحابہ کرام نے قرآنی منزلوں کی اسی طرح تقسیم کی ہے، اور منزل بہ منزل ہی ان کی تلاوت کا معمول بھی تھا خمس، عشر اور اجزاء وغیرہ کی تقسیم بعد کے دور میں ہوئی، دور صحابہ میں صرف منزلوں کی تقسیم تھی۔

چوتھا ادب : (کتابت کے سلسلے میں) قرآن پاک کو صاف اور خوشخط لکھنا چاہیے، سرخ روشنائی سے نقطے اور علامات لگانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس طرح لکھنے میں قرآن کی زینت بھی ہے، اور غلطی سے روکنے میں مدد ملتی ہے، حسن بصریؒ اور ابن سیرینؒ وغیرہ اکابر قرآن میں خمس، عشر اور جز کی تقسیم ناپسند کرتے تھے، شعبی اور ابراہیم سے سرخ روشنائی سے نقطے لگانے اور علامتیں لکھنے کراہت بھی منقول ہے، یہ حضرات کہا کرتے تھے "کہ قرآن پاک کو صاف ستھرا رکھو، غالباً" یہ حضرات ان چیزوں کو اس لئے برا سمجھتے تھے کہ اس طرح قرآن میں دوسرے اضافے شروع نہ ہوجائیں فی نفسہ ان چیزوں میں کوئی خرابی نہ تھی لیکن قرآن کو تغیر اور تبدیلی سے محفوظ رکھنے کے لئے ان حضرات نے یہ اقدام کیا، ہاں اگر اس طرح نقطے وغیرہ لکھنے سے یہ خرابی لازم نہ آئے تو کوئی حرج نہیں ہے، کسی چیز کے نوایجاد ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ چیز خراب ہے، بہت سی نوایجاد چیزیں بڑی

(۱) ابوداؤد، ابن ماجہ، اوس ابن حذیفہؓ

مفید ہیں' تراویح کی جماعت کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے' کیا واقعی اسے بدعت کہا جائے گا۔ ہرگز نہیں یہ تو بدعت حسنہ ہے مذموم بدعت وہ ہے جو کتاب و سنت سے متصادم ہو' یا اس سے کتاب و سنت میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی لازم آئے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ہم منقوط (نقطہ دار) مصحف میں تلاوت کرلیتے ہیں' لیکن خود نقطے نہیں لگاتے' اوزاعیؒ یحیی ابن کثیرؒ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ مصاحف میں قرآن نقطوں اور اعراب سے خالی تھا' سب سے پہلے جو نئی بات ہوئی وہ یہ کہ قرآنی حروف (ب' ت) وغیرہ پر نقطے لگائے گئے' اس میں کوئی حرج نہیں ہے' اس لئے کہ یہ قرآن کا نور ہیں' پھر آیات کے اختتام پر ختم کی علامت متعین کی گئی ہیں' اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے' کیونکہ اس سے آیت کی ابتداء اور انتہا معلوم ہوتی ہے' ابو بکرہذلیؒ کہتے ہیں کہ میں نے حسن بصریؒ سے مصاحف میں نقطے لگانے کے متعلق سوال کیا' فرمایا! نقطوں سے تمہاری کیا مراد ہے؟ میں نے عرض کیا! آیات پر اعراب وغیرہ لگائے جاتے ہیں' فرمایا قرآنی آیات پر اعراب لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ خالد ابن حذا کہتے ہیں کہ میں ابن سیرین کی خدمت میں حاضر ہوا' میں نے دیکھا کہ آپ اعراب دیئے ہوئے مصحف میں تلاوت کررہے ہیں' حالانکہ آپ اعراب لگانے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ اعراب حجاج کی ایجاد ہے' اس نے قاریوں کو جمع کیا' اور ان سے قرآنی آیات کو اجزء میں اور اجزاء سے ربع' نصف اور ثلث میں تقسیم کرایا۔

پانچواں ادب : (ترتیل کے سلسلے میں) قرآن پاک کو اچھی طرح پڑھنا مستحب ہے' جیسا کہ ہم عنقریب بیان کریں گے' قرأت کا مقصد تدبر اور تفکر ہے' اچھی طرح ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے سے تدبر پر مدد ملتی ہے' چنانچہ حضرت ام سلمہؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کے متعلق بیان فرمایا کہ آپؐ ایک ایک حرف کو واضح کرکے پڑھا کرتے تھے' (ابوداؤد' نسائی' ترمذی) ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ پورا قرآن جلدی جلدی پڑھنے کے مقابلے میں میرے نزدیک یہ زیادہ بہتر ہے کہ میں صرف بقرہ اور آل عمران کی تلاوت کروں' اسی طرح بقرہ اور آل عمران کو گھسیٹ کر پڑھنے سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ اذا زلزلت اور القارعہ پر اکتفا کروں' اور ان دونوں سورتوں میں غور و فکر کروں۔ حضرت مجاہدؒ سے دو ایسے آدمیوں کے متعلق دریافت کیا گیا جو نماز میں ہیں' ان دونوں کا قیام برابر ہے' لیکن ایک نے سورۂ بقرہ تلاوت کی ہے' اور دوسرے نے پورا قرآن پڑھا ہے' فرمایا دونوں اجر و ثواب میں برابر ہیں۔ یہاں یہ بات بھی واضح ہوجانی چاہیے کہ ترتیل صرف تدبر کی وجہ سے مستحب نہیں ہے بلکہ اس عجمی کے لئے بھی ترتیل مستحب ہے جو قرآن کے معنی نہ سمجھتا ہو' اس لئے کہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے میں قرآن کا ادب اور احترام زیادہ ہے' اور جلد پڑھنے کے مقابلے میں ٹھہر کر پڑھنے سے دل میں بھی زیادہ اثر ہوتا ہے۔

چھٹا ادب : (تلاوت کے دوران رونے کے سلسلے میں) تلاوت کے دوران رونا مستحب ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :۔

اتلوا القرآن وابکوا فان لم تبکوا فتباکوا (ابن ماجہ۔ سعد ابن ابی وقاصؓ)

قرآن پڑھو اور روؤ' اگر نہ رو سکو تو رونی صورت ہی بنالو۔

صالح مری کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قرآن پڑھا آپؐ نے ارشاد فرمایا! اے صالح! یہ تو قرأت ہوئی' رونا کہاں ہے؟ ابن عباسؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب تم سجدے کی آیت تلاوت کرو تو سجدہ کرنے میں جلدی نہ کرو' بلکہ اپنے اوپر گریہ طاری کرلو' اگر تمہاری آنکھیں آنسو نہ بہا سکیں تو دل سے آہ و بکا کرو۔ بتکلف رونے کا طریقہ یہ ہے کہ دل پر غم طاری کرلو' اس لیے کہ غم ہی سے رونے کو تحریک ملتی ہے' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :۔

ان القرآن نزل بحزن فاذا قرأتموہ فتحازنوا (ابو یعلی' ابو نعیم۔ ابن عمرؓ)

قرآن غم کے ساتھ نازل ہوا ہے' جب تم اس کی تلاوت کرو تو غمگین ہوجایا کرو۔

دل پر غم طاری کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی وعید اور تہدید پر غور کرے اور یہ دیکھے کہ قرآن نے مجھے کس چیز کا حکم

دیا ہے' اور کس چیز سے روکا ہے' اس کے بعد قرآنی اوامر و نواہی کی تعمیل میں اپنی کوتاہی پر نظر ڈالے' اس سے یقیناً" غم پیدا ہوگا۔ اور غم سے رونا آئے گا' اس کے باوجود گریہ طاری نہ ہوسکے تو اپنے دل کی اس سختی پر ملال کرے' اور یہ سوچ کر روئے کہ اس کا دل صاف نہیں رہا۔

ساتواں ادب : (آیات کا حق ادا کرنے کے سلسلے میں) یہ ہے کہ آیات کے حقوق کی رعایت کرے۔ جب کسی آیت سجدہ سے گزرے یا کسی دوسرے سے سجدے کی آیت سنے تو سجدہ کرے' بشرطیکہ طاہر ہو' قرآن پاک میں چودہ سجدے ہیں' سورۂ حج میں دو سجدے ہیں سورۂ ص میں کوئی سجدہ نہیں ہے۔ (۱) کم سے کم سجدۂ تلاوت یہ ہے کہ اپنی پیشانی زمین پر لگادے اور مکمل سجدہ یہ ہے کہ تکبیر کہہ کر سجدہ کرے' سجدۂ تلاوت میں ایسی دعا مانگنی چاہیے جو آیت سجدہ کے مناسب ہو۔ مثلاً" جب یہ آیت پڑھے۔

خَرُّوا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ (پ ۲۱ ر ۱۵ آیت ۱۵)

وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں اور وہ لوگ تکبر نہیں کرتے۔

تو سجدے میں حسب ذیل دعا مانگے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ السَّاجِدِينَ لِوَجْهِكَ الْمُسَبِّحِينَ بِحَمْدِكَ وَاَعُوذُ بِكَ اَنْ اَكُونَ مِنَ الْمُسْتَكْبِرِينَ عَنْ اَمْرِكَ اَوْ عَلٰى اَوْلِيَاءِكَ

اے اللہ! تو مجھے اپنی ذات کے لئے سجدہ کرنے والوں میں سے کر' اور ان لوگوں میں سے کر جو تیری حمد بیان کرتے ہیں' میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ تیرے امر سے تکبر کرنے والا یا تیرے دوستوں پر بڑائی جتانے والا ہوں۔

جب یہ آیت پڑھے :۔

وَيَخِرُّونَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُونَ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا (پ ۱۵ ر ۱۲ آیت ۱۰۹)

اور ٹھوریوں کے بل گرتے ہیں روتے ہوئے یہ (قرآن) ان کا خشوع بڑھادیتا ہے۔

تو یہ دعا کرے :۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ الْبَاكِينَ اِلَيْكَ الْخَاشِعِينَ لَكَ

اے اللہ مجھے ان لوگوں میں سے کر جو تیرے سامنے روتے ہوں اور تیرے لئے فروتنی کرتے ہوں۔

ہر آیت سجدہ کے مضمون کے مطابق اسی طرح دعا کرے' سجدۂ تلاوت کی وہی شرائط ہیں جو نماز کی ہیں' یعنی ستر عورت' قبلہ رو ہونا' کپڑے اور جسم کی طہارت وغیرہ۔ اگر کوئی شخص سجدہ سننے کے وقت پاک نہ ہو پاک ہونے کے بعد یہ سجدہ ادا کرے' کمال سجدہ کے سلسلے میں یہ کہا گیا ہے کہ سجدہ کرنے والے کو چاہیے کہ وہ اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر تکبیر تحریمہ کہے' پھر سجدہ میں جائے' سجدے سے اٹھتے ہوئے پھر تکبیر کہے' پھر سلام پھیرے' بعض لوگوں نے تشہد کا اضافہ بھی کیا ہے' لیکن یہ زیادتی بے اصل معلوم ہوتی ہے' غالباً" ان لوگوں نے سجدۂ تلاوت کو نماز کے سجدوں پر قیاس کیا ہوگا یہ قیاس مع الفارق ہے کیونکہ نماز کے سجدوں میں تشہد کا حکم آیا ہے' اس لئے اس حکم کی اتباع ضروری ہے' ہاں سجدہ میں جانے کے لئے تکبیر کہنا مناسب ہے' باقی جگہوں پر بعید معلوم ہوتا ہے' اگر کوئی شخص مقتدی ہو تو امام کی اقتدا میں سجدہ کرے' خود اپنی تلاوت پر سجدہ نہ کرے۔

آٹھواں ادب : (تلاوت قرآن کی ابتداء کے سلسلے میں) یہ ہے کہ جب تلاوت شروع کرے اس وقت یہ الفاظ کہے اور سورۂ قل اعوذ برب الناس اور سورۂ فاتحہ پڑھے :۔

---

(۱) احناف کے نزدیک سورۂ ص میں ایک سجدہ ہے اور سورۂ حج میں بھی ایک سجدہ۔ ہے' مترجم

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ رَبِّ اَعُوْذُبِکَ مِنْ ھَمَزَاتِ الشَّیَاطِیْنِ وَاَعُوْذُبِکَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنَ

میں پناہ چاہتا ہوں کہ جو سننے والا ہے جاننے والا ہے شیطان مردود کی۔ اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔ شیطان کے وسوسوں سے اور اے اللہ! تیری پناہ چاہتا ہوں اس سے کہ وہ میرے پاس آئیں۔

ہر سورت کے اختتام پر یہ الفاظ کہے :۔

صَدَقَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَبَلَّغَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَللّٰھُمَّ انْفَعْنَا وَبَارِکْ لَنَا فِیْہِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الْحَیَّ الْقَیُّوْمَ

اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا' اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ہم تک پہنچایا' اے اللہ! اس سے ہمیں نفع عطا کیجئے اور ہمارے لئے اس میں برکت دیجئے' تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو عالمین کا رب ہے' میں مغفرت چاہتا ہوں اللہ سے جو زندہ ہے' عالم کو قائم رکھنے والا ہے۔

تسبیح کی آیت تلاوت کرے تو سبحان اللہ اور اللہ اکبر کہے' دعا اور استغفار کی آیت گزرے تو دعا اور استغفار کرے' رجا اور امید کی آیت پڑھے تو دعا مانگے' خوف کی آیت سامنے آئے تو پناہ مانگے' چاہے دل ہی دل میں پناہ مانگ لے' اور چاہے زبان سے یہ الفاظ کہہ لے :۔

نَعُوْذُ بِاللّٰہِ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنَا

ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں' اے اللہ! ہمیں رزق عطا کیجئے' اے اللہ! ہم پر رحم فرمایئے

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی' آپؐ نے سورۂ بقرہ کی تلاوت فرمائی' میں نے دیکھا کہ آپ آیت رحمت پر دعا کرتے ہیں' آیت عذاب پر اللہ کی پناہ چاہتے ہیں' اور آیت تنزیہہ پر اللہ کی حمد و ثنا بیان فرماتے ہیں۔ (مسلم شریف۔ باختلاف لفظ) تلاوت سے فارغ ہونے کے بعد یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ بِالْقُرْاٰنِ وَاجْعَلْہُ لِیْ اِمَامًا وَّنُوْرًا وَّھُدًی وَّرَحْمَۃً اَللّٰھُمَّ ذَکِّرْنِیْ مِنْہُ مَا نَسِیْتُ وَعَلِّمْنِیْ مِنْہُ مَا جَھِلْتُ وَارْزُقْنِیْ تِلَاوَتَہٗ اٰنَاءَ اللَّیْلِ وَاَطْرَافَ النَّھَارِ وَاجْعَلْہُ لِیْ حُجَّۃً یَّا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ (۱)

اے اللہ! قرآن کے واسطے سے مجھ پر رحم فرمایئے اور اسے میرے لئے راہ نما' نور' ہدایت اور رحمت کا ذریعہ بنا دیجئے' اے اللہ! قرآن میں سے جو کچھ میں بھول گیا ہوں مجھے یاد کرا دیجئے' اور جو نہ جانتا ہوں اس کا مجھے علم عطا کیجئے' رات کی ساعتوں میں اور دن کے اطراف یعنی صبح مجھے قرآن پاک کی تلاوت کی توفیق دیجئے' اے جہانوں کے رب! قرآن کو میرے لئے حجت بنا دیجئے۔

نواں ادب : (آواز کے ساتھ تلاوت کرنا) اتنی آواز کے ساتھ تلاوت کرنا ضروری ہے کہ خود سن سکے۔ اس لئے کہ پڑھنے کے معنی یہ ہیں کہ آواز کے ذریعہ حروف ادا ہوں' اس کے لئے آواز ضروری ہے' اور آواز کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ خود سن سکے۔ لیکن اگر اس طرح تلاوت کی کہ خود بھی نہیں سن سکا تو نماز صحیح نہیں ہوگی' جہاں تک بلند آواز کے ساتھ تلاوت کرنے کا معاملہ ہے' یہ محبوب بھی ہے' اور مکروہ بھی' روایات دونوں طرح کی ہیں۔ آہستہ پڑھنے کی فضیلت پر یہ روایت دلالت کرتی ہے۔

(۱) سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تلاوت کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے' چنانچہ ابو منصور المظفر بن الحسین نے "فضائل القرآن" میں اور ابو بکر بن الضحاک نے "شمائل" میں داؤد ابن قیس سے یہ دعا نقل کی ہے۔

(۱) فضل قراءة السر على قراءة العلانية كفضل صدقة السر على صدقة العلانية (ابو داؤد' ترمذی' نسائی۔ عقبہ ابن عامرؓ)
آہستہ پڑھنے کی فضیلت زور سے پڑھنے کے مقابلے میں ایسی ہے جیسے پوشیدہ طور پر صدقہ دینے کی فضیلت علی الاعلان صدقہ دینے کے مقابلے میں ہے۔

(۲) الجاهر بالقران كالجاهر بالصدقة والمسر بالقران كالمسر بالصدقة (ترمذی۔ عقبہ۔ ابن عامرؓ)
قرآن کو زور سے پڑھنے والا ایسا ہے جیسے ظاہر کر کے صدقہ دینے والا اور آہستہ پڑھنے والا ایسا ہے کہ جیسے پوشیدہ طور پر صدقہ دینے والا۔

(۳) يفضل عمل السر على عمل العانية يسبعين ضعفا (بیہقی فی الشعب۔ عائشہؓ)
مخفیہ عمل اعلانیہ عمل سے ستر گنا افضل ہے۔

(۴) خير الرزق مايكفي وخير الذكر الخفي (احمد' ابن حبان' سعد ابن ابی وقاصؓ)
بہترین رزق وہ ہے جو کافی ہو اور بہترین ذکر' ذکر خفی ہے۔

(۵) لايجهر بعضكم على بعض في القراة بين المغرب والعشاء (۱)
مغرب اور عشاء کے درمیان قرأت میں ایک دوسرے پر با آواز بلند مت پڑھو۔

سعید ابن المسیب ایک رات مسجد نبوی میں پہنچے' حضرت عمر ابن العزیزؒ اس وقت نماز میں با آواز بلند تلاوت فرمارہے تھے' آپ کی آواز خوب صورت تھی' سعید ابن المسیبؒ نے اپنے غلام سے کہا کہ اس شخص سے جاکر کہو کہ آہستہ پڑھے' غلام نے عرض کیا' یہ مسجد ہماری ملکیت نہیں ہے کہ ہم منع کریں' ہر شخص یہاں آکر پڑھنے کا حق رکھتا ہے' حضرت ابن المسیبؒ نے خود ہی با آواز بلند کہا! اے نمازی! اگر نماز سے تیرا مقصد اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل کرنا ہے تو اپنی آواز پست کرلے' اور اگر لوگوں کو دکھانا مقصود ہے تو یاد رکھ خدا کے یہاں یہ ریاکاری کام نہ آئے گی' حضرت عمر ابن العزیزؒ یہ سن کر خاموش ہوگئے' جلدی سے رکعت پوری کی' اور سلام پھیر کر مسجد سے باہر چلے گئے' اس زمانے میں حضرت عمر ابن العزیز مدینہ کے حاکم تھے۔

جہری قرأت (پکار کر پڑھنے) کے پر حسب ذیل روایات دلالت کرتی ہیں۔ (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض صحابہ کو جہری قرأت کرتے ہوئے سنا تو آپ نے اس کی تصویب فرمائی۔ (۲)

(۲) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا قام احدكم من الليل يصلي فليجهر بالقراءة فان الملائكة وعمار الدار يستمعون قراءته ويصلون بصلاته (۳) (ابو بکر بزار' و نصر مقدسی۔ معاذ ابن جبلؓ)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی رات کو نماز کے لئے کھڑا ہو تو جہری

---

(۱) ابو داؤد بروایت بیاضی' لیکن اس میں "بین المغرب والعشاء" کے الفاظ نہیں ہیں۔ بیہقی نے "شعب" میں یہ روایت علیؓ سے کی ہے' اس میں "قبل العشاء و بعدھا" کے الفاظ ہیں۔ مگر اس روایت کی سند میں الحرث الاعور ضعیف راوی ہے۔
(۲) بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے "ان رجلا قام من الليل فقرا فرفع صوته بالقرآن فقال صلى الله عليه وسلم رحمة الله فلانا" ابو موسیٰؓ کی حدیث ہے "قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لو رايتني وانا اسمع قراءتك البارحة" ابو موسیٰ کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں انما اعرف اصوات رفقة الاشعريين بالقران حين يدخلون بالليل واعرف منازلهم اصواتهم بالقرآن" یہ دونوں روایتیں بھی صحیحین میں ہیں۔ (۳) وھو حدیث منکر منقطع

قرأت کرے' اس لیے کہ فرشتے اور جنات اس کی قرأت سنتے ہیں' اور اس کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔

(۳) ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تین اصحاب کے قریب سے گزرے' آپ نے دیکھا کہ ابوبکرؓ بہت آہستہ آہستہ تلاوت کر رہے ہیں' وجہ معلوم کرنے پر ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ جس ذات پاک سے مناجات کر رہا ہوں وہ میری سن رہا ہے۔ حضرت عمرؓ بلند آواز میں تلاوت کر رہے تھے' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وجہ معلوم کی' جواب دیا کہ میں سوئے ہوئے لوگوں کو جگا رہا ہوں' اور شیطان کو جھڑک رہا ہوں' حضرت بلالؓ مختلف سورتوں سے انتخاب کر کے پڑھ رہے تھے' آپ نے وجہ دریافت کی' عرض کیا کہ عمدہ کو عمدہ سے ملا رہا ہوں' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

کلکم قد احسن واصاب (ابوہریرہؓ۔ ابوداؤد)

تم سب نے اچھا کیا۔ صحیح کیا۔

ان مختلف احادیث میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ آہستہ پڑھنے میں ریاکاری اور تصنع کا اندیشہ نہیں ہے' جو شخص اس مرض میں مبتلا ہو اسے آہستہ پڑھنا چاہیے' لیکن اگر ریاکاری اور تصنع کا خوف نہ ہو' اور دوسرے کی نماز میں یا کسی دوسرے عمل میں خلل کا اندیشہ بھی نہ ہو تو بلند آواز میں پڑھنا افضل ہے' کیونکہ اس میں زیادہ عمل ہے' اور اس تلاوت کا فائدہ دوسروں کو بھی پہنچتا ہے' "یقیناً" وہ خیر زیادہ بہتر ہے۔ جس کا نفع ایک ہی فرد تک محدود نہ ہو جہری قرأت کے دوسرے اسباب بھی ہیں مثلاً" دل کو بیدار کرتی ہے' اس کے افکار مجتمع کرتی ہے' نیند دور کرتی ہے' پڑھنے میں زیادہ لطف آتا ہے' سستی دور ہوتی ہے' تھکن کم ہوتی ہے' اور اس کی امید بھی رہتی ہے کہ کوئی خوابیدہ شخص غفلت سے بیدار ہو جائے' اور اس کی قرأت سن کر وہ بھی اجر و ثواب کا مستحق قرار پائے' بعض غافل اور ست لوگ بھی اس کی آواز سن کر متوجہ ہو سکتے ہیں' یہ بھی ممکن ہے قاری کی کیفیت کا اثر ان کے دلوں پر بھی ہو' اور وہ بھی عبادت کے لئے کمربستہ ہو جائیں' بہرحال اگر یہ سب اسباب یا ان میں سے کوئی ایک سبب پایا جائے تو جہر افضل ہے' قاری کو جہر کرتے ہوئے ان سب کی نیت کرلینی چاہیے' نیتوں کی کثرت سے اجر و ثواب میں بھی اضافہ ہوتا ہے' مثلاً" اگر کسی ایک کام میں دس نیتیں ہوں تو دس گنا اجر ملے گا اس لئے ہم کہتے ہیں کہ قرآن پاک کی تلاوت مصحف میں دیکھ کر کرنی چاہیے' کیونکہ اس میں آنکھ سے دیکھنا بھی ہے' مصحف اٹھانا بھی ہے' اور اس کا احترام بھی ہے' ان اعمال کی وجہ سے تلاوت کا ثواب کئی گنا زیادہ ہو گا۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ مصحف میں دیکھ کر پڑھنے سے سات گنا ثواب ہوتا ہے' حضرت عثمانؓ مصحف میں دیکھ کر تلاوت کرتے تھی' کہتے ہیں کہ کثرت تلاوت کی وجہ سے ان کے پاس دو مصحف پھٹ گئے تھے' اکثر صحابہؓ مصاحف میں دیکھ کر تلاوت کیا کرتے تھے' انہیں یہ بات پسند تھی کہ ان کی زندگی کا کوئی دن ایسا بھی گزرے جس میں وہ مصحف کھول کر نہ دیکھیں' مصر کے ایک فقیہہ فجر کے وقت امام شافعیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے' آپ اس وقت قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھی' امام صاحب نے فقیہہ مصر سے فرمایا کہ فقہ نے تمہیں قرآن پاک کی تلاوت سے روک دیا ہے' مجھے دیکھو' میں عشاء کی نماز کے بعد قرآن کھولتا ہوں اور فجر کی نماز تک بند نہیں کرتا۔

دسواں ادب : (تحسین قرأت کے سلسلے میں) یہ ہے کہ قرآن خوش الحانی کے ساتھ پڑھا جائے تحسین قرأت پر پوری توجہ دی جائی' لیکن حروف اتنے نہ کھینچے جائیں کہ الفاظ بدل جائیں' اور نظم میں خلل واقع ہو جائے' اگر یہ شرائط ملحوظ رکھی جائیں تو تحسین قرأت سنت ہے' چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

زینوا القرآن باصواتکم (ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ' ابن حبان' حاکم۔ براء بن العازبؓ)

قرآن کو اپنی آوازوں سے زینت دو۔

ایک حدیث میں ہے :-

ما اذن اللہ لشئی ما اذن النبی یتغنی بالقرآن (بخاری و مسلم۔ ابوہریرہؓ)

اللہ تعالیٰ نے کسی اور چیز کا اس قدر حکم نہیں دیا ہے جتنا قرآن کے ساتھ خوش آوازی کے لئے کس نبی کو حکم دیا ہے۔
اس سلسلے کی ایک روایت ہے :۔

لیس منامن لم یتغن بالقرآن (بخاری۔ ابو ہریرہؓ)

جو شخص خوش الحانی کے ساتھ قرآن نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

بعض لوگوں کی رائے میں تغنی سے مراد یہاں استغناء ہے 'کچھ لوگ تغنی سے تحسین صوت اور ترتیل مراد لیتے ہیں 'لغویین کی رائے سے بھی مؤخر الذکر معنی کی تائید ہوتی ہے 'حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک روز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دیر سے حاضر ہوئی 'آپ میرا انتظار کررہے تھے 'آپ نے دریافت فرمایا : اے عائشہ دیر کیوں ہو گئی؟ میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! میں ایک خوش الحان کی قرأت سن رہی تھی اس لیے دیر ہو گئی 'یہ سن کر آپ اس جگہ تشریف لے گئے جہاں وہ شخص پڑھ رہا تھا 'کافی دیر کے بعد تشریف لائے 'اور فرمایا :۔

ھذا سالم مولی ابی حذیفۃ الحمد للہ الذی جعل امتی مثلہ (ابن ماجہ۔ عائشہؓ)

یہ ابو حذیفہ کا مولیٰ سالم ہے 'اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میری امت میں سالم جیسا شخص پیدا کیا۔

ایک رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی قرأت سنی 'آپ کے ساتھ اس وقت حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی تھے 'تینوں حضرات ابن مسعودؓ کے پاس دیر تک ٹھہرے 'اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا :۔

من اراد ان یقرأ القرآن غضا کما انزل فلیقراہ علی قراۃ ابن ام عبد (احمد 'نسائی۔ عمرؓ)

جو شخص قرآن کو اسی طرح آہستہ اور خوش الحانی کے ساتھ پڑھنا چاہے جس طرح وہ نازل ہوا ہے تو اسے مسعود کی طرح پڑھنا چاہیے۔

ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کو تلاوت کلام پاک کا حکم دیا۔ ابن مسعودؓ نے عرض کیا : آپ پر تو قرآن نازل ہوا ہے بھلا آپ کو کیا سناؤں؟ فرمایا : مجھے دوسرے سے سننا اچھا معلوم ہوتا ہے 'ابن مسعودؓ نے حکم کی تعمیل کی 'راوی کہتے ہیں۔

فکان یقرا و عینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تفیضان (بخاری و مسلم۔ ابن مسعودؓ)

ابن مسعودؓ پڑھ رہے تھے 'اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ کی قرأت سن کر آپ نے ارشاد فرمایا :۔

لقد اوتی ھذا من مزامیر آل داؤد

اس شخص کو آل داؤد کی مزامیر میں سے کچھ عطا ہوا ہے۔

کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ مبارک ابو موسیٰ الاشعری سے نقل کئے 'سن کر خوشی سے بے قابو ہو گئے اور خدمت نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا :۔

یا رسول اللہ لو علمت انک تسمع لحبرتہ لک تحبیرا (بخاری و مسلم۔ ابو موسیٰؓ)

یا رسول اللہ! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ سن رہے ہیں تو میں اور اچھی طرح پڑھتا۔

قاری ہیثمؒ کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی 'آپ نے مجھ سے فرمایا ہیثم تو ہی ہے جو قرآن کو آواز سے زینت دیتا ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا : اللہ تجھے جزائے خیر عطا فرمائے۔ حضرات صحابہؓ جب بھی کہیں جمع ہوتے تو کسی ایک سے تلاوت کے لئے کہا جاتا۔ حضرت عمرؓ صحابی رسول حضرت ابو موسیٰ الاشعری سے کہتے ابو موسیٰ! ہمیں ہمارے رب کی یاد دلاؤ۔ حضرت موسیٰ تلاوت شروع کرتے 'اور دیر تک پڑھتے رہتے 'جب نماز کا وقت آدھا

گزر جاتا تو لگ کہتے "یا امیر المومنین! الصلوٰۃ الصلوٰۃ" حضرت عمر فرماتے! کیا ہم نماز میں نہیں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہم قرآن پڑھ رہے ہیں' اور قرآن کے متعلق ارشاد ربانی ہے۔

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (پ ۲۱ ر ا آیت ۴۵)

اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے۔

ایک حدیث میں ہے :-

من استمع الی آیۃ من کتاب اللہ کتاب لہ حسنۃ مضاعفۃ ومن تلاھا کانت لہ نوراً یوم القیامۃ (۱) (احمد۔ ابو ہریرہؓ)

جو شخص کتاب اللہ کی ایک آیت سنے اسے بہت زیادہ ثواب ملے گا' اور جو تلاوت کرے اس کے لئے قیامت کے دن ایک نور ہو گا۔

تیسرا باب

تلاوت کے باطنی آداب

پہلا ادب : یہ ہے کہ کلام اللہ کی عظمت اور علو شان کا اعتراف کرے اور یہ یقین کرے کہ نزول قرآن بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کا ایک نمونہ ہے کہ اس نے عرش بریں سے اپنا کلام اس طرح نازل کیا کہ بندوں کی سمجھ میں آسکے' باری تعالیٰ کا کتنا بڑا انعام ہے کہ اسنے بندوں تک اپنے اس کلام کے معانی پہنچا دیئے' جو اس کی ازلی صفت ہے' اور اسکی ذات کے ساتھ قائم ہے' غور کیجئے کس طرح یہ صفت الٰہیہ حروف اور آواز کے پردے میں ظاہر ہو گئی' سب جانتے ہیں حروف اور آواز بشری صفات ہیں' لیکن کیوں کہ انسان الٰہی صفات کی معرفت اپنی صفات کے ذریعہ ہی حاصل کر سکتا ہے' اس لیے کلام الٰہی کو بھی انسانی آوازوں اور حروف کے ذریعہ ظاہر کیا گیا' اگر کلام الٰہی آواز اور حروف کے پردے میں چھپا ہوا نہ ہوتا نہ آسمان کے لیے یہ ممکن تھا کہ وہ کلام الٰہی سن سکے' اور نہ زمین کے لیے ممکن تھا بلکہ اسکی عظمت و جبروت کے خوف سے اور اس کی نورانی شعاعوں کی تپش سے آسمان سے زمین تک ہر چیز پارہ پارہ ہو جاتی' ہر چیز جل کر خاک ہو جاتی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جب باری تعالیٰ ہم کلام ہوئے تو انہیں سننے کی طاقت عطا کی گئی' ورنہ انہیں بھی سننے کی تاب نہ ہوتی۔ جس طرح پہاڑ کلام کی تاب نہ لاسکا' اور ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گیا۔ بعض عارفین فرماتے ہیں کہ لوح محفوظ میں جو کلام الٰہی ہے اس کا ہر حرف کوہ قاف سے بڑا ہے' اگر تمام ملائکہ جمع ہو کر کوئی ایک حرف اٹھانا چاہیں تو ان کے لیے یہ ممکن نہ ہو' مگر اسرائیل علیہ السلام جو لوح محفوظ کے فرشتے ہیں یہ حروف اٹھا لیتے ہیں' اپنی طاقت سے نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قوت خاص کے ذریعہ وہ یہ عظیم کام انجام دیتے ہیں۔

اس تفصیل سے ظاہر ہوا کہ کلام الٰہی حد درجہ باعظمت اور اعلیٰ قدر ہے' یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان بے مایہ اور کم رتبہ ہونے کے باوجود اس عظیم کلام کے معانی کس طرح سمجھ لیتا ہے؟ ایک دانشور نے ایک بہترین اور مکمل مثال کے ذریعہ اس سوال کا جواب دیا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس دانشور نے کسی بادشاہ سے درخواست کی وہ انبیاء علیہم السلام کی شریعت اختیار کرلے' بادشاہ نے دانشور سے کچھ سوالات کئے' دانشور نے جواب میں وہ باتیں کیں جو بادشاہ کی سمجھ میں آسکیں جوابات سننے کے بعد بادشاہ نے کہا۔ آپ کا دعویٰ یہ ہے کہ جو کلام انبیاء پیش کیا کرتے ہیں وہ اللہ کا کلام ہے' بندوں کا کلام نہیں ہے' کلام الٰہی یقیناً اس درجہ عظیم ہوتا ہے کہ بندے اس کے متحمل نہیں ہو سکتے لیکن یہ ہم دیکھتے ہیں کہ بندے آسانی سے تمہارے انبیاء کا لایا ہوا کلام سمجھ

---

(۱) فی اسنادہ ضعف وانقطاع

لیتے ہیں' دانشور نے جواب دیا کہ اس سلسلے میں آپ زیادہ دور نہ جائیں بلکہ لوگوں کی حالت پر نظر ڈالیں جب ہم چوپایوں اور پرندوں کو کھانے پینے' آنے جانے' آگے بڑھنے اور پیچھے ہٹنے کا حکم دیتے ہیں کونسا کلام استعمال کرتے ہیں؟ یقیناً پرندوں اور جانوروں کے بس کی بات نہیں کہ وہ ہمارے نور عقل سے تربیت پایا ہوا کلام سمجھ سکیں' بلکہ ان کے لیے ان کے فہم کے مطابق کلام کرنا ضروری ہے کبھی سیٹی بجاتے ہیں' کبھی نخ نخ کرتے ہیں' کبھی دوسری آوازیں نکالتے ہیں' یہی حال انسان کا ہے' کیونکہ انسان کلام الٰہی کو اس کی ماہیت اور صفات کمال کے ساتھ سمجھنے سے قاصر ہے اس لیے انبیاء نے اس کے ساتھ وہ معاملہ کیا جو انسان جانوروں کے ساتھ کرتا ہے۔

یہاں ایک مسئلہ اور بھی ہے' اور وہ یہ ہے کہ کلام الٰہی کے حکیمانہ معانی آوازوں اور حروف میں پوشیدہ رہتے ہیں' معانی کی عظمت اور تقدیس مسلّم ہے' اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اصوات و حروف بھی معانی کی طرح معظم اور مقدس ہوں' اس کا مطلب یہ ہوا کہ آواز حکمت کا جسم اور مکان ہے اور حکمت آواز کے لئے روح اور جان ہے' اور مکان ہے جس طرح انسانی جسموں کی عزت ان کی روحوں کی وجہ سے کی جاتی ہے اسی طرح آوازیں اور حروف بھی ان معانی کا مکان بننے کی وجہ سے قابل تعظیم ہیں۔

کلام الٰہی کے مرتبے اور منزلت کی رفعت کا اندازہ اس سے ہوگا کہ یہ غلبے میں زبردست ہے۔ حق و باطل میں حکم نافذ کرنے والا ہے' منصف حاکم ہے' یہی حکم دیتا ہے یہی منع کرتا ہے جس طرح سایہ سورج کے سامنے نہیں ٹھہرتا اسی طرح باطل کو بھی حکمت الٰہی کے سامنے ٹھہرنے کی تاب نہیں ہے' جس طرح انسانوں کے لیے ممکن نہیں کہ وہ اپنی نگاہیں سورج کے پار کردیں اسی طرح انکے بس میں یہ بھی نہیں کہ وہ حکمت کے سمندر کی شناوری کریں' اور بحر حکمت کے پار ہوجائیں' بلکہ انھیں سورج سے اسی قدر روشنی حاصل ہوتی ہے جس سے آنکھوں کو نور حاصل ہو' اور اس روشنی میں وہ اپنی ضرورتیں پوری کرسکیں۔ کلام الٰہی اس بادشاہ کی طرح ہے جو سامنے نہیں ہے لیکن ملک میں اس کا قانون نافذ ہے اور اسکا سکہ جاری ہے' یا آفتاب کی طرح ہے جس کی شعاعوں سے روشنی پھوٹ رہی ہے' لیکن اس کا عنصر نگاہوں سے پوشیدہ ہے' یا اس ستارے کی طرح ہے جس کی چال سے واقف نہ ہونے کے باوجود گم کردہ راہ کو راستہ مل جاتا ہے۔ کلام الٰہی قیمتی خزانوں کی چابی ہے' یہ وہ شراب زندگی ہے جسے پینے والا مرتا نہیں ہے' یہ وہ دوا ہے جسے استعمال کرنے والا کبھی بیمار نہیں ہوتا"۔

دانشور نے بادشاہ کو سمجھانے کے لیے جو کچھ بیان کیا' ہم اس پر اکتفا کرتے ہیں' اگرچہ کلام کے معنی سمجھنے کے لیے یہ ایک مختصر گفتگو ہے۔ مگر اس سے زیادہ گفتگو کرنا علم معاملہ کے مناسب نہیں ہے۔

دوسرا ادب : دوسرے ادب کا تعلق صاحب کلام کی عظمت سے ہے' جب تلاوت کرنے والا تلاوت کرے تو اپنے دل میں متکلم کی عظمت کا استحضار ضرور کرلے'۔ یہ یقین رکھے کہ یہ کسی آدمی کا کلام نہیں ہے' بلکہ خالق کائنات کا کلام ہے' اسکے کلام کی تلاوت کے بہت سے آداب ہیں' اور بہت سے تقاضے ہیں' اور تلاوت میں بہت سے خطرات ہیں' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (پ ۲۷ر ۱۶ آیت ۷۹)

اس کو بجز پاک فرشتوں کے کوئی ہاتھ نہیں لگانے پاتا۔

جس طرح ظاہر مصحف کو چھونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ آدمی پاک ہو اسی طرح اسکے سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ آدمی کا پاک دل ہو' اور عظمت و توقیر کے نور سے منور ہے' جس طرح ہر ہاتھ قرآن کی جلد اور ورق کو چھونے کا اہل نہیں ہے اسی طرح ہر زبان بھی قرآنی حروف کی تلاوت کی اہل نہیں ہے' اور نہ ہر دل اس کا اہل ہے کہ قرآن کی حکمتوں اور اس کے عظیم الشان معانی کا متحمل ہوسکے' یہی وجہ ہے کہ جب عکرمہ ابن ابی جہل قرآن پاک کھولتے تو بے ہوش ہوجاتے' اور فرماتے "یہ میرے رب کا کلام ہے' یہ میرے رب کا کلام ہے' یہ میرے رب کا کلام ہے۔" کلام کی تعظیم دراصل متکلم کی تعظیم ہے' اور متکلم کی تعظیم کا حق اس وقت تک ادا نہیں ہوسکتا جب تک کہ قاری اس کی صفات اور افعال میں غور و فکر نہ کرے' اور اسکے دل میں عرش' کرسی' آسمان

زمین، انسان، جنات، شجرو حجر، اور حیوانات کا تصور نہ ہو، اور وہ یہ نہ جانے کہ ان سب کا پیدا کرنیوالا، ان سب کو رزق دینے والا، اور ان سب پر قدرت رکھنے والا ایک ہے، باقی تمام چیزیں اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ ہر بندہ اس کے فضل و رحمت، اور عذاب و غضب کے درمیان لٹکا ہوا ہے، اگر اس پر فضل و رحمت ہوگی تو یہ بھی اس کا عدل ہوگا، اور اگر وہ عذاب کا مستحق قرار پائے گا۔ تو یہ بھی اس کا عدل ہوگا، وہ تو یہ کہتا ہے "یہ لوگ جنت کے لیے ہیں مجھے ان کی پرواہ نہیں ہے یہ لوگ دوزخ کے لیے ہیں مجھے انکی پرواہ نہیں ہے"۔ اور اس کی عظمت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اسے کسی چیز کی پرواہ نہ ہو، وہ بے نیاز ہو، سب اس کے محتاج ہوں۔۔۔ یہ وہ باتیں ہیں جن سے متکلم کی عظمت پیدا ہوتی ہے۔

تیسرا ادب : یہ ہے کہ دل حاضر ہو، ارشاد خداوندی ہے:۔

يَا يَحْيٰى خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ (پ۱۶ ر۴ آیت ۱۲)

اے یحییٰ! کتاب کو مضبوط ہو کر پکڑلو۔

اس آیت میں قوۃ سے مراد کوشش اور جدوجہد ہے، کتاب کو کوشش اور جدوجہد سے لینے کا مطلب یہ کہ جب تم اسکی تلاوت کرو تو اسی کے ہو رہو، تمہارے دل میں بھی تلاوت کے علاوہ کوئی خیال باقی نہ رہے، چہ جائیکہ تم کسی اور کام میں معروف، ایک بزرگ سے کسی نے دریافت کیا کہ جب آپ قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں تو آپ کے دل میں کس طرح کے خیالات ہوتے ہیں، فرمایا قرآن سے بھی زیادہ کوئی چیز اتنی محبوب ہو سکتی ہے کہ تلاوت کے وقت دل میں اسکا خیال رہے بعض بزرگوں کا طریقہ یہ تھا کہ اگر تلاوت کے وقت اتفاقاً انکا دل حاضر نہ رہتا تو وہ ان آیتوں کو دوبارہ پڑھتے جنکی تلاوت کے دوران دل حاضر نہیں رہا تھا، یہ ادب پہلے ادب کا نتیجہ ہے اگر دل میں کلام اور صاحب کلام کی عظمت ہوگی تو یہ صفت خود بخود پیدا ہوجائے گی کہ تلاوت کے وقت قاری کا دل ہر طرح کے خیالات سے خالی ہو، کیوں کہ وہ جس کلام کی تلاوت کر رہا ہے اس کی تعظیم کرے گا تعظیم سے انسیت بڑھے گی، یہ انسیت اسے غافل نہ ہونے دے گی، قرآن میں وہی باتیں ہیں جن میں انس ہو، اور دل لگے، اگر قاری قرآن کی تلاوت کا اہل ہے تو وہ اسے چھوڑ کر دوسرے امور سے انس حاصل نہیں کرے گا۔ قرآن کی تلاوت اس کیلئے تفریح بن جائے گی، وہ اس بامقصد تفریح پر کسی دوسری تفریح کو ہرگز ترجیح نہیں دے گا۔

چوتھا ادب : یہ ہے کہ آیات میں غور و فکر کرے، یہ حضور قلب سے الگ ایک ادب ہے، بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ دل پوری طرح حاضر ہوتا ہے اور پڑھنے والا ہمہ تن تلاوت میں مشغول ہوتا ہے، لیکن غور نہیں کرتا، جب کہ تلاوت کا مقصد ہی تدبر ہے، اسی وجہ سے ترتیل مسنون قرار دی گئی ہے، کیوں کہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے سے سوچنے کا موقع ملتا ہے، اور غور و فکر میں آسانی ہوتی ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ سمجھ سے خالی عبادت اور تدبر سے خالی تلاوت میں خیر نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص اعادہ کے بغیر تدبر نہ کرسکے تو اسے اعادہ کرنا چاہیے، تاہم امام کے پیچھے کھڑے ہو کر اعادہ نہ کرے، یہ ٹھیک نہیں کہ امام آگے بڑھ جائے، اور مقتدی پچھلی آیتوں میں غور و فکر کرتا رہے، ایسے شخص کی مثال یہ ہوگی کہ کوئی شخص کسی کے کان میں کوئی بات کہے، اور سننے والا ایک ہی لفظ سے حیرت میں پڑ جائے، باقی گفتگو نہ سنے، اور نہ سمجھے، چنانچہ اگر امام رکوع میں چلا جائے، اور مقتدی کسی آیت میں غور و فکر کرتا رہے، تسبیح رکوع نہ پڑھے تو یہ شیطانی وسوسہ سمجھا جائے گا۔ عامر ابن عبد قیسؒ نے ایک مرتبہ لوگوں سے کہا کہ مجھے نماز میں وسوسے آتے ہیں، لوگوں نے عرض کیا دنیاوی معاملات کا وسوسہ ہوتا ہے؟ فرمایا دنیاوی وسوسوں سے بہتر تو یہ ہیکہ نیزے میرے جسم میں گھسا دیئے جائیں بلکہ اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے کے بعد میرا دل یہ سوچنے لگتا ہے کہ اس جگہ سے کیسے ہٹوں، غور کیجئے، عامر ابن عبد قیس نے اس نیک خیال کو بھی وسوسہ قرار دیا، کیوں کہ اس طرح کے خیالات سے آدمی وہ نہیں پڑھ سکتا جو اسے پڑھنا چاہیے، یہ بھی شیطانی عمل ہے، وہ لوگوں کو دینی امور میں مشغول کر کے افضل عمل سے روک دیتا ہے، جب یہ واقعہ حضرت حسن بصریؒ کے سامنے نقل کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اگر تم سچ کہہ رہے ہو تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس انعام سے

ہمیں محروم رکھا ہے' حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس مرتبہ بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھی۔ (۱) اتنی مرتبہ پڑھنے کی وجہ یہی تھی کہ آپ بسم اللہ الرحمن الرحیم کے معنی میں غور فرمارہے تھے۔ ابوذرؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شب آپ ہمیں نماز پڑھا رہے تھے' نماز میں رات بھر ایک ہی آیت تلاوت کرتے رہے' وہ آیت یہ تھی:۔

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (۲) (پ ۷ ر ۶ آیت ۱۱۸)

اگر آپ ان کو سزا دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ ان کو معاف کردیں تو آپ زبردست ہیں حکمت والے ہیں۔

تمیم داریؓ کے بارے میں روایت ہے کہ تمام رات مندرجہ ذیل آیت کی تلاوت کرتے رہے۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَاۤءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَاۤءَ مَا يَحْكُمُوْنَ (پ ۲۵ ر ۱۸ آیت ۲۱)

یہ لوگ جو برے کام کرتے ہیں کیا یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں کے برابر رکھیں گے جنھوں نے ایمان اور عمل صالح اختیار کیا کہ ان سب کا جینا اور مرنا یکساں ہوجائے' یہ برا حکم لگاتے ہیں۔

سعید ابن جبیرؓ نے اس آیت کی تلاوت کرتے کرتے صبح کردی۔

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ (پ ۲۳ ر ۳ آیت ۵۹)

اور اے مجرموں آج (اہل ایمان سے) الگ ہوجاؤ۔

ایک عارف باللہ فرماتے ہیں کہ میں ایک سورت شروع کرتا ہوں تلاوت کے دوران مجھ پر کچھ ایسے حقائق اور معارف منکشف ہوتے ہیں کہ میں سورت ختم نہیں کرپاتا' اور تمام رات کھڑے کھڑے گزر جاتی ہے ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ میں ان آیتوں کے اجر و ثواب کی امید نہیں رکھتا جن میں میرا دل نہیں لگتا۔ یا جن کے معانی میں نہیں سمجھا۔ ابو سلیمان داری سے ان کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ میں ایک آیت کی تلاوت میں چار چار راتیں گزار دیتا ہوں' اگر میں خود سلسلۂ فکر ختم نہ کروں تو دوسری آیت کی نوبت ہی نہ آئے۔ کسی بزرگ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ چھ مہینے تک سورۂ ہود کی تلاوت کرتے رہے' اور اسی سورت کے معانی میں غور و فکر کرتے رہے' ایک عارف فرماتے ہے کہ میں چار قرآن ختم کرتا ہوں' ایک ہفتہ وار' دوسرا ماہانہ' تیسرا سالانہ اور چوتھا قرآن تیس برس سے شروع ہے' لیکن ختم نہیں ہوا۔ میں اپنے آپ کو مزدور سمجھتا ہوں' اس لیے روزینہ پر بھی کام کرتا ہوں' ہفتہ وار ماہانہ اور سالانہ اجرتوں پر بھی اپنا فرض انجام دیتا ہوں۔

پانچواں ادب: یہ ہے کہ ہر آیت سے اس کے مطابق معنی و مفہوم اخذ کرے اور قوت فکر استعمال کرے' قرآن مختلف مضامین پر مشتمل ہے' اس میں اللہ تعالیٰ کی صفات اور افعال کا ذکر بھی ہے انبیاء کے حالات بھی ہیں' اور ان قوموں کے حالات بھی ہیں' جنھوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی' خدا تعالیٰ کے اوامر اور نواہی بھی ہیں۔ اور ان ثمرات کا ذکر بھی ہے جو اوامر و نواہی کی تعمیل پر مرتب ہوں گے۔

آیات صفات: مثلاً یہ ہیں:۔

(۱) لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (پ ۲۵ ر ۳ آیت ۱۱)

کوئی چیز اسکے مثل نہیں' اور وہی ہر بات کا سننے والا دیکھنے والا ہے۔

---

(۱) ابوذر ہروی فی المعجم۔ ابوہریرہؓ (۲) نسائی ابن ماجہ

(۲) اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُھَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ (پ ۲۸ ر ۶ آیت ۲۳)

وہ بادشاہ ہے (سب عیبوں سے) پاک ہے' امن دینے والا ہے' نگہبانی کرنے والا ہے' زبردست ہے' خرابی کا درست کردینے والا ہے' بڑی عظمت والا ہے۔

مذکورہ بالا اسماء اور صفات کے معنی میں غور و فکر کرے' تاکہ اسکے اسرار اور حقائق منکشف ہوں' یہ وہ اسرار و حقائق ہیں جو صرف ان لوگوں کو معلوم ہوتے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق عطا ہوئی ہو۔ حضرت علیؓ نے اپنے ارشاد گرامی سے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کوئی ایسی بات نہیں بتلائی جو آپ نے لوگوں سے مخفی رکھی ہو' ہاں اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو فہم عطا کرتا ہے۔ (۱) مومن کو اسی فہم کی جستجو رہنی چاہیے' حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے ارشاد فرمایا: "جو شخص اولین اور آخرین کا علم حاصل کرنا چاہے وہ قرآن کو ذریعہ بنائے۔" قرآن پاک میں علوم کا بڑا حصہ ان آیات کے اندر پوشیدہ ہے جو اسماء اللہ اور صفات اللہ سے تعلق رکھتی ہیں' اور وہ علوم اتنے ہمہ گیر ہیں کہ جن لوگوں نے بھی ان کی جستجو کی ہے انھیں کچھ نہ کچھ ملا ضرور ہے' لیکن کوئی تہہ کو نہیں پہنچ سکا۔

آیات افعال: آسمان اور زمین پیدا کرنا' مارنا جلانا وغیرہ اللہ تعالیٰ کے افعال ہیں' تلاوت کرنے والا جب آیات افعال کی تلاوت کرے تو اسے باری تعالیٰ کی صفات کا علم حاصل کرنا چاہیے اس لیے کہ فعل فاعل پر دلالت کرتا ہے' اور فعل کی عظمت سے فاعل کی عظمت سمجھ میں آتی ہے۔ قاری کو چاہیے کہ وہ فعل میں فاعل کا بھی مشاہدہ کرے' صرف فعل ہی مشاہدہ نہ کرے' جس شخص کو حق کی معرفت حاصل ہوجاتی ہے' وہ ہر شئی میں حق کا عکس دیکھتا ہے' اس لیے کہ ہر چیز کا منبع بھی وہی ذات برحق اور مرجع بھی' ہر شئی کا مقصد اسی کی ذات ہے' اور ہر شئے قائم بھی اسی کی ذات سے ہے' عارف کے نزدیک حق کے علاوہ ہر چیز باطل ہے' یہ نہیں کہ آئندہ بھی باطل ہوجائے گی' بلکہ اگر کسی چیز پر اسی حیثیت سے نظر ڈالیں تو ہر چیز اسی وقت فانی ہے' لیکن اگر یہ نقطۂ نظر ہو کہ شئی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے باعث موجود ہے تو بطریق تبعیت اس شئی کے لیے ثبات ہوگا۔ یہ خیال علم مکاشفہ کا نقطۂ آغاز ہے۔ اس لیے جب قاری تلاوت کرے' اور باری تعالیٰ کے یہ ارشادات پڑھے۔

اَفَرَاَیْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ اَفَرَاَیْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ اَفَرَاَیْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ اَفَرَاَیْتُمُ النَّارَ الَّتِیْ تُوْرُوْنَ (پ ۲۷ ر ۱۵ آیت ۵۸' ۶۳' ۶۸' ۷۱)

اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ تم جو منی پہنچاتے ہو الخ اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ جو کچھ بوتے ہو الخ اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو الخ اچھا پھر یہ بتلاؤ جس آگ کو تم سلگاتے ہو۔

تو صرف کھیتی' منی' پانی اور آگ ہی پر نظر نہ رکھے' بلکہ ان سب کی ماہیت' آغاز اور انتہا اور درمیان کے تمام مراحل پر اچھی نظر ڈالے' مثلاً منی کے بارے میں یہ سوچے کہ یہ ایک رقیق سیال مادہ ہے' جس کے تمام اجزاء مشترک ہیں' بعد میں رقیق اور سیال مادے سے ہڈیاں بنتی ہیں گوشت رگیں اور پٹھے پیدا ہوتے ہیں' پھر مختلف شکلیں تیار ہوتی ہیں' سر' ہاتھ پاؤں' دل جگر اور دوسرے اعضاء تشکیل پاتے ہیں' جب انسانی ڈھانچہ مکمل ہوجاتا ہے تو اس میں اچھے اور برے اوصاف پیدا کئے جاتے ہیں' اچھے اوصاف میں مثلاً عقل گویائی بینائی اور سماعت وغیرہ برے اوصاف میں مثلاً غضب' شہوت وغیرہ۔ بعض لوگوں میں جہالت' کفر انبیاء کی تکذیب' اور ان سے جدال کی عادت پیدا ہوجاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَوَلَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ (پ ۲۳ ر ۴ آیت ۷۷)

---

(۱) یہ روایت بخاری' ابوداؤد اور نسائی میں ابو جحیفہ سے منقول ہے' نسائی کے الفاظ یہ ہیں۔ "قال سالنا علیا فقلنا هل عندكم من رسول الله صلى الله عليه وسلم شئى سوى القرآن فقال لا والذى فلق الحبة وبرأ النسمة الا ان يعطى الله عبدا فهما فى كتابه۔

کیا آدمی کو یہ معلوم نہیں کہ ہم نے اس کو نطفہ سے پیدا کیا' سو وہ علانیہ اعتراض کرنے والا ہے۔
قاری کو چاہیے کہ وہ ان سب عجائب پر غور کرے' اپنے فکر کو وسعت دے۔ اور اعجب العجائب تک اپنے فکر کا سلسلہ دراز کرے' یہ وہ صفت ہے جو ان تمام عجائب کا منبع اور مبداء ہے' مرجع اور منتہا ہے۔

انبیاء کے حالات : جب قرآن میں انبیاء کا تذکرہ آئے اور یہ معلوم ہو کہ ان کی کس طرح تکذیب کی گئی تھی اور کسی طرح انہیں ایذا دی گئی تھی' یہاں تک کہ بعض انبیاء اپنے نافرمان امتیوں کے ہاتھوں شہید کئے گئے تو اللہ تعالیٰ کی صفت استغناء پر نظر رکھے' بلاشبہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہیں' نہ انہیں پیغمبروں کی ضرورت ہے اور نہ ان لوگوں کی جن کے پاس انبیاء بھیجے گئے' اگر سب لوگ ہلاک ہو جائیں تو اس کی سلطنت پر کوئی اثر نہ پڑے گا' جب انبیاء کی مدد اور نصرت کے قصے سامنے آئیں تو یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے' وہ حق کا حامی و ناصر ہے۔

مکذبین کے حالات : جب عاد' ثمود وغیرہ بدقسمت قوموں کی تباہی اور بربادی کی کہانی سنے تو خدا تعالیٰ کی پکڑ اور انتقام سے ڈرے اور ان قوموں کے حالات سے عبرت حاصل کرے کہ اگر اس نے بھی غفلت کی ظلم کیا' اور اس چند روزہ مہلت کو غنیمت نہ سمجھا تو کیا عجب ہے مجھ پر بھی یہ عذاب نازل ہو۔ اور باری تعالیٰ کے انتقام سے بچنے کی کوئی صورت نہ رہے' جنت' دوزخ اور دیگر آسمانی مقامات کے تذکرے بھی اسی نقطۂ نظر سے سننے چاہئیں' اور ان میں بھی اپنے لیے عبرت کا پہلو تلاش کرنا چاہیے' یہ چیزیں بطور نمونہ ذکر کی گئی ہیں' ورنہ قرآن کی ہر آیت میں بیش قیمت معانی پوشیدہ ہیں۔ کیوں کہ ان معانی کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اس لیے ان کا احاطہ بھی دشوار ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (پ ۷ ر ۱۳ آیت ۵۹)

اور نہ کوئی تر اور خشک چیز گرتی ہے مگر یہ سب کتاب مبین ہیں۔

ایک جگہ فرمایا:۔

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا (پ ۱۶ ر ۳ آیت ۱۰۹)

آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لیے سمندر (کا پانی) روشنائی (کی جگہ) ہو تو میرے رب کی باتیں ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائے اگرچہ اس (سمندر کی) مثل (دوسرا سمندر اس کی) مدد کے لیے لے آئیں۔

حضرت علیؓ کا یہ ارشاد بھی قرآن کریم کے معانی کی وسعت پر دلالت کرتا ہے کہ اگر میں چاہوں تو سورۂ فاتحہ کی تفسیر سے ستر اونٹ بھر دوں۔ یہاں جو کچھ بیان کیا گیا وہ صرف اسلئے بیان کیا گیا ہے تاکہ فہم کا دروازہ کھلے' احاطہ مقصود نہیں ہے اور نہ یہ ممکن ہے۔۔ جو شخص قرآن مجید کے مضامین سے معمولی واقفیت بھی نہ رکھتا ہو وہ ان لوگوں کے زمرے میں آتا ہے جنکے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (پ ۲۶ ر ۶ آیت ۱۶)

اور بعض آدمی ایسے ہیں کہ وہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں یہاں تک کہ جب لوگ آپ کے پاس سے باہر جاتے ہیں تو دوسرے اہل علم سے کہتے ہیں کہ حضرت نے ابھی کیا بات فرمائی تھی' یہ وہ لوگ ہیں کہ حق تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے۔

طابع (مہر) دراصل وہ موانع ہیں جنہیں ہم ذیل میں بیان کریں گے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ کہ مرید اس وقت تک صحیح معنی میں

مرید نہیں ہوتا جب تک وہ جو چیز چاہے قرآن کریم میں نہ پالے نقصان اور فائدے میں فرق نہ کرلے' اور بندوں سے بے نیاز نہ ہوجائے۔

چھٹا ادب : یہ ہے کہ قاری ان امور سے خالی رہے جو فہم قرآن کی راہ میں مانع ہوں۔ اکثر لوگ قرآن کریم کے معانی اس لیے نہیں سمجھ پاتے کہ شیطان نے ان کے دلوں پر غفلت کے دبیز پردے ڈال رکھے ہیں' ان پردوں کی وجہ سے ان کو قرآنی عجائب اور اسرار نظر نہیں آتے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

لولاان الشیاطین یحومون علی قلوب بنی آدم لنظروا الی الملکوت (احمد۔ ابوہریرہ)

اگر شیطان بنی آدم کے دلوں کے ارد گرد نہ گھومیں تو لوگ ملکوت کا مشاہدہ کرلیا کریں۔

جو امور حواس سے پوشیدہ ہوں' اور نور بصیرت کے بغیر نظر نہ آئیں وہ ملکوت ہیں۔ قرآن کریم کے معانی بھی ملکوت میں داخل ہیں' کیوں کہ وہ بھی نور بصیرت ہی سے سمجھ میں آتے ہیں۔ فہم قرآن کے چار موانع ہیں۔

پہلا مانع : یہ ہے کہ پڑھنے والا اپنی تمام تر توجہ حروف کی صحیح ادائیگی پر صرف کردے اس کام کا ذمہ دار بھی ایک شیطان ہے' وہ قراء حضرات کو یہ باور کراتا رہتا ہے کہ ابھی حروف مخرج سے ادا نہیں ہوئے ہیں' پڑھنے والے شیطانی وسوسے میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور ایک ایک آیت کو بار بار دہراتے ہیں تاکہ ہر حرف اپنے مخرج سے نکلے' اس کوشش میں وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ قرأت کا اصل مقصد فہم ہے' اور حروف کی ادائیگی پر پوری توجہ صرف کرتے ہیں۔

دوسرا مانع : یہ ہے کہ پڑھنے والا شخص کسی ایسے مذہب کا مقلد ہو جس کا علم اسے صرف سننے سے حاصل ہوا ہو' بصیرت اور مشاہدہ کے ذریعہ نہیں' یہ وہ شخص ہے جسے تقلید کی زنجیروں نے اتنا جکڑ رکھا ہے کہ وہ جنبش بھی نہیں کرسکتا' جو عقائد تقلید کی راہ سے اس کے دل و دماغ میں جڑ پکڑ چکے ہیں ان سے سرموا انحراف بھی اس کے لیے ممکن نہیں ہے' اگر کبھی کہیں دور سے کوئی روشنی کی کرن چمکتی ہے' یا ایسے معنی ظاہر ہوتے ہیں جو اس کے سنے ہوئے عقائد سے مختلف ہوں تو تقلید کا شیطان اس پر حملہ آور ہوجاتا ہے' اور کہتا ہے کہ یہ معنی تیرے دل میں کیسے پیدا ہوئے' یہ تو تیرے آباء و اجداد کے عقیدے کے مخالف معنی ہیں' چنانچہ وہ شخص شیطانی وسوسوں کا شکار ہوکر اس معنے سے گریز کرتا ہے' غالباً اسی لیے صوفیائے کرام علم کو حجاب کہتے ہیں۔ علم سے مراد ان کے نزدیک مطلق علم نہیں ہے بلکہ ان عقائد کا علم ہے جن پر لوگ تقلید کی راہ سے چلتے ہیں یا ان معاندانہ جذبات کے زیر اثر ان کی اتباع کرتے ہیں جو مذہبی متعصبین نے انکے دلوں میں پیدا کردیئے ہیں' ورنہ علم حقیقی نام ہی کشف اور نور بصیرت کا ہے' اسے حجاب کس طرح کہہ سکتے ہیں۔ منتہائے مقصد ہی وہ ہے۔ اس طرح کی جامدانہ تقلید کبھی باطل بھی ہوتی ہے۔ باطل ہونے کی صورت میں تقلید بھی فہم قرآن کے لیے مانع بن جاتی ہے۔ مثلاً استواء علی العرش کے سلسلے میں کسی شخص کا اعتقاد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ عرش پر متمکن ہے' اور ٹھہرا ہوا ہے اب اگر اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کی صفت قدوسیت کا ذکر ہو' اور یہ بیان کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ ہر اس صفت سے پاک ہے جس کا تعلق مخلوق سے ہوتا ہے تو اس کا دل اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرے گا' کیوں کہ وہ اس سلسلے میں دوسرا عقیدہ رکھتا ہے' اور اس پر سختی سے جما ہوا ہے اگر کبھی کوئی بات اس عقیدے کے خلاف پیش آئے گی تو اپنی باطل تقلید کی وجہ سے وہ اسے اپنے دل سے نکال پھینکے گا۔ کبھی وہ عقیدہ حق بھی ہوتا ہے' اور اس کے باوجود فہم کی راہ میں مانع بن جاتا ہے' اسلیئے کہ مخلوق کو جس حق کے اعتقاد کا مکلف قرار دیا گیا ہے اس کے بہت سے مراتب اور درجات ہیں اس کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی' مبداء بھی ہے۔ اور منتہا بھی' کبھی کبھی طبیعت کا جمود اس حق کے باطن تک پہنچنے نہیں دیتا' اس کی کچھ وضاحت ہم نے کتاب العلم میں کی ہے۔

تیسرا مانع : یہ ہے کہ گناہ زیادہ کرتا ہو' کبر میں مبتلا ہو لالچی ہو' دنیا کی محبت میں گرفتار ہو' یہ تمام امور دل کو تاریک اور زنگ

آلود اور تاریک کردیتے ہیں' جس طرح آئینے کی آب باقی نہ رہنے کی صورت میں چھو دیکھنا مشکل ہے' اسی طرح زنگ آلود دلوں میں حق کی روشنی ظاہر نہیں ہوتی' یہ سب سے بڑا مانع ہے اکثر لوگ اسی مانع کی وجہ سے فہم قرآن سے محروم رہتے ہیں' جس قدر شہوات کی تہیں دبیز ہوتی ہیں اسی قدر معانی قرآن مخفی ہوجاتے ہیں۔ دل سے گناہوں کا بوجھ جس قدر ہلکا ہوگا معانی قرآن اسی قدر واضح ہوں گے۔ دل آئینے کی طرح ہے' شہوات کی حیثیت زنگ کی ہے' اور معانی قرآن اس صورت کی طرح جو آئینے میں نظر آتی ہے' قلب کے لیے ریاضت کی وہی حیثیت ہے جو حیثیت زنگ آلود آئینے کے لیے صیقل کی ہے۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

اذاعظمت امتی الدینار والدرھم نزع منھا ھیبة الاسلام' واذا ترکوا الامر بالمعروف حرموا برکة الوحی (ابن ابی الدنیا فی الامر بالمعروف)

جب میری امت درہم و دینار کو اہمیت دینے لگے گی تو اس سے اسلام کی ہیبت چھین جائے گی' اور لوگ جب امر بالمعروف چھوڑدیں گے تو وحی کی برکت سے محروم ہوجائیں گے۔

فضیل ابن عیاض کہتے ہیں کہ وحی کی برکت سے فہم القرآن مراد ہے' یعنی لوگ فہم قرآن سے محروم ہوجائیں گے۔ قرآن پاک میں فہم قرآن' اور تذکیر بالقرآن کے لیے انابت الی اللہ کی شرط لگائی ہے۔

تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ (پ ۲۶ ر ۱۵ آیت ۸)

جو ذریعہ ہے بینائی اور دانائی کا ہر رجوع ہونے والے بندے کے لیے۔

وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ (پ ۲۴ ر ۷ آیت ۱۳)

اور صرف وہی شخص نصیحت قبول کرتا ہے جو خدا کی طرف رجوع کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔

اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ (پ ۲۴ ر ۱۵ آیت ۹)

وہی لوگ نصیحت پکڑتے ہیں جو اہل عقل (سلیم) ہیں۔

جو شخص دنیا کی محبت کو آخرت کی نعمتوں پر ترجیح دے' وہ صاحب عقل و فہم نہیں ہے' اسی لیے کتاب اللہ کے اسرار اس پر منکشف نہیں ہوتے۔

<u>چوتھا مانع</u> : یہ ہے کہ اس شخص نے قرآن کی کوئی ظاہری تفسیر پڑھی ہو۔ اور وہ یہ سمجھتا ہو کہ قرآنی کلمات کی بس وہی تفسیر ہے جو حضرت عبداللہ ابن عباس اور مجاہد وغیرہ اکابر سے منقول ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ تفسیر بالرای کی حیثیت رکھتا ہے' اور تفسیر بالرائی کے بارے میں یہ وعید آئی ہے۔

من فسر القرآن برایه فقد تبواء مقعده من النار

جو شخص اپنی رائے سے قرآن پاک کی تفسیر کرے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

یہ اعتقاد بھی فہم قرآن کے لیے مانع ہے۔ ہمارے خیال میں یہ اعتقاد حضرت علیؓ کے اس قول کے خلاف بھی ہے کہ کسی بندے کو کتاب اللہ کی سمجھ عطا کردی جاتی ہے۔ اگر تفسیر سے ظاہر منقول تفسیر ہی مراد ہوتی تو یہ اختلافات ہی سامنے نہ آتے جو تفسیر قرآن کا اہم موضوع ہیں۔ چوتھے باب میں ہم تفسیر بالرائی کی حقیقت بیان کریں گے۔

<u>ساتواں ادب</u> : یہ ہے کہ قرآن کریم کے ہر خطاب کو اپنے لیے خاص سمجھے جب کوئی آیت نہی یا آیت امر سامنے آئے تو یہ سوچے کہ مجھے ہی حکم کردیا گیا ہے اور مجھے ہی منع کیا جارہا ہے' وعد و وعید کی آیات تلاوت کرے تو انہیں اپنے حق میں فرض کرے' انبیاء کے قصے پڑھے تو یہ سمجھے کہ یہاں قصے مقصود نہیں ہیں بلکہ ان سے عبرت حاصل کرنا مقصود ہے' کیونکہ پچھلے انبیاء کے جتنے قصے قرآن کریم میں مذکور ہیں ان کے مضامین کا فائدہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوتا ہے'

چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :۔

مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ (پ ۱۲ ر ۱۰ آیت ۱۲۰)

جن کے ذریعہ سے ہم آپ کے دل کو تقویت دیتے ہیں۔

تلاوت کرنے والے کو فرض کرلینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی آزمائش، صبر، نصرت اور ثبات قدمی کے جو واقعات اپنی کتاب میں بیان کئے ہیں، ان سے ہماری ثابت قدمی مقصود ہے قرآنی خطابات کو اپنے فرض کرنے کی وجہ سے یہ کہ قرآن پاک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لیے نازل نہیں ہوا ہے۔ بلکہ وہ تمام دنیا کے لیے شفاء، ہدایت، رحمت اور ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے تمام لوگ کو نعمت کتاب پر شکر ادا کرنے کا حکم دیا۔

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهِ (پ ۲ ر ۱۴ آیت ۲۳۱)

اور حق تعالیٰ کی جو نعمتیں تم پر ہیں ان کو یاد کرو اور (خصوصاً) اس کتاب اور (مضامین) حکمت کو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر (اس حیثیت سے) نازل فرمائی ہیں کہ تم کو ان کے ذریعے نصیحت فرماتے ہیں۔

ذیل کی آیات کریمہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

لَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ۔ (پ ۱۷ ر ۱۴ آیت ۴۴)

ہم تمہارے پاس ایسی کتاب بھیج چکے ہیں کہ اس میں تمہاری نصیحت (کافی موجود) ہے۔ کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے۔

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ (۱۴ ر ۱۳ آیت ۴۴)

اور آپ پر بھی یہ قرآن اتارا ہے تاکہ جو مضامین لوگوں کے پاس بھیجے گئے ان کو آپ ان سے ظاہر کردیں۔

كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ لِلنَّاسِ أَمْثَالَهُمْ (۲۶ ر ۵ آیت ۳۵)

اللہ تعالیٰ اسی طرح کے لوگوں کے لیے ان کے حالات بیان فرماتے ہیں۔

وَاتَّبِعُوا أَحْسَنَ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ (پ ۲۴ ر ۳ آیت ۵۵)

اور تم (کو چاہیے کہ) اپنے رب کے پاس سے آئے ہوئے اچھے اچھے حکموں پر چلو۔

هَٰذَا بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (پ ۹ ر ۱۴ آیت ۲۰۳)

یہ (گویا) بہت سی دلیلیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے، اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں۔

هَٰذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِلْمُتَّقِينَ (پ ۴ ر ۵ آیت ۱۳۸)

یہ بیان (کافی) ہے تمام لوگوں کے۔ لیے، اور ہدایت اور نصیحت ہے خدا سے ڈرنے والوں کے لیے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ تمام لوگ قرآن کے مخاطب ہیں، اس اعتبار سے یہ خطاب تلاوت کرنے والوں سے بھی ہے، اس لیے ہر شخص کو یہ فرض کرنا چاہیے کہ قرآن کا مقصود میں ہوں۔

ارشاد ربانی ہے :۔

وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنْذِرَكُمْ بِهِ وَمَنْ بَلَغَ (پ ۷ ر ۸ آیت ۱۹)

اور میرے پاس یہ قرآن بطور وحی کے بھیجا گیا ہے تاکہ میں اس قرآن کے ذریعہ سے تم کو اور جس کو یہ قرآن پہنچے ان سب کو ڈراؤں۔

محمد ابن کعب قرظی کہتے ہیں کہ جس شخص نے قرآن پاک کی تلاوت کی گویا اس نے حق تعالیٰ سے کلام کیا، اگر تلاوت کرنے

والا خود کو قرآن کا مخاطب سمجھے تو پڑھ لینے ہی کو اپنا عمل قرار نہ دے، بلکہ اس طرح پڑھے جیسے کوئی غلام اپنے آقا کا خط پڑھتا ہے۔ اس کے ہر لفظ پر غور کرتا ہے، اور اس کے مطابق عمل کرتا ہے، اسی لیے علماء کہتے ہیں کہ قرآن کریم پیغامات کا نام ہے، یہ پیغامات ہمارے رب کے پاس سے آئے ہیں، تاکہ ہم نمازوں میں ان پر غور کریں۔ خلوتوں میں ان کی معنی سمجھیں، اور ان کی تعمیل کریں۔ حضرت مالک ابن دینارؒ فرمایا کرتے تھے "اے قرآن والو! قرآن نے تمہارے دل میں کیا بویا ہے، قرآن مومن کے حق میں بہار ہے، جس طرح بارش زمین کے حق میں بہار ہے، قتادہ فرماتے ہیں کہ جو شخص قرآن کی صحبت اختیار کرتا ہے۔ وہ فائدہ حاصل کرتا ہے یا نقصان۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

هُوَ شِفَاءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظَّالِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا (پ ۱۵ ر ۹ آیت ۸۲)

وہ ایمان والوں کے حق میں تو شفا اور رحمت ہے اور نا انصافوں کو اس سے اور الٹا نقصان بڑھتا ہے۔

آٹھواں ادب : یہ ہے کہ قرآنی آیات سے متاثر ہو۔ جس طرح کی آیت تلاوت کرے اسی طرح کا تاثر دل میں ہونا چاہیے، اگر آیت خوف ہے تو خوف طاری کرلے، آیت حزن ہے تو غمگین ہو جائے، آیت رجا ہے تو وہ کیفیت دل میں پیدا کرے جو امید سے ہوتی ہے، غرض کہ جس مضمون کی آیت ہو اسی مضمون کے مطابق کیفیت اور حال پیدا ہونا ہی تلاوت کا کمال ہے۔ جب انسان کو معرفت کاملہ حاصل ہو جاتی ہے، تو دل پر خوف کا غلبہ زیادہ رہتا ہے۔ اس لیے کہ قرآنی آیات میں تنگی بہت ہے، مثال کے طور پر رحمت اور مغفرت کا ذکر ایسی شرطوں کے ساتھ کیا گیا ہے کہ عارف کے لیے جن کی تکمیل دشوار ہے۔ ذیل کی آیت میں مغفرت کے لیے چار شرطیں لگائی ہیں۔

وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى۔ (پ ۱۶ ر ۱۳ آیت ۸۲)

اور میں ایسے لوگوں کے لیے بڑا بخشنے والا بھی ہوں جو توبہ کرلیں، اور ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں پھر (اسی) راہ پر قائم (بھی) رہیں۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا :۔

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (پ ۳۰ ر ۲۸ آیت ۲-۳)

قسم ہے زمانہ کی کہ انسان بڑے خسارے میں ہے مگر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اور دوسرے کو اعتقاد حق (پر قائم رہنے) کی فہمائش کرتے رہے، اور ایک دوسرے کو (اعمال کی) پابندی کی فہمائش کرتے رہے۔

اس آیت میں بھی چار شرطوں کا ذکر ہے۔ جس جگہ تفصیل نہیں ہے وہاں ایک ایسی شرط کا ذکر ہے جو تمام شرطوں کو جامع ہے۔ مثلاً"

اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ (پ ۸ ر ۱۴ آیت ۵۶)

بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت نیک کام کرنے والوں سے قریب ہے۔

اس آیت میں احسان کی شرط لگائی گئی۔ یہ صفت دوسری تمام صفات کا جامع ہے۔ قرآن کریم میں اس طرح کی بے شمار آیات ملیں گی۔ جو شخص یہ حقیقت سمجھ لے گا اس پر غم اور خوف کے علاوہ کوئی دوسرا تاثر قائم نہیں ہوگا۔ اسی لیے حضرت حسن بصریؒ فرمایا کرتے تھے کہ جو بندہ قرآن پڑھتا ہے، اس پر ایمان رکھتا ہے، اس کا غم بڑھتا ہے، اس کی خوشی کم ہو جاتی ہے، رونا زیادہ ہو جاتا ہے، ہنسنا کم ہو جاتا ہے، کام بڑھ جاتا ہے، بیکاری کم ہو جاتی ہے، تکلیف زیادہ ہو جاتی ہے، راحت کم ہو جاتی ہے، وہیب ابن الورد کہتے ہیں کہ ہم نے احادیث کا مطالعہ بھی کیا، اور وعظ بھی سنے، لیکن تلاوت قرآن اور تدبر فی القرآن سے زیادہ دل کو نرم کرنے والی چیز ہمیں نہیں ملی۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مومن کو تلاوت کے دوران ہر آیت کے مضمون کے مطابق اس طرح متاثر ہونا چاہیے کہ اس کی

صفت کے ساتھ متصف ہوجائے' مثلاً" آیات کی تلاوت کے وقت جن میں تہدید و وعید ہے' اور مغفرت کی مشکل شرائط کا ذکر ہے' اتنا ڈرے کہ گویا ڈر کی وجہ سے مرجائے گا۔ جہاں مغفرت کا وعدہ مذکور ہے وہاں اتنا خوش ہو کہ گویا خوشی کے مارے اڑنے لگے گا۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات پر مشتمل آیات کی تلاوت کے دوران باری تعالیٰ کی عظمت اور تقدس کے سامنے سرنگوں ہوجائے۔ جب کفار کا تذکرہ ہو' اور ان کے اقوال بیان کئے جائیں جو باری تعالیٰ کے حق میں محال ہیں۔ تو اپنی آواز آہستہ کرلے' اور دل ہی دل میں کفار کی ان شرمناک دروغ بیانیوں پر شرمندہ ہو جب جنت کا ذکر ہو تو دل میں اس کا شوق پیدا ہونا چاہیے' دوزخ کے بیان پر اتنا خوف زدہ ہونا چاہیے کہ دل دہل جائے' اور جسم لرز جائے' روایات میں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے فرمایا : قرآن سناؤ۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے سورۂ نساء کی تلاوت شروع کی جب میں اس آیت پر پہنچا۔

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا (پ ۵ ر ۳ آیت ۴۱)

سو اس وقت بھی کیا حال ہوگا جب کہ ہم ہر ہر امت میں ایک ایک گواہ کو حاضر کریں گے اور آپ کو ان لوگوں پر گواہی دینے کے لیے حاضر لاویں گے۔

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے' آپ نے فرمایا :۔

حسبك الآن (بخاری و مسلم۔ ابن مسعودؓ)

بس اب رہنے دو۔

آپ کی یہ کیفیت اس لیے ہوئی کہ آپ کا قلب مبارک پوری طرح اس منظر کے مشاہدے میں مشغول تھا جو مذکورہ بالا آیت میں مذکور ہے۔ بعض لوگ وعید و انداز کی آیات کی تلاوت کے وقت بے ہوش ہو کر گر جاتے تھے' اور ایسے بھی گزرے ہیں جو اس طرح کی آیات سنتے ہوئے انتقال کر گئے۔

اصل بات یہ ہے کہ جو شخص تلاوت کے وقت اپنے اوپر مضامین تلاوت کے مطابق کیفیات طاری کرلیتا ہے۔ وہ محض نقال نہیں رہتا۔ مثلاً" جب یہ آیت پڑھے :۔

إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ (پ ۷ ر ۸ آیت ۱۵)

میں اگر اپنے رب کا کہنا نہ مانوں تو میں ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

اور دل میں خوف نہ ہو تو یہ صرف نقالی ہے' حقیقت کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے' اسی طرح جب یہ آیت پڑھے :۔

عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ (پ ۲۸ ر ۷ آیت ۴)

ہم آپ پر توکل کرتے ہیں' اور آپ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور آپ ہی کی طرف لوٹنا ہے

اور توکل اور انابت نہ پائی جائے تو یہ تلاوت زبانی حکایت کے علاوہ کچھ بھی نہیں جب یہ آیت تلاوت کرے۔

وَلَنَصْبِرَنَّ عَلَىٰ مَا آذَيْتُمُونَا (پ ۱۳ ر ۱۴ آیت ۱۲)

اور تم نے جو کچھ ہم کو ایذاء پہنچائی ہے ہم اس پر صبر کریں گے۔

تو دل میں صبر ہونا چاہیے' تاکہ آیت کی حلاوت اور لذت محسوس کرے۔ اگر یہ مختلف کیفیات طاری نہ ہوں گی' اور دل ہر طرح کے تاثر سے خالی ہوگا تو اس تلاوت سے وہ صریح طور پر اپنے آپ کو لعنت ملامت کرے گا۔ مثلاً" جب کوئی شخص دلی جذبات و تاثرات سے خالی ہو کر ذیل کی آیات پڑھے گا۔ تو یہی ظاہر ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو ان لوگوں کے زمرے میں شامل کر رہا ہے' جن کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں۔

أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ (پ ۱۸ ر ۹

آیت ۳)

خبردار ظلم کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے خدا کے نزدیک یہ بات بہت ناراضی کی ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔

وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُعْرِضُونَ (پ ۱۷ ر ۱ آیت ۱)

اور یہ (ابھی) غفلت (ہی) میں (پڑے ہیں اور) اعراض کیے ہوئے ہیں۔

فَأَعْرِضْ عَمَّنْ تَوَلَّى عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا۔ (پ ۲۷ ر ۶ آیت ۲۹)

تو آپ ایسے شخص سے خیال ہٹا لیجئے جو ہماری نصیحت کا خیال نہ کرے اور بجز دنیوی زندگی کے اس کا کوئی مقصود نہیں ہو۔

وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَأُولٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (پ ۲۶ ر ۱۴ آیت ۱۱)

اور جو (ان حرکتوں سے) باز نہ آئیں گے تو وہ ظلم کرنے والے ہیں۔

ایسا قاری ان آیات کا مصداق بھی بنے گا۔

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ (پ ۱ ر ۹ آیت ۷۸)

اور ان میں بہت سے ناخواندہ (بھی) ہیں جو کتابی علم نہیں رکھتے لیکن دل خوش کن باتیں (بہت یاد ہیں)

وَكَأَيِّنْ مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ (پ ۱۳ ر ۶ آیت ۱۰۵)

اور بہت سی نشانیاں ہیں آسمانوں میں اور زمین میں جن پر ان کا گزر ہوتا رہتا ہے اور وہ ان کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

قرآن کریم میں یہ علامات واضح طور پر بیان کی گئی ہیں' اگر پڑھنے والا ان علامات سے متاثر نہ ہو' اور سرسری طور پر پڑھ کر گزر جائے تو بلاشبہ یہ شخص ان لوگوں میں شامل ہے جو کلام اللہ سے روگردانی کرتے ہیں' اسی لیے کہا گیا ہے کہ قرآنی اخلاق سے متصف نہ ہونے والا شخص جب قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے تو ندا آتی ہے۔ "اے بندے! تجھے میرے کلام سے کیا واسطہ' تو تو مجھ سے روگردانی کررہا ہے' اگر تو میری طرف رجوع نہیں کرتا تو میری کتاب کی تلاوت مت کر" اس گنہگار آدمی کی جو قرآن پاک کی بار بار تلاوت کرتا ہے مثال ایسی ہے جیسے کوئی قانون شکن انسان دن بھر میں کئی مرتبہ شاہی فرمان پڑھے لیکن اس فرمان کی تکمیل نہ کرے اگر ایسا شخص فرمان شاہی نہ پڑھتا تو غالباً "عتاب کم ہوتا' پڑھ کر عمل نہ کرنے کی صورت میں وہ زیادہ عتاب کا مستحق ہے' اسی لیے یوسف ابن اسباط کہتے ہیں کہ میں تلاوت قرآن کا ارادہ کرتا ہوں' لیکن جب اس کے مضامین یاد آتے ہیں' اور اپنی کوتاہ عملی کا خیال آتا ہے۔ تو تلاوت سے ڈر لگنے لگتا ہے' اور تسبیح و استغفار میں مشغول ہوجاتا ہوں جو شخص قرآن کریم پر عمل کرنے سے گریز کرے وہ اس آیت کریمہ کا مصداق ہے۔

فَنَبَذُوهُ وَرَآءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ (پ ۴ ر ۱۰ آیت ۱۸۷)

سو ان لوگوں نے اس کو اپنے پس پشت پھینک دیا' اور اس کے مقابلے میں کم حقیقت معاوضہ لے لیا' سو بری چیز ہے۔ جس کو وہ لے رہے ہیں۔

جب تلاوت سے دل بھر جائے تو پڑھنا موقوف کردینا چاہیے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :۔

اقرؤا القرآن ما ائتلفت علیہ قلوبکم فاذا اختلفتم فقوموا عنہ

(بخاری و مسلم۔ جنوب ابن عبداللہ البجلی)

قرآن پاک اس وقت تک پڑھو جب تک کہ تمہارے دل اس سے مانوس رہیں' اگر یہ حال نہ ہو تو تلاوت موقوف کردو۔

دل کی انسیت کا مطلب یہ ہے کہ پڑھنے والے پر اثرات مرتب ہوں جو اس آیت میں بیان کئے گئے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ (پ۹ ر۱۵ آیت ۲)

وہ لوگ ہیں جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ (مضبوط) کردیتی ہیں' اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :۔

ان احسن الناس صوتا بالقرآن الذی سمعۃ یقرأ رایت انہ یخشی اللہ تعالے

(ابن ماجہ۔ بسند ضعیف)

لوگوں میں خوش الحانی کے ساتھ قرآن پڑھنے والا وہ شخص ہے جسے تم قرآن پڑھتے ہوئے سنو تو یہ خیال کرو کہ وہ اللہ تعالٰی سے ڈر رہا ہے۔

قرآن کریم کی تلاوت کا مقصد ہی یہ ہے کہ یہ احوال دل پر وارد ہوں' اور جو کچھ قرآن میں بیان کیا گیا ہے اس پر عمل کیا جائے' ورنہ صرف زبان ہلانے میں کیا محنت ہے' اصل محنت تو عمل کرنے میں ہے۔ اور اس محنت پر اجر و ثواب بھی ملتا ہے' ایک قاری صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد کو قرآن سنایا' انہوں نے سن لیا' دوسری بار جب میں نے قرآن سنانے کی خواہش ظاہر کی تو انہوں نے سختی سے کہا کہ تم میرے سامنے پڑھنے کو عمل سمجھتے ہو' جاؤ اللہ تعالٰی کے سامنے جاکر پڑھو' اور یہ دیکھو کہ وہ تمہیں کیا حکم دیتا ہے' اور کس چیز سے منع کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت قریباً" بیس ہزار صحابیؓ حیات تھے' لیکن صرف چھ افراد نے قرآن پاک حفظ کیا تھا' ان میں بھی دو کے بارے میں روایات مختلف ہیں اسکی وجہ یہی تھی کہ وہ لوگ زیادہ تر احوال اور اعمال کی اصلاح میں مشغول رہتے تھے۔ اکثر صحابہ ایک دو سورتیں یاد کرلیا کرتے تھے' بقرہ اور الانعام جیسی سورتیں یاد کرلینے والے حضرات علماء کہلاتے تھے۔ (۱) روایت میں ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قرآن پاک سیکھنے کے لیے حاضر ہوا' جب وہ شخص اس آیت پر پہنچا۔

فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ ؕ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ

(پ۳۰ ر۲۴ آیت ۷-۸)

---

(۱) مصنف نے غالباً" مدینہ منورہ کے رہنے والے صحابہ کی تعداد بیان کی ہے ورنہ ابوزرعہ الرازی کی روایت کے مطابق سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف کے وقت ایک لاکھ چودہ ہزار صحابہؓ ایسے موجود تھے جنہوں نے آپ سے روایت کی تھی' اور کچھ سنا تھا' حفاظ صحابہ کی تعداد کے بارے میں حضرت انسؓ کی روایت صحیحین میں موجود ہے' فرماتے ہیں "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چار صحابہؓ نے قرآن پاک حفظ کیا تھا' یہ چار صحابہؓ انصاری تھے' ابی ابن کعب' معاذ ابن جبل' زید ابو زید' صحیحین میں عبداللہ ابن عمرؓ کی روایت بھی ہے اس روایت میں زید اور ابو زید کی جگہ عبداللہ ابن مسعود اور سالم مولی ابو حذیفہ کے نام ہیں' ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں شعبی کی مرسل روایت کے حوالے سے ابوالدرداء اور سعید ابن عبید کو بھی حفاظ میں شمار کیا ہے ابن الانباریؒ نے حضرت عمرؓ کی یہ روایت ذکر کی ہے کہ ان سورتوں کو یاد کرلینے والے دور اول میں فاضل کہلاتے تھے' اسی طرح کی ایک روایت ترمذی میں ابوہریرہ سے ہے کہ آپ نے ایک لشکر بھیجا' جس کا امیر ایک ایسے کم عمر صحابی کو بنایا جنہیں سورہ بقرہ یاد تھی۔

سو: جو شخص (دنیا میں) ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ (وہاں) اس کو دیکھ لے گا' اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔

تو عرض کیا :۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لیے اتنا ہی کافی ہے' اور واپس چلا گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔

انصرف الرجل وھو فقیہ (ابوداؤد' نسائی' عبداللہ ابن عمرؓ)

یہ شخص فقیہ ہو کر واپس گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ صرف وہی حالت پسندیدہ اور محبوب ہے جو قرآن پاک کی آیت سمجھنے کے بعد باری تعالیٰ کی طرف بندے کو عطا کی جائے' محض زبان ہلا دینا زیادہ مفید نہیں ہے' بلکہ وہ شخص جو زبان سے تلاوت کرے' "عملاً" رو گردانی کرے اس آیت کا مصداق ہے۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَعْمٰى ۚ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِىْ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ۚ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيَاتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۖ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى (پ۱۶ ر۱۶ آیت ۱۲۴-۱۲۶)

اور جو شخص میری (اس) نصیحت سے اعراض کرے گا تو اس کے لیے تنگی کا جینا ہو گا' اور قیامت کے روز ہم اس کو اندھا کر کے قبر سے اٹھائیں گے' وہ (تعجب) سے کہے گا کہ اے میرے رب آپ نے مجھ کو اندھا کر کے کیوں اٹھایا میں تو (دنیا میں) آنکھوں والا تھا' ارشاد ہو گا کہ ایسا ہی (تجھ سے عمل ہوا تھا اور یہ کہ) تیرے پاس ہمارے احکام پہنچے تھے پھر تو نے ان کا کچھ خیال نہ کیا اور ایسا ہی آج تیرا کچھ خیال نہ کیا جائے گا۔

مطلب یہ ہے کہ تو نے قرآن میں غور و فکر نہیں کیا' اور نہ پورے اہتمام سے تلاوت کی' کسی بھی معاملے میں کوتاہی کرنے والے کے متعلق یہی کہا جاتا ہے کہ اس نے فلاں معاملہ فراموش کر دیا قرآن کی تلاوت کا حق ادا نہ کرنے والا بھی اس لقب کا مستحق ہے' قرآن پاک کی تلاوت کا حق یہ ہے کہ اس میں زبان' عقل اور دل تینوں شریک ہوں۔ زبان کا کام یہ ہے کہ وہ قرآن کے ارشادات سے متاثر ہو' اور تعمیل حکم کا عہد کرے گویا زبان واعظ ہے' عقل مترجم ہے اور دل نصیحت قبول کرنے والا ہے۔

نواں باب : یہ ہے کہ تلاوت میں اتنی ترقی کرے کہ اپنے بجائے خود متکلم سے اس کا کلام سنے' پڑھنے کے تین درجے ہیں' ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ بندہ یہ فرض کرے کہ میں باری تعالیٰ کے سامنے دست بستہ کھڑا ہو کر تلاوت کر رہا ہوں۔ اور باری تعالیٰ اس کی طرف دیکھ رہے ہیں اور سن رہے ہیں' اس صورت میں تلاوت کرنے والا ان لوگوں میں شمار ہو گا جو کسی سے عاجزی اور انکساری کے ساتھ کچھ مانگتے ہیں اور مسئول کی مدح سرائی کرتے ہیں' دوسرا درجہ یہ ہے کہ دل میں یہ احساس کرے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ اسے دیکھ رہے ہیں' اپنے لطف و کرم سے اسے مخاطب کر رہے ہیں' اور اپنے انعام و احسان کا ذکر فرما رہے ہیں۔ اس صورت میں تلاوت کرنے والے کی حالت اس شخص کے مشابہ ہو گی جو کسی بڑے کی گفتگو سن رہا ہے' اس حالت میں حیاء بھی ہوتی ہے' اور تعظیم بھی' سننا بھی ہوتا ہے' اور سمجھنا بھی۔ تیسرا درجہ یہ کہ کلام میں متکلم کا اور کلمات میں صفات متکلم کا مشاہدہ کرے' اور نہ اپنے آپ کو دیکھے' نہ اپنی قرأت پر نظر رہے' نہ خیال رہے کہ و منعم علیہ ہے' بلکہ فکر و خیال کا مرکز باری تعالیٰ کی ذات ہونی چاہیے گویا وہ متکلم کے مشاہدہ میں اس قدر مشغول ہے کہ اس کے علاوہ ہر شئی اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی ہے۔ یہ مقربین کا درجہ ہے' پہلا اور دوسرا درجہ اصحاب یمین کا تھا۔ ان درجات سے اگر کوئی کم درجہ ہے تو غافلین کا ہے' مقربین کے درجے کے بارے میں حضرت جعفر ابن محمد صادقؒ فرماتے ہیں کہ باری تعالیٰ اپنی مخلوق کے لیے اپنے کلام میں تجلی فرماتے ہیں' لیکن وہ تجلی کا مشاہدہ نہیں کر پاتے۔ حضرت جعفر صادق ایک روز نماز کے دوران بے ہوش ہو گئے' جب افاقہ ہوا تو لوگوں نے اس حالت کے متعلق سوالات کئے فرمایا کہ میں دل ہی دل میں ایک آیت کو بار بار پڑھ رہا تھا' اچانک مجھے ایسا لگا کہ جیسے وہ آیات خداوند قدوس سے سن رہا ہوں' اس

قدرت کے مشاہدہ کا تحمل میرے بس سے باہر تھا اس لیے مجھ پر غشی طاری ہو گئی' ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ پہلے مجھے قرآن پاک کی تلاوت میں لذت نہیں ملتی تھی' یہاں تک کہ اللہ وتبارک تعالیٰ نے مجھے کچھ اس طرح کا احساس بخشا کہ جیسے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے قرآن سن رہا ہوں' پھر ایک درجہ اور بڑھا اور یہ محسوس ہونے لگا کہ حضرت جبرائیل سرکار دو عالم صلی اللہ وسلم کو قرآن سکھلا رہے ہیں' اور میں یہ سن رہا ہوں' پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ کیفیت عطا فرمائی گویا میں متکلم قرآن یعنی باری تعالیٰ سے سن رہا ہے۔ اس کیفیت سے مجھے وہ حلاوت اور لذت حاصل ہوئی جسے میں برداشت نہیں کرسکا۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ اگر دل پاک ہو صاف ہو تو قرآن کی تلاوت سے سیری نہ ہو۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ قلب کی طہارت سے انسان کو کلام متکلم کے مشاہدے کی قوت حاصل ہو جاتی ہے۔ ثابت بنانی کا یہ تجربہ بھی غالباً" اسی حقیقت پر مبنی ہے کہ میں نے بیس برس تک قرآن کی تلاوت میں سخت محنت کی' لیکن بیس برس سے مجھے تلاوت سے ناقابل بیان لذت حاصل ہو رہی ہے۔ اگر انسان کلام میں متکلم کا مشاہدہ کرے اور ماسوا پر اس کی نظر نہ ہو تو وہ درحقیقت ان ارشادات کی تعمیل کر رہا ہے۔

فَفِرُّوا إِلَى اللَّهِ

(پ ۲۷ ر ۲ آیت ۵۰)

تو تم اللہ ہی کی (توحید) طرف دوڑو۔

وَلَا تَجْعَلُوا مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ

(پ ۲۷ ر ۲ آیت ۵۱)

اور خدا کے ساتھ کوئی اور معبود مت قرار دو۔

جو شخص خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ نہ رہے وہ غیر اللہ کی طرف متوجہ رہے گا' اور جو شخص غیر اللہ کی طرف متوجہ ہوگا اس کے معتقدات میں شرک خفی کا عنصر ضرور شامل ہوگا۔ توحید خالص یہ ہے کہ ہر شئی میں حق کا جلوہ نظر آئے۔

دسواں ادب : یہ ہے کہ طاقت و قوت سے برأت کرتا رہے' اور کسی بھی لمحہ اپنے نفس کو اہمیت نہ دے' مثلاً" قرآن پاک کی وہ آیات پڑھے جن میں نیک بندوں کی مدح کی گئی ہے' اور ان سے جنت و مغفرت کے وعدے کئے گئے ہیں تو یہ خیال نہ کرے کہ میں بھی ان صالحین میں شامل ہوں' بلکہ یہ سمجھے کہ یہ درجہ بہت بلند ہے اور اہل یقین اور صدیقین کے شایان شان ہے۔ البتہ خود کو ان آیات کا مخاطب قرار دے' اور یہ سمجھے کہ تشویق و ترغیب کے لیے اسے مخاطب بنایا جا رہا ہے' جب وہ آیات پڑھے جن میں گنہگاروں کے لیے خدا کے غضب اور عذاب الیم کا ذکر ہے تو یہ سمجھے کہ ان آیات سے مخاطب ہوں' اس موقع پر خدا کے غیظ و غضب سے ڈرے اور کفر و شرک اور فسق و فجور میں مبتلا نہ ہونے کی دعا مانگے' چنانچہ حضرت عمرؓ اس طرح کی تلاوت کے وقت یہ دعا مانگا کرتے تھے کہ "اے اللہ! میں اپنے ظلم و کفر کی مغفرت چاہتا ہوں۔" لوگوں نے عرض کیا ظلم تو معلوم ہے' لیکن کفر معلوم نہیں ہے' فرمایا یہ کفر وہ ہے جس کا ذکر قرآن میں ہے اور کوئی شخص بھی اس سے خالی نہیں۔

إِنَّ الْإِنسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ

(پ ۱۳ ر ۱۷ آیت ۳۴)

(مگر) سچ یہ ہے کہ آدمی بڑا ہی بے انصاف اور ناشکرا ہے۔

یوسف ابن اسباطؒ سے کسی نے پوچھا کہ جب تم قرآن پڑھتے ہو تو کیا دعا مانگتے ہو' فرمایا دعا کیا مانگتا ہوں' ستّر مرتبہ اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتا ہوں۔ اگر کوئی شخص تلاوت کے دوران کوتاہیوں پر نظر رکھے' اور یہ خیال کرے کہ میں سرتاپا تقصیر ہوں تو اسے حق تعالیٰ کا قرب نصیب ہوگا۔ اس لیے کہ جو شخص قرب میں دوری سمجھتا ہے' اسے خوف عطا کیا جاتا ہے' اس خوف سے دوری کا ایک درجہ ختم ہو جاتا ہے' اور قرب میں اضافہ ہوتا ہے' اور جو شخص دوری میں قرب سمجھتا ہے تو اسے خوف حاصل نہیں ہوتا' بے خوفی سے دوری بڑھ جاتی ہے' قرب کم ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے نفس کو اچھا سمجھے گا تو اسرار محجوب ہو جائیں گے' اور خود اس

کا نفس حجاب بن جائے گا، نفس کو حقیر سمجھنے کی صورت میں حق تعالیٰ کا مشاہدہ ہوگا اور اس کے قلب پر عالم ملکوت کے اسرار منکشف ہوں گے۔۔۔ ابو سلیمان دارانیؒ کہتے ہیں کہ ابن ثوبانؒ نے اپنے ایک بھائی سے یہ وعدہ کیا کہ وہ ان کے ساتھ افطار کریں گے، لیکن وہ صبح تک نہیں آئے، اگلے دن ان کے بھائی نے شکایتاً کہا کہ آپ وعدہ کرنے کے باوجود تشریف نہ لائے، میں صبح تک انتظار کرتا رہا۔ فرمایا اگر میں نے تم سے وعدہ نہ کیا ہوتا تو نہ آنے کی وجہ ہرگز نہ بتلاتا۔ وجہ یہ ہوئی کہ جب میں نے رات عشاء کی نماز پڑھ لی تو خیال آیا کہ وتر بھی پڑھ لوں، کبھی موت مہلت نہ دے، جب وتر کی دعا پڑھ رہا تھا تو اچانک میرے سامنے ایک ہرا بھرا باغ آگیا اس میں طرح طرح کے پھل پھول تھے۔ میں اس باغ کو دیکھنے میں اس قدر محو ہوا کہ صبح ہو گئی، یہ مکاشفات اسی وقت ہوتے ہیں جب آدمی اپنے نفس سے اور اس کی خواہشات سے قطع نظر کرلیتا ہے، پھر یہ مکاشفات صاحب کشف کے حالات کے مطابق پیش آتے ہیں، اگر رجاء و امید پر مشتمل آیات کی تلاوت کے وقت اس پر انبساط کی کیفیت طاری ہو جائے تو اس کے سامنے جنت کا منظر پیش کیا جاتا ہے، اور وہ اس طرح مشاہدہ کرتا ہے گویا جنت اس کی نگاہوں کے سامنے ہے، اگر خوف کا غلبہ ہو تو دوزخ منکشف ہوتی ہے، اور دیکھنے والا عذاب کے مختلف مناظر دیکھتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں لطافت اور نرمی بھی ہے، سختی اور درشتی بھی ہے۔ امید و رجاء بھی ہے، انداز و تخویف بھی، کلام کے مضامین متکلم کے اوصاف کے مطابق ہیں، پڑھنے والے پر وہی کیفیت طاری ہوگی جو کلمات اور صفات کی کیفیت ہوگی، اور اسی کیفیت کے مطابق اسرار منکشف ہوں گے۔ یہ ممکن نہیں کہ سننے والے کی حالت میں کوئی تغیر نہ آئے، اور کلام بدلتا رہے، کلام میں رضا و انس، غیظ و غضب انعام واکرام عذاب و انتقام ہر چیز کا ذکر ہے ضروری ہے کہ سننے والے پر اسی مضمون کا اثر ہو جو وہ پڑھ رہا ہے۔

چوتھا باب

فہم القرآن اور تفسیر بالرائی

ما قبل میں ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صاف قلوب پر قرآن پاک کے معانی، اور اسرار منکشف ہوتے ہیں، یہاں بہت سے لوگ اعتراض کی گنجائش نکال سکتے ہیں کیونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

من فسر القرآن برأيه فليتبوأ مقعده من النار (۱)

جو شخص اپنی رائے سے قرآن پاک کی تفسیر کرے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

اس حدیث کی بناء پر ظاہری مفسرین اہل تصوف پر نقد کرتے ہیں، ان کے خیال میں یہ لوگ ابن عباسؓ وغیرہ مفسرین سے منقول تفسیر کے برخلاف اپنی طرف سے قرآن کی تفسیر کرتے ہیں، اہل تصوف کا یہ عمل ظاہری مفسرین کے نزدیک کفر کے برابر ہے، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر مفسرین کا قول صحیح ہے تو قرآن کی وہی تفسیر معتبر ہے جو منقول ہے، اور اگر ان کا یہ قول صحیح نہیں ہے تو پھر مذکورہ بالا حدیث کے کیا معنی ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ صوفیاً پر نقد کرنے والے مفسرین اپنے نفس کی خبر دینے، اور اس سلسلے میں اپنا حال بیان کرنے میں سچے ہیں مگر یہ صحیح نہیں ہے کہ وہ دوسروں کو بھی اپنے درجے پر لے آئیں، کیونکہ روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اہل فہم کے لئے قرآن کے معانی میں گنجائش ہے، جیسا کہ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو کتاب اللہ کا فہم عطا کردیتے ہیں، اگر منقول اور ظاہری تفسیر ہی کو صحیح تفسیر کہا جائے گا تو پھر فہم کتاب اللہ کا کیا مطلب ہوگا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

---

(۱) یہ حدیث کتاب العلم کے تیسرے باب میں گزری ہے۔

ان للقرآن ظهرا وبطنا وحدا ومطلعا (۱)

قرآن کا ایک ظاہر ہے ایک باطن ہے' ایک ابتداء ہے ایک انتہا ہے۔

یہ روایت حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے بھی موقوفاً" نقل کی گئی ہے' ابن مسعودؓ کا شمار ان صحابہ کرام میں ہوتا ہے جو قرآن پاک کی تفسیر کا علم رکھتے تھے۔ اگر قرآن کی تفسیر ظاہر اور منقول میں محدود ہے تو ظاہر و باطن ابتداء و انتہا کے کیا معنی ہیں؟ اور حضرت علیؓ کے اس ارشاد کا کیا مفہوم ہے کہ اگر میں چاہوں تو سورۂ فاتحہ کی تفسیر سے ستر اونٹ بھردوں' سورۂ فاتحہ کی ظاہری تفسیر تو بے حد مختصر ہے۔ ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ آدمی اس وقت تک صحیح معنی میں فقیہہ کہلانے کا حق دار نہیں۔ جب تک کہ وہ قرآن میں مختلف صورتیں اختیار نہ کرے بعض علماء فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی ہر آیت کے ساٹھ ہزار معنی ایسے ہیں کہ جو سمجھے جاتے ہیں اور جو معنی سمجھے نہیں جاسکے وہ اس تعداد سے کہیں زیادہ ہیں۔ کسی شخص کا کہنا ہے کہ قرآن کریم ستتر ہزار دو سو علم پر مشتمل ہے' ہر آیت ایک مستقل علم ہے' اور کیونکہ ہر آیت کا ظاہر' باطن مبداء اور مطلع ہے' اس اعتبار سے ہر آیت میں چار علوم پوشیدہ ہیں' روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس مرتبہ بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھی۔ (۲) یہ تکرار و اعادہ یقیناً" ان معانی کے لئے تھا جو اس آیت میں مخفی ہیں' ورنہ اس جملے کی تفسیر واضح ہے' اس تکرار کی کیا ضرورت تھی؟ حضرت عبداللہ ابن مسعود کے اس ارشاد کی تعمیل بھی ظاہر و منقول تفسیر سے نہیں ہوتی کہ جو شخص اولین و آخرین کا علم حاصل کرنا چاہے وہ قرآن میں جستجو کرے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال و صفات تمام علوم کا سرچشمہ ہیں قرآن میں باری تعالیٰ کے افعال و صفات کا بیان ہے' کیونکہ ان علوم کی انتہا نامعلوم ہے اس لئے قرآن میں غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ محض تفسیر منقول و ظاہر سے یہ ضرورت پوری نہیں ہوتی' نظریات اور معقولات میں جو کچھ اختلاف ہے' اور مخلوق کی جتنی بھی مشکلات ہیں قرآن میں ان کی طرف اشارہ کیا گیا ہے' اہل فہم ہی یہ اشارات سمجھ سکتے ہیں ظاہری ترجمہ و تفسیر سے یہ اشارات واضح نہیں ہوتے' چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :۔

اقرءوا القرآن والتمسوا غرائبه (ابن ابی شیبہ' ابو یعلیٰ' بیہقی۔ ابو ہریرہؓ)

قرآن پڑھو اور اس کے غرائب تلاش کرو۔

حضرت علیؓ سے ایک طویل روایت منقول ہے' جس کا ترجمہ یہ ہے "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قسم ہے خدائے برحق کی جس نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے میری امت اپنے اصلی دین اور جماعت سے منحرف ہو کر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی' یہ سب فرقے گمراہ ہوں گے' لوگوں کو گمراہ کریں گے اور دوزخ کی طرف بلائیں گے' جب ایسا ہو تو تم قرآن کریم کو مضبوطی سے پکڑ لینا۔ اس لئے کہ اس میں ماضی کی خبریں بھی ہیں اور مستقبل کی پیشین گوئیاں بھی ہیں۔ اس میں تمہارے معاملات سے متعلق احکام بھی ہیں جو' ظالم و جابر لوگ اس کی مخالفت کریں گے اللہ تعالیٰ انہیں توڑ کر رکھ دیں گے۔ جو شخص کتاب اللہ کے علاوہ کسی چیز میں علم تلاش کرے گا اللہ تعالیٰ اسے گمراہ کریں گے' قرآن کریم اللہ کی حبل متین ہے' نور مبین ہے' اور شفاء ہے' جس شخص نے اسے اختیار کیا وہ محفوظ رہا' جس نے اس کا اتباع کیا اس نے نجات پائی' قرآن کریم کے ذریعہ نجات پانے والا شخص کبھی گمراہ نہیں ہوگا' بلکہ ہمیشہ راہ مستقیم پر رہے گا۔ یہ وہ کتاب ہے جس کے عجائب ختم نہیں ہوتے' اور بار بار پڑھنے کے باوجود پرانی نہیں ہوتی۔ (۳) حضرت حذیفہؓ کی روایت میں ہے کہ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے یہ فرمایا کہ میری وفات کے بعد امت اختلافات کا شکار ہو جائے گی' اور بہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر میری زندگی میں یہ

---

(۱) یہ حدیث کتاب العقائد میں گزری ہے۔ (۲) یہ روایت اسی کتاب کے تیسرے باب میں گزری ہے۔ (۳) یہ آیت تھوڑے سے لفظی اختلاف کے ساتھ ترمذی میں منقول ہے۔ مگر مصنف نے روایت کے متعلق یہ الفاظ لکھے ہیں "غریب و اسناد مجہول"

صورت پیش آئے تو میں کیا کروں؟ فرمایا :-

تعلم کتاب اللّٰہ واتبع ما فیہ' ثلاث مرات (ابوداؤد' نسائی' حذیفہؓ)

کتاب اللہ کی تعلیم حاصل کرنا' اور اس پر عمل کرنا۔ یہ بات آپ نے تین مرتبہ فرمائی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص قرآن سمجھ لیتا ہے وہ تمام علوم کی تفسیر کر دیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن میں تمام علوم کے لئے اشارے اور رموز موجود ہیں۔ قرآن پاک میں ہے :-

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (پ ۳ ر ۵ آیت ۲۶۹)

اور (سچ تو یہ ہے کہ) جس کو دین کا فہم مل جائے اس کو بڑی خیر کی چیز مل گئی۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے نزدیک آیت میں حکمت سے مراد فہم قرآن ہے۔ ایک جگہ ارشاد فرمایا :-

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا (پ ۱۷ ر ۶ آیت ۷۹)

سو ہم نے اس (فیصلے) کی سمجھ سلیمان کو دے دی اور (یوں) ہم نے دونوں کو حکمت اور علم عطا فرمایا تھا۔

حضرت سلیمان و حضرت داؤد کو جو کچھ عطا کیا گیا تھا' قرآن کریم نے اسے حکم و علم سے تعبیر کیا ہے اور جو چیز خاص طور پر حضرتِ سلیمان کو عنایت کی گئی تھی اسے فہم کہا ہے۔ اور فہم کو حکم و علم پر مقدم کیا ہے۔ ان دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ معانی قرآن کے سمجھنے کی بڑی گنجائش ہے' تفسیر ظاہر و منقول معانی قرآنی کی انتہا ہرگز نہیں ہے۔

تفسیر بالرائی اور حدیث کی مراد : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک کہ جو شخص اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کرتا ہے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے' اور حضرت ابوبکرؓ کا یہ کہنا کہ اگر میں اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کروں تو کون سی زمین مجھے اٹھائے اور کون سا آسمان مجھے چھپائے۔ یہ اور اس طرح کی دوسری احادیث و آثار دو حال سے خالی نہیں ہیں' یا تو ان روایت کا مقصد یہ ہے کہ تفسیر کے سلسلے میں نقل اور سمع پر اکتفا کرنا چاہیے۔ استنباط اور اپنی عقل کے ذریعہ معنی فہمی مناسب نہیں ہے' یا اس کے علاوہ کوئی دوسرا مقصد ہے' جہاں تک پہلے مقصد کا تعلق ہے یہ مختلف وجوہات کی بناء پر باطل ہے' پہلی وجہ تو یہ ہے کہ سننے میں یہ شرط ہے کہ وہ تفسیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی ہو اور آپ سے سنداً" منقول ہو' اس کی طرح تفسیر بہت مختصر ہے' اور قرآن کی بہت کم آیات کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات منقول ہیں' اس کا مطلب یہ ہوا کہ ابن عباسؓ اور ابن مسعود کے تفسیری اقوال بھی قابل قبول نہیں ہونے چاہئیں' اور انہیں بھی تفسیر بالرائی کہہ کر رد کر دینا چاہیے' کیونکہ ان اقوال کا بیشتر حصہ ان مضامین پر مشتمل ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے ہوئے نہیں ہیں دوسرے صحابہ کرامؓ کی تفسیر کا حال بھی یہی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام اور مفسرین نے بعض آیات کے معنی میں اختلاف کیا ہے یہ اختلاف اتنا زیادہ ہے کہ مختلف اقوال میں مطابقت کی کوئی صورت ہی نظر نہیں آتی' بظاہر یہ بات محال معلوم ہوتی ہے کہ وہ تمام اقوال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے گئے ہوں' فرض کیجئے اگر ان میں سے کوئی ایک قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا گیا ہو تو باقی اقوال خود بخود رد ہو جائیں گے۔ اس سے یہ ظاہر ہوا ہر مفسر نے وہ معنی بیان کئے ہیں جو غور فکر کے بعد اس نے اخذ کئے ہیں یہاں تک کہ حروف مقطعات کے سلسلے میں تفسیری اقوال کی تعداد سات ہے یہ اقوال اتنے مختلف ہیں کہ ان میں جمع کی صورت نہیں ہے' مثلاً" الر کے بارے میں بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ حروف الرحمن سے ماخوذ ہیں۔ بعض مفسرین کی رائے میں الف سے مراد اللہ ہے ل سے مراد لطیف ہے ر سے مراد رحیم ہے اسی ایک الر کے بارے میں اتنے اقوال ہیں کہ انہیں جمع کرنا مشکل ہے۔ یہ مختلف اقوال مسموع کیسے ہو سکتے ہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے حق میں دعا فرمائی تھی۔

اللّٰهم فقهه في الدين وعلمه التاويل (۱)

اے اللہ! اسے قرآن کی سمجھ عطا کر' اور قرآن کے معنی سکھلا دے۔

اگر قرآن کریم کی طرح تاویل بھی مسموع اور منقول ہو تو اس میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی تخصیص کے کیا معنی ہیں' اس صورت میں تو تمام صحابہ برابر ہونے چاہئیں' چوتھی وجہ۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے :-

لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ (پ ۵ ر ۸ آیت ۸۳)

تو اس کو وہ حضرات تو پہچان ہی لیتے جو ان میں اس کی تحقیق کرلیا کرتے ہیں۔

اس آیت میں اہل علم کے لئے استنباط کا اثبات کیا گیا ہے' ظاہر ہے کہ استنباط مسموعات سے الگ ایک چیز ہے۔

مذکورہ بالا دلائل سے معلوم ہوا کہ قرآن کی تفسیر میں مسموع اور منقول کی قید لگانا صحیح نہیں ہے' بلکہ ہر عالم کے لئے جائز ہے۔ کہ وہ اپنے فہم اور عقل کے مطابق معانی مستنبط کرے۔

تفسیر بالرائی کی ممانعت : تفسیر بالرائی کی ممانعت کی یہ دو صورتیں ہو سکتی ہیں ایک صورت تو یہ ہے کہ کوئی شخص کسی خاص معاملے میں ذاتی رجحان رکھتا ہو' اور قرآن میں اپنے رجحان اور اپنی رائے کے مطابق استنباط کرتا ہو تاکہ اس کی رائے صحیح قرار پائے' اگر اس کی اپنی رائے نہ ہوتی تو نہ وہ قرآن میں غور و فکر کرتا اور نہ یہ معنی اسے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ صورت کبھی علم کے ساتھ پیش آتی ہے۔ مثلاً "بعض لوگ اپنی بدعات کی صحت ثابت کرنے کے لئے قرآن کی آیات پیش کرتے ہیں' حالانکہ وہ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان آیات کا وہ مفہوم نہیں ہے جو انہوں نے مراد لیا ہے' لیکن اپنے حریف کو شکست دینے کے لئے وہ اپنی مراد پر اصرار کرتے ہیں' کبھی یہ صورت جہل کے ساتھ پیش آتی ہے' یعنی وہ لوگ یہ نہیں جانتے کہ آیت کا وہ مفہوم جو انہوں نے مراد لیا ہے غلط ہے' مگر کیونکہ ایک آیت میں مختلف معنی مشکل ہوتے ہیں اس لئے وہ اس معنی کو ترجیح دیتے ہیں جو ان کی رائے کے مطابق ہوں' یہی مطلب تفسیر بالرائی کا ہوا ـــــ کبھی صحیح مقصد کے لئے قرآن کریم میں دلیل تلاش کی جاتی ہے' اور ایسی آیات سے استدلال کیا جاتا ہے' جس کا مقصد وہ نہیں ہوتا جو مراد لیا جاتا ہے مثلاً "استغفار کی ترغیب دینے کے لئے کوئی شخص اگر اس حدیث سے استدلال کرے۔

تسحروا فان في السحور بركة (۲)

سحری کھاؤ' سحری میں برکت ہوتی ہے۔

اور یہ کہے کہ حدیث میں تسحر سے مراد ذکر و استغفار ہے حالانکہ وہ یہ جانتا ہے کہ تسحر سے سحری کھانا مراد ہے' ذکر و استغفار مراد نہیں ہے یا کوئی شخص سخت دلی کے خلاف مجاہدہ پر اکسانے کے لئے حسب ذیل آیت سے استدلال کرے!

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهُ طَغٰى (پ ۱۶ ر ۱۰ آیت ۲۴)

تم فرعون کے پاس جاؤ وہ بہت حد سے نکل گیا ہے

اور یہ کہے کہ آیت میں فرعون سے مراد دل ہے' یہ بھی تفسیر بالرائی ہے' بعض پیشہ ور واعظین اپنی تفسیروں میں اس طرح کی تاویلات کرتے ہیں' اگرچہ ان کا مقصد صحیح ہوتا ہے' اور نیت بھی فاسد نہیں ہوتی' بلکہ محض سامعین کی ترغیب کے لئے وہ یہ عمل کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود اس طرح کی تفسیر ممنوع ہے۔ کبھی باطنی فرقے کے علماء لوگوں کو فریب دینے کے لئے قرآن کے وہ مطالب وضع کرتے ہیں جو ان کے خیالات سے میل کھاتے ہوں۔ حالانکہ وہ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ انہوں نے جو مطالب وضع کئے ہیں وہ قرآن کا مقصود نہیں ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص محض' عربی زبان کے سہارے قرآن پاک کی تفسیر

---

(۱) یہ روایت کتاب العلم کے دوسرے باب میں گذر چکی ہے۔ (۲) یہ روایت کتاب العلم کے تیسرے باب میں گذر چکی ہے۔

کرنے بیٹھ جائے نہ اسے قرآن کی مسموع اور ظاہری تفسیر معلوم ہو نہ اسے غرائب قرآن کا علم ہو' نہ وہ مبہم اور محرف الفاظ سے واقف ہو' نہ حذف' اضمار اور اختصار سے آگاہ ہو' نہ وہ یہ جانتا ہو کہ تقدیم و تاخیر سے معنی پر کیا اثر پڑتا ہے' ایسا شخص یقیناً" غلطیاں کرے گا' اور اس کی تفسیر بلاشبہ تفسیر بالرائے کہلائے گی' کیونکہ ظاہری معنی جاننے کے لئے نقل اور سماع سے واقفیت ضروری ہے۔ تفسیر ظاہر کی تکمیل کے بعد فہم اور استنباط کی گنجائش ہے۔ وہ غرائب قرآن جو سماع کے بغیر سمجھ میں نہیں آتے بہت سے ہیں' ہم ذیل میں چند غرائب کی طرف اشارہ کر رہے ہیں' تاکہ ان پر دوسرے غرائب قیاس کرلئے جائیں اور یہ واضح ہو جائے کہ ظاہری تفسیر کی تکمیل کے بغیر باطنی اسرار تک پہنچنا مشکل ہے' جو شخص ظاہری تفسیر کی تکمیل کے بغیر باطنی اسرار سمجھنے کا دعویٰ کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص دروازے میں قدم رکھے بغیر مکان کے وسط میں پہنچنے کا دعویٰ کرے' یا یہ دعویٰ کرے کہ میں ترکیوں کی بات چیت سمجھ لیتا ہوں' حالانکہ ترکی زبان سے واقف نہیں ہوں' ظاہری تفسیر زبان کی طرح ہے' جس طرح کوئی زبان سیکھے بغیر اہل زبان کی گفتگو نہیں سمجھی جاسکتی اسی طرح ظاہری تفسیر کے بغیر باطنی اسرار و رموز سے واقفیت حاصل نہیں کی جاسکتی۔ جن امور میں سماع ضروری ہے وہ بہت سے ہیں۔

اول : حذف و اضمار کے طریقہ پر اختصار۔ مثال کے طور پر

(۱) وَآتَيْنَا ثَمُودَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوا بِهَا۔ (پ ۱۵ ر ۶ آیت ۵۹)

اور ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی دی تھی جو کہ بصیرت کا ذریعہ تھی' سو ان لوگوں نے اس کے ساتھ ظلم کیا۔

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی دی تھی' جو بصیرت کا ذریعہ تھی محض عربی زبان جاننے والا آیت کا یہ مطلب اخذ کرے گا کہ وہ اونٹنی بینا تھی' اندھی نہیں تھی' وہ یہ نہیں جانے گا کہ قوم ثمود نے کیا ظلم کیا تھا؟ اور یہ ظلم انہوں نے اپنے آپ پر کیا تھا' یا کسی دوسرے پر؟

(۲) وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ (پ ۱ ر ۱۱ آیت ۹۳)

ان کے قلوب میں وہی گوسالہ پیوست ہو گیا تھا ان کے کفر (سابق) کی وجہ سے۔

اس آیت میں لفظ "حب" محذوف ہے یعنی بچھڑے کی محبت ان کے دلوں میں ڈال دی گئی تھی۔

(۳) إِذًا لَأَذَقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيَاةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ (پ ۱۵ ر ۸ آیت ۷۵)

(اگر ایسا ہوتا) تو ہم آپ کو حالت حیات میں' اور موت کے بعد دوہرا (عذاب) چکھاتے۔

مطلب یہ ہے کہ ہم تجھے زندوں کے عذاب کا دوگنا' اور مردوں کے عذاب کا دوگنا مزہ چکھاتے یہاں لفظ "عذاب" محفوظ ہے' زندوں کے لئے الاحیاء (زندے) کی جگہ حیات (زندگی) اور مردوں کے لئے المیتون (مردے) کی جگہ ممات استعمال کیا گیا ہے' فصیح زبان میں یہ حذف اور تبدیلی جائز ہے۔

(۴) وَاسْأَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا۔ (پ ۱۳ ر ۴ آیت ۸۲)

اور اس بستی (مصر) والوں سے پوچھ لیجئے جہاں ہم (اس وقت) موجود تھے۔

یہاں لفظ "اہل" پوشیدہ ہے' یعنی اس گاؤں کے باشندوں سے سوال کرو۔

(۵) ثَقُلَتْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ (پ ۹ ر ۱۳ آیت ۱۸۷)

وہ آسمان اور زمین میں بڑا بھاری حادثہ ہوگا۔

یہاں بھی لفظ "اہل" محذوف ہے' اور ثقل خفا (پوشیدہ ہونا) کے معنی میں استعمال ہوا ہے' یعنی قیامت آسمانوں اور زمین والوں پر مخفی ہے' جو چیز مخفی ہوتی ہے وہ بھاری پڑ جاتی ہے' آیت میں لفظ کی تبدیلی اور حذف دونوں پائے جاتے ہیں۔

(۶) وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ (پ ۲۷ ر ۱۷ آیت ۸۲)

اور تکذیب کو اپنی غذا بنا رہے ہو۔

مذکورہ آیت میں لفظ "شکر" محذوف ہے یعنی تم اپنے رب کے عطا کردہ رزق کا شکر ادا کرتے ہو یا اسے جھٹلاتے ہو۔

(۷) وَآتِنَا مَا وَعَدتَّنَا عَلَىٰ رُسُلِكَ (پ ۴ ر ۱۱ آیت ۱۹۴)

اور ہم کو وہ چیز بھی دیجئے جس کا ہم سے اپنے پیغمبروں کی معرفت آپ نے وعدہ فرمایا ہے۔

اس آیت میں "السنۃ" کا لفظ محذوف ہے یعنی ہمیں وہ عطا کیجئے جس کا تو نے اپنے رسولوں کی زبانی وعدہ کیا تھا۔

(۸) إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ (پ ۳۰ ر ۲۲ آیت ۱)

بے شک ہم نے قرآن کو شب قدر میں اتارا ہے۔

انزلناہ کی ضمیر سے قرآن پاک کی طرف اشارہ ہے حالانکہ ماقبل میں کہیں بھی قرآن کا ذکر نہیں آیا۔

(۹) حَتَّىٰ تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ (پ ۲۳ ر ۲ آیت ۳۲)

یہاں تک کہ آفتاب پردہ (مغرب) میں چھپ گیا۔

اس آیت میں بھی توارت کا فاعل "الشمس" ہے ماقبل کی آیتوں میں سورج کا تذکرہ نہیں آیا۔

(۱۰) وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ (پ ۲۳ ر ۱۵ آیت ۳)

اور جن لوگوں نے خدا کے سوا اور شرکاء تجویز کر رکھے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ ہم تو ان کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ ہم کو خدا کا مقرب بنا دیں۔

ماتعبدھم اصل میں ان لوگوں کا مقولہ ہے جنہوں نے اللہ کے سوا کسی کو دوست بنایا اس لحاظ سے یہاں یقولون محذوف ہے۔

(۱۱) فَمَالِ هَٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا مَّا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِن سَيِّئَةٍ فَمِن نَّفْسِكَ (پ ۵ ر ۸ آیت ۷۸)

تو ان لوگوں کو کیا ہوا کہ بات سمجھنے کے پاس کو بھی نہیں نکلتے اے انسان جو کوئی خوشحالی پیش آتی ہے وہ محض اللہ کی جانب سے ہے اور جو کوئی بدحالی پیش آئے وہ تیرے ہی سبب سے ہے۔

مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ اپنے اس قول "وما اصابک الخ" کو سمجھتے نہیں ہیں اگر یہ مطلب مراد نہ لیا جائے تو مضمون اس آیت کے مخالف ہو جائے گا۔

قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللَّهِ (پ ۵ ر ۸ آیت ۷۸)

آپ فرما دیجئے کہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

اور اس طرح فرقہ قدریہ کے مذہب کو تقویت ملے گی۔

دوم: الفاظ کی تبدیلی مثلاً" درج ذیل آیات میں۔

(۱) وَطُورِ سِينِينَ (پ ۳۰ ر ۲۰ آیت ۲۰)

اور قسم ہے طور سینین کی

اس آیت میں سیناء کی جگہ سینین ہے اور

(۲) سَلَامٌ عَلَىٰ إِلْ يَاسِينَ (پ ۲۳ ر ۸ آیت ۱۳۰)

الیاسین پر سلام ہو

میں الیاس کی جگہ الیاسین ہے' بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہاں ادریس مراد ہیں کیونکہ حضرت عبداللہ ابن مسعود کی قرأت میں ادراسین ہے۔

سوم : لفظ کا تکرار۔ تکرار سے بعض مرتبہ کلام کا تسلسل ختم ہوجاتا ہے۔ مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ شُرَكَاءَ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ۔ (پ ۱۱ ر ۱۲ آیت ۶۶)

اور جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر دوسرے شرکاء کی عبادت کررہے ہیں' (خدا جانے) کس چیز کا اتباع کررہے ہیں۔

اس آیت میں ان یتبعون مکرر ہے' معنی یہ ہیں وما یتبع الذین یدعون من دون اللہ شرکاء الا الظن۔

(۲) قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِمَنْ آمَنَ مِنْهُمْ (پ ۸ ر ۱۷ آیت ۷۵)

ان کی قوم میں جو متکبر سردار تھے' انہوں نے غریب لوگوں سے جو کہ ان میں سے ایمان لے آئے تھے پوچھا۔

مذکورہ بالا آیت میں ایک لام اور ایک ضمیر مکرر ہے' مراد یہ ہے "لِمَنْ آمَنَ مِنَ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا۔"

چہارم : الفاظ کی تقدیم و تاخیر اس سلسلے میں اکثر غلطیاں ہوتی ہیں' ذیل کی آیات سے یہ واضح ہوگا کہ قرآنی آیات میں الفاظ کی تاخیر و تقدیم کو سمجھنا کس قدر ضروری ہے۔

(۱) وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَأَجَلٌ مُسَمًّى (پ ۱۶ ر ۱۷ آیت ۱۲۹)

اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات پہلے سے فرمائی ہوئی نہ ہوتی اور (عذاب کے لئے) ایک میعاد معین نہ ہوتی۔

اصل عبارت یہ تھی "لَوْلَا كَلِمَةٌ وَّأَجَلٌ مُسَمًّى لَكَانَ لِزَامًا" اگر یہ ترتیب نہ ہوتی تو لزاما کی طرح اجل بھی منصوب ہونا چاہیے تھا۔

(۲) يَسْأَلُونَكَ كَأَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا (پ ۹ ر ۱۳ آیت ۱۸۷)

وہ آپ سے (اس طرح) پوچھتے ہیں (جیسے) گویا کہ آپ اس کی تحقیقات کرچکے ہیں۔

معنی یہ ہیں "يَسْأَلُونَكَ عَنْهَا كَأَنَّكَ حَفِيٌّ بِهَا۔"

(۳) لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيمٌ، كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ (پ ۹ ر ۱۵ آیت ۴)

ان کے لئے بڑے درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور (ان کے لئے) مغفرت ہے اور عزت کی روزی' جیسا کہ آپ کے رب نے آپ کے گھر (اور بستی) سے مصلحت کے ساتھ (بدر کی طرف) روانہ کیا۔

اس آیت میں کما اخرجک سابقہ جملہ "قُلِ الْأَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُولِ" سے مربوط ہے' مطلب یہ ہے کہ مال غنیمت تمہارے لئے اس لئے ہوا کہ تم نکلنے پر راضی ہو' اور کافر ناراض ہیں درمیان میں تقویٰ وغیرہ پر مرتب ہونے والے اجر و ثواب کا ذکر جملہ معترضہ کے طور پر ہے اسی طرح کی یہ آیت بھی ہے :۔

(۴) حَتّٰى تُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَحْدَهُ إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ (پ ۲۸ ر ۷ آیت ۴)

جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ' لیکن ابراہیم کی اتنی بات تو اپنے باپ سے ہوئی تھی کہ میں تمہارے

لئے استغفار ضرور کروں گا۔

پنجم : لفظ کا ابہام۔ یعنی کوئی لفظ یا حرف متعدد معنوں کے لئے مشترک ہو' مثلاً" درج ذیل آیات میں شئی' قرین' امت اور روح وغیرہ الفاظ مشترک ہیں۔

(۱) ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ۔ (پ ۱۴ ر ۱۶ آیت ۷۵)

اللہ تعالیٰ ایک مثال بیان کرتے ہیں کہ ایک غلام ہے مملوک کہ کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا۔

اس میں شئے سے مراد عطا کردہ چیز میں سے خرچ کرنا ہے۔

(۲) وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَا اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ۔ (پ ۱۴ ر ۱۶ آیت ۷۶)

اور اللہ تعالیٰ ایک اور مثال بیان فرماتے ہیں کہ دو شخص ہیں جن میں سے ایک تو گونگا ہے کوئی کام نہیں کر سکتا۔

مذکورہ آیت میں شئی سے مراد عدل اور راستی کا حکم دینا ہے۔

(۳) فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْاَلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ۔ (پ ۱۵ ر ۲۱ آیت ۷۰)

اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو (اتنا خیال رہے کہ) مجھ سے کسی بات کی نسبت کچھ پوچھنا نہیں۔

یہاں شئی سے مراد صفات ربوبیت ہیں ایک عارف کے لئے ان صفات کے متعلق استفسار کرنا اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک اس میں استحقاق اور سمجھنے کی اہلیت نہ پیدا ہو جائے۔

(۴) اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ۔ (پ ۲۷ ر ۳ آیت ۳۵)

کیا یہ لوگ بدون کسی خالق کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود اپنے خالق ہیں۔

یہاں شئی سے مراد خالق کائنات ہے' آیت کے الفاظ سے بہ ظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ ہر چیز شئی سے پیدا ہوتی ہے' لفظ قرین کے مشترک ہونے کی مثالیں یہ آیات ہیں۔

(۱) وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ۔ (پ ۲۶ ر ۱۶ آیت ۲۳)

اور (اس کے بعد) فرشتہ جو اس کے ساتھ رہتا تھا عرض کرے گا کہ (روزنامچہ ہے) جو میرے پاس تیار ہے۔

اس آیت میں قرین سے مراد وہ فرشتہ ہے جو کہنے والے پر متعین ہے۔

(۲) قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَا اَطْغَيْتُهٗ (پ ۲۶ ر ۱۶ آیت ۲۷)

وہ شیطان جو اس کے ساتھ رہتا تھا کہے گا کہ اے ہمارے پروردگار میں نے اس کو جبراً گمراہ نہیں کیا تھا۔

یہاں قرین سے مراد شیطان ہے' لفظ امت بھی مشترک ہے' عربی زبان میں اس کے آٹھ معنی ہیں ذیل میں ہر معنی کی مثال الگ دی جا رہی ہے۔

اول : جماعت کے معنی میں۔ جیسے :۔

وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ۔ (پ ۲۰ ر ۶ آیت ۲۳)

اس پر (مختلف) آدمیوں کا ایک مجمع دیکھا جو پانی پلا رہے تھے

دوم : انبیاء کے متبعین کے معنی میں' جیسے یہ کہا جائے "نحن من امة محمد صلی اللہ علیہ وسلم" یعنی ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے والوں میں سے ہیں۔

سوم : وہ آدمی جو خیر کا جامع ہو' اور جس کا ہر عمل اسوہ اور نمونہ قرار پائے۔
اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا۔ (پ ۱۴ ر ۲۱ آیت ۱۲۰)
بے شک ابراہیم بڑے مقتدی تھے' اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار تھے اور ایک طرف کے ہو رہے تھے۔

چہارم : دین۔
اِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلٰى اُمَّةٍ (پ ۲۵ ر ۸ آیت ۲۲)
ہم نے اپنے باپ داداؤں کو ایک طریقے پر پایا ہے۔

پنجم : وقت اور زمانہ
اِلٰى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ۔ (پ ۱۲ ر ۱ آیت ۸)
(ہم ان سے عذاب موعود کو) ملتوی رکھتے ہیں۔

ششم : قد و قامت' مثلاً" کسی شخص کے بارے میں کہا جائے کہ وہ حسن الامۃ یعنی خوبصورت قد و قامت والا ہے۔

ہفتم : وہ شخص جو کسی معاملے میں منفرد اور یکتا ہو' اس میں اس کا کوئی شریک نہ ہو' جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر کو روانہ کرتے ہوئے زید ابن عمرو ابن نفیلؓ کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا "امۃ وحدۃ" یعنی یہ زید امت کا یگانۂ روزگار شخص ہے۔

ہشتم : ماں' جیسے کہا جائے "ھذہ امۃ زید" یہ زید کی ماں ہے۔ روح بھی قرآن میں متعدد معنوں کے لئے استعمال ہوا ہے' لیکن کیوں کہ ہم تفصیل میں نہیں جانا چاہتے اس لئے مختصر گفتگو پر اکتفا کرتے ہیں۔

ان الفاظ کی طرح حروف بھی مشترک المعنی ہوتے ہیں۔ حروف میں ابہام معنی کی مثال یہ آیت ہے۔
فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا۔ (پ ۳۰ ر ۲۵ آیت ۴-۵)
پھر اس وقت غبار اڑاتے ہیں۔ پھر اس وقت (دشمن کی) جماعت میں جا گھستے ہیں۔
اس میں دو ضمیر ہیں۔ پہلی ضمیر سے حوافر (سموں) کی طرف اشارہ ہے' جن کا سابق میں ذکر موجود ہے' یعنی انہوں نے سموں سے گرد اٹھایا۔ دوسری ضمیر سے اغارت کی طرف اشارہ ہے' جس کا ذکر والمغیرات صبحا کی صورت میں ہوا ہے۔ اسی طرح کی آیت یہ ہے۔
فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَاءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ۔ (پ ۸ ر ۱۴ آیت ۵۷)
پھر اس بادل سے پانی برساتے ہیں' پھر اس پانی سے ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں۔
اس آیت میں پہلی ضمیر سے بادل کی طرف' اور دوسری ضمیر سے پانی کی اشارہ ہے' قرآن کریم میں اس ابہام کی مثالیں بکثرت موجود ہیں۔

ششم : کسی چیز کو تدریجی طور پر بیان کرنا۔ مثلاً" اس آیت میں
شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ۔ (پ ۲ ر ۷ آیت ۱۸۵)
ماہ رمضان ہے جس میں قرآن مجید بھیجا گیا ہے۔
یہ بیان کیا گیا کہ قرآن پاک رمضان المبارک میں نازل کیا گیا ہے' مگر یہ نہیں بتلایا کہ دن میں نازل ہوا ہے یا رات میں' دوسری آیت سے رات کی تعیین کردی گئی۔

اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِيۡ لَيۡلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ (پ ۲۵ ر ۱۴ آیت ۳)

ہم نے اس کو (لوح محفوظ سے آسمان دنیا تک) ایک برکت والی رات (شب قدر) میں اتارا ہے۔

لیکن اس کی صراحت اب بھی نہیں کی گئی کہ کسی عام رات میں قرآن پاک کا نزول ہوا' یا وہ کوئی مخصوص رات تھی' تیسری آیت سے بتلایا گیا کہ نزول قرآن کی رات قدر کی رات تھی۔

اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِيۡ لَيۡلَةِ الۡقَدۡرِ (پ ۳۰ ر ۲۲ آیت ۱)

بے شک، ہم نے قرآن کو شب قدر میں اتارا ہے۔

بظاہر یہ تینوں آیات ایک دوسرے سے مختلف نظر آتی ہیں۔

قرآن اور عربی زبان: یہ وہ امور ہیں جن سے واقفیت نقل و سماع کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ قرآن کریم میں ایجاز بھی ہے اور تطویل بھی۔ حذف و ابدال بھی ہے۔ اور تقدیم و تاخیر بھی۔ کیوں کہ قرآن پاک عربی زبان میں نازل ہوا ہے' اس لیے وہ زبان کے تمام قواعد اور بیان کی تمام قسموں کو محیط ہے تاکہ وہ اہل زبان کے حق میں مسکت اور معجز ثابت ہو سکے' جو شخص محض عربی زبان سیکھ کر تفسیر کرنے بیٹھ جائے' اور اسے نقل و سماع کے ذریعہ ان امور کا علم حاصل نہ ہوا ہو تو وہ شخص تفسیر بالرائی کرنے والا کہلائے گا۔ مثلاً "یہ شخص امت کے مشہور معنی معلوم کرلے' اور یہ جستجو نہ کرے کہ اس لفظ کے اس کے علاوہ کتنے معنی ہیں۔ وہ یقیناً" ہر جگہ امت کے وہی معنی بیان کرے گا جو اسے معلوم ہیں' اور اسی معنی کی روشنی میں تفسیر کرے گا۔ مخالفت کی یہ صورت ہے' اسرار قرآنی کا سمجھنا ممنوع نہیں ہے' جب سماع اور نقل کے ذریعہ ان امور کا علم حاصل ہو جائے تو ظاہر کی تفسیر یعنی الفاظ کا ترجمہ معلوم ہو جائے گا' اور محض ترجمہ معانی کے حقائق سمجھنے کے لئے کافی نہیں ہے' بلکہ اس کے لئے غور و فکر کی ضرورت ہے' لفظ ترجمہ اور حقائق معانی میں فرق کے لئے یہ مثال ملاحظہ فرمائیے:۔

وَمَا رَمَيۡتَ اِذۡ رَمَيۡتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (پ ۹ ر ۱۶ آیت ۱۷)

اور آپ نے (خاک کی مٹھی) نہیں پھینکی جس وقت آپ نے پھینکی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے پھینکی۔

اس کا ظاہری ترجمہ تو یہی ہے جو آیت کے نیچے درج ہے" اور یہ اتنا واضح ہے کہ اس سے زیادہ وضاحت ممکن نہیں' لیکن اس کے حقیقی معنی ہنوز تشنہ تحریر ہیں۔ آیت میں بظاہر اجتماع ضدین معلوم ہو رہا ہے کہ اس میں پھینکنے کا اثبات بھی ہے' اور پھینکنے کی نفی بھی ہے غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ آیت میں پھینکنے کا اثبات ایک اعتبار سے ہے' اور نفی کسی دوسرے اعتبار سے ہے' مطلب یہ ہے کہ پھینکنے والے نے اگرچہ پھینکا ہے' لیکن حقیقت میں پھینکنے والا اللہ ہی ہے' اسی طرح کی یہ آیت ہے۔

قَاتِلُوۡهُمۡ يُعَذِّبۡهُمُ اللّٰهُ بِاَيۡدِيۡكُمۡ (پ ۱۰ ر ۸ آیت ۱۴)

ان سے لڑو اللہ تعالیٰ (کا وعدہ ہے کہ) ان کو تمہارے ہاتھوں سزا دے گا۔

اس آیت میں قتل کی نسبت مسلمانوں کی طرف کی گئی ہے۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ عذاب دینے والا کیسے ہو گیا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھوں کفار کو عذاب دینے پر قادر ہے تو پھر قتل کرنے کے لئے حکم کیوں دیا جا رہا ہے۔ یہ اور اس طرح کے تمام امور کشفی علوم کے سمندر میں غوطہ لگانے کے بعد معلوم ہوتے ہیں' اس کے لئے ظاہری تفسیر کافی نہیں ہی' بلکہ یہ جاننا ضروری ہے کہ آدمی کے تمام افعال تو اس کی قدرت حادثہ سے متعلق ہیں' اور یہ قدرت باری تعالیٰ کی لازوال قدرت سے فیضان حاصل کرتی ہے۔ اس کے حقائق کی معرفت حاصل ہو جانے کے بعد یہ واضح ہو جائے گا کہ مذکورہ بالا آیت میں پھینکنے کے اثبات اور نفی میں کوئی تضاد نہیں ہے ___ لیکن یہ حقائق اتنے پیچیدہ اور اتنے زیادہ ہیں کہ آدمی کی عمر تمام ہو جائے اور ان حقائق کے مقدمات اور لواحق میں ربط بھی پیدا نہ کر پائے' قرآن کریم کا کوئی ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جس کی حقیقی تفسیر جاننے کے لئے ان حقائق کی ضرورت پیش نہ آتی ہو۔

وہ لوگ جنہیں علم میں پختگی اور کمال حاصل ہوتا ہے اپنے اپنے علم کی وسعت' فہم' اور صفاء قلب کے بہ قدر قرآن کے اسرار و حقائق معلوم کرلیتے ہیں مگران میں سے ہر شخص کی ترقی کی ایک حد ہوتی ہے' وہ اس حد تک تو جاسکتا ہے' لیکن اس کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ علم کے تمام مدارج طے کرجائے' اور جو حد اس کے لئے متعین کی گئی ہے اس سے تجاوز کرجائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَن تَنفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي

(پ ۱۶ ر ۳ آیت ۱۰۹)

اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لئے سمندر (کا پانی) روشنائی (کی جگہ) ہو تو میرے رب کی باتیں ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہوجائے گا۔

یہی وجہ ہے کہ لوگ اسرار قرآن کے سمجھنے میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں حالانکہ ظاہری تفسیر سب جانتے ہیں' لیکن جیسا کہ بیان کیا گیا' ظاہری تفسیر قرآن کے اسرار و معارف سمجھنے کے لئے کافی نہیں ہے۔ اسرار کی معرفت کی ایک چھوٹی سی مثال یہ دعا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رب کائنات کے حضور سجدے کی حالت میں مانگی تھی :۔

أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَأَعُوذُ بِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْكَ لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ

میں تیرے غضب سے تیری رضا کی پناہ چاہتا ہوں میں تیرے عذاب سے تیرے عفو درگزر کی پناہ چاہتا ہوں میں تیری ذات کی پناہ چاہتا ہوں تجھ سے میں تیری تعریف کا احاطہ نہیں کرسکتا' تو ایسا ہے جیسا کہ تو نے اپنی تعریف کی ہے۔

اس دعا کے متعلق بعض اہل دل فرماتے ہیں کہ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم ہوا کہ سجدے کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کریں' تو آپ نے حکم کی تعمیل کی سجدے کی حالت میں آپ نے باری تعالیٰ کی مختلف صفات میں غور کیا' اور بعض صفات سے بعض صفات کی پناہ چاہی' رضا اور غضب اور عقوبت و معافات باری تعالیٰ کی ایسی ہی صفات ہیں۔ پھر قرب میں اضافہ ہوا' صفات سے ذات کی طرف ترقی کی' تب آپ نے یہ فرمایا کہ میں تجھ سے تیری ذات کی پناہ چاہتا ہوں' پھر قرب میں مزید ترقی ہوئی' اور آپ کو شرم محسوس ہوئی کہ اس قرب کے باوجود میں پناہ مانگ رہا ہوں' اس وقت حمد و ثنا کی طرف متوجہ ہوئی' اور فرمایا کہ میں تیری تعریف کا احاطہ نہیں کرسکتا پھر آپ نے یہ محسوس کیا کہ حمد و ثنا کی نسبت اپنی طرف کرنا بھی کوتاہی ہے' اس لئے فرمایا کہ تو ایسا ہی ہے جیسا کہ تو نے اپنی تعریف کی ہے' یہ وہ اسرار و رموز ہیں جو اہل قلوب پر منکشف ہوتے ہیں' پھر ان اسرار و رموز میں باریکیاں ہیں' مثلاً" قرب کے معنی سجدے کے ساتھ قرب کی خصوصیت' ایک صفت سے دوسری صفت کی پناہ چاہنا خود اس سے اس کی ذات کی پناہ چاہنا وغیرہ' لفظ کا ظاہری ترجمہ یہ ہے کہ تمام اسرار و رموز' یہ سب حقائق و معارف واضح نہیں کرسکتا یہ فن ظاہری ترجمہ و تفسیر کے مخالف نہیں ہے۔ بلکہ اس کی تکمیل کرتا ہے' تلاوت قرآن کے آداب کا بیان ختم ہوا۔ و الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ علی محمد خاتم النبیین وعلی کل عبد مصطفی من کل العالمین و علی آل محمد و صحبہ و سلم۔

کتاب الاذکار والدّعوات

ذکر اور دعا کا بیان

قرآن پاک کی تلاوت کی عبادت کے بعد کوئی زبانی عبادت اس سے بہتر نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ کا ذکر کیا جائے 'اور اس کی بارگاہ میں اپنی حاجتیں پیش کی جائیں اسی لئے ہم ذکر اور دعا کی فضیلت اور آداب و شرائط بیان کررہے ہیں۔ اور دین و دنیا کے مقاصد سے متعلق جامع ماثور دعائیں جمع کررہے ہیں 'اللہ تعالیٰ قبولیت سے نوازے۔

پہلا باب

ذکر کی فضیلت اور فوائد

ذکر کی فضیلت ـــــ آیات

(۱) فَاذْكُرُوْنِيْ اَذْكُرْكُمْ (پ ۲ ر ۲ آیت ۱۵۲)

تو (ان نعمتوں پر) مجھ کو یاد کرو میں تم کو (عنایت سے) یاد رکھوں گا۔

ثابت بنانیؒ نے ایک مرتبہ کہا کہ مجھے معلوم ہے میرا رب مجھے کس وقت یاد کرتا ہے 'لوگ ان کی یہ بات سن کر خوف زدہ ہوگئے 'کسی نے عرض کیا : یہ بات آپ کس طرح جانتے ہیں؟ فرمایا میں اسے یاد کرتا ہوں وہ مجھے یاد کرتا ہے۔

(۲) اُذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا (پ ۲۲ ر ۳ آیت ۴۱)

تم اللہ کو خوب کثرت سے یاد کرو۔

(۳) فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ

(پ ۲ ر ۹ آیت ۱۹۸)

پھر جب تم لوگ عرفات سے واپس آنے لگو تو مشعر حرام کے پاس (مزدلفہ میں شب کو قیام کرکے) خدائے تعالیٰ کی یاد کرو۔ اور اس طرح یاد کرو جس طرح تم کو بتلا رکھا ہے۔

(۴) فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا

(پ ۲ ر ۹ آیت ۲۰۰)

پھر جب تم اپنے اعمال حج پورے کرچکو تو حق تعالیٰ کا (اس طرح) ذکر کیا کرو جس طرح تم اپنے آباؤ (اجداد) کا ذکر کیا کرتے ہو بلکہ یہ ذکر اس سے بڑھ کر ہو۔

(۵) اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ (پ ۴ ر ۱۱ آیت ۱۹۱)

جن کی حالت یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے ہیں کھڑے بھی بیٹھے بھی اور لیٹے بھی۔

حضرت ابن عباسؓ نے آیت کی یہ تفسیر کی ہے کہ رات میں 'دن میں خشکی اور تری میں 'سفر و حضر میں مفلسی اور مالداری میں بیماری اور صحت میں خلوت و جلوت میں اللہ عزوجل کا ذکر کرتے رہو۔

منافقین کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا :-

(۶) وَلَا يَذْكُرُونَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا (پ۵ ر۱۸ آیت ۱۴۲)

اور اللہ کا ذکر نہیں کرتے مگر کم

(۷) وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ (پ۹ ر۱۴ آیت ۲۰۵)

اور اپنے رب کی یاد کیا کر اپنے دل میں عاجزی کے ساتھ اور خوف کے ساتھ اور زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ صبح و شام اور اہل غفلت میں شمار مت ہونا۔

(۸) وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (پ۲۱ ر۱ آیت ۴۵)

اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت کے دو معنی بیان کئے ہیں' ایک یہ کہ جتنا تم اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہو اس سے بڑی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں یاد کرتا ہے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر دوسری تمام عبادتوں سے افضل ہے۔

احادیث

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :۔

(۱) ذاكر اللّٰه في الغافلين كالشجر الخضراء في وسط الهشيم

(ابو نعیم' بیہقی' ابن عمرؓ۔ بسند ضعیف)

غافل لوگوں کے درمیان غفلت کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ سوکھے ہوئے درختوں کے درمیان سرسبز و شاداب درخت۔

(۲) يقول اللّٰه عز و جل انا مع عبدي ما ذكرني و تحركت شفتاه بي

(بیہقی' ابن حبان۔ ابو ہریرہؓ)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندے کے ساتھ ہوں جب تک وہ مجھے یاد کرے اور میری یاد میں اس کے ہونٹ ملتے رہیں۔

(۳) ما عمل ابن آدم من عمل انجى له من عذاب اللّٰه من ذكر اللّٰه' قالوا يا رسول اللّٰه! ولا الجهاد في سبيل اللّٰه قال ولا الجهاد في سبيل الله الا ان تضرب بسيفك حتى ينقطع ثم تضرب به حتى ينقطع' ثم تضرب به حتى ينقطع (ابن ابی شیبہ' طبرانی' معاذؓ)

ابن آدم کو عذاب الٰہی سے نجات دلانے والا کوئی عمل اللہ کے ذکر سے بڑھ کر نہیں ہے۔ لوگوں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! اللہ کی راہ میں جہاد کرنا بھی ایسا عمل نہیں ہے' فرمایا نہیں' نہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ ہاں اگر تو اپنی تلوار سے ضرب لگائے اور وہ ٹوٹ جائے پھر ضرب لگائے اور ٹوٹ جائے۔ اور پھر ضرب لگائے اور وہ ٹوٹ جائے۔

(۴) من احب ان يرتع في رياض الجنة فليكثر ذكر اللّٰه تعالىٰ (۱)

(ابن ابی شیبہ' طبرانی۔ معاذؓ)

---

(۱) ترمذی میں اس روایت کے الفاظ یہ ہیں اذا مررتم برياض الجنة فارتعوا" یہ روایت کتاب العلم کے تیسرے باب میں گزر چکی ہے

جو جنت کے باغیچوں میں چرنا چاہے وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر بکثرت کرے۔

(۵) سئل ای الاعمال افضل' قال : ان تموت ولسانک رطب من ذکر اللہ تعالیٰ (ابن حبان' طبرانی' بیہقی' معاذ)

آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا : کونسا عمل افضل ہے؟ فرمایا : افضل عمل یہ ہے کہ اس حال میں مرو کہ تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر ہو۔

(۶) من اصبح وامسی ولسانہ رطب من ذکر اللہ یمسی ویصبح ولیس علیہ خطیئۃ

(الاصبہانی فی الترغیب والترہیب۔ انس)

جو شخص اس حالت میں صبح شام کرے کہ اس کی زبان اللہ کے ذکر سے تر ہو تو وہ اس حالت میں صبح و شام کرے گا کہ اس کے ذمے کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

(۷) لذکر اللہ بالغداۃ والعشی افضل من حطم السیوف فی سبیل اللہ ومن اعطاء المال سحا۔ (ابن عبدالبر فی التمہید۔ انس)

صبح و شام اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا۔ راہ خدا میں تلواریں توڑنے اور پانی کی طرح مال بہانے سے افضل ہے

(۸) قال اللہ عزوجل : اذا ذکرنی عبدی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی' واذا ذکرنی فی ملاء ذکرتہ فی ملاء خیر من ملئہ واذا تقرب منی شبرا تقربت منہ ذراعا' واذا مشی الی ھرولت الیہ' یعنی بالھرولۃ سرعۃ الاجابۃ (بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہ)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا! جب میرا بندہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں جب میرا بندہ مجھے مجمع میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اس کے مجمع سے بہتر مجمع میں یاد کرتا ہوں' اور جب وہ مجھ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو میں اس سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں' اور وہ جب میری طرف چلتا ہے تو میں اس کی طرف چلتا ہوں یعنی اس کی دعا جلد قبول کرلیتا ہوں۔

(۹) سبعۃ یظلھم اللہ فی ظلہ یوم لا ظل الا ظلہ من جملتھم رجل ذکر اللہ خالیا ففاضت عیناہ من خشیۃ اللہ (بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہ)

سات آدمی ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اس روز اپنے سائے میں جگہ دے گا جس روز اس کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ایک وہ شخص ہے جس نے خلوت میں اللہ کا ذکر کیا ہو اور اس کے خوف سے رویا ہو۔

(۱۰) الا انبئکم بخیر اعمالکم وازکاھا عند ملیککم وارفعھا فی درجاتکم وخیر لکم من اعطاء الورق والذھب وخیر لکم من ان تلقوا عدوکم فتضربوا اعناقھم ویضربوا اعناقکم قالوا : وما ذاک یا رسول اللہ! قال ذکر اللہ عزوجل دائما۔

(ترمذی' بیہقی' حاکم۔ ابو الدرداء)

کیا میں تمہیں وہ بات نہ بتلادوں جو تمہارے اعمال میں سب سے بہتر ہو' اور تمہارے مالک کے نزدیک پاکیزہ ترین ہو' اور تمہارے درجات میں اعلیٰ ہو' اور تمہارے لئے سونا چاندی دینے کے مقابلے میں زیادہ بہتر ہو' اور اس سے بھی بہتر ہو کہ تم دشمنوں سے جہاد کرو' تم ان کی گردنیں مارو' اور وہ تمہاری گردنیں ماریں' لوگوں نے عرض کیا : وہ کیا چیز ہے یا رسول اللہ! فرمایا : اللہ تعالیٰ کا دائمی ذکر۔

(۱۱) قال اللہ عزوجل : من شغلہ ذکری عن مسئلتی اعطیتہ افضل ما اعطی السائلین

(بخاری فی التاریخ' بیہقی' بزار۔ عمر ابن الخطابؓ)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جسے میرا ذکر مانگنے سے روک دے اسے میں وہ چیز دیتا ہوں جو کچھ مانگنے والوں کو دیتا ہوں اس سے افضل ہو۔

آثار : فضیل ابن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سنا ہے کہ "اے میرے بندے تو کچھ دیر صبح کے بعد' اور کچھ دیر عصر کے بعد میرا ذکر کرلیا کر میں ان دونوں کے درمیان تیری کفایت کروں گا۔" ایک عالم اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ میں جس بندے کے دل پر مطلع ہو کر یہ دیکھ لیتا ہوں کہ اس بندے پر میرا ذکر غالب رہتا ہے تو میں اس کے انتظام کا ذمہ دار ہوجاتا ہوں' اس کا ہم نشین' ہم کلام اور انیس ہوجاتا ہوں' حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ذکر دو ہیں' ایک ذکر تو یہ ہے کہ تیرے اور خدا کے درمیان ہو' یعنی خلوت میں ہو' اس کا بڑا ثواب ہے' اس سے افضل ذکر وہ ہے' جو محرومی کی حالت میں کیا جائے' روایت ہے کہ جو شخص دنیا سے رخصت ہوتا ہے پیاسا رخصت ہوتا ہے' مگر اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے والوں کی یہ کیفیت نہیں ہوتی' حضرت معاذ ابن جبلؓ فرماتے ہیں کہ جنت کے لوگ اس ساعت کے علاوہ کسی بھی چیز پر حسرت نہیں کریں گے جو ان پر آئی ہو' اور اس میں انہوں نے خدا تعالیٰ کا ذکر نہ کیا ہو۔

ذکر کی مجلسوں کے فضائل

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

(۱) ماجلس قوم مجلسا یذکرون اللہ عزوجل الا حفت بہم الملائکۃ وغشیتہم الرحمۃ وذکرہم اللہ تعالیٰ فیمن عندہ (مسلم۔ ابوہریرہؓ)

جو لوگ مجلس میں بیٹھ کا اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں' رحمت الٰہی ان کا احاطہ کرلیتی ہے' اور اللہ تعالیٰ ان کا ملائکہ سے تذکرہ کرتے ہیں۔

(۲) مامن قوم اجتمعوا یذکرون اللہ تعالیٰ لا یریدون بذلک الا وجہہ الا ناداہم منادمن السماء قوموا مغفور الکم قد بدلت سیاتکم حسنات

احمد' ابو یعلی' طبرانی۔ انسؓ۔ بسند ضعیف)

جو لوگ جمع ہو کر محض رضائے الٰہی کے لئے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں تو آسمان سے ایک پکارنے والا انہیں یہ خوشخبری سناتا ہے کہ اٹھو تمہاری مغفرت ہوگئی ہے۔ تمہارے گناہ نیکیوں سے بدل دیئے گئے ہیں۔

(۳) ماقعد قوم مقعدا لم یذکروا اللہ سبحانہ تعالیٰ ولم یصلوا علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیہ الا کان علیہم حسرۃ یوم القیامۃ (ترمذی۔ ابوہریرہؓ)

جو لوگ کسی جگہ بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہیں بھیجتے قیامت کے روز وہ لوگ حسرت کریں گے۔

(۴) المجلس الصالح یکفر عن المؤمن الف الف مجلس من مجالس السوء

(ابو منصور دیلمی' ابن وداعۃ۔ مرسل)

نیک مجلس مومن کے لئے ہزاروں بری مجلسوں کا کفارہ بن جاتی ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے رب کے حضور یہ دعا کی تھی کہ اے اللہ! اگر آپ مجھے ذکر کرنے والوں کی مجلسوں سے اٹھ کر

غافل لوگوں کی مجلسوں میں جاتا دیکھیں تو میرا پاؤں توڑ ڈالیں' یہ بھی آپ کے عظیم احسانات میں ایک احسان ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آسمان والوں کے لئے وہ گھر جن میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے اس طرح چمکتے ہیں جس طرح زمین والوں کے لئے ستارے چمکتے ہیں' سفیان ابن عینیہ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں تو شیطان اور دنیا الگ ہو جاتے ہیں' شیطان دنیا سے کہتا ہے کہ دیکھ رہی ہو یہ لوگ کیا کر رہے ہیں' دنیا جواب دیتی ہے کوئی حرج نہیں' کر لینے دے' جب یہ جدا ہوں گے تو میں ان کی گردنیں پکڑ کر تیرے پاس لے آؤں گی۔ حضرت ابو ہریرہؓ ایک دن بازار تشریف لے گئے اور لوگوں سے کہا : تم یہاں ہو اور وہاں مسجد میں آنحضرتؐ کی میراث تقسیم ہو رہی ہے لوگ اپنا کاروبار چھوڑ کر مسجد کی طرف دوڑے' وہاں جا کر دیکھا کہ اس طرح کی کوئی بات نہیں ہو رہی ہے۔ لوگوں نے صحابی رسولؐ سے کہا کہ اے ابو ہریرہؓ! مسجد میں کہیں بھی میراث تقسیم نہیں ہو رہی ہے' فرمایا تم نے وہاں کیا دیکھا ہے؟ عرض کیا! ہم نے وہاں کچھ لوگوں کو ذکر اللہ کرتے ہوئے اور کچھ لوگوں کو قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ فرمایا یہ تو میراث رسول ہے (۱) اعمش ابو صالح سے' اور ابو صالح حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابو سعیدؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ لوگوں کے نامۂ اعمال لکھنے والے فرشتوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے اور بھی ہیں جو زمین میں گھومتے رہتے ہیں جب یہ فرشتے کسی قوم کو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو بلاتے ہیں کہ آؤ اپنے مقصد کی طرف چلیں' سب فرشتے مجلس ذکر میں آجاتے ہیں' اور زمین سے آسمان دنیا تک ذکر کرنے والوں کو گھیر لیتے ہیں' پھر اللہ تعالیٰ ان سے دریافت کرتا ہے' کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا تھا' فرشتے عرض کرتے ہیں کہ ہم نے انہیں تیری حمد و ثناء کرتے ہوئے اور تیری تسبیح و تمجید بیان کرتے ہوئے چھوڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ پوچھتے ہیں کیا ان بندوں نے مجھے دیکھا ہے' فرشتے عرض کرتے ہیں نہیں! اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ اگر وہ مجھے دیکھ لیں تو کیا ہو؟ عرض کرتے ہیں کہ اگر وہ آپ کو دیکھ لیں تو آپ کی تسبیح و تمجید اور حمد و ثناء اس سے کہیں زیادہ کریں۔ باری تعالیٰ دریافت کرتے ہیں کہ وہ لوگ کس چیز سے پناہ مانگ رہے تھے' فرشتے عرض کرتے ہیں کہ وہ لوگ دوزخ سے پناہ مانگ رہے تھے' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا انہوں نے دوزخ دیکھی ہے؟ عرض کرتے ہیں! نہیں! باری تعالیٰ فرماتے ہیں : اگر وہ لوگ دوزخ کو دیکھ لیں تو کیا ہو؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اگر وہ لوگ دوزخ کو دیکھ لیں تو زیادہ پناہ مانگیں گے' اللہ تعالیٰ سوال کرتے ہیں : وہ لوگ کیا چیز مانگ رہے تھے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں وہ لوگ جنت مانگ رہے تھے۔ باری تعالیٰ فرماتے ہیں : کیا انہوں نے جنت دیکھی ہے؟ عرض کیا جاتا ہے! نہیں! سوال ہوتا ہے اگر دیکھ لیں تو کیا ہو؟ عرض کرتے ہیں کہ اگر دیکھ لیں تو اپنی طلب میں شدت پیدا کریں گے' اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں تمہیں گواہ بنا کر ان کی مغفرت کا اعلان کرتا ہوں' فرشتے عرض کرتے ہیں کہ یا اللہ! ان لوگوں میں فلاں شخص بھی تھا اس کی نیت درست نہیں تھی' فرماتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ہم نشین محروم نہیں رہتا۔ (۲)

لا الہ الا اللہ کہنے کی فضیلت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

(۱) افضل ما قلت انا والنبیون من قبلی لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ (ترمذی۔ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ)

میرا اور مجھ سے پہلے کے انبیاء کا افضل ترین قول لا الہ الا اللہ الخ ہے۔

(۲) من قال "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ

---

(۱) طبرانی فی "المعجم الصغیر" ۔ باسناد فیہ جہالۃ وانقطاع (۲) ترمذی میں یہ روایت ابو سعید الخدریؓ اور ابو ہریرہؓ دونوں سے منقول ہے' اور بخاری و مسلم میں صرف ابو ہریرہؓ سے ہے۔

شَئٍی قَدِیْر" کل یوم مرة کانت له عدل عشر رقاب وکتبت له مائة حسنة ومحیت عنه مائة سیئة وکانت له حرزا من الشیطان یومه ذلک حتّٰی یمسی' ولم یات احد بافضل مما جاء به الا احد عمل اکثر من ذلک (بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہؓ)

جو شخص ہر روز سو مرتبہ لا الہ الا اللہ الخ پڑھے اسے دس غلام آزاد کرانے کا ثواب ملے گا اس کے لئے سو نیکیاں لکھی جائیں گی' اور اس کے سو گناہ معاف کئے جائیں گے' اور اس روز شام تک اسے شیطان سے پناہ حاصل رہے گی۔ اس شخص کے عمل سے افضل کسی کا عمل نہیں ہے ہاں اس شخص کا عمل افضل ہے جس نے اس سے زیادہ پڑھا ہو۔

(۳) مامن عبد توضا فاحسن الوضوء ثم رفع طرفه الی السماء فقال "اَشْهَدُاَنْ لاَّ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِیْکَ لَهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ" الا فتحت له ابواب الجنة یدخل من ایها شاء (ابو داؤد۔ عقبہ ابن عامرؓ)

جو شخص اچھی طرح وضو کرے' اور آسمان کی طرف نظر اٹھا کر یہ کہے کہ اشہد ان الخ تو اس کیلئے جنت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔

(۴) لیس علی اهل لَا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه وحشة فی قبورهم ولا فی نشورهم کانی انظر الیهم عند الصیحة ینفضون رؤسهم من التراب ویقولون الحمد لله الذی اذهب عنا الحزن ربنا الغفور شکور (ابو یعلی' طبرانی' بیہقی۔ ابن عمرؓ۔ سند ضعیف)

لا الہ الا اللہ والوں پر انکی قبروں میں اور قبروں سے اٹھنے میں وحشت نہیں ہوتی' گویا میں ان لوگوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ صور پھونکنے کے وقت اپنے سروں سے مٹی جھاڑ رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں "اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہم سے غم دور کیا۔ بے شک ہمارا رب مغفرت کرنے والا ہے' قبول کرنے والا ہے"۔

(۵) قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لابی هریرة: یا ابا هریرة! ان کل حسنة تعلمها توزن یوم القیامة الا شهادة ان لا اله الا الله فانها لا توضع فی میزان لانها لو وضعت فی میزان من قالها صادقا ووضعت السموات السبع والارضون السبع وما فیهن کان لا اله الا الله ارجح من ذلک (۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے فرمایا! اے ابو ہریرہ! جو نیکی تم کرو گے قیامت کے روز اس کا وزن کیا جائے گا۔ البتہ کلمہ شہادت کا وزن نہیں ہوگا اور نہ یہ ترازو میں رکھا جائے گا۔ کیوں کہ اگر کلمہ شہادت اس شخص کے پلڑے میں رکھ دیا جائے' جس نے صدق دل سے یہ کلمہ کہا ہو اور دوسرے پلڑے میں ساتوں آسمان اور زمین رکھدیئے جائیں تو لا الہ الا اللہ والا پلڑا بھاری رہے گا۔

(۶) یقول الله! یا ابن آدم! انک لو اتیتنی بقراب الارض خطایا ثم لقیتنی لا تشرک بی شیئا لاتیتک بقرابها مغفرة (ترمذی۔ انسؓ)

---

(۱) یہ روایت ان الفاظ میں موضوع ہے البتہ اس کا آخری جملہ مستغفری نے کتاب الدعوات میں نقل کیا ہے۔ اس مضمون کی ایک روایت ابو سعید الخدریؓ سے نسائی نے "الیوم واللیلۃ" میں ابن حبان' اور حاکم نے ذیل کے الفاظ میں روایت کی ہے "لو ان السموات السبع وعامرهن غیری والارضین السبع فی کفة مالت بهن لا اله الا الله"

اللہ تعالیٰ فرمائیں گے! اے ابن آدم! اگر تو زمین کے برابر گناہ لے کر آتا' اور مجھ سے اس حالت میں ملتا کہ تو نے میرے ساتھ شرک نہ کیا ہو تو میں ان گناہوں کی مغفرت کر دیتا۔

(۷) قال صلی اللہ علیہ وسلم! یا اباھریرۃ لقن الموتی شہادۃ ان لا الہ الا اللہ فانہا تہدم الذنوب ہدما قلت: یا رسول اللہ! ہذا للموتی! فیکف للاحیاء؟ قال صلی اللہ علیہ وسلم ہی اہدم ہی اہدم (ابو منصور دیلمی' ابو ہریرہؓ' انسؓ۔ سند ضعیف)

فرمایا! اے ابو ہریرہؓ مرنے والوں کو کلمہ شہادت کی تلقین کیا کرو' اسلئے کہ کلمہ شہادت گناہوں کو ختم کر دیتا ہے' میں نے عرض کیا! یا رسول اللہ! یہ تو مرنے والوں کے لئے ہے زندہ لوگوں کے لئے کیا ہے؟ فرمایا: ان کے حق میں یہ کلمہ گناہوں کو زیادہ ختم کرنے والا ہے۔

(۸) من قال لا الہ الا اللہ مخلصا دخل الجنۃ (طبرانی۔ زید ابن ارقمؓ۔ سند ضعیف)

جو شخص اخلاص کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہے گا جنت میں جائے گا۔

(۹) لتدخلن الجنۃ کلکم الا من ابی وشرد عن اللہ عزو جل شراد البعیر عن اھلہ' فقیل یا رسول اللہ! من الذی یابی ویشرد عن اللہ قال: من لم یقل لا الہ الا اللہ فاکثروا من قول لا الہ الا اللہ قبل ان یحال بینکم وبینہما فانہا کلمۃ التوحید وھی کلمۃ الاخلاص وھی الکلمۃ الطیبۃ وھی دعوۃ الحق' وھی العروۃ الوثقی وھی من الجنۃ (۱)

تم سب لوگ جنت میں ضرور جاؤ گے' مگر وہ شخص نہیں جائے گا جس نے (حق کا) انکار کیا' اور اللہ تعالیٰ سے اس طرح بدکا جس طرح اونٹ اپنے مالک سے بدکتا ہے' عرض کیا گیا! یا رسول اللہ! وہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا وہ شخص جو لا الہ الا اللہ نہ کہے' اس سے پہلے تمہارے اور اس کلمہ کے درمیان آڑ کر دی جائے (یعنی مرنے سے پہلے) یہ کلمہ بکثرت پڑھا کرو' یہ کلمہ' کلمۂ توحید ہے' کلمۂ اخلاص ہے' کلمۂ طیبہ ہے' دعوت حق ہے' عروۂ وثقی ہے' اور جنت کی قیمت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ (پ ۲۷ ر ۱۳ آیت ۶۰)

بھلا غائت اطاعت کا بدلہ بجز عنایت کے اور بھی کچھ ہو سکتا ہے۔

مفسرین کہتے ہیں کہ اس آیت میں دنیاوی احسان سے مراد لا الہ الا اللہ ہے' اور اخروی احسان سے مراد جنت ہے' یہی تفسیر درج ذیل آیت کریمہ کی بیان کی گئی ہے۔

لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ (پ ۱۱ ر ۸ آیت ۲۶)

جن لوگوں نے نیکی کی ہے ان کے واسطے خوبی (جنت) ہے اور مزید بر آں (خدا کا دیدار بھی)۔

---

(۱) یہ روایت ان الفاظ میں کسی ایک کتاب میں نہیں ہے' بلکہ مختلف محدثین نے اس روایت کے اجزاء کی تخریج کی ہے' بخاری نے بروایت ابو ہریرہؓ حاکم نے بروایت ابوامامہؓ' ابو یعلی' ابن عدی اور طبرانی نے عبداللہ ابن عمر سے' ابوالشیخ نے الحکم بن عمیر سے مرسل اور مستغفری نے انسؓ سے اس حدیث کے مختلف ٹکڑے روایت کئے ہیں۔

(۱۰) من قال لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ عشر مرات کانت له عدل لا رقبتا او قال نسمة (حاکم۔ براء بن عازب)

جس شخص نے لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ الخ دس مرتبہ کہا اسے ایک غلام آزاد کرنیکا ثواب ملے گا (راوی کا اس میں شک ہے کہ آپ نے رقبۃ کہا تھا یا نسمۃ کہا تھا)۔

(۱۱) من قال فی کل یوم مائة مرة لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ لم یسبقه احد کان قبله ولا یدرکه احد کان بعده الا من عمل بافضل من عمله (احمد، حاکم۔ عمرو بن شعیب عن ابیہ)

جو شخص ہر روز سو مرتبہ لا الہ الا اللہ وحدہ الخ پڑھے گا تو نہ اس سے وہ شخص سبقت لیجائیگا جو اس سے پہلے تھا اور نہ اسے وہ پائے گا جو اس کے بعد تھا' ہاں اگر کوئی شخص اس سے افضل عمل کرے گا وہ ضرور سبقت لیجائیگا۔

(۱۲) ان العبد اذا قال لا اله الا اللّٰه اتت الی صحیفة فلا تمر علی خطیئة الا محتها حتی تجد حسنة مثلها فتجلس الیها (ابو یعلی۔ انسؓ۔ سند ضعیف)

بندہ جب لا الہ الا اللہ کہتا ہے تو یہ کلمہ اس کے نامۂ اعمال کی طرف جاتا ہے' اور نامۂ اعمال میں لکھی ہوئی جس غلطی سے بھی وہ گزر جاتا ہے اسے مٹا دیتا ہے' اور جب اسے اپنی جیسی کوئی نیکی مل جاتی ہے تو اس کے پاس بیٹھ جاتا ہے۔

(۱۳) مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ عشر مرات کان کمن اعتق اربعة انفس من ولد اسماعیل علیه السلام (بخاری و مسلم۔ ابو ایوب الانصاریؓ)

جس شخص نے دس مرتبہ لا الہ الا اللہ الخ پڑھا وہ ایسا ہے جیسے وہ شخص جس نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے چار غلام آزاد کئے ہوں۔

(۱۴) من تعار من اللیل فقال لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ثم قال اللّٰهم اغفر لی غفر له او دعا استجیب له فان توضاء و صلی قبلت صلاته (بخاری۔ عبادۃ بن الصامتؓ)

جو کوئی رات کو جاگے اور یہ الفاظ کہے لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک (آخر تک) پھر یہ دعا کرے کہ اے اللہ میری مغفرت فرما تو اسکی مغفرت کی جائے گی' یا دعا کرے تو اس کی دعا قبول کی جائے گی' یا وضو کرے اور نماز پڑھے تو اس کی نماز قبول کی جائے گی۔

تسبیح و تحمید اور دوسرے اذکار کے فضائل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

(۱) من سبح دبر کل صلاة ثلاثا و ثلاثین و حمد ثلاثا ثلاثین و کبر ثلاثا و ثلاثین و ختم المائته بلا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ

وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ غفرت ذنوبه ولو كانت مثل زبد البحر (مسلم۔ ابو ہریرہؓ)

جو شخص ہر نماز کے بعد تینتیس مرتبہ سبحان اللہ اور تینتیس مرتبہ الحمد للہ اور تینتیس مرتبہ اللہ اکبر کہے، اور سو کا عدد پورا کرنے کے لئے یہ الفاظ کہے ''لا الہ اللہ وحدہ لہ الخ'' تو اس کے تمام گناہ بخش دیے جائیں گے، اگرچہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔

(۲) من قال سبحان اللّٰه وبحمده في اليوم مائة مرة حطت عنه خطاياه وان كانت مثل زبد البحر (بخاری و مسلم، ابو ہریرہؓ)

جو شخص ایک دن میں سو مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ کہے گا اس کے تمام گناہ معاف کردیئے جائیں گے، اگرچہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔

(۳) روی ان رجلا جاء الى النبي صلى اللّٰه عليه وسلم فقال تولت عني الدنيا وقلت ذات يدي فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فاين انت من صلاة الملائكة وتسبيح الخلائق وبها يرزقون قال فقلت وماذا يا رسول اللّٰه قال سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ اسْتَغْفِرُ اللّٰهَ مائة مرة ما بين طلوع الفجر الى ان تصلي الصبح تاتيك الدنيا راغمة صاغرة ويخلق اللّٰه عزوجل من كل كلمة ملكا يسبح اللّٰه تعالى الى يوم القيامة لك ثوابه۔ (۱)

روایت ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا! مجھ سے دنیا نے رخ پھیرلیا ہے، اور میرا ہاتھ تنگ ہوگیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فرشتوں کی نماز اور مخلوق کی تسبیح کیوں نہیں پڑھتے، اس تسبیح کی بدولت تو لوگوں کو رزق ملتا ہے، وہ شخص کہتا ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کیا چیز ہے؟ فرمایا طلوع صبح صادق سے نماز فجر تک یہ تسبیح پڑھتے رہو ''سبحان اللہ وبحمدہ (آخر تک) اگر تم یہ تسبیح پڑھو گے تو دنیا تمہارے پاس ذلیل و خوار ہو کر آئے گی، اور اللہ تعالیٰ ہر لفظ سے ایک فرشتہ پیدا کریں گے جو قیامت کے دن تک تسبیح پڑھتا رہے گا اسکی تسبیح کا اجر و ثواب تمہیں ملے گا۔

(۴) اذا قال العبد الحمد للّٰه ملأت ما بين السماء والارض فاذا قال الحمد للّٰه الثانية ملأت ما بين السماء السابعة الى الارض السفلى فاذا قال الحمد للّٰه الثالثة قال اللّٰه عزوجل سل تعط (۲)

جب بندہ الحمد کہتا ہے تو آسمان اور زمین کے درمیان حصہ کو بھر دیتا ہے، پھر جب دوسری مرتبہ الحمد للہ کہتا ہے تو ساتویں آسمان سے نیچے کی زمین تک پر کردیتا ہے، پھر جب تیسری مرتبہ الحمد للہ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مانگ تجھے دیا جائے گا۔

(۵) قال رفاعة الزرقي كنا يوما نصلي وراء رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فلما رفع راسه من الركوع وقال سمع اللّٰه لمن حمده قال رجل وراء رسول اللّٰه صلى

---

(۱) یہ روایت مستغفری نے کتاب الدعوات میں ابن عمرؓ سے نقل کی ہے اور غریب نے کہا ہے، احمد نے صحیح سند کے ساتھ یہ روایت عبداللہ ابن عمرؓ سے نقل کی ہے، احمد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت نوحؑ کی وصیت کے الفاظ ہیں جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی تھی۔ (۲) یہ روایت ان الفاظ میں مجھے نہیں ملی۔

اللہ علیہ وسلم رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُبَارَکًا فِیْہِ فلما انصرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن صلاتہ قال من المتکلم آنفا؟ قال انا یارسول اللہ فقال صلی اللہ علیہ وسلم لقد رایت بضعة وثلاثین ملکا یبتدر ونھا ایھم تکتبھا اولا (بخاری)

حضرت رفاعہ الرزقی فرماتے ہیں کہ ہم ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے 'جب آپ نے رکوع سے سر اٹھایا اور سمع اللہ لمن حمدہ کہا تو پیچھے سے ایک شخص نے یہ الفاظ کہے ربنالک الحمد حمد اکثیرا(آخر تک) جب سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو دریافت فرمایا وہ شخص کون ہے جو ابھی بول رہا تھا؟ اس شخص نے عرض کیا' یارسول اللہ وہ میں ہوں' آپ نے فرمایا میں نے تیس سے زیادہ فرشتوں کو دیکھا کہ وہ تمہارے الفاظ کی طرف جھپٹ رہے ہیں کہ کون پہلے لکھے۔

(۶) الباقیات الصالحات ھن لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَسُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ ولا حول ولا قو الا باللہ (نسائی فی الیوم واللیلۃ' ابن حبان' حاکم۔ ابوسعیدؓ)

باقی رہنے والی نیکیاں یہ ہیں لا الہ الا اللہ وسبحان اللہ والحمد للہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ'

(۷) ماعلی الارض رجل یقول لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَسُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا قوة اِلَّا بِاللّٰہِ الا غفرت ذنوبہ ولو کانت مثل زبد البحر (حاکم' ترمذی' نسائی' عبداللہ ابن عمرؓ)

زمین کے اوپر رہنے والا جو شخص بھی یہ الفاظ پڑھے لا الہ الا اللہ (آخر تک) اس کے گناہ بخش دئے جائیں گے اگرچہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔

(۸) الذین یذکرون من جلال اللہ وتسبیحہ و تکبیرہ وتحمیدہ ینعطفن حول العرش لھن دوی کدوی النحل یذکرون بصاحبھن اولا یحب احدکم ان لا یزال عند اللہ ما یذکر بہ (ابن ماجہ' حاکم۔ النعمان بن بشیرؓ)

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کا ذکر کرتے ہیں اور اس کی تسبیح و تکبیر اور تحمید بیان کرتے ہیں تو یہ کلمات عرش کے اردگرد چکر لگاتے ہیں اور مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح ان کی آواز ہوتی ہے' اور یہ باری تعالیٰ کے سامنے اپنے پڑھنے والے کا ذکر کرتے ہیں' کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ باری تعالیٰ کے پاس تمہارا ذکر ہمیشہ ہوتا رہے۔

(۹) لان اقول سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَحب الی مما طلعت علیہ شمس (مسلم)

میں یہ الفاظ کہوں' سبحان اللہ والحمد (آخر تک) تو یہ میرے نزدیک اس چیز سے بہتر ہے جس پر سورج طلوع ہو (یعنی دنیا ومافیہا سے بہتر ہے)

(۱۰) احب الکلام الی اللہ تعالیٰ اربع سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ لا یضر کبایھن بدات (مسلم۔ سمرۃ۔ بن جندبؓ)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ کلمات یہ چار ہیں سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر جس سے بھی تم شروع کرو گے تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گا۔

(۱) الطهور شطر الایمان والحمدللہ تملا المیزان وسبحان اللہ واللہ اکبر یملاٰن مابین السماء والارض' والصلاۃ نور والصدقۃ برھان والصبر ضیاء والقرآن حجۃ لک او علیک کل الناس یغدو فبائع نفسہ فمو بقہا او مشتر نفسہ فمعتقہا (مسلم۔ ابومالک الاشعری)

طہارت نصف ایمان ہے کلمہ الحمد للہ ترازو کو بھر دیتا ہے سبحان اللہ اور اللہ اکبر ایسے دو کلمے ہیں جو آسمان اور زمین کے درمیانی حصے کو بھر دیتے ہیں' نماز نور ہے' صدقہ برہان ہے صبر روشنی ہے' قرآن تیرے نفع یا نقصان کے لئے حجت ہے' تمام لوگ صبح کو اٹھ کر اپنے نفس کو بیچ کر اسے ہلاک کر دیتے ہیں' یا اسے خرید کر آزاد کر دیتے ہیں۔

(۲) کلمتان خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان حبیبتان الی الرحمن سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم (بخاری و مسلم۔ ابوہریرہ)

دو کلمے زبان پر ہلکے ہیں' میزان میں بھاری ہیں' اور اللہ کو محبوب ہیں' یعنی "سبحان اللہ (آخر تک)"

(۳) قال ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قلت لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ای الکلام احب الی اللہ عزوجل قال صلی اللہ علیہ وسلم: ما اصطفی اللہ سبحانہ لملائکتہ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم (۱) (مسلم)

ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: اللہ کو کونسا کلام زیادہ پسند ہے؟ فرمایا: وہ کلام زیادہ پسند ہے جو اللہ نے اپنے فرشتوں کے لئے منتخب کیا ہے۔ یعنی سبحان اللہ (آخر تک)

(۴) ان اللہ اصطفی من الکلام سبحان اللہ والحمدللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر' فاذا قال العبد سبحان اللہ کتبت لہ عشرون حسنۃ وتحط عنہ عشرون سیئۃ واذا قال اللہ اکبر فمثل ذلک (وذکر الی آخر الکلمات) (نسائی' حاکم۔ ابوہریرہ)

اللہ تعالیٰ نے یہ کلمات منتخب فرمائے ہیں سبحان اللہ والحمد للہ (آخر تک) جب بندہ سبحان اللہ کہتا ہے تو اس کے لئے بیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور بیس گناہ معاف کر دئے جاتے ہیں۔ اور جب اللہ اکبر کہتا ہے تب بھی یہ ثواب ملتا ہے (آخر کلمات تک یہی ذکر کیا یعنی ہر کلمے پر یہ ثواب ملتا ہے)

(۵) من قال سبحان اللہ وبحمدہ غرست لہ نخلۃ فی الجنۃ (ترمذی' نسائی' ابن حبان' حاکم۔ جابرؓ)

جو شخص سبحان اللہ وبحمدہ کہتا ہے جنت میں اسکے لئے درخت لگا دیا جاتا ہے۔

(۶) عن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال الفقراء لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذہب اہل الدثور بالاجور یصلون کما نصلی ویصومون کما نصوم ویتصدقون بفضول اموالہم' فقال او لیس قد جعل اللہ لکم ما تصدقون بہ ان لکم بکل تسبیحۃ صدقۃ وتحمیدۃ وتسلیلۃ صدقۃ وتکبیرۃ صدقۃ' وامر

---

(۱) مسلم کی روایت میں سبحان اللہ العظیم کے الفاظ نہیں ہیں

بمعروف صدقة ونهی عن منکر صدقة ویضع احدکم اللقمة فی اهله فهی له صدقة وفی بضع احدکم صدقة قالوا یا رسول اللہ ایا تی احدنا شهوته ویکون له فیها اجر' قال صلی اللہ علیه وسلم ارایتم لو وضعها فی حرام اکان علیه فیها وزر' قالوا نعم! قال کذلک ان وضعها فی الحلال کان له فیها اجر (مسلم)

ابوذر فرماتے ہیں کہ فقراء صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا! دولت مند ثواب لے گئے' وہ ہماری طرح نماز پڑھتے ہیں ہماری طرح روزے رکھتے ہیں' اور اپنا بچا ہوا مال صدقہ کردیتے ہیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے وہ چیزیں نہیں بنائی جو تم صدقہ کردو' تمہارے واسطے سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے' الحمد للہ کہنا صدقہ ہے' لا الہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے' اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے' اچھائی کرنا صدقہ ہے۔ برائی سے روکنا صدقہ ہے' اچھائی کا حکم دینا صدقہ ہے۔ کوئی شخص اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ دے وہ بھی صدقہ ہے اور اپنی بیوی سے ہمبستری کرنا بھی صدقہ ہے' لوگوں نے عرض کیا! یا رسول اللہ! ہمیں اپنی شہوت پوری کرنے میں بھی صدقہ کا ثواب ملے گا آپ نے فرمایا! یہ بتلاؤ کہ اگر کوئی شخص حرام طریقے پر شہوت پوری کرتا ہے اسے گناہ ہوتا ہے یا نہیں؟ لوگوں نے عرض کیا جی ہاں! یا رسول اللہ! فرمایا اسی طرح اگر کوئی شخص حلال طریقے پر شہوت پوری کرے اسے بھی ثواب ملے گا۔

(۱۷) قال ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنه قلت لرسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم سبق اهل الاموال بالاجر یقولون کما نقول وینفقون ولا ننفق فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم افلا اولک علی عمل اذا انت عملته ادرکت من قبلک وفقت من بعدک الا من قال مثل قولک تسبح اللہ بعد کل صلاة ثلاثا وثلاثین وتحمد ثلاثا وثلاثین وتکبر اربعا وثلاثین (ابن ماجہ' وابوالشیخ فی الثواب عن ابی الدرداء الخ)

ابوذر فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ دولت مند ثواب میں سبقت لے گئے ہیں جو ہم کہتے ہیں وہ بھی کہتے ہیں' لیکن جو وہ صدقہ کرتے ہیں ہم نہیں کرپاتے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں ایسا عمل نہ بتلادوں جو اگر تم کرو تو آگے جانے والوں کو جاپکڑو' اور پیچھے رہ جانے والوں سے بازی لے جاؤ' البتہ اس شخص سے آگے نہیں جاسکتے جو وہی کہے جو تم کہتے ہو؟ وہ عمل یہ ہے کہ ہر نماز کے بعد تینتیس مرتبہ سبحان اللہ تینتیس مرتبہ الحمد للہ اور چونتیس مرتبہ اللہ اکبر کہے۔

(۱۸) علیکن بالتسبیح والتهلیل والتقدیس فلا تغفلن واعقدن بالانامل فانها مستنطقات بالشهادة فی القیامة (ابوداؤد' ترمذی' حاکم۔ بسرة)

اے عورتو! اپنے اوپر تسبیح (سبحان اللہ) تہلیل (لا الہ الا اللہ) اور تقدیس (سبوح قدوس) کہنا لازم کرلو' اور غفلت مت کرو اور یہ تسبیحات انگلیوں پر گن لیا کرو' اس لئے کہ یہ انگلیاں قیامت کے روز شہادت دیں گی۔

ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تسبیح پڑھتے ہوئے' انگلیوں پر عدد شمار کرتے تھے۔
(ابوداؤد' ترمذی' نسائی' حاکم)

(۲۰) اذا قال العبد لا اله الا اللہ واللہ اکبر قال اللہ عزوجل! صدق عبدی لا اله الا انا وانا

اکبر و اذا قال العبد لا الہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ قال تعالٰی صدق عبدی لا الہ الا انا وحدی لا شریک لی' واذا قال العبد لا الہ الا اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ یقول اللہ سبحان صدق عبدی لا حول ولا قوۃ الا بی ومن قالھن عند الموت لم تمسہ النار (ابو سعیدؓ' ابو ہریرہؓ۔ ابن ماجہ' حاکم' نسائی' ترمذی)

بندہ جب لا الہ الا اللہ واللہ اکبر کہتا ہے تو اللہ تعالٰی فرماتے ہیں' میرے بندے نے سچ کہا میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے' اور میں سب سے بڑا ہوں' اور جب بندہ لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک کہتا ہے تو اللہ تعالٰی فرماتے ہیں میرے بندے نے سچ کہا' میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے' میں یکتا ہوں' میرا کوئی شریک نہیں ہے' اور جب بندہ لا الہ الا اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ کہتا ہے تو اللہ تعالٰی فرماتے ہیں میرے بندے نے سچ کہا گناہ سے بچنے کی طاقت' اور اطاعت کے لئے قوت میرے سوا کسی طرح نہیں ہے۔ جو شخص یہ کلمات موت کے وقت کہے گا اسے دوزخ کی آگ نہیں لگے گی۔

(۲۱) ایعجز احدکم ان یکسب کل یوم الف حسنۃ فقیل کیف ذلک یا رسول اللہ' فقال صلی اللہ علیہ وسلم: یسبح اللہ تعالٰی مائۃ تسبیحۃ فیکتب لہ الف حسنۃ ویحط عنہ الف سیئۃ (مسلم' مصعب بن سعدؓ)

کیا تم میں سے کسی سے یہ نہیں ہو سکتا کہ ہر روز ایک ہزار نیکیاں کما لیا کرے' عرض کیا گیا! یا رسول اللہ! یہ کس طرح ممکن ؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ اس طرح کہ سو مرتبہ سبحان اللہ کہہ لیا کرے اس عمل کے نتیجے میں ایک ہزار نیکیاں لکھی جائیں گی' اور ایک ہزار گناہ معاف کئے جائیں گے۔

(۲۲) یا عبد اللہ بن قیس اویا ابا موسٰی اولا ادلک علی کنز من کنوز الجنۃ قال بلٰی! قال: قل لا حول ولا قوۃ الا باللہ (بخاری و مسلم)

اے عبد اللہ ابن قیسؓ! یا اے ابو موسٰیؓ! کیا میں تجھے جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ نہ بتلادوں انہوں نے عرض کیا! کیوں نہیں! یا رسول اللہ! ارشاد فرمائیے' فرمایا یہ کہا کرو لا حول و لا قوۃ الا باللہ۔

(۲۳) عمل من کنز الجنۃ ومن تحت العرش قول لا حول ولا قوۃ الا باللہ یقول اللہ تعالٰی اسلم عبدی واستسلم (نسائی' حاکم' ابو ہریرہؓ)

لا حول ولا قوۃ الا باللہ کا کہنا جنت کے خزانوں میں سے ہے اور عرش سے نیچے کا ایک عمل ہے جب بندہ اس کو کہتا ہے تو اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ میرا بندہ اسلام لایا' اور فرمانبردار ہوا۔

(۲۴) من قال حین یصبح رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَبِالْقُرْآنِ اِمَامًا وَبِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَبِیًّا وَرَسُوْلًا کَانَ حقا علی اللہ ان یرضیہ یوم القیامۃ (ابوداؤد' نسائی' حاکم' خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

جو شخص صبح اٹھ کر یہ کہے رضیت باللہ ربا (آخر تک) تو یقیناً اللہ تعالٰی اسے قیامت کے دن راضی کریں گے۔

ایک روایت میں ہے کہ جو شخص یہ دعا پڑھے اللہ تعالٰی اس سے راضی رہتا ہے' مجاہد فرماتے ہیں کہ جب بندہ اپنے گھر سے نکلتا ہے' بسم اللہ کہتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے کفیت (تو کفایت کیا گیا) اور جب وہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے کہ وقیت (تو حفاظت کیا گیا) پھر شیطان اس سے علیحدہ ہو جاتے ہیں' اور آپس میں یہ کہتے ہیں کہ اس شخص پر ہمارا بس نہیں چلے گا۔

ایک سوال کا جواب : یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ ذکر اللہ دوسری تمام عبادتوں کے مقابلے میں افضل کیوں ہے؟ حالانکہ ذکر میں میں بظاہر کوئی مشقت نہیں ہے' زبان کے لئے بھی ذکر کے کلمات دشوار نہیں ہیں' جب کہ دوسری عبادتوں میں مشقت اور تعب زیادہ ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ افضلیت ذکر کا تعلق علم مکاشفہ سے ہے' اس لئے فی الوقت تفصیل ممکن نہیں' البتہ علم معاملہ سے اس موضوع کا جس قدر تعلق ہے اس کی روشنی میں اتنا کہا جاسکتا ہے کہ وہی ذکر موثر اور نافع ہے جو حضور دل کے ساتھ ہو اور ہمیشہ ہو' اس صورت میں ذکر کم موثر ہوتا ہے کہ زبان حرکت میں ہو اور دل غافل ہو' چنانچہ روایات سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے۔

(۱) یہ صورت بھی زیادہ مفید نہیں ہے کہ کسی لمحہ دل حاضر ہو اور پھر دنیا کے کاروبار میں مصروف ہو کر اللہ تعالیٰ سے غافل ہوجائے بلکہ تمام عبادات سے افضل عبادت یہ ہے کہ ہمیشہ یا اکثر اوقات اللہ تعالیٰ کی یاد رہے' بلکہ سب عبادتوں کا شرف اسی ایک عبادت سے مربوط ہے' یہی عبادت تمام عملی عبادتوں کا ثمرہ اور منتہا ہے۔ ذکر کی ایک ابتداء ہے اور ایک انتہا ہے' ذکر کی ابتداء سے مذکور کی محبت پیدا ہوتی ہے' اور انتہا یہ ہے کہ مذکور کی محبت اور انس کی وجہ سے ذکر ہوتا ہے' یہی انس اور محبت مطلوب بھی ہے' اس کی تفصیل یہ ہے کہ مرید ابتداء میں کبھی بتکلف قلب اور زبان کو مصروف ذکر کرتا ہے' اس دوران جو وسوسے دل پر وارد ہوتے ہیں انہیں بھی دور کرنے کی کوشش کرتا ہے' اگر اسے مداوامت ذکر کی توفیق ہوجائے تو مذکور کی محبت پیدا ہوجاتی ہے' اور یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے رات دن اس کا مشاہدہ ہوتا ہے' مثلاً اگر تم کسی کے سامنے کسی غیر موجود شخص کی بار بار تعریف کرو تو سننے والا متاثر ہوتا ہے' اور غیر موجود شخص سے محبت کرنے لگتا ہے' کبھی کبھی محض کثرت ذکر ہی سے شدید عشق میں گرفتار ہوجاتا ہے' ابتداء میں اگرچہ وہ اس شخص کے ذکر میں تکلف کرتا ہے' لیکن نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ کثرت ذکر پر مجبور ہوجاتا ہے' ایک لمحہ کے لئے بھی صبر نہیں کرپاتا۔ یہی حال ذکر الٰہی کا ہے' ابتدا میں تکلف ہوتا ہے' پھر یہ تکلف عادت بن جاتا ہے' اور مذکور یعنی خدا تعالیٰ کی محبت ذاکر کے دل میں اس طرح جاگزیں ہوجاتی ہے کہ ایک لمحہ کے لئے بھی ذکر کے بغیر قرار نہیں پاسکتا' جو چیز اول میں موجب تھی وہ موجب ہوجاتی ہے اور جو ثمرہ تھی وہ علت بن جاتی ہے' بعض اکابر کے اس قول میں بھی یہی حقیقت پنہاں ہے کہ میں نے بیس برس تک قرآن پاک کی تلاوت میں سخت محنت کی' پھر بیس برس تک مجھے اس کی تلاوت سے ناقابل بیان لذت حاصل ہوئی' یہ وہ لذت ہے جو انس و محبت کا ثمرہ ہے اور یہ انس و محبت مداومت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی' جو کلام ابتدا میں تکلف سے کیا جاتا ہے بعد میں مداومت کرنے سے وہ عادت ثانیہ بن جاتا ہے' یہ بات مستبعد مت سمجھو' تم جانتے ہی ہو کہ آدمی بعض اوقات کسی چیز کے کھانے میں تکلف کرتا ہے' اور بدمزگی کے باعث زبردستی محض پیٹ بھرنے کے لئے کھاتا ہے لیکن بار بار کھانے سے عادی ہوجاتا ہے خلاصہ یہ ہے کہ انسان کی طبیعت میں لچک ہے' جو عادت ڈالی جائے وہی عادت اختیار کرلیتا ہے۔

جب نفس ذکر اللہ سے مانوس ہوجاتا ہے تو ماسوی اللہ سے بے نیازی پیدا ہوجاتی ہے' ماسوی اللہ چیزیں وہ ہیں جو موت کے وقت ساتھ دیتی ہیں نہ قبر میں بیوی بچے ہوتے ہیں نہ دوست احباب ہوتے ہیں' نہ مال متاع ہوتا ہے نہ اقتدار و حکومت ساتھ ہوتی ہے' ذکر الٰہی کے علاوہ کوئی ساتھ نہیں ہوتا۔ چنانچہ ذکر الٰہی کی حقیقی محبت کی معنی ہی یہ ہیں کہ نفس ہر چیز سے اپنا تعلق ختم کرلے' ذکر الٰہی کی صحیح لذت اسی وقت ملتی ہے جب ذاکر ہر اس چیز سے اپنا رشتہ توڑ لے جو اللہ کے ذکر سے اسے روکتی ہے۔ ذاکر کی زندگی قبر کی زندگی کے مشابہ ہونی چاہیئے۔ جہاں اس کے اور محبوب کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہوتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

ان روح القدس نفث فی روعی احبب ما احببت فانک مفارقہ (۲)

روح القدس نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ تم جس کو چیز کو چاہے محبوب بنالو اسے تمہیں چھوڑنا

---

(۱) ترمذی میں حضرت ابوہریرۃ کی روایت ہے "واعلموا ان اللہ لا یقبل الدعاء من قلب لاہ" (۲) یہ حدیث کتاب العلم کے ساتویں باب میں گزری ہے

پڑے گا۔

اس حدیث میں وہ چیزیں مراد ہیں جن کا تعلق دنیا سے ہو' کیونکہ موت انہی چیزوں سے انسان کا رشتہ منقطع کرتی ہے رب عظیم کے علاوہ ہر چیز فانی ہے' اور انسان کے حق میں تو دنیا اور اس کی تمام رعنائیاں اور رونقیں اسی وقت فنا ہو جاتی ہیں جب وہ دنیا میں اپنی زندگی کے لمحات پورے کرلیتا ہے' البتہ ذکر اللہ کی محبت کام آئے گی' موت کے بعد انسان اسی سے لذت حاصل کرے گا' یہاں تک کہ جوار خداوندی نصیب ہو' اور ذکر سے بقاء دیدار کا شرف حاصل ہو' اور یہ اس وقت ہوگا جب مردے قبروں سے اٹھائے جائیں گے اور لوگوں کے اعمال نامے ان کے ہاتھوں پر رکھدئیے جائیں گے۔

ذکر اور عالم ملکوت : یہ کہنا صحیح نہیں کہ مرنا عدم ہے مرنے کے بعد آدمی کے ساتھ ذکر کیسے رہ سکتا ہے اسلئے کہ مرنے کے بعد آدمی اس طرح معدوم نہیں ہوتا کہ ذکر کے لئے مانع ہو' انسان کے معدوم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا اور عالم ظاہر کی تمام چیزوں سے اس کا رشتہ منقطع ہو چکا ہے' یہ مطلب نہیں کہ عالم ملکوت سے بھی اس کا کوئی تعلق باقی نہیں رہا' چنانچہ روایات سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد آدمی کا تعلق دوسرے عالم سے قائم ہو جاتا ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

القبر اما حفرة من النار اوروضة من رياض الجنة (ترمذی۔ ابو سعید الخدریؓ)

قبر تو آگ کا گڑھا ہے' یا جنت کے باغیچوں میں سے ایک غنچہ ہے۔

ایک حدیث میں ہے:۔

ارواح الشهداء في حواصل طيور خضر (مسلم۔ ابن مسعودؓ)

شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہیں۔

جنگ بدر کے موقع پر مقتول مشرکین کے نام لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ ارشاد فرمایا تھا وہ بھی ہمارے دعوی کی بہترین دلیل ہے' فرمایا:

(انی قد وجدت ماوعدنی ربی حقا فهل وجدتم ماوعدکم ربکم حقا (مسلم۔ انسؓ)

مجھ سے میرے رب نے جو وعدہ کیا تھا میں نے اسے سچا پایا ہے کیا تم نے بھی وہ وعدہ سچا پایا ہے جو تم سے تمہارے رب نے کیا تھا۔

حضرت عمرؓ نے آپ کا یہ ارشاد سنکر عرض کیا تھا یا رسول اللہ! یہ لوگ مرچکے ہیں' آپ کی بات کس طرح سنیں گے اور کسی طرح جواب دیں گے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔

والذی نفسی بیده ما انتم باسمع لکلامی منهم ولکنهم لا یقدرون ان یجیبوا (حدیث سابق)

خدا کی قسم تم میری بات ان سے زیادہ نہیں سنتے' فرق یہ ہے کہ وہ جواب نہیں دے سکتے۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی کفار و مشرکین سے متعلق ہے اہل ایمان کے متعلق آپ نے ارشاد فرمایا:۔

ان ارواح المومنين في طير خضر تعلق بشجر الجنة (ابن ماجہ۔ کعب ابن مالکؓ نسائی' ترمذی بلفظ آخر)

مومنین کی روحیں سبز پرندوں میں ہیں جو جنت کے درخت سے لٹکے ہوئے ہیں۔

ان روایات سے موت کے بعد کی جس لذت اور کیفیت کا پتہ چلتا ہے وہ ذکر الہی کے منافی نہیں ہے۔

ذکر الہی اور رتبۂ شہادت : اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں:۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (پ ۴ ر ۸ آیت ۱۶۹-۱۷۰)

اور (اے مخاطب) جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ہیں ان کو مردہ مت خیال کرو بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے مقرب ہیں' انکو رزق بھی دیا جاتا ہے' وہ خوش ہیں اس چیز سے جو ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا فرمائی' اور جو لوگ ان کے پاس نہیں پہنچے ان سے پیچھے رہ گئے ان کی بھی اس حالت پر وہ خوش ہوتے ہیں کہ ان پر بھی کسی طرح کا خوف واقع ہونے والا نہیں اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ شہادت کے رتبے کی عظمت ذکر الٰہی سے زیادہ ہوتی ہے' اس کی تفصیل یہ ہے کہ مطلوب حقیقی خاتمہ ہے' خاتمہ سے ہماری مراد یہ ہے کہ آدمی دنیا سے رخصت ہو اور خدا تعالیٰ کے سامنے اس حال میں حاضری دے کہ دل میں اس کے سوا کوئی چیز نہ ہو' اور یہ حالت صرف میدان جنگ میں میسر آتی ہے' کیوں کہ اس میدان میں اترنے کے بعد وہ اپنی جان مال اور اولاد کی طمع سے خالی ہو جاتا ہے' اسے دنیاوی زندگی کے لئے ان چیزوں کی ضرورت تھی' اور اب جب کہ وہ اللہ کی محبت میں جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں اتر آیا ہے' تو ان چیزوں کی اسکے نزدیک کیا قدر رہے گی' اللہ تعالیٰ لئے تجرد حقیقی کی اس سے بڑھ کر اور کیا صورت ہو سکتی ہے' اسلئے شہادت کا رتبہ بلند ہے' لاتعداد روایات سے شہادت کی فضیلت ثابت ہوتی ہے' جنگ احد میں حضرت عبداللہ ابن عمرو انصاری شہید ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے صاحبزادے حضرت جابرؓ سے خطاب فرمایا۔

الا ابشرک یا جابر؟ قال بلی! بشرک اللہ بالخیر' قال ان اللہ عزوجل احیا اباک فاقعدہ بین یدیہ ولیس بینہ وبینہ ستر' فقال تعالی تمن علی یا عبدی ماشئت اعطیکہ' فقال یارب ان تردنی الی الدنیا حتی اقتل فیک وفی نبیک مرۃ اخری' فقال عزوجل سبق القضاء منی بانہم الیہا لا یرجعون (ترمذی' حاکم۔ جابرؓ)

اے جابر! کیا میں تمہیں خوشخبری نہ سناؤں؟ حضرت جابرؓ نے عرض کیا: ضرور! یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ آپکو خیر کی بشارت دے' آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تیرے باپ کو زندہ کیا' اور اپنے سامنے اسطرح بٹھلایا کہ خدا کے اور ان کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں تھی' پھر اللہ تعالیٰ نے تیرے والد سے کہا اے بندے! جس چیز کی چاہے تمنا کر میں تجھے عطا کروں گا۔ تیرے والد نے عرض کیا اے اللہ میری تمنا یہ ہے کہ مجھے دنیا میں دوبارہ بھیج دیجئے تاکہ میں تیری راہ میں دوبارہ قتل کیا جاؤں' اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اس سلسلے میں تو میرا یہ فیصلہ پہلے ہو چکا ہے کہ وہ یہاں آکر دوبارہ دنیا میں نہ جائیں۔

پھر اس حالت پر خاتمہ کا سبب قتل ہے' کیوں کہ اگر مارا نہ جائے تو یہ ممکن ہے کہ' دل میں دنیا کی شہوتیں دوبارہ پیدا ہو جائیں' اور ذکر اللہ کی جگہ دنیا کی محبت آجائے اسلئے عارفین خاتمے کے معاملے میں زیادہ ڈرتے تھے دل پر اگرچہ ذکر الٰہی کا غلبہ ہو لیکن اسے کسی ایک حالت پر دوام مشکل حاصل ہوتا ہے وہ گاہے بگاہے دنیا کی طرف بھی ملتفت ہو جاتا ہے' خدا نہ کرے کہ کسی پر ایسا وقت آئے کہ اس کا دل زندگی کے آخری لمحات میں دنیا کا اسیر ہو جائے' اور اسی حالت میں وہ جہان فانی سے رخصت ہو' لیکن اگر ایسا ہو تو خیال یہی ہے کہ مرنے کے بعد اس پر اسی حالت کا غلبہ رہے گا۔ اور محض دنیاوی لذتوں کی خاطر وہ دوبارہ واپس آنے کی خواہش کریگا یہ خواہش اسی لئے ہوگی کہ دل میں آخرت کا تصور کم ہوتا ہے۔ آدمی کی موت اس حال پر ہوتی ہے' جس پر وہ زندگی گزارتا ہے اور حشر اس حالت پر ہوتا ہے جس پر وہ مرتا ہے' سو خاتمہ سے بچاؤ کا طریقہ یہی ہے کہ شہادت کی موت نصیب ہو' اور اصلی شہادت وہی

ہے کہ شہید کے دل میں مال و منال' جاہ و منصب اور شہرت و ناموری حاصل کرنے کا جذبہ نہ ہو' ایک حدیث میں ہے:۔

جاء رجل الی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال الرجل یقاتل للذکر' والرجل یقاتل للمغنم' والرجل یقاتل لیری مکانہ فمن فی سبیل اللّٰہ' قال من قاتل لتکون کلمۃ اللّٰہ ھی العلیا فھو فی سبیل اللّٰہ (بخاری و مسلم۔ ابو موسیٰ)

ایک شخص نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دی' اور عرض کیا: آدمی شہرت کے لئے جہاد کرتا ہے' مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے جہاد کرتا ہے' منصب حاصل کرنے کے لئے جہاد کرتا ہے' ان میں کون اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والا ہے آپ نے فرمایا: وہ شخص اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والا ہے جس کا مقصد جہاد سے اعلاء کلمۃ اللہ ہو۔

قرآن کریم میں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے:۔

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ (پ ۱۱ر ۳ آیت ۱۱۱)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی۔

وہی شخص دنیا کو جنت کے عوض فروخت کرتا ہے جو محض اللہ کے لئے جہاد کرتا ہو' شہید کی حالت کلمۂ طیبہ کی مراد کے عین مطابق ہے' لا الٰہ الا اللہ کا مطلب یہ ہے کہ کہنے والا معبود حقیقی کو اپنا مقصد قرار دے رہا ہے شہید بھی زبان حال سے یہ اعتراف کرتا ہے کہ اس کا مقصود وہی ذات برحق ہے جو شخص اپنی زبان سے یہ کلمہ کہے' اور اس کے مطابق عمل نہ کرے وہ آخرت کے خطرے سے مامون نہیں ہے' اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لا الہ الا اللہ کو تمام اذکار پر فضیلت دی ہے۔ (۱) بعض جگہ مطلقاً لا الہ اللہ کی فضیلت بیان کی گئی ہے' اور بعض جگہ صدق و اخلاص کا اضافہ ہے۔ مثلاً:

من قال لا الٰہ الا اللّٰہ مخلصا الخ

جس نے اخلاص کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہا۔

اخلاص کے معنی یہ ہیں کہ حالت گفتار کے مطابق ہو۔۔۔ ہم اللہ تعالیٰ سے حسن خاتمہ کی درخواست کرتے ہیں' اے اللہ! ہمیں ان لوگوں میں سے بنا جن کا حال و قال ظاہر و باطن لا الہ الا اللہ کے مطابق ہو' ہم اس حالت میں دنیا سے رخصت ہوں کہ ہمارے دل دنیا کی محبت سے خالی ہوں' بلکہ دنیا سے اکتائے ہوئے ہوں' اور باری تعالیٰ کے دیدار کے شوق سے پر ہوں' آمین۔

دوسرا باب

دعا کے فضائل' اور آداب' درود شریف' استغفار اور بعض ماثور دعائیں

دعا کی فضیلت

آیات: (۱) وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ (پ ۲ر ۷ آیت ۱۸۶)

اور جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق دریافت کریں تو (آپ میری طرف سے فرما دیجئے) میں قریب ہوں' اور منظور کرلیتا ہوں (ہر) عرضی درخواست کرنے والے کی وہ مجھ سے دعا کرے سو ان کو چاہیے

(۱) ترمذی' نسائی' ابن ماجہ۔ جابر ابن عبداللہ

کہ وہ میرے احکام قبول کیا کریں۔

(۲) اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (پ ۸ ر ۱۴ آیت ۵۵)

تم لوگ اپنے پروردگار سے دعا کیا کرو تذلل ظاہر کر کے بھی اور چپکے چپکے بھی' بے شک اللہ ان لوگوں کو ناپسند کرتا ہے جو حد سے نکل جائیں۔

(۳) قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى (پ ۱۵ ر ۱۲ آیت ۱۱۰)

آپ فرما دیجئے کہ خواہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو جس نام سے پکارو گے' سو اس کے بہت اچھے اچھے نام ہیں۔

(۴) وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ (پ ۲۴ ر ۱۱ آیت ۶۰)

اور تمہارے پروردگار نے فرمایا دیا ہے کہ مجھ کو پکارو میں تمہاری درخواست قبول کروں گا' جو لوگ میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

احادیث : سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :۔

(۱) الدعاء هو العبادة (اصحاب سنن۔ النعمان بن بشیرؓ)

دعا مانگنا ہی عبادت ہے۔

(۲) الدعاء مخ العباد (ترمذی۔۔۔ انسؓ)

دعا عبادت کا مغز ہے۔

(۳) ليس شئى اكرم عند اللّٰه من الدعاء (ترمذی' ابن ماجہ' ابن حبان' حاکم۔ ابو ہریرہؓ)

اللہ کے نزدیک دعا سے زیادہ عظیم چیز کوئی نہیں ہے۔

(۴) ان العبد لا يخطئه من الدعاء احدى ثلاث اما ذنب يغفر له' واما خير يعجل له واما خير يدخر له (۱) (ابو منصور الدیلمی۔ انسؓ)

بندہ دعا کے ذریعہ تین چیزوں میں سے ایک جانے نہیں دیتا' یا تو اس کا گناہ بخش دیا جاتا ہے یا اسکے لئے اچھی چیز فوراً" عطا کردی جاتی ہے یا آئندہ کے لئے خیر کرلی جاتی ہے۔

(۵) سلوا اللّٰه من فضله' فان اللّٰه يحب ان يسال وافضل العبادة انتظار الفرج (ترمذی' ابن مسعودؓ)

اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل و کرم کی درخواست کرو' اللہ کو یہ اچھا لگتا ہے کہ کوئی اس سے مانگے' بہترین عبادت یہ ہے کہ آدمی خوشحالی کا انتظار کرے۔

حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ نیکی کے ساتھ دعا کی اتنی ضرورت ہے جتنی کھانے میں نمک کی۔

دعا کے آداب

پہلا ادب : یہ ہے کہ دعا کے لئے افضل اوقات کا منتظر رہے' جیسے سال میں عرفہ کا دن ہے' مہینوں میں رمضان ہے' دنوں

---

(۱) یہ روایت ابو سعید الخدریؓ سے بخاری نے الادب المفرد میں' احمد اور حاکم نے روایت کی ہے مضمون یہی ہے' الفاظ دوسرے ہیں۔

میں جمعہ ہے' اور اوقات میں سحر کا وقت ہے' اللہ تعالیٰ سحر کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں :-

وبالاسحار هم يستغفرون (پ۲۶ ر۱۸ آیت ۱۸)

اور سحر کے وقت وہ استغفار کرتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

ينزل الله تعالى كل ليلة الى سماء الدنيا حين يبقى ثلث الليل الاخير فيقول عزوجل : من يدعو نى استجيب له' من يسالنى فاعطيه من يستغفر نى فاغفر له (بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہؓ)

جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے اللہ تعالیٰ دنیا پر جلوہ افروز ہوتے ہیں' اور فرماتے ہیں کوئی ہے جو مجھ سے دعا مانگے اور میں قبول کروں' کوئی ہے جو مجھ سے درخواست کرے اور میں عطا کروں' کوئی ہے جو مجھ سے مغفرت چاہے اور میں اس کی مغفرت کروں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے کہا تھا :-

سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّىْ (پ ۱۳ ر ۵ آیت ۹۸)

عنقریب تمہارے لئے اپنے رب سے دعائے مغفرت کروں گا۔

کہتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام سحر کے وقت مغفرت کی دعا کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ آپ رات کے پچھلے پہر نیند سے بیدار ہوئے اور دعا مانگی' تمام بیٹے دعا کے وقت موجود تھے' اور آمین آمین کہہ رہے تھے' اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ مغفرت کی اطلاع فرمائی۔

دوسرا ادب : یہ ہے کہ ایسے حالات میں دعا ضرور مانگے جن میں قبولیت کی امید ہو' حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ان تین وقتوں میں آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ (۱) فوجیں دشمنوں کے مقابلے میں صف آرا ہوں (۲) بارش ہو رہی ہو (۳) فرض نماز کے لئے تکبیر کہی جا رہی ہو' حضرت مجاہد کہتے ہیں کہ نمازوں کے لئے بہترین اوقات مقرر کئے گئے ہیں' فرض نمازوں سے فارغ ہونے کے بعد دعا ضرور مانگا کرو۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

الدعاء بين الاذان والاقامة لا يرد (ابوداؤد' نسائی' ترمذی۔ انسؓ)

اذان اور تکبیر کے درمیان دعا رد نہیں ہوتی۔

ایک حدیث میں ہے :-

الصائم لا ترد دعوته (ترمذی' ابن ماجہ۔ ابو ہریرہؓ)

روزہ دار کی دعا رد نہیں ہوتی۔

حقیقت یہ ہے کہ اوقات کی بہتری سے حالات بھی بہتر ہوتے ہیں' مثلاً "سحر کا وقت صفائے قلب کا وقت ہے آدمی اس وقت اخلاص کے ساتھ عبادت کر سکتا ہے' اسی طرح عرفہ اور جمعہ کے دنوں میں باری تعالیٰ کی خاص رحمتیں نازل ہوتی ہیں کیونکہ ان دنوں میں لوگ عام طور پر اللہ کی طرف متوجہ رہتے ہیں" توجہات کے اس اجتماع سے باری تعالیٰ کی رحمت کو تحریک ملتی ہے۔ اوقات کے شرف و فضل کا یہ ایک ظاہری سبب ہے' کچھ باطنی اسباب بھی ہو سکتے ہیں' جن سے انسان واقف نہیں ہے۔ سجدے کی حالت میں بھی دعائیں زیادہ قبول ہوتی ہیں حضرت ابو ہریرہؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی نقل کرتے ہیں :-

اقرب ما يكون العبد من ربه وهو ساجد فاكثروا من الدعاء (مسلم)

بندہ سجدے کی حالت میں اپنے رب سے زیادہ قریب ہوتا ہے' سجدے میں بکثرت دعائیں کیا کرو۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔

انی نهيت ان قراء القرآن راكعا اوساجدا فاما الركوع فعظموا فيه الرب تعالى' واما السجود فاجهدوا فيه فالدعاء فانه قمن ان يستجاب لكم (مسلم)

مجھے رکوع اور سجدے میں قرآن پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔ اس لئے رکوع میں اللہ تعالیٰ کی عظمت بیان کیا کرو' اور سجدے میں دعا کے لئے کوشش کیا کرو' سجدے اس لئے متعین کئے گئے ہیں کہ تمہاری دعائیں قبول ہوں۔

تیسرا ادب : یہ ہے کہ قبلہ رو ہو کر دعا کرے' اور دعا کے لئے ہاتھ اس قدر بلند کرے کہ بغلوں کی سفیدی چمکنے لگے' جابر ابن عبداللہ کی روایت ہے کہ عرفہ کے دن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم وقوف کے لئے میدان عرفات میں تشریف لائے اور قبلہ رو ہو کر دعا کرتے رہے یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ (مسلم۔ جابر' نسائی۔ اسامہ ابن زیدؓ)

حضرت سلمان الفارسیؓ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی نقل فرماتے ہیں :۔

ان ربكم حيى كريم يستحى من عبده اذا رفع يديه ان يردهما صفرا (ترمذی' ابن ماجہ' حاکم)

تمہارا رب حیا والا ہے' کریم ہے' اسے اس بات سے شرم آتی ہے کہ اس کا بندہ دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور وہ انہیں خالی لوٹا دے۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعا کے لئے اس قدر ہاتھ اٹھایا کرتے تھے کہ بغلوں کی سفیدی ظاہر ہو جاتی تھی' اور دعا میں اپنی انگلیوں سے اشارے نہیں کرتے تھے۔ (۱) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے پاس سے گزرے' وہ شخص دعا میں مشغول اور شہادت کی دونوں انگلیوں سے اشارہ کر رہا تھا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا :۔

احد احد (نسائی' ابن ماجہ' حاکم)

یعنی ایک انگلی کافی ہے۔

حضرت ابو الدرداءؓ کہتے ہیں کہ ان ہاتھوں کو زنجیروں میں قید ہونے سے پہلے دعا کے لئے اٹھالو۔۔۔ دعا کے بعد دونوں ہاتھ اپنے منہ پر پھیر لینے چاہئیں' حضرت عمر ابن الخطاب کی روایت میں ہے :۔

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا مد يديه فى الدعاء لم يردهما حتى يمسح بهما وجهه (ترمذی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب آپ دعا کے لئے ہاتھ پھیلاتے تو اپنے چہرے پر پھیرے بغیر نہ ہٹاتے۔

حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں :۔

كان صلى الله عليه وسلم اذا دعا ضم كفيه وجعل بطونهما مما يلى وجهه (طبرانی۔ بسند ضعیف)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا مانگتے تو دونوں ہتھیلیاں ملا لیتے اور ان کا اندرونی رخ اپنے منہ کی

---

(۱) یہ متفق علیہ روایت ہے' البتہ آخری کلمات "استثنا" کا حصہ ہے مسلم کی روایت میں یہ الفاظ نہیں ہیں "والا يشير باصبعه"

طرف کر لیتے۔

یہ ہاتھوں کی ہیئت کا تذکرہ تھا۔ دعا کے وقت نگاہیں آسمان کی طرف نہیں کرنی چاہئیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :۔

لینتھین اقوام عن رفع ابصارھم الی السماء عند الدعاء او لتخطفن ابصارھم
(مسلم۔ ابوہریرہؓ)

لوگ دعا کے وقت اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھانے سے باز رہیں ورنہ ان کی نگاہیں اچک لی جائیں گی۔

چوتھا ادب : یہ ہے کہ آواز پست رکھے دعا میں شور مچانے کی ضرورت نہیں ہے' حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں سفر کیا' جب آپ مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو آپ نے تکبیر کہی' لوگوں نے بھی تکبیر کہنے میں آپ کا اتباع کیا اور با آواز بلند تکبیر کہی' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔

یا ایھا الناس ان الذی تدعون لیس باصم ولا غائب' ان الذی تدعون بینکم و بین اعناق رکابکم (ابوداؤد' بخاری و مسلم)

اے لوگو! تم جس کو پکار رہے ہو وہ بہرا نہیں ہے اور نہ وہ غائب ہے' جسے تم پکار رہے ہو وہ تمہارے اور تمہاری سواریوں کی گردنوں کے درمیان ہے۔

قرآن شریف میں ارشاد فرمایا گیا :۔

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا (پ۱۵ ر۱۴ آیت ۱۱۰)

اور اپنی نماز میں نہ تو بہت پکار کر پڑھئے اور نہ بالکل چپکے چپکے ہی پڑھئے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آیت کا مقصود جہر و اخفاء سے منع کرنا ہے' اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت زکریا علیہ السلام کی ان الفاظ میں تعریف کی فرمائی۔

إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا (پ۱۶ ر۴ آیت ۳)

جب کہ انہوں نے اپنے پروردگار کو پوشیدہ طور پر پکارا۔

ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ (پ۸ ر۱۴ آیت ۵۵)

تم لوگ اپنے رب سے دعا کیا کرو تذلل ظاہر کر کے بھی اور چپکے چپکے بھی' بے شک اللہ ان لوگوں کو ناپسند کرتا ہے جو حد سے نکل جائیں۔

پانچواں ادب

یہ ہے کہ دعا میں قافیہ بندی کا تکلف نہ کرے' اس لئے کہ دعا مانگنے والے کی حالت آہ و زاری کرنے والے کے مشابہ ہے' ایسے شخص کو تکلف زیب نہیں دیتا' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :۔

سیکون قوم یعتدون فی الدعاء (ابوداؤد' ابن ماجہ' ابن حبان' حاکم۔ عبداللہ ابن مغفلؓ)

عنقریب کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو دعا میں حد سے زیادہ تجاوز کریں گے۔

بعض لوگوں نے مذکورہ بالا آیت (ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ) کی تفسیر میں کہا ہے کہ معتدین سے دعا میں قافیہ بندی کا تکلف کرنے والے مراد ہیں ـــــــ بہتر یہ ہے کہ صرف وہی دعائیں مانگے جو ماثور و منقول ہیں' غیر ماثور دعائیں مانگنے میں یہ ممکن ہے کہ آدمی حد سے تجاوز کر جائے اور وہ چیز مانگ بیٹھے جو مصلحت کے خلاف ہو' حقیقت یہ ہے کہ

ہر شخص دعا کے صحیح طریقے سے واقف نہیں، حضرت معاذ ابن جبلؓ کے بقول اہل جنت بھی علماء کی ضرورت محسوس کریں گے، جب ان سے کہا جائے گا کہ کسی چیز کی تمنا کرو تو انھیں تمنا کرنے کا سلیقہ بھی نہیں ہوگا، اس وقت علماء کے پاس جائیں گے، اور ان سے تمنا کرنے کا سلیقہ سیکھیں گے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

ایاکم والسجع فی الدعاء حسب احدکم ان یقول "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ الْجَنَّةَ وَمَاقَرَّبَ اِلَیْھَا مِنْ قَوْلٍ وَعَمَلٍ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ النَّارِ وَمَاقَرَّبَ اِلَیْھَا مِنْ قَوْلٍ وَعَمَلٍ (۱)

دعا میں سجع سے گریز کرو، تمہارے لئے بس یہ دعا کافی ہے "اے اللہ! میں تجھ سے جنت کی اور ان اقوال و اعمال کی درخواست کرتا ہوں جو جنت سے قریب کریں، اور دوزخ سے اور ان اقوال و اعمال سے پناہ چاہتا ہوں جو دوزخ سے قریب کریں۔

ایک بزرگ کسی واعظ کے پاس سے گزرے، وہ دعا میں قافیہ بندی کر رہا تھا، بزرگ نے فرمایا: تم اللہ کے سامنے فصاحت و بلاغت کا مظاہرہ کر رہے ہو، میں نے حبیب عجمی کی دعا سنی ہے، وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا کرتے تھے:۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا جَیِّدِیْنَ، اَللّٰھُمَّ لَا تَفْضَحْنَا یَوْمَ الْقِیَامَةِ، اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِلْخَیْرِ

اے اللہ! ہمیں خالص بنایئے، اے اللہ! ہمیں قیامت کے روز رسوا مت کرنا، اے اللہ ہمیں خیر کی توفیق عطا کر۔

حبیب عجمی کی دعاؤں کی برکات مشہور ہے، کہتے ہیں کہ جب وہ دعا کرتے تھے تو لوگوں کی ایک بڑی تعداد دعا میں شریک ہوتی تھی۔ ایک بزرگ کہتے ہیں: "ذلت اور عجز و انکساری کے ساتھ دعا کرو، فصاحت بیانی اور شستہ زبانی مت کرو"۔ علماء اور بزرگان دین کا طریقہ یہ تھا کہ وہ دعا میں سات سے زیادہ جملے استعمال نہ کرتے تھے، چنانچہ قرآن کریم سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے، سب سے طویل دعا سورۂ بقرہ کے آخری رکوع میں ہے، اور وہ بھی سات جملوں سے زیادہ نہیں ہے۔

سجع سے مراد یہ ہے کہ آدمی جملے بنانے اور ادا کرنے میں تکلف سے کام لے، یہ صورت ذلت و انکساری کے مناسب نہیں ہے، مقفیٰ عبارتیں مطلقاً ممنوع نہیں ہیں، اس لئے کہ قوافی کا استعمال ان دعاؤں میں بھی ہے جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں، مگر ان دعاؤں میں بیساختگی ہے، تکلف اور بناوٹ نہیں ہے، مثال کے طور پر یہ دعا ملاحظہ فرمایئے:۔

اَسْأَلُکَ الْاَمْنَ یَوْمَ الْوَعِیْدِ وَالْجَنَّةَ یَوْمَ الْخُلُوْدِ مَعَ الْمُقَرَّبِیْنَ الشُّھُوْدِ وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ الْمُوْفِیْنَ بِالْعُھُوْدِ اِنَّکَ رَحِیْمٌ وَّدُوْدٌ وَاِنَّکَ تَفْعَلُ مَا تُرِیْدُ

میں امن وامان کی درخواست کرتا ہوں وعید کے دن! اور جنت کی درخواست کرتا ہوں ہمیشگی کے دن مقرب بندوں کے ساتھ، شاہدین کے ساتھ، رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے ساتھ اور ان لوگوں کے ساتھ جو عہد پورا کرتے ہیں، بے شک تو رحیم ہے، محبوب ہے تو کرتا ہے جو چاہتا ہے۔

اس طرح کی متعدد دعائیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں، اگر کوئی شخص منقول دعائیں نہ پڑھنا چاہتا ہے تو تضرع اور انکساری کے ساتھ دعا کرے، الفاظ میں قافیہ بندی اور سجع کی کوشش نہ کرے، صرف ان جملوں پر اکتفا کرے جو بے ساختہ زبان سے نکلیں۔ اللہ تعالیٰ کو عبارت آرائی کے بجائے تضرع اور انکساری پسند ہے۔

---

(۱) ان الفاظ میں یہ روایت غریب ہے، البتہ ابن عباسؓ کی ایک روایت بخاری میں ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:۔ "وانظر السجع من الدعاء فاجتنبہ فانی عہدت اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یفعلون الا ذلک" روایت میں مذکور دعا ابن ماجہ اور حاکم میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔

چھٹا ادب : یہ ہے کہ دعا میں تضرع، خشوع، رغبت اور خوف ہو، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔
اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا (پ ۱۷، ر ۷، آیت ۹۰)
یہ سب لوگ نیک کاموں میں دوڑتے تھے اور امید و بیم کے ساتھ ہمیں پکارتے تھے۔
ایک جگہ ارشاد فرمایا:۔
اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً (پ ۸ ر ۱۴ آیت ۵۵)
تم لوگ اپنے رب سے دعا کیا کرو تذلل ظاہر کر کے بھی اور چپکے چپکے بھی۔
سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔
اذا احب اللہ عبدا ابتلاہ حتی یسمع تضرعہ (۱) (ابو منصور الدیلمی۔ انسؓ)
جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو چاہتا ہے تو اسے آزمائش میں مبتلا کر دیتا ہے تاکہ اسکی گریہ وزاری سنے۔

ساتواں ادب : یہ ہے کہ قبولیت کے یقین کے ساتھ دعا کرے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔
(۱) لا یقل احدکم اللہم اغفر لی ان شئت اللہم ارحمنی ان شئت لیعزم المسألۃ فانہ لا مکرہ لہ (بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہؓ)
جب تم دعا کرو تو یہ مت کہا کرو اے اللہ اگر تو چاہے تو میری مغفرت فرما، اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم کر، درخواست یقینی ہونی چاہیے کیوں کہ اس پر کوئی زبردستی کرنے والا نہیں ہے۔
(۲) اذا دعا احدکم فلیعظم الرغبۃ فان اللہ لا یتعاظمہ شئی (ابن حبان۔ ابو ہریرہؓ)
جب تم دعا کرو تو رغبت زیادہ رکھو اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی چیز بڑی نہیں ہے۔
(۳) ادعوا اللہ وانتم موقنون بالاجابۃ واعلموا ان اللہ لا یستجیب دعاء من قلب غافل (ترمذی۔ ابو ہریرہؓ)
اللہ سے قبولیت کے یقین کے ساتھ دعا مانگو، اور یہ بات جان لو کہ اللہ تعالیٰ غافل دل کو قبول نہیں کرتا۔
سفیان ابن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ جب تم دعا کرو تو یہ مت سمجھو کہ ہم گنہگار ہیں، ہماری دعا قبول نہیں ہوگی، مخلوق میں شیطان سے بڑا گنہگار اور مجرم کون ہوگا اللہ تعالیٰ نے اسکی دعا بھی رد نہیں فرمائی، ارشاد ہے:۔
قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ (پ ۱۴، ر ۳ آیت ۳۶۔ ۳۷)
(شیطان نے) کہا تو پھر مجھ کو مہلت دیجئے قیامت کے دن ارشاد ہوا تو (جا) تجھ کو مہلت دی گئی۔

آٹھواں ادب : یہ ہے کہ دعا میں مبالغہ نہ کرے، اور دعا کے الفاظ تین بار کہے، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تین مرتبہ دعا فرماتے، اور تین مرتبہ سوال کرتے۔ (بخاری و مسلم)۔ اگر دعا کی قبولیت میں تاخیر ہو تو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔
یستجاب لاحدکم مالم یعمل، فیقول قد دعوت فلم یستجب لی، فاذا دعوت

---

(۱) (طبرانی میں یہ روایت ابو امامہؓ سے ان الفاظ میں منقول ہے۔ "ان اللہ یقول للملائکۃ انطلقوا الی عبدی فصبوا علیہ البلاء فانی احب ان اسمع صوتہ")

فاسأل اللہ کثیر افانک تدعوا کریما (بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہ)

تمہاری دعا اس وقت قبول ہوگی جب تم جلدی نہ کروگے اور یہ نہ کہوگے کہ میں نے دعا کی تھی مگر قبول نہیں ہوئی' جب دعا کرو تو بار بار سوال کرو اس لئے کہ تم رب کریم سے دعا کررہے ہو۔

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں ایک سال سے دعا کررہا ہوں' مگر ابھی تک قبولیت نصیب نہیں ہوئی' اس کے باوجود مایوس نہیں ہوں' وہ دعا یہ ہے کہ اے اللہ مجھے لایعنی اور لغو کاموں سے بچنے کی توفیق عطا فرما۔

ایک روایت میں ہے:۔

اذا سال احد کم مسالة فتعرف الاجابة فلیقل اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ وَمن ابطاعنه من ذلک شئی فلیقل اَلْحَمْدُلِلّٰهِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ (بیہقی فی الدعوات۔ ابو ہریرہ)

جب تم میں سے کوئی شخص دعا مانگے' اور قبولیت کے آثار ظاہر ہوجائیں تو یہ کہے "تمام تعریفیں اس ذات پاک کے لئے ہیں جس کی نعمت سے نیکیاں تمام ہوتی ہیں" اور اگر قبولیت میں کچھ تاخیر ہوجائے تو یہ کہے "ہر حال میں اللہ کا شکر ہے"۔

نواں ادب : یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دعا کی ابتدا کرے' سلمہ ابن الاکوع فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہیں سنا کہ آپ نے دعا کی ہو اور شروع میں یہ الفاظ نہ کہے ہوں:۔

سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلَی الْوَهَّابُ (احمد' حاکم)

پاک ہے میرا رب عظیم' عطا کرنے والا۔

ابو سلیمان دارانیؒ کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ سے کچھ مانگنا چاہے اسے اپنی دعا کے اول و آخر درود شریف پڑھنا چاہیے' اس لئے کہ اللہ تعالیٰ دونوں درود قبول کریں گے' رب کریم کی شان رحمت سے یہ بعید ہے کہ دونوں درود قبول فرمالیں اور دونوں کے درمیان کی دعائیں رد فرمادیں' ابو طالب مکی کی ایک روایت میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جب تم دعا کرو تو ابتداء میں مجھ پر درود ضرور پڑھا کرو' اسلئے کہ اللہ کی شان کرم سے یہ امر بعید ہے کہ اس سے دو دعائیں کی جائیں اور وہ ایک دعا رد کردے' اور دوسری دعا قبول کرلے۔ (۱)

دسواں ادب : اس کا تعلق باطن سے ہے' قبولیت کا اصل اور قریب ترین سبب یہ ہے کہ بارگاہ خداوندی میں صدق دل سے توبہ کرے اور حقداروں کے حقوق ادا کرے۔ کعب ابن احبارؒ روایت کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک مرتبہ زبردست قحط پڑا' حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ساتھ تین بار شہر سے باہر تشریف لے گئے' اور بارش کے لئے دعا کی' لیکن دعا قبول نہیں ہوئی' اللہ تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ وحی مطلع فرمایا کہ میں تمہاری قوم کی دعا قبول نہیں کروں گا' کیوں کہ تم لوگوں میں ایک شخص چغل خوری کی عادت میں مبتلا ہے' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: یا اللہ ہمیں بتلا دیجئے وہ شخص کون ہے؟ تاکہ ہم اسے الگ کردیں' فرمایا: اے موسیٰ! میں تمہیں چغلخوری سے منع کررہا ہوں' اور خود اس میں مبتلا ہوجاؤں' یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ تم سب بارگاہ ایزدی میں اس خبیث عادت سے توبہ کرو' سب نے توبہ کی' تب بارش ہوئی اور پوری قوم کو قحط سے نجات ملی' سعید ابن جبیرؒ کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے کسی بادشاہ کے زمانے میں زبردست قحط پڑا' لوگوں نے

---

(۱) یہ روایت حضرت ابو الدرداءؓ پر موقوف ہے

بارش کے لئے دعا مانگیں، لیکن در قبولیت وا نہ ہوا، بادشاہ نے کہا: اے اللہ یا تو باران رحمت عطا کر ورنہ ہم تجھے تکلیف پہنچائیں گے، لوگوں نے دریافت کیا: تم اللہ کو کس طرح تکلیف پہنچا سکتے ہو، وہ آسمان میں ہے، تم یہاں زمین پر ہو؟ بادشاہ نے جواب دیا ہم اس کے نیک بندوں اور دوستوں کو قتل کردیں گے، ان کا قتل اس کی ایذا کا باعث ہوگا، راوی کہتے ہیں کہ بادشاہ کے ان گستاخانہ کلمات کے بعد زبردست بارش ہوئی، سفیان ثوریؒ روایت کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل ایک مرتبہ سات برس تک مسلسل قحط کے عذاب میں گرفتار رہے، نوبت مردار جانوروں اور معصوم بچوں کو کھانے تک جا پہنچی لوگ بھوک کی سوزش سے تڑپ کر پہاڑوں میں چلے جاتے، اور وہاں گریہ وزاری کرتے، اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے پیغمبروں کو بذریعہ وحی مطلع کیا کہ تم میں سے کسی بھی مانگنے والے کی دعا قبول نہیں کروں گا، اور نہ کسی رونے والے پر رحم کروں گا، چاہے تم میری طرف اتنا چلو کہ تمہارے زبانیں تھک جائیں، ہاں اگر تم نے حقداروں کے حقوق ادا کردئے تو تمہیں اس عذاب سے نجات دیدی جائے گی، لوگوں نے حکم الہی کی تعمیل کی، اسی روز بارش ہوئی، اور لوگوں نے سکون کا سانس لیا۔ مالک ابن دینارؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ بنی اسرائیل باران رحمت کی دعا مانگنے کے لئے شہر سے باہر گئے، اللہ تعالیٰ نے ان کے پیغمبر سے فرمایا کہ اپنی قوم سے کہہ دو کہ تم ناپاک جسموں کے ساتھ میرے سامنے حاضر ہوئے ہو، اور دعا کے لئے وہ ہاتھ پھیلا رہے ہو جن سے تم نے ناحق خون بہایا ہے، اور حرام رزق سے پیٹ بھرا ہے، دور ہوجاؤ، میں اب تم سے زیادہ ناراض ہوں، ابو الصدیق ناجی بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی قوم کی معیت میں باران رحمت کی طلب کے لئے شہر سے باہر تشریف لے جارہے تھے، راستے میں آپ نے دیکھا کہ ایک چیونٹی آسمان کی طرف پاؤں اٹھائے ہوئے یہ دعا کررہی ہے "اے اللہ! ہم بھی تیری مخلوق ہیں، اور ہمیں بھی تیرے رزق کی ضرورت ہے، دوسروں کے گناہوں کی پاداش میں ہم ناکردہ گناہوں کو ہلاک نہ کر"۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: لوگو! واپس چلو، اب تمہاری دعا کی ضرورت نہیں رہی۔ اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ لوگ بارش کی دعا کے لئے جمع ہوئے، بلال ابن سعدؒ نے کھڑے ہوکر اللہ عزوجل کی حمد وثنا بیان کی، اور لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا "حاضرین مجلس! تم اپنی خطاؤں کا اقرار کرتے ہو یا نہیں؟ لوگوں نے عرض کیا: بے شک ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں۔ بلال ابن سعیدؒ نے کہا کہ اے اللہ! تونے اپنی کتاب میں ارشاد فرمایا ہے:۔

مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِن سَبِيلٍ (پ ۱۰ر ۱۸ آیت ۹۱)

ان نیکوکاروں پر کسی قسم کا کوئی الزام (عائد) نہیں۔

ہم اپنے گناہوں کے معترف ہیں، تیری مغفرت ہم ہی جیسے لوگوں کے لئے ہے، اے اللہ! ہماری مغفرت کر، ہم پر رحم فرما، اور باران رحمت عطا کر، بلال ابن سعدؒ کے ساتھ حاضرین نے بھی دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے، رحمت خداوندی کو جوش آیا، اور اسی وقت پانی برسا۔ مالک ابن دینارؒ سے لوگوں نے عرض کیا: ہمارے لئے بارش کی دعا کیجئے، فرمایا: تم بارش میں دیر سمجھتے ہو، اور میں پتھر برسنے میں دیر سمجھ رہا ہوں، مطلب یہ ہے کہ ہمارے اعمال ایسے کہاں کہ بارش ہو، غنیمت یہ ہے کہ پتھر نہیں برس رہے ہیں۔ روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ساتھ بارش کی دعا کے لئے باہر تشریف لے گئے، جب جنگل میں پہونچے تو لوگوں سے ارشاد فرمایا: تم میں سے جس شخص نے بھی گناہ کیا ہو تو وہ واپس چلا جائے، یہ سن کر تمام لوگ واپس ہوگئے، صرف ایک شخص رہ گیا، عیسیٰ علیہ السلام نے اس شخص سے دریافت فرمایا: کیا تم نے کوئی گناہ نہیں کیا؟ اس نے عرض کیا: بخدا مجھے نہیں معلوم کہ میں نے کوئی گناہ کیا ہے یا نہیں، البتہ ایک روز ایسا ہوا کہ میں نماز پڑھ رہا تھا، قریب سے ایک عورت گزری، میں نے اسے اپنی اس آنکھ سے دیکھ لیا، جب وہ چلی گئی تو میں نے انگلی کے ذریعہ آنکھ نکالی، اور اس عورت کے پیچھے پھینک دی، عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تم دعا کرو میں آمین کہوں گا، راوی کہتے ہیں کہ اسی وقت آسمان پر ابر چھا گئے، اور زبردست بارش ہوئی۔ یحیٰ الغسانی کہتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں لوگ قحط سالی میں مبتلا ہوئے، دعائے استسقاء کے لئے تین بزرگ علماء منتخب کئے گئے، اور ان کی سرکردگی میں لوگوں کا قافلہ جنگل میں پہنچا۔ ایک عالم نے یہ دعا کی "اے اللہ! تو نے توراۃ میں فرمایا ہے کہ جو ہم پر ظلم کرے

ہم اسے معاف کردیں' اے اللہ! ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا تو ہمیں معاف فرما" دوسرے عالم نے عرض کیا اے اللہ! تونے توراۃ میں ارشاد فرمایا ہے کہ اپنے غلاموں کو آزاد کرو' الٰہی! ہم تیرے غلام ہیں ہمیں آزادی عطا کر"۔ تیسرے عالم نے کہا "اے اللہ! توراۃ میں تونے ہمیں حکم دیا ہے کہ جب ہمارے دروازوں پر مساکین آئیں' اور دست سوال دراز کریں تو ہم انھیں مایوس نہ کریں' الٰہی! ہم تیرے مساکین ہیں' تیرے دروازے پر سجدہ ریز ہیں' ہمیں محروم نہ کر' ہماری دعائیں قبول فرما"۔ کہتے ہیں کہ یہ دعائیں قبول ہوئیں' اور لوگوں کو خشک سالی سے نجات ملی' عطا' سلمی کہتے ہیں کہ ایک سال زبردست قحط پڑا' ہم سب لوگ بارش کی دعا کے لئے آبادی سے باہر پہنچے' قبرستان میں اچانک سعدون مجنوں سے ملاقات ہوگئی' انھوں نے مجھ سے دریافت کیا: عطاء! کیا قیامت کا دن ہے۔ یا قبروں سے لوگ نکل کھڑے ہوئے ہیں؟ میں نے عرض کیا: "نہ قیامت کا دن ہے' اور نہ قبروں سے لوگ نکلے ہیں' یہ تو شہر کے لوگ ہیں جو بارش کی دعا کے لئے آئے ہیں" سعدون نے پوچھا: "کون سے دلوں سے دعا مانگنے آئے ہو۔ آسمانی دلوں سے یا زمینی دلوں سے؟" میں نے جواب دیا: "آسمانی دلوں سے" انھوں نے کہا "اے عطاء! لوگوں سے کہو کہ وہ کھوٹے سکے نہ چلائیں' پرکھنے والا بڑا بینا ہے وہ تمہارے دام فریب میں گرفتار نہیں ہوگا" پھر انھوں نے آسمان کی طرف دیکھا اور رب کائنات کے حضور یہ دعا کی "اے اللہ! تو اپنے بندوں کے گناہوں کی وجہ سے اپنے شہروں کو برباد مت کر' بلکہ اپنے اسمائے مکنون کے صدقے میں' اور ان نعمتوں کے طفیل میں جو پردۂ غیب سے ظاہر نہیں ہوئیں' بکثرت میٹھا پانی عطا فرما' تاکہ اس پانی کے ذریعہ تیری زمین سیراب ہو' اور تیرے بندے اپنی پیاس بجھائیں' تو ہر چیز پر قادر ہے" راوی کہتے ہیں کہ سعدون ابھی دعا ختم بھی نہ کرپائے تھے کہ آسمان پر بادل گرجنے لگے' اور موسلا دھار بارش شروع ہوگئی' سعدون یہ کہتے ہیں ہوئے چل دئے۔

افلح الزاهدونا والعابدونا اذا لمو لا هم اجاعوا البطونا
اسهروا الاعين العليلة حبا فانقضى ليلهم وهم ساهرونا
شغلتهم عبادة الله حتى حسب الناس ان فيهم جنونا

(ترجمہ: زاہد و عابد لوگ فلاح یاب ہوئے' کیونکہ انھوں نے اپنے رب کے لئے فاقہ کشی کی ہے' وہ اپنی بیمار آنکھوں کو حق کی محبت کے لئے نیند سے دور رکھتے ہیں' رات گزر جاتی ہے اور وہ جاگتے رہتے ہیں' اللہ کی عبادت میں اس قدر مشغول ہیں کہ لوگ ان کو پاگل سمجھتے ہیں)۔

حضرت ابن المبارک فرماتے ہیں کہ ایک سال شدید قحط پڑا۔ اسی دوران میں مدینہ منورہ میں حاضر ہوا' لوگ خشک سالی سے پریشان تھے' اور دعا کے لئے آبادی سے باہر جارہے تھے' میں بھی ساتھ ہولیا' دعا کے وقت میں نے اپنے پہلو میں ایک حبشی غلام کو بیٹھے ہوئے دیکھا' اس نے ایک موٹی چادر' اپنی ٹانگوں کے ارد گرد لپیٹ رکھی تھی' اور ایک چادر شانے پر ڈال رکھی تھی' وہ شخص یہ دعا کررہا تھا "اے اللہ گناہوں کی وجہ سے یہ صورتیں تیرے نزدیک ذلیل ہوگئی ہیں' اور تونے ان کی سرزنش کے لئے بارش کا سلسلہ منقطع کردیا ہے' اے حلیم! اے مشفق و مہربان! اور اے وہ ذات کہ بندوں کو اس عفو و احسان کی توقع ہے! میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں' کہ تو انھیں ابھی اور اسی وقت پانی عطا کر"۔ ابن المبارک کہتے ہیں کہ وہ شخص یہ دعا کرہی رہا تھا کہ آسمان پر بادل چھاگئے اور ہر طرف پانی ہی پانی نظر آنے لگا' میں اس صورت حال سے متاثر ہو کر فضیلؒ کے پاس پہنچا' فضیلؒ نے مجھ سے کہا: کیا بات ہے؟ تم اداس نظر آرہے ہو؟ میں نے انھیں واقعہ سنایا' اور کہا کہ یہ غلام ہم پر بازی لے گیا' افسوس! ہم پیچھے رہ گئے' فضیلؒ پر اس واقعہ کا اتنا اثر ہوا کہ وہ رونے لگے' اور روتے روتے بے ہوش ہوگئے۔ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے باران رحمت کی دعا کے لئے کہا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ دعا کی:۔ "اے اللہ! آسمانی مصیبتیں گناہوں کی وجہ سے نازل ہوتی ہیں' اور توبہ و استغفار سے دور ہوجاتی ہیں' لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے میری قرابت کی وجہ سے مجھے تیرے سامنے کردیا ہے' یہ ہمارے ہاتھ ہیں جو گناہوں کے اعتراف میں پھیلے ہوئے

ہیں' اور یہ ہماری پیشانیاں ہیں جو ندامت کے بوجھ سے جھکی ہوئی ہیں' تو وہ نگہبان ہے جو گم کردہ راہ سے بے خبر نہیں رہتا ہے' اور شکستہ حال کو ضائع نہیں کرتا' اب چھوٹے تضرع کر رہے ہیں' بڑے رو رہے ہیں' اور گریہ و زاری کی آوازیں بلند ہو رہی ہیں' اے رب کریم! تو ہر پوشیدہ بات سے واقف ہے' اے اللہ! اپنی رحمت کے طفیل میں انھیں پانی عطا کر' اس سے پہلے کہ وہ مایوس ہو کر ہلاک ہو جائیں' تیری رحمت سے کافروں کے علاوہ کوئی مایوس نہیں ہوتا"۔ راوی کہتے ہیں کہ ابھی آپ نے دعا ختم بھی نہیں کی تھی کہ بارش ہو گئی۔

درود شریف کے فضائل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کی فضیلت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (پ ۲۲ ر ۴ آیت ۵۶)

بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں ان پیغمبر پر اے ایمان والو! تم بھی آپ پر رحمت بھیجا کرو' اور خوب سلام بھیجا کرو۔

اس سلسلے کی روایات یہ ہیں:۔

(۱) حضرت ابو طلحہؓ کہتے ہیں کہ ایک روز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے' چہرۂ مبارک پر بشارت کا نور تھا' ارشاد فرمایا:۔

(۱) جاءنی جبرئیل علیہ السلام' فقال: اما ترضی یا محمد ان لا یصلی علیک احد من امتک صلاۃ واحدۃ الا صلیت علیہ عشرا ولا یسلم علیک احد من امتک الا سلمت علیہ عشرا (نسائی' ابن حبان۔ باسناد جید)

میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہنے لگے: اے محمد! کیا آپ اس بات سے خوش نہیں ہیں کہ آپ کی امت میں سے جو شخص آپ پر ایک مرتبہ درود پڑھے میں اسکے لئے دس مرتبہ رحمت کی دعا کروں' اور جو شخص آپ کی امت میں سے ایک مرتبہ آپ پر سلام بھیجے میں اسکے لئے دس بار سلامتی کی دعا کروں۔

(۲) من صلی علی صلت علیہ الملائکۃ ما صلی' فلیقل عبد من ذلک او لیکثر' (بیہقی' طبرانی۔ عامر ابن ربیعہؓ۔ باسناد ضعیف)

جو شخص مجھ پر درود پڑھتا ہے فرشتے اس کے حق میں اس وقت تک دعائے رحمت کرتے ہیں جب تک وہ اپنے عمل میں مصروف رہتا ہے' اب یہ بندے پر موقوف ہے کہ زیادہ درود پڑھے یا کم پڑھے۔

(۳) ان اولی الناس بی اکثرھم علی صلاۃ (ترمذی۔ ابن مسعودؓ)

لوگوں میں مجھ سے زیادہ قریب وہ شخص ہے جو مجھ پر سب سے زیادہ درود پڑھتا ہے۔

(۴) بحسب امری من البخل ان اذکر عندہ فلا یصلی (۱)

آدمی کے بخیل ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ درود نہ پڑھے۔

---

(۱) یہ الفاظ قاسم ابن اصبغ نے حسن بن علیؓ سے روایت کئے ہیں' اسی مضمون کی ایک روایت حسین بن علیؓ سے نسائی' ابن حبان' اور ترمذی میں منقول ہے' اس کے الفاظ یہ ہیں "البخیل من ذکرت عندہ فلم یصلی علی"۔

(۶) من صلی علی من امتی کتبت له عشر حسنات ومحیت عنه عشر سیئات (۱)

میری امت میں سے جو شخص مجھ پر درود پڑھے گا اسکے لئے دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کی دس برائیاں مٹادی جائیں گی۔

(۷) من قال حین یسمع الاذان والاقامة: "اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ وَاَعْطِهِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيْعَةَ وَالشَّفَاعَةَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" حلت له شفاعتی (۲)

جو شخص اذان اور تکبیر سن کر یہ دعا پڑھے۔

اللّٰھم رب ھذہ الدعوۃ الخ اسکے لئے میری شفاعت واجب ہوگی۔

(۸) من صلی علی فی کتاب لم تزل الملائکة یستغفرون له مادام اسمی فی ذلک الکتاب (طبرانی ابوالشیخ مستغفری۔ ابو ہریرہؓ بسند ضعیف)

جو شخص کسی کتاب (تحریر) میں مجھ پر درود پڑھے فرشتے اسکے لئے اس وقت تک دعائے رحمت کرتے رہیں گے جب تک کہ میرا نام اس کتاب میں رہے گا۔

(۹) ان فی الارض ملائکة سیاحین یبلغونی عن امتی السلام (۳)

زمین میں کچھ گھومنے والے فرشتے ہیں جو مجھ تک میری امت کا سلام پہنچاتے رہتے ہیں۔

(۱۰) لیس احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی ارد علیه السلام (ابوداؤد۔ ابو ہریرہؓ۔ سند ضعیف)

جب کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالٰی میری روح واپس فرمادیتے ہیں تاکہ میں اسکے سلام کا جواب دے سکوں۔

(۱۱) کسی صحابیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم آپ پر کس طرح درود پڑھا کریں؟ فرمایا: یہ کہا کرو:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَعَلٰی آلِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّاتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ اِنَّکَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (بخاری و مسلم۔ ابو حمید الساعدیؓ)

اے اللہ! رحمت نازل کیجئے اپنے بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر، آپ کی آل و اولاد پر، اور آپ کی

---

(۱) عمرو ابن دینار کی یہ روایت نسائی نے "الیوم واللیلۃ" میں اس اضافے کے ساتھ نقل کی ہے "مخلصا من قلبہ صلی اللہ علیہ بہا عشر صلوات ورفعہ بہا عشر درجات" ابن حبان نے بھی انسؓ سے یہی مضمون نقل کیا ہے، لیکن اس میں اخلاص قلب، رفع درجات اور محو سیئات کا ذکر نہیں ہے۔ (۲) بخاری بروایت جابرؓ۔ لیکن اس میں تکبیر کا ذکر نہیں ہے، اور نہ "صلی علی محمد عبدک ورسولک" اور "حلت له الشفاعة" کے الفاظ ہیں، البتہ ابن وہب نے یہ تمام اضافے روایت کئے ہیں، تقریباً یہی مضمون حسن ابن علی معمری نے الیوم واللیلۃ میں ابو الدرداءؓ سے اور مستغفری نے کتاب الدعوات میں ابو رافعؓ سے روایت کیا ہے، مسلم میں عبد اللہ ابن عمرؓ کی حدیث ہے "اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل مایقول، ثم صلوا، ثم سلوا اللہ لی الوسیلة" وفیه فمن سال الوسیلة حلت علیه الشفاعة (۳) یہ روایت کتاب الحج کے آخری باب میں گزری ہے۔

ازواج مطہرات پر جس طرح آپ نے ابراہیم علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کی اولاد پر رحمت نازل کی ہے' اور برکت نازل کیجئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر' آپ کی آل و اولاد پر' اور آپ کی ازواج مطہرات پر جس طرح آپ نے برکت نازل کی ہے ابراہیم علیہ السلام پر بے شک تو لائق حمد بزرگ و برتر ہے۔

روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد لوگوں نے حضرت عمرؓ کو رو رو کر یہ کہتے ہوئے سنا "یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں' ایک درخت کا تنا تھا جس پر کھڑے ہو کر آپ خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے' جب مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا تو آپ نے منبر تعمیر کرایا' تاکہ دور تک آواز سنی جاسکے' درخت کا وہ تنا آپ کی جدائی برداشت نہ کرسکا' اور اس غم میں اس قدر رویا کہ حاضرین نے اسکی آواز سنی' جب آپ نے دست مبارک اس پر رکھا تو وہ خاموش ہوگیا' آپ کے پردہ فرمالینے کے بعد آپ کی امت کو یہ رونا زیادہ زیب دیتا ہے' یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں' خدا تعالیٰ کے نزدیک آپ کا درجہ اتنا عظیم ہے کہ اس نے آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے' ارشاد ہے:۔

مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (پ۵ ر۸ آیت ۸۰)

جس شخص نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا تعالیٰ کی اطاعت کی۔

یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں' خدا تعالیٰ کے یہاں آپ کا درجہ اس قدر بلند ہے کہ اس نے آپ کے تمام قصور معاف کردیئے ہیں' اور اظہار سے پہلے ہی عفو و مغفرت کا اعلان کردیا ہے:۔

عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذِنْتَ لَهُمْ (پ۱۰ ر۱۳ آیت ۴۳)

اللہ نے آپ کو معاف (تو) کردیا (لیکن) آپ نے ان کو اجازت کیوں دی تھی۔

یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔ اللہ کے نزدیک آپ کا مرتبہ اتنا بلند ہے کہ آپ کو تمام انبیاء کے آخر میں مبعوث فرمایا' اور اپنی کتاب میں آپ کا تذکرہ سب سے پہلے کیا:۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ (پ۲۱ ر۱۷ آیت ۷)

اور جب کہ ہم نے تمام پیغمبروں سے ان کا اقرار لیا' اور آپ سے بھی' اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور ابن مریم سے بھی۔

یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں' خدا تعالیٰ کے نزدیک آپ اتنے عظیم ہیں کہ دوزخ کے عذاب میں گرفتار لوگ یہ تمنا کریں گے کہ کاش! ہم نے آپ کی اطاعت کی ہوتی' قرآن پاک میں ان کی اس تمنا کی حکایت ذیل کے الفاظ میں کی گئی ہے:۔

يَقُولُونَ يَا لَيْتَنَا أَطَعْنَا اللَّهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُولَا (پ۲۲ ر۵ آیت ۶۶)

یوں کہتے ہوں گے اے کاش ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی' اور ہم نے رسول کی اطاعت کی ہوتی۔

یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں' اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک پتھر عطا کیا تھا جس سے نہریں بہا کرتی تھیں' یہ معجزہ آپ کے اس معجزہ سے زیادہ عجیب نہیں تھا کہ آپ کی انگلیوں سے پانی کا چشمہ جاری ہوا تھا' یا رسول اللہ! آپ پر اللہ کی رحمت ہو' آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں' اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو ہوا کا معجزہ عطا فرمایا' مگر یہ معجزہ آپ کے اس معجزہ کے مقابلے میں زیادہ عجیب نہیں تھا کہ آپ نے رات کو براق کے ذریعہ ساتویں آسمان تک سفر کیا' اور اسی صبح ابطح میں نماز ادا فرمائی' آپ پر اللہ کی رحمت ہو یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں' اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مردوں کو زندہ کرنے کا معجزہ عطا کیا تھا' یہ معجزہ آپ کے اس معجزہ سے زیادہ حیرت انگیز نہیں تھا کہ بکری کے بھنے ہوئے زہر آلود گوشت نے آپ سے یہ عرض کیا کہ مجھے نہ کھایئے' مجھ میں زہر ملا دیا گیا ہے' یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں' نوح

علیہ السلام نے اپنی قوم کے لئے یہ دعا کی تھی۔

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا (پ ۲۹ ر ۱۰ آیت ۲۶)

اے میرے پروردگار! کافروں میں سے زمین پر ایک باشندہ بھی مت چھوڑ۔

اگر آپ ہمارے لئے ایسی دعا فرمادیتے تو روئے زمین پر کوئی ذی نفس باقی نہ رہتا' حالانکہ بدبختوں نے آپ کو سخت ترین ایذاء پہنچائی' آپ کی پشت روندی گئی' چہرہ مبارک لہولہان کیا گیا' سامنے کے دندان مبارک شہید کئے گئے مگر آپ نے دعائے خیر ہی فرمائی:۔

اللّٰھم اغفر لقومی فانھم لا یعلمون

اے اللہ! میری قوم کی مغفرت فرمائیے یہ لوگ جانتے نہیں ہیں۔

یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں! نوح علیہ السلام کے متبعین کی تعداد ان کی درازی عمر کے باوجود بہت کم ہے' جبکہ بے شمار لوگوں نے آپ کی دعوت قبول کی' اور آپ کے نقش قدم کی پیروی کی' حالانکہ آپ کی عمر مبارک بہت کم تھی' یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں' اگر آپ اپنے برابر کے کسی شخص کو ہم نشینی کا شرف عطا فرماتے تو ہمیں یہ سعادت کب میسر آتی' اگر اپنے کسی ہمسر خاندان میں نکاح کرتے تو ہم اس دولت سے محروم رہتے' اگر آپ اپنے جیسے کسی شخص کے ساتھ تناول فرماتے تو ہمیں یہ شرف کیسے حاصل ہوتا' مگر خدا کی قسم آپ نے ہمیں ہم نشینی کا شرف بخشا' آپ نے ہمارے خاندانوں میں نکاح کرکے ناقابل بیان سعادت عطا کی' آپ نے ہمیں اپنے ساتھ کھانا کھلایا' آپ نے صوف زیب تن کیا' گدھے کی سواری کی' اپنے پیچھے دوسروں کو بٹھلایا' زمین پر رکھ کر کھانا کھایا' کھانا کھانے کے بعد انگلیاں چاٹیں' یہ آپ کی تواضع اور انکساری تھی' اللہ آپ پر اپنی رحمت نازل فرمائے (۱) ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں حدیث لکھا کرتا تھا' جب سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی آتا تو میں صرف صلاۃ پر اکتفا کرتا سلام نہ کہتا' ایک رات میں نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی' آپ نے فرمایا: تم مکمل درود کیوں نہیں پڑھتے؟ اس کے بعد میں صلاۃ کے ساتھ سلام کا التزام بھی کرنے لگا۔ ابو الحسن شافعیؒ کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا یا رسول اللہ! امام شافعیؒ نے اپنی کتاب "الرسالۃ" میں یہ کہا ہے:۔

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ كُلَّمَا ذَكَرَهُ الذَّاكِرُوْنَ وَغَفَلَ عَنْ ذِكْرِهِ الْغَافِلُوْنَ

اللہ رحمت نازل کرے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جس قدر کہ ذکر کرنے والے ان کا ذکر کریں اور غفلت

---

(۱) یہ طویل روایت اس سیاق و سباق کے ساتھ غریب ہے' تاہم اس کے مضامین صحیح سندوں کے ساتھ حدیث کی مختلف کتابوں میں منقول ہیں' کھجور کے تنے کے گریہ کا ذکر جابرؓ' اور ابن عمرؓ سے بخاری و مسلم میں ہے انگلیوں سے چشمہ پھوٹنے کی حدیث بھی بروایت انسؓ متفق علیہ ہے' لیلۃ المعراج کے سفر کی تفصیل بھی متفق علیہ ہے انسؓ راوی ہیں' مگر اس روایت میں انبیاء کی نماز کا تذکرہ نہیں ہے' زہر آلود بکری کے بولنے کی روایت ابوداؤد میں جابرؓ سے منقول ہے' سہل ابن سعد کی جو روایت بخاری و مسلم میں غزوۂ احد سے متعلق ہے اس میں چہرہ مبارک کے زخمی ہونے اور دندان مبارک کے شہید ہونے کا ذکر ہے' بیہقی نے "دلائل النبوۃ" میں آپ کی یہ دعا نقل کی ہے "اللّٰھم اغفر لقومی فانھم لا یعلمون" صحیحین میں ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ اس موقعہ پر آپ نے ایک نبی کا ذکر بھی فرمایا۔ صوف پہننے کی روایت سہل ابن سعدؓ سے طیالسی نے روایت کی ہے گدھے کی سواری' اور دوسروں کو پیچھے بٹھانے کا ذکر بخاری و مسلم میں اسامہ ابن زیدؓ کی حدیث میں ہے' کھانا زمین پر رکھ کر کھانے کی روایت حسن سے احمد نے مرسلاً نقل کی ہے' بخاری میں انسؓ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں "ما اکل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی خوان قط" کھانے سے فارغ ہونے کے بعد انگلیاں چاٹنے کی حدیث مسلم میں ہے' کعب ابن مالکؓ اور انس ابن مالکؓ اس کے راوی ہیں۔

کرنے والے ان سے غافل رہیں۔

انھیں ان الفاظ کا کیا صلہ ملا۔ آپ نے فرمایا: شافعیؒ کو ہماری طرف سے یہ صلہ ملا ہے کہ وہ قیامت کے دن حساب کے لئے کھڑے نہیں کئے جائیں گے۔

استغفار کے فضائل

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ (پ ۴ ر ۵ آیت ۱۳۵)

اور ایسے لوگ کہ جب کوئی ایسا کام کر گزرتے ہیں جس میں زیادتی ہو یا اپنی ذات پر نقصان اٹھاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کو یاد کر لیتے ہیں پھر اپنے گناہوں کی معافی چاہنے لگتے ہیں۔

علقمہؒ اور اسودؒ ابن مسعودؓ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ قرآن کریم میں دو آیتیں ایسی ہیں کہ اگر گناہ کرنے کے بعد کوئی بندہ ان کی تلاوت کرے تو اس کے گناہ معاف کر دئے جائیں' ایک آیت اوپر مذکور ہوئی' دوسری آیت حسب ذیل ہے:۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (پ ۵ ر ۱۳ آیت ۱۱۰)

اور جو شخص برائی کرے یا اپنی جان کا ضرر کرے پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہے تو وہ اللہ کو بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا پائے گا۔

اس سلسلے کی دو آیتیں یہ ہیں:۔

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا (پ ۳۰ ر ۳۵ آیت ۳)

تو اپنے رب کی تسبیح و تحمید کیجئے اور اس سے استغفار کی درخواست کیجئے وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ (پ ۳ ر ۱۰ آیت ۱۷)

اور اخیر شب میں گناہوں کی معافی چاہنے والے ہیں۔

استغفار کی فضیلت حدیث کی روشنی میں: سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ الفاظ فرمایا کرتے تھے:۔

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (حاکم) (۱)

اے اللہ! تو پاک ہے تیری پاکی بیان کرتا ہوں' تیری تعریف کے ساتھ' اے اللہ! میری مغفرت فرما' بلا شبہ تو توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

(۲) قال: من اکثر الاستغفار جعل اللہ عزوجل لہ من کل ہم فرجا و من کل غم مخرجا و رزقہ من حیث لا یحتسب (ابوداؤد' نسائی' حاکم' ابن ماجہ۔ ابن عباسؓ)

---

(۱) اسی مضمون کی ایک روایت حضرت عائشہؓ سے بخاری و مسلم میں ہے' لیکن اس میں یہ بھی ہے کہ آپ یہ الفاظ رکوع و سجود میں فرمایا کرتے تھے' اس روایت میں یہ جملہ نہیں "انک انت التواب الرحیم"۔

جو شخص کثرت سے استغفار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ہر پریشانی اور ہر غم سے نجات عطا کرتے ہیں' اور ایسی جگہ سے رزق دیتے ہیں کہ اسے خیال بھی نہ ہو۔

(۳) انی لاستغفر اللہ تعالیٰ واتوب الیہ فی الیوم سبعین مرۃ (طبرانی فی الدعاء' بخاری۔ ابو ہریرۃ)

میں اللہ تعالیٰ سے دن میں ستر مرتبہ مغفرت چاہتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔

حالانکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کردئے گئے تھے' اس کے باوجود آپ کثرت سے توبہ و استغفار کیا کرتے تھے۔

(۴) انہ لیغان علی قلبی حتی انی لاستغفر اللہ فی کل یوم مائۃ مرۃ (مسلم۔ الاغر المزنی)

میرے دل میں میل آجاتا ہے' چنانچہ میں ہر روز سو مرتبہ اللہ سے مغفرت کی دعا کرتا ہوں۔

(۵) من قال حین یاوی الی فراشہ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الْعَظِیْمَ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ ثلاث مرات غفر اللہ لہ ذنوبہ وان کانت مثل زبد البحر او عدد رمل عالج او عدد ورق الشجر او عدد ایام الدنیا (۱) (ترمذی۔ ابو سعید)

جو شخص بستر پر لیٹتے ہوئے تین مرتبہ یہ دعا کرے "استغفر اللہ الخ" تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ معاف کردیں گے چاہے وہ گناہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں' یا عالج (ریگستان) کے ذرات کے برابر ہوں' یا درختوں کے پتوں کے برابر ہوں' یا دنیا کے دنوں کے برابر ہوں۔

(۶) من قال ذلک غفرت ذنوبہ وان کان فارا من الزحف (ابوداؤد' ترمذی۔ زید مولی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ حاکم۔ ابن مسعود)

جو شخص یہ الفاظ کہے (جو حدیث ۵ میں گزرے) اس کے گناہ معاف کردئے جائیں گے اگرچہ کھنے والا میدان جنگ سے فرار ہوا ہو۔

(۷) حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے گھر والوں کو بہت سخت سست کہا کرتا تھا' ایک دن میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے ڈر ہے کہ کہیں یہ زبان مجھے دوزخ کے عذاب میں مبتلا نہ کردے' فرمایا:۔

فاین انت من الاستغفار' فانی لاستغفر و اللہ فی الیوم مائۃ مرۃ (نسائی' ابن ماجہ' حاکم) -

تم استغفار کیوں نہیں پڑھتے' میں دن میں سو مرتبہ اللہ سے مغفرت چاہتا ہوں۔

(۸) قالت عائشۃ رضی اللہ عنہا قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کنت الممت بذنب فاستغفری اللہ و توبی الیہ فان التوبۃ من الذنب الندم والاستغفار (۲)

عائشہ کہتی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے یہ ارشاد فرمایا: اگر تم کسی گناہ کے مرتکب

---

(۱) یہ روایت بخاری نے تاریخ میں بھی نقل کی ہے' مگر اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں "حین یاوی الی فراشہ" اور "ثلاث مرات"۔

(۲) بخاری و مسلم' مگر متفق علیہ روایت میں یہ الفاظ نہیں ہیں" فان التوبۃ من الذنب الندم والاستغفار" بلکہ یہ الفاظ ہیں" او توبی الیہ فان العبد اذا اعترف بذنبہ ثم تاب تاب اللہ علیہ" طبرانی کے الفاظ یہ ہیں "فان العبد اذا اذنب ثم استغفر اللہ غفر لہ"۔

ہو جاؤ تو اللہ سے مغفرت چاہ لو' اور توبہ کرلو' اس لئے کہ گناہ سے توبہ ندامت اور استغفار ہی ہے۔

(۹) سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم استغفار میں یہ فرمایا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ خَطِیْئَتِیْ وَجَهْلِیْ وَاِسْرَافِیْ فِیْ اَمْرِیْ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ جِدِّیْ وَهَزْلِیْ وَخَطَئِیْ وَعَمْدِیْ وَكُلُّ ذٰلِكَ عِنْدِیْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ وَاَنْتَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

اے اللہ! میری کوتاہی' میری نادانی' اپنے معاملے میں میری کوتاہی اور جس چیز کو مجھ سے زیادہ جانتا ہے معاف فرما دیجئے اے اللہ میرے وہ تمام گناہ معاف کر دیجئے جو میں نے سنجیدگی میں کئے ہیں یا مذاق میں جان بوجھ کر کئے یا بھول کر' یہ سب تیرے پاس موجود ہیں' اے اللہ! میرے وہ تمام گناہ معاف کر دیجئے جو میں نے پہلے کئے ہیں یا بعد میں' چھپا کر کئے ہیں یا ظاہر کر کے' اور جن سے تو مجھ سے زیادہ واقف ہے' تو ہی آگے کرنے والا ہے' تو ہی پیچھے کرنے والا ہے' اور تو ہر چیز پر قادر ہے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنتا تو مجھے حدیث سے اس قدر نفع حاصل ہوتا جس قدر میری قسمت میں اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا تھا۔ جب کوئی صحابیؓ مجھ سے حدیث بیان کرتے تھے' تو میں ان سے قسم کھانے کے لئے کہتا' جب وہ قسم کھا لیتے میں یقین کر لیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ابوبکر صدیقؓ نے مجھ سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک نقل کیا:

(۱۰) ما من عبد یذنب ذنبا فیحسن الطهور ثم یقوم فیصلی رکعتین ثم یستغفر اللہ عز وجل الا غفر اللہ له (اصحاب سنن)

جو بندہ گناہ کرے پھر اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کرے' اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی مغفرت چاہے' اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دیتے ہیں۔

(۱۱) ان المومن اذا اذنب ذنبا کانت نکتة سوداء فی قلبه' فان تاب ونزع واستغفر صقل قلبه منها' فان زاد زادت حتی تغلف قلبه فذلک الران الذی ذکره اللہ عز وجل فی کتابه "کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ"۔ (ترمذی' نسائی' ابن ماجہ' ابن حبانؒ' حاکم۔ ابو ہریرہؓ)

مومن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ داغ پیدا ہو جاتا ہے' اب اگر وہ توبہ کر لے اور اپنی حرکت سے باز آجائے تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے' اور اگر گناہوں میں مبتلا رہے تو وہ داغ اتنا بڑھ جاتا ہے کہ پورے دل پر چھا جاتا ہے' اسی کا نام ران ہے۔ جس کا ذکر قرآن پاک میں اسی طرح ہے "ہرگز (ایسا) نہیں ہے' بلکہ (اصل وجہ یہ ہے کہ) ان کے دلوں پر ان کے اعمال بد کا زنگ بیٹھ گیا ہے۔

(۱۲) ان اللہ لیرفع العبد الدرجة فی الجنة فیقول: یارب انی لی هذه' فیقول: باستغفار ولدک لک (احمد۔ ابو ہریرہؓ)

اللہ تعالیٰ جنت میں بندے کا درجہ بڑھائیں گے۔ بندہ عرض کرے گا کہ یا اللہ! میرا یہ درجہ کس طرح بڑھ گیا؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے! تیرے لئے تیرا لڑکا استغفار کرتا ہے (اسلئے یہ درجہ بڑھا)۔

عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے:

(۱۳) اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الَّذِیْنَ اِذَا اَحْسَنُوا اسْتَبْشَرُوْا وَاِذَا اَسَاءُوا اسْتَغْفَرُوْا (ابن ماجہ)
اے اللہ! مجھے ان لوگوں میں سے بنا جو اچھے کام کریں تو خوش ہوں' اور برے کام کریں تو مغفرت چاہیں۔

(۱۴) اذا اذنب العبد ذنباً فقال! اللّٰھم اغفرلی' فیقول اللّٰہ عزوجل اذنب عبدی ذنبا فعلی ان لہ ربا یاخذ بالذنب و یغفر الذنب' عبدی! اعمل ماشئت فقد غفرت لک (بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہؓ)
جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے' اور یہ کہتا ہے۔ "اے اللہ! میری مغفرت فرما" تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندہ نے گناہ کیا' اسے یہ معلوم ہے کہ اس کا ایک رب بھی ہے جو گناہ پر مواخذہ کرتا ہے اور معاف کرتا ہے' اے میرے بندے جو چاہے کر میں نے تجھے بخش دیا ہے۔

(۱۵) ما اصر من استغفر وان عاد فی الیوم سبعین مرۃ (۱) (ابوداؤد' ترمذی۔ ابوبکرؓ)
جو شخص استغفار کرتا ہے وہ گناہ پر اصرار کرنے والا نہیں کہلاتا' چاہے وہ ستر مرتبہ اس گناہ کا ارتکاب کرے۔

(۱۶) ان رجلا لم یعمل خیرا قط نظر الی السماء فقال ان لی ربا' یارب! فاغفرلی' فقال اللّٰہ عزوجل: قد غفرت لک (۲)
ایک ایسے شخص نے جس نے کبھی خیر کا کام نہیں کیا تھا' آسمان کی طرف دیکھ کر کہا میرا ایک رب ہے' یا اللہ! میرے گناہ معاف کر' اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے تجھے بخش دیا۔

(۱۷) من اذنب فعلم ان اللّٰہ قد اطلع علیہ غفر لہ وان لم یستغفر (طبرانی فی الاوسط۔ ابن مسعودؓ۔ سند ضعیف)
جس شخص نے گناہ کیا' پھر اسے یہ علم ہوا کہ اللہ اسکے گناہ سے واقف ہے تو اس کی مغفرت کردی جاتی ہے چاہے اس نے مغفرت کی دعا نہ کی ہو۔

(۱۸) یقول اللّٰہ تعالیٰ یا عبدی کلکم مذنب الا من عافیتہ' فاستغفرونی اغفر لکم ومن علم انی ذو قدرۃ علی ان اغفر لہ غفرت لہ ولا ابالی (ترمذی' ابن ماجہ۔ ابوذرؓ' مسلم بلفظ آخر)
اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے میرے بندو تم سب گناہ گار ہو' مگر جس کو میں معاف کردوں' اسلئے مجھ سے مغفرت چاہو تاکہ میں تمہاری مغفرت کردوں' اور جو شخص یہ جان لے کہ میں اسکی مغفرت کرنے پر ہوں تو میں اس کی مغفرت کردوں گا اور کوئی پرواہ نہیں کروں گا۔

(۱۹) من قال سُبْحَانَکَ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَعَمِلْتُ سُوْءً ا فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ غفرت لہ ذنوبہ ولو کانت کمدب النمل (۳)

---

(۱) قال الترمذی: الحدیث غریب واسنادہ لیس بالقوی (۲) مجھے اس کی اصل نہیں ملی (۳) بیہقی نے یہ روایت حضرت علیؓ سے کتاب الدعوات میں نقل کی ہے' ابتداء میں یہ الفاظ ہیں "قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الا اعلمک کلمات تقولھن لو کان علیک کعدد النمل او کعدد الذر ذنوبا غفرھا اللّٰہ لک" دعا کے شروع میں "لا الہ الا انت" کے الفاظ بھی ہیں۔

جو شخص یہ کہے "سبحانک ظلمت نفسی الخ" تو اس کے تمام گناہ معاف کردئے جائیں گے اگرچہ چونٹیوں کے چلنے کی جگہ کے برابر ہوں (مراد کثرت ہے)۔

(۲۰) حسب ذیل استغفار کو افضل ترین استغفار قرار دیا گیا ہے۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ وَاَنَا عَبْدُكَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَلٰی عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ عَلٰی نَفْسِیْ بِذَنْبِیْ فَقَدْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ مَا قَدَّمْتُ مِنْهَا وَمَا اَخَّرْتُ فَاِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِلَّا اَنْتَ (۱)

اے اللہ! تو میرا رب ہے' اور میں تیرا بندہ ہوں تو نے مجھے پیدا کیا ہے' میں اپنی استطاعت کے بہ قدر تیرے عہد اور وعدے پر قائم ہوں' میں تیری پناہ چاہتا ہوں اپنے کام کی برائی سے' میں تیری نعمت اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے' مجھے اپنے قصور کا اعتراف ہے' میرے اگلے پچھلے گناہ معاف فرما' اسلئے کہ تیرے علاوہ کوئی گناہ معاف نہیں کرتا۔

استغفار کی فضیلت اور آثار : خالد ابن معدان اللہ تعالٰی کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ "بندوں میں میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب وہ لوگ ہیں جو میری قربت کی وجہ سے آپس میں محبت رکھتے ہیں' انکے دل مسجدوں میں پڑے ہوئے ہیں' اور وہ سحر کے وقت مجھ سے گناہوں کی مغفرت چاہتے ہیں' یہ وہ لوگ ہیں کہ جب میں دنیا والوں کو سزا دینا چاہتا ہوں تو مجھے یہ یاد آجاتے ہیں' اور میں انکے طفیل گناہگار دنیا والوں کو معاف کردیتا ہوں' ان پر عذاب نہیں کرتا"۔ قتادہؒ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم نے تمہارا مرض بھی بتلایا ہے اور اسکے علاج کی نشاندہی بھی کی ہے' تمہارا مرض گناہ ہے' اور اسکا علاج استغفار ہے' حضرت علیؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے اس شخص پر حیرت ہوتی ہے جو نجات کے باوجود ہلاکت میں مبتلا ہوجاتا ہے' لوگوں نے عرض کیا وہ نجات کیا ہے؟ فرمایا: استغفار یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالٰی نے کسی ایسے شخص کو استغفار نہیں سکھلایا جس کی تقدیر میں عذاب لکھ دیا گیا ہو' فضیلؒ کہتے ہیں کہ استغفر اللہ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ مجھے معاف کردیجئے۔ کسی عالم کا قول ہے کہ بندہ گناہ اور نعمت کے درمیان معلق ہے' ان دونوں کی اصلاح شکر اور استغفار کے بغیر ممکن نہیں' ربیع ابن خیثمؒ نے اپنے تلامذہ کو نصیحت کی کہ تم لوگ استغفر اللہ واتوب الیہ (میں اللہ سے مغفرت چاہتا ہوں اور اسکی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں) مت کہا کرو' کیونکہ یہ جھوٹ ہے' بلکہ یوں کہا کرو اللھم اغفرلی وتب علی (اے اللہ میری مغفرت فرما' اور مجھے توبہ کی توفیق عطا فرما)۔ فضیلؒ کے بقول گناہ ترک کئے بغیر استغفار کرنا جھوٹوں کی توبہ کے مترادف ہے۔ رابعہ عدویہؒ فرماتی ہیں کہ ہمارا استغفار مزید استغفار کا محتاج ہے' مطلب یہ ہے کہ ہم دل کی غفلت کے ساتھ استغفار کرتے ہیں' یہ استغفار ہوا؟ یہ تو بڑا گناہ ہے' اس کے لئے مزید استغفار کی ضرورت ہے۔ ایک دانشور نے فرمایا کہ ندامت سے پہلے استغفار کرنے والا نادانستہ طور پر خداوند قدوس سے استہزاء کررہا ہے' ایک اعرابی کو کسی نے سنا کہ وہ کعبہ کے پردوں سے لپٹا ہوا یہ دعا کررہا ہے: "اے اللہ! گناہوں پر اصرار کے باوجود میرا استغفار کرنا جرم عظیم ہے' اور تیرے عفو و کرم کی وسعت سے واقف ہونے کے باوجود خاموش رہنا بھی کچھ کم جرم نہیں ہے' تجھے میری کوئی ضرورت نہیں ہے' مگر تو اسکے باوجود مجھے اپنی مسلسل نعمتوں سے نواز رہا ہے' اور میں اپنی بدبختی کے باعث' اپنی احتیاط کے باوجود گناہ کرکے تیرے دشمنوں میں شامل ہورہا ہوں' اے اللہ! تو وعدہ کرتا ہے تو پورا بھی کرتا ہے' ڈراتا ہے تو معاف بھی کرتا ہے' میرے گناہ عظیم کو اپنے عفو

---

(۱) یہ استغفار بخاری نے شداد بن اوسؓ سے روایت کیا ہے مگر اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں "وقد ظلمت نفسی وما اعترفت بذنبی" اور "ذنوبی ما قدمت منها اخرت فوجميعا"۔

عظیم کی پناہ میں لے لے۔ یا ارحم الرحمین!" ابو عبداللہ وراق کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص کے گناہ سمندر کے جھاگ، اور بارش کے قطرات کے برابر ہوں اور وہ رب کریم کے حضور اخلاص کے ساتھ یہ دعا کرے تو انشاء اللہ العزیز اس کے تمام گناہ معاف کردیے جائیں گے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَغْفِرُكَ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ تُبْتُ اِلَيْكَ مِنْهُ ثُمَّ عُدْتُ فِيْهِ وَاَسْتَغْفِرُكَ مِنْ كُلِّ مَا وَعَدْتُكَ بِهِ مِنْ نَفْسِيْ وَلَمْ اُوْفِ لَكَ بِهِ وَاَسْتَغْفِرُكَ مِنْ كُلِّ عَمَلٍ اَرَدْتُ بِهِ وَجْهَكَ فَخَالَطَهُ غَيْرُكَ وَاَسْتَغْفِرُكَ مِنْ كُلِّ نِعْمَةٍ اَنْعَمْتَ بِهَا عَلَيَّ فَاسْتَعَنْتُ بِهَا عَلٰى مَعْصِيَتِكَ وَاَسْتَغْفِرُكَ يَا عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ اَتَيْتُهُ فِيْ ضِيَاءِ النَّهَارِ وَسَوَادِ اللَّيْلِ فِيْ مَلَاٍ وَخَلَاءٍ وَسِرٍّ وَعَلَانِيَةٍ يَا حَلِيْمُ!

اے اللہ! میں تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں ہر اس گناہ کی جس کی میں نے تیرے حضور توبہ کی ہو اور پھر اس کا ارتکاب کیا ہو، میں تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں ہر اس عمل کی جس کا میں نے اپنے دل میں وعدہ کرلیا ہو اور پھر پورا نہ کیا ہو، اور میں تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں ہر اس عمل کی جس کے ذریعہ میں نے تیری خوشنودی کا ارادہ کیا ہو، پھر اس میں سے دوسری چیز کا اختلاط ہوگیا ہو، میں تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں ہر اس نعمت کی جس سے تو نے مجھے نوازا ہو پھر میں نے اس نعمت سے تیری نافرمانی پر مدد لی ہو، تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں اے غیب و شہود کے جاننے والے ہر اس گناہ کی جو میں نے دن کے اجالے میں کیا ہو یا رات کے اندھیرے میں مجمع عام میں کیا ہو یا خلوت میں، چھپ کر کیا ہو یا علی الاعلان، اے حلیم!

کہا جاتا ہے کہ یہ استغفار حضرت آدم علیہ السلام سے منقول ہے۔ بعض لوگ اسے حضرت خضر علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

تیسرا باب

صبح و شام سے متعلق ماثور دعائیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا: پہلی دعا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے، آپ یہ فجر کی سنتوں کے بعد پڑھا کرتے تھے۔ عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد عباسؓ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، میں شام کے وقت خدمت اقدس میں حاضر ہوا، آپ اس وقت میری خالہ حضرت میمونہؓ کے گھر تشریف رکھتے تھے، رات میں اٹھ کر آپ نے نماز پڑھی فجر کی سنتیں ادا کرنے کے بعد آپ نے یہ دعا کی:-

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِكَ تَهْدِيْ بِهَا قَلْبِيْ وَتَجْمَعُ بِهَا شَمْلِيْ وَتَلُمُّ بِهَا شَعَثِيْ وَتَرُدُّ بِهَا اُلْفَتِيْ وَتُصْلِحُ بِهَا دِيْنِيْ وَتَحْفَظُ بِهَا غَائِبِيْ وَتَرْفَعُ بِهَا شَاهِدِيْ وَتُزَكِّيْ بِهَا عَمَلِيْ وَتُبَيِّضُ بِهَا وَجْهِيْ وَتُلْهِمُنِيْ بِهَا رُشْدِيْ وَتَعْصِمُنِيْ بِهَا مِنْ كُلِّ سُوْءٍ اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِيْ اِيْمَانًا صَادِقًا وَيَقِيْنًا لَيْسَ بَعْدَهُ كُفْرٌ وَرَحْمَةً اَنَالُ بِهَا شَرَفَ كَرَامَتِكَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ الْفَوْزَ عِنْدَ الْقَضَاءِ وَمَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ وَعَيْشَ السُّعَدَاءِ وَالنَّصْرَ عَلَى الْاَعْدَاءِ وَمُرَافَقَةَ الْاَنْبِيَاءِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُنْزِلُ بِكَ حَاجَتِيْ وَاِنْ ضَعُفَ رَاْيِيْ وَقَلَّتْ حِيْلَتِيْ وَقَصُرَ عَمَلِيْ وَافْتَقَرْتُ اِلٰى رَحْمَتِكَ فَاَسْاَلُكَ يَا قَاضِيَ الْاُمُوْرِ وَيَا شَافِيَ الصُّدُوْرِ

كَمَا تُجِيرُ بَيْنَ الْبُحُورِ أَنْ تُجِيرَنِي مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ وَمِنْ دَعْوَةِ الثُّبُورِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْقُبُورِ، اللّٰهُمَّ مَا قَصُرَ عَنْهُ رَأْيِي وَضَعُفَ عَنْهُ عَمَلِي وَلَمْ تَبْلُغْهُ نِيَّتِي وَأُمْنِيَّتِي مِنْ خَيْرٍ وَعَدْتَهُ أَحَدًا مِنْ عِبَادِكَ أَوْ خَيْرٍ أَنْتَ مُعْطِيهِ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ فَإِنِّي أَرْغَبُ إِلَيْكَ فِيهِ وَأَسْأَلُكَهُ يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ۔ اللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا هَادِينَ مُهْتَدِينَ غَيْرَ ضَالِّينَ وَلَا مُضِلِّينَ حَرْبًا لِأَعْدَائِكَ وَسِلْمًا لِأَوْلِيَائِكَ نُحِبُّ بِحُبِّكَ مَنْ أَطَاعَكَ مِنْ خَلْقِكَ وَنُعَادِي بِعَدَاوَتِكَ مَنْ خَالَفَكَ، اللّٰهُمَّ هٰذَا الدُّعَاءُ وَعَلَيْكَ الْإِجَابَةُ وَهٰذَا الْجَهْدُ وَعَلَيْكَ التُّكْلَانُ، وَإِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ ذِي الْحَبْلِ الشَّدِيدِ وَالْأَمْرِ الرَّشِيدِ أَسْأَلُكَ الْأَمْنَ يَوْمَ الْوَعِيدِ وَالْجَنَّةَ يَوْمَ الْخُلُودِ مَعَ الْمُقَرَّبِينَ الشُّهُودِ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ وَالْمُوفِينَ بِالْعُهُودِ إِنَّكَ رَحِيمٌ وَدُودٌ وَأَنْتَ تَفْعَلُ مَا تُرِيدُ، سُبْحَانَ الَّذِي لَبِسَ الْعِزَّ وَقَالَ بِهِ، سُبْحَانَ الَّذِي تَعَطَّفَ بِالْمَجْدِ وَتَكَرَّمَ بِهِ، سُبْحَانَ الَّذِي لَا يَنْبَغِي التَّسْبِيحُ إِلَّا لَهُ، سُبْحَانَ ذِي الْفَضْلِ وَالنِّعَمِ، سُبْحَانَ ذِي الْقُدْرَةِ وَالْكَرَمِ، سُبْحَانَ الَّذِي أَحْصَى كُلَّ شَيْءٍ بِعِلْمِهِ، اللّٰهُمَّ اجْعَلْ لِي نُورًا فِي قَلْبِي وَنُورًا فِي قَبْرِي وَنُورًا فِي عِظَامِي وَنُورًا مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ وَنُورًا مِنْ خَلْفِي وَنُورًا عَنْ يَمِينِي وَنُورًا عَنْ شِمَالِي وَنُورًا مِنْ فَوْقِي وَنُورًا مِنْ تَحْتِي، اللّٰهُمَّ زِدْنِي نُورًا وَأَعْطِنِي نُورًا وَاجْعَلْ لِي نُورًا (۱)

اے اللہ! میں تجھ سے تیری اس رحمت کی درخواست کرتا ہوں جس کے ذریعہ تو میرے دل کو ہدایت کرے، میرا شیرازہ اکٹھا کرے، میری پراگندہ حالی دور کرے، میری محبت واپس لے آئے، میرے دین کی اصلاح کرے، میری غائب چیزوں کی حفاظت کرے، میرے حاضر کو بلندی عطا کرے، میرے عمل کا تزکیہ کرے، مجھے سرخ رو کرے، مجھے رشد و ہدایت عطا کرے اور مجھے ہر برائی سے محفوظ رکھے، اے اللہ! مجھے ایمان صادق عطا کر! اور وہ یقین عطا کر جس کے بعد کفر نہ ہو، اور اس رحمت سے نواز جس کے ذریعہ میں دنیا و آخرت میں تیری کرامت کا شرف حاصل کرسکوں۔ اے اللہ! میں تجھ سے قضا کے وقت کامیابی، شہداء کے درجات، نیک بختوں کی زندگی، دشمنوں پر فتح اور انبیاء کی معیت کی درخواست کرتا ہوں، اے اللہ! میں تیرے حضور اپنی حاجت پیش کرتا ہوں، اگرچہ میری رائے کمزور ہے، میری تدبیر معمولی ہے، میں کوتاہ عمل ہوں مگر میں تیری رحمت کا محتاج ہوں اس لئے اے امور کے فیصلے کرنے والے اور دلوں کو شفا دینے والے! میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ جس طرح سمندروں میں فاصلہ رکھتا ہے اسی طرح مجھے دوزخ کے عذاب سے ہلاک ہونے والے کی آہ و زاری سے، اور قبر کے عذاب سے دور رکھ۔ اے اللہ! جس امر سے میری رائے قاصر رہی، میرا عمل کمزور رہا، یا جس تک میری نیت یا آرزو نہ پہنچ سکی (یعنی وہ خیر جس کا تو نے اپنے کسی بندے سے وعدہ کیا ہو یا تو اسے اپنی مخلوق میں کسی کو عطا کرنے والا ہو) میں اس خیر کے سلسلے میں تیرے حضور اپنی خواہش

(۱) ترمذی نے یہ روایت نقل کی ہے، اور اسے غریب کہا ہے، سونے سے پہلے حضرت میمونہ کے گھر ابن عباس کی حاضری کے واقعہ کا ذکر ترمذی میں نہیں ہے، بلکہ یہ تفصیل صرف طبرانی نے روایت کی ہے

کا اظہار کرتا ہوں' اور تجھ سے اس کی درخواست کرتا ہوں' یارب العالمین! مجھے عطا کر۔ اے اللہ! ہمیں ان لوگوں میں سے جو ہدایت کا راستہ دکھانے والے ہوں' ہدایت یاب ہوں' نہ خود گمراہ ہوں اور نہ دوسروں کو گمراہ کریں' تیرے دشمنوں سے جنگ کرنے والے ہوں' اور تیرے دوستوں سے صلح کرنے والے ہوں' اور ہمیں ایسا بنا کہ ہم تیری محبت میں ان لوگوں سے محبت کریں جو تیری اطاعت کریں' اور ان لوگوں سے عداوت کریں جو تیری مخالفت کریں' اے اللہ! یہ میری دعا ہے' اور قبول کرنا تیرا کام ہے' اور یہ میری کوشش اور بھروسہ تجھ پر ہے' ہم اللہ کے ہیں' اور اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں' گناہ سے باز رہنے کی طاقت اور عبادت کرنے کی قوت صرف اللہ تعالیٰ سے ہے جو برتر و اعلیٰ ہے مضبوط رسی (قرآن) اور امر رشید (دین) کا مالک ہے میں تجھ سے وعید کے دن دوزخ سے حفاظت کی درخواست کرتا ہوں' اور ہیشگی کے دن (قیامت کے روز) جنت کا سوال کرتا ہوں مقرب شاہدوں' رکوع و سجود کرنے والوں اور وعدے پورے کرنے والوں کے ساتھ' بے شک تو رحم کرنے والا ہے اور محبت کرنے والا ہے' تو جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے عزت کو اپنا لباس بنایا' اور اس کا حکم کیا' پاک ہے وہ ذات جس نے بزرگی کو لباس بنایا اور اس سے بزرگ ہوا' پاک ہے وہ ذات کہ اس کے علاوہ کسی کے لئے تسبیح جائز نہیں ہے' پاک ہے وہ ذات جو صاحب فضل اور صاحب نعمت ہے' پاک ہے وہ ذات جس کا علم ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے' اے اللہ! میرے لئے میرے دل میں' میری قبر میں' میرے خون میں' میری ہڈیوں میں' میرے سامنے' میرے پیچھے' میری دائیں جانب' میری بائیں جانب' میرے اوپر' اور میرے نیچے نور پیدا فرما۔ اے اللہ! مجھے نور میں زیادہ کر' مجھے نور عطا کر' اور میرے لئے نور پیدا کر۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دعا : حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ تم یہ کلمات پڑھا کرو جو جامع ہیں' اور تمام ضرورتوں کو محیط ہیں :

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ مِنَ الْخَیْرِ کُلِّهٖ عَاجِلِهٖ وَآجِلِهٖ مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَمَا لَمْ اَعْلَمْ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الشَّرِّ کُلِّهٖ عَاجِلِهٖ وَآجِلِهٖ مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَمَا لَمْ اَعْلَمْ وَاَسْاَلُکَ الْجَنَّةَ وَمَا قَرَّبَ اِلَیْهَا مِنْ قَوْلٍ وَعَمَلٍ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ النَّارِ وَمَا قَرَّبَ اِلَیْهَا مِنْ قَوْلٍ وَعَمَلٍ وَاَسْاَلُکَ مِنَ الْخَیْرِ مَا سَاَلَکَ عَبْدُکَ وَرَسُوْلُکَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَسْتَعِیْذُکَ مِمَّا اسْتَعَاذَکَ مِنْهُ عَبْدُکَ وَرَسُوْلُکَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَسْاَلُکَ مَا قَضَیْتَ لِیْ مِنْ اَمْرٍ اَنْ تَجْعَلَ عَاقِبَتَهٗ رُشْدًا بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ (ابن ماجہ' حاکم)

اے اللہ! میں تجھ سے حال و استقبال میں خیر کل کی درخواست کرتا ہوں' خواہ وہ مجھے معلوم ہو یا نہ معلوم ہو' اور حال و استقبال میں ہر طرح کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں' چاہے مجھے اس کا علم ہو یا نہ ہو' تجھ سے جنت کی درخواست' اور اس قول و عمل کا سوال کرتا ہوں جو جنت سے قریب کردے' دوزخ سے اور ہر اس قول و عمل سے جو دوزخ سے قریب کرے تیری پناہ چاہتا ہوں اور تجھ سے اس خیر کی درخوست کرتا ہوں جس کی تیرے بندے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ چاہی تھی' اور یہ درخواست کرتا ہوں کہ تونے میرے بارے میں جس امر کا فیصلہ کیا ہے اس کا انجام بخیر کرنا۔ اے ارحم الراحمین۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دعا : سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔ "اے فاطمہؓ! میری

وصیت سننے سے تیرے لئے کیا چیز مانع ہے' میں تجھے یہ دعا کرنے کی وصیت کرتا ہوں":۔

یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ لَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَیْنٍ وَاَصْلِحْ لِیْ شَأْنِیْ کُلَّهُ (نسائی فی الیوم واللیلة حاکم۔ انس)

اے زندہ! اے کارساز عالم! تیری رحمت سے فریاد چاہتا ہوں' مجھے پلک جھپکنے کے برابر وقت کے لئے بھی میرے نفس کے سپرد مت کر' اور میرے تمام احوال درست فرمادے۔

حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعا: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر الصدیقؓ کو یہ دعا سکھلائی:۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ بِمُحَمَّدٍ نَبِیِّکَ وَاِبْرَاهِیْمَ خَلِیْلِکَ وَمُوْسٰی نَجِیِّکَ وَعِیْسٰی کَلِمَتِکَ وَرُوْحِکَ وَبِکَلَامِ مُوْسٰی وَاِنْجِیْلِ عِیْسٰی وَزَبُوْرِ دَاوٗدَ وَفُرْقَانِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَیْهِمْ اَجْمَعِیْنَ وَبِکُلِّ وَحْیٍ اَوْحَیْتَهٗ اَوْ قَضَاءٍ قَضَیْتَهٗ اَوْ سَائِلٍ اَعْطَیْتَهٗ اَوْ غَنِیٍّ اَفْقَرْتَهٗ اَوْ فَقِیْرٍ اَغْنَیْتَهٗ اَوْ ضَالٍّ هَدَیْتَهٗ وَاَسْأَلُکَ بِاسْمِکَ الَّذِیْ اَنْزَلْتَهٗ عَلٰی مُوْسٰی صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَسْأَلُکَ بِاسْمِکَ الَّذِیْ بَثَثْتَ بِهٖ اَرْزَاقَ الْعِبَادِ وَاَسْأَلُکَ بِاسْمِکَ الَّذِیْ وَضَعْتَهٗ عَلَی الْاَرْضِ فَاسْتَقَرَّتْ وَاَسْأَلُکَ بِاسْمِکَ الَّذِیْ وَضَعْتَهٗ عَلَی السَّمٰوٰتِ فَاسْتَقَلَّتْ وَاَسْأَلُکَ بِاسْمِکَ الَّذِیْ وَضَعْتَهٗ عَلَی الْجِبَالِ فَرَسَتْ وَاَسْأَلُکَ بِاسْمِکَ الَّذِیْ اسْتَقَلَّ بِهٖ عَرْشُکَ وَاَسْأَلُکَ بِاسْمِکَ الطُّهْرِ الطَّاهِرِ الْاَحَدِ الصَّمَدِ الْوِتْرِ الْمُنَزَّلِ فِیْ کِتَابِکَ مِنْ لَّدُنْکَ مِنَ النُّوْرِ الْمُبِیْنِ وَاَسْأَلُکَ بِاسْمِکَ الَّذِیْ وَضَعْتَهٗ عَلَی النَّهَارِ فَاسْتَنَارَ وَعَلَی اللَّیْلِ فَاَظْلَمَ وَبِعَظَمَتِکَ وَکِبْرِیَائِکَ وَبِنُوْرِ وَجْهِکَ الْکَرِیْمِ اَنْ تَرْزُقَنِیَ الْقُرْاٰنَ وَالْعِلْمَ بِهٖ وَتَخْلِطَهٗ بِلَحْمِیْ وَدَمِیْ وَسَمْعِیْ وَبَصَرِیْ وَتَسْتَعْمِلَ بِهٖ جَسَدِیْ بِحَوْلِکَ وَقُوَّتِکَ فَاِنَّهٗ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ (۱)

اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں' تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم' تیرے دوست حضرت ابراہیم' تیرے ہمراز حضرت موسیٰ' تیرے کلمہ اور روح حضرت عیسٰی علیہ السلام کے واسطے سے اور موسیٰ علیہ السلام کے کلام' عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل' داؤد علیہ السلام کی زبور' اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن پاک کے طفیل' ہر اس وحی کے واسطے سے جو تونے اپنے انبیاء پر بھیجی ہو' ہر اس حکم کے واسطے سے جس کا تونے فیصلہ کیا ہو' یا ہر اس سائل کے واسطے سے جس کو تونے عطا کیا ہو' یا اس مالدار کے واسطے جس کو تونے فقیر کیا ہو' یا اس فقیر کے واسطے جس کو تونے مالدار کیا ہو' یا اس گمراہ کے واسطے سے جس کو تونے ہدایت کی راہ دکھلائی ہو' اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے اس نام کے وسیلے سے جس کے ذریعہ بندوں کو رزق ملتے ہیں' اس نام کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں' جس کو تونے زمین پر رکھا تو وہ ٹھہر گئی' اس نام کے ذریعہ سوال

---

(۱) یہ روایت ابو الشیخ ابن حبان نے "کتاب الثواب" میں عبد الملک بن ہارون بن عنترہ عن ابیہ سے نقل کی ہے' اس دعا کا تعلق حفظ قرآن سے ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا "میں قرآن پاک یاد کرتا ہوں' مگر بھول جاتا ہوں" آپ نے یہ دعا تلقین فرمائی۔ یہ روایت منقطع ہے' عبد الملک اور ہارون کو ضعیف قرار دیا گیا ہے۔

کرتا ہوں جس کو تو نے آسمانوں پر رکھا تو وہ اونچے ہو گئے، اس نام کے ذریعہ سوال کرتا ہوں جس کو تو نے پہاڑوں پر رکھا تو وہ جم گئے' اس نام کے وسیلے سے جس سے تیرا عرش قائم ہے' تیرے اس نام کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں جو پاک و طاہر ہے یکتا ہے' بے نیاز اور تیرے پاس سے تیری کتاب میں واضح طور پر نازل ہوا ہے' میں تجھ سے اس نام کے ذریعہ سوال کرتا ہوں جس کو تو نے دن پر رکھا تو وہ روشن ہو گیا' رات پر رکھا تو وہ تاریک ہو گئی' میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیری عظمت اور تیری کبریائی کے واسطے سے' تیرے وجہ کریم کے نور کے وسیلے سے کہ مجھے قرآن پاک کا علم عطا کر' اور اس کو میرے گوشت' میرے خون' میرے کان' میری آنکھ میں ملا دے' اور اس کے مطابق میرے جسم کو استعمال کر' اپنی طاقت و قوت سے' اس لئے کہ گناہ سے بچنے کی طاقت' اور عبادت کرنے کی قوت تیرے علاوہ کسی سے نہیں ہے اے ارحم الراحمین۔

حضرت بریدۃ الاسلمیؓ کی دعا : روایت ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بریدۃ الاسلمیؓ سے فرمایا "کیا میں تمہیں وہ کلمات نہ بتلاؤں جو اللہ تعالیٰ صرف ان لوگوں کو سکھلاتا ہے جن کی بہتری اسے منظور ہو' جب وہ لوگ یہ کلمات سیکھ جاتے ہیں تو کبھی بھولتے نہیں ہیں" بریدہؓ نے عرض کیا : کیوں نہیں! یا رسول اللہ مجھے ضرور بتلایئے۔ فرمایا یہ کلمات کہا کرو :

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ ضَعِيْفٌ فَقَوِّ فِيْ رِضَاكَ ضَعْفِيْ وَخُذْ اِلَى الْخَيْرِ بِنَاصِيَتِيْ وَاجْعَلِ الْاِسْلَامَ مُنْتَهٰى رِضَائِيْ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ ضَعِيْفٌ فَقَوِّنِيْ وَاِنِّيْ ذَلِيْلٌ فَاَعِزَّنِيْ وَاِنِّيْ فَقِيْرٌ فَاَغْنِنِيْ (حاکم۔ بریدۃ الاسلمیؓ)

اے اللہ! میں کمزور ہوں' اپنی رضا میں میری کمزوری کو قوت عطا کر' مجھ کو خیر کی طرف بلا' اور اسلام کو میری رضا کی انتہا قرار دے' اے اللہ! میں کمزور ہوں مجھے طاقت عطا کر' میں ذلیل ہوں مجھے عزت دے' میں تنگ دست ہوں مجھے مالدار بنا۔

حضرت قبیصہ ابن المخارقؓ کی دعا : قبیصہ ابن المخارقؓ نے سرکار دو عالم صلی اللہ وسلم سے عرض کیا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں بوڑھا ہو گیا ہوں' پہلے بہت سے نیک کام کر لیا کرتا تھا' اب ضعف کی وجہ سے نہیں کر پاتا' اس لئے مجھے کچھ نفع بخش کلمات تعلیم فرما دیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "فجر کی نماز کے بعد یہ تسبیح پڑھ لیا کرو' یہ کلمات تمہاری دنیا کے حق میں مفید ثابت ہوں گے' تم غم' جذام' برص' اور فالج سے محفوظ رہو گے۔ "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ"۔ آخرت کے لئے یہ دعا کیا کرو :

اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ مِنْ عِنْدِكَ وَاَفِضْ عَلَيَّ مِنْ فَضْلِكَ وَانْشُرْ عَلَيَّ مِنْ رَحْمَتِكَ وَاَنْزِلْ مِنْ بَرَكَاتِكَ۔

اے اللہ! تو مجھے اپنی ہدایت عطا کر' مجھ پر اپنا فضل فرما' مجھے اپنی رحمت سے نواز' اور مجھ پر اپنی برکتیں نازل کر۔

اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ان دعاؤں کی پابندی کرے گا' قیامت کے روز اس کے لئے جنت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے' جس دروازے سے چاہے گا داخل ہو جائے گا۔ (ابن السنی فی الیوم واللیلۃ۔ ابن عباسؓ واحمد مختصراً۔ قبیصہؓ)

حضرت ابو الدرداءؓ کی دعا : حضرت ابو الدرداءؓ کے محلے میں آگ لگ گئی' کسی نے ان سے کہا : ابو الدرداءؓ! تمہارا گھر آگ کی لپیٹ میں آگیا ہے اور تم یہاں ہو۔ فرمایا : اللہ تعالیٰ میرا گھر نہیں جلائے گا۔ تین بار یہی سوال و جواب ہوئے' اسی لئے

کوئی شخص آیا' اور اس نے یہ اطلاع دی کہ جب آگ ابو الدرداء کے مکان کے پاس پہنچی تو خود بخود بجھ گئی' فرمایا "مجھے معلوم تھا ایسا ہی ہوگا۔ لوگوں نے کہا "آگ لگنے کی اطلاع پر آپ کا خاموش رہنا بھی حیرت انگیز تھا' اور یہ بات بھی حیرت انگیز ہے' فرمایا "میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص رات دن میں کسی وقت بھی یہ دعا کرے گا اسے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچائے گی' میں نے آج یہ دعا کی تھی :-

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ عَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ مَا شَاءَ اللّٰهُ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَاءْ لَمْ يَكُنْ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا وَاَحْصٰى بِكُلِّ شَيْءٍ عَدَدًا اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ دَابَّةٍ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (طبرانی' ابو الدرداء۔ ضعیف)

اے اللہ! تو میرا رب ہے' تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے' میں نے تجھ پر بھروسہ کیا ہے' تو عرش عظیم کا مالک ہے' گناہ سے بچنے کی طاقت' اور عبادت کرنے کی قوت' اللہ برتر و عظیم ہی سے ہے' جو اللہ نے چاہا وہ ہوا' جو نہیں چاہا وہ نہیں ہوا' میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے' اور یہ کہ اللہ نے ہر چیز کا اپنے علم کے ذریعہ احاطہ کرلیا ہے' اور اس نے ہر چیز کو شمار کر رکھا ہے' اے اللہ! میں اپنے نفس کے شر سے اور ہر چلنے والی چیز کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں' میرا نفس اور ہر ذی نفس تیرے قابو میں ہے' بے شک میرا رب سیدھی راہ پر ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا : آپ یہ دعا کیا کرتے تھے :-

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَصْبَحْتُ لَا اَسْتَطِيْعُ دَفْعَ مَا اَكْرَهُ وَلَا اَمْلِكُ نَفْعَ مَا اَرْجُوْ وَاَصْبَحَ الْاَمْرُ بِيَدِ غَيْرِيْ وَاَصْبَحْتُ مُرْتَهَنًا بِعَمَلِيْ فَلَا فَقِيْرَ اَفْقَرُ مِنِّيْ اَللّٰهُمَّ لَا تُشْمِتْ بِيْ عَدُوِّيْ وَلَا تَسُوْءْ بِيْ صَدِيْقِيْ وَلَا تَجْعَلْ مُصِيْبَتِيْ فِيْ دِيْنِيْ وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا اَكْبَرَ هَمِّيْ وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيَّ مَنْ لَا يَرْحَمُنِيْ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ۔

اے اللہ! میں ایسا ہوں کہ جو بات مجھے بری لگتی ہے میں اسے دور نہیں کرسکتا' اور جس چیز کی امید رکھتا ہوں' اس نفع حاصل کرنے پر قادر نہیں ہوں' معاملہ دوسرے کے ہاتھوں میں ہے' میں تو اپنے عمل کا اسیر ہو کر رہ گیا ہوں' کوئی محتاج مجھ سے زیادہ محتاج نہیں ہے' اے اللہ! میرے دشمنوں کو مجھ پر خوش ہونے کا موقع نہ دے' اور میری طرف سے میرے دوست کو تکلیف میں مبتلا مت کر' میری مصیبت کسی دینی معاملے میں نہ ہو' اور نہ دنیا میرا بڑا مقصد ہو' اور ان پر ان لوگوں کو مسلط مت کر جو مجھ پر رحم نہ کریں' اے زندہ! اے کارساز جہاں!

حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی دعا : آپ صبح کے وقت یہ دعا کیا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ هٰذَا خَلْقٌ جَدِيْدٌ فَافْتَحْهُ عَلَيَّ بِطَاعَتِكَ وَاخْتِمْهُ لِيْ بِمَغْفِرَتِكَ وَرِضْوَانِكَ وَارْزُقْنِيْ فِيْهِ حَسَنَةً تَقَبَّلْهَا مِنِّيْ وَزَكِّهَا وَضَعِّفْهَا لِيْ وَمَا عَمِلْتُ فِيْهِ مِنْ سَيِّئَةٍ فَاغْفِرْهَا لِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ وَدُوْدٌ كَرِيْمٌ۔

اے اللہ! یہ صبح ایک نئی مخلوق ہے' میرے لئے اپنی اطاعت سے اس کی ابتداء فرما اور اپنی مغفرت و رضامندی پر اسے ختم کر' اس صبح کو مجھے ایسی نیکی عطا کر جو تجھے قبول ہو' اس نیکی کو میرے لئے پاکیزہ اور زیادہ اجر و ثواب کا باعث بنا' اگر میں اس صبح کو کوئی گناہ کروں تو مجھے معاف فرما' بلاشبہ تو معاف کرنے والا' رحم کرنے والا' محبت رکھنے والا اور کرم والا ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام کی دعا : روایت ہے کہ جب ہر سال حج کے زمانے میں حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت الیاس علیہ السلام کی ملاقات ہوتی تو اس کا اختتام حسب ذیل کلمات پر ہوتا :-

بِسْمِ اللّٰهِ مَاشَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ مَاشَاءَ اللّٰهُ كُلُّ نِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ مَاشَاءَ اللّٰهُ اَلْخَيْرُ كُلُّهُ بِيَدِ اللّٰهِ مَاشَاءَ اللّٰهُ لَا يَصْرِفُ السُّوْءَ اِلَّا اللّٰهُ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے' جو چاہے اللہ' اللہ کے علاوہ کوئی قوت کسی کی دی ہوئی نہیں ہے' ہر نعمت اللہ کی طرف سے ہے' جو چاہے اللہ' خیر کا سرچشمہ صرف اللہ کی ذات ہے' جو چاہے اللہ' برائی کو ختم کرنے والا اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے۔

جو شخص صبح کے وقت تین مرتبہ یہ کلمات پڑھے گا وہ جلنے اور ڈوبنے سے محفوظ رہے گا۔

حضرت معروف کرخیؒ کی دعا : محمد بن حسانؒ کہتے ہیں کہ مجھ معروف کرخیؒ نے فرمایا : "کیا میں تمہیں دس کلمات نہ سکھلا دوں' ان میں سے پانچ دنیا کے لئے ہیں' اور پانچ کا تعلق آخرت سے ہے' جو شخص یہ کلمات پڑھ کر باری تعالٰی کے حضور دعا کرے گا قبولیت سے سرفراز کیا جائے گا" میں نے عرض کیا "حضرت! مجھے یہ کلمات لکھ کر دے دیجئے" فرمایا "نہیں! میں دو چار مرتبہ یہ کلمات پڑھتا ہوں تم یاد کرلو' بکر ابن خنیسؒ نے بھی مجھے یہ کلمات اسی طرح سکھلائے تھے :-

حَسْبِيَ اللّٰهُ لِدِيْنِيْ' حَسْبِيَ اللّٰهُ لِدُنْيَائِيْ' حَسْبِيَ اللّٰهُ الْكَرِيْمُ لِمَا اَهَمَّنِيْ' حَسْبِيَ اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْقَوِيُّ لِمَنْ بَغٰى عَلَيَّ' حَسْبِيَ اللّٰهُ الشَّدِيْدُ لِمَنْ كَادَنِيْ بِسُوْءٍ حَسْبِيَ اللّٰهُ الرَّحِيْمُ عِنْدَ الْمَوْتِ' حَسْبِيَ اللّٰهُ الرَّؤُوْفُ عِنْدَ الْمَسْأَلَةِ فِي الْقَبْرِ' حَسْبِيَ اللّٰهُ الْكَرِيْمُ عِنْدَ الْحِسَابِ حَسْبِيَ اللّٰهُ اللَّطِيْفُ عِنْدَ الْمِيْزَانِ' حَسْبِيَ اللّٰهُ الْقَدِيْرُ عِنْدَ الصِّرَاطِ' حَسْبِيَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ' عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ۔

میرے دین کے لئے مجھے اللہ کافی ہے' میری دنیا کے لئے مجھے اللہ کافی ہے' اللہ کریم مجھے اس چیز کے لئے کافی ہے جس نے مجھے فکر میں مبتلا کیا ہے' حلیم و قوی اللہ میرے لئے اس شخص کے سلسلے میں کافی ہے جو میرے خلاف بغاوت کرے' اللہ میرے لئے اس شخص کے سلسلے میں کافی ہے جو مجھے تکلیف پہنچانے کی تدبیر کرے' اللہ رحیم میرے لئے موت کے وقت کافی ہے' مہربان اللہ میرے لئے قبر کے سوال کے وقت کافی ہے' اللہ کریم میرے لئے حساب کے وقت کافی ہے' لطف و کرم والا اللہ میرے لئے میزان اعمال کے وقت کافی ہے' اللہ قدیر میرے لئے پل صراط پر چلنے کے لئے کافی ہے' اللہ میرے لئے کافی ہے' اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' میں نے اس پر بھروسہ کیا' وہ عرش عظیم کا رب ہے۔

ابو الدرداءؓ کہتے ہیں کہ ہر روز سات بار یہ کلمات پڑھنے والا شخص آخرت کے ہر مرحلے میں اللہ تعالٰی کی مدد و نصرت کا مستحق ہو گا' چاہے وہ اپنے قول و عمل میں سچا ہو' یا جھوٹا ہو' وہ کلمات یہ ہیں : فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ۔

عتبہ غلام کی دعا : عتبہؒ کی وفات کے بعد لوگوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ ان کلمات کی وجہ سے جنت میں داخل ہوئے ہیں :-

اَللّٰهُمَّ يَا هَادِيَ الْمُضِلِّيْنَ وَيَا رَاحِمَ الْمُذْنِبِيْنَ وَيَا مُقِيْلَ عَثَرَاتِ الْعَاثِرِيْنَ اِرْحَمْ عَبْدَكَ ذَا الْخَطَرِ الْعَظِيْمِ وَالْمُسْلِمِيْنَ كُلَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ وَاجْعَلْنَا مَعَ الْاَحْيَاءِ الْمَرْزُوْقِيْنَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ آمِيْنَ يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ۔

اے اللہ! اے گمراہوں کو راہ دکھانے والے 'گناہ گاروں پر رحم کرنے والے 'لغزش کرنے والوں کی لغزشوں کو معاف کرنے والے 'اپنے بندے پر رحم کر جسے بڑا خطرہ ہے 'اور تمام مسلمانوں پر رحم فرما 'ہمیں ان زندہ لوگوں کی صف میں شامل کر جنہیں رزق عطا کیا جاتا ہے 'وہ لوگ جن پر تو نے اپنا انعام کیا ہے یعنی انبیاء' صدیقین 'شہداء اور صالحین کی صف میں 'آمین یا رب العالمین۔

حضرت آدم علیہ السلام کی دعا : حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول کرنے کا ارادہ کیا تو انہیں حکم دیا کہ وہ سات مرتبہ خانہ کعبہ کا طواف کریں 'اس وقت خانہ کعبہ کی عمارت یہ نہیں تھی جو آج ہے ' بلکہ ایک سرخ ٹیلا تھا 'لوگ اسی کے گرد طواف کیا کرتے تھے 'حضرت آدم علیہ السلام نے طواف کیا 'دو رکعت نماز ادا کی 'اس کے بعد یہ دعا کی :-

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ تَعْلَمُ سِرِّیْ وَعَلَانِیَتِیْ فَاقْبَلْ مَعْذِرَتِیْ وَتَعْلَمُ حَاجَتِیْ فَاَعْطِنِیْ سُؤْلِیْ وَتَعْلَمُ مَافِیْ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ اِیْمَانًا یُبَاشِرُ قَلْبِیْ وَیَقِیْنًا صَادِقًا حَتّٰی اَعْلَمَ اَنَّهُ لَنْ یُصِیْبَنِیْ اِلَّا مَا کَتَبْتَهُ عَلَیَّ وَالرِّضَا بِمَا قَسَمْتَهُ لِیْ یَاذَاالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ۔

اللہ آپ میرے ظاہر و باطن سے واقف ہیں اس لئے میرا عذر قبول فرمایئے 'آپ میری حاجت سے واقف ہیں 'اس لئے میری حاجت روائی کیجئے 'آپ جانتے ہیں کہ میرے دل میں کیا ہے اس لئے میرے گناہ معاف کیجئے 'اے اللہ! میں آپ سے ایسے ایمان کی درخواست کرتا ہوں جو میرے دل میں رہے 'اور ایسے یقین صادق کی درخواست کرتا ہوں کہ یہ جانوں کہ جو کچھ میرے لئے آپ نے لکھ دیا ہے صرف وہ ہی میرے سامنے آئے گا 'جو کچھ آپ نے میرے لئے مقدر فرما دیا ہے 'مجھے اسی پر راضی کیجئے 'اے صاحب عظمت و جلال!

یہ دعا بارگاہ ایزدی میں قبول ہوئی 'اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو بذریعہ وحی مطلع فرمایا کہ میں نے تمہیں معاف کر دیا ' تمہارے بعد اگر تمہاری اولاد میں کسی نے یہ دعا کی تو میں اسے قبولیت سے نوازوں گا 'اس کے تمام گناہ معاف کر دوں گا 'اس کے تمام رنج و غم دور کر دوں گا 'اسے فقر و فاقہ سے نجات دوں گا 'اور ہر تاجر سے زیادہ اس کی تجارت نفع بخش بناؤں گا 'ٹھکرانے کے باوجود دنیا اس کے قدموں میں ہوگی 'اور وہ ہر طرح کی نعمتوں سے فائدہ حاصل کرے گا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی دعا : حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر روز ان الفاظ میں اپنی حمد و ثناء فرماتے ہیں :-

اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا الْعَفُوُّ الْغَفُوْرُ اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا مُبْدِئُ کُلِّ شَیْءٍ وَاِلَیَّ یَعُوْدُ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ مَالِکُ یَوْمِ الدِّیْنِ خَالِقُ الْخَیْرِ وَالشَّرِّ خَالِقُ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ الْوَاحِدُ الْاَحَدُ الْفَرْدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا الْفَرْدُ الْوِتْرُ عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ الْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ الْکَبِیْرُ الْمُتَعَالُ الْمُقْتَدِرُ الْقَهَّارُ الْحَلِیْمُ الْکَرِیْمُ اَهْلُ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ عَالِمُ السِّرِّ وَاَخْفٰی الْقَادِرُ الرَّازِقُ فَوْقَ الْخَلْقِ وَالْخَلِیْقَةِ

بلاشبہ میں ہی اللہ ہوں سارے جہاں کا رب ہوں' بے شک میں ہی اللہ ہوں' میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے' میں زندہ ہوں کارساز عالم ہوں' بلاشبہ میں ہی اللہ ہوں' میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے میں عظیم ہوں برتر ہوں' بلاشبہ میں ہی اللہ ہوں' میرے سوا کوئی معبود نہیں نہ مجھ سے کوئی پیدا ہوا اور نہ میں کسی سے پیدا ہوا' بلاشبہ میں ہی اللہ ہوں' میرے سوا کوئی معبود نہیں میں معاف کرنے والا اور بخشش کرنے والا ہوں' بلاشبہ میں ہی اللہ ہوں' میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے' میں ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہوں' اور ہر چیز میری ہی طرف واپس ہوگی' عزت والا ہوں' حکمت والا ہوں' رحمن ہوں' رحیم ہوں' روز جزاء کا مالک ہوں' خیر و شر کا خالق ہوں' دوزخ اور جنت کا پیدا کرنے والا ہوں' ایک ہوں یکتا ہوں' بے نیاز ہوں' ایسا کہ نہ کوئی بیوی ہے اور نہ کوئی بچہ ہے' اکیلا ہوں' فرد ہوں' پوشیدہ اور ظاہر ہر چیزوں کا جاننے والا ہوں' بادشاہ ہوں' نہایت پاک ہوں' امن دینے والا ہوں' نگہبان ہوں' زبردست علم والا ہوں' بگڑے کاموں کا درست کرنے والا ہوں' عظیم ہوں' پیدا کرنے والا ہوں' عدم سے وجود میں لانے والا ہوں' صورت دینے والا ہوں' بہت بڑا ہوں' عالی مرتبہ ہوں' قدرت والا ہوں' زبردست ہوں' بردبار ہوں' کرم والا ہوں' لائق حمد و ثنا ہوں' ظاہر و باطن کا جاننے والا ہوں' قادر ہوں' رزق دینے والا ہوں' مخلوق سے برتر و اعلیٰ ہوں۔

اس دعا میں ہر کلمہ سے پہلے انی انا اللہ لا الہ الا انا ہے' ابتداء کے چند کلمات میں ہم نے یہ عبارت لکھ دی ہے' جو شخص دعا کے وقت یہ الفاظ کہے اسے انی انا اللہ لا الہ الا انا کی جگہ انک انت اللہ لا الہ الا انت کہنا چاہیے' ان اسمائے حسنہ کے ذریعہ دعا مانگنے والے خاشعین اور ساجدین کے زمرہ میں شامل ہوں گے' قیامت کے روز انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم' حضرات ابراہیم' حضرت موسیٰ' حضرت عیسیٰ اور دیگر انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام اجمعین کے پڑوس میں جگہ دی جائے گی۔

ابو المعتمر سلیمان التیمی کی دعا : روایت ہے کہ یونس ابن عبید نے روم میں شہید ہونے والے ایک شخص کو خواب میں دیکھا یونس نے ان بزرگ شہید سے دریافت کیا : مرنے کے بعد تمہارا کونسا عمل زیادہ افضل قرار دیا گیا؟ فرمایا "ابو المعتمر کی تسبیحات اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہیں۔ وہ تسبیحات یہ ہیں۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ وَعَدَدَ مَا هُوَ خَالِقٌ وَزِنَةَ مَا خَلَقَ وَزِنَةَ مَا هُوَ خَالِقٌ مِلْاَ مَا خَلَقَ وَمِلْاَ مَا هُوَ خَالِقٌ وَمِلْاَ سَمٰوَاتِهِ وَمِلْاَ اَرْضِهِ وَمِثْلَ ذٰلِكَ وَاَضْعَافَ ذٰلِكَ وَعَدَدَ خَلْقِهِ وَزِنَةَ عَرْشِهِ وَمُنْتَهٰى رَحْمَتِهِ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهِ وَمَبْلَغَ رِضَاهُ حَتّٰى يَرْضٰى وَاِذَا رَضِيَ وَعَدَدَ مَا ذَكَرَهُ بِهِ خَلْقُهُ فِي جَمِيْعِ مَا مَضٰى وَعَدَدَ مَا هُمْ ذَاكِرُوْهُ فِيْمَا بَقِيَ فِيْ كُلِّ سَنَةٍ وَشَهْرٍ وَجُمُعَةٍ وَيَوْمٍ وَلَيْلَةٍ وَسَاعَةٍ مِنَ السَّاعَاتِ وَشَمِّ نَفَسٍ مِنَ الْاَنْفَاسِ وَاَبَدٍ مِنَ الْاٰبَادِ مِنْ اَبَدِ الدُّنْيَا اِلٰى اَبَدِ الْاٰخِرَةِ اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ لَا يَنْقَطِعُ اَوَّلُهُ وَلَا يَنْفَدُ اٰخِرُهُ۔

میں اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں' اور تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں' اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' اللہ سب سے بڑا ہے' گناہ سے بچنے کی طاقت اور اطاعت کی قوت اللہ ہی کی عطا کردہ ہے' ان چیزوں کی تعداد کے مطابق جو اس نے پیدا کی ہیں یا پیدا کرنے والا ہے' اور ان چیزوں کے وزن کے برابر جو اس نے پیدا کی ہیں یا پیدا کرنے والا ہے' اور ان چیزوں کے بقدر جو اس نے پیدا کی ہیں یا پیدا کرنے والا ہے' اس کے آسمانوں اور زمینوں کے بھرنے کے بقدر' اور اس کے برابر' اور اس سے کئی گنا زیادہ' اس کے مخلوق کی تعداد کے مطابق'

اس کے عرش' اس کی متنہائے رحمت' اس کے کلمات کی سیاہی کے وزن کے مطابق' اس کی متنہائے رضا کے مطابق یہاں تک کہ وہ خوش ہو' اور جب خوش ہو' ان الفاظ کے بقدر جن کے ذریعہ مخلوق نے ماضی میں اسے یاد کیا' اور ان لوگوں کی تعداد کے مطابق جو آنے والے زمانے کے ہر سال' ہر مہینے ہر جمعہ' ہر دن' ہر رات' ہر گھڑی ہر سانس کے وقت ہمیشہ ہمیشہ رہتی دنیا تک' رہتی آخرت تک' بلکہ اس سے بھی زیادہ کہ نہ اس کی ابتداء ہو' اور نہ اس کی انتہا ہو یاد کریں گے۔

حضرت ابراہیم ابن ادہمؒ کی دعا : ابراہیم ابن ادہم کے خادم ابراہیم ابن بشارت روایت کرتے ہیں کہ ابن ادہم ہر جمعہ کی صبح اور شام کو یہ دعا پڑھا کرتے تھے :-

مَرْحَبًا بِيَوْمِ الْمَزِيْدِ وَالصُّبْحِ الْجَدِيْدِ وَالْكَاتِبِ وَالشَّهِيْدِ' يَوْمُنَا هٰذَا يَوْمُ عِيْدٍ' اُكْتُبْ لَنَا مَا نَقُوْلُ بِسْمِ اللّٰهِ الْحَمِيْدِ الْمَجِيْدِ الرَّفِيْعِ الْوَدُوْدِ الْفَعَّالِ فِيْ خَلْقِهِ مَا يُرِيْدُ' اَصْبَحْتُ بِاللّٰهِ مُؤْمِنًا وَبِلِقَائِهِ مُصَدِّقًا ۝ وَبِحُجَّتِهِ مُعْتَرِفًا وَمِنْ ذَنْبِيْ مُسْتَغْفِرًا وَلِرُبُوْبِيَّةِ اللّٰهِ خَاضِعًا وَلِسِوَى اللّٰهِ فِي الْاٰلِهَةِ جَاحِدًا ۝ وَاِلَى اللّٰهِ فَقِيْرًا وَعَلَى اللّٰهِ مُتَوَكِّلًا وَاِلَى اللّٰهِ مُنِيْبًا ۝ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاُشْهِدُ مَلَائِكَتَهٗ وَاَنْبِيَاءَهٗ وَرُسُلَهٗ وَحَمَلَةَ عَرْشِهٖ وَمَنْ خَلَقَهٗ وَمَنْ هُوَ خَالِقُهٗ بِاَنَّهٗ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا ۝ وَاَنَّ الْجَنَّةَ حَقٌّ وَاَنَّ النَّارَ حَقٌّ' وَالْحَوْضَ حَقٌّ' وَالشَّفَاعَةَ حَقٌّ وَمُنْكَرًا وَنَكِيْرًا حَقٌّ' وَوَعْدَكَ حَقٌّ' وَلِقَائَكَ حَقٌّ' وَالسَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۝ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ' عَلٰى ذٰلِكَ اَحْيَا وَعَلَيْهِ اَمُوْتُ وَعَلَيْهِ اُبْعَثُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِيْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُ بِكَ اَللّٰهُمَّ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ ذِيْ شَرٍّ' اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ قَدْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ' فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ' وَاهْدِنِيْ لِاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ' فَاِنَّهٗ لَا يَهْدِيْ لِاَحْسَنِهَا اِلَّا اَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّيْ سَيِّئَهَا فَاِنَّهٗ لَا يَصْرِفُ سَيِّئَهَا اِلَّا اَنْتَ' لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ' وَالْخَيْرُ كُلُّهٗ بِيَدَيْكَ' اَنَا بِكَ وَاِلَيْكَ' اَسْتَغْفِرُكَ' وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ' اٰمَنْتُ اَللّٰهُمَّ بِمَا اَرْسَلْتَ مِنْ رَسُوْلٍ' وَ اٰمَنْتُ اَللّٰهُمَّ بِمَا اَنْزَلْتَ مِنْ كِتَابٍ' وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا خَاتِمَ كَلَامِيْ وَمِفْتَاحَهٗ' وَعَلٰى اَنْبِيَاءِهٖ وَرُسُلِهٖ اَجْمَعِيْنَ يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ' اَللّٰهُمَّ! اَوْرِدْنَا حَوْضَ مُحَمَّدٍ وَاسْقِنَا بِكَاْسِهٖ مَشْرَبًا رَوِيًّا سَائِغًا هَنِيْئًا لَا نَظْمَأُ بَعْدَهٗ اَبَدًا وَاحْشُرْنَا فِيْ زُمْرَتِهٖ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا نَاكِثِيْنَ لِلْعَهْدِ' وَلَا مُرْتَابِيْنَ وَلَا مَفْتُوْنِيْنَ وَلَا مَغْضُوْبٍ عَلَيْنَا وَلَا الضَّالِّيْنَ' اَللّٰهُمَّ اعْصِمْنِيْ مِنْ فِتَنِ الدُّنْيَا ۝ وَوَفِّقْنِيْ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى' وَاَصْلِحْ لِيْ شَاْنِيْ كُلَّهٗ وَثَبِّتْنِيْ بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَلَا تُضِلَّنِيْ وَاِنْ كُنْتُ ظَالِمًا ۝ سُبْحَانَكَ سُبْحَانَكَ يَا عَلِيُّ' يَا عَظِيْمُ' يَا بَارِيُّ' يَا رَحِيْمُ' يَا عَزِيْزُ' يَا جَبَّارُ' سُبْحَانَ مَنْ سَبَّحَتْ لَهُ السَّمٰوٰتُ بِاَكْنَافِهَا وَسُبْحَانَ مَنْ سَبَّحَتْ لَهُ الْجِبَالُ بِاَصْدَاءِهَا ۝ وَسُبْحَانَ مَنْ سَبَّحَتْ لَهُ الْبِحَارُ بِاَمْوَاجِهَا ۝ وَسُبْحَانَ مَنْ سَبَّحَتْ لَهُ الْحِيْتَانُ بِلُغَاتِهَا ۝ وَسُبْحَانَ مَنْ سَبَّحَتْ لَهُ النُّجُوْمُ فِي السَّمَاءِ بِاَبْرَاجِهَا ۝ وَسُبْحَانَ مَنْ سَبَّحَتْ لَهُ الشَّجَرُ بِاُصُوْلِهَا وَثِمَارِهَا ۝ وَسُبْحَانَ مَنْ سَبَّحَتْ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرَضُوْنَ السَّبْعُ' وَمَنْ فِيْهِنَّ وَمَنْ عَلَيْهِنَّ' سُبْحَانَ مَنْ سَبَّحَ لَهٗ كُلُّ شَيْءٍ مِنْ مَخْلُوْقَاتِهٖ' تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ' سُبْحَانَكَ' يَا حَيُّ! يَا قَيُّوْمُ! يَا عَلِيْمُ! يَا حَلِيْمُ! سُبْحَانَكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ تُحْيِيْ وَتُمِيْتُ

وَاَنْتَ حَیٌّ لَا تَمُوْتُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ وَاَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔

ثواب کی زیادتی کے اس دن کو' صبح نو کو' نامۂ اعمال لکھنے والے اور گواہی دینے والے کو میں خوش آمدید کہتا ہوں۔ ہمارا یہ دن عید کا دن ہے جو کچھ ہم عرض کر رہے ہیں لکھ لیجئے' شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا لائق تعریف ہے بزرگ' بلند مرتبہ' محنت کرنے والا اپنی مخلوق میں حسب خواہش تصرف کرنے والا ہے' میں نے اس حالت میں صبح کی کہ میں اللہ پر ایمان رکھتا ہوں' اس سے ملنے کی تصدیق کرتا ہوں اس کے حجت کا معترف ہوں' اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتا ہوں' اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے سامنے سرنگوں ہوں۔ اور اس بات کا انکار کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود ہے' اللہ کا محتاج ہوں' اسی پر بھروسہ کرنے والا ہوں اسی کی طرف رجوع کرنے والا ہوں' میں اللہ کو' اس کے ملائکہ کو' اس کے انبیاء اور رسولوں کو' اس کا عرش اٹھانے والے فرشتوں کو' اور ان لوگوں کو جنہیں اس نے پیدا کیا یا جنہیں وہ پیدا کرنے والا ہے' اس حقیقت پر گواہ بناتا ہوں کہ وہ اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' وہ تنہا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں ہے' اور یہ کہ محمد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کے بندے اور رسول ہیں' اور یہ کہ جنت' دوزخ' حوض کوثر' شفاعت' منکر نکیر حق ہیں' میرا وعدہ حق ہے' تیری ملاقات حق ہے' اور یہ کہ قیامت آنے والی ہے' اس میں کوئی شک نہیں ہے' اور یہ کہ اللہ تعالیٰ قبروں سے مردوں کو اٹھائے گا' میں اسی گواہی پر زندہ ہوں' اسی پر مروں گا' اور انشاء اللہ اسی پر اٹھایا جاؤں گا' اے اللہ! تو میرا رب ہے' تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے' تو نے مجھے پیدا کیا' میں تیرا بندہ ہوں' اپنی استطاعت کے مطابق تیرے عہد اور تیرے وعدے پر قائم ہوں' اے اللہ! میں اپنے عمل کی برائی سے' اور ہر شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں' اے اللہ میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے' میرے گناہ معاف فرما۔ تیرے سوا کوئی گناہ معاف کرنے والا نہیں ہے' اچھے اخلاق کی جانب میری رہنمائی فرما' تیرے علاوہ کوئی رہنمائی کرنے والا نہیں ہے' مجھ سے بری عادتیں دور کر' تیرے سوا کوئی بری عادتیں دور کرنے والا نہیں ہے۔ اے اللہ! میں حاضر ہوں' تیری اطاعت کے لئے مستعد ہوں' جو تیرے قبضۂ قدرت میں ہے' میں تجھ سے ہوں' اور تیری طرف رجوع کرنے والا ہوں' میں تجھ سے مغفرت کا طلب گار ہوں' تیرے حضور توبہ کرتا ہوں' اے اللہ! میں تیرے بھیجے ہوئے رسول پر ایمان لایا ہوں' اے اللہ! میں تیری بھیجی ہوئی کتاب پر ایمان لایا ہوں' اللہ کی رحمت نازل ہو نبی امیؐ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر' میرے کلام کی ابتداء اور انتہا میں' اس کے تمام انبیاء پر' تمام رسولوں پر' پروردگار عالم! قبول فرما۔ اے اللہ! ہمیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حوض پر پہنچا' اور آپ کے جام سے ہمیں وہ شربت پلا جو سیراب کرنے والا ہو' عمدہ ہو' اس کے پینے کے بعد ہم کبھی پیاس محسوس نہ کریں' ہمیں اس حال میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں اٹھا کہ ہم نہ رسوا ہوں' نہ عہد شکن ہوں' نہ دین میں شک کرنے والے ہوں' نہ کسی فتنے میں مبتلا ہوں' نہ ہم تیرے غیظ و غضب کے شکار ہوں' نہ گمراہ ہوں' اے اللہ! مجھے دنیا کے فتنوں سے محفوظ رکھ' اور ان اعمال کی توفیق دے جو تجھے پسند ہوں' اور جن سے تو خوش ہو' میرے تمام احوال و اطوار درست کیجئے' دنیا اور آخرت کی زندگی میں مجھے امر محکم پر قائم رکھ' مجھے گمراہ مت کرنا اگرچہ میں ظالم ہوں' تو پاک ہے! تو پاک ہے! اے عالی قدر' اے عظمت والے! اے رحم کرنے والے! اے عزت والے! اے بگڑے کام درست کرنے والے' میں اس ذات کی پاکی بیان کرتا ہوں جس کی پاکی اپنے اطراف و اکناف کے ساتھ آسمان بیان کرتے ہیں' میں اس ذات کی پاکی بیان کرتا ہوں جس کی پاکی اپنی گونجنے والی آوازوں کے ساتھ پہاڑ بیان کرتے ہیں' میں اس ذات کی پاکی بیان کرتا ہوں جس کی پاکی سمندر اور اس کی موجیں بیان کرتی ہیں' میں اس ذات کی پاکی بیان کرتا ہوں جس کی پاکی مچھلیاں اپنی زبانوں میں بیان کرتی ہیں' میں اس ذات کی پاکی بیان کرتا ہوں جس کی پاکی آسمان میں ستارے اپنے برجوں کے ساتھ بیان کرتے ہیں' میں اس ذات کی پاکی بیان کرتا ہوں جس کی پاکی درخت اپنی جڑوں اور پھلوں کے ساتھ بیان کرتا ہے' میں اس ذات کی پاکی بیان کرتا ہوں جس کی پاکی ساتوں آسمان ساتوں زمینیں ان میں رہنے والے اور ان پر رہنے والے بیان کرتے ہیں' میں اس ذات کی پاکی بیان کرتا ہوں جس کی پاکی اس کی ہر مخلوق بیان کرتی ہے' تو برکت والا ہے' تو عظمت والا ہے' تو پاک ہے اے زندہ! اے کارساز عالم! اے علم والے!

اے حلم والے' تو پاک ہے' تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو تنہا ہے' تیرا کوئی شریک نہیں ہے' تو زندہ کرتا ہے' تو مارتا ہے' تو زندہ ہے مرتا نہیں ہے' تیرے قبضے میں خیر ہے اور تو ہر چیز پر قادر ہے۔

چوتھا باب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے منقول دعائیں

یہ دعائیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے منقول ہیں' ہم نے ابو طالب مکیؒ' ابن خذیمہؒ اور ابن منذر کی کتابوں سے ان دعاؤں کا انتخاب کیا ہے۔

راہ آخرت کے سالک کے لئے مناسب یہ ہے کہ صبح اٹھ کر دعا کو اپنا سب سے پہلا وظیفہ قرار دے۔ جیسا کہ باب الاوراد میں ہم اس موضوع پر کچھ روشنی ڈالیں گے۔ جو لوگ آخرت کے طالب ہیں' اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اپنی نجات سمجھتے ہیں' وہ نمازوں کے بعد اپنی دعاؤں کے آغاز میں یہ کلمات کہا کریں :-

سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَلِیِّ الْاَعْلٰی الْوَهَّابِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِیْکَ لَهُ لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (۱)

پاک ہے میرا رب جو برتر و اعلیٰ ہے' بہت دینے والا ہے' اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' وہ تنہا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں ہے' اسی کا ملک ہے' اسی کے لئے تمام تعریفیں ہیں' اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تین بار یہ الفاظ کہے :-

رَضِیْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَبِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَبِیًّا (۲)

میں اللہ کے رب ہونے پر' اسلام کے دین ہونے پر' اور محمد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہوا۔

یہ بھی پڑھے :-

اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ رَبَّ کُلِّ شَیْءٍ وَمَلِیْکَهُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ وَشَرِّ الشَّیْطَانِ وَشِرْکِهِ (۳) اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ فِیْ دِیْنِیْ وَدُنْیَایَ وَاَهْلِیْ وَمَالِیْ اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِیْ وَآمِنْ رَوْعَاتِیْ وَاَقِلْنِیْ عَثَرَاتِیْ وَاحْفَظْنِیْ مِنْ بَیْنِ یَدَیَّ وَمِنْ خَلْفِیْ وَعَنْ یَمِیْنِیْ وَعَنْ شِمَالِیْ وَمِنْ فَوْقِیْ وَاَعُوْذُ بِکَ اَنْ اُغْتَالَ مِنْ تَحْتِیْ (۴) اَللّٰهُمَّ لَا تُؤْمِنِّیْ مَکْرَکَ وَلَا تُوَلِّنِیْ غَیْرَکَ وَلَا تَنْزِعْ عَنِّیْ سِتْرَکَ وَلَا تُنْسِنِیْ ذِکْرَکَ وَلَا تَجْعَلْنِیْ مِنَ الْغَافِلِیْنَ (۵)

---

(۱) سبحان ربی العلی الاعلی الوھاب سے شروع کرنے کی حدیث اسی کتاب کے دوسرے باب میں گزر چکی ہے۔ نمازوں کے بعد لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ الخ پڑھنے کی حدیث متفق علیہ ہے' مغیرہ ابن شعبہؓ اس کے راوی ہیں۔ (۲) یہ روایت بھی کتاب الاذکر کے پہلے باب میں گزر چکی ہے۔ (۳) ابوداؤد' ترمذی' ابن حبان' حاکم۔ ابو ہریرہؓ۔ حاکم کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر الصدیقؓ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے ایسے کلمات سکھلا دیجئے کہ جو میں صبح و شام کہہ لیا کروں" آپ نے یہ تین کلمات تلقین فرمائے (۴) ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ' حاکم۔ ابن عمرؓ۔ راوی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح و شام یہ دعائیں ضرور کیا کرتے تھے (۵) ابو منصور دیلمی۔ ابن عباسؓ۔ مگر اس میں یہ لفظ نہیں ہے "لاتولنی غیرک"

اے اللہ! آسمانوں اور زمین کے خالق! غیب و شہود کے جاننے والے! پروردگار عالم! مالک کل! میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے' میں اپنے نفس کے شر سے اور شیطان کے شر اور اس کے شرک کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں' اے اللہ! میں تجھ سے عفو و درگزر اور دین و دنیا میں' اہل اور مال میں سلامتی کا خواستگار ہوں' اے اللہ! میرے عیوب کی پردہ پوشی فرما' میرے خوف دور کر' میری لغزش معاف کر' اور مجھے سامنے سے' پیچھے سے' دائیں طرف سے' بائیں طرف سے محفوظ رکھ' میں اس بات سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ نیچے سے اچک لیا جاؤں۔ اے اللہ! مجھے اپنے عذاب سے بے خوف مت بنا' مجھے اپنے علاوہ کسی دوسرے کے سپرد مت کر' مجھ سے اپنا پردہ مت ہٹا' مجھ سے اپنی یاد مت بھلا' اور مجھے غافلین کے زمرے میں شامل مت کرنا۔

تین مرتبہ سید الاستغفار پڑھے۔ سید الاستغفار یہ ہے :۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُکَ وَاَنَا عَلٰی عَهْدِکَ وَوَعْدِکَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَاصَنَعْتُ اَبُوْءُ بِنِعْمَتِکَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ (۱)

اے اللہ! تو میرا رب ہے' تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے' تو نے مجھے پیدا کیا ہے' میں تیرا بندہ ہوں' میں اپنی استطاعت کے مطابق تیرے عہد اور تیرے وعدے پر قائم ہوں' میں اپنے اعمال بد سے تیری پناہ چاہتا ہوں' میں تیری نعمت کا معترف ہوں' میں اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہوں' تیرے علاوہ کوئی گناہوں کی مغفرت نہیں کرتا۔

تین مرتبہ یہ دعا کیجئے :۔

اَللّٰهُمَّ عَافِنِیْ فِیْ بَدَنِیْ وَعَافِنِیْ فِیْ سَمْعِیْ وَعَافِنِیْ فِیْ بَصَرِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ (۲)

اے اللہ! میرے جسم کو! میرے' کان اور میری آنکھ کو عافیت عطا کر' تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

یہ دعائیں بھی کیجئے :۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الرِّضٰی بَعْدَ الْقَضَاءِ وَبَرْدَ الْعَیْشِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَلَذَّةَ النَّظْرِ اِلٰی وَجْهِکَ وَشَوْقًا اِلٰی لِقَائِکَ مِنْ غَیْرِ ضَرَّاءَ مُضِرَّةٍ وَلَا فِتْنَةٍ مُضِلَّةٍ وَاَعُوْذُبِکَ عَنْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ' اَوْ اَعْتَدِیَ اَوْ یُعْتَدٰی عَلَیَّ' اَوْ اَکْسِبَ خَطِیْئَةً اَوْ ذَنْبًا لَا تَغْفِرُهٗ (۳)
اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ الثَّبَاتَ فِی الْاَمْرِ وَالْعَزِیْمَةَ عَلَی الرُّشْدِ وَاَسْئَلُکَ شُکْرَ نِعْمَتِکَ' وَحُسْنَ عِبَادَتِکَ' وَاَسْاَلُکَ قَلْبًا سَلِیْمًا وَخُلُقًا مُسْتَقِیْمًا وَلِسَانًا صَادِقًا وَعَمَلًا مُتَقَبَّلًا' وَاَسْاَلُکَ مِنْ خَیْرِ مَا تَعْلَمُ' وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَا تَعْلَمُ' وَاَسْتَغْفِرُکَ لِمَا تَعْلَمُ' فَاِنَّکَ تَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ (۴) اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ' وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ' فَاِنَّکَ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ'

---

(۱) بخاری۔ شداد ابن اوس (۲) ابو داؤد' نسائی فی الیوم واللیلۃ ابوبکرۃ۔ فیہ جعفر بن میمون قال النسائی : ہو لیس بالقوی (۳) احمد' حاکم۔ زید ابن ثابت (۴) ترمذی' نسائی' حاکم۔ شداد ابن اوس

وَاَنْتَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَعَلٰی كُلِّ غَیْبٍ شَهِیْدٌ (۱) اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ اِیْمَانًا
لَا یَرْتَدُّ وَنَعِیْمًا لَا یَنْفَدُ وَقُرَّةَ عَیْنِ الْاَبَدِ وَمُرَافَقَةَ نَبِیِّكَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ
وَسَلَّمَ فِیْ اَعْلٰی جَنَّةِ الْخُلْدِ (۲) اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ الطَّیِّبَاتِ وَفِعْلَ الْخَیْرَاتِ
وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِیْنِ وَاَسْاَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ اَحَبَّكَ وَحُبَّ
كُلِّ عَمَلٍ یُقَرِّبُ اِلٰی حُبِّكَ وَاَنْ تَتُوْبَ عَلَیَّ وَتَغْفِرَ لِیْ وَتَرْحَمَنِیْ وَاِذَا اَرَدْتَ
بِقَوْمٍ فِتْنَةً فَاقْبِضْنِیْ اِلَیْكَ غَیْرَ مَفْتُوْنٍ (۳) اَللّٰهُمَّ بِعِلْمِكَ الْغَیْبَ وَقُدْرَتِكَ
عَلَی الْخَلْقِ اَحْیِنِیْ مَا كَانَتِ الْحَیَاةُ خَیْرًا لِّیْ وَتَوَفَّنِیْ مَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَیْرًا لِّیْ
اَسْاَلُكَ خَشْیَتَكَ فِی الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ وَكَلِمَةَ الْعَدْلِ فِی الرِّضَاءِ وَالْغَضَبِ
وَالْقَصْدَ فِی الْغِنٰی وَالْفَقْرِ وَلَذَّةَ النَّظَرِ اِلٰی وَجْهِكَ وَالشَّوْقَ اِلٰی لِقَاءِكَ
وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ ضَرَّاءَ مُضِرَّةٍ وَفِتْنَةٍ مُضِلَّةٍ اَللّٰهُمَّ زَیِّنَّا بِزِیْنَةِ الْاِیْمَانِ وَاجْعَلْنَا هُدَاةً
مُهْتَدِیْنَ (۴) اَللّٰهُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْیَتِكَ مَا تَحُوْلُ بَیْنَنَا وَبَیْنَ مَعَاصِیْكَ
وَمِنْ طَاعَتِكَ مَا تُبَلِّغُنَا بِهٖ جَنَّتَكَ وَمِنَ الْیَقِیْنِ مَا تُهَوِّنُ بِهٖ عَلَیْنَا مَصَائِبَ الدُّنْیَا
(۵) اَللّٰهُمَّ امْلَاْ وُجُوْهَنَا مِنْكَ حَیَاءً وَقُلُوْبَنَا مِنْكَ فَرَقًا وَاَسْكِنْ فِیْ نُفُوْسِنَا
مِنْ عَظَمَتِكَ مَا تُذَلِّلُ بِهٖ جَوَارِحَنَا لِخِدْمَتِكَ وَاجْعَلْكَ اللّٰهُمَّ اَحَبَّ اِلَیْنَا مِمَّنْ
سِوَاكَ وَاجْعَلْنَا اَخْشٰی لَكَ مِمَّنْ سِوَاكَ (۶) اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ اَوَّلَ یَوْمِنَا هٰذَا
صَلَاحًا وَاَوْسَطَهٗ فَلَاحًا وَآخِرَهٗ نَجَاحًا اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ اَوَّلَهٗ رَحْمَةً وَاَوْسَطَهٗ نِعْمَةً وَّ
آخِرَهٗ تَكْرِمَةً وَّمَغْفِرَةً (۷) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ تَوَاضَعَ كُلُّ شَیْءٍ لِعَظَمَتِهٖ وَذَلَّ
كُلُّ شَیْءٍ لِعِزَّتِهٖ وَخَضَعَ كُلُّ شَیْءٍ لِمُلْكِهٖ وَاسْتَسْلَمَ كُلُّ شَیْءٍ لِقُدْرَتِهٖ وَالْحَمْدُ
لِلّٰهِ الَّذِیْ سَكَنَ كُلُّ شَیْءٍ لِهَیْبَتِهٖ وَاَظْهَرَ كُلَّ شَیْءٍ لِحِكْمَتِهٖ وَتَصَاغَرَ كُلُّ شَیْءٍ
لِكِبْرِیَائِهٖ (۸) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ
مُحَمَّدٍ وَاَزْوَاجِ مُحَمَّدٍ وَذُرِّیَّتِهٖ وَبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّیَّتِهٖ كَمَا
بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ فِی الْعٰلَمِیْنَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ (۹) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی
مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ وَنَبِیِّكَ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ رَسُوْلِكَ الْاَمِیْنِ وَاَعْطِهِ الْمَقَامَ

---

(۱) بخاری و مسلم۔ ابو موسیٰ۔ مگر اس میں یہ الفاظ نہیں "وعلی کل غیب شهید" (۲) حاکم۔ عبداللہ ابن مسعودؓ۔ حاکم کی روایت میں "قرة عین الابد" کے الفاظ نہیں ہیں۔ نسائی میں عمار ابن یاسر کی روایت میں ان الفاظ کا اختلاف ہے۔ "واسالک نعیما لا ینفد وقرة عین لا تنقطع" (۳) ترمذی' معاذؓ۔ طبرانی الدعاء۔ عبدالرحمان بن عالیش (۴) نسائی' حاکم۔ عمار ابن یاسرؓ۔ (۵) ترمذی' نسائی فی الیوم واللیلة حاکم۔ ابن عمرؓ۔ راوی کہتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس دعا پر اپنی مجلس ختم فرمایا کرتے تھے۔ (۶) مجھے اس کی اصل نہیں ملی (۷) اس روایت کا پہلا حصہ نجاحا تک طبرانی نے اور عبید بن حمید نے المنتخب میں ابن اوفیٰ سے نقل کیا ہے' اس کی سند ضعیف ہے۔ (۸) طبرانی۔ ابن عمرؓ۔ سند ضعیف' اس روایت میں یہ الفاظ نہیں ہیں "الحمد للہ الذی سکن لهیبته الخ" (۹) یہ درود شریف اسی کتاب کے دوسرے باب میں گزر چکا ہے

اَلْمَحْمُوْدَ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ یَوْمَ الدِّیْنِ (۱) اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْ اَوْلِیَاءِکَ الْمُتَّقِیْنَ وَ حِزْبِکَ الْمُفْلِحِیْنَ وَعِبَادِکَ الصَّالِحِیْنَ وَاسْتَعْمِلْنَا لِمَرْضَاتِکَ عَنَّا وَوَفِّقْنَا لِمَحَابِّکَ مِنَّا وَصَرِّفْنَا بِحُسْنِ اخْتِیَارِکَ (۲) نَسْأَلُکَ جَوَامِعَ الْخَیْرِ وَفَوَاتِحَہٗ وَخَوَاتِمَہٗ وَنَعُوْذُبِکَ مِنْ جَوَامِعِ الشَّرِّ وَفَوَاتِحِہٖ وَخَوَاتِمِہٖ (۳) اَللّٰھُمَّ بِقُدْرَتِکَ عَلَیَّ تُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ وَبِحِلْمِکَ عَنِّیْ اُعْفُ عَنِّیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفَّارُ الْحَلِیْمُ وَبِعِلْمِکَ بِیْ ارْفُقْ بِیْ اِنَّکَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ وَبِمُلْکِکَ لِیْ مَلِّکْنِیْ نَفْسِیْ وَلَا تُسَلِّطْھَا عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ الْمَلِکُ الْجَبَّارُ (۴) سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ عَمِلْتُ سُوْءًا وَظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ اِنَّکَ اَنْتَ رَبِّیْ وَلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ (۵) اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنِیْ رُشْدِیْ وَقِنِیْ شَرَّ نَفْسِیْ (۶) اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ حَلَالًا لَا تُعَاقِبُنِیْ عَلَیْہِ وَقَنِّعْنِیْ وَاسْتَعْمِلْنِیْ بِہٖ صَالِحًا تَقَبَّلُہٗ مِنِّیْ (۷) اَسْأَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ وَحُسْنَ الْیَقِیْنِ وَالْمُعَافَاۃَ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَۃِ (۸) یَامَنْ لَا تَضُرُّہُ الذُّنُوْبُ وَلَا تَنْقُصُہُ الْمَغْفِرَۃُ ھَبْ لِیْ مَالَا یَضُرُّکَ وَاَعْطِنِیْ مَالَا یَنْقُصُکَ رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَتَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ اَنْتَ وَلِیِّیْ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَۃِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصَّالِحِیْنَ اَنْتَ وَلِیُّنَا فَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الْغَافِرِیْنَ وَاکْتُبْ لَنَا فِیْ ھٰذِہِ الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْآخِرَۃِ اِنَّا ھُدْنَا اِلَیْکَ رَبَّنَا عَلَیْکَ تَوَکَّلْنَا وَاِلَیْکَ اَنَبْنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَۃً لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِیْنَ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَۃً لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَاغْفِرْلَنَا رَبَّنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکَافِرِیْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً وَّھَیِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْآخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ رَبَّنَا اٰتِنَا

---

(۱) یہ درود مجھے کسی ایک جگہ نہیں ملا، بلکہ بخاری میں ابو سعیدؓ سے یہ الفاظ مروی ہیں "اللّٰھم صل علی محمد عبدک ورسولک" ابن حبان، دار قطنی، حاکم اور بیہقی میں ابن مسعود سے روایت ہے "اللّٰھم صل علی محمد النبی الامی" نسائی میں حضرت جابرؓ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں "وابعثہ المقام المحمود الذی وعدتہ" (۲) مجھے اس کی اصل نہیں ملی (۳) طبرانی میں ام سلمہ کی روایت ہے انہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یدعو بھولاء الکلمات "فذکر منھا" اللّٰھم انی اسألک فواتح الخیر و خواتمہ واولہ وآخرہ و ظاھرہ وباطنہ والدرجات العلی فی الجنۃ (۴) مجھے اس کی اصل نہیں ملی (۵) بیہقی میں حضرت علی کی روایت ہے مگر اس میں یہ جملہ نہیں ہے "ذنبی انک انت ربی" (۶) (ترمذی میں عمران ابن حصین کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ یہ دعا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سکھلائی تھی، نسائی نے الیوم واللیلۃ میں، اور حاکم نے مستدرک میں عمران کے والد حصین سے روایت نقل کی ہے، اور اسے بخاری و مسلم کی شرطوں کے مطابق صحیح قرار دیا ہے۔ (۷) حاکم میں ابن عباسؓ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں "کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یدعو اللّٰھم اقنعنی بما رزقنی وبارک لی فیہ واخلف علی کل غائبۃ لی بخیر (۸) نسائی، بیہقی، اور احمد میں یہ روایت حضرت ابو بکر الصدیقؓ سے منقول ہے، مگر یہ الفاظ احیاء العلوم سے کچھ مختلف ہیں

سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِىْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ آمِنُوْا بِرَبِّكُمْ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ، رَبَّنَا وَ آتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ، وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ، اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادِ، رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَالَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ (۱) رَبِّ اغْفِرْ لِىْ وَلِوَالِدَىَّ وَارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِىْ صَغِيْرًا وَاغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ الْاَحْيَاءِ مِنْهُمْ وَالْاَمْوَاتِ (۲) رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ تَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ وَاَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَكْرَمُ وَاَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِيْنَ وَخَيْرُ الْغَافِرِيْنَ (۳) وَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِىِّ الْعَظِيْمِ، وَحَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وَ آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔

اے اللہ! میں تجھ سے تیرے فیصلے کے بعد راضی رہنے کی التجا کرتا ہوں' اور مرنے کے بعد خوش گوار زندگی کی' تیرے چہرہ کی طرف دیکھنے کی' اور تیری ملاقات کے شوق کی درخواست کرتا ہوں' اس طرح پر کہ نہ کسی ضرر دینے والی چیز کا ضرر ہو اور نہ گمراہ کرنے والا فتنہ ہو' اور میں اس بات سے تیری پناہ چاہتا ہوں' کہ ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جائے' میں زیادتی کروں' یا مجھ پر زیادتی کی جائے' یا میں کسی ایسے گناہ یا غلطی کا مرتکب ہوں تو اس کی مغفرت نہ کرے۔ اے اللہ! میں تجھ سے معاملات میں ثبات قدمی کی' اور ہدایت پر مضبوط رہنے کی درخواست کرتا ہوں کہ مجھے تیری نعمتوں کے شکر کی' اور حسن عبادت کی توفیق عطا کر' اور یہ درخواست کرتا ہوں کہ مجھے قلب سلیم' راست عادت' سچی زبان' اور عمل مقبول سے نواز' میں تجھ سے اس خیر کی درخواست کرتا ہوں' جو تو جانتا ہے' اور اس شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں جو تو جانتا ہے' ان گناہوں کی مغفرت چاہتا ہوں جو تو جانتا ہے' اس لئے کہ تو جانتا ہے' میں نہیں جانتا اور تو غیب کی باتوں کا زیادہ جاننے والا ہے۔ اے اللہ! میرے اگلے پچھلے ظاہر و پوشیدہ گناہ معاف کیجئے' تو ہی اپنی رحمت میں آگے بڑھانے والا ہے' تو ہی پیچھے ہٹانے والا ہے' تو ہر چیز پر قادر ہے اور غیب کی ہربات سے واقف ہے۔ اے اللہ! میں تجھ سے ایسے ایمان کی درخواست کرتا ہوں جو منحرف نہ ہو۔ اور ایسی نعمتوں کی درخواست کرتا ہوں جو ختم نہ ہوں' اور ہمیشہ کے لئے آنکھ کی ٹھنڈک مانگتا ہوں' اور جنت کے اعلیٰ درجات میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کی درخواست کرتا ہوں۔ اور اچھے عمل کرنے' اور برے کاموں سے رکنے کی توفیق عطا کر' اور یہ درخواست کرتا ہوں مجھے مساکین کی محبت عطا کر اپنی محبت سے نواز' اور ان لوگوں کی محبت دے' جو تجھ سے محبت کریں' اور ہر اس عمل کی محبت پیدا فرما جو تیری محبت میں اضافہ کرے' اور یہ درخواست کرتا ہوں کہ میری توبہ قبول کر' میری مغفرت فرما' مجھ پر رحم کر' اور جب تو کسی قوم کو گمراہ کرنے کا ارادہ کرے تو مجھے اس حالت میں اپنے پاس

---

(۱) ابو منصور الدیلمی۔ بروایت علیؓ۔ سند ضعیف (۲) ابو داؤد' ابن ماجہ' ابو سعید الساعدیؓ' مستغفری فی الدعوات مثلہ عن انسؓ

(۳) احمد میں ام سلمہؓ کی روایت ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے "رب اغفر وارحم واھدنی السبیل الاقوم" طبرانی میں ابن مسعود کی روایت ہے کہ جب آپ کا گزر کسی نشیبی زمین سے ہوتا تو یہ دعا فرماتے "اللّٰھم اغفر وارحم وانت الاعز اکرم"

بلالے کہ میں فتنہ میں مبتلا نہ ہوں۔ اے اللہ! اپنے علم غیب اور مخلوق پر اپنی قدرت کے باعث مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک کہ زندگی میرے حق میں بہتر ہو' اور مجھے اس وقت موت دے جب مرنا میرے حق میں بہتر ہو اے اللہ! میں غیب و حضور میں تیرے خوف کی' خوشی اور غصہ میں کلمۂ حق کہنے کی' مالداری اور تنگدستی میں میانہ روی کی درخواست کرتا ہوں' اور یہ درخواست کرتا ہوں' کہ مجھے اپنے چہرے کی طرف دیکھنے کی لذت' اور اپنے دیدار کا شوق عطا کر' اے اللہ! میں ہر ضرر دینے والی چیز سے اور ہر گمراہ کرنے والے فتنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں' اے اللہ! ہمیں ایمان کی زینت سے آراستہ کر' اللہ! ہمیں راہ یاب راہ نما بنا' اے اللہ! تو ہمیں اپنا خوف اس قدر نصیب کر کہ وہ ہماری اور نافرمانیوں کے درمیان حائل ہو جائے' اور ہمیں اتنی اطاعت نصیب کر کہ جس سے تو ہمیں جنت میں پہنچادے' اور اس قدر یقین عطا کر کہ تو اس کی وجہ سے ہمارے لئے دنیا کے مصائب آسان فرمادے۔ اے اللہ! تو ہمارے چہرے اپنی حیا سے' اور ہمارے دل اپنے خوف سے لبریز کردے' اور ہمارے دلوں میں اپنی وہ عظمت قائم کر کہ اس کی وجہ سے تو ہمارے اعضاء کو اپنی خدمت کے لئے آمادہ کرلے' اے اللہ! تو اپنی ذات کو ہمارے لئے اپنے علاوہ ہر شئے سے زیادہ محبوب بنا' اور ہمیں ایسا بنادے کہ ہم تجھ سے زیادہ ڈریں۔ اے اللہ! ہمارے اس دن کے ابتدائی حصے کو خیر' درمیانی حصے کو فلاح اور آخری حصے کو کامیابی کا ذریعہ قرار دے' اے اللہ! اس دن کے آغاز کو رحمت' درمیان کو نعمت اور آخر کو کرامت اور مغفرت بنا۔

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس کی عظمت کے سامنے ہر شئے خوار ہے' اور جس کی عزت کے سامنے ہر چیز ذلیل ہے' جس کی سلطنت کے سامنے ہر چیز سرنگوں ہے' جس کی قدرت کے سامنے ہر چیز عاجز ہے' تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس کی ہیبت کے سامنے ہر چیز ساکن ہے' اور جس نے ہر چیز کو اپنی حکمت سے ظاہر کیا ہے' اور جس کی بڑائی کے آگے ہر چیز چھوٹی ہو گئی ہے' اے اللہ! رحمت نازل کیجئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر' آپ کی آل و اولاد پر' اور ازواج مطہرات پر' اے اللہ! برکت نازل کیجئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر' آپ کی آل و اولاد پر' آپ کی ازواج مطہرات پر' جیسا کہ تو نے دنیا میں ابراہیم علیہ السلام پر برکت نازل کی ہے' بے شک تو لائق تعریف ہے' بزرگی والا ہے' اے اللہ! رحمت نازل کیجئے اپنے بندے' اپنے رسول' اور اپنے نبی پر' نبی امی پر' رسول امین پر' اور انہیں قیامت کے روز مقام محمود عطا کر جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے۔

اے اللہ! ہمیں اپنے متقی دوستوں' فلاح پانے والے گروہ' اور نیک بندوں کی صف میں شامل فرما' اور ہمیں اپنی مرضیات کے لئے استعمال کر' اور ہمیں ان امور کی توفیق دے جو تجھے اچھے لگیں' اور ہمیں حسن اختیار کے ساتھ واپس کر' اے اللہ! ہم تجھ سے خیر کے جامع افعال خیر سے شروع ہونے والے اور خیر پر ختم ہونے والے افعال کی درخواست کرتے ہیں' اور شر کے جامع افعال' شر سے شروع ہونے والے اور شر سے ختم ہونے والے افعال سے تیری پناہ چاہتا ہوں' اے اللہ! مجھ پر اپنی قدرت کے باعث میری توبہ قبول فرما' بلاشبہ تو توبہ قبول کرنے والا ہے' مہربان ہے' میرے ساتھ اپنے حکم کے باعث میرے گناہ معاف کر' بلاشبہ تو ہی بخشنے والا ہے۔ حلیم ہے' اور چونکہ تو میرے حال سے واقف ہے اس لئے مجھ سے نرمی کا معاملہ کر' بلاشبہ تو رحم والوں سے زیادہ رحم والا ہے' تو میرا مالک ہے اس لئے مجھے اپنے نفس کا مالک بنادے' اور میرے نفس کو مجھ پر مسلط نہ کر' بلاشبہ تو بادشاہ ہے' بگڑے کام بنانے والا ہے' اے اللہ! تو پاک ہے' میں تیری حمد کے ساتھ پاکی بیان کرتا ہوں' تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے' میں نے برے کام کئے' اور اپنے نفس پر ظلم کیا' میرے گناہ معاف کردے' تو ہی میرا رب ہے' میرے دل میں ہدایت ڈال دیجئے' اور مجھے وہ رزق حلال عطا کیجئے کہ جس پر

ترجمہ: سارے اللہ جو کچھ عطا کرے مجھے اس پر قانع بنا اور برکت دے کر مجھ سے ایسا نیک کام لے جسے تو قبول کرے اے اللہ میں تجھ سے عفو و درگزر' سلامتی' حسن یقین' اور دنیا و آخرت میں معافی کا خواستگار ہوں۔ اے وہ ذات! جسے (بندوں کے) گناہ نقصان نہیں پہنچاتے' اور نہ مغفرت سے اس کے (خزانہ عفو) میں کمی آتی ہے' مجھے وہ چیز عطا کر جو تجھے ضرر نہ پہنچائے' اور وہ چیز عطا کر جو تیرا نقصان نہ کرے' اے اللہ! تو ہم پہ صبر ڈال دے' اور مسلمان ہونے کی حالت میں موت دے' تو دنیا و آخرت میں میرا آقا ہے' مجھے مسلمان ہونے کی حالت میں موت دے' اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملا' تو ہمارا آقا ہے' ہماری مغفرت فرما' ہم پر رحم کر' تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے' ہمارے لئے اس دنیا میں اور آخرت میں نیکی لکھ' اے اللہ! ہم تیری طرف چلے' ہم نے تجھ پر بھروسہ کیا' تیری طرف رجوع کیا' اور تیری طرف لوٹنا ہے' اے اللہ! ہمیں ظلم کرنے والوں کا فتنہ مت بنا' اے ہمارے رب! ہمیں کافروں کا فتنہ مت بنا' ہماری مغفرت کر' بلاشبہ تو زبردست حکمت والا ہے' اے اللہ! ہمارے گناہ معاف کر' اور ہماری زیادتی سے درگزر کر جو ہمارے کاموں میں ہوئی' اور ہمیں ثابت قدم رکھ' اور کافروں کے خلاف ہماری مدد کر' اے اللہ! ہماری مغفرت فرما اور ہمارے ان بھائیوں کی بھی مغفرت کر جو ہم سے پہلے ایمان لائے' اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لئے کینہ پیدا نہ کر' اے ہمارے رب! بے شک تو بڑا مہربان اور رحمت والا ہے' اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنے پاس رحمت (کا سامان) عطا کر' اور ہمارے اس کام میں درستی مہیا فرما' اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھلائی دے' اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا' اے اللہ! ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا کہ وہ ایمان کا اعلان کررہا ہے' (اور کہہ رہا ہے) اپنے رب پر ایمان لاؤ' سو ہم ایمان لے کر آئے' اے ہمارے رب! ہمارے گناہ معاف کر' اور ہم سے ہماری برائیاں دور فرما' اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ اٹھا' اے اللہ! ہمیں وہ چیز عطا کر جس کا تو نے اپنے رسولوں کی زبانی ہم سے وعدہ کیا ہے' اور ہمیں قیامت کے روز رسوا مت کر' بے شک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا ہے' اے ہمارے رب! اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کریں تو ہم سے مواخذہ مت کیجئے' اے ہمارے پروردگار! اور ہم پر کوئی سخت حکم نہ کیجئے جیسا کہ ہم سے پہلے لوگوں پر آپ نے بھیجے تھے' اے ہمارے رب! ہم پر کوئی بار (دنیا و آخرت) کا نہ ڈالئے جس کی ہم کو سہار نہ ہو' اور ہم سے درگزر کیجئے' اور ہمیں بخش دیجئے' اور ہم پر رحم کیجئے' آپ ہمارے کارساز ہیں' (اور کارساز طرفدار ہوتا ہے) سو آپ ہم کو کافروں پر غالب کیجئے۔ اے اللہ! میری اور میرے والدین کی مغفرت کیجئے' اور ان دونوں پر رحمت فرمایئے' جس طرح انہوں نے مجھے بچپن سے پالا' اور اہل ایمان مردوں' عورتوں' مسلمان مردوں اور عورتوں کی' وہ زندہ ہوں یا مردہ ہوں مغفرت کیجئے' اے اللہ! مغفرت کیجئے' اور ان خطاؤں سے درگزر فرمایئے جو آپ جانتے ہیں' آپ سب سے زیادہ عزت والے اور کرم والے ہیں' اور آپ رحمت کرنے والوں میں سب سے بہتر ہیں' ہم سب اللہ کے لئے ہیں' اور ہمیں اس کی طرف واپس جانا ہے' گناہ سے بچنے کی قوت' اور عبادت کی طاقت صرف اللہ برتر و اعلیٰ کی عطا کردہ ہے' اللہ ہمیں کافی ہے' وہ بہترین کارساز ہے۔ اللہ رحمت کرے' اور سلامتی نازل فرمائے خاتم الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر' آپ کی اولاد پر' آپ کے اصحاب پر۔

استعاذہ کی دعائیں: یہ وہ دعائیں ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز سے پناہ مانگی ہے :-

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْبُخْلِ' وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْجُبْنِ' وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ اَنْ اُرَدَّ اِلٰی اَرْذَلِ

الْعُمُرِ، وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ (۱) اَللّٰهُمَّ
اَعُوْذُبِکَ مِنْ طَمَعٍ يَهْدِیْ اِلٰی طَبَعٍ، وَمِنْ طَمَعٍ فِیْ غَيْرِ مَطْمَعٍ وَمِنْ طَمَعٍ
حَيْثُ لَا مَطْمَعَ (۲) اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ، وَقَلْبٍ لَا يَخْشَعُ وَ
دُعَاءٍ لَا يُسْمَعُ وَنَفْسٍ لَا تَشْبَعُ، وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْجُوْعِ فَاِنَّهُ بِئْسَ الضَّجِيْعُ، وَمِنَ
الْخِيَانَةِ فَاِنَّهَا بِئْسَتِ الْبِطَانَةُ، وَمِنَ الْکَسَلِ وَالْبُخْلِ وَالْجُبْنِ، وَمِنَ الْهَرَمِ وَمِنْ اَنْ
اُرَدَّ اِلٰی اَرْذَلِ الْعُمُرِ، وَمِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ، وَعَذَابِ الْقَبْرِ، وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا
وَالْمَمَاتِ، اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْاَلُکَ قُلُوْبًا اَوَّاهَةً مُخْبِتَةً مُنِيْبَةً فِیْ سَبِيْلِکَ، اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ
اَسْاَلُکَ عَزَائِمَ مَغْفِرَتِکَ، وَمُوْجِبَاتِ رَحْمَتِکَ، وَالسَّلَامَةَ مِنْ کُلِّ اِثْمٍ وَالْغَنِيْمَةَ
مِنْ کُلِّ بِرٍّ، وَالْفَوْزَ بِالْجَنَّةِ وَالنَّجَاةَ مِنَ النَّارِ (۳) اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ التَّرَدِّیْ،
وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْغَمِّ وَالْغَرَقِ وَالْهَدْمِ، وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ اَنْ اَمُوْتَ فِیْ سَبِيْلِکَ مُدْبِرًا،
وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ اَنْ اَمُوْتَ لِطَلَبِ الدُّنْيَا (۴) اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَا عَلِمْتُ
وَمِنْ شَرِّ مَا لَمْ اَعْلَمْ (۵) اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنِیْ مُنْکَرَاتِ الْاَخْلَاقِ وَالْاَعْمَالِ، وَالْاَدْوَاءِ،
وَالْاَهْوَاءِ (۶) اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ جَهْدِ الْبَلَاءِ، وَدَرْکِ الشَّقَاءِ، وَسُوْءِ الْقَضَاءِ،
وَشَمَاتَةِ الْاَعْدَاءِ (۷) اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْکُفْرِ وَالدَّيْنِ، وَالْفَقْرِ، وَاَعُوْذُبِکَ
مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ، وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ (۸) اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ
سَمْعِیْ وَ بَصَرِیْ، وَشَرِّ لِسَانِیْ، وَقَلْبِیْ، وَشَرِّ مَنِيِّیْ (۹)
اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ جَارِ السُّوْءِ فِیْ دَارِ الْمُقَامَةِ فَاِنَّ جَارَ الْبَادِيَةِ يَتَحَوَّلُ (۱۰)
اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْقَسْوَةِ وَالْغَفْلَةِ وَالْعَيْلَةِ وَالذِّلَّةِ وَالْمَسْکَنَةِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ
الْکُفْرِ وَالْفَقْرِ وَالْفُسُوْقِ وَالشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوْءِ الْاَخْلَاقِ وَالسُّمْعَةِ وَالرِّيَاءِ
وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الصَّمَمِ وَالْبَکَمِ، وَالْعَمٰی، وَالْجُنُوْنِ وَالْجُذَامِ، وَالْبَرَصِ وَسَيِّئِ
الْاَسْقَامِ (۱۱) اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِکَ وَمِنْ تَحَوُّلِ عَافِيَتِکَ وَمِنْ
فُجَاءَةِ نِقْمَتِکَ وَمِنْ جَمِيْعِ سَخَطِکَ (۱۲) اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ،
وَفِتْنَةِ النَّارِ، وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَفِتْنَةِ الْقَبْرِ وَشَرِّ فِتْنَةِ الْغِنٰی وَشَرِّ فِتْنَةِ الْفَقْرِ، وَشَرِّ
فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ، وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْمَغْرَمِ وَالْمَاْثَمِ (۱۳) اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ

---

(۱) بخاری۔ سعد ابن ابی وقاصؓ (۲) احمد، حاکم۔ معاذؓ (۳) حاکم، ابن مسعودؓ۔ یہ دعائیں مختلف صحاح روایات میں وارد ہوئی ہیں، ان کا مجموعہ کسی ایک راوی سے منقول نہیں ہے (۴) ابوداؤد، نسائی، حاکم۔ کعب ابن عمرؓ حاکم میں یہ روایت کسی قدر حذف و اضافے کے ساتھ منقول ہے (۵) احیاء العلوم" کے بعض نسخوں میں یہ دعا ان الفاظ میں مروی ہے۔ "انی اعوذبک من شر ما عملت و مالم اعمل" مسلم میں یہ روایت حضرت عائشہ سے اسی طرح منقول ہے (۶) ترمذی، حاکم۔ قطبۃ ابن مالکؓ (۷) بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہؓ (۸) نسائی اور حاکم میں ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ آپ کفر اور قرض سے پناہ مانگا کرتے تھے، نسائی میں "الکفر والفقر" کے الفاظ ہیں، مسلم میں ابو ہریرہ کی حدیث ہے کہ آپ عذاب قبر، عذاب جہنم اور دجال کے فتنے سے پناہ مانگا کرتے تھے، اسی مضمون کی ایک روایت بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ سے ہے (۹) ابوداؤد، نسائی، ترمذی، حاکم۔ شکل ابن حمیدؓ (۱۰) نسائی، حاکم۔ ابوہریرہؓ (۱۱) ابو داؤد، نسائی مختصراً و حاکم مفصلاً عن انسؓ (۱۲) مسلم۔ ابن عمرؓ (۱۳) بخاری و مسلم۔ عائشہؓ

مِنْ نَفْسٍ لَّا تَشْبَعُ وَقَلْبٍ لَا يَخْشَعُ وَصَلٰوةٍ لَاتَنْفَعُ، وَدَعْوَةٍ لَا تُسْتَجَابُ، وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ الْعُمُرِ وَفِتْنَةِ الصَّدْرِ (۱) اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَغَلَبَةِ الْعَدُوِّ وَشَمَاتَةِ الْاَعْدَاءِ۔ (۲)

اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں کنجوسی سے' بزدلی سے' بڑھاپے سے دنیا کے فتنے سے اور قبر کے عذاب سے' اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں ایسے لالچ سے جو دل پر مہر لگادے' اور ایسے لالچ سے جو بے موقع ہو' اور ایسے لالچ سے جہاں کسی قسم کی توقع نہ ہو' اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں ایسے علم سے جو نفع نہ دے' اور ایسے دل سے جس میں تیرا خوف نہ ہو' اور ایسی دعا سے جو سنی نہ جائے' اور ایسے نفس سے جو سیر نہ ہو' اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں بھوک سے' اس لئے کہ بھوک بد ترین رفیق ہے' اور تیری پناہ چاہتا ہوں خیانت سے' اس لئے کہ خیانت بد ترین ساتھی ہے' اور تیری پناہ چاہتا ہوں سستی سے' کنجوسی سے' بزدلی سے' بڑھاپے سے' اور اس سے کہ عمر کے بد ترین دور میں داخل ہوں' اور دجال کے فتنے سے' قبر کے عذاب سے' زندگی اور موت کے فتنے سے' اے اللہ! ہم تجھ سے ایسے دل مانگتے ہیں جو نرم ہوں' عاجزی کرنے والے ہوں اور تیری راہ میں رجوع کرنے والے ہوں' اے اللہ! میں ان چیزوں کا سوال کرتا ہوں جو تیری مغفرت کو ضروری کردیں' اور ان چیزوں کا جو تیری رحمت کو واضح کردیں" اور ہر گناہ سے اپنی نجات' اور ہر نیک کام میں اپنا حصہ' جنت ملنے کی کامیابی اور دوزخ سے نجات چاہتا ہوں' اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں ہلاکت سے' غم سے' ڈوبنے سے اور (دیوار وغیرہ) گرنے سے' اور اس بات سے پناہ چاہتا ہوں کہ تیری راہ میں پشت پھیر کر بھاگنے کی حالت میں میری موت آئے' اور اس بات سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ میں دنیا کی طلب کے لئے مروں' اے اللہ! اس چیز کے شر سے جو مجھے معلوم ہے' اور اس چیز کے شر سے جسے میں نہیں جانتا میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اے اللہ! مجھے برے اخلاق' برے اعمال' برے امراض' اور بری خواہشات سے محفوظ رکھئے۔ اے اللہ! میں مصیبت کی مشقت سے' بد بختی سے' برے فیصلے سے' اور دشمنوں کی ہنسی سے تیری پناہ چاہتا ہوں' اے اللہ! میں کفر سے' قرض اور فقر و فاقہ سے تیری پناہ چاہتا ہوں' میں جہنم کے عذاب سے تیری پناہ چاہتا ہوں' میں دجال کے فتنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں' اے اللہ! میں اپنے کان اور آنکھ کے شر سے' دل اور زبان کے شر سے' اپنی منی (زنا) کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اے اللہ! میں رہنے کی جگہ میں برے پڑوسی سے تیری پناہ چاہتا ہوں' کیونکہ جنگل کا پڑوسی بدل جاتا ہے۔ اے اللہ! میں سنگدلی سے' (اطاعت میں) غفلت سے' فقر و فاقہ سے' ذلت اور مسکنت سے تیری پناہ چاہتا ہوں' میں کفر و فقر' تنگدستی' بدکاری' جھگڑے' نفاق' بد اخلاقی اور نام و نمود سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ میں تیری پناہ چاہتا ہوں بہرے پن سے' گونگے پن اور اندھے پن سے' جنون سے' جذام' برص اور بری بیماریوں سے' اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں تیری نعمت کے چھن جانے سے' اور تیری عافیت کے پھر جانے سے' اور تیرے اچانک عذاب سے' اور تیرے ہر طرح کے غیظ و غضب سے۔ اے اللہ! میں دوزخ کے عذاب سے' آگ کے فتنے سے قبر کے عذاب اور اس کے فتنے سے، مال داری کے فتنے کے شر سے، تنگدستی کے فتنے کے شر سے اور دجال کے فتنے کے شر سے

(۱) مسلم میں زید ابن ارقم کی حدیث ہے "اللّٰهم انی اعوذبک من قلب لا یخشع ونفس لا تشبع وعمل لا یرفع ودعوۃ لا یستجاب لها وصلوٰۃ لا تنفع۔ "نسائی میں انسؓ کی روایت ہے۔ اللّٰهم انی اعوذبک من سوء العمر اعوذبک من فتنة الصدر"

(۲) حاکم عبداللہ ابن عمرؓ۔

تیری پناہ چاہتا ہوں۔ میں تیری پناہ چاہتا ہوں قرض اور گناہ سے' اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس نفس سے جو سیر نہ ہو' اس دل سے جو نہ ڈرے' اس نماز سے جو فائدہ نہ دے' اس دعا سے جو قبول نہ کی جائے' میں تیری پناہ چاہتا ہوں زندگی کے شر سے' اور سینے کے فتنے سے۔ اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں قرض کی زیادتی سے' دشمن کے غلبے سے' اور دشمنوں کی ہنسی سے۔

پانچواں باب

مختلف اوقات کی دعائیں

جب تم صبح کو اٹھو اور مؤذن کی آواز سنو تو مسنون طریقے پر اذان کا جواب دو کتاب الطہارۃ میں ہم بیت الخلاء میں جانے اور باہر آنے کے آداب اور اس موقع پر پڑھی جانے والی دعائیں ذکر کرچکے ہیں' یہ دعائیں موقع کے مطابق پڑھو' پھر وضو کرو' اور اس موقع کی دعائیں پڑھو' جب مسجد کا ارادہ کرو تو یہ دعا پڑھو :۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا وَفِیْ لِسَانِیْ نُوْرًا وَاجْعَلْ فِیْ سَمْعِیْ نُوْرًا وَجْعَلْ فِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا وَاجْعَلْ خَلْفِیْ نُوْرًا وَاَمَامِیْ نُوْرًا وَاجْعَلْ مِنْ فَوْقِیْ نُوْرًا اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِیْ نُوْرًا۔ (۱)

اے اللہ! میرے دل میں نور کردے' میرے زبان میں نور کردے' میرے کانوں میں نور کردے' میری آنکھوں میں نور کردے میرے پیچھے نور کردے' میرے آگے نور کردے' میرے اوپر نور کردے' اے اللہ! مجھے نور عنایت فرما۔

یہ بھی کہو :۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِحَقِّ السَّائِلِیْنَ عَلَیْکَ وَبِحَقِّ مَمْشَایَ هٰذَا اِلَیْکَ فَاِنِّیْ لَمْ اَخْرُجْ اَشَرًا وَلَا بَطَرًا وَ لَا رِیَاءً وَلَا سُمْعَةً خَرَجْتُ اِتِّقَاءَ سَخَطِکَ وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِکَ فَاَسْئَلُکَ اَنْ تُنْقِذَنِیْ مِنَ النَّارِ وَاَنْ تَغْفِرَلِیْ ذُنُوْبِیْ اِنَّهُ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ (۲)

اے اللہ! میں تجھ سے اس حق کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں جو سائلین کا تجھ پر ہے' اور تیری طرف اپنے چلنے کے واسطے سے سوال کرتا ہوں۔ نہ میں مال کے غرور میں نکلا ہوں' نہ اترا کر' نہ نام و نمود اور شہرت کے لئے' بلکہ میں صرف تیرے غصے سے بچنے کے لئے اور تیری رضامندی حاصل کرنے کے لئے نکلا ہوں۔ میری درخواست یہ ہے کہ مجھے آگ کے عذاب سے نجات عطا کر' میرے گناہ معاف فرما' بلاشبہ تیرے علاوہ کوئی گناہ معاف کرنے والا نہیں ہے۔

گھر سے نکلنے کے وقت :۔

بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ اَعُوْذُبِکَ اَنْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ اَوْ اَجْهَلَ اَوْ یُجْهَلَ عَلَیَّ (۳) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ اَلتُّکْلَانُ عَلَی اللّٰهِ (۴)

---

(۱) بخاری و مسلم۔ ابن عباسؓ (۲) ابن ماجہ' ابو سعید الخدریؓ (۳) اصحاب سنن۔ ام سلمہؓ (۱) ابن ماجہ۔ ابو ہریرہؓ۔ مگر اس روایت میں "الرحمٰن الرحیم" کے الفاظ نہیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے۔ اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ ظلم کروں۔ یا مجھ پر ظلم کیا جائے، جہل کروں، یا میرے ساتھ جہالت کا برتاؤ کیا جائے۔ شروع ہے اللہ رحمن رحیم کے نام سے گناہ سے بچنے کی طاقت اور اطاعت کی قوت صرف اللہ ہی کی دی ہوئی ہے، بھروسہ اللہ پر ہے۔

جب مسجد کے دروازے پر پہنچے :-

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّسَلِّمْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ جَمِيْعَ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ (۱)

اے اللہ! رحمت نازل فرما محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ اے اللہ! میرے تمام گناہوں کی مغفرت فرما، اور میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔

مسجد میں داخل ہونے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ پہلے دایاں پاؤں اندر رکھے، پھر بایاں، مسجد میں داخل ہونے کے بعد اگر یہ دیکھے کہ کوئی شخص خرید و فروخت میں مشغول ہے تو یہ کہے : لَا اَرْبَحَ اللّٰهُ تِجَارَتَكَ (۲) (اللہ تیری تجارت میں نفع نہ دے) اور اگر کوئی شخص مسجد میں اپنی گم شدہ چیز کا اعلان کر رہا ہو تو یہ کہے : لَا رَدَّهَا اللّٰهُ عَلَيْكَ (۳) (اللہ کرے وہ چیز تجھے واپس نہ ملے)

فجر کی سنتوں سے فراغت کے بعد :-

بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِكَ تَهْدِيْ بِهَا قَلْبِيْ (۴) (الی آخرہ)

شروع ہے اللہ کے نام سے۔ میں تجھ سے اس رحمت خاص کی درخواست کرتا ہوں جس سے میرا دل ہدایت پائے (آخر تک)۔

رکوع میں :-

اَللّٰهُمَّ لَكَ رَكَعْتُ وَلَكَ خَشَعْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَلَكَ اَسْلَمْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ اَنْتَ رَبِّيْ خَشَعَ لَكَ سَمْعِيْ وَبَصَرِيْ وَمُخِّيْ وَعَظْمِيْ وَعَصَبِيْ وَمَا اسْتَقَلَّتْ بِهِ قَدَمِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ (۵)

اے اللہ! میں نے تیرے لئے رکوع کیا، تیرے لئے خشوع کیا، تجھ پر ایمان لایا، تیری اطاعت کی، تجھ پر بھروسہ کیا، تو میرا رب ہے، تیرے لئے اللہ رب العالمین کے لئے میرے کانوں نے، میری آنکھوں نے، میرے مغز نے، میری ہڈیوں اور پٹھوں، اور میرے پورے جسم نے خشوع کیا۔

اگر چاہے تو یہ تسبیحات بھی پڑھ سکتا ہے، پہلی تسبیح تین بار پڑھے۔

سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ (۶)

پاک ہے میرا رب عظیم

سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوْحِ (۷)

---

(۱) ترمذی، ابن ماجہ، فاطمہؓ۔ مسلم میں ابو حمید یا ابو اسید کی روایت کے الفاظ ہیں "اذا دخل احدکم المسجد فلیقل اللّٰھم افتح لی ابواب رحمتک" ابو داؤد نے یہ زیادتی بھی روایت کی ہے "فلیسلم علی النبی صلی اللّٰہ وسلم" (۲) ترمذی، نسائی فی الیوم واللیلۃ۔ ابو ہریرہؓ (۳) مسلم۔ ابو ہریرہؓ (۴) مسلم۔ ابن عباسؓ۔ یہ پوری دعا تیسرے باب میں گزر چکی ہے۔ (۵) مسلم۔ علیؓ (۶) ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ، ابن مسعودؓ۔ (۷) مسلم۔ عائشہؓ

پاک ہے' نہایت پاک ہے۔ فرشتوں اور روح الامین (جبرئیل) کا رب۔

رکوع سے اٹھتے ہوئے :۔

سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْأَ السَّمٰوٰتِ وَمِلْأَ الْأَرْضِ وَمِلْأَ مَا بَيْنَهُمَا وَمِلْأَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ أَهْلَ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ أَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ وَكُلُّنَا لَكَ عَبْدٌ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ (۱)

اللہ نے اس شخص کا قول قبول کیا جس نے اس کی حمد کی' اے ہمارے رب! تمام تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں آسمانوں سے بھرپور' زمین سے بھرپور' آسمان و زمین کے درمیانی حصے سے بھرپور' اور اس چیز سے بھرپور جو ان کے علاوہ تو چاہے۔ اے صاحب حمد و ثنا! تو اس بات کے زیادہ لائق ہے جو بندہ نے کہی' ہم سب تیرے بندے ہیں' جو چیز عطا کرے اور اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے اور جو چیز تو نہ دے اس کا کوئی دینے والا نہیں ہے' اور کسی مالدار کو اس کی مالداری تیرے عذاب سے نہیں بچاسکتی۔

سجدہ میں :۔

اَللّٰهُمَّ لَكَ سَجَدْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَلَكَ أَسْلَمْتُ سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِي خَلَقَهُ وَصَوَّرَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ (۲) اَللّٰهُمَّ سَجَدَ لَكَ سَوَادِي وَخَيَالِي وَآمَنَ بِكَ فُؤَادِي أَبُوءُ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَأَبُوءُ بِذَنْبِي وَهٰذَا مَا جَنَيْتُ عَلٰى نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ۔ (۳)

اے اللہ! میں نے تیرے لئے سجدہ کیا' میں تجھ پر ایمان لایا' تیری اطاعت کی' میرے چہرے نے اس ذات کے لئے سجدہ کیا جس نے اسے پیدا کیا' اس کی صورت بنائی' اس کے کان اور آنکھیں بنائیں' پیدا کرنے والوں میں بہترین خالق بڑا برکت والا ہے۔ تیرے لئے میرے جسم نے' میرے خیال و فکر نے سجدہ کیا' تجھ پر میرا دل ایمان لایا' میں تیری نعمت کا اقرار کرتا ہوں' اور اپنے گناہوں کو تسلیم کرتا ہوں۔ یہ وہ گناہ ہیں جو میں نے کئے ہیں میری مغفرت فرما' تیرے سوا کوئی گناہ معاف کرنے والا نہیں ہے۔

یا تین مرتبہ یہ الفاظ کہے "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى" (۴) (پاک ہے میرا برتر و اعلیٰ رب)

نماز سے فارغ ہونے کے بعد :۔

اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ (۵)

اے اللہ! تو سلامت رہنے والا ہے' اور تجھ سے ہی سلامتی مل سکتی ہے' تو بابرکت ہے اے بزرگی اور عظمت والے۔

مجلس سے اٹھتے ہوئے :۔

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ

---

(۱) مسلم میں یہ روایت ابو سعید الخدریؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے' لیکن اس روایت میں "سمع اللہ لمن حمدہ" نہیں ہے۔ یہ اضافہ نسائی نے الیوم واللیلۃ میں حسن بن علی العمری سے' مسلم نے ابن ابی اوفی سے' اور بخاری نے ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے۔ (۲) حاکم' ابن مسعودؓ (۳) مسلم۔ علیؓ (۴) ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ' ابن مسعودؓ (۵) مسلم۔ ثوبانؓ

عَمِلْتُ سُوْءًا وَظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ (۱)

اے اللہ! تو پاک ہے' اور میں تیری حمد و ثناء بیان کرتا ہوں' میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے' میں تجھ سے معافی چاہتا ہوں' اور تیرے سامنے توبہ کرتا ہوں' میں نے برا کیا' اپنے آپ پر ظلم کیا' میری مغفرت فرما' اس لئے کہ تیرے علاوہ کوئی گناہ معاف نہیں کرتا۔

بازار میں داخل ہونے کے وقت :-

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَھُوَ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ بِیَدِہِ الْخَیْرُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (۲) بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ خَیْرَ ھٰذِہِ السُّوْقِ وَخَیْرَ مَا فِیْھَا اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَا فِیْھَا اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ اَنْ اُصِیْبَ فِیْھَا یَمِیْنًا فَاجِرَۃً اَوْ صَفْقَۃً خَاسِرَۃً (۳)

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' وہ تنہا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں ہے' اسی کا ملک ہے' تمام تعریفیں اسی کے لئے ہیں' وہی زندہ کرتا ہے' وہی مارتا ہے' وہ زندہ ہے' مرتا نہیں' اسی کے ہاتھ میں خیر ہے' اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ میں اللہ کے نام سے داخل ہوا۔ اے اللہ! میں تجھ سے اس بازار کی اور جو کچھ اس بازار میں ہے اس کی خیر طلب کرتا ہوں' اور تیری پناہ چاہتا ہوں اس بازار کے شر سے اور جو کچھ اس بازار میں ہے اس کے شر سے' اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ یہاں جھوٹی قسم کھاؤں یا نقصان دہ معاملہ کروں۔

ادائے قرض کے لئے :-

اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ بِحَلَالِکَ عَنْ حَرَامِکَ وَاَغْنِنِیْ بِفَضْلِکَ عَمَّنْ سِوَاکَ (۴)

اے اللہ! حرام سے بچاتے ہوئے اپنے حلال کے ذریعہ تو میری کفایت فرما' اور اپنے فضل کے ذریعہ تو مجھے اپنے سے بے نیاز کر دے۔

جب نیا کپڑا پہنے :-

اَللّٰھُمَّ کَسَوْتَنِیْ ھٰذَا الثَّوْبَ فَلَکَ الْحَمْدُ اَسْأَلُکَ مِنْ خَیْرِہٖ وَخَیْرِ مَا صُنِعَ لَہٗ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّہٖ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَہٗ (۵)

اے اللہ! تو نے مجھے یہ کپڑا پہنایا ہے' تیرے ہی لئے تمام تعریفیں ہیں' میں تجھ سے اس کی بھلائی اور اس چیز کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں جس کے لئے یہ بنایا گیا ہے' اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس کی برائی سے اور اس چیز کی برائی سے جس کے لئے یہ بنایا گیا ہے۔

جب کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھے :-

اَللّٰھُمَّ لَا یَأْتِیْ بِالْحَسَنَاتِ اِلَّا اَنْتَ وَلَا یُذْھِبُ بِالسَّیِّئَاتِ اِلَّا اَنْتَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ (۶)

اے اللہ! نیکیوں کی توفیق تیرے علاوہ کوئی نہیں دیتا' اور برائیاں تیرے علاوہ کوئی دور نہیں کرتا' گناہ سے

---

(۱) نسائی فی الیوم واللیلۃ۔ رافع بن خدیج (۲) ترمذی۔ حاکم۔ عمرؓ (۳) حاکم۔ بریدہؓ (۴) ترمذی' حاکم۔ علی ابن ابی طالبؓ (۵) ابوداؤد' ترمذی' نسائی' فی الیوم واللیلۃ۔ ابو سعید الخدریؓ رواہ ابن السنی بلفظ المصنف۔ (۶) ابن ابی شیبہ' ابو نعیم فی الیوم' واللیلۃ' بیہقی فی الدعوات۔ عروۃ بن عامرؓ

بچنے کی طاقت، اور اطاعت کی قوت صرف اللہ ہی سے ہے۔

چاند دیکھنے کے وقت :-

اَللّٰھُمَّ اَھِلَّہٗ عَلَیْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِیْمَانِ وَالْبِرِّ وَالسَّلَامَۃِ وَالْاِسْلَامِ وَالتَّوْفِیْقِ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی رَبِّیْ وَرَبُّکَ اللّٰہُ (۱) ھِلَالُ رُشْدٍ وَخَیْرٍ، اٰمَنْتُ بِخَالِقِکَ (۲) اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ خَیْرَ ھٰذَا الشَّھْرِ، وَخَیْرَ الْقَدْرِ، وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ یَوْمِ الْحَشْرِ (۳)

اے اللہ! اس چاند کو ہمارے اوپر امن، ایمان، نیکی، سلامتی اور اسلام کے ساتھ اور ان اعمال کی توفیق کے ساتھ نکلا ہوا رکھ جو تجھے پسند ہیں، تیرا اور میرا رب اللہ ہے، تو خیر اور ہدایت کا چاند ہے، میں تیرے خالق پر ایمان لایا، اے اللہ! میں اس مہینے کی بھلائی، اور حسن تقدیر کا طالب ہوں، اور حشر کے دن کے شر سے تیری پناہ کا طلبگار ہوں۔

اس دعا سے پہلے تین بار اللہ اکبر بھی کہنا چاہیے۔ (۴)

جب آندھی چلے :-

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ خَیْرَ ھٰذِہِ الرِّیْحِ وَخَیْرَ مَا فِیْھَا وَخَیْرَ مَا اُرْسِلَتْ بِہٖ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّھَا وَشَرِّ مَا فِیْھَا وَشَرِّ مَا اُرْسِلَتْ بِہٖ (۵)

اے اللہ! میں تجھ سے اس آندھی کی بہتری، اور جو کچھ اس میں ہے اور جس کے لئے تو نے اسے بھیجا ہے اس کی بہتری کی درخواست کرتا ہوں، اور اس آندھی کے شر سے، اور جو کچھ اس میں ہے، اور جس کے لئے تو نے اسے بھیجا ہے اس کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

کسی کے مرنے کی خبر سن کر :-

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ، اَللّٰھُمَّ اکْتُبْہُ فِی الْمُحْسِنِیْنَ وَاجْعَلْ کِتَابَہٗ فِیْ عِلِّیِّیْنَ وَاخْلُفْہُ عَلٰی عَقِبِہٖ فِی الْغَابِرِیْنَ اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَہٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَہٗ وَاغْفِرْ لَنَا وَلَہٗ (۶)

ہم سب اللہ کے لئے ہیں، اور اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں، اور بلاشبہ ہم کو اپنے رب کی طرف جانا ہے۔ اے اللہ! اس (مرنے والے کا) شمار محسنین کے زمرے میں کر، اور اس کے نامۂ اعمال کو علیین میں جگہ دے، اور اس کے پس ماندگان میں تو اس کا خلیفہ ہو، ہمیں اس کے اجر سے محروم نہ کر، اس کے بعد ہمیں

---

(۱) دارمی۔ ابن عمرؓ۔ ترمذی۔ طلحہ ابن عبید اللہؓ۔ (۲) ابوداؤد عن قتادہ مرسلاً، والدار قطنی فی الافراد والطبرانی فی الاوسط عن انس مسنداً۔ (۳) ابن ابی شیبہ۔ احمد۔ عبادہ ابن الصامت۔ وفیہ راو مجہول۔ (۴) دارمی میں ابن عمرؓ کی روایت سے تکبیر کا ثبوت ملتا ہے، تاہم اس میں تعداد کا ذکر نہیں ہے۔ تعداد کا ذکر بیہقی کی مرسل روایت میں ہے، یہ روایت بیہقی نے کتاب الدعوات میں قتادہ کی طرف منسوب کی ہے۔ (۵) ترمذی۔ ابی ابن کعبؓ (۶) ابن السنی نے الیوم واللیلۃ میں اور ابن حبان نے ام سلمہؓ سے یہ روایت نقل کی ہے "اذا اصاب احدکم مصیبۃ فلیقل انا للہ وانا الیہ راجعون" مسلم میں ام سلمہؓ کی حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو سلمہ کی وفات کی خبر سن کر فرمایا "اللّٰھم اغفر لابی سلمۃ وارفع درجتہ فی المھدیین، واخلفہ فی عقبہ فی الغابرین واغفرلنا ولہ یارب العالمین وافسح لہ فی قبرہ ونور لہ فیہ"۔

آزمائش میں نہ ڈال ' ہماری اور اس کی مغفرت فرما۔

صدقہ دینے کے وقت :-

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

اے اللہ! ہم سے (ہمارا صدقہ) قبول فرما' بلاشبہ تو ہی سننے اور جاننے والا ہے۔

اگر نقصان ہو جائے :-

عَسٰى رَبُّنَا اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَا اِنَّا اِلٰى رَبِّنَا رَاغِبُوْنَ۔

شاید ہمارا رب ہمیں اس سے بہتر عطا کرے ' ہم اپنے رب سے اس کی خواہش رکھتے ہیں۔

کام شروع کرنے کے وقت :-

رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ' رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَيَسِّرْ لِيْ اَمْرِيْ۔

اے اللہ! ہم کو اپنے پاس سے رحمت (کا سامان) عطا فرمایئے (اس) کام میں درستی کا سامان مہیا کر دیجئے ' اے پروردگار! میرا سینہ (حوصلہ) فراخ کر دیجئے ' اور میرا یہ کام آسان کر دیجئے۔

آسمان کی طرف دیکھنے کے وقت :-

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ' تَبَارَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرَاجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا۔

اے ہمارے رب! آپ نے اس کو لایعنی پیدا نہیں کیا ' ہم آپ کو منزہ سمجھتے ہیں ' سو ہم کو عذاب دوزخ سے بچا لیجئے ' وہ ذات بہت عالی شان ہے جس نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے بنائے اور اس میں ایک چراغ (آفتاب) اور نورانی چاند بنایا۔

بجلی کی کڑک سن کر :-

سُبْحَانَ مَنْ يُّسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ (۱)

پاک ہے وہ ذات جس کی پاکی رعد (فرشتہ) اس کی تعریف کے ساتھ بیان کرتا ہے اور دوسرے فرشتے (بھی) اس کے خوف سے۔

اگر کڑک زیادہ ہو :-

اَللّٰهُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ ' وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ (۲)

اے اللہ! ہم کو اپنے غضب سے قتل نہ فرما۔ اور اپنے عذاب سے ہمیں ہلاک نہ کر ' اور اس سے پہلے ہمیں عافیت عطا کر۔

جب بارش ہو :-

اَللّٰهُمَّ سَقْيًا هَنِيْئًا وَّصَيِّبًا نَافِعًا (۳) اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ سَيْبَ رَحْمَةٍ وَّلَا تَجْعَلْهُ سَيْبَ عَذَابٍ (۴)

---

(۱) مؤطا امام مالک۔ عبداللہ ابن الزبیرؓ۔ موقوف۔ (۲) ترمذی ' نسائی فی الیوم واللیلۃ۔ ابن عمرؓ (۳) بخاری میں حضرت عائشہ کی روایت ہے :۔ "اللّٰهم صیبا نفعا" نسائی کے الفاظ ہیں "اللّٰهم اجعله صیبا هنیئا" (۴) نسائی فی الیوم واللیلۃ۔ سعید ابن المسیب۔ مرسل۔

اے اللہ! خوش گوار پانی عطا کر' نفع دینے والی بارش برسا۔ اے اللہ! اس پانی کو رحمت کا ذریعہ بنا' عذاب کا ذریعہ نہ بنا۔

غصہ کے وقت :-

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذَنْبِیْ وَاَذْهِبْ غَيْظَ قَلْبِیْ وَاَجِرْنِیْ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ - (۱)

اے اللہ! میرے گناہ معاف کر' میرے دل سے غصہ دور کر دے' اور مجھے مردود شیطان سے نجات عطا کر۔

اگر دشمن قوم کا ڈر ہو :-

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِیْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ (۲)

اے اللہ! ہم تجھے ان (دشمنوں) کے سینوں میں تصرف کرنے والا بناتے ہیں' اور ان کی شرارتوں سے تیری پناہ چاہتے ہیں۔

جہاد کے موقع پر :-

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عَضُدِیْ وَنَصِيْرِیْ وَبِكَ اُقَاتِلُ (۳)

اے اللہ! تو میرا بازو ہے' میرا مددگار ہے' میں تیری ہی مدد سے جہاد کر رہا ہوں۔

اگر کان بجنے لگیں :-

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ ذَكَرَ اللّٰهُ مَنْ ذَكَرَنِیْ بِخَيْرٍ (۴)

اللہ کی رحمت نازل ہو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر' اللہ تعالیٰ اس کا ذکر خیر کرے جس نے میرا ذکر خیر کیا۔

دعا کی قبولیت کے موقع پر :-

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بِعِزَّتِهٖ وَجَلَالِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ (۵)

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس کی عزت و جلال کے طفیل تمام نیک کام انجام پاتے ہیں۔

اگر دعا کی قبولیت میں دیر ہو جائے :-

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ۔

تمام تعریفیں ہر حال میں اللہ کے لئے ہیں۔

مغرب کی اذان سن کر :-

اَللّٰهُمَّ هٰذَا اِقْبَالُ لَيْلِكَ وَاِدْبَارُ نَهَارِكَ وَاَصْوَاتُ دُعَاتِكَ وَحُضُوْرُ صَلَوَاتِكَ اَسْاَلُكَ اَنْ تَغْفِرَ لِیْ۔ (۶)

اے اللہ! یہ وقت تیری رات کے آنے کا' اور دن کے جانے کا ہے' اس وقت تیرے پکارنے والوں کی آوازیں آرہی ہیں' یہی وقت تیری نمازوں میں حاضری کا ہے' میں تجھ سے مغفرت کا خواستگار ہوں۔

جب کوئی تردد پیش آئے :-

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ نَاصِيَتِیْ بِيَدِكَ مَاضٍ فِیَّ حُكْمُكَ

---

(۱) ابن السنی۔ عائشہؓ۔ ضعیف۔ (۲) ابو داؤد' نسائی۔ ابو موسیٰ۔ (۳) ابو داؤد' ترمذی۔ نسائی۔ انسؓ (۴) طبرانی' ابن عدی' ابن السنی۔ ابو رافع (۵) یہ حدیث دعاؤں کے باب میں گزر چکی ہے۔ (۶) ابو داؤد' ترمذی' حاکم۔ ام سلمہؓ۔ لیکن اس روایت میں "حضور صلواتک" کے الفاظ نہیں ہیں' یہ عبارت خرائطی نے مکارم الاخلاق' حسن بن علی المعمری نے الیوم واللیلۃ میں نقل کی ہے۔

عَدْلٌ فِیَّ قَضَاءُکَ اَسْأَلُکَ بِکُلِّ اِسْمٍ ھُوَ لَکَ سَمَّیْتَ بِہٖ نَفْسَکَ اَوْ اَنْزَلْتَہٗ فِیْ کِتَابِکَ اَوْ عَلَّمْتَہٗ اَحَدًا مِنْ خَلْقِکَ اَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِہٖ فِیْ عِلْمِ الْغَیْبِ عِنْدَکَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ رَبِیْعَ قَلْبِیْ وَنُوْرَ صَدْرِیْ وَجَلَاءَ غَمِّیْ وَذَھَابَ حُزْنِیْ وَھَمِّیْ۔ (۱)

اے اللہ! میں تیرا بندہ ہوں، تیرے بندے اور بندی کا بیٹا ہوں، میری پیشانی (تقدیر) تیرے ہاتھ میں ہے، مجھ میں تیرا حکم نافذ ہے، اور میرے سلسلے میں تیرا فیصلہ منصفانہ ہے، اے اللہ! اس نام کے وسیلے سے جو تو نے اپنے لئے تجویز کیا، یا جس کا ذکر قرآن پاک میں آیا، یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھلایا یا اسے علم غیب میں شامل کرنا پسند کیا، میں تجھ سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ قرآن کریم کو میرے دل کا سرور، سینے کا نور بنادے، اس کے ذریعہ میرا رنج و غم دور فرما۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی تردد کا شکار ہو، یا کسی رنج و غم میں مبتلا ہو، اسے یہ دعا پڑھ لینی چاہیے، انشاء اللہ تعالیٰ اس کا تردد ختم ہو جائے گا، کسی صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر ایسا ہے تو پھر ہمیں یہ دعا سیکھ لینی چاہیے۔ فرمایا "ضرور! جو شخص یہ دعا سنے یاد کرلے۔

بدن میں کسی جگہ تکلیف ہو یا زخم ہو :-

اگر جسم کے کسی حصے میں درد کی شکایت ہو تو آنحضرت کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق جھاڑ پھونک کرنی چاہیے، معمول مبارک یہ تھا کہ جب کوئی شخص درد یا زخم میں تکلیف کی شکایت کرتا تو آپ اپنی انگشت شہادت (شہادت کی انگلی) زمین پر رکھتے، اور اسے اٹھا کر یہ دعا پڑھتے :-

بِسْمِ اللّٰہِ تُرْبَۃُ اَرْضِنَا بِرِیْقَۃِ بَعْضِنَا لِیُشْفٰی بِہٖ سَقِیْمُنَا بِاِذْنِ رَبِّنَا (۲)

میں اللہ کے نام سے برکت حاصل کرتا ہوں، یہ ہماری زمین کی مٹی ہے جو ہم میں سے کسی کے تھوک میں ملی ہوئی ہے تاکہ ہمارا بیمار ہمارے رب کے حکم سے شفایاب ہو۔

درد کی جگہ پر ہاتھ رکھ کر تین بار بسم اللہ کہے، اور سات مرتبہ یہ دعا پڑھنے سے بھی تکلیف دور ہوتی ہے۔

اَعُوْذُ بِعِزَّۃِ اللّٰہِ وَقُدْرَتِہٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ۔ (۳)

میں اللہ کی عزت و قدرت کی پناہ چاہتا ہوں اس چیز کے شر سے جو میں (اپنے جسم میں) پاتا ہوں اور جس سے میں ڈرتا ہوں۔

مصیبت کے وقت :-

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْحَلِیْمُ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ (۴)

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، جو بڑا اور بردبار ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے جو عرش عظیم کا مالک ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے جو ساتوں آسمانوں کا مالک ہے، اور عرش کریم کا مالک ہے۔

سونے کے وقت کا عمل :-

---

(۱) ابن حبان، حاکم۔ عبد اللہ ابن مسعودؓ (۲) بخاری و مسلم۔ عائشہؓ (۳) مسلم۔ عثمان ابن ابی العاصؓ (۴) بخاری و مسلم۔ ابن عباسؓ

جب سونے کا ارادہ کرو تو وضو کرلو، قبلہ رخ لیٹو، دایاں ہاتھ سر کے نیچے رکھو، چونتیس مرتبہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ، تینتیس مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہِ اور تینتیس مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہو (۱)
پھر یہ دعائیں پڑھو:۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْكَ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ لَا اَسْتَطِیْعُ اَنْ اَبْلُغَ ثَنَاءً عَلَیْكَ وَلَوْ حَرَصْتُ وَلٰكِنْ اَنْتَ كَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ (۲) اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَحْیٰی وَاَمُوْتُ (۳) اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ وَرَبَّ الْاَرْضِ وَرَبَّ كُلِّ شَیْءٍ وَمَلِیْكَهٗ فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰی وَمُنْزِلَ التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْفُرْقَانِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ ذِیْ شَرٍّ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ دَابَّةٍ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِیَتِهَا اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَیْسَ قَبْلَكَ شَیْءٌ وَاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَیْسَ بَعْدَكَ شَیْءٌ وَاَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَیْسَ فَوْقَكَ شَیْءٌ وَاَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَیْسَ دُوْنَكَ شَیْءٌ اِقْضِ عَنِّی الدَّیْنَ وَاَغْنِنِیْ مِنَ الْفَقْرِ (۴) اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ خَلَقْتَ نَفْسِیْ وَاَنْتَ تَتَوَفَّاهَا لَكَ مَمَاتُهَا وَمَحْیَاهَا اَللّٰهُمَّ اِنْ اَمَتَّهَا فَاغْفِرْ لَهَا وَاِنْ اَحْیَیْتَهَا فَاحْفَظْهَا اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ الْعَافِیَةَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ (۵) بِاسْمِكَ رَبِّ وَضَعْتُ جَنْبِیْ فَاغْفِرْ لِیْ ذَنْبِیْ (۶) اَللّٰهُمَّ قِنِیْ عَذَابَكَ یَوْمَ تَجْمَعُ عِبَادَكَ (۷) اَللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ نَفْسِیْ اِلَیْكَ وَوَجَّهْتُ وَجْهِیْ اِلَیْكَ وَفَوَّضْتُ اَمْرِیْ اِلَیْكَ وَاَلْجَاْتُ ظَهْرِیْ اِلَیْكَ رَغْبَةً وَّرَهْبَةً اِلَیْكَ لَا مَلْجَاَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ اِلَّا اِلَیْكَ اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِیْ اَنْزَلْتَ وَنَبِیِّكَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ (۸)

اے اللہ! میں تیرے غصے سے تیری خوشنودی کی، اور تیری سزا سے تیرے عفو و درگزر کی، اور تجھ سے تیری ذات کی پناہ چاہتا ہوں، اے اللہ! میں اپنی خواہش کے باوجود تیری پوری طرح تعریف نہیں کرسکتا لیکن تو ایسا ہے جیسا کہ خود تو نے اپنی تعریف کی ہے، اے اللہ! میں تیرا نام لے کر جیتا ہوں، اور تیرا نام لے کر مرتا ہوں۔ اے اللہ! آسمانوں اور زمین کے مالک! پروردگار عالم! مالک کل! دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والے! توراۃ، انجیل اور قرآن کریم نازل کرنے والے میں ہر شر والے کے شر اور ہر اس چلنے والے کی برائی سے تیری پناہ چاہتا ہوں جو تیرے قبضۂ قدرت میں ہے، تو سب سے پہلے ہے کوئی چیز تجھ سے پہلے نہیں ہے، تو سب کے بعد ہے تیرے بعد کوئی چیز نہیں ہے، تو ظاہر ہے (اپنی صفات کمال کے اعتبار سے) تیرے اوپر کوئی چیز نہیں ہے، تو پوشیدہ ہے، (اپنی ذات کے اعتبار سے) تیرے نیچے کوئی چیز نہیں ہے، مجھے قرض سے بری الذمہ کردیجئے اور فقر سے نجات دیجئے، اے اللہ! تو نے میرا نفس پیدا کیا ہے، اور تو ہی اسے موت دے گا،

---

(۱) بخاری و مسلم۔ علیؓ (۲) نسائی۔ علیؓ۔ فیہ انقطاع۔ (۳) بخاری۔ حذیفہؓ۔ مسلم۔ براء ابن عازبؓ۔ (۴) مسلم۔ ابو ہریرہؓ۔ (۵) مسلم۔ ابن عمرؓ (۶) نسائی۔ ابن عمرؓ۔ بخاری و مسلم میں یہ دعا حضرت ابو ہریرہؓ سے اس طرح منقول ہے "باسمک ربی وضعت جنبی، وبک ارفعه ان امسکت نفسی فاغفرلها وان ارسلتها فاحفظها بما تحفظ به عبادک الصالحین" بخاری میں فاغفرلها کی جگہ فارحمها ہے۔ (۷) ترمذی۔ ابن مسعودؓ۔ ابو داؤد میں یہ روایت حفصہ سے منقول ہے، اس میں تجمع کی جگہ تبعث ہے۔ ترمذی نے یہ روایت حذیفہؓ سے بھی نقل کی ہے (۸) بخاری و مسلم۔ براءؓ

میرے نفس کی زندگی اور موت تیرے لئے ہے، اگر تو اسے موت دے تو اس کی مغفرت کر، اور زندہ رکھے تو اس کی حفاظت فرما۔ اے اللہ! میں دنیا اور آخرت میں سلامتی کا خواستگار ہوں۔ اے میرے پروردگار! میں نے تیرا نام لے کر اپنا پہلو رکھا ہے، میری مغفرت کر۔ اے اللہ! تو مجھے اس دن اپنے عذاب سے محفوظ رکھ جس روز لوگ جمع ہوں گے، اے اللہ! میں نے اپنی جان تیرے سپرد کی، اپنا رخ تیری طرف کیا۔ اپنا معاملہ تیرے سپرد کیا، تیرا سہارا لیا تیری نعمتوں کی خواہش رکھتے ہوئے اور تجھ سے ڈرتے ہوئے، تیرے علاوہ کوئی جائے پناہ نہیں ہے، کوئی نجات کی جگہ نہیں ہے، میں تیری نازل کردہ کتاب پر اور تیرے بھیجے ہوئے رسول پر ایمان لایا۔

یہ دعا بالکل آخر میں ہونی چاہیے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے آخر میں ہی پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ اس سے پہلے یہ دعا بھی پڑھ لی جائے تو بہتر ہے:

اَللّٰهُمَّ اَيْقِظْنِيْ فِيْ اَحَبِّ السَّاعَاتِ اِلَيْكَ وَاسْتَعْمِلْنِيْ بِاَحَبِّ الْاَعْمَالِ اِلَيْكَ تُقَرِّبُنِيْ اِلَيْكَ زُلْفٰى وَ تُبْعِدُنِيْ مِنْ سَخَطِكَ بُعْدًا اَسْئَلُكَ فَتُعْطِيْنِيْ وَ اَسْتَغْفِرُكَ فَتَغْفِرَ لِيْ وَاَدْعُوْكَ فَتَسْتَجِيْبَ لِيْ (۱)

اے اللہ! مجھے اپنی پسندیدہ گھڑی میں بیدار کر اور مجھے ان کاموں میں لگا جو تجھے زیادہ محبوب ہوں اور جو مجھے تجھ سے قریب تر کر دیں اور تیرے غضب سے بہت دور کر دیں۔ میں تجھ سے مانگوں تو عطا کرے، مغفرت چاہوں تو مغفرت فرمائے۔ دعا کروں تو قبول کرلے۔

نیند سے بیدار ہونے کے بعد:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَ اِلَيْهِ النُّشُوْرُ (۲) اَصْبَحْنَا وَ اَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ وَالْعَظَمَةُ وَ السُّلْطَانُ لِلّٰهِ وَ الْعِزَّةُ وَالْقُدْرَةُ لِلّٰهِ (۳) اَصْبَحْنَا عَلٰى فِطْرَةِ الْاِسْلَامِ وَكَلِمَةِ الْاِخْلَاصِ وَعَلٰى دِيْنِ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمِلَّةِ اَبِيْنَا اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (۴) اَللّٰهُمَّ بِكَ اَصْبَحْنَا وَبِكَ اَمْسَيْنَا وَبِكَ نَحْيٰى وَنَمُوْتُ وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ (۵) اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ اَنْ تَبْعَثَنَا فِيْ هٰذَا الْيَوْمِ اِلٰى كُلِّ خَيْرٍ نَعُوْذُ بِكَ اَنْ نَجْتَرِحَ فِيْهِ سُوْءًا اَوْ نَجُرَّهُ اِلٰى

---

(۱) یہ روایت ابو منصور دیلمی نے ابن عباسؓ سے اس طرح نقل کی ہے اللّٰھم ابعثنا فی احب الساعات الیک حتّٰی نذکرک فتذکرنا ونسئالک ترفتعطینا وندعوک فتستجیب لنا ونستغفرک فتغفر لنا" ابن ابی الدنیا نے اسے حبیب طائی کا قول قرار دیا ہے۔ (۲) بخاری۔ حذیفہ۔ مسلم۔ براء (۳) طبرانی اوسط میں یہ دعا حضرت عائشہؓ سے اس طرح مروی ہے "اصبحنا واصبح ملک والحمد الحول والقوۃ والقدرۃ والسلطان والسموات والارض وکل شئ للہ رب العالمین" طبرانی ہی میں ابن ابی اوفی کے الفاظ یہ ہیں "اصبحت وصبح الملک والکبریاء والعظمۃ والخلق واللیل والنہار و ماسکن فیہما للہ" مسلم میں ابن مسعودؓ کی روایت کی ابتداء ان الفاظ سے ہوتی ہے "اصبحنا واصبح الملک للہ" (۴) نسائی۔ عبدالرحمن ابن ابزی، احمد۔ عن ابن ابزی عن ابی بن کعب مرفوعاً۔ (۵) اصحاب السنن، ابن حبان، ابن السنی، مگر اصحاب سنن نے "الیک النشور" اور ابن السنی نے "الیک المصیر" کے الفاظ روایت کئے ہیں۔

مُسْلِمٍ فَإِنَّكَ قُلْتَ وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضَى أَجَلٌ مُسَمًّى (۱) اللَّهُمَّ فَالِقَ الْإِصْبَاحِ وَجَاعِلَ اللَّيْلِ سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا أَسْأَلُكَ خَيْرَ هَذَا الْيَوْمِ وَخَيْرَ مَا فِيهِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهِ وَشَرِّ مَا فِيهِ (۲) بِسْمِ اللَّهِ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ مَا شَاءَ اللَّهُ كُلُّ نِعْمَةٍ مِنَ اللَّهِ مَا شَاءَ اللَّهُ الْخَيْرُ كُلُّهُ بِيَدِ اللَّهِ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا يَصْرِفُ السُّوءَ إِلَّا اللَّهُ (۳) رَضِيتُ بِاللَّهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيًّا رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ (۴)

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں مار کر زندگی بخشی' اور ہمیں اسی کی طرف اٹھ کر جانا ہے' ہم نے صبح کی' اور ملک اللہ کے لئے ہے' عظمت اور غلبہ اللہ کے لئے ہے' عزت اور قدرت اللہ کے لئے ہے' ہم نے دین فطرت پر' اخلاص پر' حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین' اور اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ملت پر صبح کی' جس میں ذرا بھی کجی نہ تھی اور وہ مشرک بھی نہ تھے۔ اے اللہ! ہم نے تیری قدرت سے صبح کی اور تیری قدرت سے شام کی ہم تیری ہی قدرت سے جیتے ہیں' تیری ہی قدرت سے مریں گے' اور تیری ہی طرف ہمیں واپس ہونا ہے' اے اللہ! ہماری درخواست یہ ہے کہ آج کے دن ہمیں نیکی کی طرف مائل اٹھا' ہم اس بات سے تیری پناہ چاہتے ہیں کہ اس دن کوئی گناہ کریں' یا کسی مسلمان کو ایذا پہنچائیں' تیرا فرمان ہے "اور وہی ہے جو تمہیں رات میں موت دیتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ تم نے دن میں کیا کیا' پھر وہ تمہیں اٹھاتا ہے تاکہ مقررہ مدت پوری ہوسکے۔ اے اللہ! صبح کے خالق! رات کو سکون کا وقت بنانے والے' سورج اور چاند کو حساب سے پیدا کرنے والے! میں تجھ سے اس دن کی بہتری اور جو کچھ اس دن میں ہے اس کی بہتری کا سوال کرتا ہوں' اور اس دن کے شر اور جو کچھ اس دن میں ہے اس کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ شروع ہے اللہ کے نام سے جو چاہے اللہ طاقت اور قوت اللہ ہی کی عطا کردہ ہے' جو چاہے اللہ' ہر نعمت اللہ ہی کی طرف سے ہے جو چاہے اللہ' خیر کل اللہ کے ہاتھ میں ہے جو چاہے اللہ' برائی کو خدا کے سوا کوئی دور نہیں کرتا۔ میں اللہ کو رب ماننے پر' اسلام کو دین ماننے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی ماننے پر راضی ہوا۔ اے ہمارے پروردگار! ہم نے تجھ پر بھروسہ کیا' اور تیری طرف رجوع کیا' اور ہمیں تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔

شام کے وقت :۔

شام کے وقت بھی یہی دعا پڑھو' مگر اس وقت أَصْبَحْنَا کی جگہ أَمْسَيْنَا کہو' اور یہ دعا بھی پڑھو :۔

---

(۱) اس حدیث کا ابتدائی ٹکڑا مجھے نہیں ملا' دوسرے حصے کا مضمون ابوبکرؓ سے ترمذی میں مروی ہے اعوذبک من شر نفسی وشر الشیطان' وشرکه وان نعترف علی انفسنا سوأ' اونجره الی مسلم" یہ دعا ابو داؤد نے ابو مالک الاشعری سے نقل کی ہے۔
(۲) یہ دعا کسی ایک جگہ نہیں ہے' بلکہ دو روایتوں سے ماخوذ ہے' ابو منصور الدیلمی نے ابو سعیدؓ سے یہ دعا نقل کی ہے "قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدعو اللّٰهم فالق الاصباح وجاعل اللّیل سکنا والشمس والقمر حسبانا اقض عنی الدین واغننی من الفقر وقونی علی الجهاد فی سبیلک" دار قطنی میں براء ابن عازب کی یہ دعا مروی ہے اللّٰهم انا نسألک خیر هذا الیوم وخیر مابعده ونعوذبک من شر هذا الیوم وشر مابعده" (۳) یہ دعا پہلے بھی گزر چکی ہے۔ (۴) یہ دعا بھی پہلے بھی گزر چکی ہے۔

اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ وَاَسْمَائِهٖ كُلِّهَا مِنْ شَرِّ مَا ذَرَأَ وَبَرَأَ مِنْ شَرِّ كُلِّ ذِيْ شَرٍّ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ دَابَّةٍ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۱)

میں ہر اس چیز کے شر سے جو اللہ نے پیدا کی اور بنائی اور ہر شر والے کے شر سے' اور ہر چلنے والے کے شر سے جو تیرے قبضۂ قدرت میں ہے اللہ تعالیٰ کے پورے کلمات اور اس کے تمام اسماء کی پناہ چاہتا ہوں بلاشبہ میرا رب سیدھے راستے پر ہے۔

آئینہ دیکھ کر :-

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ سَوّٰى خَلْقِيْ فَعَدَلَهٗ وَكَرَّمَ صُوْرَةَ وَجْهِيْ وَحَسَّنَهَا وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔ (۲)

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھے ٹھیک ٹھیک پیدا کیا' پھر اسے برابر کیا' پھر میری شکل کی تکریم و تحسین کی اور مجھے مسلمانوں میں پیدا کیا۔

غلام اور جانور کی خریداری کے وقت :-

جب کوئی غلام' باندی یا کوئی جانور وغیرہ خریدو تو اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر یہ دعا کرو :-

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ خَيْرَهٗ وَخَيْرَ مَا جُبِلَ عَلَيْهِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهٖ وَشَرِّ مَا جُبِلَ عَلَيْهِ (۳)

اے اللہ! میں تجھ سے اس کے اچھا ہونے کی اور اس کے اخلاق و عادات کے اچھا ہونے کی درخواست کرتا ہوں' اور اس کے شر سے' اور اس کے اخلاق و عادات کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

نکاح کی مبارکباد دیتے ہوئے :-

بَارَكَ اللّٰهُ فِيْكَ وَبَارَكَ عَلَيْكَ وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِيْ خَيْرٍ (۴)

اللہ تجھے برکت دے' تم دونوں پر برکت نازل کرے اور تم دونوں کا خوب نباہ کرے۔

قرض ادا کرتے ہوئے :-

بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيْ اَهْلِكَ وَمَالِكَ (۵)

اللہ تعالیٰ تیرے اہل و عیال اور مال و منال میں برکت عطا کرے۔

یہ دعا جس روایت سے ماخوذ ہے اس میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی نقل کیا گیا ہے۔

انما جزاء السلف الحمد و الاداء

قرض کا بدلہ یہ ہے کہ قرض دینے والے کی تعریف کی جائے اور اس کا قرض ادا کیا جائے۔

---

(۱) یہ دعا بھی مجموعی حیثیت سے کسی ایک جگہ مروی نہیں ہے' ابو الشیخ نے کتاب الثواب میں عبدالرحمٰن ابن عوف سے یہ دعا نقل کی ہے "اعوذ بکلمات اللہ التامات التی لا یجاوزھن بر ولا فاجر من شر ما خلق وبرأ وذرأ" مسند احمد میں عبدالرحمٰن ابن حسنؓ روایت کرتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا : یا رسول اللہ! یہ دعا کیجئے "اعوذ بکلمات اللہ التامة من شر ما خلق وذرأ وبرأ ومن شر ماینزل من السماء" مسلم میں ابو ہریرہؓ کی روایت ہے "اعوذ بک من شر کل دابة انت آخذ بناصیتها" (۲) طبرانی فی الاوسط' ابن السنی فی الیوم واللیلة۔ انسؓ (۳) (ابو داؤد' ابن ماجہ' عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ۔ (۴) ابو داؤد' ترمذی۔ ابو ہریرہؓ (۵) نسائی۔ عبداللہ ابن ربیعہؓ

ان ابواب میں ہم نے کچھ دعائیں ذکر کی ہیں' طالبان آخرت کے لئے ان دعاؤں کی پابندی ضروری ہے' ان کے علاوہ بھی کچھ دعائیں ہیں' جو حج' طہارت' اور نماز وغیرہ کے متعلقہ ابواب میں بیان کی جاچکی ہیں۔

دعا کی حکمت : بعض لوگ یہ کہتے ہیں دعا سے بظاہر کوئی فائدہ نظر نہیں آتا ہے' حکم الٰہی تو ایک اٹل فیصلہ ہے' ہماری دعاؤں سے یہ فیصلہ کس طرح تبدیل ہو سکتا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ دعا کے ذریعہ مصائب کا خاتمہ اور رحمت کا نزول بھی خدا تعالیٰ کا فیصلہ ہے' جس طرح ڈھال تیر روک لیتی ہے' پانی دینے سے زمین کشت زار بن جاتی ہے' اسی طرح دعا بھی نزول رحمت کا سبب ہوتی ہے' تیر اور ڈھال کی طرح دعا اور بلاء میں مقابلہ آرائی ہوتی ہے' حکم الٰہی' اور قضا و قدر کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ دشمنوں کے مقابلے سے یہ کہہ کر گریز کیا جائے' اور ہتھیار نہ اٹھایا جائے کہ جو ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا' کشت و خون سے کیا فائدہ؟ یا زمین میں بیج ڈال کر پانی نہ دے' اور یہ کہنے لگے کہ قسمت میں ہو گا تو یہ بیج اگ آئے گا' پانی دینے سے کیا حاصل؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ (پ۵ ر۱۲ آیت ۱۰۲)

اور اپنا بچاؤ لے لو۔

اس سلسلے میں اصل یہ ہے کہ مسببات اسباب سے وابستہ ہیں' یہ ہی حکم اول ہے' اور قضاء الٰہی کا مطلب بھی یہی ہے' پھر کسی ایک سبب پر مسبب کا وقوع دوسرا حکم ہے' اسے تقدیر کہتے ہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جس ذات پاک نے خیر مقدر فرمایا ہے' اس نے اس خیر کے وقوع کو کسی سبب پر منحصر بھی رکھا ہے' جس نے شر پیدا کیا ہے اسی نے شر کے ازالے کے لئے سبب بھی پیدا کیا ہے' اہل بصیرت جانتے ہیں قضا و قدر میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اس حقیقت سے قطع نظر دعا میں اور بھی فوائد ہیں' ذکر کے بیان میں ہم ان فوائد کا اجمالی تذکرہ بھی کرچکے ہیں' دعا سے حضور قلب ہو سکتا ہے' عارفین کے نزدیک حضور قلب ہی عبادت کی غرض و غایت ہے' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک کا مفہوم بھی یہی ہے۔

الدعاء مخ العباد

دعا عبادت کا مغز ہے۔

عام لوگوں کا یہی حال ہے کہ ان پر کوئی مصیبت پڑتی ہے' یا کوئی ایسی ضرورت پیش آتی ہے جس کی تکمیل ان کے دائرہ امکان سے باہر ہو تو ان کے قلوب میں ذکر الٰہی کی طرف میلان پیدا ہوتا ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَاءٍ عَرِيْضٍ (پ۲۵ ر۱ آیت ۵۱)

اور جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو خوب لمبی چوڑی دعائیں کرتا ہے۔

دعا کے ذریعہ دل میں تضرع اور مسکنت کی کیفیت پیدا ہوتی ہے' اور اسی کیفیت سے ذکر کو تحریک ملتی ہے' ذکر کے بارے میں پہلے بتلایا جاچکا ہے کہ اسے افضل ترین عبادت قرار دیا گیا ہے' عام لوگوں کے مقابلے میں انبیاء علیہم السلام اور بزرگان دین کو آزمائش کا زیادہ سامنا کرنا پڑتا ہے' اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ ان کے دلوں میں تضرع رہے' اور وہ خدا کی طرف متوجہ رہیں' یہ آزمائش اور مصیبتیں بندوں کو خدا تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہیں ہونے دیتیں۔ مال و دولت سے کبر پیدا ہوتا ہے' اور یہ کبر بعض اوقات حق کے خلاف سرکشی کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے :-

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى (پ۳۰ ر۲۱ آیت ۶)

بے شک (کافر) آدمی حد (آدمیت) سے نکل جاتا ہے اس وجہ سے اپنے آپ کو مستغنی دیکھتا ہے۔

کھانے پینے' سفر' مریض کی عیادت وغیرہ سے متعلق دعائیں ہم ان سے متعلق ابواب میں ذکر کریں گے' یہاں اسی قدر دعاؤں اور اذکار پر اکتفا کرتے ہیں۔ کتاب الاذکار ختم ہوئی۔
اب کتاب الاوراد شروع ہوتی ہے۔ واللہ الموفق وھوالمعین۔

کتاب الاوراد

وظائف اور شب بیداری کا بیان

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے زمین کو تابع قرار دیا ہے' اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ اس زمین کو دار القرار سمجھیں' اور بلند و بالا محلات میں قیام کریں' بلکہ مقصد یہ ہے کہ اسے منزل سمجھیں' جہاں مسافر بیٹھ جاتا ہے' اور کچھ دیر ٹھہر کر آگے بڑھتا ہے' زمین ایک عارضی ٹھکانا ہے' یہاں رہنے والوں کو چاہیے کہ وہ اپنے مستقل ٹھکانے کے لئے کچھ زادراہ تیار کرلیں' وہاں وہ اعمال کام آئیں گے' جو دنیا میں ذخیرہ کئے گئے ہوں گے' زمین کے شر سے' اس کے پھندوں سے' اور مکرو فریب سے بچیں' دنیا میں انسان کی حیثیت کشتی سوار کی حیثیت سے زیادہ نہیں ہے' جس طرح کشتی مسافروں کو بہا کر ان کی منزل کی طرف لے جاتی ہے' اسی طرح یہ عمر رواں بھی انسان کو اس کی آخری منزل کی طرف لے جاتی ہے' اس دنیا کے سب انسان مسافر ہیں ان کی پہلی منزل مہد (گہوارہ) ہے اور آخری منزل لحد (قبر) ہے وطن جنت ہے یا دوزخ' عمر سفر کا فاصلہ ہے' سال منزلیں ہیں مہینے فرسنگ ہیں' اور دن میل ہیں' سانس قدم ہیں' طاعت اس سفر کا زادراہ ہے' اور اوقات راس المال ہیں' شہوات اور دنیاوی لذات ڈاکو ہیں جو مسافروں پر یلغار کرکے انہیں لوٹ لیتے ہیں۔ اب یہ اس مسافر پر موقوف ہے کہ وہ اس سفر سے نفع کماتا ہے' یا نقصان اٹھاتا ہے' نفع کی صورت میں قیامت کے روز خداوند تعالیٰ کی زیارت نصیب ہوگی' اور دار السلام میں اس کی تمام تر نعمتوں کی ساتھ رہنا نصیب ہوگا' نقصان کی صورت میں قید ملے گی' زنجیر و سلاسل کی معیت ہوگی' اور دوزخ کے خوفناک طبقات میں عذاب الیم سے دوچار ہوگا' سب سے بڑا نقصان یہ ہوگا کہ خدا تعالیٰ سے دور رہے گا۔ ایک لمحہ کی غفلت کرنے والا بھی اس خوفناک نقصان سے دوچار ہو سکتا ہے' اس خطرے کے پیش نظر بعض ان لوگوں نے توفیق الٰہی جن کے ہمرکاب تھی نفسانی شہوتوں سے کنارہ کشی اختیار کی' اور عمر فانی کے باقی لمحات کو غنیمت سمجھا' اور دن رات ذکر الٰہی میں مشغول رہنے کے لئے اوقات کی ترتیب سے کچھ وظائف مقرر کئے' تاکہ قرب الٰہی کی طلب آسان ہوجائے' اور دار القرار کا یہ سفر بخیر و خوبی تمام ہو۔
ذیل میں ہم ان وظائف کے فضائل اوقات کے لحاظ سے ان کی تقسیم کی تفصیل بیان کررہے ہیں۔

پہلا باب

اوراد کی فضیلت' اور ترتیب

اوراد کی فضیلت : اہل بصیرت یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ نجات صرف اللہ تعالیٰ کی لقاء میں منحصر ہے' اور لقاء کا طریقہ اس کے علاوہ کوئی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا محب اور عارف بن کر دنیا سے رخصت ہو' محبت اور انس محبوب کے ذکر پر مداومت کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں' اور معرفت محبوب کے افعال و صفات میں مسلسل غور و فکر سے حاصل ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ کے افعال اور صفات کے علاوہ کچھ بھی موجود نہیں ہے' ذکر و فکر پر مداومت اس وقت میسر ہوتی ہے جب آدمی دنیا' اور اس کی شہوتوں اور لذتوں کو خیرباد کہہ دے اور بقدر ضرورت دنیا کے استعمال پر اکتفا کرے' دوام ذکر و فکر کی صورت میں ہے کہ آدمی دن رات ذکر و فکر سے متعلق اوراد و وظائف میں ڈوبا رہے۔ لیکن کیونکہ آدمی کی فطرت تجدد پسند ہے' اور ایک ہی طرح کے ذکر و فکر کی

پابندی سے اس کی طبیعت اکتاتی ہے' اس لئے ضروری ہوا کہ ہروقت کے لئے دوسرے وقت سے مختلف ورد مقرر کیا جائے۔ تاکہ اس تبدیلی سے اس کی دل چسپی بڑھے' اور لذت میں اضافہ ہو' جب رغبت بڑھے گی تو مداومت بھی ہوگی۔ بہتر یہ ہے کہ آدمی کے تمام یا اکثر اوقات ذکرو فکر سے معمور رہیں' آدمی فطری طور پر دنیا کی لذتوں کی طرف میلان رکھتا ہی' اگر بندہ اپنے اوقات کا نصف حصہ دنیا کی مباح لذتیں حاصل کرنے میں صرف کردے' اور نصف حصہ عبادات میں لگا دے تب بھی پہلا نصف راجح ہے' کیونکہ وہاں طبعی رجحان موجود ہے' اس لحاظ سے دونوں نصف برابر نہیں رہتے۔ دنیا کے حصول میں ظاہروباطن مشغول رہتے ہیں' اور دل بھی پوری طرح ملتفت رہتا ہے' اور عبادت میں عام طور پر ظاہر مشغول ہوتا ہے' اور دل بتکلف مائل ہوتا ہے' ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ قلب اور جسم دونوں حاضر ہوں' جو شخص جنت میں بلا حساب جانا چاہے اسے اپنے تمام اوقات عبادت میں صرف کرنے چاہئیں' اور جو اپنے حسنات کا پلڑا بھاری رکھنا چاہے اسے اپنے اکثر اوقات عبادت کی نذر کرنے چاہئیں' جو شخص نیک و بد اعمال میں خلط ملط کرتا ہے اس کا معاملہ خطرے سے خالی نہیں ہے۔ یہ امید ضرور کی جاسکتی ہے کہ اللہ عزوجل اسے معاف کردیں' اس کے جودوکرم اور عفوودرگزر سے یہ بعید نہیں ہے۔

سرکار دوعالم سے خطاب :

اہل بصیرت پر یہ حقیقت مخفی نہیں کہ رات دن کے اوقات کو ذکرو فکر میں مصروف رکھنا کس قدر ضروری ہے' لیکن اگر تمہیں نور بصیرت میسر نہیں تو قرآن کریم کا مطالعہ کرلو نور ایمان موجود ہے' اس کی مدد سے غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا حکم دیا ہے' فرمایا:۔

(۱) اِنَّ لَكَ فِی النَّهَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا (پ ۲۹ ر ۱۳ آیت ۷-۸)

بے شک تم کو دن میں بہت کام رہتا ہے اور اپنے رب کا نام یاد کرتے رہو اور سب سے قطع کرکے اس کی طرف متوجہ رہو۔

(۲) وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا وَمِنَ الَّیْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَیْلًا طَوِیْلًا (پ ۲۹ ر ۲۰ آیت ۲۵-۲۶)

اور اپنے پروردگار کا صبح و شام نام لیا کیجئے' اور کسی قدر رات کے حصے میں بھی اس کو سجدہ کیا کیجئے' اور رات کے بڑے حصے میں اسکی تسبیح کیا کیجئے۔

(۳) وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ وَمِنَ الَّیْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ (پ ۲۶ ر ۱۷ آیت ۳۹-۴۰)

اور اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے رہیے سورج طلوع ہونے سے پہلے اور سورج غروب ہونے سے پہلے اور رات میں بھی اس کی تسبیح کیا کیجئے اور نمازوں کے بعد بھی۔

(۴) وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِیْنَ تَقُوْمُ وَمِنَ الَّیْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ (پ ۲۷ ر ۳ آیت ۴۸-۴۹)

اور اٹھتے وقت (مجلس سے یا سونے سے) اپنے رب کی تسبیح و تحمید کیا کیجئے' اور رات میں بھی اسکی تسبیح کیا کیجئے اور ستاروں سے پیچھے بھی۔

(۵) اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِیْلًا (پ ۲۹ ر ۱۳ آیت ۶)

بے شک رات کو اٹھنے میں دل اور زبان کا خوب میل ہوتا ہے اور (دعا یا تلاوت پر) بات خوب ٹھیک نکلتی ہے۔

(۶) وَمِنْ آنَاءِ اللَّيْلِ فَسَبِّحْ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضَى (پ۱۶ر۱۷ آیت ۱۳۰)

اور اوقات شب میں (بھی) تسبیح کیا کیجئے اور دن کے اول و آخر میں بھی تاکہ (آپ کو جو ثواب ملے) آپ (اس سے) خوش رہیں۔

(۷) وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ (پ۱۲ر۱۰ آیت ۱۱۴)

اور آپ نماز کی پابندی رکھئے دن کے دونوں سروں پر' اور رات کے کچھ حصوں میں' بے شک نیک کام مٹا دیتے ہیں برے کاموں کو۔

اسکے بعد ان آیات میں غور کیجئے جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پاکباز اور نیکو کار بندوں کے اوصاف بیان کئے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةَ رَبِّهِ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (پ۲۳ر۱۵ آیت ۹)

بھلا جو شخص اوقات شب میں سجدہ و قیام (یعنی نماز) کی حالت میں عبادت کر رہا ہو آخرت سے ڈر رہا ہو اور اپنے پروردگار کی رحمت کی امید کر رہا ہو' آپ کہئے کیا علم والے اور جہل والے (کہیں) برابر ہوتے ہیں۔

تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا (پ۲۱ر۱۵ آیت ۱۶)

ان کے پہلو خواب گاہوں سے علیحدہ ہوتے ہیں اس طور پر کہ وہ لوگ اپنے رب کو امید سے اور خوف سے پکارتے ہیں۔

وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا (پ۱۹ر۴ آیت ۶۴)

اور جو راتوں کو اپنے رب کے آگے سجدہ اور قیام (یعنی نماز) میں لگے رہتے ہیں۔

كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ (پ۲۶ر۱۸ آیت ۱۷-۱۸)

وہ لوگ رات کو بہت کم سوتے تھے اور اخیر شب میں استغفار کیا کرتے تھے۔

فَسُبْحَانَ اللَّهِ حِينَ تُمْسُونَ وَحِينَ تُصْبِحُونَ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَعَشِيًّا وَحِينَ تُظْهِرُونَ (پ۲۱ر۵ آیت ۱۷-۱۸)

سو تم اللہ کی تسبیح کیا کرو شام کے وقت اور صبح کے وقت' اور تمام آسمان و زمین میں اسی کی حمد ہوتی ہے' اور بعد زوال' اور ظہر کے وقت۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ (پ۷ر۱۲ آیت ۵۲)

اور ان لوگوں کو نہ نکالئے جو صبح و شام اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں جس سے خاص اس کی رضامندی کا قصد رکھتے ہیں۔

مذکورہ بالا آیات میں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اوقات کی نگرانی کی جائے' اور انھیں اوراد و وظائف سے معمور رکھا جائے' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

خيار عباد الله الى الله الذين يراعون الشمس والقمر والاهلة لذكر الله (طبرانی' حاکم۔ ابن ابی اوفیٰ)

اللہ تعالیٰ کے بہترین بندے وہ ہیں جو ذکر الٰہی کے لیے سورج اور چاند اور سایوں کے منتظر رہتے ہیں۔
مندرجہ ذیل آیات کریمہ ملاحظہ فرمائیے:۔

وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ (پ ۲۷ ر ۱۱ آیت ۵)

سورج اور چاند حساب کے ساتھ (چلتے) ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ثُمَّ قَبَضْنَاهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَسِيْرًا (پ ۱۹ ر ۳ آیت ۴۵-۴۶)

کیا تو نے اپنے پروردگار (کی قدرت) پر نظر نہیں کی' اس نے سایہ کو کیونکر (دور تک) پھیلایا ہے' اور اگر وہ چاہتا تو اس کو ایک حالت پر ٹھیرایا ہوا رکھتا' پھر ہم نے آفتاب کو اس (سایہ کی درازی اور کوتاہی) پر علامت مقرر کیا پھر ہم نے اس کو اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹ لیا۔

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ (پ ۲۳ ر ۲ آیت ۳۹)

اور چاند کے لئے منزلیں مقرر کیں۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (پ ۷ ر ۱۸ آیت ۹۸)

اور وہ (اللہ) ایسا ہے جس نے تمہارے (فائدہ کے) لئے ستاروں کو پیدا کیا تاکہ تم ان کے ذریعے سے خشکی اور دریا کے اندھیروں میں راستہ معلوم کر سکو۔

روشنی اور ستاروں کی پیدائش' سائے کی تخلیق چاند اور سورج کی رفتار کے منظم اور مرتب ہونے یا حساب کے مطابق ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان سے دنیاوی امور پر مدد لی جائے' بلکہ انکی پیدائش کا مقصد یہ ہے کہ ان سے اوقات کی تجدید اور تعیین کی جاسکے' تاکہ ان متعین اوقات کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت ہو سکے' اور لوگ آخرت کی تجارت میں مصروف ہو سکیں' ذیل کی آیت میں اس مضمون کی تائید ہوتی ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا (پ ۱۹ ر ۴ آیت ۴۲)

اور وہ ایسا ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والے بنائے (اور یہ دلائل) اس شخص کے لئے ہیں جو سمجھنا چاہے یا شکر کرنا چاہے۔ مطلب یہ ہے کہ رات اور دن کو ایک دوسرے کا نائب بنایا گیا ہے' تاکہ اگر ایک وقت میں عبادت کا کوئی حصہ باقی رہ جائے تو دوسرے میں اسکا تدارک ہو سکے' آیت میں اسکی وجہ بھی بیان کی گئی ہے کہ یہ امر ذکر و شکر کے لئے ہے' کسی اور کام کے لئے نہیں ہے۔ ایک جگہ ارشاد فرمایا:۔

وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ فَمَحَوْنَا آيَةَ اللَّيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ (پ ۱۵ ر ۲ آیت ۱۲)

اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا' سو رات کی نشانی کو تو ہم نے دھندلا بنایا اور دن کی نشانی کو ہم نے روشن بنایا تاکہ (دن کو) تم اپنے رب کی روزی تلاش کرو' اور تاکہ برسوں کا شمار اور حساب معلوم کر لو۔
یہاں فضل سے ثواب اور مغفرت مراد ہے۔

اوراد کی تعداد اور ان کی ترتیب

دن کے ورد سات ہیں' اور رات کے چار ہیں' ذیل میں ہم ہر ورد کی فضیلت اور وقت کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔

دن کے وظائف

پہلا وظیفہ : اس کا وقت طلوع صبح صادق سے طلوع آفتاب تک ہے' یہ بڑا مبارک وقت ہے' قرآن کریم کی متعدد آیات سے اس وقت کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ فرمایا:۔

وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ (پ۳۰ر۶ آیت ۱۸)

اور قسم ہے صبح کی جب وہ آنے لگے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صبح کی قسم کھائی ہے۔ ایک جگہ اپنی مدح کا مضمون ان الفاظ میں ذکر فرمایا:۔

فَالِقُ الْاِصْبَاحِ (پ۷ر۱۸ آیت ۹۷)

وہ صبح کا نکالنے والا ہے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ (پ۳۰ر۳۸ آیت ۱)

آپ کہیے کہ میں صبح کے مالک کی پناہ لیتا ہوں۔

صبح کے وقت سایہ سمیٹ کر اپنی قدرت کا اظہار اس طرح فرمایا:۔

ثُمَّ قَبَضْنَاهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَسِيْرًا (پ۱۹ر۳ آیت ۴۶)

پھر ہم نے اس کو اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹ لیا۔

اس وقت آفتاب کا نور پھیلتا ہے اور رات کا سایہ سمٹ جاتا ہے' لوگوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اس وقت خدا تعالیٰ کی تسبیح کیا کریں:۔ فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ (پ۲۱ر۵ آیت ۱۷)

سو تم اللہ کی تسبیح کیا کرو شام کے وقت اور صبح کے وقت۔

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ (پ۱۶ر۱۷ آیت ۱۳۰)

اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ (اس کی) تسبیح کیجئے آفتاب نکلنے سے پہلے۔

وَمِنْ آنَاءِ اللَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى (پ۱۶ر۱۷ آیت ۱۳۰)

اور اوقات شب میں (بھی) تسبیح کیا کیجئے اور دن کے اول اور آخر میں تاکہ (آپ کو جو ثواب ملے) آپ اس سے خوش ہوں۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (پ۲۹ر۲۰ آیت ۲۵)

اور اپنے پروردگار کا صبح و شام نام لیا کیجئے۔

دن کے اوراد کی ترتیب یہ ہے کہ جس وقت بیدار ہو تو ذکر الٰہی سے اپنے دن کا آغاز کرے' اور یہ دعا پڑھے "الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور" (آخر تک) یہ دعائیں پچھلے باب میں گزر چکی ہیں۔ یہاں اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔ دعا پڑھتے ہوئے کپڑے تبدیل کرے' اور یہ نیت کرے کہ میں حکم الٰہی کے بموجب ستر عورت کے لئے' اور اللہ تعالیٰ کی عبادت پر مدد حاصل کرنے کے لئے کپڑے پہن رہا ہوں' میرا مقصد نہ ریا کاری ہے اور نہ کبر و رعونت ہے' اگر ضرورت ہو تو بیت الخلاء جائے' پہلے اپنا بایاں پاؤں اندر رکھے' اور وہ دعائیں پڑھے جو ہم نے کتاب الطہارت میں اس موقعہ کے لئے لکھی ہیں' وہاں بیت الخلاء میں آنے جانے کے تمام آداب مذکور ہیں ان کے مطابق عمل کرے' پھر مسواک کرے' وضو کرے' اور وضو کے ان تمام آداب کی رعایت

کرے جو کتاب الطہارت میں بیان کئے جاچکے ہیں' وضو سے فارغ ہونے کے بعد فجر کی دو مسنون رکعتیں گھر میں ادا کرے' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول تھا۔ (۱) یہ سنتیں مسجد میں بھی ادا کی جاسکتی ہیں' سنتوں سے فارغ ہو کر وہ دعا پڑھے جو حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے منقول ہے' دعاؤں کے باب میں ہم اس کی تفصیل لکھ آئے ہیں یعنی "اللّٰھم انی اسئلک رحمة من عندک تھدی بھا قلبی" (آخر تک) اسکے بعد مسجد کے لئے روانہ ہو' مسجد جاتے ہوئے جو دعا ہم پچھلے باب میں لکھ آئے ہیں اس سے غفلت نہ کرے' نماز کے لئے تیز تیز قدموں سے نہ جائے' بلکہ آہستہ آہستہ اور وقار کے ساتھ مسجد کی طرف چلے (۲) اپنی انگلیاں ایک دوسرے میں نہ ڈالے' مسجد میں دایاں پاؤں پہلے رکھے' اور وہ دعا پڑھے جو مسجد میں داخل ہونے کے وقت پڑھی جاتی ہے۔ مسجد میں داخل ہونے کے بعد پہلی صف میں جگہ تلاش کرے' شرط یہ ہے کہ پہلی صف میں گنجائش ہو' اور جگہ تلاش کرنے کے لئے لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگنی پڑیں' نہ آگے جانے سے کسی کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو' جمعہ کی بحث میں ہم اس موضوع پر بہت کچھ لکھ چکے ہیں' اگر گھر میں سنتیں نہ پڑھی ہوں تو مسجد میں ادا کرے' اور نماز باجماعت تک دعا میں مشغول رہے' گھر میں سنتیں پڑھلینے کی صورت میں تحیۃ المسجد کی دو رکعت پڑھے' اور جماعت کے انتظار میں بیٹھا رہے۔ فجر کی نماز کے لئے مستحب وقت غلس (اندھیرا) ہے (۳) چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز تاریکی میں ادا فرمایا کرتے تھے (۴) ہر نماز باجماعت ادا کرنی چاہیے' خاص طور پر فجر اور عشاء کی نمازیں مسجد میں ادا کرے' ان دونوں کی حدیث میں بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے' انس ابن مالک کی روایت میں ہے کہ نماز فجر کے سلسلے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

من توضأ ثم توجه الی المسجد یصلی فیه الصلاة کان له بکل خطوة حسنة ومحی عنه سیئة والحسنة بعشر امثالها فاذا صلی ثم انصرف عند طلوع الشمس کتب له بکل شعرة فی جسده حسنة وانقلب بحجة مبرورة فان جلس حتی یرکع الضحی کتب له بکل رکعة الفا الف حسنة ومن صلی العتمة فله مثل ذلک وانقلب بعمرة مبرورة (۵)

جو شخص وضو کرے' اور نماز پڑھنے کے ارادے سے مسجد میں جائے تو اسے ہر قدم پر ایک نیکی ملے گی اور اس کا ایک گناہ معاف کیا جائے گا' اور نیکی کا ثواب دس گنا ملتا ہے۔ اگر نماز پڑھنے کے بعد طلوع آفتاب کے وقت واپس ہو تو اسے اس کے جسم کے ہر بال کے عوض ایک نیکی ملے گی' اور وہ ایک مقبول حج کا ثواب لے کر واپس ہوگا۔ اور اگر چاشت کی نماز تک وہاں بیٹھے' تو اسے ہر رکعت کے عوض دس لاکھ نیکیاں ملیں گی' اور جو شخص عشاء کی نماز مسجد میں پڑھے اسے بھی اتنا ہی ثواب ملے گا' اور وہ ایک مقبول عمرے کا ثواب لے کر واپس ہوگا۔

اکابر کا معمول یہ تھا کہ وہ طلوع فجر سے پہلے مسجد میں جایا کرتے تھے' ایک تابعی فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں حاضر ہوا وہاں ابو ہریرہؓ پہلے سے تشریف رکھتے تھے' مجھے دیکھ کر فرمانے لگے: اے بھتیجے! تم اس وقت اپنے گھر سے کس مقصد کے لئے نکلے ہو؟ میں نے عرض کیا: صبح کی نماز کے لئے! فرمایا: مبارک ہو' ہم اس وقت مسجد میں حاضر ہونے کو راہ خدا میں جہاد کرنے کے مساوی کہا کرتے

---

(۱) بخاری و مسلم۔ بروایت ام المومنین حفصہؓ (۲) اطمینان اور وقار کے ساتھ نماز کے لئے جانے کی روایت بخاری و مسلم میں ابو ہریرہؓ سے مروی ہے (۳) اس سلسلے میں احناف کے مسلک کی تفصیل کتاب الصلاۃ میں گزر چکی ہے (۴) بخاری و مسلم بروایت ام المومنین حضرت عائشہؓ (۵) مجھے یہ حدیث اس سیاق و سباق کے ساتھ نہیں ملی' البتہ بیہقی کی شعب الایمان میں حضرت انسؓ کی یہ روایت ان الفاظ میں منقول ہے "ومن صلی المغرب کان له کحجة مبرورة وعمرة متقبلة"

تھے' یا یہ کہا کہ ہم اس وقت مسجد میں آکر نماز کے انتظار میں بیٹھ جانے کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جہاد کرنے کے برابر قرار دیا کرتے تھے' حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ایک رات سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے' میں بھی سو رہا تھا اور فاطمہ بھی اسوقت نیند میں تھیں۔ فرمایا: کیا تم لوگ اس وقت نماز نہیں پڑھتے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہماری جانیں باری تعالیٰ کے قبضے میں ہیں' جب وہ ہمیں اٹھاتا ہے ہم اٹھ جاتے ہیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رانوں پر ہاتھ مارا' اور یہ فرماتے ہوئے واپس تشریف لے گئے:۔

وَكَانَ الْإِنسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا (۱) (پ ۱۵ ر ۲۰ آیت ۵۴)

اور انسان جھگڑے میں سب سے بڑھ کر ہے۔

فجر کی سنتوں کے بعد دعا پڑھے' اور دعا سے فارغ ہونے کے بعد جماعت شروع ہونے تک استغفار میں مشغول رہے' بہتر یہ ہے کہ ستر بار یہ دعا پڑھے:۔

أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ

میں مغفرت چاہتا ہوں اللہ سے' اسکے سوا کوئی معبود نہیں ہے' وہ زندہ ہے' قائم رہنے والا ہے' اور اس کے سامنے توبہ کرتا ہوں۔

اور سو مرتبہ یہ الفاظ کہے:۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ

اللہ پاک ہے' سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں' اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' اللہ سب سے بڑا ہے۔

پھر فرض نماز ادا کرے' اور نماز کی تمام ظاہری اور باطنی شرائط کی تکمیل کرے' نماز کے باب میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ نماز کے بعد طلوع آفتاب تک مسجد میں رہے' اور اللہ کا ذکر کرتا رہے' اگلی چند سطروں کے بعد ہم اس وقت کے اذکار کی ترتیب بیان کریں گے۔ یہاں ہم فجر کے بعد طلوع آفتاب تک مسجد میں ٹھہرنے کی فضیلت پر مختصر سی گفتگو کرتے ہیں' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

لان اقعد فی مجلس اذکر اللہ فیہ من صلاۃ الغداۃ الی طلوع الشمس احب الی من اعتق اربع رقاب (۲)

صبح کی نماز سے طلوع آفتاب تک ذکر الٰہی کے لئے برپا ہونے والی مجلس میں بیٹھنا میرے نزدیک چار غلام آزاد کرنے سے افضل ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز پڑھنے کے بعد سورج نکلنے تک اسی جگہ تشریف رکھتے تھے جہاں نماز ادا فرماتے تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ طلوع آفتاب کے بعد دو رکعت نماز بھی ادا فرماتے تھے (۳) اس عمل کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ حدیث قدسی میں ہے:۔

یا ابن آدم اذکرنی بعد صلاۃ الفجر ساعۃ و بعد صلاۃ العصر ساعۃ اکفک

---

(۱) بخاری و مسلم (۲) ابوداؤد۔ انسؓ۔ کتاب العلم میں بھی یہ روایت گزری ہے (۳) مسلم نے جابرؓ سے یہ روایت نقل کی ہے مگر اس میں دو رکعت پڑھنے کا ذکر نہیں البتہ دو رکعتوں کے ذکر کے ساتھ ترمذی میں حضرت انسؓ کی روایت منقول ہے' اس کے الفاظ یہ ہیں "من صلی الفجر فی جماعۃ ثم قعد یذکر اللہ تعالیٰ حتیٰ تطلع الشمس ثم صلی رکعتین کانت لہ کاجر حجۃ و عمرۃ تامۃ تامۃ

مابینھما (ابن المبارک فی الزہد۔ حسنؒ۔ مرسلاً)

اے ابن آدم! فجر اور عصر کی نماز کے بعد کچھ دیر میرا ذکر کر لیا کر میں تجھے ان دونوں وقتوں کے درمیانی حصے کے لئے کافی ہوں گا۔

ان فضائل کا تقاضا یہ ہے کہ طریق آخرت کا سالک ان کے مطابق عمل کرنا اپنا معمول بنائے' نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک مسجد میں بیٹھا رہے' اور کسی سے کوئی بات نہ کرے' اس دوران چار طرح کے وظائف کا معمول بنائے۔ اول دعائیں دوم تسبیح پڑ ذکر سوم قرآن پاک کی تلاوت چہارم خداوند قدوس کی قدرت میں غور و خوض۔

دعائیں : دعاؤں کا سلسلہ نماز کے فوراً بعد شروع ہو گا۔ سب سے پہلے یہ دعا کرے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ' اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ وَاِلَیْکَ یَعُوْدُ السَّلَامُ حَیِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ وَاَدْخِلْنَا دَارَ السَّلَامِ تَبَارَکْتَ یَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ

اسکے بعد یہ دعا کرے' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس دعا سے اپنی دعاؤں کا آغاز فرمایا کرتے تھے (۱)

سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَلِیِّ الْاَعْلَی الْوَھَّابِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ' لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ' وَھُوَ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ بِیَدِہِ الْخَیْرُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ' لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَھْلُ النِّعْمَۃِ وَالْفَضْلِ وَالثَّنَاءِ الْحَسَنِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِیَّاہُ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُوْنَ۔

پاک ہے میرا رب عظیم' بزرگ و برتر' زیادہ دینے والا' اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' وہ یکتا ہے' اسکا کوئی شریک نہیں ہے' اسی کی ملک ہے' اسی کے لئے حمد ہے' وہ مارتا ہے وہ زندہ کرتا ہے' وہ زندہ ہے مرتا نہیں ہے' اسکے ہاتھ میں خیر ہے' اور وہ ہر چیز پر قادر ہے' اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' جو نعمت والا ہے' صاحب فضل ہے' اور اچھی تعریف کے لائق ہے' اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' ہم دین میں اخلاص کے ساتھ اسی کی بندگی کرتے ہیں خواہ کافر برا مانیں۔

پھر وہ دعائیں پڑھے جو کتاب الاذکار کے تیسرے اور چوتھے باب میں لکھی گئی ہیں۔ اگر ہو سکے تو تمام دعائیں پڑھے' ورنہ ان میں سے اتنی دعائیں یاد کرلے جو اس کے حال کے مطابق ہوں' زبان پر ہلکی پھلکی ہوں' اور قلب میں سوز و گداز پیدا کرنے والی ہوں۔ ذکر کے کلمات وہ ہیں جن کے اعادے اور تکرار کے بڑے فضائل ہیں' طول کلام کی وجہ سے ہم وہ تمام کلمات یہاں بیان کرنے سے قاصر ہیں' تکرار و اعادے کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ ہر کلمہ تین بار یا سات بار کہا جائے' زیادہ سے زیادہ تعداد یہ ہے کہ ہر کلمہ کا سو بار یا ستر بار ورد کیا جائے اور درمیانی درجہ یہ ہے کہ دس مرتبہ اعادہ کیا جائے' بہر حال وقت میں جس قدر گنجائش ہو اسی کے مطابق پڑھے' دس کی تعداد اوسط درجے میں ہے' اس پر مداومت سے قلب میں اثر ہوتا ہے' جس پر مداومت ہو سکے اگرچہ مقدار میں مختصر ہی کیوں نہ ہو' مداومت سے قلب میں اثر ہوتا ہے' اور یہ اثر دیر تک باقی رہتا ہے' مقدار میں کم اور دائمی طور باقی رہنے والے وظیفے کی مثال ایسی ہے جیسے پانی کے قطرے مسلسل زمین پر پڑنے سے گڑھا ہو جائے' اگرچہ وہ زمین پتھریلی ہی کیوں نہ ہو' اس پانی کا کوئی اثر زمین پر نہیں ہو گا جو مقدار میں زیادہ ہونے کے باوجود ایک ہی مرتبے یا تھوڑے تھوڑے وقفے سے زمین پر انڈیل دیا جائے۔ ذیل میں ہم دس کلمات بیان کرتے ہیں۔

---

(۱) یہ روایت گزر چکی ہے

اول لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَھُوَ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ بِیَدِہِ الْخَیْرُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (۲)

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' وہ تنہا ہے' اسکا کوئی شریک نہیں ہے' اسی کا ملک ہے' اسی کے لئے حمد ہے' وہ زندہ کرتا ہے وہ مارتا ہے' اور وہ زندہ ہے مرتا نہیں ہے اسکے ہاتھ میں خیر ہے' اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

دوم سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ (۲)

پاک ہے وہ میرا رب تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں' اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' اللہ سب سے بڑا ہے قوت و طاقت صرف اللہ عظیم و برتر کی عطا کردہ ہے۔

سوم سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلَائِکَۃِ وَالرُّوْحِ (۳)

پاک صفات پاک ذات ہے ہمارا رب' ملائکہ اور روح الامین کا رب۔

چہارم سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِہٖ (۴)

پاک ہے رب عظیم' میں اس کی حمد بیان کرتا ہوں۔

پنجم اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَسْأَلُہُ التَّوْبَۃَ (۵)

میں مغفرت چاہتا ہوں اللہ سے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' وہ زندہ ہے' قائم رہنے والا ہے اور میں اس سے توبہ کی درخواست کرتا ہوں۔

ششم اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ (۶)

اے اللہ! جو تو دے اس کا کوئی روکنے والا نہیں ہے' اور جو تو روکے اس کا کوئی دینے والا نہیں ہے' اور کسی مالدار کو تیرے عذاب سے مالداری نہیں بچاسکتی۔

ہفتم لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْمَلِکُ الْحَقُّ الْمُبِیْنُ (۷)

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے جو بادشاہ ہے' اور کھلا حق ہے۔

---

(۲) بزار۔ عبدالرحمن ابن عوفؓ' نسائیؓ۔ ابوذرؓ مختصرا (۲) نسائی' ابن حبان' حاکم۔ ابوسعید الخدریؓ (۳) مسلم۔ عائشہؓ' ابوالشیخ فی الثواب۔ براءؓ (۴) یہ روایت بخاری و مسلم میں ہے' ابوہریرہؓ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں "من قال لک فی یوم مائة مرة حطت خطایاء وان کانت مثل زبد البحر" (۵) مستغفری نے کتاب الدعوات میں معاذؓ سے یہ دعا نقل کی ہے الفاظ یہ ہیں۔

"من قالها بعد الفجر وبعد العصر ثلاث مرات كفرت ذنوبه وان كانت مثل زبد البحر" اس روایت میں "اسأله التوبة" کے بجائے "اتوب اليه" ہے۔ ترمذی نے بھی ابوسعیدؓ سے یہ دعا روایت کی ہے' بخاری میں حضرت ابوہریرہ کی حدیث ہے "انی لا ستغفر الله واتوب اليه فی اليوم اكثر من سبعين مرة" (۶) اس دعا کے تکرار کے سلسلے میں ہمیں کوئی مسند روایت نہیں ملی۔ البتہ فرض نمازوں کے بعد اور رکوع سے اٹھتے ہوئے اس کا پڑھنا ثابت ہے دعاؤں کے باب میں یہ دعا نقل کی جاچکی ہے۔ (۷) مستغفری نے کتاب الدعوات میں اور خطیب نے علیؓ سے اس ذکر کے تکرار کی حدیث نقل کی ہے۔ الفاظ یہ ہیں۔

"من قالها فی یوم مائة مرة كان له امان من الفقر' وامان من وحشة القبر' واستجلب به الغنا' واستقرع به باب الجنة" ابونعیم نے بھی حلیہ میں یہ ذکر نقل کیا ہے

ہشتم۔ بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِي لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (۱)

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جس کی وجہ سے زمین و آسمان کی کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی' اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

نہم اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَنَبِيِّكَ وَرَسُولِكَ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ (۲)

اے اللہ! صلاۃ و سلام نازل ہو نبی امی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو تیرے بندے ہیں' اور تیرے رسول ہیں' اور آپ کی آل و اولاد اور آپ کے اصحاب پر۔

دہم۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ' رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَحْضُرُوْنَ (۳)

میں اللہ کی جو سننے والا اور جاننے والا ہے پناہ چاہتا ہوں مردود شیطان سے' اے اللہ میں شیطان کے وسوسوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور اے اللہ میں اس بات سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں۔

یہ دس کلمات ہیں' اگر ان میں سے ہر کلمہ دس بار پڑھا جائے تو کلمات کی مجموعی تعداد سو ہو جائے گی' ایک ہی کلمہ کے سو بار تکرار سے کہیں افضل یہ ہے کہ یہ دس کلمے پڑھے جائیں' اور ہر کلمے کا دس بار اعادہ کیا جائے اس لئے کہ ان میں سے ہر کلمے کا الگ اجر و ثواب ہے' ہر کلمے کی تنبیہہ دوسرے کلمے سے مختلف ہے' اور ہر کلمہ کی لذت دوسرے کلمے کی لذت سے علیحدہ ہے' پھر یہ بھی ہے کہ ایک کلمہ تک ذہن اور زبان کی منتقلی سے طبیعت میں اکتاہٹ پیدا نہیں ہوتی۔

قرأت قرآن :

قرأت قرآن کے سلسلے میں مستحب یہ ہے کہ ان آیات کی تلاوت کرے جن کے فضائل روایات میں مذکور ہیں۔ مثلاً سورۂ فاتحہ (۴) آیۃ الکرسی (۵) آمن الرسول سے سورۂ بقرہ کے آخر تک (۶) شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (۷)

---

(۱) اصحاب سنن' ابن حبان' حاکم۔ عثمانؓ فرماتے ہیں "من قال ذلک ثلاث مرات حین یمسی لم یصبہ فجاۃ بلاء حتی یصبح ومن قالھا حین یصبح ثلاث مرات لم یصبہ فجاۃ یمسی" (۲) یہ ذکر محمد ابن عبد الواحد النافعی نے "فضائل القرآن" میں ابن ابی اوفیؓ سے نقل کیا ہے' فرماتے ہیں۔ "من اراد ان یموت فی السماء الرابعۃ فلیقل کل یوم ثلاث مرات" طبرانی میں ابو الدرداء سے اس ذکر کا تکرار ان الفاظ میں منقول ہے "من صلی علی حین یصبح عشرا وحین یمسی عشرا درکتہ شفاعتی یوم القیامۃ" پہلی روایت کو منکر کہا گیا ہے' اور دوسری کو منقطع (۳) یہ ذکر ترمذی میں معقل ابن یسارؓ سے منقول ہے' فرماتے ہیں من قال حین یصبح ثلاث مرات اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم' وقرأ ثلاث آیات من آخر سورۃ الحشر وکل اللہ بہ سبعین الف ملک ومن قالھا حین یمسی کان بتلک المنزلۃ (۴) سورۂ فاتحہ کی فضیلت بخاری میں ابو سعید ابن المعلی سے (انھا اعظم النور فی القرآن) مسلم میں ابن عباس کی روایت ہے کہ زمین پر ایک فرشتہ اترا' اور اس نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: "ابشر بنورین اوتیتھما لم یؤتھما نبی قبلک فاتحۃ الکتاب وخواتم سورۃ البقرۃ لم تقرأ بحرف منھما الا اعطیتہ" (۵) (آیۃ الکرسی کی فضیلت مسلم میں ابی ابن کعبؓ سے (یا ابا المنذر أتدری أی آیۃ من کتاب اللہ معک اعظم' قلت اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے) (۶) بخاری و مسلم میں عبد اللہ ابن مسعودؓ سے "من قرأ بالآیتین من آخر سورۃ البقرۃ فی لیلۃ کفتا" (۷) ابو الشیخ' ابن حبان بروایت عبد اللہ ابن مسعودؓ من قرأ شھد اللہ الی قولہ الاسلام ثم قال وانا اشھد بما شھد اللہ بہ واستودع اللہ ھذہ الشھادۃ وھی لی عندہ ودیعۃ جیء یوم القیامۃ فقیل لہ عبدی ھذا عھد الی عھد' وانا احق من وفی بالعھد ادخلو عبدی الجنۃ"۔

(آخر تک پ ۳ ر ۱۰ آیت ۱۸)' قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ سے بِغَيْرِ حِسَابٍ تک (۱) (پ ۳ ر ۱۱ آیت ۲۶)' لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ (۲) سورت کے آخر تک (پ ۱۱ ر ۵ آیت ۱۲۸)' لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ سورۂ فتحنا کے آخر تک (۳) (پ ۲۶ ر ۱۲ آیت ۲۷) قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا (۴) سورۂ بنی اسرائیل کے آخر تک (پ ۱۵ ر ۱۲ آیت ۱۱۱)' پانچ آیتیں سورۂ حدید کے شروع کی (۵) اور هُوَ اللّٰهُ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ سورۂ حشر کے آخر تک (۶)

مسبعات عشر پڑھنے کی فضیلت: مسبعات عشرہ وہ دس دعائیں ہیں جو خضر علیہ السلام نے حضرت ابراہیم التیمیؒ کو ہدیہ کی تھیں' اور انھیں یہ وصیت کی تھی کہ وہ صبح و شام ان دعاؤں کے ورد کا التزام کریں' ان دعاؤں کے پڑھنے کا بڑا ثواب ہوگا' اور یہ دعائیں مذکورہ تمام دعاؤں کا نعم البدل ثابت ہوں گی۔ ان دعاؤں کی سلسلے میں ایک واقعہ کرز ابن وبرہ سے منقول ہے' یہ ابدال میں سے تھے' فرماتے ہیں کہ شام سے میرے ایک بھائی تشریف لائے' اور انھوں نے مجھے ایک قیمتی ہدیہ دیا' اور یہ کہا کہ اے کرز! یہ بڑا قیمتی تحفہ ہے اسے قبول کرلو' میں نے ان سے پوچھا: تمہیں یہ ہدیہ کہاں سے ملا ہے' کہنے لگے کہ مجھے ابراہیم التیمی نے عطا کیا ہے' میں نے کہا تم نے ابراہیم التیمی سے بھی یہ سوال کیا تھا' جواب دیا ہاں! وہ کہتے ہیں کہ میں صحن کعبہ میں بیٹھا ہوا تسبیح' تحمید' تہلیل اور تمجید میں مشغول تھا' ایک شخص آئے' سلام کیا' اور میری دائیں طرف بیٹھ گئے' میں نے اتنا خوبصورت شخص نہیں دیکھا تھا' انھوں نے بہت ہی عمدہ لباس زیب تن کر رکھا تھا' ان کا رنگ انتہائی سفید تھا' اور بڑی پیاری خوشبوئیں ان کے لباس سے آرہی تھی' میں نے ان سے کہا: بندۂ خدا! تم کون ہو' فرمانے لگے: میں خضر ہوں' اور تمہیں سلام کرنے آیا ہوں' مجھے تم سے بڑی محبت ہے' جس کا مقصد حب الٰہی کے سوا کچھ نہیں ہے' میری پاس ایک گرانقدر تحفہ ہے' میں یہ تحفہ تمہیں دینا چاہتا ہوں' میں نے کہا: لائیے' وہ تحفہ کہاں ہے؟ فرمایا: طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے یہ عمل کیا کرو' سورۂ فاتحہ' سورۂ الناس' سورہ فلق' (معوذتین) سورۂ اخلاص' سورۂ الکافرون' اور آیۃ الکرسی سات سات مرتبہ پڑھو' اسکے بعد سات مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ پڑھو' سات مرتبہ درود شریف پڑھو' سات مرتبہ اپنے لئے' والدین کے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے استغفار کرو' پھر سات مرتبہ یہ دعا پڑھو۔

اَللّٰهُمَّ افْعَلْ بِي وَبِهِمْ عَاجِلًا وَآجِلًا فِي الدِّينِ وَالدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ مَا أَنْتَ لَهُ أَهْلٌ وَلَا تَفْعَلْ بِنَا يَا مَوْلَانَا مَا نَحْنُ لَهُ أَهْلٌ إِنَّكَ غَفُورٌ حَلِيمٌ جَوَادٌ كَرِيمٌ رَؤُوفٌ رَحِيمٌ

---

(۱) مستغفری فی الدعوات بروایت علیؓ "إن فاتحة الكتاب وآية الكرسي والآيتين من آل عمران شهد الله الى قوله الاسلام' وقل اللهم مالك الملك الى قوله بغير حساب معلقات ما بينهن وبين الله حجاب" اسی روایت میں یہ بھی ہے "فقال الله لا يقرأ احد من عبادي دبر كل صلاة الا جعلت الجنة مثواه") (۲) طبرانی فی الدعا بروایت انسؓ۔ فرماتے ہیں: "علمنی رسول الله صلی الله علیه وسلم ما احترز به من كل شيطان رجيم ومن كل جبار عنيد" حدیث کے الفاظ یہ ہیں "فقل حسبي الله الى آخر السورة" ابو القاسم النافعی نے "فضائل القرآن فی رغائب القرآن" میں محمد ابن بکار کی یہ روایت نقل کی ہے "ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: من لزم قراءة لقد جاءكم رسول من انفسكم الى اخر السورة لم يمت هدما ولا غرقا ولا ضربا بحديدة" (۳) اس آیت کے سلسلے میں کوئی خاص روایت مجھے نہیں ملی' البتہ سورۂ فتح کی فضیلت کی روایت ابی ابن کعبؓ سے ابو الشیخ نے کتاب الثواب میں نقل کی ہے۔ "من قرأ سورة الفتح فكانما شهد فتح مكة مع النبي صلى الله عليه وسلم" لیکن اسے موضوع کہا گیا ہے (۴) ان آیات کی فضیلت احمد اور طبرانی میں معاذ ابن انسؓ کی حدیث سے ثابت ہے (۵) سورۂ حدید کی ابتدائی پانچ آیات کے ورد سے متعلق روایت ابو القاسم النافعی نے فضائل القرآن میں حضرت علیؓ سے نقل کی ہے (۶) سورۂ حشر کی آخری آیات کے سلسلے میں بیہقی نے ابو امامہؓ سے یہ روایت نقل کی ہے۔ من قرأ خواتيم الحشر في ليل او نهار فمات من يومه او ليلته فقد اوجب الله له الجنة۔

اے اللہ! تو میرے ساتھ اور ان کے ساتھ فی الحال اور آئندہ دین و دنیا اور آخرت میں وہ معاملہ کر جو تیرے شایان شان ہے' اور اے ہمارے آقا ہمارے ساتھ وہ معاملہ نہ کر جس کے ہم اہل ہیں' بلاشبہ تو بخشنے والا ہے' حلم والا ہے' سخی ہے' کریم ہے' مہربان ہے' اور رحم کرنے والا ہے۔

میری تمہیں یہ وصیت بھی ہے کہ اسکی ہمیشہ پابندی کرنا' کبھی بھی مت چھوڑنا' میں نے عرض کیا: آپ مجھے یہ ضرور بتلائیں کہ یہ گرانقدر تحفہ آپ کو کہاں سے ملا ہے' فرمایا مجھے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا ہے (۱) میں نے کہا مجھے اس کے ثواب کے متعلق کچھ بتلائیے فرمایا اگر تمہیں خواب میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو جائے تو اس کا اجر وثواب دریافت کرلینا' ابراہیم تیمی کہتے ہیں کہ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے پاس آسمان سے فرشتے آئے ہیں' تھوڑی دیر کے بعد یہ فرشتے مجھے اٹھا کرلے چلے' اس سفر کا اختتام جنت پر ہوا' جنت میں عجیب و غریب چیزیں تھیں' میں نے فرشتوں سے دریافت کیا کہ یہ چیزیں کس کے لئے ہیں' کہنے لگے کہ یہ تمام چیزیں ان لوگوں کے لئے ہیں جو تیرا عمل کریں' ابراہیم تیمیؒ نے جنت کی بہت سی چیزوں کے نام بھی بتلائے اور یہ بھی کہا کہ میں نے وہاں کھانے پینے کا شغل بھی کیا' اس کے بعد میرے پاس سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے' آپ کے ساتھ سترؑ پیغمبر تھے' اور فرشتوں کی ستر صفیں آپ کے پیچھے تھیں' اور ہر صف مشرق و مغرب میں حد نظر تک پھیلی ہوئی تھی' آپ نے مجھے سلام کیا اور میرا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے لیا' میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ! حضرت خضر علیہ السلام نے مجھے یہ عمل بتلایا ہے اور وہ اس سلسلے میں آپ کا حوالہ دیتے ہیں' فرمایا: خضر سچ کہتے ہیں' خضر سچے ہیں' ان کا ہر فیصلہ اور ہر حکم صحیح ہوتا ہے وہ اہل زمین کے عالم ہیں' وہ ابدالوں کے سردار ہیں' اور زمین میں اللہ تعالیٰ کے لشکر کے سپاہی ہیں' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر کسی شخص نے یہ عمل کیا جو میں کرتا ہوں' اور اسے خواب میں وہ تمام چیزیں نظر نہ آئیں جو اس وقت میں نے دیکھی ہیں تو وہ شخص بھی ان چیزوں کا مستحق قرار پائے گا یا نہیں؟ فرمایا: خدا کی قسم! یہ عمل کرنے والا اگرچہ مجھے نہ دیکھے' اور نہ جنت میں داخل ہو' مگر اسے اتنا ثواب ضرور ملے گا کہ اس کے تمام کبیرہ گناہ معاف کردئے جائینگے' اللہ تعالیٰ اس پر ناراض نہیں ہوں گے' اور بائیں جانب والے فرشتے کو یہ حکم دیں گے کہ ایک سال تک اسکی برائیاں نہ لکھے' آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میں اس ذات پاک کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس نے مجھے نبی برحق بنا کر بھیجا ہے کہ اس عمل کی توفیق صرف نیک بختوں کو حاصل ہوگی' بدبخت اس سے محروم رہیں گے۔ ابراہیم تیمیؒ کے بارے میں مشہور ہے کہ انہوں نے چار ماہ تک نہ کچھ کھایا اور نہ پیا' غالباً انکی یہ کیفیت اس خواب کے بعد ہوئی ہوگی۔

یہ قرأت قرآن کے وظیفے کی تفصیل ہے' اگر ان آیات کی اگلی پچھلی آیات بھی پڑھ لیا کرے تو اس سے اجر و ثواب میں اضافہ ہوگا۔ اس مقدار پر بھی اکتفا کرسکتا ہے' دونوں صورتیں بہتر ہیں' قرآن پاک میں ذکر و فکر اور دعا ہر چیز باعث اجر و ثواب ہے' لیکن شرط یہ ہے کہ ہر چیز تامل' حضور دل اور ان تمام آداب کی رعایت کے ساتھ ہو جو ہم نے تلاوت قرآن سے متعلق ابواب میں ذکر کئے ہیں۔

فکر: ذکر کے ساتھ فکر کا معمول بھی رکھے' فکر کے طریقے ہم چوتھی جلد کی کتاب التفکر میں بیان کریں گے' یہاں صرف اتنا بیان کرنا مقصود ہے کہ بحیثیت مجموعی فکر کی دو قسمیں ہیں' پہلی قسم یہ ہے کہ ان امور میں فکر کرے جو اسکے لئے علم معاملہ میں مفید ہوں' مثلاً اپنے نفس کا احتساب کرے' اور ان غلطیوں کا جائزہ لے جو ماضی میں اس سے سرزد ہوئی ہیں' اس دن کے وظائف کی ترتیب قائم کرے جس کی صبح اسے نصیب ہوئی ہے' ان تمام امور کے ازالے کی تدبیر کرے جو خیر کی راہ میں رکاوٹ ہوں' اپنی عملی کوتاہیوں کے اسباب تلاش کرے' اور ان کی اصلاح کرے' جو عمل کرے اس میں نیت خالص رکھے' خواہ اس کا عمل خود اپنی

(۱) مجھے اس کی اصل نہیں ملی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت خضر علیہ السلام سے نہ ملاقات ثابت ہے' اور نہ عدم ملاقات' اور نہ اس سلسلے میں کوئی صحیح روایت ہے کہ حضرت خضر حیات ہیں یا وفات پاگئے ہیں

ذات سے متعلق ہو' یا مسلمانوں سے متعلق ہو' فکر کی دوسری قسم یہ ہے کہ ان امور میں غور کرے جو علم مکاشفہ میں فائدہ پہنچائیں تاکہ باری تعالیٰ کی ظاہری اور باطنی نعمتوں کے تسلسل پر نظر ڈالے' یہ غور و فکر اس لئے ہونا چاہیے تاکہ باری تعالیٰ کی ان نعمتوں کی صحیح معرفت حاصل ہوجائے' اور حق شکر ادا کیا جاسکے' اللہ تعالیٰ کے عذاب کا تصور بھی کرے' اس تصور سے باری تعالیٰ کی قدرت کا علم ہوگا' اور اس کی سزا اور انتقام کا خوف پیدا ہوگا' ان امور کی بہت سی قسمیں ہیں' بعض لوگ ان سب قسموں میں نظر کرلیتے ہیں' اور بعض کو اسکی توفیق نہیں ہوتی' جلد چہارم میں ہم فکر کے تمام پہلوؤں پر تفصیل سے گفتگو کریں گے۔

اگر فکر کی توفیق ہوجائے تو یہ افضل ترین عبادت ہے' کیوں کہ اس میں ذکر الہٰی بھی ہے' اور دو باتیں مزید ہیں' ایک زیادتی معرفت' اور دوسری زیارت محبت' فکر کشف اور معرفت کی کلید ہے' فکر سے محبت کی زیادتی کی تفصیل یہ ہے کہ دل صرف اس چیز سے محبت کرتا ہے جس کی عظمت کا اسے اعتقاد ہو' اور اللہ تعالیٰ کی عظمت اس کی صفات اس کے افعال' اور قدرت کے عجائبات کی معرفت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی' خلاصۂ کلام یہ ہے کہ فکر سے معرفت ہوتی ہے' اور معرفت سے تعظیم پیدا ہوتی ہے' اور تعظیم سے محبت بڑھتی ہے' اگرچہ ذکر بھی انس و محبت کا سبب ہے' مگر وہ محبت زیادہ دیرپا' اور اثر انداز ہوتی ہے جو معرفت سے حاصل ہو' اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص کسی پر اسکے حسن و جمال اور حسن اخلاق کا بذات خود مشاہدہ کرنے کے بعد عاشق ہو' اور کوئی دوسرا محض اس کی خوبصورتی کا ذکر سن کر عاشق ہوجائے یقیناً" پہلے شخص کی محبت زیادہ دیرپا ہے' کیونکہ وہ مشاہدے اور تجربے پر مبنی ہے' اور دوسرے کی محبت زیادہ دیرپا نہیں ہے' کیونکہ اس کا تعلق محض سماع سے ہے' عارف کی محبت اور ذاکر کے انس کا حال بھی یہی ہے۔ سننے اور دیکھنے میں بڑا فرق ہے۔ جو لوگ دل اور زبان کے ذریعہ ذکر اللہ پر مداومت رکھتے ہیں' اور ان معتقدات کی تصدیق کرتے ہیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ بندوں تک پہنچائے گئے' ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی چند صفات کا اجمالی علم ہے' وہ دوسروں کے بتلانے سے ان کے معتقد ہیں۔ عارفین نے جمال الٰہی' جلال خداوندی کا اپنے جسم کا اپنے چشم باطن کی بصیرت سے مشاہدہ کیا ہے' باطنی بصیرت ظاہر بصارت کے مقابلے میں کہیں زیادہ قوت رکھتی ہے' لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اللہ کے جلال و جمال کی حقیقت کے ادراک پر قادر ہیں' مخلوق کو یہ قدرت حاصل نہیں کہ وہ باری تعالیٰ کے کسی ایک وصف کی حقیقت کی معرفت بھی حاصل کرسکے' ہر شخص کے مشاہدہ کی انتہا وہاں تک ہے جہاں تک اس کے لئے حجاب دور ہوا' باری تعالیٰ کے جمال کی حقیقت کے ادراک پر قادر ہیں' مخلوق کو یہ قدرت حاصل نہیں کہ وہ باری تعالیٰ کے کسی ایک وصف کی حقیقت کی معرفت بھی حاصل کرسکے' باری تعالیٰ کے جمال و جلال کی کوئی انتہائی نہیں ہے' وہ حجاب بھی ستر ہیں جنہیں نور کہتے ہیں' اور جن کے بارے میں ناپختہ ذہن سالک یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ ہمیں ان حجابات تک پہنچنا نصیب ہوگیا ہے' چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

بین اللہ وبین الملائکۃ الذین حول العرش سبعون حجابا من نور (۱)

اللہ تعالیٰ کے اور ان فرشتوں کے درمیان جو عرش کے چاروں طرف ہیں نور کے ستر پردے ہیں۔

پھر یہ انوار بھی سلسلہ دار ہیں' اور ایک دوسرے سے اس قدر مختلف ہیں جس طرح چاند' سورج اور ستاروں کے نور مختلف ہوتے ہیں' ابتداء میں سب سے چھوٹا نور ظاہر ہوتا ہے' پھر اس سے بڑا' پھر اس سے بڑا' بعض صوفیائے کرام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعے سے ان کے درجات کی ترقی پر استدلال کیا ہے' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :۔

---

(۱) ابن حبان فی کتاب العظمۃ' ابوہریرہؓ' ابن حبان میں ایک روایت حضرت انسؓ سے ان الفاظ میں مروی ہے۔ "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لجبرئیل ھل تری ربک قال ان بینی وبینہ سبعین حجابا من نور" طبرانی اکبر میں سہل ابن سعدؓ کی روایت ہے "دون اللہ تعالیٰ الف حجاب من نور وظلمۃ"۔ مسلم میں ابو موسیٰ کی روایت ہے "حجابہ النور لو کشفہ لاحرقت سجات وجہہ ما انتہی الیہ بصرہ من خلقہ"

فَلَمَّا جَنَّ عَلَیۡهِ الَّیۡلُ رَاٰ کَوۡکَبًا (پ ۷ ر ۱۵ آیت ۷۷)
پھر جب رات کی تاریکی ان پر چھا گئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا۔

اس آیت کی یہ تفسیر کی گئی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر معاملہ مشتبہ ہو گیا تو آپ نے ایک نور دیکھا' قرآن پاک میں اس نور کی تعبیر کے لئے کوکب (ستارے) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے' اس ستارے سے مراد وہ ستارے نہیں ہیں جو رات میں آسمان پر چمکتے ہیں' یہ بات تو عام لوگ جانتے ہیں کہ یہ بے جان ستارے خدا نہیں ہو سکتے' جس شے کو عام لوگ خدا نہ کہیں' ابراہیم خلیل اللہ جیسے عظیم پیغمبر اسے خدا کیسے کہہ سکتے تھے۔

نور کی کیفیت : اس نور حجابات سے مراد وہ روشنی نہیں ہے جو آنکھوں سے نظر آتی ہے' بلکہ یہ نور وہ ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں اس آیت میں ہے :۔

اَللّٰهُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ مَثَلُ نُوۡرِهٖ كَمِشۡكٰوةٍ فِيۡهَا مِصۡبَاحٌ (پ ۱۸ ر ۱۱ آیت ۳۵)
اللہ تعالیٰ نور (ہدایت) دینے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔ اس کے نور کی حالت عجیبہ ایسی ہے جیسے (فرض کرو) ایک طاق ہے (اور) اس میں ایک چراغ ہے۔

اب ہم یہ بحث ختم کرتے ہیں' اس موضوع کا تعلق علم معاملہ سے نہیں ہے' بلکہ علم مکاشفہ سے ہے' ان حقائق کا ادراک کشف کے بغیر ممکن نہیں ہے' اور کشف صفائے فکر کا نتیجہ ہے۔ ایسے لوگ بہت کم ہیں جن پر ان حقائق کے دروازے کھلے ہوں' عام لوگ صرف ان امور میں فکر کر سکتے ہیں' جن کا تعلق علم معاملہ سے ہو' اور یہ فکر بھی بہت سے فوائد کا حامل ہے' اگر یہی میسر ہو جائے تو غنیمت ہے۔

راہ آخرت کے سالکین کو چاہیے کہ وہ صبح کی نماز کے بعد ان چاروں وظائف کو اپنا معمول بنالیں' بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ ہر نماز کے بعد یہ وظائف پڑھیں' نماز کے بعد کوئی وظیفہ ان وظائف سے بڑھ کر نہیں ہے' ان وظائف پر قدرت حاصل کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہر سالک اپنا ہتھیار اور اپنی ڈھال سنبھال لے' روزہ ایک ڈھال ہے' روزہ کے ذریعہ شیطان کے راستے مسدود ہو جاتے ہیں' شیطان انسان کا بدترین دشمن ہے' اسے سیدھے راستے سے ہٹا کر برے راستے پر چلنے کی ترغیب دیتا ہے۔ صبح صادق کے بعد صرف دو رکعت سنتیں' اور دو رکعتیں فرض نماز پڑھی جائیں' نماز کے بعد سے طلوع آفتاب تک کوئی نماز نہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اس وقت ذکر کیا کرتے تھے۔ (۱)

دوسرا وظیفہ : دوسرے وظیفے کا تعلق دن سے ہے' اس کے وقت کی ابتداء طلوع آفتاب سے ہوتی ہے' اور چاشت کا وقت اسکا انتہائی وقت ہے' چاشت سے ہماری مراد یہ ہے کہ طلوع آفتاب سے زوال کے وقت کا نصف وقت ہو جائے' اگر بارہ گھنٹے کا دن فرض کیا جائے تو طلوع آفتاب سے چاشت تک تین گھنٹے کا وقت ہو گا گویا یہ دن کا چوتھائی حصہ ہے' اس وقت سے متعلق دو وظیفے ہیں' پہلا وظیفہ یہ ہے کہ چاشت کی نماز پڑھے' اس نماز کی ضروری تفصیل نماز کے ابواب میں گزر چکی ہے' بہتر یہ ہے کہ دو رکعتیں اس وقت پڑھی جائیں جب دھوپ پھیل جائے' اور سورج آدھے نیزے کے برابر اونچا ہو جائے' یہ اشراق کا وقت کہلاتا ہے' چار' چھ' یا آٹھ رکعتیں اس وقت پڑھے جب ریت تپنے لگے' اور سورج کی گرمی سے پاؤں کو پسینہ آنے لگے۔ دو رکعت کا وقت اللہ تعالیٰ کی اس آیت سے ثابت ہے :۔

یُسَبِّحۡنَ بِالۡعَشِیِّ وَالۡاِشۡرَاقِ (پ ۲۳ ر ۱۱ آیت ۱۸)
(پہاڑوں کو حکم کر رکھا تھا) کہ ان کے ساتھ صبح و شام تسبیح کیا کریں۔

---

(۱) مسلم۔ انس۔

اشراق کے وقت ہی آفتاب کی روشنی گردو غبار' اور زمین کے ابخارات کی قید سے آزاد ہو کر پھیلتی ہے' چار رکعت کے وقت کے لئے (ضحیٰ اعلیٰ) کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں' قرآن پاک میں اس وقت کی قسم کھائی گئی ہے' فرمایا :-

والضحی واللیل اذا سجی (پ ۳۰ ر ۱۸ آیت ۱-۲)

قسم ہے دن کی روشنی کی' اور رات کی جب وہ قرار پکڑے۔

روایات میں ہے کہ ایک روز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لے گئے' بعض صحابہ اشراق کی نماز میں مشغول تھے' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے با آواز بلند ارشاد فرمایا :-

ان صلاة الاوابین اذا رمضت الفصال (۱)

خبردار اوابین کی نماز کا وقت اس وقت ہے کہ پاؤں جلنے لگیں۔

اس لئے ہم کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص سورج نکلنے کے بعد صرف ایک نماز پر اکتفا کرنا چاہے تو چاشت کا وقت زیادہ بہتر ہے' اگرچہ اصل ثواب اس صورت میں بھی مل جاتا ہے کہ کوئی نصف نیزے کے بقدر آفتاب بلند ہونے کے بعد زوال سے پہلے پہلے چند رکعات پڑھ لے' یہ تمام وقت دو مکروہ وقتوں کے درمیان حد فصل ہے' اور اس دوران کسی بھی وقت یہ نماز وقت پڑھی جاسکتی ہے' کیونکہ اس تمام وقت پر چاشت کا اطلاق ہوتا ہے' لیکن افضل یہی ہے کہ چاشت کی نماز اس وقت پڑھے جب سورج تقریباً" نصف نیزے کے بقدر بلند ہو جائے۔ طلوع آفتاب کے وقت نماز نہ پڑھے' کیونکہ یہ مکروہ وقت ہے' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :-

ان الشمس تطلع ومعها قرن الشیطان فاذا ارتفعت فارقها (۲)

جب سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کے ساتھ شیطان کا سینگ بھی نکلتا ہے' جب سورج بلند ہو جاتا ہے تو وہ سینگ اس سے علیحدہ ہو جاتا ہے۔

آفتاب کے بلند ہونے کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ سورج زمین کے ابخارات' اور گردو غبار سے نکل جائے' اور اس کی روشنی صاف ہو جائے' انداز اور قیاس کے ذریعہ یہ وقت معلوم کیا جاسکتا ہے۔ اس وقت سے متعلق دوسرا وظیفہ یہ ہے کہ عادتاً" لوگوں کے جو کام اس سے متعلق ہیں اس وقت ان کی تکمیل کرے' مثلاً" مریض کی عیادت' نماز جنازہ میں شرکت' نیکی اور تقویٰ پر لوگوں کی مدد' مجلس علم میں حاضری' مسلمانوں کی حاجت روائی' اور دوسرے امور خیر۔ اگر ان میں سے کوئی امر درپیش نہ ہو تو ان چاروں وظائف میں مشغول رہے جو گزشتہ صفحات میں بیان کئے جاچکے ہیں' یعنی دعا' ذکر' فکر اور تلاوت قرآن کریم اس وقت نوافل بھی پڑھ سکتا ہے' طلوع آفتاب تک مکروہ وقت تھا مگر یہ وقت مکروہ نہیں ہے' اس لئے اگر چاہے تو پانچویں وظیفے کے طور پر نماز پڑھے' اور صبح صادق کے بعد مستحب یہ ہے کہ صرف تحیتہ المسجد کی دو رکعتیں' اور فجر کی سنتیں ادا کرے' نوافل نہ پڑھے' بلکہ مذکورہ بالا وظائف میں مشغول رہے۔

<u>تیسرا وظیفہ</u> : اس وظیفے کا وقت چاشت کے وقت سے زوال کے وقت تک ہے' طلوع صبح سے زوال تک درمیانی وقت کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے' نصف اول اشراق کا وقت ہے' اور نصف ثانی چاشت کا وقت ہے' اصل میں طلوع کے بعد تین گھنٹے گزرنے پر نماز کا حکم ہے' طلوع پر تین گھنٹے گزرنے سے پہلے کی نماز ہے' تین گھنٹے گزرنے پر ظہر ہے' پھر تین گھنٹے کے بعد عصر ہے' اور تین گھنٹے کے بعد مغرب ہے' طلوع آفتاب اور زوال کے درمیان چاشت کی نماز ایسی ہے۔

---

(۱) طبرانی میں یہ روایت زید ابن ارقم سے منقول ہے' مگر اس میں "فنادی باعلی صوتہ" کے الفاظ نہیں ہیں' اور مسلم کی روایت میں اشراق کا ذکر نہیں ہے۔ (۲) یہ روات کتاب الصلوٰۃ میں گزر چکی ہے۔

جیسے غروب آفتاب اور زوال کے درمیان عصر کی نماز' فرق صرف یہ ہے کہ چاشت کی نماز فرض نہیں ہے' اور عصر کی نماز فرض ہے' وجہ یہ ہے کہ چاشت کی نماز کا وقت لوگوں کی مصروفیتوں کا وقت ہے' بندوں کی سہولت کے پیش نظر خداوند قدوس نے چاشت کی نماز فرض نہیں کی۔

اس وقت بھی ذکر' فکر' دعا اور تلاوت کلام پاک کا اشتغال رہنا چاہیے۔ ان چاروں وظائف کے علاوہ اس وقت سے متعلق دو وظیفے اور بھی ہیں' ایک یہ ہے کہ فکر معاش کرے' کمانے میں مشغول ہو' اور بازار جائے' اگر کوئی شخص تاجر ہے تو اسے چاہیے کہ وہ سچائی اور ایمانداری کے ساتھ تجارت کرے اور اگر پیشہ ور ہے تو لوگوں کی بھلائی پیش نظر رکھے' کسی بھی کام میں اللہ کے ذکر سے غفلت نہ کرے' اگر کوئی شخص ہر روز کمانے پر قادر ہے تو اسے صرف اتنا کمانا چاہیے کہ جو اس روز کے اخراجات کے لئے کافی ہو' بقدر ضرورت مل جائے تو کام روک دے' اور اپنے پروردگار کے گھر میں حاضر ہو کر آخرت کی کمائی میں مشغول ہو جائے۔ آخرت کے لئے زادراہ کی ضرورت زیادہ ہے' اور اس کی منفعت دائمی ہے۔ ضرورت سے زیادہ کمانے کے مقابلے میں بہتر یہ ہے کہ آخرت کے لئے زادراہ مہیا کرنے میں لگا رہے' ایک بزرگ کہتے ہیں کہ مومن ان تین کاموں میں سے کسی ایک کام میں مشغول نظر آتا ہے' یا تو وہ عبادت کے ذریعہ مسجدیں آباد کرتا ہوا نظر آئے گا' یا اپنے گھر کے کسی گوشے میں اللہ کے ذکر میں مصروف ہو گا یا اپنی ضرورتوں کی تکمیل میں لگا ہوا ہو گا بقدر ضرورت کے معیار سے بہت کم لوگ واقف ہیں' عام طور سے لوگ غیر ضروری چیزوں کو ضروری سمجھ لیتے ہیں' اس کی وجہ یہ ہے کہ شیطان انہیں فقر و فاقہ اور افلاس سے ڈراتا رہتا ہے' اور منکرات کی ترغیب دیتا ہے' لوگ شیطان کے مکر و فریب کا شکار ہو جاتے ہیں' اور مفلسی کے خوف سے ضرورت سے زائد چیزیں جمع کرنے میں مشغول رہتے ہیں' حالانکہ خداوند قدوس کارساز عالم ہے' اس نے بندوں سے رزق اور مغفرت کا وعدہ کیا ہے' اکثر لوگ خداوند قدوس کے اس وعدے پر یقین نہ رکھنے کے جرم کا ارتکاب کر رہے ہیں' اس کا دوسرا وظیفہ یہ ہے کہ دوپہر میں قیلولہ کرے' قیلولہ سنت ہے' جس طرح سحری کھانے سے روزہ رکھنے پر مدد ملتی ہے' اسی طرح دوپہر کو سونے سے رات کو جاگنے پر مدد ملتی ہے' اگر کوئی شخص رات کو اٹھ کر نماز پڑھتا ہو' تب بھی اسے دوپہر میں سونا چاہیے' لہو و لعب کی مجلسوں میں بیٹھ کر ادھر ادھر کی باتیں کرنے سے بہتر سونا ہے' اس لئے کہ سونے میں سکوت ہے' اور سکوت کے معنی یہ ہیں کہ آدمی برائیوں سے بچا رہے' بعض اکابر فرماتے ہیں کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ لوگوں کا افضل ترین عمل خاموشی اور سونا ہو گا' بہت سے عابد و زاہد لوگوں کا اچھا حال نیند کی حالت ہے' لیکن یہ اس صورت میں ہے جب کہ ان کا مقصد عبادت ریا ہو' اخلاص نہ ہو' جب عبادت گزاروں کا یہ حال ہے تو غفلت میں مبتلا فاسق و فاجر لوگوں کا کیا حال ہو گا؟ حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ اکابرین سلف اپنے حق میں یہ بات بہتر سمجھتے تھے کہ سلامتی کے لئے سو جائیں' بہرحال رات کو جاگ کر عبادت کرنے کی نیت سے دوپہر کو سونا بھی عبادت ہے۔ بہتر یہ ہے کہ زوال سے کچھ دیر پہلے نماز کی تیاری کر لے' اور اذان ہونے سے پہلے مسجد میں حاضر ہو جائے۔ اگر کوئی شخص دن میں کمانے اور سونے کے بجائے نماز اور ذکر و فکر میں مشغول رہتا ہے تو یہ دن کا افضل ترین عمل ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جس وقت عبادت میں مشغول ہے عام لوگ دنیا کمانے میں لگے ہوئے ہیں اور ذکر کے بجائے بازار میں مول تول کر رہے ہیں' فکر کے بجائے دنیا کے تفکرات میں الجھے ہوئے ہیں لیکن یہ بے چارا ان سب چیزوں سے بے نیاز بارگاہ خداوندی میں سجدہ ریز ہے "یقیناً" وہ اس کا مستحق ہے کہ اسے اپنے رب کی طرف سے قربت اور معرفت کا تحفہ عطا ہو' دن کی عبادت کا ثواب بھی رات کی عبادت سے کم نہیں' رات کا وقت سونے کا ہے' اور سونے کی وجہ سے لوگ ذکر اللہ سے غفلت برتتے ہیں' اور دن کا وقت نفس کی خواہشات تکمیل ہے' اور یہ خواہشیں عبادت کی راہ میں رکاوٹ بن جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد :-

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً (پ ۱۹ ر ۴ آیت ۴۲)

اور وہ ایسا ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والے بنائے۔

اس آیت کے دو معنی ہیں۔ ایک تو یہی ہے کہ اللہ نے رات کو دن کے بعد 'اور دن کو رات کے بعد بنایا ہے' اور دوسرے معنی یہ ہے کہ رات دن ایک دوسرے کے قائم مقام بنائے گئے ہیں۔ اگر کسی شخص سے دن میں کوئی عمل رہ جائے تو وہ رات کو اس کی تلافی کرلے' اور رات میں رہ جائے تو وہ دن میں اس کے تدارک کی کوشش کرے' رات کی عبادت کا تدارک دن کی اس عبادت سے ہوتا ہے جو زوال سے پہلے کی جائے' کیونکہ یہی وقت رات کے مشابہ ہے۔

چوتھا وظیفہ : اس کا وقت زوال سے شروع ہوتا ہے' اور ظہر کی نماز اور سنتوں سے فارغ ہونے تک باقی رہتا ہے' یہ وقت دوسرے اوقات کے مقابلے میں مختصر بھی ہے' اور افضل بھی۔ زوال سے پہلے ہی وضو کرکے مسجد میں چلا جائے' جب دن ڈھل جائے اور مؤذن اذان دینے لگے تو اس کا جواب دے' اذان کے بعد عبادت میں معروف ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے متعلق "حین تظہرون" فرمایا ہے' اذان اور اقامت کے درمیانی وقفے میں ایک سلام سے چار رکعات پڑھے (۱) دن کی نفلی نمازوں میں یہی ایک نماز ایسی ہے جسے بعض فقہاء نے ایک سلام کے ساتھ پڑھنے کا حکم دیا ہے' لیکن اس حکم پر جس روایت سے استدلال کیا گیا ہے' محدثین کے نزدیک وہ طعن سے خالی نہیں' امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ دوسرے نوافل کی طرح یہ بھی دو دو پڑھے جائیں' صحیح روایات سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے (۲) اس نماز میں طوالت اختیار کرنی چاہیے' روایات میں ہے کہ اس وقت آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں' کتاب الصلوٰۃ کے چھٹے باب میں ہم نے یہ روایات ذکر کی ہیں' طوالت کی صورت یہ ہے کہ ان رکعات میں سورۂ بقرہ پڑھے' یا تین تین سو آیتوں پر مشتمل دو سورتیں پڑھے' یا مفصل کی چار سورتیں پڑھے' یا سو سے کم آیات پر مشتمل سورتیں پڑھے یہ بات یاد رہنی چاہیے کہ یہ وقت دعا کی قبولیت کا وقت ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بڑی پسند تھی کہ آپ کا کوئی عمل اس وقت اوپر جائے' نوافل سے فراغت کے بعد فرض نماز باجماعت ادا کرے' فرض نماز سے پہلے کی چار سنتیں جس طرح بھی ممکن ہو ادا کرے' نماز کے بعد چھ رکعت پڑھے' دو الگ الگ اور چار الگ' مستحب یہ ہے کہ ان رکعات میں آیۃ الکرسی' سورۂ بقرہ کا آخری رکوع اور وہ آیتیں تلاوت کرے جو ہم نے پہلے وظیفے میں لکھی ہیں اس طرح اس مختصر وقت میں دعا' ذکر' قرأت' نماز' تحمید اور تسبیح وغیرہ عبادتیں مجتمع ہو جائیں گی' اور وقت کی فضیلت الگ رہے گی۔

پانچواں وظیفہ : اس کا وقت ظہر کے بعد سے عصر تک ہے' ظہر کی نماز کے بعد مستحب یہ ہے کہ مسجد میں بیٹھ کر ذکر کرے' یا نماز پڑھے' اور عصر کی نماز کے انتظار میں معتکف رہے' ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا بھی عبادت ہے' اکابرین سلف کا طریقہ یہی تھا کہ وہ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے لئے مسجد میں فروکش رہتے' اگر گھر پر رہنے میں دین کی سلامتی' اور جمعیت فکر کا امکان زیادہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ گھر چلا جائے۔ یہ وقت بھی لوگوں کی غفلت کا وقت ہے' اسے عمل خیر میں بسر کرنے کی بڑی فضیلت ہے' اگر کوئی شخص زوال سے پہلے سونے کی سنت ادا کرچکا ہے تو اب اسے سونا نہیں چاہئے' کیوں کہ دن میں دوبار سونا مکروہ ہے' علماء فرماتے ہیں کہ تین باتیں اللہ تعالیٰ کے شدید غصے کا باعث بنتی ہیں' بلا وجہ ہنسنا' بھوک کے بغیر کھانا' دن میں شب بیداری کے ارادہ کے بغیر سونا' دن اور رات میں چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں' ان میں سے آٹھ گھنٹے نیند کی نذر کئے جاسکتے ہیں' اس سے زیادہ سونا ٹھیک نہیں ہے' اگر رات کو آٹھ گھنٹے سوچکا ہے تو اب دن میں سونے کے کوئی معنی نہیں ہیں' ہاں اگر رات میں سونے کا موقع کم ملا تو دن میں باقی نیند کی تلافی ہوسکتی ہے' انسان کے لئے یہی کافی ہے کہ اگر اس کی عمر ساٹھ سال ہے تو بیس سال نیند میں صرف ہو جائیں' اور چالیس دوسرے کاموں میں جس طرح کھانا بدن کی غذا ہے' ذکر اور علم قلب کی غذا ہیں' اسی طرح نیند روح کی

---

(۱) کتاب الصلوٰۃ کے چھٹے باب میں یہ بحث گزر چکی ہے' ایک سلام سے چار رکعت پڑھنے کا ثبوت ابو داؤد اور ابن ماجہ میں ابو ایوب الانصاری کی روایت سے ملتا ہے' اس حدیث میں یہ بھی فرمایا گیا "انہا فیہا تفتح ابواب السماء وانہا ساعۃ یستجاب فیہا الدعاء فاحب ان یرفع فیہا عمل صالح" (۲) ابو داؤد' اور ابن حبان حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کی روایت "صلاۃ اللیل والنہار مثنی مثنی"

غذا ہے' یہ مناسب نہیں کہ آدمی اپنی راتیں جاگ کر گزارے' اللہ تعالیٰ نے رات کو نیند کا وقت بنایا ہے' تاہم حد اعتدال سے تجاوز کرنا ٹھیک نہیں ہے' نیند کی معتدل مقدار آٹھ گھنٹے ہے' اس سے کم سونا بھی بسا اوقات صحت کے لئے نقصان دہ ہوتا ہے' ہاں اگر کوئی شخص کم سونے کی کوشش کرے تو یہ ممکن ہے کہ رفتہ رفتہ اس کا عادی ہو جائے اور کسی طرح کی کوئی بے چینی بھی محسوس نہ ہو۔ ظہر اور عصر کا درمیانی وقت کافی طویل ہے' قرآن پاک میں اس وقت کے لئے آصال کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ فرمایا:۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ

(پ ۱۳ ر ۸ آیت ۱۵)

اور اللہ ہی کے سامنے سب سر خم کئے ہوئے ہیں جتنے آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمین میں ہیں خوشی سے اور مجبوری سے' اور ان کے سائے بھی صبح اور شام کے اوقات میں۔

معلوم ہوا کہ ان اوقات میں جمادات بھی باری تعالیٰ کے حضور سر بسجود ہوتے ہیں' یہ کس طرح مناسب ہے کہ انسان اوقات کو غفلت میں ضائع کردے' اور کسی بھی قسم کی عبادت کی اسے توفیق نہ ہو۔

چھٹا وظیفہ : چھٹے وظیفے کا وقت عصر کے وقت سے شروع ہوتا ہے' سورۂ عصر میں اللہ تعالیٰ نے اسی وقت کی قسم کھائی ہے' آیت کریمہ "وعشیا وحین تظھرون" کی دو تفسیریں کی گئی ہیں' ایک تفسیر کے مطابق عشی سے مراد یہی وقت ہے' اسی طرح "بالعشی والاشراق" میں بھی عشی سے عصر کا وقت مراد لیا گیا ہے۔ ظہر کی طرح اس وقت بھی اذان اور اقامت کے درمیانی وقفے میں چار رکعت پڑھے' پھر فرض نماز ادا کرے' اور ان چاروں اوراد میں مشغول رہے جو پہلے وظیفے میں بیان کئے گئے ہیں یہ اشتغال اس وقت تک رہنا چاہئے کہ سورج دیواروں پر آجائے' اور دھوپ کا رنگ زردی مائل ہو جائے' عصر کے بعد مغرب تک نماز مکروہ ہے' اسلئے یہ وقت بیکار نہ جانے دے' بلکہ غور و فکر کے ساتھ کلام پاک کی تلاوت کرے' یہ تلاوت' ذکر و فکر' دعا اور تلاوت کی جامع ہونی چاہئے' محض تلاوت کرنے سے بھی چاروں اوراد کا ثواب حاصل ہوگا۔

ساتواں وظیفہ : جب سورج زرد پڑ جائے' اور زمین سے اتنا قریب ہو جائے کہ زمین کا گرد و غبار' اور بخارات اسکے نور کے درمیان حائل ہو جائیں' تو سمجھ لو کہ ساتویں وظیفے کا وقت شروع ہو گیا' یہ وقت بھی پہلے وقت کی طرح تھا' اس کی ابتدا طلوع سے پہلے تھی' اور اس کی ابتدا غروب سے پہلے ہے۔ ذیل کی دونوں آیتوں میں یہی وقت مراد ہے۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ (پ ۲۱ ر ۵ آیت ۱۷)

سو تم اللہ کی تسبیح کیا کرو شام کے وقت اور صبح کے وقت۔

فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ (پ ۱۶ ر ۱۷ آیت ۱۳۰)

تسبیح کیا کیجئے دن کے اول و آخر میں (بھی)۔

مؤخر الذکر آیت میں اطراف نہار کا ذکر ہے' دن کا ایک طرف صبح ہے' اور ایک طرف شام ہے' حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ پہلے زمانے کے لوگ صبح سے زیادہ شام کی عظمت کے قائل تھے' ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ اکابر سلف دن کے ابتدائی وقت کو دنیا کے کے لئے' اور آخری وقت کو آخرت کے لئے وقف رکھتے تھے' اس وقت خاص طور پر تسبیح و استغفار کا ورد کیا جائے' اگر یہ الفاظ کہہ لئے جائیں تو زیادہ بہتر ہے۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَاَسْاَلُهُ التَّوْبَةَ (اور) سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهِ

میں اللہ سے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتا ہوں، جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ زندہ ہے، کارساز ہے، اور اس سے توبہ کی درخواست کرتا ہوں، پاک ہے اللہ عظیم و برتر میں اس کی حمد بیان کرتا ہوں۔

شام کے وقت تسبیح و استغفار کے ورد کا ثبوت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ملتا ہے۔ فرمایا:۔

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ (پ ۲۴ ر ۱۱ آیت ۵۵)

اور اپنے گناہ کی مغفرت طلب کر، اور صبح و شام اپنے رب کی تعریف بیان کر۔

استغفار کے سلسلے میں مستحب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وہ اسما خاص طور سے دعاؤں میں استعمال کرے جو رحم و مغفرت کے تعلق سے قرآن کریم میں بیان کئے گئے ہیں، مثلاً یہ دعائیں پڑھے۔

أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ۔

مغفرت چاہتا ہوں اللہ سے بلاشبہ وہ بہت مغفرت کرنے والا ہے، مغفرت چاہتا ہوں اللہ سے بلاشبہ وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔ اے اللہ مغفرت کر، رحم فرما، تو رحم کرنے والوں میں سب سے بہتر ہے۔ ہماری مغفرت کر، ہم پر رحم فرما تو رحم کرنے والوں میں سب سے بہتر ہے، ہماری مغفرت کر، ہم پر رحم کر تو مغفرت کرنے والوں میں سب سے بہتر ہے۔

غروب آفتاب سے پہلے سورۃ الشمس، سورۃ اللیل اور معوذتین کا پڑھنا مستحب ہے۔ سورج ڈوبنے کے وقت خاص طور پر استغفار پڑھے، مغرب کی اذان کی آواز سن کر یہ دعا پڑھے:۔

اَللّٰهُمَّ هٰذَا إِقْبَالُ لَيْلِكَ وَإِدْبَارُ نَهَارِكَ (الی آخرہ)

اے اللہ! یہ تیری رات کی آمد ہے اور تیرے دن کی واپسی ہے (آخر تک)۔

پھر اذان کا جواب دے، اور مغرب کی نماز پڑھے۔

غروب آفتاب پر دن کے تمام اوقات ختم ہو جاتے ہیں، اس وقت بندے کو اپنے دن بھر کے اعمال کا محاسبہ کرنا چاہئے، اگر وہ دن گزرے ہوئے دن کے برابر رہا تو یہ نقصان کی علامت ہے، اور گزشتہ دن کی بہ نسبت یہ دن برابر رہا تو اس میں نقصان بھی ہے، اور لعنت، ملامت اور رسوائی بھی ہے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

لا بورك لي في يوم لا ازداد فيه خيرا (۱)

میرے لئے اس دن میں برکت نہ ہو جس میں میں خیر کے اعتبار سے زیادہ نہ ہوں۔

اگر احتساب کا نتیجہ یہ نکلے کہ اس کا نفس دن بھر خیر کے اعمال میں مشغول رہا، اور اس کے تمام اعمال محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے تھے، تو یہ ایک بشارت ہے، اس بشارت پر اللہ عزوجل کا شکر ادا کرے کہ اس نے خیر کی توفیق دی، اور اس راستے پر قائم رکھا جو خیر کی طرف جاتا ہے، اگر یہ معلوم ہو کہ اس کا دن ضائع چلا گیا، کوئی قابل ذکر عمل خیر اس کے نفس سے صادر نہیں ہوا، تو رات کو غنیمت سمجھے، رات دن کا قائم مقام ہے، دن کی کوتاہیوں کی تلافی رات سے کرے، اس وقت بھی خدائے عزوجل کا شکر ادا کرے کہ اس نے صحت و تندرستی قائم رکھی، اور رات بھر کی زندگی باقی رکھی تاکہ میں اپنی غلطیوں کا تدارک کرسکوں، غروب آفتاب کے وقت اپنے دل میں یہ تصور کرے کہ جس طرح دن غروب ہو کر رات کی آغوش میں چلا جاتا ہے، اسی طرح میری زندگی کا

---

(۱) کتاب العلم کے پہلے باب میں یہ روایت گزر چکی ہے، مگر اس میں خیراً کی جگہ علماً ہے

سورج بھی غروب ہو جائے گا' اور قبر کی آغوش میں چھپ جائے گا' دن کا سورج رات گذرنے کے بعد پھر نمودار ہو جاتا ہے' میری زندگی کا سورج اس طرح ڈوبے گا کہ دنیا کے افق پر کبھی نہ ابھرے گا' اور اس وقت تدارک اور تلافی کے تمام دروازے بند ہو جائیں گے' عمر مختصر ہے' زندگی چند روزہ ہے' یہ دن گزر جائیں گے' اور موت کا دن آئے گا۔

رات کے وظائف

پہلا وظیفہ :

پہلے وظیفے کا وقت غروب آفتاب کی ابتدا سے شفق کی سرخی دور ہونے تک ہے۔ شفق کے ڈوبنے پر عشاء کی نماز کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ اس وقت کا وظیفہ یہ ہے کہ مغرب کی نماز پڑھے' مغرب کے بعد عشاء تک نوافل میں مشغول رہے' قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اس وقت کی قسم کھائی ہے۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ (پ۳۰ ر۹ آیت ۱۶)

سو میں قسم کھا کر کہتا ہوں شفق کی۔

عشاء اور مغرب کے درمیان نوافل کو قرآن پاک میں ناشئۃ اللیل قرار دیا گیا ہے (ملاحظہ کیجئے پ۲۹ ر۱۳ آیت ۶)۔ یہ قرآن پاک کی آیت "وَمِنْ اٰنَآءِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ" (پ۱۶ ر۱۷ آیت ۱۳۰) میں آناء لیل میں تسبیح کا حکم دیا گیا ہے' مغرب اور عشاء کا درمیانی وقفہ بھی رات کا ایک حصہ ہے' اسلئے اس حکم میں یہ وقت بھی داخل ہے۔ صلوٰۃ اوابین اسی وقت کی نماز کو کہتے ہیں' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ (پ۲۱ ر۵ آیت ۱۶)

انکے پہلو بستروں سے دور رہتے ہیں۔

اس آیت میں ان لوگوں کی فضیلت بیان کی گئی ہے جو مغرب کے بعد نماز پڑھتے ہیں' اور اللہ کے سامنے سربسجود رہتے ہیں۔ یہ تفسیر حضرت حسن بصریؒ سے منقول ہے' آپ نے ابن ابی زیاد کے حوالے سے اسے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:

الصلاۃ بین العشائین

مغرب اور عشاء کے درمیان کی نماز مراد ہے۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا:

علیکم بالصلاۃ بین العشائین فانہا تذھب بملاغات النہار' وتھذب آخرہ
(مسند الفردوس)

عشاء اور مغرب کے درمیان کی نماز ضرور پڑھا کرو' یہ نماز دن کے لغویات کا تدارک کرتی ہے' اور اس کا انجام بخیر کرتی ہے۔

حضرت انسؓ سے اس شخص کے متعلق دریافت کیا گیا جو عشاء اور مغرب کے درمیان سو جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا: ایسا نہ کرنا چاہئے اسلئے کہ یہ وہ وقت ہے جس کے بارے میں قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی (تتجافی جنوبہم عن المضاجع)۔ اس وقت کے مزید فضائل ہم اسی کتاب کے دوسرے باب میں بیان کریں گے' یہاں اسی مختصر پر اکتفا کرتے ہیں۔

اس وقت کے اوراد کی ترتیب یہ ہے کہ مغرب کے بعد دو رکعتیں پڑھے' پہلی رکعت میں قل یا ایہا الکافرون اور دوسری رکعت میں قل ھو اللہ احد تلاوت کرے' یہ دو رکعتیں مغرب کے بعد متصلاً پڑھے' اس طرح کہ درمیانی وقفے میں نہ کوئی گفتگو ہو' اور نہ کوئی عمل' پھر چار طویل رکعات پڑھے' پھر شفق کے غروب ہونے تک مسلسل پڑھتا رہے' اگر گھر مسجد سے قریب ہو' اور کسی

وجہ سے مسجد میں بیٹھنے کا ارادہ نہ ہو تو یہ نوافل گھر میں بھی ادا کئے جاسکتے ہیں۔ لیکن مغرب کی نماز کے بعد عشاء کے انتظار میں مسجد میں بیٹھنے کی بڑی فضیلت ہے' اگر ریا کاری اور تصنع سے محفوظ ہو تو یہ فضیلت ضرور حاصل کرے۔

دوسرا وظیفہ : اس وظیفے کا وقت عشاء کے وقت کی ابتداء سے لوگوں کے سونے کے وقت تک ہے' جب رات کی تاریکی گہری ہو جاتی ہے تو عام طور پر لوگ بستروں پر چلے جاتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے اس وقت کی بھی قسم کھائی ہے۔ ارشاد فرمایا:۔

وَاللَّيْلِ وَمَا وَسَقَ (پ ۳۰ ر ۹ آیت ۱۷)

اور قسم کھاتا ہوں رات کی اور ان چیزوں کی جن کو رات سمیٹے۔

اسی وقت کے متعلق یہ ارشاد ہے:۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ (پ ۱۵ ر ۹ آیت ۷۸)

آفتاب ڈھلنے کے بعد سے نمازیں ادا کیجئے۔

اس وقت کے اوراد کی ترتیب مندرجہ ذیل تین امور کی رعایت سے ہوتی ہے۔

اول۔ یہ کہ عشاء کی فرض نماز کے علاوہ دس رکعات پڑھے' چار رکعات فرض نماز سے پہلے اذان اور اقامت کے درمیانی وقفے میں' تاکہ یہ وقت عبادت سے خالی نہ رہے' چھ رکعات فرض نماز کے بعد' پہلے دو رکعتیں' پھر چار رکعتیں' ان نوافل میں قرآن کریم کی مخصوص آیات تلاوت کرے' مثلاً سورۂ بقرہ کا آخری رکوع' آیۃ الکرسی' سورۂ حدید کی ابتدائی آیات سورۂ حشر کا آخری رکوع' اور اسی طرح کی دوسری آیات۔ دوم۔ یہ کہ تیرہ رکعتیں پڑھے' آخری رکعتیں وتر ہوں' روایات میں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ سے زیادہ اتنی ہی رکعتیں پڑھی ہیں (۱) عقل مند اور احتیاط پسند لوگ ابتدائے شب میں ان رکعات سے فراغت حاصل کرلیتے ہیں' اور تندرست اور طاقت ور لوگ آخر شب اٹھ کر یہ رکعات ادا کرتے ہیں' احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ رات کے ابتدائی حصے میں یہ نماز پڑھ لی جائے' ممکن ہے رات کو آنکھ نہ کھلے' یا آنکھ کھل جائے مگر شیطان بستر سے اٹھنے نہ دے ہاں اگر آخر شب اٹھنے کی عادت ہو جائے تو افضل یہی ہے کہ رات کے آخری حصے میں پڑھے' اس نماز میں ان مخصوص سورتوں سے تین سو آیات تلاوت کرے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر پڑھا کرتے تھے۔ مثلاً سورۂ یٰسین' الم سجدہ' دخان' ملک' زمر' اور سورۂ واقعہ (۲) اگر کسی وجہ سے ان سورتوں کی تلاوت نماز میں نہ ہوسکے تو سونے سے قبل مصحف میں دیکھ کر' یا دیکھے بغیر تلاوت ضرور کرلے' ایک وقت میں تمام سورتوں کی تلاوت ضروری نہیں ہے' بلکہ بقدر ہمت تلاوت کرلے' سونے سے پہلے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی جو سورتیں تلاوت کیا کرتے تھے' ان کی تفصیل تین روایات میں وارد ہے' مشہور ترین روایت کے مطابق آپ سورۂ الم سجدہ' ملک' زمر اور واقعہ پڑھا کرتے تھے' (ترمذی۔ جابرؓ) دوسری روایت میں ہے کہ سورۂ زمر اور سورۂ بنی اسرائیل کی تلاوت آپ کے رات کے معمول میں داخل تھی (ترمذی۔ عائشہؓ)۔ تیسری روایت میں ہے کہ آپ رات کو مسبحات کی تلاوت کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ان سورتوں میں ایک آیت ایسی ہے جو ایک ہزار آیات سے افضل ہے۔ (ابوداؤد' ترمذی' نسائی۔ عرباض ابن ساریہؓ) مسبحات یہ ہیں حدید' حشر' صف' جمعہ اور تغابن۔ بعض علماء نے مسبحات میں سورۂ اعلیٰ

---

(۱) ابوداؤد میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے "لم یکن یوتر بانقص من سبع ولا باکثر من ثلاث عشرة رکعة" بخاری میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے "کانت صلاته ثلاث عشرة رکعة یعنی باللیل" مسلم کے الفاظ ہیں "کان یصلی من اللیل ثلاث عشرة رکعة" (۲) سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان سورتوں کی بکثرت قرأت کی حدیث مجھے نہیں ملی' البتہ ترمذی نے بروایت جابرؓ اور عائشہؓ سورۂ یٰسین کے علاوہ تمام سورتوں کا سونے سے پہلے پڑھنا ثابت کیا ہے۔ جابر کے الفاظ ہیں "کان لاینام حتّٰی یقرأ الم تنزیل السجدة وتبارک الذی بیده الملک' عائشہ کہتی ہیں "کان لاینام حتّٰی یقرأ بنی اسرائیل والزمر"

کی ابتدائی پانچ آیتوں کا اضافہ بھی کیا ہے' ان کی دلیل یہ روایت ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۂ اعلیٰ بہت زیادہ پسند تھی (احمد' بزار۔ علیؓ) سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ بھی تھا کہ وتر کی تین رکعتوں میں سبح اسم' الکافرون اور سورۂ اخلاص پڑھتے تھے (ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ۔ ابی ابن کعبؓ)۔ اور وتر سے فراغت کے بعد تین بار یہ کلمات ارشاد فرماتے: "سبحان الملک القدوس"۔ سوم۔ یہ کہ سونے سے پہلے وتر پڑھ لے' بشرطیکہ قیام لیل (تہجد) کا عادی نہ ہو' حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ مجھے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وصیت فرمائی تھی کہ میں وتر کی نماز پڑھے بغیر نہ سوؤں۔ (بخاری و مسلم) لیکن اگر رات کو اٹھ کر نماز پڑھنے کی عادت' ہو تو تہجد کے ساتھ ہی وتر ادا کرنے چاہئیں' وتر کے سلسلے میں تاخیر افضل ہے' ارشاد نبوی ہے۔

صلاة الليل مثنى مثنى' فاذا خفت الصبح فاوتر بركعة (بخاری و مسلم۔ ابن عمرؓ)

رات کی نماز دو دو رکعت ہیں' اگر صبح ہو جانے کا خوف ہو تو ایک رکعت لگا کر وتر پڑھ لو۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر کی نماز رات کے ابتدائی' درمیانی اور آخری تینوں حصوں میں پڑھی ہے' کبھی آپ سحر کے وقت بھی وتر پڑھا کرتے تھے (بخاری و مسلم)۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ وتر پڑھنے کے تین طریقے ہیں' چاہو تو شب کے ابتدائی حصے میں وتر پڑھ لو' پھر تہجد کی دو دو رکعتیں پڑھو' یہ تہجد وتر کی تین رکعتوں سے مل کر طاق ہو جائے گا' اور چاہو تو ایک رکعت سے وتر پڑھ لو' پھر جب آنکھ کھلے تو اس میں ایک رکعت اور ملا دو' اور اس طرح دو دو رکعت نماز تہجد ادا کرو' پھر وتر پڑھ لو' اور چاہو تو تہجد کے بعد وتر پڑھو' تاکہ تمہاری آخری نماز وتر قرار پائے' اسی سلسلے میں ہمیں یہ کہنا ہے کہ جہاں تک پہلی اور تیسری صورتوں کا تعلق ہے' انکی صحت میں کوئی شبہ نہیں ہے' لیکن دوسری صورت میں کلام ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ نقض وتر (وتر توڑنے) کی ممانعت آئی ہے۔ (۱) سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ ایک رات میں دو وتر نہیں ہیں (۲) جو شخص اپنے جاگنے کے سلسلے میں متردد رہے وہ یہ تدبیر اختیار کرے کہ وتر کے بعد سونے کے وقت اپنے بستر پر بیٹھ کر دو رکعت نماز پڑھے' علماء نے یہ تدبیر بہت زیادہ پسند کی ہے' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے بستر پر یہ دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے' پہلی رکعت میں اذا زلزلت اور دوسری رکعت میں الھاکم التکاثر پڑھے (۳) ان دونوں صورتوں میں تخویف اور وعید کے مضامین وارد ہیں۔ ایک روایت میں سورۂ تکاثر کے بجائے سورۃ الکافرون کا ذکر ہے' اس میں اللہ کے لئے عبادت کی تخصیص اور غیر اللہ کی عبادت سے برات کی گئی ہے' اگر یہ دو رکعت پڑھ کر سویا' اور رات میں آنکھ کھل گئی تو یہ دونوں رکعتیں ایک رکعت کے قائم مقام ہو جائیں گی' اور پچھلے وتر سے مل کر جفت ٹھہریں گی' اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ رات کی نماز کے آخر میں وتر کی ایک رکعت پڑھ لے۔ ابو طالب مکی نے یہ صورت مستحسن قرار دی ہے' ان کا کہنا یہ ہے کہ اس صورت میں تین عمل ہیں ایک عمل یہ ہے کہ زندگی کو مختصر سمجھا گیا ہے دوسرا عمل یہ ہے کہ وتر ادا ہو گئے ہیں اور تیسرا عمل یہ ہے کہ رات کی نماز وتر پر منتہی ہوئی ہے' ابو طالب مکیؒ کے اس قول پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ اگر یہ رکعتیں پہلے کی طاق رکعتوں کو جفت کرتی ہیں تو آنکھ نہ کھلنے کی صورت میں ان کا یہی عمل ہونا چاہئے اور پہلے وتر باطل ہو جانے چاہئیں' یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آنکھ کھل جائے تو پہلے وتر باطل ہو جائیں اور آنکھ نہ کھلے تو وتر باقی رہیں' ہاں اگر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہو جائے کہ آپ نے دو رکعتوں سے پہلے وتر پڑھے تھے اور رات میں اٹھ کر وتر کا اعادہ کیا تھا تو ابو طالب مکیؒ کی بیان کردہ صورت میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی' اس وقت یہ بھی تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ یہ دونوں رکعتیں ظاہر جفت ہیں اور باطن میں طاق ہیں' جاگنے کی صورت میں ان رکعتوں کو باطن پر رکھا جائے گا' اور نہ جاگنے کی صورت میں ظاہر پر محمول کیا جائے گا' وتر کے بعد یہ الفاظ کہے۔

---

(۱) بخاری نے اس سلسلے میں عابد ابن عمر اور بیہقی نے ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے' دونوں اقوال کے سیاق سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ دونوں قول مرفوع ہیں (۲) (ابوداؤد' ترمذی' نسائی۔ طلق ابن علیؓ) (۳) مسلم' عائشہؓ' یہ روایت کتاب الصلوٰۃ میں گزر چکی ہے۔

سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ رَبِّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوْحِ جَلَّلْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بِالْعَظَمَةِ وَالْجَبَرُوْتِ وَتَعَزَّزْتَ بِالْقُدْرَةِ وَقَهَرْتَ الْعِبَادَ بِالْمَوْتِ

پاکی بیان کرتا ہوں بادشاہ کی جو نہایت پاک ہے' ملائکہ اور جبرئیل امین کا رب ہے' تو نے آسمانوں اور زمین کو اپنی عظمت اور کبریائی سے ڈھانپ لیا ہے' تو قدرت سے عزت والا ہے' اور تو نے موت کے ذریعہ بندوں کو زیر کیا ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول وفات تک یہ رہا کہ آپ فرائض کے علاوہ بیشتر نمازیں بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے۔ (۱) صحیح حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ بیٹھنے والے کو کھڑے ہونے والے کی بہ نسبت نصف ثواب ملتا ہے' اور لیٹنے والے کو بیٹھنے والے سے آدھا ثواب ملتا ہے۔ (۲) اس سے معلوم ہوا کہ نوافل لیٹ کر بھی ادا کئے جاسکتے ہیں۔ (۳)

تیسرا وظیفہ : رات کا تیسرا وظیفہ سونا ہے' سونے کو وظیفہ قرار دینا صحیح ہے اگر سونے کے تمام شرعی آداب کی رعایت کی جائے تو اس میں شک نہیں کہ یہ بھی عبادت ہے' چنانچہ روایات میں ہے کہ اگر بندہ باوضو سوئے اور سونے سے پہلے اللہ کا نام لے تو اس کے لئے رات کی عبادت کا ثواب لکھا جائے گا' اور اس کے لباس میں فرشتے سما جائیں گے' جب وہ حرکت کرے گا' یا کروٹ لے گا تو فرشتے اس کے لئے دعائے خیر کریں گے' اور خدا تعالیٰ سے اس کے لئے مغفرت کی دعا کریں گے۔ (۴) ایک حدیث میں ہے کہ جب بندہ باوضو سوتا ہے کہ تو اس کی روح عرش پر اٹھالی جاتی ہے۔ (۵) یہ معاملہ عام بندوں کے ساتھ ہوتا ہے' علماء اور صاف دل رکھنے والوں کے ساتھ یہ معاملہ کیوں نہ ہوگا۔ ان کے سونے میں اسرار منکشف ہوتے ہیں' اور حقائق سے پردہ اٹھتا ہے' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

نوم العالم عبادة و نفسه تسبیح (۶)

عالم کا سونا عبادت ہے اور اس کا سانس لینا تسبیح ہے۔

حضرت معاذ ابن جبلؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے دریافت کیا : تم رات میں کیا کرتے ہو؟ جواب دیا : میں تمام رات جاگتا ہوں' ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں سوتا' اور قرآن پاک کی بتدریج تلاوت کرتا ہوں' حضرت معاذ ابن جبلؓ نے فرمایا کہ میں ابتدائے شب میں سو جاتا ہوں' پھر اٹھ جاتا ہوں' جو نیت جاگنے میں کرتا ہوں وہی سونے میں کرتا ہوں' ان دونوں حضرات نے یہ سوال و جواب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کئے آپ نے حضرت موسیٰؓ سے فرمایا : معاذ تم سے زیادہ فقیہہ ہیں (۷)

سونے کے آداب : سونے کے آداب دس ہیں۔

---

(۱) بخاری و مسلم عائشہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں لما بدن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم و ثقل کان اکثر صلاتہ جالساً (۲) بخاری۔ عمران ابن حصینؓ (۳) احناف کے نزدیک صرف نوافل بیٹھ کر ادا کئے جاسکتے ہیں۔ فرض اور سنت جب تک مجبوری نہ ہو بیٹھ کر پڑھنا درست نہیں ہے۔ جوہرة نیرة ج۱ ص۷۵) (۴) یہ مضمون ابن حبان کی اس روایت سے ماخوذ ہے "من بات طاھر ابات فی شعارہ ملک فلم یستیقظ الا قال الملک اللّٰھم اغفر بعدک فانہ بات طاھرا" (۵) ابن المبارک فی الزھد موقوفا علی ابی الدرداء' وا لبیہقی فی الشعب موقوفا علی عبد اللہ ابن عمرو ابن العاص (۶) کتاب الصوم میں یہ حدیث گزر چکی ہے' مگر وہاں عالم کی جگہ صائم ہے (۷) یہ روایت بخاری و مسلم نے ابو موسیٰؓ سے نقل کی ہے' لیکن اس میں یہ نہیں ہے کہ ان دونوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی یہ واقعہ نقل کیا تھا' اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ معاذ تم سے زیادہ فقیہہ ہیں۔ البتہ طبرانی نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں "فکان معاذ افضل منہ"

پہلا ادب : طہارت اور مسواک کرنا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :-

اذا نام العبد علی طھارۃ عرج بروحہ الی العرش فکانت رویاہ صادقۃ وان لم ینم علی طھارۃ قصرت روحہ عن البلوغ فتلک المنامات اضغاث احلام لا تصدق (۱)

جب بندہ پاک و صاف ہو کر سوتا ہے تو اس کی روح عرش پر پہنچتی ہے اس وجہ سے اس کے خواب سچے ہوتے ہیں اور اگر طہارت پر نہیں سوتا تو اس کی روح عرش تک پہنچنے سے قاصر رہتی ہے تو اس کے خواب پراگندہ ہوتے ہیں' سچے نہیں ہوتے۔

اس حدیث میں طہارت سے مراد باطن اور ظاہر دونوں کی طہارت ہے' حجابات کے انکشافات و ظہور کے لئے باطن ہی کی طہارت مؤثر ہوتی ہے۔

دوسرا ادب : یہ ہے کہ مسواک اور وضو کا پانی سرہانے رکھ کر سوئے' اور رات کو اٹھنے کی نیت کرلے' جب بھی آنکھ کھلے مسواک کرے' بعض اکابر اس کا التزام کرتے تھے' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ رات کو متعدد مرتبہ مسواک کیا کرتے تھے' جاگنے کے وقت' اور سونے کے وقت بھی (۲) اگر اکابرین کو وضو کے لئے پانی نہ ملتا تو صرف مسح اعضاء پر اکتفا کرلیتے تھے۔ اگر پانی کی اتنی مقدار بھی میسر نہ ہو کہ اعضاء پر مسح کیا جاسکے تو قبلہ رو ہو کر بیٹھ جائے' اور کچھ دیر دعا اور ذکر میں مشغول رہے' اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں غور و فکر کرے۔ اس کا یہی عمل تہجد کے قائم مقام ہوجائے گا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :-

من أتی فراشہ وھو ینوی ان یقوم یصلی من اللیل فغلبتہ عیناہ حتّٰی یصبح کتب لہ ما نوی وکان نومہ صدقۃ من اللہ علیہ (نسائی' ابن ماجہ' ابو الدرداء)

جو شخص رات میں اٹھنے کی نیت کرکے بستر پر لیٹے' اور نیند سے اتنا مغلوب ہو کہ صبح ہوجائے اور آنکھ نہ کھلے تو اس کے لئے اس کی نیت (تہجد) کا ثواب لکھا جائے گا' اور اس کی نیند اس کے حق میں اللہ تعالیٰ کا صدقہ ہوگی۔

تیسرا ادب : یہ ہے کہ جس شخص کو کوئی وصیت کرنی ہو تو وہ اپنی وصیت لکھ لے' اور سرہانے رکھ کر سوئے' اس لئے کہ نیند کی حالت میں روح قبض کی جاسکتی ہے۔ جو شخص وصیت کئے بغیر مرجاتا ہے اسے قیام برزخ کے زمانے میں بولنے کی اجازت نہیں ہوتی' فرشتے اس کے پاس آتے ہیں' اس سے باتیں کرتے ہیں' لیکن وہ جواب نہیں دیتے فرشتے آپس میں کہتے ہیں کہ غالباً" یہ بے چارہ مرتے وقت وصیت نہ کرسکا۔ ناگہانی موت کے خوف سے وصیت کردینا مستحب ہے' ناگہانی موت بندے کے حق میں تخفیف ہے' لیکن اس کے حق میں تخفیف نہیں ہے جو موت کے لئے مستعد نہ ہو' مستعد نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی کمر مظالم کے بوجھ سے جھکی ہوئی ہے۔

چوتھا ادب : یہ ہے کہ سونے سے پہلے اپنے گناہوں کی توبہ کرلے' جن مسلمانوں کی حق تلفی کی ہو یا جن لوگوں کا دل دکھایا ہو' ایذا پہنچائی ہو ان سب سے معافی مانگ لے' اس طرح سوئے کہ نہ اسکے دل میں کسی پر ظلم کرنے کی خواہش ہو' اور نہ کسی کو تکلیف پہنچانے کا عزم و ارادہ ہو' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

---

(۱) اس روایت کا اختصار ابھی گزرا ہے (۲) یہ حدیث کتاب الطہارۃ میں گزر چکی ہے

من آوی الی فراشہ لا ینوی ظلم احد ولا یحقد علی احد غفر لہ ما اجترم (۱)

جو شخص اس حالت میں اپنے بستر پر آئے کہ نہ اس کی نیت کسی کو ستانے کی ہو' اور نہ وہ کسی کے لئے کینہ رکھتا ہو تو اس کے گناہ معاف کردیئے جائیں گے۔

پانچواں ادب : یہ ہے کہ نرم و گداز بستروں پر نہ لیٹے' بلکہ میانہ روی اختیار کرے' بہتر یہ ہے کہ کچھ نہ بچھائے' بعض اکابر بستر بچھا کر سونے کو مکروہ سمجھتے ہیں' ارباب صفہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین زمین پر سوجاتے' کوئی کپڑا وغیرہ نہ بچھاتے' فرماتے تھے کہ ہم خاک ہی سے پیدا ہوئے ہیں' اور خاک ہی میں ہمیں مل جانا ہے۔ زمین پر سونے کو وہ اپنے دلوں کی نرمی' اور تواضع کے سلسلے میں مؤثر سبب قرار دیتے تھے' اگر کوئی شخص اصحاب صفہ کی تقلید نہ کرسکے وہ میانہ روی ضرور اختیار کرے۔

چھٹا ادب : یہ ہے کہ جب تک نیند غالب نہ ہو اس وقت تک نہ سوئے' نیند کو بتکلف طاری کرنے کی کوشش نہ کرے' ہاں اگر رات میں اٹھنے کا ارادہ ہو تو بتکلف سونے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے' بزرگان دین نیند کے غلبے کی صورت میں سوتے تھے' شدید بھوک کی حالت میں کھانا کھایا کرتے تھے' اور ضرورت کے وقت بولا کرتے تھے' قرآن نے ان کی یہ تعریف کی ہے۔

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ (پ۲۶ ر۱۷ آیت ۱۸)

وہ لوگ رات کو بہت کم سوتے تھے۔

اگر نیند اتنی غالب ہو کہ نماز اور ذکر و فکر مشکل ہو جائے' اور یہ نہ سمجھ میں آئے کہ کیا کہہ رہا ہے کیا سن رہا ہے تو سو جائے' حضرت ابن عباسؓ بیٹھ کر اونگھنے کو مکروہ سمجھتے تھے' ایک حدیث میں ہے :۔

لا تکابدوا اللیل (ابو منصور دیلمی۔ انسؓ)

رات میں مشقت برداشت مت کرو۔

کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ فلاں عورت رات کو نماز پڑھتی ہے' اور جب نیند ستاتی ہے تو وہ رسی میں لٹک جاتی ہے تاکہ نیند دور ہو جائے آپ نے اسے ناپسند کیا' اور فرمایا :۔

لیصل احدکم من اللیل ما تیسر لہ فاذا غلبہ النوم فلیرقد (بخاری و مسلم۔ انسؓ)

رات میں جس قدر سہولت سے ہو سکے نماز پڑھے جب نیند غالب آنے لگے تو سو جائے۔

اس سلسلے میں کچھ ارشادات حسب ذیل ہیں :۔

قال : تکلفوا من العمل ما تطیقون فان اللہ لا یمل حتّٰی تملوا۔ (بخاری و مسلم۔ عائشہؓ)

اپنی طاقت کے مطابق کام کرو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نہیں تھکتا جب تک تم نہ تھکو۔

قال : خیر ھذا الدین أیسرہ۔ (احمد۔ محجن ابن الادرع)

اس دین میں سے بہتر وہ ہے جو آسان تر ہو۔

کسی نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا : یا رسول اللہ! فلاں شخص نماز پڑھتا ہے اور سوتا نہیں ہے' روزے رکھتا ہے اور افطار نہیں کرتا' فرمایا :۔

لکنتی اصلی وانام واصوم وافطر ھذہ سنتی فمن رغب عنہا فلیس منی (۲)

---

(۱) ابن ابی الدنیا نے کتاب النیۃ میں یہ حدیث حضرت انسؓ سے اس طرح نقل کی ہے من اصبح ولم یھم بظلم احد غفر لہ ما احترم" سند ضعیف) (۲) نسائی میں عبداللہ ابن عمر کی روایت ہذا شئی کی زیادتی ابن خذیفہ سے منقول ہے' تاہم یہ الفاظ انس سے بخاری و مسلم میں بھی ہیں۔

لیکن میں تو نماز بھی پڑھتا ہوں، اور سوتا بھی ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں، اور افطار بھی کرتا ہوں، یہ میری سنت ہے جو میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں ہے۔

قال : لاتشادوا هذا الدين فانه متين فمن يشاده يغلبه ولا تبغض الى نفسك عبادة الله (۱)

فرمایا : اس دین سے مقابلہ نہ کرو، یہ ایک مضبوط دین ہے، جو شخص اس سے مقابلہ کرے گا (یعنی اپنی طاقت سے زیادہ عمل کرے گا) یہ دین اس پر غالب آجائے گا، اور اپنے دل میں عبادت الٰہی کو برا مت ٹھہراؤ۔

ساتواں ادب : یہ ہے کہ قبلہ رو ہو کر سوئے، قبلہ رو ہونے کے دو طریقے ہیں، ایک طریقہ تو یہ ہے کہ مردوں کی طرح سوئے یعنی چت لیٹے، منہ اور تلوے قبلہ کی طرف رہیں، اور ایک طریقہ یہ ہے کہ جس طرح میت کو لحد میں رکھا جاتا ہے اس طرح لیٹے یعنی دائیں کروٹ پر لیٹے، منہ اور بدن کے سامنے کا حصہ قبلہ کی طرف رہے۔

آٹھواں ادب : یہ ہے کہ سونے کے وقت دعا مانگے، اور کہے "باسمک ربی وضعت جنبی وبک ارفعه" (آخر تک)۔ مستحب یہ ہے کہ سونے کے وقت کچھ خاص خاص آیتیں تلاوت کرے، مثلاً "آیۃ الکرسی، سورۂ بقرہ کا آخری رکوع، اور یہ آیتیں :۔

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ اِنَّ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِىْ تَجْرِىْ فِى الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ۔ (پ۲ ر۳-۴ آیت ۱۶۳-۱۶۴)

اور (ایسا معبود) جو تم سب کا معبود بننے کا مستحق ہے وہ تو ایک ہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں (وہی) رحمن اور رحیم ہے، بلاشبہ آسمانوں کے اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے میں اور جہازوں میں جو کہ سمندر میں چلتے ہیں آدمیوں کے نفع کی چیزیں (اور اسباب لے کر) اور (بارش کے) پانی میں جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے برسایا پھر اس سے زمین کو ترو تازہ کیا اس کے خشک ہونے کے بعد، اور ہر قسم کے حیوانات اس میں پھیلائے اور ہواؤں کے بدلنے میں اور ابر میں جو زمین و آسمان کے درمیان مقید اور (معلق) رہتا ہے دلائل (توحید کے موجود) ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل (سلیم) رکھتے ہوں۔

کہتے ہیں کہ جو شخص سونے کے وقت ان آیات کی تلاوت کا معمول بنالے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں قرآن پاک اس طرح نقش کردیں گے کہ کبھی نہیں بھولے گا۔ سورۂ اعراف کی یہ آیتیں بھی تلاوت کرلے :۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ

---

(۱) بخاری میں یہ حدیث ابوہریرہؓ سے ان الفاظ میں منقول ہے "لن یشاد هذا الدين احد الا غلبه فسددوا وقاربوا" بیہقی میں جابرؓ کے الفاظ یہ ہیں "ان هذا الدين متين فاوغل فيه برفق ولا تبغض الى نفسك عبادة الله" لیکن اس کی سند صحیح نہیں ہے۔

يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ۔ (پ ۸ ر ۱۴ آیات ۵۴-۵۵-۵۶)

بے شک تمہارا رب اللہ ہی ہے، جس نے سب آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا، پھر عرش پر قائم ہوا، چھپا دیتا ہے شب سے دن کو، ایسے طور پر کہ وہ شب اس دن کو جلدی سے آلیتی ہے اور سورج اور چاند اور دوسرے ستاروں کو پیدا کیا، ایسے طور پر کہ سب اس کے حکم کے تابع ہیں، یاد رکھو اللہ ہی کے لئے خاص ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا۔ بڑی خوبیوں سے بھرے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ جو تمام عالم کے پروردگار ہیں، تم لوگ اپنے پروردگار سے دعا کیا کرو تذلل ظاہر کرکے بھی، اور چپکے چپکے بھی، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ناپسند کرتے ہیں جو حد سے نکل جائیں اور دنیا میں اس کے بعد کہ اس کی درستی کردی گئی ہے فساد مت پھیلاؤ، اور اس کی (اللہ کی) عبادت کیا کرو ڈرتے ہوئے اور امیدوار رہتے ہوئے بے شک اللہ کی رحمت نیک کام کرنے والوں سے قریب ہے۔

قل ادعوا اللہ سے بنی اسرائیل کے آخر تک بھی تلاوت کرکے سوئے، ان آیات کی تلاوت کا اثر یہ ہوگا کہ ایک فرشتہ اس کے لباس میں داخل ہوکر صبح تک اس کی حفاظت کرتا رہے گا اور اس کے لئے دعائے مغفرت کرتا رہے گا۔ معوذ تین پڑھ کر اپنے ہاتھ پر دم کرے، اور ہاتھوں کو اپنے منہ پر، اور تمام جسم پر پھیرلے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح منقول ہے (بخاری و مسلم۔ عائشہؓ) سورۂ کہف کے شروع کی دس آیتیں اور آخری دس آیتیں بھی پڑھ لے، یہ آیات پڑھ کر لیٹنے سے تہجد کے وقت آنکھ کھل جاتی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ عقل رکھنے والا شخص بھی سورۂ بقرہ کے آخر کی دو آیتیں پڑھے بغیر سو سکتا ہے۔ پچیس بار یہ الفاظ بھی کہے، اس طرح ان کا مجموعی عدد ہوجائے گا۔ "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ"۔

نواں ادب : یہ ہے کہ سونے کے وقت یہ دھیان بھی رکھے کہ سونا ایک طرح کی موت ہے، اور جاگنا ایک طرح کی زندگی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا۔ (پ ۲۴ ر ۲ آیت ۴۲)

اللہ ہی قبض کرتا ہے ان کی جانوں کو ان کی موت کے وقت اور ان جانوں کو بھی جن کی موت نہیں آئی ان کے سونے کے وقت۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا :-

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ بِاللَّيْلِ۔ (پ ۷ ر ۱۴ آیت ۶۰)

اور وہ ایسا ہے کہ رات میں تمہاری روح یک گونہ قبض کرلیتا ہے۔

جس طرح جاگنے والے کو سونے کے بعد وہ مشاہدات ہوتے ہیں جو اس کے حالات سے مناسبت نہیں رکھتے اسی طرح انسان کو مرنے کے بعد ان چیزوں سے سابقہ پڑے گا جو نہ اس کے دل میں گزری ہوں، اور نہ کبھی محسوس ہوئی ہوں، زندگی اور موت کے درمیان سونا ایسا ہے جیسے دنیا اور آخرت کے درمیان برزخ ہے۔ حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے کہا تھا : اے بیٹے! اگر تمہیں موت میں شک ہے تو سوتے کیوں ہو، جس طرح تم سوتے ہو اسی طرح مر بھی جاؤ گے، اور اگر تمہیں مرنے کے بعد اٹھنے میں شک ہے تو سو کر کیوں اٹھتے ہو، جس طرح تم نیند کے بعد جاگتے ہو اسی طرح موت کے بعد بھی اٹھو گے، کعب احبارؓ کہتے ہیں کہ

جب تم سوؤ تو دائیں کروٹ پر قبلہ رو ہو کر لیٹو' اس لئے کہ سونا بھی ایک طرح کا مرنا ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب سونے کے لئے بستر پر تشریف لے جاتے تو اپنا رخسار مبارک دائیں ہاتھ پر رکھتے اور یہ جانتے کہ میں اسی رات وفات پاؤں گا۔ آخر میں آپ یہ دعا فرماتے : "اللھم رب السموات السبع ورب العرش العظیم ربنا ورب کل شئی و ملیکہ" (آخر تک)۔ یہ دعا ہم نے کتاب الدعوات میں لکھی ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ بندہ سوتے وقت اپنا احتساب کرے' اور یہ دیکھے کہ وہ کس چیز پر سو رہا ہے' کیا جذبہ اس کے دل پر غالب ہے' اللہ کی محبت' اللہ کے دیدار کا شوق یا دنیا کی محبت' اور یہ یقین رکھے کہ اس کی موت اسی کیفیت پر واقع ہوگی جو سونے سے پہلے رہی ہوگی۔ اور مرنے کے بعد اسی حالت پر اٹھے گا جس حالت پر مرے گا۔ اس لئے کہ آدمی اسی کے ساتھ رہتا ہے جس سے محبت کرتا ہے۔

دسواں ادب : یہ ہے کہ جب بھی آنکھ کھلے' یا کروٹ بدلے اس وقت وہ دعا پڑھے جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر پڑھا کرتے تھے "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ" (ابن السنی' ابو نعیم۔ عائشہؓ)۔ اس بات کی کوشش ہونی چاہیے کہ نیند سے ایک لمحہ پہلے تک قلب ذکر اللہ میں معروف رہے' اور بیدار ہونے کے بعد سب سے پہلے زبان اور دل پر اللہ کا ذکر آئے' یہ اس بات کی علامت ہے کہ بندے کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت جاگزیں ہے' اذکار بھی اسی لئے مستحب قرار دیئے گئے ہیں تاکہ دلوں میں ذکر اللہ کی کشش پیدا ہو' سو کر اٹھنے کے بعد یہ دعا پڑھے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ" (آخر تک)۔ کتاب الدعوات میں یہ دعا بھی لکھی جاچکی ہے۔

چوتھا وظیفہ : اس وظیفے کا وقت آدھی رات کے بعد شروع ہوتا ہے' اور انتہائی وقت یہ ہے کہ رات کا چھٹا حصہ باقی رہ جائے' آدھی رات گزرنے کے بعد بندہ کو تہجد کے لئے بیدار ہونا چاہیے' تہجد کا معنی ہی اس عمل کے ہیں جو نیند کے بعد ہو' آدھی رات نیند کے لئے وقف ہونی چاہیے' اور بعد کا وقت تہجد کی نماز کے لئے۔ رات کا یہ وقت دن کے اس وقت سے مشابہ ہے جو زوال کے بعد سے شروع ہوتا ہے' زوال بھی نصف النہار ہے' اور یہ وقت رات کے درمیان میں ہے اس وقت کی قسم بھی اللہ تعالیٰ نے کھائی ہے۔

وَاللَّيْلِ اِذَا سَجٰى۔ (پ ۳۰ ر ۱۸ آیت ۲)
اور قسم ہے رات کی جب ٹھہر جائے۔

رات کا ٹھہراؤ اسی وقت ہوتا ہے' اس وقت اس ذات پاک کی آنکھ کے علاوہ کوئی آنکھ نہیں جاگتی جو زندہ ہے' کارساز عالم ہے' جسے نہ اونگھ آتی ہے' اور نہ نیند آتی ہے۔ اور بعض لوگوں نے یہ معنی بیان کئے ہیں "اور قسم ہے رات کی جب لمبی ہو جائے" بعض مفسرین نے بھی کے یہ معنی بیان کئے ہیں "جب تاریک ہو جائے" بہرحال یہ وقت بھی بڑی فضیلت رکھتا ہے' کسی شخص نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا : یا رسول اللہ! رات کے اوقات میں سے کون سا وقت ایسا ہے جس میں دعا زیادہ سنی جاتی ہے' اور اسے قبولیت کے شرف سے نوازا جاتا ہے فرمایا :۔

جوف اللیل (ابو داؤد۔ ترمذی۔ عمرو ابن عنبسہ)
رات کا درمیانی حصہ۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا : یا اللہ! میں آپ کی عبادت کرنا چاہتا ہوں' مجھے عبادت کے لئے افضل وقت بتلا دیجئے' اللہ تعالیٰ نے انہیں بذریعہ وحی مطلع کیا : اے داؤد تم نہ اول شب میں اٹھو اور نہ آخر میں' کیونکہ جو ابتدائے شب میں بیدار رہتا ہے وہ آخر شب سوجاتا ہے' اور جو آخر شب جاگتا ہے وہ اول شب نہیں جاگتا۔ تم درمیان رات میں عبادت کرو' تاکہ تم میرے ساتھ تنہا ہو' اور میں تمہارے ساتھ تنہا ہوں' اور تمہاری حاجتوں کی تکمیل کروں۔ کسی نے سرکار دو عالم

صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا : رات کا کون سا حصہ افضل ہے؟ آپ نے جواب دیا۔

نصف اللیل الغابر۔ (ابن حبان۔ ابوذرؓ)

رات کا آخری نصف۔

رات کے نصف آخر سے متعلق روایات میں ہے کہ اس وقت عرش جھومتا ہے' جنات عدن کی ہوائیں چلتی ہیں' اور خداوند قدوس آسمان دنیا پر جلوہ افروز ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ (۱) اس وقت کے وظیفے کی ترتیب یہ ہے کہ جب جاگنے کی دعاؤں سے فارغ ہو جائے تو وضو کرے' وضو میں تمام آداب اور سنن کی رعایت کرے' اور وضو سے متعلق دعائیں بھی پڑھتا رہے۔ پھر جائے نماز پر آئے' اور قبلہ رخ ہو کر یہ کہے "اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْرًا وَسُبْحَانَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا" اس کے بعد دس بار سبحان اللہ' دس بار الحمد للہ اور دس بار لا الہ الا اللہ کہے' پھر یہ الفاظ کہے "اَللّٰہُ اَکْبَرُ ذُوالْمَلَکُوْتِ وَالْجَبَرُوْتِ وَالْکِبْرِیَاءِ وَالْعَظَمَۃِ وَالْقُدْرَۃِ" پھر یہ کلمات کہے' روایات میں ہے کہ تہجد کے وقت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ کلمات پڑھا کرتے تھے :۔

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ' وَلَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ بَھَاءُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ' وَلَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ زَیْنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ' وَلَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ قَیُّوْمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْھِنَّ وَمَنْ عَلَیْھِنَّ' اَنْتَ الْحَقُّ وَمِنْکَ الْحَقُّ' وَلِقَاءُکَ حَقٌّ' وَالْجَنَّۃُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ' وَالنُّشُوْرُ حَقٌّ' وَالنَّبِیُّوْنَ حَقٌّ' وَمُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَقٌّ' اَللّٰھُمَّ لَکَ اَسْلَمْتُ وَبِکَ اٰمَنْتُ وَعَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْکَ اَنَبْتُ وَبِکَ خَاصَمْتُ وَاِلَیْکَ حَاکَمْتُ فَاغْفِرْ لِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَسْرَفْتُ' اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ (۲) اَللّٰھُمَّ اٰتِ نَفْسِیْ تَقْوَاھَا وَزَکِّھَا اَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَکّٰھَا' اَنْتَ وَلِیُّھَا وَمَوْلَاھَا (۳) اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ لِاَحْسَنِ الْاَعْمَالِ فَاِنَّہٗ لَا یَھْدِیْ لِاَحْسَنِھَا اِلَّا اَنْتَ' وَاصْرِفْ عَنِّیْ سَیِّئَھَا لَا یَصْرِفُ عَنِّیْ سَیِّئَھَا اِلَّا اَنْتَ (۴) اَسْئَلُکَ مَسْئَلَۃَ الْبَائِسِ الْمِسْکِیْنِ' وَاَدْعُوْکَ دُعَاءَ الْمُفْتَقِرِ الذَّلِیْلِ فَلَا تَجْعَلْنِیْ بِدُعَائِکَ رَبِّ شَقِیًّا وَکُنْ بِیْ رَءُوْفًا رَحِیْمًا یَا خَیْرَ الْمَسْئُوْلِیْنَ وَاَکْرَمَ الْمُعْطِیْنَ (۵)

اے اللہ! تمام تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں تو آسمانوں اور زمین کا روشن کرنے والا ہے' تیرے ہی لئے تمام تعریفیں ہیں تو آسمانوں اور زمین کی رونق ہے' تیرے ہی لئے تمام تعریفیں ہیں تو آسمانوں اور زمین کی زینت ہے' تیرے ہی لئے تمام تعریفیں ہیں تو آسمانوں اور زمین کا قائم رکھنے والا ہے' اور ان چیزوں کا قائم رکھنے والا ہے جو ان کے اندر ہیں اور جو ان کے اوپر ہیں' تو حق ہے' حق تجھ ہی سے قائم ہے تیرا دیدار حق ہے' جنت حق ہے' دوزخ حق ہے' موت کے بعد اٹھنا حق ہے' انبیاء حق ہیں' اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم حق ہیں' اے اللہ!

---

(۱) آسمان دنیا پر نزول اجلال کی حدیث گزر چکی ہے' باقی فضائل سے متعلق آثار موجود ہیں۔ (۲) یہ دعا بروایت عبد اللہ ابن عباسؓ بخاری و مسلم میں ہے' لیکن اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں "انت بہاء السموات والارض ولک الحمد وانت زین السموات والارض" اور "ومن علیھن" اور "منک الحق" (۳) یہ دعا بروایت عائشہؓ احمد میں ہے' فرماتی ہیں ایک رات میں نے دیکھا کہ آپ بستر پر نہیں ہیں' میں نے ہاتھ پھیر کر دیکھا آپ سجدے میں تھے اور یہ دعا فرما رہے تھے "رب اعط نفسی" (۴) مسلم میں حضرت علیؓ کی حدیث ہے' مگر اس میں "لاحسن الاخلاق" کے الفاظ نہیں ہیں۔ (۵) یہ دعا کتاب الحج میں میدان عرفات کی دعاؤں کے موقع پر گزر چکی ہے۔

میں نے تیری اطاعت کی، میں تجھ پر ایمان لایا، میں نے تجھ پر بھروسہ کیا۔ میں نے تیری طرف رجوع کیا، تیری مدد کے ذریعہ دشمنان اسلام سے جنگ کی، اپنے معاملات میں تجھے حکم بنایا، میرے ان گناہوں کی مغفرت فرما جو میں نے پہلے کئے یا میں بعد میں کروں، جو پوشیدہ طور پر کئے اور جو کھلم کھلا کئے، تو ہی آگے بڑھانے والا ہے، تو ہی پیچھے ہٹانے والا ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اے اللہ! میرے نفس کو تقوی عطا کر، میرے نفس کا تزکیہ فرما، تو ان سب میں بہتر ہے جو نفس کا تزکیہ کریں، تو اس کا ولی اور آقا ہے، اے اللہ! بہترین اعمال کی طرف میری رہنمائی کر، اعمال خیر کی طرف تیرے علاوہ کوئی رہنمائی نہیں کرتا، برے اعمال سے مجھے دور رکھ، اعمال بد سے تیرے علاوہ کوئی دور کرنے والا نہیں ہے۔ میں تجھ سے پریشان حال و مسکین کی طرح سوال کرتا ہوں، اور محتاج و ذلیل کی طرح دعا کرتا ہوں، مجھے اے میرے پروردگار اپنی دعا سے محروم نہ فرما، مجھ پر رحم اور مہربانی فرما، اے ان میں سب سے بہتر جنہیں کوئی پکارے، اور دینے والوں میں سب سے زیادہ سخی۔

حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کے لئے اٹھتے تو یہ دعا فرماتے :-

اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرَئِيْلَ وَ مِيْكَائِيْلَ وَاِسْرَافِيْلَ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ اِهْدِنِيْ لِمَا اخْتُلِفَ فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ اِنَّكَ تَهْدِيْ مَنْ تَشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ (مسلم۔ عائشہؓ)

اے اللہ! جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل کے پروردگار! آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے، غیب و شہود کے جاننے والے تو لوگوں کے درمیان ان امور میں فیصلہ کرتا ہے جس میں وہ مختلف ہوتے ہیں، اے اللہ میری حق کی طرف رہنمائی کی جائے، تو جس کو چاہے سیدھی راہ دکھلاتا ہے۔

ان دعاؤں کے بعد تہجد کی نماز شروع کرے، پہلے دو مختصر رکعتیں پڑھے، پھر دو رکعات طویل، مختصر جیسی چاہے پڑھے، اگر عشاء کی نماز کے ساتھ وتر نہ پڑھے ہوں تو اس نماز کو وتر پر ختم کرے، ہر دو رکعت کے بعد سو مرتبہ سبحان اللہ کہنا مستحب ہے، اس سے نماز پڑھنے والے کو آرام ملے گا اور نماز کا کیف و سرور زیادہ ہوگا۔ صحیح روایت میں ہے کہ آپ نے تہجد کی نماز کا آغاز دو ہلکی پھلکی رکعتوں سے فرمایا، پھر دو طویل رکعتیں پڑھیں، اس کے بعد دو رکعتیں ان سے کم مختصر، اور پھر دو رکعتیں ان کی بہ نسبت مختصر پڑھیں۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا کہ کل رکعات کی تعداد تیرہ ہوگئی (مسلم۔ زید ابن خالد الجہنیؓ) حضرت عائشہؓ سے کسی نے دریافت کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نماز میں جہر کیا کرتے تھے یا آہستہ آواز سے تلاوت فرمایا کرتے تھے؟ فرمایا کبھی آہستہ اور کبھی آواز سے (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ) نماز تہجد کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ ارشادات یہ ہیں، فرماتے ہیں :-

صلاة الليل مثنى مثنى فاذا خفت الصبح فاوتر بركعة۔ (بخاری و مسلم)

رات کی نماز دو دو رکعتیں ہیں، اگر صبح کا خوف ہو تو ایک رکعت ملا کر وتر کر دو

صلاة المغرب اوترت صلاة النهار فاوتر وا صلاة الليل۔ (احمد۔ ابن عمرؓ)

مغرب کی نماز دن کی نمازوں کو طاق کر دیتی ہے اس لئے رات کی نمازوں کو بھی طاق کرو۔

تہجد کی نماز کے سلسلے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ سے زیادہ تیرہ رکعتیں منقول ہیں۔ ان رکعات میں آپ قرآن کریم کی بعض مخصوص سورتیں تلاوت فرمایا کرتے تھے، یہ مخصوص سورتیں بھی اسی وظیفے سے متعلق تھیں جو اس وقت کے ساتھ خاص ہے، جب تک رات کا چھٹا حصہ شروع نہ ہو جاتا آپ یہ نماز جاری رکھتے۔

پانچواں وظیفہ : اس کا وقت رات کے چھٹے حصے سے شروع ہوتا ہے' اس وقت کا نام سحر بھی ہے' اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :-

وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ۔ (پ۲۶ ر۱۸ آیت ۱۸)

اور وہ سحر کے وقت استغفار کرتے ہیں۔

بعض لوگوں نے اس کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ وہ سحر کے وقت نماز پڑھتے ہیں' یہ معنی اس لئے صحیح ہو سکتے ہیں کہ نماز میں بھی استغفار ہوتا ہے' یہ وقت فجر کے وقت کے قریب ہے۔ اس وقت رات کے فرشتے واپس چلے جاتے ہیں' اور دن کے فرشتے ان کی جگہ سنبھال لیتے ہیں' اس وقت کی بڑی فضیلت ہے' ایک طویل حدیث میں حضرت سلمانؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ کا واقعہ مذکور ہے' حضرت ابوالدرداءؓ اپنے بھائی سے ملاقات کے لئے تشریف لائے تھے' حدیث میں ہے کہ جب رات ہوگئی تو حضرت ابوالدرداءؓ نماز کے لئے جانے لگے' حضرت سلمانؓ نے کہا : کہاں چلے' سو جاؤ۔ ابوالدرداءؓ سو گئے' جب صبح کا وقت قریب ہوا' دونوں حضرات اٹھے' اور دونوں نے تہجد کی نماز ادا کی' سلمانؓ نے ابوالدرداءؓ سے کہا : تم پر تمہارے نفس کا حق بھی ہے' تمہارے مہمان کا حق بھی ہے' اور تمہاری بیوی کا حق بھی ہے' یہ بات انہوں نے اس لئے کہی کہ حضرت ابوالدرداءؓ کی اہلیہ نے ان سے یہ کہہ دیا تھا کہ تمہارے بھائی رات بھر عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ صبح کو دونوں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے' اور رات کی گفتگو نقل کی آپ نے سلمانؓ کی تصویب فرمائی۔ (بخاری۔ ابو جحیفہؓ) اس وقت سحری کھانا بھی مستحب ہے۔ اس وقت کا وظیفہ نماز ہے۔ صبح صادق کی آمد سے رات کے وظائف ختم ہو جاتے ہیں اور دن کے وظائف شروع ہو جاتے ہیں۔ صبح صادق کے بعد فجر کی سنتیں پڑھے' آیت کریمہ کے یہی معنی ہیں :-

فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ (پ۲۷ ر۴ آیت ۴۹) اور ستاروں کے پیچھے بھی اس کی تسبیح کیا کیجئے

پھر یہ آیت پڑھے۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰۤئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ (پ۳ ر۱۰ آیت ۱۸)

گواہی دی اللہ تعالیٰ نے اس کی کہ بجز اس ذات کے کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں اور فرشتوں نے بھی اور اہل علم نے بھی' اور معبود بھی وہ اس شان کے ہیں کہ اعتدال کے ساتھ انتظام رکھنے والے ہیں۔ ان کے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں وہ زبردست ہیں حکمت والے ہیں۔

پھر یہ الفاظ کہے :-

اَنَا اَشْهَدُ بِمَا شَهِدَ اللّٰهُ بِهٖ لِنَفْسِهٖ وَشَهِدَتْ بِهٖ مَلٰۤئِكَتُهٗ وَاُولُوا الْعِلْمِ مِنْ خَلْقِهٖ وَ اَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ هٰذِهِ الشَّهَادَةَ وَهِيَ لِيْ عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَدِيْعَةٌ وَاَسْاَلُهٗ حِفْظَهَا حَتّٰى يَتَوَفَّانِيْ عَلَيْهَا اَللّٰهُمَّ احْطُطْ عَنِّيْ بِهَا وِزْرًا وَّ اجْعَلْ لِّيْ بِهَا عِنْدَكَ ذُخْرًا وَ احْفَظْهَا عَلَيَّ وَتَوَفَّنِيْ عَلَيْهَا حَتّٰى اَلْقَاكَ بِهَا غَيْرَ مُبَدِّلٍ تَبْدِيْلًا۔

میں گواہی دیتا ہوں اس بات کی جس کی گواہی اللہ نے اپنی ذات کے لئے دی ہے' اور جس کی گواہی اس کے ملائکہ نے اور مخلوق میں سے اہل علم نے دی ہے' اور میں یہ گواہی اللہ کے سپرد کرتا ہوں' وہ میرے لئے اللہ کے پاس امانت ہے' اور میں اللہ سے اس کی حفاظت کی درخواست کرتا ہوں یہاں تک کہ وہ مجھے اسی شہادت پر اٹھائے' اللہ اس شہادت کے وسیلے سے میرے گناہوں کا بوجھ دور کردے' اور اس کے سبب سے اپنے پاس میرے لئے خیر کا ذخیرہ فرما۔ اور میرے لئے اس کی حفاظت کر' مجھے اس پر موت عطا کر' تاکہ میں

قیامت کے دن اسے ایسا ہی پاؤں' اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہ ہوئی ہو۔

اکابرین سلف ان وظائف کے علاوہ چار دوسرے امور بھی مستحب سمجھتے تھے' اور ان کا التزام رکھتے تھے' روزہ رکھنا' صدقہ دینا اگرچہ صدقے کی مقدار کم ہی ہو' بیمار کی عیادت کرنا' جنازے میں شریک ہونا' ایک حدیث میں اس شخص کو مغفرت اور دخول جنت کی بشارت دی گئی ہے جو ایک روز میں یہ چاروں عمل جمع کرلے (مسلم۔ ابو ہریرہؓ) اگر اتفاق سے کسی دن ان میں سے کسی ایک عمل کا بھی موقع نہ ملے' یا کچھ کا ملے اور کچھ نہ ملے تو ثواب نیت کے مطابق حاصل ہو گا اس میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ پچھلے لوگ یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ ان کی زندگی کا کوئی دن ایسا گزرے جس میں وہ صدقہ نہ کرسکیں۔ چاہے کھجور' پیاز یا روٹی کے ٹکڑے کا صدقہ ہی کیوں نہ ہو' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :-

الرجل فی ظل صدقته حتی یقضی بین الناس (۱)

آدمی لوگوں کے درمیان فیصلہ ہونے تک اپنے صدقے کے سائے میں رہے گا۔ ایک حدیث میں ہے :-

اتقوا النار ولو بشق تمرة (۲)

دوزخ کی آگ سے بچو اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا دے کر ہی بچو۔

حضرت عائشہؓ نے ایک سائل کو انگور کا ایک دانہ عطا کیا' وہاں کچھ لوگ موجود تھے' وہ لوگ حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے' حضرت عائشہؓ نے فرمایا : تمہیں کیا ہو گیا' کیا تم نہیں جانتے اس میں بہت سے زروں کا وزن ہے اللہ تعالیٰ نے تو ایک ذرہ پر اجر دینے کا وعدہ کیا ہے۔ صحابہ کرام اور بزرگان دین مانگنے والوں کو محروم نہیں کیا کرتے تھے' کیونکہ ان کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ مبارک تھا ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مانگا ہو اور آپ نے دینے سے انکار کردیا ہو' ہاں اگر آپ کے پاس دینے کے لئے کچھ نہ ہوتا تو آپ منع کرنے کے بجائے خاموش ہو جاتے (مسلم۔ جابرؓ۔ بزار۔ انسؓ) ایک حدیث میں ہے :-

یصبح ابن آدم و علی کل سلامی من جسده صدقة (لعینی المفصل) وفی جسده ثلثمائة مفصلا فامرک بالمعروف صدقة ونهیک عن المنکر صدقة وحملک عن الضعیف صدقة وهدایتک الی الطریق صدقة واماطتک الاذی صدقة (قال الراوی) حتی ذکر التسبیح والتهلیل ثم قال ورکعتا الضحی' تأتی علی ذلک کله' او تجمعن لک ذلک کله (مسلم۔ ابوذرؓ)

ابن آدم صبح کرتا ہے اور اس کے جسم کے ہر جوڑ پر ایک صدقہ ہوتا ہے' ابن آدم کے جسم میں تین سو جوڑ ہیں' اچھی بات کے لئے حکم کرنا بھی صدقہ ہے برائی سے روکنا بھی صدقہ ہے' رہنمائی کرنا بھی صدقہ ہے' ایذا دینے والی چیز دور کرنا بھی صدقہ ہے (راوی کہتے ہیں) کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ضمن میں تسبیح اور تہلیل کا ذکر بھی فرمایا' پھر فرمایا کہ چاشت کی دو رکعتیں بھی صدقہ ہیں' ان سب کو ادا کرنا یا فرمایا کہ ان سب کو اپنے لئے ضرور جمع کرنا۔

دوسرا باب

احوال اور معمولات کا اختلاف

راہ آخرت کے سالکین عابد ہوں گے' یا عالم ہوں گے' یا طالب علم ہوں گے' یا حاکم ہوں گے' یا پیشہ ور ہوں گے' یا موحد

(۱) (۲) یہ دونوں حدیثیں کتاب الزکوٰۃ میں گزر چکی ہیں

ہوں گے' یعنی ہمہ وقت باری تعالیٰ کی ذات و صفات میں استغراق رکھنے والے ہوں گے' ان سب سالکین کی حالتیں جدا جدا ہیں' اسی اعتبار سے ان کے وظائف اور معمولات بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

اول عابد۔ یہ وہ شخص ہے جو ہمہ وقت عبادت میں معروف ہے' عبادت کے علاوہ اسے کوئی دوسرا کام نہیں ہے' اگر وہ یہ مشغلہ ترک کردے تو اس کے پاس کام کرنے کے لئے کچھ بھی باقی نہ رہے' اس کے وظائف کی ترتیب وہی ہے جو گزشتہ صفحات میں ہم نے بیان کی ہے۔ البتہ اس میں تھوڑا بہت ردوبدل ممکن ہے' اس طرح کہ وہ اپنا بیشتر وقت نماز میں صرف کرے' یا تلاوت میں لگادے' یا سبحان اللہ وغیرہ پڑھتا رہے۔ بعض صحابہ کرامؓ ہر روز بارہ ہزار تسبیح پڑھا کرتے تھے' بعض دوسرے حضرات تیس ہزار مرتبہ سبحان اللہ کہنے کا معمول بنائے ہوئے تھے' بعض حضرات ایک دن رات میں تین سو رکعات سے چھ سو رکعات تک بلکہ ہزار رکعات تک پڑھ لیا کرتے تھے' عام معمول سو رکعات کا تھا' بعض حضرات بکثرت تلاوت کیا کرتے تھے' ان میں سے کچھ چوبیس گھنٹے میں ایک اور بعض دو قرآن ختم کرلیتے تھے' بعض صحابہ کرام ایسے بھی تھے' جو دن بھر ایک ہی آیت میں غور و فکر کرتے رہتے' اور اسی کو دوہراتے رہتے۔ کرز ابن وبرہ جس زمانے میں مکہ مکرمہ میں مقیم تھے دن میں ستر بار' اور رات میں ستر بار طواف کیا کرتے تھے' ہر طواف کے بعد دو رکعت نماز ادا کرتے تھے' اور اسی دوران دو قرآن بھی ختم کرلیا کرتے تھے' حساب لگایا جائے تو طواف کی مسافت تیس کوس ہوتی ہے' اور رکعات کی تعداد ایک سو اسی ہوتی ہے' یہاں یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ ان میں کون سا عمل افضل ہے' نماز' تلاوت' یا تسبیح؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نماز میں کھڑے ہو کر' تدبر اور غور کے ساتھ قرآن پاک کی تلاوت کرنا ان تینوں عبادتوں کو جامع ہے' لیکن کیوں کہ اس عمل پر مواظبت مشکل ہے' اس لئے ہر شخص کا وظیفہ اس کے حال کے مطابق ہوگا۔ وظائف اور اوراد کا مقصد یہ ہے کہ دل کا تزکیہ ہو' آلائشوں سے اس کی تطہیر اور صفائی ہو' اور وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے روشن رہے۔ طالب کو چاہئے کہ وہ اپنے دل میں جھانک کر دیکھے' جو وظیفہ اس کے دل کی کیفیت سے مناسبت رکھتا ہو اسے اختیار کردیکھے' اگر اس وظیفے سے تھکن محسوس ہو' یا طبیعت اکتانے لگے تو وظیفہ تبدیل بھی کیا جاسکتا ہے' اس لئے اکثر لوگوں کے حق میں ہم اوقات کے لحاظ سے وظائف کی تقسیم بہتر سمجھتے ہیں' کیوں کہ لوگ عام طور پر کسی ایک عمل کی پابندی نہیں کرسکتے' یہ اور بات ہے کہ بعض لوگ ایک عمل کو اپنی عادت بنالیں' اور اسی میں لذت محسوس کریں۔ لیکن بہتر یہی ہے کہ ہر شخص اپنے لئے وہی وظیفہ منتخب کرے جو اس کے حالات سے مناسبت رکھتا ہو' مثلاً اگر کوئی شخص تسبیح کے اثرات زیادہ محسوس کرتا ہے تو اسی کا التزام رکھے' اور اس وقت تک تسبیح کا شغل جاری رکھے جب تک طبیعت ساتھ دے' ابراہیم ابن ادہمؒ ایک ابدال کا واقعہ نقل کرتے ہیں کہ وہ ایک دریا کے کنارے نماز میں مشغول تھے کہ تسبیح پڑھنے کی آواز آئی' لیکن پڑھنے والا نظر نہیں آیا' ابدال نے بآواز بلند پوچھا: اے شخص تو کون ہے' میں تیری آواز سن رہا ہوں' اور تیرا وجود میری نگاہوں سے اوجھل ہے؟ جواب آیا میں ایک فرشتہ ہوں' اللہ تعالیٰ نے مجھے اس دریا پر متعین کیا ہے' جب سے میں پیدا ہوا ہوں اسی طرح اللہ تعالیٰ حمد و ثنا اور پاکی بیان کررہا ہوں' ابدال نے فرشتے کا نام دریافت کیا' جواب آیا میرا نام مہلهيائيل ہے' انہوں نے یہ بھی پوچھا کہ جو تسبیح تم پڑھتے ہو اس کا ثواب کس قدر ہے' فرشتے نے کہا جو شخص سو مرتبہ تسبیح پڑھ لے وہ مرنے سے پہلے ہی دنیا میں اپنی جنت دیکھ لیتا ہے' وہ تسبیح یہ تھی۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَلِيِّ الدَّيَّانِ' سُبْحَانَ اللّٰهِ الشَّدِيْدِ الْأَرْكَانِ' سُبْحَانَ مَنْ يَّذْهَبُ بِاللَّيْلِ وَيَأْتِيْ بِالنَّهَارِ' سُبْحَانَ مَنْ لَا يَشْغَلُهُ شَانٌ عَنْ شَانٍ' سُبْحَانَ اللّٰهِ الْحَنَّانُ الْمَنَّانِ' سُبْحَانَ اللّٰهِ الْمُسَبَّحِ فِيْ كُلِّ مَكَانٍ۔

میں اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں جو برتر ہے' جزا دینے والا ہے' میں اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتا ہوں جو طاقتور ہے' پاک ہے وہ جو رات لے جاتا ہے اور دن لاتا ہے' پاک ہے وہ ذات جسے ایک کام دوسرے کام سے بے نیاز

نہیں کرتا' میں پاکی بیان کرتا ہوں' اللہ کی جو رحم کرنے والا اور احسان کرنے والا ہے' میں اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں جس کی ہر جگہ تسبیح کی جاتی ہے۔

یہ تسبیح اور اسی طرح کی دوسری تسبیحات اگر راہ آخرت کا طالب بنے' اور دل میں اثر بھی محسوس کرے تو ان کا التزام کرلے' جس چیز سے دل میں اثر ہو' اور جس میں خیر پوشیدہ ہو اس کی پابندی ضرور کرے۔

دوم۔ وہ عالم جو تصنیف و تالیف' تدریس اور افتاء وغیرہ کے ذریعہ لوگوں کو فائدہ پہنچا رہا ہو' اسکے وظائف کی ترتیب عابد کے وظائف کی ترتیب سے مختلف ہے' عالم کو اپنی ذمہ داری ادا کرنے کے لئے مطالعہ کی بھی ضرورت ہے' مطالعہ کے بعد پڑھانا بھی ہے' یا تصنیف و تالیف کا کام ہے' یہ وہ اہم امور ہیں جن کے لئے خاصا وقت درکار ہے' اس میں شک نہیں کہ فرائض و واجبات کے بعد تدریس' تصنیف اور افتاء وغیرہ کے بڑے فضائل ہیں' اور نوافل میں وقت لگانے کے بجائے ان امور میں وقت لگانا زیادہ اجر و ثواب کا باعث ہے' کتاب العلم میں ہم علم کے فضائل بیان کرچکے ہیں' عبادت کی طرح علم میں بھی ذکر الہی ہے' عالم رات دن اللہ اور اسکے رسول کے ارشادات میں غور و فکر کرتا ہے' لوگوں کو فیض یاب کرتا ہے' انھیں باطل کے اندھیرے سے حق کے اجالے میں لاتا ہے' آخرت کا راستہ بتلاتا ہے' طالب علم مسائل سیکھ کر اپنی عبادت صحیح کرتے ہیں' اگر وہ مسائل نہ سیکھیں تو ان کی تمام محنت بیکار جائے' اور کچھ حاصل نہ ہو' ہر علم عبادت پر مقدم نہیں ہے' بلکہ وہ علم عبادت پر مقدم ہے جو لوگوں کو آخرت کی ترغیب دے' انکے دلوں میں دنیا کی بے رغبتی پیدا کرے' اور آخرت کے راستے پر چلنے میں ان کی مدد کرے' وہ علوم عبادت سے افضل نہیں ہیں جن سے حرص و حوس پیدا ہو' مال و جاہ' اور منصب و شہرت کی خواہش جنم لے۔ کیوں کہ طبیعت ایک ہی کام کی مسلسل مصروفیت کا بارگراں برداشت نہیں کرسکتی' اس صورت میں عالم کو بھی مختلف قسم کے کاموں میں اپنے اوقات کو تقسیم کرلینا چاہیے' مثلاً اس کے لئے مناسب یہ ہے کہ صبح سے طلوع آفتاب تک ذکر اور وظائف میں مشغول رہے' طلوع آفتاب کے بعد دوپہر تک درس و تدریس اور افادۂ خلق میں مشغول رہے' بشرطیکہ اس سے استفادہ کرنے والے وہ لوگ ہوں جو آخرت کے لئے علم حاصل کرنا چاہتے ہوں' اگر اس طرح کے لوگ نہ ہوں تو اپنا وقت ان علمی مشکلات کو حل کرنے میں صرف کردے جو مطالعہ' تدریس یا تصنیف و تالیف کے درمیان پیش آتی ہیں' اسلئے کہ ذکر سے فارغ ہونے کے بعد اور دنیا کے ہنگاموں میں لگنے سے پہلے دل ہر طرح کی آلائشوں سے پاک و صاف ہوتا ہے' اور دل کی یہ صفائی مشکلات کے حل میں بڑی معاون ثابت ہوتی ہے۔ دوپہر سے عصر تک تصنیف و تالیف اور مطالعہ میں مصروف رہے' فرض نمازوں' اور بشری ضرورتوں کے علاوہ کسی اور کام میں نہ لگے' اور اگر دن بڑا ہو تو دوپہر میں قیلولہ بھی کرلے' عصر سے آفتاب کے زرد ہونے تک اپنے طلباء سے ان کے وہ اسباق سنے جو تفسیر و حدیث وغیرہ علوم سے متعلق ہوں' آفتاب کے زرد ہونے سے غروب تک ذکر' استغفار اور تسبیح کا معمول بنائے۔ اس تفصیل کا حاصل یہ نکلا کے عالم کے دن کے اوقات میں سے پہلا وقت زبانی عمل ذکر میں گزرا' دوسرا وقت قلب کے عمل فکر میں بسر ہوا' تیسرا وقت آنکھ اور ہاتھ کے عمل یعنی مطالعہ کرنے اور لکھنے میں صرف ہوا' چوتھا وقت کان کے عمل یعنی سننے میں تمام ہوا' پانچواں وقت پھر زبان کے عمل ذکر کی نذر ہوا' اس طرح دن کا کوئی وقت اعضاء کے اعمال سے خالی بھی نہیں رہا' اور دل جمعی بھی باقی رہی' جہاں تک رات کی تقسیم کا سوال ہے اس سلسلے میں علماء کو امام شافعیؒ کی پیروی کرنی چاہیے' انھوں نے رات کے تین حصے کئے تھے' ایک حصہ مطالعہ اور تدریس کے لئے' دوسرا حصہ نماز کے لئے اور تیسرا آرام کے لئے۔ یہ تقسیم غالباً سردی کے موسم سے تعلق رکھتی ہے' گرمی کی راتیں شاید اس تقسیم کی متحمل نہ ہوسکیں ہاں اگر دن میں نیند پوری کرلی جائے تو یہ ممکن ہے کہ گرمی میں بھی یہ معمول بنایا جاسکے۔

سوم طالب علم۔ طالب علم کے لئے نوافل اور ذکر کے مقابلے میں افضل یہ ہے کہ وہ طلب علم میں مصروف رہے۔ اسی لئے ترتیب اوقات کے سلسلے میں عالم اور طالب علم دونوں کا ایک حکم ہے۔ اتنا فرق ہے کہ جس وقت عالم افادہ میں مشغول ہو تو طالب علم استفادہ کرے' اور جس وقت وہ مطالعہ اور تصنیف و تالیف میں مصروف ہو تو یہ درس کی تقریریں لکھیں' باقی اوقات کی ترتیب

وہی ہے جو عالم کے سلسلے میں بیان کی گئی ہے۔ کتاب العلم میں ہم نے جو کچھ عرض کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ علم سیکھنا نوافل اور اذکار و وظائف سے افضل ہے' بلکہ اگر کوئی شخص باقاعدہ تحصیل علم کی غرض سے نہیں بلکہ محض سننے کے شوق میں علماء اور ذاکرین کی مجلسوں میں حاضری دے اس کے لئے بھی یہ حاضری وظائف اور نوافل سے افضل ہے' چنانچہ حضرت ابو ذر کی ایک روایت میں ہے:۔

حضور مجلس علم افضل من صلاة الف ركعة وشهود الف جنازة وعيادة الف مريض (۱)

علم کی مجلس میں حاضری ایک ہزار رکعتوں سے' ایک ہزار جنازوں میں شرکت سے' اور ایک ہزار مریضوں کی عیادت سے افضل ہے۔

ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے ارشاد فرمایا:۔

اذا رايتم رياض الجنة فارتعوا فيها؟ فقيل يا رسول الله وما رياض الجنة قال حلق الذكر (۲)

جب تم جنت کے باغیچے دیکھو تو ان میں چر لیا کرو۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! جنت کے باغیچے کونسے ہیں؟ فرمایا: ذکر کے حلقے۔

کعب ابن احبار فرماتے ہیں کہ اگر علم کی مجلسوں کے فضائل لوگوں کے علم میں آجائیں تو اس کے لئے مرنے سے بھی گریز نہ کریں' امراء اور حکام اپنے اقتدار اور اپنی حکومتیں بالائے طاق رکھ دیں' تجارت پیشہ لوگ بازار کا رخ نہ کریں' حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ آدمی جب اپنے گھر سے نکلتا ہے تو اس کے سر پر تہامہ کے پہاڑوں کے برابر گناہوں کا بوجھ ہوتا ہے' مگر جب وہ کسی عالم کی مجلس میں بیٹھتا ہے اور اس کے موعظ کے اثر سے اپنے گناہوں پر نادم ہوتا ہے تو اس حال میں اپنے گھر واپس ہوتا ہے کہ اس کے ذمے کوئی گنا باقی نہیں رہتا' تم لوگ علماء کی مجلسوں سے دور مت رہو' اللہ تعالیٰ نے علماء کی مجلسوں سے زیادہ افضل و اعلیٰ جگہ کوئی دوسری پیدا نہیں کی ہے' ایک شخص نے حضرت حسن بصری سے اپنے دل کی قساوت کا حال بیان کیا' فرمایا: اس کا علاج یہ ہے کہ ذکر کی مجلسوں میں حاضر رہو' عمار نامی ایک بزرگ نے مسکینہ طفاویہ کو ان کے مرنے کے بعد خواب میں دیکھا' مسکینہ طفاویہ زندگی بھر ذکر کی مجلسوں میں حاضری دیتی رہیں۔ عمار نے انھیں دیکھ کر کہا کہ اے مسکینہ! خوش آمدید! جواب دیا: اب مسکنت ختم ہوگئی ہے' اور تونگری حاصل ہوگئی ہے۔ عمار نے حال دریافت کیا' فرمایا! اس شخص کا حال کیا پوچھتے ہو جسے اللہ نے جنت کی نعمتوں سے نواز دیا ہو' عمار نے پوچھا! مسکینہ یہ تو بتلاؤ کہ تمہیں یہ درجہ کس لئے نصیب ہوا؟ فرمایا! مجھے یہ درجہ اسلئے ملا کہ میں ذکر کی مجلسوں میں حاضر رہتی تھی۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی باکردار اور خوش کلام واعظ کی نصیحت سے دل کی گرہیں کھل جائیں تو یہ ان بے شمار نمازوں سے افضل ہے جو دنیا کی محبت میں مبتلا رہ کر ادا کی جائیں۔

چوتھا۔ پیشہ ور۔ یہ وہ شخص ہے جو اپنے اہل و عیال کے لئے کمانے پر مجبور ہے' اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے اہل و عیال کو فاقوں سے مار ڈالے' اور اپنا تمام وقت عبادت میں لگا دے۔ بلکہ کاروبار کے وقت اس کا وظیفہ یہ ہے کہ وہ بازار جائے' اور کمانے میں معروف رہے' تاہم یہ ضروری ہے کہ کاروبار کے وقت بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہے' یا تسبیح اور تلاوت میں مشغول رہے۔ تجارت یا حرفت کے ساتھ زبانی ذکر اور تلاوت کا اجتماع ممکن ہے' نماز کا اجتماع ممکن نہیں ہے' ہاں اگر باغ وغیرہ کا محافظ ہو تو نماز بھی پڑھ سکتا ہے' کیوں کہ باغ کی نگہبانی میں بظاہر ہاتھ کا کوئی کام نہیں ہے' بقدر ضرورت کمانے کے بعد ان وظائف کا اہتمام

---

(۱) (۲) یہ دونوں روایتیں کتاب العلم میں گذر چکی ہیں

کرے جو گزشتہ صفحات میں بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن اگر بقدر ضرورت سے زائد کمائے اور زائد از ضرورت مال صدقہ دے دے تو یہ عمل وظائف سے افضل ہے کیوں کہ متعدی عبادتوں کا نفع لازم عبادت کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے صدقہ کی نیت سے کمانا بجائے خود ایک عبادت ہے اس عبادت سے اللہ تعالیٰ کا تقرب بھی ملتا ہے اور فقراء و مساکین کو بھی فائدہ پہنچتا ہے۔ اس طرح اسے مسلمانوں کی دعاؤں کی برکتیں بھی حاصل ہوتی ہیں اور اجر و ثواب میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

پانچواں۔ حاکم۔ امام، قاضی اور مسلمانوں کے امور کا ذمہ دار، یہ سب حکام کے دائرے میں آتے ہیں، یہ لوگ اگر شریعت کے مطابق اور اخلاص نیت کے ساتھ مسلمانوں کی ضرورتوں کی تکمیل کریں تو ان کا یہ عمل مذکورہ بالا وظائف سے افضل ہوگا، حاکم کے سلسلے میں مناسب یہ ہے کہ وہ دن کو صرف فرائض پر اکتفا کرے، اور مسلمانوں کے سلسلے میں عائد شدہ ذمہ داریوں کی تکمیل میں مشغول رہے، اور رات کو مذکورہ وظائف ادا کرے، حضرت عمرؓ کا یہی معمول تھا فرماتے تھے مجھے نیند سے کیا مطلب؟ اگر دن کو سوؤں تو مسلمانوں کے حقوق ضائع کروں، اور رات کو سوؤں تو اپنے نفس کو ہلاکت میں مبتلا کروں۔ گزشتہ صفحات میں جو کچھ عرض کیا گیا اس سے تم نے یہ بات اچھی طرح سمجھ لی ہوگی کہ بدنی عبادت پر دو امر مقدم ہیں، ایک علم اور دوسرا مسلمانوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ، یہ دونوں امر بذات خود عبادت ہیں، افضل اسلئے ہیں کہ ان کا شمار ان امور میں ہوتا ہے جن کا نفع متعدی ہے، لازم نہیں ہے یعنی علم سے صرف عالم ہی فائدہ نہیں اٹھاتا بلکہ دوسرے لوگ بھی مستفید ہوتے ہیں، اسی طرح حسن سلوک کا فائدہ صرف عمل کرنے والے ہی کو نہیں پہنچتا بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی پہنچتا ہے۔

چھٹا۔ موحد۔ یہ وہ شخص ہے جو وحدہ لا شریک کی ذات پاک میں مستغرق رہے، اس کے سوا کوئی متہائے فکر نہ ہو، نہ اللہ کے سوا کسی دوسرے سے محبت کرتا ہو، نہ کسی سے ڈرتا ہو، اور نہ کسی سے رزق کی توقع رکھتا ہو، بلکہ اسے ہر چیز میں اللہ ہی کا جلوہ نظر آتا ہو، جو لوگ اس درجہ تک پہنچ جاتے ہیں انھیں مختلف اوراد و وظائف میں ترتیب و تقسیم کی ضرورت نہیں ہے، فرائض کے بعد ان کا صرف ایک وظیفہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ان کے دل ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ حاضر رہیں، ان کے دل میں کوئی بھی خیال گزرے، ان کے کانوں میں کوئی بھی آواز آئے، انھیں کسی بھی چیز کا مشاہدہ ہو ہر حالت اور ہر کیفیت ان کے لئے عبرت و موعظت کا سبب ہو، ان کی حرکت و سکون خدا تعالیٰ کی رضا کا آئینہ دار ہو، ایسے لوگوں کی ہر حالت درجات میں اضافہ کرتی ہے، اس لئے اس کے نزدیک ایک عبادت اور دوسری عبادت میں کوئی فرق نہیں ہوتا، یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اللہ کے لئے اپنے آپ کو فنا کرلیا ہے، ان لوگوں کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد صادق آتا ہے:

وَإِذِ اعْتَزَلْتُمُوهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ فَأْوُوا إِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ

(پ ۱۵ ر ۱۴ آیت ۱۶)

اور جب تم لوگوں سے الگ ہوگئے ہو اور ان کے معبودوں سے بھی مگر اللہ سے (الگ نہیں ہوئے) تو تم (فلاں) غار میں چل کر پناہ لو تم پر تمہارا رب اپنی رحمت پھیلا دے گا۔

اس آیت میں بھی یہی لوگ مراد ہیں۔

إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَى رَبِّي سَيَهْدِينِ (پ ۲۳ ر ۷ آیت ۹۹)

اور ابراہیم کہنے لگے کہ میں تو اپنے رب کی طرف چلا جاتا ہوں وہ مجھ کو (اچھی جگہ) پہنچا ہی دے گا۔

یہ صدیقین کا انتہائی درجہ ہے۔ یہاں تک صرف وہی لوگ پہنچ پاتے ہیں جو زمانۂ دراز تک مذکورہ وظائف کی پابندی کریں، صدیقین کے درجہ پر فائز لوگوں کے حالات سن کر راہ آخرت کے سالکین غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں، اور خود کو اس درجے کا اہل تصور نہ کریں، اور نہ اس غلط فہمی کی وجہ سے اوراد و وظائف سے بے اعتنائی اختیار کریں بلکہ اس درجے پر وہی لوگ فائز ہوتے ہیں جن کے دلوں میں نہ وسوسے ہوں، نہ شیطانی خیالات، اور نہ گناہوں کا تصور، نہ وہ پریشانیوں سے گھبرائیں، اور نہ دنیا کے

معاملات ان کی راہ میں رکاوٹ بنیں' یہ رتبہ آسانی سے نہیں ملتا' اس لئے بلا وجہ غلط فہمی کا شکار نہ ہوں' اپنی عاقبت خراب نہ کریں' بلکہ مستقل مزاجی کے ساتھ بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق اللہ کی عبادت میں لگے رہیں۔

ہدایت کے مختلف راستے : گزشتہ صفحات میں ہم نے جو کچھ عرض کیا وہ سب اللہ تک پہنچنے کے مختلف راستے ہیں' ارشاد باری ہے:۔

قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَىٰ شَاكِلَتِهِ فَرَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ أَهْدَىٰ سَبِيلًا (پ ۱۵ر ۹ آیت ۸۴)

آپ فرمادیجئے کہ ہر شخص اپنے طریقے پر کار کر رہا ہے' سو تمہارا رب خوب جانتا ہے اسکو جو زیادہ ٹھیک راستے پر ہو۔

ہدایت یافتہ سب ہیں' مگر بعض لوگوں کو بعض دوسرے لوگوں کے مقابلے میں جلد ہدایت مل جاتی ہے اور وہ لوگ زیادہ ہدایت کا مستحق قرار پاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

الایمان ثلاث وثلاثون وثلثمائة طریقة من لقی اللہ بالشھادة علی طریق منھا دخل الجنة (۱)

ایمان کے تین سو تینتیس طریقے ہیں' جو شخص ان میں سے کسی ایک پر بھی مرے گا جنت میں داخل ہوگا۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ رسولوں کی تعداد کے مطابق ایمانی طریقے بھی تین سو تیرہ ہیں' جو صاحب ایمان بھی ان اخلاق میں سے کسی ایک اخلاق پر عمل پیرا ہے وہ اللہ کی طرف گامزن ہے' خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اگرچہ لوگ مختلف طریقوں پر عبادت کرتے ہیں مگر سب حق پر ہیں' جیسا کہ قرآن پاک کی اس آیت میں فرمایا گیا:۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ (پ ۱۵ر ۶ آیت ۵۷)

یہ لوگ جن کو یہ مشرکین پکار رہے ہیں وہ خود ہی اپنے رب کی طرف ذریعہ ڈھونڈ رہے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب بنتا ہے۔

ان لوگوں میں اگر فرق ہے تو صرف قرب کے درجات کا فرق ہے' اصل قرب میں کوئی فرق نہیں ہے' اللہ سے زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ کی معرفت زیادہ حاصل ہے' یقیناً وہی لوگ اللہ کی زیادہ عبادت کریں گے جنھیں اللہ کی زیادہ معرفت حاصل ہوگی' اس لئے کہ جو شخص اللہ کو پہچان لیتا ہے وہ غیر اللہ کی عبادت نہیں کرتا۔

وظائف کی مداومت : وظائف کے سلسلے میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ ان کی پابندی کی جائے' کیوں کہ وظائف کا مقصد یہ ہے کہ باطن میں تبدیلیاں رونما ہوں' ایک دوبار کا عمل مؤثر نہیں ہوتا' اگر ہوتا بھی تو اتنا کم محسوس بھی نہیں کیا جاسکتا' مکمل اثر اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب تمام اعمال ادا کئے جائیں' اور ان میں تسلسل ہو' عابد بھی فقیہ کی طرح ہوتا ہے' اگر فقیہ یہ چاہے کہ مجھے علم فقہ میں ید طولیٰ حاصل ہوجائے تو ایک دو مسائل یاد کرلینے سے وہ ماہر فقیہ نہیں کہلا سکتا' نہ اس طرح فقیہ ہوسکتا ہے کہ ایک رات بیٹھ کر دو چار مسائل یاد کرلے' پھر دو چار دس دن کے لئے یہ سلسلہ ختم کردے' پھر ایک رات محنت کرنے بیٹھ جائے' بلکہ اگر وہ محنت کو تمام راتوں پر تقسیم کردے' اور ہر رات تھوڑی دیر بیٹھ کر مسائل یاد کرلیا کرے تو اسے بہت جلد مہارت حاصل ہوسکتی ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد گرامی میں یہی حقیقت بیان فرمائی ہے :۔

---

(۱) ابن شاہین اور الالکائی' طبرانی اور بیہقی نے مغیرہ بن عبدالرحمٰن سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں "الایمان ثلثمائة وثلاثون شریعة فمن وافی شریعة منھن دخل الجنة"

احب الاعمال الی اللہ ادومہا وان قل (بخاری و مسلم۔ عائشہؓ)

اللہ کو وہ عمل زیادہ پسند ہے جو مستقل ہو چاہے مقدار میں کم ہی کیوں نہ ہو۔

لوگوں نے حضرت عائشہؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال کے متعلق دریافت کیا' آپ نے فرمایا :۔

کان عملہ دیمتو کان اذا عمل عملا اثبتہ (مسلم)

آپ کا عمل دائمی تھا جب آپ کوئی عمل کرتے تھے تو اسے مستحکم کرتے تھے۔

اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

من عود اللہ عبادۃ فترکہا ملالا مقتہ اللہ (۱)

جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے کسی عبادت کا عادی بنایا ہو' اور پھر وہ اسے اکتا کر چھوڑ بیٹھے تو اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہو جاتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز کے بعد وہ دو رکعتیں گھر پر ادا کیں جو ایک وفد کی آمد کی وجہ سے رہ گئی تھیں' اس کے بعد ہمیشہ وہ دو رکعتیں عصر کے بعد پڑھنے لگے' گھر پر پڑھنے کا منشا یہ تھا کہ صحابہ اسے ضروری قرار نہ دیں' حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ نے یہ واقعہ تفصیل سے روایت کیا ہے۔ (۲)

یہاں اگر یہ کہا جائے کہ عصر کا وقت نماز کے لئے مکروہ ہے' پھر آپ نے اس کی رعایت کیوں نہیں فرمائی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عصر کے بعد نماز کی کراہت کی تین وجہیں ہیں پہلی وجہ یہ ہے کہ سورج کی پرستش کرنے والوں کی مشابہت نہ ہو' دوسری وجہ یہ ہے کہ شیطان کے سینگ نمودار ہونے کے وقت سجدہ نہ ہو' تیسری وجہ یہ ہے کہ ذرا سی فرصت مل جائے تاکہ دو نمازوں کے درمیان اکتاہٹ نہ ہو۔ یہ تینوں وجوہات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں نہیں ہو سکتیں' اس لئے اس باب میں ہم آپ کو دوسروں پر قیاس نہیں کریں گے' اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ نے یہ نماز مسجد میں پڑھنے کے بجائے گھر میں ادا کی' تاکہ لوگ اسے حجت نہ بنالیں' اور عصر کے بعد نماز نہ پڑھنے لگیں۔

تیسرا باب — رات کی عبادت کے فضائل

مغرب اور عشاء کے درمیان عبادت کی فضیلت : حضرت عائشہؓ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرماتی ہیں :۔

افضل الصلوٰۃ عند اللہ صلاۃ المغرب لم یحطہا عن مسافر ولا عن مقیم فتح بہا صلاۃ اللیل وختم بہا صلاۃ النہار فمن صلی المغرب وصلی بعدہا رکعتین بنی اللہ لہ قصرین فی الجنۃ قال الراوی لا ادری من ذہب او فضۃ ومن صلی بعدہا اربع رکعات غفر اللہ لہ ذنب عشرین او قال اربعین سنۃ (۳)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک افضل ترین مغرب کی نماز ہے' نہ اس کو مسافر کے ذمے سے ساقط کیا ہے' اور نہ مقیم کے ذمے سے' اس کے ذریعہ رات کی نمازوں کی ابتداء کی' اور اس پر دن کی نمازوں کو ختم فرمایا' جو شخص

---

(۱) یہ حدیث کتاب الصلوٰۃ میں گذر چکی ہے (۲) بخاری و مسلم میں ام سلمہؓ کی روایت ہے "انہ صلی بعد العصر رکعتین وقال شغلنی ناس من عبدالقیس عن الرکعتین بعد الظہر" حضرت عائشہ فرماتی ہیں "ماترکہا حتی لقی اللہ" (۳) ابو الولید الصفاری کتاب الصلوٰۃ' ورواہ الطبرانی مختصراً' واسنادہ ضعیف

مغرب کی نماز پڑھے اور اس کے بعد دو رکعت ادا کرے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں دو محل بنائیں گے' راوی کہتے ہیں مجھے نہیں معلوم کہ آپ نے سونے کے دو محل فرمایا یا چاندی کے' اور جو شخص مغرب کی نماز کے بعد چار رکعات پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے بیس سال کے گناہ معاف کردیں گے یا یہ فرمایا کہ چالیس سال کے گناہ معاف کردیں گے۔

ام سلمہؓ اور ابو ہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں :۔

من صلى ست ركعات بعد المغرب عدلت له عبادة سنة كاملة او كانه صلى ليلة القدر (۱)

جو شخص مغرب کے بعد چھ رکعت نماز پڑھے تو یہ رکعتیں اس کے لئے ایک سال کی عبادت کے برابر ہوں گی' یا یہ فرمایا : گویا اس نے تمام شب قدر نماز پڑھی ہے۔

سعید ابن جبیر' ثوبانؓ سے روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔

من عكف نفسه مابين المغرب والعشاء في مسجد جماعة لم يتكلم الا بصلاة او قرآن كان حقا على الله ان يبني له قصرين في الجنة مسيرة كل قصر منهما مائة عام ويغرس له بينهما غراسا لو طافه اهل الدنيا لوسعهم (۲)

جو شخص خود کو کسی مسجد میں عشاء اور مغرب کے درمیان اس طرح محصور رکھے کہ نماز اور تلاوت قرآن کے علاوہ کسی قسم کی بات چیت نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کے شایان شان یہ بات ہوگی کہ وہ اس شخص کے لئے جنت میں دو محل بنائے۔ ان میں سے ہر محل کا فاصلہ سو برس کی مسافت کے برابر ہوگا' اور دونوں محلوں کے درمیان درخت لگائے جائیں گے اگر روئے زمین کے تمام لوگ وہاں گھومیں تو وہ جگہ سب کے لئے کافی ہوگی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :۔

من ركع عشر ركعات مابين المغرب والعشاء بنى الله له قصرا في الجنة فقال عمر رضي الله عنه اذا تكثر قصورنا يا رسول الله فقال : الله اكبر وافضل' او قال اطيب (۳)

جو شخص مغرب اور عشاء کے درمیان دس رکعات پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ایک محل بنائیں گے' حضرت عمرؓ نے عرض کیا : یا رسول اللہ تب تو ہمارے پاس بہت سارے محل ہوں گے' فرمایا' اللہ بہت بڑا ہے بڑے فضل والا ہے یا فرمایا بڑا پاک ہے۔

---

(۱) ترمذی اور ابن ماجہ نے یہ روایت نقل کی ہے' اس میں سنة كاملة کی جگہ اثنتى عشرة سنة ہے' ترمذی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ روایت کے آخری جز "او كانه صلى ليلة القدر" کو ابو الولید اصفار نے کعب الاحبار کا قول قرار دیا ہے' ابو منصور دیلمی نے ابن عباس سے اس سلسلے میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔ "من صلى اربع ركعات بعد المغرب قبل ان يكلم احدا وضعت له في عليين وكان كمن ادرك ليلة القدر في المسجد الا قصى" (۲) یہ حدیث مجھے نہیں ملی' البتہ اسی مضمون کی ایک روایت ابن عمرؓ سے منقول ہے۔ کتاب الصلوٰۃ میں یہ روایت گذر چکی ہے۔ (۳) ابن المبارک نے کتاب الزہد میں یہ روایت عبد الکریم ابن الحرث سے مرسلاً نقل کی ہے۔

انس ابن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مغرب کی نماز باجماعت ادا کرے' اس کے بعد دو رکعت نماز پڑھے' اور درمیانی وقفے میں دنیا سے متعلق کوئی کلام نہ کرے اور پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ' اور سورۂ بقرہ کی ابتدائی دس آیات' اور سورۂ بقرہ کے درمیان کی دو آیتیں والٰھکم الٰہ واحد سے آخر تک' اور پندرہ مرتبہ قل ھو اللہ احد تلاوت کرے' پھر رکوع کرے اور سجدہ کرے' پھر دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہو' اور سورۂ فاتحہ کے بعد آیۃ الکرسی' اور اس کے بعد کی دو آیتیں اُولٰئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ تک اور سورۂ بقرہ کی آخری تین آیتیں لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ سے آخر تک پندرہ مرتبہ قل ھو اللہ پڑھے تو اس کے لئے بے اندازہ اجر و ثواب ہے (۱) کرز ابن وبرہ ابدال کہتے ہیں کہ میں نے خضر علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسا عمل سکھلا دیجئے جسے میں ہر رات کرلیا کروں' فرمایا : جب تم مغرب کی نماز سے فارغ ہو جاؤ تو عشاء کے وقت تک نماز ہی میں رہو' کسی سے کلام مت کرو' پوری توجہ نماز ہی میں رہنی چاہیئے' دو دو رکعت پڑھو' ہر رکعت میں ایک مرتبہ سورۂ فاتحہ' اور تین مرتبہ سورۂ اخلاص کی تلاوت کرو' جب عشاء کی نماز سے فارغ ہو تو اپنے گھر چلے آؤ' کسی سے بات چیت نہ کرو' گھر پہنچ کر دو رکعتیں پڑھو' ہر رکعت میں ایک مرتبہ سورۂ فاتحہ' اور سات مرتبہ قل ھو اللہ پڑھو' جب ان دو رکعتوں سے فارغ ہو جاؤ تو ایک طویل سجدہ کرو' سجدے میں سات بار اپنے لئے مغفرت کی دعا کرو' اور سات بار یہ الفاظ کہو :-

سُبْحَانَ اللّٰهِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔

پاک ہے اللہ' تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں' اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' اللہ بہت بڑا ہے' گناہ سے بچنے کی طاقت اور اطاعت کی قوت صرف اللہ برتر و اعلیٰ ہی کی عطا کردہ ہے۔

پھر سجدہ سے سر اٹھاؤ' اور بیٹھ کر یہ دعا پڑھو :-

يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ يَا ذُو الْجَلَالِ وَ الْاِكْرَامِ يَا اِلٰهَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ يَا رَحْمٰنَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَرَحِيْمَهُمَا يَا رَبِّ يَا رَبِّ يَا اَللّٰهُ يَا اَللّٰهُ يَا اَللّٰهُ

اے زندہ! اے کارساز عالم! اے عظمت اور بزرگی والے! اے اگلوں اور پچھلوں کے معبود! اے دنیا اور آخرت کے رحمٰن و رحیم۔ اے پروردگار! اے پروردگار' اے اللہ! اے اللہ! اے اللہ!

پھر کھڑے ہو جاؤ' اور ہاتھ اٹھا کر یہی الفاظ کہو' اس کے بعد دائیں کروٹ سے لیٹ جاؤ' بستر پر لیٹ کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھو' اور اس وقت تک پڑھو کہ پڑھتے پڑھتے نیند آجائے' کرز ابن وبرہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا : مجھے یہ بتلا دیجئے کہ آپ کو یہ عمل کس نے سکھلایا ہے' فرمایا : میں نے یہ عمل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا ہے' جب آپ پر اس عمل کی وحی آئی تو میں وہاں حاضر تھا۔ (۲) کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص حسن یقین' اور حسن نیت کے ساتھ اس نماز اور اس دعا پر مداومت کرے تو وہ دنیا سے رخصت سفر باندھنے سے پہلے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرے گا' چنانچہ بعض لوگوں نے اس عمل کا التزام کیا تو انہوں نے دیکھا کہ وہ جنت میں ہیں' وہاں بہت سے انبیاء ہیں' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما ہیں' آپ نے ان سے گفتگو بھی فرمائی اور تعلیم ہدایت سے بھی نوازا ـــــ اس عبادت کے فضائل کے سلسلے میں بہت کچھ منقول ہے' چنانچہ کسی شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام عبید سے پوچھا کہ فرض نمازوں کے

---

(۱) یہ روایت ابو الشیخ نے کتاب الثواب میں زیاد ابن میمون سے تھوڑے سے لفظی اختلاف کے ساتھ نقل کی ہے۔ (۲) اس حدیث کی کوئی اصل مجھے نہیں ملی۔

علاوہ آپ کس نماز کی زیادہ تاکید کرتے تھے؟ فرمایا : مغرب اور عشاء کے درمیان کی نماز کے لئے آپ بہت زیادہ تاکید فرمایا کرتے تھے (احمد) ایک حدیث میں ہے :-

من صلی مابین المغرب والعشاء فذلک صلاۃ الاوابین (۱)

جو شخص مغرب اور عشاء کے درمیان نماز پڑھے تو یہ اوابین کی نماز ہے۔

اسودؒ کہتے ہیں کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں مغرب کے بعد حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور آپ کو نماز میں مشغول نہ پایا ہو' میں نے آپ سے اس کی وجہ دریافت کی۔ فرمایا : یہ غفلت کا وقت ہے' اس لئے میں نماز پڑھتا ہوں۔ حضرت انسؓ بھی پابندی کے ساتھ یہ نماز پڑھتے تھے' اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ ناشئۃ اللیل یعنی رات کی عبادت ہے' اور اسی نماز کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے :-

تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ۔

ان کے پہلو خواب گاہوں سے دور رہتے ہیں۔

احمد ابن ابی الحواریؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابو سلیمان دارائیؒ سے پوچھا کہ آپ کے نزدیک یہ بہتر ہے کہ میں دن کو روزہ رکھوں' اور مغرب اور عشاء کے درمیان کھانا کھاؤں یا یہ بہتر ہے کہ دن کو افطار کروں اور مغرب اور عشاء کے درمیان نماز پڑھوں' فرمایا : روزہ بھی رکھو' اور اس وقت نماز بھی پڑھو' میں نے عرض کیا : اگر یہ ممکن نہ ہو؟ فرمایا : دن کو افطار کرو اور اس وقت نماز پڑھو۔

قیام لیل کی فضیلت

آیات اور احادیث

اس سلسلے کی آیات یہ ہیں :-

اِنَّ رَبَّکَ یَعْلَمُ اَنَّکَ تَقُوْمُ اَدْنٰی مِنْ ثُلُثَیِ الَّیْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ (پ۲۹ ر۱۴ آیت ۲۰)

آپ کے رب کو معلوم ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ والوں میں سے بعض آدمی (کبھی) دو تہائی رات کے قریب اور (کبھی) آدھی رات اور اور (کبھی) تہائی رات نماز میں کھڑے رہتے ہیں۔

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِیْلاً۔ (پ۲۹ ر۱۳ آیت ۶)

بے شک رات کے اٹھنے میں دل اور زبان کا خوب میل ہوتا ہے اور (دعا یا قرأت پر) بات خوب ٹھیک نکلتی ہے۔

تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ۔ (پ۲۱ ر۱۵ آیت ۱۶)

ان کے پہلو خواب گاہوں سے علیحدہ ہوتے ہیں۔

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّیْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا یَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَیَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ۔ (پ۲۳ ر۱۵ آیت ۹)

بھلا جو شخص اوقات شب میں سجدہ و قیام کی حالت میں عبادت کر رہا ہو آخرت سے ڈر رہا ہو اور اپنے پروردگار کی رحمت کی امید کر رہا ہو۔

---

(۱) یہ روایت کتاب الصلوٰۃ میں گذری ہے۔

وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا۔ (پ ۱۹ ر ۴ آیت ۶۴)
اور جو راتوں کو اپنے رب کے آگے سجدہ اور قیام میں لگے رہتے ہیں۔
اِسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ۔ (پ ۲ ر ۳ آیت ۱۵۳)
صبر اور نماز سے سہارا حاصل کرو۔

بعض مفسرین نے اس نماز کو رات کی نماز کہا ہے کہ اس پر صبر کرنے سے مجاہدہ نفس پر مدد ملتی ہے۔ رات کی عبادت کے فضائل کے سلسلے میں بہت سی احادیث بھی ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :-

یعقد الشیطان علی قافیۃ رأس احدکم اذا ھو نام ثلاث عقد یضرب مکان کل عقدۃ علیک لیل طویل فارقد فان استیقظ وذکر اللہ تعالیٰ انحلت عقدۃ فان صلی انحلت عقدۃ فاصبح نشیطا طیب النفس، والا اصبح خبیث النفس کسلان۔ (بخاری و مسلم۔ ابوہریرہؓ)

تم میں سے جب کوئی شخص سوتا ہے تو شیطان اس کی گدی پر تین گرہیں لگا دیتا ہے، اور ہر گرہ پر یہ پھونک دیتا ہے کہ ابھی رات بہت لمبی ہے سوتا رہ۔ اگر وہ شخص بیدار ہوجائے اور اللہ کا ذکر کرے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے اور اگر وہ وضو کرے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے، اور نماز پڑھے تو تیسری گرہ کھل جاتی ہے، صبح کو وہ نشاط اور سرور کی کیفیت کے ساتھ اٹھتا ہے، ورنہ اس حالت میں اٹھتا ہے کہ اس کا نفس خبیث ہو اور جسم سست ہو۔

کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص کا ذکر کیا وہ تمام رات سوتا رہا، آپ نے ارشاد فرمایا :-

ذاک بال الشیطان فی اذنہ۔ (بخاری و مسلم۔ ابن مسعودؓ)
اس شخص کے کان میں شیطان نے پیشاب کردیا تھا۔

ان للشیطان سعوطا ولعوقا وذرورا فاذا اسعط العبد ساء خلقہ واذا العقہ ذرب لسانہ بالشر، واذا ذرہ نام اللیل حتی یصبح (۱)

شیطان کے پاس ایک سونگھنے کی چیز ہوتی ہے، ایک چٹنی ہوتی ہے، اور ایک آوازدار چیز (انجن وغیرہ) ہے جب شیطان کسی چیز کو سونگھا دیتا ہے تو اس کے اخلاق خراب ہوجاتے ہیں، اور جب وہ چٹنی چٹا دیتا ہے تو اس کی زبان فحش ہوجاتی ہے اور جب وہ انجن لگا دیتا ہے تو صبح تک سوتا رہتا ہے۔

قال صلی اللہ علیہ وسلم : رکعتان یرکعھما العبد فی جوف اللیل خیر لہ من الدنیا ومافیھا ولولا ان اشق علی امتی لفرضتھما علیھم۔ (۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : وہ دو رکعتیں جو بندہ درمیان رات میں پڑھتا ہے اس کے لئے دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں، اگر مجھے امت کی مشقت کا خوف نہ ہوتا تو میں ان دو رکعتوں کو ان پر فرض قرار دے

---

(۱) طبرانی میں یہ روایت حضرت انسؓ سے ان الفاظ میں منقول ہے "ان للشیطان لعوقا وکحلا فاذا لعق الانسان من لعوقہ ذرب لسانہ بالشر اذا کحلہ من کحلہ نامت عیناہ عن الذکر" بزار نے سمرہ ابن جندب سے یہ حدیث روایت کی ہے۔ (۲) ابو منصور دیلمی۔ ابن عمرؓ۔ آدم ابن ابی ایاس نے کتاب الثواب میں، اور ابن نصر المروزی نے کتاب قیام اللیل میں حسان ابن عطیہ سے یہ روایت مرسل نقل کی ہے۔

دیتا۔

جابرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں :۔

ان من اللیل ساعۃ لایوافقہا عبد مسلم یسأل اللہ تعالیٰ فیہا خیرا الا اعطاہ ایاہ۔ (مسلم)

رات میں ایک گھڑی ایسی ہوتی ہے کہ اگر کوئی مسلمان بندہ اسے پاتا ہے اور اس میں اللہ سے خیر کی درخواست کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے عطا فرماتے ہیں۔

مغیرہ ابن شعبہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اتنی دیر تک کھڑے رہے کہ پاؤں مبارک پرورم آگیا' اور پھٹ گئے۔ لوگوں نے عرض کیا : یا رسول اللہ ! آپ کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کردیئے گئے ہیں پھر آپ کیوں اس قدر مشقت برداشت کرتے ہیں۔ ارشاد فرمایا :۔

افلا اکون عبدا شکورا۔ (بخاری و مسلم)

کیا میں شکر کرنے والا بندہ نہ بنوں۔

اس ارشاد سے آپ کے مرتبہ و عظمت میں زیادتی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ شکر سے اس نعمت میں اضافہ ہوتا ہے جس کے لئے شکر ادا کیا جائے۔ ارشاد باری ہے :۔

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ۔ (پ ۱۳ ر ۱۲ آیت ۷)

اگر تم شکر کرو گے تو تم کو زیادہ نعمت دوں گا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے ارشاد فرمایا :۔

یا ابا ھریرۃ اتریدان تکون رحمۃ اللہ علیک حیا و میتا و مقبورا و مبعوثا قم من اللیل فصل وانت ترید رضا ربک' یا ابا ھریرۃ صل فی زوایا بیتک یکن نور بیتک فی السماء کنور الکواکب والنجم عند اھل الدنیا (۱)

اے ابو ہریرہ ! اگر تم یہ چاہتے ہو کہ تم پر زندگی میں' مرنے کے بعد' قبر میں' اور میدان حشر میں اللہ تعالیٰ کی رحمت رہے تو تم رات میں اٹھو اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کی نیت سے نماز پڑھو' اے ابو ہریرہ ! اپنے گھر کے کونوں میں نماز پڑھو' آسمان میں تمہارے گھر کا نور ایسا ہوگا جیسے اہل دنیا کے لئے کواکب اور ستاروں کا نور ہوتا ہے۔

وقال صلی اللہ علیہ وسلم : علیکم بقیام اللیل فانہ داب الصالحین قبلکم' فان قیام اللیل قربۃ الی اللہ عزوجل و تکفیر للذنوب و مطرد للداء عن الجسد و منہاۃ عن الاثم۔ (ترمذی۔ بلالؓ۔ طبرانی بیہقی۔ ابو امامہؓ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' رات میں عبادت ضرور کیا کرو' رات میں عبادت کرنا تم سے پہلے نیک لوگوں کا شیوہ ہے' رات کی عبادت اللہ تعالیٰ کی قربت کا ذریعہ ہے' اس کی وجہ سے گناہ معاف ہوتے ہیں' جسمانی بیماریاں دور رہتی ہیں' اور گناہوں سے بچنا نصیب ہوتا ہے۔

وقال صلی اللہ علیہ وسلم : مامن امرئ تکون لہ صلاۃ باللیل فغلبہ علیہا

---

(۱) یہ حدیث باطل ہے اس کی کوئی اصل مجھے نہیں ملی۔

النوم الاکتب لہ اجر صلاتہ وکان نومہ صدقۃ علیہ۔ (ابوداؤد' نسائی۔ عائشہؓ)

فرمایا : جو شخص رات کو نماز پڑھتا ہو' اور کسی دن نیند غالب ہو جائے اور وہ نماز نہ پڑھ سکے تو اس کے لئے نماز کا ثواب لکھا جاتا ہے اور سونا اس کے حق میں صدقہ ہوتا ہے۔

حضرت ابوذرؓ نے ارشاد فرمایا :۔

لو اردت سفرا اعددت لہ عدۃ؟ قال : نعم! قال فکیف سفر طریق القیامۃ الا انبئک یا اباذر بما ینفعک ذلک الیوم قال بلی بابی انت وامی' قال : صم یوما شدید الحر لیوم النشور' وصل رکعتین فی ظلمۃ اللیل لوحشۃ القبور' وحج حجۃ لعظائم الامور' وتصدق بصدقۃ علی مسکین او کلمۃ حق تقولہا او کلمۃ شر تسکت عنہا۔ (۱)

جب تم سفر کا ارادہ کرتے ہو تو اس کے لئے تیاری کرتے ہو یا نہیں؟ ابوذر نے عرض کیا : جی ہاں! آپ نے فرمایا : پھر قیامت کے سفر کی کیا تیاری کی ہے؟ کیا میں تمہیں وہ بات نہ بتلادوں جو اس دن فائدہ دے۔ ابوذر نے عرض کیا : آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں ضرور بتلایئے! فرمایا : قیامت کے دن کی شدت سے بچنے کے لئے کسی گرم ترین دن روزہ رکھو' قبر کی وحشت سے بچنے کے لئے رات کی تاریکی میں دو رکعت نماز پڑھو' بڑے بڑے امور کے لئے حج کرو' اور کسی مسکین کو صدقہ دو' یا کوئی حق بات ہی کہہ دو' یا کسی بری بات سے سکوت اختیار کرو۔

روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک شخص تھا' جب لوگ سوجاتے تھے تو وہ اٹھ کر نماز پڑھتا اور قرآن کریم کی تلاوت کرتا' اور یہ دعا کرتا کہ اے اللہ! مجھے دوزخ سے نجات دیجئے۔ لوگوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کا تذکرہ کیا۔ آپ نے فرمایا : جب وہ اٹھے اور نماز وغیرہ پڑھے تو مجھے اس کی اطلاع کردینا۔ جب رات میں اس نے عبادت شروع کی تو آپ تشریف لائے' اس کی دعا سنی' صبح کو اس شخص سے فرمایا : تم اللہ سے جنت کیوں نہیں مانگتے؟ اس شخص نے عرض کیا : یا رسول اللہ! میں اس درخواست کا اہل نہیں ہوں اور نہ میرے اعمال اس قابل ہیں' تھوڑی دیر بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے' اور انہوں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! فلاں شخص کو یہ خوشخبری سنادیجئے کہ اللہ نے اس کو دوزخ سے نجات عطا کردی ہے۔ (۲) یہ بھی روایت ہے کہ جبرئیل علیہ السلام سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ عبداللہ ابن عمرؓ اچھے آدمی ہیں اگر رات کو نماز پڑھا کریں' آپ نے ابن عمرؓ کو جبرئیل علیہ السلام کی رائے سے آگاہ فرمادیا۔ (۳) اس واقعہ کے بعد ابن عمرؓ رات کو جاگنے لگے' اور پابندی کے ساتھ نماز پڑھنے لگے۔ چنانچہ آپ کے خادم حضرت نافع فرماتے ہیں کہ آپ رات بھر نماز پڑھا کرتے تھے' رات کے آخری حصے میں مجھ سے دریافت فرماتے نافع! صبح ہوگئی! میں عرض کرتا ابھی نہیں ہوئی' یہ سن کر وہ پھر نماز میں مشغول ہوجاتے' تھوڑی دیر کے بعد یہی سوال دوبارہ کرتے میں وہی جواب دیتا' اس کے بعد وہ بیٹھ کر استغفار کرنے لگتے ہیں' ان کی نماز اور دعاؤں کا سلسلہ صبح صادق تک جاری رہتا۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت یحییٰ ابن زکریا علیہما السلام نے جو کی روٹی پیٹ بھر کر کھالی' رات میں سوئے تو بیدار نہ ہوسکے اور وہ وظیفہ فوت ہوگیا جو رات کو اٹھ کر پڑھنے کا معمول تھا۔ صبح کو وحی آئی کہ اے یحییٰ! کیا تمہیں میرے گھر سے بہتر کوئی گھر مل گیا ہے یا میرے پڑوس سے

---

(۱) ابن ابی الدنیا نے کتاب التہجد میں یہ روایت سری ابن مخلد سے مرسل نقل کی ہے۔ (۲) مجھے اس کی اصل نہیں ملی۔ (۳) بخاری و مسلم میں یہ روایت ابن عمرؓ سے منقول ہے مگر اس میں جبرئیل علیہ السلام کا ذکر نہیں ہے۔

بستر کوئی پڑوس مل گیا ہے' میری عزت اور جلال کی قسم! اے یحیٰ! اگر تم جنت کی ایک جھلک دیکھ لو تو شوق کی حرارت سے تمہاری چربی پگھل جائے' اور جان نکل جائے' اور اگر جہنم میں جھانک لو تو مارے خوف کے خون کے آنسو روؤ' اور ٹاٹ کے بجائے لوہا پہننا شروع کردو' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ فلاں شخص رات کو تہجد پڑھتا ہے' اور صبح کو چوری کرتا ہے' آپ نے ارشاد فرمایا :-

سینھاہ مایعمل۔ (ابن حبان۔ ابو ہریرۃؓ)

رات کی نماز اسے اس فعل سے روک دے گی۔

ایک حدیث میں ہے :-

رحم اللہ رجلا قام من اللیل فصلی' ثم ایقظ امراتہ فصلت فان ابت نضح فی وجھھا الماء ورحم اللہ امراۃ قامت من اللیل فصلت ثم ایقظت زوجھا فصلی فان ابی نضحت فی وجھہ الماء۔ (ابو داؤد' ابن حبان' ابو ہریرۃؓ)

اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو رات کو اٹھ کر نماز پڑھے' پھر اپنی بیوی کو جگائے' اور وہ نماز پڑھے' اگر بیوی اٹھنے سے انکار کرے تو وہ اس کے چہرے پر پانی چھڑک دے' اللہ تعالیٰ اس عورت پر رحم کرے جو رات کو اٹھ کر نماز پڑھے پھر اپنے شوہر کو جگائے' اگر اس کا شوہر اٹھنے سے انکار کرے تو وہ اس کے چہرے پر پانی چھڑک دے۔

قال صلی اللہ علیہ وسلم : من استیقظ من اللیل وایقظ امراتہ فصلیا رکعتین کتبا من الذاکرین اللہ کثیرا والذاکرات۔ (ابو داؤد' نسائی۔ ابو ہریرۃؓ)

فرمایا جو شخص رات کو اٹھے اور اپنی بیوی کو جگائے' پھر وہ دونوں دو رکعت نماز پڑھیں' تو ان کا شمار بہت زیادہ ذکر کرنے والے مردوں اور عورتوں میں ہوگا۔

قال صلی اللہ علیہ وسلم : افضل الصلاۃ بعد المکتوبۃ قیام اللیل۔ (مسلم۔ ابو ہریرۃؓ)

فرمایا : فرائض کے بعد افضل ترین نماز رات کی نماز ہے۔

حضرت عمر ابن الخطابؓ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں :-

من نام عن حزبہ او عن شئی منہ فقراہ بین صلاۃ الفجر والظھر کتب لہ کانہ قراہ من اللیل۔ (مسلم)

جو شخص سونے کی وجہ سے اپنا وظیفہ نہ پڑھ سکے' یا کچھ پڑھے' اور کچھ باقی رہ جائے' پھر وہ فجر اور ظہر کی نمازوں کے درمیانی وقفے میں اپنا وظیفہ پورا کرے تو اس کے لئے اتنا ثواب لکھا جائے گا کہ گویا اس نے رات سے پڑھا ہے۔

آثار صحابہ اور تابعین : حضرت عمر اپنی رات کی عبادت کے دوران خوف کے مضامین پر مشتمل کوئی آیت تلاوت کرتے تو بے ہوش ہو کر گر جاتے' پھر کئی روز تک آپ کی اس طرح عیادت کی جاتی جس طرح مریضوں کی کی جاتی ہے۔ جب لوگ سو جاتے تو ابن مسعودؓ نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے' صبح تک ان کی آواز مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح گونجتی رہتی۔ سفیان ثوریؒ نے ایک روز پیٹ بھر کر کھانا کھالیا۔ پھر یہ فرمایا کہ گدھے کو جس دن چارا زیادہ ملتا ہے اس روز کام بھی زیادہ لیا جاتا ہے۔ چنانچہ وہ رات انھوں نے عبادت میں گذاری۔ طاؤسؒ جب بستر پر لیٹتے تو اس طرح اچھلتے رہتے جس طرح دانہ کڑاہی میں اچھلتا ہے پھر اٹھ کر

کھڑے ہو جاتے۔ اور صبح تک نماز میں مشغول رہتے۔ پھر یہ فرماتے کہ عابدین کی نیند جہنم کے خوف سے اڑ گئی۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے اور رات کو جاگ کر عبادت کرنے سے زیادہ پر مشقت عمل کوئی نہیں ہے۔ لوگوں نے ان سے پوچھا۔ کیا بات ہے تہجد گزاروں کے چہرے بڑے منور اور روشن ہوتے ہیں؟ فرمایا اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تنہائی میں ملتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں اپنے نور میں سے کچھ عطا کر دیتا ہے ایک بزرگ سفر سے واپس تشریف لائے۔ گھر والوں نے ان کے آرام کے لئے بستر بچھا دیا۔ وہ سو گئے۔ اس قدر نیند آئی کہ رات کی عبادت فوت ہو گئی۔ انہوں نے قسم کھائی کہ آئندہ کبھی بستر پر نہیں سوؤں گا۔ عبدالعزیز ابن ابی رواد رات گئے اپنے بستر پر آتے اور اس پر ہاتھ پھیر کر کہتے۔ و نرم و گداز ہے۔ لیکن خدا کی قسم جنت میں تجھ سے زیادہ نرم و گداز بستر ہوں گے۔ یہ کہہ کر واپس تشریف لے جاتے' اور نماز شروع کر دیتے' اور تمام رات نماز پڑھتے رہتے۔ فضیل ابن عیاضؒ کہتے ہیں کہ جب رات آتی ہے تو اس کی طوالت کا خوف مجھے بے چین کر دیتا ہے' اسی حالت میں میں قرآن پاک کی تلاوت شروع کر دیتا ہوں' رات گذر جاتی ہے' اور میں اپنی ضرورت کی تکمیل بھی نہیں کرپاتا' حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ آدمی گناہ کرتا ہے اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ رات میں اٹھ نہیں پاتا۔ فضیلؒ کہتے ہیں کہ اگر تم دن میں روزے نہ رکھ سکو' اور رات کو اٹھ کر عبادت نہ کر سکو تو یہ سمجھ لو کہ تم اپنے گناہوں کی وجہ سے محروم کر دیئے گئے ہو۔ صلۃ ابن اشیم تمام رات نماز پڑھتے' صبح ہوتی تو یہ دعا کرتے "اے اللہ! مجھ جیسا گناہ گار بندہ جنت کس منہ سے طلب کرے' بس یہی درخواست ہے کہ اپنے عفو و کرم کے طفیل دوزخ سے نجات عطا کر"۔ ایک شخص نے کسی دانشور سے کہا کہ میں رات کو اٹھ نہیں پاتا ہوں' دانشور نے کہا : اے بھائی! دن میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچو' خواہ رات کو عبادت نہ کرو۔ حسن بن صالحؒ کے پاس ایک باندی تھی' آپ نے اسے کسی کے ہاتھ فروخت کر دی' جب رات آدھی گزر گئی' وہ باندی بیدار ہوئی' اور اس نے گھر والوں سے کہا اٹھو' اور نماز پڑھو! گھر والوں نے کہا کیا صبح ہو گئی؟ باندی نے پوچھا : کیا تم فرض نمازوں کے علاوہ کوئی نماز نہیں پڑھتے' انہوں نے کہا نہیں! وہ باندی حسن کے پاس آئی اور کہنے لگی! اے آقا! آپ نے مجھے ایسے لوگوں کے سپرد کر دیا ہے جو صرف فرض نمازیں پڑھتے ہیں۔ مجھے ان سے واپس لے لیجئے' حسنؒ نے ان کے روپے واپس کر دیئے اور بیع منسوخ کر دی۔ ربیع کہتے ہیں کہ میں امام شافعیؒ کے مکان میں مدتوں سویا ہوں' میں نے دیکھا کہ آپ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے۔ ابوالجویریہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی زندگی کے چھ مہینے ابو حنیفہؒ کی صحبت میں گزارے ہیں' ان چھ مہینوں میں ایک رات بھی ایسی نہیں تھی کہ آپ نے اپنا پہلو زمین پر رکھا ہو' ابو حنیفہؒ پہلے آدھی رات سوتے تھے' اور آدھی رات عبادت کیا کرتے تھے' ایک دن کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے' ان میں سے کسی نے ابو حنیفہؒ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے رفقاء کو بتایا کہ یہ بزرگ تمام رات عبادت کرتے ہیں' ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں اس دن کے بعد میں تمام رات جاگنے لگا۔ مجھے شرم آئی کہ لوگ میری وہ تعریف کریں جس کا میں مستحق نہ ہوں' یہ بھی روایت ہے کہ رات میں آپ کے لئے بستر ہی نہیں بچھتا تھا۔ مالک ابن دینارؒ نے ایک رات یہ آیت پڑھی اور پڑھتے پڑھتے صبح کر دی۔

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ۔ (پ ۲۵ ر ۱۸ آیت ۲۱)

یہ لوگ جو برے کام کرتے ہیں کیا یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں کے برابر رکھیں گے جنہوں نے ایمان اور عمل صالح اختیار کیا کہ ان سب کا جینا اور مرنا یکساں ہو جائے یہ برا حکم لگاتے ہیں۔

مغیرہ ابن حبیبؒ کہتے ہیں کہ میں نے مالک ابن دینار کو دیکھا کہ انہوں نے عشاء کے بعد وضو کیا' پھر نماز کے لئے کھڑے ہوئے' اپنی داڑھی پکڑی' اور اتنا روئے کہ آواز رندھ گئی' اور یہ دعا کی "اے اللہ! مالک کے بڑھاپے کو دوزخ پر حرام کر دے' تجھے معلوم ہے کہ جنت میں کون رہے گا' اور دوزخ میں کون رہے گا۔ تو یہ بھی جانتا ہے کہ ان دونوں فریقوں میں سے مالک کس فریق کے ساتھ ہے' اور ان دونوں گھروں میں سے مالک کو کس گھر میں رہنا ہے" صبح صادق تک ان کی دعاؤں کا سلسلہ جاری رہتا۔ مالک ابن دینار

کہتے ہیں کہ ایک رات میں بیدار نہ ہوسکا اور تہجد کی نماز فوت ہوگئی' میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک بے حد خوبصورت دوشیزہ میرے پاس کھڑی ہے' اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ ہے' اس نے مجھ سے پوچھا : کیا تم یہ تحریر پڑھ سکتے ہو؟ میں نے کہا : ہاں! اس نے وہ کاغذ میری طرف بڑھا دیا' اس میں یہ اشعار لکھے ہوئے تھے۔

أ ألهتک اللذائذ والا مانی - عن البیض الأ وانس فی الجنان
تعیش مخلدا لاموت فیھا - وتلھو فی الجنان مع الحسان
تنبه من منامک ان خیرا - من النوم التھجد بالقرآن

(ترجمہ : کیا تجھے لذتوں اور آرزوؤں نے جنت کی خوبصورت حوروں سے غافل کردیا ہے' تو وہاں ہمیشہ رہے گا' اس میں موت نہیں ہوگی' اور تو وہاں حسیناؤں کے ساتھ تفریح کرے گا' نیند سے بیدار ہو' اور یہ بات جان لے کہ تہجد میں قرآن پاک کی تلاوت کرنا نیند سے بہتر ہے۔)

بیان کیا جاتا ہے کہ مسروقؒ نے حج کیا' انہوں نے سفر کی تمام راتیں خداوند قدوس کے حضور سجدہ کرنے میں بسر کردیں' ازہر ابن مغیث تہجد گزار بزرگ تھے' انہوں نے خواب میں ایک عورت دیکھی جو دنیا کی عام عورتوں سے مختلف تھی' کہتے ہیں کہ میں نے اس سے پوچھا : اے عورت! تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا : میں حور ہوں۔ میں نے کہا : مجھ سے نکاح کرلے۔ اس نے کہا میرے مالک کے پاس نکاح کے لئے پیغام بھیجو' اور میرا مہر ادا کرو' میں نے اس کا مہر دریافت کیا' حور نے بتلایا کہ میرا مہر یہ ہے کہ رات میں زیادہ سے زیادہ نماز پڑھو۔ یوسف ابن مہران کہتے ہیں کہ مجھے کسی نے یہ بتلایا کہ عرش کے نیچے مرغ کی صورت کا ایک فرشتہ ہے' اس کے پنجے موتی کے ہیں' اور خار سبز برجد کے ہیں' جب رات کا تہائی حصہ گزر جاتا ہے وہ مرغ فرشتہ اپنے بازو پھڑ پھڑاتا ہے' اور یہ کہتا ہے کہ نماز پڑھنے والے بیدار ہوجائیں۔ جب صبح ہوجاتی ہے تو اپنے بازوؤں کو ایک دوسرے پر مار کر کہتا ہے کہ غافل لوگ گناہوں کا بوجھ لے کر اٹھیں! وہب ابن منبہ یمانیؒ کے بارے میں روایت ہے کہ انہوں نے تیس برس تک اپنا پہلو زمین پر نہیں رکھا وہ یہ کہا کرتے تھے کہ گھر میں بستر ہونے کے مقابلے میں بہتر یہ ہے کہ شیطان میرے یہاں مقیم ہو' اس لئے کہ بستر سے غفلت پیدا ہوتی ہے' اور شیطان کا کام بھی یہی ہے کہ لوگوں کو اللہ سے غافل کرے۔ وہب یمانیؒ کے بارے میں یہ بھی سنا گیا ہے کہ ان کے پاس چمڑے کا ایک تکیہ تھا' جب بھی وہ نیند کی شدت سے مغلوب ہوتے اس پر اپنا سینہ رکھ لیتے' اور چند جھونکے لے لیتے تھے' پھر نماز میں مشغول ہوجاتے۔ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کی' اور آپ کا یہ ارشاد سنا کہ میری عزت و جلال کی قسم! میں سلیمان تیمیؒ کو بلند مقام عطا کروں گا' اس نے چالیس برس تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی ہے۔ کہتے ہیں کہ سلیمان تیمی کی رائے یہ تھی کہ دل میں نیند کا تصور پیدا ہونے سے وضو باطل ہوجاتا ہے۔ قدیم آسمانی کتابوں میں باری تعالیٰ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ میرا حقیقی بندہ وہ ہے جو اٹھنے کے لئے مرغ کی آواز کا انتظار نہ کرے۔

قیام لیل کی آسان تدبیریں

رات کو اٹھنا واقعتاً مشکل ہے' جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ حسن توفیق سے نوازتے ہیں' اور وہ ان ظاہری اور باطنی تدابیر پر عمل کرتے ہیں جن سے شب بیداری آسان ہو تو وہ کسی دشواری کے بغیر رات کو اٹھ جاتے ہیں' اور اللہ تعالیٰ کی عبادت سے اپنی عاقبت سنوارتے ہیں' ذیل میں ہم رات کو اٹھنے کی آسان تدبیریں بیان کررہے ہیں' اس سلسلے کی ظاہری تدابیر چار ہیں۔

پہلی تدبیر : یہ ہے کہ کھانا زیادہ نہ کھائے' کھانا زیادہ کھانے سے پانی بھی زیادہ پینا ہوگا' اس سے نیند آئے گی' اور رات کو

الا اعطاہ ایاہ وذلک کل لیلۃ (مسلم)

رات میں ایک ساعت ایسی ہوتی ہے کہ جو مسلمان بندہ اسے پاتا ہے اور اس میں دنیا و آخرت سے متعلق کوئی خیر اللہ سے مانگتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں' اور یہ ساعت ہر رات میں ہوتی ہے۔

شب بیداری کا مقصود یہی ساعت ہے' یہ ساعت مبہم ہے کوئی نہیں جانتا کہ رات کے کس حصے میں ہے' جس طرح رمضان کے مہینے میں شب قدر اور جمعہ کے دن قبولیت کی گھڑی متعین نہیں کی جاسکتی اسی طرح یہ ساعت بھی متعین نہیں ہے' کیا بعید ہے کہ رحمت کے جھونکوں کی لئے وہی ساعت مخصوص ہو۔

رات کی تقسیم کا بیان

مقدار کے اعتبار سے شب بیداری کے سات طریقے ہیں۔

پہلا طریقہ : یہ ہے کہ تمام رات جاگے' تمام رات کی عبادت صرف ان لوگوں کا حصہ ہے جو خداوند قدوس کی عطا کردہ توفیق خاص کے طفیل جاگنے پر قادر ہیں' یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے خاص کرلیا ہے' مناجات میں انھیں لذت ملتی ہے' شب بیداری ان کی غذا ہے' عبادت ان کے دلوں کی زندگی ہے' وہ رات کو جاگتے ہیں' دن میں نیند پوری کرلیتے ہیں' بعض اکابرین سلف کا معمول یہی تھا کہ وہ لوگ عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھا کرتے تھے' ابو طالب مکیؒ کہتے ہیں کہ مشہور و متواتر روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ چالیس تابعین کا معمول یہی تھا' ان میں سے بعض بزرگوں نے چالیس سال تک اس معمول کی پابندی کی ہے' کچھ بزرگوں کے اسماء گرامی یہ ہیں :۔ مدینہ منورہ کے سعید ابن المسیب اور صفوان بن سلیم' مکہ مکرمہ کے فضیل ابن عیاض' اور وہیب ابن الورد' یمن کے طاؤس اور وہب ابن منبہ' کوفہ کے ربیع ابن خیثم اور حکم' شام کے ابو سلیمان دارانی اور علی ابن بکار' قبیلہ عباد کے ابو عبداللہ الخواص اور ابو عاصم' فارس کے ابو محمد اور ابو جابر سلمان' بصرہ کے مالک ابن دینار' سلمان التیمی' یزید الرقاشی' حبیب ابن ابی ثابت اور یحییٰ البکاء' کمس ابن منہال اور مدینہ منورہ کے ابو حازم اور محمد ابن المنکدر کا شمار بھی ان شب زندہ دار عابدین میں ہوتا ہے' اول الذکر ایک مہینے میں نوّے قرآن پاک ختم کرتے تھے اور اس طرح پڑھتے کہ اگر قرآن کی کسی آیت کے معنی ان کے سمجھ میں نہ آتے تو اس آیت کو دوبارہ پڑھتے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

دوسرا طریقہ : یہ ہے کہ آدھی رات جاگے' ماضی میں بے شمار لوگ گزرے ہیں جنھوں نے نصف شب جاگنے کا معمول بنایا' اور اس کی پابندی کی' اس سلسلے میں بہتر طریقہ یہ ہے کہ رات کا ابتدائی اور آخری حصہ سونے میں بسر کرے' تاکہ رات کا درمیانی حصہ عبادت میں گزرے' عبادت کے لئے یہ وقت افضل ہے۔

تیسرا طریقہ : یہ ہے کہ شب بیدار رہے' اس صورت میں نصف شب ابتدائی' اور اخیر رات کا چھٹا حصہ سونے میں گزارے۔ رات کی ابتدا اور انتہا میں سونا اسلئے افضل ہے کہ اس سے صبح کو نیند نہیں آتی' اکابرین سلف صبح کے وقت اونگھنے کو ناپسند کرتے تھے' آخر رات میں سونے سے چہرے پر زردی نہیں آتی' تندرستی باقی رہتی ہے' اور لوگوں کو انگشت نمائی کا کم سے کم موقع ملتا ہے' چنانچہ اگر کوئی شخص رات کا بیشتر حصہ عبادت میں گزارے اسے آخر شب میں سوجانا چاہئے تاکہ چہرے پر سونے کے اثرات نمایاں نہ ہوں' حضرت عائشہؓ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول بیان فرماتی ہیں کہ جب آپ آخر شب میں وتر پڑھ لیتے تھے تو اگر آپ کو ضرورت ہوتی تو اپنی ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے' ورنہ جائے نماز پر آرام فرماتے' فجر کے وقت

بلالؓ آتے، اور آپ کو نماز کی اطلاع دیتے۔ (۱) حضرت عائشہؓ کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ سحر کے وقت میں نے جب بھی دیکھا آپ کو سوتے ہوئے پایا (۲) اسی بناء پر بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ تہجد کے بعد صبح سے پہلے سونا سنت ہے۔ صحابہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کی رائے بھی یہی تھی، اس وقت سونے کے دو فائدے ہیں، ایک فائدہ تو یہ ہے کہ اس وقت اہل دل کو مکاشفات اور مشاہدات ہوتے ہیں، دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس وقت کے آرام سے دن کے پہلے وظیفے کی ادائیگی میں آسانی ہوتی ہے، حضرت داؤد علیہ السلام آخری نصف کے تہائی کے حصے کے بقدر قیام کرتے، اور آخری چھٹے حصے کے بقدر آرام فرماتے۔

چوتھا وظیفہ : یہ ہے کہ رات کے چھٹے یا پانچویں حصے میں قیام کرے افضل یہ ہے کہ قیام نصف آخر میں ہو، بعض لوگوں نے کہا کہ نصف آخر کا چھٹا حصہ قیام کے لئے ہونا چاہیے۔

پانچواں وظیفہ : یہ ہے کہ جاگنے کی کوئی متعین مقدار نہ ہو، اور نہ اسکے لئے کوئی وقت مخصوص کیا جائے۔ کیوں کہ رات کے صحیح اوقات نبی کو وحی کے ذریعہ معلوم ہوسکتے ہیں یا ان لوگوں کو جو فن ہیئت سے واقف ہیں، اور چاند کی منزلوں کا علم رکھتے ہیں، اگر چاند کی رفتار سے وقت کا اندازہ کرنے کے لئے کسی شخص کو متعین کردیا جائے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان راتوں میں صحیح وقت کس طرح معلوم ہوسکے گا جن میں ابر رہتا ہے، اس لئے بہتر یہی ہے کہ وقت کی کوئی تخصیص یا تحدید نہ ہو، بلکہ مناسب یہ ہے کہ رات کی ابتدا میں اتنا جاگے کہ نیند آجائے، پھر بیدار ہو، اور عبادت کرے، نیند کا غلبہ ہو تو سوجائے، اس طرح ایک رات میں دو مرتبہ سونا ہوگا، اور دو مرتبہ قیام ہوگا، یہی محنت اصل ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ بھی یہی تھی۔ (۳) حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اور دوسرے بہت سے اولوالعزم صحابہ اور تابعین بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اسوۂ مبارکہ پر عمل پیرا تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شب بیداری مقدار کے اعتبار سے کسی ایک نہج پر نہیں تھی، بلکہ بعض اوقات آپ آدھی رات بیدار رہتے، کبھی تہائی، کبھی دو تہائی اور کبھی چھٹے حصے کے بقدر وقت میں نماز پڑھتے۔ (۴) قرآن پاک سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ نِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ (پ ۲۹ ر ۱۴ آیت ۲۰)

آپ کے رب کو معلوم ہے کہ آپ (کبھی) دو تہائی رات کے قریب، اور (کبھی) آدھی رات اور (کبھی) تہائی رات (نماز میں) کھڑے رہتے ہیں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مرغ کی آواز سن کر بیدار ہوتے تھے۔ (۵) ایک صحابی ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے دوران سفر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شب بیداری کا اچھی طرح مشاہدہ کیا ہے، چنانچہ میں نے دیکھا کہ آپ عشاء کی نماز کے بعد تھوڑی دیر کے لئے سوگئے، اس کے بعد بیدار ہوئے، آسمان کی طرف دیکھا اور قرآن پاک کی یہ آیات تلاوت فرمائیں "رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا (الی) اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (پ ۴ ر ۱۱ آیت ۱۹۱-۱۹۴) پھر اپنے بستر سے مسواک اٹھائی، وضو کیا،

---

(۱) مسلم میں روایت کے الفاظ یہ ہیں "کان ینام اول اللیل ویحیی آخرہ ثم ان کان لہ حاجۃ الی اھلہ قضی حاجتہ ثم ینام" نسائی کی روایت یہ ہے "فاذا کان من السحر اوتر ثم اتی فراشہ فاذا کان لہ حاجۃ الم باھلہ" ابوداؤد کے الفاظ یہ ہیں "کان اذا قضی صلاتہ من آخر اللیل نظر فان کنت مستیقظۃ حدثنی، وان کنت نائما ایقظنی وصلی الرکعتین ثم اضطجع حتی یأتیہ المؤذن فیؤذنہ بصلاۃ الصبح فیصلی رکعتین خفیفتین ثم یخرج الی الصلاۃ" (۲) بخاری ومسلم۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں "ما الفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم السحر الاعلی فی بیتی او عندی الا نائما" بخاری میں لفظ "الاعلی" نہیں ہے۔ (۳) ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ۔ ام سلمہؓ۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ "کان یصلی وینام قدر ما صلی ثم یصلی قدر ما نام، ثم ینام قدر ما صلی حتی یصبح" (۴) بخاری ومسلم۔ ابن عباسؓ (۵) بخاری ومسلم۔ عائشہؓ۔

اٹھنا مشکل ہو گا' چنانچہ بعض بزرگان دین دستر خوان پر بیٹھے ہوئے طالبان حق سے مخاطب ہو کر کہتے زیادہ مت کھاؤ' زیادہ کھاؤ گے تو زیادہ پانی پیو گے' زیادہ پانی پینے سے نیند زیادہ آئے گی' اور موت کے وقت زیادہ پچھتانا پڑے گا۔ معدہ کو کھانے کی گرانی سے بچانا اس سلسلے کی سب سے اہم تدبیر ہے۔

دوسری تدبیر : یہ ہے کہ دن کے وقت ایسا کام نہ کرے جس سے بدن تھک جائے' اور اعضاء آرام کی ضرورت محسوس کریں' زیادہ مشقت کے کام کرنے سے بھی نیند آتی ہے۔

تیسری تدبیر : یہ کہ دوپہر کو قیلولہ ضرور کرے' رات کو اٹھنے کے لئے دن میں سونا مستحب ہے(ابن ماجہ۔ ابن عباسؓ)

چوتھی تدبیر : یہ ہے کہ دن کو گناہ زیادہ نہ کرے' گناہوں کے ارتکاب سے دل سخت ہو جاتا ہے اور اللہ کی رحمت شامل حال نہیں رہتی' ایک شخص نے حسن بصریؒ سے کہا کہ میں آرام سے سوتا ہوں' دل یہ چاہتا ہے کہ رات میں اٹھ کر نماز پڑھوں' وضو کا پانی بھی تیار رکھتا ہوں' لیکن معلوم نہیں مجھے کیا ہو گیا ہے کہ ہزار کوشش کے باوجود آنکھ نہیں کھلتی' حسن نے جواب دیا تیرے گناہ تجھے اٹھنے سے روکتے ہیں حسن بصریؒ جب بازار تشریف لے جاتے اور لوگوں کی لغو اور بیہودہ باتیں سنتے تو فرماتے میرے خیال سے ان لوگوں کی رات بری ہے' یہ لوگ دن میں نہیں سوتے' رات کو کیا جاگیں گے۔ سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک گناہ کی وجہ سے پانچ مہینے تک تہجد کی نماز سے محروم رہا۔ لوگوں نے اس گناہ کے متعلق دریافت کیا' فرمایا: میں نے ایک شخص کو روتے ہوئے دیکھ کر سوچا تھا کہ یہ شخص ریا کار ہے۔ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں کرز ابن وبرہ کی خدمت میں حاضر ہوا' وہ رو رہے تھے' میں نے پوچھا کیا کسی عزیز کے مرنے کی خبر ملی ہے؟ فرمایا اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ بات ہے' میں نے پوچھا کیا جسم کے کسی حصے میں درد ہے' جس کی تکلیف آپ برداشت نہیں کر پا رہے ہیں؟ فرمایا: اس سے بھی زیادہ تکلیف دینے والا واقعہ رونما ہوا ہے' میں نے وہ واقعہ جاننے پر اصرار کیا' فرمایا: میرا دروازہ بند ہے' پردہ گرا ہوا ہے' میں آج رات کے معمولات ادا نہ کر سکا' شاید میں نے کوئی گناہ کیا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ خیر نیکی کا داعی ہے' اور گناہ شر کی طرف بلاتا ہے۔ یہ دونوں اگر کم بھی ہوں تو زیادہ کی دعوت دیتے ہیں' چنانچہ ابو سلیمان دارانیؒ کہتے ہیں کہ کسی شخص کی نماز باجماعت گناہ کے بغیر فوت نہیں ہوتی۔ یہ بھی فرمایا کہ رات کو احتلام ہونا ایک سزا ہے' اور جنابت کے معنی یہ ہیں کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی عبادت سے دور ہو گیا ہے' ایک عالم روزہ دار کو نصیحت کرتے ہیں کہ اے مسکین! جب تم روزہ رکھو تو یہ ضرور دیکھ لو کہ کس شخص کے دستر خوان پر افطار کر رہے ہو' اور کس چیز سے افطار کر رہے ہو' بعض مرتبہ آدمی ایسا لقمہ کھالیتا ہے کہ دل کی کیفیت بدل جاتی ہے' اور اصل حالت کی طرف واپسی نہیں ہوتی' اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ گناہ دل میں قساوت پیدا کرتے ہیں' شب بیداری کی راہ میں مانع بن جاتے ہیں' اس سلسلے میں حرام غذا بھی بہت زیادہ رکاوٹ بنتی ہے' دل کی صفائی میں' اور اس خیر کی طرف مائل کرنے میں اکل حلال کا اثر زیادہ ہوتا ہے' وہ لوگ جو دلوں کے نگراں ہیں تجربے اور شریعت کی شہادت کی بنیاد پر اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں۔ چنانچہ بعض بزرگان دین فرماتے ہیں کہ بہت سے لقمے تہجد کے لئے مانع ہوتے ہیں' اور بہت سی نگاہیں سورت پڑھنے سے مانع ہوتی ہیں' بندہ ایک حرام لقمہ کھاتا ہے' اور ایک گناہ کا ارتکاب کرتا ہے' اس جرم کی اسے یہ سزا ملتی ہے کہ وہ برسوں کی شب بیداری سے محروم رہ جاتا ہے' جس طرح نماز برائیوں اور فواحش کے ارتکاب سے روکتی ہے' اسی طرح برائی بھی نماز سے اور اعمال خیر سے روکتی ہے' ایک داروغۂ زنداں کہتے ہیں کہ میں تیس برس تک اپنے عہدے پر رہا رات میں جب بھی کوئی شخص گرفتار کر کے قید خانے میں لایا جاتا میں اس سے یہ معلوم کرتا کہ اس نے عشاء کی نماز ادا کی ہے' یا نہیں؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہوتا تو میں سمجھ جاتا کہ عشاء کی نماز نہ پڑھنے کے جرم میں اسے گرفتار کر کے یہاں لایا گیا ہے۔

مذکورہ بالا سطور میں قیام لیل کی ظاہری تدابیر کا ذکر تھا' ذیل میں ہم باطنی تدابیر بیان کرتے ہیں۔

پہلی تدبیر : یہ ہے کہ مسلمانوں کے خلاف کینے سے' بدعات سے' اور دنیاوی تفکرات سے دل کو خالی رکھے' جو شخص دنیا

کے تفکرات میں گرفتار رہتا ہے اسے رات کو اٹھنا نصیب نہیں ہوتا' اگر اٹھتا بھی ہے تو نماز میں دل نہیں لگتا' بلکہ اپنی پریشانیوں میں الجھا رہتا ہے' اور دنیا کے اندیشوں میں مبتلا رہتا ہے' اسی طرح کے لوگوں کے متعلق شاعر کہتا ہے۔

یخبرنی البواب انک نائم ــــ وانت اذا استیقظت ایضا فنائم

(ترجمہ: دربان مجھے یہ بتلاتا ہے کہ تم سو رہے ہو' اور تم بیدار ہو کر بھی سوئے ہوئے لگتے ہو)

دوسری تدبیر : یہ ہے کہ دل پر ہر وقت خوف کا غلبہ رہے' زندگی کی امید کم ہو' کیوں کہ زندگی کی بے ثباتی اور آخرت کی ہولناکیوں کا تصور آنکھوں کی نیند اڑانے کے لئے کافی ہے' طاؤس فرماتے ہیں کہ جہنم کی یاد سے عابدوں کی نیند غائب ہو جاتی ہے' روایت ہے کہ بصرہ کے ایک غلام صہیب تمام رات عبادت کیا کرتے تھے' ایک روز انکی مالکہ نے کہا کہ صہیب تم رات کو جاگتے ہو' دن میں ہمارے کام کا نقصان ہوتا ہے' صہیب نے کہا: میں کیا کروں' جہنم کے خوف سے مجھے رات بھر نیند نہیں آتی۔ ایک اور غلام سے جو رات بھر جاگتا رہتا تھا کسی شخص نے دریافت کیا تم رات بھر کیوں جاگتے رہتے ہو' اس نے جواب دیا کہ مجھے دوزخ کے خوف سے' اور جنت کے شوق سے نیند نہیں آتی' ذوالنون مصری نے ان تین شعروں میں یہی مضمون ارشاد فرمایا ہے۔

من القرآن بوعده ووعیده ــ مقل العیون بلیلها ان تهجعا
فهموا عن الملک الجلیل کلامه ــ فرقابهم ذلت الیه تخضعا

(ترجمہ: قرآن نے اپنے وعد وعید کے مضامین کے ذریعہ آنکھوں کو سونے سے منع کر دیا ہے' انھوں نے خوف اور خشوع اور خضوع کے ساتھ شہنشاہ عظیم کا کلام سمجھا ہے)

اس مضمون کے چند شعر یہ ہیں :۔

یا طویل الرقادو الغلات ــ کثرة النوم تورث الحسرات
ان فی القبران نزلت الیه ــ لرقادا یطول بعد الممات
ومها دامهدا لک فیه ــ بذنوب عملت اوحسنات

(ترجمہ: اے وہ شخص جو طویل نیند اور گہری غفلتوں کا شکار ہے' زیادہ سونے سے حسرت کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا' جب تو مرنے کے بعد قبر میں اترے گا تو طویل نیند کی فرصت ہوگی' اور قبر میں تیرے لئے تیرے اعمال خیر' اور اعمال بد کی مناسبت سے بستر ہوگا۔)

ابن المبارک ارشاد فرماتے ہیں :۔

اذا ما اللیل اظلم کا بد وه ــ فیسفر عنهم وهم رکوع
اطارالخوف نومهم فقاموا ــ واهل الامن فی الدنیا هجوع

(ترجمہ: جب رات تاریک ہو جاتی ہے تو وہ اس کی مشقتیں برداشت کرتے ہیں' اور صبح تک نماز میں مشغول رہتے ہیں' خوف و دہشت نے ان کی نیند اڑا دی ہے' اور وہ اپنے رب کے حضور کھڑے ہو گئے ہیں' اور دنیا کے مامون لوگ سو رہے ہیں)

تیسری تدبیر : یہ ہے کہ آیات' احادیث' اور آثار کا مطالعہ جاری رکھے جو شب بیداری کی فضیلت میں وارد ہوئے ہیں' اس مطالعے کے ذریعہ' اور اگر پڑھنا نہ جانتا ہو تو سن کر اپنے شوق کی آگ بھڑکائے' تاکہ زیادہ سے زیادہ عمل کرنے کی خواہش ہو' اور جنت کے اعلیٰ درجات میں پہنچنے کی آرزو جوان رہے' ایک بزرگ میدان جہاد سے واپس گھر تشریف لائے' ان کی بیوی نے بستر بچھا دیا' اور ان کی آمد کی منتظر رہی' لیکن وہ بزرگ مسجد میں صبح تک نماز پڑھتے رہے' جب گھر آئے تو بیوی نے بطور شکایت کہا کہ ہم مدتوں آپ کے منتظر تھے' لیکن آپ نے یہ رات مسجد میں گزار دی' جواب دیا کہ جنت کی حوروں کے تصور میں اتنا محو تھا کہ رات بھر

ان کے اشتیاق میں جاگتا رہا' اور گھر کا خیال ہی نہیں آیا۔

چوتھی تدبیر: یہ ہے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کرے' اور یقین رکھے کہ عبادت کے معنی یہ ہیں کہ بندہ رب کے ساتھ مناجات کررہا ہے' اللہ اپنے بندے کے حالات سے واقف ہے دل کے خیالات پر بھی دھیان دے' اور یہ سمجھے کہ یہ خیالات باری تعالیٰ کے خطابات ہیں' اور ان کا مخاطب میں ہوں۔ یہ تدبیر ان چاروں تدبیروں میں سب سے زیادہ اہم ہے' اس لئے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت ہوگی تو یہ خواہش بھی ہوگی کہ تنہائی میں اپنے محبوب کے ساتھ مناجات کرے' اس مناجات سے اسے لذت حاصل ہوگی' اور یہی لذت شب بیداری' اور کثرت عبادت کے لئے محرک ہوگی' مناجات کی اس لذت کا انکار نہیں کیا جاسکتا' اس لذت کے ثبوت کے لئے ہمارے پاس عقلی اور نقلی دلائل موجود ہیں' دلیل عقلی یہ ہے کہ ایک شخص کسی کی خوبصورتی اور حسن و جمال کی وجہ سے اس پر عاشق ہے' یا بادشاہ کے انعام و اکرام کی وجہ سے اسکی محبت میں گرفتار ہے' ہمارا مشاہدہ ہے کہ یہ شخص اپنے محبوب کے ساتھ تنہائی میں مل کر' اور اس سے گفتگو کرکے بے پناہ لذت پاتا ہے' اور اس لذت میں وہ اتنا مدہوش ہوجاتا ہے کہ رات بھر نیند آتی' تھکن کا احساس نہیں ہوتا' اگر یہ کہا جائے کہ خوبصورت آدمی کے قرب کی لذت تو اسلئے ہے کہ اس کے حسن و جمال کا مشاہدہ کررہا ہے' باری تعالیٰ کی دید اس کے بندوں کو کہاں میسر ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لذت محض معشوق کا چہرہ دیکھ کر حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ اگر معشوق کسی اندھیری جگہ ہو' یا پردے کے پیچھے محو گفتگو ہو عاشق کے جذبہ و شوق کا عالم اس وقت بھی قابل دید ہوتا ہے' معشوق کے قرب کے تصور سے' اس کے حسن و جمال کی تعریف سے' اور اپنی محبت کے اظہار سے اسے ناقابل بیان کیف و سرور حاصل ہوتا ہے' یہاں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ عاشق کی لذت کی بنیاد معشوق کا جواب ہے' محض اپنے شوق کا اظہار نہیں ہے' بندہ کو یہ لذت کیسے مل سکتی ہے' وہ خدا کا جواب نہیں سنتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عاشق اپنے معشوق کی خاموشی کے باوجود اظہار سے لذت پاتا ہے' اسکے لئے صرف اتنا جاننا کافی ہے کہ معشوق اسکی گفتگو سن رہا ہے' اہل یقین جب عبادت کرتے ہیں' اور تنہائیوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف لولگا کر بیٹھتے ہیں تو ان کے دلوں پر مختلف کیفیتیں وارد ہوتی ہیں' وہ ان کیفیتوں کو باری تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں' اور ان سے لذت پاتے ہیں' اسی طرح وہ لوگ بھی محض انعام کی توقع سے لذت پاتے ہیں جو بادشاہوں سے خلوت میں ملتے ہیں اور انکے سامنے اپنی درخواستیں پیش کرتے ہیں' بادشاہوں کے انعام کی توقع اور امید کی لذت کا یہ عالم ہے کہ اس منعم حقیقی کے انعام کی توقع سے لذت کیوں نہ حاصل ہوگی' جب کہ اسی کی ذات اس لائق ہے کہ لوگ اپنی حاجت روائی کے لئے اسی کے محتاج ہوں' اس کی نعمتیں ان بادشاہوں کی نعمتوں سے زیادہ پائدار اور مفید ہیں۔

عقلی دلیل یہ ہے کہ وہ لوگ جو رات کو عبادت کرتے ہیں اس لذت سے آشنا ہیں' انھیں یہ لمبی راتیں انتہائی مختصر معلوم ہوتی ہیں جس طرح عاشق کو شب وصال کی تنگی کا شکوہ ہوتا ہے' اسی طرح یہ لوگ بھی ان راتوں کو کوتاہ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ کسی شب بیدار عابد سے دریافت کیا گیا کہ رات کو آپ کا کیا حال رہتا ہے؟ انھوں نے کہا مجھے تو کبھی اس کا خیال بھی نہیں آیا کہ میرا کیا حال ہے' میں تو بس یہ جانتا ہوں کہ رات آتی ہے' اور دیکھتے ہی دیکھتے گزر جاتی ہے' میں کچھ سوچ بھی نہیں پاتا' ایک بزرگ سے یہی سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ میں اور رات دو گھوڑے ہیں' کبھی وہ صبح تک مجھ سے آگے نکل جاتی ہے' اور کبھی میرا سلسلۂ فکر منقطع کردیتی ہے'۔ دوسرے بزرگ سے دریافت کیا گیا کہ رات کو آپ کس کیفیت سے دوچار ہوتے ہیں' فرمایا: ایک گھنٹے کی رات ہوتی ہے' اس مختصر وقت میں مجھ پر دو کیفیتیں طاری ہوتی ہیں' جب رات کا اندھیرا پھیلتا ہوا دیکھتا ہوں تو خوشی ہوتی ہے' اور ابھی یہ خوشی پوری بھی نہیں ہوپاتی کہ صبح کی سفیدی نمودار ہوجاتی ہے' اور میں غمگین ہوجاتا ہوں'۔ علی ابن بکارؒ کہتے ہیں کہ چالیس سال سے مجھے صرف ایک غم ہے' اور وہ یہ کہ صبح بہت جلد ہوجاتی ہے' فضیل ابن عیاضؒ کہتے ہیں کہ جب آفتاب غروب ہوتا ہے تو یہ سوچ کر میں خوش ہوتا ہوں کہ اب مجھے خلوت نصیب ہوگی' اور میں اپنے پروردگار سے مناجات کروں گا' جب صبح ہوتی ہے تو یہ سوچ کر غم ہوتا ہے کہ اب لوگ میرے پاس آئیں گے۔ ابو سلیمان دارانیؒ کہتے ہیں کہ شب بیداروں کو ان لوگوں کے مقابلے میں زیادہ

لذت حاصل ہوتی ہے جو لہو ولعب میں مشغول ہیں' میرا حال تو یہ ہے کہ اگر رات کا وجود نہ ہوتا تو میں دنیا میں رہنے کو کبھی پسند نہیں کرتا۔ یہ بھی فرماتے تھے کہ اگر شب زندہ داروں کو اعمال کے ثواب کے بجائے شب بیداری کی لذت مل جائے تو یہی بڑی نعمت ہے' ایک عالم کہتے ہیں کہ دنیا کی کوئی لذت ایسی نہیں ہے جو جنت کی لذت کے مشابہ ہو' تاہم وہ لذت و حلاوت جنت کی لذت و حلاوت سے مشابہ ہے جو باری تعالیٰ کے حضور عاجزی کرنے والے رات کو اپنی مناجات کے دوران پاتے ہیں۔ ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ مناجات کی لذت کا تعلق دنیا سے نہیں ہے' بلکہ جنت کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے' باری تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں اور دوستوں کو یہ نعمت عطا کی ہے' دوسرے لوگ اس سے محروم ہیں۔

ابن المنکدرؒ فرماتے ہیں کہ دنیا کی صرف تین لذتیں باقی رہنے والی ہیں' ایک رات کو جاگنے کی لذت' دوسرے بھائیوں سے ملاقات کی لذت' تیسری باجماعت نماز پڑھنے کی لذت' ایک عارف باللہ فرماتے ہیں کہ سحر کے وقت اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے قلوب کی طرف توجہ فرماتے ہیں جنھوں نے تمام رات عبادت کی' اور انھیں نور سے بھر دیتے ہیں' پھر ان پاکباز بندوں کا زائد نور غافلوں کے دلوں میں منتقل ہوجاتا ہے' پچھلے علماء' میں کسی عالم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ میرے کچھ بندے ایسے ہیں جنھیں میں محبوب رکھتا ہوں' اور وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں' وہ میرے مشتاق ہیں میں انکا مشتاق ہوں' وہ میرا ذکر کرتے ہیں میں ان کا ذکر کرتا ہوں' وہ میری طرف دیکھتے ہیں میں ان کی طرف دیکھتا ہوں' اگر تو ان کے طریقے کے مطابق عمل کرے گا' تو میں تجھ کو دوست رکھوں گا' اور اگر تو ان سے انحراف کرے گا تو میں تجھ سے ناراض رہوں گا' ان بندوں کی علامت یہ ہے کہ وہ دن کو اس طرح سایہ پر نظر رکھتے ہیں جس طرح چرواہا اپنی بکریوں پر نظر رکھتا ہے' اور غروب آفتاب کے بعد اس طرح رات کے دامن میں پناہ لیتے ہیں جس طرح پرندے اپنے گھونسلوں میں چھپ جاتے ہیں' اور جب رات کا اندھیرا چھا جاتا ہے' حبیب اپنے محبوب کے ساتھ خلوت میں چلے جاتے ہیں تو وہ میرے لئے کھڑے ہوجاتے ہیں' میری خاطر اپنے چہرے زمین پر رکھتے ہیں' مجھ سے مناجات کرتے ہیں' میرے انعامات کا تذکرہ کرتے ہیں' اپنے گناہوں کی معافی ہیں' کوئی روتا ہے' کوئی چیختا ہے' کوئی آہ بھرتا ہے' وہ لوگ جس قدر مشقت برداشت کرتے ہیں وہ میری نگاہوں کے سامنے ہیں' میری محبت میں وہ جو کچھ شکوے شکایتیں کرتے ہیں میں ان سے واقف ہوں' میرا ان لوگوں پر سب سے بڑا انعام یہ ہے کہ میں اپنا کچھ نور ان کے دلوں میں ڈال دیتا ہوں' دوسرا انعام یہ کہ اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں' ان نیک بندوں کے مقابلے میں لائی جائیں تو میں انھیں ترجیح دوں' تیسرا انعام یہ ہے کہ میں اپنے چہرے سے ان کی طرف متوجہ ہوتا ہوں' کوئی جانتا ہے کہ جن لوگوں کی طرف میں اس طرح متوجہ ہوتا ہوں انھیں کیا دینا چاہتا ہوں؟ مالک ابن دینار فرماتے ہیں کہ جب بندہ رات کو اٹھ کر تہجد پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے قریب آجاتے ہیں۔ ان قدسی صفت انسانوں کے دلوں میں سوز و گداز اور رقت کی یہ کیفیت اسی لئے پیدا ہوتی تھی کہ انھیں باری تعالیٰ کا قرب میسر تھا۔ کتاب المحبت میں ہم اس موضوع پر اجمالی گفتگو کریں گے۔ روایت ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے بندے! میں تیرے دل کے قریب ہوگیا اور تو نے غیب سے میرے نور کا مشاہدہ کرلیا' ایک مرید نے اپنے شیخ سے عرض کیا کہ میں رات بھر جاگتا ہوں' نیند نہیں آتی' کوئی ایسی تدبیر بتلادیجئے جس سے نیند آجائے۔ شیخ نے جواب دیا کہ دن اور رات کی ساعتوں میں اللہ تعالیٰ کے بعض جھونکے ایسے ہوتے ہیں جو صرف جاگنے والوں کے دلوں کو مس کرتے ہوئے گزرتے ہیں' سونے والوں کے دل ان جھونکوں سے محروم رہتے ہیں' اسی لئے اے بیٹے! سونے کی تدبیر معلوم نہ کرو' زیادہ سے زیادہ جاگ کر ان جھونکوں سے فائدہ اٹھاؤ' مرید نے عرض کیا آپ نے مجھے وہ راز بتلادیا ہے کہ اب میں دن میں بھی نہیں سوسکوں گا۔۔۔ جاننا چاہئے کہ رات میں ان جھونکوں کی توقع زیادہ ہے' کیونکہ یہ صفائے قلب کا وقت ہے' اس وقت آدمی اپنی تمام مشغولیتوں سے فارغ ہوکر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ جابر ابن عبد اللہؓ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں :۔

ان من اللیل ساعة لا یوافقھا عبد مسلم یسأل اللہ خیرا من امر الدنیا والآخرة

اور نماز پڑھی' میرے خیال میں آپ کی نماز اتنے عرصے تک جاری رہی جتنے عرصے تک آپ نے آرام فرمایا تھا' پھر آپ لیٹ گئے' اور اتنی دیر تک لیٹے رہے جتنی دیر تک آپ نے نماز پڑھی تھی' اس کے بعد بیدار ہوئے' وہی آیات تلاوت فرمائیں' اور وضو کرکے دوبارہ نماز پڑھی' اس نماز میں بھی اسی قدر وقت صرف ہوا جتنا وقت پچھلی نماز میں لگا تھا۔ (۱)

چھٹا طریقہ : جاگنے کی کم سے کم مقدار یہ ہے چار رکعات یا دو رکعات کے بقدر جاگے' اگر وضو کرنا دشوار ہو تو کچھ دیر کے لئے قبلہ رو ہوکر بیٹھ جائے' اور ذکر و دعا میں مشغول رہے' یہ شخص بھی خدا کے فضل و کرم سے تہجد گزاروں میں شمار ہوگا۔ ایک حدیث میں ہے کہ رات کو نماز پڑھو اگرچہ اتنی دیر پڑھو جتنی دیر میں بکری کا دودھ دوہا جاتا ہے (ابو یعلی۔ ابن عباسؓ)

ساتواں طریقہ : یہ ہے کہ اگر درمیان رات میں اٹھنا مشکل ہو تو مغرب اور عشاء کے درمیان اور عشاء' کے بعد نماز پڑھے' اس کے بعد صبح صادق سے پہلے اٹھ جائے' ایسا نہ ہو کہ سونے کی حالت میں صبح صادق ہوجائے' اور وہ وقت کی برکات سے محروم رہے' رات کی تقسیم کی یہ چند طریقے ہیں' طالبان حق کو چاہیے کہ وہ ان طریقوں میں سے وہ طریقہ منتخب کرلیں جو ان کے لئے سہل ہو۔

افضل دن اور راتیں

جاننا چاہیے کہ سال میں پندرہ راتیں ایسی ہیں جن کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے' اور جن میں جاگنے کو مستحب قرار دیا گیا ہے' راہ آخرت کے طالبین کو ان راتوں سے غافل نہ رہنا چاہیے' یہ راتیں خیر کی تجارت گاہیں ہیں' طالب آخرت تاجر ہے' اگر وہ ان راتوں سے غافل رہا تو اسے کوئی فائدہ نہیں ہوگا' بلکہ نقصان اٹھائے گا' ان پندرہ راتوں میں سے چھ راتیں رمضان المبارک کے مہینے میں' آخری عشرے کی پانچ طاق راتیں' لیلۃ القدر ان ہی میں سے کوئی رات ہے۔ چھٹی رات رمضان کی سترہویں شب ہے' اس کی صبح کو یوم الفرقان کہا جاتا ہے' اسی تاریخ میں غزوۂ بدر ہوا' ابن الزبیرؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ رمضان المبارک کی سترہویں شب لیلۃ القدر ہے۔ باقی نو راتیں یہ ہیں :۔ محرم کی پہلی رات' عاشورا کی رات' رجب کی پہلی رات' پندرہویں رات' اور ستائیسویں راتیں' مؤخر الذکر شب معراج ہے' اس رات میں نماز پڑھنا روایات سے ثابت ہے' چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :۔

للعامل فی هذه اللیلة حسنات مائة سنة (۲)

اس رات میں عبادت کرنے والوں کو سو برس کی نیکیوں کے برابر ثواب حاصل ہوگا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جو شخص اس رات میں بارہ رکعتیں پڑھے' ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور قرآن کریم کی کوئی سورت تلاوت کرے' ہر دو رکعت کے بعد تشہد کے لئے بیٹھے' آخر میں سلام پھیرے' نماز کے بعد سو مرتبہ یہ الفاظ کہے۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ" سو مرتبہ استغفار کرے' سو مرتبہ درود پڑھے' پھر اپنے لئے دعا مانگے تو اس کی دعا قبول ہوگی' بشرطیکہ اس کا تعلق کسی معصیت سے نہ ہو' شعبان کی تیرہویں رات۔ اس رات میں سو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں' ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد دس مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے' اکابرین سلف اس نماز کی بڑی پابندی فرماتے تھے' نوافل کے باب میں ہم اس نماز کا ذکر کرچکے ہیں' عرفہ کی رات' عید الفطر کی رات' عید الاضحٰی کی رات' عیدین کی راتوں کے سلسلے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :۔

---

(۱) نسائی۔ حمید ابن عبد الرحمٰن ابن عوف (۲) ابو موسیٰ المدینی نے کتاب "فضائل الایام واللیالی" میں لکھا ہے کہ ابو محمد جباری نے حاکم ابو عبد اللہ عن محمد ابن الفضل' عن ابان' عن انسؓ یہ روایت نقل کی ہے۔ لیکن ابن الفضل اور ابان دونوں ضعیف ہیں' اور حدیث منکر ہے

من احیی لیلتی العیدین لم یمت قلبہ یوم تموت القلوب (ابن ماجہ۔ ابو امامہؓ)

جو شخص عیدین کی دونوں راتوں میں عبادت کرے گا اس کا دل اس دن بھی زندہ رہے گا جس دن تمام لوگوں کے دل مر جائیں گے۔

سال کے افضل ترین دن انیس ہیں:۔ یوم عرفہ' یوم عاشور' رجب کی ستائیسویں تاریخ' اس دن کی بڑی فضیلت ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

من صام یوم سبع و عشرین من رجب کتب اللہ لہ صیام ستین شھرا وھو الیوم الذی اھبط اللہ فیہ جبرئیل علیہ السلام علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم بالرسالۃ (ابو موسیٰ المدینی فی کتاب الفضائل۔ شہر ابن حوشب)

جو شخص رجب کی ستائیسویں تاریخ کو روزہ رکھے گا اللہ تعالیٰ اسے ساٹھ مہینوں کے روزوں کا ثواب عطا فرمائیں گے یہ وہ دن ہے جس میں جبرئیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نبوت لے کر آئے۔

رمضان المبارک کی سترہویں تاریخ۔ اس دن بدر کی جنگ ہوئی' شعبان کی پندرہویں تاریخ' جمعہ کا دن' عید کا دن' ذی الحجہ کے ابتدائی دس دن جو ایام معلومات بھی کہلاتے ہیں' (عرفہ کا دن بھی ان میں شامل ہے) ایام تشریق کے تین دن' (۱۷ تا ۱۹) انھیں ایام معدودات بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت انسؓ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فرماتے ہیں:۔

اذا سلم یوم الجمعۃ سلمت الایام' واذا سلم شھر رمضان سلمت السنۃ (۱)

جب جمعہ کا دن صحیح گزرتا ہے تو تمام دن صحیح گزرتے ہیں' جب رمضان کا مہینہ اچھی طرح گزرتا ہے تو پورا سال اچھی طرح گزرتا ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ پانچ دن لذت میں گزارے گا وہ آخرت کی لذتوں سے محروم رہے گا' جمعہ کا دن' عید کے دو دن' عرفے اور عاشوراء کے دن۔ ہفتہ میں پیر اور جمعرات کے دن بھی افضل قرار دئے گئے ہیں' ان دنوں میں باری تعالیٰ کے سامنے بندوں کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔ روزہ رکھنے کے لئے جو مہینے اور دن افضل ہیں کتاب الصوم میں ان کا ذکر ہو چکا ہے' یہاں اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔

وصلی اللہ علی کل عبد مصطفیٰ من کل العالمین۔

---

(۱) کتاب الصلوٰۃ کے پانچویں باب میں گزر چکی ہے۔